# حديقه

[illegible]

[illegible]

# [illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی انزل الکتاب والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء محمد الذی اوتی الحکمۃ وفصل الخطاب وآلہ واصحابہ الذین قطعوا عرق الشک والارتیاب۔ امّا بعد مقصد سے پہلے چند ضروری باتیں کہ جو تفسیر میں نہایت کارآمد ہیں بطور مقدمہ کے بیان کرتا ہوں۔ اس میں تین باب اور ایک خاتمہ ہے۔

باب اوّل

# باب اوّل

فصل اوّل وجود باری تعالیٰ اور انبیاء کی نبوت میں

**فصل اوّل۔** ہر ذی عقل یہ خوب جانتا ہے کہ یہ عالم (کہ جس میں رنگ برنگ کی صنعتیں اور طرح بطرح کے استحکام و انتظام ہیں) از خود نہیں بلکہ ضرور اس کا بنانے والا اور عدم سے ہستی میں لانے والا کوئی بڑا حکیم قوی قادر ہے کہ جس کا نہ کوئی شریک نہ کوئی سہیم ہے سب عیوب سے پاک اور ہر کام میں بے نیاز اپنی ذات و صفات میں ممکنات سے ممتاز ہے ان امور کے ثبوت میں دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی صاحب عقل سلیم کو انکار کی کوئی صورت نہیں ذرا غور فرمائیے کہ جب ہمارے رُوبرو کوئی صندوقچہ یا کوئی تخت آتا ہے یا کوئی مکان کمرہ حویلی وغیرہ دکھائی دیتا ہے تو ہم کو (بغیر اس بات کے کہ ہم نے اس کے بنانے والے کاریگر کی صورت دیکھی ہو بنتے دیکھنا تو درکنار) کس قدر یقین آتا ہے کہ ضرور اس کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہے اور ہمارا یہ یقین کسی طرح غلط نہیں ہو سکتا۔ اب اس عالم حیرت افزاء کو دیکھ کر کہ جو صندوقچہ وغیرہ سے بدرجہا عجیب و غریب ہے اس کے کاریگر کے یقین نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور یوں سوفسطائیہ لاادریہ[۱] اور سوفسطائیہ عندیہ کے فضول شکوک اور بیہودہ وسواس کا تو کچھ علاج ہی نہیں۔ اب میں کلام کو اسی بات پر تمام کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جو صانع عالم اور صفاتِ کمالیہ سے متصف ہے اُس کے موجود ہونے کا یقین کرنا ہر شخص کی فطرت اور جبلت میں داخل ہے وائیہ یشیر قولہ تعالیٰ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا پس جس طرح کہ اس کا یقین فطری ہے ویسے ہی اُس کا رحیم ہونا بھی فطری ہے اسی لئے اُس نے ہر نوع مخلوقات کا نظام لائق اور بندوبست فائق کر رکھا ہے۔ چونکہ اشرف المخلوقات حضرت انسان کے سوا جس قدر محسوسات ہیں (جیسا کہ حجر و شجر حیوانات یعنی گھوڑا۔ گدھا۔ گائے۔ بھینس۔ درند پرند) بوجہ نہ ہونے عقل کُلّی کے مبدأ و معاد کی فکر سے آزاد ہیں یہ بارگراں حضرت انسان ہی نے اُٹھایا اور یہ حفظ امانت اُسی کے حصہ میں آیا کما قال

---

[۱] سوفسطائیہ حکماء کے ایک فریق کا نام ہے ان کی تین قسم ہیں ایک عنادیہ کہ بسبب عناد کے یوں کہتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز وہم و خیال ہے اصل میں کچھ نہیں۔ دوسرے عندیہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز انسان کے عندیہ پر موقوف ہے جو کچھ ہیں اس کے خیالات ہیں اور اصل کچھ نہیں۔ تیسرا لاادریہ وہ کہتے ہیں ہم کو کوئی چیز اچھی طرح معلوم نہیں ہر بات میں ہم کو شک ہے۔ منہ

اللہ تعالیٰ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ[۱] الآیہ پس اُن کے لئے یہی رحمت ہے کہ اُن کو ان کے مناسب دنیاوی امور کے انتظام عطا فرماتے۔ مکڑی کے منہ میں وہ لعاب عطا کیا کہ جس سے وہ اپنا گھر بناتی اور اس میں شکار پھنساتی ہے۔ پرند اونچے اونچے درختوں کی شاخوں اور بلند پہاڑوں کی چوٹیوں میں اپنے مناسب کیسے کیسے گھونسلے بناتے ہیں۔ حشرات الارض کو بھی تعلیم کیا کہ وہ زمین میں سوراخ بنائیں اور گرمی و سردی سے امن پائیں درندوں کو چنگل اور دانت پلے پرندوں کو پَر دیتے۔ درختوں کی صورت نوعیہ کو یہ الہام ہوا کہ پانی کے وسیلے سے نرم خاک کو جڑوں کے ذریعے سے چوس کر اسکے رنگ برنگ کے پتے اور پھول اور پھل بناتے اور ہر درخت اپنے ایک وطیرہ خاص پر رہے تخالف نہ ہونے پائے۔ جو زمین پر بیل ہو کر پھیلتے ہیں وہ بلند نہ ہونے پائیں بلند ہونے والے زمین پر بیل بن کر نہ پھیل جائیں جس کا گول پتا ہے وہ ہمیشہ گول رہے اور جس کا لمبا پتا ہے وہ ہر جگہ ویسا ہی رہے، علی ہذا القیاس اور صدہا انتظامات ہیں کہ جن کا ذکر یہاں ناممکن ہے مگر حضرت انسان کو سب میں افضل بنایا اور علوم اور ادراکات کا جامہ پہنایا جس طرح موالید ثلاثہ میں جمادات سے نباتات اشرف ہیں اور نباتات سے حیوانات افضل ہیں اسی طرح سب حیوانات میں انسان اعلےٰ ہے۔ اس کے علاوہ کے سبب اس کو سوا انتظامات معاش کے فکر مبدء و معاد بھی دی گئی اس کے افعال میں اُس کو اختیار زیادہ ملا کہ جس کی وجہ سے ثواب و عذاب آخرت کا مستحق ہوا۔ اس رحیم و کریم کو اپنے پیارے انسان کی دنیا و دین معاش و معاد دونوں کے انتظام کرنے پڑے اور دونوں کے بخوبی انتظام کئے۔ **انتظام معاش** اس طرح پر کیا کہ قوائے نباتیہ[۲] و قوی حیوانیہ و انسانیہ اُس کو عطا کئیں کہ جن کے ذریعہ سے ہر انسان خواہ عالم خواہ جاہل خواہ لڑکا خواہ جوان اپنے کاروبار طبعی کھانا پینا ہضم کرنا پاخانہ پھرنا جماع کرنا سونا جاگنا مضر چیزوں سے دور رہنا منافع کی طرف ملتفت ہونا وغیرہ وغیرہ کو پورا کرتا اور بجا لاتا ہے اور اس کے بعد دیگر اسباب معاش پیدا کرنے کے لئے ہر ایک کو علے حسب مراتب قوت بخشی اور اسی نوع کے بعض بعض اشخاص کو ممتاز و خاص کر دیا کہ ان کو اور عمدہ عمدہ چیزوں کے اختراع کی توفیق دی کسی کو بڑھئی کے کام میں ایسا الہام ہوا کہ اُس نے لکڑی کی ہزاروں عمدہ عمدہ کار آمد چیزیں بنائیں، کسی کو لوہار کے کام میں الہام ہوا کہ اس نے عجیب عجیب ایجادکئے کسی نے تار برقی ریل گاڑی دُخانی جہاز کپڑا بننے کی مجائب عراب کلیں فوٹوگراف[۳] ٹیلیفون[۴] عمدہ عمدہ توپیں تارپیڈو[۵] وغیرہ صدہا چیزیں ایجاد کیں پھر اُن کی وجہ سے تمام نوع انسان اُس کے فائدے کی مستحق ہو گئی۔ اسی طرح تجارت و زراعت

انتظام معاش

ف۱ ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے آگے امانت پیش کی پس وہ نہ اٹھا سکے اور اُس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اُٹھا لیا۔ منہ

ف۲ انسان چونکہ جمادات نباتات حیوانات سب میں فائق ہے (دیکھو اول کمال جسم کیلئے نفس جمادی ہے پھر اس سے بڑھا تو اس کو نفس نباتی عطا ہوا اُس سے بھی زیادہ کمال کو پہنچا تو نفس حیوانی ملا اُس سے بھی زیادہ کامل ہوا تو نفس انسانی ملا جیسا کہ کسی عرق کو ایک آتشہ پھر دو آتشہ پھر سہ آتشہ کر کے کامل بناتے جاتے ہیں اسی طرح ایک مشت خاک کو کمال دیتے دیتے انسان بنا دیا) اس لئے اسکے نفس انسانی کو جس طرح قوی جمادیہ قوی نباتیہ بڑھنا غذا حاصل کرنا وغیرہ ذلک و قوی حیوانیہ حس و حرکت کرنا چلنا پھرنا دیا گیا اسی طرح قوی انسانیہ بھی عطا ہوئیں جیسا کہ امور کلی کا دریافت کرنا وغیرہ ذلک۔ منہ ف۳ عکسی تصویر بنانے کا آلہ۔ منہ ف۴ دور سے آواز سُنا دینے کا آلہ۔ منہ ف۵ سمندر میں جہازوں کو اُڑا دینے اور گرا دینے کا آلہ۔ منہ

ورفو دسپاہ گری کے فنون کے اُستاد بناتے اوران کے دل میں ان ان چیزوں کے الہام ہوتے۔ پھران کی وجہ
سے عالم میں سب نے نفع حاصل کیا اسی طرح انسان کے جسمانی معالجہ کے طریقے تعلیم ہوتے طبیبوں اور ڈاکٹروں
نے طرح طرح کی فائدہ بخش چیزیں تیار کیں۔ انتظام معاد کا یہ طور رکھا کہ انسان کو ایک قوت ملکیہ عطا کی جس کی وجہ انتظام معاد
سے ہر شخص اپنے خالق کی طرف رجوع کرتا اور نیک و بدباتوں میں حتے للمقدور تمیز کرتا ہے اور اس قوت کو عقل کہتے ہیں۔ ضرورت الہام
ہر چند عقل سلیم نے امورِ آخرت کو حتے الامکان دریافت کیا چنانچہ فن الٰہیات سے یہ بات ظاہر ہے لیکن ان وجوہ سے
عقل تنگ آگئی اور الہام کی محتاج ہوئی۔ اوّل یہ کہ قوتِ وہمیہ اکثر جگہ عقل سے بمقابلہ پیش آتی ہے پس کبھی مغلوب اوّل
کبھی غالب ہو جاتی ہے۔ دیکھو جب کسی تنہا مکان میں رات کو مُردہ دکھائی دیوے تو بعض کو خوف معلوم ہوتا ہے حالانکہ
عقل کا یہی فتویٰ ہے کہ جسم بے حس سے کچھ ضرر متصور نہیں۔ اسی طرح جب دو بلند دیواروں کے درمیان ایک تختہ کو
جو بالشت برابر چوڑا ہو رکھدیا جاوے تو اُس پر چلتے وقت وہم اس قدر غالب آتا ہے کہ اکثر اوقات لڑکھڑا کر آدمی
گر پڑتا ہے حالانکہ بحکم عقل اُسی تختہ پر بشرطیکہ زمین پر دھرا ہو بخوبی چل سکتا ہے۔ دوم عقل بذریعہ حواس کام دوم
کرتی ہے اور جو چیز حواسِ خمسہ سے باہر ہو وہاں اُس کے دریافت کرنے میں مقدمات ترتیب دے کر نتیجہ نکالنا پڑتا ہے۔
پس وہاں طرح طرح کی غلطیاں واقع ہوتی ہیں کہ جن کے اہل منطق شاہد ہیں۔ الغرض جو چیزیں کہ محسوس نہیں ہوتیں
اُن کے دریافت کرنے میں عقل کو بڑی دقت پیش آتی ہے۔ عالم آخرت کے حالات اور خدا تعالیٰ کی ذات و صفات
وغیرہا بھی محسوس نہیں اُن کے دریافت کرنے میں بھی عقل کا قافیہ تنگ ہے۔ سوم بدن کے حالات صحت سوم
و مرض بھوک اور پیاس خوشی و غم وغیرہ کے متغیر ہونے سے انسان کی عقل ہر وقت یکساں نہیں رہتی لڑکپن
کی عقل اور جوانی کی اور بڑھاپے کی اور تندرستی کے وقت عقل کی اور حالت ہوتی ہے بیماری کے وقت اور۔
خدا تعالےٰ کا یہ قول اس بات پر شاہد عادل ہے حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ
اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ
ذُرِّيَّتِيْ ڱ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ [۲] انہیں وجوہ سے عقلاء کا باہم اختلاف ہے کوئی کسی
بات کو اچھا کوئی بُرا جانتا ہے۔ الٰہیات میں ایک مسئلہ علم باری ہی دیکھئے اس میں کس قدر مختلف اقوال ہیں۔
ایک حکیم کچھ کہتا ہے تو دوسرا کچھ اور اس کے بعد عالم کے حدوث و قدم میں کس قدر اختلاف ہے غیر الٰہیات
میں تو اختلاف ہونا کچھ بعید نہیں آپ طبیعیات اور عنصریات ہی کے مسائل کو ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر مخالف
اقوال ہیں مدت تک قدماء کا یہی قول مانا جاتا تھا ہر ایک مرکب کے یہ چار اصل الاصول عنصر بسیط ہیں آگ پانی

---

[۱] بعض جاہلوں نے اس الہام کو الہام انبیاء سمجھ کر لُہار بڑھیوں کو نبی فرض کر کے مصنف علامہ پر اعتراض کر دیا۔ حقانی۔ اس سے
یہ مراد نہیں کہ پتھر کو انسان کر دیا بلکہ انسان میں جو جمادیت و حیوانیت ہے اس کے مراتب میں ترقی کرنا۔ ابو المحسن حقانی [۲] ترجمہ جب آدمی چالیس برس
کو پہنچتا ہے تو یہ دعا کرتا ہے کہ اے ربّ! مجھ کو یہ توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا جو مجھ کو اور میرے ماں باپ کو دیں شکریہ ادا کروں اور ایسے
نیک کام کروں کہ جو تجھ کو پسند ہوں۔ اے ربّ! میری اولاد میں صلاحیت دے میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں تیرے حکم برداروں میں سے
ہوں۔

ہوا خاک. اس کے بعد حکماء حال سلف اور بہت سے بسائط اپنے دلائل سے ثابت کر دیتے۔ حکماء کا ایک فریق ہفت افلاک عرش و کرسی کا قائل ہے اور فلک الافلاک کی گردش سے رات اور دن کا پیدا ہونا مانتا ہے ایک گروہ اس کا منکر اور زمین کی حرکت کا قائل ہے خود حال کی تحقیقات میں روز بروز کس قدر غلطیاں ثابت ہوتی رہی ہیں بلکہ بسا اوقات خود ایک عاقل کی رائے میں اختلاف پڑ جاتا ہے کبھی کسی بات کو صحیح کہتا ہے پھر آپ ہی دوسرے وقت اُس کو غلط بتاتا ہے۔ آپ کو اس بیان سے تو بخوبی معلوم ہو گیا کہ انسان کی عقل (کہ جس کو آفتاب جہاں تاب کہیں تو بجا ہے اور جس کو غیب دانی کی دوربین کہیں تو روا ہے) غلطی سے محفوظ نہیں[1]۔ بالخصوص ان چیزوں میں کہ جہاں حواس کی رسائی نہیں جیسا کہ عالم آخرت کے حالات یا باری تعالیٰ کی ذات و صفات یا خود نفس ناطقہ کے حالات و اسباب کمالات) یہاں سے آپ کو یہ بھی خوب معلوم ہو گیا کہ جس طرح ہنود کے بعض علماء کا یہ قول غلط ہے کہ مخلوقات کو اپنے خالق کی طرف کچھ حاجت باقی نہیں رہی۔ ان کی یہ رائے بھی محض غلط ہے کہ تنہا عقل کافی ہے اس کو مدد الہام کی کچھ ضرورت نہیں۔ اگر عقل کافی ہوتی تو ضرور تھا کہ وہ غلطی سے محفوظ ہوتی اور جب اُس کا غلطی میں پڑنا ان مواضع میں یقیناً ثابت ہو گیا تو پھر کافی ہونا کہاں؟ اور ان مواضع میں غلطی کرنا تو اظہر من الشمس ہے کیونکہ اگر غلطی نہ ہوتی تو مسائل مذکورہ میں اختلاف نہ ہوتا۔ جب آپ کو خوب یقین ہو گیا کہ عقل تنہا کافی نہیں تو رحمت الٰہی (کہ جس نے اس عالم میں ہر چیز کے ضروری اسباب مہیا کر دیتے چنانچہ اُس کا ذکر آچکا ہے) انسان کو حالت تباہ میں کیونکر دیکھ سکتی تھی۔ پس جس طرح اُس نے معاش کی اصلاح کے واسطے سامان مہیا فرماتے اور ان کی تکمیل کے لئے چند لوگ مستثنیٰ کئے کہ بذریعۂ الہام الٰہی طرح طرح کے ایجادوں پر قادر ہو کر اُستادِ زمانہ کہلاتے اور ان کا امر معاش میں فیض عام جاری ہوا۔ اسی طرح انسان کی اصلاح و تہذیبِ نفس و نفع آخرت کے واسطے ایک جماعت برگزیدہ لوگوں کی قائم کی کہ جن کو فہیم[2] کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی قوتِ ملکیہ نہایت علو پر ہوتی ہے ان کے دلوں سے حجاب جسمانی اُٹھائے جاتے اور اُن کو عالم **ملکوت** کے عجائب اسرار دکھاتے جاتے ہیں ان کو اُس عالم کے علوم اور احوالِ مذ شوق و تجرید سے آراستہ اخلاقِ حسنہ سے پیراستہ بنایا جاتا ہے ان کی وجہ سے انسان کے نفس کی اصلاح اور دارین کی فلاح ہوتی ہے۔ پھر ان کے بھی بلحاظ ایک صفت خاص مختلف اقسام ہیں جو تزکیۂ نفس کے علوم ہیں ان کو **کامل** کہتے ہیں اور جن میں حقائق الاشیاء کے ادراک اور معاملات کے اصولِ کلیہ کے انکشاف کا زیادہ رجحان ہوتا ہے ان کو **حکیم** کہتے ہیں اور جن کو علوم سیاست اور نظامِ ملت و قوم کی طرف میلان ہوتا ہے ان کو **خلیفہ** کہتے ہیں[3] اور جن پر

ف ہنود کے علماء کا قول غلط ہے

ف ان اقسام میں منافات کلی نہیں فرق اعتباری بھی کافی ہے بعض جہال اس کو نہیں سمجھتے۔

کامل

حکیم

خلیفہ

[illegible]

[1] اور اسی لئے سائنس بدلتا رہتا ہے کبھی ایسا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا کہ یقین کر لیا جائے کہ یہ سائنس نہیں بدلے گا۔ یا آج کی تحقیقات میں دس بیس برس بعد کوئی غلطی ثابت نہ ہو گی، حاشا و کلا۔ منہ [2] فہیم ایک اصطلاح خاص ہے جس سے حضرات انبیاء علیہم السلام اولیاء کرام مراد ہیں۔ منہ [3] حضرات انبیاء علیہم السلام میں خدا نے گو نا گوں ملکات فاضلہ ودیعت رکھے ہیں جو مخلوق کی ہدایت میں کار آمد ہیں اسی اعتبار سے کامل خلیفہ مؤید ہادی منذر کے القاب سے ملقب کئے جاتے ہیں ہر ایک پھول میں کسی قسم کی خوشبو ہوتی ہے مگر نبی آخر الزمان فداہ ابی و امی میں یہ جملہ ملکات موجود ہیں اس لئے آپ جملہ القاب سے ملقب ہوتے ہیں اور کبھی ان انبیاء علیہم السلام کے اتباع اور جانشینوں میں بھی وہ وصف ظلی منتقل ہو جاتا ہے جیسا کہ شاگرد رشید میں اُستاد کے کمالات کا جلوہ ہوتا ہے اس لئے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بالخصوص خلفاء اربعہ و اہل بیت میں ان اوصاف کے مختلف جلوے نمایاں تھے حضرت ابوبکرؓ میں تہذیب نفس کے اور حضرت عمرؓ میں سیاست و نظام ملت کے حضرت عثمانؓ میں مروت اور حیا کے

مؤید روح القدس

روحانی اور غیر محسوس عالم کا انکشاف کامل ہوتا ہے ان کو **مؤید روح القدس** کہتے ہیں اور جس میں انجذاب عالم اور

ہادی

قلوب بنی آدم کی کشش کا زیادہ مادہ ہوتا ہے ان کو **ہادی** کہتے ہیں اور جن کو ملت و مذہب کی اصلاح کے علوم

امام

اور اُن کے زندہ کرنے کے طریقے سکھلاتے جاتے ہیں وہ **امام** کہلاتے ہیں اور جن کا یہ حال ہے کہ وہ علائق جسمانی

سے مجرد ہو کر عالم غیب پر مطلع ہو جاتے یا ہر کسی قوم کی آفات بلیّات پر واقف ہو کر لوگوں کو اُس سے متنبہ کرتے

منذر

ہیں ان کو **منذر یا نذیر** کہتے ہیں اور جب حکمتِ الٰہی اور رحمتِ نامتناہی خلق کی اصلاح چاہتی ہے تو ان سب میں

اعلیٰ شخص کو (کہ جس کی نافرمانی پر خدا تعالیٰ کی ناراضی اور اطاعت پر خوشنودی مرتب ہو اور جس کے موافق کو

ملأ اعلیٰ میں محبوب اور مخالف کو ملعون سمجھتے ہوں) پیدا کرتا ہے کہ وہ خلق کو تاریکی سے روشنی میں لاتا ہے

اور اُس کا نفس قدسی اس درجہ صاف ہوتا ہے کہ جو اوروں کو بڑی ریاضت سے مکاشفہ یا تجلّی عالمِ

جبروت و ملکوت ہوتی ہے تو اس کو ادنیٰ توجہ سے یہ بات حاصل ہو جاتی ہے اور اُس کا نفس قدسی آفتاب

جہاں تاب کی مانند روشن ہوتا ہے کہ اس کی روشنی سے لوگ منور ہوتے ہیں اور یہ شخص عقل کو غلطیوں کی

سخت دلدل سے نجات دیتا ہے اور یہ شخص جب **حظیرۂ قدس** کی طرف متوجہ ہو کر ہمت کرتا ہے تو عالم اجسام

بلکہ عالم ملکوت میں اس کا تصرف ہو جاتا ہے جو باتیں عادت کے خلاف ہیں وہ اس سے سرزد ہو جاتی ہیں ہزاروں

وہ چیزیں کہ جو حس بصری سے خارج ہیں اس کو دکھائی دیتی اور اس سے کلام کرتی ہیں روحانی لوگ اس کی اطاعت

نبی

کرتے ہیں (ان امور کو **معجزات** کہتے ہیں) ایسے شخص کو **نبی** کہتے ہیں اگر اس کو شریعت جدید اور کتاب آسمانی

ف نبی اور رسول اور اولیاء میں فرق

بھی ملتی ہے تو اس کو **رسول** کہتے ہیں اور اُس کے پیروؤں میں جس کو وہ نفسِ قدسی عطا ہوتا ہے کہ اس میں انوار

اس طرح منعکس ہوتے ہوں کہ جس طرح آفتاب کے انوار آئینہ میں اور پھر کبھی اس سے بھی خوارق عادات

سرزد ہونے لگتے ہیں (کہ جن کو **کرامت** کہتے ہیں) تو اس شخص کو **ولی** کہتے ہیں۔ پھر اولیاء کے بہت سے اقسام

ہیں **غوث، قطب** وغیرہ کہ جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ یہاں سے آپ کو یہ بھی خوب معلوم

ہو گیا کہ نبی ایسے برگزیدہ کو کہتے ہیں کہ جس کو یہ کمالات حاصل ہوں نہ یہ کہ نبوت کسی جسمانی قوت کا نام ہے

کہ جو انسان کے اعضاء دل و دماغ سے مانند اور قویٰ کے تعلق رکھتی اور نہ یہ کہ جس میں اخلاقِ انسانی کی تعلیم

و تربیت کا ملکہ بمقتضیٰ اس کی فطرت کے خدا تعالیٰ سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے جیسا کہ مُصنّف تفسیر

القرآن[ع] کے صفحہ ۲۸ میں لکھتے ہیں اور اس کو ایسا ملکہ بتلاتے ہیں کہ جیسا لہار بڑھئی کو اپنے فن کا ملکہ ہوتا ہے

کہ جس کی وجہ سے وہ اپنے فن کا پیغمبر کہلاتا ہے۔ اب ہم اصل مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ الغرض جو شخص

اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اس عالم حادث کا کوئی موجد (کہ جس میں سب صفات کمال پائے جاتے ہیں) ضرور

ہے تو وہ اس بات پر بھی ضرور ہی یقین رکھتا ہے کہ جس رحیم نے اپنی رحمتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے ہر چیز کا

انتظام لائق اور اصلاحِ فائق فرمائی ہے۔ کَمَا قَالَ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی[1] اُس نے انسان کی

اصلاحِ نفس کی بھی کوئی نہ کوئی تدبیر کی ہے اور وہ مدبر انسان تنہا عقل ہو ہی نہیں سکتی جیسا کہ اس کا بیان

[1] ہر چیز کو اس کے لائق طور پر پیدا کیا پھر اس کو اصلاح کے اسباب کی طرف رہنمائی کی۔ منہ [ع] یعنی سرسید احمد خان (مصنف)

گزرا۔ پھر اس کی تدبیر یہی ہے کہ وہ ایسے اشخاص پیدا کرے کہ جو اوہام و اغلاط سے خود پاک ہوں اور ان کی روح نفسانی خواہشوں کے ظلمات سے بالکل صاف ہو اور ان پر حقائق الاشیاء منکشف ہوں کہ عالم غیب کے اسرار اور ایک آنے والی نئی زندگی کی کیفیت اور اس کے مفید و مضر اسباب بھی اس پر منکشف ہوں اور اس کی روح میں انجذاب قلوب بنی آدم کی کشش مقناطیسی بھی ہو اور اس پر روحانی ترقی کی راہیں بھی منکشف ہوں تاکہ بنی آدم کو سیدھی راہ پر چلائے ایسے شخص کو نبی یا رسول کہتے ہیں۔ ایسے اشخاص کو وہ رحیم بھیجتا رہا ہے (پھر انبیاء بھی درجہ میں کم زیادہ ہیں) سب سے درجہ میں زیادہ وہ نبی ہے کہ جس کے نورِ نبوت نے زیادہ عالم کو منور کیا ہو اور جس کے فیض و برکت سے زیادہ لوگوں نے نفع اٹھایا ہو جیسا کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نبی کی یہ شان ہے کہ وہ لوگوں کو ان باتوں کی تعلیم فرمائے کہ جو اصل فطرت میں داخل ہیں اور اپنے کلام میں وہ رعایت رکھے کہ جس کو خاص و عام سمجھیں اور لوگوں سے ان کی عقل کے موافق کلام کرے دلائل فلسفیہ و براہین منطقیہ سے جو مخاطبوں کی فہم میں نہ آسکیں پرہیز کرے جو جو خرابیاں اس وقت لوگوں میں شیوع پاگئی ہوں ان کو مٹادے جو اصل فطرت کی باتیں ہوں ان کو قائم رکھے کیونکہ جس قوم میں نبی مبعوث ہوتے ہیں گو ان کی بداعمالی اور خلاف فطرتی ہی ان کی بعثت کا سبب ہوتی ہے لیکن ان کی کل باتیں بری نہیں ہوتیں پس جو باتیں اچھی ہیں نبی ان کو قائم رکھتا ہے شرک و بدعت جور و ظلم وغیرہ قبائح مٹاتا ہے عدل و انصاف صلہ رحمی تواضع حلم راستبازی کو قائم کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اوصاف حمیدہ خلق پر ظاہر کرتا اور اس کی نسبت شرک وغیرہ جو جو عیوب لوگوں نے اپنی نافہمی سے لگا رکھے ہیں ان کو دور کرتا ہے انسان کے اعمال کی جزاء و سزا حسن و قبیح کو وہی ترازو بیان میں تولتا ہے۔ عالم آخرت میں جو کچھ انسانؑ پر بعد مفارقت جسم کے پیش آتا ہے وہی اس کا عقدہ کھولتا ہے اس عالم کی ابتداء و انتہاء کو وہی پورے طور پر بتلاتا ہے نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ ریاضیات و طبیعیات کے مسائل تعلیم فرمادے اور نہ یہ کہ وہ ہوا بادل بجلی آسمان و زمین بارش زلزلہ وغیرہ امور کی ماہیت اور ان کے اسبابؑ بیان کیا کرے اور نہ یہ کہ وہ اگلے لوگوں کی بے نتیجہ تاریخ بیان کیا کرے اور ان کے قصے کہانی سنایا کرے ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ کچھ وعظ و پند کے طور پر اگلے لوگوں کے حالات مجمل طرح سے بیان کرے کہ جس سے سن کر عبرت ہو نہ یہ کہ

ؑ کس لئے کہ عالم عنصری کے حقائق کا انکشاف کوئی بڑا کمال نہیں اس کے لئے عوام عقلاء اور ان کے تجارب و تحقیقات کافی ہیں اس کے سوا ان علوم پر انسان کی روحانی ترقی بھی موقوف نہیں۔ ابو الحسن حقانی

ف انسان اصلی روح ہے جو ایک معین وقت پر اس جسم عنصری سے جدا ہو جاتی ہے جس کو موت کہتے ہیں جدا ہو کر وہ اپنی ایک خاص شکل یعنی نورانی پیکر میں قائم رہتی ہے سب طرح کی لذتیں اور تکلیفیں جو اس عالم عنصری کے اعمال و عقائد کا نیک و بد نتیجہ ہے محسوس کرتی ہے اس کو اس زندگی کی باتیں یاد رہتی ہیں جب تک وہ اس جسم عنصری کے ساتھ وابستہ ہے اس وقت تک اس پر جسمانی خواہشوں اور جسمانی آثار کی تاریکیں محیط رہتی ہیں اس لئے اس روح کی حقیقی خواہشوں اور اس کے حقیقی علوم میں قوتِ متخیلہ و قوتِ متوہمہ جو جسمانی آثار ہیں حارج رہتی ہیں اس پر قومی رسوم و عادات کی اور بھی تاریکیاں گھیرے رہتی ہیں مگر وہ رحیم اپنے کرم سے ایک گروہ ایسا پیدا کرتا ہے جو فطرتاً ان کے ارواح ان ظلمات سے محفوظ ہوتے ہیں یہ گروہ انبیاءؑ ہے اس لئے یہی روحانی ڈاکٹر ہیں ان اندھیریوں میں اس باریک رستہ کیلئے انہیں کے ہاتھ میں برقی روشنی ہوتی ہے یہی انسان کو اس راہ پر چلاتی ہیں جو اس کی دونوں زندگانیوں کی فلاح تک پہنچاتی ہے۔ ابو الحسن حقانی

اوّل سے آخر تک بالترتیب[1] کسی کی سرگزشت یا وقائع عمر یہ بیان کرے اور اسی وجہ سے ایک شخص کے قصے کو حسب وقت بلا ترتیب تقدیم و تاخیر کئی بار ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیان کرنے کی ضرورت پڑتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں اسی لئے موسیٰ و فرعون وغیرہما کے قصوں کو بلا لحاظ ترتیب و قوع چند جگہ ذکر کیا ہے۔ **ہاں** یہ ہو سکتا ہے کہ قوموں کے آئندہ حالات یا اُن پر آنے والے مصائب یا نعماء بطور پیشینگوئی کے ذکر کر دے تاکہ اس وقت کے لوگوں کو کارآمد ہوں۔ چنانچہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی غرض سے بہت سی چیزوں کی خبر دی ہے اس فصل میں یہ چند چیزیں خوب طرح ثابت ہوگئیں۔ (۱) خدا تعالےٰ کا وجود (۲) اس میں صفات کمالیہ کا پایا جانا (۳) عیوب سے پاک ہونا (۴) نبی کا مبعوث کرنا (۵) نبی وہ شخص ہے کہ جس میں وہ کمالات ہوں کہ جن کا ہم نے ذکر کیا (۶) نبی کا معصوم ہونا اور رذائل خصائل سے پاک و صاف ہونا (۷) اُس کو تہذیب نفس کے متعلق کلام کرنا (۸) اور غیر ذٰلک باتوں سے سکوت فرمانا اِلاّ بقدر ضرورت

## فصل دوم

فصل دوم معجزات کے بیان میں تحقیق امر اوّل

شاید آپ کو ہمارے بیان سابق سے کچھ تردد پیدا ہو گا کہ نبی کا کام تو ہدایت و رہنمائی ہے یہ عالم میں تصرفات اور معجزات کہ جو بظاہر قانون قدرت کے خلاف ہیں کیا چیز ہیں؟ غالباً یہ پرانے خیالات ہیں کہ جو ابتداء عمر سے سنتے سنتے دلوں میں ایسے راسخ ہو گئے ہیں کہ اُن کا منکر کافر شمار کیا جاتا ہے اور آج کل کے اہل یورپ (کہ جن کی تحقیقات کے آگے افلاطون و ارسطو طفل مکتب ہیں۔ ان پر قہقہہ مار کر ہنستے ہیں) اس لئے اب مجھ کو اس مقام پر چند باتوں کی تحقیق ضروری ہوئی (۱) یہ کہ معجزہ کیا چیز ہے (۲) وہ ممکن بھی ہے کہ نہیں۔ (۳) وہ نبی سے کس حکمت کے لئے صادر ہوتا ہے آیا نبی کی نبوت کی تصدیق کر سکتا ہے یا نہیں (**پہلی بات کی تحقیق**) جو چیز کہ خلاف عادت اور برخلاف قانون قدرت یعنی بغیر اس بات کے کہ وہ اپنے اسباب عادیہ پر مبنی ہو کسی شخص سے سرزد ہو تو اس کو **خارق عادت** کہتے ہیں۔ مثلاً عادت یوں جاری ہے کہ بھوک پیاس کھانے پینے سے دُور ہوتی ہے یا درخت اور پتھر اور حیوانات گائے بھینس وغیرہ انسان سے کلام نہیں کرتے کوئی درخت یا پتھر کسی کے بُلانے سے بحرکت ارادیہ نہیں آسکتا وغیر ذٰلک یا کوئی شخص دریا پر زمین خشک کی طرح نہیں چل سکتا یا ایک آدمی کا کھانا صدہا آدمیوں کو شکم سیر نہیں کر سکتا۔ نہ کوئی شخص ایک مشت خاک سے صدہا آدمیوں کو اندھا کر سکتا ہے وغیر ذٰلک پس جو کوئی ایسا کر دے تو یہ کام اُس کا خارق عادت ہے اب یہاں سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ جو کام بذریعہ آلات و اسباب ہوں خواہ وہ اسباب مخفی ہوں یا ظاہر جیسا دوا سے بیمار کا تندرست کرنا کشتی کے ذریعہ سے دریا کو عبور کرنا خارق عادت نہیں۔ پس جو باتیں سحر اور طلسم کے ذریعہ سے ہوں یا نیرنجات کے شعبدے ہوں وہ بعض محققین کے نزدیک خارق عادت نہیں کیونکہ ان کے

[1] بلکہ قرآن مجید میں جہاں حسب ضرورت کوئی قصہ آیا ہے یا تو وہاں بندوں کو عبرت دینی مقصود ہے یا قصہ بیان کرنے کے بعد حکم کیا کہ یہ فعل بُرا ہے تو ویسے اس فعل کی ممانعت ہوگی یا قصہ کے بعد یوں فرمایا کہ یہی حکم تمہارے لئے ہے تو اس کی فرضیت ہوگی قرآن مجید میں قصوں سے احکام ثابت ہیں بخلاف انجیل کے کہ وہاں محض فسانہ اور تاریخ مقصود ہے اس لئے عیسائیوں کا اعتراض سرے ہی سے غلط ہے۔

ابو الحسن حقانی

اسباب مخفی ہیں کہ ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ لیکن میں نے جو تحقیق کیا تو یوں معلوم ہوا کہ سحر کا ایک طور یوں بھی ہے کہ بذریعۂ ارواحِ خبیثہ وشیاطین کام کئے جاتے ہیں ان کے لئے اسباب عادیہ میں سے کوئی سبب نہیں ہوتا اس لحاظ سے اس کو خارقِ عادت کہہ سکتا ہوں۔ ہاں اگر ان شیاطین وارواحِ خبیثہ کو سبب مخفی قرار دیا جاتے تو خارق عادت نہیں۔ پھر یہ خارق عادت اگر مدعی نبوت سے ظاہر ہو تو اس کو **معجزہ** کہتے ہیں کہ مخالف کو اُس کے مثل کام کرنے سے عاجز کر دیتا ہے اب خواہ مدعی نبوت سے یہ معجزہ ایک معمولی طور سے صادر ہو یا اُس وقت نبوت کا دعویٰ بھی ہو اگر یہ خارق عادت نبی کے پیرو سے صادر ہو اگر وہ ولی ہے تو اس کو **کرامت** کہتے ہیں اور اگر غیر ولی مومن صالح سے صادر ہو تو اس کو **معاونت** کہتے ہیں اور جو نبی سے قبل نبوت سرزد ہو تو اس کو **ارہاص** کہتے ہیں اور اگر بد شخص سے صادر ہو تو اس کو **استدراج** کہتے ہیں ؛ (**دوسری بات کی تحقیق**) کہ کسی کام کا کرنا اس کے فاعل کی قوت پر موقوف ہے پس جس قدر فاعل کی قوت ہوگی اُسی قدر اُس سے قوی فعل سرزد ہوگا یہ مقدمہ بدیہی ہے اس پر دلیل کی حاجت نہیں۔ اور اصل مبدء قوت کا اجسام اور جواہر مجردہ میں لطافت اور کثافت کے لحاظ سے قوی اور ضعیف ہوتا رہتا ہے یہی نکتہ ہے کہ خاک کی قوت سے پانی کی قوت اور پانی سے ہوا کی قوت زیادہ ہوتی ہے اور آگ کی قوت اس کی لطافت کی وجہ سے سب سے زیادہ ہوتی ہے اگرچہ ہوا بھی اس قدر لطیف ہے کہ حس بصری سے محسوس نہیں ہوتی نہ بغیر آمیزش غبار کے دکھلائی دیتی ہے لیکن آگ اُس سے بھی لطیف ہے ہم کو اس دعوی پر دلیل لانے کی کچھ ضرورت نہیں جس نے علم العناصر کی دو ایک کتابیں بھی پڑھی ہوں گی وہ اس بات کی خوب تصدیق کرے گا لیکن ناظرین کے سمجھانے کو دو چار مثالیں پیش کرتا ہوں۔ دیکھئے ریل گاڑی جو ہزار ہا من بوجھ ایک دن میں کہاں سے کہاں لے جاتی ہے یا دُخانی جہاز کس قدر بوجھ کس قدر مسافت پر پہنچاتا ہے یا کلیں کہ کیسا جلد جلد کام کرتی ہیں یہ سب انجن کی بدولت ہے کہ جو بھاپ کے زور سے چلتا ہے اور وہ بھاپ اجزاء مائیہ اور اجزاء ہوائیہ ہیں کہ جو آگ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اس سے بڑھ کر اُن ابخرات کی قوت ہے کہ جو آگ اور ہوا سے پیدا ہوتے اور پھر زمین میں کسی وجہ سے بند ہو جاتے ہیں کہ جس سے وہ زلزلہ پیدا ہوتا ہے کہ جو تختۂ زمین کو ہلا دیتا اور بڑے بڑے پہاڑوں اور مکانوں کو گرا دیتا ہے۔ اسی کی وجہ سے سمندر ایسا اُلٹ پلٹ ہوتا ہے کہ صدہا کوس کی خشک زمین پانی میں ڈوب جاتی ہے اور بہت ٹاپو سمندر میں سے اُوپر نکل آتے ہیں[1]۔ بعد اس کے قوتِ برقیہ کو ملاحظہ فرمائیے کہ وہ اور بھی غضب ہے۔ بادلوں میں سے نیچے گر کر جو کچھ آفت برپا کرتی ہے اس کو تو ہر ایک جانتا ہے مگر اُس کی کسی قدر قوت کو جب آلۂ برقی میں جمع کر کے کسی تار کو حرکت دی جاتی ہے تو اُس کی حرکت صدہا کوس آن کی آن میں پہنچتی ہے کہ وہاں تک اتنی دیر میں بھاپ[2] کی کل کبھی نہیں جاسکتی۔ پھر اس حرکت کے اشاروں یا اس کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سے (کہ جس سے حروف واصوات مصطلح پیدا ہوتے ہیں) کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں اسی لئے جن کے

[1] فن جیالوجی میں اس کی تصریح ہے ۱۲ [2] یعنے انجن۔

قوام بدن میں جزوِ ہوائی غالب ہوتا ہے (جیسا کہ غول بیابانی وغیرہ مخلوقات کہ جو ہر وقت دکھلائی نہیں دیتے) کہ جن کو اہلِ ہند پَوَن کہتے ہیں اُن کے افعالِ خاکی چیزوں سے بہت قوی ہوتے ہیں یا جن کے قوام میں جزء ناری غالب ہوتا ہے تو اُن کے افعال اور قوی ہوتے ہیں جیسا کہ جنّ وغیرہ مخلوقات اسی طرح ملائکہ یعنی فرشتے کہ ان کا مادہ اور بھی زیادہ لطیف ہوتا ہے ان کے افعال اُن سے زیادہ قوی ہوتے ہیں اسی طرح نفس ناطقہ کہ جس کو روح بھی کہتے ہیں لطافت کی وجہ سے بشرطیکہ کثافتِ جسمانی اس پر غالب نہ ہو بڑے قوی اور نہایت عجیب وغریب کام کرتی ہے۔ روحانی قوت کے آگے عالم عناصر وعالم اجسام علویات آفتاب ماہتاب ستارے وغیرہ سب مسخر ہیں اس روحانی قوت ہی کی وجہ سے چاند پھٹ گیا۔[1] درخت بُلانے سے چلے آئے[2] اور دو چار قطرے یا سیر آدھ سیر پانی نے اُس کے ہاتھ لگانے سے لشکر کو سیراب کر دیا۔[3] حجر وشجر اُس سے کلام کرتے اور اُس کے شوق میں روتے ہیں[4]۔ ایک عالم کے قلوب اس کی طرف کھنچ آتے ہیں۔ عصا مارنے سے پتھر پانی بہاتا ہے[5]۔ اس کی دعا سے مُردہ زندہ ہو جاتا ہے[6]۔ اندھے اور جذامی شفا پاتے ہیں[7]۔ اس کی ذرا سی نظیر مسمریزم ہی کو دیکھئے کہ قوت روحانی سے کیا کیا عجائب ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جو فقراء کے حلقہ توجہ میں بیٹھ کر فیضیاب ہوتا ہے وہ تو اس قوتِ روحانی کا مزہ اٹھاتے اور اس پر ایمان لاتے بیٹھا ہے۔ للہ در من قال ؎ ذوقِ این مے نشناسی بخدا تا نہ چشی ۔ مگر اس قوت روحانی کے دو طور ہیں ایک تو یہ عام طور عادت کے موافق اور قانونِ قدرت کے مطابق جیسا کہ یہ پھرنا چلنا عمدہ عمدہ کلیں بنانا طرح طرح کی صنعتیں ایجاد کرنا الغرض یہ سب کاروبار جو عالم اسباب میں انسان سے واقع ہوتے ہیں قوتِ روحانی کے کام ہیں یہ کسی شرط تجرد وغیرہ پر موقوف نہیں بلکہ اس کو جسمی کثافت کے ساتھ ہی خوب کر سکتا ہے بلکہ بعض کام تو عالم اسباب میں جسمی کثافت ہی کی وجہ سے ظہور کرتے ہیں کیونکہ جسم اُن کے لئے شرط ہوتا ہے اور اسی لئے اکثر طبیبات وغیرہا کے متعلق عجائب عجائب اختراع وایجاد انہیں لوگوں سے ظہور میں آتے ہیں جو سوائے نفسانی خواہشوں کھانے پینے جماع کرنے کے اور کچھ کمالِ انسانی نہیں رکھتے یہ سب کام گو بظاہر جسم اور اُس کے قوی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں مگر درحقیقت یہ سب روح کے طفیل سے ہوتے ہیں جب روح جسم سے تعلق اُٹھا لیتی ہے جس کو عرف میں موت کہتے ہیں تب کوئی کام نہیں ہوتا۔ کام تو درکنار وہ جسم ہی اس کی محافظت بغیر گل سڑ جاتا ہے اور یہاں سے یہ بھی خوب ثابت ہو گیا کہ ان اعمال کا مبدء روح ہے اور جسم ایک آلہ ہے کیونکہ جسم کو یہ قدرت کہاں اس مقام پر اعتقادِ مذکور کے بطلان پر فقط دو ہی دلیلوں پر اکتفا کرتا ہوں (اوّل) اگر یہ اعمال جسم ہی کے ہوں تو چاہیئے کہ کسی معاملہ... نیک وبد میں کوئی شخص دنیا میں بھی ماخوذ نہ کیا جاتے نہ چور کو سزا دی جاتی نہ قاتل سے قصاص

طور اوّل

دلیل اوّل

[1] اشارہ ہے معجزہ شق القمر کی طرف ۱۲ [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو درخت آپؐ کے بُلانے سے چلے آتے تھے۔ [3] اُس معجزہ آنجناب علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے کہ جو دو دفعہ آپؐ سے ظاہر ہوا۔ [4] جیسا کہ آنحضرت علیہ السلام سے واقع ہوا، ورستون حنانہ آپؐ کے شوق میں رویا۔ [5] حضرت موسیٰؑ کے معجزے کی طرف اشارہ ہے۔ [6] حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کی طرف اشارہ ہے۔ [7] یہ بھی حضرت عیسیٰؑ ہی کے معجزات کی طرف اشارہ ہے۔ منہ

لیا جاتے کیونکہ جب اُس نے وہ کام کیا تھا وہ اور تھا اب یہ جسم اور ہے اس لئے کہ ہر آن میں حرارت بدن سے انسان کے اجزاء بدن تحلیل ہوتے رہتے ہیں اور اُن کے بدل غذا سے دوسرے اجزاء قائم ہوتے رہتے ہیں اس لئے اگر کسی کی لڑکپن اور جوانی پھر بڑھاپے کی تصویروں کو رُوبرو رکھ کر دیکھا جاتے تو ایک دوسرے سے غیر معلوم ہوگی علاوہ اس کے ناخن اور بالوں ہی کو دیکھ لیجئے کہ ہر روز نئے نکلتے اور پہلے کسی قدر قوتِ منعقدہ کی وجہ سے لگے رہتے ہیں پھر جھڑ جاتے ہیں بلکہ نباتات میں بھی یہی حال ہے اور اگر اس بات پر باور نہ آتے تو غذا کو روک کر اُس کے قوام اور بالیدگی کو ملاحظہ فرمایئے (دوم) کسی فعل ارادی کا کرنا بالخصوص ایسے افعال کا کہ جن سے انسان قابل مدح و ذم اور مستحق ثواب وعقاب ہو) بغیر علم اور ارادے کے ناممکن ہے کما لایخفیٰ علےٰ صاحب البصیرۃ اور جسم انسان میں نہ علم ہے نہ ارادہ بلکہ یہ بحرکتِ قسریہ روح کے ہلانے چلانے سے پُتلی کی طرح ہلتا ہے جب وہ الگ ہوجاتی ہے تو بے حس وحرکت ہوجاتا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ آنکھ دیکھتی ہے یا آنکھ کے ذریعہ سے کوئی اور شخص؛ آیا کان سُنتے ہیں یا اس کھڑکی کے ذریعہ سے کوئی اور؟ اگر خود آنکھ دیکھتی ہوتی تو جو چیز کہ آنکھ کے بالکل پاس رکھی جاتے اس کو تو اور بھی زیادہ دیکھتی حالانکہ نہیں دیکھتی یا جس وقت کوئی مخدر کلورافارم سنگھایا جاتے تو چاہیئے کہ آنکھ کان اس وقت میں بھی برابر دیکھیں اور سُنیں کیونکہ وہ اسی طرح صحیح وسالم ہیں حالانکہ اس وقت روح کی عدم توجہی کی وجہ سے کچھ بھی نہیں دیکھتے سُنتے۔ اور اسی طرح بعد موت کے آنکھ کان بدستور بلکہ جمیع مواضع حس ویسے کے ویسے رہتے ہیں مگر مفارقتِ روح کی وجہ سے معطل ہوجاتے ہیں اور اسی سبب کے واسطے حکماء فلاسفہ کا یہ فتویٰ ہے۔ میزان العاقلیۃ کون الشئ مجردًا[1] (دوسرا طور) خاص ہے اور وہ یہ کہ روح کو جب کثافتِ جسمانیہ اور ظلماتِ ہیولانیہ سے نجات ہوتی ہے اور آثارِ تجرّد اُس پر غالب آتے ہیں تو اس کی قوت نہایت ہی قوی ہوجاتی ہے پھر اُس سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں کہ جو ظاہر اسباب اور قانونِ قدرت کے برخلاف معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اسباب کی احتیاج ضعف کے وقت ہوتی ہے۔ لنگڑے آدمی کو سواری کی ضرورت ہے یا جس کی بینائی کم ہو اس کو چشمہ کی حاجت ہے اس روح کی قوت اور تجرّد کی دو صورتیں ہیں ایک کم دوسری زیادہ کم یہ ہے کہ بسبب ریاضات ومجاہداتِ شدیدہ کے بدن کو پژمردہ اور روح کو تازہ کیا جاتا ہے اس میں مومن وکافر سب شریک ہیں اس لئے بعض ان شخصوں سے کہ جو نہ نبی ہیں نہ نبی کے مطیع جوگی وغیرہ اور آج کل بھی ایسے لوگ بعض جگہ سُنے جاتے ہیں اُن سے بھی یہ خوارق عادات سرزد ہوجاتے ہیں کما نشاہدہ فی المرتاضین۔ لیکن یہ خوارق عادات نبی کیا بلکہ اس کے متبع کے خوارق کے بھی برابر نہیں اور ان کے مساوی یا مشابہ ہونے کا تو کیا ذکر؟ البتہ ایسی مماثلت اور مشابہت ہوتی ہے کہ جیسی پیتل اور سونے میں یا چاندی اور قلعی میں یا بلّور اور ہیرے میں پس باوجود اس مشابہت کے کبھی کسی عاقل کو پیتل اور سونے میں یا قلعی اور چاندی میں اور ہیرے اور بلّور میں اشتباہ نہ ہوگا۔ زیادہ قوت روح کی یہ صورت ہے کہ روح ہمہ تن عالم قدس اور ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاتے اور پھر اس پر وہاں کے انوار ایسے فائض ہوں کہ جس طرح آئینہ

دلیل دوم

سرا طور

[1] یعنی عاقل ہونے کا اس بات پر مدار ہے کہ وہ شئے مادّہ سے مجرد ہو جیسا کہ روح وملائکہ والحق۔ منہ

میں آفتاب کے انوار چمکتے ہیں تب اس کو مبدء فیاض سے ایک ایسی خاص مناسبت پیدا ہوتی ہے کہ جس طرح آگ کی صحبت سے لوہا سرخ ہوکر جلانے کے قابل ہوجاتا اور پھول کی صحبت سے مٹی دماغ کو معطر کرنے کے لائق ہوجاتی ہے ؎ جمالِ ہمنشین درمن اثر کرد ؛ وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم ؛ تب تو عارف کے ہاتھ خدا کے ہاتھ اور اس کی زبان خدا کی زبان اور اس کی آنکھ خدا کی آنکھ ہوجاتی ہے (اور خدا تعالیٰ درحقیقت ان اعضاء سے پاک ہے) چنانچہ اس حدیث میں فکنت سمعه الذی یسمع بی اسی طرف اشارہ ہے اور اسی مرتبہ میں وحدت[1] وجود کا راز کھلتا ہے اگرچہ خدائے پاک اپنی ذات اور صفات میں جمیع کائنات سے الگ اور ممتاز ہے کوئی ممکن واجب نہیں ہوسکتا۔ لیکن عارف پر وجوب کا ایک ایسا پرتو پڑتا ہے کہ اس کے آثار اس میں ظہور کرنے لگتے ہیں۔ تب اس کا تصرف عالم میں ہونے لگتا ہے اور وہ شخص فنا فی اللہ اور باقی باللہ ہوجاتا ہے ؎ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ؛ ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما ؛ پس یہ انسان کا کمال انتہائی ہے اور یہ مرتبہ خاص انبیاء علیہم السلام کو اور ان سے کچھ اُتر کر ان کے متبعین اولیاء کرام کو نصیب ہوتا ہے۔ ہماری اس تحقیق سے آپ کو خوارق کا امکان تو بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا اور اگر اب بھی دل نہ مانے تو یوں سمجھئے کہ ممکن اس کو کہتے ہیں کہ جس کے فرض وقوع سے کچھ محال لازم نہ آتے اور ان امور خوارق عادات کے واقع ہونے سے کوئی محال لازم نہیں آتا۔ ہاں ایک عادت کے مخالف اور عالم اسباب کے برخلاف ہونے کی وجہ سے بالخصوص اس شخص کو جس کی عقل پر انوار قدس فائز نہیں اور سوائے محسوسات کے اس کے تنگ فکر میں کچھ اور ہی نہیں تعجب ہوتا ہے کہ کبھی اس کی تنگ عقل اس نورگیتی افروز سے خیرہ ہوکر انکار کر بیٹھتی ہے اور کبھی اس کو سحر مبین کہتی ہے اور کبھی ڈھکڈ بندی اور شعبدہ بازی بتلاتی ہے اگر اس بیان کے بعد بھی کوئی شخص نہ ملنے اور اس کو بڑھیوں کی کہانی بتلاتے اور یہ دلیل مقابلہ میں لاتے کہ ہمارے روبرو کوئی کر کے دکھاتے تو جانیں[2] تو بلاشک اس کی روح کثافتِ جسمانی اور تاریکی ہیولانی میں غرق ہے۔ عیسائیوں کو تو اس میں کچھ چون وچرا ہی نہیں کیونکہ وہ حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواریوں سے ایسے ایسے خوارق عادات سرزد ہونے کے قائل ہیں اور اسی طرح یہود بھی انبیاء علیہم السلام سے معجزات کا ظاہر ہونا تسلیم کرتے۔ بلکہ ہنود بھی اپنے اوتاروں اور رشیوں کے ایسے خوارق بیان کرتے ہیں اور حکماء فارس ویونان بلکہ کل فلاسفہ اپنے الٰہیات میں اس مسئلہ کو بدلائل ثابت کرچکے ہیں اب اگر اس کا کوئی منکر نکلے گا تو غالباً وہی صاحب کثافت جسمانی کہ جس کی بڑی تحقیق انجن میں کوئلہ جھونکنا اور دو چار مسائل فن طبیعیات ریاضیات میں مہارت رکھنا یا بعض کلوں کے ریل پرزے درست کرنا ہے ایسا شخص خدا کا بھی پورا قائل نہ ہو تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ وہ باعتبار کمالِ انسانیت کے وحوش میں داخل ہے۔ (تیسری بات کی تحقیق) اس طرح پر ہے کہ خدا کی رحمت عامہ کا یہ مقتضی ہے کہ وہ اس نبی سے اپنی مخلوق کو بہرہ مند کرے اور اس کا نفع عام لوگوں کو پہنچاتے

ف تیسری بات کی تحقیق

[1] بعض ناواقف اس سے خالق و مخلوق کا اتحادِ ذاتی سمجھ گئے۔ منہ [2] آج کل یورپ تجربہ کررہا ہے کہ برقی طاقت کی رو عالمِ ارواح تک جاسکتی ہے، چنانچہ تجربے شروع بھی ہوگئے اور بعض ارواح سے گفتگو ہوئی جو سمجھ سے باہر تھی۔ ابوالحسن حقانی۔

جو لوگ طبیعتِ سلیمہ اور قوٰی فطریہ رکھتے ہیں وہ تو اس نبی کو ہر طرح پہچان جاتے ہیں جس طرح بچہ بغیر کسی کے کہے سُنے
اپنے ماں باپ کو جان جاتا ہے کما قال تعالٰے یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ۔ پس جو شخص مبدءِ ولادت میں
بچہ کو ماں کی چھاتیاں بتلاتا ہے وہی لوگوں کو مربی روحانی نبی کی خبر دیتا ہے لیکن بعض وہ لوگ کہ جن کی طبیعت
میں کچھ کجی ہوتی ہے بغیر کسی علامت دیکھنے کے تصدیق نہیں کرتے جیسا کہ بعض بیمار دوا کو بغیر شیرینی ملائے نہیں
پی سکتے پس جس طرح طبیب شفیق اس میں شیرینی ملا دیتا ہے اسی طرح وہ حکیم رحیم بھی نبی کے ہاتھ کوئی امر خارق
عادت کہ جس کو معجزہ کہتے ہیں ان کے لئے صادر کرتا ہے اور اس معجزہ سے بہت فوائد ظاہر ہیں (۱) اُن منکروں ف فوائد معجزات
کو نبی کی تصدیق نصیب ہو جاتی ہے (۲) غالباً وہ معجزہ فی نفسہا کوئی خیر اور عام فائدہ کی چیز ہوتا ہے۔ جیسا کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی انگلیوں سے پانی جاری کر کے ایک جم غفیر کو اُس پانی مبارک سے سیراب کرنا پھر
لوگوں کے دلوں میں اُس سے نور پیدا ہونا۔ اور حضرت موسٰیؑ کا بغیر پُل کے بنی اسرائیل کو پار اُتار کر موذی سے
نجات دینا۔ یا حضرت عیسٰیؑ کا مائدہ سے لوگوں کو تقویت دینا (۳) اس معجزہ سے مومنوں کا یقین اور زیادہ
مستحکم ہو جاتا ہے (۴) خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی عظمت لوگوں پر ظاہر ہو جاتی ہے اور یہی حکمت ہے کہ معجزہ
کو آیت کہتے ہیں جس کے معنے علامت اور نشانی کے ہیں (۵) کبھی منکروں کی تہدید و تعذیب اُس سے مقصود
ہوتی ہے کہ جس سے اور لوگ عبرت پکڑیں گو اُن کے حق میں یہ معجزہ قہرِ الٰہی ہے مگر اوروں کے لئے رحمتِ الٰہی ہوتا
ہے۔ جیسا کہ انبیاءؑ کی دعا سے صورتوں کا مسخ ہو جانا یا ایک مٹھی کنکریوں سے صدہا لوگوں کی آنکھیں بند ہو جانا
علاوہ اس کے اور بہت سی مصلحتیں ہیں کہ جن کو وہ حکیم ہی خوب جانتا ہے۔ دوسری اور تیسری اور چوتھی بات
میں تو کوئی کلام نہیں کرتا مگر اوّل بات میں بعض نے بزورِ فلسفہ کلام کیا ہے اور پھر تاویلاتِ رکیکہ کے ذریعہ
سے قرآن اور مسلمانوں کی کتابوں سے استدلال کیا ہے جو سراسر ملمع کاری ہے مسلمانوں میں پابند فلسفہ قدیمہ ایک
فرقہ پیدا ہوا تھا جس کو معتزلہ کہا جاتا تھا ان کے نزدیک قرآن اور اسلام کی یہی خیر خواہی اور بڑی خدمت تھی
کہ وہ قرآن اور پیغمبر علیہ السّلام کی حدیثوں کو تاویلات کے ذریعہ سے فلسفۂ یونانی کے موافق کیا کرتے تھے اور جہاں
موافقت نہ ہو سکتی تھی وہاں اس حدیث کا انکار کر دیتے تھے یہ اس لئے کہ اُن کے نزدیک اس وقت کا فلسفہ سراسر
حق ثابت ہو گیا تھا۔ پھر ایسا کہنے میں اسلام فلسفہ کی ٹکر سے محفوظ رہتا تھا ورنہ ان کے نزدیک چُورا ہو جاتا۔

ف قانونِ قدرت کا بھی ایک وسیع لمعنی مسئلہ ہے۔ اوّل تو قدرتِ الٰہی کا کوئی مرتّب قانون کسی کے پاس نہیں اپنی عمر بھر کے تجربے
یا تاریخی دنیا کے تجربے کے جس کو خلاف پاتے ہیں اس کو قانونِ قدرت کے خلاف کہہ بیٹھتے ہیں گویا قدرتِ غیر محدود ان کے تجربے میں بند ہے علاوہ اس کا
یہی قانون ہے کیا ممکن نہیں کہ بعض اشیاء۔ خصوصاً ستاروں کا طلوع و غروب ہزاروں برسوں کے بعد ہو پھر نہ ہزاروں برس کسی کی عمر ہے نہ
ہزاروں برس کی کوئی تاریخ ہے کہ وہ جملہ واقعاتِ دہر کا دفتر ہو اب اس کو جو کوئی بات معلوم ہوگی یا اسباب عادیہ پر مبنی نہ ہوگی اس کو خلاف قانون قدرت
کہنے میں ذرا دریغ نہ ہوگا۔ اسباب علویہ پھر اسباب کے سلسلہ کو تمام کر دینا یہ بھی کم فہمی ہے (دوم) اگر بغور دیکھا جائے تو جن کو کہ اسباب کہا جاتا ہے ان کا اسبابِ حقیقی
ہونا بھی محض اس لئے مانا گیا ہے کہ اکثر مسبب اس پر مرتب ہوتا ہے۔ انسان کا تنگ دماغ قدرتِ غیر متناہی کو اگر کسی قانون میں منحصر کرے تو ایسا محدود القدرت خدا
کیا خدا ہے۔ ابوالحسن حقانی لہ کما قال تعالیٰ وھدیناہ النجدین الآیۃ۔ منہ

آج کل بعض ہندوستان کے مسلمان فلسفہ حال کے مطابق کرنے میں وہی طرزِ عمل اختیار کرتے ہوتے ہیں۔ گر مسلمانوں نے معتزلہ کی تمام کوشش کو بیکار جانا اور بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا اور خوب ہی کیا کس لئے کہ جب پرانے فلسفہ کا آج نئے فلسفہ کی ٹکر سے چورا ہوگیا تو اس کے مطابق اسلام کا بھی چورا ہو جاتا اسی طرح موجودہ فلسفہ کا اگر آگے چل کر غلط ہونا ثابت ہوگیا اور ہوگا اور ہوتا جاتا ہے تو پھر اس کے مطابق اسلام کا کیا حشر ہوگا۔ دوم انبیاء علیہم السلام کے انکشافِ روحانی کے مقابلہ میں فلسفی انکشاف جو محدود ہے کیا اصل رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں خود بہت سی جگہ ایسی ہیں کہ جہاں معجزہ کو آیت کے ساتھ تعبیر کیا ہے اس مقام پر آیت قرآنی مراد نہیں ہوسکتی۔ ازانجملہ یہ ہے هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً ترجمہ: یہ خدا کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی (معجزہ) ہے۔ دیکھئے یہاں صاف طور پر فرمادیا کہ یہ اونٹنی آیت ہے۔ اس مقام پر جب سید صاحب سے کچھ بن نہ آیا تو غلط توجیہ کی کہ قوم ثمود کو جو احکام حضرت صالح نے بنسبت ناقہ کے بتائے اس سبب سے اس پر بھی آیت کا لفظ اطلاق ہوا انتہیٰ۔ کسی سبب سے ہو مگر یہ تو آپ نے بھی لاچار ہو کر تسلیم کر ہی لیا کہ یہاں آیت کا لفظ ناقہ پر بولا گیا کہ جو نہ آیتِ قرآنی تھی نہ کوئی حکم رحمانی اور آپ کا یہ قول (کیونکہ وہ اونٹنی فی نفسہٖ کوئی معجزہ نہ تھی) بالکل غلط ہے کیونکہ وہ اونٹنی بڑا معجزہ حضرت صالح کا تھا کہ جو ان کی دعا سے خود بخود پیدا ہوگئی تھی چنانچہ اس کا بھی ذکر آئے گا ازانجملہ یہ ہے وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ترجمہ ہم اس لئے نشانیاں نہیں بھیجتے کہ ان کو پہلی امتوں نے جھٹلایا تھا۔ دیکھئے اس مقام پر آیات سے قرآن کی یا کسی اور کتاب کی آیتیں مراد ہو نہیں سکتیں چند وجہ سے اول یہ کہ اگر آیات سے معجزات مراد نہ ہوں بلکہ آیاتِ قرآنیہ یا اوامر احکام جیسا کہ سید صاحب فرماتے ہیں تو لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت پر کوئی آیت قرآنیہ نازل فرمائی نہ کوئی حکم بھیجا وفسادہ ما لا یخفیٰ دوم اس سے پیشتر کی آیت میں یہ ذکر ہے کہ کفار مکہ آنحضرت علیہ السلام سے یوں کہتے تھے قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۙ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ وَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۙ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۙ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ترجمہ کہ ہم آپ پر جب تک ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ہمارے لئے زمین سے پہاڑ کر چشمے نہ نکالیں یا کھجور اور انگور کا ایسا باغ نہ بنادیں کہ اس میں سے نہریں بہتی ہوں

ل خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر آیات سے اس مقام میں قرآن کی آیتیں مراد لی جاتیں تو پھر اس آیت کا ما منعنا سے معجزات کی نفی کرنا نادرست ہے اور اگر معجزات ہی مراد ہوں اول تو سید صاحب کا قول آیات کا اطلاق معجزات پر نہیں ہوتا غلط ہوگا۔ دوم اگلے انبیاء سے تو ضرور معجزات کا صادر ہونا پایا گیا کہ جن کی تکذیب سے ان کو عذاب ہوا۔ اب رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت معجزات کو یہ آیت معارض ہے سو یہ بھی غلط کیونکہ اس میں یہ کہیں نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا یا آئندہ نہ ہوگا بلکہ وہ چند معجزات کہ جن کی کفار محض عناد سے استدعا کرتے تھے وہ آپ سے صادر نہیں ہوتے جیسا کہ لام عہدی اور قرینہ جواب اس کا شاہد ہے۔ حقانی۔

یا آسمان کے ہم پر ٹکڑے نہ گرا دیں یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے پاس نہ لا دیں یا ایک گھر مزین نہ بنا دیں یا آسمان پر چڑھ نہ جائیں یا کوئی ایسی کتاب نازل ہم پر نہ کریں کہ اس کو ہم پڑھ لیا کریں۔ ان باتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو یوں فرماتا ہے کہ ان سے کہدو کہ میں فقط رسول ہوں (خدائی اختیار مجھ کو حاصل نہیں) اور اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کے موافق معجزات ظاہر نہ کرنے کا یوں سبب بیان فرماتا ہے کہ اگلے لوگوں نے انبیاء کے معجزوں کو جھٹلا دیا تھا کہ جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے پس اس لئے ہم تمہارے کہنے کے موافق یہ معجزے کہ جو تم مانگتے ہو نہیں ظاہر کرتے چونکہ یہ آیت کفار کے جواب میں واقع ہے اور وہ اُن سات چیزوں کا سوال کرتے تھے تو اس کے جواب میں الآیات سے بسبب لام عہدی کے یہی سات چیزیں مراد ہونی ضرور ہیں نہ کہ مطلق معجزات۔ سید صاحب اس مقام پر قاضی ابن رشد کا قول دربارۂ نفی معجزات نقل کر کے یوں کہتے ہیں اور اس کا ثبوت خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے انتہی، اور اس دعویٰ کی دلیل میں یہی آیات ذکر فرماتے ہیں۔ میں سید صاحب کی پریشان بیانی سے سخت حیران ہوں کیونکہ جب آیات سے (اس مقام پر جن کے آنحضرت علیہ السلام پر حسب استدعاء کفار نازل نہ ہونے کی وجہ خدا فرماتا ہے) قرآن کی آیتیں مراد ہوتیں جیساکہ سید صاحب کہتے ہیں تو غایۃ الامر یہ لازم آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ آیات کہ جن کو کفار چاہتے تھے نازل نہ ہوتیں معجزات کے نازل ہونے یا نہ ہونے کا تو کچھ ذکر ہی نہ رہا پھر یہ کہنا کہ یہاں سے نفی معجزات ثابت ہوتی ہے محض لغو ہے۔ دوم آپ کو جب بغرض اس بات کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا بلکہ کسی نبی سے کوئی معجزہ ثابت نہیں ہوا لفظ آیات سے معجزات مراد لینا پڑا (حالانکہ یہ آپ کے قول کے صریح مخالف ہے) تو پہلے انبیاء سے تو ضرور معجزات کا سرزد ہونا تسلیم کرنا پڑے گا کہ جن کو پہلے لوگوں نے جھٹلایا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلقاً معجزات کی نفی نہ ہوگی بلکہ بقرینۂ جواب و بقرینۂ لام عہدی اُن معجزات کی نفی کہ جن کا عناداً وہ سوال کرتے تھے اس مقام پر جیسا کہ سید صاحب کو صریح مغالطہ ہوا اسی طرح پادری فنڈر وغیرہ معاندین نے بھی مُنہ کی کھائی۔ اگر یوں کہئے کہ سید صاحب کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بوقت دعوتِ اسلام کوئی معجزہ ثابت نہیں ہوا تو میں اس کے جواب میں یوں کہتا ہوں کہ اگر یہ آپ کی مراد تسلیم بھی کی جائے تو اس کا ثبوت اس آیت سے جب ہی ہو سکتا ہے کہ آیات سے معجزات مراد لئے جائیں اور پھر بعد اس کے یہ بھی کسی دلیل قوی سے ثابت کر دیا جائے کہ الآیات سے بقرینہ جواب لام عہدی وہ معجزات مخصوصہ مراد نہیں بلکہ کل اور یہ بھی کہ اس آیت میں آیندہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے معجزات صادر نہ ہونے کا ذکر بھی ہے اور یہ بھی کہ آپ نے دعوتِ اسلام کے وقت سوا ان معجزات مسئولہ کے اور کوئی معجزہ نہیں دکھایا اور ان باتوں کا ثبوت محال ہے (علاوہ اس کے) یہ تو پھر بھی ماننا ضرور ہوگا کہ اور انبیاء علیہم السلام سے وہ معجزات کہ جن کا کفار نے انکار کیا تھا ضرور صادر ہوتے ہیں اب کسی اہلِ اسلام کی تو کیا جرأت ہے کہ وہ یوں کہے کہ اور انبیاء علیہم السلام سے تو معجزات صادر ہوئے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ہو سکے[1] اور یہ بھی کسی اہلِ عقل کی شان نہیں کہ یوں کہے کہ آنحضرت

[1] سوائے اس کے قرآن مجید میں اور پہلی کتابوں میں انبیاء کے معجزات کی تصریح ہے آنحضرت علیہ السلام کے معجزات بھی مذکور ہیں پھر ان کے انکار کی سوا اس بات کے کہ قرآن اور کتب سابقہ کا انکار کیا جائے اور کیا صورت ہے ۱۲ منہ

علیہ السلام سے دعوتِ اسلام کے وقت کوئی معجزہ صادر نہ ہوا اور دیگر اوقات میں صادر ہوتے **ازانجملہ** یہ آیت ہے وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا[1] سورۃ بنی اسرائیل۔ یہاں صاف تصریح ہے کہ آیات کا اطلاق اُن معجزات پر ہوا ہے کہ جن کو لوگوں نے جھٹلا دیا تھا منجملہ ان کے ناقہ ثمود تھی کہ جس کی انھوں نے بے حرمتی کی تھی اس مقام پر سیّد صاحب فرماتے ہیں **قولہ** اس آیت سے قاضی ابن رشد نے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء نبوت کے ساتھ کوئی معجزہ کسی کو نہیں دکھلایا جیسا کہ اُوپر بیان ہوا۔ **اقول** قاضی ابن رشد اگر کوئی ذی علم شخص ہیں تو اس آیت سے کاہے کو استدلال کریں گے اور اگر کوئی ایسی ہی موٹی سمجھ کے ہیں تو وہی جواب پائیں گے جو آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ اس کے بعد سیّد صاحب فرماتے ہیں **قولہ** اور اس سے پایا جاتا ہے کہ قاضی ابن رُشد نے اس آیت میں جو لفظ آیات ہے اُس سے معجزات مراد لئے ہیں۔ صاحب تفسیر بیضاوی نے بھی یہی سمجھا ہے الخ لو سیّد صاحب اب تو آپ کے قاضی ابن رشد بھی آپ کے مخالف ہو گئے اور بیضاوی کیا بلکہ کوئی اہلِ علم بھی کہ جس کو کچھ بھی عربیت کی استعداد ہو گی یہ نہ فرماوے گا جو آپ تمام اہل عقل و نقل کے مخالف ہو کر فرماتے ہیں۔ یہاں سے ہماری تیسری بات کہ تمام اہلِ عقل و نقل اس بات پر متفق ہیں کہ لفظ آیت کا اطلاق معجزہ پر بھی ہوتا ہے) ثابت ہو گئی۔ سیّد صاحب قاضی ابن رُشد اور بیضاوی وغیرہ جمہور کی تفسیر کو یوں ردّ فرماتے ہیں اور تمسک کر اس آیت کا یہ جواب دیتے ہیں **قولہ** صفحہ ۱۳۹۔ مگر اس تفسیر میں چند نقصان ہیں اوّل تو سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا تعالےٰ نے لوگوں کے نہ ماننے یا جھٹلانے سے کیوں معجزوں کا بھیجنا بند کر دیا الخ۔ تحقیقی جواب تو یہ ہے کہ کُل معجزات کا بھیجنا بند نہیں کیا بلکہ خاص ان کا کہ جن کی ضد کر کے طلب کرتے تھے۔ تاکہ پھر تکذیب اور مقابلہ سے بلا نازل نہ ہو۔ اور الزامی یہ جواب ہے کہ اگر اس سے احکام مخصوصہ ہی مراد ہیں جیسا کہ آپ آگے چل کر فرماتے ہیں **قولہ** تو یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ خدا تعالےٰ نے لوگوں کو نہ ماننے یا جھٹلانے سے کیوں احکام مخصوصہ کا بھیجنا بند کر دیا دوسرے آدم سے عیسیٰ تک برابر کیوں بھیجتا رہا اور کیوں ایسی بے رحمی سے اگلوں کو غارت کرتا رہا **ازانجملہ** یہ آیت ہے وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً یہاں سے صاف لفظ آیت کا اطلاق رات اور دن پر ہوتا ہے **ازانجملہ** یہ ہے لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا کہ پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے محمدؐ کو رات کو مکّہ سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی تاکہ ہم اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ یہاں بھی آیات سے مراد عجائبات قدرت ہیں کیونکہ اگر آیاتِ قرآنی مراد ہوتیں تو ان کو مسجد اقصیٰ میں لے جا کر سُنانا تھا نہ کہ دکھانا **ازانجملہ** یہ ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ الآیۃ کہ ہم نے موسیٰؑ کو نو نشانیاں عطے، ید بیضا وغیرہ دیں۔ یہاں بھی احکام مراد نہیں ہو سکتے۔ بلکہ یہاں تو صفت بیّنات بھی معجزات کی ظاہر کر دی **ازانجملہ** یہ ہے ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ سورۃ کہف۔ دیکھئے یہاں اصحاب کہف کو آیت اللہ کہا ہے۔

تفسیر کبیر

[1] ہم اس لئے نشانیاں (معجزات) نہیں بھیجتے کہ پہلوں نے ان کو جھٹلا دیا تھا اور ثمود کو ہم نے بصارت دینے والی ناقہ دی تھی کہ جس پر انھوں نے ظلم کیا۔ اور ہم نشانیاں (معجزات) نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کو۔ منہ

ازانجملہ یہ ہے قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ اٰیَةً قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ الآیہ یہاں بھی لفظ آیت زکریا علیہ السلام کے کلام نہ کرنے پر بولا گیا۔ علاوہ اس کے اور بہت سے ایسے مواقع ہیں کہ جہاں لفظ آیت بلکہ بصفتِ بیّنات معجزات پر بولا گیا ہے۔ سید صاحب اگر آپ کو قرآن پر آگاہی نہ تھی تو کیوں اتنا بڑا دعویٰ کر بیٹھے کہ قرآن میں لفظ آیت کا سواء احکام یا آیات قرآنیہ کے اور کسی پر اطلاق نہیں ہوا ہے۔ افسوس آپ کو یہ خیال نہ آیا کہ اہلِ علم میری بے اصل باتوں پر ہنسیں گے؟ اب یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی کہ آیات کا اطلاق معجزہ پر بھی ہوتا ہے اور جو اس کا انکار کرتا ہے وہ محض جاہل ہے (امرِ دوم کی تحقیق) اس طرح پر ہے (اوّل) لفظ آیت کے اطلاق کرنے کے واسطے نشانی کے معنے پائی جانا ضرور ہے سو وہ معجزہ میں پائے جاتے ہیں۔ دوم اس کا نبی کی نبوّت پر دلالت کرنا بھی اہلِ عقل سلیم کے نزدیک ظاہر ہے کیونکہ معجزہ کے بعد وہ خدا تعالیٰ کہ جس نے نبی ؑ کو خلق پر رحم فرما کے بھیجا ہے خلق کے دل میں اس نبی ؑ کے برحق ہونے کا القا کرتا ہے اور علماء کلام نے محض تفہیم عام کے لئے اس کی ایک مثال بھی دی ہے۔ چنانچہ شرح مواقف کے چھٹے موقف اوّل مرصد میں یوں لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی بادشاہ کے روبرو لوگوں سے یوں اظہار کرے کہ میں اس بادشاہ کا سفیر ہوں اور بادشاہ سے یوں کہے کہ اگر میں سچا ہوں تو حضور اپنی عادت کے خلاف میرا کہا کریں کہ اس جگہ سے اُٹھیں اور دوسری جگہ اسی تخت کے کنارے پر بیٹھ جائیں اور پھر وہ بادشاہ ایسا ہی کرے تو بلاشک ان قرائن سے ہر ذی عقل کو اس مجمع میں ایسا یقین آجائے گا کہ جیسا وہ بادشاہ اپنی زبان سے یوں کہے کہ یہ میرا سفیر ہے اور کوئی یوں نہ کہے کہ بادشاہ کا قیاس خدا تعالیٰ پر کرنا نادرست ہے کیونکہ یہ قیاس بادشاہ کا خدا تعالیٰ پر نہیں بلکہ ایک حال کی تمثیل محض سہولتِ فہم کے لئے دی ہے اب غور کرو کہ جو شخص نبوّت کا دعویٰ کر کے کسی پہاڑ کو اپنے اشارہ سے اٹھا کر لوگوں کے سروں پر کھڑا کر دے اور یہ کہے کہ تم میری تصدیق کروگے تو یہ تم سے ٹل جائے گا ورنہ تم پر گر پڑے گا پس جب وہ اس کی تصدیق کریں تو وہ اُن سے دُور ہو جائے اور جب تکذیب کریں تو ان کے سر کے قریب ہونے لگے۔ پس اُس وقت ہر شخص کو یقین کامل ہو جائے گا۔ اگر یہ وجہ یقین کی نہ ہو تو پھر وہ کونسی وجہ ہے کہ جس سے نبی کی تصدیق ہو؟ کیا اُس کے کہنے سے کہ میں نبی ہوں۔ کیا اُس کی کتاب سے۔ کیا اُس کے احکام شریعت سے؟ اگر ان چیزوں سے نبوّت کا یقین ہو سکتا ہے تو معجزہ سے جس کی تمثیل اور دلیل ابھی بیان ہوئی بدرجۂ اولیٰ یقین ہو سکتا ہے۔ سید صاحب نے ایک لغو سی دلیل متکلّمین کی طرف سے اس مضمون پر بیان کر کے آپ ہی پھر اس پر چند اعتراض ایسے کئے کہ جس کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیّد صاحب کو اس عمر میں وہ جو کچھ ابتداء میں پڑھا تھا یاد نہیں رہا اور درحقیقت وہ اعتراضات منکرین نبوّت کے ہیں مگر سیّد صاحب نے نہایت بُرے طور سے بیان کئے ہیں شرح مواقف کے اسی موقف میں یوں لکھا ہے و ثانیہا شبہۃ المنکرین للبعثۃ وھو طوائف الاولی من احالہا الثانیۃ من جوزھا ولکن قال لا تخلو البعثۃ عن التکلیف الثالثۃ من جوز المعجزات و قال فی العقل الکفایۃ والرابعۃ

امرِ دوم کی تحقیق

---

لے سب سے زیادہ خود سیّد صاحب کا قول جو تفسیر آل عمران کے صفحہ ۴۳ میں واقع ہے ہمارے واسطے بڑی دلیل ہے قولہ آیت کا لفظ قرآن مجید میں فرعون، اصحابِ کہف والرقیم، نوح و اصحابِ سفینہ پر بھی اطلاق ہوا ہے انتہٰے۔ ابو الحسن حقانی

من قال بامتناع المعجزۃ لان خرق العادۃ محال والخامسۃ من جوز وجود المعجزۃ لکن منع الدلالۃ علی الصدق الخ ملخصاً۔ یعنی یہاں منکرینِ نبوت کا ذکر کریں گے، اور ان کے چند فرقے ہیں پہلا فرقہ نبوت کو محال جانتا ہے لیکن کہتا ہے کہ نبوت سے امر و نواہی کا پابند ہونا پڑتا ہے اور یہ تکلیف ہے۔ تیسرا فرقہ معجزات کا صادر ہونا ممکن کہتا ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ عقل کافی ہے پس نبوت کی کیا ضرورت ہے؟ چوتھا فرقہ معجزات کا صادر ہونا محال کہتا ہے اس لئے کہ خرق عادت محال ہے۔ پانچواں فرقہ معجزات کا وجود مانتا ہے لیکن ان کا نبوت پر دلیل ہونا نہیں مانتا اگرچہ سید صاحب چوتھے فرقہ میں داخل ہیں کہ وجود معجزہ کے منکر معلوم ہوتے ہیں لیکن پانچویں فرقہ میں ہونے کا تو آپ خود اقرار کرتے ہیں اور یہ دلیل بیان فرماتے ہیں **قولہ** ص۱۲۹ معجزہ نبوت کے ثبوت کی کیونکر دلیل ہو سکتا ہے الخ۔ بعد اس کے سید صاحب یوں فرماتے ہیں کہ رسولوں کے آنے میں دو چیزیں غور طلب ہیں۔ اوّل رسول کے ہونے کا ثبوت۔ دوسرے وہ چیز جس سے معلوم ہو کہ یہ شخص جو رسول ہونے کا دعوٰی کرتا ہے رسولوں میں کا ایک رسول ہے۔ ہم نے پہلی بات کا ثبوت بخوبی کر دیا ہے اور دوسری بات کا ثبوت کرنے والی چیز معجزہ ہے جس کا بیان ابھی ہو چکا اگر منکر رسالت ضد کرے تو یہ اور بات ہے **قولہ** انسانوں میں سے ایسے انسان کے ہونے پر متکلمین نے دنیا کے حالات پر قیاس کر کے استدلال کیا ہے۔ جناب! دنیا کے حالات پر ہرگز قیاس نہیں بلکہ تفہیم عام کے لئے ایک مثال دیتے ہیں جس کا بیان گزرا۔ اور یہ استدلال متکلمین کی طرف سے نہیں یہ محض آپ کا یا آپ کے قاضی ابن رشد کا اختراع ہے گو ہم اس استدلال کو پسند نہیں کرتے مگر انصاف یہ ہے کہ اس پر جو کچھ رد کیا ہے وہ محض سینہ زوری ہے۔ **قولہ** "وہ کہتے ہیں یعنی متکلمین بوقتِ استدلال کہ یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے اور صاحبِ ارادہ اور بندوں کا مالک اور دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ ایسا شخص مجاز ہے کہ بندوں کے پاس اپنا ایلچی بھیجے تو خدا تعالیٰ کی نسبت بھی ممکن ہے کہ مملوک بندوں کے پاس اپنا رسول بھیجے" یہ دلیل بعثت کی ہے "اور یہ بھی بات دنیا میں دیکھی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں بادشاہ کا ایلچی ہوں اور بادشاہی نشانیاں اس کے پاس ہوں تو واجب ہوتا ہے کہ اس کا ایلچی ہونا قبول کیا جائے" یہ دلیل اس بات کی ہے کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہے۔ اس کے بعد سید صاحب قاضی ابن رشد کو مددگار بنا کر ان دونوں دلیلوں کو رد کرتے ہیں **قولہ** ابن رشد فرماتے ہیں کہ یہ دلیل عام لوگوں کے لئے کسی قدر مناسب ہو مگر جب غور سے دیکھا جائے تو ٹھیک نہیں ہے الخ اس کے بعد سید صاحب نے جو اعتراض کیا ہے وہ غیر مربوط تقریر دو ورق میں ہے لیکن اس کا خلاصہ اور لُب لُباب یہ ہے کہ یہ دلیل جب صحیح ہو سکتی ہے کہ اوّل یہ مان لیا جائے کہ وہ نشانیاں جو ایلچی لاتا ہے وہ بادشاہ کے ایلچی ہونے کی ہیں یا اس طرح سے کہ بادشاہ خود کہدے کہ یہ نشانیاں جس کے پاس ہوں وہ میرا ایلچی ہے یا یوں کہ بادشاہ کی عادت سے معلوم ہو گیا ہو کہ وہ یہ نشانیاں بجز اپنے ایلچی کے اور کو نہیں دیتا (دوم) یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ معجزہ کا صادر ہونا کسی انسان سے ممکن ہے (سوم) رسول کا وجود بھی تسلیم کر لیا جائے اوّل بات تو ثابت ہو نہیں سکتی کیونکہ شرع سے تو ثبوت کرنا فضول ہے کہ ہنوز شرع کا وجود ہی نہیں اور عقل سے معلوم ہو نہیں سکتا دوسری بات یہ بھی ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی شئے کا امکان جب ثابت ہوتا ہے کہ جب اس کا وقوع بار بار مان لیا جائے کہ کبھی وہ شئے ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی اور اگر یہ امکان تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے وقوع لازم نہ آئے گا اور نظر بندی اور ڈھکوسلہ بندی کا

احتمال قائم رہے گا اور تجربہ اور عادت سے بھی اس کے رسول ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکے گا بجز اس کے کہ معجزے رسول ہی دکھایا کریں اور کوئی نہ دکھا سکے حالانکہ خرقِ عادت جس کا ایک نام معجزہ بھی ہے رسول اور غیر رسول دکھا سکتے ہیں اور متکلمین اس بات کے قائل ہیں کہ شے معجز کبھی جادوگر سے اور ولی سے بھی ظاہر ہوتی ہے تیسری بات بھی ثابت نہیں ہو سکتی اس لئے کہ جو امکان موجودات کی طبیعت میں پایا جاتا ہے وہ اس لئے پایا جاتا ہے کہ وہ شئے کبھی موجود ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی جیسا کہ مینہ کا حال ہے کہ کبھی برستا ہے کبھی نہیں برستا۔ پس جو شخص کسی ایک رسول ہونے کا بھی قائل ہو گیا ہو تو اس کے مقابلہ میں کہا جا سکتا ہے کہ رسولوں کا ہونا ممکن ہے مگر جو شخص رسول ہونے کا قائل ہی نہ ہو تو اس کے مقابلہ میں اس کا امکان رکھنا جہالت ہے اور چونکہ لوگوں کی طرف سے ایلچی کا ہونا ممکن مانا گیا ہے تو اس سبب سے مانا گیا ہے کہ ان کے ایلچیوں کا وجود ہم نے پایا ہے پس زید پر قیاس کر کے عمرو کے لئے ایلچی ثابت کرنا درست نہیں اس لئے کہ ایسی صورت میں دونوں کی طبیعتوں کا مساوی ہونا ضروری ہے اور یہ مساوات خدا تعالیٰ اور بندوں میں نہیں ہے۔ یہ حضرت کی تمام گفتگو کا خلاصہ ہے بلکہ جو فقرے کہ ان پر خط کھینچا ہوا ہے لفظ بلفظ انہیں کے ہیں اب ہر بات کا جواب بھی سنئے اور ذرا انصاف بھی فرماتے اور اس بات کی طرف کچھ خیال نہ کیجئے کہ سید صاحب سرکار انگریزی میں بڑے آدمی شمار کئے گئے ہیں ان کی ہر بات حق اور بجا ہے

پہلی بات کا جواب

(پہلی بات کا جواب) یوں ہے کہ یہ بات نبی کی حقیقت اور معجزہ کی حقیقت سے خوب معلوم ہو گئی کہ نبی کی روحانی قوت کے مقابلہ میں کسی کی نہیں پھر ایسے ایسے خوارق عادت سوائے نبی کے اور کس کی طاقت ہے کہ ظاہر کر سکے اور آپ کا یہ کہنا کہ متکلمین کے نزدیک معجزہ جادوگر سے اور ولی سے بھی ظاہر ہو سکتا ہے بالکل غلط ہے کسی کا بھی متکلمین سے یہ عقیدہ نہیں اور جو کوئی ہو بھی تو اس کا اعتبار کیا ہے۔ دیکھئے شرح مواقف کے موقفِ ششم بحث سوم میں یوں لکھا ہے "قالت المعتزلۃ خلق المعجزۃ علٰی ید الکاذب مقدور للّٰہ تعالٰی لکنہ ممتنع وقوعہ فی حکمتہ لان فیہ ایہام صدقہ وہو اضلال قبیح من اللّٰہ تعالٰی فیمتنع صدورہ کسائر القبائح قال الشیخ وبعض اصحابنا انہ ای خلق المعجزۃ علٰی ید الکاذب غیر مقدور فی نفسہ لان لہا دلالۃ علی الصدق قطعًا فان دل المعجز المخلوق علٰی ید الکاذب علی الصدق کان الکاذب صادقًا وہو محال یعنی معتزلہ کے نزدیک کاذب سے معجزہ ظاہر کرانا خدا تعالیٰ کی قدرت میں تو ہے لیکن اس کی حکمت کی رو سے اس کا واقع ہونا محال ہے کیونکہ اس کے ظاہر ہونے میں جھوٹے کے سچا ہونے کا خیال ہوتا ہے اور یہ قبیح ہے خدا تعالیٰ سے قبیح کا سرزد ہونا ممکن نہیں۔ شیخ ابوالحسن اشعری اور اس کے پیرو یہ کہتے ہیں کہ کاذب کے ہاتھ سے معجزہ کا صادر ہونا ممکن ہی نہیں کس لئے کہ معجزہ قطعی دلیل ہے پس وہ معجزہ جو کاذب کے ہاتھ سے ظاہر ہوا اس کی سچائی پر دلالت کرے تو جھوٹا سچا ہو جاتے اور یہ محال ہے۔ لو سید صاحب ہم نے دوسری شق اختیار کی یعنی اس کی عادت سے معلوم ہو کہ وہ غیر نبی کے کسی اور معجزہ پر قادر نہیں کرتا اور عقل اس کی گواہ ہے۔ اور جادوگر کو سرے سے بعض لوگوں نے کسی خرق عادت پر قادر ہی نہیں سمجھا ہے۔ معجزہ تو درکنار اب اس معجزہ کو دیکھ کر یہ شبہ پیدا کرنا کہ یہ کوئی طلسم نہ ہو یہ کوئی نظربندی تو نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ اہل عقل اور صاحب طبیعت سلیمہ سے تو نہایت بعید ہے بلکہ عادت یوں ہی جاری ہے کہ سب کو یقین ہو جاتا ہے پھر جو کوئی نہیں مانتا تو عمداً ضد کرتا ہے۔ حجت الٰہی اس پر تمام ہو چکی

ہے۔ ہم جب کسی کمشنر یا کسی اور حاکم جلیل القدر کو دیکھتے ہیں تو بغیر اس کے ہم اس کی اس سند اور فرمان کو دیکھیں جو اُس کو گورنمنٹ کی طرف سے ملا ہے یا پھر اس کی بھی تحقیق کریں کہ آیا یہ فرمان صحیح ہے یا جعلی محض قرائن سے ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کمشنر یا فلاں حاکم ہے حالانکہ یہاں بہت سے احتمالاتِ عقلی ہو سکتے ہیں اور نبی میں تو بعد معجزہ کے کوئی احتمال ہی نہیں رہتا پھر کیا وجہ ہے کہ صاحب کمشنر کا کچہری میں بیٹھنا اور دو چار چپراسیوں کا اس کی اردلی میں ہونا وغیرہ ذٰلک اُس کے کمشنر ہونے کی دلیل ہو جاتے اور معجزہ جو ایسی بڑی چیز ہے اور ایسے شخص کے ہاتھ سے ظاہر ہو کہ جس کے مُنہ دیکھنے سے خدا تعالیٰ یاد آوے اُس کی نبوت کی دلیل نہ ہو؟ اور اُس کے دل میں یقین نہ آئے؛ حالانکہ یہاں رحمتِ خداتی نے اس بات کا ذمہ بھی لے لیا ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اُس کے رسول ہونے کا یقین پیدا کرے گی ورنہ اس کا رسول بھیجنا ہی فضول ہو جاتے گا۔ (**دوسری بات** کا جواب یہ ہے کہ رسول کا ہونا ممکن کیا بلکہ بنظرِ اصلاحِ عالم ضروری ہونا ہم ثابت کر چکے ہیں اور آپ کا یہ فرمانا کہ امکان شئ کے کبھی ہونے اور کبھی نہ ہونے سے ثابت ہوتا ہے محض غلط ہے کیونکہ تمام اہلِ عقل اس بات پر متفق ہیں کہ ممکن اس کو کہتے ہیں کہ جس کے فرض وقوع سے محال نہ لازم آتے اور یہ صفت امکان وجود پر ہمیشہ مقدم ہوتی ہے جیساکہ صدرا اور میبذی وغیرہ کتبِ حکمت میں بھی مذکور ہے۔ "لان امکان وجودہ سابق علی وجودہ والالماکان قبلہ ممکنابل ممتنعًالن اتہ (ہدایۃ الحکمۃ) کیونکہ اگر شئے کے موجود ہونے کے اوّل اس کا امکان نہ ہوگا تو ممتنع ہو جاتے گی اور وجود میں نہ آتے گی۔ پس اگر امکان اس بات پر موقوف ہو کہ شئے کبھی پائی جاتے اور کبھی نہیں تو وہ شئے کبھی پائی ہی نہ جاتے گی اب جو شخص ایک رسول کے ہونے کا بھی قائل نہ ہو (جیساکہ اس وقت کے بعض ہنود[1]) تو ان کے مقابلہ میں اس دلیل مذکور کے ذریعہ سے رسول کے امکان (بلکہ فعلیت) کا مقر ہونا عین علم اور کمال فطانت ہے جو اس کو جہالت کہے خود اس کی نادانی ہے۔

(**تیسری بات کا جواب**) یہ ہے کہ مطلق رسالت کا ثبوت ظہور معجزہ پر موقوف نہیں جیساکہ آپ اور آپ کے قاضی ابن رشد غلط فہمی سے سمجھ کر اس کے رد میں قیل و قال کرتے ہیں کیونکہ یہ تو وجہ ضرورتِ رسالت سے ثابت ہے اور دلائل سے تسلیم کرا دیا گیا ہے کہ اس عالم کی اصلاح رسول بغیر نہیں ہو سکتی ہاں تعیین و تشخیص اس بات کی کہ اس مطلق رسالت کا کون مصداق ہے آیا زید رسول ہے یا نہیں؛ البتہ یہ بات معجزہ کے ظاہر ہونے سے معلوم ہوتی۔ پس جس شخص نیک عادت ہادی سیرت نے نبوت کا دعویٰ کر کے معجزہ دکھا دیا خواہ اُسی وقت یا بعد اس کے یا تعلیم امّت کے یا اور وقت میں بلاشک و شبہ یہ بات ثابت ہو جاتے گی کہ یہ شخص بھی نبی ہے الغرض عہدۂ نبوت کی تصدیق کے واسطے معجزہ فرمانِ خداوندی ہے کہ جس کے دیکھتے ہی قلوب اس کی طرف اس طرح کھچ آتے ہیں کہ جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف۔ اب جو شخص برخلاف مشاہدہ اس جذب مقناطیس کا انکار کرے تو وہ نہ تنہا کج فہم بلکہ بڑا ضدی ہے۔ **امر۳ کی تحقیق** اس طرح پر ہے کہ جب یہ بات بخوبی ثابت کر دی کہ معجزہ نبوت کی بڑی واضح اور روشن دلیل ہے تو اس میں وضاحت اور مبیّن ہونے کا وصف آیت سے

دوسری بات کا جواب

تیسری بات کا جواب

امر سوم کی تحقیق

---

[1] یعنی آریہ سماج۔ منہ

بھی زیادہ پایا جاتا ہے بلکہ یہ لفظ آیت یا بلفظ آیتِ بیّنہ یا محض بلفظ بیّنہ بلحاظِ مراتب معجزات ۔ اصل و بالذات
(امر مہم کی تحقیق) معجزات و عجائباتِ قدرت ہی کو تعبیر کیا جاتا ہے اور بالتبع آیاتِ قرآنیہ کو ۔ امر مہم کی یہ **تحقیق** ہے کہ جب یہ
وصف وضاحت معجزات میں بھی پایا جاتا ہے کما عرفت تو یہ تخصیص دعویٰ بلا دلیل ہے ۔ **فصل سوم**
**الملائکہ** کُل حکما ۔ و عقلا ۔ کہ جن کو قوت اشراق و انکشاف مبدء فیاض سے عطا ہوتی ہے اس بات پر متفق
ہیں کہ اس عالم حسّ کے علاوہ (کہ جس میں ہماری آنکھوں سے ہم کو یہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں) ایک اور
عالم بھی ہے جس کو عالم ملکوت کہتے ہیں اور کبھی اُس کو عالم غیب بھی کہتے ہیں ۔ اور جب یہ لحاظ کیا جاتا
ہے کہ عالم مجردات محضہ اور عالم حس کی وہ درمیانی حالت ہے تو اس کو عالم برزخ اور کبھی عالم مثال کہتے
ہیں اس عالم میں صدہا مخلوق ہے جن میں فرشتہ بھی ہے ۔ ہر ایک قوم کے نزدیک[ف] اس کا ایک نام ہے کُل
اہلِ ادیان بلکہ حکماء روم و ہند و ایران و یونان اور کل بیبل کے ماننے والے فرشتوں کے قائل ہیں ۔ بیبل
میں صدہا جگہ ان کا بصراحت ذکر ہے ۔ اہلِ ہند کے بید اور پوران بھی ذکر ملائکہ سے پُر ہیں اہلِ اسلام
میں سلف سے خلف تک ملائکہ کا وجود مانتے آتے ہیں ۔ قرآنِ مجید میں بیشمار جگہ فرشتوں کا ذکر ہے ۔ حکماء قدیم
کی کتابیں ان کے حالات سے بھری پڑی ہیں ۔ چونکہ یہ مسئلہ سب کا متفق علیہ ہے لہٰذا مجھ کو اس پر دلائل
قائم کرنے کی ضرورت نہ تھی ۔ علاوہ اس کے میرا کلام اہلِ ادیان سے ہے سو اس کی تسکین کے لئے ان کی کُتب
الہامیہ سے ثبوت کافی ہے لیکن اُن بعض لوگوں کے لئے جو نئے فلسفہ کے اعتماد پر منکر بن بیٹھے یہ چند ادلّہ
(دلیل اوّل) بیان کرنی پڑی (**دلیلِ اوّل**) غالباً یہ چار عنصر خاک پانی ہوا آگ اس عالم حس کی بنیاد ہیں ۔ اور ان
چار کے سوا تے اور بھی ہوں تو کچھ تعجب نہیں چنانچہ اس وقت کے حکماء نے ان کی تعداد پچاس سے زیادہ
بیان کی ہے ۔ اب یہ جس قدر ذی روح ہیں جیسا انسان گدھا مچھر مکھی وغیرہ ان سب کے اندر عنصر
خاک زیادہ ہے اسی لئے یہ چیزیں زمین پر رہتی ہیں اور ان کے پیدا ہونے کے مختلف طور ہیں ۔ بعض چیزیں توالد
و تناسل سے انثیٰ کے رحم میں اس طرح پیدا ہوتی ہیں کہ خاک اور پانی کی ترکیب سے نباتات پیدا ہوتے ہیں
پھر ان کو کھا کر بدن میں خون پیدا ہوتا ہے پھر وہ خون منی بن جاتا ہے پھر وہ منی انثیٰ کے رحم میں جا کر
گوشت کا ٹکڑا بن کر ہڈی اور چمڑا وغیرہ اعضاء اس میں نمودار ہو جاتے ہیں ۔ الغرض وہ غذا بعد استحالات
کے اس قابل ہو جاتی ہے کہ پھر مبدء فیاض سے اُس پر نفس فائض ہوتا ہے تب وہ قوت پاکر رحم سے باہر آتی
ہے اور بعض کے توالد کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بعض عناصر باہم ترکیب پاکر اس قابل ہو جاتے ہیں کہ اُن پر نفس
فائض ہو جاتا ہے ۔ دیکھئے جب غذا یا گوبر یا کوئی اور چیز حرارت غریبہ کی وجہ سے نیا مزاج حاصل کرتی ہے
تو اس کے کیڑے بن جاتے ہیں یعنی خاص اسی مادہ پر نفس اس کے قابل فائض ہو جاتا ہے ۔ حیوان میں
اور غیر چیزوں میں صرف اس قدر فرق ہے کہ وہاں فیضانِ رحم سے تعلق رکھتا ہے یہاں نہیں اور کبھی نفس

---

[ف] ہنود موت کے فرشتے کو جمراج اور عام فرشتوں کو دوت یا دیوتا کہتے ہیں یونانی محافظ فرشتے کو ڈیمن اور رومی جنیس کہتے ہیں اور ایرانی عام کو فرشتہ کہتے ہیں ۔ منہ

فائض ہونے کے بعد ایک نوع کی چیز دوسری نوع میں آجاتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بونٹ (چنے) میں کیڑا سبز رنگ کا ہوتا ہے اس کو ڈبیا میں کسی قدر سبز پتے ڈال کر بند کر دیجئے وہ چند روز کے بعد پر دار جانور ہو کر پھر اُڑ جاتا ہے (میں نے بارہا مشاہدہ کیا ہے) اسی طرح پانی کے گھڑے میں جو کیڑے ہوتے ہیں چند روز کے بعد مچھر بن جاتے ہیں۔ اور گوُ کا کیڑا ایک جانور سرخ پر کا ہوجاتا ہے (جس کو لال بیگ کہتے ہیں) ایک دوست نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ جوار کا ایک خوشہ تھا چند روز کے بعد وہ دانے مکھیاں بن کر میرے رُوبرُو اُڑ گئیں (یہ صحیح ہے کیونکہ وہ مرطوب ہوں گی جس طرح کہ گوبر اور گوُ کے کیڑے بن جاتے ہیں اسی طرح بعد مزاج جدید کے اُس پر نفس مگسی فائض ہوگیا) قصہ مختصر اس عالم حس میں یہ حیوانات بلکہ نباتات عناصر کی ترکیب اور مزاج سے پیدا ہوتے ہیں اور جو عناصر غالب ہوتا ہے اُسی کے خواص اُس میں آتے ہیں جس میں خاک غالب ہے وہ شے مکدر اور بوجھل ہوتی ہے اور دکھائی دیتی ہے اسی طرح جزو ہوائی یا ناری غالب ہے تو اس میں وہی آثار پائے جاتے ہیں۔ پس جس طرح کہ ہوا لطیف نظر نہیں آتی ہاں بدن پر محسوس ہوتی ہے اور اس لطیف عنصر میں جو دکھائی نہیں دیتا بڑا زور ہے۔ ہوا درختوں کو اکھیڑ دیتی ہے جہازوں کو زیر و زبر کر ڈالتی ہے۔ وہ چیز کہ جس میں یہ ہوا غالب ہوگی نظر نہ آئے گی یوں سب کچھ کرے گی۔ یا جس میں آگ غالب ہوگی وہ بھی دکھائی نہ دے گی۔ اور علاوہ ان چاروں عنصروں کے جو چیز اور عناصر سے مرکب ہیں وہ بھی دکھائی نہ دیں گی۔ کیونکہ کُل دو عناصر (ایک خاک دوسرا پانی) نظر آتے ہیں باقی اور کوئی عنصر دکھائی نہیں دیتا۔ پس باقی دو لو عنصر ہوا اور آگ جو کُل کے نزدیک مُسلم الوجود ہیں اور اسی طرح زائد عناصر جو محققین حال نے دریافت کئے ہیں دکھائی نہیں دیتے اور ممکن ہے کہ اس بے نہایت دریاء ہستی میں اور بہت سے عناصر ایسے ہوں کہ جن کی خبر اب تک نہ ہوئی ہو اور آئندہ ہو۔ پس میں کہتا ہوں کہ عقلِ سلیم کے نزدیک یہ بات نہایت بعید ہے کہ وہ یوں کہے کہ انہیں دونوں عنصر خاک اور پانی سے اشیاء مرکب ہوتے ہیں یا ان کی ترتیب میں بھی دونوں جزو غالب ہوتے ہیں اور دیگر عناصر کا غالب ہونا محال ہے یا ان دو کثیف (خاک اور پانی) عنصر کے اور دیگر عناصر سے ترکیب پانا اور ان کا مخلوط ہو کر ایسا مزاج حاصل کرنا کہ جن پر ان کے موافق کوئی نفس (یعنی روح) فائض ہو غیر ممکن ہے پس جب عقلِ سلیم کے نزدیک یہ باتیں محال نہیں بلکہ واقع ہیں تو نور فطرت اور عقلِ سلیم کے نزدیک یہ بات (کہ سلسلۂ موجودات انہیں دونوں کثیف عنصر کی چیزوں میں ختم ہوگیا۔ یا جو چیز کہ تم کو نظر نہیں آتی وہ موجود نہیں) محال نہیں تو محال سے کم بھی نہیں پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس طرح ان دونوں عنصر خاک اور پانی سے اور عناصر بہت زیادہ ہیں بلکہ تمام عالم انہیں سے مالا مال ہے اور یہ دونوں اُن کی نسبت ایسے ہیں کہ جیسا بحرِ ذخار کی نسبت قطرہ۔ تو اسی طرح ان عناصر کی مخلوقات اس عالم حس کی مخلوقات سے کہیں زیادہ اور قوی ہے اور جس طرح وہ عناصر نظر نہیں آتے (بسبب لطافت کے) اسی طرح وہ مخلوقات بھی نظر نہیں آتی۔ اور اس مخلوقات کی صدہا اقسام ہیں جیسا کہ یہاں کی مخلوقات کی صدہا اقسام ہیں اور وہاں کی مخلوقات جہاں تک کہ اہلِ صفا[1] اور ارباب کشف کو معلوم ہوئی یا دکھائی دی ہے اُس کے نام باعتبار ہر نوع کے جُدا جُدا ہیں۔ کسی کو **جنّ** اور کسی کو **شیطان** اور کسی کو **مَلک** یعنی **فرشتہ** کہتے ہیں۔ **دلیل دوم**۔ بہت سے آدمیوں کو جنّ اور ملائکہ اور ۳

دلیل دوم

[1] جیسے انبیاء، اولیاء اور صاحب نفوس قدسی۔

شیطان عیاناً دکھائی دیتے ہیں اور اُن سے بات چیت کی ہے اور اسی طرح ان کے آثارِ خارجیہ (حرکات و سکنات) یا کوئی بڑا بھاری کام کرنا جیسا کہ چھت کو توڑ ڈالنا یا کسی چیز کو صدہا کوس کے فاصلہ سے ذرا سی دیر میں حاضر کر دینا یا جنگل میں بھولے کو راہ دکھا کر پھر آنکھوں کے سامنے وہیں غائب ہو جانا یا کسی شخص سے دُور دراز کے حالات کہدینا وغیرہ وغیرہ باتیں ظہور میں آتی ہیں اور آتی ہیں۔ اور جن جن لوگوں سے یہ ماجرے پیش آتے ہیں بہت سے میں نے دیکھے ہیں اگر ان کی تفصیل لکھوں تو یہ کتاب دراز ہو جاتے میری کتاب کے دیکھنے والوں میں بھی صدہا آدمی ایسے ہوں گے کہ جن کے رُوبرو ایسے واقعات پیش آتے ہوں گے اب اگر کوئی وہم دوڑائے اور ان سب باتوں کو وہمی اور خیالی بتائے اور ان لوگوں کی خبرِ متواتر کو جھوٹے قصے سمجھے اور اپنی وہی مرغے کی ایک ٹانگ کہے جائے تو یہ اور بات ہے اور اس مرض سوداوی کا علاج ہی اور ہے۔ خیر اس کو بھی جانے دیجئے اب میں چند ایسے ثقات سے یہ واقعات نقل کرتا ہوں کہ جو تمام جہان کے مسلم ہیں اور جن کی بات کو جھوٹ سمجھنا (تو درکنار بلکہ اس کا گمان بھی کرنا) کفر اور بے ایمانی بلکہ حماقت اور نادانی ہے۔ ازانجملہ وہ قصہ جن کہ جس کو سورۂ جن میں تمام جہان کے سردار اور سب صادقوں کے صادق نے نقل فرمایا ہے۔ ازانجملہ وہ قصہ ہے کہ جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس رات جن پیغمبر علیہ السلام سے تعلیم پانے کے واسطے حاضر ہوتے تھے تو آنحضرتؐ باہر جنگل میں مجھ کو بھی لے گئے تھے اور مجھ کو خاص ایک جگہ میں بیٹھنے کا حکم دے کر آنحضرت علیہ السلام نے ان کو کچھ آیاتِ قرآنی اور نماز روزے کے مسائل تعلیم فرماتے اور مجھ کو بجز آوازوں کے اور کچھ سنائی نہیں دیتا تھا (کیا تعجب ہے کہ شیخ نیچر اُس کو بھی جھوٹ کہدیں یا جن سے مراد کوئی پہاڑی قوم بتادیں) ازانجملہ وہ قصہ ہے کہ جس کو امام بخاری وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام ایک بار نماز پڑھنے میں دفعۃً کئی قدم پیچھے ہٹے اور پھر آگے بڑھے اور کسی چیز کے پکڑنے کے لئے ہاتھ دراز کیا بعد فراغت نماز کے لوگوں سے بیان کیا کہ شیطان میری نماز میں خلل انداز ہوا تھا ایک لکڑی جلا کر میرے بدن کو لگانا چاہتا تھا میں پیچھے ہٹا پھر میں نے اُس کو پکڑنا چاہا کہ اُس کو مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب دیکھو تب سلیمان علیہ السلام کی دعا۔ یاد آئی نہ پکڑا ورنہ اُس کو پکڑ کر باندھ دیتا۔ ازانجملہ سورۂ نجم میں جبرئیل علیہ السلام کا وہ قصہ کہ جبرئیل علیہ السلام کو آنحضرت علیہ السلام نے آسمان کے کناروں پر دیکھا اور پھر اتنا فاصلہ باقی رہ گیا کہ جیسا دو کمانوں میں یا اس سے بھی کم۔ کما قال تعالٰے عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۭ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝[1] الآیات۔ اُس کے بعد چونکہ خدا تعالٰی کو معلوم تھا کہ منکر اس کی تکذیب و تاویل کریں گے تو اُن کا منہ بند کرنے کے لئے آخر یہ بھی فرمایا ہے کیا

---

[1] سکھایا یہ قرآن محمدؐ کو بڑے قوت والے (جبرئیلؑ) نے پس وہ کنارہ بلند میں اپنی صورت پر قائم ہوا پھر نزدیک ہوتا گیا پس نیچے اُتر آیا پھر ان میں دو کمان کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا پس ہمارے بندے (محمد علیہ السلام) کو جو پہنچانا تھا سو پہنچا دیا نہ جھوٹا سمجھا دل نے جس کو دیکھا۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی یعنی یہ دیکھنا کچھ وہم وخیال کے طور پر نہ تھا کہ جس کو قصور نظر سمجھا جاتے جیسا کہ ماؤف البصر کو کچھ کا کچھ دکھائی دیتا ہے۔ اس آیت سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کا یہاں ذکر ہے وہ اس نے حضرت کو سکھلایا اور وہ بڑا قوت مند ہے اور وہ اپنی اصلی صورت پر قائم ہوا اور وہ آسمان کے بلند کنارہ پر تھا پھر وہ قریب ہوتے ہوتے دو کمانوں کے فاصلہ پر آ رہا پھر اُس نے قریب ہو کر آنحضرت علیہ السلام کو وحی پہنچائی) یہ کوئی قوت انسانی نہیں کیونکہ قوت انسانی خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو اور وہ خواہ کیسی ہی قوی اور زائد ہو ایک صفت ہے جو اپنے موصوف سے ایک قدم کے فاصلہ تک بھی جدا نہیں ہو سکتی کبھی کوئی عرض اپنے معروض سے جدا اور منفصل نہیں ہو سکتا کما لا یخفی اور نہ کوئی صفت اپنی صورت دکھا سکتی ہے اور نہ کوئی صفت اپنے موصوف کے لئے معلّم ہو سکتی ہے۔ بائبل میں متعدد جگہ فرشتوں کا ذکر ہے۔ توریت کتاب پیدائش کے سولہویں باب میں فرشتہ کا ہاجرہ ابراہیمؑ کی بیوی کو دکھائی دینا اور ان سے کلام کرنا مذکور ہے۔ پیدائش کتاب میں لوطؑ کو فرشتوں کا نظر آنا اور ان کے گھر مہمان رہنا اور بستیوں کا اُلٹ دینا مذکور ہے۔ اسی کتاب میں فرشتوں کا اسرائیل کی کُشتی کرنا مذکور ہے۔ اس طرح کتاب زکریا کے اول باب میں ایک فرشتہ سب سے اعلیٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا رہتا ہے۔ انجیلوں میں اکثر مقامات پر فرشتوں کا ذکر ہے۔ اور مکاشفات یوحنا میں تو بیشمار جگہ فرشتوں کا ذکر ہے اور ان کے کاروبار مذکور ہیں۔ **دلیل تیسری** خدا ذوالجلال والاکرام اور اس کائنات دلیل تیسری

عالم حس یا عالم ناسوت میں (کہ جو محض کثیف اور تاریک اور بے ثبات ہے) کچھ بھی مناسبت نہیں وہ نور محض یہ تاریک وتار وہ لطیف یہ کثیف، وہ غایت علو میں یہ نہایت سفل میں، وہ باقی یہ فانی، وہ قدیم محض یہ حادث وغیر ذٰلک من التفاوت والتباین مما لا یخفی علٰی ارباب البصیرۃ پس جس طرح اس نے اس عالم میں طرح طرح کے انتظامات وتدبیرات کر رکھے ہیں اسی طرح اُس نے تکمیل انتظام کے لئے وسائط پیدا کئے ہیں کہ وہ من وجہ اس عالم کے مناسب من وجہ اس ذات قدس کے مناسب ہیں۔ یا یوں کہو کہ یہ بات مسلّم ہے کہ اس تمام کائنات کے جس قدر آثار وحالات ہیں وہ سب اپنے نہیں بلکہ کسی غیر کی طرف سے آتے ہیں نہ یہ وجود اپنا ہے نہ یہ بقا اپنی ہے نہ اس کے اُوپر جس قدر باتیں پیش آتی ہیں وہ اپنی ہیں کیونکہ اگر یہ ہو تو پھر بتدریج ہونے کی کیا وجہ ؟ اور زوال وتغیر کا کیا سبب اور حدوث کا کیا باعث اور پھر اُن کے ممکن ہونے کا کیا طریق ؟ خدا کی ذات پاک کا ثبوت تو اسی لئے ضرور مانا گیا کہ یہ چیزیں جمیع کمالات بلکہ حالات بلکہ وجود وذات میں محتاج ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اُن کا کوئی واجب الوجود محتاج الیہ ہے کہ جس کی طرف سے یہ فیضان ہوتا ہے ورنہ یہ لازم آتے کہ ما بالعرض بغیر ما بالذات کے پایا جاتے اور یہ محال عقلی ہے پس یہ ضرور تسلیم کرنا پڑا کہ یہ تمام فیضان اسی مبدء فیاض کی طرف ہے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ مؤثر اور مؤثر میں مناسبت ہونی ضرور ہے اور ابھی آپ جان چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ پاک اور اس عالم حس میں کچھ بھی مناسبت نہیں پس یہ ضرور تسلیم کرنا پڑا کہ اس کے درمیان اور عالم حس کے درمیان وسائط ہیں کہ جو من وجہ اس عالم سے اور من وجہ اس قدوس سے مناسبت رکھتے ہیں اور ہم اُن کو[1] ملائکہ کہتے ہیں اور یہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ اس سلسلۂ موجودات کے ذات قدوس

[1] صوفیہ کرام ان کو قوئی عالم کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں کہ عالم میں جملہ تصرفات ان کے ذریعہ سے ہوتے ہیں جیسا کہ انسان کے کاروبار انسان کے قوئی بغیر نہیں ہو سکتے مگر سید صاحب غلط فہمی سے یہ سمجھ گئے کہ ملائکہ قوی ہیں۔ منہ

تک منتہی ہونے میں زیادہ بُعد کی وجہ سے بیشمار وسائط ہیں کیونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ جس قدر زیادہ بُعد ہوگا زیادہ واسطے ہوں گے۔ (فرض کرو کہ ایک شخص ہزار قدم کے فاصلہ پر ہم سے دُور ہے اور وہ بوسائط کوئی چیز ہم کو دیا چاہتا ہے۔ پس وہ اوّل اپنے پاس والے کو یہاں تک کہ جو اُن سب میں اخیر ہے اور جس پر وہ سلسلہ ختم ہوتا ہے وہ ہم کو دے گا) اب اسی پر خیال کر لیجئے پس اوّل مورد تجلّیات و فیوضات وہ قدوسی اشخاص ہیں جو ہم سے نہایت بعید المناسبت اور حق تعالیٰ جلّ جلالہٗ سے نہایت قریب اور بہت ہی مناسبت رکھتے ہیں۔ جن کو **حاملانِ عرش** اور **ملأ اعلیٰ** کہتے ہیں پھر اُن سے نیچے اور پھر اُن سے نیچے ہلم جرّا۔ اور ہمارے اس بیان کی تائید قرآن[1] اور کلام پیغمبر علیہ السلام سے ہوتی ہے۔ الغرض اسی ترتیب سے صدہا بلکہ کروڑہا ملائکہ ہیں کہ جن کی تفصیل سوائے اُس کے کوئی نہیں جان سکتا کما قال تعالیٰ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ اُن کی کسی قدر تفصیل جو ہم کو قرآن سے یا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوئی یہ ہے۔ **اقسام ملائکہ** (اوّل) حاملانِ عرش جن کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ[2]۔ وقولہٗ تعالیٰ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ[3] (دوم) عرش کے اردگرد طواف کرنے والے قال تعالیٰ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ[4] (سوم) اکابر ملائکہ ہیں منجملہ اُن کے جبرئیلؑ و میکائیلؑ ہیں کہ جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے، قال تعالیٰ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ[5]۔ حضرت جبرئیلؑ کے قرآن مجید میں چند اوصاف مذکور ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ وہ انبیاءؑ اور خدا تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے اُس کے ذریعہ سے وحی آتی ہے۔ کما قال تعالیٰ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى۔ وقال تعالیٰ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ[6] ازانجملہ

اقسام ملائکہ

---

[1] قال اللہ تعالیٰ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ۔ اس کی تفسیر میں پیغمبر علیہ السلام یوں فرماتے ہیں اِذَا قَضَى اللّٰهُ تَعَالٰى اَمْرًا فِي السَّمَآءِ ضَرَبَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهٖ كَاَنَّهٗ سِلْسِلَةٌ عَلٰى صَفْوَانٍ فَاِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ رواہ البخاری وغیرہ من کبار المحدثین وفی روایۃ اِذَا قَضٰى اَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ اَهْلُ السَّمَآءِ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ التَّسْبِيْحُ اَهْلَ هٰذِهِ السَّمَآءِ الدُّنْيَا ثُمَّ قَالَ الَّذِيْنَ يَلُوْنَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ فَيُخْبِرُوْنَهُمْ مَاذَا قَالَ رَبُّهُمْ فَيَسْتَخْبِرُ بَعْضُ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ بَعْضًا حتی یبلغ الخبر اہل ہذہ السماء۔ انتہیٰ۔ یعنی جب آسمان میں خدا تعالیٰ کوئی حکم صادر فرماتا ہے تو ڈر کے مارے حاملانِ عرش سُبحان اللہ سبحان اللہ کہتے ہیں پھر ان کے نیچے کے آسمانوں والے یہاں تک کہ اس آسمان والے تسبیح کرتے ہیں۔ پھر جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ کم ہوتی ہے تو جو فرشتے کہ حاملانِ عرش کے قریب ہیں اُن سے نیچے والے پوچھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے کیا حکم صادر فرمایا ہے پس وہ اُن کو بتلا دیتے ہیں یہاں تک کہ ان سے نیچے کے فرشتے اُن سے پھر اُن کے نیچے کے فرشتے اُن سے پوچھتے ہیں حتّٰی کہ اس آسمان کے فرشتوں تک وہ خبر پہنچتی ہے۔ منہ

[2] وہ جو عرش اُٹھاتے ہیں۔ منہ

[3] اس روز تیرے ربّ کا عرش آٹھ (فرشتے) اُٹھائیں گے۔ منہ

[4] اور تو فرشتوں کو عرش کے اردگرد خدا تعالیٰ کی تسبیح کرتے دیکھے گا۔ منہ

[5] جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور رسولوں اور جبرئیل (علیہ السلام) اور میکائیل (علیہ السلام) کا دشمن ہے خدا تعالیٰ اُس کا دشمن ہے۔ منہ

[6] اس قرآن کو روح الامین لاتے ہیں۔ منہ

یہ ہے کہ ان کو خدا تعالیٰ نے روح القدس فرمایا ہے کما قال اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ[1]۔ منجملہ ان کے اسرافیل ؑ ہیں جن کا نام احادیثِ صحیحہ میں بکثرت وارد ہے اور جن کا فعل صُور پھونکنا ہے۔ وقال تعالیٰ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ[2] منجملہ اُن کے عزرائیل ؑ ہیں جن کا نام احادیث صحیحہ میں بکثرت ہے اور قرآن میں ان کو ملک الموت کہا ہے قال تعالیٰ قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ[3] (چہارم) وہ ملائکہ ہیں جو ارواح قبض کرتے ہیں، قال تعالیٰ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا[4] وقال تعالیٰ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓىٕكَةُ[5] اُس جماعت کے سردار عزرائیل ؑ ہیں۔ (پنجم) ملائکہ جنت ہیں قال تعالیٰ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ[6] (ششم) ملائکہ جہنم ہیں اہل دوزخ کو عذاب انھیں کے ہاتھ سے ہوتا ہے قال تعالیٰ عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ[7]۔ وَمَا جَعَلْنَاۤ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓىٕكَةً[8] اور اس فریق کے سردار مالک ہیں قال تعالیٰ وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ[9] اور اس کل فریق کا نام زبانیہ ہے قال تعالیٰ فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ[10]۔ (ہفتم) وہ ملائکہ ہیں کہ جو کہ بنی آدم پر موکل و محافظ ہیں قال تعالیٰ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ[11]۔ وقولہ تعالیٰ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ[12] وقولہ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ[13]۔ وقولہ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً[14] (ہشتم) وہ ملائکہ ہیں جو آدمی کے اعمال لکھتے ہیں قال تعالیٰ وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ[15]۔ (نہم) وہ ملائکہ ہیں کہ جو اس عالم کے احوال پر موکل ہیں اور خدائے پاک کے اس قول میں یہی لوگ مراد ہیں وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا الیٰ قولہ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا[16]۔ وقولہ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا[17]۔ اسی طرح قرآن مجید و احادیث صحیحہ میں ملائکہ کے اوصاف مختلف مذکور ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام اور خدا تعالیٰ کے درمیان واسطے اور رسول ہیں قال تعالیٰ جَاعِلِ الْمَلٰٓىٕكَةِ رُسُلًا[18]۔ وقال تعالیٰ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ رُسُلًا[19]۔ منجملہ اُن کے یہ کہ

[1] جب مدد کی ہم نے تیری (اے عیسیٰ ؑ) بسبب روح القدس کے۔ منہ [2] جس دن صور میں پھونکا جاوے گا۔ منہ [3] تو کہہ کہ تمہاری روح ملک الموت قبض کرے گا جو تم پر موکل ہے۔ منہ [4] جب تم میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو اُس کو ہمارے رسول (فرشتے) قبض کرتے ہیں۔ منہ [5] اور جو تو دیکھے کہ جب کافروں کی روح کو فرشتے قبض کرینگے۔ منہ [6] اور فرشتے آدیں گے ان کے پاس ہر دروازے سے (کہیں گے) تم پر سلام ہو تمہارے صبر کے بدلے۔ پس کیا اچھا ہے آخرت کا گھر۔ [7] اُس دوزخ پر انیس شخص مقرر ہیں۔ منہ [8] اور دوزخ کے محافظ اپنے فرشتے ہی بنائے ہیں۔ منہ [9] پکاینگے اے ملک الموت دے چکے ہم کو تیرا خدا منہ [10] وہ بلائے اپنی محفل کو ہم بلاتے ہیں زبانیہ کو۔ منہ [11] اور اس کے داہنے بائیں ایک محافظ بیٹھا ہے۔ منہ [12] آدمی کی ہر بات پر ایک سخت نگہبان ہے۔ منہ [13] اس کے لئے آگے اور پیچھے سے گماشتے ہیں کہ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ منہ [14] اور بھیجتا ہے تم پر محافظ فرشتے۔ منہ [15] تم پر زیرک (فرشتے) محافظ ہیں لکھنے والے ہیں تمہارے ہر کام کو جانتے ہیں۔ منہ [16] ہم کو قسم ہے ان فرشتوں کی جو آندھی چلاتے پھر بادل اٹھاتے پھر نرم نرم ہوائیں چلاتے پھر حصے تقسیم کرتے ہیں۔ منہ [17] قسم ہے ان فرشتوں کی جو اندر گھس کے روح کھینچتے ہیں۔ منہ [18] خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو رسول (یعنی پیغامبر اور واسطہ) بنایا۔ منہ [19] خدا تعالیٰ فرشتوں کو اپنی رسالت کے لئے برگزیدہ کرتا ہے۔ منہ

وہ عابدین وساجدین ہیں قال تعالیٰ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ [1] وقال تعالیٰ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ [2]۔ منجملہ اُن کے یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرسکتے۔ قال اللہ تعالیٰ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ [3]۔ منجملہ اُن کے یہ کہ وہ نہایت خائف اور ترساں خدا تعالیٰ سے رہتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وقال مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ [4]۔ منجملہ اُن کے یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کے دوستوں کی مدد کرتے اور مسلح ہو کر لڑتے ہیں جیسا کہ جنگ بدر میں واقع ہوا قال تعالیٰ يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ [5]۔ منجملہ اُن کے یہ ہے کہ اُن کے لئے بازو اور پر ہیں قال اللہ تعالیٰ أُولِي أَجْنِحَةٍ مَّثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ [6]۔ علاوہ ان آیات کے اور بہت سی آیات فرشتوں کے ایسے حالات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ کوئی ایسی مخلوق الٰہی اور قسم کی ہے کہ جو جسم اور افعال میں ہم لوگوں سے بالکل مغائر ہے۔ اب سید احمد خان صاحب ان آیات کی کہاں تک توجیہ کریں گے، اور کہاں تک تاویل کرکے اصلی کے معنی بدل کر اُن کو قوائی بتلائیں گے۔ قرآن (بلکہ تورات وانجیل وبید ودساتیر) کے ماننے والے سے یہ امر ناممکن ہے کہ وہ فرشتوں کا انکار کرے اور ان کو قوائی بتلاوے۔ ہاں جو شخص ان کتابوں میں سے کسی کا بھی قائل نہ ہو اور حکماء قدیم وحال کے بھی برخلاف ہو تو وہ جو چاہے سو کرے۔ سید صاحب! یا قرآن کا انکار کیجئے یا فرشتوں کے قائل ہو جائیے۔ ع سر دگر اختصارے باید کرد ٭ یک کار ازیں دو کارے باید کرد ٭ یا تن برضائے دوست می باید داد ٭ یا قطع نظر زیار می باید کرد ٭

ملائکہ کی حقیقت

ملائکہ کی حقیقت [7] میں مختلف اقوال ہیں لیکن اس بات میں سب متفق ہیں کہ ملائکہ ذوات موجودہ قائم بذات خود ہیں کسی کی صفت یا عرض نہیں۔ اکثر اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ وہ اجسام لطیفہ ہیں کہ جو اشکال مختلفہ میں ظاہر ہوسکتے اور بڑے قوی کام کرسکتے ہیں کس لئے کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر لوگوں نے اُن کو مختلف اشکال میں دیکھا ہے۔ جمہور اہل کتاب یہود اور سامری [8] اور عیسائی بھی یہی کہتے ہیں۔ اور بعض نصاریٰ کا یہ قول ہے کہ اچھے لوگوں کی ارواح بعد موت کے ملائکہ بن جاتی ہیں۔ یہ قول صحیح نہیں کیونکہ بنی آدم سے پہلے بھی ملائکہ تھے ہاں اگر یہ کہیں کہ ابرار لوگوں کی ارواح بعد مفارقت بدن ان میں جا ملتی ہیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ حکماء کہتے ہیں کہ وہ جواہر مجردہ ہیں اور نفوس ناطقہ سے مخالف الحقیقت ہیں۔ عالم میں جس قدر تصرفات ہیں اُنہیں کے ذریعہ سے ہوتے ہیں۔ اور یہ لفظ ملک [9] کہ جس کی جمع ملائکہ آتی ہے مالک سے مقلوب ہوا ہے کہ

[1] فرشتے خدا کے معزز بندے ہیں۔ منہ [2] فرشتے اس کی رات دن تسبیح پڑھتے نہیں تھکتے۔ منہ [3] فرشتے خدا سے بات کرنے میں پیشقدمی نہیں کرتے اور وہ اُس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ منہ [4] خدا برتر سے ڈرتے ہیں اور فرشتے ہمیشہ اس سے ہی ڈرتے ہیں۔ منہ [5] مدد دینے تمہاری رب کی پانچ ہزار آراستہ فرشتوں سے۔ منہ [6] خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو بازو دار بنایا پھر کسی کے دو دو اور کسی کے تین تین اور کسی کے چار چار بازو ہیں۔ منہ [7] یہ مسلم ہے کہ ملائکہ جن سے لطیف تر ہے۔ اس لئے یہ محال ہے کہ بشر اس کی ماہیت دریافت کرے کہ وہ اپنی ذات میں کیا ہے۔ منہ [8] ایک فرقہ اہل کتاب کا ہے کہ وہ تورات کو مانتا ہے اور یہود سے مخالف اور عیسائیوں سے بھی مخالف ہے۔ منہ [9] اصل اس لفظ کی ملاک ہے اور اسی کے لحاظ سے ملائکہ جمع ہمزہ کے ساتھ آتی ہے جیسا کہ شمئل کی شمائل آتی ہے اور تا جمع کے لحاظ سے زائد کر دی ہے بیضاوی۔ منہ

جن کی حقیقت

جو الوکہ بمعنے رسالت سے مشتق ہے کیونکہ فرشتوں پر اس لفظ کا اطلاق اسی لحاظ سے ہے کہ وہ عالم میں وسائط ہیں۔ جن کے لغت میں معنے پوشیدہ کے ہیں اور جس لفظ میں یہ مادہ جیم و نون جمع ہوگا اس میں پوشیدگی و استتار ملحوظ ہوگا اسی لئے جنت کو جنت کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں اور جنون کو اس لئے جنون کہتے ہیں کہ وہ عقل کو پوشیدہ کر لیتا ہے اور جنین چونکہ ماں کے پیٹ میں پوشیدہ ہوتا ہے اس لئے یہ لفظ رحم کے بچے پر بولا گیا، اور جنان کا اطلاق اس لئے دل پر ہوتا ہے کہ وہ پوشیدہ اور اس کے خیالات مستتر ہوتے ہیں، اور ڈھال کو اس لئے جنۃ بولا گیا کہ وہ اپنی آڑ میں پوشیدہ کرتی ہے اسی طرح لفظ جن اس مخلوق الٰہی پر بولا جاتا ہے کہ جو (بسبب لطافت مادہ کے) حس بصر سے پوشیدہ رہتی ہے قرآن مجید میں اس قسم کی مخلوق پر کئی جگہ یہ لفظ بولا گیا ہے، قال تعالٰے وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ کہ ہم نے جن کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا اور اسی طرح اور کئی جگہ یہ لفظ آیا پس جن وہ مخلوق الٰہی ہے کہ جس کا مادہ غالب آگ[1] یا ہوا ہو اور چونکہ آگ ہوا سے بھی زیادہ لطیف ہے اس لئے وہ نظر نہیں آتی اور جو چیزیں اس سے مرکب ہوتی ہیں وہ بھی محسوس نہیں ہوتیں۔ پھر نار کی لطافت اور کثافت کے لحاظ سے (جو بسبب کسی دوسرے جزء کی آمیزش کے ہوتی ہے) جنوں کے چند اقسام ہیں جو خالص نار اور اس کے اوصاف شعلہ ..... سے مرکب ہیں ان میں اور ملائکہ ارضیہ میں نہایت مناسبت ہے بلکہ بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک قسم کے ملائکہ ہیں اور قرآن میں جو شیطان کو ملائکہ میں شامل کر کے سجدہ کا حکم دیا اور پھر اس کو کَانَ مِنَ الْجِنِّ کہا یا اس لئے کہ وہ جن بھی تھا اور فرشتہ بھی تھا کیونکہ ملائکہ ارضیہ اور جن قسم اعلیٰ ایک ہی چیز ہیں پس اسی لحاظ سے کبھی اس کو جن اور کبھی فرشتہ کہا۔ اور جن میں کہ مادہ بخاریہ یا دخانیہ غالب ہے وہ شر کی طرف اکثر مائل ہیں اور ان کے مادہ صورت نوعیہ کے موجب ان سے آثار اور افعال سرزد ہوتے ہیں اسی نظر سے بعض محققین نے جن اور ملائکہ میں عموم اور خصوص میں وجہ قرار دیا ہے پس جن وہ چیز ہے کہ جو اپنے مادہ متوسطہ (بین اللطافۃ والکثافۃ المحصنۃ) کی وجہ سے خیر و شر دونوں چیزوں کے سرزد ہونے کی لیاقت رکھے اور ملک[2] یعنی فرشتہ وہ ہے کہ جو خیر کی صلاحیت رکھے (بسبب لطافت مادہ کے) اور بدی اس سے سرزد نہ ہوسکے اور شیطان وہ ہے کہ جو بسبب ظلمانیت مادہ کے شر ہی کی استعداد رکھے گو ناریت سب میں غالب ہے اسی لئے ابلیس نے آدمؑ کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ سے کہا تھا کما حکی اللہ تعالٰے عنہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ کہ آپ نے مجھ کو آگ سے اور آدم کو خاک سے بنایا۔ عرب کے محاورہ میں جنوں پر باعتبار اوصاف کے چند الفاظ بولے جاتے تھے جو جن کہ آدمیوں کے ساتھ رہتے تھے ان کو عامر کہتے تھے کہ جن کو ہماری

---

[1] اگر کوئی شبہ کرے کہ آگ دکھائی دیتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آگ خالص نہیں بلکہ اس میں آمیزش ہے جس طرح کہ ہوا غبار آلود جس کو آندھی کہتے ہیں نظر آتی ہے خالص نہیں نظر آتی۔ منہ [2] یہاں ملک سے مراد ملائکہ سفلیہ ہیں اور اسی لحاظ سے کہ اس قسم کے ملائکہ جن ہیں ان سے کبھی اگر کوئی شر سرزد ہو تو تعجب نہیں جیسا کہ شیطان سے یا ہاروت و ماروت کا قصہ مشہور ہے لیکن ملائکہ علویہ اس سے بالکل بری ہیں وہ محض تقدیس و تسبیح میں غرق ہیں۔ حقانی

زبان میں ہمزاد کہتے ہیں اور جو کہ لڑکوں بالوں کو ستاتے ہیں ان کو **ارواح** کہتے تھے کہ جس کو اہلِ ہند **بھوت** یا آسیب کہتے ہیں اور جو خبیث اور سخت تکلیف دینے والے ہوتے ہیں اُن کو **شیطان** کہتے ہیں اور جو اُن سے بھی زیادہ سرکش ہوتے تھے ان کو **مارد** کہتے تھے اور جو اس سے بھی بڑے قوی ہوتے ہیں اُن کو **عفریت** کہتے تھے اور جو جنگل میں آواز دیتے اور چیختے ہیں ان کو **ہاتف** کہتے ہیں اور بعض جو مسافروں کو راہ بھولی بتلادیتے ہیں اُن کو **رجال الغیب** کہتے ہیں اور جو بیابانوں میں کبھی ایک لشکر اور مشعل وغیرہ سی چیزیں دکھائی دیتی ہیں تو اُن کو **شہابہ** کہتے ہیں اور جو رات میں یا بعض اوقات دن میں اُجاڑ جنگلوں میں کبھی چھوٹے چھوٹے لڑکوں کی صورت میں دکھلائی دیتے اور پھر دفعۃً کسی اور شکل میں ظاہر ہو جاتے ہیں الغرض طرح طرح کی صورتیں بدلتے ہیں اُن کو **چھلاوا** کہتے ہیں۔ الغرض ایسی مخلوقاتِ الٰہی کی (کہ جن میں جزء ہوائی یا جُزء ناری غالب ہے اور اس وجہ سے وہ دکھائی نہیں دے سکتی) ہزار ہا اقسام ہیں جن پر **مطلع** ہونا اسی علیم خبیر کا کام ہے۔ لیکن اہلِ عقل جو حقیقت میں اس بات پر اکثر متفق ہیں کہ جسم ناری متشکل باشکال مختلفہ۔ اسی وجہ سے جنوں کا آدمیوں کے ساتھ باتیں کرنا اور کبھی عجائب غرائب حرکات سے پیش آنا مشاہدہ میں آچکا ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگ کہ جن کی زبان میں قرآن اُترا ہے ایسی چیزوں کے قائل تھے اور کبھی ان کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے اور کبھی ان کی پرستش کرتے تھے قال تعالیٰ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا کہ کفار نے خدا تعالیٰ اور جنوں میں رشتہ قائم کیا اور قرآن مجید میں بھی بہت جگہ انسانوں کے مقابلہ میں جنوں کا ذکر ہے۔ سورۂ جن میں ان کا ذکر ہے اور علاوہ اس کے بہت جگہ ذکر ہے۔ قال تعالیٰ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ قال اللہ تعالیٰ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ وقال تعالیٰ يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ الآیہ۔ (اب) قبل اس کے کہ منکر کے دلائل کی طرف رجوع کروں پیشتر چند امور ضروری بیان کرتا ہوں (۱) یہ کہ قرآن مجید کی بیشمار آیات سے یہ بات صاف صاف معلوم ہوتی ہے کہ ملائکہ کسی کے قوائے بدن نہیں نہ کسی کے اعراض و صفات ہیں بلکہ متحیز بالذات اور کلام کرتے اور چلتے پھرتے اور ڈرتے اور عبادت کرتے ہیں بلکہ ان کے لئے بازو اور پر بھی ہیں اور وہ آدمیوں سے کلام بھی کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا عرش بھی اُٹھاتے ہیں اور لوگوں کی ارواح بھی قبض کرتے ہیں اور بعض کفارِ عرب اُن کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں بھی کہتے تھے، کما قال تعالیٰ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ إِنَاثًا بلکہ اسی آیت میں اور اس کے علاوہ اور آیات میں صاف تصریح ہے کہ وہ عباد الرحمٰن یعنی خدا تعالیٰ کی مخلوق بندے ہیں کہ جو ہمیشہ تسبیح و تہلیل کرتے ہیں اور عالم کے ہر جزء پر تدبیر و تصرف کرتے رہتے ہیں۔ یہاں سے صاف معلوم ہوا کہ وہ قوی یا کسی شے کے اوصاف نہیں کیونکہ قوی اور اوصاف کا موصوف سے متصل ہو کر چلنا پھرنا کلام کرنا مجسم ہو کر ظاہر ہونا کفار سے مسلح ہو کر جنگ کرنا صاحب بازو ہونا شب و روز عبادت کرنا عرش اُٹھانا خدا تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتے رہنا قرآن کو لے کر نازل ہونا جنت و دوزخ کے لوگوں سے کلام کرنا عرش کے گرداگرد حلقہ باندھ کر کھڑا ہونا، قال تعالیٰ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ، حضرت مریمؓ کے پاس بشر کی صورت میں آکر کلام کرنا قال تعالیٰ فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوْحَنَا

امر اول

ا؎ اس کی حقیقت کیا ہے اسکے سمجھنے سے بشر قاصر ہے نہ ظاہر کا انتظار کیا جائے نہ اس اقرار پر احکامات لگانا چاہیے۔ حقانی

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریمؑ کے پاس ہم نے اپنی روح یعنی جبرئیلؑ کو بھیجا تو اس کو خوبصورت بشر کی صورت میں دکھائی دیا) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنا اور پھر لوطؑ کی قوم پر پتھر برسانا اور ان کو غارت کر دینا جیسا کہ سورۃ ہود وغیرہ میں اور تورات سفر خلیقہ میں مذکور ہے وغیر ذٰلک عقلاً محال ہے اور نقل بھی اسی کی شاہد عادل ہے (۲) قوم جن کا ثبوت بھی قرآن مجید کی آیات سے اس صفت کے ساتھ ہے کہ وہ آگ سے پیدا ہوتے ہیں . . . . اور جو آسمانوں میں اڑ کر پہنچتے ہیں کما فی القرآن وَ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا (یعنی جن کہتے ہیں کہ ہم نے آسمان جا چھوا تو اس کو بڑے بڑے سخت پاسبانوں سے بھرے ہوئے پایا یعنی ملائکہ سے اور کفار ان کے عجائب حرکات سے اُن کی عبادت کرتے تھے کما قال تعالیٰ يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اور مشرکین جنات کے نام کی دہائی دیا کرتے تھے قال تعالیٰ وَ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ اور جن آسمانوں کے قریب جا کر فرشتوں کی باتیں سن آیا کرتے تھے قال تعالیٰ وَ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا (یعنی جن کہتے ہیں کہ ہم پہلے آسمانوں کے پاس خبر سننے کے مواضع میں جا بیٹھا کرتے تھے اور اب جو کوئی وہاں جاتا ہے تو اُس کے لئے شعلہ آگ کا (جس کو ستارا ٹوٹنا کہتے ہیں) گھات لگائے ہوتے ہیں۔ (یعنی اب آسمانی خبریں نہیں لا سکتے اور جو کوئی وہاں جاتا ہے تو اس پر فرشتے انگارے برساتے ہیں) پس اب جو کوئی محض لغوی معنی جن پر (کہ جو پوشیدہ ہوتا ہے) خیال کر کے جنؔ کی نوع کا انکار کرے اور کسی پہاڑی قوم جنگل باش کو جو لوگوں سے پوشیدہ رہتی ہوگی (بقول منشی چراغ علی صاحب) نوع جن کا مصداق بنا دے تو وہ ان آیات کا صریح منکر ہے کیونکہ اگر ہم کوئی ایسی قوم بھی فرض کر لیویں جو بقول منشی صاحب و سید صاحب لوگوں سے پوشیدہ رہتی تھی تو عرب کا اُس کی عبادت کرنا اور اُس سے عقلاء کا دہائی دے کر مدد مانگنا اور پھر اُس قوم کا اُڑ کر آسمانوں تک جانا اور اُن کا برخلاف انسان کے مادۂ آتشی سے پیدا ہونا کما قال تعالیٰ وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ۔ اور قرآن میں اُس قوم سے ہر جگہ انسانوں کے مقابلہ میں خطاب کرنا کما قال مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ و قال تعالیٰ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اور اُن کے لئے کوئلہ اور ہڈی کا غذا ہونا (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت نبی علیہ السلام کے پاس ایک قوم جن کی اسلام لانے اور مسائل سیکھنے آئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رات کو عبداللہ بن مسعودؓ کو ساتھ لے کر جنگل میں گئے اور کہدیا یہیں بیٹھے رہنا اور عبداللہ بن مسعودؓ کو سوائے آوازوں کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا تھا اور جنوں نے کہا کہ اپنی امت کو ارشاد فرما دیجئے کہ ہڈی اور کوئلہ سے استنجا نہ کریں کیونکہ یہ ہماری غذا ہے) انسان کی کسی قوم پر

ؔ یہاں ایک مشکل ہے کہ کوئلہ یا ہڈی اجنہ کی غذا ہونے پر ایک اعتراض واقع آتا ہے کہ جسم غیر مرئی کی غذا مرئی کیسے ہو سکتی ہے؟ اور اگر مان بھی لیا جائے تو چاہیئے کہ دنیا پر ہڈی کا وجود نہ رہے نہ کہیں کوئلہ فیلڈ رہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امکان ہے کہ ان میں سے کوئی ایسا لطیفہ کیمیاں ان کی غذا ہو جو غیر مرئی ہو۔ اب درست ہو جائے گا کہ غیر مرئی کی غذا غیر مرئی ہوتی۔ حقانی۔

امر دوم

صادق نہیں آسکتا کما یشہد بہ العقل والنقل اور اسی طرح انجیلِ متی ولوقا وغیرہ میں بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کئی آدمیوں میں سے جن نکالا اور اس جن نے نکلتے وقت کلام کیا اور اب بھی ایسے واقعات اکثر مشاہدہ میں آتے ہیں بلکہ ایک شخص جنوں کے بڑے عامل تھے بہت سے لوگوں کے روبرو انھوں نے عجائب غرائب باتیں دکھائیں کہ جو شعبدہ اور نیرنجات سے غیر تھیں اور میرے ایک دوست کے ساتھ جن کا عجیب ماجرا گزرا ہے کہ جس کے سننے سے حیرت ہوتی ہے (۳) شیطان کے لغت میں معنی باطل کے ہیں بعض علماء لغت کہتے ہیں کہ نون اس کا اصلی ہے پس شیطان بوزن فیعال شطن سے مشتق ہے کہ جس کے معنے دور از صلاح وخیر ہیں پس جو شخص خیر وصلاح سے دور ہوا اس کو بھی شیطان کہتے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ نون زائد ہے شاط بمعنی بطل سے مشتق ہے جس کے معنی باطل کے ہیں بہرحال بد شخص کو شیطان کہتے ہیں اس لحاظ سے اس کا اطلاق انسانوں میں سے بدکاروں پر بھی ہوتا ہے کما قال تعالٰے وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ اور اسی طرح ابلیس بھی بلس سے مشتق ہے (کہ جس کے معنی نا امید یا مکار کے ہیں) ہر مکار پر بولا جاتا ہے خواہ وہ انسان ہو خواہ کوئی اور لیکن اب کلام اس میں ہے کہ جس پر یہ لفظ ابلیس اور شیطان قرآن میں جابجا بولا گیا ہے آیا وہ کوئی آدمی ہے یا آدمی کی قوتِ بہیمیہ اور نفسِ امّارہ ہے یا کوئی اور شخص مخالف الحقیقت ہے؟ جمہور اہلِ اسلام اس کے قائل ہیں کہ وہ ایک شخص خاص از قسم جن ہے کہ جس نے حضرت آدمؑ کے بارے میں نافرمانی کی اور راندہ گیا۔ اہلِ کتاب یہود وعیسائی بلکہ مجوسی اس کا ایک وجود جداگانہ مانتے ہیں۔ چنانچہ انجیلِ متی کے چوتھے باب میں حضرت عیسیٰؑ کو شیطان سے آزمایا جانا لکھا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نہ تو عیسائی لوگ اس شیطان سے کوئی آدمی مراد رکھتے ہیں نہ خود حضرت عیسیٰؑ کی قوتِ بہیمیہ یا نفسِ امّارہ اور اسی طرح تورات سفرِ خلیقہ میں بھی ہے کہ سانپ نے حوا کو بہکا کر وہ درخت کھلوا دیا اور یہ ظاہر ہے کہ وہ شیطان ہی تھا کہ جو سانپ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا ورنہ سانپ کیا بہکاتا؟ اور اسی طرح دساتیر میں ہر جملہ کے اول اعوذ باللہ کا ترجمہ (یعنی پناہ مانگتے ہیں ہم دیو گمراہ کرنے والے سے) لکھ رکھا ہے کہ جس سے یہی مدعا سمجھا جاتا ہے اور قرآن مجید کی تو بہت سی آیات سے یہ ثابت ہے کہ وہ نہ آدمی ہے نہ آدمی کی قوتِ بہیمیہ یا نفسِ امّارہ بلکہ وہ ایک جیز جداگانہ مخلوق مادہ ناری سے ہے کہ جس کا نام مشہور عزازیل ہے از انجملہ یہ آیت ہے ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ لَمْ یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ترجمہ:- جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدۂ تعظیم کرو تو سب نے کیا مگر ایک ابلیس نے نہ کیا، خدا تعالیٰ نے اس سے کہا کہ جب ہم نے تجھ کو حکم کیا تو تو نے کیوں سجدہ نہ کیا؟ بولا میں آدمؑ سے کہیں بہتر ہوں تو نے اس کو خاک سے اور مجھ کو آگ سے بنایا۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہوا کہ اس کا مادہ ناری ہے اور نار چونکہ لطیف ہے اس لئے وہ محسوس بحس بصر نہیں ہو سکتا کما قال تعالٰے اِنَّهٗ یَرٰىکُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ الآیہ کہ وہ شیطان اور اس کی ذریت تم کو دیکھتی ہے اور تم کو وہ نظر نہیں آتے اور اسی لئے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب تم بیت الخلاء میں جایا کرو تو یہ کہہ لیا کرو اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَآئِثِ کیونکہ شیاطین بنی آدم کو ننگا دیکھتے ہیں رواہ الترمذی۔ از انجملہ یہ آیت ہے کَانَ مِنَ الْجِنِّ الآیہ کہ

تحقیق شیطان
امر سوم

شیطان قوم جن سے تھا اور جن کی پیدائش آگ سے ہے کما قال تعالےٰ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ (سید صاحب کہتے ہیں کہ شیطان قوت بہیمیہ یا نفس امّارہ کے سوائے اور کوئی چیز نہیں ان کے اس خیال کے غلط کرنے کے لئے تو یہی آیات کافی ہیں کیونکہ قوت بہیمیہ آدمی کی ایک صفت ہے اس کا سجدہ سے انکار کرنا اور مادۂ آتشی سے پیدا ہونا اور اس کا جن کی قوم سے ہونا اور اس کا اور اُس کی ذریت کا بنی آدم کو دیکھنا پھر اُس کا سوال وجواب کرنا اور اپنے آپ کو آدمؑ سے بہتر بتلانا اور وجہ امتیاز کی یہ بیان کرنا کہ میرا مادہ آتش اور آدمؑ کا مادہ خاک ہے اور پھر اُس کا جنّت سے نکالا جانا اور اپنے لئے دعا کرنا کہ مجھ کو حشر تک زندہ رکھ کہ آدمؑ کی اولاد کو بہکا کر اپنا دل ٹھنڈا کروں اور پھر خداؔ کا اُس کو اور اُس کے متبعین کو جہنّم میں ڈالنا قوت بہیمیہ پر ہرگز صادق نہیں آتا اور کوئی تاویل ہو نہیں سکتی ہاں اگر ہنود کے طرز کو اختیار کرلے اور جس طرح وہ برہما بشن مہادیو کو خداؔ کی تین صفات کہتے ہیں اور پھر اُن کو مجسّم ہو کر جداگانہ متمیز بالذات اور کھاتا پیتا جماع کرتا بھی مانتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ گنگا جمنا کو عورت بھی کہتے ہیں اور دیبی بتلاتے ہیں پھر دریا بھی سمجھتے ہیں یا عیسائی طور کو پسند کرلے کہ باپ خدا، بیٹا خدا، روح القدس خدا پھر ایک خدا الغرض جو ایسے ایسے محالاتِ عقلیہ کا قائل ہو جاتے تو پھر اس سے ہمارا کلام نہیں وہ جو دل چاہے سو کہے) از انجملہ یہ آیت ہے قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ۔ یعنے اے جنّت سے تجھ کو یہاں رہ کر تکبّر کرنا شایان نہیں، نکل یہاں سے او ذلیل وخوار از انجملہ یہ ہے قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ شیطان نے عرض کیا کہ الٰہی مجھ کو قیامت تک زندہ رکھ، جواب آیا کہ جا تجھ کو ایک وقت معیّن تک مہلت ہے قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ یعنی شیطان نے کہا کہ تو نے مجھ کو گمراہ تو کیا ہی ہے میں بھی آدمؑ کی اولاد کو تیری سیدھی راہ سے بہکاؤں گا۔ از انجملہ یہ ہے لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ کہ میں بھی تجھ سے اور تیرے سب پیروؤں سے جہنّم ہی بھر دوں گا۔ سید صاحب فرماتے اگر شیطان آدمؑ کی قوتِ بہیمیہ تھی تو وہ آدمؑ کا وصف تھا پھر اس نے کیا سمجھ کر کہہ دیا کہ میرا مادہ آتش ہے؟ اچھا اُس نے کہا تھا۔ خدا۔ پاک نے کیوں اُس کو جن کہا اور مادۂ آتشی اُس کی اصل قرار دیا؟ پھر آپ فرماتے ہیں کہ "فرشتوں کا آدمؑ کو سجدہ کرنا اور شیطان کا نہ کرنا ایک معمّا ہے کہ جس کے یہ معنی کہ قوای ملکیہ نے آدم کی اطاعت کی اور بہیمیہ نے نہ کی الخ" اے جناب! یہ اجتماع الضدین نہیں تو اور کیا ہے کیونکہ جب آپ نے ملائکہ سے مراد قوای ملکیہ لی اور اُن کو آدمؑ کے لئے مسخر بنایا تو اب آدمؑ کی قوتِ بہیمیہ کیا سرکشی کرسکتی ہے؟ اور اگر قوتِ بہیمیہ نے سرکشی کی کہ جس کو آپ شیطان کہتے ہیں (حالانکہ یہ خلاف ہے اس آیت کے إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ کیونکہ اس آیت کے حسب قرار داد آپ کے یہ معنی ہوتے کہ خداؔ کے بندوں پر قوتِ بہیمیہ غالب نہیں آتی) تو پھر قوتِ ملکیہ کی اطاعت چہ معنی دارد ۵ خرابی میں پڑا ہے سینے والا جیب و داماں کا: جو یہ ٹانکا تو وہ اُدھڑا جو وہ اُدھڑا تو یہ ٹانکا۔ پھر وہ قوتِ بہیمیہ جہنّم میں کیونکر جائے گی اور وہ جنّت سے کیونکر نکالی گئی؟ الغرض قافیہ تنگ ہے (۴) جس کلام کے جب تک حقیقی معنی مراد ہوسکیں اُن کو چھوڑ کر مجازی معنے مراد لینا عقل ونقل کے خلاف ہے کیونکہ اس تقدیر پر نہ تو

امر چہارم

شارع کے کلام سے کوئی مدعا ثابت ہو سکے گا اور نہ کسی کی بات چیت کسی کو فائدہ بخش سکے گی ایک اندھیر مچ جائے گا مثلاً کسی نے کہدیا کہ اُن کی مراد آگ ہے بعلاقہ ضدیت یا کسی نے حکم دیا کہ اس کو قصاص میں قتل کرو اس نے کہدیا کہ یہ مراد ہے کہ مجھ کو ملامت کر کے چھوڑ دو کیونکہ ملامت کرنا بھی ایک قسم کا قتل کرنا ہے یا کسی نے کہا کہ زید بہ لباس فاخرہ کل ہمارے پاس آیا تھا ہم اُس کے گواہ ہیں کسی نے کہدیا کہ یہ کلام مقصودی نہ تھا بلکہ مخالف کے خیال کے موافق یوں ہی کہدیا۔ بہر طور دنیا میں انتظام نہ رہے پس ان خرابیوں کے دفع کرنے کے لئے اہلِ عقل نے یہ بات مقرر کر دی کہ ہر کلام کو اُس کے ظاہری معنٰی سے بدل کر مجاز مرسل یا استعارہ یا کلام غیر مقصودی جب کہیں گے کہ اُس کے اصلی معنی درست نہ ہو سکیں اور کوئی مجازی معنی کے لئے قرینہ بھی ہو کہ جو اصلی معنے کو قائم ہونے سے منع کرے مثلاً شیر کے اصلی معنی وہ جنگلی درندہ ہے ہم اس کے معنے بہادر جب قرار دیں گے جب کوئی قرینہ ہو گا مثلاً یوں کہیں کہ شیر لکھ رہا ہے اب لکھنا قرینہ ہے کہ یہاں شیر سے مراد بہادر آدمی ہے کیونکہ جنگلی درندہ سے لکھنا متصوّر نہیں ان باتوں کی زیادہ تشریح علم معانی و بیان میں ہے اس سے زیادہ کی یہاں گنجائش نہیں فمن شاء فلیرجع الیہا۔ اب مَیں دیکھتا ہوں کہ جہاں کہیں سید صاحب قرآن کے معنی متعارف چھوڑ کر بر خلاف سلف و خلف الگ راہ چلے ہیں اور دل کھول کر کلام الٰہی میں اپنے آزادانہ خیالات کو دخل دیتے ہیں وہاں کیا قرینہ ہے اور کونسا امر ہے جو معنی متعارف کو (کہ جس کو پیغمبر علیہ السلام کے ہم زمان وہم زبان سمجھتے آتے ہیں) صحیح نہیں ہونے دیتا؟ اور کونسی مشکل سیّد صاحب کو پیش آئی جس سے نہ تنہا جمہور اہلِ اسلام بلکہ کل اہلِ ادیان یہود و عیسائیوں کے مخالف ہو کر ملائکہ اور جن اور شیطان کے معنے میں یہاں تک تغیر کیا کہ سرے سے کلام ہی کو اُلٹ پلٹ کر دیا جس طرح کسی صوفی نے کافیہ کی ایسی شرح لکھی کہ اس کو کچھ اور ہی کر دیا۔ یا کسی نے مولانا روم کے اس شعر کے معنے بیان کئے ؎ بشنو از نے چوں حکایت میکند ؛ وز جدائی ہا شکایت میکند ؛ کہ سری مہاراج بشنو کہ جس کو بشن بھی کہتے ہیں یعنی بنسری سے کتھا کہتے ہیں اور لوگوں کو اپنے سے جُدا جُدا رہنے کی شکایت کرتے تھے ؛ اسی طرح ایک مداری فقیر نے میرے روبرو ایک روز اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ کے یہ معنے بیان کئے کہ بی بی آمنتُ کا ایک بلاّ تھا وہ اُس کی ملائی کھا گیا اُس نے اُس کو کُتوں سے پھڑوا دیا اور رسّیوں سے باندھا ؛ العیاذ باللہ۔ حضرت سلامت یوں تو قرآن کو آج تک کچھ کا کچھ بدل دیا ہوتا اگر علماء اس کی محافظت نہ کرتے سورۂ یوسفؑ کی تفسیر میں ایک صوفی نے اس قصّہ کو نفس اور رُوح پر ایسا چسپاں کیا ہے کہ شاید و باید پھر اس سے کوئی یوں کہہ سکتا ہے کہ دراصل یوسفؑ اور یعقوبؑ کوئی شخص نہ تھے بلکہ یہی دو نفس اور روح مراد ہیں ؟

امر پنجم (۵) کبھی بطور استعارہ کے ایک چیز بول کر دوسری چیز مراد لیا کرتے ہیں اور یہ بات کچھ اہلِ اسلام اور عرب ہی کی زبان پر منحصر نہیں بلکہ ہر زبان میں یہ بات پائی جاتی ہے کبھی چاند بولتے ہیں اور اُس سے کوئی حسین صورت مراد رکھتے ہیں۔ اور مصری اور شہد سے کلام شیریں مراد لیتے ہیں۔ البتہ مشبّہ بہ ذکر کرتے ہیں اور مشبّہ اس کے قرائن کی وجہ سے مراد رکھتے ہیں مگر اس سے کوئی ذی عقل یہ مراد نہیں لے سکتا کہ یہاں یہ دونوں متحد ہیں یا مشبّہ کا وجود ہی نہیں اسی طرح عرفاء و عقلاء انسان کی عمدہ چیزوں یعنی ملکوتیہ کو یا خود اس انسانِ عمدہ کو ملائکہ سے تشبیہ دیا کرتے اور مشبہ کو ذکر نہیں کرتے بلکہ مبالغہ

کے لئے صرف مشبہ بہ کو ذکر کرتے ہیں مگر مراد مشبہ ہی رکھتے ہیں مثلاً کسی کو کہیں کہ فرشتہ بیٹھا ہے تو دراصل مراد وہ شخص خاص ہے نہ یہ کہ فرشتہ کا کوئی وجود نہیں یہی فرشتہ ہے اور اسی طرح قوائے بہیمیہ کو یا نفس امارہ کو اور کبھی کسی خراب آدمی کو شیطان سے تشبیہ دیتے ہیں اور قرائن صارفہ کے ذریعہ سے مراد وہ مشبہ لیتے ہیں اب جو کسی نے شیطان بول کر قوت بہیمیہ یا نفس امارہ مراد لیا ہے کہ یہ شیطان کا مصداق یہی قوت بہیمیہ یا نفس امارہ ہے اور دراصل شیطان کوئی وجود جداگانہ نہیں رکھتا ؛ لیکن سید صاحب اس نکتہ سے واقف نہیں انھوں نے یہی سمجھ لیا کہ انھیں قوائے ملکوتیہ و بہیمیہ کو ملائکہ اور شیطان کے نام سے تعبیر کیا ہے نہ وہ اس نکتہ کو سمجھے نہ قرائن پر نظر کی نہ اور آیات کو دیکھا جہاں مشبہ بہ کا جداگانہ وجود مذکور ہے۔ سچ ہے انسان اپنے خیال میں ایسا مستغرق

تنبیہ

ہوجاتا ہے کہ پھر اور کچھ دیکھتا ہی نہیں۔ حبك الشئ یعمی ویصم (تنبیہ) افراط و تفریط سے کمتر انسان محفوظ رہتے ہیں۔ پس کبھی قوتِ وہمیہ اس قدر پست ہوتی ہے کہ احکام عقل صرف کو قابل العمل نہیں رہنے دیتی۔ اسی لئے کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہمی لوگ جنّ و ملائکہ اپنی وہمی باتوں کو سمجھنے لگتے ہیں صد ہا عورات بلکہ بہت سے سادہ آدمی اپنی قوتِ وہمیہ کے زور سے کسی شئے کو جنّ و بھوت فرض کر لیتے ہیں پھر اُس کے موجب اُس کا اثر متوہم ہوتا ہے اور دراصل سوائے اُن کے وہم کے اور کچھ نہیں ہوتا اور کبھی اتنی بلند ہوتی ہے کہ وہمی لوگ ان امور کو بے اصل سمجھ کر یہاں تک وہم کے گھوڑے دوڑاتے ہیں کہ درحقیقت ان چیزوں کا صفحہ عالم پر وجود ہی نہیں سمجھتے اور جو چیز محسوس نہ ہو اس کو لاشئ محض کہتے ہیں پھر اس خیال کو جو اور زیادہ ترقی ہوتی ہے تو جو چیزیں ان کے نزدیک اسباب ظاہرہ پر مبنی نہ ہوں سب غلط ہوجاتی ہیں نہ پھر وہ اثر دعا کے قائل رہتے ہیں اور نہ کبھی کسی نبی یا ولی کے اعجاز یا کرامت کو حق مانتے ہیں نہ جن و ملائکہ و شیطان کے جداگانہ وجود کو تسلیم کرتے ہیں نہ وہ خدائے قدیر کی بے انتہا قدرتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس سے بھی نمبر بڑھ جاتا ہے تو وہ کوچۂ الحاد کی سیر کرتے ہیں پھر نہ خدا تعالیٰ کے قائل نہ رسول ؐ کے مقر۔ چنانچہ آج کل یورپ میں ان خیالات کے لوگ پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ چند روز کا ذکر ہے کہ لندن میں ایک شخص سے پارلیمنٹ میں داخل کرتے وقت حلف حسب دستور لینا چاہا اس نے کہا خدا تعالیٰ کوئی چیز نہیں۔ الغرض یہ مقدمہ پارلیمنٹ میں پیش ہوا بہت سے لوگ اُس کی رائے کے موافق نکلے۔ بہت سے دہریئے لوگ یہی کہتے ہیں کہ نہ کوئی خدا نہ کوئی رسول ؐ نہ کوئی چیز حلال نہ حرام نہ قیامت نہ آخرت کی کچھ جزا و سزا پس ہر زمانہ کے اہل عقل نے کہ جس کو پیغمبر کہتے ہیں ایک فرضی جزا و سزا قرار دی ہے اور اُس وقت کی مناسب چیزوں کو فرض کیا اور فرضی جنت کا وعدہ دیا اور اُس وقت کی نامناسب چیزوں کو حرام کیا اور اس فرضی دوزخ اور سزا سے ڈرایا کم عقل ان باتوں کو خدا تعالیٰ کی باتیں سمجھتے ہیں اور بعض لوگ رسالت کا کوئی بڑا بھاری رتبہ فرض کرتے ہیں کہ پھر اس کا مثل کسی کو نہیں مانتے اور بعض اُس رسالت کو ایک شخص پر ختم کر دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ خیالات فاسدہ ہیں۔ کیونکہ نبی وہ ریفارمر ہے کہ جو اپنی قوم کی ترقی اور خیر خواہی اور بھلائی کی فکر کرے نہ اُس کے لئے کوئی معجزہ شرط ہے اور نہ معجزہ ممکن ہے بلکہ جس میں یہ ملکہ ہو وہی نبی ہے اور اُسی کے خیالات کا زور و شور اس کا الہام ہے اور وہ خیالی صورتیں جیسا کہ مجنونوں کو نظر آتی ہیں اُس کا جبرئیل اور ملائکہ اور رجال الغیب ہیں۔ پھر یہ نبوت

کسی پر ختم نہیں ہر زمانہ میں ہر ملک ہر شہر ہر قوم میں ایک نبی ہے، وہ جن باتوں کو حسب زمانہ بہتر بتلا دے وہ فرض ہیں اور جن کو نامناسب سمجھ کر منع کرے وہ حرام ہیں ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانہ کے واجبات اور محرمات کے احکام الگ ہیں جو احکام نیچر کے موافق ہیں وہ فرض ہیں ورنہ حرام ہیں انتہٰی۔ العیاذ باللہ من ہٰذہ الکفریات۔

الغرض یہ سب باتیں اسی قوتِ وہمیہ کی بدولت ہیں اور میں اس وقت بلا تعصب کہتا ہوں کہ سید صاحب اور اُن کی ذرّیات کے خیالات ایسے ہی ہیں چنانچہ اُن کی تصانیف بالخصوص اس تفسیر میں صراحۃً مذکور ہیں اللہ تعالٰی اُن کو اس مرض سے شفاء عطا فرماتے اور ان خیالات کے نتیجہ (ابدی جہنم) سے بچاوے۔ اب میں سید صاحب کے دلائل کو دیکھتا ہوں کہ جن کے اعتماد پر حضرت نے ضروریاتِ دین کا انکار کیا ہے کہ وہ کیسے ہیں؟ سر دست تو ملائکہ و شیطان کی بابت جو کچھ آپ نے فرمایا ہے ہم اُس کو دیکھتے ہیں اور آیندہ جہاں جہاں آپ نے اپنے وطیرہ کے موافق یہ انکار یا تاویل (جو بمنزلہ انکار ہے) کی ہے اُس کو بھی دیکھیں گے **قولہ صفحہ** ۱۴۰ جبرئیلؑ و میکائیلؑ یہودیوں نے فرشتوں کے لئے نام مقرر کئے تھے اور اُن کے ہاں سات فرشتے نہایت مشہور فرشتوں میں ہیں مگر اس کا ثبوت نہیں ہے کہ کسی نبی نے ان کو بتایا تھا کہ یہ فرشتوں کے نام ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحفِ انبیاء میں کوئی صفت صفاتِ باریؐ میں سے کسی خاص لفظ کے ساتھ تعبیر کی گئی تھی پھر رفتہ رفتہ وہ لفظ فرشتہ کا نام متصوّر ہونے لگا الخ" **اقول** دیکھئے کتاب دانیال ۸ باب میں یوں ہے۔ ایک آواز آئی کہ اے جبرئیلؑ! اس شخص کو اس رؤیا کا مطلب سمجھا دے انتہٰی۔ اگر دانیال آپ کے نزدیک نبی نہیں ہیں تو یہ اور بات ہے ورنہ دانیال پیغمبر علیہ السّلام کی زبان سے جبرئیلؑ کا نام صاف معلوم ہوتا ہے اسی طرح انجیل لوقا ۱ باب میں یوں ہے۔ فرشتے نے جواب میں اُس سے کہا میں جبرئیلؑ ہوں جو خدا تعالٰی کے حضور حاضر رہتا ہوں انتہٰی۔ دوّم آپ کا یہ فرمانا کہ صحفِ انبیاءؑ الخ دعوٰی بلا دلیل ہے وہ کونسا صحیفہ ہے کہ جس میں جبرئیلؑ و میکائیلؑ کو صفت باریؐ لکھا ہے ذرا اُس کا تو حوالہ دیجئے۔ سوّم یہ قول آپ کا کہ رفتہ رفتہ وہ لفظ فرشتہ کا نام متصوّر ہونے لگا۔ آپ کے ہی لئے مضر ہے کیونکہ جب بقول آپ کے فرشتہ کوئی جداگانہ وجود ہی نہیں رکھتا تو پھر اُن اہلِ کتاب یہود نے کس شے کا نام فرشتہ رکھا تھا؟ چہارم اگر بالفرض اس صفت کو فرشتے کا نام مقرر کر لیا تھا تو اس سے فرشتے کے وجودِ جُداگانہ کی نفی کیونکر سمجھی گئی؟ غایۃ الامر یہ بات کہ وہ نام منقول ہوگا کسائر الاسماء المنقولۃ مثلاً ریل کسی شخص کا نام رکھا جائے تو یہ نہ لازم آئے گا کہ سوائے اس کے ریل گاڑی کا وجود نہ ہو **قولہ** قرآن مجید میں اُس کا استعمال اسی طرح پر ہوا ہے کہ جس طرح یہود خیال کرتے تھے **اقول** پس جب قرآن مجید میں لفظ ملائکہ کا انہیں معنی میں استعمال ہوا کہ جن معنی میں یہودی استعمال کرتے تھے تو الحمد للہ آپ ہی کے اقرار سے فرشتوں کا وجود جُداگانہ قرآن سے ثابت ہو گیا کیونکہ بقول آپ کے یہودی فرشتوں کا جُداگانہ وجود اہلِ اسلام کے عقیدہ کے موافق سمجھتے تھے اب آپ کا اس معنی سے انکار کرنا قرآن کا انکار کرنا ہے۔ ہمارے لئے تو اسی قدر کافی ہے کہ قرآن میں لفظ ملائکہ انہیں معنی پر وارد ہے کہ جس کو اہلِ اسلام اور یہود مسلّم رکھتے ہیں اب یہ آپ کو اختیار ہے کہ آپ قرآن کو صحیح مانیں یا یہود کی تقلید کریں جیسا کہ آپ اس قول میں فرماتے ہیں **قولہ** "مگر ہمارے ہاں کے علماء نے بھی یہودیوں کی تقلید سے ان کو فرشتوں

جواب سید احمد خاں صاحب کے دلائل کا

کے نام قرار دیتے ہیں الخ۔ اقول سید صاحب! یہ پردے کی بات اچھی نہیں۔ علماء بیچاروں کو یہود کے مقلد کیوں کہتے ہو منزل قرآن ہی کو صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ جس نے اپنے قرآن میں ان الفاظ کو یہود کے استعمال اور خیال کے موافق استعمال کیا۔ قولہ (جبرئیل) عبری میں اس کے معنے قوت اللہ یا قدرت اللہ کے ہیں یہ لفظ دانیال پیغمبر کے کتاب میں آیا ہے الخ لوقا نے جو انجیل لکھی ہے اُس کے پہلے باب میں جبرئیل کا ذکر ہے۔ اقول اس سہو و نسیان کا کیا ٹھکانا ہے ابھی ابھی تو آپ فرما چکے ہیں کہ اس کا ثبوت نہیں کہ کسی نبی نے ان کو بتایا تھا کہ یہ فرشتوں کے نام ہیں۔ آپ کو لازم تھا کہ اس پیرانہ سالی میں کہ انسان کے حواس بجا نہیں رہتے اس بڑی بھاری بات کا بیڑا نہ اُٹھاتے کہ تیرہ سو برس کے بعد میں ہی تو ایک ہوں کہ جو قرآن کے اصلی معنی سمجھا ہوں اور سب اگلے پچھلے غیر محقق تھے۔ قولہ صفحہ ۱۴۱ علماء یہود یہ بھی سمجھتے ہیں کہ جبرئیل بڑے زبان داں ہیں الخ۔ غالباً اسی سبب سے مسلمانوں نے تصور کیا ہے کہ یہی خدا کی وحی یعنی قرآن کی آیتیں خدا سے سُن کر یاد کرتے تھے اور آنحضرت ؐ کو آکر سُناتے تھے۔ اقول مسلمان بیچاروں نے کیا خود خدا نے یہ فرمایا ہے کہ جبرئیل وحی لاتے ہیں کما قال اللہ تعالےٰ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ وقال نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ پھر یہ تقلید یہود کی بدگمانی آپ خدا سے پاک کریں آپ کو اختیار ہے مگر اس قدر عرض باقی ہے کہ جب قرآن مجید بلکہ اُس کا منزل آپ کے نزدیک ایسا پچر ٹھیرا کہ جس نے ایک غلط امر میں یہودیوں کی تقلید کی پھر اس کی تفسیر لکھنا اور اُس کو کلام الٰہی لکھنا اور بے دیکھے خدا کا قائل ہونا محض بے فائدہ ہے۔

قولہ میکائیل کے معنے عبری میں من کاللہ کے ہیں۔ دانیال کی کتاب میں اور اُن کی خوابوں میں یہ لفظ آیا ہے۔ مشاہدات یوحنا میں بھی یہ لفظ آیا ہے الخ۔ اقول باوجود اس اقرار کے کہ انبیاء سابقین ان الفاظ کو اُنھیں معانی پر استعمال کرتے ہیں پھر انکار کی کیا وجہ؟ قولہ بہرحال ہم کو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ الفاظ صفات باری تو پر مستعمل تھے آخر کو انھیں الفاظ کو فرشتوں کا نام سمجھنے لگے الخ۔ اقول کاش آپ ایک آدھ جگہ بھی قرآن مجید یا توراۃ و انجیل سے ان الفاظ کا جو فرشتوں پر بولے جاتے ہیں صفات باری پر استعمال ہونا ثابت کردیتے تب تو کسی قدر آپ کا یہ بہرحال کہنا اور شک نہ کرنا کچھ اعتبار رکھتا مگر جب کہ آپ نے خود اس کے برعکس ثابت کیا پھر اُس پر یہ تفریع کرنا بعینہٖ ایسا ہے کہ کوئی شخص زید کے بالفعل موجود ہونے کا دعوٰے کرے اور یہ دلیل بیان کرے کہ زید بیمار تھا اور اُس کی بیماری تمام شہر میں مشہور تھی آخر وہ مرگیا چنانچہ جن لوگوں نے اُس کو دفنایا انھوں نے ہم سے بیان کیا پھر اس پر یہ نتیجہ قائم کرے بہرحال ہم کو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ زید بالفعل زندہ موجود ہمارے سامنے بیٹھا ہے اور اُس کا کوئی ہمسایہ مرگیا ہوگا۔ سید صاحب آپ نے تو نفی وجود ملائکہ میں بڑی معقول صرف کردی ذرا فرماتے تو سہی کہ یہ کونسی برہان ہے جو آپ نے قائم کی آیا انی یا لمی؟ اور آپ جو صفات باری پر ان الفاظ کا استعمال ہونا فرماتے چلے جاتے ہیں وہ آپ کو حضرت شیخ محی الدین ابن العربی ؒ کے کلام سے مغالطہ پڑگیا ذرا آگے چلئے ہم آپ کو وہ مقام بھی سمجھاتے دیتے ہیں اسی لئے شیخ نے فرمایا تھا کہ ہر شخص میری کتاب کو نہ دیکھے اس کے مطالب پر مطلع ہونا ہر کسی کا کام نہیں اس مقام پر جبرئیل و میکائیل بلکہ جملہ ملائکہ کے وجود جدا گانہ کی نفی پر آپ نے دلیل قائم کی وہ قطع نظر

اُس کے مقدمات کے یہ ہے کہ ہم کو کچھ شک نہیں کہ جو الفاظ صفاتِ باری تعالیٰ پر مستعمل تھے آخر کو انھیں الفاظ کو فرشتوں کا نام سمجھنے لگے الخ۔ **اقول** یہ تو آپ کا دعویٰ ہے اگر یہی دلیل ہے تو مصادرہ علی المطلوب لازم آتے گا جو عقلاء کے نزدیک بالاتفاق مردود ہے۔ **قولہ** مگر جبرئیل و میکائیل آیت قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ میں حکایتاً نام ہونے سے اُن کو ایسے واقعی پر جیسا کہ یہود نے اور اُن کی پیروی سے مسلمانوں نے تصور کیا ہے استدلال نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہم فرشتوں کی بحث کے بعد اس کو بیان کریں گے۔ **اقول** اس بے اصل گفتگو کا ابھی غلط ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ مگر بڑی خیر گزری کہ آپ نے جس طرح فرشتوں کے وجود کا انکار (اُن کا حکایتاً نام آنے کی وجہ سے) کر دیا خدا تعالیٰ کا نہ کر دیا۔ اگر پدر نتواند پسر تمام کند کچھ عجب نہیں کہ آپ کی ذریت میں سے کوئی کوٹ پتلون پوش جنٹلمین خدا کا نام بھی یہاں حکایتاً بیان کر کے اُس کے وجود حقیقی کی نفی کر دے اور شاید اس وقت اُس کے وجودِ حقیقی کی نفی یوں نہ کی گئی کہ اگر خدا تعالیٰ نہیں تو اس کے رسول کہاں؟ اور جب رسالت کوئی چیز نہیں تب اس تدبیر سے کہ رسول سے معجزات تو ممکن ہی نہیں پھر ہر شخص پکا دنیادار شراب نوش چرب زبان کہ جس میں لُہار بڑھئی کے کام کی مانند بلکہ چرب زبانی (یعنی رفارمری) ہو پیغمبر ہو جائے اور اپنی امت جُدا بنا دے کہ جس پیغمبر کا مصداق بقول سید احمد خان صاحب بابو کیشب چند اور دیانند سرستی اور خود سید صاحب ہیں (اور من بعد ان کے اور بھی ان کے جانشین ہوں گے) ممکن نہ ہو گا۔ اب ہم دیکھتے ہیں سید صاحب بحث ملائکہ میں اپنے وعدہ کو کیسا پورا کرتے ہیں۔ **قولہ** صـ ۱۴۲ "فرشتوں کی نسبت بھی جو بحث ہے وہ نہایت ہی غور طلب ہے۔" **اقول** اس میں کیا شک ہے بہت سے لوگ پہلے بھی انکار کر چکے ہیں کما سیاتی ذرا آپ بھی سنبھل کے قدم رکھئے گا۔ **قولہ** قرآن مجید میں فرشتوں کا ذکر آیا ہے اور اس لئے ہر ایک مسلمان کو جو قرآن پر یقین رکھتا ہے فرشتوں کے موجود اور ان کے مخلوق ہونے پر یقین کرنا ضروری ہے۔ **اقول** پھر کیا وجہ کہ آپ باوجود ادعاء ایمان کے فرشتوں کو موجود اور مخلوق نہیں مانتے یہاں سے ثابت ہوا کہ آپ نہ مسلمان ہیں نہ قرآن پر یقین رکھتے ہیں کہ جو فرشتوں کو موجود اور مخلوق نہیں کہتے۔ اگر آپ یہ فرمائیں کہ میں بھی موجود اور مخلوق کہتا ہوں مگر اُن کی حقیقت میں بحث کرتا ہوں کما قلتَ **قولہ** جہاں تک بحث ہے اس پر بحث ہے کہ وہ کیسی مخلوق ہے الخ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب آپ فرما چکے کہ ملائکہ خدا تعالیٰ کی صفات ہیں تو اب اُن کا موجود و مخلوق ہونا کہاں؟ کیونکہ خدا تعالیٰ کی صفات بقولِ اکثر عین ذات ہیں اور اگر لاعین ولاغیر بھی ہوں تو ان کو مخلوق اور حادث کوئی نہیں کہہ سکتا اور آپ بھی صفاتِ باری تعالیٰ کو مخلوق اور حادث نہیں کہتے بلکہ آپ تو عین ذات کہتے ہیں۔ پھر جب آپ نے اُن کو صفاتِ باری تعالیٰ کہا تو بلاشک ان کے مخلوق ہونے کا انکار کیا۔ اب آپ کو اختیار ہے خواہ مسلمان قرآن پر یقین رکھنے والے ہو جائیے یا فرشتوں کے موجود اور مخلوق ہونے سے انکار کیجئے۔ **قولہ** عام خیال مسلمانوں کا اور علماء اسلام کا یہ ہے کہ جس طرح انسان و حیوان جسم و صورت و شکل رکھتے ہیں اسی طرح وہ بھی الخ۔ اور اُن کے پر بھی ہیں جن سے وہ اُڑ کر آسمان پر جاتے اور زمین پر اُترتے اور خدا تعالیٰ کا پیغام پیغمبروں تک پہنچاتے ہیں۔ **اقول** یہ خیال اہلِ اسلام کا صحیح اور قرآن کے مطابق ہے بلکہ جو قرآن پر یقین رکھتا ہے اُس کے لئے اس خیال کا پابند ہونا ضروری ہے جیسا کہ

ف مسلمان کو ملائکہ کے موجود اور مخلوق ہونے پر یقین ضروری ہے۔

آپ بھی ابھی فرما چکے ہیں مگر آپ کو کیا دشواری پیش آئی جو آپ زمرۂ اہلِ اسلام سے خارج ہو گئے اور قرآن کا انکار کر بیٹھے۔ **قولہ** ہمارے پاس کسی ایسی مخلوق کے ہونے سے جو کسی قسم کا جسم و صورت بھی رکھتی ہو جو ہم کو دکھائی نہ دیتی ہو (جیسا کہ ملائکہ) انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں پس ہم کہتے ہیں کہ ایسی مخلوق ہو مگر ہم ایسی مخلوق کے ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرتے۔ **اقول** ثابت ہوا کہ جو آپ انکار کرتے ہیں تو محض بلا دلیل کرتے ہیں۔ **قولہ** کیونکہ ان باتوں کے اثبات کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں قرآنِ مجید سے فرشتوں کے اس قسم کے وجود کا اور ان کے اس قسم کے جسم کا اور اُن کے ان افعال کا جن کا ذکر اُوپر ہوا کچھ ثبوت نہیں۔ **اقول** وہ دلائل عقلیہ جو ہم نے بیان کئے اور الٰہیات میں حکماء نے بیان کئے آپ کو کیوں نہ معلوم ہوں گے اور قرآن مجید کی آیات سے یہ باتیں ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں پس آپ کا یہ دعویٰ کرنا اہلِ قرآن کے روبرو قہقہہ اُڑانا ہے ذرا ان آیات کو تو دیکھتے کہ جن میں پَر اور مجسم ہو کے نظر آنا وغیرہ وغیرہ اوصاف مذکور ہیں پھر آپ کس دلیری سے انکار کرتے ہیں ؟ ذرا شرم بھی چاہیئے۔ **قولہ** فرشتوں کے اس قسم کے وجود اور افعال کا ثبوت ضرور ہے کہ دلیلِ نقلی سے ہوگا۔ **اقول** بلکہ ادلۂ عقلیہ سے بھی ہے جیسا کہ ہم نے اُن کو صدر فصل ہٰذا میں بیان کیا دیکھ لو۔ **قولہ** اور اس لئے قبل شروع کرنے اس بحث کے ہم کو مناسب معلوم ہوا کہ علماء کلام نے جو بحث نسبت دلیل نقلی کے کی ہے اس مقام پر اُس کو نقل کریں۔ **اقول** وہ بحث جو ادلۂ نقلیہ پر کی ہے علماء کلام نے نہیں کی بلکہ معتزلہ کے احتمالات عقلیہ ہیں کہ جن کا جواب دندان شکن بھی علماء کلام نے دیا ہے جیسا کہ آپ نے بھی نقل کیا ہے۔ **قولہ** شرح مواقف میں اس بات پر ایک بحث لکھی ہے کہ دلائلِ نقلیہ جن سے مطالب پر استدلال کیا جاتا ہے مفید یقین ہیں یا نہیں معتزلہ اور جمہور اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ مفید نہیں اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے الخ۔ **اقول** جواب یہ ہے **قولہ** صاحب شرح مواقف نے ان دلیلوں کے لکھنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ یہ دلیلیں ٹھیک نہیں ہیں بلکہ حق یہ ہے کہ دلائلِ نقلی شرعیات میں اُن قرائن سے جو منقول ہیں مشاہدہ ہوتی ہیں اور بطور تواتر کے ہم تک پہنچی ہیں اور جن سے تمام احتمالات جاتے رہتے ہیں مفید یقین ہوتی ہیں الخ۔ **اقول** کیوں جناب آپ نے جو کچھ اپنے ادلۂ نقلیہ پر شبہات قائم کئے تھے اُن کا جواب بھی آپ نے تسلیم کر لیا پھر کس اعتماد پر آپ ادلۂ نقلیہ کا جو وجود ملائکہ پر اور اُن کے افعال پر بالصراحۃ دال ہیں انکار کرتے ہیں غایۃ الامر آپ معتزلہ کے مذہب کے موافق ظن کا مرتبہ تسلیم کرتے نہ کہ انکار ہی کر بیٹھتے۔ **قولہ** منہ ان سب سے زیادہ ایک اور امر ہے جس پر شارح مواقف اور صاحب مواقف بلکہ اور کسی نے بھی غور نہیں کیا (کیوں نہ ہو وہ آپ کا ہی حصہ تھا) اور وہ کلام غیر مقصود ہے الخ۔ **قولہ** قرآنِ مجید میں اس قسم کا کلام غیر مقصود نہایت کثرت سے ہے مشرکین و اہلِ کتاب کے عندیہ میں بہت سی ایسی باتیں سمائی ہوئی تھیں جن کا دراصل کچھ وجود نہ تھا یا وجود تھا مگر اس کی جو حقیقت کہ وہ سمجھتے تھے دراصل وہ نہ تھی یا وہ بات ظاہر میں دکھائی دیتی تھی اور بطور غلط العام یا باعتماد مشاہدہ اُسی کو واقعی سمجھتے تھے اور اصلیت برخلاف اس کے تھی اور قرآن مجید کو اُس سے بحث مقصود نہ تھی اس لئے اُس کو اسی طرح بیان کیا جس طرح مشرکین اور اہلِ کتاب خیال کرتے تھے الخ۔ **اقول** اس تمہید کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید میں تبعاً ایسی بہت سی باتیں ذکر جن کا



۴

دراصل کچھ وجود واقعی نہیں لیکن اُن کو مخاطب تسلیم کرتے تھے) مذکور ہیں لیکن اس سے سید صاحب یہ تو کہیں بھی لازم نہیں آتا کہ ملائکہ اور اعجاز انبیاء بھی اسی قبیل سے ہیں تاکہ آپ کا مدعا ثابت ہو کیونکہ اس قسم کی باتیں کلام غیر مقصودی میں واقع ہوتی ہیں مگر جو کلام کہ اُس کو خاص مقصود کے لئے چلایا جاتا ہے اس میں ان احتمالات کا کہیں گزر بھی نہیں ہوتا اس تمہید کے بعد آپ پر ضرور تھا کہ اُن آیات کو (کہ جن میں ملائکہ کے وجود جداگانہ اور اُن کے افعال کا ذکر ہے) کلام غیر مقصودی ہونا ثابت کر دیتے مگر اس بات سے تو آپ کانوں پر ہاتھ دھر کر اور ہی طرف چل دیتے کبھی یہود کے عقائد کو کبھی نصاریٰ کے عقائد کو کبھی مشرکین کے عقائد کو ملائکہ کی نسبت بیان کرنا شروع کر دیا اور ورق کے ورق اسی میں سیاہ کر دیتے اور کبھی دو چار جلے تسخر کے ملائکہ کی نسبت بول گئے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اللہ جلّ جلالہٗ نے اپنی کتاب مجید میں انہیں یہودیوں یا عیسائیوں یا مشرکین کی تقلید سے ان غلط اور بے اصل مضامین کو بھر دیا، تعالے اللہ عن ذالک علوًا کبیرًا۔ مگر ان آیات کا کلام غیر مقصودی ہونا آپ سے قیامت تک بھی ثابت نہ ہو سکے گا۔ یوں مکر لیس رجمًا بالغیب ضعیف الایمان لوگوں کے دل میں شبہ ڈالنے کے لئے آپ جو چاہتے کہے جاتیے بلکہ وہ آیات کلام مقصودی ہیں چند وجہ سے: (اوّل) یہ کہ ہر کلام کے مقصودی یا غیر مقصودی سمجھنے کے لئے متکلم کے ہم زمان و

اوّل

ہم زبان ہی لائق ہوتے ہیں پس پیغمبر علیہ السلام کے صحبت یافتوں اور ہر وقت کے پاس بیٹھنے والوں اور عرب العرباء کو (کہ جن کے محاورہ میں قرآن اُترا) کبھی غیر مقصودی ہونا معلوم نہ ہوا اور اُن کے بعد سے اب تک کسی ملک میں کسی زبان دان کو یہ بات نہ معلوم ہوتی نہ کسی مفسّر کو سوجھی تو تیرہ سو برس بعد ایک ہندی کو سوجھی کہ جس کو صرف نحو سے آشنائی نہ لغت سے تعارف نہ زبانِ عرب قدیم و جدید سے کچھ مس اور جس کی عقلِ سلیم کا یہ حال کہ نہ اس کی دلیل و دعویٰ میں کچھ ربط نہ اُس کو یہ تمیز کہ یہ دلیل میرے دعویٰ کے لئے مفید ہے یا مضر (دوم) ہر کلام کا مقصودی یا غیر مقصودی ہونا اس کے سباق و سیاق سے معلوم ہو جاتا ہے

دوم

تو اُن میں غیر مقصودی ہونے کی بو بھی نہیں آتی بلکہ متعدد جگہ میں نئے نئے اسلوب سے وجود ملائکہ کو بلکہ اعجاز انبیاء کو بیان کیا ہے اور قرینہ غیر مقصودی ہونے کا ہے نہیں (سوم) یہ چیزیں کچھ قرآن ہی میں

سوم

مذکور نہیں بلکہ ہر کتب سماویہ میں اور ہر نبی کی زبان سے ان کا بیان منقول ہے۔ پھر اس اتنی بڑی غلطی کو خدائے پاک نے اپنی ہر کتاب میں کیوں دخل دیا؟ اور اس کے انبیاء علیہم السلام نے کیوں غلط وجود کو ثابت کیا، کیا لوگوں کو دھوکا دینا منظور تھا، کیا ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ تیرہویں صدی میں سید احمد خان صاحب بہادر دنیا سے نرالے محقق اور فلاسفر ہماری اس دھوکہ بازی کو طشت از بام کر دیں گے؟ (چہارم) اگر یوں

چہارم

ہی بغیر قرائن ہر کلام کو غیر مقصودی اور مجازی کہہ دیا کریں تو پھر اب سید صاحب کے انکار کا بھی کیا اعتبار ہے کچھ عجب نہیں کہ ملحدوں کے لئے انہوں نے بطور کلام غیر مقصودی انکار کر دیا ہو (پنجم) ایمان بالغیب

پنجم

میں اوّل درجہ میں خدا ہے بجمیع صفاتہٖ دوم درجہ میں ملائکہ ہیں کما قال تعالےٰ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ یعنی جب ملائکہ کا وجود کلام غیر مقصودی سے آپ نے اُڑا دیا تو اب اگر کوئی آپ کا شاگرد رشید خدائے پاک کی نسبت بھی یہی احتمالات قائم کر کے دہریا پرا کرتی کا قائل ہو جاتے تو اُس کو آپ کیا جواب دیں گے ذرا ارشاد تو ہو

پس جو آپ اُس کو جواب عنایت کریں گے وہی جواب بجنسہٖ سر بمہر ہم آپ کے آگے پیش کر دیں گے۔ **قولہ** صفحہ ۴۷ ۔ ہر زمانہ کی تمام قوموں کا یہ حال تھا کہ جو امور عجیب و غریب اُن کے سامنے ایسے پیش آتے تھے جس کی علت اُن کی سمجھ سے باہر تھی اُس کو کسی ایسی قوت یا ایسے شخص سے منسوب کرتے تھے جو انسان سے برتر اور خدا سے کمتر تھی الخ۔ **اقول** اس بے معنے کلام کا مطلب کچھ سمجھ میں نہ آیا عجیب و غریب امور سے مراد خوارق عادات ہیں یا کچھ اور؟ شق اوّل میں اُن کا یہ انتساب بے جا نہیں بلکہ عین عقل ہے اور یہ قوتِ اعجاز اور وجودِ مخلوقات غائب عن الحس کے لئے اچھا قرینہ ہے شق دوم میں یہ آپ کا حصر باطل ہے کہ تمام دنیا کی قوموں کا یہ حال تھا کہ وہ عجائب پرستی کرتے تھے؛ خدا جانے آپ نے تمام گزشتہ قوموں کا عقیدہ کہاں سے دریافت کر لیا! یہ آپ کا بیان صحیح ہو تو یہ آپ کی کرامت ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کا حال آپ پر منکشف ہو گیا پھر آپ خرق عادات و کرامات و اعجاز کا انکار کیوں کرتے ہیں اور آپ کی رفارمری بلکہ پیغامبری کے لئے آپ کی امت کے روبرو یہ بڑی شہادت ہے کہ آپ غیب دان ہیں استغفر اللہ من ہذا الہزل۔ **قولہ** توریت اور صحف انبیاء اور انجیل میں فرشتہ کے لفظ کا استعمال نہایت وسیع معنوں میں آیا ہے کتاب ۲ سموئیل باب ۲۴ ورس ۱۶ و ۱۷ میں اور کتاب ۲ ملوک باب ۱۹ الخ اور زبورِ داؤد میں وبا پر فرشتہ کا اطلاق ہوا ہے اور زبور داؤد باب ۱۰۴ میں ہواؤں پر فرشتہ کا اطلاق کیا ہے الخ۔ **اقول** یہ دوسری دلیل نفی وجود ملائکہ پر آپ نے قائم کی ہے خلاصہ یہ کہ لفظ فرشتہ مشترک ہے اس کے ایک معنی معین نہیں ہو سکتے۔ جناب عالی کو اب تک یہ بھی نہیں معلوم کہ اشتراک لفظ کی صفت ہے کہ معنی کی اب ہم پوچھتے ہیں کہ کونسا لفظ مشترک ہے آیا ملک یا فرشتہ یا کوئی اور۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تورات و انجیل کی اصلی زبان عبرانی ہے جو فارسی اور عربی سے غیر ہے اور ملک لفظ عربی اور فرشتہ فارسی ہے میں حیران ہوں کہ عبرانی میں ان دونوں میں سے کونسا لفظ مشترک قرار دیا گیا ہے؟ اگر لفظ فرشتہ تو کچھ پروا نہیں ہم کو اس لفظ سے بحث نہیں اگر کہو لفظ ملک تو مسلّم نہیں کہ عبرانی میں یہ لفظ انہیں معنی میں مستعمل ہے۔ معلوم ہوا کہ مسمّیٰ ملک کے ساتھ عبرانی یا کسی اور زبان میں ہوا یا وبا کو تشبیہ دی ہو گی اور استعارہ بالکنایہ مراد رکھا ہو گا۔ جس طرح کہ قرآن مجید میں حضرت یوسفؑ کو ان ہذا الا ملک کریم کہا ہے۔ لیکن اس سے نفی ملائکہ نہ سمجھی گئی بلکہ اس سے تو ان کا وجود جداگانہ پایا گیا ورنہ تشبیہ ٹھیک نہ رہتی اور آپ کا یہ کہنا کہ (کتاب ایوب باب ۱ کتاب اوّل سموئیل باب ۱۱۔ اور انجیل لوقا باب ۷ میں فرشتہ کا لفظ عام ایلچیوں پر بولا گیا ہے الخ آپ کے تبحر کی دلیل واضح ہے جن مقامات کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہاں لفظ فرشتہ بولا ہی نہیں گیا۔ **قولہ** تورات میں بہت جگہ اس طرح بیان کیا ہے جیسے کہ انسان دوسرے انسان کے پاس آتے اور ملاقات کرے الخ۔ **اقول** یہاں سے لے کر صفحہ ۵۰ تک سید صاحب نے تورات و انجیل کی وہ آیات نقل کیں جن سے ہمارے مدعا کی تائید ہوتی ہے چونکہ خصم ہماری بات کو تسلیم کرتا جاتا ہے تو ہم کو خواہ مخواہ اُن سے تعرض کرنا ضروری نہیں گو بعض بعض باتیں خلاف تحقیق ہیں۔ **قولہ** صفحہ ۵۰ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ یہودیوں کا یہ دستور ہے کہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کے ہر ظہور کو فرشتوں کی وساطت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ **اقول** یہ تسلیم ہے مگر اس سے تو فرشتوں کے وجود کا ثبوت ہوتا ہے نہ کہ نفی۔ **قولہ** اسی لئے وہ فرشتوں

دوسری دلیل

کے وجود اصلی کو نہیں مانتے اور یہ سمجھتے ہیں خدا تعالیٰ کی قدرت کی غیر معلوم قوتوں کا نام فرشتہ رکھا ہے **اقول** یہ
کس بیوقوف یہودی کا قول ہے۔ کیونکہ فرشتوں کو وسیلہ اور مظہر قدرت وعظمت تسلیم کرنا پھر اُن کا وجود
اصلی نہ ماننا اجتماع النقیضین نہیں تو اور کیا ہے؛ خدا تعالیٰ کی قدرت کی غیر معلوم قوتوں کے کیا معنی ہیں قدرت
کی قوت ہم نے آج ہی سُنی ہے واہ رے معقولیت۔ **قولہ** صفحہ ۱۵۱ اب ہم کو اس بات کی تلاش کرنی ہے کہ قدیم
مشرکین عرب کا یعنی اُس زمانہ کے عربوں کا جب کہ یہودیوں کا میل جول عرب میں نہ تھا فرشتوں کی نسبت
کیا خیال تھا اور آیا وہ لفظ مَلَک اور ملائکہ کو انھیں معنوں میں خیال کرتے کہ جن میں یہودی کرتے
تھے یا نہیں جہاں تک کہ ہم نے تفتیش کی ہے قدیم عربوں کا لفظ مَلَک اور ملائکہ کی نسبت ایسا خیال نہیں
جیسا کہ یہودیوں[1] کا ہے ثابت نہیں ہوا۔ **اقول** آپ کا کلام یہاں تک تو مفید مدعا۔ جناب ہے سو اس کا جواب
دیتا ہوں مگر یہ جو آگے آپ نے ایک طویل گفتگو کی ہے؛ **قولہ** مشرکین عرب بلاشبہ ارواح فلکی کو یا ارواح فرضی
کو (ارواح فلکی کیا چیز ہیں اور ارواح فرضی سے کیا مراد ہے وہ کیا فرض کر رکھا تھا) یا ارواح اشخاص
متوفی کو بطور خدا تعالیٰ پوجتے تھے الخ مگر ان پر کبھی لفظ مَلَک یا ملائکہ کا اطلاق نہیں کرتے تھے جہاں تک کہ
ہم سے ہو سکا ہم نے اشعار جاہلیت پر بھی جس قدر کہ ہم کو دستیاب ہوئے غور کی ہم کو کوئی شعر بھی
ایسا نہیں ملا جس میں لفظ مَلَک یا ملائکہ کا ان ارواحوں پر اطلاق ہو کہ جن کو وہ پُوجتے تھے الخ محض لاطائل ہے
نہ آپ کو مفید نہ ہم کو مضر کیونکہ ہم کب اس بات کے قائل ہیں کہ عرب کے لوگ ارواح متوفی پر یا اپنے
معبودوں پر لفظ مَلَک بولتے تھے پھر آپ نے ابو عبیدہ کے اشعار بلا فائدہ نقل کر کے کیوں کتاب
تیسری دلیل — دراز فرمائی اب اپنے کلام مفید کا جواب سنئے یہ آپ کی تیسری دلیل نفی ملائکہ پر ہے یہ غلط ہے چند وجہ سے،
اول تو آپ کا یہ کہنا (کہ قدیم عرب لفظ ملائکہ کو اُن معنی پر کہ جس کے اہل ادیان قائل ہیں استعمال نہیں کرتے)
صریح غلط ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا
اس سے صاف ظاہر ہے کہ مشرکین اُن ملائکہ کو جن کی مدح خدا تعالیٰ عباد الرحمٰن کے ساتھ کرتا ہے خدا تعالیٰ کی
بیٹیاں کہتے تھے اب وہ عباد الرحمٰن وہی اشخاص تو ہیں کہ جن کو اہل ادیان ملائکہ کہتے ہیں اور اگر یہ نہیں تو وہ
وجہ اول — اور کیا چیز ہیں کہ جس کو وہ بنات الرحمٰن یا اناث الرحمٰن کہتے تھے؛ ارواح فلکی و متوفی پر تو بقول آپ کے
وہ یہ لفظ اطلاق ہی نہیں کرتے تھے اور جن کے آپ قائل نہیں اور صفحہ ۱۵۲ میں جو آپ نے بلا فائدہ ابو
عثمان جاحظ کا قول نقل فرما کر ایک روایت بے اسناد عبداللہ بن عباس رضؓ سے نقل کی ہے کہ قریش جن کے
سرداروں کو بنات الرحمٰن (یعنی خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے) اس آیت کے معارض نہیں ہو سکتی کیونکہ ممکن
وجہ دوم — ہے کہ عرب کے لوگ جن کے سرداروں کو بھی خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہوں اور ملائکہ کو بھی (دوم) آپ کا یہ
قول: اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عرب اُن غیر مرئی چیزوں کو جن کو نیک و پاکیزہ سمجھتے تھے اور جن سے

[1] اس سے مراد اہل اسلام کا عقیدہ ہے کیونکہ یہود اور اہل اسلام میں ملائکہ کی نسبت چنداں اختلاف نہیں لیکن سید صاحب یہود
کے نام سے حقارت دلانے کے لئے تعبیر کرتے ہیں۔ منہ

خلقت کو بھلائی اور نیکی پہنچنے کا خیال کرتے تھے اُن کو ملک کہتے تھے انتہیٰ۔ اس قول کی صریح نقیض ہے کیونکہ یہود یا اہلِ اسلام بھی تو ملائکہ کو غیر مرئی پاکیزہ سمجھتے ہیں پھر وہ کونسی مباینت ہے کہ جس کی وجہ سے آپ فرماتے ہیں: قولہ مگر وہ معنی اور مراد جو ملک کے لفظ سے یہودیوں نے مقرر کئے تھے باوجود زمانۂ اسلام کی کئی صدی بعد کی مصنفہ کتب لغت میں لکھ دی گئی ہیں اُس معنی و مراد میں عرب لفظ ملک کو استعمال نہیں کرتے تھے انتہیٰ۔

وجہ سوم (سوم) آپ کے اختراعی معنی پر تو لفظ ملک کا اطلاق ہونا کہیں سے ثابت نہیں ہوتا نہ زمانۂ جاہلیت کے عرب سے نہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ سے نہ کسی اور قوم سے پھر وہ کونسے معنے ہیں کہ جن پر لفظ ملک قرآن میں بولا گیا (چہارم) بالفرض اگر یہ بھی صحیح مانا جاتے کہ زمانۂ جاہلیت کے وہ عرب کہ جن سے یہود و نصاریٰ کا میل

وجہ چہارم

جول نہ ہوتا تھا لفظ ملک کو معنی مروجہ اسلام پر نہ بولتے تھے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ زیادہ رعایت اس زمانہ کی ہے کہ جس میں قرآن نازل ہوا اس زمانہ کے لوگ خواہ یہود کے میل جول سے یا کسی اور طور سے بلاشک ملک کے یہی معنی مراد رکھتے تھے کہ جو اہلِ اسلام کے نزدیک معتبر ہیں (پنجم) اگر یہ بھی نہ ہوتا اور فرض کیا جاتا کہ

وجہ پنجم

عرب کے لوگ ملک کے معنی مروجہ سے بالکل ناآشنا تھے مگر اس قدر جانتے تھے کہ غیر مرئی پاکیزہ چیز کو ملک کہتے ہیں تب بھی مدعا ثابت ہے کیونکہ عرفِ شرع میں معنی لغوی کی پوری رعایت کچھ ضروری بات نہیں گو قرآن محاورہ عرب میں نازل ہوا ہے مگر بہت سے الفاظ کے معنی شرع نے منقول کر کے ایک نئے طور پر رکھے ہیں دیکھئے زکوٰۃ اور صلوٰۃ اور صیام کے لغوی معنی اور شرعی معنی میں کس قدر فرق ہے لغت میں زکوٰۃ پاکی اور صلوٰۃ دعا کو اور صیام مطلق بند رہنے کو کہتے ہیں۔ شرع میں زکوٰۃ مالِ معین کا چالیسواں حصہ ادا کرنا اور صلوٰۃ ارکانِ مخصوصہ کا بجالانا اور صیام اکل و شرب و جماع سے طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک باز رہنے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح شرع نے ملک کے معنی میں تصرف کیا ہو تو کیا محال ہے؟ کیا کوئی زکوٰۃ و صلوٰۃ و صیام کے لغوی معنی پر عمل کر کے شرعی فرض سے بری الذمہ ہو سکتا ہے جناب عالی! یہی نکتہ تو آپ کی سمجھ میں نہ آیا ع سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست (ششم) صفحہ ۱۴۸

وجہ ششم

میں آپ خود فرماتے ہیں کہ عام مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے جو عرب کے بت پرستوں کا تھا الخ اب معلوم نہیں کہ آپ کی دونوں باتوں میں سے کونسی غلط ہے؟ قولہ صفحہ ۱۵۳ قرآن مجید میں کلام مقصود میں کسی جگہ لفظ ملک یا ملائکہ کا اس مراد سے استعمال نہیں ہوا ہے جو مراد کہ یہودیوں نے قرار دی تھی۔ جس کی تفسیر ہم ہر ایک مقام پر لکھیں گے الخ۔ **اقول** اگر یہودیوں نے وہی معنی قرار دیتے ہیں کہ جو اہلِ اسلام نے بلکہ قرآن اور پیغمبر علیہ السلام نے تو اس معنی پر ملک یا ملائکہ کا اطلاق کلامِ مقصودی میں مع اُن کے صفات و حالات کے اس تفصیل سے مذکور ہے کہ جس کے انکار کی مسلمان کو گنجائش نہیں چنانچہ اس فصل کے اول میں ہم نے وہ آیات نقل کر دی ہیں ملاحظہ فرمائیے! پھر آپ کا یہ کہنا کہ قرآن میں کہیں نہیں البتہ بڑی دلیری اور بہادری کا کام ہے اگر آپ کو قرآن یاد نہ تھا اور ایک مدت سے آپنے اُس کی تلاوت فضول جان کر چھوڑ دی ہے (اور آپ کیا آپ کے معتقدین بھی اس دولت سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں) تو کوئی پانچ چھ روپیہ ماہوار کا حافظ ہی رکھ لینا تھا۔ اور اگر یہود معنے کچھ اور معنے قرار دیتے ہیں تو آپ جانیں اور آپ کے یہود۔ مارا چہ۔

ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت؛ آپ دل کھول کر یہود غریبوں کا رد کیجئے۔ **قولہ** ملائکہ کا اطلاق اُن قدرتی قوٰی پر جن سے انتظام عالم مربوط ہے اور اُن شئوناتِ[1] قدرت کاملہ پروردگار پر جو اُس کی ہر ایک مخلوق میں بہ تفاوت درجہ ظاہر ہوتی ہیں ملائکہ کا اطلاق ہوا ہے سورۃ والنازعات سے اس کا بخوبی ثبوت ہوتا ہے اس کے چار جملوں میں مفسرین میں اختلاف ہے مگر پانچواں جملہ فالمدبرات امرًا کی نسبت کسی کو اختلاف نہیں اور جملہ مفسرین متفق ہیں کہ مدبرات سے ملائکہ مراد ہیں پس غور کرنا چاہیئے کہ مدبرات سے کیا مراد ہے۔ یہی قوٰی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے تمام امورِ عالم کا مدبر مخلوق کیا ہے۔ **اقول** یہ آپ کی چوتھی دلیل ہے مگر یہاں سب سے زیادہ غلطیاں ہیں، **اوّل** یہ کہ آپ اپنے پہلے دعوٰی کو ترک کر دیا بیشتر آپ قائل ہوئے تھے کہ ملائکہ سے مُراد خدا تعالیٰ کی صفات ہیں یہاں آپ اُس سے اعراض کر گئے اور ملائکہ کو قوٰی مدبرہ عالم کہنے لگے اور ایک جگہ بلکہ اس سے اگلے صفحہ میں جبرئیل کو ملکہ نبوت کہدیا جس سے یہ لازم آیا کہ جبرئیل نبی کی ایک صفت قائم بالغیر کا نام ہے اب آپ ہم سے بیان فرمائیے کہ ان تینوں باتوں میں سے کونسی صحیح ہے؟ اگر کوئی کہے کچھ بات نہیں تینوں سے ایک ہی مراد ہے تو اس کا یہ جواب یہ ہے کہ یہ تینوں معنے (۱) ملکۂ نبوّت (۲) صفاتِ خدا تعالیٰ (۳) قوٰی مدبّرِ عالم۔ آپس میں غیر اور مخالف ہیں۔ ملکۂ نبوّت جس کو آپ جبرئیل کہتے ہیں نبی کی صفت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات جو قدیم اور عین ذات ہیں بندہ کے سب صفات سے جو حادث اور غیر ذات ہیں بالکل غیر ہیں اور اسی طرح قوٰی مدبّراتِ عالم جو نباتات جمادات حیوانات وغیرہا میں پائے جاتے ہیں ان دونوں سے غیر ہیں اس پریشان بیانی کا کیا ٹھکانا ہے

**دوم** (دوم) آپکا کبرٰی دلیل مسلم نہیں یعنی یہ مسلّم کہ مدبرات سے مراد ملائکہ ہیں لیکن یہ بات کہ مدبّرات قوٰی ہیں غیر مسلّم اُس کا کچھ ثبوت آپ نے نہیں دیا بلکہ اصل بات یہی ہے کہ مدبّراتِ عالم وہی ملائکہ ہیں جو عالم کے لئے ایسے ہیں کہ جس طرح جسم کے لئے روح مدبّر ہے

**سوم** (سوم) اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ اس جگہ ملائکہ کا اطلاق قوٰی مدبّراتِ عالم پر ہوتا ہے تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ یہ لفظ حقیقی طور پر بولا گیا ہے بلکہ جائز ہے کہ استعارۃً اطلاق ہوا ہو اور اگر یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ حقیقۃً اطلاق ہوا ہے تو غایۃ الامر یہ لفظ ملائکہ مشترک سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ لفظ عین کہ جس کے معنے آفتاب اور آنکھ اور ذات الشئی اور گھٹنا ہیں ایک معنی میں ایک جگہ استعمال ہونے سے یہ نہیں لازم آتا کہ پھر اُس کے دوسرے مسمّٰی کا وجود ہی نہ مانا جائے کیا کوئی شخص عین جاریہ میں چشمہ کے معنی لے کر یہ کہہ سکتا ہے کہ آنکھ اور آفتاب اور گھٹنے کا وجود ہی نہیں؟ حاشا و کلا۔

**قولہ** ان آیتوں میں جن کی ہم تفسیر لکھتے ہیں کلام مقصود صرف اس قدر ہے کہ جو شخص اُس وحی کا عدو ہو جو خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلعم کے دل میں ڈالی ہے الخ۔ **اقول** یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے علاوہ اس کے اس آیت (من کان عدوًا للہ وملٰئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکال فان اللہ عدو

[1] شئونِ قدرت تو آپ نے صوفیہ کے ہاں سے خوب اُڑایا انھیں لفاظیوں سے تو بہت سادہ لوح آپ کو اس صدی کا پیغمبر سمجھنے لگے۔ ابوالحسن حقانی

للکافرین) میں جبرئیل سے وحی[1] مراد لینا آپ کے اس قول کے مخالف ہے۔ **قولہ** اس سے پایا جاتا ہے کہ جس شئے کو یہود جبرئیل سے تعبیر کرتے تھے وہ کوئی جداگانہ مخلوق مع تشخصہ نہ تھی کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بے شبہ اُس نے (یعنی جبرئیل نے) ڈالا ہے تیرے دل پر[2] اللہ تعالیٰ کے حکم سے (وہ کلام الٰہی) سچ بتاتا ہے اس چیز کو جو اُس سے پیشتر ہے الخ۔ کیونکہ وحی اور باعث وحی ایک چیز نہیں ہو سکتی اب معلوم نہیں کہ آپ کے دونوں قولوں میں سے کونسا غلط ہے؟ **قولہ** فرشتوں کی دشمنی بیان کرنے کے بعد جبرئیل اور میکائیل کا بالتخصیص نام لینا گویا یہود کے خیالات کا اعادہ ہے اور وہ نام مقصود بالذات نہیں ہیں کیونکہ اگر یہودیوں کا خیال نہ ہوتا تو غالباً وہ نام نہ لئے جاتے۔ **اقول** یہ آپ کی پانچویں دلیل ہے۔ قیاس استثنائی سے آپ نے یہاں کام لیا واہ کیا کہنے ہیں استدلال اسی کا نام ہے حاصل یہ ہوا کہ تعمیم کے بعد تخصیص کرنا ملزوم اور اعادہ خیال یہود لازم مقدم پایا گیا تالی بھی پائی گئی مگر یہ تو فرمائیے کہ یہاں کونسا ملازمہ ہے؟ عقلیہ یا عادیہ؟ یا کوئی جدید ملازمہ ہے۔ اے جناب! ہزار ہا بار آپ نے بھی اپنے کلام میں عام لوگوں کا ذکر کر کے پھر تخصیص کی ہوگی۔ پھر کیا آپ نے بھی یہود کے خیال کا اعادہ کیا تھا؟ اب ذرا گوش ہوش سے سنیئے عام کے بعد خاص لوگوں کا ذکر کرنا اُن کے شرف اور فضیلت کے لئے فصحاء کے کلام میں اکثر وارد ہوتا ہے وہاں یہود کا خیال بھی نہیں ہوتا اعادۂ خیال چہ معنے دارد؟ مگر آپ کے دل میں یہود ایسے بسے ہیں کہ جدھر دیکھتے یہود ہی دکھائی دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں جس قدر انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور غیر مرئی چیزوں کا ذکر جبرئیل و میکائیل ملائکہ اور شیطان اور جن اور جنت و دوزخ کی کیفیت ثواب و عذاب بلکہ آسمان اور وجود آدم علیہ السلام جو کچھ مذکور ہے آپ[3] کے زعم میں یہود کے خیالات کا اعادہ ہے اور اسی طرح جو کچھ قرآن کی تفاسیر میں مذکور ہے وہ بقولِ منشی چراغ علی صاحب یہود کے بے اصل قصے ہیں العیاذ باللہ گویا قرآن اور اُس کی تفاسیر لغو اور

---

1ھ الا اصل جبرئیل کو وحی ڈالنے اور پہنچانے والا قرار دے کر پھر اس کو وحی کہنا (یعنی کلام منزل) عاقل کی شان سے بعید ہے اور پھر جبرئیل کو ملکۂ نبوت کہہ دینا ان دونوں معنی کے خلاف ہے جبرئیلؑ کے آپ نے تین معنے بیان کئے نمبر ۱ وحی نمبر ۲ وحی کا پہنچانے والا نمبر ۳ ملکۂ نبوت حضرت سلامت کسی بات پر قرار بھی ہے۔ منہ 2ھ اس آیت میں آپ کو قلب پر ڈالنے کے لفظ سے مغالطہ ہو گیا وہ آپ یہ سمجھ بیٹھے کہ فرشتے یا جن کو قلب تک رسائی نہیں حالانکہ یہ بڑی غلطی ہے لطیف چیزوں کی ہر جگہ رسائی ہے تسلیط جن کی صورت میں جاہل لوگوں کو عامیانہ باتیں کرتے دیکھا ہے۔ منہ 3ھ منشی چراغ علی صاحب لکھنوی خلیفہ سید صاحب تہذیب الاخلاق مطبوعہ یکم ربیع الاول ۱۲۹۳ھ ہجری جلد ہفتم نمبر ۳ صفحہ ۲۶ و ۲۷ وغیرہا میں فرماتے ہیں وہ (مفسرین) کبھی تاریخانہ تحقیقات پر متوجہ نہیں ہوتے وہ جو شام کی کسی لڑائی میں ایک بار شتر یہود کے قصہ کہانیوں کا مل گیا تھا وہی ان کا مایہ بساط ہے، انتہیٰ۔ حضرت عمرؓ کچھ اوراق تورات کے دیتے تھے ان کا پڑھنا تو اسلامیوں کو گوارا ہی نہ ہوا چہ جائیکہ اس بار شتر کو مایۂ دین بنا دیں ولو سلم پھر آپ کو یہ کیونکر معلوم ہو گیا کہ اس میں سراسر بے اصل قصے تھے کیا یہ ممکن نہیں کہ اصل نسخے تورات و اناجیل و نامہ حواریوں کے وہی ہوں کہ جن کی وجہ سے آج تک اہل کتاب کو تورات و انجیل کا ہزار برس کا لکھا ہوا نسخہ بھی نہیں دستیاب ہوا۔ پس اس بنا پر تو مفسرین صحابہ بڑے محققین تھے نہ کہ آپ جن کے عہد میں کوئی صحیح نسخہ بھی بائبل کا نہیں۔ حقانی

بے اصل قصوں کی پوٹ ہیں سچے ایماندار کی شان سے ایسے خیالاتِ فاسدہ نہایت بعید ہیں۔ **قولہ** پس ان دونوں کے نام قرآن مجید میں آنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ درحقیقت اس نام کے دو فرشتے مع تشخصہما علیحدہ علیحدہ ایسے ہی مخلوق ہیں جیسے کہ زید و عمرو۔ **اقول** یہ پس تو آپ کا جب صحیح ہوتا کہ پیشتر کچھ ثابت کر چکتے ورنہ اس پس سے جبرئیلؑ و میکائیلؑ جملہ ملائکہ کے وجود کی نفی نہیں ثابت ہوتی ہاں آپ کا منکرِ ملائکہ و منکرِ جبرئیل و میکائیل ہونا ثابت ہو گیا۔ **قولہ** ص۱۵۲ پس درحقیقت یہودی جس کو جبرئیل کہتے تھے اور جس کا نام حکایتاً خدا تعالیٰ نے بیان کیا ہے وہ ملکۂ نبوت خود آنحضرتؐ میں تھا جو وحی کا باعث تھا۔ **اقول** اگر آپ کا یہ قول سچ ہے تو اس سے پہلا یہ قول: **قولہ** ان آیتوں میں جن کی تفسیر ہم لکھتے ہیں کلام مقصود صرف اس قدر ہے کہ جو شخص اس وحی کا عدو ہو الخ، بالکل غلط ہے کیونکہ جب اس کلام من کان الخ میں آپ نے جبرئیل سے وحی مراد لی تو ملکہ نبوت جو بقول آپ کے باعثِ وحی ہے مراد لینا صاف غلط ہوا کجا وحی کجا ملکۂ نبوت باعث وحی ایک سبب دوسرا مسبب یا ایک علت دوسرا معلول دونوں میں تغایر ذاتی۔ یہ پس بھی آپ کا پہلے پس کا بھائی ہے۔ **قولہ** ان وجوہات سے یہ بات کہ جبرئیل درحقیقت کسی فرشتے کا نام ہے ثابت نہیں ہوتی۔ **اقول** وہ کونسے وجوہات ہیں ذرا بیان تو کیجئے ورنہ آپ ہی پس پس کرنے سے کچھ حاصل نہیں **قولہ** کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ باوجودیکہ خدا تعالیٰ کے پاس ان دو فرشتوں کے سوا اور بھی بہت سے فرشتے ہیں مگر بجز دو فرشتوں کے اور سب بے نام ہیں کیونکہ اور کسی کا نام قرآن میں نہیں الخ، ان سب باتوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ فرشتوں کے نام یہودیوں کے مقرر کئے ہوتے ہیں جو مختلف قویٰ کی تعبیر کرنے کو انھوں نے رکھ لئے تھے۔ **اقول** یہ آپ کی چھٹی دلیل ہے یہ سب سے زیادہ غلط ہے (**اول**) یہ کہ قرآن میں علاوہ ان کے اور فرشتوں کے بھی نام ہیں جیساکہ زبانیہ اور ملک (**دوم**) قرآن میں اگر ملائکہ کے نام کی فہرست ہوتی تو آپ کا یہ اعتراض کہ اس فہرست میں دوؔ کے سوا اور کا کیوں نام نہیں کچھ وقعت رکھتا بلکہ یہ چند اسماء بھی اس وجہ سے مذکور ہوئے کہ ان کے ذکر کا موقع آگیا تھا یا یہ کہ لوگوں میں متعارف اور مشہور تھے اور اگر کل ملائکہ کا نام ذکر کرتے تو (علاوہ) اس بات کے کہ قرآن کی صدہا جلدیں ہو جاتیں اور قرآن سے جو ہدایتِ خلق مقصود اصلی ہے فوت ہو جاتا، لوگوں کو نئے نئے نام سُن کر عجیب وحشت ہوتی (**سوم**) کسی چیز کے نام مذکور نہ ہونے سے اس کے وجود کی نفی لازم نہیں آتی فوجی دفتر میں آپ کا نام مرقوم نہیں کیا اس سے آپ کے وجود میں کچھ خلل آگیا؟ (**چہارم**) اگر آپ کا نتیجہ اور تعجب بھی صحیح تسلیم کیا جاتے تو یہ لازم آوے کہ جبرئیل و میکائیل یہودی لوگوں کی زبان کے نام ہیں (یعنی عبرانی کے) لیکن یہ نہیں لازم آتا کہ ان اسماء کے مسمّیات کا وجود اصلی یہود کے نام رکھنے سے پیشتر نہ تھا بلکہ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ قدیم[1] چیزوں کے نام ہر زمانے اور ہر قوم میں بدلتے رہتے ہیں دیکھئے پرانے شہروں اور پہاڑوں کے نام کس طرح بدلتے جاتے ہیں (دہلی کا نام قدیم اندرپت تھا پھر دہلی ہوا پھر شاہجہان آباد مشہور ہوا۔ اسی طرح الٰہ آباد کو

ف جبرئیل ملکہ نبوت ہو جو باعثِ وحی تھی

ف جبرئیل وحی کا نام ہے

ف جبرئیل درحقیقت کسی فرشتے کا نام نہیں۔

دلیلِ ششم

[1] قدیم سے مراد یہاں قدیم عرفی ہے نہ قدیم ذاتی نہ قدیم زمانی۔ منہ

پہلے زمانہ میں پراگ اور بنارس کو کاشی کہتے تھے اور اسی طرح آگ اور پانی وغیرہ عناصر کے ہر زبان میں جدے جدے نام ہیں ) پس اسی طرح ممکن ہے کہ جملہ ملائکہ اور جبرئیلؑ و میکائیلؑ کا ملأ اعلےٰ میں کچھ اور نام ہو اور یہود سے پہلے آدمؑ اور ابراہیمؑ اور نوحؑ کے زمانے میں کچھ اور ہو لیکن عیسیٰؑ اور موسیٰؑ اور ہمارے نبی ﷺ کے عہد میں یہی جبرئیلؑ و میکائیلؑ شہرت پاگیا ہو پھر اس سبب یہ نہیں لازم آتا کہ یہود سے پیشتر ان کا وجود ہی نہ تھا (پنجم) یہ بیان آپ کا کہ فرشتوں کے نام یہودیوں نے مختلف قوای کی تعبیر کرنے کو رکھ لئے مخالف ہے آپ کے اس قول کے۔ قولہ ص۴۲ بہرحال ہم کو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو الفاظ صفاتِ باری تعالیٰ پر مستعمل ہوتے تھے آخر کو انہیں الفاظ کو فرشتوں کا نام سمجھنے لگے انتہیٰ۔ اب دونوں میں سے ایک قول کو ضرور غلط ماننا پڑا معلوم نہیں کہ کونسی تحقیق آپ کی درست ہے ؟ (ششم) اگر یہ دونوں مخالف قول آپ کے تسلیم علیٰ سبیل فرض محال کرلئے جائیں تو آپ کی یہی دلیل آپ کے مدعا کی نفی کے واسطے کافی ہے یعنی ہم آپ کے کلام سے آپ پر یوں معارضہ کرتے ہیں اگر ان الفاظ سے خدا تعالیٰ کی صفات کو یا قوای مدبرۂ عالم کو تعبیر کیا ہے تو کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ باوجودیکہ خدا تعالیٰ کی بے نہایت صفات اور عالم کے بے نہایت قوای ہیں۔ مگر بجز دو صفات یا دو قوای کے اور سب بے نام ہیں کیونکہ کسی اور کا نام قرآن میں نہیں آیا ان باتوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ یہ نام ملائکہ کے ہیں کتب مقدسہ میں ان کو حسب موقع ذکر کیا ہے اب دہریے ناحق انکار کرتے ہیں اب ہم صفحہ ۴۶ وغیرہا میں جو کچھ آپ نے قصۂ آدمؑ کی نسبت ارشاد فرمایا ہے اُس کو میزانِ صحت میں تولتے ہیں قولہ ص۴۶ واذ قال ربک، اس آیت سے وہ ذکر شروع ہوا ہے جو آدمؑ کا قصہ کہلاتا ہے تمام مفسرین اس کو ایک واقعی جھگڑا یا مباحثہ سمجھتے ہیں جو خدا تعالیٰ اور فرشتوں میں ہوا ہے الخ۔ اقول یہ آپ کا بہتانِ صریح ہے اہلِ اسلام میں سے کوئی مفسر ذی علم تو کیا ادنیٰ مسلمان بھی یہ نہیں سمجھتا کہ فرشتوں نے خدا تعالیٰ سے مباحثہ یا جھگڑا کیا تھا کیونکہ خدا تعالیٰ فرشتوں کی نسبت فرماتا ہے لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ کیا فرشتوں کا استفہام کرنا جھگڑا ہے ؟ آپ ایسی بے بنیاد باتوں سے جملہ علماء اہلِ اسلام کو بے اعتبار بنایا چاہتے ہیں۔ قولہ ص۴۷ یہی حال فرشتوں کی نسبت ہوا ہے ان کو نوری سمجھ کر گورا گورا سفید برف کا رنگ نوری شمع کی مانند باہیں بلور کی سی پنڈلیاں ہیرے کے سے پاؤں ایک خوب صورت انسان کی شکل نہ مرد نہ عورت تصور کیا ہے الخ، حاصل کلام یہ کہ فرشتوں کو نادیدہ جسمانی چیزوں پر خیال کرلیا ہے اور وہ خیال نسل در نسل چلا آیا ہے دراصل فرشتے کوئی وجود نہیں رکھتے۔ اقول یہ تمام گفتگو آپ کی ایک شاعرانہ تک بندی ہے نہ کوئی مسلمان اُن کو بلور کی مانند نہ ہیرے کی مانند سمجھتا ہے ہاں آپ نے ابتداءِ عمر میں سمجھا ہو تو سمجھا ہو۔ قولہ آسمان ان کے رہنے کی جگہ قرار دی آسمان سے زمین پر آنے اور زمین سے آسمان پر جانے کے لئے ان کے پر لگائے الخ کسی کو صور پھونکتا خیال کیا ہے۔ اب یہ اعتراض آپ کا خدا تعالیٰ پر ہے کہ جس نے اُن کو اُولِیْٓ اَجْنِحَۃٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ بتایا ہے۔ قولہ بعض اقوام نے جو زیادہ غور و فکر کی ہے تو ان کے لئے نہ جسم مانا ہے اور نہ اُن کا متحیز ہونا تسلیم کیا ہے الخ۔ اقول البتہ بعض فلاسفہ بے دین اس بات کے قائل ہوتے ہیں جیسا کہ اس کا ذکر آتا ہے لیکن اہلِ کتاب میں سے یہ کسی کا عقیدہ نہیں بلکہ اہلِ اسلام نہیں اسلامیوں میں سے ان کی

ف جو الفاظ صفات کی صفات پر بولے جاتے تھے انہیں کو فرشتوں کے نام سمجھنے لگے۔

تقلید اول آپ ہی نے کی ہے ؎ قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا * پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا۔ **قولہ** صفحہ ۱۴۸ عام مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جو عرب کے بُت پرستوں کا تھا۔ **اقول** اگرچہ یہ تشبیہ آپ کی اس مقام پر بغرض اہانت عقیدۂ اہلِ اسلام ہے مگر یہ قول آپ کے اُس قول کے ردّ کے لئے کافی ہے جو آپ نے (صفحہ ۱۵۱ میں) فرمایا ہے: اب ہم کو اس بات کی تلاش کرنی ہے کہ قدیم مشرکین عرب کا الخ فرشتوں کی نسبت کیا خیال تھا الخ جہاں تک کہ ہم نے تفتیش کی ہے قدیم عربوں کا لفظ ملک اور ملائکہ کی نسبت ایسا خیال جیسا کہ یہودیوں کا ہے ثابت نہیں ہوتا الخ اور صفحہ ۱۴۰ میں آپ اہلِ اسلام اور یہود کا عقیدہ فرشتوں کی بابت یکساں فرماتے ہیں: **قولہ** قرآنِ مجید میں بھی ان کا استعمال اسی طرح پر ہوتا ہے جس طرح کہ یہودی خیال کرتے تھے الخ جب اہلِ اسلام اور یہود کا ملائکہ کی نسبت یکساں اعتقاد ہوا اور مسلمانوں کا اعتقاد عرب کے بُت پرستوں کی مانند ہوا تو تینوں گروہوں کے اعتقاد یکساں ہوتے پھر آپ کس دلیل سے فرماتے ہیں کہ جہاں تک ہم نے تفتیش کیا عرب کے مشرکین کے اعتقاد کو یہود کی مانند پایا وہ اور کونسا لفظ مشرکینِ عرب کی زبان میں بجز لفظ ملک کے مروّج تھا کہ جس سے وہ اپنے عقیدہ کو ملائکہ کے بارے میں اہلِ اسلام کے عقیدہ کی مانند تعبیر کرتے تھے۔ الغرض ہم کو تو آپ کی اب کسی تحقیق کا اعتبار نہ رہا کبھی آپ کچھ کہتے ہیں کبھی اس کے برخلاف فرماتے ہیں۔ آپ کے تیرھویں صدی کے بڑے محقق ہونے کے لئے یہی دلیل کامل ہے۔ دوم یہ قول آپ کا (مشرکین کے اعتقاد کی مانند اہلِ اسلام کا اعتقاد فرشتوں کی نسبت ہے) قرآنِ مجید کے خلاف ہے۔ قال اللہ تعالےٰ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا دیکھو مشرکین ملائکہ کو اناث کہتے تھے اہلِ اسلام نہیں کہتے یہ کس قدر مخالفت ہے۔ **قولہ** صفحہ ۱۴۹ قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں الخ **اقول** یہ قول آپ کا دو گواہوں سے ردّ ہے (**اوّل**) تو قرآنِ مجید کی وہ بیشمار آیات کہ جن کو ہم نے صدر فصل میں نقل کیا مسلمانوں کے عقائد پر بعبارۃ النص دال ہیں (**دوم**) آپ خود فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں ملائکہ کا استعمال اُسی طرح ہوا ہے کہ جس طرح یہودی خیال کرتے تھے اور ہمارے ہاں کے علماء نے یہودیوں کی تقلید کی اب معلوم نہیں آپ کے دونوں قولوں میں سے کونسا غلط ہے؟ **قولہ** صفحہ ایضاً بلکہ برخلاف اُس کے پایا جاتا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ یعنی کافروں نے کہا کیوں نہیں بھیجا پیغمبر کے ساتھ فرشتہ اور اگر ہم فرشتہ بھیجتے تو بات پوری ہو جاتی اور ڈھیل میں نہ ڈالی جاتی اور اگر ہم فرشتہ ہی پیغمبر کرتے تو اس کو آدمی ہی بناتے اور بلاشبہ ان کو اپنے شبہ میں ڈالتے جیسے کہ اب شبہ میں پڑے ہیں اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ فرشتے نہ کوئی جسم رکھتے ہیں اور نہ دکھائی دے سکتے ہیں اُن کا ظہور بلاشمول مخلوق موجود کے نہیں ہو سکتا الخ۔ **اقول** ؎ ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی * کیں راہ کہ تو می روی بہ ترکستان است۔ جناب عالی! اس آیت سے تو بہ چند وجوہ ملائکہ کا مجسم ہو کر ظاہر ہونا ثابت ہوتا ہے (**اوّل**) یہ کہ کفار کا یہ درخواست کرنا کہ پیغمبر کے پاس فرشتے وحی لاتے ہوتے دکھائی کیوں نہیں دیتے پھر خدائے پاک کا یہ سبب

بیان کرنا (کہ فرشتے کا دکھائی دے جانا تمہارے حق میں بہتر نہیں) صاف دلالت کرتا ہے کہ فرشتے مجسم ہو کر دکھائی دے سکتے تھے اور اگر ممکن نہ ہوتا تو آسان جواب یہی تھا کہ ارے احمقو فرشتہ بھی کوئی دکھائی دینے کی چیز ہے؟ (دوم) یہ قضیہ شرطیہ ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلاً بہت اچھی طرح پر دلالت کرتا ہے کہ فرشتہ آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے چنانچہ خود آپ فرماتے ہیں کہ ظہور بلا شمولِ مخلوق نہیں ہو سکتا اس سے معلوم ہوا کہ بشمول مخلوق تو ظہور ہو سکتا ہے۔ آپ نے کہاں سے یہ بات اس آیت سے ثابت کرلی کہ فرشتہ کوئی جسم نہیں رکھتا یا دکھائی نہیں دے سکتا ذرا اس ثبوت کی تشریح تو فرما دیجئے۔ **قولہ** جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے اُن کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور اُن قوٰی کو جو خدا تعالیٰ نے مخلوق میں رکھی ہے ملک یا ملائکہ کہتے ہیں۔ **اقول** یہاں اور معنے آپ نے بیان فرمائے ظہور قدرت اور قدرت میں بڑا فرق ہے ظہور قدرت کو صفاتِ باری تعالیٰ نہیں کہتے۔ آپ کے نزدیک ملائکہ صفاتِ باری نہیں پھر صفات کہنا اجتماع النقیضین ہے آپ نے زور لگا کر قرآن سے یہ آیت نفی وجود ملائکہ کے لئے نکالی تھی اُلٹی وہی دلیل آپ کے برخلاف نکلی ؎ دل و دیدہ اپنے جو یار تھے ہمیں بحرِ غم میں ڈبا گئے ÷ رہیں جن سے چشم امید تھی وہی آنکھ ہم سے چرا گئے۔ آپ صوفیہ علیہ الرحمۃ کے کلام سے مدعا ثابت کیجئے کیونکہ ان کے کلام میں تاویل کو بڑی گنجائش ہوتی ہے۔ **قولہ** بعض اکابر اہلِ اسلام کا بھی یہی مذہب ہے جو میں کہتا ہوں اور امام محی الدین ابن العربیؒ نے فصوص الحکم میں یہی مسلک اختیار کیا ہے الخ۔ **اقول** حاشا وکلاّ کسی اکابر اہل اسلام کا ایسا عقیدہ نہیں نہ حضرت شیخ محی الدینؒ نے یہ مسلک اختیار کیا ہے نہ کسی اور نے۔ حضرت شیخؒ نے فصوص الحکم اور دیگر تصانیف میں ملائکہ کا وہی وجود تسلیم کیا ہے جس طرح کہ جمہور اہلِ اسلام نے تسلیم کیا۔ بالفعل میرے سامنے فتوحاتِ مکیہ حضرت شیخؒ کی تصنیف رکھی ہے اس میں بیشمار مواقع میں شیخؒ نے ہمارے موافق بیان کیا ہے چنانچہ جلد سوم باب ۳۶۹ صفحہ ۴۸۲ و ۴۸۳ میں یوں فرماتے ہیں :۔ ان اللّٰہ تعالیٰ لما خلق الارواح النّاریۃ والنّوریۃ اعنی الملائکۃ والجان شرك بینهما فی امر وهو الاستتار عن اعین النّاس مع حضورهم معهم فی مجالسهم وحیث کانوا وقد جعل اللّٰہ بینهما و بین اعین الناس حجابًا مستورًا فلا تراهم الاّ اذا شاء وان یظهر والنالخ والملائکۃ رسل من اللّٰہ الی الانسان موکلون بہ حافظون کاتبون افعالنا والشّیاطین مسلّطون علی الانسانِ بامر اللّٰہ الخ ولا یطلق علی الارواح اسم جن الاّ لاستتارهم فالجنّۃ من الملائکۃ هم الّذین یلازمون الانسان ویتعاقبون فینا باللیل و النهار ولا نراهم عادۃً فاذا اراد اللّٰہ عزّ وجلّ ان یراهم من یراهم من الانس من غیر ارادۃ منهم لذلك رفع اللّٰہ الحجاب عن عین الّذین یرید اللّٰہ ان یدرکهم فیدرکهم وقد یامر اللّٰہ الملك والجنّ بالظهور لنا فیتجسدون لنا فنراهم او یرفع اللّٰہ الغطاء منّا فنراهم رای العین وقد نراهم اجسادًا علٰی صورٍ قد نراهم لا علی صور بشریۃ بل نراهم علٰی صورهم فی انفسهم کما یدرك کلّ واحد منهم نفسه وهو صورته الّتی هو علیها فانّ الملائکۃ اصل اجسامها نورٌ و الجان نار مارج و الانس ماء وتراب ولکن کما استحال الانس عن اصل ما خلق منه کذلك الملك

والجان عن اصل ما خلقا منه الی ما هما علیه من الصورۃ فی صفحة ۵۰۶ اعلموا ان الله ثم ما جعل للارواح اجنحة الا للملائکة منهم لانهم السفراء من حضرۃ الامر الی خلقه فلا بد لهم من اسباب یکون لهم بها النزول والعروج فان موضع الحکمة تقتضی هذا الجعل لهم اجنحة علی قدر مراتبهم فی الذی یسیرون به من حضرۃ الامر او یعرجون الیه من حضرۃ الخلق فهم بین الخلق والامر ینزلون ولذلک قالوا وما نتنزل الا بامر ربک انتهی۔ **ترجمہ**:۔ خدا تعالیٰ نے جب کہ ارواح ناریہ اور نوریہ یعنی جن اور ملائکہ کو پیدا کیا تو دونوں کو پوشیدہ ہونے میں شریک کر دیا کہ وہ باوجودیکہ لوگوں کی مجالس میں آتے اور اُن کے ساتھ ہر وقت حاضر رہتے ہیں مگر دکھائی نہیں دیتے اور خدا تعالیٰ نے اُن میں اور لوگوں کی نظروں میں پردہ ڈال دیا ہے پس ان کو ہم دیکھ نہیں سکتے مگر جب کہ وہ خود دکھانا چاہیں الخ اور ملائکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے پیغامبر اور محافظ ہیں کہ ہمارے اعمال لکھتے ہیں اور شیاطین بھی انسان پر بحکم الٰہی مسلط ہیں الخ ارواح پر لفظ جن اطلاق نہیں ہوتا مگر پوشیدہ رہنے کی وجہ سے پس ملائکہ میں سے وہ جن ہیں کہ جو آدمی کے ساتھ ہر وقت رہتے اور رات دن میں یکے بعد دیگرے اُس کے پاس آتے جاتے ہیں اور ہم اُن کو عادتاً دیکھتے نہیں پس جب خدا تعالیٰ کسی آدمی کو دکھانا چاہتا ہے تو حجاب اُٹھا دیتا ہے پس وہ شخص اُن کو دیکھ لیتا ہے اور کبھی ملائکہ اور جن کو حکم دیتا ہے تو وہ ہم کو مجسم ہو کر عیاناً دکھائی دیتے ہیں اور کبھی ہم اُن کو انسان کی صورت میں دیکھتے ہیں اور کبھی ان کی اصلی صورت میں جس طرح کہ وہ اپنے آپ کو اپنی اصلی صورت میں دیکھتے ہیں کیونکہ ملائکہ کا اصل جسم نورانی اور جن کا آتشی ہے اور آدمی کا خاک اور پانی ہے لیکن جس طرح آدمی اپنی اصل سے مستحیل ہو کر اس صورت میں آ گیا اسی طرح جن اور فرشتہ اپنے اصلی مادہ سے مستحیل ہو کر اس صورت پر آ گیا۔ واضح ہو کہ بعض ملائکہ کے لئے خدا تعالیٰ نے بازو بناتے ہیں کیونکہ حضرت امر سے حضرت خلق کی طرف سفیر ہیں تو ان کے لئے وہ اسباب ضرور ہونے چاہئیں کہ جن سے چڑھ اور اُتر سکیں کیونکہ حکمت کا یہی مقتضٰی ہے پس ان کے لئے بازو اُن کے مراتب کے موافق بنا دیئے کہ جن کی وجہ سے چڑھتے اور اُترتے اور آتے جاتے ہیں اور اسی لئے کہتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں اُترتے۔ اب آپ نے جس قول سے سند پکڑی ہے چلئے اسی میں ہمارا آپ کا فیصلہ ہے دیکھئے وہ کیا فرماتے ہیں۔ ان کا قول آپ نقل کیجئے: **قولہ** منہ قال الشیخ رضی اللہ عنہ فی فصوص الحکم وکانت الملائکة من بعض قوی تلک الصورۃ التی هی صورۃ العالم المعبر عنه فی اصطلاح القوم بالانسان الکبیر انتهی۔ **اقول** حضرت شیخ کا یہ قول آپ کی سند ہے آپ غور فرمائیے کہ یہ سند آپ کے مدعا کو ثابت کرتی ہے یا مٹاتی ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ صورت عالم کہ جس کو صوفیہ کرام اصطلاح میں انسان کبیر کہتے ہیں اس کے لئے ملائکہ مجموعۂ قویٰ میں داخل ہیں۔ یعنی عالم کے تمام کاروبار ملائکہ کے نہیں ہو سکتے جس طرح کہ انسان کے کاروبار اُس کے قویٰ بغیر نہیں انجام پاتے پس ملائکہ عالم کے لئے بمنزلہ قویٰ کے ہیں چنانچہ اس قول میں اس کی تصریح ہے: **قولہ** قال الشیخ رضی اللہ فکانت الملائکة له کالقوی الروحانیة والحسیة التی فی نشاۃ الانسان الخ یعنے شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ عالم کبیر کے لئے ایسے ہیں کہ جس طرح قویٰ

روحانیہ وحسیہ ہیں انسان کے لئے جس طرح انسان کے لئے قوای روحانیہ وحسیہ مدبر و متصرف ہیں اسی طرح ملائکہ عالم کے لئے۔ جس قدر قول حضرت شیخ رح کا اس بارہ میں آپ نے مفید مدعا جان کر نقل کیا وہ یہی دو جملے ہیں باقی تو انسان کے قوای کی تشریح ہے ان دونوں جملوں کا مطلب آپ نے جو لکھا ہے اس میں آپ نے تصرف[1] بھی کیا مگر پھر بھی آپ کا مدعا ثابت نہ ہوا کیونکہ کاف تشبیہ (جس کا ترجمہ آپ نے بھی یوں لکھا ہے) **قولہ**[1] شیخ رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں کہ وہ قوای جن کو ملائکہ کہتے ہیں انسان کبیر یعنے عالم کے لئے ایسے ہیں جیسے انسان کے لئے قوای ہیں انتہی، صاف کہہ رہا ہے کہ ملائکہ عالم کے لئے بمنزلہ قوای کے ہیں نہ یہ کہ درحقیقت ملائکہ کا کوئی وجود جداگانہ نہیں خود عالم کے قوای جاذبہ و نامیہ وغیرہا ہی ملائکہ ہیں۔ سید بہادر! یہ قول شیخ رح کا اس دلیل ثبوت ملائکہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس کا ہم نے شروع فصل میں ذکر کیا تھا یعنی اس عالم کو مبدء فیاض سے بتوسط ملائکہ فیضان ہوتا ہے ہر جزء عالم پر ایک فرشتہ موکل ہے کہ جس کو رب النوع کہتے ہیں جو کچھ عالم میں تصرفات ہورہے ہیں وہ سب ملائکہ کی معرفت ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت شیخ رح ملائکہ کو انسان کبیر یعنی عالم کے لئے بمنزلہ ارواح کے کہتے ہیں اب اس سے ملائکہ کا ثبوت پایا گیا نہ کہ نفی آپ نے شیخ رح کے کونسے جملے سے یہ سمجھ لیا کہ ملائکہ کے لئے وجود جداگانہ نہیں؟ اب کان کھول کر سنیئے یہ کلام ہمارے مدعا کو مفید ہے چند وجہ سے **اول** یہ کہ حضرت شیخ رح انسان کبیر یعنی عالم کو انسان کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور جس طرح اس میں قوای ہیں اسی طرح عالم کے لئے بمنزلہ قوی کے کہتے ہیں **(دوم)** اگر ملائکہ سے مراد قوای ہوں تو مشبہ اور مشبہ بہ کا اتحاد لازم آوے جو بدیہی البطلان ہے اور یہ قول حضرت شیخ رح کا: فالملائکۃ کالقوای درست نہ ہوگا۔ **(سوم)** اگر یہ تشبیہ بھی نہ لحاظ کی جائے تب بھی یہ کوئی قرینہ صارفہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ جس سے اُن آیات کو (کہ جن میں ملائکہ کا وجود جداگانہ اور اُن کے افعال مذکور ہیں) مجاز پر محمول کیا جائے اور تمام کتب سماویہ اور احادیث نبویہ کو تحریف کیا جائے **(چہارم)** صوفیہ کرام بعد تسلیم کرنے معانی ظاہرہ قرآن مجید کے اس میں سے اشارۃً حقائق و معارف پیدا کرتے ہیں ان میں سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن کے معنے ظاہرہ مراد نہیں کیا حضرت یعقوبؑ و یوسفؑ کے قصہ کو روح و نفس پر محمول کرنے سے حضرت یعقوبؑ و یوسفؑ کے وجود کی نفی ہوسکتی ہے! حاشا وکلا۔ اور اگر یہی ہو تو پھر قرآن و احادیث کا کچھ بھی اعتبار نہ رہے شریعت کا کوئی مسئلہ ثابت نہ ہوسکے **(پنجم)** اگر ہم سید صاحب کی فہم رسا کے موافق حضرت شیخ رح کے کلام کا یہی مطلب تسلیم کرلیں تو پھر سید صاحب کے حق میں اچھا نہ ہوگا کیونکہ بڑے زور شور سے سید صاحب ملائکہ کو صفات باری کہہ چکے ہیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو کبھی وحی اور کبھی ملکہ نبوت باعث وحی بنا چکے ہیں پھر اب ان کو قوای

---

[1] وہ تصرف بیجا یہ ہے کہ شیخ رح نے یوں فرمایا کہ فکانت الملائکۃ لہ کالقوی الروحانیۃ والحسیۃ۔ آپ نے یہ جملہ اپنی طرف سے شیخ رح کے کلام کو اپنے موافق کرنے کے لئے بڑھا دیا وہی ہذہ بقولہ وہ قوای جن کو ملائکہ کہتے ہیں انتہی۔ حالانکہ شیخ رح کے کسی جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قوای جن کو ملائکہ کہتے ہیں علاوہ اس کے شیخ رح ملائکہ کو قوای سے تشبیہ دیتے ہیں پھر اگر وہ ملائکہ کو قوای کہدیں تو مشبہ مشبہ بہ کا ایک ہونا لازم آجاتا ہے جو بدیہی البطلان ہیں۔ حقانی۔

عالم کہنا (جو صفاتِ باری سے مغائر ہیں) اجتماع الضدین کا قائل ہونا ہے۔ **قولہ** ۵۱ پس شیخ اور ان کے تبع بھی ملائکہ کا اطلاق صرف قوائی عالم پر کرتے ہیں الخ۔ **اقول** سید صاحب اب بھی ایسی بات منہ سے نکالنی بڑی شرم کی بات ہے ضد کرنا اہلِ انصاف کی شان سے بعید ہے۔ **قولہ** ۵۱ شیطان کی نسبت تو قیصری شرح نصوص میں نہایت صاف صاف وہی بات لکھی ہے جو ہم نے کہی ہے اس میں لکھا ہے کہ بعض نے یہ بات کہی ہے کہ انسان کبیر یعنی عالم میں جو قوتِ وہمیہ کلیہ ہے وہی ابلیس ہے اور ہر ایک انسان میں جو قوت وہمیہ ہے وہی ابلیس کی ذریات ہیں۔ **اقول** اس کا وہی جواب ہے جو اوپر بیان ہوا۔ اس کو غور سے پڑھ لیجئے۔ **قولہ** خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جو وسوسے دل میں آتے ہیں ہم اُن کو جانتے ہیں۔ **اقول** اس سے شیطان معہود کی نفی کیونکر سمجھی گئی؟ **قولہ** اور فرمایا ہے نفس ہی برائی کرنے کو کہتا ہے۔ **اقول** یہ لفظ ہی جو نفس کے بعد آپ نے زیادہ کیا وہ بے اصل ہے اس سے بھی نفی شیطان کی نہیں ہوتی۔ **قولہ** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب دشمنوں سے زیادہ دشمن تیرا النفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شیطان انسان میں خون کی طرح چلتا ہے۔ **اقول** ان احادیث سے بھی کسی طرح نفی نہیں پائی جاتی علاوہ پہلے جواب کے یہاں ایک اور بات زائد ملاحظہ فرمایئے۔ کیا ان احادیث و آیات و کلام قیصری کا دوسرا محمل صحیح نہیں نکل سکتا؟ کیا ان سے مراد قوتِ وہمیہ نہیں ہو سکتی؟ یا قوتِ بہیمیہ کو شیطان اور ابلیس اور ہر شخص کی قوتِ بہیمیہ کو ذریاتِ ابلیس استعارہ کے طور پر نہیں کہہ سکتے؟ کیا اس استعارہ کے لئے وصف جامع اضلال و اغوا نہیں پایا جاتا یا قرینہ صارفہ آیات مذکورۂ بالا نہیں ہو سکتیں؟ اگر اس علاقہ تشبیہ سے قوتِ بہیمیہ کو شیطان کہنے سے آپ حقیقی شیطان یعنی شخص معہود سمجھ بیٹھے تو آپ کو لازم ہے کہ ہم جب زید کو شیر کہیں تو آپ حقیقی شیر کے وجود کی نفی کریں اور زید ہی کو حقیقی شیر قرار دے لیں۔ **قولہ** ۵۲ غرض کہ تمام محققین اس بات کے قائل ہیں کہ اُن ہی قوائی کو جو انسان میں ہیں اور جن کو نفس اَمّارہ یا قوائی بہیمیہ سے

---

۵۱ کس لئے کہ صفاتِ باری تعالیٰ اور قوائی عالم کبھی ایک چیز نہیں ہو سکتی۔ مثلاً منجملہ قوائی عالم کے نباتات میں ایک قوتِ غاذیہ یا مولدہ پائی جاتی ہے کہ جس سے ہر درخت اپنی غذا حاصل کر سکتا اور اپنا بچہ دوسرا درخت اپنے تخم سے پیدا کرتا ہے اب کوئی ذی شعور اس قوتِ غاذیہ اور مولدہ کو صفاتِ باری نہ کہے گا۔ ورنہ لازم آوے کہ خدا تعالیٰ غذا کھاتا اور بچے جنتا ہے، تعالے اللہ عن ذٰلک علوًّا کبیرًا۔ منہ ۵۲ شاید آپ کو اس بات سے مغالطہ پڑ گیا کہ شیطان اور جبرئیلؑ کی نسبت دل میں القاء کرنا اور خون کی مانند بدن میں سرایت کرنا اور ملائکہ کی نسبت تدبیر عالم کرنا مذکور ہے اور یہ باتیں آپ کے ذہن سلیم میں قوائی کے خاص مختصہ میں سے شمار کی گئی ہیں اس لئے آپ کو شبہ ہوا کہ شیطان اور جبرئیلؑ اور ملائکہ قوائی ہی کا نام ہے پھر اس خیال کو آپ نے یہاں تک پکایا کہ جن آیات میں ان چیزوں کا بصراحت ذکر ہے ان کو آپ نے یہود کی تقلید سمجھا حالانکہ آپ کا خواص مختصہ سمجھنا غلط ہے کیونکہ مجردات یا لطیف الجسم چیزوں سے یہ سب باتیں ممکن ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر کس طرح روح القدس کا ظہور ہوتا تھا کہ وہ غیر زبانوں میں باتیں کرنے لگتے تھے ۱۲ منہ

تعبیر کرتے ہیں یہی شیطان ہے۔ **اقول** تمام محققین سے آپ کی مراد حقہ پینے والے ہوں گے ورنہ اہل تحقیق تو کیا ذراسی عقل والے بھی ایسی بے اصل بات نہ کہیں گے پھر ایسی ہی بے بنیاد بات پر یہ غل تھا کہ تہذیب الاخلاق کے پرچے کے پرچے اس بارے میں سیاہ کر دیئے اور تفسیر القرآن کو انھیں مضامین سے بھر دیا۔ جناب عالی! یہ تو آپ کا پرانا خیال راسخ ہے آپ اس غلطی سے کاہے کو باز آئیں گے۔ **قولہ** ص۵۲ اصل یہ ہے کہ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ انسان کی فطرت کو اور اس کے جذبات کو بتلاتا ہے اور جو قوای بہیمیہ اس میں ہیں ان کی برائی یا اُن کی دشمنی سے اس کو آگاہ کرتا ہے مگر یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگوں کے اور اونٹ چرانے والوں کی فہم سے بہت دور تھا الخ آپ ان چیزوں کے منکر اور ماول ہو کر دل میں خوش ہو گئے کہ یہ خیالات پیدا کرنا میرا ہی حصہ ہے کسی اہل اسلام کو یہ باتیں کبھی نصیب نہ ہوئی ہوں گی۔ اور آپ کے معتقد بھی یہی خیال کر کے آپ کے خیالات کو واجب الایمان سمجھتے ہیں ؎ خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے ٭ خواجہ را حاصل بجز پندار نیست ٭ عمدہ تحقیقاتِ جناب کا حال یہ ہے کہ وہ ملحدوں اور دہریوں اور بعض حکماء بے دین کے پرانے خیالات ہیں کہ جو اُن کی کتابوں میں اب تک موجود ہیں اور کچھ اس وقت کے پادریوں اور لا مذہبوں کے اعتراضات ہیں مگر آپ نے اُن کو ذرا بدل کر لکھا ہے اور اُن کے ثبوت میں یہ کمال ضرور کیا ہے کہ قرآن و احادیث و کلام قدماء کو محرف کر کے کم علم لوگوں کو شک میں ڈال دیا ہے حالانکہ یہ الحاد اور بے دینی کی باتیں آپ سے صدہا سال پیشتر مشہور ہو چکی ہیں۔ علماء اسلام نے اُن کے جواب شافی دیتے ہیں اور اس زمانہ میں جو کچھ دہریوں کے خیالات انگریزی اور فرانسیسی اور جرمنی اور عربی زبان میں بذریعہ کتب و اخبارات جو کچھ یورپ میں مشتہر ہوتے اور ہو رہے ہیں ان سے بھی اہل اسلام غافل نہیں اُن کے دنداں شکن جواب جو اسلامیوں نے دیئے ہیں اُن کا عشر عشیر بھی حضور کے کان تک نہیں پہنچا کچھ تنہا آپ ہی نے یورپ کی سیر نہیں کی ہے اور آپ اچھی طرح نہ عربی قدیم جانتے ہیں نہ جدید نہ یونانی نہ عبرانی نہ یورپ کی اور زبانوں میں دستگاہ رکھتے ہیں پھر جو کچھ آپ کا مایۂ تحقیقات ہے وہ خود پسندی اور عُجب ہے اس وقت آپ جن جن چیزوں کا انکار کر رہے ہیں اُن کا بے دینوں کے اقوال میں نشان بتاتے دیتا ہوں آپ کو یہاں ان چند چیزوں کا انکار ہے (۱) وجود ملائکہ کا عموماً جبرئیل و میکائیل کا خصوصاً اور اُن کے افعال اور متمیز ہونے وغیرہ باتوں کا (۲) شیطان کا انکار (۳) حضرت آدم علیہ السلام کا انکار (آپ آدمؑ سے مراد نوعِ انسانی رکھتے ہیں)۔ (۴) حضرت آدمؑ کو ملائکہ کے سجدہ کرنے اور شیطان کے تکبر کرنے کا انکار بلکہ اس قصہ کو آپ انسان کے قوای کے جذبات اور قوتِ بہیمیہ کے تمرد پر محمول کرتے ہیں۔ (۵) حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں رہنے پھر بسبب گناہ کے وہاں سے نکالے جانے کا انکار (۶) جنت اور اس کے نعماء کا انکار علاوہ اُن کے اور خاص خاص چیزوں کا بھی آپ نے انکار کیا ہے جیسا کہ کل انبیاءؑ کے معجزات اور اُن کے خرق عادات۔ چنانچہ ان باتوں کا ہم اپنی تفسیر میں ہر موقع پر ذکر کر کے جواب باصواب دیویں گے۔ **اوّل** تو یہ یاد رکھیے کہ صدہا برس سے اہل اسلام میں یہودی اور مجوسی اور دیگر مذاہب کے لوگ بہ لباس اسلام ملے جلے رہتے ہیں اور پیرایۂ اسلام میں ہزاروں بدعتیں ایجاد کرتے اور قرآن و حدیث کے عمدہ مطالب کا انکار تاویلات کے پیرایہ میں کرتے ہیں اور اسی طرح بہت سے

ملحد لوگ فلسفی تقریروں میں مسلمان کہلا کر اصولِ اسلام کے قلع و قمع میں دریغ نہیں کرتے اور ہمارے اس دعوے کے دو شاہد عدل ہیں (اول) یہ کہ جب سے ایسے لوگ اسلام میں آئے تب ہی سے مسلمانوں میں اختلاف واقع ہوا اور مذاہب مختلفہ پیدا ہو گئے اب ہر ایک فریقِ غالی کے اعتقادات کو دیکھ لیجئے کہ ان میں اب تک الحاد اور مجوسیت اور یہودیت اور تنصر اور فلسفے کی بُو آتی ہے کہ جس سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ ان مذاہب کے موجد برائے نام مسلمان تھے (دوم) بعض کتب سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ دبستان المذاہب کے صفحہ ۸۳ میں آخشون کی نسبت یوں لکھا ہے کہ "صاحبانِ این مذہب ہمہ با اہل اسلام آمیختہ اند و بکسوت ایشان جلوہ گر اند و نام مسلمانان ہم دارند و نام دیگر بر کیش خویش" اور اسی طرح مزدکیوں کی نسبت صفحہ ۱۳۴ میں لکھا ہے کہ "اکنون مزدکیاں در لباس گبری نیستند درمیان اہل اسلام پنہاں شدہ رو بسپر کیش خویش اند" اور کتاب دساتیر کے چودہویں نامہ میں اس بات کی پیشین گوئی ہے کہ مسلمانوں میں جب باہم خصومت پیدا ہوگی تو ایرانی لوگ مذہب اسلام میں داخل ہو کر اپنے قدیم مذہب کی باتوں کو یہاں تک رواج دیں گے کہ اصل اسلام برائے نام باقی رہ جائے گا۔ یہ بات تو ہم نے بھی آنکھ سے دیکھ لی۔ جب آپ کو یہ بات معلوم ہو گئی تو میں اب خاں صاحب کے عقائدِ مذکورہ کا حوالہ دیتا ہوں۔ دبستان المذاہب کی تعلیم اول قواعد زردشتیوں کے بیان میں لکھا ہے کہ ملائکہ سے مراد صفاتِ حمیدہ ہیں صفحہ ۱۲۶۔ اور اسی طرح اعمالِ تشرعہ ہنود کے بیان میں لکھا ہے کہ جہنم کے طبقات اور جنت کے درجات اور اعمال کی جزاء و سزا محض خیالی باتیں ہیں صفحہ ۱۶۷۔ دبستان المذاہب کے صفحہ ۳۴۳ لظر اول میں عقائد حکماء کے بیان میں یوں لکھا ہے کہ "پیوستن روح بہ بدن راندن آدم است از بہشت و میل بہ بدن فرمان بردن حوا و کردار نکوہیدہ خوردن بر شجرۂ منہیہ۔ مار خشم و طاؤس شہوت است و گفتہ اند ابلیس عبارت از قوت وہمی کہ پیرو محسوسات است و عالمِ معقولات را منکر است و با قوتِ عقلی در ستیزد۔ و آنچہ در شرع آمدہ کہ ہمہ فرشتگان آدم را سجدہ کردند مگر ابلیس اشارت است باین معنی کہ ہمہ قوای جسمانی کہ فرشتگانِ ارضی اند مطیع روح آدم اند مگر قوت وہمی کہ سرکش است انتہیٰ" یعنی آدمؑ کا جنت سے نکالا جانا رمز ہے اس بات کی طرف کہ اُن کی روح بدن میں ڈالی گئی یعنی آدمؑ کی روح کا اُن کے بدن میں پھونکنا جنت سے نکالا جانا ہے۔ اور مراد حوا کی فرماں برداری سے بدن کی طرف میلان کرنا ہے۔ شجرۂ منہیہ کھانے سے مراد بدخصلتیں ہیں۔ اور سانپ سے مراد غصہ اور مور سے مراد شہوت ہے اور شیطان سے مراد قوتِ وہمیہ ہے کہ جو عالمِ معقولات کی منکر اور محسوسات کی پیرو اور عقل سے معارضہ کرنے والی ہے اور یہ جو شرع میں آیا ہے کہ فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا اور ابلیس نے نہ کیا تو اس سے یہ مراد ہے کہ قوای جسمانی جو زمین کے فرشتے ہیں آدمؑ کی روح کے مسخر ہو گئیں اور قوتِ وہمیہ نے سرکشی کی اسی طرح فرقہ صادقیہ جو مسیلمہ کذاب کا پیرو ہے اُن کے حالات دبستان المذاہب کے صفحہ ۲۹۹ میں یوں لکھے ہیں۔ مسیلمہ کذاب جس کو کتاب آسمانی کہتا تھا اُس کی دو جلدیں پہلی کا نام فاروقِ اول دوسری کا نام فاروقِ دوم ہے اُس میں لکھا ہے کہ کوئی شیطان نہیں ہے اور نہ خدا تعالیٰ کسی کو غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دے سکتا ہے انتہیٰ۔ کتاب الملل والنحل محمدؒ بن عبدالکریم شہرستانی مطبوعہ مصر کی جلد دوم صفحہ ۸۶ میں عقائد حکماء

ف یہ شخص بڑا فاضل علمائے اسلام میں مشہور ہے اس کی وفات ٥٤٨ھ میں ہوئی ہے۔ منہ

مشائین کے بیان میں یوں لکھا ہے کہ "جن لوگوں کو قوتِ قدسیہ نصیب ہوتی ہے (یعنی انبیاءؑ) اُن کی قوتِ خیالیہ اس درجہ کی قوی ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے ادراکات کو بصورتِ جمیل دیکھتے اور اُن کا عمدہ کلام سُنتے ہیں یعنی دراصل نہ کوئی فرشتہ ہوتا ہے نہ کوئی آواز یا کلام اُن کو سُنائی دیتا ہے بلکہ محض اُن کے وہ معلومات (جو اُن کو مبدءِ فیاض سے عطا ہوئے ہیں) کسی عمدہ شکل میں نظر آتے اور نہایت عمدہ دلچسپ کلام کرتے ہیں۔ پس وہ فرشتہ جو نبی (علیہ السلام) کو دکھلائی دیتا تھا وہ یہی تھا اور وہ وحی اور الہام یہی آواز تھی"! سید صاحب نے اسی بات کو کس بُرے عنوان سے بیان کیا ہے اور انبیاءؑ کو مجنوں سے تشبیہ دے کر کس گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں! اسی طرح کتاب الملل والنحل کی جلد دوم ص۶۷ میں بعض حکماء کا جنّت کی نسبت یوں عقیدہ لکھا ہے کہ "نبی لوگوں کو آخرت کی ترغیب دیا کرتے ہیں اور وہاں کے ثواب وعقاب مثالوں میں لوگوں کے اطمینانِ قلب کے لئے بتلاتے ہیں اور درحقیقت وہ ایک امرِ مہمل ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا" اور اوّل جلد کے صفحہ ۱۰۴ میں بعض اہلِ ہوا کا یہ عقیدہ لکھا ہے کہ اُن کے نزدیک سوائے عالمِ محسوس کے اور کوئی عالم نہیں اُن کا ہر بات میں اپنے ذہن صافی اور فطرتِ سلیمہ پر (جس کو سیّد صاحب نیچر کہتے ہیں) اعتماد کلی ہے (نہ وہ جن کے قائل ہیں نہ فرشتوں کے نہ کسی امرِ خارقِ عادت کے) اور اس گروہ کا نام طبعیہ دہریہ ہے۔ اور ان میں جو بعض لوگ کسی قدر ترقی یافتہ ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ شریعت اور اُس کے احکام حرام وحلال مصلحتِ عباد اور رفاہِ بلاد کے لئے رفارمر[1] لوگوں نے اپنی طبیعتِ صافیہ سے مقرر کردیئے ہیں اور وہ جن روحانی چیزوں کی خبر دیتے ہیں جیسا کہ لوح وقلم وعرش وکرسی ملائکہ وغیرہا سو وہ درحقیقت اُن کے خیالات ہیں کہ جن کو وہ جسمانی صورتوں کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور اسی طرح آخرت کے احوالِ جنّت اور حور وقصور اور نہر ومیوہ جات جو وہ بیان کرتے ہیں محض عوام کی طبیعتوں کو رجوع کرنے کی باتیں ہیں اور اسی طرح دوزخ اور اُس کے عذاب طوق وغیرہ بھی لوگوں کو ڈرانے کے لئے بیان کرتے ہیں کہ اُن سے ڈر کر اُن اُمورِ مصلحت پر کہ جن کو انھوں نے واجب وفرض بتایا ہے چلیں اور جن نامناسب چیزوں سے کہ مصلحتِ وقت جان کر منع کیا اور حرام ومکروہ کہا اُن سے بچیں ورنہ عالمِ آخرت میں جو کہ علوی عالم ہے صورِ جسمانی اور اشکالِ جرمانی کہاں؟ اور یہ تو عام حکماء مشائین کا عقیدہ ہے کہ عالم قدیم ہے اور اس میں جس قدر انواع ہیں وہ بھی سب قدیم ہیں چنانچہ نوعِ انسانی بھی قدیم ہے ان کے نزدیک یہ بات (کہ ابتداء نوعِ انسان کی حضرت آدم علیہ السلام سے ہے) محض غلط ہے۔ چنانچہ اسی کتاب ملل والنحل کی اخیر جلد میں اور اس کے سوائے اور کتب الٰہیات میں اس کی تصریح ہے اب رہے انبیاء علیہم السلام کے معجزات تو اُن کے تو صدہا آدمی منکر ہیں ایسے لوگوں کے حالات سے یہی کتاب اور دبستان المذاہب وغیرہ بھری پڑی ہیں۔ اور جلال الدین اکبر بادشاہِ دہلی کے روبرو تو بڑے زور کے ساتھ ایک بڑے دہریہ نے بمقابل اہلِ اسلام واہلِ کتاب حضرت موسیٰؑ کے معجزۂ عبورِ قلزم کا انکار کیا تھا۔ چنانچہ دبستان المذاہب میں اس کی خوب تصریح ہے۔ اب فرمائیے سید صاحب! آپ نے وہ کونسی نئی بات ایجاد کی ہے؟ ایسے ایسے خیالات

[1] یعنی ناصحین وواعظین۔ منہ

کے لوگ ہر زمانہ میں کتب سماویہ کی نسبت اعتراضات کرتے آتے ہیں اور اُن میں سے مہذب لوگوں نے اُن اعتراضات کو تاویلات کے پیرایہ میں بیان کیا ہے بہر طور مدعا واحد ہے۔ اب ہم آپ کے اس قول کی شرح کرتے ہیں۔ **قولہ** اصل یہ کہ ان آیات میں الخ ؛ جناب عالی اگر آپ کی یہ مراد ہے کہ قرآن مجید کی عبارت کے دو پہلو ہیں ایک ظاہر دوسرا باطن جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور آپ باطنی پہلو سے اس رمز کی طرف اشارہ کرتے ہیں جیسا کہ صوفیہ کرام قصۂ یوسف و زلیخا میں اور نکات مراد لیا کرتے ہیں چنانچہ حضرت شیخ محی الدین ابن العربیؒ نے اپنی کتاب فتوحاتِ مکیہ میں ایسے حقائق و دقائق نکالے ہیں تو آپ کا یہ فرمانا کہ یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگوں کے اور اونٹ چرانے والے لوگوں کی فہم سے بہت دور تھا الخ بجا ہے ہمارا بھی اس پر صاد ہے۔ اور اگر یہ مقصود ہے کہ اس کلام کے محض یہی معنی ہیں اور ظاہر عبارتِ قرآن سے جو کچھ مفہوم ہوتا ہے کہ آدمؑ کو خدا تعالیٰ نے پیدا کر کے طرح طرح کے علوم سے آراستہ کیا اور پھر فرشتوں کو سجدۂ تعظیم کا حکم دیا شیطان کے سوا سب نے سرِ تعظیم جھکایا اور آدمؑ کو مع اُس کے زوجہ کے جنت میں رہنے کا حکم دیا پھر وہ بسبب اغوارِ شیطان کے جنت سے نکالے گئے الخ) وہ بے اصل باتیں اور یہود کے خیالات کا اعادہ ہے تو یہ کلام آپ کا سراسر غلط ہے بچند وجہ (۱) یوں کہ آپ خود تفسیر سورۂ آلِ عمران کے صفحہ ۲ میں فرماتے ہیں۔ **قولہ** قرآن مجید تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ جس طرح ذی علم دانشمند اُس سے ہدایت پاویں اسی طرح جاہل و ناداں عوام بھیڑوں اور بکریوں اور اونٹوں کے چرانے والے بھی ویسی ہی ہدایت پاویں الخ۔ **قولہ** جن پر آیاتِ متشابہات کا اطلاق ہوتا ہے اگر اُس کے ایک پہلو پر خیال کرو تو اُس سے وہ مطلب پایا جاتا ہے جو عوام کے خیالات کے مناسب ہوتا ہے الخ اب ذرا آپ ہی انصاف فرماویں کہ جب آپ کے نزدیک آیاتِ متشابہات میں بھی ظاہری معانی ہر ایک کی سمجھ کے موافق ہونے ضرور ہیں تو آیاتِ محکمات کو بالخصوص اُن مضامین کو کہ جن کو بیشمار مواضع میں نئی نئی عبارتوں سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ امر از حد ضروری ہے کہ اُس کو عوام لوگ بھیڑ اور بکری اور اُونٹ چرانے والے بھی سمجھیں پھر جب وہ معنا جو آپ نے قرار دیا ہے اس کو سوائے آپ کے کوئی بھی نہیں سمجھتا نہ عالم نہ جاہل تو اُس کے غلط ہونے میں کیا شبہ باقی ہے ؟ (۲) یہ معنا جو آپ نے قرار دیا ہے اُس کو قرآن مجید میں تخمیناً دس بارہ سورتوں میں مختلف طور پر مختلف الفاظ سے بیان کیا ہے اور ایک آیت نہیں رکوع کے رکوع اسی بیان میں ہیں حالانکہ ان میں کسی جگہ سے کوئی ایسا قرینہ لفظیہ یا معنویہ آپ نے نہیں بیان کیا کہ جو ان عبارات کے حقیقی معنی پر محمول کرنے سے مانع آوے پس جب ایسا کوئی قرینہ نہیں تو حقیقی معنی کا انکار کرنا محض سینہ زوری بلکہ خدائے پاک کے کلام کی تکذیب ہے۔ (۳) اس قدر آیات میں خدا تعالیٰ نے اس قصہ کو طول دیا اور پہلی کتابوں میں بھی پہلے انبیاء کی معرفت اسی طرح بیان کرتا گیا پھر کیا خدا تعالیٰ کو وہ صاف مطلب (جو آپ کے سے انسان بے بنیان نے تھوڑی سی عبارت میں اس طرح بیان کر دیا کہ جس کو عالم و جاہل سب سمجھنے لگے) بیان کرنا نہ آیا ؟ پھر آپ کس بنیاد پر قرآن کو فصیح و بلیغ کہتے ہیں ؟ اُس کے مصنف سے تو معاذ اللہ آپ ہی زیادہ فصیح و بلیغ ہیں کہ جس نے ہزار ہا سال کے ایک ایسے معا کو جو خدا تعالیٰ سے کبھی بیان نہ کیا گیا تیرھویں صدی میں بیان کر دیا تعالی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ (۴) اس بات کو ہر ذی عقل تسلیم کرتا ہے کہ ہر کلام کو کما ینبغی اس کا متکلم سمجھتا ہے کیونکہ اپنے کلام میں صراحۃً

یا اشارۃً جو کچھ اُس نے مراد رکھی ہے اُس کو وہی خوب جانتا ہے اور یہ بات اور ہے کہ اُس کے مقصود اصلی کے علاوہ کوئی ضایع آدمی اور نئے نئے احتمالات اپنی طرف سے پیدا کردے۔ بعد اُس کے وہ خوب سمجھتا ہے کہ جو اُس کلام کا مخاطب ہے بشرطیکہ اُس کو فہم سلیم ہو اور زبان دان بھی ہو پھر اُس کے ہم زبان خصوصًا وہ لوگ کہ جو کلام کے خارجی احوال پر بھی واقف ہوں اور متکلم کے عادات و خُو بُو وطرز سخن سے ماہر ہوں اس کے بعد عام اہل زبان سمجھتے ہیں۔ اب ہم ہیں کہ قرآن مجید کلام خدائے پاک ہے اور مخاطب بالذات حضرت پیغمبر علیہ السلام اور ہم زبان وہم زمان صحابہ کبار اور اہل زبان عرب العرباء آپ انصاف کی نظر سے فرمائیے کہ یہ باتیں جو میں کہہ رہا ہوں صحیح ہیں یا نہیں؟ پس جب صحیح ہیں تو آپ کو بعد دعوٰی کرنے اس معنا کے یہ ضرور تھا کہ ان مطالب کا ثبوت کہ جن کے آپ قائل ہیں یا تو خود خدا پاک کے کلام سے بصراحت ثابت کرتے یا اُس کے مخاطب بالذّات پیغمبر علیہ السلام سے بروایت صحیحہ ثابت کردیتے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان آیات کے یہ معنی بیان فرماتے ہیں ادنیٰ درجہ یہ کہ ساری عمر میں کبھی بھی آنحضرت نے کسی شخص کو اس معنا کی خبر دی ہو یا آپ کسی صحابی کی تفسیر سے یہ معنی ثابت کردیتے ورنہ خیر کسی مُحقِق زبان دان عرب العرباء مفسر ہی کے قول سے ثبوت پہنچا دیتے۔ جب یہ نہیں تو زید و عمرو کی تاویلات کی نصوص قرآنیہ کے مقابلہ میں کیا وقعت ہے؟ **قولہ** صہ۸۲ تاکہ ہر کوئی خواہ اُس کو فطرت کا راز سمجھے خواہ فرشتوں اور خدا تعالیٰ کا مباحثہ خواہ شیطان و خدا تعالیٰ کا جھگڑا اصلی مقصد حاصل کرنے سے محروم نہ رہے" یہاں تو آپ صاف اقرار کرتے ہیں کہ جو اس آیت کے ظاہری معنی سمجھے گا اُس کا بھی مقصد حاصل ہو جاوے گا پس جب آپ نے ظاہری اور حقیقی معنی کو مقصد قرآن کہا تو پھر یہ کہنا: **قولہ** اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ کو بھی انھوں نے ویسا ہی سمجھا اور آدم و شیطان کا قصہ بنا لیا الخ اقرار کر کے انکار کرنا ہے مگر اس خود پسندی کا کیا ٹھکانا ہے تمام عالم کا خلاف بلا دلیل کرنا اور پھر اُس کو حق الیقین سمجھنا آپ ہی کا کام ہے۔ **قولہ** صہ۵۵ آدم کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں ہے جس کو عوام الناس اور مسجد کے مُلّا باوا آدم کہتے ہیں بلکہ اُس سے نوع انسانی مراد ہے جیسا کہ تفسیر کشف الاسرار و ہتک الاستار میں لکھا ہے وما المقصود بادم آدم وحدہٗ الخ۔ **اقول** یہاں سے یہ تو معلوم ہوا کہ آپ کی عادت میں یہ بات داخل ہے کہ جہاں آپ کے خیالات کی تائید میں کوئی قول بھی کسی شخص کا آپ کو ملتا ہے خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور خواہ آپ کے دھنار کے لئے بنظر غور مخالف ہی کیوں نہ ہو گر ذرا سا لگاؤ ہونا چاہیے آپ بے سمجھے بوجھے اُس کو نقل کردیتے ہیں اور جہاں آپ کو کوئی قول بھی نہیں ملتا تو آپ وہاں تنہا رہ جاتے ہیں اور اگر آپ کے برخلاف اسی قائل کا قول بلکہ صریح آیت واحادیث بھی ہوں تو نہیں مانتے۔ یہ بات انصاف سے نہایت بعید ہے۔ جناب عالی! آپ نے جو یہاں وجود آدم علیہ السلام کا انکار کیا کس دلیل سے۔ مگر دلیل کہاں محض اپنا خیال۔ اور اس قول کا یہ جواب ہے کہ اوّل تو یہ بات خوب معلوم نہیں کہ صاحب کشف الاسرار کس مرتبہ کے شخص ہیں آیا ایسے بھی ہیں کہ اُن کے قول سے قرآن کی آیت متروک ہو سکتی ہے؟ دوم صاحب کشف الاسرار حاشا وکلّا یہ نہیں کہتے جو تم سمجھتے ہو یہ انکار آدم اہل اسلام میں سے بتقلید فلاسفہ آپ ہی کا ایجاد ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ما المقصود بادم آدم وحدہ کہ اس جگہ لفظ آدم سے صرف آدم نہ مراد لینا چاہیے بلکہ اس کی ذرّیت بھی۔ اب یہاں سے آدم کی نفی کیونکر سمجھی گئی؟ آپ کو کوئی یوں کہے کہ آپ اکیلے مراد نہیں بلاشک آپ اس کلام سے یہ سمجھیں گے کہ آپ

انکار آدم علیہ السلام

بھی اور آپ کے ساتھ اور بھی مراد ہیں نہ یہ کہ آپ مراد ہی نہیں۔ آپ وجود آدم کا کہاں تک انکار کریں گے۔ قرآن مجید میں بہت آیات سے حضرت آدمؑ کا وجود جداگانہ پایا جاتا ہے منجملہ ان کے یہ آیت ہے (۱) وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ اس میں صاف تصریح ہے کہ آدمؑ کو مٹی سے بنایا اور اُس کی اولاد کو منی سے بنایا اگر حضرت آدمؑ کوئی شخص خاص نہیں تو پھر یہ نوع انسانی پر کیونکر صادق آسکتا ہے کہ نوع انسانی کو مٹی سے اور اس کی نسل کو نطفہ سے پیدا کیا کس لئے کہ تمام نوع اس بات میں برابر ہے اور پھر نوع کی نسل کیا معنی رکھتی ہے؟ (۲) یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ الآیہ۔ اگر آدم سے مراد نوع انسانی ہے تو اس میں مرد و عورت دونوں شریک ہیں لفظ آدم اس تقدیر پر دونوں کو شامل ہے پھر اس نوع انسانی کی وجہ کیا ہے کہ جس کو انسان کے برابر خطاب میں ملحوظ رکھ کر ہر جگہ تثنیہ کا صیغہ بولا ہے (۳) اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ اس آیت میں بھی تصریح کی ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوتے حضرت آدمؑ بھی ماں باپ سے پیدا ہوئے۔ سب سے زیادہ اس بارہ میں آپ کے مقابلہ میں خود آپ کا قول (جو تفسیر سورۃ آل عمران کے صفحہ ۲ میں ہے) کافی ہے: **قولہ** کیونکہ حضرت آدمؑ مٹی سے یا پانی سے پیدا ہوتے تھے اور نہ وہ نو مہینے کسی عورت کے پیٹ میں رہے مثل ایسے انسانوں کے جو نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں الخ (**سوال**) اگر آپ یہ فرمادیں کہ حضرت آدمؑ کے وجود کا ہم کو انکار نہیں البتہ اس قصہ میں تنہا آدم مراد نہیں۔ (**جواب**) یہ کہ پھر وہ کونسی وجہ ہے کہ جس سے آپ نے حضرت آدمؑ کا مقصود ہونا اس قصہ میں رد کیا؟ پس اب آپ اس قصہ میں کسی طرح آدمؑ کا انکار نہیں کرسکتے اب آگے اس قصہ کی نسبت فرمائیے کیا فرماتے ہیں؟ **قولہ** ص ۵ مگر میرے نزدیک ہم کی ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہے الخ گویا خدا تعالےٰ نے تمام چیزوں کے جاننے کی قوت انسان میں اور اُس کی ذریت میں ودیعت رکھ کر فرشتوں سے کہا کہ تم سب باتیں تو کیا بتاؤ گے انسان ہی میں جو کچھ ودیعت کیا گیا ہے اسی کو بتلادو جب وہ عاجز آگئے تو خدا تعالےٰ نے انسان سے کہا کہ تو ان حقائق و معارف کو جو فرشتوں میں ہیں بتادے الخ یہاں چند غلطیاں آپ سے سرزد ہوئیں (۱) یہ کہ اگر ہم کا مرجع آدمؑ ہیں باعتبار نوعیت کے تو کیا ضمیر مفرد مناسب نہ تھی! پس عرضہم کہنا تطویل بلا فائدہ تھی بجائے اس کے لفظ عرضہ نہایت مناسب تھا۔ اگر آپ یوں کہیں کہ معنی کی رعایت بلحاظ افراد نوع ضروری تھی تو آپ یا آدم اسکن انت میں کیا جواب دیں گے پھر وہاں کیوں ان انواع کی رعایت کر کے اسکنوا نہ فرمایا؟ اور بالفرض اگر افراد کا لحاظ تھا تو کیا آدم کے ساتھ ایک فرد اُس کی زوجہ ہی تھی جو لفظ تثنیہ بولا گیا جس سے صاف معلوم ہوا کہ جنس یا نوع قطعاً مراد نہیں ہوسکتی (۲) اسماء سے مراد آپ کے

ف آدم شخص خاص تھے نہ کہ نوع انسانی

لہ جب آپ کے نزدیک فرشتے سے قوای ملکوتیہ مراد ہیں تو پھر ان سے سوال کرنا فضول ہے ۱۲ منہ ۲ھ اس آیت نے پہلے شک کو بالکل دور کردیا اور آدمؑ سے مراد نوع انسانی نہیں ہے چونکہ آیت میں لفظ کُلَا کا جو تثنیہ کے واسطے آتا ہے آیا ہے گر آدم سے مراد نوع ہوتی تو تثنیہ کا صیغہ مستعمل نہ ہوتا۔ ابوالحسن حقانی ۳ھ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات معترض علمیت سے عاری ہیں قیاسی گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ حقانی

نزدیک قوای ہیں: **قولہ** ان قوای کو جو اسماء کے لفظ سے تعبیر کیا الخ اور قوای کی آپ کے نزدیک دو قسم ہیں ایک قوای ملکوتیہ جن کو آپ فرشتے کہتے ہیں دوسرے قوای بہیمیہ جن کو آپ شیطان کہتے ہیں اور انسان سے مراد ان قوای کا مجموعہ لیتے ہیں تو اس تقدیر پر ثم عرضہم علی الملائکۃ کے یہ معنی ہوئے کہ مجموعہ قوای ملکوتیہ اور بہیمیہ کو قوای ملکوتیہ کے سامنے کیا جس سے یہ لازم آیا کہ قوای ملکوتیہ کو قوای ملکوتیہ کے سامنے کر کے مباحثہ کرایا، وفساد، مما لا یخفی (۳) یا آدم انبئہم باسمائہم کے یہ معنی ہوئے کہ اے مجموعہ قوای ملکوتیہ و بہیمیہ تو ان کو یعنی قوای ملکوتیہ کو قوای ملکوتیہ بتلا دے کیونکہ آپ فرما چکے ہیں کہ انبئہم اور اسمائہم میں جو ہم ضمیر ہے وہ فرشتوں کی طرف راجع ہے الخ اب اس کلام کے مہمل ہونے میں کیا شک باقی رہ گیا؟ (۴) انبئونی باسماء ہؤلاء کے یہ معنی ہوتے کہ اے قوای ملکوتیہ تم مجھ کو قوای ملکوتیہ ان چیزوں کی بتلا دو۔ اب ہؤلاء جو اسماء کا مضاف الیہ ہے وہ کیا چیز ہیں؟ (۵) جب آدم مجموعۂ قوای ہے تو اس کو اس کے قوای سکھلانے کے کیا معنی ہیں؟ پھر یہ قول وعلم آدم الاسماء کلہا محض بے معنی ہے (۶) جب فرشتے جزء آدم ٹھیرے اور اس کے قوای میں شمار کئے گئے تو پھر آپ کا یہ فرمانا کہ فرشتوں سے کہا گیا الخ محض بے معنی کلام ہے کیونکہ قوای کا امتحان کرنا اور پھر اُن قوای کا حال انہیں سے دریافت کرنا اور ان کا اپنی ذات کے علم سے عاجز آجانا جو علم حضوری ہے کہ جس سے کوئی ذی عقل محروم نہیں اور پھر آدمؑ سے اُس کے قوای کا حال دریافت کر کے پھر اسی کے قوئ کو ملامت کرنا اور الم اقل لکم انی اعلم کہنا اور قوای کا نحن نسبح بحمدک ونقدس لک کہنا ایک مجذوبوں کی بڑ ہے کہ جس کو کوئی ذی عقل پسند نہیں کرتا (۷) یہ آیت وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝ بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ ملائکہ آدمؑ کے وجود سے پیشتر تھے کیونکہ جب خدائے پاک نے یہ فرمایا کہ ہم زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنا چاہتے ہیں ملائکہ نے بوجہ اس بات کے کہ وہ سرشت آدمؑ سے واقف تھے یہ کہا کہ حضور ایسے شخص کو کہ جس کی سرشت میں فساد ہے اس کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں اور ہم جو حضور کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں ہم کو نہیں بناتے اس میں کیا مصلحت ہے؟ پھر خدا تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا اور ہر طرح کے علوم سے مشرف کر کے ملائکہ کے مقابلہ میں پیش کیا ملائکہ عاجز آکر اپنے قصور فہم کے معترف ہوتے۔ اس عنوانِ کلام سے جس کو ادنیٰ سلیقہ عبکر فہمی کا ہوگا جان جائے گا کہ ملائکہ آدمؑ کی قوای نہیں کیونکہ قوای کسی شخص کے اس کے وجود سے پیشتر نہیں ہوسکتے۔ دوم قوای خواہ زبانِ حال یا کلامِ فطرت سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم میں خیر ہے ہم کو خلیفہ بنائیے اور جس کا ہم جزء ہیں وہ مفسد ہے اس کو نہ بنائیے۔ کیونکہ آدمؑ کا مفسد ہونا اس کے قوای کا مفسد ہونا ہے اور آدمؑ کو خلیفہ بنانا اس کے قوای ملکوتیہ کا بنانا ہے۔ سوم وہ قوای ملکوتیہ کہ جس کی وجہ سے آدمؑ کو شرف ہے اور جو اس کی خلافت کا باعثِ اعظم ہے جب وہ آدمؑ سے بحیثیت غیریت علوم میں زائد نہ ہوسکیں اور کچھ بھی نہ بتا سکیں تو پھر زبانِ حال سے کیا خاک قوای ملکوتیہ نے استحقاقِ خلافت جتلایا؟ ؎ آدمؑ کے جب مقابل ہرگز نہ ہوسکے تو اے عقل بے حقیقت دیکھا کمال تیرا۔ اسی طرح اگلی آیات ہمارے بیان کے لئے شاہد عدل ہیں۔ **قولہ** ص۱۳ اس قصہ میں چار فریق بیان ہوتے ہیں ایک خدا تعالیٰ دوسرے فرشتے (یعنی قوای ملکوتی) تیسرے ابلیس یا شیطان (یعنی

قوائے بہیمی ہو چکے آدم (یعنے انسان جو مجموعہ اُن قوای کا ہے اور جس میں عورت و مرد دونوں شامل ہیں الخ - ذرا ان
چار باتوں کا خیال رہے۔ **قولہ** صـ۶۳ مقصود قصہ کا انسانی فطرت کی زبانِ حال سے انسان کی فطرت کا بیان کرنا ہے الخ
یعنی فطرت انسانی زبان حال سے اپنا دُکھڑا رو رہی ہے یہاں ایک بات اور آپ سے رہ گئی شاید دوبارہ جب آپ کی تفسیر
چھپے (خدانخواستہ) آپ اُس کی اصلاح کردیں یا آپ کے بعد کوئی آپ کا سجادہ نشین اس کو پُورا کردے وہ
یہ بات ہے کہ آپ نے یہاں چار فریق بتلائے۔ خدا تعالیٰ۔ آدمؑ۔ ملائکہ۔ شیطان۔ آدم۔ ملائکہ اور شیطان کی تو آپ
نے تاویلیں کردیں اور کچھ کا کچھ مراد لے لیا ہے مگر چوتھے فریق خدا تعالیٰ میں آپ نے کیوں تاویل نہ کی؟ یہاں بھی
دہر یا پر اکرتی کہدیتے سارا جھگڑا ہی مٹ جاتا۔ ؎ رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند۔ کوئی مصلحت ضرور ہے
کہ جس سے تاویل نہ کی اچھا آگے چلئے۔ **قولہ** خدا جو سب کا پیدا کرنے والا ہے گویا (یہ گویا اب کیا ہے) قوای ملکوتی
کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ میں ایک مخلوق یعنی انسان کثیف مادہ سے پیدا کرنے کو ہوں جو ہی میرا نائب ہونے کے
قابل ہے جب میں اس کو پیدا کر چکوں تو تم سب اس کو سجدہ کرنا الخ۔ یہاں آپ کی توجیہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی
ہے کہ آدمؑ سے پیشتر وہ قوای ملکوتی موجود تھیں کہ جن سے خدا تعالیٰ نے کلام کیا اور آدمؑ کے پیشتر اُن سے یہ فرمایا کہ جب
میں اُس کو پیدا کر چکوں تو اُس کو سجدہ کرنا۔ آپ انصاف سے فرمایئے کہ وہ قوائے ملکوتی آدمؑ کا جزو کیونکر ہو سکتی
ہیں۔ آدمؑ کی جملہ قوای خواہ ملکوتی یا بہیمی اُس کے پیدا ہونے کے بعد یا ساتھ اس میں ودیعت رکھی گئی تھیں نہ
کہ قبل پیدائش پس آپ کا جو تھا فریق کہ ملائکہ سے مراد قوای ملکوتی ہیں شیخ چلی کے گھر کی مانند بن بنا کر بگڑ گیا
یا نہیں؟ **قولہ** اس مقام پر مخاطبین کو اس بات کا کہ اس مخلوق میں قوای بہیمی ہوں گے عالم قرار دیا گیا ہے۔
(کیا ان مخاطبین کو یہ علم نہ تھا کہ اس مخلوق میں قوای ملکوتی بھی ہوں گے) اب وہ مخاطبین کون لوگ ہیں؟
آدمؑ تو بجمیع اجزائہ وقوائہ ہنوز پیدا ہی نہ ہوا تھا۔ **قولہ** اور بمقتضٰی فطرت اُن قوای کے اُنھوں نے کہا کہ
کیا تو ایسے کو خلیفہ کرے گا جو زمین پر فساد مچادے اور خون بہادے اور قوای ملکوتی نے اپنی فطرت اس طرح
بیان کی کہ ہم تو تیری ہی تعریف کرتے ہیں اور تجھ پاک کو یاد کرتے ہیں الخ مگر جس تقدیر پر کہ یہ قوای ملکوتی آدم کا جزو
ہیں تو کیا یہ جملہ اوصاف جو قوای ملکوتی کے ہیں حضرت آدمؑ کے اوصاف نہیں ہو سکتے! پھر یہ کہنا کہ ہم ایسے اور آدمؑ
ایسا اور ناحق کا تفوق ظاہر کرنا اُن قوای ملکوتی کی حماقت کی صریح دلیل ہے۔ آپ قوای ملکوتی کی تسبیح وتہلیل کے یہ
معنی کرتے ہیں: **قولہ** جو قوای جس کام کے لئے ہیں وہی کام کرتے ہیں کہ وہی ان کی تسبیح اور تقدیس ہے قوتِ نامیہ انما،
اور قوتِ ناطقہ نطق الخ کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتی الخ۔ جب تسبیح وتقدیس کے یہی معنی ہیں تو قوتِ بہیمی کہ جس کو آپ
شیطان کہتے ہیں وہ کیا تسبیح وتقدیس نہیں کرتی؟ کیا قوای بہیمی غضبیہ وشہویہ غضب وشہوت کے سوا اور
کچھ کر سکتی ہیں؟ اس صورت میں ان فرضی ملائکہ کی تسبیح وتقدیس میں خصوصیت دعوٰی بلا دلیل ہے اور ان کا
یہ قول نحن الخ کہ ہم ہی تیری تسبیح وتقدیس کرتے ہیں جھوٹا دعوٰی ہے۔ **قولہ** انسان کی فطرت کا مخاطبین پر فطری
تفوق ظاہر کرنے کو تمام کمالاتِ نفسانی وروحانی وحقائق ومعارف کو انسان کی فطرت میں ودیعت کرکے (ان تمام
کمالاتِ نفسانی وروحانی میں قوای ملکوتی بھی ضرور شامل ہیں کیونکہ بقولِ آپ کے یہ مجموعہ میں داخل اور ایک جزو ہیں)
جس کو تعلیم اسماء سے تعبیر کیا ہے انسان کو مخاطبین کے سامنے کیا۔ قوای ملکوتی تو اس وقت انسان میں جملہ

کمالات کی ودیعت رکھنے کی وجہ سے داخل ہیں پھر وہ مخاطبین کون لوگ ہیں؟ اب تو کہتے وہ فرشتے ہیں ورنہ فرمائیے اور کیا چیز ہے؟ **قولہ** کہ جو حقائق و معارف ان میں ہیں اُن کو بتلاؤ قوائے بسیطہ کی فطرت میں اوّل قوائے بسیط سے مراد اگر قوائے ملکوتی ہیں تو آپ نے وہ لفظ کیوں بدلا؟ دوم یہ کہنا اُس کا علم نہ تھا غلط ہے کیونکہ اگر قوائے ملکوتیہ کی فطرت میں انسان کی اندرونی چیزوں کا علم نہیں تو پھر وہ کونسے قوائے ہیں کہ جن سے علم و دانش حاصل ہوتا ہے؟ اور اگر کوئی اور چیز مراد ہے تو یہاں کلام چوتھے فریق ملائکہ میں نہ رہا یہ پانچواں فریق کہاں سے آگیا؟ قصہ میں اس کا نشان کسی آیت سے کیوں نہ دیا؟ **قولہ** پس گویا وہ بولے کہ ہم تو اُن کمالات کو نہیں جانتے وہ کمالات تو یہی قوائے ملکوتی ہیں کہ جن کو آپ ملائکہ کہتے ہیں پھر کیا وہ اپنے آپ کو بھی نہیں جانتے تھے؟ جب ان کو علمِ حضوری اپنی ذات و صفات کا نہ تھا تو ایسے جُہلا کو مخاطب بنانا اور اُن سے اسمائے کلیہ کا سوال کرنا اور حقائق الاشیاء دریافت کرنا خدا تعالیٰ کی شان سے نہایت بعید ہے۔ **قولہ** ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے بتایا ہے یعنی جس محدود فطرت پر پیدا کیا ہے اُس کے سوائے کچھ نہیں کر سکتے۔ آخر آپ کو تنگ آکر جاننے کے معنی کرنا بیان کرنا پڑا مگر یہ معنی آج تک کسی سے نہ سُنے تھے۔ **قولہ** مگر انسان کی زبانِ حال نے جس کی فطرت میں ادراک کلیات و جزئیات تھا مخاطبین کی حقیقت کو بتلا دیا۔ بڑا کمال کیا جو آپ نے حالات کو بتلا دیا وہ مخاطبین تو بقول آپ کے قوائے ملکوتی ہیں سو وہ آدم میں حاصل تھیں کیا اس بات سے آدم خلافت کا مستحق ہو گیا؟ آپ تو صفحہ ٥٦ میں یہ فرما چکے ہیں، اُن قوائے کو جو اسماء کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اس میں بڑا دقیقہ یہ ہے کہ انسان کسی چیز کی حقیقت و ماہیت کو نہیں جانتا جو کچھ وہ جانتا ہے وہ صرف اسماء ہی اسماء ہیں الخ۔ مگر اب آپ نے کیا سمجھ کر لکھ دیا کہ انسان نے مخاطبین کی حقیقت کو بتلا دیا۔ اب معلوم نہیں کہ آپ کی دونوں باتوں میں سے کونسی غلط ہے؟ **قولہ** ص٦٦ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے ان قوائے متضادہ کی جن سے انسان مرکب ہے اس طرح پر فطرت بنائی ہے (یہ لفظ فطرت آپ کو خوب رواں ہے) کہ قوائے ملکوتی اطاعت پذیر و فرمانبردار ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں الا قوائے بہیمیہ نہایت سرکش اور نافرمانبردار ہیں الخ ان کے سرکش ہونے کو کبھی تو ان لفظوں سے بیان کیا ہے کہ ابلیس نے سجدہ نہیں کیا کہیں یوں فرمایا ہے کہ اس کافر نے غرور کیا الخ آپ نے ابھی تو یہ فرمایا تھا کہ خدا نے قوائے ملکوتی کو مخاطب کر کے فرمایا جب میں اس کو پیدا کر چکوں تو تم سب اس کو سجدہ کرنا۔ اب یہ قابلیت رکھنا چہ معنی دارد؟ بلکہ صاف یوں فرمائیے کہ قوائے ملکوتی نے اطاعت کی اور بہیمیہ نے نہ کی علاوہ اس کے قرآن مجید خود کہہ رہا ہے: فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ میدانِ سخن چھوڑ کر گریز کیوں کرتے جاتے ہو۔ قرآن کے الفاظ کے بموجب تاویل کیجئے۔ شیطان کا آگ سے پیدا ہونا چونکہ قرآن مجید میں مذکور تھا اور وہ معنی قوائے بہیمیہ پر صادق نہیں آسکتے تھے لہٰذا آپ کو اس کی تاویل کی بھی ضرورت پڑی۔ پس فرماتے ہیں **قولہ** ص٦٧ قوائے بہیمیہ کو جن کا مبدء حرارتِ غریزی و حرارتِ خارجی ہے آگ سے مخلوق ہونا بیان کرنا ٹھیک ٹھیک ان کی فطرت کا بتلانا ہے اچھی فطرت بتلائی کیا قوائے ملکوتی کا مبدء حرارتِ غریزی نہیں اور یہ بات ہماری سمجھ میں نہ آئی کہ حرارتِ خارجی جیسا کہ دھوپ اور آگ اور حرکت کو لازم ہے وہ انسان کی قوائے بہیمیہ کا کیونکر مبدء ہے؟ اب فرق بتلائیے کہ جس صورت میں قوائے ملکوتیہ و قوائے بہیمیہ دونوں کا مبدء انسان کی حرارتِ غریزی ہے پھر قوتِ بہیمیہ کا یہ کہنا کہ

خلقتنی من نار و خلقتہ من طین، کن معنی پر محمول ہو سکتا ہے؟ اور جب کہ قوتِ بہیمیّہ یہ تفاخر آدم کی نسبت کرتی ہے تب تو اُس کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کیونکہ وہ جزء آدم ہے اگر وہ آگ سے پیدا ہوئی ہے خواہ وہ کیسی ہی آگ ہو تو وہ کل جس کا نام انسان ہے وہ بھی فی الجملہ آگ سے پیدا ہوا ہے کیونکہ جزء کُل کی حقیقت میں داخل ہے البتہ یہ تفاخر اگر ملائکہ پر کرتی (حالانکہ یہ بھی صحیح نہیں کما مرّ) تو کرتی۔ **قولہ** پھر جو فطرتی تضاد ان دونوں قسم کے قوای میں ہے اس کے اظہار کے لئے قوئی بہیمیہ کو بطور ایک سخت دشمن کے قرار دیا ہے اور اُس کی زبانِ حال سے اس کی فطرت بیان کی ہے کہ میں ہمیشہ جب تک انسان زندہ ہے یا قیامت تک یعنی جب تک کہ اُس کی اولاد رہیگی (اس یعنی سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت بھی آپ کے نزدیک مسلّم نہیں) اس کو بہکاتا رہوں گا الخ پھر خدا تعالیٰ نیک آدمیوں کی فطرت کو اور اُس کے دشمن کے فریب میں نہ آنے والوں کے فطرتی نتیجہ کو بتلاتا ہے الخ مگر نیک آدمیوں پر تیرا قابو نہ ہوگا پھر وہ کون سے نیک ہیں کہ جن پر شیطان کا قابو نہ چلا اور وہ جنت سے نہ نکالے گئے حالانکہ آپ کی تاویل کے موجب جنسِ انسان پر اس کا قابو چلا کیونکہ آدمؑ سے مراد آپ کے نزدیک جنس ہے سو اُس کو تو شیطان نے بہکایا اور پھر وہ اس گناہ سے جنّت سے (خواہ جنّت کے کوئی معنی آپ لیجئے) نکالا گیا اور آپ کے اس بیان کے موجب نیک لوگ اس سے آزاد رہنے چاہئیں۔ **قولہ** ص۶۷ اور دونوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ پہلے بہشت میں چین کریں گے اور دوسرے دوزخ میں بھرے جاویں گے۔ دونوں سے مراد قوائی بہیمیہ و ملکیہ کے تابع لینا اور جہنم میں خاص قوای بہیمیہ کے تابع لوگوں کا داخل کرنا اور شیطان کو چھوڑ دینا قرآن کے نص کے بالکل خلاف ہے قرآن مجید میں تصریح ہے: لَاَمۡلَئَنَّ جَہَنَّمَ مِنۡکَ وَ مِمَّنۡ تَبِعَکَ الآیہ، کہ شیطان اور اس کے تبعین جہنم میں داخل ہوں گے۔ پس جب شیطان سے آپ نے قوّتِ بہیمیّہ مراد لی اور ہر انسان کا جزء اُس کو قرار دیا تو لازم آیا کہ ہر انسان جہنم میں جاوے گا کیونکہ تنہا اُس کا ایک جزء قوّتِ بہیمیّہ جو عرض قائم بالغیر ہے بے محل کے جہنم میں جا ہی نہیں سکتا حالانکہ نہ اُس کے آپ قائل ہیں نہ کوئی اور کہ انسان جہنم میں رہے گا۔ یہاں جب آپ سے کوئی تاویل ہی نہ ہو سکی تو اس کو چھوڑ کر چل دیتے تھے مگر ہم کب جانے دیتے ہیں۔ علاوہ اس کے شیطان کے لئے فَاخۡرُجۡ مِنۡہَا فرمایا ہے کہ جنّت سے نکل جا اس کی کیا تاویل کیجیئے گا! اب فرمایئے قوای بہیمیّہ کہاں سے نکالی گئی ہیں؟ جب آپ اس قصہ سے فارغ ہوئے تو حضرت آدمؑ کا اور شیطان کا جو جنّت سے نکالا جانا مذکور ہے اُس کی تاویل کے درپے ہوئے مگر ذرا سوچ سمجھ کر تاویل کرنا۔

ع سمجھ کے رکھیو قدم دشتِ خار پر مجنوں ۔ کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے ♦ **قولہ** ص۶۸ اس کے بعد خدا تعالےٰ نے انسان کی زندگی کے دونوں حصوں کو بتایا ہے پہلے حصّے کو یعنی جب کہ انسان غیر مکلّف اور تمام قیود سے مبرّا ہوتا ہے بہشت میں رہنے اور چین کرنے اور میووں کے کھاتے رہنے سے تعبیر کیا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک جنّت اسی کا نام ہے۔ اور جنّتِ الٰہی آپ کے نزدیک اہلِ اسلام کے خیالات ہیں۔ مگر ہم کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ تمام قیود سے مبرّا رہنے کے کیا معنے ہیں! اگر یہ مراد ہے کہ زمانہ بے عقلی اور نابالغی تو اہلِ عقل و ادراک کے نزدیک یہ نہایت پستی کا زمانہ ہے کہ اس وقت میں نفس کمالاتِ علمیہ و عملیہ سے خالی بلکہ عقلِ ہیولانی کے مرتبہ میں ہوتا ہے اس زمانہ کو جنّت کہنا سیدسے لوگوں کا کام ہے۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ بالغ ہونے کے بعد بے قید ہو کر چین کرنا اور دل کھول کر شہوت رانی کرنا جنّت ہے کہ بعض شعراء جنت باندھتے ہیں تو یہ ناپاک لوگوں کی جنّت ہے،

ف
تمام قیود سے مبرّا ہونا بہشت ہے

انھیں کو مبارک رہے اور تیسرے معنی غیر مکلف اور تمام قیود سے مبرّا رہنے کی بحکم المعنے فی بطن الشاعر آپ کے ہی ذہن میں ہوں تو ہوں۔ **قولہ** اور جب دوسرا حصہ اس کی زندگی کا شروع ہونے والا ہے تو اس کے قدیم دشمن کو پھر آیا ہے جس نے اس کو بہکاکر درخت ممنوعہ (بلکہ ممنوع) کو کھلایا ہے یہ نہ فرمایا کہ وہ درخت ممنوعہ کیا چیز ہے؛ اور نہ دشمن قدیم کے پھر آنے کے معنے معلوم ہوتے۔ دشمن قدیم تو شیطان ہے اور وہ آپ کے نزدیک قوٰی بہیمیہ ہیں اب اس کے پھر آنے کے کیا معنے کیا وقت ولادت قوت بہیمیہ تھی اور درمیانی عرصہ میں کہیں چلی گئی تھی رشد اور عقل کے زمانہ میں پھر آگئی؛ وفسادہٗ مالا یخفےٰ! علاوہ اس کے دوسرا حصّہ زندگی کا ذکر جس کو اپنے ذہن میں آپ نے دو نظر ٹھیرایا ہے) آپ کے نزدیک یہ ہے: **قولہ** یہ وہ حصّہ انسان کی زندگی کا ہے جب کہ رشد ہوتا ہے اور عقل وتمیز کے درخت کا پھل کھاکر مکلف اور اپنے تمام اقوال وافعال وحرکات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ پس اس حصّہ میں کہ عقل وتمیز کا حصّہ ہے دشمن قدیم کے آنے کی کیا طاقت ہے۔ حکمار کا قول ہے کہ عقل اور شہوت وغضب باہم ایک دوسرے کی ضد ہے اور اگر آپ کی یہ بھی مراد تسلیم کی جاوے کہ وقت بلوغ مراد ہے کہ جس میں شہوت زور کرتی ہے اور قوائے بہیمیہ غالب ہوجایا کرتی ہیں تو پھر آنے کے کیا معنے؛ یہ زمانہ پہلے کہاں تھا جو دوبارہ آنا کہا جاوے؛ معلوم ہوا کہ درخت ممنوع آپ کے نزدیک عقل وتمیز ورشد کا درخت ہے اس تقدیر پر یہ مشکل پیش آئے گی کہ یہ ممنوع نہیں ہوسکتا بلکہ عقل وتمیز ورشد انسان کے لئے مقصود اصلی ہے اور اسی کو آپ فطرت اور نیچر کہتے ہیں۔ یہ ممنوع کیا بلکہ مامور بہ ہے پھر یہ بھی سہی مگر اس درخت کو شیطان (قوای بہیمیہ) نے کیونکر بہکاکر کھلوایا بلکہ یہ تو خدا تعالےٰ نے اپنی عنایت خاص سے مرحمت فرمایا علاوہ اس کے اس درخت کے کھانے سے پیشتر تو شیطانی قوای بہیمیہ کا وجود بھی نہ تھا بلکہ اُس کے بعد۔ پھر شیطان کیونکر کھلواسکتا ہے؛ ؎ بات وہ مُنہ سے کہی ہے کہ بنائے نہ بنے؛ بوجھ وہ سر پہ لیا ہے کہ اُٹھائے نہ بنے؛ **قولہ** اخیر کو نہایت عمدگی سے اس کا خاتمہ بیان کیا ہے کہ تم سب نکل جاؤ (یہ تو کہو کہاں سے) اور جاکر زمین پر رہو۔ یہاں تو آپ نے صاف اقرار کرلیا کہ آدمؑ جنت سے نکالے گئے ورنہ آپ زمین اور جنّت کی بھی کچھ تاویل کرتے۔ **قولہ** ص۶۹ تمہاری بدیوں کا علاج بھی وہیں ہے۔ وہ بدی انسان نے بجز درخت عقل کے پھل کھانے کے کیا تھی؛ جس سے وہ توبہ کریں، خدا تم سے پکّا اقرار کرنا کہ پھر نہ کریں گے اور پھر مت کرنا الخ۔ حضرت سلامت وہ گناہ تو آپ کے نزدیک عقل کے درخت کا پھل کھانا ہے پھر اس سے توبہ کے یہ معنی کہ آئندہ عقل کی بات نہ کریں گے ہمیشہ بے قید ہوکر چین کریں گے۔ کیا عمدہ تاویل اس قصہ کی فرمائی ہے کہ جس کو اصل قصہ سے ذرا بھی لگاؤ نہیں۔ تھوڑی دیر انصاف سے غور کرکے دیکھئے انشاء اللہ آپ اپنی تاویل پر نادم ہوجائیں گے۔ اب آپ کا یہ قول: **قولہ** ص۵۸ تین لفظ اس قصہ میں اور ہیں جنت شجر ہبوط (آپ نے تو ان کی کچھ بھی تاویل نہ کی مقطع کلام کو دھم سے زمین پر دے مارا)۔ علمار اسلام نے اس کے بیان میں عجب باتیں کی ہیں جو لوگ کہ صرف لفظوں ہی پر چلتے ہیں اُنھوں نے تو جنت کو ایک خیالی بہشت عالم بالا پر مان لیا (آپ کے نزدیک تو جنّت بے قید ہوکر چین کرنا ہے) اور درخت سے بھی سچ مچ کا کوئی درخت گیہوں کا یا انگور کا یا انجیر کا مان لیا اور ہبوط سے عالم بالا سے زمین پر گرنا (آپ نے بھی تو آخر الامر یہی مانا) توریت میں بھی یہی ہے الخ، آپ کی ہٹ دھرمی پر دلالت کرتا ہے یا نہیں؛ **قولہ** ص۵۸ بہت سے علمار اسلام نے جن کو اس قسم کے

قصص میں یہودیوں کی پیروی کرنے کی عادت پڑ گئی ان کی پیروی کر کے اُنھوں نے کہا کہ یہ جنت زمین پر تھی الخ جناب وہ بہت سے علماء اسلام کیا خاک تھے دس بیس معتزلہ تھے ان کو بقول آپ کے یہود کی پیروی کرنے کی عادت تھی جس طرح کہ آپ کو یورپ کے لا مذہبوں اور دہریوں کی پیروی کرنے کی عادت ہے پس جس طرح کہ اُنھوں نے خلاف اہلِ سنت یہود کی تقلید سے جنّت کو دنیا میں پھر کبھی رجمًا بالغیب کرمان کبھی فلسطین میں قرار دیا آپ نے دہریوں کی تقلید میں آکر سرے سے جنّت ہی کا انکار کر دیا جس طرح یورپ میں بعض دہریوں نے تورات و انجیل کی تفسیر لکھ کر اپنے الحاد کو زور دیا ہے اور قرآن کی تفسیر لکھ کر اپنے آزادانہ خیالات کو ظاہر کیا ہے طابق النعل بالنعل ؛

---

فصل چہارم جنّت و دوزخ کے بیان میں

**فصل چہارم** ۔ یہ بات بھی فطری الیقین ہے کہ ہر چیز پر بالخصوص انسان کے ہر ایک فعلِ ارادی پر ایک خاص اثر مرتب ہوتا ہے کہ جس کو جزاء کہتے ہیں آگ کی صورتِ نوعیہ کا مقتضی گرمی اور پانی کی صورت کا اثر خنکی ہے جو شخص کر سنکھیا کھائے گا ضرور ہے کہ اُس کو حرارت و یبوست بافراط عارض ہو گی نمک کھانے کے بعد زبان پر نمکینی اور مٹھاس کے بعد شیرینی ضرور پیدا ہو گی۔ اسی طرح انسان کے عمل کا ایک اثر خاص ہے ہر نیک یا بد کام کرنے کے بعد اس کا رنگ[1] انسان کی روح پر جمتا ہے اور عالمِ مثال[2] میں وہ اپنی مناسب کسی صورت میں متشکل ہوتا ہے اور قیامت تک اور بعد اُس کے جو کچھ صورتیں بنا کے وہ عمل ظاہر ہو گا وہ سب باتیں اس عمل میں بالقوہ اس وقت موجود ہوتی ہیں جس طرح کہ درخت کے تخم میں پھول و پھل و پتے شاخیں تمام بالقوہ موجود ہوتی ہیں اور آنًا فانًا وہ سب ظاہر ہوتی ہیں جس طرح کہ درخت کے وہ حالات جو کہ اُس تخم سے برآمد ہونے میں خیالی نہیں اسی طرح اعمال کا اپنی مناسب صورتوں میں ظاہر ہونا بھی خیالی باتیں نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اوّل ہر چیز کی اصل عالمِ مثال میں پیدا ہو جاتی ہے پھر اس عالمِ حِس میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اسی کا ظل اور اسی کے مطابق ظاہر ہوتا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ مؤثر اور متأثر میں مناسبت ہونی چاہیئے پس باری تعالیٰ کا اثر اولی سلسلۂ موجودات ہے اور اسی جگہ سے اہلِ تحقیق نے تنزلاتِ ستہ قرار دیئے ہیں کہ اوّل مرتبہ ذات بحت پھر مرتبہ صفات ان ینتھی الی المحسوسات ؛ الغرض یہ محسوس چیزیں وہیں کے اظلال و آثار ہیں اور اسی لئے جو بات کہ عالمِ ظہور میں آنے والی ہوتی ہے کبھی ظاہر ہونے سے پہلے خواب میں یا کبھی اصحابِ نفوسِ قدسیہ کو حالت بیداری میں اصلی صورت[3] پر دکھائی دے جاتی ہے۔ اور کبھی عالم بے ہوشی یا غشی یا نزعِ روح کے وقت جب کہ رُوح

---

[1] چنانچہ اس حدیث میں ذکر جب انسان بدی کرتا ہے تو ایک نقطہ اُس کے دل پر ہو جاتا ہے پھر وہ تمام دل کو گھیر لیتا ہے (الحدیث)، اسی طرف اشارہ ہے۔ منہ [2] چنانچہ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ جب کوئی صدقہ دیتا ہے تو اُس کو خدا تعالیٰ اس طرح پالتا ہے کہ جس طرح کوئی اُونٹ یا گھوڑے کے بچہ کو پالتا ہے پھر قیامت کو اُحد پہاڑ کی مانند بنا کر لا دے گا رواہ البخاری۔ منہ ، اور مال غیر مزکی کا قیامت میں سانپ بن کر انا کنزک انا مالک کہنا کما فی صحیح البخاری اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ منہ [3] وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے لوح اور قلم کو پیدا کر کے حکم دیا کہ لکھ اُس نے عرض کیا کہ کیا لکھوں ؟ ارشاد ہوا کہ جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب لکھ۔ اس سے اسی طرف اشارہ ہے کہ اس عالم کی کل چیزیں یہاں ظاہر ہونے سے پیشتر جو کچھ کائن ہیں الی یوم القیامہ (باقی صفحہ ۶۵ پر)

کی توجہ جسم سے کم ہو جاتی ہے اور عالم بالا کی طرف رجوع کرتی ہے تو وہاں کی چیزیں اُس کے آئینۂ دل پر منعکس ہو جاتی ہیں۔ عمل مسمریزم اور مراقبہ اہلِ تصوف میں بھی اسی لئے انکشاف مغیبات ہو جاتا ہے۔ **حاصل** کلام یہ ہے کہ بعض آیات اور بہت سی احادیثِ صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس عالم عنصری کے سوائے ایک اور عالم ہے کہ جس میں اعمال و اقوال وغیرہا اشیاء اپنی مناسب ایک صورتِ خاص میں متشکل ہوتے ہیں اور اس عالم میں پیشتر اشیاء موجودہ ہو چکتی ہیں تب اس عالم عنصری میں اُسی کے مطابق ظاہر ہوتی ہیں اور بہت سی چیزیں اس عالم میں یہاں سے نقل کر جاتی ہیں۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز سورۂ بقرہ اور آلِ عمران بادل کی صورت میں ظاہر ہو کر اپنے قاری کے حق میں شفاعت کریں گی۔ اور فرمایا کہ قیامت کے روز اعمال حاضر کئے جاویں گے نماز پھر زکوٰۃ پھر روزے آویں گے۔ اور فرمایا کہ قیامت کے دن دنیا کو بڑھیا کی شکل میں لاویں گے۔ اور فرمایا کہ شبِ معراج میں مجھ کو چار نہریں نظر آئیں دو ظاہر میں اور دو باطن میں جاری تھیں۔ پس میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا تو بتلایا کہ یہ باطن کی دو نہریں جنت میں بہتی ہیں اور یہ ظاہری دو نہر نیل اور فرات ہیں۔ اور حدیث صلوٰۃ کسوف میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دوزخ اور جنت مجھ کو دکھائی گئی اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ مصلّی اور محراب کے درمیان جنت دکھائی دی اور آپؐ نے ہاتھ بڑھایا کہ اس کا ایک خوشہ لیویں۔ اور فرمایا کہ قیامت کے روز موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر لوگوں کے روبرو ذبح کر دیا جائے گا اور اسی طرح اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا کہ جبرئیلؑ حضرت مریمؑ کو آدمی کی صورت میں نظر آئے۔ اور حدیث میں ہے کہ جبرئیلؑ حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھائی دیتے تھے اور آپؐ سے کلام کرتے تھے مگر اور کسی کو دکھائی نہ دیتے تھے اور فرمایا کہ موت کے وقت ہر شخص کو ملائکہ نظر آتے ہیں اُن کے ہاتھ میں حریر یا ٹاٹ ہوتا ہے۔ اور قبر میں میّت کو ملائکہ دکھائی دیتے ہیں اور سوال کرتے ہیں۔ اور انسان کے اعمال متشکل ہو کر سامنے آتے ہیں۔ علاوہ ان کے اور بیشمار صحیح احادیث اس بارہ میں وارد ہیں چنانچہ کتب صحاح ستّہ وغیرہا ان امور کے ذکر سے مالامال ہیں **پس** جب یہ ثابت ہو چکا تو انسان کی جزا و سزاء اُخروی کی یہ صورت ہے کہ جب انسان لباس جسمانی اُتارتا ہے تو اُس کے اعمال اچھی یا بری صورتوں میں آکر دکھائی دیتے ہیں پھر جب جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو حظیرۂ قدس میں روحِ اعظم کی طرف اس طرح کھینچ کر جاتا ہے کہ جیسا لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے اور اس حظیرۂ قدس کو **علّیین** بھی کہتے ہیں پس وہاں اس کی ملائکہ مقربین اور ارواحِ طیّبین سے ملاقات ہوتی ہے اور اُس کی جسمانی باتیں مٹ جاتی ہیں اور

(بقیہ حاشیہ ص۶۴) سب کو ہستی میں لایا پھر اسی کے مطابق یہاں ہو رہا ہے اور جو کچھ ہو چکتا ہے پھر اُسی عالم میں جا کر قرار پاتا ہے اور وہ عالم کہیں آسمان و زمین پر کسی خاص جگہ نہیں بلکہ اس عالم حسّی کا دوسرا پہلو ہے تا اور آپ لوح کو کوئی تختی اور قلم کو بھی واسطی قلم نہ سمجھئے گا۔ اور اسی جگہ تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہوا کہ جو کچھ ظاہر ہونے والا ہے وہ ہو چکا اُسی کے مطابق ظاہر ہو کر رہے گا بندہ محض کاسب یا سبب ہے کہ جس کی وجہ سے ثواب و عقاب مدح و ذم کا مستحق ہوتا ہے۔ منہ

اُس کے اعمال و اِدراکات واخلاص نہایت عمدہ صورتوں[1] میں اُس کو دکھلاتے جاتے ہیں جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں اور اُس کی خواہش کے موافق نعمائے الٰہی اُس کے لئے متشکل ہوجاتی ہیں اور جو بد شخص ہے تو اُس کے اعمال منکر نکیر کی نہایت بُری شکل میں اُس کو عذاب کرتے ہیں اُس کا بُخل اور شہوت اور دیگر اخلاقِ رذیلہ سانپ بچھو کی صورت میں ظاہر ہوکر ڈستے ہیں اُس پر گرز پڑتے ہیں اور طبقہ ظلمانی میں کہ جس کو سجّین کہتے ہیں اُس کو محبوس کیا جاتا ہے اور یہ وہاں اپنی ناز یبا باتوں سے نہایت رنج اُٹھاتا رہتا ہے اور اس سجّین اور علیّین کو عالم قبر کہتے ہیں۔ اگر آپ کو قبر کے ثواب و عذاب کا سِرّ اچھی طرح معلوم نہ ہوا تو آپ کے لئے اس عالم میں خواب کی نظیر پیش کرتا ہوں صفراوی المزاج خواب میں گرمی اور آگ دیکھتا ہے اور گویا آگ اُس کو جلاتی ہے اور وہ اُس عالم میں بڑی تکلیف پاتا ہے بلکہ بعض کی چیخ نکل جاتی ہے اور رونے کا اثر آنکھوں میں آنسو پاتا ہے اور بیداری میں بھی بدن کانپتا رہتا ہے اور اسی طرح بلغمی المزاج دریا اور ہوا سرد دیکھتا اور اُس سے تکلیف پاتا ہے۔ اور درندہ سیرت خواب میں درندے کو دیکھتا ہے۔ المختصر اُس کی کیفیات متشکل ہوکر خواب میں دکھائی دیتی ہیں اور اس عالم خواب میں وہ چیزیں اصلی طور پر اثر پہنچاتی ہیں لٰ[2] اُن کو خیالی باتیں جو ہم کہتے ہیں تو اس حالتِ بیداری میں کہتے ہیں اگر عالم بیداری نہ ہوتا تو یہ راز نہ کُھلتا نہ کبھی اُن کو خیالی باتیں کہا جاتا پس اسی طرح عالم مثال ہے کہ یہ کیفیات وہاں متمثل ہوتی ہیں وہ بھی گویا ایک عالم خواب ہے صرف یہ فرق ہے کہ اُس سے حشر تک بیداری نہیں ہوتی۔ **دوم** وہاں اس قدر جسمانی تعلق باقی نہیں رہتا گو کسی قدر جسم کا اثر کچھ مدت باقی رہتا ہے۔ اس عالم برزخ میں لوگوں کے مختلف حال ہیں اکثر اُن لوگوں کو (کہ جن کا جسم سے نہایت تعلق ہے اور وہ جسم اور رُوح کو ایک ہی سمجھتے ہیں جسم کا کوئی عضو کٹنا اپنا عضو کٹنا سمجھتے ہیں) تو یہی صورت پیش آتی ہے۔ اور بعض لوگ جن کی قوتِ بہیمیہ اور ملکیہ دونوں ضعیف ہیں لیکن ملکیہ میں بہیمیہ کا اثر نہیں پہنچا اور اُن میں ملائکہ سافلہ سے مل جانے کی بڑی قابلیت ہوتی ہے تو وہ بعد مُردن ملائکہ سافلہ میں جا ملتے ہیں اور انھیں کے سے کام کرتے ہیں۔ اور ایک نوع سے دوسرے نوع میں منتقل ہوجانا اس عالم حس میں بھی مشاہد ہے پانی کے کیڑوں کا چھلکا اُتار کر مچھر بن جانا بہت بار تجربہ سے معلوم ہوا ہے۔ اور بعض لوگ کہ جن کے قوائے بہیمیہ مغلوب اور قوتِ ملکیہ نہایت علو پر ہوتی ہے وہ ملائکہ عالیہ میں جا ملتے ہیں اور یہ حدیث کہ جس میں آنحضرت علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے جعفر رضؓ کو جنّت میں ملائکہ کے ساتھ اُڑتے دیکھا، اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ لوگ کبھی خدا کی جماعت کو مدد اور اُس کے اعداء کو ہزیمت بھی دے جاتے ہیں۔ بعض اہلِ بصیرت کا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام وصحابۂ کرام رضؓ کو بعض مواقع میں تشریف لاتے دیکھنا بھی اسی سے مطلع کرتا ہے اور جن کے رُوحِ ہوائی (جو رُوحِ حقیقی کا مرکب ہے) نہایت قوی ہوتی ہے تو وہ لوگ مرنے کے بعد مقتضی صورتِ نوعیہ کے موجب طعام لذیذہ اور بعض لذات و شہوات کی خواہش بھی کرتے ہیں تو اُن کی خواہش پوری کی جاتی ہے

[1] پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس عالم کی چیزوں کو بالکل اسی عالم کی چیزوں پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔ حقانی

[2] بعض ننگ نوخ مغز کرسٹانوں نے اس پر طعن کیا ہے اور اس کو اسلام کے حق میں دھبّہ سمجھا ہے مگر اُن کو (باقی صفحہ ۲ پر)

چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ اور بعض لوگ کہ جن کی نورانیت نہایت غالب ہوتی ہے اُن کا اس عالم سے نہایت تعلق رہتا ہے جیساکہ انبیاء علیہم السلام بلکہ وہ نورانیت اُن کے جسم اطہر پر سرایت کرجاتی ہے اس لئے وہ گلتا سڑتا نہیں اور اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ میں نے موسیٰؑ کو نماز پڑھتے اور یونسؑ کو لبیک کہتے دیکھا۔ اسی لحاظ سے انبیاءؑ کے لئے بعد موت کے حیات ثابت کی جاتی ہے اور حیات النبی مشہور بین الجمہور ہے۔ اور بعض لوگ کہ جن کی قوتِ بہیمیہ نہایت غالب ہے اور اُن کی ملکیہ قوت بالکل مستور و مقہور ہے تو وہ بعد موت کے اپنی قابلیت اصلیہ یا کسبیہ سے شیاطین میں جا ملتے ہیں۔ الغرض ایک مدت تک عالم برزخ میں یہ چیزیں متشکل ہو کر نظر آتی ہیں اور ہر شخص کا ایک خاص حال ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ تمام عالم حسّی فنا ہوجاتے گا یعنی کثافت کی چادر اُتار کر لطیف و نورانی بن جائے گا کہ جس کو عالم حشر یا روزِ قیامت کہتے ہیں تب اُن متشکل چیزوں کے دیکھنے میں سب مساوی ہوں گے۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ حشر اجساد نئی زندگانی نہیں ورنہ پھر کوئی شخص اپنے اعمالِ سابقہ کی جزاء و سزا نہ پاوے بلکہ یہ پہلی زندگانی کا تتمہ اور تکملہ ہے پس جب نفوس مبعوث ہوں گے تو اُن کا بخل اور تکبر کسی بُری شکل میں ظاہر ہو کے اُن کی پُشت پر سوار ہوگا اور نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ اور حساب یسیر یا عسیر لیا جاوے گا۔ اور شریعت پُل صراط کی شکل میں ظاہر ہوگی اور جو لوگ اُس پر دنیا میں جس طرح چلتے تھے اسی طرح وہاں اس پر چلیں گے۔ پُورا پورا عمل کرنے والے خلوص والے برق کی طرح پار ہوجاویں گے۔ اور پھر درجہ بدرجہ۔ اور شرع میں قصور کرنے والے اور فطرت کے برخلاف چلنے والے اُس پر نہ چل سکیں گے کٹ کر گر پڑیں گے۔ اور خلوص قلب وہاں نور بن کر ظاہر ہوگا اور اعمال صالحہ سواری بن جائیں گے چنانچہ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے قال النبی علیہ السلام سمّنوا ضحایاکم فانہا علی الصراط مطایاکم ۔ کہ اپنی قربانیوں کو فربہ کرو کس لئے کہ وہ پُل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔ اور اسی طرح آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوتِ عامہ حوضِ کوثر کی صورت میں ظاہر ہوگی جس نے یہاں اس سے کچھ فیض اُٹھایا وہ وہاں بھی اُس سے سیرابی حاصل کرے گا۔ اور فطرت و شریعت پر استقامت ترازوِ عمل ہوجاوے گی۔ اور اسی طرح قرآن اور رمضان وغیرہ اشیاء اپنی اپنی صورتوں میں ظاہر

(بقیہ حاشیہ ص۶۶) نہ ان اسرار سمجھنے کی لیاقت ہے جو یہاں اور دیگر مواقع میں بیان ہوئے ہیں نہ قرآنِ مجید کی اُن آیات کا علم ہے کہ جہاں انار اور انگور اور حور و قصور سیکڑوں جسمانی ثمار ملنے کا وعدہ ہے نہ انجیلِ متّی کے اُس فقرہ پر دھیان ہے کہ جہاں اُس عالم میں انگور کا شیرہ پینا آیا ہے آنکھ بند کر کے اعتراض کر دینا اپنی مشیخت سمجھتے ہیں اپنے جہل موروثی سے ناچار ہیں۔ ابوالحسن حقانی۔ یہ بار بار بیان کر دیا کہ وہ عالم جس میں نعمات ہیں اس عالم سے جس میں ہم ہیں قدیم ہے لہٰذا وہ نعمات اصل ہیں کیا ہیں اس کو اس عالم میں کما ہو ہو ادراک نہیں کر سکتے البتہ اگر اس عالم میں رفع حجاب ہو اور وہ نعمات مشاہد ہوں تو وہاں کے انگوروں کی صورت ہمارے انگوروں کی صورتِ جسمیہ کے موافق ہوگی لیکن اس کی حالت اس عالم میں معلوم نہیں ہوسکتی اس لئے اس پر اعتراض ہی غلط ہے۔ حقانی۔

ہوں گی۔ اور ملائکہ بھی عالم حشر اور برزخ میں عذاب و ثواب پر مؤکل کئے جاویں گے اور وہاں ہر شخص کو دکھائی دیں گے۔ اور اسی طرح رحمتِ الٰہی اور نعمتِ غیر متناہی جنّت کی شکل میں ظہور کرے گی بلکہ اب بھی متشکل ہے۔ حور عین اور عمدہ مکانات اور انار اور انگور اور غلمان اور نہایت عمدہ ظروف کہ جن کو چاندی سونے کا اور کبھی یاقوت و موتی کا شرعؐ نے بتایا ہے اور قرآن و احادیث میں اُن کو بندوں کے محاورے کے موافق اس عالم کی عمدہ چیزوں کے ساتھ تشبیہ دے کر متعدد جگہ طرح طرح کے عنوانوں سے بیان فرمایا ہے وہ سب[ل] نعمائے الٰہی اور بندوں کی خواہش متمثل ہوں گے۔ بلکہ ہر شخص کی خواہش کبھی حور اور کبھی انار اور کبھی یاقوت و زمرد کے مکانات کی صورت میں ظہور کرے گی بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ حضرتؐ نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک حُور گندم گوں سُرخ لب دیکھی جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ کہا جعفر بن ابی طالبؓ کی ایسی عورت سے نہایت رغبت تھی خدا تعالیٰ نے دیکھی تو اس کو . . . . اس شکل میں ظاہر کر دیا۔ اسی طرح ہر روز ہر ایک نعمت الٰہی نئی صورت میں ظہور کرے گی۔ اور وہاں کے آفتاب و ماہتاب بھی یہ آفتاب و ماہتاب نہ ہوں گے نہ یہ زمین وہاں کی زمین ہوگی نہ یہ آسمان وہاں کا آسمان ہوگا، کما قال تعالےٰ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا ۝ کہ وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں گے نہ سخت سردی؛ وقال يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ کہ آسمان و زمین اُس روز بدل جاویں گے۔ اس لئے کہ یہ عالم جسمانی کہ جس کے قوٰی محدود ہیں ہمیشہ کے لئے باقی نہیں رہ سکتا پس ایک روز یہ تمام عالم جسمانی زمین و آسمان پہاڑ و دریا چاند و سورج فنا ہو جاویں گے اور یہ سب کے سب اُس عالم میں جا کر اپنی موافق صورتوں میں ظہور کریں گے کیونکہ اُس عالم سے یہاں یہ چیزیں آتی ہیں اور پھر وہیں چلی جاتی ہیں جس طرح کوئی مچھلی دریا میں ظاہر غوطہ لگا جاوے۔ شاید جو لوگ بروز اور کمون کے قائل ہیں اسی لئے قائل ہوتے ہیں۔ قال تعالیٰ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ۝ یعنے ہر چیز ہمارے پاس لوٹ آتی ہے۔ رجوع میں یہ بات ضرور ہے کہ جہاں سے ابتداء ہو اسی کی طرف انتہاء ہو۔ پس جس طرح یہ عالم حرکت تدریجیہ کے ساتھ اُس سے ظہور کرتا ہے کہ اول مرتبہ ذات بحت پھر ذرا تفصیل بحالت تجرد پھر ظہور عالم حسّی اسی طرح عالم حسّی سے لوٹ کر ہر چیز پھر عالم ملکوت کی طرف رجوع کرتے کرتے اس کے پاس جا پہنچتی ہے۔ اس نکتہ کے بیان کی یہاں زیادہ گنجائش نہیں۔ المختصر یہ تمام عالم اس عالم کی طرف رجوع کرے گا کہ جس کو قیامت کہتے ہیں چنانچہ اس فناء عالم کی تفصیل قرآن و احادیث میں کثرت سے موجود ہے۔ جنّت میں سب سے اور سب سے زیادہ نعمت تجلّی دیدار الٰہی ہوگی کہ جس کی کیفیت سے عقل آگاہ نہیں ہو سکتی بلکہ ہر روز غیر متناہی چیزیں جو جنّت میں پیش آئیں گی سوائے خدا تعالیٰ کے ان کی کوئی نہ کُنہ حقیقت جانتا ہے نہ پورا ان کا کسی کو علم ہے قال تعالےٰ

قیامت

ل[۵] یہاں بھی اسی کرسٹان نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے جنّت و دوزخ کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ آدمؑ جس جنّت میں رہتے تھے وہ کس کے اعمال تھے الخ حالانکہ یہ اُسکی غلط فہمی ہے کیونکہ مصنف علامہؒ نے جنّت کی بابت کہہ دیا کہ اب بھی رحمتِ الٰہی اور نعمتِ غیر متناہی جنّت کی صورت میں متشکل ہے۔ ہاں بندوں کے اعمال سو وہ جزئیات مثوبات کی شکل میں ظہور کرینگے نہ کہ جنّت کلّی کیونکہ وہ رحمتِ الٰہی کا مظہر ہے نہ آج بلکہ ازل سے پھر اگر اس میں آدمؑ رہے ہوں تو کیا اشکال لازم آتا ہے؛ اسی طرح جسمانی نعماء کو حقیر جان کر اس جاہل نے اس حدیث حور گندم گوں پر بھی اعتراض کیا کہ جس کو شاہ ولی اللہؒ نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں اسی موقع پر ذکر کیا ہے۔ ابوالحسن حقانی

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ بعض لوگ جو اس نکتہ سے ناآشنا ہیں اور جنت و دوزخ اور عالم برزخ کے اسرار سے بے خبر ہیں جنت کی ان نعمار کا اس آیت کو سند بناکر انکار کرتے ہیں اور ان نعمار کو عالم حسی کی چیزوں پر قیاس کرکے جنت کو دنیا کی خرابات سے تشبیہ دیتے ہیں اور طرح طرح سے زبان طعن و طنز کشادہ کرتے ہیں اور بعض پادریوں نے تو بے سمجھے قرآن و احادیث کے ان پاکیزہ مضامین پر جو اسرار الٰہیات ہیں بڑا طعن کیا ہے۔ اور جس طرح ان لوگوں نے ان اسرار کی ناواقفیت سے انکار و اعتراض کیا ہے اسی طرح ہنود کے اکابر اس نافہمی سے ارواح کی نسبت تناسخ کے قائل ہو گئے ہیں کہ دوبارہ پھر اسی جسم عنصری میں روح لوٹ آتی ہے اور یہی طریق جزا و سزا کا ہے۔ اس عقیدے کے ابطال پر اد لہ قائم کرنے کی کچھ ضرورت نہیں جو اس سر سے واقف ہے وہ کبھی تناسخ کا قائل نہ ہوگا۔ جس طرح رضائے الٰہی و نعمار نامتناہی جنت کی صورت میں ظہور کرتی ہے اسی طرح وہ اعمال جو خلاف فطرت عمل میں آتے ہیں عقوبات جہنم کی صورت میں پیش آتے ہیں یہی چیزیں نَارٌ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ بن جاتی ہیں اور یہی اعمال اپنی صورت طوق و زنجیر و زقوم اور گرم پانی بنا کے ایذا پہنچاتے ہیں انسان کی شقاوتِ قلبی جہنم کی اندھیری بن جاتی ہے اور قہر الٰہی جہنم کی صورت میں متشکل ہو چکا ہے۔ جہنم سے نجات پانے کی مختلف صورتیں ہیں کبھی شفاعتِ انبیاء ع کبھی محض رحمتِ کبریا۔ کبھی صور اعمالیہ کے وجود کی انہدام۔ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ میں یہ باتیں اس کثرت سے مذکور ہیں کہ جس کا عشر عشیر بھی نہ کسی کتاب الہامی میں پایا جاتا ہے نہ اس کا سوواں حصہ آج تک کسی اشراقی یا مشائی حکیم پر منکشف ہوا ہے یہ راز سربستہ خدا تعالیٰ نے اپنی پچھلی کتاب میں اخیر نبی کی زبان سے نہایت وضاحت سے بیان کروا دیا۔ اس علم کے جو دقیق مسائل افلاطونِ الٰہی کو نصیب نہ ہوتے تھے آج وہ اس فیضِ نبوت کے طفیل عام مسلمانوں کو معلوم ہے۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ سید احمد خان صاحب بہادر اس سر کو کیا سمجھے۔

**قولہ** ۳ جنت یا بہشت کی ماہیت جو خدا تعالیٰ نے بتلائی ہے وہ تو یہ ہے فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون۔ یعنی کوئی نہیں جانتا کہ کیا اُن کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) چھپا رکھی گئی ہے اُس کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے پیغمبر علیہ السلام نے جو حقیقت بہشت کی فرمائی جیسے کہ بخاری و مسلم نے ابوہریرہؓ کی سند پر بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ قال اللہ تعالیٰ اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر الخ۔ **اقول** آپ کا حاصل کلام یہ ہے کہ بہشت قرۃ اعین یعنی راحت کا نام ہے اور اُس کا بیان کرنا محال ہے۔ **قولہ** پس بہشت کی کیفیت یا لذت کا جس کو قرۃ اعین کے ساتھ تعبیر کیا ہے بیان کرنا گو کہ خدا تم ہی اُس کا بیان کرنا چاہے محال بلکہ برطرح کر محال ہے۔ اور اس محال ہونے کی دلیل آپ نے یہ بیان فرمائی: **قولہ** انسان مطابق اپنی فطرت کے اُنہیں چیزوں کو سمجھ سکتا ہے اور انہیں کا خیال اُس کے دل میں آسکتا ہے جو اس نے دیکھی یا چھوئی یا چکھی ہے یا سونگھی یا قوتِ سامعہ سے محسوس کی ہوں اور بہشت کی جو قرۃ اعین یعنی راحت یا لذت ہے اس کو نہ انسان نے دیکھا ہے نہ چھوا ہے نہ سونگھا ہے نہ قوتِ سامعہ نے اُس کا حس کیا ہے پس فطرتِ انسانی کے مطابق

بہشت کا بیان

ف خدا تم کو بہشت کی کیفیت بیان کرنا محال ہے

ـلہ اس عربی فقرہ کو اسی اندھے معترض نے آیت سمجھ لیا پھر اس میں لفظ الموقدۃ التی نہ ہونے سے مفسر علامہ کے سہو آیات پر محمول کرکے طعن کر دیا۔ ابو الحسن حقانی

انسان کو اُس کا بتلانا ناممکن ہے۔ اوّل تو یہ دلیل آپ کی محض بے بنیاد ہے کیونکہ کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ انسان کو انھیں چیزوں کا علم ہے جو حواس خمسہ سے محسوس ہیں کس لئے کہ ہزار ہا ایسی چیزیں ہیں کہ جن کو ہم قطعی طور پر جانتے ہیں لیکن وہ چیزیں حواس خمسہ میں سے کسی کے ساتھ بھی محسوس نہیں ہوسکتیں مجردات اور معانی جزئیہ اور کلیات فرمایئے کونسے حس سے محسوس ہیں؟ عداوت، محبت، کسی شے کا قدم یا حدوث۔ اسی طرح انسان حیوان وغیرہا کلیات اور ملائکہ اور خدا تعالےٰ کی ذات۔ اسی طرح اپنی روح کا موجود ہونا بلکہ اپنا درد اور رنج اور خوشی نہ آنکھ سے نہ کان سے نہ قوت ذائقہ سے نہ سامعہ سے نہ لامسہ سے محسوس ہوتی ہے باوجود اس کے ہم کو ان چیزوں کا علم ہے۔ شاید اسی بنا پر آپ ملائکہ اور شیاطین اور جنّ وغیرہ غیر محسوس چیزوں کا انکار کرتے ہیں۔ سیّد صاحب! ان وسواس کے ماننے والوں کا زمانہ گیا اب تو ایسے لاادریہ اور سوفسطائیہ کو عقلاء حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں آپ کی اس دلیل کو تسلیم بھی کیا جاوے تو آپ کا اس سے صرف یہ مقصود ہوگا کہ کیفیات (جیساکہ قند کی شیرینی یا حنظل کی تلخی) یا اور وجدانیات حیز بیان سے باہر ہیں انسان اُن کو تعبیر نہیں کرسکتا سو یہ مسلّم مگر اس سے جنت کی اُن نعماء کی کہ جن کا ذکر قرآن میں ہے (حور قصور میوجات) نفی یا انکار کسی طرح نہیں لازم آتا غایۃ الامر یہ بات لازم آوے کہ جنّت کی جس قدر کیفیات ہوں گی اُن کی حقیقت کوئی نہیں جانتا۔ سوم غایۃ مافی الباب اس کے بیان سے انسان کا عجز ثابت ہوگا نہ کہ خدا تعالےٰ کا۔ طرفہ یہ کہ آپ خود اقرار کرتے ہیں کہ اُس قرۃ اعین کو حضرت موسیٰ نے اولاد پیدا ہونے، مینہ برسانے رزق کے فراخ ہونے دشمنوں پر غلبہ پانے اور اُس کلفت کو اولاد کے مرنے، قحط پڑنے، وبا پھیلنے، شکست کھانے کی کیفیت کی تشبیہ میں بیان کیا ہے صفحہ ۳۸۔ اور آپ اسی صفحہ میں یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ محمد مصطفےٰ نے اُس کو ایسی تشبیہوں میں بیان کیا ہے کہ تمام انسانوں کی طبیعتوں پر حاوی ہیں اور کُل انسانوں کی خلقت اور جبلت کے نہایت ہی مناسب ہیں الخ پھر تعجب کی بات ہے کہ اس قرۃ اعین یعنی راحت یا لذات کو حضرت موسیٰ اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہما السلام تو تشبیہات مرغوبہ میں نہایت عمدہ طور پر بیان کرجائیں اور آپ کے خدا صاحب اُس سے ایسے عاجز ہوجائیں کہ ان کو اس کا بیان کرنا محالی کیا بلکہ محال سے بھی بڑھ کر ہو جاوے، تعالےٰ اللہ عن ذٰلک علوًا کبیرًا۔ اگر آپ یہ فرمائیں کہ اُس قرۃ اعین کی کنہ حقیقت کے علم کو ہم محال کہتے ہیں اور باقی ان تشبیہات سے اُس کا علم بالوجہ حاصل ہوسکتا ہے سو اس میں ہمارا کلام نہیں تو میں اس کے جواب میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جاوے تو غایۃ مافی الباب ان چیزوں کا علم بالکنہ مشکل اور متعذر ہوگا نہ کہ محال اور اگر یہ بھی

---

لہ آپ کی اس تقریر سے یہ بات پائی گئی کہ جنت محض راحت دنیاوی کا نام ہے حضرت موسیٰ نے اس کو مینہ برسانے رزق کے فراخ ہونے پر محمول کیا ہے کہ خدا تعالےٰ نے بلکہ آنحضرتؐ نے تمام دنیا کے ترغیب دینے کو باغ اور حور وغیرہ چیزوں کو بتایا ہے۔ اس سے اُخروی جنت کا بالکل انکار ہوگیا نہ کہ صرف یہ بات کہ آپ وہاں کی نعماء کا ایسا وجود نہیں مانتے جیساکہ دنیا کی نعماء کا وجود ہے کیونکہ یہ بات تو تمام اہل اسلام بھی مانتے ہیں پھر آپ کا نزاع ہی کیا ہے؟ بلکہ بالکل انکار کرتے ہیں۔ حقانی

تسلیم کیا جاوے تو یہ تشبیہات جو قرآن میں مذکور ہیں (کہ وہاں حوریں اور نہریں اور باغ اور عمدہ عمدہ محل اور سایہ دار درخت اور طرح طرح کے میوے ہیں) غلط نہیں ہوسکتیں پھر آپ کا ان چیزوں سے انکار کرنا اور آیت فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون اور حدیث ابوہریرہؓ پیش کرنا بے فائدہ ہے کیونکہ اس تقریر پر آیت اور حدیث کے یہ معنے ہوئے کہ ان چیزوں کی کوئی حقیقت کماہی نہیں جانتا نہ یہ کہ جس چیز کو باغ سے تشبیہ دی ہے اور جس کو حورعین کہا ہے اور جس کو سایہ دار درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے علیٰ ھٰذا القیاس ان کا دراصل اس تشبیہ کے موافق وجود نہیں۔ حاشا وکلا اگر یہ ہو تو پھر یہ تشبیہ لغو ہو جاوے۔ جب ہم زید کو شیر کہیں اور اس کے ساتھ تشبیہ دیویں تو گو زید ہو بہو شیر نہیں مگر یہ تو ضرور ہوگا کہ کسی وصف خاص میں شیر کا ہم پلہ نہیں تو مماثل اور مشابہ تو ضرور ہوگا ورنہ یہ تشبیہ لغو اور کذب ہوگی۔ اس تقریر پر یہ بات ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جنت میں عنصری درخت نہیں نہ وہاں یہ عنصری سونا نہ اس کے مکانات نہ یہاں کی شراب نہ یہاں کے اجسام عنصریہ سے مرکب خوبصورت عورتیں نہ یہاں کی نہریں نہ یہاں کے میوے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے بلکہ ان کی حقیقت اور یہاں کی چیزوں کی حقیقت غیر ہے۔ محض ہمارے سمجھانے کے لئے یہ الفاظ کسی مناسبت سے بولے گئے ہیں۔ اس آیت اور حدیث سے ان چیزوں کے وجود کی نفی نہیں سمجھی جاتی بلکہ اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ جو چیزیں ہم نے اپنے بندوں کے لئے مخفی رکھی ہیں ان کو کوئی نہیں جانتا جو کہ اس نے مخفی نہیں رکھیں بلکہ بذریعہ وحی کے بتلادیں ان کو ہم جان سکتے ہیں اور حدیث تو اسی آیت کی تفسیر میں واقع ہے پس اب ان نعماء کے جاننے اور اس آیت میں منافات باقی نہ رہی۔ اب اس آیت سے یہ سمجھنا کہ جو چیزیں نصوص قرآنیہ میں مذکور ہیں وہ محض بے اصل ہیں محض وسوسۂ شیطان ہے۔ **قولہ** ص ۳۸ یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا ہوئی ہے اس میں سنگ مرمر اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں باغ میں شاداب و سرسبز درخت ہیں دودھ و شراب کی نہریں بہہ رہی ہیں ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے ساقی و ساقنیں نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں شراب پلا رہی ہیں ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے ایک نے ران پر سر دھرا ہے ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے ایک نے لب جان بخش کا بوسہ لیا ہے کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے کوئی کسی کونے میں کچھ ایسا بیہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے اگر بہشت یہی ہے تو بے مبالغہ ہماری خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں انتہیٰ۔ آپ کو اس سفید ریش پر یہ بے تہذیب باتیں زیبا نہیں۔ جنت کی نعماء کو کوئی شخص دنیا کی چیزیں بعینہٖ نہیں سمجھتا ؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک ؎ آپ ایسی باتیں کر کے اپنے بیچارے معتقدوں کا ایمان کیوں خراب کرتے ہیں! آپ سے پہلے ہزاروں شاعر بیہودہ گو کلام الٰہی پر پھکڑ بازی کر چکے ہیں ان باتوں کا جواب پھکڑ بازی کے ساتھ ہم کو بھی آتا ہے مگر ہم اپنی اوقات عزیز کو ضائع نہیں کرتے ؎ گفتگو آئین درویشی نبود ؎ ورنہ با تو ماجراہا داشتیم ؎ **قولہ** ص ۳۹ علمائے اسلام نے بسبب اپنی رقت قلبی الخ کے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جو ظاہر الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے اسی کو تسلیم کریں (بخلاف آپ کے کہ آپ تسلیم نہیں کرتے) اور اس کی حقیقت اور اس کے مقصد کو خدا ہی کے علم پر چھوڑ دیں اس واسطے وہ بزرگ تمام ان باتوں کو تسلیم کرتے ہیں جن کو کوئی سمجھ نہیں مانتا اور دونے باتیں جیسے کہ عقل اور اصلی مقصد بانی مذہب کے برخلاف ہیں ویسی ہی مذہب کی سچائی اور بزرگی اور

مقدس کے مخالف ہیں۔ **اقول** آپ وہ عقل کے برخلاف باتیں تو پیش کیجئے۔ شاید ملائکہ اور شیطان اور جن اور جبرئیلؑ اور نعماء جنت اور معجزات اور خرق عادات کو آپ ایسی باتیں قرار دیتے ہیں کہ جن کو اس وقت کے دہریئے خلاف عقل کہتے ہیں۔ ان بیچاروں کے حصہ میں عقل سلیم ہی نہیں ان کو عقل سے کام ہی کیا پڑا ہے یہ تو محسوسات ہی پر ایمان رکھتے ہیں جو چیز ان کو حواس خمسہ سے معلوم نہ ہو ان کے نزدیک تو وہی خلاف عقل ہے ایسی اندھی عقل کا کیا ٹھکانا ہے ؛ جب علماء اسلام رحمہم اللہ ہی آپ کے نزدیک خلاف عقل کے پیرو اور غیر محقق ہیں تو کیا عیسائی اور یہودی علماء کہ جن کا اصول مذہب تثلیث و الوہیت مسیح و کفارہ و تشبیہ وغیرہ لغو باتیں ہیں محقق ہیں یا ہندوؤں کے پنڈت کہ جن کا اصول دین مخلوق پرستی ہے؟ **قولہ** ص۳۹ اس امر کے ثبوت کے لئے کہ بانیٔ مذہب کا ان چیزوں کے بیان کرنے سے صرف اعلیٰ درجہ کی راحت کا بقدر فہم انسانی خیال پیدا کرنا مقصود تھا نہ واقعی ان چیزوں کا دوزخ و بہشت میں موجود ہونا ایک حدیث ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو ترمذی نے بریدہؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے آں حضرتؐ سے پوچھا کہ بہشت میں گھوڑا بھی ہوگا آپ نے فرمایا کہ تو یاقوتِ سرخ کے گھوڑے پر سوار ہو کر جہاں چاہے گا اڑتا پھرے گا پھر ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت وہاں اونٹ بھی ہوگا آپؐ نے فرمایا وہاں جو کچھ چاہو گے سب کچھ ہوگا پس اس جواب سے مقصود یہ نہیں ہے کہ درحقیقت بہشت میں گھوڑے اور اونٹ بھی ہوں گے بلکہ صرف ان لوگوں کے خیال میں اس اعلیٰ درجہ کی راحت کا خیال پیدا کرنا ہے۔ **اقول** اس حدیث فہمی کے قربان جائیے کہ جس سے الٹا مطلب سمجھ میں آوے۔ اے حضرت! جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے شخص کے جواب میں گھوڑا یاقوتِ سرخ کا بیان فرمایا اور دوسرے کو یوں کہا کہ جو چاہو گے سب ہوگا تو صاف اس بات کا بتلا دینا ہے کہ وہاں تمہاری خواہشیں ان صورتوں میں ظاہر ہو کر تمہارے روبرو آئیں گی جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا نہ یہ کہ وہاں یہ چیزیں نہ ہوں گی چنانچہ یہ آیت بھی اس مدعا پر دلیل ہے وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ کہ تم کو وہاں جو چیز چاہو گے اور جس سے تمہاری آنکھیں خوش ہوں گی ملے گی۔ مگر آپ چونکہ اس سرّ سے واقف نہ تھے اس کو الٹا سمجھ گئے۔ **قولہ** ص۴۰ حکماء الٰہی اور انبیاءؑ دونوں ایک سا کام کرتے ہیں الخ۔ **اقول** حکماء بیچارے انبیاءؑ کی برابری کیا کریں گے ؎ نور ذرہ کجا و ستے آفتاب کجا : ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا: آپ چونکہ ہنوز حقیقتِ نبوت سے واقف نہیں اس لئے دونوں کو برابر سمجھتے ہیں۔ آپ کا اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ انبیاءؑ کو چونکہ جہلاء کا سمجھانا مقصود تھا اس لئے انہوں نے یہ نعماء جنت ذکر کر دیں اور حکماء کو جہلاء سے کام نہ تھا وہ فقط روحانی جنت کے قائل رہے۔ **قولہ** تربیت یافتہ دماغ ان چیزوں سے محض راحت سمجھتا ہے نہ یہ کہ وہاں ایسی چیزیں بھی موجود ہیں اور کوڑ مغز ملّا یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت بہشت میں حوریں ملیں گی اور میوے کھاویں گے اور شرابیں پیویں گے الخ۔ ان سب باتوں کا جواب یہ ہے کہ آپ محض نافہمی[1] سے وہ اعتراض جو پادری فنڈر نے کئے تھے پھکڑبازی کے ساتھ اعادہ کرتے ہیں۔ پورا تربیت یافتہ دماغ تو آپ کا جب ہوگا کہ

[1] اس لئے کہ حقیقتِ جنت کو اور اس کے نعماء کو نہ سمجھے اور اس کا دنیا کی چیزوں پر قیاس کر کے اس کو خرابات کہنے لگے۔ منہ

جب غیر محسوس خدا کا بھی انکار کریں گے۔ آپ کی یہ بے دلیل باتیں عقلاء کے نزدیک فضول ہیں مگر اور بہت سے کم علم لوگوں کے دلوں میں شک ڈالنے کے لئے اور ان کو ایمان سے ڈگمگانے کے واسطے کسی قدر کافی ہیں لیکن جن کے دل فیضِ نبوت سے منوّر ہیں وہ ایسی باتوں کی طرف کان بھی نہیں لگاتے اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جس طرح اکبر کے عہد میں صدہا ملحد پیدا ہو کر زیر زمین ہو گئے اور میر محمد حسین موجد مذہب بیکوک وغیرہ صفحۂ عالم سے مٹ گئے اور دین الٰہی اسی طرح قائم رہا اور تا قیامت رہے گا، یہ تیرہویں صدی کا الحاد بھی خواب و خیال ہو جائے گا ؎ نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا : مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے ۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۔

باب دوم

# باب دوم

فصل اول

**فصل اوّل** - لفظ الہام اور وحی باعتبار معنی لغوی کے قریب المعنی ہیں۔ گو بعض مواقع استعمال میں کسی قدر ایک دوسرے سے الگ ہوں مگر اکثر جگہ دونوں لفظوں کے ایک ہی معنے مراد ہوتے ہیں یعنی دل میں القا کرنا۔ وحی کا اطلاق کتابت[1] اور اشارت[2] اور رسالت[3] اور کلام خفی[4] پر بھی ہوتا ہے۔ اور عرف شرع میں وحی کے ساتھ انبیاء مخصوص ہیں الہام میں سب شریک۔ پس علاوہ لفظی فرق کے باعتبار عرف شرع کے دونوں کے معنی میں بھی کسی قدر تفاوت ہو گیا کیونکہ وحی میں ایک خاص بات ہوتی ہے جو الہام میں نہیں ہوتی اس لئے شرعی معنی کے لحاظ سے غیر انبیاء کو صاحب وحی نہیں کہتے ہاں لغوی معنی کے لحاظ سے غیر انبیاء پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ واوحی ربک الی النحل، واوحینا الی ام موسیٰ، واوحی فی کل سماء امرہا، واذ اوحیت الی الحواریین اور لیوحون الی اولیائہم ۔ یہ تحقیق لفظی تھی اب ہم اس کی حقیقت اور اس کے معنی سے بحث کرتے ہیں۔ وحی یا الہام خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوقات کے درمیان ایک پیغام یا ایسی تار برقی ہے کہ جس کے ذریعہ سے وہ اپنے خالق سے ہم راز اور ہم کلام ہوتی ہے۔ گو اس مخلوقات کو اس خالق سے کچھ بھی مماثلت اور مشاکلت نہیں مگر تاہم ایک ایسا رابطہ ہے کہ گویا وہ اس کے پاس ہر دم موجود ہے ۔ اتصال بے تکیف بے قیاس ۔ ہست رب الناس را با جان ناس ۔ سب سے ربط آشنائی ہے تجھے ۔ دل میں ہر اک کے رسائی ہے تجھے ۔ اس امر میں انسان حیوان حجر و شجر زمین و آسمان سب شریک ہیں ہر دم وہاں سے ہر ایک چیز کی طرف تار برقی جاری ہے اور ہر نوع کی طرف اس کی وحی ہوتی ہے اور اسی لئے ہر نوع کی ایک شریعت جدا ہے کہ اس پر اس کی مخالفت حرام کر دی گئی ہے معدنیات کی طرف یہ الہام ہوتا ہے کہ اپنی صلابت اور رخوت اور حرارت یا برودت کو محفوظ رکھے ان کی صورت نوعیہ ہمیشہ ان اوامر الٰہی کے بجا لانے میں کمر بستہ اور دست بستہ کھڑی رہتی ہے کہ کبھی آگ سے حرارت دور نہ ہونے پاوے اور پانی سے رطوبت اور برودت نہ جاوے۔ اور نباتات کی طرف ہر دم یہی پیغام پہنچتے ہیں کہ وہ خاک کو پانی کے ذریعہ سے چوس کر شاخ و برگ و گل بنا دے اور اتنی مدت میں پھل آویں اور اتنی میں پھول آویں اور پتوں کی یہ رنگت اور یہ صورت رہے اور اس میں اس طرح کی لکیریں اور ایسے ریشے ہوویں اور پھول پنکھڑیاں اور اتنی رنگت اور ایسی خوشبو رہے۔ ہر دم ان کی صورت نوعیہ ان فرائض کو ادا کئے چلی جاتی ہے۔ بیری[5] کے اپنے حرام ہے کہ وہ پیپل کے پتے کی صورت میں آوے اور آنب کو حرام ہے کہ وہ بیر بن جاوے۔ حیوانات پر یہ وحی آتی ہے اور یہ باتیں فرض ہیں کہ ہر نوع ہمیشہ اپنی صورت نوعیہ پر قائم رہے۔ پرندوں کو یہ الہام

---

[5] اس پر بھی اس معترض نے اعتراض کیا ہے کہ بہت سی بیری سال بھر کے بعد پیپل بن جاتی ہے الخ شاید ایسی بیری معترض کے گھر میں ہو گی۔ دوم یہ ایک جداگانہ نوع قرار پاوے گی نہ وہ کہ جس میں کلام ہے۔

ہو اگر نر و مادہ باہم اس طرح سے میل جول کریں۔ گرمی کے موسم میں اپنا گھونسلا بناویں۔ انڈوں کو اس طرح سیئیں بچے اس طرح نکالیں[۱]۔ دانہ پانی وہاں سے لائیں، بچوں کو اس طرح سے کھلائیں، بڑے ہو کر اس طرح سے اڑیں، دشمن سے بھاگیں، اپنے مقابل سے کہ جب اُن کی ضروریات میں مخل ہو اس طرح جنگ کریں، اپنے بنی نوع کے ساتھ رہا کریں۔ اسی طرح گائے۔ بھینس۔ انسان۔ گھوڑے۔ گدھے ہر ایک نوع کو بذریعۂ الہام اور وحی وہ علوم سکھاتے جاتے ہیں کہ جو اُن کے نوع کو کار آمد اور ضروری ہیں اور اُن چیزوں سے اُن کی صورت نوعیہ کو منع کیا جاتا ہے جو اُن کے حق میں مضار اور خلل انداز ہیں۔ گائے، بھینس پر حرام ہے کہ وہ گوشت کھائیں اگر اس حرام کا ارتکاب کریں تو اس کی سزا اُن کو وہیں ملے۔ شیر پر گھانس کھانی حرام اور گوشت کھانا فرض ہے اس حکم کو مدول کرے تو سخت مضرت اُٹھائے نقصان کے جہنم میں جائے۔ شہد کی مکھیوں[۲] پر یہ فرض کر دیا کہ درختوں کے پتے اور پھول اور پھل دیکھ کر کھائیں پھر اپنے بنی نوع کے لئے ایک گھر بنائیں اور وہاں شہد اس طرح سے بھریں اور اپنے سردار یعسوب کی اطاعت کریں۔ الغرض اور بہت سے حالات ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ الغرض اس وحی میں ہر ایک چیز شریک ہے اور ہر نوع کی شریعت جداگانہ ہے اور ہر نوع اُس شریعت کی مجبوراً پابند ہے چنانچہ ان آیات میں اسی طرف اشارہ ہے: وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ[۳]۔ وقال وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ[۴] فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ علاوہ ان کے اور بہت سی آیات ہیں۔ قرآن مجید کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں ہر ایک قسم کی حکمت اور ہر چیز کے سر کی طرف اشارہ ہے۔ کلام الٰہی میں یہ خوبی ضرور

---

[۱] ان مضامین کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ کہ زمین پر ہر جاندار حرکت کرنے والے اور ہر پرند بازوں سے اڑنے والے تمہاری مانند گروہ ہیں ہم نے قرآن میں کوئی بات باقی نہیں چھوڑی۔ منہ [۲] چنانچہ اس آیت میں اس کا بیان ہے وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ **ترجمہ** تیرے خدا نے شہد کی مکھیوں کو حکم کیا کہ پہاڑوں اور درختوں اور چھتوں میں گھر بنائے اور ہر طرح کے پھل کھائے اور سو رنگوں سے سمٹ کر نکلے نکلتا ہے اُن کے پیٹ سے شہد مختلف رنگوں کا کہ جس میں لوگوں کی شفاء اور نشانی ہے اُن کے لئے جو فکر کرتے ہیں۔ حقانی۔

[۳] اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں (یعنی فرمانبرداری) آسمان والے۔ و زمین والے۔ منہ [۴] اور آفتاب اپنے ٹھکانے پر چلتا ہے یہ اندازہ ہے زبردست خبردار کا۔ یعنی خدا نے جو اندازہ کر دیا اُس کے موافق چلتا ہے اور چاند کے لئے ہمیشہ منزلیں مقرر کر دیں (کہ ہر ایک منزل کو ایک دن رات میں طے کرتا ہے) یہاں تک کہ پھر اسی طرح پرانی شاخ کی مانند ہلال ہو کر نظر آتا ہے۔ آفتاب کو یہ درست نہیں کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور ہر ایک ستارہ آسمان میں تیرتا پھرتا ہے۔ منہ

ہونی چاہیئے اور انھیں وجوہ سے اس کا مثل بنانا محالات سے ہے۔ مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ حاصل کلام اِس
وحی اور الہام میں ہر چیز شریک ہے اور ہر ایک اس کی اطاعت پر سر بسجود ہے اور یہی اطاعت اُن کا ذکر اور یہی
ان کی تسبیح و تقدیس کہ جس سے کوئی جزء عالم خالی نہیں ۔ؔ بذکرش ہرچہ بینی در خروش است ؛ ولے داند دریں معنے
کہ گوش است ؛ نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانیست ؛ کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانیست ؛ لیکن اس وحی اور اس الہام
کی جدا زبان ہے۔ جس زبان سے ہر چیز اُس سے بات کرتی اور اپنے دردِ دل کو ظاہر کرتی ہے وہ اور زبان ہے۔ نظر
میں سر دست بستہ کھڑا ہو کے جس زبان سے عرض حال کر رہا ہے وہ اور ہے۔ دریا اور پہاڑ اور جیبت ناک
جنگل بلکہ انسان کا ہر ہر عضو بلکہ عالم کا ہر جزء جس زبان سے کلام کر رہا ہے وہ اور زبان ہے یہ زبان کہ جس سے
ہم باہم بولتے چالتے ہیں اور زبان ہے۔ اُس زبان میں بے آواز اور بے حروف اور بغیر الفاظ کے وحی آتی ہے
چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ[1] وقال وَاَوْحٰى فِىْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا[2]
وقال فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ اس قسم وحی کے علاوہ ایک **دوسری قسم وحی** اور الہام کی اور بھی
ہے کہ جس کے ساتھ حضرت انسان (یا کوئی اور نوع ذی عقل) مخصوص ہے چونکہ جمادات ترقی کر کے نباتات
ہوتے اور نامی کہلاتے اور جسم نامی ترقی کر کے حیوانیت کے درجہ میں پہنچے پھر اعلیٰ کمال حاصل کرنے والے
انسان ہو گئے۔ انسان ان جمادات نباتات حیوانات میں چونکہ اعلیٰ اور مخصوص ہے تو اُس کے لئے وحی
اور الہام بھی بہ نسبت اور چیزوں کے مخصوص ہے۔ اس کا دل گزرگاہ خداوند تعالیٰ ہے اس کا رابطہ خدا تعالیٰ
کے ساتھ سب سے نرالا ہے ۔ؔ ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے ؛ میرا ہی دل ہے وہ کہ جس میں تو سما سکے ؛
انسان کے دل پر جو کچھ وارداتِ غیبی ظہور کرتی ہیں سب وہیں سے آتی ہیں اور ہر وقت ملہم غیبی اُس کو وہاں کی
باتیں تلقین کرتا رہتا ہے۔ مگر اس کا خمیر ایسے متضاد الطبائع سے ہوا ہے کہ جس کی صورتِ نوعیہ کا مقتضے
طبعی تاریکی اور اضلال ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان کی روح (کہ جس کو حکما نفس ناطقہ کہتے ہیں
اور جو ہر سماوی اور نورِ الٰہی سے ملقب کرتے ہیں) اگرچہ حادث ذاتی بلکہ حادث زمانی ہے لیکن اس جسم کے مرکب
ہونے سے ہزارہا سال پہلے پیدا ہو چکی ہے[3] اور حظیرۃ **قدس** میں کہ جس کو اس کا اصلی وطن کہتے ہیں رہی ہے
ۂ تو ئی آن دستِ پرورِ مرغ گستاخ ؛ کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ ؛ چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی ؛
چو دوناں چغد ایں ویرانہ گشتی ؛ بیفشاں بال و پر ز آمیزش خاک ؛ بپر تا کنگرۂ ایوان افلاک ؛ پھر

---

[1] اور تیرے ربّ نے شہد کی مکھی کو یہ وحی بھیجی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا۔ اور ہر طرح کے میوے کھا کے شہد بنا۔ [2] اور خدا تعالیٰ نے ہر آسمان میں وحی بھیجی۔ منہ [3]
چنانچہ آیت اس دعوی پر دلیل میں ہے اذ اخذ ربک من بنی آدم الآیہ یعنی خدا تعالیٰ نے بنی آدم کی ذریات کو ان کی پشت سے روز میثاق نکالا۔ امام احمد نے روایت کیا ہے
کہ خدا تعالیٰ نے آدم کی پشت کو مسح کیا اس کی تمام ذریت جو کہ قیامت تک ہو نہار تھی چیونٹیوں کی طرح نکل پڑی سب سے خدا تعالیٰ نے خطاب کر کے پوچھا کہ الست بربکم
کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ؛ قالوا بلٰی سب نے کہا ہاں۔ میں نے تم سے اقرار لے لیا اور تم کو تمہارے لئے گواہ بنالیا اب میں دنیا میں تم کو بھیجتا ہوں اور تمہارے
پاس تمہارے لئے ہادی یعنی رسول آویں گے اس وقت ہر ایک کو اُس کی تعلیم قبول کرنی پڑے گی وہ لوگ اس روز کے عہد کو یاد دلاویں گے پس جو کوئی ان کا
کہا نہ مانے گا اور نورِ فطرت کو چھوڑ کر اندھیرے میں پڑے گا تو قیامت کو اُس کا عذر قبول نہ ہوگا کہ یہ برائیاں شرک و کفر تو ہمارے بڑوں نے (باقی صفحہ پر)

اس جسم کے پتلے سے اس کو وابستہ کر دیا۔ اور اس بات کا بارِ گراں (کہ اس جسمانی آلے کے ذریعہ سے اپنے لئے اور کمالات زائد حاصل کرے نہ کہ اپنی اصلی استعداد اور ذاتی نورانیت کو اس کی صحبت میں زائل کرے) اس ناعاقبت اندیش کے سر پر دھر دیا اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ؎ آسمان بارِ امانت نتوانست کشید ٭ قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند ٭ پس اس جوہرِ نورانی کا مقتضا قوتِ ملکیہ ہے اور اس جسمِ ظلمانی اور صورتِ حیوانی کا اثر قوتِ بہیمیہ ؎ آدمی زادہ طرفہ معجونیست ٭ از فرشتہ سرشتہ وز حیواں ٭ گر کند میل ایں بود بہ ازیں ٭ گر کند میل آں بود بدتر ازاں ٭ اور کبھی یہ دونوں قوتیں باہم مصالحت کر کے رہتی ہیں اور کہیں ہمیشہ کشاکشی اور تخالف کے صدمے سہتی ہیں پھر کبھی یہ غالب اور یہ مغلوب اور کبھی برعکس و مغلوب ان قوائے ملکیہ و بہیمیہ کے اجتماع سے باعتبار کم زیادہ ہونے کے بیشمار مراتب پیدا ہوتے ہیں مگر زیادہ قابلِ لحاظ یہ آٹھ قسم ہیں چار قسم اس صورت میں پیدا ہوتی ہیں کہ جب ملکیہ اور بہیمیہ دونوں مصالحت پیدا کر کے ایک مزاج خاص حاصل کر لیویں (اوّل) یہ کہ ملکیہ نہایت علو میں ہو اور بہیمیہ بھی شدید ہو مگر ملکیہ کے تابع ہو یہ وہ لوگ ہیں کہ امورِ ریاست دنیا و دین پر حاوی ہیں اور انتظامِ ملت و مذہب و تہذیبِ نفس اور اصلاحِ اخلاق میں ممتاز ہیں دنیا اور دین دونوں کے کمالات ان کو حاصل ہوتے ہیں پس جس طرح کہ عالمِ ملکوت کے اسرار ان کے دلوں میں منکشف ہوتے ہیں اور وہاں کی چیزیں ان کو عیاناً دکھائی دیتی ہیں ملائکہ اپنی اصلی حالت پر بھی ان سے نظر آ کر کلام کرتے ہیں اسی طرح دنیاوی اصلاحات اور انتظامات اور تدابیرِ جزئیہ میں بھی یہ لوگ کامل ہوتے ہیں؎ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو انبیاءؑ اولوالعزم کہتے ہیں (دوم) وہ کہ قوائے ملکوتیہ ان کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶) کی تعیین اور ہم تو ان کے مقلد تھے ہم سے خدا تعالیٰ کیوں مواخذہ کرتا ہے کیونکہ یہ عذر بعد اس کے کہ وہ خود عہد کر چکے ہیں مسموع نہ ہوگا۔ انتہیٰ مختصراً ؎ جس طرح آئینہ کو مٹی ملنے اور اس پر راکھ لتھیڑتے ہیں تاکہ اس خاک کے دور ہونے کے بعد بخوب چمک جاوے۔ اسی طرح انسان کی روح کو جو آئینہ سماوی ہے کہ جس میں تمام غیب کی صورتیں بشرط صاف ہونے کے نظر آتی ہیں جسمِ خاکی سے متعلق کر دیا کہ اس کی مفارقت کے بعد کہ جس کو موت کہتے ہیں اس کے خوب کمالات اور اس کا جوہر چمک آوے اور جمال جہاں آرا کے نور منقش ہو جانے کے قابل ہو جاوے پس جس نے اس کو سنوار لیا اس نے فلاح پائی اور جس نے اصلی جوہر کو بگاڑ لیا اس نے خرابی اٹھائی۔ منہ ؎ اسی لئے جس طرح ہمارے نبی علیہ السلام نے دینی اور روحانی تعلیم میں کوئی بات نہیں چھوڑی اسی طرح جسمانی اور دنیاوی انتظام اور اصلاح کی باتیں بیع و شرا، غسل و طہارت کی بھی اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک اجمالاً یا تفصیلاً سب بیان فرما دیں حتیٰ کہ استنجا کرنا اور پاخانے میں ڈھیلا بھی تعلیم کر دیا رات کو چراغ گل کر کے دروازہ بند کر کے برتنوں کا منہ بند کر کے سونا بھی بتا دیا و قس علیہ۔ اور اسی لئے جیسا کہ آپ اس لطافت کو پہنچے تھے کہ جسمِ اطہر روح کی طرح شبِ معراج آسمانوں پر پہنچا اسی طرح قوائے بہیمیہ کی باتوں یعنی عورتوں سے رغبت رکھنے اور نو بیبیوں کے پاس ایک شب میں دورہ کرنے اور شجاعت اور طاقت میں کمال رکھتے تھے ؎ ادھر اللہ تعالیٰ سے واصل ادھر مخلوق کے شامل ٭ خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا ٭ ادھر آپ باعتبار قوتِ جسمانی کے دنیاوی کاموں میں بات چیت میں مصروف رہتے مگر اسی حال میں بسبب قوتِ ملکیہ کے ذاتِ پاک میں مستغرق رہتے تھے جو بعض نادان اس نکتہ سے واقف نہیں وہ آنحضرت علیہ السلام کے بکثرت نکاح کرنے وغیرہ باتوں اور جزوی تعلیم پر طعن کرتے ہیں اور اس زمانہ کے متعصب پادریوں اور بعض ہنود نے کہ جیسا کہ پادری عماد اللہ اور عماد الدین اور لالہ اندرمن وغیرہم ہیں دفتر کے دفتر اسی بارے میں سیاہ کر دیئے اور بندگانِ خدا کو گمراہی میں ڈالا۔ حقانی

علوی اور قویٰ بہیمیہ ضعیف پر ہوں یہ لوگ انتظام و مصالح دنیاویہ میں اُن سے کم ہیں لیکن وہ بھی انبیاءؑ ہیں ۔ (سوم) وہ لوگ ہیں کہ اُن کے قوائے بہیمیہ اور ملکیہ دونوں ضعیف ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جو بھاری کاموں سے خواہ دینی ہوں یا دنیاوی بوجہ سستی کنارہ کش رہتے ہیں۔ یہ لوگ کمالات سے حصہ نہیں پاتے۔ (چہارم) وہ ہیں کہ جن کے قوائے بہیمیہ نہایت غالب اور ملکیہ نہایت پست یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اکثر شہواتِ نفسانی میں سرشار اور تاریکیٔ ہیولانی میں گرفتار رہتے ہیں اور یہی چار قسم اُس دوسری صورت میں پیدا ہوتی ہیں کہ جہاں قوتِ ملکیہ اور بہیمیہ میں باہم مصالحت نہیں بلکہ تجاذب اور تخالف ہے ۔ اور ان اقسام میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس کی قوتِ بہیمیہ نہایت تیز ہوگی وہ مجاہدات اور ریاضات کا زیادہ محتاج ہوگا بالخصوص صاحب تجاذب پس جب اُس کی قوتِ ملکیہ زور کرے گی تو معارف میں زیادہ مصروف ہوگا اور بسبب غلبہ بہیمیہ کے اعمال کی چنداں پروا نہ کرے گا اور جب اُس کی قوتِ ملکیہ مغلوب ہوگی تو ہمہ تن دنیا ہی میں مصروف ہو جائے گا اس کا یکساں حال کبھی نہ رہے گا۔ اس اصول سے تمام اہل اللہ، صدیقین و شہداء کے مراتب اچھی طرح معلوم ہو سکتے ہیں اور اشرار کے درجات بھی بخوبی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ المختصر اس الہام اور وحی سے ہر فرد بشر فیضیاب ہے لیکن باعتبار شدت و ضعف قوائے ملکوتیہ و بہیمیہ کے علیٰ حسب المراتب حصہ ملتا ہے پس جب کسی قدر قوتِ ملکیہ اُس طرف متوجہ ہوتی اور بہیمیہ کے پنجہ سے نجات پاتی ہے تو اُس پر وہاں کی باتیں القاء ہوتی ہیں اور اچھے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب قوتِ بہیمیہ کی ہوا چلتی ہے تو اُس کے مقتضٰے کے موافق شہوانی باتیں سوجھتی ہیں چنانچہ اُس حدیث میں کہ ہر بشر کے دل پر ایک نیکی کا فرشتہ الہام کرتا ہے اور بدی کی طرف شیطان بلاتا ہے اسی طرف اشارہ ہے۔ پس انسان کی سعادت اور شقاوت کی باتیں (کہ جن کو **شریعت** کہتے ہیں اور جن کا الہام ہونا بحکمت الٰہی کے نزدیک نہایت ضروری تھا) اس قابل نہ تھیں کہ ہرکس و ناکس کے الہام اور وحی پر چھوڑ دی جاتیں بلکہ اُن کے لئے ایسے شخصوں کا الہام ضروری ہے کہ جو قوتِ بہیمیہ کی تشویشات اور شوائب بشریہ سے معصوم ہوں اور ان کا الہام بھی نہایت اعلیٰ طور پر ہو کہ جس کو وحی بواسطہ جبرئیلؑ کہتے ہیں پس یہ لوگ **انبیاء**ؑ ہیں۔ اور یہاں سے آپ کو ضرورت **نبوت** بھی خوب معلوم ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تمام افراد نوع میں نفوس **انبیاء**ؑ سب سے زیادہ کامل ہوتے ہیں اور یہ بھی کہ انھیں کے وسیلہ سے عالم قدس کے فیوضات انسان کو نصیب ہوتے ہیں جس نے ان کے حکم سے سرتابی کی وہ اپنے کمالات سے اس طرح محروم رہا کہ جس طرح نفس نباتیہ کی نافرمانی سے شاخ اور پھول و پھل محروم ہو کر سوکھ جاتے اور بگڑ جاتے ہیں۔ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ[1] مگر یہ تو آپ کو خوب معلوم ہوگیا کہ الہام میں سب شریک ہیں ہر مصنف کو، ہر شاعر کو، اور ہر واعظ کو بلکہ ہر ایک کام کے کاریگر کو بھی الہام ہوتا ہے لُہار بڑھئی کو اپنے کام میں الہام ہوتا ہے کہ جس سے وہ طرح طرح کی صنعتیں اختراع کرتا ہے پھر اس میں بھی متفاوت درجے ہیں جو لوگ کہ ہمہ تن اس میں مستغرق رہتے ہیں اُن کی قوتِ متخیلہ یہاں تک غلبہ کرتی ہے

[1] حکم مانو اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کا جب کہ تم کو وہ ان باتوں کے لئے بلائیں جو تمھیں زندگی بخشتی ہیں۔

کہ وہ خیالات ان کو مجسم دکھائی دیتے اور کبھی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ لیکن یہ آوازیں ہاتف غیب کی طرف سے نہیں ہوتیں بلکہ درحقیقت وہاں سوائے اُن کے خیالات کے اور کچھ نہیں ہوتا جیساکہ مجنون آدمی خیالی صورتوں سے باتیں کرتا اور اُن کو دیکھتاہے یا بیمار آدمی غلبہ مرض میں کچھ کچھ دیکھتا سنتا ہے بعض کو بخار آتا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ سب حالات ان لوگوں کے ہیں کہ جن کے قوائے بہیمیہ اور صفات بشریہ غالب ہیں کہ جن کا عوام الناس لقب ہے اور جن کے قوائے ملکیہ غالب ہوتی ہے وہ ان خیالات سے بالکل پاک ہیں پھر ان کی دو قسم ہیں کیونکہ یا تو ان کی قوتِ ملکیہ نہایت علو پر ہے یا ذرا کم قسم اوّل انبیاء علیہم السلام ہیں کہ جن کو باعتبار اختلاف حالات کے مختلف طور پر الہام ہوتاہے کبھی تو خواب میں (جب کہ اس جسم سے توجہ کم ہوتی ہے اور اس عالم کا پردہ اُن سے اُٹھ جاتا ہے) ملائکہ کے ذریعے سے اور کبھی دُو بدو خدائے پاک سے ہم کلام ہو کر مستفید ہوتے ہیں اور کبھی مغیبات عالم مثالی متشکل ہو کر دکھائی دے جاتے ہیں اور کبھی حالتِ بیداری میں کہ جب ملکیۃ کا نہایت غلبہ ہوتا ہے تو یہ تینوں صورتیں پیش آتی ہیں اوّل یہ کہ وہ فرشتہ کہ جس کو ناموس اکبر یا جبرئیل کہتے ہیں پیغام الٰہی پہنچاتا ہے پھر اُس کے بھی کئی طور ہیں۔ اوّل یہ کہ جبرئیل کسی شکل میں ظاہر ہو کے مطلع کر جاوے۔ چنانچہ جنگِ احزاب کے بعد جبرئیل آدمی کی شکل میں غبار آلودہ ظاہر ہوئے اور یہ کہہ گئے کہ آپ اے نبی اللہ! جنگ سے فارغ ہو گئے لیکن ہم نہیں ہوئے، چلئے بنی قریظہ کا محاصرہ کیجئے۔ چنانچہ اس حدیث کو صحاح ستہ میں روایت کیا ہے اور اکثر تو دحیہ کلبی کی صورت میں دکھائی دیتے تھے اور کبھی اجنبی شکل میں اس طرح ظاہر ہوتے تھے کہ جس کو حضار مجلس بھی دیکھ لیتے تھے چنانچہ بخاری مسلم وغیرہما محدثین نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ حضرت جبرئیل مسافرانہ صورت میں نہایت سفید لباس میں ظاہر ہو کر آنحضرت علیہ السلام کے زانو سے زانو ملا کر ایمان اور اسلام کے معنے پوچھنے لگے اور آپ کے جواب کے بعد خود ہی تصدیق کرتے جاتے تھے پھر حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم کو اس کے سوال و تصدیق سے نہایت تعجب ہوا۔ پس جب وہ چلے گئے تو آنحضرت علیہ السلام نے بتلایا۔ یہ جبرئیل علیہ السلام تھے تم کو ایمان و اسلام کے معنے سکھانے آئے تھے۔ اور اسی طرح دو روز جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کہ ایک روز اوّل وقت اور دوسرے روز اخیر وقت امام مالکؒ وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے اس امامت کو بھی غالباً حضار جماعت نے مشاہدہ کیا ہوگا اور صحیح بخاری میں بھی ہے کہ احیاناً یتمثل لی الملک رجلاً فیکلمنی فاعی ما یقول کہ کبھی فرشتہ آدمی کی صورت میں آکر مجھ سے کلام کرتا ہے تو میں اُس کی بات یاد کر لیتا ہوں۔ دوم یہ کہ جبرئیل ملکوتی صورت میں خاص آپ کو ہی دکھائی دیویں اور کلام الٰہی یا احکام الٰہی کبھی مع الفاظ، ور کبھی محض مطلب دل میں القاء کر جاویں اور کلام کر جاویں اور کسی کو نہ اُن کی صورت دکھائی دیوے نہ اُن کی آواز سنائی دیوے چنانچہ اکثر وحی قرآن میں یہی بات پیش آتی تھی اور کبھی جبرئیل علیہ السلام کے وحی لاتے وقت آنحضرت علیہ السلام کو ایک آواز جرس کی مانند سنائی دیتی تھی جیساکہ صحیح بخاری اور مسند احمد بن حنبل میں ہے اور یہ حالت آپ پر نہایت شاق گزرتی تھی۔ اس آواز جرس کی اصل حقیقت نبی علیہ السلام سے منقول نہیں لیکن علماء نے اپنی رائے سے اس کی چند وجہ بیان کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ملائکہ کے پروں کی

قسم اوّل الہام انبیاءؑ

صورت دوم

آواز تھی بعض کہتے ہیں کہ تنبیہ کرنے کے لئے پیشتر آواز آتی تھی واللہ اعلم عنداللہ۔ **دوسری** بیداری کی یہ حالت ہے کہ تجلی ذاتی ہو کر خود بخود خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہو جاویں جیسا کہ کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ کو یہ معاملہ پیش آیا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا اور شب معراج میں یہ بات آنحضرت علیہ السلام کو پیش آئی۔ **تیسری** یہ صورت کہ حالت

صورت سوم

بیداری میں عالم ملکوت کا مشاہدہ و تجلی ہو کر اسرارِ غیب پر مطلع ہو جاویں چنانچہ نماز کسوف میں یہ بات آپ کو پیش آئی۔ **چوتھی** ایک اور صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ فرشتہ غائبانہ آواز سنا کر بتا دے کہ جس کو ہاتفِ غیب کہتے ہیں۔

**اس مقام** پر ایک بات قابل بحث ہے وہ یہ کہ اور جس قدر وحی یا الہام انبیاءؑ کی قسمیں بیان ہوئیں سب ٹھیک ہیں مگر جبرئیلؑ کے ذریعہ سے الہام ہونا یا وحی آنا اور جبرئیلؑ کا مطالب کو کبھی بالفاظ اور کبھی محض معانی دل میں القاء کرنا کیوں ہے؟ کیا اپنی قوت ملکیہ سے خود بخود پیغمبر علیہ السلام خدا تعالیٰ سے ہم کلام نہیں ہو سکتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نقل سے تو جبرئیل علیہ السلام کا الہام اور وحی میں واسطہ ہونا بخوبی ثابت ہے چنانچہ وہ احادیث صحیحہ جو اس بارے میں وارد ہیں ان کا تو کوئی شمار نہیں مگر آیات قرآنیہ بھی اس امر میں بکثرت وارد ہیں منجملہ ان کے یہ ہے قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ یعنی کہہ جو کوئی جبرئیلؑ کا دشمن ہو سو ہوا کرے مگر اس نے تو یہ قرآن تیرے دل پر خدا تعالیٰ کے اذن سے اتارا ہے از انجملہ یہ ہے يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ کہ خدا تعالیٰ جبرئیلؑ کو جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے از انجملہ یہ ہے إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ یہ قرآن اس رسول کریم کا سخن ہے کہ جو قوت والا اور خدا تعالیٰ کے نزدیک معزز اور امین ہے یعنی جبرئیلؑ اور تمہارا نبی (محمد علیہ السلام) کچھ دیوانہ نہیں (کہ اپنے خیالات کو مجنون کی طرح جبرئیل اور وحی سمجھ جاوے) اور اس نے جبرئیلؑ کو (اس کی صورت اصلیہ پر) کنارہ آسمان پر دیکھا ہے اور وہ غیب کی باتوں میں بخیل نہیں اور یہ قرآن شیطان کا قول نہیں (کہ کوئی یہ گمان کرے کہ شاید شیطان جبرئیلؑ کی صورت میں آتا ہو) پس تمہارا خیال کدھر جاتا ہے (کہ جو ایسی ایسی بدگمانیاں کرتے ہو)۔ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ

---

لہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وحی کے وقت ملکیہ کا دور اور بہیمیہ کا تنزل ہوتا ہے جس میں باہم ایک منازعت سی پیدا ہونے سے جسم میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوتا ہے جس سے یہ جھنجھناہٹ کی سی آواز بھی کان میں آتی ہے اور پسینہ بھی آجاتا ہے یا بظاہر بیہوشی کی سی حالت بھی ہو جاتی ہے اور کبھی خراٹا بھی لگ جاتا ہے بلاتشبیہ جب آمد بخار کا وقت اور دورہ شروع ہوتا ہے تو حالت صحت و مرض میں اختلاف عظیم پیدا ہونے سے اصوات تینینیہ وغیرہا باتیں محسوس ہونے لگتی ہیں حالانکہ ان دونوں حالتوں میں جو مرض اور وحی کے وقت پیدا ہوتے ہیں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پس وہ جو روایات میں ہے کہ آنحضرتؐ کو بوقت وحی پسینہ آتا تھا اور بیہوشی سی ہو جاتی تھی یا کبھی خراٹے کی آواز بھی آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محسوس ہوتی تھی غالباً ان کا یہی سبب تھا جس کو سیّل وغیرہ لال بجھکڑوں نے کہیں صرع کا دورہ کہیں کچھ تجویز کر کے آنحضرت علیہ السلام کو نادانی سے موردِ طعن بنایا شرہ وسوء فہمی سے الامان۔ حقانی

بِالْحَقِّ تم کہو کہ اس قرآن کو تمہارے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ روح القدس نے اُتارا ہے یعنی جبرئیلؑ نے۔ بر سرِ اس کا یہ ہے کہ جن کو انبیاءؑ کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے نفوس مزکاۃ ہر طرح کی لوث بشری سے پاک و صاف ہوتے ہیں اور جن کو ملاءِ اعلیٰ میں لوگوں کی رہنمائی اور اصلاحِ دارین کے لئے ممتاز بنایا جاتا ہے قال تعالےٰ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ان کی اطاعت کا قرنوں تک لوگوں کے دلوں میں میلان اور شوق ڈالا جاتا ہے اُن کے موافق پر رحمت اور مخالف پر لعنت اُترتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج تک ہزار ہا برس سے تخمیناً تمام عالم کہ جس میں طرح طرح کے لوگ ہیں انبیاء علیہم السلام کے تابع چلا آتا ہے آخر کچھ تو بات ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے فلاسفر اور حکماء و عقلاء حضرت مسیح علیہ السلام کو مانتے چلے آئے ہیں۔ اور تخمیناً تہائی دنیا نے تیرہ سو برس سے ایک شخص یتیم خشک پہاڑوں کے رہنے والے یعنی حضرت خاتم الانبیاءؐ پر جان فدا کر رکھی ہے ان کا نام دلوں کو مقناطیس[1] کی طرح کھینچتا ہے۔ اگر یہ ملاءِ اعلےٰ کی طرف کی قبولیت نہیں تو پھر کیا ہے؟ تمام یورپ اور امریکہ اور ایشیا اور افریقہ میں ان چند[2] شخصوں کی مانند کوئی رفارمر یا واعظ یا اپنی قوم کا ترقی خواہ یا کوئی حکیم و فلاسفر یا کوئی ریاضیات کا امام یا کلوں کا ایجاد کرنے والا ایسا مقبول اور پیشوا خاص و عام کیوں نہ ہوگیا! کیا کسی کو اس بات کی آرزو نہ ہوتی ہوگی کیوں نہیں بلکہ ہزاروں اس حرص میں ایڑیاں رگڑ کر مر گئے۔ الغرض اس کی معرفت نوع کی اصلاح کے وہ علوم ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کے حاصل کرنے سے عقول عاجز ہیں اور اس کا اتباع ہر فرد پر ایسا لازم اور ضروری ہوتا ہے جیسے کہ درخت یا حیوانات کی صورتِ نوعیہ کا اُس کے افراد یا اعضاء کا عمل پر پس جس طرح درخت کے ہر پتے اور پھول اور ہر شاخ کی بہبودگی اور اصلاح نفس نباتیہ کے ذریعہ سے ہوتی ہے اگر وہ اس کی مخالفت کریں تو اپنے کمالاتِ نوعیہ سے محروم رہ جائیں نہ پتا بڑھ سکے نہ پھول کھل سکے نہ پھل پک سکے۔ اور جس طرح کہ نفسِ حیوانیہ شیر کو گھانس کھانی حرام اور گائے اور بھینس پر فرض واجب رکھتا ہے اسی طرح نبی علیہ السلام کی اطاعت فرض ہے وہ بھی ہر شخص کے لئے اُس کی مضر چیزوں کو حرام اور ضروری باتوں کو فرض تام کہتا ہے چنانچہ ان آیات میں اسی طرف اشارہ ہے هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (خدا تو وہ ہے کہ جس نے اَن جان لوگوں میں انہیں میں سے وہ رسول بھیجا جو اُن کو اس کی آیتیں پڑھ کر سُناتا اور اُن کو پاک کرتا اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور بلاشک اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے)۔

[1] اصل اس کی یہ ہے کہ تمام اشیاء کا مرکزِ اصلی اور مرجع ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور اس کا پر اثر عالم کے ہر جزو میں پایا جاتا ہے مقناطیس کے اندر جو جذب ہے وہ اسی کا پرتو ہے پھول جو بلبل کا دل کھینچتا ہے اُس میں اُسی کا پرتو ہے پس کامل پرتو اُس کا انبیاء علیہم السلام پھر اولیاء کرام میں ہے اسی لئے ان کی طرف تمام عالم کے دل از خود کھینچے چلے جاتے ہیں اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیلؑ کو حکم کرتا ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تم بھی کرو پھر ملاءِ اعلیٰ کے لوگ اُس سے محبت کرتے ہیں پھر منادی کر دی جاتی ہے پس وہ محبت زمین پر بھی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ اہلِ زمین بھی اُس سے محبت کرتے ہیں اور جس سے خدا تعالیٰ کو نفرت ہوتی ہے اُس کی نفرت یوں ہی پھیلتی ہے۔ منہ

[2] یعنی حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ و حضرت محمد علیہم السلام۔ منہ

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ کہ اے مومنو کہا مانو اللہ تعالیٰ اور رسول کا جب کہ وہ تم کو ایسی بات کی طرف بلاتے جو تم کو حیاتِ (ابدی) بخشے۔ وقال يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ کہ رسول لوگوں کے لئے پاک چیزیں حلال اور گندی چیزیں حرام کرتا ہے۔ پس تمام نوع انسان میں سے ان علوم کے لئے انبیاء مخصوص ہونے ضروری تھے اور ان ضروری چیزوں کے لئے الہام بھی وہ ہونا چاہئے تھا جو سب صورتوں میں اعلیٰ اور بعید عن الخطار ہو لیکن الہام کی چھ صورتوں میں سے تین جو خواب میں پیش آتی ہیں اس قابل نہیں کیونکہ اکثر خواب میں قوتِ وہمیہ اور ادراکاتِ عقل صرف کو معارض ہو کر غلط ملط کر دیتی ہے اس لئے مدرکات اپنی مناسب صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ لہٰذا تعبیر دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ باقی رہیں بیداری کی تین صورتیں[1] تو ان میں سے یہ صورت کہ عالم ملکوت منکشف ہو جاوے سو اس کا مآل کار اسی بات پر آرہتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے خود ہم کلام ہو جاوے پس یہ ایک دوسری صورت کہ فرشتہ پیغام لادے قابل اطمینان ہیں اور قرآن مجید انہیں دو صورتوں میں نازل ہوا ہے لیکن انسان کے حالات گو وہ نبی ہی کیوں نہ ہو ہر دم یکساں نہیں رہتے اس لئے یہ حالتِ ہم کلامی قلیل الوقوع ہے اس لئے اس صورت میں بہت ہی کم قرآن مجید نازل ہوا ہے فقط سورۂ بقرہ کا اخیر شبِ معراج میں اس طرح سے نازل ہوا (کما فی الاتقان) پس زیادہ کار برآری کی یہی صورت رہی کہ ناموسِ اکبر یعنی جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صورتِ ملکیہ میں نظر آویں اور بالفاظ کلام پہنچاویں کہ جس کو **وحی متلو** اور قرآن بھی کہتے ہیں اور اس کے علاوہ اور جس قدر صورتیں ہیں سب کو **وحی غیر متلو** اور **سنت** اور کبھی حدیث **قدسی** بھی کہتے ہیں رہی یہ **بات** کہ جبرئیل وہ کلام کہاں سے لاتے تھے کسی تختے پر لکھا ہوا دیکھ کر یاد کر آتے تھے یا پسِ پردہ خدا تعالیٰ سے سُن لیتے تھے جیسا کہ عوام میں مشہور ہے اور جس بنا پر سید احمد خان صاحب نے اعتراض کیا ہے تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ پیشتر فصلِ ملائکہ میں آپ فرشتے کی حقیقت سے واقف ہو چکے ہیں کہ یہ نورانی لوگ ہیں کہ جن کو علیٰ حسبِ مراتب جنابِ باری تعالیٰ سے تقرب ہوتا ہے اور جب کہ جبرئیل نہایت درجہ کے ملائکہ مقربین میں سے ہیں ان کو خدا پاک سے ہم کلام ہونا ہر وقت آسان ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ اور فرشتوں کا باہم کلام اس آواز اور ان حروف سے نہیں کیونکہ یہ چیزیں تو اس عالم میں ہمارے مضامینِ دلی کے ادا کرنے کے واسطے آلات ہیں اور کبھی ہم بھی بغیر ان حروف اور صوت اور تلفظ کے باہم کلام کر لیتے ہیں غیر اعلیٰ لوگ تو قوتِ روحانیہ سے بات چیت صدہا کوس کے فاصلہ سے کر سکتے ہیں مگر تارِ برقی وغیرہ آلات سے ہم بھی چپ ہو کر لب بند کر کے کلام کر سکتے ہیں۔ پس جبرئیل علیہ السلام علم الٰہی سے کہ جس کو **قلم**[2] اور **لوحِ محفوظ** کہتے ہیں مطلع ہو کر اور الفاظ بھی وہیں سے تلقین پا کر آنحضرت علیہ السلام کو حسبِ حاجت پہنچا جاتے تھے۔ اور اس قرآن کی عالم مثال میں

ف صورت نزولِ قرآن

ف جبرئیل قرآن کہاں سے لاتے تھے

---

[1] ہاتفِ غیب کی آواز کا اس بارہ میں کچھ شمار نہیں۔ منہ [2] خواب میں بے زبان کے بولتے اور بے آنکھ ظاہری کے دیکھتے ہیں کیونکہ خواب میں یہ بند ہوتی ہے الغرض بغیر حواس خمسہ کے کاروبار کرتے ہیں اس وقت اور ہی حواس ہوتے ہیں۔ منہ [3] یہ خیال کرنا کہ لوحِ محفوظ کوئی تختی ہے کہ جس پر قرآن خطِ نسخ میں لکھا ہوا تھا یا پردے کے پیچھے سے آواز آتی تھی کہ پھر اُس کے مطابق آنحضرت علیہ السلام کو پہنچاتے تھے، غلط خیال ہے۔ منہ

ایک صورتِ خاص ہے کہ جس کو بیت المعمور میں یکبارگی نازل کرنے کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اس کے ساتھ تمام نازل شدہ قرآن کو مطابق کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب یاد کرادیتے اور آیات کی ترتیب باعتبار تقدیم و تاخیر کے بھی اسی کے مطابق مقرر کردیتے تھے گو نازل ہونے میں اس ترتیب کا لحاظ نہ ہوتا تھا پہلے کا پیچھے اور پیچھے کا پہلے حسب حاجت نازل ہوجاتا تھا خلاصہ یہ کہ پیغمبر علیہ السلام ان الفاظ اور معانی کو جبرئیل ؑ سے حاصل کرتے تھے پھر حفاظ کو یاد کرادیتے اور کاتبینِ وحی سے لکھوادیتے تھے اور خود بھی بخوبی حفظ رکھتے تھے۔ اب اس مقام پر یہ شبہ کرنا کہ خدا تعالیٰ کے کلام میں تو حروف اور آواز نہیں ہے پھر جبرئیل ؑ نے وہ کیونکر سنا ہوگا صفحہ ۲۶ جیسا کہ سید احمد خان صاحب امام رازی علیہ الرحمۃ سے نقل کرتے ہیں محض لغو ہے پھر اس کا یہ جواب دینا کہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے جبرئیل ؑ میں ایسی سماعت پیدا کی ہو کہ خدا تعالیٰ کا کلام سن لیتا ہو الخ بے فائدہ ہے مگر یہ جواب دینا یا یہ ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز جسم دار میں سے خاص طرح کی آوازیں ٹھہر ٹھہر کر نکالی ہوں اور جبرئیل ؑ نے بھی اسی کے ساتھ آواز ملائی ہو پھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل ؑ کو بتلادیا ہو کہ یہی عبارت ہے جو ہمارے کلام قدیم کو پورا ادا کرتی ہے محض لغو ہے۔ حضرت امام فخر رازی ؒ کی شان سے یہ بالکل بعید ہے چونکہ سید صاحب نے کسی مقام کا حوالہ نہیں دیا لہٰذا ہم یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ تقریر کسی کی امام ؒ نے علیٰ سبیلِ قیل نقل کی ہوگی پھر اس پر سید صاحب کا اعتراض دل کھول کر کرنا یہ تقریریں ہمارے علماء قدیم کی اسی قسم کی تقریریں ہیں جن پر آج لوگ ہنستے ہیں اور قرآن مجید اور مذہب اسلام کو مثل اس تقریر کے لغو سمجھتے ہیں الخ صفحہ ۲۷ بناء الفاسد کا مضمون ہے ایسی بے بنیاد تقریروں پر نظر کرکے سید صاحب جبرئیل ؑ اور وحی کے منکر ہوگئے ہیں افسوس آپ کو اس بارہ میں محققین کا کلام دستیاب نہ ہوا **قسم دوم** انبیاء ؑ سے کمتر درجہ کے لوگوں کا الہام ہے ان لوگوں کا الہام غالباً پہلی تین صورتوں پر مبنی ہوتا ہے اور حالتِ بیداری میں خدا تعالیٰ سے کلام کرنا اور بواسطہ ناموس اکبر الہام کا ہونا یہ خاصۂ انبیاء علیہم السلام ہے اسی جگہ سے یہ بات ٹھہر گئی کہ غیر انبیاء ؑ کا الہام ظنی ہے گو ان کو اس پر پورا اعتماد ہوجاوے مگر بغیر قرائنِ خارجیہ کے وہ نفسِ الہام ظنیت کے مرتبہ سے نہیں نکلتا اسی لئے اس کا نام الہام اور اُس کا وحی اس فرق کے لئے اصطلاح میں مقرر ہوا۔ اس جگہ سے اگر کوئی شبہ کرے کہ تم نے اول میں خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونا ہر چیز کا ثابت کردیا تھا اور یہاں خاص حصۂ انبیاء ؑ ٹھہرایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں کلام سے مراد ہماری ایک ارتباط خاص ہے اور یہاں ایک مواجہہ اور کیفیتِ مخصوصہ۔ اس تحقیق سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صورتِ متخیلہ کا

قسم دوم

---

**ف** بعض لوگ چلہ کشی یا کسی اور ریاضت کی وجہ سے یا تو درحقیقت ایسے ہوجاتے ہیں کہ اُن پر بذریعہ خواب یا بیداری میں کچھ القاء ہوتا ہے یا محض یبوستِ دماغ سے اپنے خیالات میں مستغرق ہوکر اُن کی صورتیں دیکھتے اور آوازیں سنتے ہیں پھر ان کو وحی یا الہام قطعی کہتے ہیں اور اس پر بڑی بڑی لن ترانیاں کرتے ہیں اور قرآن کی ان آیات کو جو خاص انبیاء ؑ کی شان میں وارد ہیں کچھ الفاظ کم زیادہ کرکے اپنے اُوپر منطبق کرتے ہیں یہ سب لغو اور بے اصل باتیں ہیں اور یوں اپنے الہام یا مکاشفہ کو قطعی کہنے کے لئے کیا چاہیے ہر شخص منزہ چلا نبوت اور جبرئیل ؑ کے آنے کا دعویٰ کرکے احکام الٰہی اور قرآن میں تغیر و تبدل کرنے کا مدعی ہوسکتا ہے اور صدہا جہلاء بھی اُس کے تابع ہوسکتے ہیں۔ منہ

متشکل ہو کر نظر آنا اور اس کے ساتھ ہم کلام ہونا اُن عامی لوگوں کی شان ہے کہ جن کا نمبر بوست دماغ سے مجنون کے قریب قریب ہے چہ جائیکہ صحیح الحواس پھر اولیاء اور مخلص لوگوں کا تو کیا ذکر ہے ؛ بالخصوص انبیاء علیہم السلام تو اس مرضِ سوداوی سے بالکل بری اور محفوظ بلکہ **معصوم** ہیں پھر سید احمد خاں صاحب کا اُن لوگوں کے حال پر انبیاء علیہم السلام کے حال کو قیاس کرنا بڑی غلطی ہے۔ اس شبہ سے سید صاحب کو اور چند مشکلیں پیش آئیں (۱) یہ کہ جب آپ نے الہام اور وحی اس سوداوی مرض کو فرض کر لیا تو بہت سے لوگوں کو نبیؑ کہنا پڑا اور نبوت کے معنے محض رفارمری اور وعظ گوئی رہ گئی (۲) یہ کہ جب ایسے سوداوی اشکال جبرئیلؑ ٹھہرے تو اصل جبرئیلؑ اور اُن کے ساتھ کل ملائکہ اور اُن کے ذیل میں شیطان اور جن بلکہ کل غیر محسوس چیزوں کا منکر محض بننا پڑا اور جن آیات میں کہ ان چیزوں کے ذکر ہیں اُن کی توجیہات بعیدہ کرنی پڑیں اور کہیں توجیہ نہ بن آئے تو انکار محض (۳) جب یوں نبوت کا دروازہ کھلا اور ہر واعظ اور رفارمر بالخصوص یورپین جنٹلمین واعظ بھی نبی مانا گیا اور ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانہ میں قوم کی ترقی کو نبی کہنا پڑا اور وہاں معجزات سے اُس کو بالکل خالی دیکھ کر اُس کی نبوت باطل ہوتی دیکھی تو سرے سے معجزات بلکہ کل خرقِ عادات ہی کا انکار کر دیا اور جن آیات میں کہ معجزات انبیاء اور خرقِ عادات مذکور ہیں اُن کی بے بنیاد تاویلات اور کہیں انکار کیا (۴) یہ کہ جب نبوت ایسی ہلکی چیز ٹھہری تو جملہ عبادات ساقط عبادت کیا؟ مسلمانوں کے لئے دنیا حاصل کرنے کے وسائل کی تعلیم اور یہی ترقی اسلام (۵) جب عبادت و ریاضت ندارد تو پھر جنت کی نعماء اور دوزخ کی تکالیف کا بھی انکارِ محض اور ان آیات کی تاویلاتِ رکیکہ اور ان چیزوں کے انکار سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ جب عقبیٰ کا ڈر اور امید جیسا کہ چاہیے کچھ بھی نہ رہا تو پھر جائز ناجائز حلال و حرام طور سے دنیا حاصل کرنے کا پورا موقع ہاتھ آوے گا۔ شاید اسی اعتماد پر خان صاحب بہادر اپنے مدرسہ کی تعلیم اور اپنے اقتدار کو دنیا کی بہبودی کے لئے بڑے زور سے وسیلہ بتلاتے اور کافۂ انام کو اس طرف رغبت دلاتے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ یہ خیالات سید صاحب کی بیباکانہ طبیعت کا نتیجہ ہیں یا یورپ کے ملحدوں کی صحبت کا اثر ہر چہ باشد مگر انجام بُرا ہے۔ خدا تعالیٰ اُن کو اور اُن کے متبعین کو اس تاریکی سے نجات دیوے آمین۔ **ف** جب آنحضرت علیہ السلام پر وحی آتی تھی تو آپؐ کو ایک کیفیتِ استغراقیہ پیدا ہو جاتی تھی اور ایک عجیب حالت پیش آتی تھی ظاہراً اس کا یہ سبب ہے کہ روح القدس کے نازل ہوتے وقت کیفیتِ فزع یا فرح کی پیدا ہوتی تھی جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں پر روح القدس نازل ہونے کے وقت ایسی کیفیت پیدا ہوئی تھی جیسا کہ جس کو بعض لوگ نشے کی حالت گمان کرتے تھے چنانچہ کتاب اعمال باب۲ میں آتشیں زبانیں پیدا ہونا اور ہیبت ناک آواز آنا وغیرہ عجائب باتیں مذکور ہیں۔ **ف** جب جبرئیلؑ وحی لاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جلد جلد جبرئیلؑ کے ساتھ اس لئے پڑھتے کہ کچھ بھول نہ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف کو دور کر دیا اور فرمایا کہ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ کہ آپ جلدی نہ کیجئے ہم نے ذمہ لے لیا ہے کہ قرآن کو تمام و کمال جمع کرا کے پڑھوا دینگے۔ **شبہ** وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ

ف — سید احمد خان صاحب کو غلطی پیش آئی

ف

ف

شبہ

---

لہ چنانچہ تہذیب الاخلاق میں بوکشب چندر اور دیانند سرستی وغیرہم کو بھی نبی کہا ہے۔

اَلْقَى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ط کہ ہر نبی کی آرزو میں شیطان کچھ ملا دیتا ہے پھر خدا اُس آمیزش شیطان کو دور کر کے اپنی آیات کو ثابت رکھتا ہے۔ اور اسی آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جس سے شیطان کی آمیزش وحی اور کلام انبیاءؑ میں اچھی طرح سے ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت علیہ السلام ایک بار سورۂ نجم کی یہ آیات مجمع عام میں کہ جہاں بُت پرست بھی موجود تھے پڑھ رہے تھے وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ تو آپ کی زبان سے بے ساختہ شیطان نے بُت پرستوں کے خوش کرنے کو یہ کلمہ نکلوا دیا تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى[1] یعنی یہ بڑے بڑے قد آور بُت ہیں ان کی شفاعت مقبول ہے اور بقولِ بعض مفسرین یہ کلمہ شیطان نے آواز میں ملا کر پڑھ دیا۔ بہر طور وحی میں شیطان کی آمیزش ضرور معلوم ہوئی اور اس قصہ کو بیضاوی اور صاحب معالم وغیرہما نے نقل کیا ہے اور یہاں سے ایک اور بات بھی پیدا ہوئی کہ ممکن ہے کہ جبرئیلؑ کی شکل میں شیطان آکر کچھ آیات بنا کے سُنا جاتا ہو۔ **جواب** اس کا یہ ہے کہ یہ قصہ بالکل جھوٹ اور ملحدوں کی بناوٹ ہے گو بعض سادہ لوح مفسروں نے بے تحقیق اس کو لکھ کر اپنی کتاب کا اعتبار کھویا ہے مگر محققین نے جیسا کہ بیضاوی اور صاحب مدارک اور امام رازیؒ بلکہ جمہور نے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے اس کو رد کیا ہے۔ دلائل نقلیہ میں سے یہ آیات ہیں لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ الآیہ کہ قرآنِ مجید میں کسی طرف سے غلطی نہیں مل سکتی نہ باطل کا اس میں گزر ہو سکتا ہے۔ منجملہ ان کے یہ آیت ہے وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ط کہ قرآن کو حق کے ساتھ ہم نے نازل کیا اور یہ حق کے ساتھ نازل ہوا۔ منجملہ اُن کے یہ آیت ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ یعنی قرآن کو ہم ہی نے نازل کیا اور ہم ہی اُس کے نگہبان ہیں۔ پھر ان آیات کے مقابلہ میں اس بے اصل قصہ کا کہ جس کو کسی محقق محدث نے کسی سند سے بھی روایت نہیں کیا کیا اعتبار ہے؟ اور اس آیت وَمَا مِنْ نَّبِيٍّ الآیہ میں اس بات کا کچھ بھی ذکر نہیں پھر اس سے استدلال کرنا فضول ہے۔ آیت مذکورہ سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ ہر نبی گو کیسا ہی اولو العزم نبی کیوں نہ ہو مقتضائے بشریت سے خالی نہیں اُس کے بعض خیالات میں قوتِ بہیمیہ کی وجہ سے خطراتِ نفسانیہ کی ذرا بو آجاتی ہے لیکن خدا تعالیٰ اُس نبی کو نورِ نبوت پر ثابت اور قائم رکھتا ہے اور اُن خطراتِ شیطانی کو دفع کر دیتا ہے اور اسی لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا ضروری مانا گیا ہے۔ لیکن بعض مفسرین کو لفظ تمنّی کے معنے قرء لے کر اور آیات سے آیاتِ قرآنیہ سمجھ کر اور نسخ سے معنی مصطلح خیال کر کے یہ مغالطہ ہو گیا ہے اس لئے اس کا شانِ نزول وہی جھوٹا قصہ قرار دینا پڑا اور بہت واقعی باتیں جو اُس کا محمل ہو سکتی ہیں خیال سے دُور کر دیں۔ منجملہ اُن کے یہ بات بھی ہے کہ مشرکین مکہ نے (جو اپنی دنیاداری کی وجہ سے نہایت متکبر تھے اُن کو غریب اور مفلس مسلمانوں کے ساتھ مل کر آنحضرت علیہ السلام کی مجلس وعظ میں بیٹھنا نہایت شاق گزرتا تھا) آپ سے عرض کیا کہ اگر ہمارے لئے کوئی خاص وقت معین فرما دیں تو ہم حاضر ہو سکتے ہیں۔ آپ کو چونکہ ہدایت خلق اللہ مقصود تھی اس لئے یہ خیال آیا کہ اگر ان کے لئے

---

[1] کہیں ثابت نہیں ہوا کہ یہ الفاظ حضورؐ کی زبان سے نکلے یہ روایت سراسر غلط ہے۔ حقانی

جُدا وقت مقرر ہو جاوے تو کیا مضائقہ ہے لیکن یہ بات خدا تعالیٰ کو ناپسند معلوم ہوئی کس لئے کہ خدا تعالیٰ کے رو برو اس کے مخلصین کو دنیا مُردار کے لئے ذلیل سمجھ کر متکبرانہ حاضر ہونا ان کے لئے مفید نہ ہوگا اور عام مسلمانوں کے دلوں میں دنیا کی وقعت ہو جاوے گی سو یہ شیطانی القاء اور یہ آپؐ کی تمنا اور یہ خدا تعالیٰ کا اس کو منسوخ فرمانا تھا کہ وہ بات۔ اور اگر بطور الزام کلام کیا جاوے تو اس آیت سے اگر کچھ بات آمیزش شیطانی کی ثابت ہو سکے گی تو پہلے انبیاءؑ میں ثابت ہوگی نہ کہ آپ میں کیونکہ اس میں یہ صریح ہے کہ تجھ سے جس قدر پہلے انبیاءؑ ہیں اُن کا یہ حال ہے نہ کہ آپ ختم المرسلین کا۔ یہ بات مشہور ہے کہ المعترض کالاعمیٰ وہ حق ناحق کچھ نہیں دیکھتا اُس کو اعتراض کرنے کے واسطے ذرا سہارا ملنا چاہیئے۔ اسلام کے وہ مخالف لوگ (کہ جن کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہے اور اُنھوں نے حق و ناحق اسلام کی توہین کا بیڑا اُٹھا رکھا ہے بلکہ اسی بات کی تنخواہ بھی پاتے اور خدا ترسی کو عمل میں نہیں لاتے ہیں) ایسی کمزور بے سند باتوں سے اسلام پر بڑا اعتراض کرتے ہیں چنانچہ پادری فنڈر صاحب اور پادری عماد الدین صاحب پانی پتی اور پادری صفدر صاحب اکبر آبادی اور ماسٹر رامچندر صاحب دہلوی نے تو کوئی دقیقہ ہی باقی نہیں رکھا۔ اپنے ہم مذہبوں کے خوش کرنے کو بڑے بڑے ضخیم رسالے بنا کر مشہور کر دیئے کہ جن کا جواب ناچار اہلِ اسلام کو دینا پڑا۔ ماسٹر رامچندر صاحب نے تحریف القرآن نام پندرہ سولہ جزو کا رسالہ اسی بیان میں لکھا ہے فقیر نے اُس کے جواب میں تعریف القرآن لکھ کر پادری صاحبوں کی ناحق زبان درازی بتلائی ہے، واللّٰہ یہدی من یشاء الیٰ دار السلام۔ رہا اس بات کا جواب کہ شیطان جبرئیلؑ کی صورت میں ممکن ہے کہ آیا ہو یہ ہے کہ اس وسوسہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ نبوت کے اصلی مرتبے کو تسلیم نہ کیا جاوے اور جب کوئی نبوت کی ضرورت اور اُس کی حقیقت پر مطلع ہو جاوے تب اس وسوسہ کا اُس کے دل میں کبھی گزر بھی نہ ہو اس لئے کہ جب اس عالمِ حسی کے انتظامات ایسے ہیں کہ یہاں یہ بات ناممکن ہے (کبھی کوئی عیار کسی گورنر کی صورت میں آ کے امورِ سلطنت میں خلل انداز نہیں ہو سکتا) تو اس عالمِ ملکوت میں یہ بدانتظامی کیونکر ہو سکتی ہے؛ جب ہماری حسِ بصر کہ جو صد ہا جگہ غلطی کرتی ہے کھرے کھوٹے کو پرکھتی ہے پیتل اور سونے بلور اور ہیرے میں فرق صحیح کرتی ہے تو پھر نبی کی چشمِ حقیقت بین کے آگے (کہ جس پر عالمِ ملکوت کے اسرار اور اشیاء کے حقائق منکشف ہیں) حقیقتِ جبرئیلیہ (جو آفتاب جہان تاب ہے) اور حقیقتِ شیطانیہ جو ظلمت آمیز ہے کیونکر مشتبہ ہو سکتی ہے؛ اور اسی حکمت کے لئے جبرئیلؑ قوی امین کو اس امانت کے لئے واسطہ بنایا گیا پس جو یہ کہے (کہ خدا تعالیٰ کو جبرئیلؑ کو واسطہ بنانے کی کیا ضرورت تھی کیوں جس طرح جبرئیلؑ کو تلقین کیا نبیؐ کو نہ کر دیا!) وہ اس سِر سے ناواقف یہ بھی کہے کہ خدا تعالیٰ کو نبوت کی ضرورت تھی جو احکام و علوم اصلاحِ خلق کے نبی کو تلقین کئے وہ خود خلق کو کیوں نہ تعلیم کر دیئے؛

**فصل دوئم** آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حیات میں تمام قرآن کو لکھوا کر ایک جلد میں جمع نہ کیا تھا بلکہ متفرق اجزاء میں اس طور سے تھا کہ کوئی سورت کاغذ پر کوئی رکوع اُونٹ کی ہڈیوں پر کوئی کھجور کے پٹھوں پر لکھا ہوا تھا اس لئے کہ زیادہ دارومدار حفظ پر تھا اور لکھنے کا رواج بھی کم تھا گو لکھے پڑھے لوگ بالخصوص قرآن کے لکھنے والے صحابہ زید بن ثابت انصاریؓ و عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہما بھی موجود تھے اور آپ ہر آیت کو بترتیبِ اصلی بھی لکھوا دیتے اور حفظ کرا دیتے تھے لیکن نہ تو آپؐ کی حیات میں قرآن کے کم ہونے کا خوف تھا نہ مشاغلِ دینیہ

قرآن کیونکر جمع کیا گیا

سے فرصت تھی کہ سب کو ایک جگہ جمع کر کے لکھواتے **الغرض** اُن وجوہ سے من اولہٖ الیٰ آخرہٖ قرآن مجید کو ایک جگہ لکھ کر جمع کرنے کا اتفاق آپؐ کے عہد میں نہ ہوا تھا البتہ متفرق اجزاء میں لکھا ہوا اور صدہا حفاظ کو زبانی اس ترتیب سے جو آج تک چلی آتی ہے خوب یاد تھا اور چونکہ نماز میں پڑھنا اس کا فرض و واجب ہو چکا تھا اور اس کی تلاوت کے فضائل صحابہؓ میں حد سے زیادہ مشہور و ذہن نشین تھے تو قرآن مجید کے لفظ لفظ پر صحابہؓ ایسے حاوی تھے کہ جس طرح اس زمانہ کے حفاظ بلکہ اس سے بھی زیادہ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ اُن کی قوت حافظہ حد سے زیادہ تھی دوم یہ کہ علاوہ تبرک سمجھنے کے وہ لوگ اہل زبان قرآن کے نہایت فصیح و بلیغ عبارت سے خوب آشنا تھے اور اپنی بول چال کی باتوں پر از بس قادر تھے۔ اور ان نمکین فقرات سے خوب مزہ لیتے تھے پس جس طرح آپؐ کی حیات میں قرآن مجید مرتب و معین ہو چکا تھا اسی طرح بے کم و کاست آپؐ کے بعد صحابہؓ کے نوکِ زبان تھا۔ آپؐ کے بعد تخمیناً اُسی سال میں ملک یمامہ میں مسیلمہ کذاب مدعی نبوت سے صحابہؓ کی لڑائی ہوئی اُس میں بہت سے لوگ شہید ہوئے ستر کے قریب حافظ قرآن بھی شہید ہوئے۔ حضرت عمرؓ کی رائے سے سب صحابہؓ اس بات پر متفق ہوئے کہ تنہا حفظ پر مدار قرآن نہ رہنا چاہیئے بلکہ اس کو ایک جگہ لکھوا کر جمع بھی کر دینا چاہیئے کیونکہ اگر اسی طرح دو ایک لڑائیوں میں اور حفاظ بھی شہید ہو گئے تو پھر قرآن کے کم ہو جانے کا خوف ہے۔ زید بن ثابتؓ جو کاتب وحی تھے اس کام کے مہتمم قرار پائے اُنھوں نے حفاظ کو جمع کیا اور جن جن کے پاس جس قدر لکھا ہوا تھا وہ منگایا اور سب سے بعد تحقیق و تنقیح ایک جلد میں نقل کر کے جمع کیا پھر وہ نسخہ ابوبکرؓ کے پاس رہا اُن کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس اُن کے بعد حضرت حفصہؓ ام المومنین کے پاس پھر حضرت **عثمانؓ** کی خلافت میں بوجہ اس بات کے (کہ تنہا وہ ایک نسخہ کافی نہ تھا اور ہر شخص حافظ نہ تھا) لوگوں کو بھولے بھٹکے میں دقت پیش آنے لگی اور اختلاف کی نوبت پہنچنے لگی تو حذیفہ بن الیمانؓ نے حضرت عثمانؓ کو اُس سے نقل کر کے شہرت دینے کی ترغیب دی۔ حضرت عثمانؓ نے پھر زید بن ثابتؓ کو فرمایا اور اُن کی مدد کے لئے **عبداللہ** بن زبیرؓ اور سعید بن عاصؓ اور **عبداللہ**ؓ بن حارث بن ہشام کو (کہ جو قریش کے محاورات سے بڑے ماہر اور قرآن پر بڑے حاوی تھے) متعین فرمایا اور اُنھوں نے اُس نسخے سے جو حفصہؓ کے پاس تھا اُسی تحقیق و مقابلۂ حفاظ سے کہ جس طرح پہلے کی گئی تھی سات یا چھ نسخے نقل کرا کے عراق اور شام اور مصر وغیرہ دیارِ اسلام میں بھجوا دیئے اور اصل نسخہ حضرت حفصہؓ کو دیدیا۔ اور جن لوگوں نے اپنے نسخوں میں بطور تفسیر کے وہ جملے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے تھے درج کر رکھے تھے اور جن کو بعض لوگ آیت منسوخ التلاوۃ سمجھتے تھے اُن کے مصاحف منگا کے رفعِ اختلاف کی نیت سے جلوا دیئے کہ مبادا ان جملوں کو پچھلے قرنوں میں کوئی قرآن کی آیات نہ سمجھنے لگے۔ منجملہ اُن کے عبداللہ بن مسعودؓ کا مصحف بھی جلا دیا گیا۔ اب تک بلا کم و کاست اُنھیں نسخوں کے مطابق اہلِ اسلام میں قرآن ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک ؛ اس مقام پر بعض متعصب دو اعتراض کرتے ہیں (۱) یہ کہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کے مصاحف کو کیوں جلایا ؛ اس کا جواب یہ ہے کہ رفعِ اختلاف کے لئے نیک نیتی سے جلانا کچھ بے ادبی نہیں (۲) یہ کہ تفسیر اتقان وغیرہ کتب میں مذکور ہے کہ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت لقد جاءکم رسولٌ من انفسکم الآیہ میں نے تمام جگہ تلاش کی کہیں نہ ملی مگر

۷

ابو خزیمہ انصاری رضؓ کے پاس لکھی ہوئی ملی اور اسی طرح حضرت عائشہ رضؓ سے منقول ہے کہ ایک آیت لکھی ہوئی ہمارے ہاں پلنگ کے تلے پڑی تھی بکری کھا گئی۔ پس اسی طرح اور روایات بھی ہیں کہ جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ممکن ہے کہ اسی طرح قرآن کی بہت آیات رہ گئی ہوں یا حضرت عثمان رضؓ اور ابو بکر رضؓ اور عمر رضؓ نے وہ آیات کہ جن میں اہل بیت کی مدح تھی درج نہ کی ہوں چنانچہ **شیعہ** کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے دسؔ پارے قرآن مجید کے کم کر دیئے اور بعض شیعہ سورۃ حسنین رضؓ اور سورۃ علی رضؓ اور سورۃ فاطمہ رضؓ پڑھا کرتے ہیں مگر قرآن میں ان کا کہیں پتہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ سورتیں نکال ڈالیں۔ اس شبہ بے اصل کو بعض پادریوں نے اتنا پھیلایا کہ اس میں رسالے لکھ ڈالے چنانچہ عبدالمسیح اور رامچندر اور عماد الدین نے اس میں بڑا ہی زور مار کر قرآن مجید میں **تحریف** ثابت کی ہے لیکن جواب اس کا بہت سہل ہے اور وہ یہ کہ اگر ایسی ایسی دوؔ چار کیا سوؔ دو سوؔ روایات بھی ہماری کتب معتبرہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہا سے نقل کی جاویں اور سب کو علیٰ سبیل فرض محال تسلیم بھی کیا جاوے بلکہ اس سے بڑھ کر ہماری طرف سے اتنی بات اور ملا دی جاوے کہ ایک آیت کیا بلکہ دسؔ بیسؔ آیتیں زید بن ثابت رضؓ کو کسی کے مصحف میں بھی نہ ملیں تھیں اور سوؔ دو سوؔ آیات حضرت عائشہ رضؓ کی بکری بلکہ پورا یا نصف قرآن بھی کھا گئی تھی تب بھی قرآن میں باعتبار اصل مُنزل کے ایک حرف کی کمی بھی نہ تھی ہاں اگر عیسائیوں کی اناجیل اور یہود کی تورات کی طرح قرآن کا دارو مدار ایک آدھ نسخے پر ہوتا تو احتمال تھا کہ ایک دو ورق جانے سے کچھ قرآن جاتا رہا ہو مگر یہاں تو حفظ پر دارو مدار تھا اور اوّل ہی قرن میں بے شمار ایسے پکے حافظ موجود تھے کہ جن میں سے ایک ایک قرآن کے لفظ لفظ پر حاوی تھا خیر آپ اُس اہلِ زبان کے زمانہ کو تو جانے دیجئے ذرا اس ضعف اسلام کے زمانے کو ہی دیکھ لیجئے۔ اگر اس وقت رُوئے زمین پر ایک نسخہ بھی قرآن کا نہ رہے (خدا نکند) تو ایک ادنیٰ گاؤں کے لوگ اپنی یاد سے اُس کو حرف بحرف[1] لکھوا سکتے ہیں پس انجیل و توراۃ پر قیاس کر کے یہ گمان کرنا محض بیہودہ خیال ہے۔ رہا شیعہ کا وہ خیال سو وہ جہلا کی گپ ہے۔ آج تک سلف سے لے کر خلف تک کوئی محقق شیعہ بلکہ کوئی اہلِ اسلام بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا چنانچہ علماء شیعہ اس خیال کی برخلاف اپنی کتابوں میں بڑی شد و مد سے کرتے ہیں۔ شیخ صدوق ابو جعفر محمد بن علی بابویہ اپنے رسالہ عقائدیہ میں کہتے ہیں کہ ”جو قرآن کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ﷺ کو دیا تھا وہی ہے کہ

---

[1] اس مقام پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ابتدا عملداری انگریزی میں یہاں پادری لوگ آئے تو انھوں نے بہ خیال غلط اس بات کے کہ یہاں مطابع تو ہیں نہیں قلمی نسخوں پر مدار ہے، مسلمانوں سے قرآن مجید کو گراں گراں قیمت کو خریدنے شروع کئے اور سالہا یہ معاملہ رہا چنانچہ میرٹھ اور دہلی کے نواح کے بہت لوگ معمر اس کی شہادت دیتے ہیں وہ بزرگ کہتے ہیں کہ ایک پادری میرے دوست تھے میں نے اُن سے پوچھا کہ سچ کہو یہ اس قدر نسخے تم کیوں خریدتے ہو؟ بالآخر بڑے اصرار سے اس نے یہ راز بتلایا کہ یہاں کے مشن کی یہ رائے ہے کہ ان لوگوں سے نسخے خریدلئے جاویں پھر جب نہایت نایاب ہوں تو لندن سے مختلف نسخے قرآن مجید کے طبع کر کے یہاں کے مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کئے جاویں پس مسلمانوں میں بڑا اختلاف قرآن میں پڑ جاوے گا اور دینِ مسیحی کا خوب ظہور ہوگا۔ وہ کہتے ہیں میں نے کہا کہ یہ خبط ہے اس سے کچھ بھی نہ ہوگا ناحق روپیہ صرف کرتے ہو چنانچہ اُس کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور خرید نا موقوف کیا۔ والعلم عنداللہ۔ منہ

جواب لوگوں کے پاس موجود ہے نہ اس میں کچھ کم ہوا ہے نہ زیادہ " تفسیر مجمع البیان میں کہ جو شیعہ کے نزدیک معتبر تفسیر ہے سید مرتضیٰ کہتے ہیں " جو قرآن کہ عہد پیغمبر علیہ السلام میں تھا وہی اب بھی ہے بلاتفاوت " قاضی نوراللہ شوستری اپنی کتاب مصائب النواصب میں لکھتے ہیں کہ " یہ بات جو شیعہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ وہ قرآن میں تغیر و تبدل کے قائل ہیں محض غلط ہے محققین شیعہ میں سے کوئی اس کا قائل نہیں اور جو کوئی کہے تو اس کا کیا اعتبار ہے " ملا صادق شرح کلینی میں لکھتے ہیں " یہ قرآن اسی طرح امام مہدی تک سالم رہے گا " محمد بن حسن عاملی کہتے ہیں کہ " جو روایات پر ذرا بھی نظر کرے گا یقینی طور پر جان جاوے گا کہ قرآن میں بچند وجوہ کمی زیادتی ناممکن ہے " اور بالفرض کوئی صاحب یہ عقیدہ بھی رکھیں تو ہم اس کو دو وجہ سے قائل کرتے ہیں (۱) یہ کہ ائمہ اہل بیت اور بنی ہاشم بالخصوص آل علیؓ اور خود حضرت علیؓ اور بنی فاطمہؓ نے کیوں اپنے مصاحف کو محفوظ نہ رکھا بلکہ شیعہ ہی میں وہ قرآن مروج اور مستعمل ہوتا۔ اور خیر اگر ظاہرًا اس کو نہ رکھتے چھپا ہی کے رکھتے ورنہ حفظ کے طور سے متوارث رکھتے بلکہ اصل حمیت اسلام تو یہ تھی کہ اس خیانت قرآن کے بارے میں مخالفین کو علی رؤس الاشہاد فضیحت کرتے اول تو جس طرح کچھ نہ کچھ لوگ ہر زمانے میں اُن کے ساتھ ہوتے رہے ہیں اس وقت بھی ہوتے ورنہ بنی ہاشم تو ضرور ساتھ دیتے اور اگر کوئی نہ دیتا تو خدا تو ساتھ ضرور ہی دیتا کہ جس نے قریش کے مقابلہ میں ایک یتیم بے کس بے زر یعنی سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد کی اور روئے زمین پر اس کا مذہب پھیلا دیا ورنہ خیر جس طرح امامت اور ریاست کے بارے میں نوبت بشہادت پہنچی اس خاص دینی کام میں پہنچتی تو کیا تھا نہے نصیب۔ اب پادری صاحب فرماتے وہ کونسی حمیت شیعہ ہے جو اپنے اکابر علیہم السلام کی نسبت یہ بدگمانیاں جائز رکھ کر برائے شگن کے لئے اپنی ناک کٹائے گا۔ اصحاب ثلثہ رضی اللہ عنہم کی ضد میں اپنے بزرگوں کو برا کہہ کے قرآن کی تحریف کا قائل ہو جائے گا (۲) اُن آیات کا کیا جواب ہے کہ جن میں خدا پاک نہایت تاکید کے ساتھ اس کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہے قال تعالےٰ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ **تنبیہ**

ماسٹر رامچندر نے اپنی کتاب تحریف القرآن اور پادری عماد الدین نے کتاب ہدایت المسلمین میں اور دیگر لوگوں نے اپنی اپنی تصانیف میں اس الزام کے دفاع میں (کہ تورات و انجیل میں متقدمین اہل کتاب کی بد دیانتی یا غفلت سے بیشمار تحریف لفظی اور معنوی ہوئیں جس کے محققین اہل کتاب بھی مقر ہیں چنانچہ ہارن اور ہنری اور اسکاٹ اپنی تفاسیر میں اور پادری فنڈر اختتام مباحثہ دینی مطبوعہ اکبرآباد میں صدہا بلکہ ہزارہا ویریوس ریڈنگ یعنی غلطی کاتب کے قائل ہیں اور بہت سی آیات اناجیل اور بعض ابواب کتب جبیل کو الحاقی مانتے ہیں) چند وہ روایات ہماری کتب تفاسیر اتقان وغیرہ سے نقل کی ہیں کہ جن سے بعض آیات قرآنیہ کا منسوخ التلاوۃ ہونا معلوم ہوتا ہے اور اُن کو بڑے بسط کے ساتھ لکھ کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن مجید میں بھی تحریف ہے۔ ان بے اصل باتوں کا جواب بفضلہٖ جواب تحریف القرآن رسالہ **تعریف القرآن** میں فقیر دے چکا ہے مگر کسی قدر مختصر یہاں بھی بیان کرنا ضروری ہے وھو ھذا تحریف لفظی یا معنوی خواہ بزیادت خواہ بنقصان کسی کتاب میں جب ثابت ہوتی ہے کہ جب صاحب کتاب کے بعد یا اس کی طبیعت میں اس کی مرضی بغیر کی جائے اور جب وہ خود کمی زیادتی اپنی کتاب میں کرے تو اس کو کوئی دانشمند تحریف نہ کہے گا۔

تنبیہ جواب پادری دربارہ آیات منسوخ التلاوۃ

**پس** جب یہ قرار پاچکا تو اس اعتراض کا جواب دو طور پر ہے (۱) یہ کہ یہ روایات اگر صحیح تسلیم کی جاویں تو اُن سے غایۃ مافی الباب یہ ثابت ہوگا کہ یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کسی سرِ خدائی کی وجہ سے منسوخ التلاوۃ ہوگئیں اور اس کے اکثر اہلِ اسلام قائل ہیں البتہ تحریف جب لازم آئے کہ کسی روایتِ صحیحہ سے یہ ثابت کردیا جائے کہ جو قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوقتِ اخیر دنیا میں چھوڑ گئے تھے اُس میں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ کم زیادہ ہوگیا ہے (۲) یہ کہ قرآن وہ ہے کہ جو آنحضرت علیہ السلام سے بنقل متواتر بلاشبہ منقول ہے اور ان روایات میں بعض تو محض بے اصل ہیں اور بعض جو صحیح ہیں تو خبر احاد ہیں اُن کے ذریعے سے جو جملے منقول ہیں اُن کو ہم قرآن کی آیات نہیں کہہ سکتے **پس** جب وہ قرآن کے جملے ہی نہیں تو اب اُن کے قرآن میں نہ ہونے سے یہ نہیں لازم آتا کہ قرآن میں کمی ہوگئی یا تحریف واقع ہوئی کیونکہ تحریف جب کہتے ہیں کہ جب ان کا جزءِ قرآن ہونا ثابت ہوجاتا اور پھر یہ قرآنِ موجود میں نہ پاتے جاتے بلکہ **بعض** محققین تو یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ روایات تواتر کو بھی پہنچ جاویں تب بھی اُن جملوں کو ہم جزء یا آیتِ قرآن نہ کہیں گے کیونکہ نسخ التلاوۃ بے اصل بات ہے پس وہ جو نص صحابہؓ سے منقول ہے کہ ہم اس آیت کو حضرتؐ کے عہد میں قرآن میں پڑھتے تھے لو کان لابن آدم وادیان من الذھب لابتغیٰ ثالثًا ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علیٰ من تاب۔ یا اس کو جزءِ قرآن سمجھتے تھے: الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالًا من اللہ واللہ عزیز حکیم۔ یا یہ جملہ آیت میں شامل تھا: حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ العصر وغیر ذالک تو اس کی یہ وجہ ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور تفسیر کے کوئی جملہ جمل مذکور میں سے آیت کے ساتھ پڑھ دیا لوگوں نے غلطی سے اُس کو بھی قرآن کی آیت سمجھا اور جب یہ جملے اصل قرآن میں نہ ملے نہ آنحضرتؐ نے اُن کے لکھنے کا کاتبوں کو حکم دیا تو اُن کو منسوخ التلاوۃ سمجھ گئے۔ **پس** امر حق یہی ہے کہ یہ قرآن بجنسہٖ وہی ہے کہ جس کو جبرئیلؑ آسمان سے لاتے تھے اس میں ایک حرف بھی کم زیادہ نہیں ہوا نہ آنحضرت علیہ السلام کے عہد میں نہ بعد میں کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ **فصل ۳**. آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظاہر ہونے کی تمام انبیاءؑ بشارت دیتے چلے آتے ہیں اگرچہ یہود و نصاریٰ نے ضد کے مارے بہت سی بشارتیں نکال ڈالیں اور بہت کو تاویلات اور ترجموں کے ذریعے سے بدل دیا مگر پھر بھی جس طرح ڈھتے پھوٹے مکانات کے نشان باقی رہ جاتے ہیں اس قدر باقی ہیں کہ اتنی بشارات اور کسی کے لئے ثابت نہیں۔ توراۃ و دیگر صحف انبیاءؑ مثل کتاب دانیال وغیرہ۔ زبور وانجیل و مکاشفاتِ یوحنا میں کہیں بطور اجمال اور کہیں نام پاک محمدؐ یا احمدؐ کے تصریح ہے (کہ جس کا ترجمہ فارقلیط پھر اُس کو بدل کر وکیل و معین پھر اس کو چھوڑ کر روح بنایا) بلکہ ہنود کی وید اور پارسیوں کے دساتیر میں بھی حضرتؐ کے دینِ پاک کے ظہور کا ذکر ہے چنانچہ اس بارے میں بعض علماء نے نہایت تفصیل سے کتابیں لکھی ہیں اور کیوں نہ ہوتا آپؐ تمام انبیاء علیہم السلام کے سرتاج ہیں۔ ہم عیسائیوںؓ کی طرح اور یہود کی مانند اس قدر مبالغہ نہیں

فصل سوم آنحضرتؐ کے حالات میں

لہ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی صورت میں خدا ظاہر ہوا تھا اسی طرح گرمچھ سور وغیرہ اوتاروں میں ہنود کے اعتقاد میں خدا نے ظہور کیا تھا، تعالیٰ اللہ عن ذالک علوًا کبیرًا۔ منہ

کرتے کہ خدا پاک محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں ظاہر ہوا تھا کیونکہ کفر ہے مگر اس میں شک نہیں کہ آپؐ باعث ایجادِ عالم ہیں پس آپؐ کے انوار و برکات پشت در پشت ظاہر ہوتے چلے آتے تھے کما قال تعالےٰ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ حتےٰ کہ جس روز آپؐ پیدا ہوئے آتشکدۂ فارس کی آگ بجھ گئی، کسریٰ کے محل کے کنگورے گر پڑے عرب میں جو قحط تھا دفعۃً دُور ہو گیا۔ حضرت آمنہ والدۂ ماجدہؓ کی خدمت میں روحانی لوگ آتے اور پھر بچپن سے لے کر چالیس برس کی عمر تک جس قدر خوارق عادات و معجزات لوگوں نے دیکھے اُن کا کچھ شمار نہیں۔ کفارِ قریش آپؐ کی عزت اور عظمت حد سے زیادہ کرتے تھے۔ آپؐ کی نیک چلنی اور بزرگی اور مکارمِ اخلاق کا جس قدر عرب میں شہرہ تھا اُس کے لئے وہ قصائد جو اس وقت کے لوگوں نے لکھے تھے نمونہ ہیں اُن میں سے اس وقت مجھ کو ابوطالب کا ایک شعر یاد آیا وہ یہ ہے ؎ وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ؂ ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل ؂ یعنے آپؐ ایسے متبرک اور گوری شکل کے ہیں کہ خدا تو آپؐ کے چہرۂ پُر انوار کی برکت سے بارش نازل کرتا ہے جب کہ اس کے ذریعہ سے بارش کی لوگ دعا کرتے ہیں اور آپؐ یتیم بے کسوں کی پناہ اور بیوہ اور مصیبت زدہ عورتوں کے چارہ ساز ہیں۔ اس عمر میں گو آپؐ پر وحی نازل نہ ہوئی تھی مگر خلقِ خدا کی بہبودی اور خدا تعالےٰ کی عبادت میں شب و روز مصروف رہتے تھے۔ اُصولِ فطرت میں سب انبیاء علیہم السلام ایک ہیں ہاں بعض احکامِ شریعت جو ہر زمانے اور ہر قوم کی مصلحت کے موافق دیئے جاتے ہیں اُن میں اختلاف ہوتا ہے پس جو طریقہ حضرت آدمؑ کا تھا وہی نوحؑ کا وہی ابراہیمؑ و عیسیٰؑ و موسیٰؑ کا تھا علیہم السلام۔ پس جس طریقے پر یہ لوگ قبل نبوت عمل کرتے تھے اُسی فطرتِ الٰہی پر آپؐ کا بھی عملدر آمد تھا۔ حضرت ابراہیمؑ چونکہ آپؐ کے اور حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ سب کے جدِ امجد بھی ہیں اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ آپؐ ملتِ ابراہیمیہ کے پابند بلکہ متمم اور مکمل تھے حضرت حمل میں تھے کہ آپؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا اور تخمیناً چھ برس کے تھے کہ والدہ ماجدہ انتقال کر گئیں۔ آپؐ کے جدِ امجد عبدالمطلب جو سردارِ قریش تھے آپؐ کی کفالت اور تربیت میں مصروف تھے جب سات برس کے ہوئے تو عبدالمطلب بھی مر گئے اور آپؐ کے چچا ابوطالب کو آپؐ کی کفالت سپرد کر گئے۔ بحکمِ الٰہی حضرت اسرافیلؑ آپؐ کی ملازمت میں رہتے تھے پس گیارہ برس تک یہ ملازمت عالی میں رہا کئے بعد اس کے ۲۹ برس تک جبرئیل علیہ السلام آپؐ کے ساتھ رفاقت میں رہے لیکن دکھائی نہ دیتے تھے اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ کئی بار ایک دو بات بھی آپؐ سے کی تھیں اور وحی سے پندرہ برس پیشتر آپؐ کو آوازِ غیب سُنائی دیتی تھی مگر کوئی شخص دکھائی نہ دیتا تھا اور سات برس پہلے سے ایک عجیب نُور دکھائی دیتا تھا کہ جس سے ہر وقت مسرُور رہتے تھے۔ پس جب ایامِ وحی نہایت قریب پہنچے تو حضور علیہ السلام کو **خلوت**[1] کی طرف

[1] خلوت کے چند اقسام ہیں (۱) یہ کہ محض استغراق فی ذات اللہ کے لئے نہ کو اسطے حاصل کرنے علوم کے بطریقِ نظر و فکر کے (۲) خلوت واسطے صفائی فکر اور خیالات کے تاکہ مجہولات کو اچھی طرح حاصل کریں جیسا کہ حکماء اشراقیین کی خلوت (۳) غیر جنس اور بے فائدہ چیزوں سے وحشت دفع کرنے کے لئے ہوتی ہے (۴) طلب لذت کے لئے کہ جو خلوت میں حاصل ہوتی ہے۔ لیکن آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلوت اوّل قسم کی تھی کیونکہ یہ اخیر خلوتیں درحقیقت خلوتیں نہیں ہیں اُن کے خیالات اُن کے (باقی صـ۹۲ پر)

نہایت رغبت ہوئی تو جبل حرا میں (جو کعبہ سے تخمیناً ڈھائی میل) ایک غار ہے کہ جس کا طول چار گز اور عرض سوا گز نا اور کبھی اس سے کم وہاں تنہا ذکر الٰہی میں ہمہ وقت مستغرق رہتے تھے۔ حضرتؐ کی بیوی خدیجہؓ دو چار روز کا کھانا پانی آپؐ کو دے آیا کرتی تھیں اور کبھی کبھی آپؐ بھی تشریف لاتے تھے۔ پس جب ہمہ تن نور اور ظلماتِ جسمانیہ دور ہو گئے تو عالم قدس کا انکشاف آپؐ کے دل پر ہو گیا اور حجابِ جسمانی اٹھ گئے پس جس حجر و شجر کے پاس سے گزرتے تھے بزبانِ فصیح السلام علیک یا رسول اللہؐ کہتا تھا اور جب آپؐ دائیں بائیں دیکھتے تھے تو کوئی نظر نہیں آتا تھا حالانکہ آپؐ کو اس بات کا سان و گمان بھی نہ تھا تاکہ آواز خیالی کہی جاوے۔ پس ایک روز حرا پہاڑ پر کھڑے تھے کہ ایک شخص ظاہر ہو کر یہ کہنے لگا أَبْشِرْ يَا مُحَمَّدُ أَنَا جِبْرِيلُ وَأَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ [۵۲] اور ایک حریری کپڑا سا جو نہایت خوبصورت تھا آپؐ کے دستِ مبارک پر رکھ کر فرمایا کہ اس کو پڑھو۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نہیں پڑھ سکتا۔ پھر آپؐ کو اپنے سے چمٹایا اور کہا لو اب پڑھو پھر آپؐ نے یہی عذر کیا پھر چمٹایا۔ الغرض تین بار یہ معاملہ ہوا۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ تیسری بار نہایت زور سے بھینچا اور یہ کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ پھر آپؐ اور جبریلؑ دونوں پہاڑ سے نیچے اتر آئے اور ایک پتھر کے پاس آپؐ بیٹھ گئے اور وہاں جبریلؑ نے پاؤں مارا تو ایک پانی کا چشمہ بہنے لگا۔ جبریلؑ نے وضو کر کے تھوڑا سا پانی آپؐ کے منہ پر چھڑکا اور کہا اسی طرح آپؐ بھی وضو کیجئے اور دو رکعت نماز نفل پڑھئے۔ پس آپؐ نے اقتدا کی۔ الغرض وضو اور نماز اس روز سکھائے گئے اور سورۂ اقرأ نازل ہوئی۔ چونکہ یہ خاص طرز طہارت اور عبادت اور جمیع اسرار شریعت و طریقت بلکہ انکشاف عالم لاہوت و ملکوت آپؐ کو اس وقت نصیب ہوا پہلے نہ جانتے تھے اسی لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى کہ آپؐ کو ان چیزوں کا رستہ معلوم نہ تھا تو ہم نے راہ بتلائی وقال مَا كُنْتَ تَدْرِيْ

(بقیہ حاشیہ ص۹۱) ہم جلسہ رہتے ہیں البتہ پہلی خلوت خلوت ہے کہ جس میں سوائے ذات بحت حق سبحانہٗ کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا نہ آپ اپنے خیالات سے مکالمہ مختصر خواہم کہ در وے وہموں جلتے من وجاتے تو باشد و بعض ناواقفوں کا یہ کہنا کہ اس خلوت میں سبب یبوست کے حضرتؐ کو خیالات متشکل ہو کر نظر آنے لگے تھے کہ جن کو وہ جبریلؑ سمجھتے تھے اور در اصل کچھ نہ تھا) بڑی نادانی ہے کیونکہ وہاں تو خیالات کا گزر ہی نہ تھا۔ خیالات دفع کرنے کے لئے اہل حق خلوت اختیار کرتے ہیں البتہ اہل دنیا خیالات بڑھانے کے لئے کرتے ہیں۔ منہ

[۵۱] جس طرح کہ پھول کی صحبت میں مٹی معطر اور آگ کی ملازمت سے لوہا انگر ہو جاتا ہے اسی طرح نفوس قدسیہ کہ جن کے اندر نہایت قابلیت ہوتی ہے يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ جب علائق کو چھوڑ حق سبحانہٗ کی طرف منہ موڑتے ہیں تو ان کے آئینۂ دل پر اس قدر انوار حق فائض ہوتے ہیں کہ ہمہ تن نور اور آفتاب عالم تاب ہو جاتے ہیں ان کو تو کیا بلکہ ان کے انوار میں آنے والوں کو بھی اس عالم ملکوت کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور اسی لئے انبیاءؑ کو آفتاب یا چراغ سے تشبیہ دی جاتی ہے کما قال تعالیٰ سِرَاجًا مُّنِيْرًا کہ ہم نے تمہارے پاس رسول بھیجا جو چمکتا چراغ ہے۔ منہ

[۵۲] مژدہ ہو تم کو اے محمدؐ! میں جبریلؑ ہوں اور آپؐ اس امت کے رسول خدا ہیں۔ منہ

مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ یعنی آپؐ کتاب اور شرائع اسلام پہلے نہ جانتے تھے۔ بعض متعصبین نے (ان آیات کو اور ان کو کہ جن میں آپؐ کو مغفرت اور استغفار سے مخاطب کیا ہے اپنے حال پر خیال کر کے گمراہی عرفی اور گناہِ متعارف سمجھ کر) آپؐ کی جناب میں گستاخی کے کلمات کہہ کر جہنم میں ٹھکانا بنایا ہے چنانچہ اس بارے میں پادری عماد الدین اور پادری فنڈر وغیرہما نے اپنی ایمانداری کو خوب ظاہر کیا ہے۔ الغرض آنحضرت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس عجیب کیفیت سے مطلع ہو کر گھر میں حضرت خدیجہ رضؓ کے پاس آئے اور اُن کو مطلع کیا۔ وہ آنحضرت علیہ السّلام کو ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں جو کُتبِ سماویہ سے واقف تھے، اُنھوں نے کہا یہ ناموس اکبر ہے آپؐ نبی ہیں آپؐ کے پاس آئے ہیں اور انبیاءؑ ہی کے پاس آتے ہیں۔ پس اس کے بعد چھ ۶ مہینے تک وحی بند رہی کہ جس سے آپؐ کو رنج رہتا تھا ؎ ذوقِ الطافِ تو کاش نمی یافت دلم ﴿ یاد ہر لحظہ تو اکنوں سبب صد الم است ﴿ پھر ایک روز جبرئیلؑ اپنی صورت پر نظر آئے اور سورۂ مدّثّر نازل ہوئی پھر سورۂ مزّمّل اور پھر سورۂ نوٓن اور پھر سورۂ فاتحہ اور پھر تبّت اور پھر حسبِ حاجت قرآن نازل ہوتا رہا بعد نبوّت کے تیرہ برس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ میں رہے اور لوگ ایمان لاتے رہے جو لوگوں میں سب سے اوّل ابوبکر رضؓ، لڑکوں میں علی رضؓ، عورتوں میں خدیجہؓ ایمان لائیں پس بہت لوگ اسلام میں داخل ہوتے چلے تو مشرکین مکّہ کو اور زیادہ کینہ پیدا ہوا۔ طرح طرح کی تکلیفات دینا شروع کیا تب مسلمانوں کی ایک جماعت جعفر طیّار رضؓ کے ساتھ ہجرت کر کے ملک حبشہ میں چلی گئی وہاں کا بادشاہ نجاشی نام نصرانی تھا تورات و انجیل سے خوب ماہر اوّل کتابوں میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیکھ کر ظاہر ہونے کا منتظر تھا جب ان لوگوں سے حال دریافت ہوا اور قرآن سُنا تو خود مع اپنے ارکانِ دولت کے ایمان لایا اور ان لوگوں کی بڑی خاطر تواضع کی۔ چند روز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضؓ بھی مدینہ کو روانہ ہوئے۔ وہاں کے لوگ پہلے سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے یہ خبر سُن کر تشریف آوری کے منتظر رہا کرتے تھے جب آپؐ تشریف لائے تو خوشی کے نعرے مارتے ہوئے آپؐ کو استقبال کر کے مدینہ میں لے گئے۔ پچیس ۲۵ روز آپؐ قُبا میں ٹھہرے جو مدینہ طیّبہ سے تین میل ہے پھر مدینہ میں آئے مدینہ طیّبہ میں بھی حسبِ حاجت قرآن مجید نازل ہوتا رہا۔ اوّل بار بدر کی لڑائی کفّارِ مکّہ سے پیش آئی پھر اُحد کی اور پھر مکّہ فتح ہو گیا۔ الغرض یمن و نجد و عراق و بحرین سب مطیعِ اسلام ہو گئے۔ دسویں سال آپؐ ربیع الاوّل کی بارہویں تاریخ پیر کے روز دُنیا سے تشریف لے گئے ؎۔ مدینہ میں سورۂ بقرہ و آلِ عمران

---

؎ آپؐ کے بعد صحابہ رضؓ نے روم (یعنی اطراف ایشیائے کوچک) شام مصر و ایران وغیرہ ملک فتح کرتے روئے زمین پر اسلام چمکا دیا پھر تابعین کے عہد میں ہندوستان میں سندھ کے ملک میں عملداری قائم ہو گئی۔ آپؐ کے بعد ابوبکر رضؓ پھر عمر رضؓ پھر عثمان رضؓ پھر علی رضؓ پھر حسن رضی اللہ عنہم تیس برس کے اندر یکے بعد دیگرے حضرت صؐ کے جانشین ہوتے پھر سلطنت کا طور ہو گیا یہ بادشاہت معاویہ رضؓ کے قبضہ میں آئی پھر اُن کے بیٹے یزید کے پھر اُس کے بیٹے معاویہ کے پھر مروان بن الحکم کے پھر اُس کی اولاد میں مدّت تک رہی بعد ان کے حضرت عباس رضؓ کی اولاد میں آئی تخمیناً چار سَو برس انھیں کے قبضہ میں رہی ہارون رشید مامون رشید وغیرہ سلاطین انھیں کے لوگ ہیں پھر قوم مغل کہ جو اس وقت کفّار تھے بغداد پر حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنت جاتی رہی پھر مصر کے سلاطین نے ان کو نکالا .. .... [illegible]

و مائدہ وغیرہا سورتیں نازل ہوئیں۔ سب سے پچھلی سورۃ بعض کے نزدیک سورۃ برارت ہے بعض کہتے ہیں سورۃ نصر۔ کُل قرآن تیئیس برس میں تدریجاً لوگوں کی سہولت[ل] کے لئے نازل ہوا۔ اپنی حیات میں آپؐ کُل ایک بار قافلہ کے ساتھ نبوت سے پہلے بقصدِ تجارت شام کو تشریف لے گئے تھے سو بعض راہبوں نے آپؐ کو بسبب علامات اور کرامات کے پہچان لیا پس مصلحت ہوئی کہ آپؐ واپس جاویں تب آپؐ واپس تشریف لائے۔ اب میں پادریوں کی ایمانداری اور انصاف کو دکھاتا ہوں کہ وہ اس امر میں کیا کہتے ہیں **پادری عمادالدّین** نے اپنی کتاب ہدایت المسلمین کے باب ہفتم فصل اوّل میں صفحہ ۲۵۱ سے لے صفحہ ۲۶۱ تک جو آنحضرت علیہ السلام کا حال خلاف واقع بیان کیا ہے اس کے رد کرنے کے لئے چند عیسائی محققین کے قول کافی ہیں۔ اب میں پیشتر عمادالدین کی عبارت کو ملخص کر کے لکھتا ہوں تاکہ اُن کی ایمانداری اور انصاف کا حال معلوم ہو جاوے۔ **قولہ** عرب میں ایک شہر مکہ ہے کہ جس میں ایک مندر یعنی بُت خانہ تھا جس کا نام کعبہ ہے وہاں ہر سال میلہ لگا کرتا تھا محمدؐ صاحب کے باپ دادا وہاں کے پجاری تھے جب محمدؐ صاحب پیدا ہوئے اور جوان ہو گئے جب روزگار اور کمائی کی فکر میں کئی جگہ کا سفر اختیار کیا (بالکل جھوٹ)۔ آخر کار خدیجہؓ کے نوکر ہو کر شام میں گماشتے کے طور تجارت کے لئے گئے۔ چونکہ محمدؐ صاحب نے کئی جگہ کے عیسائیوں کی گفتگو سُنی تھی اور بُت پرستی کے عیوب اُن پر ظاہر ہو گئے تھے کیونکہ ذرا غور سے بُت پرستی کے عیوب ظاہر ہو سکتے ہیں (افسوس اس وقت کے عیسائی تو بقول آپ کے بُت پرست ہی تھے مگر اب کے عیسائیوں پر بھی بُت پرستی کے عیوب بڑے غور سے ظاہر نہ ہوئے بندے کو خدا بنا کے پوجنا اس سے زیادہ کیا بت پرستی ہو گی) پس محمدؐ صاحب نے کارِ تجارت اختیار کیا اور یہودیوں اور رومن کیتھولک عیسائیوں سے اور پارسیوں سے

---

**ل** علاوہ سہولت کے تدریجاً نازل ہونے میں یہ چند حکمتیں اور ہیں (۱) یہ کہ یکبارگی نازل ہونے میں مخالفوں کے لئے قرآن کے مثل بنانے میں کچھ عذر ہوتا کہ ہم اتنی بڑی کتاب کی برابر کیونکر بناویں جب تیئیس برس میں جُملے جُملے ہو کر نازل ہوا تو اس عرصہ میں بڑی مہلت اُن کو دی گئی پس جب بھی اُن سے کچھ نہ ہوا تو دعویٰ تحدی پورا ہوا (۲) قرآن نازل ہوتے وقت خدا کے سے نہایت قُرب اور ہم کلامی حاصل ہوتی تھی پس خدا نے اپنے پیارے نبیؐ کو ابتداء نبوت سے لے کر اخیر عمر تک اس خوبی سے سرفراز رکھا بخلاف حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ کے کہ ان کو ساری عمر میں یہ دولت ایک بار ملی ما ودعک ربک و ما قلیٰ کے وعدہ کو خوب سچا کیا (۳) آپؐ کو بار بار جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات نصیب ہوتی تھی کہ جس سے قوتِ ملکیہ کی جلا ہوتی رہتی تھی اور صدہا کمالات آناً فاناً حاصل ہوتے تھے (۴) چونکہ آپؐ کا دین الیٰ یوم القیامۃ باقی رکھنا منظور تھا اس لئے ضروری ہوا کہ تیئیس برس کے عرصہ میں جس قدر مختلف حالات جو بندوں کو احکام الٰہی کی نسبت پیش آتے ہیں ان کی رعایت کر کے شریعت ابدی قائم کی جائے چونکہ حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ کو ایک دن یہ بات نصیب ہوتی اور آپؐ کو تیئیس برس پس اس پر آپؐ کے دین کے قیام کو اُن کی شریعت کے قیام پر قیاس کر لینا چاہیئے (۵) یکبارگی نازل ہونے میں عرب کے اَن پڑھ لوگوں سے نہ تو قرآن اچھی طرح سے یاد ہو تا نہ لکھا جاتا اور اس زمانہ میں چونکہ لکھنے کے سامان کم تھے غایۃً ایک نسخہ بمشکل لکھا جاتا پس توراۃ و انجیل کی طرح حوادث میں اُس نسخے کے تلف ہو جانے یا اوراق کم زیادہ ہو جانے سے کتاب الٰہی میں فتور آ جاتا (۶) تھوڑا تھوڑا یاد کرنا اور سمجھنا آسان ہے قال تعالیٰ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ اور اسی بات کی طرف خود اشارہ فرماتا ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا - منہ

اور شہریوں اور بریوں اور بحریوں سے ملاقات کی اور اُن کے ساتھ معاملہ کیا اس لئے طبیعت کی وہ تاریکی جو بت پرستی کا سبب ہے دُور ہوگئی اس لئے محمدؐ صاحب دینِ حق کے متلاشی[1] ہوئے چنانچہ سورۃ والضحیٰ میں لکھا ہے وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى۔ اے محمدؐ! تو گمراہ تھا پس تجھے ہدایت دی (یہ بالکل جھوٹ۔ **اوّل** تو آپؐ نے یہودیوں اور مصریوں اور پارسیوں سے ملاقات نہیں کی البتہ بقولِ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مصر میں شعبدہ بازی سیکھنے گئے تھے، العیاذ باللہ۔ **دوم** بقول آپ کے یہ لوگ تو خود شرک میں گرفتار تھے چنانچہ تواریخ بھی اس کی شاہدِ عدل ہیں پھر اُن کی صحبت سے کیونکر بُت پرستی سے نفرت ہوئی؟ **سوم** بمقتضائے نُورِ فطرت آپؐ کو ابتداء سے نفرت تھی اگر ان لوگوں سے صحبت ہوتی تو اُن کی صحبت سے پیشتر ضرور بُت پرستی کرتے حالانکہ اس کا کوئی مخالف بھی قائل نہیں پھر اس پر اس آیت کو اس معنی پر محمول کرنا گمراہی نہیں تو اور کیا؟) پس دینِ حق کی تلاش میں آپؐ نے سب کی ملاقاتیں کیں مگر کسی کو پسند نہ کیا کیونکہ یہودی تو لائق قبولیت کے کسی طرح بھی نہیں ہیں عیسائی بھی دہلی کے رومن کیتھولک تھے وہ طرح طرح کی بُت پرستیاں کرتے ہیں (سچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد) علاوہ اس کے عیسائیوں اور یہودیوں میں سخت اختلاف تھا جس کی وجہ سے اُن کو اور بھی نفرت ہوئی ان سبھوں سے بیزار ہو کر ایک قسم کی فقیری صوفیہ کے طور پر انھوں نے کی چنانچہ غارِ حرا میں بیٹھنے لگے یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ محمدؐ صاحب نے ایسا کیا (درحقیقت تعجب کی بات نہیں کیونکہ اہل اللہ اور انبیاءؑ کو ہمیشہ جاذبہ الٰہی خلوت کی طرف کھینچتا ہے مگر جب تمہارے نزدیک نبی اور مؤید من اللہ نہ تھے تو جس طرح اور صدہا لوگ بُت پرستی کرتے کرتے مر گئے اسی طرح آپ بھی ہوتے پس ایسے تاریک زمانے میں کہ تمام عالم اُس وقت بُت پرستی یا گناہ میں گرفتار تھا اس طرح انوارِ الٰہی سے منوّر ہونا اگر داعیہ نبوت سے نہ تھا تو بڑے تعجب کی بات ہے) اب محمدؐ صاحب جو غارِ حرا میں سادھو اور عابد بن کر بیٹھے وہاں بیٹھے بیٹھے خیالاتِ متنوعہ بھی ضرور ہے کہ اُن کے دل میں گزرتے ہوں جیسے اکثر گوشہ نشین خصوصاً جاہل بے کار عابدوں کو گزرا کرتے ہیں چنانچہ بعض مغز چلے غوثیت اور قطبیت اور ولایت کے دعوے کر اُٹھتے ہیں اسی طرح انھوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا (یہ ایسی بیہودہ گوئی اور جہالت ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جناب میں یہود جہالت اور تعصب اور بدگمانی کرتے ہیں کہ وہ چونکہ ویسے پیدا ہوئے تھے طبیعت میں شوخی تھی مصر جا کر کچھ شعبدے سیکھ آئے مغز چلی باتیں کرنے لگے خدا کا بیٹا بن بیٹھے شریعت انبیاءؑ کی اور خود انبیاءؑ کی اہانت کرنے لگے آخر کو اپنے کئے کی سزا کو پہنچے، والعیاذ باللہ) اور اس خیال سے کہ یہودی کہ جو کسی مسیح کے منتظر تھے میرے مُرید ہو جاویں گے اس لئے یروشلم کی طرف عرب کے خلاف نماز کرنا شروع کیا (اے متعصب! مکہ میں یہود کہاں تھے اگر آپؐ کو مُرید کرنے کا شوق ہوتا تو مقتضیٰ وقت تو یہی تھا کہ عرب کو اوّل مُرید کرتے اور اُن کے برخلاف نہ کرتے۔ پس جب عرب کی پروا نہ کی اور طرح طرح کی اذیتیں اُن کے ہاتھ سے

[1] لفظ متلاشی جو تلاش سے اسم فاعل بنایا گیا ہے پادری کی لیاقتِ علمیہ کی کامل دلیل ہے۔ سچ تو یوں ہے ایسے ایسے جاہل کرسٹان ہو کر بیباک ہو جاتے ہیں پھر کوئی امامت کا دعویٰ کرنے لگتا ہے کوئی اس لیاقت کا مدعی ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی عربیت پر اعتراض کرنا اپنا منصب سمجھتا ہے کیا زمانہ آگیا ہے۔ حقانی

انہا میں تو یہ قطعی دلیل آپ کے برحق ہونے کی ہے مگر آپ کی آنکھوں پر کولہو کے بیل کی طرح تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہے) چونکہ کوئی بھی نبوت کی نشانی ان میں نہ تھی نہ معجزہ کر سکتے تھے اور نہ پیشین گوئی کر سکتے تھے اور نہ اچھی تعلیم کر سکتے تھے (یہود بھی بعینہٖ یہی تقریر حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت کرتے ہیں بلکہ مسیح ہونے کا دعوےٰ کرنا بالخصوص انہیں پر زیادہ صادق آتا ہے کیونکہ جاہل آدمی تھے اور چال چلن اُن کا خراب تھا اور عورتوں کا بہت شوق تھا مال کی طمع پر لوٹ مار کرکے لوگوں کو دُکھ دیتے تھے اور بہت سے کام بے رحمی کے اُن سے سرزد ہوتے تھے اس لئے یہود نے ہرگز قبول نہ کیا لاچار پھر عرب کے مندر یعنی کعبہ کی طرف متوجہ ہوتے (یہ بالکل جھوٹ اور صریح کفر ہے اگر خدا کے راہ میں جہاد کرنا ہی چال وچلن خراب کرنا ہے پھر آپ کے نزدیک حضرت موسیٰؑ بڑے بدچلن ہیں جنہوں نے متعدد مقامات میں جہاد کیا (۱) رفیدیم میں قوم عمالقہ سے سفر خروج باب[۱۷] (۲) اموریوں کے بادشاہ سیحون شہر حسبون کے رہنے والے کو تہ تیغ کرکے اُس کا مال و ملک لیا (۳) بسن کے بادشاہ عوج سے بمقام ادرعی جنگ کرکے اُس کو معہ اہل وعیال قتل کیا سفر عدد باب ۲۱ و سفر استثناء باب ۳ بلکہ یہاں ایسی بے رحمی کی گئی کہ اُن کے مرد اور عورت اور لڑکے بالے سب کو بلادعوتِ دینِ الٰہی قتل کیا اور ان کا مال واسباب اپنے لئے لوٹ لیا ورس ۵ ۶ (۴) سفر استثناء باب[۱۳] میں حضرت موسیٰؑ کو صاف حکم ہے کہ بُت پرستوں کو اپنی تلوار کی دھار سے ضرور قتل کریگا بلکہ وہاں کے خورد وکلاں باشندوں اور بے گناہ مواشی کو بھی قتل کرے بلکہ بقول آپ کے حضرت یشوعؑ بن نون کہ جو حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ تھے اور بنی اسرائیل کے پیغمبر نہایت خراب چال چلن کے تھے کہ جنہوں نے شہر کے شہر غارت کردیئے اور مال لوٹا اور زن و مرد کسی کو زندہ نہ چھوڑا دیکھو شہر یریحو کی بابت کتاب یشوعؑ باب[۶] میں یہ ہے۔
اور ایسا ہوا کہ جب لوگوں نے نرسنگے کی آواز سُنی اور جماعت نے زور سے للکارا تو دیوار سراسر گر پڑی یہاں تک کہ سب آدمی شہر میں گھس آئے اور شہر کو لے لیا (۲۱) اور انھوں نے ان سب کو جو شہر میں تھے کیا مرد کیا عورت کیا جوان کیا بوڑھا کیا بیل اور گدھا کیا بھیڑ سب کو تہ تیغ کرکے حرم کیا انتہٰے۔ اور کیا اس سے بھی کوئی اور زیادہ بے رحمی حضرت ؐ نے کی تھی جو یشوعؑ علیہ السلام نے عکن سے کی کہ جس نے کسی قدر غنیمت کا مال چھپالیا تھا جس پر (ورس ۲۴) باب[۷] یشوعؑ نے زارح کے بیٹے عکن کو اور روپے اور لبادے اور سونے کی اینٹ اور اُس کے بیٹوں اور اس کی بیٹیوں اور اُس کے بیلوں اور اُس کے گدھوں اور اُس کی بھیڑوں اور اُس کے خیمے اور اس کے سارے اسباب کو لیا اور وادی عکور میں لائے۔ تب سارے اسرائیل نے اس پر پتھراؤ کیا اور انھیں سنگسار کرکے آگ میں جلا دیا پھر انھوں نے اس پر پتھروں کا بڑا تودہ کیا۔ و کتاب یشوعؑ اور اسی کتاب کے ۸ باب میں عیؔ کی نسبت یہ لکھا ہے کہ۔ سو انھیں یہاں تک مارا کہ اُن میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اور نہ کسی کو بھاگنے دیا۔ اور وہ جو اُس روز مارے گئے مرد عورت بارہ ہزار۔۔۔۔ تھے کیونکہ یشوعؑ نے اپنا ہاتھ جس سے بھالا اُٹھایا جب تک کہ عیؔ کے سارے رہنے والوں کو حرم نہ کردیا نہ اٹھایا ۲۸۔ اسرائیل نے اس شہر کی فقط مواشی اور اسباب کو اپنے لئے لوٹا خدا وند کے حکم[۱] کے مطابق

[۱] دیکھو یہاں تصریح ہے کہ یہ معاملہ خداوند کے حکم سے کیا تھا اس پر پادری جو کہا کرتے ہیں کہ "جنگ انبیاء بنی اسرائیل جہاد اور دینی بات نہ تھی بلکہ دنیاوی" محض غلط توجیہ ہے کیونکہ جہاد اور عام جنگ میں یہی فرق ہے کہ اول خداوند کے حکم سے ہوتا ہے ثانی از خود پھر جب انبیاء بنی اسرائیل نے

جو اس نے یشوع کو فرمایا۔ انتہٰی۔ اگر اس پر بھی دل شرمندہ نہ ہو تو کہو اور جہادات انبیائے بنی اسرائیل جو بیبل مقدس میں مذکور ہیں نقل کر دوں۔ بلکہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے جہاد کو اس قتل سے کچھ نسبت ہی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد محض مفسدوں اور شریروں کا فساد دفع کرنے کے لئے ہوتا تھا کہ جس کو ہر گورنمنٹ عادل بھی پسند کرتی ہے اسی لئے اوّل اُن کو فہمائش کی جاتی تھی اگر وہ لوگ باز آتے تھے تب اُن کو معاف کیا جاتا تھا ورنہ مقابلہ ہوتا تھا مگر یہ بھی جب کہ وہ لوگ امن کے خواہاں نہ ہوتے تھے اور کسی شرط پر اطاعت قبول نہ کرتے تھے اور اس جنگ میں یہ تاکید ہوتی کہ عورتوں اور بچوں کو نہ مارو درخت نہ جلاؤ مواشی کو قتل نہ کرو بلکہ بعد غلبہ کے بھی وہ لوگ راہ پر آ جانے سے آزاد کئے جاتے اور مال واپس دیا جاتا تھا۔ اور عورتوں کی رغبت پر جس کو اعتراض ہو تو وہ پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام پر اعتراض کر لے کہ جو خدا[1] کے بنی اسرائیل کے پہلوٹھے بیٹے تھے جن کے پاس چار بیویاں تھیں جن میں آپس میں دو حقیقی بہن تھیں اور پھر حضرت لوط علیہ السلام پر اعتراض کرے کہ جس نے بقول اہل کتاب شراب پی کر اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا جیسا کہ تورات میں موجود ہے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی طعن کرے کہ جن کی دو بیویاں تھیں اور ایک کے کہنے سے ایک کو مع اس کے معصوم بچے کے گھر سے بیابان میں چھوڑا اور پھر حضرت داؤد علیہ السلام پر اعتراض کرے کہ جو عیسائیوں کے خدا کے بیٹے کے جدِ امجد ہیں کہ جس نے باوجود متعدد بیویوں اور لونڈیوں کے بیچارے اوریا کی بیوی سے زنا کیا اور اس کے خاوند کو فریب سے مروا ڈالا اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی بُرا کہے کہ جس کے پاس بہت سی عورتیں تھیں۔ عماد الدین[2] اور فنڈر یہ باتیں صرف آپ کے بیبل مقدس میں لکھی ہیں ہمارا اعتقاد نہیں پھر آپ ان کو نبی جانتے ہیں اور ہمارے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر چند نکاح کرنے سے کیا کیا منہ آتے ہیں اور جھوٹی باتیں نکاح زینب اور ماریہ کی بابت بناتے ہیں علاوہ اس کے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے ساتھ جوان جوان عورتیں رہا کرتی تھیں جس پر یہود کو بدگمانی ہوتی۔ تعجب ہے کہ یہود سے تو آپ کا دم بند ہوتا ہے اور مسیح علیہ السلام کے دوستوں کو بُرا کہتے ہو اور آپ کا یہ کہنا کہ یہود نے حضرت علیہ السلام کو قبول نہ کیا بالکل لغو ہے عبداللہ بن سلام اور کعب احبار جیسے جلیل القدر علمائے یہود مشرف باسلام ہوتے۔ علاوہ ان شہادات علمائے مسیحین کے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہونے کی بابت ہم نقل کریں گے یہ بات اہل انصاف کو کیا کم ہے۔ اگر معاذ اللہ بقول پادری صاحب آپ ایسے بدچلن اور طامع اور شہوت پرست اور بے رحم تھے تو پھر باوجود اس غریبی کہ نہ آپ کے پاس ملک

[1] اس میں تعریض ہے یہود و نصاریٰ پر کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا پہلوٹھا بیٹا کہتے ہیں یعنی وہ خدا تعالے جو حقیقی خدا ہے جس پر مسلمانوں کا ایمان ہے بیٹے جورو سے پاک ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ مسلمانوں کا اور خدا اور اہل کتاب کا اور خدا ہے جیسا کہ بعض نادانوں نے خیال کیا ہے۔ حقانی [2] ایک مخفی کرستان نے جو محمد صالح و محمد صلوٰق فرضی ناموں سے تضحیک اسلام کے لئے غلط پیشگوئیاں کرتا ہے مفسر کو بے اعتبار بنانے کے لئے اس عبارت سے یہ الزام قائم کیا ہے کہ مفسر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زناکار ٹھہراتا ہے۔ جس کو ذرا بھی اردو عبارت سمجھنے کا سلیقہ ہے وہ فوراً اس مخفی کرستان کی تکذیب کر سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ جھوٹا الزام ہے۔ حقانی

تھا نہ فوج تھی نہ خزانہ بلکہ رہنے کے لئے پورا مکان بھی نہ تھا کس طرح ہزار ہا مقدس لوگوں کے سردار ہو گئے اور عرب نے اپنی جہالت اور سفاکی اور بت پرستی اور شہوت رانی کس معلم کی تعلیم سے چھوڑ دی؟ اور اگر آپ کی تعلیم اچھی نہ تھی نہ کوئی معجزہ آپ کے پاس تھا تو وہ وحشی لوگ کہ جن سے درندے بھی شرماتے تھے کس طرح سے آپ کے مطیع ہوئے کہ زن و فرزند گھر بار دین آبا چھوڑ کر فدوی خاص بن گئے اور پھر اُن عرب میں کہ اس وقت تمام عالم کی آنکھوں میں حقیر تھے کس کی برکت سے وہ جوش اور صلاحیت پیدا ہوئی کہ جس کی وجہ سے تیس برس کے عرصہ میں روم و مصر و ایران وغیرہ بلاد پر شرقاً غرباً قادر و مسلط ہو گئے کہ جس کا نظیر عہد آدم سے اب تک کہیں نہیں پایا جاتا اور پھر آج تک ہند اور یورپ اور دیگر بلاد میں باوجود اس ضعف کے جو اس زمانہ میں ہے ہزار ہا جلیل القدر لوگ مشرف باسلام ہوتے چلے جاتے ہیں کہ جن کی فہرست لکھنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ آپ تو چال چلن کے بھی اچھے ہیں اور سچے عیسائی بھی ہیں اور سچے عیسائیوں میں بقول حضرت مسیح علیہ السلام یہ علامتیں ہیں (کہ وہ میرے نام سے دیووں کو نکالیں گے اور نئی زبانیں بولیں گے، سانپوں کو اٹھائیں گے زہر اُن پر اثر نہ کرے گا، بیمار اُن کے ہاتھ لگاتے ہی تندرست ہو جاتے گا) انجیل لوقا۔ اور اس پر آپ کی قوم کی حکومت بھی ترقی پر ہے اور اولو العزمی بھی ہے کہ جس کی وجہ سے کروڑ ہا روپیہ بطور چندہ جمع ہو کر پادری لوگوں کے مشنوں میں تقسیم ہوتا ہے کہ جس پر پادری صاحب گھوڑوں اور بگھیوں پر چڑھے پھرتے ہیں اور جس کا روح القدس سنکر عماد الدین کو ایسی ایسی ناپاک اور گندی باتیں انبیاء علیہم السلام کی نسبت کہلاتا ہے۔ اس پر بھی سچا عیسائی کوئی نہیں دکھائی دیتا اور جھوٹے نئے عیسائی بھی باوجود اس کوشش کے دس بیس چمار یا حلال خور یا بعض مسلمان و ہنود ہیں جو دنیا کی تنگی سے عاجز آ کر منافقانہ عیسائیوں میں جا ملتے ہیں۔ عماد الدین کو دو مہینے تنخواہ نہ ملے تو دیکھئے پھر کیا کرتے ہیں؛ اس مالداری پر دین مسیحی کی یہ ترقی ہے کہ اتوار کے دن گرجا خالی پڑے رہتے ہیں اور اس عبادت کے روز بھی بیچارے عماد الدین کے سے دیسی کرسٹین جب تک کہ انگریز لوگ گرجا میں رہتے ہیں جانے نہیں پاتے۔ یہ آنحضرت علیہ السلام

---

۵ پادری صاحب! عرب کی جہالت کو تو بقول آپ کے ایک بد چلن آدمی نے اصلاح کر دی کہ جن کا جزو ملاری کابلیوں سے اور ترکوں سے کہیں زیادہ ہے آپ سچے مسیحی نیک چلن کراماتی سے تو عرب یا کابل میں ایک جزو یا کابلی بھی درست نہ ہوا ذرا جا کر وہاں منادی تو کیجئے۔ بلکہ عیسائی ملک پادریوں کے ہاتھ سے یوماً فیوماً آزاد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کئی سو برس ہوئے کہ پوپ کو القط کر دیا۔ اور اب لنڈن اور فرانس اور جرمن کے عالی دماغ لوگ تثلیث و کفارہ و الوہیت مسیح سے جو اصول مذہب عیسوی ہیں صد ہا نہیں بلکہ کروڑ ہا نفرت کر گئے اور کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور علاوہ اس کے الحاد اور فلسفہ کو وہ ترقی ہے کہ تخمیناً دو ثلث لوگ سرے سے ان باتوں ہی کے معتقد نہیں اور اس پر طرہ یہ کہ زنا اور شراب خواری کی وہ کثرت کہ جس کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں آپ لوگوں کی سچی تعلیم نے اس بارے میں کچھ بھی اثر نہ کیا اور حضرت کی تعلیم کا اب تک وہ اثر باقی ہے کہ اسلامی سلطنتوں میں یہ باتیں سو واں حصہ بھی نہیں یہ تو اس ضعف اسلام کا حال ہے اور اس سے پہلے تو وہ پاکدامنی صفحۂ عالم پر جلوہ گر تھی کہ جس کا اثر ہمارے ہمسایہ غیر قوموں پر بھی تھا۔ منہ

کی نبوت ہی کا فیض ہے تو ہے کہ صفحۂ دنیا پر توحید و پرہیزگاری خداپرستی کی روشنی پھیل گئی اب بھی ممالک اسلامیہ و عیسویہ میں کوئی سیر کر کے دیکھ لے تورات اور دن کا فرق نمودار ہوگا۔ اس زمانہ میں بھی ممالک اسلامیہ میں پرہیزگاری عبادت مہمان نوازی خداپرستی کی چمک ہے برخلاف اُن کے عیسویہ ممالک بالخصوص یورپ میں باوجود ترقی علوم کے الحاد بدکاری عیاری کے دریا موجزن ہیں پھر آپ کی برکت سے صحابہؓ کی جو کایا پلٹ گئی اس کو بھی مورخین جانتے ہیں اُن میں سچا جوش روحانی زندگی کے آثار نمایاں تھے اگر یہ نبوت کا اثر نہیں تھا تو پھر کونسی شراب کا نشہ تھا؛ حضرت مسیحؑ کے بارہ حواریوں کو جو آپ کے نزدیک حضرت موسیٰؑ وغیرہ انبیاءؑ سے ہزار درجہ بڑھ کر ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کیا بلکہ تابعینؒ بلکہ بعد کے جاں نثاروں سے ہی مقابلہ کر کے دیکھئے۔ یہودا نے تو خود حضرت مسیحؑ کو تیس روپے لے کر یہود کے ہاتھ گرفتار کرایا اور اعظم الحواریین شمعون پطرس نے کہ جن کو حسب مفاد درس ۱۹ باب ۱۶ متی آسمانی کنجیاں اور اختیارات دیئے گئے تھے) ایک عورت کے پوچھتے ہی اپنی رفاقت تو کیا بلکہ شناسائی کا بلفظ لعنت بڑے زور سے انکار کر دیا۔ اور وہ صد ہا آدمی جو حضرت مسیحؑ پر ایمان لا چکے تھے سب تر بھر ہو گئے کسی نے چوں بھی نہ کی کسی کی نکسیر بھی نہ پھوٹی حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس بارہ میں تاکید بھی فرمائی تھی کہ دنیا وی تکالیف پر جو برداشت کرے گا وہی نجات پاتے گا اور جو میرا انکار کرے گا باپ کے روبرو میں بھی اس کا انکار کروں گا۔ اور اسی لئے حضرت مسیحؑ نے آسمان پر چڑھتے وقت سب کو بے ایمانی کا لقب عطا کیا۔ چنانچہ انجیل مرقس کے باب ۱۶ میں موجود ہے۔ ولیم میور تاریخ کلیسا کے اوّل باب میں لکھتے ہیں مسیح کے حواریوں اور شاگردوں نے اب تک یعنی تا وقت عروج اُس کی تعلیم کی حقیقت اور مطلب بالکل نہیں سمجھا تھا اور اُن کا شکستہ ایمان دنیوی نعمتوں اور فائدوں کی امید میں لگا ہوا تھا اس کے گرفتار ہوتے ہی وے سب بھاگ گئے

ف یہ گفتگو الزامی ہے ورنہ ہم اہل اسلام حضرات حواریین سے یہ سوء عقیدت نہیں رکھتے۔

۱ بایں ہمہ اس زمانہ میں بھی اسلام کی قدرتی سچائی اور فطرتی نورانیت سے جو کچھ ترقی ہے اس کا کہیں نظیر نہیں پایا جاتا ہے۔ مسٹر ایزک ٹیلر نے جو انگلستان میں ۱۸۸۸ء میں اس بارہ میں سینکڑوں ممبروں کے روبرو اسپیچ کہی ہے اور جو منشور محمدی وغیرہ اخباروں میں لندن کے اخبارات سے نقل کی گئی ہے شاہد عدل ہے وہ کہتا ہے کہ ہندوستان میں کہ جہاں پادری لوگ خاص کرسٹان بنانے کے لئے کروڑ ہا روپیہ صرف کرتے ہیں ہر سال تخمیناً چھ لاکھ مسلمان بڑھتے جاتے ہیں جو اور مذہب چھوڑ کر اسلام میں آتے ہیں اور افریقہ کے ملکوں میں باوجودیکہ پادری منادی بھی وہاں بڑی کوشش کر رہے ہیں لاکھوں غیر قوم کے لوگ اسلام کو قبول کرتے جاتے ہیں اور یورپ کے ملکوں میں بھی عموماً بمقابلہ مذہب عیسوی یوماً فیوماً اسلام کی طرف رجحان ہوتا جاتا ہے کہ جہاں کوئی مسلمان واعظ بھی نہیں یریدون ان یطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ حقانی ۲ دہلی میں ایک مخفی کرسٹان اس لقب بے ایمانی کی یہ تاویل کرتا ہے کہ یہ لفظ حضرت مسیحؑ نے اُن کے لئے یوں کہا تھا کہ وہ لوگ آپ کے دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان نہ لاتے تھے الخ سبحان اللہ یہ کیا ہوا بہرطور ایمان نہ لانا اور اس کے معاوضہ میں یہ لقب پانا تو ثابت ہے خواہ کسی وجہ سے ہو۔ پھر جانے پادریوں کو خوش کرنے کو محمد صادق اور محمد صالح فرضی ناموں سے بضمن رد تفسیر حقانی اپنے چہرہ پر کیوں خاک افشانی کر رہا ہے۔

اور پطرس نے جو عدالت میں گیا وہاں اپنے خداوند کا انکار کیا پھر مسیح کے مصلوب ہونے کے بعد سب بالکل مایوس اور ناامید ہو گئے تھے۔ حضرت موسیٰ کی تعلیم نے تو بنی اسرائیل پر باوجود صدہا معجزات دکھانے کے سوا حصہ بھی آپ کی تعلیم سے اثر نہ کیا بت پرستی اور گوسالہ پرستی سے باز نہ آتے آخر حضرت موسیٰ بھی ان کی نحوست کی وجہ سے ارض مقدسہ میں داخل ہونے سے محروم رہے اور راستے ہی میں کام آئے۔ اب فرمائیے دنیا میں جس قدر انبیاء آئے ہیں ان میں سب سے زیادہ کس کی تعلیم کا اثر ہوا؛ ع ستمگروں میں ٹھرایا تو ہوتا؟ **قولہ** پس محمد صاحب نے عرب کو ترغیب دینی شروع کی اور مدینہ والوں کی مدد سے فوج کشی کر کے مکہ پر حملہ کیا اور بڑی خونریزی کر کے قبضہ کیا اور عرب کو طرح طرح کی ترغیبیں دینی شروع کیں اور لوٹ کے مال کا لالچ جس میں پانچواں حصہ آپ لیتے اور باقی ان کو بانٹ دیتے الخ۔ ج اگر خداتعالیٰ کے حکم سے زمین کو فساد سے پاک کرنا اور شریروں کا دفع کرنا ہی ظلم اور بری بات ہے تو حضرت یوشع بن نون وغیرہ انبیاء بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آپ کے نزدیک برے ٹھہرے۔ اور اگر کہو وہ بھی برے تھے تو آپ عقل سلیم کے بھی مخالف ہیں کیونکہ فساد کو دفع کرنا اور گندہ گوشت کاٹ کر زخم کو اچھا کرنا اور بے فائدہ شاخوں کو چھانٹنا ہر ذی عقل کے نزدیک محمود ہے اسی لئے تمام سلاطین عادل۔ باغیوں اور مفسدوں کے قتل اور تخریب میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتے اور اگر ان کا مال ضبط کرنا برا ہے تو یہ بھی بیجا ہے کیا یوشع بن نون نے نہ کیا اور کیا سلاطین عادل نہیں کرتے؛ **قولہ** دوسرا عورتوں کا لالچ محمد صاحب نے خاص و عام سب لوگوں کو یہ لالچ دیا اگر میرے ساتھ جاؤ گے عورتیں مفت لوٹ میں ہاتھ آئیں گی تم ان سے صحبت کرنا خداتعالیٰ کا بھی اس میں گناہ نہیں الخ۔ ج اول تو آں حضرت علیہ السلام نے کبھی کسی لڑائی میں کسی کو یہ لالچ نہیں دیا اگر سچے ہو تو ثابت کرو۔ دوم یوں کون کسی کے لالچ دینے سے کسی کے ساتھ جان دینے کو آمادہ ہو جاتا ہے۔ اب لٹیروں کو کسی کی جورو اور مال لینے سے کون مانع ہے اگر یہی لالچ موثر ہے تو گورنمنٹ کاہے کو کروڑہا روپیہ دے کر فوج مقابلہ میں لے جاتی ہے ایسا لالچ کیوں نہیں دیتی اور آپ کیسے لالچی کہ جس نے ساٹھ روپیہ کی تنخواہ پر اسلام ترک کیا کیوں ایک ٹکڑا ہندوستان کا نہیں دبا بیٹھے۔ سوم ہر لڑائی میں یہ کس کو یقین ہوتا ہے کہ ہم ہی فتحیاب ہوں گے ہاں اگر ان کو مدد آسمانی کا سہارا ہو تو ان پر حکم سماوی میں عیب کیا ہے؛ چہارم اسلام میں لڑائی سے مقصود اس قوم کا ایمان لانا ہوتا ہے اگر وہ قوم ایمان لاوے یا مطیع اسلام ہو جاوے تو پھر ان کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا معاذاللہ اگر آپ لالچی ہوتے تو خواہ کوئی چین کرے یا مین کبھی کسی کو نہ چھوڑتے جیسا کہ بائبل مقدس کے انبیاء نے کیا حالانکہ یہ کبھی نہیں ہوا۔ **قولہ** تیسرا لالچ جسمانی بہشت کا جس میں شراب کباب اور اچھی عورتیں اور فرش لونڈی خوب صورت وغیرہ اور بہت سی غلط اور گندی باتیں جن سے نادان بہلائے جاتے ہیں محمد صاحب نے عرب کو سکھائیں وے بے علم ناواقف بت پرست شہوت کے بندے خوش ہو کر قبول کر بیٹھے اس بہشت کو علماء محمدیہ کلام الٰہی سے ثابت کریں ورنہ توبہ کریں۔ ج۔ یہی اعتراض ہمارے سید صاحب نے بھی قرآن اور اسلام پر کیا ہے اور مدت سے پادری فنڈر وغیرہ اسی کو پیش کئے چلے جاتے ہیں مگر یہ آپ لوگوں کی کم فہمی ہے کیونکہ ان اشیاء سے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں بعینہٖ یہی دنیا کی عنصری چیزیں مراد نہیں بلکہ ان کی طرح اور لطیف چیزیں اور

اس بات کو قرآن نے بھی بتلا دیا ہے[1]۔ دوم تم جنت کی کسی قدر نعماء مکاشفات[2] یوحنا میں بھی موجود ہیں کہ جس کو تم کلام الٰہی سمجھتے ہو پھر انکار محض جہالت ہے۔ سوم اگر تمہاری کتابیں جنت اور دوزخ کے بیان سے خالی ہیں تو یہی وجہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی کافی ہو سکتی ہے کیونکہ جزاء و سزا دار آخرت میں انسان کے لئے عقلاً و نقلاً ثابت ہے اور اس کے بیان کی ضرورت ہے پس جس چیز ضروری کے بیان سے تمام کتب سابقہ خالی ہیں جس نے اس کو بیان کیا وہ شخص قطعی نبی ہے۔ **قولہ** چوتھا الخ مسلمانوں کی طرفداری الخ۔ **ج** غلط کیونکہ سب اہل تاریخ آپ کی عدالت اور انصاف کے مقر ہیں ان باتوں میں اہل اسلام ضرب المثل ہیں یہ عیسائی دین نہیں کہ جس میں کالے گورے کا فرق کیا جاوے اور آپ نے یہ آیت اشداء علی الکفار جو لکھی اس کو طرفداری سے کیا علاقہ کفار پر ان کے دفع فساد کے لئے شدت کرنا اور چیز ہے اور اہل معاملہ سے بالانصاف پیش آنا اور بات ہے۔ **قولہ** پانچواں باعث جھوٹی دہشت دینا یعنی محمد صاحب نے دوزخ اور بہشت اور عذاب قبر کی بابت ایسے ایسے مضمون صریح البطلان جو ہرگز عقل و نقل قبول نہیں کرتی اس جاہل ملک کو سنا کر ڈرایا۔ **ج** ہمارے مشفق سید صاحب بھی آپ لوگوں کی بولی بولتے ہیں مگر افسوس کہ نہ آپ عذاب قبر کو سمجھے نہ دوزخ کو نہ بہشت کو ہماری اس کتاب کو دیکھتے تو کبھی یہ بات منہ پر نہ لاتے **بھلا** پادری صاحب یہ فرمائیے کہ جب انسان کے لئے بعد مردن نہ عذاب قبر ہے نہ دوزخ نہ جنت تو پھر نیک و بد کام کا نتیجہ کیا ہے؟ شاید یہی دنیائے فانی اسی لئے پولس مقدس نے شریعت پر عمل کرنے والے کو بے ایمان فرمایا اور عیسائیوں کو ہر چیز کا فتویٰ دے کر سانڈ بنایا ہے معاذ اللہ اگر یہی الہام ہے اور یہی نبوت ہے تو سخن فہمی عالم بالا معلوم شد پس **شیطان** صاحب کو تکلیف اٹھانے کی اب کچھ ضرورت نہ رہی عیسائیوں کی کتابیں اور ان کے پادری کافی ہیں علاوہ اس کے مکاشفات[3] یوحنا میں بھی تو ایسی جھوٹی دہشت مذکور ہے اور اکثر انبیاء علیہم السلام کے کلام میں مسطور لیکن آپ کو بیبل پر نظر نہیں جس لئے یہ جھوٹا غرور ہے۔ **قولہ** غرض کہ ایسی ایسی ترغیبات سے عرب کے عوام ان کے معتقد ہو گئے الخ پس جب کہ ابو بکرؓ و عمرؓ وغیرہ چند ترسیس یعنی بستی کے چودھری ایمان لائے تو پھر کیا کہنا تھا تھوڑے ہی عرصہ میں اقتدار حاصل ہو گیا۔ افسوس محمدیؐ یہ خیال نہیں کرتے کہ عمرؓ نے اپنی بیٹی حفصہؓ کس طمع پر دی تھی اور ابو بکرؓ نے الخ **ج** جس طمع پر کہ آپ کے جد فاسد نے آپ کے باوا تاجو صاحب کو آپ کی والدہ دی تھی۔ ہمارا کلام بیہودہ گوئی نہیں مگر چونکہ آپ نے سوال کیا ہم کو جواب دینا پڑا۔ **قولہ** جب محمد صاحب مر گئے تو یہ سب لوگ ان کا گاڑنا دابنا بھی بھول گئے اور وراثت کی تقسیم میں ایسے

---

[1] قولہ فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین الآیہ۔ منہ

[2] چنانچہ مکاشفات یوحنا باب ۲ آیت ۹۔ والیضا باب ۱۱ و باب ۲۲ میں خوب بیان ہے انجیل متی باب ۲۵ میں بالخصوص انجیل متی باب ۲۶ آیت ۲۹ میں تصریح ہے کہ جنت میں انگور کا شیرہ پیا جاوے گا پس جب کھانا پینا ثابت ہوا تو یہ پادریوں کو اختیار ہے کہ وہ فقط انگور کا شیرہ ہی پی کر بس کیا کریں اور اہل اسلام ہر چیز کھائیں پئیں اب اپنی قسمت پر اعتراض کریں نہ کہ جنت کے نعماء پر۔ منہ

[3] کیا انور کا قصہ عماد الدین نے انجیل میں نہیں پڑھا جہاں حضرت مسیح علیہ السلام عذاب قبر اور دوزخ کا پورا فوٹو کھینچ رہے ہیں عماد الدین ایسی ضد میں آئے کہ انجیل اور عقائد عیسویہ سے بھی ہاتھ اٹھا بیٹھے۔ منہ

مبتلا ہوئے کہ مار پیٹائی ہونے لگی۔ محمد صاحب کا باغ فدک جو انہوں نے اپنی بیٹی کو بخش دیا تھا چھین لیا بلکہ محمد صاحب کی بیٹی فاطمہؓ کو بطمع دنیا دی لاتیں ماریں اور کیا کیا واہیات کیا صرف محمدؐ صاحب کے داماد علیؓ نے ان کو گور گڑھا دیا۔ **ج** یہ ہذیان سراپا بے اصل امام باڑوں کی گپیں ہیں اگر آپ سچے ہیں تو بسندِ صحیح ثابت کر دیجئے بلکہ اس کو عقلِ سلیم ہرگز تسلیم نہیں کرتی دو وجہ سے

وجہ اوّل

(**اوّل**) آنحضرت علیہ السلام کی نبوت (کہ جس کو مخالف بھی ردّ نہیں کر سکتے) اور وہ تعلیم حمیدہ اور جوش دینی کہ جس کی وجہ سے صحابہؓ گھر بار چھوڑ چھاڑ حضرتؐ کے آستانہ مبارک پر آ پڑے تھے) کیا اس زمانہ کی پیری مریدی کا سا بھی اثر نہیں رکھتی تھی؟ حاشا وکلا۔ بلکہ وہ اثر رکھتی تھی کہ جس کا اثر آج تک دلوں میں چلا آتا ہے اور بے دیکھے حضرتؐ کے نام پاک پر جان و مال صرف کرنے کو جی آمادہ رہتا ہے اور نام پاک سنتے ہی محبت جوش مارتی ہے **پس** کسی پیر جی کے مرید یا کسی عالم کے شاگرد یا کسی ریفارمر کے معتقد اس کی لاش اور اس کی اولاد کے ساتھ ایسا نہیں کرتے بلکہ ہم نے بعض بزرگوں کی لاشوں کے ساتھ وہ ماتم اور ان کے مریدوں میں وہ جوش دیکھا ہے کہ جس کا بیان نہیں پھر کیا ممکن ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کے یاروں اور مریدوں نے ایسا کیا ہو توبہ توبہ

وجہ دوم

(**وجہ دوم**) بالفرض یہ بھی صحیح لیکن وہ مال اور ملک آنحضرتؐ کے بعد کیا برآمد ہوا تھا کہ جس پر یہ نوبت پہنچی بلکہ ایک پیسہ بھی نہ چھوڑا تھا۔ اور اگر وہ لوگ مال کے بھوکے تھے تو مدینہ منورہ میں مال و اسباب چھوڑ کر کیوں آئے تھے؟ اور کیوں عمر بھر فاقہ کشیاں کیں اور دربدولت سے نہ ہٹے اور خیر یہ بھی سہی مگر آنحضرت علیہ السلام کے بھائی بند بنی ہاشم اور خود علی مرتضےؓ اور ان کے ساتھ وہ انصار جانباز کیا کم تھے کہ جو حضرت عمرؓ یا حضرت ابوبکرؓ کو حضرت فاطمہؓ کو لات مارتے دیکھ کر چپ کرتے وہ بے غیرت آئے گئی کرنے والے نہ تھے نہ پانی پت کے تیلی جولاہے جو اس بے حمیتی کو روا رکھتے کسی کی کیا مجال تھی جو خاتونِ جنت کی طرف ٹیڑھی آنکھوں سے بھی دیکھتا مگر ہمارے بھائی بند شیعہ غیر محقق لوگوں نے ایک ذرا سی بات کو پہاڑ بنا دیا۔ **اصل** نزاع مسئلہ امامت میں تھا شیعہ کے نزدیک استحقاق اس خدمت کا حضرت علیؓ کو تھا۔ دوم علیؓ سب صحابہؓ میں افضل ہیں، نہ یہ بات کہ اور صحابہ کرامؓ کافر یا مرتد ہو گئے۔ اور باغ فدک حضرت فاطمہؓ کی ملک کر دینا چاہیے تھا۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ امامت کے مستحق تھے کہ وہی سب صحابہؓ میں افضل تھے۔ اور باغ آنحضرت علیہ السلام نے اپنی حیات میں نذر اللہ کر دیا تھا بلکہ اپنے جان اور مال سب کو وقف راہ مولیٰ کر دیا اور نحن معشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ فرما دیا تھا پس جس طرح حضرت فاطمہؓ آپؐ کی حیات میں جو اس کی آمدنی پاتی تھیں بدستور جاری رکھی اور باغ مال خدائی ٹھہرایا گیا۔ کیونکہ جب مال ہی نہیں تو تقسیم کاہے میں جاری کرتے؟ **لیکن** بنی امیہ کے ظلم اور زیادتی سے یہ قصہ نہایت طول پکڑ گیا۔ خود شیعہ کے اس مسئلہ امامت میں بہت سے فریق ہو گئے۔ اور غالی اور متعصب لوگوں نے اپنی رونق مجالس اور لوگوں کو مصائب اہل بیت پر رلانے کے لئے ایسی ایسی باتیں بھی گھڑیں اور کتابوں میں درج کر دیں اور نوبت تبرا اور گالی گلوچ صحابہؓ کی پہنچا دی اور برائے گفتن کے لئے اپنی ناک کٹا دی۔ اہانت پیغمبر علیہ السلام اور اہل بیت کرام کی طرف خیال نہ کیا۔ اس لئے محققین شیعہ ایسی باتوں کو ہیچ و پوچ جانتے ہیں۔ پادری صاحب اصل بات یہ ہے نہ وہ کہ جو تم کہتے ہو **قولہ** بعد اس کے ہمیشہ روپیہ

اور ملک گیری کی خاطر لڑتے رہے یہاں تک کہ محمدؐ صاحب کے نواسے امام حسنؓ و حسینؓ بھی بادشاہت کی فکر میں مارے گئے ج بالکل جھوٹ یہ عیسائیوں کی لڑائیاں نہیں کہ محض دنیا کے لئے جھوٹ اور فریب اور بے ایمانی اور دغا بازی کو عمل میں لاتے ہیں اپنے سے غالب کو دب کر سلام کرتے ہیں مغلوبوں کو نہایت بے رحمی سے مارتے ہیں۔ کیا اسپین کا قصہ اور بیت المقدس میں پچاس ہزار مسلمانوں کے زن و فرزند کا باوجود امان کے قتل کرنا وغیرہ صفحۂ عالم سے محو ہو گیا ہے؟ اور حضرت امام حسنؓ و حسینؓ کی شہادت محض دین کے لئے تھی کہ جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ اگر دین کے لئے شہید ہونا عیب ہے تو خود حضرت مسیحؑ اور ان کے بعض حواری بھی مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔ **قولہ** غرض یہ سب دنیاوی طمع سے محمدؐ صاحب پر ایمان لائے تھے اور اُن کے بعد بادشاہوں نے طمع اور جان کے خوف سے لوگوں کو مسلمان کیا (جیسا کہ قسطنطین بادشاہِ روم نے ہزار ہا بے کس لوگوں کو ظلم سے ہلاک کر کے مذہب عیسائی کو رواج دیا تھا) یہاں تک محمدؐ صاحب کا مختصر احوال سُنایا انشاء اللہ اگر زمانے نے فرصت دی تو خاص محمدی تاریخ جدی لکھ کر مفصل کیفیت سُناؤں گا جو پڑھو میں ہے۔ ج تم نے تاریخ محمدی میں حسب وعدہ اور پادری فنڈر نے اور مصنف نیاز نامہ نے اور ماسٹر رام چندر نے رسالہ مسیح الدجال و تحریف القرآن میں اور تمہارے معتقدہ رانمدمن مرادآبادی نے وغیر ذالک بہت سے متعصب اور ناانصاف لوگوں نے بہت کچھ کاغذ سیاہ کئے ہیں اور جھوٹے عیب ضعیف اور موضوع روایات و اقوال اہلِ سیر سے اور کچھ اپنی طرف سے اُس آفتاب جہاں تاب پر لگاتے ہیں اور آسمان کی طرف تھوکا ہے مگر وہ سب اُڑ کر انھیں کے مُنہ پر پڑا۔ دیکھئے اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل پر اہلِ انصاف عیسائیوں سے شہادت طلب کرتے ہیں وہ کیا کہتے ہیں؟ گاڈفری ہگنس اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ گبن صاحب کہتے ہیں کہ چاروں خلفاء کے اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے کہ اُن کی سرگرمی، دلدہی اخلاص کے ساتھ تھی۔ اور ثروت اور اختیار پاکر بھی اپنی زندگیاں ادائے فرائضِ اخلاقی اور مذہبی میں صرف کیں یہی آدمی محمدؐ کے اوّل جلسہ میں شامل تھے جو پیشتر اس سے کہ آپ نے اقتدار حاصل کیا آپ کے جانبدار ہو گئے یعنی ایسے وقت میں کہ آپ ہدفِ آزار ہوئے اور جان بچا کے اپنے ملک سے چلے گئے۔ اُن کے اوّل ہی اوّل تبدیل مذہب کرنے سے ان کی راستی ثابت ہوتی ہے اور دنیا کی سلطنتوں کو فتح کرنے سے اُن کی لیاقت کی فوقیت معلوم ہوتی ہے (۲۱۹) اس صورت میں کوئی یقین کر سکتا ہے کہ ایسے شخصوں نے ایذائیں سہیں اور اپنے ملک سے جلاوطنی گوارا کی اور اس سرگرمی سے اُس کے پابند ہوتے یہ سب امور ایک شخص کی خاطر ہوں جس میں ہر طرح کی برائیاں ہوں اور اس سلسلہ فریب اور سخت عیّاری کے لئے ہوں جو اُن کی تربیت کے بھی خلاف ہو اور اُن کی ابتدائی زندگی کے تعصبات کے بھی مخالف ہو؟ اس پر یقین نہیں ہو سکتا اور خارج از حیطۂ امکان ہے (۱۲۳) عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمدؐ کے مسائل نے اِس درجہ کا نشہ دینی آپ کے مریدوں میں پیدا کیا جس کو عیسیٰؑ کے ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے اور آپؐ کا مذہب اُس تیزی کے ساتھ جس کی نظیر دین عیسوی میں نہیں چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سی عالیشان اور سرسبز سلطنتوں پر غالب آگیا۔ جب عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے اُن کا نشہ دینی جاتا رہا اور ۸

اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چلدیتے اگر بالفرض آپ کی حفاظت کرنے کی اُن کو ممانعت تھی تو آپ کی تشفی کے لئے موجود رہتے اور صبر سے آپ کے اور اپنے ایذا رسانوں کو دھمکاتے۔ برعکس اس کے محمدؐ کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبرؐ کے گرد آئے اور آپؐ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپؐ کو غالب کیا انتہٰی۔ پھر خود گبن اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں: محمدؐ کا مذہب شکوک اور شبہات سے پاک ہے۔ مکہ کے پیغمبرؐ نے بتوں اور انسانوں اور ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے رد کیا الخ۔ اس نے اپنی سرگرمی سے کائنات کے بانی کا ایک ایسا وجود تسلیم کیا ہے کہ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ نہ کسی شکل میں محدود نہ کسی مکان میں نہ کوئی اس کا ثانی موجود ہے جس سے اُس کو تشبیہ دے سکیں الخ ان بڑے بڑے حقائق کو پیغمبرؐ نے مشہور کیا اور اس کے پیرووں نے اُن کو نہایت مستحکم طور سے قبول کیا اور قرآن کے مفسروں نے معقولات کے ذریعہ سے بہت درستی کے ساتھ ان کی تصریح اور تشریح کی۔ ایک حکیم جو خدا تعالےٰ کے وجود اور اُس کی صفات پر اعتقاد رکھتا ہو مسلمانوں کے عقائد مذکورہ کی نسبت یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ ایسا عقیدہ ہے جو ہمارے ادراکِ موجودہ اور قوائے عقل سے بہت بڑھ کر ہے الخ وہ اصل الاصول جن کی بنا عقل اور وحی پر ہے محمدؐ کی شہادت سے استحکام کو پہنچے چنانچہ اُن کے معتقد ہندوستان سے لے کر مراکو تک موحد کے لقب سے ممتاز ہیں اور بُتوں کو ممنوع سمجھنے سے بُت پرستی کا خطرہ مٹا دیا گیا ہے انتہٰی۔ اور ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کہتے ہیں: محمدؐ کو نکلتے ہوتے آفتاب برستے پانی اور اگتی گھانس میں خدا ہی کا یدِ قدرت نظر آتا تھا اور عرش رعد اور آواز آب وطیور کے نغمہ میں حمد الٰہی کی آواز سنائی دیتی تھی اور سنسان جنگلوں اور پرانے شہروں کی خرابات میں خدا تعالیٰ ہی کے قہر کے آثار دکھائی دیتے تھے انتہٰی۔ اور راڈویل صاحب دیباچہ قرآن میں لکھتے ہیں محمدؐ کے سب کام اس نیک نیتی کی تحریک سے ہوتے تھے کہ اپنے ملک کے لوگوں کو جہالت اور ذلت بُت پرستی سے چھڑا دیں اور یہ کہ نہایت مرتبہ کی خواہش آپؐ کی یہ تھی کہ سب سے بڑے امرِ حق یعنی توحیدِ الٰہی کا جو اُن کی روح پر بدرجۂ غایت مستولی رہتی تھی اشتہار کریں الخ اور مقتضائے حوادث اور بتدریج فوزِ مرام اس امر کا باعث ہوا کہ انھوں نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا رسولِ امین یقین کامل کر لیا تاہم محمدؐ کی سیرت ایک عجیب نمونہ اس قوت اور حیات کا جو ایسے شخص میں ہوتی ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ اور قیامت پر اعتقادِ کامل ہوتا ہے اس میں سے کچھ نتیجے نکالے جائیں۔ اُن کی ذاتِ کریم اور سیرت صداقت مشحون سے ہمیشہ ان کو اُن لوگوں میں تصور کیا جاوے جن کو ایمان اور اخلاق اور اپنے ابنائے جنس کے تمام حیات دنیوی پر ایسا اختیار حاصل ہے جو حقیقت میں بجز کسی اولوالعزم کے اور کسی کو نہیں ہوتا انتہٰی۔ اور لارڈ ولیم میور اپنی کتاب سیرتِ محمدیہ میں لکھتے ہیں: ایک زمانۂ نامعلوم سے مکہ اور جزیرۂ عرب کی روحانی کیفیت بالکل بے حس ہو گئی تھی گو ایک ضعیف اور ناپائدار اثر یہودیت و نصرانیت یا فلسفہ کا عرب پر ہوا تھا جیسے کہ ایک دریاچہ غیر رواں کے سطح کا اِدھر اُدھر لہر کھانا گر تہ میں بے جس و حرکت رہنا تمام عرب توہمات و ظلم اور بدکاریوں میں غرق ہو رہے تھے۔ یہ عام رسم تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیواؤں کو بیاہ لیتا تھا۔ اُن کے غرور اور افلاس سے رسم دختر کشی بھی جاری ہو گئی تھی جیسے ہندوؤں میں ہے۔ اُن کا مذہب حد کے درجہ کی بُت پرستی تھا اور ان کا ایمان ایک مسبب الاسباب مالک علی الاطلاق پر نہ تھا بلکہ غیر مرئی ارواح کے توہم باطل کی سی ہیئت کا اُن کا

ایمان تھا۔ قیامت اور جزاء وسزاء جو فعل یا ترک کا باعث ہو اُس کی انھیں خبر نہ تھی (جیسا کہ پادریانِ حال بالخصوص عماد الدین کو نہیں ہے) ہجرت سے تیرہ برس پیشتر (یعنی قبل نبوت) تو مکہ اس طرح سے ایسی ذلیل حالت میں بے جان پڑا ہوا تھا۔ مگر ان تیرہ برسوں نے کیا ہی اثر عظیم پیدا کیا سینکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی (بخلاف پادریوں کے کہ وہ اب بھی تین خدا کی پرستش کرتے ہیں) اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع ومنقاد ہو گئے۔ اسی قادرِ مطلق سے بکثرت وشدت دعاء مانگتے اسی کی رحمت پر مغفرت کی اُمید رکھتے اور حسنات وخیرات و پرہیزگاری اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اب اُنھیں شب وروز اسی قادرِ مطلق کی قدرت کا خیال ہے اور یہ کہ وہی رازق ہمارے ادنیٰ ادنیٰ حوائج کا خبرگیراں ہے۔ ہر ایک قدرتی یا طبعی کیفیت میں ہر ایک اُمور متعلقاتِ زندگانی میں اور اپنی خلوت وجلوت کے ہر ایک حادثہ اور تغیرات میں وہ اُسی کے یدِ قدرت کو دیکھتے تھے اور اس کے علاوہ وہ لوگ اُس روحانی حالت کو جس میں وہ خوشحال اور حمد کناں رہتے تھے خدا کے فضلِ خاص ورحمتِ باختصاص کی علامت سمجھتے تھے اور اپنے کافر اہلِ شہر کے کفر کو خدا کی تقدیر کئے ہوئے خذلان کا نشان جانتے تھے محمدؐ کو وہ اپنی حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے الغرض اس تھوڑے عرصہ میں مکہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل اور شکیبائی سے برداشت کیا الغرض ایک سو مرد وعورت نے اپنے ایمانِ عزیز سے انکار نہ کر کے اپنا گھر بار چھوڑ حبش کو ہجرت کر لی تھی پھر اس سے زیادہ آدمی اور ان میں نبی بھی (دیکھو نبوت کا اقرار ہے) اپنے عزیز شہر کو اور مقدس کعبہ کو چھوڑ کر مدینے کو ہجرت کر آئے اور یہاں بھی اس عجیب تاثیر نے دو یا تین برس کے عرصہ میں ان لوگوں کے واسطے ایک برادری جو نبیؐ اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہو گئے تیار کر دی اہلِ مدینہ کے کانوں میں یہودی حقانی باتیں عرصہ سے گوشش گزار ہو چکی تھیں مگر وہ بھی اس وقت خوابِ خرگوش سے نہ چونکے جب تک کہ رُوح کو کپکپا دینے والی باتیں نبی عربی کی نہیں سُنیں تب البتہ ایک نئی اور سرگرم زندگانی میں دم بھرنے لگے انتہےٰ۔ ایک جگہ اُسی کتاب میں لارڈ صاحب لکھتے ہیں ہم بلا تامل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے ہمیشہ کے واسطے اکثر توہماتِ باطلہ کو کالعدم کر دیا۔ اسلام کی صدائے جنگ کے روبرو بت پرستی موقوف ہو گئی۔ اور خدا کی وحدانیت اور غیر محدود کمالات اور قدرتِ کاملہ کا مسئلہ حضرت محمدؐ کے معتقدوں کے دلوں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہو گیا ہے جیسے کہ خاص حضرت محمدؐ کے دل میں تھا۔ مذہب اسلام کی پہلی بات جو خاص اسلام کے معنی میں ہے یہ ہے کہ خدا کی مرضی پر توکل مطلق کرنا چاہیئے بہ لحاظ معاشرت کے بھی اسلام میں کچھ کم خوبیاں نہیں ہیں چنانچہ مذہب اسلام میں یہ ہدایت ہے کہ سب مسلمان آپس میں برادرانہ محبت رکھیں یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کریں غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آویں۔ نشہ کی چیزوں کی ممانعت ہے۔ مذہب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس میں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا" انتہےٰ۔ ہم بنظرِ اختصار انھیں دو چار عیسائی محققوں کے قول پر انحصار کرتے ہیں اور ان محققین بالخصوص لارڈ ولیم میور صاحب بہادر کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے بنظرِ انصاف مذہبِ اسلام اور نبی علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ کی واقعی واقعی خوبیاں کرنے میں کچھ کمی نہ فرمائی اور منصبِ تاریخ گوئی کو امانت سے ادا کر دیا۔ اب اگر ہمارے بھائی پادری صاحبان بھی

انصاف پر آئیں اور سچے عیسائی ہو جائیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صداقت اور رسالت کی شہادت دینے والے یہودیوں کے جھوٹے الزامات سے بری کرنے والے **فارقلیط**۔ شیلا۔ حضرت خاتم النبیین **محمد مصطفٰے** صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت سے باز آئیں اور جس طرح یہود حضرت مسیح علیہ السلام کی گستاخی کر کے حیاتِ ابدی سے محروم رہے نجات سے محروم نہ رہیں اور جن کتابوں میں آنحضرت علیہ السلام بے گناہ اور معصوم کو گالیاں دی ہیں بُرا بھلا کہا ہے اُن کی نسبت عیب لگاتے ہیں اُن کو جلا دیویں تو کیا خوب ہو؟ دیکھو بھائیو خدا بالخصوص اللہ کے پاک اور مقدس اور راہبر لوگوں سے بد ہے اگر تم سچے عیسائی ہو تو برائے خدا ذرا تو تخلیہ میں بیٹھ کر سوچو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دینِ عیسوی کے حق میں کیا بُرائی کی ہے بلکہ انھوں نے تو ان کی اور حضرت مریمؑ کی اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی نہایت عظمت کی ہے۔ قرآن میں تمہارے اکابر کی محامد اور تصدیق بکثرت ہے غایۃ ما فی الباب تمہارے برخلاف مسئلہ **تثلیث** و کفارہ والوہیتِ مسیح کو کہ جس کو نہ عقل سلیم تسلیم کرتی ہے نہ کسی نبیؑ نے نہ خود حضرت مسیح نے فرمایا ہے) نہیں مانتے جیساکہ خود عیسائیوں کے متعدد فرقے (جیساکہ مارسیونی آریوس ابیونی یونی ٹیرین۔ ارتمن۔ نکلائی۔ نصارٰی نجران، وغیرہم) اس افراط اور خیالِ باطل کو نہیں مانتے اسلام کا فریق عجیب فرمانبردار فریق ہے کہ جس کو کسی نبی اور کتاب الٰہی سے انکار نہیں خواہ وہ کسی ملک اور کسی قوم کا ہو بشرطیکہ اُس کی نبوت ثابت ہو جاوے اور کتاب کا کلام الٰہی ہونا دریافت ہو جاوے ہم کو البتہ یہود سے مخالفت اور تعصب ہو تو بجا ہے کیونکہ وہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کو بری بات پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کی کسی کتاب آسمانی میں نہ کوئی بشارت ہے نہ کوئی ظہور۔ اُن کے مُرید محض بے تک عہد عتیق کی آیات کو کھینچ کھانچ کر لاتے ہیں تاہم ٹھیک نہیں ملتی نہ اُن کے پاس کوئی معجزہ تھا نہ کوئی کرامت گھر سے آوارگی میں بھاگ کر مصر چلے گئے وہاں بعض حکمار سے چند ادویۂ مجرّبہ اور چند نقوش و عمل دیو و جن کے مجرب سیکھ آئے تھے اور یروشلیم میں آکر اپنے کرشمے دکھا کر نبی کیا بلکہ خدا تو کا بیٹا بن بیٹھے بہت سے احمق اُن کے شعبدوں میں آگئے۔ بہت کو سلطنت کا لالچ دیا اور چال چلن کے بھی اچھے نہ تھے چند عورتیں ساتھ رہا کرتی تھیں۔ پہلے انبیاءؑ کو چور اور بٹ مار کہتے تھے (یوحنا ۱۰ باب) پس گرفتار کئے گئے اُس وقت کوئی معجزہ بھی نہ دکھا سکے اور سب شعبدے بھول گئے آخر الامر چیخ چیخ کر بڑی ذلت سے جان دی۔ چنانچہ اناجیل میں یہ مرقوم ہے کہ اُن کے ساتھ جو لالچی لوگ تھے سب تر بتر ہو گئے کچھ شعبدے حواریوں نے سیکھ لئے تھے اُن کو دکھا کر لوگوں کو بہکاتے پھرے آخر قسطنطین بادشاہِ روم جو بڑا ظالم تھا عیسائی ہوا اُس نے بزورِ شمشیر لوگوں کو عیسائی کیا۔ چونکہ اس مذہب میں شریعت پر عمل کرنے والے پر لعنت ہے اُن کے ہاں سُور و شراب کُتّا گدھا وغیرہ ہر چیز مباح ہے۔ نہ عبادت ہے نہ قربانی نہ ختنہ۔ سو اس آزادی کی وجہ سے اکثر لوگ عیش پسند اس شہوت پرست مذہب میں داخل ہوتے گئے دنیا کی ترقی اور تجارت اور صنعت سے یہ لوگ پھل اور پھول نکلے الخ۔ **اقول** پادری صاحب! کیا یہ کفریات اُن کفر کی باتوں سے کم ہیں جو آپ نے سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بکے ہیں؟ ہمارے نزدیک جو جواب اُن کا ہے وہی ان کا۔ مگر آپ کا یہاں دم بند ہے۔

فصل چہارم قرآن کے مضامین کے بیان میں

**فصلِ چہارم** واضح ہو کہ اصل غرض دنیا میں نبی کے بھیجنے اور اس پر کتاب نازل کرنے سے یہ ہوتی ہے کہ عالم میں جس قدر فساد واقع ہوتے ہوں اور جو کچھ امور خلافِ فطرتِ سلیمہ لوگوں میں رواج

ہو گئے ہوں ان کو مٹایا اور ہر امر میں اصلاح و فلاح کا لحاظ فرمایا جاوے۔ اس لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی ہر امر میں خدا تعالیٰ کی طرف کا فطرتِ الٰہیہ کے لئے سچا نمونہ ہے، یا آسمانی کسوٹی ہے جو بات اس کے موافق ہے کھری ورنہ کھوٹی ہے اسی لئے ہر زمانہ میں یکے بعد دیگرے انبیاء آتے اور اصلاح[1] فرماتے رہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس عہد کے موجب طریقے سکھاتے۔ حضرت نوحؑ نے اپنے زمانہ کے مناسب احکام جاری کئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے وقت کے مناسب نماز و روزہ کے احکام سکھاتے، توحید کو رواج دیا، بت پرستی کی مذمت کی۔ پھر حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام بھی اسی طرح دنیا میں خدائی قانون کو رواج دیتے رہے سب کے اخیر سب کے پیشوا جناب حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ملکِ عرب میں تشریف لائے۔ اس وقت تمام عالم میں تاریکیِ جہالت محیط تھی۔ عرب کے لوگ اس بات کے مدعی تھے کہ ہم ملتِ ابراہیمیہ کے (کہ جس کو ملتِ حنیفیہ کہتے ہیں) پابند اور حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد اور فرزندِ ارجمند ہیں مگر اس وجہ سے کہ صدہا سال تک ان میں پھر کوئی نبی نہ ہوا تھا نہایت گمراہی آ گئی تھی جس طرح کوئی قدیم عمارت بالخصوص شاہی دیوان خاص صدہا سال کی مرمت نہ کرنے سے جا بجا سے ٹوٹ جاتے اور کسی قدر در و دیوار کے نشان باقی رہیں اور اس دیوانِ خاص کی کچھ اور ہی شکل ہو جاتے اور اس میں اور مکانات بن جائیں یہی حال شریعتِ ابراہیمیہ کا عرب میں تھا۔ اوّل مرض ان میں یہ پھیلا کہ خدا تعالیٰ و تقدس کو دنیا کے شہنشاہوں پر قیاس کیا کہ جس طرح دنیاوی بادشاہوں سے عرض و معروض و حاجت براری و کارگزاری بغیر وزیروں اور مشیروں اور عملہ کے نہیں ہو سکتی اسی طرح خدا تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو قدرت و کمال عطا کیا اور اپنی خدائی کا ایک حصہ ان کو دیا ان کے بغیر نہ خدا تعالیٰ کسی کی عبادت قبول کرتا ہے نہ حاجت روا فرماتا ہے۔ بلکہ بعض اقوام نے تو بعض اکابر کی نسبت یہ اعتقاد کیا کہ خدا تعالیٰ دنیا میں اس کی شکل میں ہو کر ظاہر ہوتا ہے اور اس میں حلول کیا ہے جیسا کہ ہنود اپنے اوتاروں کی نسبت اور عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت یہی عقیدہ اب تک رکھتے ہیں تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ پس کسی کو رزق رسانی کا کسی کو پانی کا کسی کو تندرستی و بیماری کا کسی کو قحط و ارزانی کا الغرض کسی کو کسی کا اور کسی کو کسی اور چیز کا اپنے دل میں حاجت روا سمجھ لیا اور ان کی عبادت اور قربانی و نذر و نیاز و نام لینے کو اپنے لئے تقربِ الٰہی کا وسیلہ جانا اور ان سے

---

[1] اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ الآیۃ اور اسی مضمون کی بہت سی آیات قرآن میں ہیں کہ سب لوگ قوانینِ ملت اور اصولِ فطرت میں ایک تھے اس کے بعد لوگوں نے اختلاف کیا خلاف امور کو اختیار کیا ان کی اصلاح کو انبیاء بھیجے۔ اس لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما من مولود الا و یولد علی الفطرۃ الحدیث۔ اور اسی لئے یہ بھی ثابت ہوا کہ اصولِ دین میں تمام انبیاء یکساں ہیں محض امورِ جزئیہ میں اختلاف ہے کہ کسی نبی کے لئے قوم اور ملک اور زمانہ کی رعایت سے کچھ احکام ملے دوسرے کو نہیں انہیں وجوہ سے اور احکام دیئے گئے۔ جس طرح کہ طبیب ہر مرض اور ہر شہر اور ہر ملک اور ہر موسم اور ہر مریض کے لحاظ سے نسخہ میں کمی زیادتی مصلحت دیکھ کر کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کل انبیاء علاتی بھائی ہیں ایک باپ اور مائیں مختلف۔ پس اس سے یہی مراد ہے کہ اصولِ شریعت متحد ہیں فروع میں اختلاف ہے۔ منہ

رُوگردانی کو باعثِ نقصانِ جان و مال جانا اس لئے ان کی پرستش ضروری سمجھی گئی اور وہ لوگ کہ جن کی نسبت اُن کا یہ گمان تھا کہ انبیاء و اولیاء و ملائکہ ہیں اور بعض لوگ اپنے آباء واجداد اور جنوں اور ارواحِ خبیثہ کو اور بعض عناصر آگ پانی ہوا خاک کو بھی اور بعض آفتاب و ماہتاب ستاروں اور دیگر عجائب مخلوقات کو بھی اسی مرتبہ میں سمجھتے تھے چنانچہ ان چیزوں کی پرستش کرنے والے ہنود اور مجوس اب تک موجود ہیں ان چیزوں میں سے کوئی بھی ہنود نے نہ چھوڑی۔ عناصر کی پرستش وید[1] اور دساتیر میں اب تک مذکور ہے۔ اور اُن کی طرف دھیان دھرنے اور خیال جمانے کے لئے اُن کے نام کی تصویریں مٹی اور پتھر وغیرہ چیزوں کی بنا کے آگے رکھ کر عبادت کرنے لگے لیکن ان تصویروں کو معبود نہ سمجھتے تھے بلکہ جہتِ[2] قبلہ خیال کرتے تھے البتہ متاخرین نے خود ان تصاویر ہی کو معبود سمجھ لیا یہ پہلوں سے بھی بڑھ کر خرابی میں پڑے۔ عرب میں یہ بُت پرستی عمرو ابن لحیؔ کی وجہ سے رواج پائی جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے تخمیناً تین سَو برس پیشتر تھا۔ پس جس طرح اہلِ ہند کے ہاں کرشن وغیرہ اکابر کی تصاویر مندروں میں دھری گئیں اور اُن کی پُوجا شروع ہوتی اسی طرح عرب میں بنی کلب نے وَدّ کا بت بنایا اور ہُذیل نے سُواع کا اور مذحج نے یغوث کا اور ہمدان نے یعوق اور قومِ حمیر نے سبا میں نسر کے نام کا بُت بنا کے پُوجا۔ اور یہی پانچوں بُت قومِ نوحؑ میں بھی تھے جیسا کہ سورۂ نوحؑ میں مذکور ہے۔ اور قریش نے خاص مسجدِ ابراہیمی یعنی خانہ کعبہ میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السّلام کے نام کے اور لوگوں کے نام کے چھوٹے بڑے بہت سے بُت رکھ چھوڑے تھے اور گرد کعبہ کے سب سے بڑا بُت ہُبل کے نام سے رکھا تھا۔ اور عرب جن بُتوں کی پرستش کرتے تھے منجملہ اُن کے لات اور مَنات اور ذُو الخلصہ اور ذُو الکفّین اور ذُو الشّریٰ او نہم اور شُعیر اور فَلس وغیرہ تھے کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ عرب کے لوگ عموماً معطّلہ اور کچھ مُحَصّلہ تھے۔ معطّلہ میں سے ایک صنف تو یہی بُت پرست تھے جن کے خیالات کا رد قرآن مجید میں جا بجا ہے، کہیں یوں فرمایا اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ الآیۃ اور کہیں یوں کہا: لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ الآیۃ، اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ الآیۃ، وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَ لَا یَضُرُّهُمْ الآیۃ، وَقَالَ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ الآیۃ۔ اور ایک فریق عرب میں ایسا تھا کہ جو خالق کا اور مَر کر دوبارہ حساب و کتاب جزاء و سزاء کے لئے زندہ ہونے کا انکار کرتا تھا اور طبع کو زندہ کرنے والا اور دہر کو

---

[1] وید ہنود کے نزدیک کتابِ آسمانی ہے۔ اور دساتیر مجوس کے نزدیک کتابِ آسمانی ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ منہ

[2] بعض بُت پرست جیسا کہ اندرمن وغیرہ اپنی بُت پرستی کی یہی توجیہ کیا کرتے ہیں مگر اس سے الزامِ شرک سے بری نہیں ہو سکتے کیونکہ ہم نے مانا کہ لالہ صاحب وغیرہ دانشمندوں نے مہادیو اور بشن اور کرشن اور کالی بھوانی وغیرہ کی مورتوں کو سجدہ نہ کیا بلکہ اُن کو جہتِ قبلہ اور اصل مسجود مہادیو وغیرہ کو جانا اُن چیزوں کو کہ جن کی یہ تصویریں ہیں معبود و مسجود سمجھنا بھی تو بڑی غلطی اور صریح شرک ہے۔ منہ

فنا کرنے والا جانتا تھا یعنی ترکیبِ اجسام کی طبیعت سے آدمی اور دیگر حیوانات و نباتات خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں اور تحلیل ہوتے ہوتے گردشِ دہر سے فنا ہو جاتے ہیں نہ اس پر بعد مرگ کوئی حساب ہے نہ کتاب نہ دوزخ نہ بہشت نہ کوئی رسول نہ فرشتہ اور ان لوگوں کو دہریّہ کہتے ہیں چنانچہ آج کل بھی انگلستان اور جرمن وغیرہ بلاد میں اُن کی ذُرّیت موجود ہے۔ اس فریق کا بھی قرآن میں بہت جگہ ردّ ہے۔ قال اللہ تعالٰی: وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ پس خدا تعالیٰ نے ضروریاتِ فکریّہ و آیاتِ فطریّہ کے ساتھ چند آیات اور سورتوں میں اُن کے اس بیہودہ اور غلط خیال کو ردّ کیا فقال: اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وقال اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ وقال قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ الآیۃ، وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ الآیات۔ اس فریق کا بھی ردّ قرآن مجید کی اکثر آیات و اکثر سُوَر میں نئے نئے طور سے واقع ہوا ہے۔ اور ایک ایسا فریق تھا کہ جو خالق اور ابداءِ خلق کا تو قائل تھا مگر بعث اور اعادہ کا منکر تھا اس فریق کے عقائد کو بھی قرآن نے اکثر جگہ بڑی شدّ و مدّ سے ردّ کیا ہے چنانچہ یہ آیت قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ الآیۃ اور یہ آیت اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ انھیں کے ردّ میں وارد ہے۔ اور ایک فریق ایسا تھا کہ جو خالق اور ابداءِ خلق اور کسی قدر اعادہ کا قائل تھا مگر رسولوں کا منکر تھا اور اصنام کی عبادت کرتا تھا کہ یہ ہمارے لئے آخرت میں خدا تعالیٰ کے پاس شفاعت کریں گے مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ ان کے ردّ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ وغیرہا من الآیات۔ اور یہ لوگ بتوں کے نام کی قربانی کرتے تھے اور جس طرح کہ ہنود ہر سال اپنے بُتوں کی زیارت کے لئے میلے کے طور جاتے ہیں اسی طرح یہ مُشرکین اُن کے لئے حج کرتے اور منّتیں مانتے اور بعض چیزیں حلال اور بعض حرام کرتے تھے اور اپنی کھیتی وغیرہ آمدنی میں سے اُن کے حصّے مقرر کرتے تھے اور اس میں کسی قدر خدا تعالیٰ کے نام بھی معین کرتے تھے اور کبھی خدا کے نام بُتوں کے نام پر چڑھا دیتے تھے، ان جانوروں میں سے کسی نر کو مُردوں کے لئے حلال اور عورتوں پر حرام کر دیتے تھے۔ چنانچہ سورۃ انعام میں اس کا ردّ موجود ہے وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۤ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَاۗءُ بِزَعْمِهِمْ الآیۃ، وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَاۗءُ الآیۃ ان کے ردّ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ الآیۃ قال اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِھٰذَا الآیۃ اور عموماً ان لوگوں کے دو شبہ تھے اوّل حشرِ اجساد کا کہ جس کی نسبت

لہ اس امر میں ایک شاعرِ جاہلیت نے یہ اشعار کہے ہیں ؎ حیاۃٌ ثم موتٌ ثم نشرٌ ۔ حدیثُ خرافۃٍ یا امَّ عمرو ۔ اور بعض نے مرثیہ میں یہ کہا ہے ؎ وماذا بالقلیبِ قلیبِ بدرٍ ۔ من الشیزیٰ تُکلّل بالسنام ۔ یُخبّرنا الرسولُ بان سنحیا ۔ وکیف حیاۃُ اصداءٍ وھامِ ۔ منہ

کہتے تھے ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ وغیرہا من الآیات۔
دوم رسولوں کا آدمیوں کی شکلوں میں آنا اور حوائج بشریہ میں شریک ہونا جس کی نسبت خدا تعالیٰ خبر دیتا ہے
وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ الیٰ قولہ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا
مَّسْحُوْرًا ۝ وقال: وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ
بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ پس جو لوگ کہ فرشتوں کے قائل تھے وہ کہتے تھے کہ فرشتے کیوں رسول نہ ہوتے وَقَالُوْا
لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۝ وغیرہا من الآیات۔ اور جو قائل نہ تھے وہ صرف اپنے بتوں کو کافی اور وسیلہ
سمجھتے تھے اول شبہ کا جواب قرآن میں کثرت سے دیا گیا اور ثانی شبہ کا جواب بھی اکثر جگہ ذکر فرمایا کہ
بشر تمہارا ہم جنس ہے فرشتہ نہیں اور اگر فرشتے کو بھی رسول کر کے تمہارے پاس بھیجتے تو انسان ہی کی
شکل میں بھیجتے پھر شبہ کرنے والے اسی طرح اس پر بھی شبہ کرتے وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا الآیۃ
اور جب اس ضرورت کے لئے بشر کو رسول کرنا پڑا تو بشر سے مقتضیات بشریہ ترک ہونی اس طرح ناممکن
ہیں کہ جس طرح آگ سے حرارت کا جدا ہونا ناممکن ہے پس اسی لئے جس قدر دنیا میں پیشتر انبیاء آئے کھاتے
پیتے تھے بیوی بچے بھی رکھتے تھے قال تعالیٰ: وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ
الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ۔ اور بعض عرب تناسخ کے قائل تھے کہ انسان جب مرجاتا یا مارا جاتا
ہے تو اس کے دماغ کا خون اور اجزاء اصلیہ مجتمع ہو کر ایک جانور ہو جاتا اور سو برس تک اس کی قبر پر
بولتا اور دشمن سے انتقام چاہتا ہے جیسا کہ آج کل صدہا عوام اور بالخصوص ہنود کے خیالات خام ہیں کہ
فلاں شخص کی روح آتی ہے اور فلاں شخص جن بھوت بن کر لوگوں کو ستاتا پھرتا ہے یا فلاں جنگل یا فلاں
جگہ میں رات کو فلاں مقتول بولتا اور پانی مانگتا ہے۔ یا بڑے بزرگ گھر پر دان پن کے لئے آتے ہیں یا فلاں
عورت کی سوکن جو مرگئی ہے اس کو ستاتی ہے چنانچہ شیخ سدو اور زین خان اور ماموں اللہ بخش اور ہنومان
کی چوکی وغیرہ بیہودہ خیالات انہیں لوگوں کی نشانی اور یادگاری ہے اس غلط خیال کو نبی علیہ السلام
نے بھی بڑی شد و مد سے رد کیا فقال: لا هامة ولا عدوى ولا صفر الحدیث۔ بلکہ شگن اور مہورت
اور فال وغیرہ خیال کی پرستش کو بھی منع کر دیا اور سنا دیا کہ خدا تعالیٰ کی قضاء و قدر کو کوئی چیز روک نہیں
سکتی قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا الآیۃ، وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ
وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اور اسی مضمون کی بہت سی آیات ہیں۔ اور بعض
کا یہ اعتقاد تھا کہ فرشتے خدا تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ان کی عبادت اور ان کے وسیلے سے حاجت براری ہوتی ہے
اس کے رد میں خدا تعالیٰ نے اکثر آیات نازل فرمائی ہیں از انجملہ یہ آیت ہے اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ
وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ اور بعض
عرب جنوں کی پرستش کرتے اور ان کے نام کی دہائی دیتے تھے ان کے رد میں خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے وَجَعَلُوْا
بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝ اور اکثر لوگ ایسے بھی تھے کہ جو کچھ
باتیں جنوں سے دریافت کر کے اور اس میں دس جھوٹ ملا کے لوگوں کے آگے بیان کیا کرتے تھے اور ان

لوگوں کو کاہن کہتے تھے جیسا کہ آج کل جُہّال جمعرات کو جگہ لیپ کر مع نا سکن کر سر کھیر گردن ہلانے لگتے ہیں کہ ہم پر سید آتا ہے اور عوام اُن سے مغیبات کا سوال کرتے اور اس پر ایمان لاتے اور اُس کے قول پر عمل کرتے اور بعض چیزیں کھانی پینی چھوڑ دیتے ہیں۔ وغیر ذٰلک من الخرافات۔ اس کا رد بھی قرآن میں مذکور ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا تے کسی کو غیب کا حال معلوم نہیں البتہ جس قدر وہ خود اپنے ملائکہ یا خاص بندوں کو بتلا دیتا ہے بس اسی قدر جانتے ہیں اور جِنّوں کو تو ملاءِ اعلیٰ تک رسائی بھی نہیں اور جو کوئی وہاں کا قصد کرتا ہے تو اس پر کرّہ نار سے انگارے برستے ہیں سورۂ جنّ میں اس کا ذکر ہے اور پیغمبر علیہ السلام نے بھی بدلائل موثقہ اس خیال کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ اور بعض عرب ستاروں کی تاثیر کے قائل تھے کہ جس قدر حوادث اس عالم سفلے میں واقع ہوتے ہیں جیسا کہ مینہ برسنا اور قحط ہونا اور بیمار و تندرست ہونا اور غنی و فقیر ہونا جو کچھ ہوتا ہے سب ستاروں کی گردش سے ہوتا ہے یہاں تک کہ خرید و فروخت و بیاہ و شادی سفر وغیرہ ستاروں کے طلوع و غروب کے حساب سے کرتے تھے جس طرح اب تک اس ملک میں ہنود اس کے پابند ہیں برہمنوں کے خیالات خام اور وساوس وغیرہ کو دل و جان سے پسند کرتے ہیں۔ اس خیالِ فاسد کی غلطی بھی قرآن اور نبی آخر الزمان نے ظاہر کر دی چنانچہ بمقام حدیبیہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج شب کو جو بارش ہوتی ہے اس کی نسبت خدا تعالےٰ یوں فرماتا ہے کہ بعض بندوں نے کفر اختیار کیا اور بعض مجھ پر ایمان لائے پس جس نے یوں کہا کہ مطرنا بنوء کذا[1] اُس نے کفر اختیار کیا اور جس نے اس بارش کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھا وہ مومن رہا۔ الحدیث۔ اور قرآن نے بھی یہ کہہ دیا کہ آفتاب و ماہتاب اور جمیع ستارے خدا تعالیٰ کی مخلوق اور ممکن اور اُس کے حکم کے اپنی چالِ خاص میں مسخر ہیں۔ ہوا پانی وغیرہ مخلوقات سے اُن کو اور کوئی زیادہ بات حاصل نہیں۔ قال تعالےٰ: وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ وغیرہا من الآیات۔ (سوال) یہ خیال غلط نہیں کیونکہ حکماء بھی علویات کی تاثیر کے قائل ہیں۔ (جواب) اوّل تو حکماء بھی بہت سی غلط باتوں کے قائل ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ خدا تعالیٰ سے سوائے ایک چیز کے اور کوئی دوسری چیز صادر نہیں ہوتی۔ ازانجملہ یہ کہ اُس کو جزئیات مادیہ کا علیٰ وجہ التفصیل علم نہیں۔ ازانجملہ یہ کہ اس کو اپنی ذات کا علم نہیں، وغیر ذٰلک مما لا یخفےٰ۔ دویم اگر تاثیر ثابت ہے تو اس قدر ثابت ہے کہ جس طرح آگ کی تاثیر حرارت اور پانی کی برودت پس اسی طرح آفتاب و ماہتاب اور دیگر ستاروں کی تاثیر حرارت و برودت ہو کر جس سے پھل و پھول پکتے ہیں نہ یہ کہ انسان کی سعادت و نحوست میں کچھ اُن کو دخل ہے اور یہ بات اور ہے کہ اتفاق سے اس ستارے کے طلوع و غروب کے وقت کوئی کام ہو گیا مثلاً کسی کو ایسا اتفاق ہو کہ جب کسی کام کے لئے وہ کُتّے کے بھونکتے وقت چلا تو وہ کام نہ ہوا تو اس سے کوئی ملازمہ عقلیہ یا عادیہ کُتّے کے بھونکنے اور کام کے نہ ہونے میں نہیں ہو سکتا البتہ توہمات کو بڑی گنجائش ہے۔ اور بعض عرب مذہب یہود کی طرف میلان رکھتے تھے اور بعض عیسائی تھے یہود اور عیسائیوں میں جو کچھ خرابیاں اور گمراہیاں اُس وقت میں تھیں بلکہ اب تک باقی ہیں بیان سے باہر ہیں کسی قدر ہم ابھی بیان کریں گے۔ اور

---

[1] نوء کہتے ہیں ستاروں کے اجتماع اور طلوع و غروب کو یعنی ہم کو ستاروں کی وجہ سے بارش حاصل ہوئی۔ منہ

**بعض عرب** مجوسیوں کی طرف میلان رکھتے تھے۔ کیونکہ ایک عرصہ سے یمن اور عراق میں ایرانیوں کی سلطنت تھی کہ جو مجوسی اور آتش پرست تھے اور تبوک وغیرہ اطراف عرب میں بالخصوص مدینہ طیبہ سے شمالی اور مغربی حصہ میں اکثر عیسائی لوگ حاکم تھے **ہرقل**[۱] شاہِ روم کے صوبجات شمار ہوتے تھے اور خاص مدینہ منورہ میں اور اس کے اطراف خیبر وغیرہ مواضع میں یہود رہتے تھے باقی حجاز و نجد وغیرہ ملک خود مختار تھے۔ دوسرا فریق عرب کا کہ (جو حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام کے طریق پر چلتا تھا) ان کو محصلبہ کہتے ہیں یہ لوگ موحد تھے نبی کے منتظر تھے۔ لیکن یہ فریق بہت ہی کم تھا منجملہ اس فریق کے **زید بن عمرو بن نفیل** تھے جو کعبہ سے تکیہ لگا کر توحید بیان کیا کرتے تھے اور شرک سے نفرت دلایا کرتے تھے اور حشر و نشر حساب و کتاب کے قائل تھے۔ منجملہ اُن کے **قس بن ساعدہ** ایادی ہیں۔ منجملہ اُن کے مواعظ کے یہ اشعار ہیں جو ثبوتِ حشر میں کہے ہیں۔

فریق عرب محصلہ کا بیان

**ع** یاناعی الموت والاموات فی جدث ÷ علیہم من بقایا بزہم خرق ÷ دعہم فان لہم یوماً یصاح بہم ÷ کما ینبہ من نومات الصعق ÷ الخ منجملہ اُن کے **عامر عدوانی** ہیں یہ شخص عرب کے حکماء اور خطباء میں سے ہے۔ اس کی ایک بڑی وصیت ہے جس کے اخیر میں یہ کلمات ہیں کہ میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ جس نے اپنے تئیں پیدا کیا ہو۔ اور جو آنے والی ہے وہ جانے والی ہے اگر لوگوں کو مرض سے موت ہوتی تو دوا سے زندگی بھی ہو جاتی۔ اس شخص نے زنا اور شراب کو اپنے اُوپر حرام کیا تھا اور شراب کی مذمت میں چند اشعار بھی کہے ہیں۔ منجملہ اُن کے **قیس بن عاصم** تیمی اور **صفوان** بن امیہ بن محرب کنانی اور **عفیف** بن معدیکرب کندی ہیں قرآن مجید کو اس وقت کے چار فریق کا ردّ اور دفع شبہات کرنا پڑا جو فطرتِ سلیمہ سے برخلاف اور راہِ راست سے دُور پڑے ہوتے تھے۔

اوّل فریق

**(اوّل)** تو یہی عرب معطلہ کہ جن کے عقائد مذکور ہو چکے ہیں اور اُن کے ردّ میں اہلِ منطق اور اہلِ فلسفہ کے طرز کو اختیار نہیں کیا کہ مقدمات یقینیہ سے قیاس بشرائط مرکب کر کے پیش کیا جاتا اور امورِ غامضہ پر مناظرہ کی بنیاد رکھی جاتی اور نہایت باریک باتوں پر الزام دیا جاتا کیونکہ اُن عامیوں اَن پڑھوں اور اُونٹ اور بکری چرانے والوں سے اس طرح مناظرہ کرنا خلاف مقصود تھا وہ ایسی باتیں کب سمجھ سکتے تھے اس لئے مقدماتِ مشہورہ اور مسلّمہ پر اکثر الزام دیا اور اُن مقدمات کا غلط ہونا ثابت کر دیا جن پر یہ عقائد فاسدہ مبنی تھے چنانچہ ہر موقع پر ہم اس کی تشریح کریں گے اور تقدیم و تاخیر کا کچھ لحاظ نہ کیا اور کلام کے مکرر ہونے سے اور اکثر سورتوں میں پھر لانے سے اجتناب نہ کیا کیونکہ مقصود یہ تھا کہ اُن کے دل میں شرک کی بُرائی جم جائے اور ان خیالاتِ فاسدہ کی غلطی پیشِ نظر ہو جائے کس لئے کہ ذکی تو اشاروں سے سمجھ سکتا ہے اور عامی بغیر تکرار اور تفصیل تام کے نہیں سمجھ سکتے۔ جو مفسر اس نکتہ سے واقف نہیں وہ آیاتِ احکام اور آیاتِ مخاصمہ میں باہم ربط دینے میں بڑا تکلف کرتے ہیں اور اُن کے لئے کوئی قصہ شانِ نزول میں تلاش کرتے ہیں اور جس لوگوں میں عقائد باطلہ پایا جانا آیاتِ عقائد کے لئے شانِ نزول ہے اور باہم جھگڑے اور ظلم و ستم کا پایا جانا آیاتِ احکام کے لئے شانِ نزول ہے اور جب ہمارے بعض مفسر ہی اس نکتہ کو نہ سمجھے اور انہیں بے اصل قصّوں کو تفسیر آیات میں داخل کرنے کی ضرورت پڑی

---

[۱] ہرقلیس۔ منہ

ف جواب پادری فنڈر

تو بیچارے پادری و ہنود وغیرہم مخالفین (کہ جو علوم اسلامیہ سے اکثر ناآشنا ہیں) کیا سمجھتے؟ پس پادری فنڈر اور پادری عماد الدین وغیرہم نے جو قرآن پر اس بارے میں بڑی شد و مد سے اعتراضات کئے ہیں اور قرآن کی فصاحت و بلاغت میں نقص ثابت کیا ہے اور ناحق کی قابلیت جتلائی ہے درحقیقت اپنی ناواقفیت کا اظہار کیا ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ ان اعتراضات میں بیچارے پادریوں کا محققین اہل اسلام قہقہہ نہ اڑائیں بلکہ اُن کو اُن کی بے علمی کی وجہ سے معذور سمجھیں۔ **فریق (دوم)** کہ جس سے مناظرہ واقع ہوا یہود ہے۔ یہود میں بہتیری

فریق دوم

خرابیاں شائع ہوگئی تھیں جن کی اصلاح بنی اسرائیل کے نبیوں سے بھی نہ ہو سکی کیونکہ سب سے اخیر انبیاء بنی اسرائیل میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں انہوں نے جس قدر اصلاح چاہی بیان سے باہر ہے مگر اُس سخت قوم پر (کہ جس کے ہاتھ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی عاجز آ گئے حالانکہ دن بھر میں بہت سے خوارق و معجزات اُن سے دیکھتے تھے) چنداں اثر نہ ہوا آخر علم الٰہی کے بموجب ان دونوں حضرات کو یہی فرمانا پڑا کہ جلد راستی اختیار کرو ورنہ آسمانی سلطنت کا زمانہ بہت قریب آ گیا ہے وہ تیغ آنے والا ہے کہ جس کے ہاتھ پر آتشین شریعت[1] ہے سرکشوں کو کامل سزا دے گا۔ اور جو کچھ خدا تعالیٰ اور انبیاء بالخصوص حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی نسبت بہتان باندھ رکھے ہیں اُن کو دُور کرے گا۔ **منجملہ** خرابیوں کے ایک یہ تھی کہ خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات میں تشبیہ کے قائل تھے یعنی اُس کو جسمانی جان کر اُس کے لئے حقیقۃً جسم اور مکان اور اعضا ثابت کرتے تھے اور اس کے لئے متناہی قدرت و طاقت ماننے تھے کہ وہ آسمان و زمین پیدا کر کے تھک گیا اور ہفتہ کے روز اُس نے آرام لیا۔ اس کا رد بھی قرآن نے کیا۔ فرمایا: اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ الآیہ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ اور فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔ **ازانجملہ** یہ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں سے نہایت پیار کے الفاظ سے خطاب کیا تھا اور وہ لفظ پیار کا "بیٹا" تھا یہود اس سے یہی سمجھ گئے کہ ہم خدا تعالیٰ کے پیارے اور بیٹے ہیں ہم کو کسی فعل پر عذاب نہ ہوگا اور جو کچھ ہوا بھی تو بطور تہدید کے چند روز ہوگا اس بات کو خدا تعالیٰ نے رد کیا کہ خدا تعالیٰ کی جب کوئی جورو ہی نہیں تو بیٹا کہاں؟ باپ بیٹے میں مماثلت اور مجانست ضروری ہے خدا تعالیٰ کا نہ کوئی مثل ہے نہ ہم جنس فرمایا لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا الآیہ وَلَمْ تَکُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ الآیہ۔ اور فرمایا کہ تم پر کیا منحصر ہے جو کوئی خداوند تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاوے گا وہ عذاب سے نجات پاوے گا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ الآیہ اور فرمایا اگر خاص تمہارے ہی لئے دار آخرت ہے تو ذرا موت کی آرزو تو کرو قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ الآیہ اور یہ کہ گناہ پر ہم کو

---

[1] یعنی محمد علیہ السلام۔ منہ [2] چنانچہ توراۃ سفر خلیقہ میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور خداوند سے یعقوب کشتی لڑا۔ اور خدا تعالیٰ ... تمام بنی آدم کو پیدا کر کے پچھتایا اور آسمان و زمین پیدا کر کے ہفتہ کے دن آرام لیا۔ منہ [3] ہنود کا عموماً یہی خیال ہے کہ مکتی کے لئے چار قوم پرمیشر نے بنائی ہیں۔ برہمن، چھتری، بیش۔ شودر باقی اور تمام مخلوق الٰہی ملیچھ یعنی بری اور نجات کے لائق نہیں اور اس پر (باقی صفحہ ۱۱۴ پر)

چند روز عذاب رہے گا پھر نہیں۔ فرمایا یہ تمہارے دلوں کے منصوبے ہیں تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ الآیہ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً الآیہ۔ ازانجملہ یہ کہ شہوت پرستی اور بدمستی سے انبیاء علیہم السلام کی نسبت بھی بڑی بدگمانیاں کرتے تھے چنانچہ حضرت آدمؑ کی نسبت بڑا گندہ خیال تھا اور حضرت لوطؑ کو یہ کہتے تھے کہ انھوں نے شراب پی کر اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا اور وہ دونوں اس سے حاملہ ہوئیں اور ایک نے موآب اور دوسری نے بن عمی جنا۔ چنانچہ سفر خلیقہ کے ۱۹ باب میں اب تک مذکور ہے۔ اور حضرت سلیمانؑ نے بت پرستی کی اور حضرت داؤدؑ نے اوریا کی جورو سے زنا کیا۔ چنانچہ کتاب السلاطین میں اب تک موجود ہے اس خیال کو خدا تعالیٰ نے رد کیا کہ وہ لوگ اور خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے۔ خدانخواستہ اگر وہ بھی ایسا کریں تو پھر امت کا کیا ٹھکانا وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ وغیرہا من الآیات۔ ازانجملہ یہ کہ بابل کی اسیری میں اصل نسخہ تورات ان کے ہاتھ سے مفقود ہوگیا تھا پھر مدت بعد ان کے علماء نے اپنی یاد کے طور پر کچھ مرتب کیا اور عزیر علیہ السلام اس کے مہتمم ہوئے آخر شاہ انٹوکس کے حادثہ میں وہ بھی ان کے ہاتھ سے جاتا رہا پھر اپنے ... طور پر جو کچھ چاہا لکھا اور اس کا نام تورات رکھا (چنانچہ اس کی تحقیق آتی ہے) چونکہ یہ نسخہ خدائی تو تھا ہی نہیں انھیں کی تصانیف تھا اس لئے اس پر بھی پورا پورا عمل نہ کرتے تھے بلکہ ان کے مشائخ احبار و رہبان رشوت ستانی کے لئے کچھ کا کچھ ادل کو بدل کر الٹ پلٹ کر دیتے تھے یا اس کی کوئی تاویل کر دیتے تھے کہ جس سے خدا تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے سے سد راہ ہو جاتے تھے اس کی مذمت قرآن نے بیان کی وقال تعالیٰ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ الآیہ۔ بلکہ جو ان کی مرضی کے موافق ہوتا تھا اس کو باقی رکھتے تھے اور جو مخالف ہوتا اس کو مٹاتے تھے اس لئے جناب نبی آخرالزمان علیہ السلام کی جو جو صریح خبریں ان کی کتب میں چلی آتی تھیں ان کو اور دیگر احکام رجم وغیرہا کو اپنے امراء کی خوشامد میں چھپایا یہ تو ان کے علماء کا طور تھا۔ عامیوں میں یہ خرابی تھی کہ وہ ان لالچی اور بے دین علماء کے اس درجہ معتقد تھے کہ اس کے خلاف میں کوئی کیسی ہی حق بات کیوں نہ کہے اور انبیاءؑ ہی آکر کیوں نہ سمجھائیں وہ اس کو ہرگز نہ مانتے تھے بلکہ ان حق گو لوگوں کے قتل کے درپے ہوتے تھے۔ چنانچہ بہت سے انبیاءؑ کو اسی بات پر شہید کر ڈالا ازانجملہ یہ کہ تعلیم انبیاء علیہم السلام کے برخلاف منہیات میں بالکل مستغرق ہو گئے تھے اور بجائے درس و تدریس کتاب الٰہی کے جادو و منتر وغیرہ بیہودہ خیالات میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے اور جادو کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعلیم اور ان کے عروج کا ذریعہ سمجھتے تھے ازانجملہ یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریمؑ کی جناب میں جو کچھ بدگمانی تھی اور جو کچھ بدسلوکی ان سے کی تھی اور ان کے

(بقیہ صفحہ ۱۱۳) عجب یہ ہے کہ اور غیر قومیں کسی کرم یعنی عمل سے نہ برہمن ہو سکتے ہیں نہ چھتری نہ بیش نہ شودر۔ پس پرمیشر نے ہندوستان کے ہندوؤں کو ہی مکتی کے قابل بنایا باقی سب ہیچ۔ منہ ۵ جیسا کہ اس وقت جہاں لوگ اپنے بزرگوں اور آباء و اجداد کی تقلید میں نصوص قرآنی و سنت مصطفویہ کا انکار کرتے اور حیلہ و بہانہ کر کے ٹال دیتے ہیں۔ منہ ۲ جیسا کہ آج کل دینیات کو چھوڑ فضول اور بیہودہ علوم کے سیکھنے میں لوگ مصروف ہیں۔ منہ

پیرووں کے ساتھ عداوت قلبی تھی بیان سے باہر ہے۔ اُن ناشائستہ کلمات کا ذکر کرنا بھی نامناسب ہے عیسائی لوگ خود اس کے مقر ہیں بلکہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو مسیح دجال کہتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ بموجب بشارت موسیٰ علیہ السلام اگر سچے نبی ہوتے تو قتل نہ کئے جاتے حالانکہ وہ قتل کئے گئے۔ اور جس قدر بشارات کتب سابقہ میں اُن کے لئے پائی جاتی ہیں سب کی تاویل کرتے تھے۔ اور نبی آخرالزماں کے منتظر تھے کہ جو اُن کی اعانت کرے۔ پس خدا تعالیٰ نے قرآن میں اُن کے اس عقیدہ کو یوں رد کیا کہ تم نے عیسیٰؑ کو قتل ہی نہیں کیا بلکہ تم کو خود اشتباہ ہوا ہے۔ اور اس کی والدہ پاکدامن اور صدیقہ تھی اور روح القدس کے مس کرنے سے خود بخود اُن کو اپنی قدرت کاملہ سے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے پیدا کیا اور معجزات عطا کئے۔ ازانجملہ یہ کہ حضرت علیہ السلام کے معاصرین یہود کو آپ سے سخت عداوت اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ آپؐ نے اُن کی خرابیوں کی اصلاح فرمانی چاہی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تصدیق کی اور انجیل کو کتاب الٰہی کہا پس اُن کو وہ جو کچھ ایک مدت سے امید تھی کہ عیسائیوں کو ملزم ٹھہرائیں گے اور عرب کے مقابلہ میں ہماری طرفداری کریں گے یک لخت جاتی رہی اس لئے خود آپ کی نبوت میں کلام کرنے لگے اور جب معجزات وغیرہا دلائل سے انکار کی جگہ باقی نہ رہی اور آپ کو قطعی نبی جان گئے تو یہ حیلہ کیا کہ آپ عرب یعنی اُمّی لوگوں کے رسول ہیں ہمارے نہیں ہوسکتے دو وجہ سے (۱) یہ کہ موسیٰؑ کی شریعت ابدی ہے اگر آپ کو نبی مانا جاوے تو اس سے شریعت موسویہ کا منسوخ اور غیر ابدی ہونا لازم آوے (۲) یہ کہ یہ استحقاق نبوت خاص ہمارے خاندان بنی اسرائیل کا ہے یہ نعمت بنی اسماعیل میں حاصل ہونی ممکن نہیں۔ اوّل شبہ تو محض لغو ہے کس لئے کہ آپؐ کے نبی ماننے سے موسیٰؑ کی شریعت کے ابدی ہونے میں کوئی فرق نہیں لازم آتا کیونکہ آپؐ کی شریعت اور موسیٰؑ کی وہ شریعت کہ جو ابدی ہونے کے لائق ہے ایک ہے البتہ بعض جزئیات قوم اور زمانہ کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں خود توراۃ میں احکام کا بدلنا ثابت ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔ دوم ابدی سے مراد زمانہ طویل ہے کما لایخفیٰ دوسرا شبہ تو محض ایک جاہلانہ گفتگو ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے کہیں وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں بنی اسمٰعیل میں نبی برپا نہ کروں گا بلکہ نبی برپا کرنے کا وعدہ کیا تھا چنانچہ اب تک اس توراۃ میں بھی موجود ہے جس کی تصریح ہم کسی مقام پر کریں گے اور کسی قدر عقائد الاسلام میں کرچکے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی رحمت کسی شخص خاص کا حصہ نہیں پس یہ انکار بھی ان کا محض بے دلیل اور احبار و رہبان کی تقلید سے تھا لیکن اُن میں سے صد ہا منصف مزاج آسمانی شریعت میں داخل ہوئے جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور کعب احبار وغیرہما۔ پس یہ عداوت روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک کہ جنگِ احزاب کے بعد یہودِ بنی قریظہ و بنی نضیر وغیرہ کو آتش

لہ عجب ہے کہ دہلی کے ایک کرسٹین ماسٹر رامچندر نے ایک رسالہ لکھا ہے کہ جس کا نام رسالہ مسیح الدجال رکھا اس میں علاوہ اور لغویات کے ایک طرفہ مضمون یہ تھا کہ اُن جملوں کو (کہ جو یہودی مسیح علیہ السلام پر منطبق کرتے اور اُن کو دجال بتاتے ہیں) تیکہ جناب رسالتمآب سید الانبیاء محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت لگایا اور عاقلوں کو اپنا مخبوط الحواس ہونا ظاہر کر دکھایا۔
حقانی

شریعت نے اپنا کامل اثر دکھایا۔ اور بعض علماءِ یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں حاضر ہو کر بہت سے امور کی تصدیق کرنے اور آپ کے لئے بشاراتِ توراۃ کو ظاہر کرتے تھے مگر وہ بیچارے جب پھر اپنی قوم میں واپس جاتے تھے تو ان پر بڑی لے دے ہوتی تھی کہ تم کیوں جا کر ایسی باتیں اُن کو بتاتے ہو کہ جس سے وہ تم کو الزام دیویں۔ الغرض اس طرح سے ہر روز نئی نئی باتیں پیش آتی تھیں کہ جس کا رد خدا تعالیٰ کی جانب سے ہوتا تھا۔ کبھی وہ جبرئیل ؑ کی عداوت ظاہر کرتے تھے اور قرآن کے نہ ماننے میں یہ عذر پیش کرتے تھے۔ کبھی مدینہ طیبہ کے منافقین کو ورغلاتے تھے اس لئے سورۂ بقرہ وغیرہا میں اکثر ایسے مضامین ہیں (**تیسرا فریق**) کہ جس سے قرآن میں مناظرہ واقع ہوا ہے **نصاریٰ** ہے یہود تو تھے ہی یہ اُن سے بھی گمراہی میں کئی نمبر بڑھے ہوئے تھے حضرت مسیح ؑ کے زمانہ ہی سے جو کچھ مصائب مسیحیوں پر پڑنے شروع ہوئے اُن کے ذکر کے لئے ایک جداگانہ دفتر چاہیے انھیں حوادث میں انجیل اُن کے ہاتھ سے جاتی رہی اور کچھ یادداشت کے طور پر تعلیم و تلقین کا سلسلہ جاری رہا۔ کسی معتبر ذریعہ سے یہ بات نہیں معلوم ہوتی کہ حواریوں کے پاس جب کہ وہ روم وغیرہ بلاد میں منادی کرتے پھرتے تھے کوئی حضرت مسیح ؑ کی تصنیف یا خود اُن کی تصنیف کتاب بھی ساتھ تھی۔ لیکن اُن حواریوں نے دینِ حق کی اشاعت میں بڑی ہی کوشش فرمائی اور لوگوں کو اپنی کرامات اور نیک چلنی دکھا کر دینداری کی طرف متوجہ کیا۔ پھر تخمیناً دوسری صدی میں صدہا ایسے جھوٹے مسیحی پیدا ہوئے کہ جنھوں نے روح القدس نازل ہونے اور الہام ہونے کا دعویٰ کیا اور بہت سے جھوٹے عقائد اور اوہام باطلہ کو حضرت مسیح ؑ اور اُن کے حواریوں کی طرف منسوب کیا اور لوگوں میں ان کا رواج دینا شروع کیا چنانچہ ورس ۱۳ باب ۱۱ نامہ دوم قرنتیوں میں اس کی تشریح ہے۔ اور صدہا جھوٹی انجیلیں اور نامجات معروف و مشہور ہوگئے جیسا کہ باب اول انجیل لوقا اور ابتداء نامہ گلیتوں اور باب دوم نامہ تسلنقیوں میں اس کی تصریح ہے۔ اور اس طوفانِ بے تمیزی کا باعث نہ تنہا طمع نفسانی اور تضلیل شیطانی تھی بلکہ بہت سے سادہ لوح جھوٹ بول کر دین کو ترقی دینا موجب ثواب جانتے تھے۔ چنانچہ ولیم میور اپنی اردو تاریخ کلیسا کے باب سوم حصۂ دوم دفعہ ۳ میں لکھتے ہیں کہ دوسری صدی کے عیسائیوں میں یہ گفتگو رہی کہ جب حکیموں سے بحث کا اتفاق ہو تو اُن کے طریقے کو اختیار کرنا چاہیے۔ چنانچہ ارجن کی رائے سے یہی بات قرار پائی اس سے بحث میں تیزی تو پیدا ہوئی مگر راستی اور صفائی میں خلل پڑا اور جعلی تصنیفات پیدا ہونی شروع ہوئیں کیونکہ فیلسوف جس کی پیروی کرتے تھے تو رواج دینے کے لئے اُس کے نام سے تصنیف کر کے مشتہر کر دیتے تھے اُن کی تقلید سے یہی طریقہ عیسائیوں نے اختیار کیا یہ بات بھی خلافِ حق اور قابل الزام شدید کے تھی انتہیٰ ملخصاً۔ اور یہی بات اُن کی **پولوس** کے اُس خط سے جو انھوں نے رومیوں کو لکھا ہے ظاہر ہوتی ہے وہ ورس ۷ باب سوم میں لکھتے ہیں۔ پھر اگر میرے جھوٹ کے سبب خدا تعالیٰ کی سچائی اور اُس کے جلال کے لئے زیادہ ظاہر ہوئی تو مجھ پر کیوں گناہگار کی طرح حکم ہوتا ہے اور ہم کیوں نہ بُرائی کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو انتہیٰ۔ الغرض اسی پولوس نے اور بھی دین کو الٹ پلٹ کر دیا اور بجائے صداقت اور ایمانداری کے بیچارے سیدھے سادھے ایمانداروں کے دلوں کو نجس خیالات اور کفر کے عقائد سے بھر دیا۔ چاروں انجیل کہ جن پر آج کل کے عیسائی اُدھار کھائے پھرتے ہیں اسی پُر آشوب زمانہ کی تصنیف ہیں یہ تثلیث اور کفارہ اور الوہیت مسیح

ف الوہیت مسیح

کہ جس کو عیسائی نجات کا دارو مدار جانتے ہیں ایسے ہی جعلسازوں کی گھڑت ہے۔ گرچہ بعض بعض فرقے عیسائیوں کے اس کفر کے سخت منکر بھی تھے جیساکہ **فرقہ یونی ٹیرین** وغیرہ مگر گمراہی زور پکڑتے پکڑتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک حد سے تجاوز کر گئی تھی۔ **ازانجملہ** سب سے بڑھ کر یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ ہے وہ حضرت مریمؑ کے پیٹ میں رہ کر حسب دستور دنیا میں باہر آیا اور انسانی جامہ پہنا اور تمام بنی آدم کے گناہ اپنے اوپر اُٹھا کر لے گیا (چنانچہ یہ مضمون عماد الدین کی ہدایت المسلمین کے صفحہ ۲۷ میں ہے) اور گناہ کی معافی کا سوائے اس مشقت کشی کے اُس کو اور کوئی طریقہ نہ ملا آخر پھانسی چڑھا اور ملعون ہوا اور تین روز دوزخ میں رہا اور پھر جی اُٹھا اور حواریوں کی بے ایمانی اور بے وفائی پر خفا ہوتا ہوا آسمان پر چڑھ گیا اور پھر دوبارہ آنے کا وعدہ کر گیا۔ چنانچہ اس عقیدہ کو پادری فنڈر نے اپنی کتاب مفتاح الاسرار میں بڑے تفاخر سے بیان کیا بلکہ اسی پر نجات کا مدار ٹھہرایا ہے۔ اس کو یہ لوگ الوہیتِ مسیح کہتے ہیں۔ ان بیہودہ خیالات کو بھی خدا تعالیٰ نے اُن دلائل سے رد کیا کہ جس کو ہر ذی عقل اور صاحب فطرت سلیمہ بہت جلد قبول کر سکتا ہے قال تعالیٰ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؀ اس آیت کی تفسیر میں آپ کو آگے چل کر معلوم ہوگا کہ اس خیالِ باطل کو کس طرح سے مٹایا ہے؟ جہاں تک کہ ہم کو اس وقت کے پادریوں کی تصنیفات دیکھنے کا اتفاق ہوا اُن میں اس مسئلہ کی دلیل سوائے ان دو باتوں کے اور کچھ نہ معلوم ہوئی (۱) یہ کہ بیٹے کا لفظ حضرت مسیحؑ پر بولا گیا۔ اُس کو پادری فنڈر نے مفتاح الاسرار میں کئی ایک ورق میں بڑی فصاحت خرچ کر کے بیان کیا ہے اور بغیر سمجھے بوجھے صوفیہ کرام کے الفاظ احدیت اور وحدت کو بڑی تکلیف دی ہے مگر نتیجہ ندارد (۲) یہ کہ خدا تعالیٰ کے افعالِ مختصّہ کو اناجیل میں مسیحؑ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت مسیحؑ خدا تعالیٰ یا خدا تعالیٰ کا بیٹا بلکہ اکلوتا بیٹا ہے اوّل بات کا جواب بہت سہل ہے کہ یہ لفظ اور لوگوں پر بھی بولا گیا ہے پس جب وہ بیٹے نہیں تو مسیحؑ میں کیا خصوصیت ہے؟ اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا تو آدمؑ بغیر باپ اور بغیر ماں کے پیدا ہوئے ہیں خدا تعالیٰ قادر ہے جس طرح چاہے پیدا کرے اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ الآیۃ۔ دوم باپ بیٹے حقیقی میں مجانست تو ضروری ہے پس اگر عیسیٰؑ خدا تعالیٰ کے بیٹے اور خدائی میں

---

ل انجیل متی باب ۵ ورس ۹۔ لوقا باب ۳ ورس ۳۸۔ یوحنا باب ۱ ورس ۵۔ ان مقامات پر مسیح علیہ السلام کے علاوہ اور لوگوں پر بھی خدا کا بیٹا اطلاق ہوا ہے۔ منہ ۲ یہ تو ہمارے نزدیک ہے ورنہ یہود کے نزدیک بلکہ اکثر نوآموز انگریزوں کے نزدیک اور اس وقت کی نئی روشنی والوں کے نزدیک تو اُن کے باپ یوسف بڑھئی ہیں اس لئے وہ اپنے تئیں ابن آدم کہتے تھے۔ علاوہ اس کے اگر خدا یا خدا کے بیٹے تھے تو عبادت کس کی کرتے تھے اور کیا ضرورت تھی اور پھر یہود کے ہاتھ سے صلیب پر ایلی ایلی کہہ کر کیوں چلا کے جان دی۔ واہ اچھے گناہ بخشنے دنیا میں آئے تھے اور بھی لوگوں کو گناہگار کر گئے۔ کیا خدا کو اپنی جان دینی آسان تھی اور گناہ بخشنا محال تھا پھر جب ان کے گناہ اپنے سر پر اُٹھا لے اور جہنم میں گئے تو اُن کے لئے کون شفیع ہوا۔ منہ

شریک ہیں تو وہ فصل کیا ہے ؟ اور فصل ہے تو مرکب ہیں اور ہر مرکب حادث ہے اور اگر فصل نہیں تو اتحاد محض ہے پھر باپ کون اور بیٹا کون ؟ ایک چیز آپ ہی باپ ہو اور آپ ہی بیٹا ہو محالِ عقلی ہے پس یہ کلمہ مجازاً اطلاق ہوا ہے۔ دوسری بات کا جواب اس سے زیادہ سہل ہے کہ اوّل تو یہ کتابیں کہ جن میں یہ انتساب ہے الحاق اور تحریف سے مبرّا نہیں پھر کیا اعتبار کیا جاوے۔ دوم یہ انتساب مجازاً ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ غلام اور خاص نوکر اپنے آقا کے مال کو اپنا مال کہہ دیا کرتا ہے کما لا یخفٰی پھر کیا اس سے غلام یا نوکر خود آقا ہو سکتا ہے ؟ اصل اس بیہودہ خیال کی محض جہالت اور فرطِ محبت ہے ان پر کیا موقوف ہے صد ہا جہلاء جب اپنے بزرگوں کے فضائل بیان کرنے پر آتے ہیں تو اُن کو خدا ہی بنا دیتے ہیں۔ کیا ہنود کچھ مچھ سور وغیرہ کو اوتار نہیں کہتے کہ اُن میں خدا اُترا تھا اور اُن کی شکل میں ہو کے ظاہر ہوا تھا، تعالے اللہ عن ذالک علوًا کبیرا۔ از انجملہ یہ کہ روح القدس یعنی جبرئیل ایک اقنوم[1] باپ یعنی خدا ایک اقنوم ابن یعنی بیٹا حضرت عیسیٰؑ ایک اقنوم ہر ایک اقنوم خدا پھر تینوں مل کر ایک خدا نہ تین خدا یہ پہلے خیال سے بھی زیادہ لغو اور کفرِ صریح اور محالِ عقلی ہے اس کے ابطال میں علماء نے بہت سے دلائلِ عقلیہ قائم کئے ہیں کہ جن کا جواب آج تک پادریوں سے نہ ہوا نہ ہوگا۔ اور میرے نزدیک تو اس بدیہی البطلان بات پر دلیل کی بھی کچھ حاجت نہیں کیونکہ ہر انسان اپنی فطرت کی وجہ سے یہ جان سکتا ہے کہ یہ تینوں چیزیں اپنے وجود اور تشخص اور خدائی میں مستقل ہیں یا نہیں اگر ہیں تو تین خدا ہونے میں کیا حجت ہے پھر ایک کہنا چہ معنی دارد اور اگر نہیں پھر ہر ایک کو خدا کہنا اور ازلی سمجھنا محض لغو ہے۔ دوم ان اجزاءِ غیر مستقلہ سے جو مرکب ہے اس کا کیا نام ہے وہ خدا ہے یا نہیں اگر ہے تو دو خدا مستقل پھر بھی ماننے پڑے ایک تو یہ کہ جو مجموعہ مرکب ہے دوسرا اب جو اس مجموعہ کا جزء سوئم ہے۔ اور اگر کہو کہ مجموعہ کا نام اب ہے تو پھر تین اقنوم کہاں بلکہ دو رہیں گے ایک ابن دوسرا روح القدس ؟ پادری فنڈر، ڈکرسٹن عماد الدین وغیرہم عیسائیوں نے اگرچہ اس خراب عقیدہ کے ثبوت میں (کہ جس پر آج کل انگلستان و فرانس و جرمن وغیرہ بلادِ یورپ کے فلاسفر قہقہے لیتے ہیں) بڑا زور مارا اور بہت سے

تثلیث

[1] اقنوم حصہ یا ٹکڑا یا جزء جو چاہو سو کہو۔ ۱۲ منہ [2] پولیو اپنی کتاب وقائع پولوس کے باب میں لکھتے ہیں کہ کری سا سٹم اپنی اس تفسیر میں جو کتاب اعمال پر چوتھی صدی میں لکھی ہے یوں ذکر کرتے ہیں کہ فرقہ نزاری جو ابتداءے مذہب عیسوی میں تھا پولوس کی مکاری اور بے دینی کی وجہ سے اُس کے نامجات کو (کہ جس کو آج کل عیسائی کلام الٰہی کہتے ہیں) نہیں مانتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ شخص بُت پرست اور بڑا قزاق تھا اور مکّار اور جھوٹا چنانچہ (اوّل قرنتیوں ۹ باب ۲۰ تا ۲۲۔ اور رومیوں کے ۳ باب ۸ اور فلپیوں کے ا باب ۱۸ سے ثابت ہوتا ہے) یروشلم میں آکر اس امید سے ختنہ کرا کے پورا یہودی ظاہر ہو کے ٹھہرا کہ ایک بڑے زاہد کی لڑکی سے شادی کرے کہ جس پر وہ عاشق تھا چونکہ رومی الاصل تھا (جیسا کہ اعمال ۲۲ باب سے ظاہر ہے) اپنی مراد پر نہ پہنچا تو یہودیوں سے جھگڑا برپا کیا اور ختنہ اور یوم السبت کی تعظیم اور بہت سے امورِ دینی میں خلل انداز ہوا اور اپنے آپ کو حواری مشہور کر کے عیسائیوں میں مل گیا اور اُس نے اپنی عمر بھر حضرت مسیحؑ کو نہیں دیکھا مگر چالاک تھا ایک خواب بیان کر دیا کہ مجھ کو مسیحؑ نے ظاہر ہو کے یوں کہا انتہٰی ملخصاً۔ اب ہم بھلا اس پولوس کے کلام کا کیونکر اعتبار کر سکیں اور اس کو رسول کس طرح سے سمجھیں اس کے خطوط کس طرح سے کلام الٰہی ہو سکتے ہیں۔ منہ ÷ ÷ ÷

کاغذ سیاہ کئے مگر محض بے سود۔ اس عقیدہ کو بھی قرآن نے بہت جگہ غلط بتایا اور اس سے سخت ممانعت فرمائی ہے قال تعالیٰ: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ الآیۃ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الآیۃ **ازانجملہ** یہ کہ خداتعالیٰ بشر کے گناہ معاف کرنے پر قادر نہیں اور حضرت آدم سے لے کر سب انبیاء گناہگار چلے آتے تھے اور خداتعالیٰ کو اپنے بندوں کی مغفرت منظور تھی تو سوائے اس کے اور کچھ تدبیر نہ سوجھی کہ دنیا میں بشکل عیسیٰ ظاہر ہوا اور سب کے گناہ (یا خاص عیسائیوں کے) سمیٹ کر اپنے اوپر رکھے اور سب کے عوض آپ تین روز جہنم میں رہا اور ملعون ہوا (چنانچہ یہ بات نامہ پولوس اور پادریوں کی کتابوں سے اب تک پائی جاتی ہے) اسی عقیدہ کے اعتماد پر پولوس مقدس جو عیسائیوں کے نزدیک بڑا رسول ہے اپنے اس خط میں جو طیطس کو لکھا حکم دیتا ہے کہ پاک لوگوں کے لئے سب کچھ پاک ہے پر ناپاک اور بے ایمانوں کے لئے کچھ پاک نہیں۔ علاوہ اس کے اپنے خطوط میں بڑی شدّ و مدّ سے شریعت پر عمل کرنے کو حرام کہتا ہے۔ اور شراب پینے اور گناہ کرنے کی اجازت دیتا ہے[1] اسی کے فتویٰ پر عمل کر کے عیسائیوں نے باوجود اس اقرار کے کہ توراۃ کے احکام ہمیشہ رہیں گے سب شریعت کو بالائے طاق رکھ دیا اور ہر ایک طرح کی بدکاری اور گناہ اور الحاد کو دل کھول کر کے عمل میں لاتے۔ اسی لئے یورپ میں ملک کے ملک ایسے بے دین اور ملحد ہو گئے کہ جو خداتعالیٰ اور خداتعالیٰ کی باتوں پر قہقہہ اڑاتے ہیں جن کا اثر ہندوستان میں بھی پولوس ہند آنریبل سید احمد خان صاحب بہادر کے ذریعہ سے نوجوان انگریزی خوانوں میں پہنچا۔ اور شراب خوری اور زنا نے ازحد رواج پایا۔ اس مسئلہ تثلیث اور کفارہ کو نہ توراۃ نے بیان کیا نہ صراحۃً نہ کنایۃً اناجیل اربعہ نے بیان کیا اور کسی لفظ باپ یا بیٹے وغیرہ سے اس مطلب کو سمجھنا محض خیالِ خام ہے تاویل کو بڑی گنجائش ہے۔ نہ پہلے کسی نبیؑ نے اپنی امت کو تعلیم فرمایا اور کس طرح فرماتے حالانکہ یہ بدیہی البطلان اور صریح الفساد ہے۔ بھلا کوئی دانشمند کہہ سکتا ہے کہ خطا کرے کوئی اور اس کی سزا پائے کوئی؟ اور یہ کیا خداتعالیٰ کا انصاف ہے کہ دنیا کے گناہوں میں مسیح علیہ السلام سے مؤاخذہ کرے اور اس کو تڑپا تڑپا کر مارے اور ملعون کرے اور تین روز جہنم میں ڈالے؟ اس بیہودہ خیال کو قرآن میں بہت جگہ رد کیا ہے۔ **ازانجملہ** یہ ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى اور یہ بھی فرمایا کہ میری جنابِ عالی ہے جس طرح میں گناہوں پر مؤاخذہ کرتا ہوں بندہ کی عاجزی اور معافی مانگنے اور گریہ وزاری کرنے سے بخشش بھی دیتا ہوں اور کچھ پروا نہیں کرتا میں کم ظرف اور تنگ حوصلہ نہیں ہوں۔ میرے غصہ سے میری رحمت کا دامن فراخ ہے قال تعالیٰ: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا الآیۃ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّىْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وغیرہا من الآیات یہ بدعت بھی عیسائیوں میں تیسری یا دوسری صدی میں مروج ہوئی تھی کہ جس کا دفع کرنا حکمتِ الٰہی میں ضرور تھا[2]۔ **ازانجملہ** اس پولوس

[1] سور اور شراب جو توراۃ میں حرام ہے عیسائی اس کو حلال جانتے ہیں۔ منہ [2] بعض ناانصاف عیسائی جو کسی غرض دنیاوی سے کرسٹین ہو گئے قرآن مجید پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن نے باوجودیکہ ان کتابوں کی ازحد تصدیق کی پھر ان نجات کی باتوں کو (باقی صفحہ ۱۲۰ پر)

ذات شریف نے یہودیوں کی ضد میں عیسائیوں کو برباد کرنے کے لئے ایک اور فتویٰ دیا تھا کہ انسان کی نجات عبادت روحانی سے ہوتی ہے اور عبادتِ جسمانی محض ابتدائی حالت میں تھی اب فضول ہے اس کی پابندی اچھی نہیں عبادت روحانی یا تعلیمِ روحانی کیا ہے ؟ یہی بیہودہ خیالات الوہیتِ مسیح و تثلیث و کفارہ اور عبادتِ جسمانی انبیاء کی شریعت نماز و روزہ اشیاء کی حلت و حرمت قربانی و ختنہ وغیرہا احکام۔ پس اس خام خیالی کو یہاں تک ترقی دی کر توراۃ کے جملہ احکام کو منسوخ کیا۔ بلکہ ملیا میٹ کر دیا اور اس پر لطف یہ کہ عدم نسخ احکام توراۃ کا دعویٰ۔ الغرض سب کو سانڈ بنا دیا جس طرح تکیوں میں بھنگڑ بھنگ گھونٹتے جاتے اور لگے رگڑا میں جھگڑا کہتے جاتے ہیں پھر ان کے پیر و مرشد سائیں سونٹے شاہ یا مدار بخش یہ تعلیم دیتے ہیں کہ داتا عاشقوں کی عبادت اور نماز روزہ تو عبادتِ روحانی ہے یعنی یہ سرور اور اس کی یاد میں مست رہنا باقی سب جھگڑے ہیں۔ اسی طرح عیسائی بھی انھیں دو تین کفر کی باتوں کو تعلیم روحانی اور پہلی شریعتوں کی تکمیل اور سب کا عطر کہتے ہیں باقی سب ہیچ۔ غالباً دنیا میں عیسائی مذہب پھیلنے کا سبب یہی آزادی ہے ورنہ مذہب کی خوبی تو معلوم۔ اس بیہودہ خیال کے بطلان پر بھی دلائل لانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ شریعت کے احکام دو قسم کے ہیں نظری یعنی اعتقادیات جیسا کہ خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک جاننا اور اس کو بجمیع صفاتہٖ ازلی و ابدی و رحیم و کریم اعتقاد کرنا، رسولوں کو برحق سمجھنا، فرشتوں کو اور خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتابوں کو قیامت کے دن کو اور اس کے حساب و کتاب کو حق سمجھنا۔ دوم عملیات ان کی پھر دو قسم ہیں عبادات اور معاملات۔ عبادات جانی اور مالی۔ جانی جیسا کہ نماز پڑھنا نجاستِ ظاہری دور کر کے اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو کر اس کی ثناء و صفت بیان کرنا اس کے آگے جھکنا اور اس کے آگے سجدہ کرنا اور نہایت درجہ کا اس کے آگے عجز و نیاز کرنا۔ اب یہ جسم کی پاکی اور اس کے آگے جھکنا کھڑا ہونا اس نیازِ روحانی کی صورت ہے کہ جو اس ہیئت اور طریقے پر اچھی طرح سے پایا جاتا ہے نہ کہ مقصودِ اصلی اور مالی جیسا کہ زکوٰۃ دینا صدقہ دینا اس میں بھی اپنے دل کی محبوب چیز کو دے کر اور بنی آدم کی حاجت برآری کر کے تقرب روحانی پیدا کرنا ہے اور پہلی قسم تو سراسر تعلیم روحانی ہے اس میں جسم کو کچھ دخل ہی نہیں۔ اب رہے معاملات کسی پر ظلم نہ کرنا وغیرہ۔ سو یہ بھی سراسر حکمت ہے اور زیادہ تشریح اس کی ہم آگے بیان کریں گے پس اس پر اعتراض کرنا میاں پولوس صاحب کی خوش فہمی اور اس پر ہٹ کرنا عیسائیوں کی ہٹ دھرمی ہے۔ اگر یہ تعلیم عیب ہے تو پھر نبی کی کیا ضرورت ہے ؟ کیا معجزہ ہی دکھانا مقصود ہے کہ جس کو مخالف نظر بندی اور کیا کیا کہہ سکتے ہیں اس عقیدہ کو بھی خدا تعالیٰ نے رد کیا کہ رسول کی معرفت جو کچھ احکام الٰہی آتے ہیں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹) اعنی الوہیت وغیرہا کو بڑے زور سے رد کیا اس سے قرآن کا کتاب الٰہی ہونا معلوم نہیں ہوتا چنانچہ پادری صفدر علی نے نیاز نامہ میں اسی بات پر بڑا زور دے کر عیسائیوں میں سرخروئی حاصل کی ہے۔ مگر اعتراض بعینہٖ ایسا اعتراض ہے کہ جیسا کوئی چور و قزاق کسی عادل گورنمنٹ میں یہ عیب ثابت کرے کہ وہ چوروں اور قزاقوں کو سزا دیتی ہے اس سے اس کی عدالت میں فرق ہے۔ اور قرآن نے ان کتابوں کی کہ جن میں یہ ناپاک مضامین مذکور ہیں کس جگہ مدح فرمائی ہے ذرا وہ آیت تو بیان کیجئے۔ کیا لوگوں کی وہ تالیفات جو صدہا سال بعد حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ کے ہوئی ہے توراۃ و انجیل ہو سکتے ہیں ؟۔ منہ

وہ عین حکمت ہوتے ہیں اگر ان سے کچھ فائدہ ہے تو بندے کا اور ترک سے نقصان ہے تو انہیں کا جس طرح کوئی طبیب سم کھانے سے منع کرے فقط اس قدر فرق ہے کہ سم کا اثر جسم پر ہوتا ہے اور نبی طبیب روحانی ہے اس کے اوامر و نواہی کا اثر روح پر پہنچتا ہے جو لوگ اس نکتہ سے واقف نہیں جیسا کہ پادری صفدر علی وغیرہ تو وہ عجب کج بحثی کرتے ہیں کہ جس کو کوئی عاقل پسند نہیں کرتا۔ قال تعالیٰ: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ الآیۃ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ الآیۃ علاوہ اس کے جب کوئی امر تشریعی ہی باقی نہ رہا اور نہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز حلال و حرام رہی نہ فرض و واجب تو عیسائیوں سے کوئی پوچھے (۱) یہ کہ اب گناہ کس فعل کے کرنے یا نہ کرنے سے ہوتا ہے؟ پس گناہ کا وجود ہی نہ رہا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الوہیتِ مسیح و تثلیث و کفارہ پر ایمان انسان جو چاہے سو کرے اس کے لئے کوئی امر گناہ نہیں (۲) یہ کہ حضرت مسیحؑ سے پہلے لوگ انبیاء و صلحاء کہ جن کی نجات متفق علیہا ہے اس امر پر ایمان[1] رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر ایمان رکھتے تھے تو ان کے لئے یہی سب پاک اور مباح تھا پھر آدمؑ کا دانہ گندم کھانے سے گناہ کیوں شمار کیا گیا؟ اور پھر وہ نسل در نسل کیوں چلا آیا گناہ تو محض مخالفتِ نہی و امر ہی کا نام ہے اور امر و نہی شریعت ہے اور اگر اس پر ایمان نہ تھا تو معلوم ہوا کہ گناہ معاف ہونے کے لئے الوہیت مسیح و تثلیث و کفارہ پر ایمان رکھنا کوئی امر ضروری نہیں (۳) اگر یہ ایمان رکھنا ایسا ضروری تھا تو کیوں اس اہم مسئلہ اور ضروری بات کو انبیاء سابقین نے اپنی امتوں کو تعلیم نہیں فرمایا اور کیوں ان کی کتب میں صاف صاف درج نہ ہوا؟ ہمارے ان سوالات کا عیسائی سوچ کر جواب دیں۔ **ازانجملہ** یہ کہ ان لوگوں میں شادی نہ کرنا اور قلندرانہ اوقات بسر کرنا (جس کو **رہبانیت** کہتے ہیں) رواج پا گیا تھا کو پھر ان سے اچھی طرح نبھ نہ سکا جس کا انجام یہ ہوا کہ رہبان لوگ اور پوپ و بشپ ظاہر میں تو شادی نہ کرتے تھے اور اسی طرح بہت سی عورتیں کنواریاں کلیساؤں میں رہتی تھیں مگر حرام کاری کی کچھ نہایت نہ تھی۔ چنانچہ عیسائیوں کے فرقہ[2] **پراٹسٹنٹ** کے پیر و مرشد **مارٹین لوتھر** عمر بھر ان کی ایک فاحشہ عورت کیتھرائن نامی کے ساتھ حرام کاری کرتے رہے۔ (سرمن ڈی میٹ اور مرآت الصدق مصنفہ پادری بیڈلی مطبوعہ ۱۸۵۱ء) اس وجہ سے عیسائی لوگ جس کی شادی ہوتی تھی اس کی بزرگی اور تقدس میں فرق سمجھتے تھے۔ اس خیال کو بھی خدا تعالیٰ نے رد فرمایا وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا الآیۃ اس زمانہ کے عیسائی باوجودیکہ فارقلیط[3] نبی آخر الزمان کے منتظر تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرتِ ازدواج

---

[1] الوہیت وغیرہا۔ منہ [2] اگرچہ عیسائیوں میں بیشمار فرقے ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں مگر زیادہ دو فرقے ہیں ایک پراٹسٹنٹ جن کا پیشوا مارٹین لوتھر صاحب ہے جس کے لوگ لندن اور امریکہ وغیرہ ملکوں میں رہتے ہیں اور جو آج کل ہندوستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ دوسرا رومن کیتھلک جن میں روس و فرانس وغیرہما بلاد کے عیسائی شامل ہیں ان دونوں فریق میں باہم بڑا اختلاف ہے ایک دوسرے کو گمراہ بتلاتا ہے۔ منہ [3] چنانچہ اردو تاریخ کلیسا مطبوعہ ۱۸۷۰ء کے صفحہ ۲۰۵ میں ہے کہ ۱۸۷ء میں مونٹانس نے فریگیہ اور ایشیا کو چک کے دوسرے صوبوں میں آپ کو فارقلیط ظاہر کیا کہ جس کے ظہور کا انتظار زمین پر مسیحؑ کے دوسری بار آنے سے بیشتر الہام ربانی کے لئے بہتیرے دیندار

کی وجہ سے ایمان لانے میں تردد کرتے تھے اور اس وقت تک کوئی دلیل اُن کے پاس آپؐ کے عدم نبوت پر نہیں
لیکن محض انہیں باتوں سے نبی نہیں جانتے اور آج تک اس رہبانیت کی وجہ سے پادری عمادالدین اور پادری
فنڈر وغیرہما آپؐ کی نسبت بڑے اعتراضات کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ جس بناء پر ہم اعتراض کرتے ہیں یہ محض
فریق چہارم خیالِ خام ہے علاوہ اُن کے اور بھی گمراہیاں تھیں اور ہیں کہ جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے **(چوتھا فریق)** کہ جن کا
ردّ زیادہ قرآن میں ہوا **منافق** لوگ ہیں۔ منافق دو قسم کے تھے ایک وہ تھے کہ جو زبان سے کلمۂ توحید
پڑھتے تھے مگر دل میں بالکل منکر انہیں کے حق میں آیا ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ دوسری قسم وہ
تھے کہ جو اسلام میں بضعف داخل ہوتے تھے پس اُن میں سے بعض ایسے تھے کہ اپنی قوم کے تابع تھے اگر وہ ایمان
لائے تو یہ بھی قائم رہے ورنہ اُن کے ساتھ یہ بھی پھر گئے اور بعض وہ تھے کہ جن کے دلوں میں اتباعِ لذاتِ دنیا
نے یہاں تک جگہ پکڑی تھی کہ خدا تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کی محبت کی جگہ باقی نہ رہی تھی یا حرص مال و جاہ و
حسد و کینہ سے اُن کے دل اس قدر پُر تھے کہ جن میں مناجات و حلاوتِ عبادات کی گنجائش نہ رہی انہیں کے
حق میں ہے وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى الآیۃ اور بعض ایسے تھے کہ امورِ معاش میں اس قدر
مشغول تھے کہ اُن کو امورِ معاد کی گنجائش اور آیاتِ الٰہی میں فکر کرنے کی مہلت ہی نہ تھی جن کی نسبت فرمایا اَفَلَا
یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا الآیۃ۔ اور بعض ایسے تھے کہ جن کے دلوں میں آنحضرت علیہ
الصلوٰۃ والسلام کی نبوت میں طرح طرح کے خیالاتِ فاسدہ پیدا ہوتے تھے گو دائرۂ اسلام سے بالکل باہر نہ
ہوتے تھے اور ان کے خیالات کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت علیہ السلام پر احکام بشریہ جاری ہوتے دیکھتے تھے۔
و دم شریعت محمدیہؐ ایک سلطنتِ آسمانی کے پیرایہ میں نازل ہوئی ہے پس وہ لوگ کبھی آپس میں ان خیالات کو
ذکر کرتے تھے پھر جب قرآن میں ان امور پر تہدید ہوتی تھی تو تکتے بکتے رہ جاتے تھے قال تعالیٰ یَحْذَرُ
الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ الآیۃ اور زیادہ سبب اس نفاق
کا یہ تھا کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پیشتر **عبداللہ بن اُبی بن سلول**
ایک شخص رئیسِ مدینہ نہایت مغرور آدمی تھا سب لوگوں کی یہ مرضی تھی کہ اس کو سردار بنایا جاوے پس جب
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور تمام لوگوں کو دل و جان سے حضرتؐ پر اور آپ کے صحابہؓ پر فدا ہوتے
دیکھا تو ایک شعلۂ حسد حُبِّ ریاست کی وجہ سے اُس کے دل میں بھڑک اُٹھا۔ چونکہ تمام لوگ حضرتؐ پر ایمان لاچکے
تھے اس شور بخت کی کیا دال گلتی تھی ظاہر میں مقابلہ کرنے کی طاقت کہاں تھی اس لئے لوگوں کے دیکھا دیکھی
یہ بھی اور اس کے یار و اعشار بھی اسلام میں داخل ہوئے مگر خُبثِ باطنی کی وجہ سے ہمیشہ حضرتؐ کے صحابہؓ
اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت نکتہ چینیاں کرتا رہا اور اس کے ساتھ اور بھی میلے دل کے دس بیس لوگ
شریک ہو گئے چنانچہ سورۂ منافقون وغیرہا سورتوں میں ان لوگوں کی توبیخ و تنبیہ مذکور ہے۔ اور
حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ پر جو ایک بہتان اُٹھا تھا وہ بھی انہیں لوگوں کی سازش سے تھا جس کا سورۂ نور میں
ذکر ہے۔ اور یہ لوگ غزوات میں شریک نہ ہوتے تھے حیلہ و بہانہ کر کے پیچھے رہ جایا کرتے تھے اور لوگوں کو جانے
سے منع کرتے تھے اور جب کوئی غنیمت کا موقع دیکھتے تھے تو مونچھوں پر تاؤ دے کر سب سے پہلے آموجود ہوتے

تھے اور حضرت ﷺ کے جہاد و حرب کی خبریں خفیہ کفار کو بھیجا کرتے تھے یہ سب امور قرآن میں مفصل مذکور ہیں لیکن قرآن کے اُن نصائح نے جو رُوح کو زندہ کرتی ہیں ان لوگوں پر بھی تدریجًا وہ اثر کیا کہ رفتہ رفتہ یہ لوگ بھی خلوص دل سے اسلام کے جان نثار ہوتے گئے اور دو چار بدبخت ازلی جو تھے سو مر گئے آخر نزول قرآن تک کوئی منافق مدینہ طیبہ میں باقی نہ رہا تھا یہ بھی قرآن مجید کا ایک بڑا معجزہ ہے وللہ الحجۃ البالغۃ۔ علاوہ اُن کے ضمنًا تمام جہان کے کج رو لوگوں کا ردّ بھی قرآن مجید میں مذکور ہے جیسا کہ فرقہ مجوس اُن کے نزدیک آگ اور آفتاب کی پرستش ہے اور بدی کا خالق مستقل اہرمن کو اور خیر کا یزدان کو مانتے ہیں۔ ان باتوں کا خوب ردّ قرآن میں موجود ہے خدا تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا یہ مقتضےٰ تھا کہ اپنے اخیر نبی کو ایسے پُر آشوب زمانہ میں بھیجے کہ گمراہیوں کے جس قدر اقسام ہیں سب مجتمع ہو چکیں تاکہ اُن کے ردّ سے الی یوم القیامۃ سب گمراہیوں کا ردّ ہو جائے کس لئے کہ تمام گمراہیوں کے اصل اصول یہی چار فرقے ہیں اب جو کوئی نیا ہوگا انھیں کی شاخ ہوگا۔

ف علوم قرآن

**فصل پنجم** قرآن مجید میں بیشمار وہ علوم ہیں کہ جن کی طرف بندوں کو سخت حاجت ہے اور جن کے بغیر نصابِ رسالت تمام ہی نہیں ہوسکتا اُن میں سے یہ پانچ علم کثرت سے بیان کئے گئے ہیں (۱) علم المخاصمہ یعنی گمراہوں کے عقائدِ باطلہ کا ردّ جس کی تفصیل ابھی بیان ہو چکی ہے علم کلام کی بنیاد انھیں آیات اور اسی علم پر ہے۔ (اوّل)

(۲) علم التذکیر بآلاء اللہ یعنی آسمانوں اور زمین اور جملہ مخلوقات کی پیدائش کا بیان اور زمین و آسمان اور رات دن میں جو کچھ عجائب مخلوقات ہیں کہ جو اُس کی ذات و صفات کے ثبوت کے لئے آیاتِ مُبیّنات اور علامات ہیں ان کا ذکر بالخصوص اُن چیزوں کا کہ جو انسان کے مادّہ منی سے پیدا ہونے اور پھر ہوش و حواس پاکر مدرک کلیات و جزئیات ہو جانے اور آسمان سے بارش ہونے اور اس کی وجہ سے زمین سے نباتات وغیرہا انسان کے کارآمد چیزیں پیدا ہونے اور ہواؤں کے ایک خاص طرح پر چلنے اور آفتاب و ماہتاب کی چالِ معین پر چلنے سے متعلق ہیں کہ جن سے تمام عالم کا انتظام اور تدبیر وابستہ ہے۔ اور اس بات کا بیان کہ خدا تعالیٰ نے بندوں کو وہ چیزیں الہام کیں جو اُن کو دنیا و آخرت میں کارآمد اور مناسب ہیں۔ اور اپنی صفات کاملہ کا ثبوت اور نقص و عیوب سے تنزیہ اور تدبیر المنزل و سیاست مدن و تہذیب اخلاق کو بھی نہایت خوبی سے بیان فرمایا۔ یہ علم التذکیر بھی ایک مفہوم کلی ہے جس کی بیشمار افراد ہیں یا ایک دریائے بے کنار ہے کہ جس کے صدہا نہریں اور نالے ہیں اگر بطور نمونہ کے اس علم کی ہر صنف پر ایک ایک آیت بھی پیش کروں تو یہ تمام مقدمہ اُس کو کافی نہ ہو۔ جو ایک بڑا حکیم یا فلاسفر دلائل فلسفیہ سے خدا تعالیٰ کی ذات و صفات و حدوثِ عالم وغیرہ امور کو نہایت عمدہ طرح سے ثابت کرسکتا ہے اُس سے بھی بڑھ کر قرآن مجید نے ان امور کو ثابت کر دیا اور ایسے کھلے کھلے وجوہ اور دلائل بیان کئے جن کو ہر عالم و جاہل بدوی و شہری پڑھا اور اَن پڑھا برابر سمجھتا[۱] ہے۔ یہ بات طاقتِ بشریہ سے باہر ہے منجملہ وجوہ اعجاز قرآن کے ایک یہ بھی ہے۔ دیکھئے اکثر سورتوں میں مکرر سہ کرر نئے نئے عنوان سے ذاتِ مبدء حق سبحانہٗ کا اس طرح سے اجمالاً ثبوت کیا کہ جس کو اپنی قوت

(دوم — margin note beside the line beginning "اور اسی علم پر ہے۔ (۲) علم التذکیر")

[۱] اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۔

فطرتیہ اور نور جبلی کی وجہ سے بغیر علمِ کلام پڑھے اور بدونِ حکمتِ الٰہیہ کے ممارست کئے ہر شخص سلیم الطبع یقین کر سکتا ہے۔ فقال وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا الآیۃ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ الآیۃ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِیْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ الآیۃ یعنی صفات کے ثبوت میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وقال قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۙ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ آسمان و زمین اور اُن کی درمیانی چیزوں کے پیدا کرنے کی بابت فرمایا ہے قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ الآیۃ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ الآیات۔ چونکہ کنہ حقیقتِ باری تعالیٰ کا معلوم کرنا اور اُس کی صفات سے کماحقہٗ مطلع ہونا بندوں کی طاقت سے باہر تھا۔ اور بغیر علم ذات و صفات نہ تو بندوں کے نفوس مہذب ہو سکتے تھے نہ نبوت بری الذمہ ہو سکتی تھی نہ کتاب الٰہی اپنی اصلی مقصد کو پورا کر سکتی تھی اس لئے اُس علم بالوجہ پر بس کیا اور صفات میں اُن صفات پر مدار رکھا کہ جو بندوں کے نزدیک قابل مدح ہیں اور جن کو وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جیسا کہ رحیم و کریم و سمیع و علیم و حی و بصیر و متکلم و مرید ہونا اور عرش پر قائم ہونا اور ہاتھ اور منہ ہونا وغیر ذٰلک لیکن انسان کی جبلی بات ہے کہ خواہ کوئی شے کسی ادنیٰ مناسبت سے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دے کر بیان کیوں نہ کی جاوے اور خاص استعارہ کیوں نہ مقصود ہو مگر یہ حضرت اپنی قوت وہمیہ کی وجہ سے اُس کو پورا پورا مشبہ بہ ہی سمجھ بیٹھتا ہے اور سب احکام اُس کے اُوپر جاری کر دیتا ہے اس لئے بعض نے یہ سمجھ لیا کہ درحقیقت خدا تعالیٰ کی دو آنکھیں اور دو کان اور مضغہ گوشت زبان اسی طرح ہے کہ جس طرح ہمارے لئے ہے۔ اور وہ اسی طرح جیتا ہے کہ جس طرح ہم کھا کر پی کر زندہ رہتے ہیں اور اسی طرح سے اُس کے ہاتھ پاؤں منہ بھی ہے کہ جس طرح ہمارے لئے ہے اور اپنے عرش پر بھی اسی طرح بیٹھتا ہے جس طرح دنیا میں بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھتے ہیں، وغیر ذٰلک من التشبیہات (اور احادیث صحیحہ میں بھی چونکہ اُسی اصل غرض قرآن کو اُسی عنوان سے بیان کیا ہے تو اس سے اور بھی خیال میں یہ تشبیہات دلنشین ہو گئیں) لیکن یہ خیالات بالکل خلاف واقع ہیں کیونکہ یہ وہی تشبیہ تو ہے کہ جس کے یہود قائل تھے علاوہ اس کے خدا تعالیٰ کا حادث ہونا اور مجسم ہونا اور دو کان ہونا وغیرہ وہ عیوب بھی اُس میں ثابت ہوتے ہیں کہ جو اُس کی ذاتِ مقدس اور اُلوہیت کے منافی ہیں اس لئے قرآن مجید میں اس مرض کی دوا بھی نازل فرمائی۔ اور ان اوہام کو یہ فرما کر رد کر دیا لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ۔ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ۔ تاکہ صفات اور ممکنات اور اوصافِ بشریہ سے اُس کو بری اعتقاد کیا جاوے اور اُس کو مجسم ہونے اور بشر یا کسی اور چیز کی صورت میں ظاہر ہونے اور مکان و زمان و لوازمہما سے صدہا منازل دور اور بالکل

نفور سمجھا جاوے وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ (۳) علم التذکیر بایام اللہ یعنے اُن واقعات اور حوادثات کا بیان کرنا کہ جن میں خدا تعالیٰ کے فرمانبردار اور نیک بندوں کی خوبیاں اور ان پر انعام الٰہی مذکور ہوں اور نافرمان اور سرکشوں کے ساتھ جو کچھ دنیا میں پیش آیا اور جو کچھ آخرت میں آئے گا اُس کا بیان ہو۔ اس سے بھی انسان کو ایک عبرت اور نصیحت ہوتی ہے۔ پس جب مقصود یہ تھا تو قرآن میں سابقین کے قصص بیان کرنے میں ان چند امور ضروریہ کی رعایت کی گئی (۱) یہ کہ قصہ کو تاریخ کے طور پر من اوّلہا الیٰ آخرہا بترتیب وقوع نہ بیان کیا۔ جیسا کہ پانچوں توریت اور چاروں انجیلوں اور کتاب التاریخ وکتاب السلاطین وغیرہ کتب بائبل کے مصنفوں نے کیا ہے یا جس طرح اور تمام اہل تاریخ اور روزنامچہ نویس کرتے ہیں کیونکہ اس سے مقصدِ اصلی جو عبرت اور نصیحت ہے فوت ہو جاتا ہے کس لئے کہ ایسے بہت کم قصے ہیں کہ جن میں اوّل سے لے کر آخر تک عبرت ہو بلکہ بہت سی اور باتیں خارج مبحث بھی ہوتی ہیں۔ اگر کوئی ایسا قصہ ہو تو اس کو بتمامہا بیان کرنا کچھ مضائقہ نہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ[1]۔ یہ تاریخ گوئی مؤرخین کی شان ہے نہ کہ رب العالمین کی (۲) مخاطبین کے نزدیک وہ قصے بیان کئے کہ جن سے اُن کے کان آشنا تھے جیسا کہ اجمالاً عاد اور ثمود اور نوح علیہ السلام کا قصہ کیونکہ ان کو عرب اپنے آباء واجداد سے سُنتے چلے آتے تھے اور جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ وانبیاء بنی اسرائیل وذی القرنین وغیرہ کا قصہ کیونکہ اہل کتاب کے میل جول سے عرب ان قصوں کو جانتے تھے بخلاف ایران وہند وغیرہما بلاد کے قصص کیونکہ اُن کے سُننے سے بجائے عبرت کے اُن لوگوں کو حیرت ہوتی (۳) ان قصوں کو کہ جن سے زیادہ عبرت ونصیحت مقصود ہے اُن جہلاء کے مقابلہ میں مختصۃً ایک ہی جگہ ذکر نہ کیا بلکہ الگ الگ اسلوب سے مکرر سہ کرر سورتوں میں بیان کیا تاکہ خوب طرح سے ذہن نشین ہو جائیں۔ اور اُن واقعات کی تصویر اُن کے روبرو ہر وقت کھڑی رہے۔ پس وہ قصص یہ ہیں۔ قصۂ آدم علیہ السلام کے زمین پر پیدا ہونے اور ملائکہ کے سجدہ کرنے اور شیطان کی نافرمانی کا۔ قصۂ ما صمہ نوحؑ وہودؑ وصالحؑ وابراہیمؑ ولوطؑ وشعیبؑ اور اُن کی اقوام کا قصہ اس بیان میں کہ اُنھوں نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم کی اور نیکی کی باتیں تعلیم فرمائیں اور وہ لوگ شبہات ضعیفہ سے پیش آئے پھر خدا تعالیٰ نے اُن کے شبہات کا جواب دیا اور اُن سرکشوں کو عذاب دیا اور اپنے انبیاء کی مدد فرمائی۔ اور قصۂ موسیٰؑ کا جو فرعون سے اور بنی اسرائیل کے نافرمانوں سے پیش آیا اور جو کچھ معاملہ چالیس برس کے اندر اُن منزلوں میں پیش آیا جو مصر کے درمیان ہیں اجمالی طور پر۔ اور قصۂ خلافتِ داؤدؑ وسلیمانؑ اور اُن کی آیات وکرامات اور قصۂ مصیبتِ ایوبؑ ویونسؑ اور قبول کرنا دعاء زکریا علیہ السلام کا۔ اور قصۂ حضرت عیسیٰؑ کا کہ بوقتِ تولّد جو کچھ معجزات وکرامات ان سے ظہور میں آئے۔ اور جو قصہ کہ صرف ایک بار یا دو بار قرآن میں مذکور ہوتے یہ ہیں۔ حضرت ادریسؑ کا آسمان پر جانا۔ حضرت ابراہیمؑ کا

---

[1] کہاں ہے وہ خفیہ کرسٹان جو معترض سورۂ یوسف کے غیر الہامی ہونے کا اس بیان سے الزام لگا کر اس تفسیر شریف کو عام مسلمانوں کے نزدیک غیر قابل اعتبار بنایا چاہتا ہے۔ حقانی

نمرود کے ساتھ مناظرہ کرنا۔ جانوروں[۳] کو زندہ ہوتے دیکھنا۔ اپنے[۴] فرزند اسمٰعیلؑ کو قربانی کرنا۔ حضرت[۵] یوسفؑ کا قصہ۔ حضرت[۶] موسیٰؑ کی ولادت کا۔ اور دریا[۷]ئے نیل میں ڈالے جانے کا۔ پھر[۸] فرعون کے گھر میں پرورش پانے کا۔ اور قبطی[۹] کو مُکا مارنے کا۔ اور مصر[۱۰] سے بھاگ کر مدین کی طرف جانے کا۔ اور وہاں[۱۱] نکاح کرنے اور مصر[۱۲] کی طرف لوٹتے وقت رستہ میں آگ کا شعلہ درخت پر دیکھنے اور اُس[۱۳] سے کلام سُننے کا بیان۔ اور بنی[۱۴] اسرائیل کا گائے کو ذبح کرنے، اور موسیٰ[۱۵]ؑ اور خضرؑ کے باہم ملاقات کرنے کا قصہ اور قصہ[۱۶] طالوت اور جالوت کا۔ اور قصہ[۱۷] ذی القرنین اور اصحاب[۱۸] کہف کا۔ اور قصہ[۱۹] ان دو شخصوں کا کہ جن کا باہم مناظرہ ہوا تھا۔ اور قصہ[۲۰] باغ والوں کا اور قصہ[۲۱] حضرت عیسیٰؑ کے تینوں حواریوں کا جو شہر انطاکیہ میں منادی کرنے گئے تھے۔ اور قصہ[۲۲] اُس مومن کا (حبیب نجار) جس کو کفار نے شہید کر ڈالا تھا اور قصہ[۲۳] اصحاب الاُخدود کا جو سورۂ بُروج میں اشارتاً مذکور ہے۔ اور قصہ[۲۴] اصحاب فیل کا۔ اور قصہ[۲۵] بیت المقدس پر دوبارہ چڑھائی ہونے۔ اور قصہ[۲۶] حضرت عزیرؑ کا اس کی بربادی پر تعجب کرنے اور پھر[۲۷] سو برس تک مُردہ ہو کر زندہ ہو جانے کا۔ ان قصّوں سے صرف مقصود یہ ہے کہ اُن کو سُن کر دل میں شرک اور معاصی کی بُرائی بیٹھے اور خداتعالیٰ کے عذاب سے خوف پیدا ہو۔ اور مخلصین کو اُس کی عنایت اور مدد پر بھروسا ہو جائے جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں۔ اس مقام پر یہ چند امور ملحوظ رکھنے چاہئیں (۱) یہ کہ ان قصص کے مکرر آنے کا علاوہ اُس سبب کے جو پہلے بیان ہوا ایک[ا] اور بھی سبب ہے وہ یہ کہ آپ تو معلوم کر ہی چکے ہیں کہ ان قصص سے مقصود وعظ و پند ہے پس کبھی ایک شخص کا واقعہ چند امور قابلِ عبرت کو متضمّن ہوتا ہے اُس کو ایک بار پورا بیان کرنے سے غرض متکلم کی جو اُن امور پر تنبیہ کرنا ہے حاصل نہیں ہوتی اس لئے اُن اغراض کے لئے بار بار ربط دینے کے لئے وہ قصہ بیان کیا جاتا ہے جس طرح ہلی کے غدر کا قصہ جو صدہا عبرت کو متضمّن ہے ہر عبرت کے لئے اس کو ذکر کیا جاوے اسی لئے حضرت موسیٰؑ کا قصہ قرآن میں بہت بار وارد ہوا ہے پھر اس سے کم اور قصّے (۲) باوجود اس تکرار اور بار بار آنے کے ہر قصہ اپنے اپنے موقع پر ایک نیا لطف دیتا ہے۔ اس خوبی سے اُس قصہ کا دوبارہ اعادہ کیا ہے کہ گویا یہ قصہ پہلے مذکور ہی نہ ہوا تھا۔ اس کے سُننے کو ابتدائی قصہ کی طرح کان مشتاق رہتے ہیں یہ بات بھی قرآن کی فصاحت و بلاغت کے لئے بُرہان قوی ہے ورنہ کیسا ہی کوئی بلیغ کیوں نہ ہو اُس کے کلام کو تکرار بے لُطف کر ڈالتا ہے (کیوں نہ ہو قرآن معجزہ ہے یہ اسی کا کام ہے)۔ (۳) خدا پاک چونکہ بندوں کے محاورے میں کلام کرتا ہے تو اپنے کلام میں ضرور اُن باتوں کی رعایت رکھتا ہے کہ جس کی بندے رکھتے ہیں پس اس لئے کہیں لفظ لعل بولا جاتا ہے کہ جس کو بلغاء امرِ مظنون میں بولتے ہیں اور کہیں لیعلم اللہ فرما دیتا ہے کہ جس کو بلغاء اپنے محاورہ میں وہاں بولتے ہیں کہ جہاں

---

[ا] بنی اسرائیل کے وہ واقعات کہ جن پر بجز کاملِ نظر کے اور کوئی واقف نہیں ہو سکتا۔ قرآن نے انھیں کو بار بار بیان فرمایا اور اختلاف نہ ہونے دیا برخلاف کُتب بائیبل کے کہ اُن میں باہم بڑا اختلاف ہے توریت اور کتاب تاریخ اور حبرئیل کی کتابوں کو بلکہ چاروں انجیلوں کو ایک معاملہ میں مقابلہ کر کے دیکھو پھر جو شخص بظاہر اُمّی ہو اور کُتب قدیمہ اُس کے پاس نہ ہوں پھر بار بار بیان فرمائے اور غلطی سے محفوظ رہے اگر یہ اعجاز نہیں تو اور کیا ہے۔ منہ

اُن کو پہلے سے علم نہیں ہوتا۔ اور کہیں جب کہ بلغار شک کا کلمہ بولتے ہیں وہاں وہی کلمہ ارشاد فرماتا ہے جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں مائۃ الف اویزیدون کہ وہ لوگ لاکھ کہتے تھے یا زیادہ۔ خدا کو اُن کی تعداد میں کوئی شک یا تردد نہ تھا مگر ایسے موقع پر بلغا یوں ہی بولتے ہیں۔ پس جو مفسر اس نکتہ سے واقف نہیں وہ تکلف کرکے تاویلات کی مشقت میں پڑتے ہیں اور عماد الدین وغیرہ ناواقف لوگ تو اُس کو قرآن پر اعتراض جمانے کا اچھا موقع جانتے ہیں (۴) یہ کہ بعض اوقات خدا تعالیٰ جنس انسان کی ایک جبلی عادت بیان کرتا ہے کہ انسان کی عادت یوں ہے کہ جب اُس کے اوپر سختی ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ کو یاد کرتا اور اُس سے بڑی گریہ وزاری کے ساتھ سوال کرتا ہے اور جب فراغ دستی اور حصول مراد کا وقت آتا ہے تو اپنی شیطانی باتوں کی طرف آجاتا اور ملتِ حقیقی کو چھوڑ کر اسباب ظاہری کی طرف یا اپنے خیالی معبودوں کی طرف اُس نعمت کو منسوب کرتا ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں فرماتا ہے ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّجَعَلَ مِنْھَا زَوْجَھَا الآیہ کہ خدا نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا اور زوجہ بھی اُسی سے بنائی۔ اب آگے خدا تعالیٰ جنس زوج و زوجہ کا جبلی حال بیان فرماتا ہے کہ جب بیوی حاملہ ہوتی ہے تو دونوں میاں بیوی خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہم کو اچھا بچہ عنایت کیا تو ہم تیری شکر گزاری کیا کریں گے۔ پس جب اُن کی مراد کے موافق دیا تو غیر کی طرف رجوع ہوئے اور شریک بنانے لگے بعض مفسرین جو اس نکتہ سے واقف نہیں اُنھوں نے بجائے جنس زوج اور زوجہ کے خاص حضرت آدمؑ اور حواؑ کی طرف بقرینہ نفس واحدۃ ضمیر پھرائی اور پھر اُن محدثین نے کہ جن کے انتخاب میں اسناد ہے وہ اسناد کے تابع نہیں اس کی تائید میں عبدالحارث[۱] اور شیطان کا ایک قصہ روایت کر دیا اور حضرت آدمؑ کی شانِ نبوت کی طرف کچھ خیال نہ کیا۔ مخالفین اندر من مراد آبادی وغیرہم کو انبیاء علیہ السلام کی جناب میں گستاخی کرنے اور شرک کی تہمت لگانے کا اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ مگر ایسی بے بنیاد باتوں کے اعتماد پر اعتراض کرنا اپنی کم استعدادی اور ناانصافی کو ظاہر کرتا ہے ایسی باتوں سے انبیاء علیہم السلام پر کوئی عیب ثابت نہیں ہوتا (واضح ہو) کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمعصر اہل کتاب کو تو ان قصص کی بابت سوائے تسلیم کے اور کچھ بن نہ پڑا اور کسی نے کبھی آکر یہ نہ کہا کہ یہ قصے جو قرآن میں ہیں یا فلاں شخص کا تذکرہ جو قرآن نے بیان کیا ہے خلاف واقع ہے یا وہ ہماری کتابوں میں نہیں۔ مگر اس زمانہ میں پادریوں نے دھوکہ میں ڈالنے کے لئے عجب غوغا مچایا کہ یہ قصص محض سن کر غیر محققانہ طور پر قرآن میں محمدؐ نے ذکر کر دیئے ہیں چنانچہ پادری فنڈر میزان الحق کے ۳ باب کی ۳ فصل میں لکھتے ہیں **قولہ** اب اُن سہو اور بھول چوک سے جو اس امر میں قرآن کے درمیان پائی جاتی ہیں کئی ایک بطریق نمونہ کے ہم یہاں ذکر کریں گے مثلاً وہ جو سورۂ بقر کے اوائل میں ہے کہ فرشتوں نے الخ اس مقام پر پادر بھی مختلف اللسان ہیں بعض اعتراضات کو بعض پادر خود ہی رد کرتے ہیں۔ چنانچہ دین حق کی تحقیق کا مصنف صفحہ ۱۰۴ میں

---

[۱] حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ محدثین نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ اور نیز یشرکون میں جو صیغہ جمع ہے اس بات کی صاف تصریح ہے کہ آدم علیہ السلام اور حواؑ مراد نہیں بلکہ نوع انسانی ہے ۱۲ منہ

اور اسی طرح نیاز نامہ کے مصنف نے حضرت یوسفؑ کے قصہ کی بابت اعتراض کیا ہے کہ یہ بالکل کتاب مقدس کے خلاف ہے پھر اسی کی بابت ان دونوں کا قبلہ گاہ فنڈر صاحب میزان الحق کے صفحہ ۲۰۹ میں یوں کہتا ہے۔

**قولہ** اور یوسفؑ کی گزارشات جو سورۂ یوسف میں ہیں موسیٰؑ کی پہلی کتاب کے ۳۷ و ۳۹ سے ۴۷ باب تک صحیح صحیح مندرج ہیں انتہٰی۔ پس معلوم ہوا کہ بعض پادری تو بے تک ہانکتے ہیں۔ اور اب ہم پادری فنڈر کے اختلاف کا نقشہ لکھ کر جواب دیتے ہیں۔

| جواب تفصیلی | مخالفت باکتب مقدسہ | مضامین قرآن | نمبر |
|---|---|---|---|
| توراۃ میں کہیں نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حکم سجدہ کا نہیں دیا اور عدم ذکر عدم حکم کو مستلزم نہیں ورنہ صدہا چیز تورات میں مذکور نہیں۔ عبرانیوں کے باب ا میں ہے جب پہلوٹھے کو دنیا میں لایا تو کہا کہ خدا کے سب فرشتے اسے سجدہ کریں۔ | یہ توراۃ کے خلاف ہے خدا نے ایسا حکم نہیں دیا اور ابلیس اس عالم سے پیشتر نافرمانی کر کے شیطان ہوچکا تھا۔ سید احمد خان بھی اس امر میں ہمارے مقلد ہیں۔ | فرشتوں کا آدمؑ کو سجدہ بحکم الٰہی کرنا اور ابلیس کا انکار کرنا اور فرشتوں کا مباحثہ کرنا۔ | ۱ |
| اس آیت میں یہ کہیں نہیں کہ فلاں عمر میں طوفان آیا اور بعد طوفان کے اس قدر عمر تک زندہ رہے بلکہ مجملاً نو سو پچاس برس رہنا ثابت ہے کہ جس کو خصم بھی تسلیم کرتا ہے۔ پس آیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ نوحؑ نو سو پچاس برس تک زندہ رہے۔ اور اُن کی قوم نے نہ مانا تو طوفان آیا۔ | حالانکہ موسیٰؑ کی پہلی کتاب کے ۷ باب کی ۱۱ آیت میں ہے کہ جب طوفان آیا نوحؑ چھ سو برس کا تھا اور ۹ باب کی ۲۸ آیت میں ہے کہ بعد طوفان نوحؑ تین سو پچاس برس تک زندہ رہا پس نوحؑ کی کل عمر نو سو پچاس برس کی تھی۔ | سورۂ عنکبوت میں ہے کہ بوقت طوفان نوحؑ نو سو پچاس برس کے تھے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَلَبِثَ فِیْھِمْ اَلْفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا فَاَخَذَھُمُ الطُّوْفَانُ وَھُمْ ظَالِمُوْنَ ۝ | ۲ |
| پادری صاحب[1] نے چونکہ قرآن کو نہیں سمجھا اس لئے اعتراض کیا اس بیٹے کو تو قرآن نے اولاد ہی سے خارج کر دیا لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ فرما دیا۔ پس اب اُس کل اولاد کے شمار میں جو کہ ایماندار تھے اُس کا ذکر توراۃ میں نہ ہونا اور قرآن میں ہونا کوئی مخالفت نہیں۔ | لیکن موسیٰؑ کی پہلی کتاب کے ۸ و ۹ باب میں صاف لکھا ہے کہ نوحؑ کے سب بیٹے کشتی میں تھے اور سب نے طوفان سے نجات پائی۔ | سورۂ ہود کے اوائل میں ہے کہ نوحؑ کے ایک بیٹے نے کشتی میں بیٹھنے سے انکار کیا سو وہ طوفان میں ڈوب مرا۔ | ۳ |

[1] پادری صفدر علی نیاز نامہ میں لکھتا ہے کہ قرآن و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نوحؑ کا بیٹا کنعان تھا وہ اور اُس کی والدہ کشتی میں داخل نہ ہوئے الخ پادری صاحب وہ کونسی آیت قرآن کی ہے کہ جس میں کنعان نام لکھا ہے اور جس میں اُس کی والدہ کا غرق ہونا مذکور ہے اس جھوٹ یا جہالت کا کیا ٹھکانا ہے

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۴ | سورۂ یوسف میں ہے کہ یوسف نے گویا اپنے مالک کی جورو کی خواہش کی تھی۔ جیسا کہ مذکور ہے۔ | مگر موسیٰؑ کی پہلی کتاب کے ۳۹ باب میں کھلا کھلی بیان ہوا ہے کہ یوسفؑ نے بالکل انکار کیا اور بُری فکر کو دل میں جگہ بھی نہ دی۔ | اس کتاب کی فقط یہ عبارت ہے ۱۰۔ اور وہ ہر چند یوسف کو روز روز کہتی رہی پر اُس نے اُس کی ایک نہ سُنی کہ اسکے ساتھ سووے یا اُس کے ساتھ رہے انتہیٰ۔ اس سے یہ کہاں نکلا کہ بُری فکر کو دل میں جگہ بھی نہ دی۔ دوم قرآن سے کبھی یہ ارادہ کرنا ثابت نہیں کیونکہ ہَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰی بُرْهَانَ الخ جزا ہے یعنی اگر خدا تعالیٰ کی دلیل نہ دیکھتا تو یوسف قصد ہی کر چکا تھا۔ |
| ۵ | سورۂ قصص کے اوائل میں ہے کہ فرعون کی بیوی نے موسیٰؑ کو بجائے فرزند کے پرورش کیا۔ | مگر موسیٰؑ کی دوسری کتاب کے دوسرے باب میں ہے کہ فرعون کی بیٹی نے موسیٰؑ کو پرورش کر کے بجائے فرزند رکھا تھا۔ | قرآن سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ فرعون کی بیوی نے یہ کہا تھا کہ اس کو قتل نہ کرو شاید ہمارے کام آوے یا ہم اس کو بیٹا بنا دیں اب عام ہے کہ خاص بیٹی نے موسیٰؑ کو بیٹا بنا کے رکھا یا اس کی ماں فرعون کی بیوی نے۔ اگر بیٹا ہی بنایا ہو تو اُس کی ماں بھی اُس کو بیٹا کہہ سکتی ہے اور اسی لئے نَتَّخِذُ کہا اَتَّخِذُ نہ کہا۔ چونکہ پادری قرآن کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے اعتراض کیا۔ |
| ۶ | سورۂ مریم کے شروع میں مذکور ہے کہ مریم ایک دُور دراز جگہ چلی گئی تھی اور یسوعؑ درخت خُرما کے تلے پیدا ہوا تھا۔ | لیکن انجیل لوقا کے دوسرے باب میں مذکور ہے کہ مسیحؑ بیت لحم میں اصطبل کے اندر پیدا ہوا اور بیت لحم ملک یہودیہ میں مریمؑ کے باپ کا شہر تھا۔ | مَكَانًا قَصِيًّا کے معنے پادری دُور دراز سمجھ گئے جس پر اس قدر چونکے کاش کس قدر عربی پڑھ لیتے تب کتاب لکھنے بیٹھتے اس کے معنی گوشہ ہے یعنی درد زہ کے وقت ایک گوشہ میں چلی گئی عام ہے کہ وہ اصطبل تھا یا کچھ اور اصطبل میں خرمہ کا درخت کچھ محالات سے نہیں۔ اب دونوں میں کچھ مخالفت نہیں رہی۔ |

ایک اور اعتراض پادریوں نے کیا ہے کہ قرآن میں ایسے بھی بہت سے قصے ہیں کہ جو محض جھوٹ اور بے اصل ہیں **منجملہ** ان کے ابراہیمؑ کا قصہ کہ انھوں نے اپنے باپ کے بُت توڑ ڈالے اور اُس کی قوم نے اُس کو آگ میں ڈالا۔ اور یہ کہ داودؑ کے ساتھ پہاڑ اور پرند تسبیح کرتے تھے اور یہ کہ سلیمانؑ کے جنات تابع تھے اور یہ کہ چیونٹی نے سلیمانؑ سے گفتگو کی اور یہ کہ سلیمانؑ کے مرنے کے بعد جنات نے سلیمانؑ کو زندہ سمجھ کر فریب کھایا اور یہ کہ سبا کی شہزادی بلقیس

اُن کے پاس آئی اور اس کا تخت طلب کیا گیا اور یہ کہ سلیمانؑ تمام جہان کا بادشاہ تھا اور حیوانوں کی بولیاں بھی سمجھتا تھا۔ اور یہ کہ سلیمانؑ کے ہوا تابع تھی ہوا پر تخت اُڑتا تھا اور یہ کہ سکندر رومی نے سورج کو دلدل کی ندی میں ڈوبتے پایا اور اُس نے پیتل اور لوہے کی بڑی بڑی دیواریں یاجوج ماجوج کے بند کرنے کو بنائیں اور محمد صاحبؐ باوجودیکہ وہ بُت پرست تھا اُس کو نبی کہتے ہیں۔ اور یہ کہ حضرت مسیحؑ نے ہنڈولے میں باتیں کیں اور بچپن میں اُس سے معجزات ظاہر ہوتے اور مٹی کے جانور بنا کے اُڑا دئے اور خضرؑ اور موسیٰؑ کی ملاقات اور اصحابِ کہف اور رقیم کا قصہ جو سورہ کہف میں ہے انتہٰی ملخصًا **اقول** جواب سے پیشتر دو بات عرض کئے دیتا ہوں تاکہ منصف مزاج عیسائی انہیں پر بس کریں (۱) یہ کہ ان امور کا بے اصل اور جھوٹ کہنا جب وقعت رکھتا کہ اہلِ کتاب کے پاس کُل کتابیں سماوی ہوتیں اور پھر تمام جہان کے واقعات اور سرگزشت اُن میں موجود ہونے کا دعویٰ بھی ہوتا۔ پس جب اُن میں یہ واقعات نہ ہوتے تو اُن کو جھوٹ کہتے لیکن یہ دونوں باتیں اہلِ کتاب کے نزدیک بھی نہیں اوّل تو یوں نہیں کہ خود بائیبل میں بلکہ موسیٰؑ کی توراۃ وغیرہا کتابوں میں ایسی کتابوں کے حوالے ہیں کہ جن کا مجموعہ پندرہ کتابیں ہیں اور وہ[۱] اب مفقود ہیں اوّل جنگ نامہ جس کا حوالہ سفر عدد کے ۲۱ باب میں ہے۔ دوم کتاب الیاشر کہ جس میں ایسا بڑا محال[۲] حوالہ ہے کہ جس کو کوئی ذی عقل بھی نہیں مانتا کہ آفتاب ٹھہرا رہا اور مہتاب ٹھہر گیا اور قریب دن بھر کے بجلتم کی طرف مائل نہ ہوا انتہٰی۔ سوم کتاب یاہو۔ چہارم کتاب سمیعا کی پانچویں کتاب وغیر ذٰلک کما لا یخفٰی اور دوسری بات کا تو کوئی صاحبِ عقل بھی اقرار نہیں کر سکتا اور کیونکر کر سکتا ہے حالانکہ ہندوچین بلکہ خاص انہیں ملکوں کے ہزارہا صحیح واقعات کتبِ سماویہ

---

[۱] یہ نیاز نامہ کے مصنف کا اعتراض ہے اس کا یہی جواب بس ہے کہ تم نے قرآن نہیں پڑھا اس میں یہ بات کہیں نہیں۔ منہ [۲] یہ اعتراض دینِ حق کی تحقیق میں ہے اُس کے مصنف بھی علوم اسلام سے بے بہرہ ہیں کیونکہ سکندر رومی کا قصہ کسی جگہ بھی قرآن بلکہ احادیث میں بھی نہیں نہ کوئی اُس کو نبی کہتا ہے اور دلدل کی ندی میں آفتاب ڈوبنے کو بھی نہیں سمجھتے کیونکہ مراد یہ ہے کہ ایک صاف میدان میں ذوالقرنین پہنچے کہ اُس کے مغرب سمت میں دلدل تھی پس آفتاب غروب ہوتا ہوا دلدل میں معلوم ہوتا تھا جس طرح سمندر میں آفتاب پانی میں ڈوبتا معلوم ہوتا ہے حالانکہ پانی اور دلدل میں نہیں ڈوبتا اس کو ہر ذی عقل جانتا ہے۔ منہ

[۳] حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے سکندر رومی کو جو بت پرست تھا کبھی نبی نہیں کہا یہ جھوٹا الزام ہے۔ منہ [۴] بعض عیسائی یہ کہتے ہیں کہ یہ کتابیں الہامی نہ تھیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ الہامی کتاب میں تاریخی واقع کا غیر الہامی کتاب سے حوالہ دینا دلیل ہے اس بات پر کہ عیسائیوں کا الہام عام مؤرخین کی مانند ہے۔ دوم یہ کہ صاحبِ الہام کو ایسے واقعات کا علم محض تاریخی کتابوں سے ہے جو رطب و یابس سے خالی نہیں۔ پھر اس الہام کو نبوت کا حصہ ٹھہرانا محض عبث ہے۔ منہ

[۵] پراٹسٹنٹ عیسائی چونکہ نیچریت اور فلسفہ کے بہت پابند ہیں ایسی باتوں کو خصوصًا شق القمر کے معجزہ کو محال کہا کرتے ہیں۔ اس لئے الزامًا اس کو محال کہا گیا اور اس کتاب میں اکثر رد تے سخن انہیں لوگوں کی طرف ہے گو ایک پُرانے کرسٹان نے اس کو تحقیقی جواب سمجھ کر مصنف علامہ پر اعتراض کر کے بڑی قابلیت جتلائی ہے حالانکہ کتبِ ردِّ نصاریٰ میں اس قسم کی گفتگو کی کثرت ہے۔ ابوالحسن حقانی

میں درج نہیں ہوتے (۲) یہ کہ باایں ہمہ یہ باتیں ایسی ہیں کہ جن کو جمہور یہود اور متقدمین نصاریٰ سب تسلیم کرتے تھے قطعِ نظر اور حوالوں کے ہم خاص پادری فنڈر ہی متعصب اور ناانصاف کے منہ سے اقرار کرا دیتے ہیں۔ پادری صاحب میزان الحق کے ۳ باب کے ۳ فصل میں لکھتے ہیں **قولہ** پھر قرآن میں بہت حکایتیں ایسی مرقوم ہیں کہ جو کتبِ عہدِ عتیق و جدید سے لی گئی ہیں الخ ایسی اور حکایتیں بھی قرآن میں پائی جاتی ہیں کہ جو عہدِ عتیق و جدید سے اخذ کی گئی ہیں لیکن اتنا فرق ہے کہ یا تو قرآن میں کم و بیش بیان ہوتی ہیں یا کچھ تبدیل و تغییر سے لکھی گئی ہیں الخ اور پچھلی باتوں کی نسبت لکھتے ہیں۔ **قولہ** یہ سب یہودیوں کی حدیثوں اور تواتر سے لیا گیا ہے چنانچہ اس زمانہ میں بھی اس قسم کی حدیثیں طالموت دگرا وضمار و میدراس نامی کتابوں اور یہود کی اور کتابوں میں بھی منضبط ہیں الخ باقی حضرت مسیح کے معجزاتِ طفولیت انجیل طفولیت میں مندرج ہیں۔ اور اصحابِ کہف[1] کا قصہ افرائیم کی تصنیف میں اب تک پایا جاتا ہے، انتہیٰ ملخصاً۔ اب ہم اُن اعتراضات اور اُن کے اور دیگر اعتراضات کا دوسری طرح پر جواب دیتے ہیں کہ جس کا رد قیامت تک تمام عیسائیوں سے نہ ہو سکے گا **وھو ہٰذا**۔ ان اعتراضات کا دو وجہ منشاء ہیں (۱) یہ کہ یہ حکایات کتبِ مقدسہ کے برخلاف ہیں جو کلام الٰہی ہیں (۲) بعض ایسی حکایات بھی ہیں کہ جو کتبِ مقدسہ میں موجود نہیں گو کسی اور کتاب میں اُن کی سند ہو۔ اوّل بات کی نسبت پادری صاحب کو واجب ہے کہ یہ چند امور براہینِ قاطعہ سے ثابت کریں (۱) یہ کہ کتبِ مقدسہ جو بالفعل اہلِ کتاب کے ہاتھ میں ہیں اور جن کی مخالفت سے قرآن پر الزام لگایا جاتا ہے کلام الٰہی بھی ہیں کیونکہ محض تورٰۃ و انجیل و زبور ان کے نام مقرر کرنے سے یہ کلام الٰہی نہیں ہو سکتیں کیا لوہے کا نام چاندی رکھنے سے چاندی ہو جائے گا؟ پس اوّل مرتبہ یہ ثابت کرنا ضرور پڑے گا کہ جس تورات و انجیل و زبور کا قرآن میں ذکر ہے وہ یہی کتابیں ہیں اور اس امر کے ثبوت میں یہ کہنا کافی نہ ہوگا کہ اگر یہ وہی کتابیں نہیں تو اصلی کتابیں تم لا کر دکھاؤ۔ کیونکہ جب ان اصلی کتابوں کا باقرار علماءِ یہود و نصاریٰ صفحۂ عالم پر وجود ہی نہیں تو کوئی کہاں سے لا کر دکھاوے؟ (۲) یہ کہ یہ کتابیں بلاتفاوت ویسی ہی ہیں کہ جس طرح اُن کو اُن کے مؤلفین نے تصنیف کیا لیکن اس کا ثبوت محالات سے ہے کیونکہ باقرار علماءِ اہلِ کتاب باب کے باب اور بہت سی آیات اُن میں لوگوں نے داخل کر دیے ہیں چنانچہ پادری فنڈر اختتام مباحثہ دینی مطبوعہ اکبرآباد صفحہ ۵۳ میں خود مقر ہیں کہ تخمیناً لاکھ ڈیڑھ لاکھ جگہ ان کتابوں میں غلطیاں واقع ہوئیں جن کو ویریوس ریڈنگ کہتے ہیں اور زیادہ تفصیل اس کی آگے آتی ہے (۳) اگر ان اختلافات کی وجہ سے قرآن غلط ہے تو پھر باہم کی ان کتابوں میں جو فحش اختلاف اور صریح غلطیاں ہیں ان سے اپنی کتابوں کو بھی غیر الہامی کہیں **شاہدِ اوّل** درس ۲ باب ۲۲ کتاب ۲ اخبار الایام میں عبری ترجمہ کے موافق یہ لکھا ہے کہ اخزیاہ بیالیس ۴۲ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا حالانکہ یہ صریح غلط ہے کیونکہ جس سال یہ بادشاہ ہوا اور اس کا باپ یہورام مرا تو اس کی چالیس ۴۰ برس کی عمر تھی چنانچہ اس کتاب کے باب ۲۱ مطبوعہ ۱۸۴۲ء میں ہے کہ یہورام بتیس ۳۲ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا اور آٹھ برس تک بادشاہت کرتا رہا پس اخزیاہ کی تخت نشینی کے وقت بیالیس

[1] تاریخ کلیسا مطبوعہ ۱۸۶۸ء ولیم میور صاحب میں اس قصہ کو بخوبی تسلیم کیا ہے۔ منہ

برس کی عمر تھی اور اُس کے باپ یہورام کی چالیس برس کی بیٹا دو برس باپ سے بڑا تھا اس سے زیادہ بھی کوئی غلطی ہوگی؟ مگر پھر اُس کو کتاب الٰہی کہتے ہیں۔ (۲) کتاب اوّل صموئیل ۶ باب آیت ۱۹ میں ہے کہ اُس نے پچاس ہزار اور ستر بیتھو مارے اور عربی اور سریانی نسخہ میں بقولِ ہارن صاحب مفسّر پانچ ہزار ستر لکھتے ہیں اور یوسفیس مؤرخ جو عیسائیوں کے نزدیک بڑا محقق ہے کل ستر آدمی ہی بتلاتا ہے۔ اس اختلاف کا کیا ٹھکانا ہے؟ (۳) کتاب التاریخ ۲ باب ۱۶ میں ہے کہ آسا کی سلطنت کے چھتیسویں برس بعشا یہود پر چڑھا اور اوّل سلاطین ۱۵ باب میں ہے کہ آسا کی سلطنت کے تیسرے سال بعشا تخت نشین ہوا اور ۲۴ برس سلطنت کی اُن میں ایک ضرور غلط ہے اور اس طرح کی صدہا غلطیاں ہیں کہ جن کو مفسّرین اہلِ کتاب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ پس ایسی غلط کتابوں کے اعتماد پر قرآنی واقعات کو جھوٹ کہنا بڑی سینہ زوری ہے۔ کیا ان کے اغلاط کے لئے قرآن اصلاح دہندہ[1] نہیں ہو سکتا؟ دوسری بات کی نسبت یہ کلام ہے کہ ہر واقعہ کی صحت اس پر موقوف نہیں کہ وہ کُتبِ مقدسہ میں بھی موجود ہو کیونکہ اگر یہ ہو تو دو قباحت لازم آویں گی (۱) یہ کہ خود بائبل کی حکایتیں غلط ہو جاویں گی کیونکہ جو بائبل کو نہیں مانتا اُس کے نزدیک حکایات کے ثبوت صدق کے لئے کونسی دلیل ہے؟ پھر پادری صاحب کو لازم ہے کہ ان واقعات کو یا تو کسی اور کُتبِ مقدسہ میں جو بائبل کے علاوہ ہو دکھلائیں ورنہ اُن کو بھی جھوٹ کہیں (۲) یہ کہ خود عہدِ عتیق و جدید کی کتابوں میں ایسے واقعات ہیں کہ جن کو کسی اور نے نہیں لکھا بلکہ خاص ایک ہی شخص نے لکھا ہے چنانچہ (۱) باپ بیٹے روح القدس کے نام بپتسمہ دو۔ یہ صرف انجیل متی میں ہے اُس کو کسی نے نہیں لکھا۔ سو یہ بھی جھوٹ (۲) مجوسیوں کا ایک ستارے کو دیکھ کر مسیح کے لئے آنا سوائے انجیل متی کے اور کسی انجیل میں نہیں۔ سو یہ بھی جھوٹ (۳) یسوع کی پیدائش بیت اللحم میں اور گڈریوں کا فرشتہ کو دیکھنا اور باتیں کرنا مسیحؑ کا ختنہ کرنا سوائے انجیل لوقا کے اور کسی انجیل میں نہیں سو یہ بھی جھوٹ۔ علاوہ اس کے انجیل متی کے ۲ باب میں ہے کہ وہ جو نبیوں نے کہا تھا پورا ہوا کہ وہ ناصری کہلائے گا الخ بتلایئے کس نبی کی کتاب میں لکھا ہے کہ مسیح ابنِ مریم ناصری کہلائے گا؟ سو یہ بھی جھوٹ۔ اور اسی طرح وہ جو انجیل متی کے ۲۷ باب میں لکھا ہے کہ جب مسیحؑ کو صلیب پر کھینچا تو (۵۱) ہیکل کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا اور زمین کانپی اور پتھر تڑک گئے (۵۲) اور قبریں کھل گئیں اور بہت لاشیں پاک لوگوں کی قبروں سے نکل کر شہر میں بہتوں کو نظر آئیں انتہےٰ۔ اور وہ جو انجیل لوقا کے ۲۳ باب میں ہے اور چھٹویں گھنٹے کے قریب تھا کہ ساری زمین پر اندھیرا چھا گیا اور نویں گھنٹے تک رہا اور سورج تاریک ہو گیا الخ۔ یہ بھی سب جھوٹ ہے۔ کیونکہ اس

[1] چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یقص علی بنی اسرائیل اکثر الذی ہم فیہ یختلفون۔ ف اہلِ کتاب کی کتابوں میں جو کچھ باہم واقعاتِ تاریخیہ کے بیان میں اور دیگر باتوں میں اختلاف شدید ہے اس کا ایک نقشہ تیار کیا جائے جس پر پادری اسکاٹ اور ہارن اور ہنری کو دستخط کرنے میں ذرا بھی انکار نہ ہوگا تو ایک مبسوط کتاب تیار ہو جاوے اس لئے چند نمونوں پر قناعت کی گئی اور زیادہ دیکھنا ہو تو مولانا رحمت اللہ صاحب مرحوم کی کتاب "اعجاز عیسوی" اور "ازالۃ الاوہام" وغیرہ کُتبِ ردّ نصاریٰ کو ملاحظہ کرو۔ منہ

واقعہ کو جو حیرت افزا تھا اور تمام عالم پر گزرا تھا آج تک کسی نے نہیں لکھا نہ کسی یہودی نے نہ مجوسی نے نہ سامری نے نہ ہندو نے نہ ترک نے نہ عرب نے ؂ اندکے باتو بگفتیم و بدل ترسیدیم ÷ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیارست ۔ واللہ الہادی۔ (چہارم) علم التذکیر بالموت و ما بعدہ، یعنی خدا تعالیٰ نے جس طرح سے (چہارم)
کو انسان بلکہ عالم کی ابتداء آفرینش کا اجمالاً حال بیان فرمایا اسی طرح سے اُس کے فنا[1] ہونے کی کیفیت کو اور فنا ہونے کے بعد جو کچھ اس پر گزرے گا اُس کو بھی قرآن میں مختلف سورتوں میں ذکر کیا۔ پس جس طرح سے کہ انسان کا نطفہ سے علقہ اور مضغہ بن کر پیدا ہونا بیان فرمایا تھا اسی طرح اس کی موت کی کیفیت اور ملائکہ کا اُس کی روح قبض کرنا اور اُس کا عاجز ہونا اور اُس کو دوزخ و جنت کا دکھایا جانا اور ملائکہ عذاب کا ظاہر ہونا ذکر کیا۔ اور اسی طرح اس عالم کی فنا یعنی قیامت کی علامات حضرت مسیح کا نازل ہونا اور دابۃ الارض کا نکلنا اور قوم یاجوج ماجوج کا زمین پر زور پکڑنا اور نفخ صور اور اس عالم کی بیخ و بنیاد کا گرایا جانا، آسمانوں اور ستاروں کا ٹوٹنا، پہاڑوں کا بادلوں کی طرح زلزلۂ عظیم سے اُڑتے پھرنا اور پھر دوبارہ صور پھونکنا اور تمام لوگوں کا زندہ ہونا اور تخت رب العالمین کے روبرو حساب کے لئے حاضر ہونا اور ملائکہ کا صف بستہ کھڑا ہونا اور نامۂ اعمال کا دائیں اور بائیں ہاتھ سے دیا جانا اور ہاتھ پاؤں کا شہادت دینا اور اعمال کا متمثل ہو کر نظر آنا اور پُلصراط پر سے گزرنا پھر اہل جنت کا جنت میں داخل ہو کر طرح طرح کی نعمتیں حاصل کرنا یعنی حور و قصور باغ و انہار اچھے کھانے اور عمدہ عمدہ لباس پہن کر آپس میں ملاقاتیں کرنا اور خدا تعالیٰ کے جلال و تجلّی کی کیفیات سے محظوظ ہونا اُس کے دیدار سے مشرف ہونا ابد الآباد وہاں راحت و آرام سے زندہ رہنا ذکر کیا۔ اور بدلوگوں کا اپنے اعمال کی سزا پانا جہنم میں جانا اور جہنم کی کیفیات طوق و زنجیر گرم پانی وغیرہ کو بھی نئے نئے اسلوب سے مختلف سورتوں میں ذکر کیا کہ جس کو سن کر انسان کے دل پر عجب کیفیت پیدا ہوتی ہے خدا کی محبت ظہور کرتی ہے اور دنیا و مافیہا نظروں میں سرد اور گرد معلوم ہوتی ہے یہ بھی قرآن مجید کا معجزہ اور خاصہ مختصہ ہے۔ اگلی کتابیں جس طرح سے کہ اور علوم میں ناقص البیان ہیں اسی طرح سے اس علم کو بھی عمدہ طرح سے نہیں بیان کرتیں توراۃ و اناجیل موجودہ میں ذرا سا اشارہ ہی ان چیزوں کی طرف ہے **اس مقام** پر بھی ایک بات قابل غور ہے۔ اور وہ یہ کہ یا تو محض تعصب سے تجاہل عارفانہ کے پیرایہ میں یا محض بے خبری اور لاعلمی سے اس مقام پر پادر صاحب اور اُن کے مقلد بعض ہنود عجب غوغا مچاتے ہیں چنانچہ پادری[2] فنڈر صاحب نے میزان الحق میں اور صفدر علی نے نیاز نامہ میں اور عماد الدین نے ہدایت المسلمین میں اور پھر ہر پادری نے اپنی تصانیف میں جنت و دوزخ کی کیفیات عذاب[3] و ثواب پر اعتراض کر کے سخت سخت زبان درازی بے سمجھے

[1] فنا سے مراد عدم محض نہیں۔ منہ [2] ان کا پرانا مقلد بھی محمد صادق اور محمد صالح کے نام سے تفسیر حقانی پر اس قسم کے نعوذ خصوصاً گندم گون حور کے نقشے پر اعتراض کرتا ہے۔ منہ [3] عذاب قبر اور دوزخ کی بابت جس کو عماد الدین جھٹلاتا ہے حضرت مسیح علیہ السلام کا بیان پیش کرتا ہوں جو انجیل لوقا کے سولہویں باب میں آیسویں جملہ سے شروع ہوتا ہے حضرت لعزر مفلس اور ایک دولتمند کے مرنے کے بعد حال بیان فرماتے ہیں کہ لعزر کو حضرت ابراہیم کی گود میں فرشتوں نے رکھدیا اور دولتمند کو کوئیں اور پیاس ستا رہی تھی (باقی ص ۱۳۴)

بوجھے کلامِ الٰہی پر کی ہے۔ چنانچہ ہدایت المسلمین کے ۲۵۹ میں لکھا ہے **قولہ** محمدؐ صاحب نے دوزخ اور بہشت اور عذابِ قبر کی بابت ایسے ایسے مضمون صریح البطلان جو ہرگز عقل و نقل قبول نہیں کرتی اس جاہل ملک کو سُنا کر ڈرایا الخ صفدر علی نیاز نامہ کے ۵۷ صفحہ میں لکھتے ہیں **قولہ** الغرض بموجب تعلیم قرآن و حدیث کے سعادت اُخروی یہی ہے جسمانی خواہشوں کا پورا ہونا کہ جو آدمی کی خواہش وہاں ہو پوری ہو جاتی ہے الخ اور انھیں کی تقلید میں آنریبل سید احمد خان صاحب نے ان نصوصِ قرآنیہ کا انکار تاویل کے پیرایہ میں کیا ہے ان سب لغو اور بیہودہ اعتراضات کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں ان معترضوں کو لازم ہے کہ اس مقام کو غور کر کے سمجھیں اور جنت کی حقیقت پر مطلع ہو دیں پھر اعتراض کریں ورنہ آخرت میں مخبرِ صادقؐ کے فرمانے کے بموجب جب یہ چیزیں مومنوں کو ملیں گی اور وہ عذابات پادریوں اور منکروں اور مؤولوں کو نصیب ہوں گے اس خبر کی خود تصدیق ہو جاوے گی ذرا صبر کریں۔ اور دلیل عقلی و نقلی جو پادری صاحب نے ذکر فرمائی ہم تو آج مشتاق اُس کے سُننے کے رہے مگر کسی پادری نے ان کیفیات کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہ بیان کی اور کیا خاک کریں گے محض زبانی جمع خرچ ہے اور بس۔ (**پنجم**) علم الاحکام یعنے بندوں کے لئے دین و دنیا میں جو جو امورِ ضروریہ اور نافع ہیں اُن کو فرض واجب مستحب بنایا اور جو چیزیں مضر ہیں اُن کو ان کے ضرر کے لحاظ سے حرام و مکروہ تحریمی و تنزیہی قرار دیا کیونکہ جو چیز اشد ضروری ہے وہ فرض ہے اور جو اس سے کم تو واجب پھر اس سے کم مستحب۔ اسی طرح جس کا سخت ضرر انسان کے دنیاوی معاملات پر یا روح پر پہنچتا ہے تو اُس کو حرام پھر جو اُس سے کم ہے تو اُس کو مکروہ تحریمی اور جو اُس سے کم تو وہ مکروہ تنزیہی ہے اور جو مساوی الطرفین ہے کہ نہ مضر نہ ضروری اس کو مباح کہا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ خدا تعالےٰ بے فائدہ اور عبث کسی چیز کا حکم نہیں دیتا بلکہ جس طرح طبیب محض مریض کے نفع و ضرر پر لحاظ کر کے دواء و غذا کا حکم دیتا ہے اسی طرح نبی جو طبیبِ روحانی ہے حکم دیتا ہے، قال تعالےٰ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ الآیہ پس ان مجموعۂ احکام کا نام **شریعت** ہے کہ جس کو پادری لوگ شریعتِ اخلاقی اور احکامِ باطنی اور اصل شریعت کہتے ہیں پھر ان احکام کی دو قسم ہیں ایک نظری کہ جن میں ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کے فعل کی حاجت نہیں بلکہ دل سے متعلق ہیں جیسا کہ خدا تعالےٰ کو وحدہٗ لاشریک جاننا اور جسمانیت اور جمیع عیوب سے اُس کو پاک سمجھنا وغیر ذٰلک کہ جن کی تفصیل علمِ عقائد میں ہے یہ احکام لوگوں اور زمانے کے بدلنے سے نہیں بدلتے اور اسی لئے یہ منسوخ بھی نہیں

پنجم

[illegible]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۳) اور وہ ابراہیم علیہ السلام سے درخواست کرتا تھا کہ لعزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا بھگو کر میرے لب تر کرے میں لوؤں سے جلا جاتا ہوں الخ یہ عذابِ قبر نہیں تو اور کیا ہے کس لئے کہ قیامت سے پہلے کا ذکر ہے جو مرنے کے بعد پیش آیا اور اسی عالم کو شرع میں قبر کہتے ہیں پھر اس پر اعتراض کرنا اگر سخت کفر نہیں تو اور کیا ہے مگر جس کا دل حبِ دنیا سے سیاہ ہوگیا ہو وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی باتوں پر قہقہہ نہ اڑائے تو اور کیا کرے۔ حقانی **۵** واضح ہو کہ نیاز نامہ کا مصنف صفحہ ۲۱ میں خود اقرار کرتا ہے کہ وہ قدوس اپنے بندوں کو اُن اعمال و افعال کا حکم دیتا ہے جو بذاتِ خود نیک ہیں اور اُن سے منع کرتا ہے جو از خود بد اور نفرتی ہیں الخ پھر اس کے بعد حضرت موسیٰؑ اور تمام انبیاءؑ کی شریعت کو بالکل مٹانے کے لئے یہ کہنا **قولہ** مگر رسمی شریعت وہ ہے جو کتنے ہی کاموں کا حکم دیتا ہے اور کتنے سے

ہو سکتے۔ دوم عمل کہ جن میں اعضاء کو دخل ہے پھر ان احکام عملیہ کی بھی دو قسم ہیں قسم اوّل وہ احکام کہ جو خداتعالیٰ
کے ساتھ بالخصوص متعلق ہیں جیسا کہ اُس کی عبادت کرنا اور علاوہ روح کے اپنے تمام اعضاء سے اُس کی شکرگزاری کرنا

ف نماز

جس کو عرفِ شرع میں نماز کہتے ہیں اس قدر تو سب کے نزدیک اصل ہے باقی اس نماز کے طریقے (کہ کسی وقت
محض سجدہ تھا اور کبھی قیام اور کبھی فقط اُس کی ستائش کے راگ گانا) مختلف ہیں اس اخیر نبیؐ کے عہد میں نماز کے
اندر وہ سب باتیں مجتمع کر دی گئیں اور رُوح اور جسم دونوں کو شامل کر لیا گیا۔ پھر اس نماز کے لئے طہارتِ بدن و
جائے وجامہ شرط قرار دی گئی کیونکہ جب عقلاً و نقلاً بغیر طہارت کے روح پر کثافت ہوتی ہے اور آپس میں بھی اُمراء
و شاہوں کے دربار میں ہاتھ پاؤں دھوکر نجاست و میل کچیل سے صاف ہو کر جاتے ہیں پس شاہنشاہِ حقیقی کے
روبرو خراب حالت بناکر جانا اور دل کو کدر اور بوجھل کر کے اُس کی طرف لگانا دشوار اور نازیبا ہے اس کی قرآن
میں جابجا تاکید ہے اور لفظ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ سے اُس کو تعبیر کیا ہے مگر اس کی تمام ہیئت پیغمبر علیہ السلام نے ادا کر کے
اور زبان سے کہہ کے تعلیم فرمادی ہے اور اس لئے اُس کو اسلام کا رکن قرار دیا ہے۔ اور جیسا کہ اپنے نفس کو اس کے لئے
تمام خواہشوں اور کھانے پینے جماع کرنے سے روکنا اور قوتِ بہیمیہ کو مغلوب کر کے روح کو اس کے اذکار سے منوّر

ف روزہ

اور تروتازہ کرنا جس کو روزہ کہتے ہیں یہ بھی تمام شریعتوں میں تھا مگر اُس کے آداب اور طریقے اور حدود پیغمبر
علیہ السلام نے بہ وضاحت تعلیم فرمائے اور قرآن میں کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کے لفظ سے تاکید کی گئی اس لئے یہ
دوسرا رکن اسلام کا قرار پایا۔ اور جیسا کہ اپنے مال میں سے ایک حصۂ معیّن خداؒ کے نام پر تصدّق کرنا اور اُس
محبوبِ عالم کی محبّت کو دل میں جگہ دینا اور روپیہ اور مال کو کہ جس کی طرف انسان کی اکثر طبیعت مائل رہتی ہے

ف زکوٰۃ

اُس کے لئے ہاتھ سے چھوڑنا پھر اس سے اُس کے بےکسوں اور یتیموں کی مدد کرنا اُس کو زکوٰۃ کہتے ہیں یہ بھی
پہلے تھی مگر اُس کے حدود و آداب و تقررِ حصص و تعیّن مصارف اسلام نے نہایت مناسب طور پر قرار دیئے
اور قرآن میں مطلقًا بلفظ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ سے اس کا مطالبہ کیا ہے۔ اس لئے یہ تیسرا رکن قرار پایا اور جیسا کہ کسی
موضعِ متبرک میں (کہ جہاں اُس کے بڑے بڑے محبوب اور رہنماؤں سے خداتعالیٰ نے کلام کیا اور اپنی تجلّی سے اُن کو
مشرف بنایا ہو اور جس کو ایسے اعتبارات سے تمام زمین پر شرف ہو) جانا اور عاشقانہ ہیئت بنا کے اُس پر تصدّق

ف حج

ہونا اور دُعا و مناجات کرنا جس کو حج کہتے ہیں یہ بھی پہلے سے چلا آتا ہے مگر نبیؐ اسلام نے اس کے بھی آداب
و طریقے الہامی طور پر عمدہ قائم کئے اور جو خرابیاں پیش آ گئی تھیں اُن کو دُور کر کے خاص ابراہیمی طرز کو برقرار رکھا اس کے
فوائد و اسرار بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں آگے بیان کریں گے چونکہ یہ بھی ایک روح کو تازہ کرنے والی عبادت
ہے اس لئے اس کو بھی قرآن میں وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ کے لفظ سے طلب کیا اس لئے یہ بھی چوتھا رکن
اسلام کا قرار پایا۔ اور جیسا کہ اُس کی توحید اور اُس کے رسولؐ کے برحق ہونے کا لوگوں میں زبان سے اقرار کرنا

ف زبان سے کلمہ کہنا

گو دل سے سچ جاننا تو ہر وقت ہی فرض ہے مگر احکامِ ظاہریہ کے لئے ایک بار مُنہ سے بھی اقرار کرے جس کو ادائے
**شہادت** کہتے ہیں اس کو بھی قرآن میں جابجا بیان فرمایا اس لئے یہ پانچواں رکن اسلام کا قرار پایا۔ چونکہ
خداتعالیٰ کو اپنے بندوں کے حال پر بڑی مہربانی ہے وہ خود اور اس کی توحید تمام عالم پر آشکارا ہے اس لئے جب
بندے کو مجبوری ہو جیسا اُس کی زبان از خود بند ہو یا کوئی ظالم بزور بند کرے تب اس کے ذمہ پر یہ ادائے شہادت ۱۰

فرض نہیں ہاں اگر اس مصیبت پر بھی ادا کرے گا تو شہید ہوگا اجر پائے گا۔ پادری بالخصوص صفدر علی ظلمات تعصب میں بالکل غرق ہیں اُن کو یہ سر معلوم نہیں اس لئے نیاز نامہ کے صفحہ ۳۹ میں غل مچاتے ہیں کہ اسلام نے جھوٹ بولنے کی اجازت دی جھوٹ پر پادریوں کے مذہب کی بنا ہے جیسا کہ پولوس مقدس فرماتے ہیں کہ اس لئے ان کو ہر جگہ جھوٹ ہی نظر آتا ہے۔ ان سب امور کے انتظام اور قیام کے لئے ایک حکم جہاد کا دیا یعنی جس طرح ہر گورنمنٹ اپنے احکام و قوانین کو اپنی سطوت اور زور سے نافذ کرتی ہے خواہ جو مانے یا نہ مانے۔ مگر سلطنت ضرور اس کو زبردستی سے قید کرتی ہے، علیٰ ہذا القیاس اور کیونکر نہ کرے اگر گورنمنٹ ایسا نہ کرے تو اس کا ظلم ہے پس اس تنفیذ کو سوائے جاہل اور کم اندیش کے کوئی شخص گورنمنٹ کا ظلم نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ سب سے پچھلے رسول ؐ کو بھیجے اور علاوہ صدہا معجزات و آیات بینات اور پُر اثر وعظ کے اُس کو دنیا میں اپنا نائب بنائے اور اپنے احکام حیات بخش کی کہ جن سے خاص بندوں ہی کا نفع اور بھلائی ہے اس رسول ؐ کی معرفت بزور تعمیل کرائے اور سر اس کا یہ ہے کہ اس نبی ؐ آخر الزماں کا وجود تمام عالم پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہے پس مقتضائے رحمت یہ ہوا کہ اخیر زمانہ میں کہ جب قوتِ بہیمیہ اور شیطان کا غلبہ زیادہ ہو ماں باپ مہربان یا طبیب شفیق جس طرح اپنے بچہ کو زبردستی دوا پلاتے اور گھرک کر مضر چیزوں سے روکتے ہیں اسی طرح اُن احکام پر ان کو چلائے ایسا نہ ہو کہ گناہ میں پڑ کر ہلاک ہوں۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ جس قدر لوگ گستاخی کرتے ہیں، شرک کرتے ہیں، پتھروں کو پوجتے ہیں ان چیزوں کو مٹا کر دنیا کو پاک صاف کردے، مظلوم کی اعانت کرے ظالم کے شر کو دفع کرے، اعلانا فحش سے مانع آئے، چوری اور حرامکاری اور رہزنی کو رد کرے اور دنیا میں عدالت قائم کرے سو اس بات کو خدا تعالیٰ نے جس کا ف۲ زبور میں وعدہ کیا تھا پورا کردیا کہ جزیرہ عرب میں ایک شخص یتیم و بے کس کو کہ جس کے پاس نہ فوج نہ ملک نہ مال و زر تھا پیدا کیا اور روم ف۳ و ایران وغیرہ اس وقت کی بڑی سلطنتوں کو اُس کے پیروؤں کے ہاتھ میں دے دیا اور اس نے اور پھر اُس کے جانشینوں نے اس حکم کی نہایت عمدہ طور پر تعمیل کی۔ اور اس کا نام جہاد ہے سو اس کا بھی قرآن میں چند سورتوں میں ذکر ہے اور مختلف الفاظ سے اس کو طلب کیا ہے جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ فرمایا، کہیں كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ کہا وغیرہا من الآیات، مگر باوجود اس کے اسلام کے قبول کرنے پر کسی کو مجبور

جہاد

سرِّ جہاد

ف۱ اور اس لئے کہ آدم میں جس قدر شرف اور علو اور غلبہ قدرت ملکیہ دیا گیا تھا وہ اُس کی اولاد میں جس قدر انفصال ہوتا گیا کم ہوتا گیا کیونکہ جس قدر مبدء سے بُعد ہوتا جاتا ہے قوت کم ہوتی جاتی ہے۔ منہ ف۲ اس زبور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ الفاظ ہیں۔ اے پہلوان تو جاہ و جلال سے اپنی تلوار حمائل کرکے اپنی ران پر لٹکا امانت اور حلم اور عدالت پر اپنی بزرگواری اور اقبال مندی پر سوار ہو تا کہ تیرا داہنا ہاتھ تجھے ہیبت ناک کام دکھلائے۔ منہ ف۳ روم کے لفظ پر بعض ایام پادری بڑے گھبراتے ہیں کہ یہ ملک خلفاء نے بعد میں فتح کیا تھا نہ کہ صحابہؓ نے۔ اول روم سے مراد ایشیائے کوچک ہے سو وہ بعض صحابہؓ نے فتح کرلی تھی۔ اور روم خود صحابہؓ کا طرف روم میں قبضہ کرنا واقدیؒ وغیرہ نے لکھا ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں تو قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا گیا ہے۔ منہ

نہیں کیا اور لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فرما دیا فَذَکِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ لَّسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ سنا دیا اور یہ جہاد بھی حضرت موسیٰؑ اور انبیاء بنی اسرائیل میں جاری تھا۔ چنانچہ کتاب یشوع وغیرہ میں بھی حضرت موسیٰؑ اور یشوعؑ وغیرہ انبیاءؑ کا جہاد مذکور ہے اور بزور احکام پر چلنے کی بھی توراۃ میں صراحت ہے چنانچہ سفر خروج ۲۲ باب میں یہ حکم ہے۔ تو جادو گرنی کو جینے مت دے جو کوئی چارپائے سے مباشرت کرے مار ڈالا جائے۔ جو کوئی فقط خداوند کے سوائے کسی معبود کے لئے قربانی کرے وہ عذاب سے مار ڈالا جائے۔ ۲۱ باب میں ہے اور وہ جو اپنے باپ یا ماں پر لعنت کرے البتہ مار ڈالا جاتے۔ پھر سفر احبار کے ۲۰ باب میں زانی کے قتل کا حکم ہے۔ اور لونڈے باز اور چارپائے سے جماع کرنے والے کو قتل کا حکم دیا ہے۔ اب بعض ناانصاف پادریوں نے جو شریعتِ موسوی کے دشمن ہیں آنحضرت علیہ السلام کے جہاد پر طعن کیا ہے اُن کو لازم ہے کہ پہلے توراۃ اور حضرت موسیٰؑ پر طعن کریں ورنہ وہ کیا بات تھی ہے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافِ عقل و نقل جاری فرمائی **قسم دوم** وہ احکام جو بندوں کے ساتھ متعلق ہیں پھر اُن کی تین قسم ہیں کیونکہ اگر خاص ایک ہی شخص کے حالات اور معاملات کی درستی سے متعلق ہیں تو ان کو **تہذیب الاخلاق** کہتے ہیں جیسا کہ چوری نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، تکبر نہ کرنا، حسد و بغض و کینہ و حرص نہ کرنا، خوش خوئی سے پیش آنا لوگوں کے ظلم کی برداشت کرنا، توکل اور قناعت سے دنیا میں رہنا، عدل و انصاف کو اپنا شیوہ بنانا وغیرہ ذالک۔ ان امور کو بھی قرآن نے کس کس خوبی سے بیان کیا ہے کہ طاقتِ بشریہ سے باہر ہے پھر ان سب باتوں کو ایک آیت میں جمع کر دیا کہ جس کا نظیر ممتنع ہے تعالیٰ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا۔

اور اگر ایک گھر کی معاشرت اور انتظام سے علاقہ رکھتے ہیں تو ان کو **تدبیر المنزل** کہتے ہیں کہ باپ بیٹے سے کس طرح سے پیش آئے اور جورو خصم باہم مل کر کس طرح سے گزران کریں اور نکاح و بیع و شراء و قرض و امانت میں کس طرح سے برتاؤ کریں؟ ان امور کو بھی قرآن نے بہت سی سورتوں میں مختلف عنوان سے بیان کیا ہے۔ والدین کی نسبت فرمایا وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا۔ اور فرمایا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا وغیرہ من الآیات۔ اور اگر شہر اور ملک کے متعلق ہیں تو ان کو **سیاستِ ملک** کہتے ہیں یعنی چور اور قزاق اور امنِ عام میں خلل انداز کے ساتھ کیا کرنا چاہیے زانی اور غاصب کے ساتھ یوں کرنا چاہیے، اپنے سردار اور بادشاہ کی اس طرح سے اطاعت کرنی چاہیے۔ اس امر میں بھی قرآن میں بہت کچھ مذکور ہے۔ فرماتا ہے وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ۔ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ پس حکمتِ عملی و حکمتِ نظری بتمام و کمال قرآن میں مذکور ہے۔ طہارتِ ظاہریہ و باطنیہ حدود و قصاص میراث و طلاق کی بابت کوئی بات قرآن نے نہیں چھوڑی اور

لہ نیاز نامہ کے صفحہ ۱۶ میں پادری صفدر علی کہتے ہیں کہ موسیٰؑ اور یوشعؑ کے قتال کو اپنے جہاد پر قیاس نہ کریں کیونکہ کتبِ مقدس میں کسی جگہ موسیٰؑ و یوشعؑ کو یہ نہ فرمایا کہ تم کفار سے دعوتِ ایمان کرو اگر نہ مانیں تو قتل کرو الخ۔ یہ عذر بدتر از گناہ ہے اگر موسیٰؑ اور یوشعؑ کا کنعانیوں وغیرہم کو قتل کرنا خدائی حکم سے نہ تھا اور اس کے سبب نہ تھا تو معاذ اللہ حضرت کی عدالت اور دستی کی بابت کیا تھی ایک ظلم تھا جو ظالم جبر سے کافر خدا کو بے رحمی کے ساتھ قتل کیا۔ حقانی

اسی طرح جو چیزیں ناپاک اور نجس طبعی تھیں اُن کی حرمت اور پاک اور ستھری چیزوں کی حلت بیان کردی پادریوں نے پولوس کے بہکانے سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی تمام شریعت کو چھوڑ دیا اور بات یہ بنائی کہ تمام انبیاء سابقین ناقص اور اُن کی شریعتیں غیر کامل تھیں مسیحؑ نے آکر سب کی تکمیل کردی قربانی کی جگہ خود کفارہ ہوگئے اسی طرح جانوروں کی حلت و حُرمت بھی ایک بے فائدہ چیز تھی۔ پھر فنڈر صاحب اور صفدر علی وغیرہما نے ایک اور حیلہ کیا کہ شریعت کی دو قسم ہیں ایک اخلاقی دوسری رسمی پس مسیحؑ نے رسمی کو چھڑایا یعنے کامل کیا ہے نہ اخلاقی کو۔ اور قرآن میں سراسر شریعت رسمی ہی بھری پڑی ہے اور قرآن میں یہ نقص ہے کہ وہ شریعت اخلاقی کو جو ابدی ہے منسوخ بتلاتا ہے الخ چنانچہ پادری صفدر علی نیاز نامہ کے صفحہ ۲۰ سے لے کر ۳۰ تک اس امر میں بڑی قابلیت جتلا رہے اور قرآن مجید پر مُنہ آرہے ہیں لیکن پادریوں کا اس بارہ میں ایسا ناطقہ بند ہے کہ اگر مگر بہت ہی کچھ کرتے ہیں مگر کوئی بات نہیں بن آتی کیونکہ یہاں چند امر ہیں (۱) تو بقول حضرت مسیحؑ آسمان و زمین ٹل جائیں گے مگر یہ باتیں نہ ٹلیں گی (مرقس باب ۱۳) پھر انجیل متی میں پانچویں باب کی ۱۷ آیت ہے۔ یہ خیال مت کرو کہ میں توراۃ یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین نہ ٹل جائیں ایک نقطہ یا شوشہ توراۃ کا ہرگز نہ مٹے گا۔ اخلاقی اور رسمی کی اس میں کوئی تمیز نہیں پس جب رسمی کو بھی نہ مانا تو شوشہ کیا بلکہ ورق کے ورق اور باب کے باب ٹل گئے (۲) نیاز نامہ کے صفحہ ۲۱ میں اوّل یہ اقرار کرنا کہ وہ قدوس سبحان اپنی اس ذاتی پاکی و نیکی خوبی کے اقتضاء سے اپنی تمیز دار مخلوق کو اُن اعمال و افعال کے کرنے کا حکم دیتا ہے کہ جو بذاتہ نیک ہیں اور ان سے منع کرتا ہے جو بذاتہ بد ہیں الخ پھر رسمی شریعت بنانے کے لئے یہ کہنا ص۲۲ اب باقی رہے وہ افعال جواز خود نہ بُرے ہیں نہ بھلے اجتماع النقیضین ہے کہ جس کا کوئی عاقل قائل نہیں اُس کے بعد یہ نتیجہ نکالنا۔ قولہ ص۲۵ لہٰذا جو کچھ خدا تعالیٰ نے بنایا ہے اور پیدا کیا ہے وہ بذاتہ ناپاک نہیں ہوسکتا ہے۔ ہرچہ از غیب است بے عیب است، عیسائیوں کے لئے گوہ اور موت اور تمام نجاسات کو پاک قرار دینا ہے۔ دوم توراۃ سفر احبار ۱۱ باب کے مخالف ہے کیونکہ اس میں بہت سی چیزوں کو ناپاک لکھا ہے اور یہ بھی سہی کہ یہ چیزیں از خود ناپاک نہیں حکم الٰہی سے ہیں مگر باوجودیکہ ان کی ناپاکی حکم الٰہی سے بیان ہوچکی پھر ان کو شریعت رسمی کہہ کے پاک کرنا توراۃ کو منسوخ کرنا اور آسمانی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلانا ہے (متی ۵ باب) (۳) رسمی کے علاوہ اخلاقی شریعت کو بھی تو منسوخ کر ڈالا اور اُس کے ابدی ہونے کا کچھ خیال نہ کیا کیونکہ حسب بیان مصنف نیاز نامہ ص۲۵ رسمی شریعت کو ماکولات اور مشروبات میں منحصر کیا ہے اور موسیٰؑ کے احکام عشرہ کو خود اخلاقی شریعت قرار دیا ہے حالانکہ اُن میں سے کسی کی پابندی بھی نصاریٰ کے نزدیک فرض نہیں پھر اب وہ کونسی بات شریعت کی باقی رہ گئی ہے کہ جس کو اخلاقی اور باطنی کہہ کے پادری صاحب پابند شرع کہلاویں گے؟ کیونکہ اناجیلِ مروجہ میں تو پولوس نے صاف یہ کہہ دیا کہ پُرانا حکم اس لئے کہ کمزور اور بے فائدہ تھا اُٹھ گیا (عبرانیوں کا ۷ باب ۱۸ آیت) اور اس پر طرّہ یہ کہ بلالحاظ اخلاقی و رسمی شریعت پر عمل کرنے سے منع کر دیا اور جوش میں آکر بڑا لفظ بھی بول دیا پھر اب کس مُنہ سے صفدر علی قرآن پر معترض ہے کہ اُس نے نسخ احکام کا دعویٰ کیوں کیا؟

مگر شاید پادری صاحب نسخ کی جگہ لفظ تکمیل بول کر خلاصی چاہتے ہیں سو یہ ناممکن ہے لفظ بدلنے سے کام نہیں چلتا۔
(۴) قرآن کے جملہ احکام کو رسمی شریعت کہنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ پادری صاحب کو علم نہیں کاش ہماری کتاب ہی دیکھ لیتے یا محض تجاہل عارفانہ اور تعصب جاہلانہ ہے ورنہ جس قدر احکام کہ ہم نے گنوائے حسب قرارداد صفدر علی سب اخلاقی ہیں لے عیسائیو ! تعصب دُور کرو اور راہ حق پر آجاؤ ابدی جہنم سے بچو۔ **واضح ہو کہ** ان احکام کے جاری کرنے میں خدا تعالیٰ نے فطرت کا لحاظ رکھا ہے پس جو جو باتیں لوگوں میں فطرت اور طریقہ نبوت کے موافق تھیں اُن کو قائم رکھا بلکہ اُن کی فضیلت بیان کر دی اور جہاں کہیں کچھ کمی زیادتی تھی اُس کو متغیر کر کے اصلی حالت پر کر دیا اور جو احکام بالکل خلاف فطرت تھے اُن کو مٹا دیا۔ اور آپ بیشتر یہ تو جان چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام محض اس لئے دنیا میں بھیجے جایا کرتے ہیں کہ وہ اُن امور خلاف فطرت کو کہ جو لوگوں میں رواج پاگئے ہوں مٹا دیں اور فطرت خوابیدہ کو جگا دیں اور چونکہ فطرت سب انسانوں کی ایک ہے اس لئے تمام انبیاء کے اصول شریعت بھی ایک ہیں کما مرّ۔ ہاں بلحاظ ازمان و اشخاص بعض امور جزئیہ کو انبیاء علیہم السلام ضرور بدلتے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ عرب کی اصلاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرے اور پھر تمام عالم کی اصلاح عرب سے کرے پس اس لئے ضرور ہوا کہ آپ کی بعض شریعت کا مادہ رسوم و عادات عرب پر مشتمل ہو جس قدر غور سے آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور عادات عرب کو دیکھیں گے تو ہر ہر حکم کے لئے ایک علت اور مصلحت ضرور پاویں گے کہ جس پر حکم کا مدار ہے۔ یہ بحث اصول فقہ میں خوب کی گئی ہے۔ لیکن ان علل پر احکام کا مبنی کرنا کہ جس کو قیاس کہتے ہیں مجتہد کا حصہ ہے۔ اور ان احکام کے بیان کرنے میں بھی وہی دستور عرب مدنظر رکھا کہ مختلف سورتوں میں اجمال و تفصیل سے احکام کو بیان کیا۔ چنانچہ صوم کو سورۂ بقرہ میں اور حج کو بقرہ اور حج میں اور جہاد کو سورۂ بقرہ اور انفال اور دیگر مواضع میں اور حدود کو مائدہ اور نور میں۔ اور میراث اور نکاح اور طلاق کو سورۂ بقرہ اور نساء میں اور طلاق وغیرہ میں ذکر کیا اور متون کے مؤلفین کی طرز کو اختیار نہ کیا کہ باب یا فصل مقرر کر کے علی الترتیب احکام بیان کرتا اور احکام میں حدود جامعہ و مانعہ ذکر کرتا بلکہ ان باتوں کو اہل زبان کے عرف پر چھوڑ دیا۔ مثلاً یہ کہہ دیا کہ چور کے ہاتھ کاٹے جاویں اور زانی پر دُرّے مارے جاویں اور مسافر نماز میں قصر کرے لیکن چور کی تعریف جامع مانع اور زنا کی تعریف اور سفر کی تعریف نہ بیان کی بلکہ ان میں

---

لہ پادریوں کا یہ اعتراض (کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریعت کو یہود کے احکام تورات سے لے کر اور مجوس کے احکام سے اور قدیم عرب کے اطوار و عادات سے لے کر مرتب کیا ہے جو باتیں سمجھ میں آئیں اور عقل نے قبول کیں اُن کو لیا اور باقی کو چھوڑ دیا جیسا کہ میزان الحق وغیرہ کتب میں مذکور ہے) پادریوں کی جہالت پر دلیل قوی ہے کیونکہ یہی تو وجہ آپ کے من اللہ ہونے کی ہے کہ جو امور موافق فطرت سلیمہ کے ہیں خواہ ان کا کوئی پابند ہو اور کسی کتاب میں ہوں ان کو آپ نے قائم رکھا۔ اور جب یہود اور مجوس اور عرب کا ایک ہی خدا ہے اور ایک ہی فطرت ہے تو پھر کلیہ بات میں اُن کی مخالفت کرنا تھا۔ معترض کے ہاتھ سے رستگاری مشکل ہے جب فطری باتوں میں آپ توراۃ وغیرہا کے موافق رہے تو یوں کہا اور اگر مخالف ہوتے تو یہ کہہ دیتے کہ عجب نبی ہے دنیا سے نرالی وہ باتیں اپنی شریعت میں رکھی ہیں کہ جن کو کسی کی عقل سلیم بھی نہیں قبول کرتی۔ منہ

وہی معنے مراد رکھے کہ جن کو اس وقت کے عرب العربا سمجھتے تھے گو بعد میں فقہا نے تتبع کر کے ان امور کے حدود و بیان کر دیتے ہیں۔ علاوہ ان علومِ خمسہ کے اور بھی بیشمار علوم قرآن میں ہیں کہ جن کی طرف اجمالاً اشارہ کیا گیا ہے۔ واضح

**فصاحتِ قرآن** ہو کہ قرآن مجید عرب کی نہایت فصیح و بلیغ زبان میں نازل ہوا ہے کہ جس کا مثل بنانا طاقتِ بشریہ سے باہر ہے اس وقت کے تمام عرب العرباء اس کی بلاغت و فصاحت کے آگے عاجز آگئے تھے مقابلہ بحروف سے مقابلہ بسیوف ان کے نزدیک آسان تھا حالانکہ وہ لوگ اسباب فصاحت و بلاغت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی طرح کم نہ تھے کیونکہ جہاں کے آپ رہنے والے تھے وہیں کے وہ بھی پھر ایک نہیں بلکہ مجتمع ہو کر بھی اُس کا مثل نہ بنا سکے اور ایک سُورۃ کا دسواں حصہ بھی نہ لاسکے۔ باوجودیکہ اُن کو عار دلا کر کہا جاتا تھا کہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے، اور کیونکر اتفاق نہ ہو حالانکہ اعجاز

**دلیلِ اوّل** قرآن بدلائلِ واثقہ و براہینِ قاطعہ ثابت ہے۔ منجملہ دلائل کے اوّل دلیل یہ ہے کہ قرآن میں حکمتِ عملیہ و حکمتِ نظریہ کو بتمامہا اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ جس کو ایک بڑے سے بڑا حکیم یا فلاسفر اور ایک بجز انے والا جنگلی کہ جس کو علومِ حکمیہ سے ذرا بھی مس نہ ہو برابر سمجھتے ہیں اول تو اتنے علوم کا ایک کتاب میں جمع کرنا کہ جس کا مثل آج تک کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ دوم ایسے شخص کا جمع کرنا کہ جو ایسے وحشی ملک کا رہنے والا ہو کہ جہاں سوائے کُشت و خُون اور چوری و زنا و بُت پرستی کے نہ کسی علم کا گزر ہو نہ کسی ہنر کا اور نہ اُس نے کسی کی تعلیم پائی ہو اور نہ اچھی طرح ماں باپ کی تربیت نصیب ہوئی ہو باوجود اس کے وہ شخص نہ علوم و فنون و شعر و شاعری کا مشتاق ہو نہ کبھی کسی نے اُن میں مصروف دیکھا ہو بلکہ ہمہ وقت عبادتِ الٰہی میں مستغرق رہتا ہو اور علاوہ اس کے صدہا نہیں بلکہ ہزارہا دنیاوی مصائب اور دل خراش باتیں اُس کو ہر دم پیش آتی ہوں۔ سوم پھر اس خوبی اور اس اسلوب سے جمع کرنا کہ جس کو تمام نفوس نہایت عمدہ طور پر قبول کرتے ہوں یہ مضامین درد انگیز اور شیریں عبارت پر ہر وحشی بھی دیوانہ اور شمع کا پروانہ ہو البتہ مُردہ کو زندہ کرنے سے بڑھ کر ہے بلکہ ہزار درجہ بڑھ کر کیونکہ مُردہ کو زندہ کرنے میں تو ڈھڈ بندی اور شعبدہ بازی یا کسی فریب یا اثر دوار یا سکتہ وغیرہ امراض کا بھی احتمال ہو سکتا ہے اور یہاں تو ان احتمالات کو دخل بھی نہیں پس معجزہ ہونا بخوبی ثابت ہوا کیونکہ معجزہ اُس امر خارق عادت کو کہتے ہیں کہ جو مدعیٔ نبوت سے ظاہر ہو اور جس کا مثل مقابل نہ لاسکے سو یہ سب باتیں قرآن پر بدرجۂ اتم صادق آتی ہیں کما لایخفیٰ۔

**دلیلِ دوم** دوسری دلیل قرآن باعتبار خوبیٔ مضامین و عبارت کے یا تو انسانوں کے کلام سے اس قدر زائد ہے کہ عادتاً اس قدر زائد ایک کلام دوسرے سے نہیں ہوتا یا مساوی یا زائد بقدر معتاد یا کم چوتھی شق تو بدیہی البطلان ہے دوسری اور تیسری شق میں بھی مدعا ثابت ہے کیونکہ جب قرآن لوگوں کے کلام کے مساوی یا زائد بقدر معتاد تھا اور پھر ایک ایک کیا بلکہ سب مل کر بھی باوجود توافرِ دواعی اور کثرتِ تحدی کے قرآن کی ایک سورۃ کی مانند بھی نہ بن سکے تو یہ خارق عادت ہے اور جو امر خارقِ عادت مدعیٔ نبوت سے ظاہر ہو وہ معجزہ ہے سو یہ بھی معجزہ ہے اور شق اوّل پر تو مدعا بالکل ظاہر ہے کیونکہ جب ایک شخص کا کلام تمام لوگوں سے خلاف عادت زائد ہو تو ہذا بعینہٖ میں داخل ہے۔

**دلیلِ سوم** تیسری دلیل قرآن کا مثل بنانا لوگوں سے بوقتِ معارضہ ممکن تھا یا نہیں اگر ممکن نہ تھا تو مدعا ثابت ہے کیونکہ انسانوں میں سے ایک کا کلام اس قدر بلیغ ہونا کہ اس کا مثل لوگوں سے ممکن نہ ہو خارقِ عادت ہے

اور جو خارق عادت مدعی نبوت سے سرزد ہو معجزہ ہے پس قرآن معجزہ ہے اور اگر ممکن تھا پس باوجود امکان اور عار
دلانے کے اس کا نظیر وقوع میں نہ آنا اول سے ہی خارق عادت ہے پس قرآن معجزہ ہے وذلک ما اردناہ۔
علاوہ ان دلائل کے اور بھی دلائل اعجاز قرآن پر ہیں مگر یہاں سب کی گنجائش نہ تھی اس لئے انھیں پر بس کیا۔
ف معجزہ اُس امر خارق عادت کو کہتے ہیں کہ جو مدعیٔ نبوت سے سرزد ہو اور خارق عادت وہ فعل ہے کہ جو اسباب
پر مبنی نہ ہو اور عادتاً وقوع میں نہ آتا ہو خواہ یہ فعل ہوا پر اُڑنا ہو خواہ سیر آدھ سیر پانی سے لشکر کو سیراب کر دینا
خواہ درختوں سے کلام کرنا اور اُن کو بُلانا خواہ مُردے کو زندہ کرنا خواہ کوئی کلام ہو۔ اور اگرچہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے بے شمار **معجزات** ہیں کہ جن کو اُن ثقات نے روایت کیا ہے کہ جو تورات و اناجیل کی رواۃ سے ہزار
درجہ قوی ہیں اور خود قرآن میں بھی مذکور ہیں پس بعض ناسمجھوں کا یہ کہنا کہ ہم حدیث کو نہیں مانتے قرآن
میں کُل معجزات کیوں مذکور نہیں اور جس طرح ہم عیسائی اناجیل میں معجزاتِ مسیحؑ دکھاتے ہیں تم قرآن میں
دکھاؤ، محض دھوکا ہے کیونکہ اول تو قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقائع عمری کی کوئی تاریخ
نہیں کہ اس میں بعض احوال آنحضرتؐ معجزات کا مذکور ہونا بھی ضروری ہوتا دوم بااین ہمہ بطریق امتنان پھر
بھی قرآن میں معجزات مذکور ہیں کما سیظہر لک۔ اور یہ توراۃ و اناجیلِ اربعہ اصل انجیل و توراۃ منزل علی موسیٰ
و عیسیٰؑ نہیں بلکہ حسب اقرارِ علماءِ اہلِ کتاب تاریخ اور روزنامچہ ہیں کہ جن میں بہت عرصہ بعد انبیاءؑ اور حضرت
مسیحؑ کے احوال کو ابتدا سے انتہا تک معتبر اور غیر معتبر رواۃ سے بلا سندِ متصل مجہول لوگوں نے نقل کیا
ہے بخلاف احادیثِ صحیحہ کے کہ ان کو نہایت احتیاط اور سندِ متصل سے جمع کیا ہے پھر ان احادیث کو غیر معتبر
اور ان کُتبِ تاریخ کو معتبر کہنا اگر اس لئے ہے کہ ان کُتب کو مجازاً توراۃ و انجیل کہتے ہیں کُتبِ احادیث کو
ف ترجیح اعجاز قرآن
قرآن نہیں کہتے تو یہ بچوں کی سی باتیں ہیں۔ **لیکن** قرآنِ مجید کا معجزہ جمیع معجزات سے افضل ہے (۱) اس لئے
کہ اور معجزات ایک طرفۃ العین میں واقع ہو کر پھر محض حکایات ہی حکایات رہ جاتے ہیں پس اُن سے جو تصدیق
کامل حاصل ہوگی تو خاص ان کو کہ جنھوں نے ان کا مشاہدہ کیا ہے اور باقی سُننے والے کی نسبت تو بحکم ع
شنیدہ کے بود مانند دیدہ؛ ویسا اثر نہیں بخشتا بلکہ بسا اوقات رواۃ پر لحاظ کر کے دل میں کچھ اور ہی خیال آجاتا
ہے بخلاف قرآنِ مجید کے کہ یہ معجزہ وقتِ نزول سے قیامت تک باقی ہے جو ذوقِ سلیم بھی نہیں رکھتا اور عبارتِ
عربیہ کے لطف سے بھی واقف نہیں وہ بھی مضامین کی خوبی پر عش عش کر جاتا ہے اور جو ایسا ہی کوئی کورمغز اور
بھدّی سمجھ کا ہو تو اُس کا کیا ذکر ہے (۲) اور معجزات سے محض تصدیق نبی کا فائدہ ہوتا ہے بخلاف قرآن کے
کہ اس میں دونوں بات ہیں تصدیقِ نبوت اور قانونِ ہدایت (۳) ہر نبی کو اکثر وہ معجزات عطا ہوتے ہیں کہ
جن کا اُس زمانہ میں چرچا ہوتا تھا چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے عہد میں سحر کا زور تھا ان کو یدِ بیضا اور عصا بلاکہ
جس سے تمام جادوگروں کا ناطقہ بند ہو گیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں جالینوس کی طب کا بڑا چرچا تھا
اُن کو مُردہ زندہ کرنے اور بیمار کو تندرست کرنے کا معجزہ ملا کہ جس سے اطباء عاجز آگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے عہد میں عرب کے لوگ فصاحت و بلاغت اور شعر گوئی میں عجیب یدِ طُولیٰ رکھتے تھے اچھے فقروں پر عرب کو
وجد آتا تھا[1] پس اس لئے آپؐ کو وہ کتاب ملی کہ جس سے تمام عرب حیرت میں آگئے اور سحرِ مبین کہنے لگے پس جس طرح

[1] حاشیہ صفحہ[illegible] پر ملاحظہ فرمائیں۔

بلاغت کو عموماً عرب جانتے تھے اسی طرح اعجاز قرآن بھی عموماً متحقق ہوا بخلاف مریض کو اچھا کرنے اور مُردوں کو جلانے کے کیونکہ تحقیقاً اس پر طبیب وغیرہ حذاق ایمان لا سکتے ہیں ورنہ عموماً جہلاء کے پاس کوئی دلیل فارق معجزہ اور نظر بندی میں بجز اپنے اعتقاد کے اور کچھ نہیں فتأمل جدًا۔ تمام امت کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ قرآن معجزہ ہے لیکن وجہ اعجاز ہر ایک محقق کے نزدیک جُداگانہ ہے گو جمہور بلاغت قرار دیتے ہیں کوئی مضامین کی خوبی کوئی پند ونصایح کا اثر حد سے افزوں کوئی اخبار عن المغیبات کوئی تزکیہ روح کوئی حالت غضب ورحم وسخاوت وکفایت شعاری وغیرہ صفات متضادہ میں استقامت کہتا ہے مگر یہ نزاع لفظی ہے کیونکہ جو ایک چیز کا مقر ہے دوسرا اس کا انکار بھی نہیں کرتا اور جو ایک آدھ کم عقل نے کیا بھی تو وہ کس شمار اور کس قطار میں ہے؛ جیساکہ نظام معتزلی وہ کہتا ہے اگر نفس عبارت قرآن پر لحاظ کیا جاوے تو ویسی عبارت ممکن ہے مگر جب معانی اور نفیس مطالب بھی اُس کے ساتھ لحاظ کئے جاویں تب ممکن نہیں ہے کیا سید احمد خاں صاحب کے انکار ملائکہ ومعجزات سے اس امر پر اجماع امت میں کچھ فرق آسکتا ہے! پس حق یہ ہے کہ قرآن کا اعجاز بجمیع وجوہ مذکورہ ہے یہ اور بات ہے کہ کوئی کسی وجہ کو کوئی کسی اور کو ترجیح دیتا ہے ع وللناس فیما یعشقون مذاہب ۔ اب میں قبل اس کے کہ کسی قدر بلاغت قرآن بیان کروں اُس کے مضامین کی نسبت عرض کرتا ہوں۔ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں کہ جس میں ان عمدہ خوبیوں میں سے کوئی نہ ہو (۱) صفات الٰہیہ مثلاً اُس کا رحیم وکریم وازلی وابدی وغفور وقادر وعلیم وحکیم وعادل وقدوس ومحی وممیت ومعز ومذل ہونا (۲) خدا تعالیٰ کا جمیع نقائص اور عیوب سے پاک ہونا جیساکہ حدوث وعجز وجہل وظلم وغیرہ (۳) توحید خالص کی طرف بُلانا اور شرک اور اُس کی شاخ تثلیث کو مٹانا (۴) انبیاء علیہم السلام کا اس طرح ذکر کرنا کہ جو لوگوں کو نیک چلنی کی طرف داعی ہو نہ یہ کہ ان کی بُرائیاں بیان ہوں کہ جس سے گمراہی پر لوگوں کو جرأت ہو[له] (۵) ملائکہ کا مخلوق الٰہی ہونا اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اور عبادت کرنا (۶) اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں کی مدح (۷) منکروں کی بُرائی (۸) اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور انبیاء پر اور روز حساب پر ایمان لانے کی تاکید (۹) یہ وعدہ کہ انجام کار ایمان والے بے ایمانوں پر غالب رہیں گے (۱۰) قیامت اور جزاء اعمال کا بیان (۱۱) جنت ودوزخ کا ذکر (۱۲) دنیا کی بُرائی اور

(حاشیہ صفحہ ۱۴۱) مروی ہے کہ جب لبید بن مغیرہ نے یہ آیت سُنی ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان الآیہ تو کہا واللہ ان لہ لحلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ۔ مروی ہے کہ ایام حج میں کفار قریش نے ایک مجلس اس لئے منعقد کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جادوگر یا شاعر ایک بات مقرر کی جاوے جب عرب کے قافلے حج کے لئے آویں تو راستوں پر لوگ بیٹھ جاویں اور یہ کہیں محمدؐ کی بات نہ سُننا۔ پس بعض نے کہا اس کو جادوگر کہو۔ اس بات کو انجمن نے رد کر دیا اور کہا کوئی بات سحر کی اس میں نہیں۔ بعض نے کہا شاعر کہو شعرا انجمن بول اُٹھے کہ اُس کا کلام شعر بھی نہیں شعر میں یہ خوبی کہاں! پس کسی نے کاہن کہا اس فن کے لوگ بول اُٹھے کہ نہ وہ جھاڑ پھونک کرتا ہے نہ تعویذ گنڈا۔ الغرض اس کلام کی خوبی سے سب حیران تھے۔ مروی ہے کہ کسی شاعر نے خانہ کعبہ پر کچھ قصائد لکھوا کر لٹکا دیئے تھے پس سورہ کوثر نازل ہوئی تو سُنکر حیران ہو گئے اور اُن کو اتار کر پھینکا۔ ایک عرب نے یہ آیت سُنی فاصدع بما تؤمر سُنکر سجدہ میں گر پڑا اور کہا میں اس کی فصاحت پر سجدہ کرتا ہوں۔ منہ

له بخلاف عہد عتیق کے کہ اس میں انبیاء کا زنا کرنا وغیرہ باتیں مذکور ہیں۔ منہ

اُس کی بے ثباتی (۱۳) عقبیٰ اور اُس کے ثبات کی مدح (۱۴) اشیاء کی حلّت و حُرمت (۱۵) احکام تدبیر المنزل کا بیان (۱۶) احکام سیاستِ مدن کا بیان (۱۷) تہذیب الاخلاق کی تعلیم اور مکارم اخلاق کی خوبی (۱۸) محبّتِ الٰہی اور اس کے پاک لوگوں کے ساتھ محبت کرنے کی ترغیب (۱۹) اُن امور کا بیان کہ جو خدا تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ اور اُس کی خوشنودی کا باعث ہیں (۲۰) فُجّار اور فسّاق کی صحبت سے حذر (۲۱) عباداتِ بدنیہ اور مالیہ میں خلوصِ نیت کی تاکید (۲۲) ریاکاری اور دکھلاوے کی عبادت کی مذمّت (۲۳) اخلاقِ ذمیمہ پر تہدید (۲۴) بُری باتوں کے ترک کرنے کی تاکید جیسا کہ غضب اور تکبّر اور بُخل اور جُبن اور ظلم وغیرہ (۲۵) احکامِ شرعیہ کا بیان (۲۶) ذکرِ الٰہی کی طرف ترغیب (۲۷) زمین و آسمان میں اپنے آثارِ قدرت و جبرُوت کا بیان (۲۸) عالمِ کبیر و عالمِ صغیر میں غور اور تامل کرنے کا حکم (۲۹) اگلے لوگوں کے سچے سچے واقعات کہ جن کے سُننے سے انسان کے دل پر خدا تعالیٰ کے غضب سے ڈر اور رحمت کی امید پیدا ہو (۳۰) یہ بات کہ اس عالم کی جس قدر مخلوقات ہے سب کا وجود ظلّی اُسی کی طرف سے آیا ہے اور پھر اسی کی طرف لوٹ جائے گا علاوہ ان کے اور بھی بہت سے عمدہ عمدہ مضامین قرآن میں ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں اور اسی لئے قرآن کو دریائے بے کنار کہا گیا ہے۔ اور اس کے لئے ظہر اور بطن آیا ہے۔ اب منصف غور کرے کہ اس قدر مضامین کو کہ جن کی خوبی اور ضروری ہونے میں کسی اہلِ عقل کو کلام نہیں قرآن نے کس بلاغت و فصاحت سے ادا کیا۔ (۱) تو وہ مفردات الفاظ اپنے کلام میں لایا کہ جو غرابت اور تنافر حروف اور مخالفت قیاس سے بری ہیں اور پھر

---

لہ اب میں پادری عماد الدین وغیرہ متعصب لوگوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ سے ڈر کر کہو کہ اس تعلیم محمدی میں کونسی بات قابلِ اعتراض ہے پھر آپ صاحبوں نے بندگانِ خدا کو گمراہ کرنے کے لئے ہدایت المسلمین اور تعلیم محمدی و میزان الحق وغیرہ کتابوں میں جزو کے جزو کیوں سیاہ کئے ہیں اور لوگوں کو دھوکے کیوں دیتے ہیں؟ کیا ان چیڑی چکنی باتوں سے تعلیمِ محمدیؐ میں کچھ دھبہ لگ سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں ہاں اگر آپ کو اس وقت کے مسلمانوں کے خلاف سنّت رسم و رواج پر اعتراض ہے تو بجا ہے مگر اس سے آپ صاحب بھی بری نہیں۔ اور اسی طرح یہ "عدم ضرورت" کتاب کے مؤلف سے عرض کرتا ہوں کہ پادری صاحب آپ کو قرآن اور بائیبل کا موازنہ کرنا تھا تو ایک کالم میں ان مضامینِ قرآن کو لاتا تھا اور دوسرے میں ان کے مقابل بائیبل سے مضامین لکھتے تب آپ کو ضرورتِ قرآن معلوم ہوتی آپ نے توراۃ و اناجیل کا مقابلہ کیوں نہ کیا یہود کے نزدیک انجیل کی کیا ضرورت ہے؟ حالانکہ تمام بائیبل میں صرف مسیحؑ کی سوانحعمری کے سوا اگر کوئی اپنی ماں سے زنا کرے تو اس کی سزا کا بھی حکم نہیں پھر تعجب ہے کہ کس بے شرمی سے قرآن کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ منہ۔ حقانی

لہ اگر کوئی کہے کہ موافق بیان تفسیر اتقان کے قرآن مجید میں علاوہ زبان حجاز عرب کے اور غیر زبانوں کے بھی بہت سے الفاظ آئے ہیں پھر غرابت سے کیونکر قرآن بری ہو سکتا ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ غیر زبانوں کے الفاظ مستعمل ہونے کی دو صورت ہیں اوّل یہ کہ وہ الفاظ اس زبان میں مستعمل نہ ہوں دوم یہ کہ مستعمل ہوں اوّل صورت میں تو بلاشک غرابت ہے اور دوسری میں غرابت نہیں بلکہ عین فصاحت ہے مثلاً ہماری اردو زبان میں جو الفاظِ انگریزی مثلاً لیمپ و پریس وغیرہ مستعمل ہیں اگر کوئی دہلی کا فصیح اُن کو اپنے کلام میں لائے گا تو ہرگز اس کی فصاحت میں کچھ فرق نہ آئے گا بلکہ بڑا فصیح گنا جائے گا ہاں اگر غیر مستعمل لفظ بولے گا تو اُس کے کلام میں نقص ہوگا پس قرآن مجید میں جس قدر الفاظ غیر زبانوں کے وارد ہیں وہ ہیں کہ جو عرب کے نزدیک مروج اور مستعمل تھے کیونکہ ان الفاظ پر کبھی کوئی اہلِ زبان نہ چونکا نہ کسی کو اُن کے معانی (باقی صفحہ ۱۴۴ پر)

مجموعۂ کلام کو ضعف تالیف اور تنافر کلمات اور تعقید لفظی و معنی سے بچایا (۲) کلام کو مقتضائے حال کے مطابق کیا یعنی جہاں تقدیم مسند الیہ کا موقع تھا وہاں تقدیم کی جہاں تاخیر کا مقام تھا تاخیر کی جس قدر جہاں مطلوب تھی وہاں اسی قدر تاکید کی جہاں وصل کا موقع تھا وہاں وصل کیا جہاں فصل کا مقام تھا فصل کیا جہاں نکرہ لانے کا موقع تھا نکرہ لایا اور جہاں معرفہ لانے کی جگہ تھی وہاں معرفہ کا استعمال کیا اسنادِ حقیقی کے

(بقیہ حاشیہ ص۱۴۳) دریافت کرنے کی ضرورت پڑی۔ پادری **عماد الدین** نے تھوڑی سی تنخواہِ مشن کیلئے پادریوں میں بڑی قابلیت جتلائی ہے اور ہدایت المسلمین میں چند فصول ردّ قرآن میں لکھی ہیں فصل ثانی جو صفحہ ۳۰۲ سے صفحہ ۳۴۲ تک ہے اس میں کسی قدر بے تکی مختصر المعانی کی عبارت فصاحت و بلاغت میں لکھ کر ترجمہ کیا ہے اور چند لغو باتیں بھی کہی ہیں (۱) صفحہ ۳۱۳ میں لکھا ہے **قولہ** بعضے محمدی علماء نے بھی مثل مرزا مظہر اور نظام کے اس کے اعلیٰ درجہ کی فصاحت کا انکار کیا ہے انتہٰی۔ یہ بالکل جھوٹ اگر سچے ہو تو ثابت کرو (۲) یہ کہ فصاحت و بلاغت کے تو اعداد خود مسلمانوں نے گھڑ لئے ہیں قرآن کو اشعارِ عرب سے مقابلہ کر کے دکھاتے تو ہم جانتے **اقول** یہ لغو گفتگو ہے اگر آپ کو ان اشعار کا علم نہ ہو تو یہ تمہارا ہی قصور ہے خود اتقان میں ہے کہ عبداللہ بن عباس رضؓ نے ان محاورات کے ثبوت میں جاہلیت کے اشعار سند میں پڑھ کر سناتے اور یہ قواعد تو ایسے ہیں کہ جن کو ہر ذی عقل تسلیم کرتا ہے اور ہر زبان میں جاری ہو سکتے ہیں اور اکثر جاہلیت کے اشعار سے مستنبط ہیں خود اہل معانی نے ان اشعار کو لکھا ہے علاوہ اس کے اگر ان قواعد میں قصور ہو تو بیان کرو (۳) جہاں اتقان میں علاوہ حجاز عرب کے اور زبانوں کے الفاظ گنوائے ہیں اور ان زبانوں کی تفصیل لکھی ہے وہاں نہ یہ کہا ہے کہ یہ لفظ غیر مانوسۃ الاستعمال ہیں نہ ان کو وحشی بتلایا ہے یہ فقط آپ کی چالاکی ہے اور نہ یہ کہا ہے کہ اور زبانیں جٹا شاہی اور لغو اور بیہودہ ہیں کیونکہ یہ بات کسی زبان کی نسبت نہیں کہی جاتی۔ اب میں پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے جو صفحہ ۳۴۴ تک تفسیر اتقان سے ۱۸۴ لفظ غیر زبانوں کے نقل کئے ہیں اور پھر سخت زبان درازی کی ہے اور قرآن سے مقامات حریری کو بہتر بتلایا ہے یہ تو فرمائیے کہ ان میں سے کونسا لفظ غریب ہے اور غریب کے معنی جو اہلِ معانی نے لکھے ہیں (وہی کون الکلمۃ وحشیۃ غیر ظاہرۃ المعنی ولا مانوسۃ الاستعمال) ان میں سے کس پر صادق آتے ہیں؟ جب آپ خود اقرار کر چکے ہیں کہ مکہ میں میلہ ہوتا تھا ہر ملک کے لوگ آتے تھے یہ لفظ محمدؐ نے اُن سے سیکھ لئے تھے الخ تو پھر یہ کہاں سے آپ نے ثابت کیا کہ یہ الفاظ خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سیکھے تھے؟ بلکہ آپ کے اقرار کے بموجب تو ان کو عام قریش جانتے کیا بلکہ روزمرہ بولتے تھے پس جب کہ یہ مستعمل تھے تو گو اصل ان کی اور زبانوں سے ہو اُن کے استعمال سے کوئی نقص لازم نہیں آتا کیا آج انگریزوں کے میل جول سے دہلی لکھنؤ کے فصحاء صدہا الفاظِ انگریزی جو کہ مستعمل ہیں نہیں بولتے؟ پھر کیا ان کو گنوار اور جٹا شاہی بولی کہہ سکتے ہیں؟ انصاف فرمائیے۔ اب جب تک آپ ان الفاظ پر غرابتِ مصطلحہ کے معنی صادق نہ کر دیں اعتراض نہ کریں مگر ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کبھی چند سبق مختصر للمعانی کے پڑھے تھے کج طبعی آپ کی جبلی ہے اصل معنی غرابت کے نہ سمجھے غیر زبان کا ہونا غریب ہونا سمجھ بیٹھے اور ایک فصل کی فصل اس بارے میں لکھ دی۔ تاکہ مشن میں تنخواہ کا اضافہ ہو جاتے مگر اہلِ علم میں اپنی قلعی کھلوائی مدارس کے طلباء بھی آپ کی لیاقت پر ہنستے ہیں۔ اب یہ جس طرح آپ کی فصل کا جواب تحقیقی ہو چکا ہے آپ کے ہمصفیر ماسٹر رامچندر وغیرہ نا واقفوں کا جواب بھی ہو چکا۔ آپ کو علم نہ تھا کاش عقل سلیم ہی ہوتی آپ یہ نہ سمجھے کہ اگر یہ الفاظ وحشی اور غیر مانوسۃ الاستعمال ہوتے تو حضرت محمد صلعم کو جن کی عقل سلیم کے تو جمہور عیسائی بھی مقر ہیں باوجود دعویٰ فصاحت کے کیا ہے کو قرآن میں داخل کرتے بھلا کوئی بھی عاقل ایسا کرتا ہے اور اگر یہ تھا تو جب آپ جیسے ہندی نژاد کو یہ نکتہ چینی ممکن ہوئی تو کیا قریش کو نہ ہوتی کوئی کہتا کہ

م آپ کہاں کے الفاظ بول رہے ہیں ذرا دل میں شرماؤ اور عذاب اُخروی سے ڈرو واللہ الہادی۔ منہ

موقع پر اسنادِ حقیقی اور مجازی کے موقع پر مجازی قصر جس درجہ کی مطلوب تھی وہاں اسی درجہ کی قصر انما وغیرہا آدوات قصر سے کی جہاں مفعول ظاہر کرنے کا موقع تھا وہاں مفعول ظاہر کیا اور جہاں ترک کا موقع تھا ترک کر کے فعل کو عام یا لازمی کیسا بنا دیا۔ جہاں ایجاز مطلوب تھا ایجاز اور جہاں اطناب مقصود تھا وہاں اطناب اور مساوات کی جگہ مساوات کی رعایت رکھی۔ اب ہم ایجازِ قصر کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ عرب میں قصاص کے بارے میں یہ قول مشہور تھا القتل انفی للقتل اس کی جگہ قرآن میں یہ نازل ہوا۔ فی القصاص حیٰوۃ اب دیکھئے یہ کلام پہلے کلام سے بچند وجوہ بڑھ کر ہے (۱) تو باوجود مقصود پورا ادا کرنے کے اس کے حرف کم ہیں کیونکہ اس کے گیارہ حرف ہیں اور اُس کے حروف ملفوظہ چودہ ہیں (۲) اس میں مقصود اصلی (قصاص سے لوگوں کی زندگی) کی تصریح ہے اُس میں نہیں (۳) حیٰوۃٌ کی تنوین میں تعظیم پائی جاتی ہے یعنی قصاص سے تمہارے لئے بڑی زندگانی حاصل ہوتی ہے کیونکہ جب قصاص جاری ہوگا تو کوئی کسی کو نہ مارے گا ورنہ ایک شخص کو مثلاً کوئی مارتا اور اُس کے بدلے میں قاتل اور اُس کے مددگار قتل کئے جاتے. اب ایک جماعت قتل سے بچ گئی تو قصاص میں بڑی حیات حاصل ہوئی (۴) یا یہ تنوین نوعیت کا فائدہ دیتی ہے اور وہ یہ کہ قاتل کو قصاص میں مارے جانے سے بسبب باز رہنے کے اور مقتول کو قتل ہونے سے حاصل ہوئی (۵) یہ ہر موقع پر صادق آتا ہے کیونکہ کوئی ایسا قصاص نہیں کہ جس میں حیات نہ ہو بخلاف القتل الخ کے کیونکہ ہر قتل قتل کو نہیں مٹاتا بلکہ جو قتل ناحق ہے وہ تو اور بھی قتل کی ترغیب دیتا ہے (۶) اس میں لفظ مکرر نہیں (۷) اس میں مقدر اور محذوف کرنے کی ضرورت نہیں (۸) صنعت مطابقت حاصل ہے کیونکہ قصاص اور حیٰوۃ میں تقابل ہے اور جمع متقابلین سے صنعتِ مذکورہ حاصل ہوتی ہے (۹) باوجود ان رعایتوں کے کلام میں ظہور اور خفاء مراد کا لحاظ کیا پس کبھی تشبیہ دے کر بیان فرمایا اور تشبیہ میں جہت مشبّہ اور مشبّہ بہ کی پوری رعایت رکھی جہاں زیادہ مبالغہ تشبیہ میں مقصود ہوا وہاں کاف و کانّ وغیرہا ادوات تشبیہ کو بالکل حذف کر دیا اور جہاں استعارہ کا موقع دیکھا وہاں استعارہ تخییلیہ یا مکنیہ یا ترشیحیہ کو جیسا جس کا موقع دیکھا مع قرائن حالیہ و مقالیہ کے ذکر فرمایا۔ اور جہاں کنایہ مناسب جانا وہاں کنایہ سے کام لیا اور اسیطرح تمثیل کے موقع پر تمثیل کو مع رعایت شرائط ذکر کیا۔ (۱۰) ان سب کی رعایت کے بعد پھر کلام میں ان وجوہ کی رعایت رکھی کہ جن سے کلام میں اور بھی حسن و خوبی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ دو قسم ہیں ایک معنویہ دوم لفظیہ وجوہ معنویہ میں سے (مطابقت[1] اور مراعات النظیر[2]) اور (تشابہ الاطراف[3]) اور ارصاد[4] اور مشاکلت[5] اور عکس[6] اور ایہام[7] اور استخدام[8] اور لف ونشر[9] اور جمع[10] اور تفریق[11] اور جمع مع التفریق[12] اور جمع مع التقسیم[13] اور حسن تعلیل[14] وغیرذلک کو ذکر کیا اور محسناتِ لفظیہ میں سے تجنیس[15] اور ردّ العجز علی الصدر[16] اور قلب[17] کو کہ جو حروف کو الٹنے سے پھر وہی جملہ مرکب ہو جاتے جیسا کہ کل فی فلک اور ربک فکبر اور لزوم مالایلزم[18] کو بھی اور وہ یہ ہے کہ حرف روی اور اس کے قائم مقام کے پہلے وہ لایا جاوے کہ جس کا لانا کچھ ضرور نہ تھا لیکن کلام کو رونق ہو جاتی ہے جیسا کہ فاما الیتیم فلا تقہر واما السائل فلا تنہر اور سجع[19] کو ملحوظ رکھا مگر قرآن میں اُس کو فواصل کہتے ہیں اور یہ نثر میں ایسی چیز ہے کہ جیسا نظم میں قافیہ ہوتا ہے (۱۱) ایک ایسی بات کی رعایت

رکھی کہ جس کی رعایت کرنا شعراء کو محال کیا بلکہ محال سے بھی بڑھ کر ہے بلکہ کوئی کیسا ہی بلیغ و فصیح کیوں نہ ہو وہ بھی اس کو نہیں پورا کر سکتا چہ جائیکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جنھوں نے ساری عمر کوئی شعر بھی نہ کہا نہ شعراء کی مجالس میں بیٹھے پس معلوم ہوا کہ یہ آسی قادر مطلق کا کلام ہے اور اس بات کے بیان کرنے سے پہلے ہم ایک مقدمہ بیان کرتے ہیں تاکہ یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاوے۔ **مقدمہ** کل آباد اور شائستہ ملکوں کے رہنے والوں کی ایک جبلی عادت ہے کہ ان کو کلام مسجع اور مقفی[۱] میں خواہ وہ نظم ہو خواہ نثر ایک عجیب لذت اور سرور معلوم ہوتا ہے اور کلام موزوں سے ایک کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ دیکھئے جب ایک کلام (کہ جس کے بعض اجزاء باہم موافق ہوتے ہیں) مخاطب سنتا ہے کس قدر محظوظ ہوتا ہے اور جب دوسری بیت اسی طرح کی اس کے کان میں پڑتی ہے تو اور بھی لذت آتی ہے اور جب تیسری بیت سنتا ہے کہ جو دونوں قافیہ میں شریک ہے اور بھی دل خوش ہوتا ہے (شاید پادریوں کو مزہ نہ معلوم ہوتا ہو) پس اس قدر میں تو عرب و عجم و ہند و انگریز سب شریک ہیں مگر بیت کے توافق اجزاء اور قافیہ میں اختلاف ہے پس عرب نے تو وہ قانون اختیار کیا کہ جس کو خلیل نے وضع کیا ہے کہ مستفعلن کی جگہ مفاعلن و مفتعلن قائم کر کے اور فاعلاتن اور فاعلتن کو ایک ہی قاعدہ پر سمجھتے ہیں اور حشو میں بہت سے زحافات جائز رکھتے ہیں بخلاف شعراء ایران کے کہ ان کے نزدیک زحاف مکروہ ہے اور اسی طرح عرب کے نزدیک اگر ایک بیت میں قافیہ قبور ہے تو دوسری میں منیر درست ہے اور اسی طرح ایک کلمہ کا ایک حرف ایک مصرع میں اور باقی دوسرے مصرع میں جائز رکھتے ہیں وقس علی ہذا۔ اور اہل ہند کے نزدیک اشعار میں حروف کا شمار برابر ہونا چاہیئے باقی حرکت و سکون کی موافقت کچھ ضروری نہیں اسی طرح بعض لوگوں میں دونوں مصرعوں کے حروف میں برابری بھی کوئی شرط نہیں جس نے انگریزی کے اشعار اور ہدؤں کی تعریدات اور ہندوستان میں دیہاتیوں کی نظم اور دھوبی سقوں کے کھنڈ[۱] سنے ہوں گے وہ اس بات سے بخوبی ماہر ہوگا۔ اور کلغی اور طرہ والوں کی مرہٹی اور خیال اسی قسم کے ہیں الغرض ہر ایک قوم اور ہر ایک زمانہ میں ایک قاعدہ خاص ہے کہ جس کی رعایت رکھنے سے اُن لوگوں کو کلام میں لذت حاصل ہوتی ہے جس طرح کہ راگ میں آوازِ موزوں سے ہر ایک قوم لذت پانے پر متفق ہے باقی راگ اور راگنیوں اور سُروں کے قاعدے ہر ایک قوم کے اپنے اپنے مذاق پر الگ الگ ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ کلام کی موزونیت پر تمام متفق ہیں اور اتفاق ایک تخمینی اور انتزاعی امر میں ہے کہ جو سبب بحذف مشخصات حاصل ہوتا ہے جس طرح کہ تمام آدمیوں کی صورتیں مختلف ہیں اور نہایت فرق ہے مگر پھر سب

---

[۱] اس کلام میں باوجود یکہ صاف طور پر اس بات کا ذکر ہے کہ ہر ایک قوم کا شعر اور اُس کے اوزان جداگانہ ہیں یہاں تک کہ دھوبی سقوں کے کھنڈ بھی ایک کلام موزوں ہے کہ جس کو وہ شعر سمجھتے اور اس سے محظوظ ہوتے ہیں اور اس لئے حکماء کے نزدیک ہنوز شعر کی حقیقت کی تعیین نہیں ہوتی۔ اور یہ بات بدیہی ہے نہ اس سے یہ مقصود کہ قرآن میں دھوبی سقوں کے کھنڈ ہیں یہ بات تو یہاں سے کسی طرح بھی سمجھ نہیں جاتی، مگر امام پادری کے فہم سلیم پر آفرین ہے کہ اس نے یہی سمجھ لیا اور جواب سے عاجز ہو کر عام مسلمانوں کو تفسیر شریف سے بداعتقاد کرنے کے لئے غل مچا دیا کہ مفسر قرآن میں دھوبی سقوں کے کھنڈ موجود ہونا بیان کرتا ہے لیکن اس کے بعد جس نے اصل مقام کو دیکھا تو معترض کی جہالت پر سخت تاسف کیا۔ حقانی۔

ایک امرِ خاص میں شریک رہیں کہ جس کو انسانیت کہنا چاہیے۔ پس جب آپ کو یہ معلوم ہو چکا تو اب ہم وہ بات بتلاتے ہیں کہ جس کی خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں رعایت رکھی ہے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کو یہ مقصود تھا کہ اپنے بندوں سے اس طرح کلام کرے کہ جس سے ان کو لذت آئے اور چونکہ یہ کتاب تمام جہان کے لئے بھیجی گئی ہے اور اولاً بالذات عرب مخاطب بنائے گئے ہیں اس لئے اس کی زبان تو عربی رکھی مگر اس کی موزونیت میں تمام جہان کی طبائع کی رعایت رکھی یعنے اُس امرِ مطلق کی رعایت رکھی کہ جو سب میں مشترک ہے اور وہ قاعدہ جاری کیا کہ جو ہر زمانہ میں ہر قوم کے ذوقِ سلیم سے مناسبت رکھتا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ یہ تمام بنی آدم کی جبلّی عادت ہے کہ چند کلمات کے بعد دم ٹوٹ جاتا ہے گو مشقت سے دم کھینچ سکتا اور کم بھی کر سکتا ہے کیونکہ جب دم لے کر کوئی بات مُنہ سے بولتا ہے تو جس قدر دم کم ہو جاتا ہے اسی قدر طبیعت پر اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جب یہ دم تمام ہو جاتا ہے تو بالکل چپ ہو جاتا ہے پھر دوسرا دم لے کر بات کرتا ہے پس جہاں تک کہ ایک سانس میں کلام کرتا ہے وہ ایک حدِ مبہم غیر معیّن ہے لیکن یہ مقدار کم سے کم دو کلمہ کی اور زیادہ سے زیادہ چار کلمہ کی گنجائش رکھتی ہے۔ پس اس حد کو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں ایک وزنِ خاص معیّن فرمایا ہے جس طرح کہ شعراء اپنے اشعار کے لئے کوئی وزن اور بحرِ خاص معیّن کرتے ہیں اور جس طرح اُس وزن میں **اوتاد** اور **اسباب** اور بعض **ارکان** کے تقدیم کی بعض پر گنجائش ہوتی ہے اسی طرح اس حدِ مبہم میں ہے اور اس حدِ مبہم کو **آیت** کہتے ہیں پھر ان آیات کو تین قسم پر منقسم کیا ہے۔ **طویل** جیسا کہ سورۂ نساء میں ہیں اور **متوسط** جیسا کہ سورۂ اعراف اور انعام میں ہیں اور **قصیر** جیسا کہ سورۂ شعراء اور دخان میں ہیں اور پھر جس طرح کہ ہر شعر میں قافیہ اور روی ہوتی ہے اسی طرح آیات میں جس کلمہ پر کہ دم ٹوٹتا ہے اُس کو بجائے روی اور قافیہ کے مقرر کیا اور جس پر دم ٹوٹتا ہے وہ مدہ[1] ہے کہ جس سے پہلے کوئی حرف قافیہ ضرور ہوتا ہے کہ جس کے بار بار آنے سے صاحبِ ذوقِ سلیم کو لذت اور کیفیت معلوم ہوتی ہے جیسا کہ رحیم و کریم لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں یہ وسعت رکھی کہ ایک آیت میں مدہ ہو تو اُس کے بعد دوسری آیت میں خاص اسی مدہ کی اور اُس کے ماقبل کے حرف کی تخصیص نہیں کی بلکہ دوسری آیت میں کوئی مدہ ہو خواہ الف ہو خواہ یاء ہو یا واؤ ہو اور اُن کے پیشتر خواہ یاء ہو خواہ لام اور اسی طرح اخیر کا کوئی حرف کیوں نہ ہو پس یعلمون اور مؤمنین اور مستقیم موافق ہیں اور اسی طرح مریج و حمید و تبار و فواق و عجاب سب ایک ہی قاعدہ پر ہیں۔ اور اسی طرح سب سے اخیر الف کا آنا بھی ایک لذت دیتا ہے گو حرف روی مختلف ہو جیسا کہ ایک جگہ رحیما ایک جگہ حدیثا اور ایک جگہ نصیرا اور اگر موافقت حرف روی کا التزام ہوگا تو اور زیادہ لطف معلوم ہوگا جیسا کہ اوائل سورۂ مریم اور سورۂ فرقان میں واقع ہوا اور اسی طرح سب آیات کا ایک حرف میں شریک ہونا اور بھی لطف دیتا ہے جیسا کہ سورۂ قتال میں سب کے اخیر میم اور سورۂ رحمٰن میں نون ہے۔ اور اسی طرح ایک جملہ کا اعادہ کرنا بعد ایک کلام کے

[1] مدہ اصطلاحِ صرف میں اُن حروفِ علت یعنی واؤ۔ یاء۔ الف کو کہتے ہیں کہ جو ساکن ہوں اور اُن سے پیشتر کے حرف پر جو حرکت ہو وہ ان کے موافق بھی ہو جیسا کہ غفور میں واؤ ساکن مدہ ہے اور اس سے پیشتر جو فاء ہے اُس پر ضمہ ہے اور ضمہ کو واؤ سے مناسبت ہے جس طرح کہ یاء سے زیر کو اور الف سے زبر کو۔ منہ

عجب کیفیت بخشتا ہے جیسا کہ سورۂ قمر اور سورۂ الرحمٰن اور سورۂ مرسلات میں واقع ہے کہ بار بار فبای آلاء ربکما تکذبان وغیرہا آیات کا اعادہ کیا گیا ہے جیسا کہ شعراء چار مصرعوں کے بعد ہر جگہ ایک پانچواں مصرعہ لگایا کرتے ہیں۔ اور کبھی ذہن سامع کو طرب و نشاط دینے کے لئے یہ بھی کیا ہے کہ فواصل کلام کو بدل دیا ہے مثل اِدًّا و ھَدًّا۔ اخیر سورۂ مریم میں اور سلامًا و کرامًا اخیر سورۂ فرقان میں اور طین و ساجدین و منظرون اخیر سورۂ صٓ میں وارد ہے باوجودیکہ ان سب کے اواخر میں اور فواصل ہیں کما لا یخفٰی۔ اور ایک لطف اور کیا کہ آیت کا حرف اخیر اگر قافیہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے تو خیر ورنہ اس کو دوسرے جملہ سے ملا دیا کہ جس میں انعام الٰہی کا ذکر ہے یا مخاطب کو تنبیہ ہے جیسا کہ فرماتا ہے وہو الحکیم الخبیر، وکان اللہ علیمًا حکیمًا، وکان اللہ بما تعملون خبیرًا لعلکم تتقون اور کبھی ان مواضع میں کلام کو دراز کر دیا۔ مثل فاسئل بہ خبیرًا۔ اور کبھی تقدیم اور کبھی تاخیر اور کبھی قلب اور کبھی زیادت کو تحسین کلام کے لئے عمل میں لایا الیاس کی جگہ الیاسین اور طور سیناء کی جگہ طور سینین کہا۔ اور کہیں پہلے فقرہ سے دوسرا چھوٹا کر دیا اور کہیں بالعکس کیا جیسا کہ خذوہ فغلوہ ثم الجحیم صلوہ ثم فی سلسلۃ ذرعہا سبعون ذراعًا فاسلکوہ اور کبھی ایک آیت میں چند فواصل جمع کئے جس طرح کہ بعض شعراء اپنے اشعار میں متعدد قوافی لاتے ہیں جیسا کہ اس بیت میں ؎ کالزہر فی ترف والبدر فی شرف ؛ والبحر فی کرم والدہر فی ہمم ؛ الغرض اس طرح کی وہ وہ رعایتیں رکھیں کہ جن کو ہر ایک قوم اور ہر زمانے کے لوگ اپنے اشعار میں مرعی رکھ کر لذت اٹھاتے اور لطف پاتے ہیں۔ جو شخص فواصل قرآن اور ہر ملک کے اشعار کو جانتا ہے ہمارے کلام کی تصدیق کرے گا مگر میں اس مختصر میں اُن کے بیان کرنے سے قاصر ہوں ؎ داماں نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار ؛ گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد ؛ (۱۲) باوجود ان سب خوبیوں کے اپنی عظمت اور جلال کبریائی کو مرعی رکھا۔ سُوَرِ قرآن کو شاہی فرمانوں کی صورت میں نازل فرمایا اور ابتداء سے انتہاء تک اس کو ملحوظ رکھا پس جس طرح کہ بادشاہ بعض فرمانوں کی ابتداء میں حمد الٰہی ذکر کرتے ہیں اور بعض میں محض غرض اور مطلب ہی پر بس کرتے ہیں اور بعض کو مُرسِل اور مرسل الیہ کے نام سے شروع کرتے ہیں اور بعض بغیر عنوان ہی کے رقعہ ہوتے ہیں۔ اور بعض مطول اور بعض مختصر ہوتے ہیں اور بعض کی ابتداء میں چند الفاظ مقررہ سے کسی غرض کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا دو حروف جملوں سے اختصار کے طور پر لئے جاتے ہیں جس طرح عنوان نامہ پر خلاصہ مطلب لکھ دیتے ہیں اسی طرح ان حروف سے اشارہ اُس مطلوب کی طرف کر دیتے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے اپنی بعض سورتوں کو حمد سے شروع کیا اور بعض کو تسبیح سے اور بعض کو غرض املاء سے جیسا کہ فرمایا ذٰلک الکتاب لاریب فیہ ہدی للمتقین وقال سورۃ انزلناہا وفرضناہا اور بعض میں اپنی طرف سے ہونا بتلا دیا ہے جیسا کہ فرمایا تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم۔ اور بعض کو بغیر عنوان کے شروع فرمایا جیسا کہ اذا جاءک المنافقون و قد سمع اللہ الآیہ و یاایہا النبی لم تحرم۔ اور بعض کی ابتداء میں حروف مقطعات لایا الٓمٓ۔ حٰمٓ وغیرہ (۱۳) وہ بات بھی ملحوظ رکھی کہ جو عرب اپنے قصائد میں رکھتے تھے وہ یہ کہ اپنے قصائد میں جب بلاغت و فصاحت کا زور دکھانا چاہتے تھے تو قصیدہ کے اول میں مواضع عجیبہ اور وقائع ہائلہ کا ذکر کر کے تشبیب سے شروع کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے بھی بعض سورتوں میں اسی طرز کو اختیار فرمایا جیسا کہ فرمایا ہے والصّٰفّٰت صفًّا فالزّٰجرٰت

زجراً الآیات والذاریات ذرواً فالحاملات وقراً اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت (۸) سب میں بڑھ کر یہ کہ عمدہ کلام کے لئے یہ امر ضرور دیکھا جاتا ہے کہ اس کی ابتداء اور وسط اور اخیر کو کیا نسبت ہے، اگر تینوں موقعوں پر کلام عالی اور مطلب خیز ہے تو ٹھیک ورنہ وہ کلام درجۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتا ہے آپ نے بعض انجمنوں اور کمیٹیوں میں لوگوں کو لکچر دیتے اور اسپیچ یا خطبہ پڑھتے سُنا ہوگا بعض صاحبوں کے کلام میں ابتداء میں بڑا زور ہوتا ہے۔ وسط میں کلام بے لطف ہوتا ہے اور اخیر تو بالکل پھیکا اور بے نمک ہوتا ہے گویا کہ اس کو اوّل کلام سے کچھ ربط ہی نہیں یہ ایسی بات ہے کہ جیسے کسی چیز کو بلند اُٹھایا اور پھر دھم سے زمین پر دے مارا۔ اور بعض صاحبوں کے کلام میں اخیر پر زور ہوتا ہے اور بعض کسی قدر بیچ میں گرم ہوتے ہیں ورنہ یوں ہی اینچ پینچ کر کے رہ جاتے ہیں اور بعض کلام تو محض خواب کا ہذیان اور تقریر پریشان ہوتی ہے مگر قرآن مجید میں ان تینوں موقعوں پر کمال درجہ کی بلاغت ہے اور آخر سُوَر میں وہ کلماتِ جامعہ ذکر فرماتے ہیں جو احکام سابقہ اور کلام گزشتہ کے لئے ایک مہر کہیں تو بجا ہے اور تنبیہ کہیں تو روا ہے دیکھئے سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل سے جب مخاصمہ شروع کیا تو یا بنی اسرائیل اذکروا الآیہ سے کیا اور جب ان کو الزام دے کر سخن تمام کیا تو اسی کو پھر یاد دلایا۔ اور اسی طرح آل عمران میں یہود و نصاریٰ سے جب گفتگو شروع کی تو ان الدین عند اللہ الاسلام کہدیا تاکہ محل نزاع قرار پا وے پھر اس کے بعد ادلّہ قائم کر کے کس خوبی سے اس دعوے کو ثابت کر دیا وللہ المثل الاعلیٰ۔ (۱۴) سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ قرآن مجید میں راستبازی اور سچائی کے ساتھ بلا مبالغہ شاعرانہ کلام ہے مگر بلاغت میں اعلیٰ مقام ہے ورنہ جو اس بات کا التزام کرتا ہے اس کا کلام بے نمک ہو جاتا ہے اس لئے حسّان اور لبید کے وہ اشعار جو زمانۂ جاہلیت کے ہیں نہایت بلیغ ہیں زمانۂ اسلام کے ذرا پھیکے ہیں (۱۵) شاعری جتلانے اور فصاحت و بلاغت کے گھوڑے دوڑانے کا میدان رزم و بزم مدح حُسن و جمال وصف زلف و خال وغیرہ امور حسّیہ ہوتے ہیں مگر حکیمانہ باتوں میں آکر قافیہ تنگ ہو جاتا ہے ذرا کسی بڑے شاعر سے دو چار جزو مسائل میراث و فقہ میں تو لکھوائیے پھر شاعری ملاحظہ فرمایئے مگر قرآن میں باوجود اس التزام کے پھر اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے (۱۶) جب کوئی فصیح و بلیغ ایک مضمون کو ایک بار کہہ کے پھر کہتا ہے تو وہ لُطف نہیں رہتا لیکن قرآن نے مکرر مضامین بیان فرمائے مگر ہر ایک جگہ جُدا لُطف ہے (۱۷) ہر ایک فصیح و بلیغ ایک خاص امر میں مشہور ہوتا ہے کوئی رزم میں کوئی بزم میں مگر قرآن ہر بات میں یکساں بلاغت رکھتا ہے۔ اب کوئی شخص اَن پڑھ ایسے مُلک کا باشندہ اور ایسا جو کہ شعر و سخن سے آشنا بھی نہ ہو ایسے مضامین کو ان امور کی رعایت کے ساتھ بیان کر کے تو دکھائے۔ حق یہ ہے کہ عہد آدمؑ سے لے کر اب تک (اور انشاء اللہ قیامت تک) کوئی فصیح و بلیغ حکیم و ذکی ایسی کتاب کا سواں حصہ بھی تصنیف نہ کر سکا اور نہ کر سکے گا۔ آج فرانس اور جرمن بالخصوص شام میں عیسائی علماء عربیت میں بڑا یدِ طولیٰ رکھتے ہیں کسی نے قرآن میں کوئی نقص نہ ثابت کیا بلکہ بالاتفاق سب نے اعلیٰ درجہ کی بلاغت کا اقرار کیا مگر صد افسوس کہ جن پادریوں[۵]

---

[۵] عماد الدین کرسٹین نے ہدایت المسلمین کے صفحہ ۲۴۳ سے لے کر صفحہ ۲۵۱ تک ۳۸ مقام قرآن مجید کے ایسے بیان کئے ہیں کہ جو ان کے نزدیک غیر فصیح تو کیا بلکہ بالکل لغو اور غلط ہیں اور ہر فقرہ پر یہ کہتے گئے ہیں واہ صاحب یہی فصاحت ہے، واہ حضرت (باقی ص۱۵۰ پر)

اور کرسشینوں کو اچھی طرح اردو زبان بھی نہیں آتی انھوں نے منہ کھول کر قرآن پر اعتراض کیا اور مقامات حریری
کو ( جس کا مصنف قرآن پر ایمان لائے ہوتے تھا) قرآن سے بہتر کہا مگر سچ ہے جس کو قوت شامہ نہ ہو تو وہ اگر
بدبو اور عطر کو یکساں کہے تو بعید نہیں واللہ در من قال ؎ چوں نیست در مشام عماد ہیچ امتیاز ؛ سرگین میش و
عنبر سارا برابرست ؛ **ف** واضح ہو کہ متکلم کا مقصود اپنے کلام سے کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو صرف خبردار کر دے
اور کبھی یہ کہ اس مضمون کی تصویر اس کے دل پر کھدی پس خبر دینا تو ایک بار بیان کرنے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے
مگر دوسرا مطلب بغیر بار بار لانے کلام کے حاصل نہیں ہوتا۔ اور اس مکرر لانے میں جس طرح ایک خوبی ہے اسی طرح
ایک قباحت بھی ہے کہ مکرر چیز سے نفس کو نفرت ہو جاتی ہے ؎ مکرر گرچہ سحر آمیز باشد ؛ طبیعت را ملال انگیز باشد ؛

---

(بقیہ حاشیہ ص۱۴۹) اسی برتے پر یہ سخت دعوی الخ اور در اصل یہ وہ مواضع ہیں کہ جہاں مفسرین یہ بات ظاہر کیا کرتے ہیں کہ مقتضائے فصاحت و بلاغت یہ ہے کہ محاورے کو نہ چھوڑے پس اس لئے بہت سے مواضع میں قرآن نے کہیں حذف کہیں ایصال کہیں تقدیم کہیں تاخیر وغیرہ امور کو کہ جو فصحاء کے نزدیک پسند ہیں اختیار فرمایا اس امر کی مثال اردو میں یہ ہے دیکھئے دہلی کی زبان میں جو اردو کا مبدء ہے بہت سی باتیں بظاہر خلاف معلوم ہوتی ہیں لیکن محاورے کے مطابق ہیں (۱) بے التفاتی بیان کرنے میں یوں بولتے ہیں اب خبر بھی نہ ہوبیٹے گمر دیہاتی اس فقرہ کو غلط کہے گا اور یوں اصلاح دے گا کہ خبردار نہ ہوویں (۲) مَیں بھوکوں مرگیا۔ عماد الدین کے سے دیہاتی کہیں گے یہ غلط بلکہ یوں کہنا چاہئے تھا کہ بھوکا مرگیا (۳) اُستانی جی۔ عماد الدین اُس کو بھی غلط کہے گا اور اُستادنی جی، صحیح بتلائے گا۔ الغرض اور اسی طرح سے صدہا محاورات ہیں کہ جو بظاہر خلاف قاعدہ معلوم ہوتے ہیں مگر اہل زبان بولتے ہیں اور انھیں مواضع میں اہل زبان اور غیر زبان میں فرق معلوم ہوتا ہے انھیں محاورات کی رعایت سے ذوقؔ اور میرؔ اور غالبؔ شعراء میں اُستاد گنے جاتے ہیں یہ بات ہر زبان میں ہے۔

پس عماد الدین نے تفسیر اتقان سے چند مواضع کو نقل کیا اور کچھ ایجاد بندہ کو ذکر فرمایا اُن مواضع کا اجمالی جواب تو آپ سن چکے تفصیلی مفسرینؒ نے اپنی تفاسیر میں مع شواہد و اشعار عرب ذکر کیا ہے کشاف ہی کو ملاحظہ فرمالیجئے۔ مگر میں پادری کی عربیت کو بطور نمونہ کے لوگوں کے روبرو بیان کرتا ہوں کہ جس سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ عماد الدین کو صرف و نحو سے بھی خبر نہیں چہ جائیکہ فصاحت و بلاغت کے اسرار پہچاننا۔

شاہد اول — شاہد (اوّل) **قولہ** ص۱۷ فقرہ اسی میں ہے لاخیر فی کثیر من نجواہم الا من امر بصدقۃ یہ عبارت بھی قرآن میں غلط ہے کیونکہ نجوا فعل ہے اور مَن اسم ہے پس اسم کی استثناء عربی گرامر کے موافق فعل سے جائز نہیں انتہٰی۔ واہ پادری کیا کہنے ہیں نجوا فعل اور

شاہد دوم — مِن اسم کس نے کہا ہے۔ اسی لیاقت پر پادریوں میں لال بجھکڑ بنے تھے۔ شاہد (دوم) **قولہ** لفظ فیہن قرآن میں غلط بولا گیا ہے کیونکہ لفظ شہر مذکر ہے اس کے لئے ضمیر مؤنث کی بولنا جائز نہیں انتہٰی۔ فیہن کا مرجع شہر کو بنانا اور اشہر کو جو جمع ہے چھوڑ دینا علاوہ

شاہد سوم — نادانی کے دلیل صریح ہے اس امر پر کہ عماد الدین کے نزدیک اشہر اور شہر دونوں ایک ہیں۔ شاہد (سوم) **قولہ** اہل ہٰذہ القریۃ غلط ہے ہٰذہ کی جگہ تلک بولنا لازم تھا کیونکہ گاؤں دُور تھا نہ قریب انتہٰی۔ معلوم ہوا کہ دُور کے لئے تلک آتا ہے اور ہٰذہ اور تلک میں بھی فرق ہے یہ محض جہالت ہے۔ اسی طرح کے اور بیہودہ اعتراضات ہیں کہ ایاک نعبد وایاک نستعین میں پہلے نستعین کہنا تھا وغیر ذلک من الخرافات۔

شاہد چہارم — شاہد (چہارم) **قولہ** ص۱۳۲ اسی میں ہے ومن لم یطعمہ ای الماء غلط بولا ہے۔ یوں بولنا چاہئے تھا ومن لم یشربہ کیونکہ پانی کو کھایا نہیں بولا کرتے ہیں پیا بولا کرتے ہیں الخ۔ اسی لیاقت پر قرآن پر اعتراض کرنے بیٹھے تھے طعم کے معنی چکھنا ہے نہ کھانا پانی کو چکھنا بھی بولتے ہیں جہاں کہ

شاہد پنجم — بالکل ممانعت مقصود ہوتی ہے آپ طعام کے معنے کھانے کے سمجھ گئے اور طعم اور اکل میں کچھ تمیز نہ کی۔ شاہد (پنجم) **قولہ** ص۱۴۴ فقرہ اسی میں

(باقی ص۱۵۱ پر)

پس ضرور ہوا کہ اس تکرار لانے میں کوئی نیا لطف بھی ضرور ہو خواہ وہ عنوان کے تغیر سے حاصل ہو خواہ خوش آوازی یا کسی اور وجہ سے۔ اسی لئے راگ میں ایک کلمہ کو بار بار اعادہ کرنے سے مزہ آتا ہے کیونکہ خوش آوازی پر ہر بار نفس کو جدا تنبہ حاصل ہوتا ہے اور محبوب کا نام بار بار لینے سے دل کو حظ آتا ہے۔ پس جب خدا تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ بعض مطالب ضروریہ کی دلوں پر تصویر کھینچے تو تکرار لایا اور اس تکرار کے عیب کو لطف تغیر عنوان سے دفع کیا۔ اس لئے جن مضامین کو خدا تعالیٰ قرآن میں مکرر لایا ہے وہاں طرز کلام کو اجمال یا تفصیل یا کسی اور خصوصیت سے اس طرح بدلا ہے کہ گویا وہ مضمون نیا معلوم ہوتا ہے پس کئی جگہ جب نفس مشتاق ہو کر سنے گا تو ان مضامین کی تصویر دل پر کھنچ جائے گی اور یہی حکمت ہے کہ قرآن کی تلاوت فرض کی گئی محض مطلب سمجھنے پر انحصار نہ کیا۔ اور اسی لطف عنوان اور فصاحت کلام کی وجہ سے قرآن کا دل پر منقش ہونا سہل ہو گیا اسی لئے آپ کو ہر جگہ حفاظ قرآن دکھائی دیتے ہیں بھلا کوئی اور کتاب تو اس طرح حفظ کر کے دکھا دے! اور اسی مقصود کے لئے خدا تعالیٰ نے علوم خمسہ قرآن کو ترتیب ابواب و فصول محصور نہیں کیا واللہ اعلم۔

فصل ششم

(**فصل ششم**) لفظ تفسیر فسر سے مشتق ہے کہ جس کے معنے کشف کے ہیں یعنی اس طرح سے مرادِ متکلم کا ظاہر کرنا جس میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے اس لئے تفسیر بالرای حرام ہوئی قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم من قال فی القرآن بغیر علم وفی روایۃ برایہ فلیتبوء مقعدہ من النار۔ اخرجہ الترمذی وحسنہ بخلاف تاویل کے کیونکہ لفظ **تاویل** اول سے مشتق ہے کہ جس کے معنے رجوع کے ہیں یعنی ایک کلام کو کہ جس میں چند احتمال ہوں) ایک احتمالِ خاص کی طرف قرائن سے رجوع کرنا پس اس جگہ قرائن سے تشبیہ دینا کافی ہے نص شارع کی حاجت نہیں اس لئے کلام مفسر کلام مؤوّل سے قوی الدلالۃ ہے لیکن ان لغوی معنے کے لحاظ تفسیر فقط جناب نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے اقوال ہی میں منحصر ہو گی پس جو کچھ علوم خمسہ کی بابت کسی آیت میں انھوں نے فرمایا ہے درحقیقت وہی تفسیر ہے مگر بعد صدر اول کے تابعین و تبع تابعین کے زمانہ سے لے کر یوماً فیوماً علوم لسان قرآن کی طرف بھی حاجت پڑتی گئی اور یہ مجموعہ ایک سے دوسرے تک نقل ہوتا چلا آیا اور یوماً فیوماً اس میں تحقیقات اور تدقیقات زائد ہوتی گئیں پس ایک علم مدوّن ہو گیا کہ جس کو علماء نے کتابوں میں لکھنا شروع کیا اور جس طرح کہ اور علوم کتب میں مدوّن کئے گئے یہ بھی کیا گیا۔ پس اب فن تفسیر وہ نہ رہا جو کہ خاص صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں تھا اور جس میں بالرای کلام کرنا حرام تھا بلکہ اب علم تفسیر دو جزء سے مرکب ہوا ایک جزء اصلی تو وہی تفسیر حقیقی دوسرا جزء حل لغات و بیان محاورات و دفع اشکالات وغیرہا علوم جزء اوّل کو نقلی کہتے ہیں یہ آثار سلف و اقوال قدماء کی طرف مستند ہے جس کی شاخیں معرفت[1] ناسخ و منسوخ۔ و اسباب[2] النزول و مقاصد آیات و شرح مجمل قرآنی ہے۔ اس فن کے ائمہ **طبری** و **قتادہ** و **سُدّی** و **ابوالعالیہ** وغیرہم مفسرین ہیں ان ابن جریر ابو جعفر **طبری** نے کہ جن کا انتقال تین سو دس[۳۱۰] ہجری میں ہوا ہے اپنی کتاب میں کہ جس

---

(بقیہ حاشیہ ص۱۵۰) ہے وربائبکم التی فی حجورکم۔ تمہاری وہ بیٹیاں حرام ہیں جو تمہارے گھروں میں ہیں الخ۔ حجور جمع حجر کی ہے جس کے معنے گود اور پرورش ہیں عماد الدین نے حجر کے معنے گھر کے اپنے گھر سے نکالے اور اس پر اعتراض کیا۔ واہ ری لیاقت عماد الدین اوّل ان باتوں کے جواب دیں پھر میدان میں آئیں۔ ابوالحسن حقانی۔

تفسیر ابن جریر کہتے ہیں ان منقولات کو جمع کر دیا ہے اور اسی طرح حافظ ابو بکر عبداللہ ابن ابی شیبہ وغیرہ محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں ان کو جمع کیا مگر رطب و یابس صحیح و غلط اُن میں سب کچھ ہے کیونکہ اکثر روایات ان میں اہل کتاب سے منقول ہیں اس لئے کہ جو اہلِ کتاب اسلام میں داخل ہوتے اور انھوں نے وہ صحیح و غلط باتیں کہ جو اُن کی کتابوں میں بھری پڑی تھیں نقل کیں لوگوں نے اُن کو معتبر سمجھ کر روایت کیا پھر کسی نے ان کو رواج دینے کے لئے جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور کسی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف اور کسی نے کعب احبار اور وہب بن منبہ کی طرف منسوب کر دیا جلال الدین سیوطی کی تفسیر درِ منثور بھی اسی قسم کی ہے۔ اور اس وقت مخالفین یہود و نصاریٰ و ہنود جو کچھ اعتراضات قرآن اور اسلام اور پیغمبر اسلام پر کرتے ہیں اُن کی بنیاد انھیں لغو روایات پر ہے کہ جن کا اسلام میں کچھ بھی اعتبار نہیں اور قصہ زینب بنت جحش ۔ اور تلک الغرانیق العلیٰ اور زمین و آسمان کی کائنات اور زمین کا سات طبقے ہونا اور ہر طبقے میں اسی قسم کی کائنات اور زمین کا بیل کے سینگ پر ہونا اور بیل کا مچھلی پر ہونا اور اس کے ہلنے سے زلزلہ آنا اور یاجوج ماجوج کا ایک کان ایسا اور ایک ایسا ہونا اور زہرہ کا قصہ وغیر ذٰلک من الاسرائیلیات سادہ لوح محدثوں کی خوش اعتقادی ہے اور بس یہاں علوم خمسہ میں اس قسم کی وہ غلط اور لغو باتیں اُن راویوں نے ملائی ہیں کہ جن سے اصل مطالب قرآن کو بھی اُلٹ پلٹ کر دیا۔ خدا تو محققین کو جزائے خیر عطا کرے انھوں نے کھرا اور کھوٹا پرکھا اور لغو اور بے اصل باتوں کو کتب تفاسیر سے خارج کیا متاخرین میں سے ابو محمد بن عطیہ مغربی اور قرطبی اور ابن الجوزی وغیرہم نے بھی بہت کچھ چھان بین کی ہے اس بارہ میں محققین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ شانِ نزول و توجیہ مشکل کے بارے میں جو کچھ بخاری اور ترمذی اور حاکم نے بسند صحیح نقل کیا ہے بہت درست ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو کچھ ابن ابی طلحہ اور ضحاک نے روایت کیا ہے اور پھر وہ روایت بسند صحیح بخاریؒ وغیرہ محققین تک پہنچی ہے نہایت صحیح ہے۔ دوسرا جز تفسیر کا جس کو اوّل کے مقابلہ میں عقلی کہنا چاہیئے بڑا بھاری جز ہے اس کی طرف .... قرنِ اوّل کے بعد بالخصوص اس زمانہ میں سخت حاجت ہے یہ جز بھی مفسّرین کی افراط و تفریط سے خالی نہیں مثلاً قواعدِ صرف و نحو میں سیبویہ وغیرہ مدوّنینِ فن کی یہاں تک تقلید کی کہ اُن کے قواعدِ مدوّنہ کو یہاں تک صحیح سمجھا کہ قرآن کے بامحاورہ فقروں میں جہاں کہیں کوئی بات خلافِ قاعدۂ مقررہ دیکھی کھینچ کھانچ کر بہ تکلف اُس کی تاویل کی اور یوں نہ سمجھا کہ اہلِ زبان کا یہی محاورہ صحیح ہے ہمارا قاعدہ کلیہ نہیں والمقیمین الصلوٰۃ والمؤتون الزکوٰۃ وغیرہا میں عجب تکلفات کرتے ہیں۔ اور اسی طرح متصوفین الیسی توجیہات باطلہ کرتے ہیں کہ جن سے اصل مدعا بالکل متروک ہو جاتا ہے بلکہ بعض جُہّال نے تو یہی سمجھ لیا کہ اُن کے سوا اور کوئی قرآن کو سمجھتا ہی نہیں اور اُن سے بڑھ کر بعض دہریے اور لامذہبیوں نے تو اور بھی ستم کیا ہے کہ اپنے فلسفی اور ملحدانہ خیالات کے تابع قرآن کو کر لیا ہے جس جگہ آیت قرآنیہ اُن کے برخلاف ہیں وہاں نہ محاورۂ اہلِ زبان کی نہ قواعدِ صرف و نحو کی نہ اقوالِ سلف کی پابندی کی ہے بلکہ تاویل (جو در اصل انکار ہے) کر کے قرآن کی تفسیر تو کیا بلکہ اُس کو محرف کر دیا ہے معتزلہ تفاسیر ہمارے قول کے لئے شاہد عدل ہیں اور اُن سے بھی بڑھ کر آنریبل سید احمد خان صاحب کی تفسیر کو ملاحظہ فرمائیے کہ جس میں

یورپ کے ملحدوں کی تقلید کر کے قرآن مجید کو بالکل محرّف کیا ہے۔ خرقِ عادات اور معجزاتِ انبیاء اور ملائکہ اور جن اور شیطان اور نعماءِ جنت و عقوباتِ دوزخ کا محض انکار کیا ہے۔ اور پیغمبر علیہ السلام کی وحی اور نزولِ قرآن کو مجنونانہ خیال بتلایا ہے اور وجود آسمان اور اثر دعا وغیرہ بہت امور منصوصہ پر مضحکہ کیا ہے اور جب علماء نے اُن کو اُن کے بے اصل اقوال پر قائل کیا اور اُن کی علوم قرآن اور علوم اسلام سے محض ناواقفیت ثابت کر دی تو کیا حیلہ کیا کہ لوگوں کے روبرو مجالس عامہ میں کچھ ابلہ فریب باتیں بنا کے اور رقت دلا کے یہ کہدیا کہ صاحبو! میرا عقیدہ وہی ہے جو سلف کا ہے مگر اس وقت اسلام پر علوم جدیدہ سے وہ مصیبت برپا ہے جو بنی العباس کے عہد میں یونانی فلسفہ سے برپا تھی جس طرح اُس وقت کے علماء نے اُن کے جواب دینے کے لئے علم کلام بنایا میں نے بھی ان اعتراضات کے دفع کرنے کے لئے کلام جدید کی بنیاد ڈالی اور اس وقت کی مُصیبت پہلے سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ پہلے تو علماء حجروں میں بیٹھ کر خیالی دلائل بنا کر ہی دفع کر دیتے تھے اور اب تو مخالفین دُوربین وغیرہ آلات کے ذریعہ سے مشاہدہ کرا دیتے ہیں انتہٰی۔ یہ مضمون حضرت نے اخبار الاسلام اور علیگڈھ گزٹ میں چھپوایا ہے اور اُس کے ہر فقرہ پر حضارِ مجلس نے بتقلیدِ یورپ بڑی تالیاں بجائی ہیں۔ خان صاحب سے کوئی پوچھے کہ دُوربین وغیرہ آلات سے تو محسوسات نظر آیا کرتے ہیں اُن سے غایۃ مافی الباب محسوسات کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے مگر فرمائیے وجود ملائکہ اور معجزات انبیاء وغیرہا امور کا کہ جن کا آپ نے ملحدوں کا مقلد بن کر انکار کیا ہے، کونسی دُوربین اور کس آلہ اور کونسے علوم جدیدہ سے بطلان ہوتا ہے؟ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ اسلام نے کسی ایسی بات کا دعوٰی ہی نہیں کیا کہ جس کو کوئی کسی آلہ یا کسی علم جدید یا کسی کمسٹری کے استحالہ وغیرہا سے باطل کر دے مگر آپ اس بات کو کیا جانیں؟ خیر عامیوں میں آپ کلام جدید کے مدوّن تو کہلائے۔ آپ سے تو پادریوں کے بیہودہ اعتراضات بھی دفع نہ ہو سکے آخر الامر پادری فنڈر کی بولی آپ بھی بولنے لگے ذرا میزان الحق کو ملاحظہ فرمایئے۔ **الغرض** اس قسم کی بے اعتدالیاں مفسّروں نے کی ہیں خدا تعالیٰ اُن کو معاف کرے۔

المختصر فنِ تفسیر جب ان چیزوں سے مرکب ہوا تو اس کی تعریف یوں کرنی چاہیئے کہ علمِ تفسیر وہ علم ہے کہ جس میں احوال قرآن من حیث القرآن بیان کئے جاتے ہیں اور بقدر طاقت بشریہ الفاظ سے جو کچھ خدا پاک کی مراد ہے وہ ظاہر کی جاتی ہے **موضوع** اس فن کا **قرآنِ مجید** ہے اور **غرض** اس علم سے معانی اور مطالب قرآن کا جاننا ہے اور **مبادی** اُس کی یعنی اس علم میں کار آمد صرف و نحو۔ و لغت و معانی۔ و بیان و فقہ و اصول۔ و حدیث و کلام وغیرہ علوم ہیں پس جو شخص اس زمانہ میں ان علوم اسلامیہ سے محروم ہے خواہ کیسا ہی حکیم کیوں نہ ہو معرفت مطالب قرآن سے محروم ہے قرآن وہ کلام الٰہی ہے کہ جو بواسطہ جبرئیل جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مصحفِ ابوبکرؓ میں جمع کیا گیا۔ **فصل ہشتم**۔ وہ امور کہ جن سے بحث کرنا مفسّر کو ضرور ہے اور جن کے نہ جاننے سے مطالب فہمی قرآن میں قصور آتا ہے یہ ہیں (۱) **ناسخ و منسوخ** کا پہچاننا واضح ہو کہ **نسخ**[1] کے معنی لغت میں کسی شئے کا کسی شئے کے ساتھ مٹانا ہے پس صحابہؓ و تابعینؒ و قدماء تو اس

(حاشیہ: تعریف علم تفسیر)

(حاشیہ: فصل ہشتم)

(حاشیہ: امر اول ناسخ و منسوخ کی بحث)

[1] النسخ فی اللغۃ بمعنے ابطال الشئ و قال القفالؒ انہ للنقل و التحویل لنا انہ یقال نسخت الریح آثار القوم اذا عدمت و نسخت الشمس الظلمۃ اذا عدم۔ تفسیر کبیر

معنی لغوی کے لحاظ سے نسخ کا بہت سے معانی پر اطلاق کرتے تھے اول یہ کہ ایک آیت کا وصف دوسری آیت سے
اظہار عمل میں بدل جائے۔ دوم معنے متبادر چھوڑ کر دوسری آیت سے معنی غیر متبادر مراد لئے جائیں۔ سوم کسی قید
کو اتفاقی بیان کر دیا جائے۔ چہارم عام کو خاص بنایا جاوے۔ پنجم منصوص میں اور جس کو اس پر ظاہراً قیاس کیا
گیا ہے کوئی فرق بیان کر دیا جاوے۔ ششم جاہلیت کی رسم کو مٹایا جاوے۔ ہفتم پہلی شریعت کو اٹھا دیا جاوے۔
پس ان عام معانی کے لحاظ سے نسخ کا اطلاق بہت سی آیات پر ہو سکتا ہے اس لئے علماء نے پانسو آیات کو
منسوخ شمار کیا ہے لیکن متاخرین نے جب نسخ کے معنی میں خوب غور کیا تو خاص اول معنی کو باقی رکھا پس
اس اعتبار سے آیاتِ منسوخہ بہت ہی کم ہیں۔ محققین کے نزدیک کُل پانچ آیت منسوخ ہیں (اول) سورۂ بقرہ
میں یہ آیت كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الآیہ اس آیت میں وصیت فرض تھی جب آیتِ میراث
نازل ہوئی تو یہ حکم اٹھ گیا اور آیتِ میراث جو اس کی ناسخ ہے یہ ہے يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ الآیہ اور
حدیث لا وصیۃ لوارث اس کی مبین ہے (دوم) یہ آیت وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ الیٰ قولہ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ اس
آیت میں ایک سال بھر کی عدت فرض تھی یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہو گئی أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا اس
آیت میں حکم آگیا کہ جس عورت کا خاوند مر جاوے صرف چار مہینے دس دن تک عدت میں رہے (سوم) سورۂ
انفال میں یہ آیت وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ الآیہ اس آیت میں اپنے سے دہ چند کفار کے ساتھ
مقابلہ فرض تھا یہ حکم اس کے مابعد کی آیت سے منسوخ ہو گیا اور دوچند سے مقابلہ کرنا باقی رہ گیا (چہارم) سورۂ
احزاب کی یہ آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ الآیہ (کہ جس میں آنحضرت علیہ السلام کو سوائے موجود
بیویوں کے اور نکاح کرنا منع تھا) منسوخ ہو گئی اس سے پہلی آیت اس کی ناسخ ہے اور بعض کہتے ہیں اس آیت
سے إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ (پنجم) سورۂ مجادلہ میں سے یہ آیت إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ الآیہ منسوخ
ہے اس کے بعد کی آیت سے اس آیت میں یہ حکم تھا کہ جب کوئی رسولؐ سے سرگوشی کرے تو پہلے کچھ صدقہ دیوے
پھر یہ حکم جاتا رہا۔ ان آیات کے علاوہ اور کوئی آیت منسوخ نہیں بلکہ عام کی تخصیص وغیرہ قیودات کا فرق ہے
کہ جس کو نسخ نہیں کہہ سکتے۔ اس نسخ کے کوئی یہ معنی نہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ کو اول میں نہ معلوم ہوا بعد میں
پھر سمجھا جیسا کہ پادری الزام لگاتے ہیں یہ احکام جن کو ہم منسوخ کہتے ہیں موقوف تھے یعنی ان کا حکم ایک
وقت تک تھا اور جب مصلحت مقتضی ہوئی تو یہ حکم دور کر دیا اور کیوں نہ ہو احکام مصلحت پر مبنی ہیں اور مصالح
بدلتے رہتے ہیں اور اگر پادری صاحب اب بھی نہ سمجھیں گے اور پھر وہی سخن پروری کریں گے تو توارت و انجیل میں
اول بہت سے احکام منسوخ ہیں ہم ان کا حوالہ دیں گے۔ اول بضرورت بہن بھائی کا نکاح عہدِ آدمؑ میں درست
تھا بلکہ سارہ حضرت ابراہیمؑ کی علاتی بہن تھی جیسا کہ توراۃ سفر تکوین کے باب ۲۰ میں مصرح ہے حالانکہ یہ حکم
حضرت موسیٰؑ کے عہد میں منسوخ ہو گیا جیسا کہ سفر احبار کے باب ۱۸ میں اس کا نکاح حرام اور بمنزلہ زنا کے ہونا
دوم مذکور ہے۔ دوم۔ نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لئے تمام جانور جو زمین پر چلتے ہیں حلال تھے جیسا کہ سفر
تکوین کے ۹ باب میں مذکور ہے پر حضرت موسیٰؑ کی شریعت میں بہت سے جانور حرام ہو گئے منجملہ ان کے خنزیر
سوم ہے جیسا کہ سفر احبار کے ۱۱ باب میں مذکور ہے۔ سوم۔ حضرت یعقوبؑ کے عہد میں دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح

کرنا درست تھا چنانچہ خود حضرت یعقوبؑ کے نکاح میں دو بہن تھیں ایک لیا دوسری راحیل جو دونوں
اُن کے ماموں کی بیٹیاں تھیں جیساکہ سفر تکوین کے ۲۹ باب میں مذکور ہے۔ چہارم حضرت موسیٰؑ کی شریعت چہارم
میں بہت سے جانور حرام تھے جیساکہ سفر احبار میں تصریح ہے ان سب کو پولوس نے یک لخت حلال کر دیا جیساکہ
اُس کے اُس خط کے پہلے باب میں تصریح ہے کہ جو اُس نے طیطوس کو لکھا تھا (کہ پاکوں کو سب چیز پاک ہیں)
پنجم احکام اعیاد بالخصوص تعظیم سبت[1] واجب تھی اور اُس کو ابدی کہا ہے اور نہایت تاکید فرمائی ہے کہ جو پنجم
اس روز کام کرے قتل کیا جاوے چنانچہ سفر تکوین کے ۲ باب اور سفر خروج کے ۲۰ باب میں تصریح ہے اور
بہت جگہ توراۃ میں مذکور ہے لیکن اس حکم موکّد کو پولوس نے بالکل رد کر دیا چنانچہ اُس کے اُن خطوط میں جو اُس نے
اہلِ رومہ اور طیطوس کو لکھے ہیں اس کی تصریح ہے اور سب عیسائی اُس کے فتوای پر چلتے ہیں۔ ششم ختنہ ششم
کرنا حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں ایک حکم ابدی تھا چنانچہ توراۃ سفر احبار ۱۲ باب میں اُس کی تاکید ہے اور خود
حضرت مسیح علیہ السلام کا بھی ختنہ کیا گیا تھا جیساکہ انجیل لوقا کے ۲ باب میں مذکور ہے لیکن پولوس نے اس
حکم کو نہایت سختی سے رد کیا۔ چنانچہ اُس کے اُس خط میں جو اہلِ اغلاطیہ کو لکھا ہے اس کے باب ۵ میں مذکور ہے۔
ہفتم سب حواریوں نے مشورہ کر کے توراۃ کے جمیع احکام کو منسوخ کر دیا فقط چار حکموں کو باقی رکھا۔ ذبیحۂ صنم[1] ہفتم
دم[2]۔ مخنوق[3]۔ زنا[4]۔ چنانچہ اعمال حواریوں کے ۱۵ باب میں مذکور ہے پھر چند روز کے بعد پولوس نے اُن میں سے
فقط حرمتِ زنا کو باقی رکھا اور سب کو منسوخ کر دیا جیساکہ گزرا پھر جب زنا پر بھی کوئی سزا معین نہ رکھی تو
گویا اُس کو بھی حلال کر دیا۔ اب اس سے زیادہ کیا نسخ ہوگا؟ ہشتم انجیل متی ۱۰ باب میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ہشتم
نے حواریوں کو حکم دیا تھا کہ سامریوں کی بستی میں نہ جانا اور یوحنا کے ۴ باب میں ہے کہ سامریوں کی بستی میں گئے اور
دو روز مہمان رہے۔ نہم حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ کچھ اسباب سفر ساتھ نہ لو (لوقا ۹ باب) اور پھر حکم دیا کہ اسباب نہم
سفر ساتھ لو (لوقا ۲۲ باب)۔ دہم تمام عہد نامہ موسوی کو کمزور اور بے فائدہ کہہ کے پولوس نے لغو کر دیا کہ دہم
(پرانا حکم اس لئے کہ کمزور اور بے فائدہ تھا اٹھ گیا)۔ (عبرانیوں کا ۷ باب)۔ یازدہم شریعت پر عمل کرنے والے یازدہم
کو پولوس ملعون کہتا ہے چنانچہ نامۂ اہلِ اغلاطیہ کے باب ۳ میں مذکور ہے بلکہ اسی مقام پر حضرت مسیحؑ کو بھی
اپنے بدلہ میں ملعون لکھا ہے، العیاذ باللہ۔ دوازدہم ان کے پیر و مرشد لوتھر کی یہ تعلیم ہے کہ خوب دلیری سے گناہ دوازدہم
کرو اور ایک دن میں ہزار دفعہ حرامکاری اور خون کرو مگر ایمان رکھو تمہارے لئے ایسی نجات یقینی ہے کہ جس
طرح مسیحؑ کے لئے (مرآت الصدق مصنفہ پادری بیڈلی صاحب مطبوعہ سنہ ۱۸۵۱ء صفحہ ۳۳) اب نسخ میں
کونسی حجت باقی ہے تم سے زیادہ بھی کوئی نسخ کا قائل ہے اگر یہی تکمیل ہے تو پھر نسخ کیا چیز ہے؟۔ ف قال اللہ
تعالیٰ مَا نَنسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا الآیہ اس آیت کے ظاہری معنی پر لحاظ کر کے
اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نسخ قرآن کی تین صورتیں ہیں اوّل یہ کہ حکم منسوخ اور تلاوت باقی ہو جیساکہ وہ
آیتیں کہ جن کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں۔ دوم یہ کہ تلاوت منسوخ اور حکم باقی ہو جیساکہ یہ آیت اَلشَّیخُ وَالشَّیخَۃُ اذا

[1] ہفتہ کے دن کی تعظیم جیساکہ اب تک یہودیوں میں ہے۔ منہ [2] یعنی توریت کو۔ منہ

زنیا فارجموہما نکالاً من اللہ واللہ عزیز حکیم۔ لو کان لابن آدم وادیان الآیہ ان کا حکم باقی ہے مگر آنحضرت علیہ السلام ہی نے ان کو مجموعۂ قرآن سے بحکمِ الٰہی جدا کر دیا تھا۔ سوم یہ کہ حکم اور قرارت دونوں منسوخ ہوں جیسا کہ سورۂ برات کا اوائل کہ جس کو ننسہا کا مصداق کہنا چاہیے مگر یہ بھی حضرتؐ ہی کے رُوبرو ہوا اس سے کسی طرح کی قرآن میں تحریف نہیں ثابت ہوتی ہاں اگر بعد میں آپؐ کے یہ ہوتا تو تحریف و تبدیل کہہ سکتے تھے۔ مگر بعض علماء جیسا کہ ابو مسلم ان سب صورتوں کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں کسی طرح کا بھی نسخ نہیں پایا جاتا نہ نسخ محض احکام کیونکہ جن آیاتِ مذکورہ کے احکام کو تم منسوخ کہتے ہو وہ حقیقۃً منسوخ نہیں کیونکہ وہ پانچوں حکم مشروع اور جہت سے تھے اور اب اُٹھ جو گئے تو اور جہت سے نہ نسخ تلاوت کیونکہ جن آیات کو آپ منسوخ التلاوۃ کہتے ہیں ان کا جزء قرآن ہونا کسی وقت یعنی یقینی طور پر ثابت نہیں ہوا بلکہ اصل حال یہ ہے کہ بعض صحابہ نے یہ کلمات اثناءِ تلاوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے تھے جن کو آپ نے بطور تفسیر کے پڑھا تھا پھر جب خود انھیں لوگوں نے ان کلمات کو نہ حفاظ کی لوحِ حافظہ پر پایا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کاتبین سے لکھوایا تو بقرینۂ آیت[1] ما ننسخ ان کو منسوخ التلاوۃ سمجھ گئے اور بعض روایات تو اس بارے میں بالکل غلط اور بے اصل یا خبر آحاد ہیں۔ جب یہ دونوں احتمال نہیں تو مجموعہ مرکب ان سے کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ دوسری بحث اس مقام پر اور ہے وہ یہ کہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں بھی تناسخ واقع ہوتا ہے یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں واقع ہوتا ہے۔ اور اس کی دو قسم ہیں۔ اول نسخ الکتاب بالسنۃ۔ جیسا کہ یہ آیت لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَاۤءُ الآیہ حدیثِ عائشہؓ سے منسوخ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو جس قدر عورتیں چاہیں مباح کر دیں۔ رواہ عبدالرزاق والنسائی واحمد والترمذی والحاکم۔ اقول فیہ نظر کس لئے کہ اس آیت کی ناسخ اس سے پہلی آیت ہے کما مر۔ دوم نسخ السنۃ بالکتاب جیسا کہ بیت المقدس کی طرف نماز میں مُنہ کرنا سنّت سے ثابت تھا اُس کو قرآن کی اس آیت نے منسوخ کر دیا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور کعبہ کی طرف مُنہ کرنے کا حکم دیا اس امر میں بھی علماء کا اختلاف ہے حضرت امام شافعیؒ[3] وغیرہ محققین اس کے بھی منکر ہیں اور اس کو باعثِ طعنِ مخالفین سمجھتے ہیں مگر ہمارے نزدیک طعن کی کوئی بات نہیں کس لئے کہ نسخ ایک

---

[1] اس آیت میں من آیۃ سے آیتِ قرآنی ابو مسلم کے نزدیک مراد نہیں بلکہ آیاتِ قدرت جس سے یہ مراد کہ ہم آیاتِ قدرت میں سے اگر کسی کو مٹا دیں یا بھلا دیں تو اپنی نشانی دوسری اُس سے بہتر یا ویسی اور دکھلاتے ہیں پھر منکر کہاں تک ہماری قدرت و کمال کا انکار کرے گا اور دہر میں ہر روز ہم ایسا ہی کرتے ہیں ایک آیت یعنی نشان کے بعد دوسری دکھاتے ہیں اور اگر آیتِ قرآنیہ بھی مراد ہو تو یہ جملہ بمنزلہ شرطیہ کے ہے جو تحقیق نہیں چاہتا۔ [2] بعض خفیہ کرسٹان آنحضرت علیہ السلام کے لئے نکاح کے محدود نہ ہونے کو عیب سمجھتے ہیں اور اس حدیث کو بہ پیرایہ خیر خواہیِ اسلام باقاعدہ محدثین جھوٹی بتاتے ہیں اب ان نادانوں سے کون کہے کہ حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام کے پاس کس قدر عورتیں تھیں؟ حالانکہ وہ نبی اور ان کی کتاب الہامی تسلیم کی جاتی اور مشنوں میں پڑھی جاتی ہے۔ منہ [3] یعنی امام شافعیؒ کے نزدیک نہ کتاب کو سنّت نسخ کر سکتی ہے نہ سنت کو کتاب بلکہ کتاب کی ناسخ کتاب اور سنت کی سنت ہو سکتی ہے فنِ اصول فقہ میں اس کی تصریح ہے۔ منہ

حکم مبہم المدت کی مدت کو بیان کر دینا ہے یعنی خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی متلو یا غیر متلو ایک حکم دیا اور اس کی کوئی مدت بیان نہ کی پس ایک زمانہ تک اس پر عمل ہوتا رہا پھر بذریعہ وحی متلو یا غیر متلو بیان کر دیا کہ اس کی یہاں تک مدت تھی اس میں عقلاً و نقلاً کوئی قباحت نہیں لازم آتی پس جس طرح توراۃ نے بعض احکام سابقہ کو بنظر مصلحت موقوف (منسوخ) کر دیا اور حضرت مسیح نے اور ان کے حواریوں نے تو تمام شریعت موسویہ ہی کو (بقول عیسائیاں) منسوخ کیا معطل کر دیا اسی طرح قرآن مجید نے توراۃ و انجیل کے بعض احکام کو موقوف کر دیا خواہ اس موقوف کرنے کو منسوخ کہو خواہ اس کا نام تکمیل رکھو تواہ تغییر و تبدیل کہو ہم اہل اسلام یہ نہیں کہتے کہ قرآن نے توراۃ و انجیل کو بالکل رد کر دیا ان کے تمام احکام میں تغیر کر دیا بلکہ جس قدر تغیر مصلح کے لئے ضروری ہے اسی قدر تغیر کیا اور یوں ان کتابوں کی مدح اور تصدیق کی گو وہ کتابیں نزول قرآن کے وقت بجنسہٖ صفحہ عالم پر نہ تھیں۔ اب پادری فنڈر صاحب و صفدر علی وغیرہم نے جو کچھ زبان درازی کی ہے اہل انصاف کے نزدیک محض تعصب اور سخن پروری ہے۔ **امر دوم** (شان نزول) اس میں متقدمین و متأخرین کا اختلاف ہے صحابہؓ و تابعین سبب نزول کو عام معنی پر مستعمل کرتے تھے کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جن چند امور پر آیت صادق آتی ہے ان میں سے بعض جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یا بعد میں واقع ہوتے تھے اسی کو سبب نزول کہدیتے تھے اور اس موقع پر جمیع قیود کا منطبق ہونا کچھ ضروری نہیں بلکہ اصل حکم کا منطبق ہونا کافی ہے۔ اور کبھی ایک حادثہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں واقع ہوا اور آپؐ نے اس کا حکم اس آیت سے مستنبط کر کے وہاں اس آیت کو پڑھ دیا تو صحابہؓ اس کو بھی سبب نزول کہتے تھے گو اس حادثہ سے پیشتر یہ آیت نازل ہو چکی تھی اور کبھی اس صورت میں صحابہؓ یہ بھی کہتے تھے کہ اس حادثہ میں خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور یہ اس لئے کہ ایسے امر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس آیت نازل شدہ کا القاء کرنا بھی ایک قسم کی وحی اور نزول ہے۔ اور ایسے مواقع پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت دو بار نازل ہوئی اور کبھی محدثین اس موقع کو ذکر کہ جس میں صحابہؓ نے آیت کو مناظرہ میں سند پکڑا تھا یا انہوں نے اس کو آیت کی مثال میں ذکر کیا تھا، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں اپنے کلام شریف میں آیت کو بطور استشہاد پڑھا تھا) شان نزول کہدیتے ہیں اور درحقیقت یہ سبب نزول نہیں پس ان امور کا احاطہ کرنا مفسر کے لئے کچھ ضروری نہیں بلکہ درحقیقت سبب نزول ہر آیت کا یا سورہ کا بندوں کی حاجت اور ضرورت ہے کیونکہ مقصود اصلی نزول قرآن سے نفوس بشریہ کی تہذیب اور عقائد باطلہ کا بطلان اور اعمال فاسدہ کی نفی ہے۔ پس لوگوں میں عقائد باطلہ کا پایا جانا آیات مخاصمہ کے نزول کا سبب ہے اور اعمال فاسدہ کا پایا جانا اور باہم معاملات کا پیش آنا آیات احکام کے نزول کا سبب ہے۔ اور لوگوں کا تذکر ہونا یا اس کی رحمت سے ناامید ہونا آیات تذکیر بایام اللہ و آلاء اللہ کے نزول کا سبب ہے۔ وقس علی ہذا پس وہ جو بعض مفسرین آیات کے لئے ہر جگہ ایک قصہ طول طویل نقل کر کے اس کو شان نزول بتلاتے ہیں محض تکلف فضول ہے بلکہ یہ طویل وعریض قصص انبیاء جو مفسرین نے اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں بیشتر علمائے اہل کتاب سے منقول ہیں اور صحابہؓ

شان نزول کی بحث

ص۱۵۸

لے امام پادری جو درپردہ اہل کتاب کی روایات اور ان کی کتب محرفہ کو اصلی اور صحیح قرار دینے کا بیڑا اٹھا کر مسلمانوں میں داخل ہے)

وتابعینؒ بسا اوقات مذہب مشرکین و یہود اور اُن کے اعتقادات و عادات کی وضاحت کے لئے قصص جزئیہ بھی نقل کرکے یہ کہتے تھے کہ اس امر میں یہ آیت نازل ہوئی خواہ یہی قصہ ہو یا اس کے مشابہ کوئی اور ہو اور یہ قصہ محض اُس امر مجمل کی توضیح و تصویر کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ شان نزول میں صحابہؓ کے اقوال مختلف ہوتے ہیں کہ کوئی اس امر کلی کا مصداق کسی جزئی کو اور کوئی کسی کو توضیح کے لئے بیان کرتا ہے۔ اور اسی طرح سے قرآن مجید میں کبھی انسان کی نیکی اور بدی کی حالتوں کو اور اُس کے نیک و بد نتیجہ کو ذکر کیا جاتا ہے اور وہاں کوئی شخص خاص مراد نہیں ہوتا لیکن جو لوگ اس سرّ سے واقف نہیں وہ خواہ مخواہ اس کے لئے ایک قصہ خاص بناتے اور شخص خاص کا حال ٹھہراتے ہیں چنانچہ فرماتا ہے وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا الآیات، کہ ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دے دیا اس کی ماں نے حمل میں اور جنتے وقت سختی اٹھائی ہے۔ اور اسی قسم سے یہ آیت ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ۔ وَ قِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا الآیہ اور اسی قبیل سے یہ آیت ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً الآیہ اور یہ آیت بھی اسی قسم سے ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا الآیہ بعض ناسمجھوں نے اس آیت کو حضرت آدم علیہ السلام کی بابت قرار دے کر ایک جھوٹی حدیث عبدالحارث کی گھڑ لی ہے۔ اور اسی قسم سے یہ آیت ہے قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ اور یہ آیت بھی وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينٍ الآیہ پس ان آیات میں ان جمیع خصوص کا ایک جگہ متفق ہونا کچھ ضروری نہیں جس طرح کہ اس آیت كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ میں یہ ضروری نہیں کہ کوئی پیڑ ایسا دکھایا جاوے کہ جس کے سات خوشے ہوں اور ہر خوشے میں سَو دانے ہوں بلکہ یہ ثواب اعمال کی زیادتی کے لئے ایک تمثیل یا تصویر کھینچی، عام ہے کہ خارج میں ایسا کوئی پیڑ ہو یا نہ ہو الحاصل سبب نزول مجملاً تو درحقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور تفصیلاً بعض حوادث ہیں کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش آتے تھے جیسا کہ منافقین کے اقوال و افعال ناشائستہ کا حضرتؐ کے حضور میں واقع ہونا پھر قرآن میں ان کا دفع کرنا یا غزوات اُحد اور احزاب و تبوک میں لوگوں سے سستی یا چستی ظہور میں آنا اور اُس پر تنبیہ فرمانا یا مدح کرنا وغیرہ ذالک مفسر کو دو بات کا اہتمام ضرور ہے اوّل یہ کہ جن آیات میں اس قسم کے واقعات کی طرف اشارہ ہے اور جو قصص کہ متفرق جگہ مختلف عنوانات سے مذکور ہیں اور وہاں اُن کے معلوم کئے بغیر پورا مطلب قرآن کا سمجھ میں نہیں آتا تو اُن حوادث اور قصص کو مختصر طور پر بروایت صحیح بیان کر دے۔ دوم جہاں تخصیص عام وغیرہ تصرفات قصص میں ہیں وہاں اُن کی تشریح کر دے تاکہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آوے اور آیات احکام میں احکام کو بوضاحت بیان کر دے اور آیات تذکیر بالاء اللہ و وقائع حشریہ میں اُن کی صورت بیان کر دے۔ ف بعض مفسرین آیات میں ربط دینے

(بقیہ حاشیہ ۱۵۷) پھر آیا ہے ان قصص واہیہ کو حدیث سے نامنقول کہنے پر چڑ گیا اور جانے بے سمجھے بوجھے محمد صالح اور محمد صادق کے نام سے کیا کیا ہذیان بکا ہے۔ حقانی۔

اور سوال و جواب کے طور پر تقریر کیا کرتے ہیں مگر ہر جگہ اس کا التزام کرنا محض تکلف ہے کیونکہ قرآن حسب حاجت ٹکڑے ٹکڑے نازل ہوتا تھا جس طرح بادشاہ کے فرمان حسب حاجت وقتاً فوقتاً آویں اور ان کو جمع کر لیا جاوے اسی طرح آیات قرآنیہ نازل ہوتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ایک ترتیب خاص پر جمع کرا دیتے تھے اب جس طرح سلسلہ وار ان فرمانوں کو ربط دینا لاحاصل ہے اسی طرح اول سے آخر تک تمام آیات میں ربط بھی بے فائدہ ہے ہاں جس قدر آیات کہ ایک بار جس مطلب کے لئے نازل ہوئی ہیں ان میں ضرور ربط ہے اس ربط کی تقریر کرنا کچھ مضائقہ نہیں **ف** انبیاء بالخصوص جناب رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نفس قدسی بمنزلہ آفتاب جہاں تاب کے تھا ان کے متبعین میں سے بعض لوگوں کے دل نہایت صاف اور ان میں فیض صحبت کی بڑی قابلیت پیدا ہو گئی تھی پس آئینہ کی طرح فیض نبوت اُن کے دل پر منعکس ہوتا تھا اس لئے بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ احکام وغیرہا اشیاء ضروریہ جو نبیؐ کے دل پر منجانب اللہ فائض ہوتی تھیں اُنکے دل پر بھی انکا انعکاس ہوتا تھا، اسی لئے حضرؐ باتیں نازل ہوتی تھیں دیکھئے اُستاد کے فیض صحبت سے شاگردِ کامل کبھی وہ بات کہدیتا ہے کہ جس کو اُستاد کہے گا چنانچہ عورتوں کے پردہ اور اُساریٰ بدر اور مقام ابراہیم کو مصلے بنانے کی بابت حضرت عمرؓ کے قول کے موافق وحی نازل ہوئی۔ بعض متعصب جو اس سر سے محروم تھے انھوں نے طعن کی راہ سے یہ کہدیا کہ محمد علیہ السلام لوگوں سے اچھی باتیں سیکھ کر دعویٰ کر بیٹھے تھے کہ مجھے وحی ہوتی ہے چنانچہ ہدایت المسلمین کے مصنف کرسٹین نے اس

امر سوم توجیہ مشکل کی بحث

باب میں بہت کچھ بیہودہ گوئی کی ہے (امر سویم) (توجیہ مشکل ہے) یعنی کبھی کلام میں اپنی ناواقفیت سے بظاہر ایک شبہ معلوم ہوتا ہے یا اس لئے کہ مدلول آیت میں استبعاد معلوم ہوتا ہے یا دو آیتوں میں باہم تناقض سا پایا جاتا ہے یا مصداق آیت کے تصور کرنے میں مبتدی کے ذہن پر اشکال ہوتا ہے یا کسی قید کا فائدہ مخفی ہے وغیر ذلک پس جب مفسر اس شبہ کو حل کر دیتا ہے تو اس کو توجیہ مشکل کہتے ہیں یہ بھی ایک بڑا فن ہے[1] اب میں چند مثالیں دیتا ہوں ۔ یَا أُخْتَ هَارُونَ الآیہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مریم ہارونؑ کی بہن کیونکر ہو سکتی ہے کس لئے کہ حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ مریمؑ کے زمانہ میں سینکڑوں برس کا فاصلہ ہے! پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہارون سے مراد ہارونؑ موسیٰؑ کے بھائی نہیں یہ اور ہارون ہیں جو مریمؑ کے بھائی تھے۔ بنی اسرائیل میں بزرگوں کے نام رکھا کرتے تھے (دوم) ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ایک جگہ تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَتَسَاءَلُونَ یعنی لوگ باہم سوال نہ کریں گے اور ایک جگہ فرماتا ہے وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ایک دوسرے سے سوال کرے گا۔ فرمایا نہ سوال کرنا حشر میں ہوگا اور سوال جو کریں گے تو

[1] بعض جاہل پادریوں نے قرآن میں عیب لگانے کو اس قسم کی باتیں تفسیر اتقان سے نقل کر کے بڑی زبان درازی کی ہے اور جزر کے جز سیاہ کر ڈالے ہیں چنانچہ میزان الحق میں پادری فنڈر نے اور ہدایت المسلمین میں ان کے مرید عماد الدین نے اور لعجاز قرآن میں لالہ رام چندر نے بڑی قابلیت جتلائی ہے۔ میں ان لوگوں کی اس عبث حرکت پر نہایت افسوس کرتا ہوں کیا ان صاحبوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ایسی لغو باتیں اہل اسلام کے علماء کیا بلکہ عوام میں بھی کچھ وقعت نہیں رکھتیں ادنیٰ سے ادنیٰ طلباء بھی ان باتوں سے بخوبی ماہر ہیں مگر کیا کرتے اور کوئی عیب نہ ملا تو یہی سہی چلو کچھ لوگ تو بہکیں گے۔ منہ

جنت میں جاکر آرام پاکر (سوم) حضرت عائشہ رضؓ سے کسی نے پوچھا کہ جب صفا و مروہ میں سعی کرنا واجب ہے تو خدا تعالیٰ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا الآیہ کیوں فرمایا کس لئے کہ لاجناح کے معنے یہ ہیں کہ طواف کرنے میں کچھ گناہ نہیں؛ جواب دیا کہ ایک قوم گناہ ہی سمجھتی تھی اس لئے لاجناح فرمایا۔ اس باب میں مفسر کو یہ لازم ہے کہ جو کچھ محققین سے منقول ہے اُسی کو ذکر کرے

**امر چہارم شرح غریب کی بحث**

(امر چہارم) (شرح غریب ہے) یعنی قرآن مجید میں جو الفاظ ایسے ہیں کہ جن کے معانی میں کسی وجہ سے خفاء ہو تو اُن کے لُغتِ عرب کا تتبع کرکے یا سیاق و سباق پر نظر کرکے یا اُس کلمہ کے اس جملہ سے کہ جس میں یہ واقع ہے مناسبت دیکھ کر معانی بیان کردے۔ اس مقام پر بھی اختلافِ فہم کو بڑی گنجائش ہے کیونکہ زبانِ عرب میں ایک لفظ چند معانی کے لئے آتا ہے اور اُس کے سیاق و سباق وغیرہ قرائن سے تتبع کرنے میں عقول متفاوت ہیں اس لئے قدماء کا باہم بعض الفاظ کے معنی میں اختلاف ہے۔ دیکھئے امام ابوحنیفہؒ قروء کے معنی حیض اور امام شافعیؒ طہر قرار دیتے ہیں ایسے مقام پر دو باتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے (اوّل) استعمالِ عرب کو دیکھئے (دوم) وجوہ ترجیح میں سے قوی کو اختیار کرے۔ اس شرح غریب میں مفسرین کے مختلف حالات ہیں بعض تو اصل معنی باعتبار وضع لغوی کے بیان کردیتے ہیں اور بعض لغوی معنی پر بس نہیں کرتے بلکہ صرف مرادی معنی خواہ اصل معنی کو لازم مساوی ہوں یا نہ موقع سے مناسبت دیکھ کر بیان کردیتے ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے تفسیر اتقان میں ان الفاظ کی وہ شرح بیان کی ہے جو عبداللہ بن عباسؓ سے بطریق ابن ابی طلحہ و ضحاک منقول ہے اور مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب فوز الکبیر میں ان سے بھی بہتر بیان کیا ہے کس لئے کہ صحیح بخاری میں جس قدر شرح غریب وارد ہے اس کو بھی شامل کردیا ہے

**امر پنجم بحث حذف**

(امر پنجم) (حذف ہے) یعنی کلام میں سے برعایت محاورہ بعض اجزاء کلام یا ادوات کو حذف کردینا جس سے کسی قدر معنی میں خفاء ہو جاوے پس یہ بھی قرآن مجید میں بہت جگہ پایا جاتا ہے مفسر کو ضروری ہے کہ امر محذوف کو ذکر کرکے کلام میں وضاحت کرے اس حذف کے چند اقسام ہیں۔ حذف موصوف۔ حذف متعلق وغیرہ۔ اور یہ حذف کچھ زبانِ عرب ہی پر منحصر نہیں ہر زبان[1] میں بلغاء کے کلام میں حذف ہوتا ہے اگر نہ ہو تو مطلب کی عامی کے نزدیک کسی قدر وضاحت ہو جائے گی مگر کلام بے لطف ہو جائے گا۔ اب میں اس حذف کی چند مثالیں دیتا ہوں (ولکن البر من اٰمن) یہاں سے ایک لفظ بر محذوف ہے یعنی بر من اٰمن۔ (واٰتینا ثمود الناقۃ مبصرۃً) یہاں لفظ آیت محذوف ہے کیونکہ ناقہ مبصرہ نہ تھی بلکہ آیت۔ من فی السمٰوٰت والارض یعنی من فی الارض لفظ مَن محذوف ہے کیونکہ ایک چیز آسمانوں اور زمین میں نہیں۔ واسئل القریۃ ای اہل القریۃ

---

[1] عماد الدین کرسچین نے عجیب غلطی کی ہے دس قسم کے محذوفات کو ذکر کرکے قرآن پر اعتراض کیا ہے کہ یوں چاہئے تھا یہ غلط ہے۔ اور ہدایت المسلمین کی ایک فصل میں ان حذفوں کو مع ترجمہ ذکر کرتے چلے گئے ہیں جس سے عوام کو یہ ثابت ہو کہ قرآن میں غلطیاں ہیں ان بیہودہ اعتراضات پر ہر عربی دان ہنستے ہیں عیسائی عربی دان بھی بنظر حقارت دیکھتے ہیں پھر ان کے ذکر کرنے سے سوائے اس کے کہ پنجاب کے ناواقف پادری خوش ہوں اور تنخواہ کا اضافہ کردیں اور کوئی نتیجہ نہیں۔ ان کے جواب میں کوئی کتاب ضخیم لکھنا تضیع اوقات ہے۔ حقانی

لفظ اہل محذوف ہے اور اسی طرح حروف بھی کلام عرب میں بہت محذوف ہوتے ہیں۔ جعلہ نسبًا وصہرًا یہاں لام محذوف ہے عبارت یوں ہے جعل لہ نسبًا وصہرًا واختار موسیٰ قومہ یہاں من محذوف ہے یعنی اختار موسیٰ من قومہ ہم درجات لے لہم درجات۔ تفتؤا لے لاتفتؤا جس کے معنی ہمیشہ کے ہیں اور اسی طرح جملہ شرطیہ کا جواب اور اِنّ کی خبر اور صدر جملہ اور ان سے کلمہ با۔ ولام جارہ کا محذوف ہونا (بشرطیکہ حذف پر کوئی قرینہ ہو) کلام عرب اور قرآن مجید میں بہت ہے۔ ولو تریٰ اذ الظالمون فی غمرات الموت اس کا جواب لترای فظیعا عظیما محذوف ہے۔ واضح ہو کہ اصل اذ قال ربک للملائکۃ، واذ قال موسیٰ وغیرہ میں یہ ہے کہ اذ کسی فعل محذوف کا ظرف ہو لیکن قرآن میں اس کو مواضع ہولناک پر داخل کر کے ان کو گنوایا ہے تاکہ مخاطب کے دل پر اُن کی صورت منقش ہو جائے اور خوف پیدا ہو پس ایسے مواضع میں عوامل محذوفہ کو تفتیش کر کے ذکر کرنا تکلف ہے کیونکہ نہ یہ چیز اعراب میں داخل ہیں نہ جزو جملہ ہیں بلکہ محض غرض مذکور کے لئے ذکر کر دیئے گئے ہیں اور بعض مفسر ہر جگہ اذکر محذوف نکالا کرتے ہیں۔

امر ششم بحث ابدال

امر ششم ابدال ہے یعنی محاورہ کی رعایت یا کسی اور غرض خاص سے کہ جس کو اہل زبان جانتے ہیں ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ ذکر کرنا یہ بہت بڑا فن ہے اس کی رعایت کرنا بڑے فصیح و بلیغ کا کام ہے مثلاً جو شخص اُردو زبان میں بڑا ماہر ہوگا وہ موقع اور غرض کی رعایت کر کے کبھی کہے گا تناول فرمالو کبھی کہے گا نگل لو۔ ٹھونس لو۔ اور کبھی مت بولو۔ اور کبھی مت بکو۔ ٹیں ٹیں نہ کرو۔ مت بھونکو۔ حالانکہ ٹیں ٹیں طوطا وغیرہ طائر کرتے ہیں۔ اور بھونکنا کتے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور اسی طرح مخاطب سے جہاں موقع تعظیم ہوتا ہے بلفظ جمع کلام کرتے اور "تُو" کی جگہ "تم" کہتے ہیں اور جو شخص زبان سے ماہر نہیں وہ ان مقامات میں ٹھوکریں کھائے گا اور سنبھل سنبھل کر دس بیس ضروری باتیں ہی کہہ سکے گا۔ قرآن مجید میں اس بات کی رعایت کر کے کبھی ایک فعل کی جگہ دوسرے فعل کو اور مفرد کی جگہ تثنیہ و جمع کو و بالعکس اور ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف کو اور اسم کی جگہ دوسرے اسم کو اور مضمر کی جگہ مظہر کو و بالعکس ذکر کیا ہے ان کی بہت سی مثالیں ہیں مگر یہاں قدر قلیل پر بس کرتا ہوں: اَھٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِھَتَکُمْ اصل کلام یوں تھا یسبّ اٰلھتکم بولا تو یوں کہ یہ شخص ہے جو تمہارے بتوں کا نام لیتا ہے مگر مقصود یہ تھا کہ جو تمہارے بتوں کو گالیاں دیتا ہے پس تہذیبًا گالیوں کی جگہ نام لینا بیان کیا جس طرح ہمارے عرف میں بولتے ہیں خدا تمہارے دشمنوں کو بیمار نہ کرے یعنی آپ کو بیمار نہ کرے۔ بندگان عالی سے عرض کرتا ہوں یعنی آپ سے۔ منا لا یُصحبون لے منا لا ینصرون ینصرون کی جگہ یصحبون کو ذکر کیا کیونکہ نصرت بغیر اجتماع اور صحبت کے نہیں ہوتی۔ ثقلت فی السمٰوٰت والارض لے خفت۔ ایک اسم کو دوسرے اسم کی جگہ لانے کی یہ مثالیں ہیں: فَظَلَّتْ اَعْنَاقُھُمْ لَھَا خٰضِعِیْنَ اعناق چونکہ مؤنث تھا اُس کو خاضعۃ کہنا تھا مگر ایک غرض سے خاضعین کہا۔ وَکَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ موقع یہ تھا کہ حضرت مریمؑ کو کانت من القانتات کہتے مگر جب ان کو اُن کے محاسن سے مَردوں میں شمار کیا گیا تو یہ لفظ بولا گیا۔ کَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ نِ الْمُرْسَلِیْنَ اصل یوں تھا نوحًا لیکن جب کہ نوحؑ کی تکذیب کی تو جمیع اصول متفقہ میں تمام انبیاءؑ کی تکذیب کی اس لئے مفرد کی جگہ جمع کا صیغہ آیا۔ فَاَذَاقَھَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ اصل یوں تھا کہ اذاقہا اللہ طعم الجوع کہ خدا تعالیٰ نے انہیں بھوک کا مزہ چکھایا مگر چونکہ یہ بات بتلانی تھی کہ بھوک کا لباس کی مانند دبلا ہونے اور مضمحل ہونے میں تمام بدن پر اثر ہے اس لئے طعم الجوع کی جگہ لباس الجوع کہہ دیا (صبغۃ اللّٰہ) لے دین اللّٰہ

گرچونکہ نصاریٰ اپنے بپتسمہ (غوطہ لگانے) کو باعثِ پاکی اور سببِ رنگینی سمجھتے تھے اس لئے فرمایا کہ خدا کے دین سے دل رنگین ہوتا ہے اور اس غوطہ لگانے کا اثر تو بدن ہی پر ہوتا ہے اس لئے دین کی جگہ صبغۃ آیا۔ ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف لانے کی یہ مثالیں ہیں فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ اے علی الجبل۔ علیٰ کی جگہ لام کو ذکر کر دیا۔ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ۔ اے الیہا۔ الیٰ کی جگہ لام کو ذکر کیا۔ وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ اے علیٰ جذوع النخل علےٰ کی جگہ فی آیا۔ وَفِی الْاَرْضِ اے علی الارض۔ اَلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ اے منفطر فیہ۔ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ اے عنہ۔ اور کبھی ایک جملہ کی جگہ دوسرا جملہ بھی لاتے ہیں جب کہ اس سے پہلے کا مطلب بخوبی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ اصل یہ تھا لا باس بذلک لانہم اخوانکم۔ اور جس طرح کہ بلغاء کے کلام میں ابدال واقع ہوتا ہے اسی طرح تغیر بھی واقع ہوتا ہے کہ کلام کو ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف متغیر کر دیتے ہیں پس کبھی غائب کی ضمیر کی جگہ متکلم کی و بالعکس اور مخاطب کی جگہ متکلم کی و بالعکس ضمیر لاتے ہیں اور اس کو صنعتِ التفات کہتے ہیں۔ اس تغیر کلام کی بھی بہت سی صورتیں ہیں کہ جن کو فصیح و بلیغ ہر زبان میں ہمیشہ عمل میں لاتے ہیں واضح ہو کہ جس طرح حذف و ابدال و تغیر حسب موقع بلاغت کا جزء ہے اسی طرح بعض الفاظ زائد کا لانا بھی (کہ جس سے کلام میں حسن اور مطلب عمدہ طرح سے ثابت ہوتا ہے) بلاغت کا ایک جزءِ اعظم ہے۔ پس زبانِ عرب میں لفظ مثل اور کاف وغیرہ اس مراد کے لئے آتے ہیں۔ بولتے ہیں مثلک لایبخل یعنی آپ جیسا شخص بخل نہیں کرتا۔ مراد یہ کہ آپ بخل نہیں کرتے۔ لیکن اس میں زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ جب ایک شخص کا مثل نہیں بخل کرتا تو یہ بدرجہ اولےٰ نہیں کرتا۔ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ یہاں کاف محض اس بلاغت کے لئے آیا ہے کہ جس کا بیان ہو لہ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ۔ یہاں اگر ما کو مصدریہ نہ پڑھا جائے تو لفظ مثل اسی مراد کے لئے آیا ہے۔ بعض کوڑمغز پادریوں کو اردو کے بھی محاورات معلوم نہیں جو ان کی زبان ہے قرآن کے محاورات جاننا تو کجا انھوں نے اپنے قصور فہم سے ایسے مواضع میں قرآن مجید پر اعتراضات[1] کر کے اپنی لیاقت پر دھبہ لگایا ہے۔ امرِ ہفتم علم محاورات ہے یہ سب سے مشکل فن ہے اپنی زبان کے محاورات پر بخوبی مطلع ہونا مشکل ہے چہ جائیکہ غیر زبان کے محاورات۔ دیکھئے اس ملک میں پادری لوگ اردو دانی کا دعویٰ کیا کرتے ہیں اور سالہا سال لوگوں سے پڑھتے اور بازاروں میں جا کر بول چال سنتے ہیں مگر پھر بھی وہ اردو بولتے ہیں کہ جس پر اہل زبان ہنس پڑتے ہیں۔ ایک پادری صاحب نے کہا دیکھو تمہاری چارپائی پر قفل بیٹھا ہے۔ کہنا چاہئے تھا دھرا ہے۔ ایک نے فرمایا "ہماری گائے کا بیٹا پیدا ہوا ہے" حالانکہ بیٹا انسان کی اولاد میں مستعمل ہوتا ہے اور یہ جاننا (حیوانات کے بچوں کے جدا جدا نام ہیں اور ہر حیوان کی آواز کو جدا جدا لفظ سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً گھوڑے کے بچے کو بچھیرا اور گائے کے بچے کو بچھڑا کہتے ہیں اور گھوڑا ہنہناتا اور ہاتھی چنگھاڑتا اور بکری ممیاتی ہے اور پھر ہر ایک کو اسی لفظ سے ادا کرنا اور محاورات میں جو مثالیں اور کہاوتیں کہی جاتی ہیں ان کو ان کے موقع پر کہنا) مشکل بات ہے۔ عرب میں حجاز کی زبان اور اس پر قریش کے زبان زد محاورات کہ

امرِ ہفتم محاورات کی بحث

[1] بالخصوص عماد الدین نے ہدایت المسلمین میں تو بہت کچھ زہر اگلا ہے اور جوش میں آکر اندھا دھند بکواس کی ہے۔ منہ

جن کو قرآن نے ادا کیا ہے عرب کے نزدیک عجیب لطف رکھتے تھے حتے المقدور مفسر کو ان محاورات کا جاننا ازبس ضرور ہے۔ جو محاوراتِ قرآن نہیں جانتے وہ مطلب فہمی میں بڑی دقت اٹھاتے ہیں اب میں وہ چند مثالیں بیان کرتا ہوں کہ جو سمجھنے کے لئے کافی ہیں مامن دآبــــة الاھو اٰخذ بناصیتھا کہ زمین پر کوئی ایسا چلنے والا جاندار نہیں کہ جس کی پیشانی خدا تعالیٰ نے پکڑ رکھی ہو۔ بظاہر ناصیہ پکڑنا ہر دابہ کا سمجھ میں نہیں آتا مگر جو یہ جانے گا کہ ناصیہ پکڑنا محاورۂ عرب میں قبضہ[1] کرنا ہے تو اُس کے نزدیک کچھ دقت نہیں کیونکہ ہر دابہ خدا تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ) جو محاورہ نہیں جانتا وہ یوں ترجمہ کرے گا، مارا گیا آدمی کس چیز نے اُس کو کافر کر دیا۔ مگر جو محاورہ دان قُتِلَ کو جملہ دعائیہ اور مَآ اَكْفَرَهٗ کو فعل تعجب جانتا ہوگا تو یوں کہے گا، مارا جاتے آدمی کیا ہی ناشکرا ہے۔ تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ کے بھی یہی معنی سمجھنے چاہئیں یعنی ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں جیسا کہ اُردو میں کہتے ہیں کہ فلاں کو خدا تعالیٰ غارت کرے۔ بڑا ہی قرآن کا دشمن ہے۔ (فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ) اس سے یہ مراد نہیں کہ درحقیقت کسی کے مرنے پر آسمان و زمین روتے ہیں بلکہ آسمان و زمین کا رونا عرب میں محاورہ ہے افسوس و حسرت کے لئے یعنی کسی نے اُن کی بداطواری کی وجہ سے اُن کے مرجانے پر کچھ افسوس و رنج ظاہر نہ کیا تھا فَافْهَمْ۔ اور یہ بھی محاورہ ہے کہ خطاب کے صیغے لائے جاویں اور اُن سے کوئی شخص خاص مقصود نہ ہو بلکہ عوام مراد ہو۔ اور یہ بھی کہ کبھی ایسے امر کو کہ جس کے دلائل متفکر کے نزدیک ظاہر ہوتے ہیں بمنزلہ محسوس کے قرار دے کر لوگوں کو مخاطب بنایا جاتا ہے (اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا)۔ اور اسی طرح کسی چیز آئندہ آنے والی کو جو کہ قطعی ہونے والی ہے ماضی کے صیغہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جنت و دوزخ کی جزاء و سزاء بیان کرنے میں یہی رعایت رکھی۔ اور کبھی کنایہ کے طور پر معنی مراد کو صورتِ محسوس میں لاتے ہیں (وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ) شیطان کو چوروں کے سردار کے ساتھ تشبیہ دے کر سوار و پیدل کا دوڑانا بیان کیا۔ (وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا۔ اِنَّا جَعَلْنَا فِىْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا) خدا تعالیٰ نے سچ مچ کی دیوار کفار کے آگے پیچھے کھڑی نہ کر دی تھی نہ کوئی لوہے کا طوق اُن کی گردن میں ڈالا تھا بلکہ اُن کی ظلمتِ کفر و اعراض کو دیوار و طوق سے تشبیہ دی ہے۔ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ یہ مراد نہیں کہ اُن کے دل گلوں میں آگئے تھے بلکہ شدتِ خوف میں عرب کا محاورہ یہ ہے جس طرح ہماری زبان میں کہتے ہیں کہ ناک میں دم آگیا۔ وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ یہاں یہ مراد نہیں کہ بازو یا ہاتھ سمیٹ کر بیٹھ بلکہ یہ محاورہ ہے اس معنی میں کہ خاطر جمع رکھ۔ اور کبھی مخاطب کے ادعاء کو چھوڑ کر اصل مقصود میں کلام کیا کرتے ہیں جس کو الکلام علے مجارات الخصم کہتے ہیں جیسا کہ لو کان فیہما آلہۃ الا اللہ لفسدتا۔ جن غلط معبودوں کو وہ الٰہ کہتے تھے اُن کو اُن کے ادعاء پر اسی لفظ سے تعبیر کر کے ان کی الوہیت باطل کی۔ ہماری زبان میں جیسا کوئی سیادت کا ادعاء کرے اور مخاطب اس کو بہ تلفظ سید خطاب کرے اس سے یہ مقصود نہیں کہ اس نے اس کی سیادت تسلیم کر لی۔ اور کبھی کسی جملۂ خبریہ کو نہ اخبار کی غرض سے بلکہ تمسخر کی راہ سے تکذیب کے لئے بیان

[1] گھوڑے کی پیشانی کے بال جب سوار پکڑتا ہے تو اس کے قبضہ میں آجاتا ہے یہیں سے ہر جاندار کے قبضہ کے لئے یہ لفظ مستعمل ہوگیا ہے۔ منہ

کیا کرتے ہیں انک لانت الحلیم الرشید اور ذق انک انت العزیز الکریم جیسا ہماری زبان میں کہتے ہیں آپ بڑے اچھے آدمی ہیں یا آپ مرشد ہیں یعنی بڑے اور چالاک ہیں یا کہتے ہیں بہت خوب یعنی ہرگز نہیں۔ جو لوگ ان محاورات سے واقف نہیں وہ اپنی نادانی سے قرآن کے ان مزیدار فقروں پر اعتراض[1] کرتے ہیں۔ **ف** قرآن مجید میں گرچہ مخاطب بالذات وہی لوگ ہیں کہ جو اُس وقت موجود تھے مگر علم الٰہی میں جو چیز آئندہ آنے والی ہے وہ بھی موجود ہے اس لئے اور آئندہ آنے والی نسلیں قیامت تک مخاطب ہیں۔ اور گو اکثر مقام پر مذکر کے صیغے بولے گئے ہیں مگر عورتیں بھی مراد ہیں۔ اور اسی طرح گو کسی آیت کا شانِ نزول کوئی خاص حادثہ ہی کیوں نہ ہو اور خواہ کسی خاص شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہو لیکن جب تک قرائن تخصیص کے نہ پائے جائیں گے اعتبار عموم الفاظ کا ہوگا خصوصیتِ مورد کو نہ دیکھا جائے گا پس احکام الٰہی میں عرب و عجم امیر و فقیر غلام و آقا سب برابر ہیں۔ (امرِ ہشتم) محکم و متشابہ کا جاننا۔ قال اللہ تعالٰے هُوَ الَّذِيٓ أَنزَلَ عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ مِنۡهُ ءَايَٰتٞ مُّحۡكَمَٰتٌ هُنَّ أُمُّ ٱلۡكِتَٰبِ وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٞ **واضح** ہو کہ محکم اور متشابہ کے معنے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ محکم وہ کلام ہے کہ جس کی مراد معلوم ہو خواہ بالظہور خواہ بالتاویل۔ اور متشابہ وہ ہے کہ جس کو خاص خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے جیسا کہ خروجِ دجال و قیامت بعض نے کہا کہ محکم وہ ہے کہ جس کے معنے واضح ہوں اور متشابہ اس کے برعکس ہے کیونکہ جو کلام با معنی ہے یا تو دوسرے معنی کا احتمال رکھتا ہے یا نہیں جو دوسرے معنے کا احتمال نہیں رکھتا وہ **نص** ہے اور جو رکھتا ہے تو اس کے دوسرے معنی پر دلالت زیادہ ہوگی یا نہیں اوّل وہ **ظاہر** ہے ان دونوں کو محکم کہتے ہیں دوسرا دو حال سے خالی نہیں یا تو دونوں معنے برابر سمجھے جاتے ہیں یا نہیں اوّل **مجمل** اور ثانی **مآوّل** ہے ان دونوں کو متشابہ کہتے ہیں۔ پس نص اور ظاہر تو دونوں محکم کی قسم ہیں اور مجمل اور مآوّل متشابہ کی یہ تقسیم اُن علماء کے نزدیک ہے جو وما یعلم تاویلہ الا اللہ پر وقف لازم نہیں سمجھتے اور الراسخون فی العلم کو بھی اس میں شریک جانتے ہیں جیسا کہ اکثر شافعیہ کی یہی رائے ہے۔ اور جن کے نزدیک الا اللہ پر وقف لازم ہے تو ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کے سوائے متشابہ کے معنے کوئی نہیں جانتا اور پھر اُس کے قرآن میں نازل کرنے سے صرف علماء کا امتحان مقصود ہے کہ ان امور پر محض خدا تعالیٰ کے فرمانے سے ایمان بھی لاتے ہیں یا نہیں؟ پس اُن کے نزدیک کل کلام الٰہی کی بلکہ ہر ایک کلام کی یوں تقسیم ہوگی۔ جو کلام کہ ظاہر المراد ہے اس کے معنے میں تاویل کی گنجائش ہے یا نہیں۔ پس اگر ہے۔ اب ظہور مراد اگر محض الفاظ سے ہے تو اس کو **ظاہر** کہتے ہیں اور جو اُس کے ساتھ اس کا سیاق بھی اسی مراد کے لئے ہے اور اس میں اس وجہ سے اور بھی ظہور ہو گیا ہے تو اُس کو **نص** کہتے ہیں۔ اور کبھی عموماً ہر آیت و حدیث کو بھی نص کہا کرتے ہیں فَٱنكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ مَثۡنَىٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَ یہ آیت اباحتِ نکاح کے لئے تو ظاہر ہے اور عدد بیان کرنے میں نص ہے کیونکہ اسی لئے یہ کلام چلایا گیا ہے اور جس میں تاویل کی گنجائش نہیں وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو نسخ کا احتمال ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اُس کو **مفسّر** کہتے ہیں اور نہیں تو **محکم** پیغمبر علیہ السلام کے بعد جمیع آیاتِ احکام اور کل قصص اور آیات متعلقہ توحید وغیرہ سب

امرِ ہشتم محکم و متشابہ کی بحث

[1] چنانچہ عماد الدین وغیرہ ناسمجھ لوگوں نے اپنا وقت اس میں ضائع کیا ہے۔ منہ

محکم ہیں۔ ان چاروں اقسام کے مقابلہ میں چار اور قسم ہیں جس طرح اُن میں درجہ بدرجہ ظہور مراد کو ترقی تھی ان میں درجہ بدرجہ مراد میں خفاء اور پوشیدگی کو ترقی ہے کیونکہ جس کلام کے معنے میں پوشیدگی ہے یا تو وہ کسی ایسے عارض سے ہے کہ جو لفظ کے علاوہ ہے یا محض الفاظ ہی میں خفاء ہے اوّل کو خفی کہتے ہیں اور دوسرا کہ جس کے الفاظ میں اشکال ہے یا تو ایسا اشکال ہے کہ تامّل کرنے اور قرائن میں غور کرنے سے دُور ہوسکتا ہے یا نہیں اوّل کو مشکل کہتے ہیں اور دوسرا کہ جس کا اشکال قرآن میں غور کرنے سے دُور نہیں ہوتا دو حال سے خالی نہیں یا اُس کے اشکال دُور کرنے میں متکلم کی جانب سے انکشاف کی امید ہے یا نہیں اگر ہے تو اس کو مجمل کہتے ہیں اور نہیں تو اُس کو متشابہ کہتے ہیں جیسا کہ الرحمٰن علی العرش استوٰی و وجہ اللہ و یدہ وغیر ذٰلک من الصفات المتشابہا اور جیسا کہ اوائل سوَر میں الٓمٓ حٰمٓ وغیرہا حروف مقطعات ہیں۔ یہاں آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ظاہر کے مقابل میں خفی اور نص کے مقابلہ میں مشکل اور مفسّر کے مجمل اور محکم کے متشابہ ہے پس جس طرح محکم میں نہایت درجہ کا ظہور ہے متشابہ میں نہایت درجہ کا خفاء ہے اور یہ بھی کہ اوّل فریق کی تقسیم کے موافق مجمل اور ماوّل ہی کو متشابہ کہتے ہیں پس ان کے نزدیک اور بھی آیات متشابہ کہلاویں گی۔ آپ یہ بات بھی خیال میں رکھیں کہ یہ جو محکم اور متشابہ باہم مخالف ہیں یہاں تک کہ جو آیت محکم ہے اُس کو متشابہ نہیں کہہ سکتے اور جو متشابہ ہے اُس پر محکم کا اطلاق نہیں ہوسکتا یہ سب اُس تقدیر پر ہے کہ محکم اور متشابہ سے ظہور و خفاء مراد لیا جاوے ورنہ جب حکم محکم ہونے سے مراد مضبوطی اور نقصان اختلاف قبول نہ کرنا مراد لیا جاوے گا تو تمام آیات قرآنیہ کو محکم کہا جاوے گا۔ کما قال تعالیٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ اور اسی طرح جب متشابہ کے معنی صدق اور اعجاز میں ایک دوسرے کا شبیہ ہونا قرار دیا جاوے گا تو تمام آیات کو متشابہ کہیں گے لقولہٖ تعالےٰ کِتٰبًا مُّتَشَابِہًا ف۔ اسی طرح اُن طرق کا (کہ جن سے مطلب پر استدلال کیا جاتا ہے) جاننا ضروری ہے اُن کے جانے بغیر مطالب قرآن پر مطلع ہونا دشوار ہے۔ اور وہ طریقے چار ہیں کیونکہ استدلال الفاظ سے ہے یا معنی سے پہلی صورت میں وہ کلام اگر خاص اسی مطلب کے لئے بولا گیا ہے تو اُس کو عبارۃ النص کہتے ہیں ورنہ اشارۃ النص دوسری صورت میں اگر وہ مطلب اس لئے سمجھا جاتا ہے کہ شرعًا یا عرفًا یا عقلًا لفظی معنی اُن پر موقوف ہیں تو اُس کو اقتضاء النص کہتے ہیں اور اگر اس طرح سے نہیں بلکہ زیادہ ہونے کی وجہ سے سمجھ میں آتا ہے تو اُس کو دلالۃ النص کہتے ہیں۔ یہ چاروں طرق تو سب کے نزدیک مقبول ہیں اُن کے علاوہ بعض محققین کے نزدیک اور طریقوں سے بھی مطلب سمجھا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ مفہوم الشرط۔ مفہوم الصفۃ وغیرہا کہ جن کو مفہوم مخالف کہتے ہیں۔ اور اسی طرح عام و خاص و مشترک و ماوّل۔ اور حقیقت و مجاز و صریح و کنایہ کا جاننا بھی بالخصوص اُس شخص کے لئے کہ جو احکام قرآن پر مطلع ہونا اور ان سے اور احکام کا استنباط کرنا چاہے ضرور ہے (امر مبہم) اختلاف قرات واضح ہو کہ

امر مبہم اختلاف قرات کے بیان میں

نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ کی ایک جماعت کثیرنے یہ نقل کیا ہے اِنَّ القرآن اُنزل علٰی سبعۃ احرف کلھا شاف کاف۔ یعنی قرآن سات حرف پر نازل ہوا ہے ہر ایک کافی شافی ہے۔ اس حدیث کی صحت میں کسی کو کلام نہیں۔ مگر حروف کے معنی میں علماء کا بہت کچھ اختلاف ہے کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ چنانچہ تفسیر اتقان میں چالیس قول نقل کئے ہیں مگر ان اقوال میں ایسے بھی اکثر قول ہیں کہ جن کی نسبت کسی کو اختلاف نہیں اس لئے ان کو چالیس کہنا

میرے نزدیک صحیح نہیں خیر اس کو جانے دو مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ جو باہم مخالف اقوال ہیں وہ سب کے سب صحیح نہیں میں نے جہاں تک علماء محققین کے اقوال اور احادیث صحیحہ میں نظر کی اور مختلف عنوانوں میں اس حدیث کے مطلب پر غور کیا تو یہ معلوم ہوا کہ سات حرف سے قبائل عرب یا خاص قبائل قریش کے وہ مختلف محاورات مراد ہیں کہ جن سے مطلب میں کچھ تغیر نہ آتے اور ہر ایک کو ادا کرنے میں آسانی ہو جاتے۔ چنانچہ آنحضرت[له] صلی اللہ علیہ وسلم کی استدعا کے موافق اس امر کی خدا تعالیٰ نے اجازت دی تھی (جس طرح ہندوستان میں کیا اور کا اور گے اور کی، ہے، پورب اور پنجاب اور وسط ہند میں بولا جاتا ہے اور کوئی مصنف سہولت کے لئے اپنی کتاب میں اس لفظ کو ہر طرح سے ادا کرنے کی اجازت دیدے) مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قرآن اسی طرز پر یاد کراتے اور کاتبوں سے اُسی طریق پر لکھواتے تھے جو خاص آپؐ کی زبان تھی۔ پس جب حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں قرآن جمع کیا گیا تو خاص اسی طرز پر جمع کیا گیا اور باقی وجوہ کہ جن کی ایک عارضی طور سے اجازت تھی رفع اختلاف کے لئے کتابت میں نہ آئیں اس وقت وہ سبعہ احرُف باقی نہ رہے گو اپنے طور پر کوئی پڑھا کرے مگر اس مصحف میں درج نہ کئے گئے پھر جب حضرت عثمانؓ کے عہد میں اُس نسخہ سے پانچ یا سات نسخے انھیں کے حافظوں اور زبان والوں کے اہتمام سے نقل کرا کے اطراف و جوانب میں بھیجے ان میں بھی وہ احرف چھوڑ دیئے گئے کیونکہ یہ نسخے تو خاص اُسی نسخہ سے نقل ہوتے تھے جو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کے موافق لکھا گیا تھا مگر وہ سب نسخے خطِ کوفی میں تھے کہ جس کی رسم خط میں حروف میں تشابہ واقع ہوتا ہے جس میں یعلمون کی جگہ تعلمون اور تعلیم کی جگہ تعلم پڑھا جا سکتا ہے۔ مگر یہ اختلاف حُفّاظ کو ہرگز پیش نہ آتے تھے کیونکہ وہ لوگ حرف بحرف اسی طرح یاد کرتے تھے جو آنحضرت علیہ السلام نے بتلایا تھا بلکہ اُن لوگوں کو جو صرف لکھے ہوتے پر دارومدار رکھتے تھے صحابہؓ میں بڑے معتبر حافظ اور قاری کہ جو عامیوں کے اختلاف کو درست کرتے تھے اور جن کی طرف ہر مشکل میں لوگ رجوع کر کے حل کرتے تھے یہ لوگ تھے عثمانؓ۔ علیؓ۔ اُبیؓ۔ زیدؓ بن ثابتؓ۔ ابن مسعودؓ ابودرداءؓ۔ ابوموسیٰ اشعریؓ۔ کذا قال الذہبی فی طبقات القراء۔ پھر مکہ اور مدینہ اور بصرہ اور کوفہ اور شام میں ان کے تلامذہ پھیل گئے اور قرآن کی تعلیم میں مصروف ہوئے اور لوگوں کے شکوک رسم الخط کو حل کرتے رہے چنانچہ مدینہ میں ابن المسیبؓ اور عروہؒ اور سالمؒ و عمر بن العزیزؒ اور سلیمان اور عطاء۔ اور معاذ بن حارث کہ جو معاذ قاری کے لقب سے مشہور تھے اور عبدالرحمٰن بن ہرمز اور ابن شہاب زہری اور مسلم بن جندب اور زید ابن اسلم تھے اور مکہ میں عبید اور عطاء بن ابی رباح اور طاؤس اور مجاہد اور عکرمہ اور ابن ابی ملیکہ اور کوفہ میں علقمہ اور اسود اور مسروق اور عبیدہ اور عمرو بن شرحبیل اور حارث بن قیس اور ربیع اور عمرو بن میمون اور ابوعبدالرحمٰن سلمی و زر بن حبیش و عبید بن فضلہ و سعید بن جبیر و نخعی و شعبی اور بصرہ میں ابوعالیہ اور ابورجاء۔

قراء سبعہ صحابہؓ

---

[له] خواہ ان احرف سے تقدیم و تاخیر کلمات میں کرنا یا ایک کلمہ کا دوسری جگہ ہم معنی ہونے کی وجہ سے پڑھنا یا قریش و ہوازن وغیرہ قبائل کے لغات الغرض جو کچھ ہو وہ آسانی کے لئے آپؐ کے روبرو تھا مگر جو کچھ اصل تھا لکھانے اور یاد کرانے میں اسی کا اعتبار تھا پس ان عارضی وجوہات کو اب پیش کر کے قرآن میں تحریف کا مدعی ہونا ایک خیالِ محال ہے۔

اور نصر بن عاصم اور یحییٰ بن یعمر اور حسن بصری اور ابن سیرین اور قتادہ اور شام میں مغیرہ بن ابی شہاب مخزومی حضرت عثمانؓ کے شاگرد تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ اس فن کے ماہر تھے بلکہ بعض تو خاص اسی فن کے امام مشہور ہوگئے چنانچہ مدینہ میں ابوجعفر پھر ابن نصاح پھر نافع قاری مشہور ہوئے اور مکہ میں عبداللہ ابن کثیر و حمید بن قیس و محمد بن محیصن اور کوفہ میں یحییٰ بن وثاب و عاصم بن ابی النجود و سلیمان اعمش پھر حمزہ پھر کسائی اور بصرہ میں عبداللہ بن ابی اسحاق و عیسیٰ بن عمر اور ابوعمرو بن العلاء و عاصم پھر یعقوب حضرمی اور شام میں عبداللہ بن عامر و عطیہ بن قیس کلابی و اسماعیل پھر یحییٰ بن حارث ذماری پھر شریح بن یزید حضرمی امام القراء کہلاتے۔ اور پھر ان میں سے یہ سات شخص تو ایسے ہوتے کہ دور دراز سے لوگ ان کے پاس آکر قرآن کی حرکات و سکنات مدوشد بلکہ لب و لہجہ کو بھی سیکھتے تھے اور اس فن کے مقتدا مانے گئے اور وہ یہ ہیں نافع اس شخص نے ستر تابعین کی شاگردی کر کے یہ علم حاصل کیا تھا اور یہ مدینہ میں رہتے تھے۔ ابن کثیر مکی یہ عبداللہ ابن سائب صحابی کے شاگرد تھے۔ ابوعمرو علماء تابعین کے شاگرد تھے اور بصرہ میں رہتے تھے۔ عبداللہ بن عامر شامی یہ ابوالدرداءؓ اور حضرت عثمانؓ کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔ عاصم کوفی یہ بھی تابعین کے شاگرد تھے پھر ان کے شاگرد حمزہ اور پھر ان کے شاگرد کسائی۔ وہ سات قاری کہ جن کی سات قرارت مشہور ہیں یہی لوگ ہیں پھر ان میں سے ہر ایک کی قرارت کے دو دو راوی ہیں کہ جن کے لب و لہجہ میں کسی قدر باہم اختلاف ہے۔ چنانچہ نافع سے ان کے شاگرد قالون اور ورش اور ابن کثیر سے قنبل اور بزی ایک واسطہ سے اور ابوعمرو سے دوری اور سوسی ایک واسطہ سے اور ابن عامر سے ہشام اور ذکوان ایک واسطہ سے۔ اور عاصم سے ابوبکر بن عیاش اور حفص (حفص کی قرارت ہندوستان میں مشہور ہے) اور حمزہ سے خلف اور خلاد بواسطہ سلیم اور کسائی سے دوری اور ابوالحارث روایت کرتے ہیں ان سات قاریوں کی قرارت میں جو کچھ اختلاف ہے یا پھر ان کے راویوں کی قرارت میں جو قدرے مخالفت ہے سو وہ سب محض اخفاء و اظہار و مد و قصر تفخیم و امالہ و اشمام رفع و خفض یعنی کھڑا اور پڑا پڑھنے وغیرہ امور میں ہے کہ جو لب و لہجہ سے علاقہ رکھتے ہیں یعنی ان حضرات نے اپنے اساتذہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کی ادائیگی اور تلفظ کی کیفیت کو محفوظ رکھا اور جس طرح علم موسیقی سننے سے تعلق رکھتا ہے یہ فن تجوید بھی سماعت استاد سے

ف قراء سبعہ

---

له پس وہ جو بعض مفسرین اختلاف قرارت بیان کرتے ہیں سو وہ محض خبر احاد سے ثابت ہیں وہ کسی طرح سے جزء قرآن نہیں ہو سکتیں کیونکہ قرآن میں تواتر شرط ہے ہاں ان سے حدیث سمجھ کر کوئی حکم ثابت کیا جاوے تو ممکن ہے۔ منہ

۲ تجوید فن قرارت کو کہتے ہیں علماء نے طرز تلفظ وغیرہ امور بالخصوص مفردات و مرکبات الفاظ کے مخارج کو کتابوں میں بیان کیا ہے۔ اس فن میں سب سے اول ابوعبید قاسم بن سلام نے پھر احمد بن جبیر کوفی نے پھر اسمٰعیل مالکی نے پھر ابوجعفر ابن جریر طبری نے پھر ابوبکر محمد داجونی نے پھر ابوبکر بن مجاہد نے تالیف و تصنیف کی پھر بہت سے لوگوں نے کتابیں لکھیں ابن جزری اور شاطبی بھی اس فن میں عمدہ کتابیں ہیں۔ منہ

ف۔ جہاں تک میں نے غور کیا قراء کے اختلاف کا مدار وہی رسم الخط ہے یعنی جہاں تک خط کوفی میں وسعت تھی وہیں تک وقف اور اعراب اور لب و لہجہ وغیرہ امور میں اختلاف ہے جو ہر ایک روایت کو خط کوفی گنجائش دیتا تھا۔ منہ

علاقہ رکھتا ہے) پس ان سات قراء توں سے وہ سبعہ احرف (کہ جو حدیث میں وارد ہیں اور جن کے معنی میں اختلاف ہے) مراد لینا نہایت جہالت ہے۔ وقد ظن کثیر من العوام ان المراد بہا القراءات السبع وھو جہل قبیح۔ اتقان۔ **الغرض** قرآن جب لکھا گیا تو خطِ کوفی میں خاص اُسی طرز پر لکھا گیا تھا کہ جو آنحضرت علیہ السلام نے اپنی حیات میں حفاظ کو یاد کرا دیا اور کاتبوں سے لکھوا دیا تھا باقی وہ جو کچھ بطریق تفسیر تھا اور بعض لوگوں نے اس کو اپنے مصاحف میں متبرک سمجھ کر لکھ لیا تھا (کہ جس کو منسوخ التلاوۃ کہتے ہیں) اور ان عام محاورات کو (کہ جن کی بضرورت ایجاز تھی) چھوڑ دیا کیونکہ وہ دراصل قرآن نہ تھے۔ پھر جن کو اس رسم الخط میں تردّد ہوتا تھا تو اُن کے تردّد کو صحابہؓ پھر تابعینؒ وغیرہم علماء اپنی یاد سے دُور کر دیتے تھے لیکن جب کہ یہ دیکھا کہ مصاحف کثرت سے پھیل گئے اور اسلام صدہا بلکہ ہزارہا کوس اور مختلف قوموں میں پہنچ گیا کہ جن کی عربی زبان نہیں ہے تو عام سہولت کے لئے قرآن پر تابعین ہی کے زمانہ میں اعراب[1] زبر وزیر و مد وجزم لگائے گئے اور آیات اور اوقاف کے نشان دیئے گئے کہ جس سے ہر شخص بلاکم وکاست و بلاتغیر بخوبی قرآن مجید پڑھ سکتا ہے اور ہر طرح کی غلطی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ متقدّمین کو جزاء خیر عطا فرمائے کہ ان کی کوشش اور سعی کا یہ نتیجہ ہے کہ زمانہ نزول سے آج تک ہر ملک اور ہر قوم میں ایک ہی قرآن ہے کسی جگہ بھی حروف یا شوشہ یا نقطہ کا فرق نہیں وللہ الحمد۔ **اب** بعض عیسائیوں کا تورات وانجیل کی تحریف کی نظیر میں قرآن مجید میں تحریف ثابت کرنے کے لئے اُن الفاظ کو نقل کرنا کہ جو بطور تفسیر کے پڑھے گئے تھے اور ان کو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں داخل نہ فرمایا اور اُن خبر احاد کو نقل کرنا کہ جن میں سبعہ احرف کے بیان میں تقدیم وتاخیر وغیرہ تصرفات مذکور ہیں محض بے فائدہ ہے کیونکہ یہ سب چیزیں اگر صحیح روایت اور پھر متواتر یا مشہور سے بھی ثابت ہو جائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوبرو ہی قرآن میں مندرج نہ ہوئی تھیں نہ پھر جمہور صحابہؓ نے قرآن کو جمع کرتے وقت ان کو نقل کیا بلکہ سب نے بالاتفاق اُن کو قرآن کا جزء نہ سمجھا پس جب یہ جزء قرآن نہیں تو ان کے قرآن نہ ہونے سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔ مگر جو لوگ اس بات سے ناواقف ہیں وہ بغیر سمجھے بوجھے تفسیر اتقان وغیرہ کتب سے اس قسم کی روایات نقل کر کے قرآن میں تحریف ثابت کرنے کے مدعی ہو جاتے ہیں مگر جب تحریف اور قرآن کی تعریف مقرر کر کے امور تنقیح طلب قرار پاتے ہیں تو اہلِ اسلام کے رُوبرو خجالت اٹھاتے ہیں۔ **(امر دہم)** (تقدیم وتاخیر آیات) **واضح** ہو کہ قرآن مجید جس ترتیب سے کہ جمع کیا گیا ہے یعنی اوّل الحمد پھر سورۂ بقرہ سورۂ آلِ عمران الخ اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا ہے بلکہ اصل حال یہ ہے کہ اس ترتیب موجود کے ساتھ قرآن مجید **لوحِ محفوظ** سے رمضان کے مہینہ میں **شبِ قدر** کو یکبار گی آسمانِ دنیا میں **بیت المعمور**[2] کی طرف نازل ہوا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ الآیۃ وقال اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

امر دہم یعنی تقدیم وتاخیر آیات کی بحث

---

[1] عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں خلیل وغیرہ لوگوں کے اہتمام سے یہ کام انجام پایا۔ منہ [2] بیت المعمور ہمارے مکانوں کی مانند کوئی دفتر خانہ یا منشی خانہ نہیں ہے بلکہ یہ تعینات عالم مثالی ہیں جن کی شرح کی یہاں گنجائش نہیں۔ منہ

پھر وہاں سے حسب حاجت عباد تھوڑا تھوڑا جبرئیل علیہ السلام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاتے تھے اور آپؐ اُن آیات کو ان کے اصلی موقع پر کاتبوں سے لکھوا دیتے اور حافظوں کو یاد کرا دیتے تھے جس طرح کسی دیوانِ مرتب میں سے حسب موقع کچھ اشعار اور غزلیں کسی کے پاس بلالحاظ تقدیم و تاخیر بھیجی جاویں لیکن وہ شخص ہر شعر اور ہر غزل کو اسی ترتیب سے لکھے کہ جس ترتیب سے دیوان میں مندرج ہیں جو اوّل ہے اُس کو اوّل اور جو آخر ہے اُس کو آخر لکھے گو اخیر کی غزل اوّل بار بھیجی جاوے مگر لکھی اخیر ہی میں جاوے۔ یہی حال قرآنِ مجید کا ہے۔ چنانچہ شوّال کے اوّل عشرہ میں اوّل سورہ اقرأ، مالم یعلم تک نازل ہوئی پھر مدثر پھر مزمل بعض کہتے ہیں اوّل اقرأ پھر نٓ پھر مدثر پھر سورۃ فاتحہ پھر تبّت پھر اذا الشمس کورت پھر سبح اسم ربک الاعلیٰ پھر واللیل پھر فجر پھر والضحیٰ پھر الم نشرح پھر والعصر پھر والعادیات پھر کوثر پھر الہاکم التکاثر پھر ارأیت الذی پھر قل یا ایہا الکافرون پھر الم تر پھر قل اعوذ برب الفلق پھر قل اعوذ برب الناس الخ نازل ہوئی اور جب آپؐ مدینہ منورہ ہجرت کر گئے وہاں بھی بتدریج قرآن نازل ہوتا رہا چنانچہ وہاں جا کر ویل للمطففین پھر سورۃ بقرہ پھر آل عمران پھر انفال پھر احزاب پھر مائدہ الخ نازل ہوتی۔ اکثر تو ایک سورۃ کئی کئی ٹکڑے ہو کر نازل ہوتی تھی اور کبھی تمام سورۃ یکبارگی نازل ہوتی ہے جیساکہ سورۃ انعام و تبّت و اذا جاء نصر اللہ وغیرہا من السّوَر۔ تمام محققین کے نزدیک آیات کی ترتیب توقیفی ہے یعنی جس طرح جبرئیلؑ نے آپؐ سے کہا آپؐ نے اسی کے موافق آیاتِ قرآن کو مرتب کیا اور ہر سورۃ کی آیات کو اُن کے موقعہ پر لکھوا دیا۔ اسی طرح سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہو چکی تھی اسی ترتیب سے جو اَب موجود ہے۔ صدہا حفاظ کو قرآن مجید یاد تھا اور آپؐ ہی کے ارشاد کے بموجب فاصلہ کے لئے ہر سُورۃ کے اوّل میں بسم اللہ بھی لکھی جاتی تھی چونکہ سورۃ براءت کے اوّل میں آپؐ نے حکم نہ دیا تو وہاں یہ نہ لکھی گئی۔ پس جس قدر آیات اور سُورتیں کہ مکہ میں نازل ہوتیں اُن کو مکیہ کہتے ہیں اور جو مدینہ میں نازل ہوتی ہیں اُن کو مدنیہ کہتے ہیں۔ اور بعض نے یہ اصطلاح مقرر کی ہے کہ جو کچھ ہجرت سے پہلے نازل ہوا خواہ خاص مکہ میں یا طائف میں یا کہیں اور سب کو مکیہ کہتے ہیں اور جو کچھ بعد ہجرت کے نازل ہوا خواہ خاص مدینہ میں یا قباء میں یا راستہ میں یا خیبر یا تبوک کے سفر میں سب کو مدنیہ کہتے ہیں متاخرین نے قرآن کے ہر سورۃ کے اوّل میں اس کا بیان لکھ دیا ہے کہ یہ مکیہ ہے یا مدنیہ اور اس کی اس قدر آیات ہیں البتہ احکام کے ناسخ و منسوخ پہچاننے کے لئے اس قدر جاننا تو ضروری ہے باقی یہ معلوم کرنا کہ یہ آیات سردی کے موسم میں نازل ہوئی تھیں یا گرمی کے موسم میں صبح کے وقت یا شام کے وقت دن میں یا رات میں سفر میں یا حضر میں کچھ ضروری نہیں اور جو کوئی ان باتوں پر بھی حاوی ہو جیساکہ بعض محدثین نے آیاتِ صیفی و شتوی، لیلی و نہاری، سفری و حضری کو جداگانہ بیان کیا ہے تو یہ

---

لہ بعض نافہموں نے جبرئیلؑ کا انکار کیا اور نزولِ قرآن اور وحی کو حضرتؐ کی حالتِ جذبیہ کا ثمرہ بتایا اور اس کو مجنونوں کی خیالی باتوں کے ساتھ تشبیہ دی نعوذ باللہ منہ دراصل یہ اکسہو میو اور پولنجر وغیرہم یورپ کے ملحدوں کی تقلید ہے کہ جس پر سید صاحب اور انکی امت فخر کرتی ہے۔ منہ ف یکبارگی نازل ہونے کو انزال اور پارہ پارہ کو تنزیل کہتے ہیں۔ حقانی۔

اُس کے وفورِ علم کی دلیلِ کامل ہے۔ **الغرض** آیات و سُوَر کی ترتیب اصلی قرار دینے کے لئے ہر رمضان میں جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دَور کرتے تھے اور اخیر رمضان میں دو بار دَور کیا تاکہ نزول کی تقدیم و تاخیر کو درست کر کے ہر چیز کو اُس کے اصلی موقعہ پر قائم کر دیں۔ چنانچہ آپؐ نے ایسا کیا اور لوحِ محفوظ کے مطابق قرآن کو کر دیا۔ اس لئے تمام اہلِ اسلام میں اُسی ترتیب سے قرآن اب تک موجود ہے اور قیامت تک رہے گا **ہاں** اس کا کچھ مضائقہ نہیں کہ تلاوت یا کسی اور غرض سے کوئی شخص بعض سورتوں کو مقدم مؤخر کر دے جیسا کہ پنج سورہ میں ہوتی ہیں یا ایک قسم کی آیات کو جداگانہ ترتیب دے اور دوسری قسم کو جدا جگہ لکھے جیسا کہ اہلِ ورد و وظائف کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ترتیب نزول کے لحاظ سے رکھی تھی جو کچھ میں نے لکھا ہے کتبِ احادیث میں موجود ہے اتقان میں اُس کے حوالے مندرج ہیں واللہ اعلم۔

فصل ہشتم

(**فصل ہشتم**) **ف** قرآن مجید کی سورتوں کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہی مقرر ہو چکے تھے نام رکھنے میں اکثر جزءِ غالب یا مقصود بالنظر کا اعتبار ہوتا ہے اس لئے سورۂ بقرہ کو کہ اس میں ذبحِ بقرہ کا عجیب و غریب قصہ ہے سورۂ بقرہ کہنے لگے اور سورۂ یوسف میں چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے اس لئے اس کو سورۂ یوسف کہنے لگے اور کبھی کسی وصفِ خاص کا بھی لحاظ ہوتا ہے۔ مثلاً سورۂ الحمد میں ایک وصف شفاء ہے اس لئے اس کو سورۂ شفاء کہا گیا۔ اسی لحاظ سے ایک سورۃ کے متعدد نام مقرر ہوتے ہیں اور کبھی اوّل کلمہ کا لحاظ کر کے وہی نام رکھ دیا جاتا تھا۔ چنانچہ سورۂ نون کو نٓ اور صاد کو صٓ اور حٰمٓ کو حٰمٓ اور تبت کو تبت کہنے لگے وقس علیٰ ہذا۔ احادیث میں اکثر سورتوں کے نام آتے ہیں گو ان میں بعض احادیث ضعیف اور بعض صحیح ہیں پس سب کو غیر ثابت کہہ دینا قاعدۂ محدثین کے برخلاف ہے اور ان امور مذکورہ کا تسمیہ میں مرعی رکھنا عرب میں قدیم سے مروج تھا چنانچہ انھیں وجوہ سے وہ اپنے قصائد کو موسوم کیا کرتے تھے پس اس تسمیہ کو یہود کی تقلید کہنا جیسا کہ سید احمد خاں صفحہ ۲ میں کہتے ہیں بڑی غلطی بلکہ نادانی ہے۔ **تنبیہ**۔ حروفِ مقطعات اُنتیس سورتوں کے اوّل میں آتے ہیں علماء کا اُن کے معانی میں اختلاف ہے۔ آپ کو آگے چل کر معلوم ہوگا مگر ایک جماعت نے اُن کو اُن سورتوں کا نام بھی مانا ہے اور اُن کے یہی معنی قرار دیتے ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں کوئی روایت صحیح نہیں آئی ہے پس ان حروف کو سورتوں کا نام بامرِ وحی یا بامرِ الٰہی سمجھنا اور یوں کہنا: **قولہ صفحہ** ان میں سے بجز اُنتیس کے کہ جن کی ابتدا میں حروفِ مقطعات ہیں اور کسی کو خدا تعالیٰ نے موسوم نہیں کیا، سید احمد صاحب! بڑی غلطی کی بات ہے۔

ف۲

**ف۲** قرآن مجید میں کُل ۱۱۴ سُورتیں ہیں۔ اور قرآن کی آیات کی تعداد میں اہلِ کوفہ اور اہلِ شام اور اہلِ بصرہ اور اہلِ مکہ و اہلِ مدینہ کا اختلاف ہے۔ اختلاف کی یہ وجہ نہیں کہ ایک گروہ بعض کو آیاتِ قرآنی کہتا ہے اور دوسرا اُن کو قرآن میں داخل نہیں کرتا بلکہ اس وجہ سے کہ جس گروہ کی نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جس جگہ وقف کرنا پایا گیا انھوں نے اس کو ایک آیت شمار کیا اور جن کے نزدیک دونوں جگہوں میں وقف کرنا ثابت نہ ہوا بلکہ وصل ثابت ہوا تو انھوں نے دونوں کو ایک آیت سمجھا پس اکثر کے نزدیک چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہیں اور اہلِ کوفہ کے نزدیک چھ ہزار چھ سو چھتیس ہیں اور اہلِ مدینہ کے نزدیک چھ ہزار دو سو چودہ

ہیں۔ متاخرین نے آیات پر کہیں لفظ شامی کہیں کوفی لکھ دیا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ آیت کوفہ یا شام میں نازل ہوئی بلکہ یہ مراد ہے کہ علماء کوفہ کے نزدیک یا علماء شام کے نزدیک یہ آیت ہے واللہ اعلم۔ اور اسی طرح حروف قرآن کا بھی علماء نے شمار کرلیا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ نے تین لاکھ بائیس ہزار چھ سو ستر حرف بتاتے ہیں اور یہاں بھی اختلاف کا یہ سبب ہے کہ بعض نے حروف مُشدّدہ میں سے ایک کو دو گنا بعض نے ایک ہی شمار کیا۔ **ف۳**۔ لوگوں کی آسانی کے لئے جب علماء نے قرآن مجید پر اعراب لگائے اور علم رسم الخط تدوین کیا تو سہولت کے لئے متاخرین نے قرآن کو تیس ۳۰ دنوں کے موافق تیس ۳۰ پاروں پر تقسیم کیا۔ اور ہر پارہ کے چار ٹکڑے کئے۔ ربع۔ نصف۔ ثلث کا لفظ ہر مقام پر لکھا۔ اور پھر ہر ٹکڑے کو تقسیم رکوعات پر کیا۔ اور رکوع کا اشارہ **ع** کے ساتھ کیا۔ پھر رکوع کی پانچ پانچ یا دس دس آیات پر چند نشان لگائے جن کی تفصیل یہ ہے۔

| | |
|---|---|
| **ھ** | یہ پانچ آیتوں کی علامت ہے جو کوفیوں اور بصریوں کے نزدیک یا خاص کوفیوں کے نزدیک ہیں۔ |
| **ع** | اسی طرح سے دس آیتوں کی علامت ہے جو لفظ عشرہ کا ابتدائی حرف لیا گیا جیسا کہ ھ خمسہ کا اخیر ہے۔ |
| **عب** | سے اشارہ ہے اس طرف کہ یہاں بصریوں کے نزدیک دس آیت تمام ہوچکیں **ع** سے عشرہ اور **ب** سے بصریین مراد ہے۔ |
| **خب** | سے مراد یہ ہے کہ بصریین کے نزدیک پانچ آیتیں یہاں تک ہوچکیں **خ** سے خمسہ اور **ب** سے بصریین مراد ہیں۔ |
| **تب** | سے یہ مراد ہے کہ بصریین کے نزدیک آیت ہے **ت** سے آیت اور **ب** سے بصریین مراد ہیں۔ |
| **لب** | سے یہ اشارہ ہے کہ اہل بصرہ کے نزدیک یہاں آیت نہیں **ل** سے لیس اور **ب** سے بصریین مراد ہیں۔ |

ف۴ **ف۴** عرب کی زبان میں یہ دستور ہے کہ جب جملہ تمام ہوتا ہے وہاں ذرا ٹھہر جاتے ہیں کہ جس کو **وقف** کہتے ہیں اگرچہ ہر ایک آیت ایک کلام تمام ہے اس پر وقف ہے مگر آیت کبھی ایسی ہوتی ہے کہ اس میں دو یا کئی جملے ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر وقف کرنا چاہیے۔ **پس** قدیم عرب کو آیات اور ان کے درمیانی جملوں پر جس طرح اعراب کی حاجت نہ تھی اسی طرح وقوف کے لئے رموز و اشارات مقرر کرنے کی بھی حاجت نہ تھی۔ جس طرح وہ بغیر تعلیم و تعلم صرف و نحو و دیگر قواعدِ بلاغت اپنے سلیقۂ زبان دانی سے صحیح تلفظ کرتے تھے اسی طرح جملوں کے معانی پر لحاظ کرکے وقف کرتے تھے **لیکن** جب قرآن ہر ملک میں پہنچا اور عجم سے عرب کا اختلاط ہوا تو ضروری ہوا کہ غلطی سے محفوظ رکھنے کے لئے وقف کے لئے کوئی علامت مقرر کی جاوے کیونکہ اگر وقف کے موقع پر وقف نہ کیا جاوے اور دونوں جملوں کو ملا دیا جاوے تو کلام کے معنی میں فرق آجاوے۔ دیکھئے اس آیت وَلَا یَحْزُنْکَ قَوْلُھُمْ اِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا۔ میں اگر قولھم پر وقف نہ کیا جاوے تو ان العزۃ الخ کفار کا

معقول ہو جاتا ہے، جس کے یہ معنی ہوئے کہ کفار جو یہ کہتے ہیں کہ عزت سب خدا ہی کے لئے ہے اس سے غم نہ کر۔ حالانکہ یہ مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ کفار کی بات سے رنج نہ کر، عزت ہر طرح خدا ہی کے لئے ہے، یہ جدا جملہ ہے اور اسی طرح وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ میں ہَمّتْ بِہٖ پر وقف نہ کیا جاوے اور دونوں کو ملا دیا جاوے تو یہ معنی ہو جائیں گے کہ زلیخا نے یوسفؑ سے اور یوسفؑ نے زلیخا سے قصد بد کیا تھا۔ اور یہ مقصود نہیں بلکہ ہَمَّ بِہَا الخ جدا جملہ ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اگر خدا ہی کی طرف کی رہنمائی یوسفؑ کو نہ ہوتی تو بُرا ارادہ کر چکے تھے۔ اور اسی قسم کے بے شمار مواضع میں قراء کے نزدیک وقف اور ابتداء میں کبھی صرف معنی کا لحاظ ہوتا ہے چنانچہ **نافع** اس کے قائل ہیں اور کبھی دم ٹوٹنے کا لحاظ ہوتا ہے کہ جہاں دم ٹوٹے سوائے چند مواضع کے وقف کر دیا جاوے چنانچہ **ابن کثیر** اور **حمزہ** کا یہی مذہب ہے اور کبھی کلام کے پورا ہونے کا لحاظ ہوتا ہے کہ جہاں کلام تمام ہو جاوے وقف کر دیا جاوے چنانچہ **عاصم** اور کسائی کا یہی مذہب ہے اور **ابو عمرو** کے نزدیک آیات کی انتہاء ہی پر وقف ہوتا ہے اور اسی کو وقف نبی صلے اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کیونکہ ہر آیت پر آپؐ قصداً وقف کرتے تھے۔ **کیفیت وقف** میں بھی عرب کے مختلف حالات ہیں جن کو قراء نے ان میں سے نہایت معتبر نو صورتیں شمار کی ہیں۔ سکون۔ روم۔ اشمام۔ ابدال۔ نقل۔ ادغام۔ حذف۔ اثبات۔ الحاق۔ **لیکن** کلمۂ متحرک پر وقف کرنے میں اصل اصول سکون ہے۔ اور باقی ہر ایک کی تفصیل مطولات میں ہے۔ متقدمین کے نزدیک وقف اور قطع اور سکتہ کے ایک ہی معنی ہیں مگر متاخرین نے فرق کیا ہے۔ پس لفظ **قطع** اس صورت میں اطلاق کرتے ہیں کہ جب قاری بالکل ٹھہر جاتے اور آگے پڑھنے کا قصد نہ رکھے یہاں تک کہ اگر پھر پڑھے تو دوبارہ اعوذ پڑھنے کی ضرورت ہو اور سکتہ یہ ہے کہ ذرا ٹھہر جاوے مگر دم نہ توڑے اور وقف میں ٹھہر جاتے اور دم لیتے ہیں مگر نیت اعراض نہیں ہوتی **قراء** نے ہر موقع پر لحاظ کرکے وقف کے بہت سے اقسام بیان کئے ہیں ابن انباری کے نزدیک تو وقف کی صرف تین قسم ہیں **وقف تام۔ وقف حسن۔ وقف قبیح**۔ وقف تام وہ ہے کہ جہاں دوسرے جملہ کو پہلے سے کچھ تعلق نہ ہو پس اول جملہ پر وقف کرکے ابتداء کلام دوسرے سے کی جاتے جیسا کہ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اور حسن وہ ہے کہ پہلے کلام پر وقف تو ٹھیک ہو مگر دوسرے سے تنہا ابتداء کلام نہ ہو سکے جیسا کہ الحمد للہ پر وقف کرنا کیونکہ رب العالمین جو اس کی صفت ہے تنہا اس سے بغیر موصوف کی ابتداء کلام نہیں ہو سکتی۔ اور قبیح وہ کہ جو نہ حسن ہو نہ تام جیسا کہ بسم اللہ میں بسم پر وقف کرے۔ اور بعض نے اور بھی اقسام وقف کے بیان کئے ہیں کہ جن کے ذکر کی اس مختصر میں گنجائش نہیں مگر ہم اب ان تمام وقوف کے اشاروں کو جو قرآن میں لکھے جاتے ہیں بیان کرتے ہیں اس سے وقوف کے اقسام بھی سمجھ لو۔

| | |
|---|---|
| ۝ | یہ گول دائرہ آیت کی علامت ہے اور بعض اس میں نقطہ بھی لکھتے ہیں اور بعض فقط لفظ ہی پر بس کرتے ہیں، یہاں ٹھہرنا چاہیے۔ |
| م | یہ اشارہ ہے وقف لازم کی طرف یہاں ٹھہرنا ضروری ہے ورنہ کلام کے معنی بدل جاویں گے۔ |

**ط** — یہ اشارہ ہے وقفِ مطلق کے لئے یہاں ٹھہرنا بہتر ہے یہ اُس صورت میں ہے کہ جب دوسرے جملہ سے ابتدا کرنا حسن ہووے۔

**ج** — یہ علامت وقف جائز کی ہے کہ یہاں وقف کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں چاہے کرے چاہے نہ کرے۔

**ز** — یہ علامت ہے اس کی کہ یہاں نہ ٹھہرے اور اگر ٹھہرے گا تو جائز ہے۔

**ص** — یہ علامت اس بات کی ہے کہ یہاں وقف کی رخصت ہے یعنی طولِ کلام کی وجہ سے یہاں دم لینا کچھ مضائقہ نہیں یہاں وقف نہ کرنا بہتر ہے بخلاف ز کے۔

یہ علامات تو وہ ہیں کہ جو متقدمین کے نزدیک مروّج تھیں مگر متأخرین نے چند اور علامات مقرر کی ہیں وہ یہ ہیں

**صلے** — علامت ہے الوصل اَولیٰ کی یعنی اس مقام پر وقف نہ کرنا اَولیٰ ہے ملاکر پڑھنا چاہیئے۔

**ق** — علامت ہے قیل کی یعنی کہا گیا ہے کہ یہاں وقف ہے مگر یہاں بھی نہ ٹھہرنا بہتر ہے کیونکہ قیل ضعفِ وقف پر دال ہے۔

**صل** — علامت ہے قد یوصل کی یہاں وقف اَولیٰ ہے۔

**ک** — علامت کذٰلک کی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ یہاں وہی وقف ہے جو اُوپر گزرا۔

**قف** — صیغۂ امر ہے یہاں وقف کرنا چاہیئے۔

**مین** — علامت سکتہ کی ہے اور کبھی لفظ سکتہ بھی لکھدیتے ہیں کہ یہاں ذرا ٹھہر جاؤ اور دم نہ توڑو۔

**قلا** — قیل لا کی علامت ہے یعنی بعض نے یہاں نہ ٹھہرنا کہا ہے۔

**لا** — اگر کسی آیت پر نہیں تو یہاں بالاتفاق نہ ٹھہرنا چاہیئے یہ وقف لازم کے مقابلہ میں ہے جس طرح و لا بلاکے پڑھنے سے معنی خراب ہوتے ہیں یہاں وقف کرنے سے یہ وقفِ قبیح کی صورت ہے اور اگر آیت کے اُوپر لا ہے تو اس میں محدثین کا بڑا اختلاف ہے۔ اکثر قرّاء اور محدثین کہتے ہیں کہ ٹھہرتے اور اکثر قرّاء کہتے ہیں کہ نہ ٹھہرئیے اور یہی مشہور ہے۔

**مع** — علامت معانقہ کی ہے کہ یہاں دو جگہ قریب قریب ہیں جن پر تین نقطے لکھے ہوتے ہیں اس سے یہ مراد ہے کہ ان دونوں لفظوں میں سے دوسرے کو پہلے کے ساتھ وہ ارتباط ہے جو اگلے لفظ کے ساتھ ہے پس خواہ پہلے لفظ پر وقف کرو دوسرے کو تیسرے کے ساتھ ملاکے پڑھو خواہ وقف نہ کرو جیسا لاریب فیہ ہدی للمتقین میں لاریب اور فیہ میں معانقہ ہے خواہ لاریب پر وقف کرو کیونکہ اس فیہ کو دونوں سے ربط ہے مراقبہ میں دو جگہ قریب قابلِ وقف ہوتے ہیں اگر ایک پر وقف کرو تو دوسرے پر ہرگز نہ کرو۔

باب سوم

# باب سوم

فصل ۱

**فصلِ اوّل۔** واضح ہو کہ قرآن مجید میں اکثر جگہ **توراۃ** و **انجیل** و **زبور** و صحف ابراہیم علیہ السلام وغیرہم کا ذکر آیا ہے اور ان کی مدح اور تصدیق اور کتابِ الٰہی ہونا بیان کیا ہے اور بعض مضامین کا حوالہ ان کی

طرف دیا ہے اس لئے جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جمیع انبیاء اور تمام کتبِ الٰہیہ کو بلاتفریق حق سمجھنا خاص اہلِ اسلام کا ہی حصہ ہے۔ اس لئے مجھ کو ضرور ہوا کہ ان کتابوں کا کسی قدر مختصر حال بیان کر دوں تاکہ ہر شخص کو معلوم ہو جائے کہ اس وقت جو کتابیں اس نام کی اہلِ کتاب کے پاس ہیں وہ اصل نہیں ہیں اس زمانہ میں عیسائیوں کا بڑا زور ہے پادری گلی کوچوں میں لوگوں کو بہکاتے پھرتے ہیں کہیں کالج مقرر کر کے لوگوں کو لالچ دے کر انجیل کی تعلیم دیتے اور کرسٹین بناتے ہیں۔ بلکہ سینا پرونا سکھانے کے بہانے سے شرفاء اہلِ اسلام کے گھروں میں مستورات کے بہکانے کے لئے جوان جوان شاطر میموں کو بھیجتے ہیں اور وہ گھر کے نوجوانوں سے نہایت خوش اخلاقی سے پیش آ کر رجھاتی ہیں اور دین سے برگشتہ کراتی ہیں اور کہتی ہیں دیل تمہارے قرآن میں بھی توراۃ و انجیل و زبور پر ایمان لانے کی تاکید ہے یہ کتابیں ہمارے پاس ہیں ان پر ایمان لاؤ ان میں جو کچھ لکھا ہے اُس کو مانو مسیحؑ خدا کا بیٹا اور دنیا کا کفارہ ہے۔ جب سادہ لوح اس دام میں آئے تب اُن کو اور کچھ سنایا کہ تمہارے نبیؐ کے پاس کوئی معجزہ نہ تھا اگر ہوتا تو قرآن میں مندرج ہوتا جس کو تم نبی سمجھتے ہو وہ نبی نہ تھے اُس نے قرآن میں بہت سی غلط باتیں لکھ دیں۔ اور جب کسی نے پوچھا اچھا میم صاحب ان باتوں کے غلط ہونے کی کیا دلیل ؟ تو انھوں نے کہا جس کو تم چند روز ہوئے توراۃ و انجیل مان چکے ہو یہ باتیں ان کے برخلاف ہیں اس لئے غلط ہیں۔ اول تو یہ فریب آمیز تقریر پھر میم صاحبہ کی نرم و مہین آواز اور یورپ کے ناز و انداز اور بھی غضب تزویر ہے اس لئے اس پرآشوب زمانہ میں ان کتابوں کی تحقیقات کی ہم کو زیادہ ضرورت ہوئی۔ **اہلِ کتاب** اپنی تمام کتبِ سماویہ کے مجموعہ کو **بائبل**[1] کہتے ہیں۔ پھر اس کے دو حصے ہیں ایک **عہدِ عتیق** یعنی پرانی کتابیں دوسرا **عہدِ جدید** اور جس طرح ہم قرآن کے جملوں کو آیت کہتے ہیں یہ لوگ **ورس** کہتے ہیں پہلے حصہ میں یہ کتابیں ہیں (۱) **سِفرِ خلیقہ** کہ جس کو کتابِ پیدائش بھی کہتے ہیں اس میں ابتداءِ پیدائشِ آسمان و زمین کے حال سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک سلسلہ وار تاریخ کے طور پر بیان ہے (۲) سفرِ خروج جس میں بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنے وغیرہ امور کا ذکر ہے (۳) کتابِ اَحبار جس میں قربانی اور قصاص اور جانوروں کی حلت و حرمت وغیرہا احکام ہیں (۴) سفرِ عدد جس کو گنتی کی کتاب کہتے ہیں اس میں بنی اسرائیل کے فرقوں کا شمار ہونے کا اور دیگر بیان ہے (۵) سفرِ استثناء اس میں ملک فلسطین کی تقسیم وغیرہ امور ہیں، ان پانچوں کو توراۃ حضرت موسیٰؑ کی تصنیف کہتے ہیں۔ یہ توراۃ ضخامت میں تخمیناً سعدیؒ کی بوستان کی برابر ہے (۶) کتاب یشوعؑ (۷) قاضیوں کی کتاب (۸) راعوث یا روت کی کتاب یہ تین ورق میں الیملک اور اُس کی جورو نعومی کا قصہ ہے (۹) صموئیل کی اول کتاب (۱۰) صموئیل کی دوسری کتاب (۱۱) سلاطین کی پہلی کتاب (۱۲) سلاطین کی دوسری کتاب (۱۳) اول کتاب تواریخ۔ (۱۴) دوسری کتاب تواریخ کہ جس کو اخبار الایام بھی کہتے ہیں (۱۵) عزرا[2] کی کتاب اول (۱۶) عزرا کی دوسری

عہدِ عتیق

[1] لفظ یونانی بمعنی کتاب ہے۔ منہ [2] سفر بالکسر بمعنی کتاب اور اسی طرح زبور بمعنی مکتوب جس کی جمع زُبُر آتی ہے جس سے مراد کتاب ہوتی ہے اب اہلِ کتاب کے نزدیک حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کو زبور کہتے ہیں۔ منہ [3] یعنی عزیر علیہ السلام۔ منہ

کتاب کہ جس کو کتاب غمیاہ بھی کہتے ہیں (۱۷) کتاب ایوبؑ[1] (۱۸) زبور داؤد علیہ السلام اس میں محض مناجات اور خدا کی مدح و ثنا ہے (۱۹) امثال سلیمان علیہ السلام اس میں پند و نصائح ہیں (۲۰) کتاب واعظ جس کو جامع بھی کہتے ہیں (۲۱) غزل الغزلات کہ جس کو نشید الانشاد بھی کہتے ہیں یہ پانچ چھ ورق کا رسالہ ہے جس میں عاشقانہ مضامین ہیں بلکہ بعض فحش آمیز کلمات بھی ہیں (۲۲) یشعیاہ[2] نبی کی کتاب (۲۳) یرمیاہ نبی کی کتاب (۲۴) یرمیاہ نبی کا نوحہ یا مرثیہ جو تین چار ورق میں ہے (۲۵) حزقیلؑ کی کتاب (۲۶) دانیال علیہ السلام کی کتاب (۲۷) ہوسیعؑ نبی کی کتاب (۲۸) یوئیلؑ نبی کی کتاب یہ صرف دو ورق ہیں (۲۹) عاموس نبی کی کتاب یہ کل چار ورق کی ہے جس میں کچھ پیشین گوئیاں ہیں (۳۰) عبدیاہ نبی کا خواب جو ایک صفحہ پر ہے (۳۱) کتاب یونہ یعنی یونس علیہ السلام کا ڈیڑھ ورق پر مختصر سا حال (۳۲) میخایا یا میکہ علیہ السلام کا چار ورق پر الہام یا ہے (۳۳) ناحوم علیہ السلام کا الہام جو نینوہ شہر کی نسبت ہے دو ورق میں (۳۴) حبقوق نبی کا الہام جو دو ورق پر ہے (۳۵) صفنیاہ یا صفونیاہ نبی کا الہام جو دو ورق پر ہے (۳۶) حجیؑ نبی کا الہام جو دارا شاہ ایران کے عہد میں ہوا ایک ورق پر (۳۷) زکریا علیہ السلام کا الہام جو دارا کے عہد میں ہوا تھا آٹھ ورق پر (۳۸) ملاخیا یا ملاکیؑ نبی کا الہام دو ورق جس میں الیاسؑ کے آنے کی بھی خبر ہے یہ حضرت مسیحؑ سے چار سو برس پہلے تھے۔ اور کبھی ان صحیفوں کے مجموعہ کو بھی مجازاً **توراۃ**[3] کہتے ہیں یہ ۳۸ کتابیں وہ ہیں کہ جن کو یہود اور عیسائی سب مانتے ہیں مگر فرقہ سامریہ ان میں سے صرف توراۃ اور کتاب یوشعؑ اور کتاب القضاۃ کو مانتے ہیں باقی سب کے منکر ہیں (اور یہ سب کتابیں عبرانی زبان میں ہیں جو ملک یہودیہ کی قدیم زبان ہے اور یہود کے نزدیک عبرانی میں ان کے کچھ اور نام ہوں تو تعجب نہیں۔ پھر ان کے تراجم یونانی اور لاطینی اور عربی وغیرہ زبانوں میں ہو گئے میرے پاس بالفعل اردو بائبل مطبوعہ مرزاپور ۱۸۶۷ء موجود ہے) لیکن عیسائیوں نے نو اور کتابیں اس مجموعہ میں داخل کی ہیں کہ جن کی تسلیم و عدم تسلیم میں ان کے متقدمین و متاخرین میں سخت اختلاف ہے چنانچہ ابھی آپ کو معلوم ہو جاوے گا اور وہ نو کتابیں یہ ہیں (۱) **کتاب آستر** یہ پانچ ورق کا ایک دلچسپ قصہ آستر یہودیہ کا ہے کہ اس کو **اخسویرس** بادشاہ نے وشتی ملکہ پر خفا ہو کے اپنی ملکہ بنایا اور اس کے چچازاد بھائی مردکی کو جو اس کا مربی تھا ایک خیر خواہی پر اپنا وزیر اعظم کیا اور ہامان وزیر سابق کو جو یہودیوں کا سخت دشمن تھا مع زن و فرزند قتل کیا۔ (یہ قصہ اب تک عیسائیوں کے نزدیک کتب سماویہ میں شمار ہے) (۲) کتاب باروق۔ (۳) ایک حصہ کتاب دانیالؑ کا (۴) کتاب توبیاس (۵) کتاب یہودیت (۶) کتاب وزدم (۷) کتاب ایکلیز یاسٹیکس (۸) مقابیین کی اول کتاب (۹) مقابیین کی دوسری کتاب۔ یہود ان کتابوں کو لغو قصے سمجھتے ہیں مگر عیسائیوں نے الہامی مانا ہے۔ **عہد جدید** میں یہ کتابیں ہیں (۱) انجیل متی کہ جس کو حضرت عیسیٰؑ کے بعد متی حواری نے مسیحؑ کی پیدائش سے لے کر موت تک کے حالات میں تاریخ کے طور پر جمع کیا (۲) حصہ ۲ عہد جدید

[1] اس میں کسی نے حضرت ایوبؑ کی مصیبت اور ان کے صبر کا قصہ لکھا ہے چھوٹا سا رسالہ ہے۔ منہ [2] ان کو اشعیاہ بھی کہتے ہیں۔ منہ [3] موسیٰؑ کی پانچوں کتابیں۔ منہ

انجیل مرقس یہ مرقس کی تصنیف ہے اس میں بھی ابتداء سے لے کر آخر تک حضرت مسیحؑ کی سرگزشت سنی سنائی بیان کی ہے کیونکہ مرقس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو نہیں دیکھا کس لئے کہ یہ پطرس حواری کا شاگرد ہے چنانچہ پطرس اپنے پہلے خط کے پانچویں باب میں اس کو بیٹا کہتا ہے یہ شخص رومی ہے اور اس کی یہ کتاب لاٹن یعنی رومی زبان میں تھی پھر اس کا یونانی اور سریانی میں ترجمہ ہوا (۳) انجیل لوقا یہ بھی حضرت مسیحؑ کی تاریخ ہے جس کو لوقا نے لوگوں سے سُن کر تالیف کیا ہے کیونکہ اس نے کیا بلکہ اس کے اُستاد پولس نے بھی حضرت مسیحؑ کو نہ دیکھا تھا چنانچہ اپنی کتاب کے اول میں وہ خود اقرار کرتا ہے **قولہ** چونکہ بہتوں نے کمر باندھی کہ ان کاموں کو جو فی الواقع ہمارے درمیان ہوئے بیان کریں جس طرح سے انھوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کی خدمت کرنے والے تھے ہم سے روایت کی میں نے بھی مناسب جانا کہ سب کو سرے سے صحیح طور پر دریافت کر کے تیرے لئے اے بزرگ تھیوفلس بہ ترتیب لکھوں انتہیٰ (۴) انجیل یُوحنا اس میں یوحنا حواری نے حضرت مسیحؑ کا تمام حال ابتداء سے انتہاء تک لکھا ہے جس کا اخیر فقرہ یہ ہے **قولہ** اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوعؑ نے کئے اور اگر وہ جُدا جُدا لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں کہ کتابیں جو لکھی جاتیں دنیا میں نہ سما سکتیں انتہیٰ۔ ان چاروں تاریخوں کو کہ جن کے زمانہ تالیف میں بڑا اختلافؑ ہے عیسائی اناجیل اربعہؑ کہتے ہیں (۵) اعمال حواریینؑ یہ ایک چھوٹی سی حواریوں کی تاریخ ہے کہ حواری فلاں شہر میں گئے اور وہاں یوں لوگوں کو خوارق دکھاتے اور مخالفوں نے ان کو ایسی ایسی تکلیفیں دیں اس کے مؤلف کا نام بھی معلوم نہیں غالباً یہ اُس شخص کی تالیف ہے کہ جس نے تیسری انجیل لکھی ہے یعنی لوقا کی کیونکہ اس کی ابتداء میں وہ یوں کہتا ہے۔ **قولہ** اے تھیوفلس وہ پہلی کیفیت میں نے تصنیف کی ان سب باتوں کی کہ جو کہ یسوعؑ شروع سے کرتا اور سکھاتا رہا اس دن تک کہ الخ وہ اوپر اٹھالیا گیا انتہیٰ (۶) حواریوں اور غیر حواریوں کے خطوط کہ جن کی یہ تفصیل ہے **پولس** کے (کہ جس نے دین عیسائی کو برباد کیا) ۱۳ خط اور **پطرس** حواری کا اول خط اور یوحنا کا پہلا خط سوائے چند فقرات کے یہ کُل بیسؑ کتابیں ہیں کہ جن کو سب عیسائی بالاتفاق مانتے ہیں اور سات کتابیں اور ہیں کہ جن کو قدماء مسیحین نے رد کر دیا اور متاخرین نے ان کو اپنی کتب مقدسہ میں شمار کیا ہے (۱) پولس کا اوّل خط جو عبرانیوں کو لکھا ہے (۲) پطرس کا دوسرا خط (۳) یوحنا کا دوسرا خط (۴) یوحنا کا تیسرا خط

---

لہ یسوعؑ اور مسیح حضرت عیسیٰؑ کو کہتے ہیں۔ منہ ۲ہ چنانچہ ہارن صاحب اپنی تفسیر کی چوتھی جلد کے دوسرے حصہ کے دوسرے باب میں بعد اس کے کہ زمانہ تالیف اناجیل کو غیر معین مانا ہے یہ لکھتے ہیں کہ پہلی انجیل ۳۷ء یا ۳۸ء یا ۴۲ء یا ۴۸ء یا ۶۱ء یا ۶۲ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء عیسوی میں اور دوسری انجیل ۵۶ء سے ۶۵ء تک اور غالباً ۶۰ء یا ۶۳ء میں اور تیسری انجیل ۵۳ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء میں اور چوتھی انجیل ۶۸ء یا ۶۹ء یا ۷۰ء یا ۹۷ء یا ۹۸ء عیسوی میں تالیف ہوئی انتہیٰ۔ منہ ۳ہ انجیل معرب ہے انکلیون کا جس کے معنی یونانی زبان میں بشارت اور تعلیم کے ہیں۔ منہ ۴ہ حضرت عیسیٰؑ کے بارہ حواریوں کے یہ نام ہیں (۱) شمعون جس کو پطرس بھی کہتے ہیں (۲) اندریاس پطرس کا بھائی (۳) زبدی کا بیٹا یعقوب (۴) اس کا بھائی یوحنا (۵) فلپوس (۶) برتھولما (۷) تھوما (۸) متی (۹) یعقوب حلفئی کا بیٹا (۱۰) لبی جس کو تہدی بھی کہتے تھے (۱۱) شمعون کنعانی (۱۲) یہودا اسکریوتی کہ جس نے ان کو گرفتار بھی کرا دیا تھا علاوہ ان کے اور مرد اور چند عورتیں جیسا کہ مریم مگدلینی اور سلومی اور یعقوب کی ماں مریم بھی حضرتؑ کے مخلصین میں سے تھیں۔ منہ

(۵) یعقوب کا خط (۶) یہودا کا خط (۷) مکاشفاتِ یوحنا (واضح ہو کہ) شاہ قسطنطین کے حکم سے شہر نائس میں عیسائی علماء کی ۳۲۵ء عیسوی میں ایک مجلس (کمیٹی) تثلیث والوہیتِ مسیح کے مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے قائم ہوئی اور ان کتبِ مشکوکہ کی بابت بھی بحث آئی پس علماء نے بڑی بحث اور تحقیق سے یہ حکم دیا کہ ان مشکوک کتابوں میں سے صرف کتاب یہودیت واجب التسلیم ہے۔ چنانچہ یہ بات جیروم کے اس مقدمہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو اس نے اس کتاب پر لکھا ہے پھر ۳۶۴ء میں ایک اور کمیٹی ہوئی جس کا نام کمیٹی لوڈیسیا[1] ہے اس انجمن نے بھی کتاب یہودیت کو واجب التسلیم مانا اور سات کتابیں اور واجب التسلیم بتائیں جن کے یہ نام ہیں (۱) کتاب آستر (۲) یعقوب کا خط (۳) پطرس کا دوسرا خط (۴) اور (۵) یوحنا کے دونوں خط (۶) یہودا کا خط (۷) پولس کا وہ خط جو عبرانیوں کو لکھا ہے۔ اور کتاب مکاشفات یوحنا کو ویسا ہی مشکوک چھوڑا اور اس حکم کو بذریعہ اشتہار جا بجا مشتہر کرا دیا۔ پھر ۳۹۷ء میں ایک اور کمیٹی قائم ہوئی کہ جس کو انجمن کارتھیج کہتے ہیں اس میں علاوہ اگسٹائن کے جو اُن کے نزدیک بڑا عالم تھا ایک سو چھبیس ۱۲۶ اور بڑے بڑے عالم تھے اس مجلس میں پہلی مجلسوں کے حکم کو بحال رکھ کر یہ سات کتابیں اور واجب التسلیم قرار دی گئیں (۱) کتاب وِزڈم (۲) کتاب توبیاس (۳) کتاب باروخ (۴) کتاب ایکلزیاستیکس (۵) (۶) مقابیس کی دونوں کتابیں (۷) مکاشفاتِ یوحنا۔ لیکن اس مجلس نے کتاب باروخ کو کتاب ارمیا کا جزء بنایا کیونکہ باروخ علیہ السلام ارمیا علیہ السلام کے خلیفہ اور نائب تھے۔ اس کے بعد اور تین مجلسیں مقرر ہوئیں کہ جن کو مجلس ترلو اور مجلس فلورنس اور مجلس ترنٹ کہتے ہیں ان مجلسوں نے مجلس کارتھیج کے حکم کو باقی رکھا مگر کتاب باروخ کو فہرست کتب میں علیحدہ لکھا پس یہ کتابیں بارہ سو برس تک عیسائیوں میں واجب التسلیم رہیں یہاں تک کہ فرقہ پروٹسٹنٹ ظاہر ہوا اس نے کتاب باروخ اور کتاب توبیاس اور کتاب یہودیت اور کتاب وِزڈم اور کتاب ایکلزیاستیکس اور مقابیس کی دونوں کتابوں کو رد کر دیا اور لغو سمجھا اور کتاب آستر کے چند بابوں کو بھی الحاقی بتا دیا کیونکہ اس کے سولہ ۱۶ باب تھے جس میں سے اول نو ۹ باب اور دسویں کی بعض آیات کو مانتے ہیں اور باقی سب کو جعلی بتاتے ہیں۔ اب آپ کو اسلاف کی تحقیق اور ان کتابوں میں اختلاف کی وجہ بخوبی معلوم ہوگئی۔

**فصل دوم** پیشتر اس کے کہ میں آپ کو ان کتابوں کی اصلیت بتاؤں ایک اور بات سناتا ہوں کہ جس سے آپ کو ان اصلی کتابوں کے گم ہو جانے میں کچھ تعجب نہ رہے اور وہ یہ ہے قسیس نورٹن کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں لکھنے کا دستور نہ تھا انتہیٰ۔ اس قول کی صداقت ان دو باتوں سے اور بھی ہوتی ہے (اول) یہ کہ اس زمانہ میں کاغذ نہ تھا یہاں تک کہ حضرت مسیح کے کئی سو برس بعد کاغذ ایجاد ہوا اور لکھنے کا دستور جاری ہوا چنانچہ اس ہسٹری میں کہ جو ۱۸۵۰ء میں لندن مطبع چارلس ڈالین میں چھپی ہے لکھا ہے کہ اول زمانہ میں سلائیوں سے تختوں پر حروف نقش کیا کرتے تھے پھر سب سے اول مصر والے درخت پیپرس کے پتوں پر لکھنے لگے پھر بلدہ پرگس میں خس کی وصلی ایجاد ہوئی اور آٹھویں صدی میں روئی اور ریشم کا کاغذ تیار ہوا

فصل دوم

[1] یہ ایک شہر تھا جس میں یہ کمیٹی ہوئی تھی جس طرح کہ اول نائس میں پھر شہر کارتھیج میں ہوئی۔ منہ

انتہے (دوم) یہ کہ توراۃ مطبوعہ ۱۸۳۵ء میں یہ ہے کہ مذبح کے تمام پتھروں پر وضاحت سے تمام توراۃ کو لکھا تھا چنانچہ نسخہ فارسیہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء کی یہ عبارت ہے دراں بحار بر سنگہا نسخہ توراۃ موسے را کہ در حضور بنی اسرائیل نوشتہ بود نوشت انتہے بلفظہٖ اگرچہ بالفعل کے نسخوں میں اپنی جبلی عادت کے موافق اہل کتاب نے توراۃ کو چھوڑ کر احکام بنایا ہے لیکن ہمارا مدعا تو بخوبی ثابت ہے کہ اُس وقت میں کاغذ نہ تھا اور اگر تھا تو بہت ہی کم اور کاغذ کی لکھی ہوئی بالخصوص ایسی ضخیم کتابیں کہ جیسے توراۃ ہے شاید تمام قوم میں ایک آدھ ہی نسخہ ہو۔ اور حفظ کا رواج نہ تھا پس حضرت موسیٰ نے وہ نسخہ توراۃ (کہ جو کتاب الٰہی تھی خواہ بواسطہ جبرئیل علیہ السلام مع الفاظ حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی تھی یا بطور الہام کے اُنھوں نے لکھی تھی ہرچہ باشد) احبار کو دیدیا تھا اور اُنھوں نے صندوق شہادت میں رکھدیا تھا اور سات برس کے بعد صندوق کھلتا اور یہودی عید کے روز اُس کو سُنتے تھے۔ چنانچہ حضرت یشوعؑ تک یہی حال رہا پھر جب یہود میں انقلاب ہوا کبھی مُرتد ہو کر سالہا سال بُت پرستی کرتے تھے اور کبھی اسلام لاتے تھے تو ان حوادث میں توراۃ جاتی رہی جز نہیں کہہ سکتے کہ کب گئی مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سے پیشتر تلف ہوئی کیونکہ جب سلیمانؑ نے وہ صندوق کھولا تو اُس میں فقط دو لوح برآمد ہوئیں کہ جن میں دس احکام لکھے ہوئے تھے چنانچہ یہ بات اول کتاب السلاطین کے ۸ باب ورس ۹ سے ثابت ہے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی سلطنت کے دو ٹکڑے ہوگئے اور دونوں سلطنتوں میں کفر اور بُت پرستی نے تخمیناً ڈھائی سو برس تک وہ زور پکڑا کہ آخز کے عہد میں بعل بُت کے لئے ہر جگہ مذبح بنائے گئے اور بیت المقدس کے دروازے بند ہوگئے اور اس عرصہ میں دو بار حملے بھی ہوئے چنانچہ ایک بار سلطانِ مصر نے چڑھائی کرکے بیت المقدس کو لُوٹ کر تباہ کردیا اور تمام چیزیں لے گیا اور ایک بار اسرائیل کا ایک مُرتد بادشاہ چڑھ آیا اور اس نے بھی ایسا ہی کیا المختصر حضرت سلیمانؑ کے بعد سے تخمیناً چارسو برس تک یہ حال رہا کہ ایک مدت تک چند بادشاہ مُشرک اور مُرتد ہو کر دینِ موسوی کو برباد کرتے رہے اور بیچ میں ایک دو دیندار بھی ہوگئے آخر کار منسّا کے عہد میں تو از حد کفر اور بُت پرستی ہوئی چنانچہ خاص بیت المقدس میں بُت دھرے گئے یہاں تک کہ جب یوسیاہ بن آمون تخت پر بیٹھا اور صدقِ دل سے بُت پرستی سے توبہ کرکے دینِ موسوی کی طرف متوجہ ہوا توراۃ کو

---

لہ اور یہ کہنا کہ لوہے یا لکڑی یا سیسہ کے تختہ پر عبارت کھودنا بہت ہی بہتر اور پائدار اور معقول صورت تھی جائز ہے کہ توراۃ لوہے پتھر یا لکڑی کے تختوں پر لکھی ہو بالکل لغو ہے کیونکہ اگر تسلیم کیا جائے تو بدرجہ ادنیٰ توراۃ کا ایک ہی نسخہ ہوگا کیونکہ عادتاً اتنی بڑی کتاب کا لوہے وغیرہ چیزوں کے تختوں پر کھودنا نہایت مشکل کیا بلکہ اُس زمانہ کے لحاظ سے محال معلوم ہوتا ہے پس جب توراۃ کا یہ ہزار مشکل لکڑی کی تختیوں پر کھود کر ایک نہایت ادنیٰ بالفرض تین نسخے مہیا کئے گئے تو اس قدر لکڑیوں کا انبار بخت نصر وغیرہ کے حوادث میں محفوظ رہنا اور اس کو کہیں چھپا دینا عادتاً محال ہے پس اُس انبار میں سے دس بیس تختے بھی گم ہوگئے تو توراۃ میں قطعی کمی ہوگئی پھر سخت مصائب اور سفروں میں اس کے محفوظ رہنے کی کیا صورت ہے۔ حقانی ف کتاب استثناء کے اکتیس باب نویں ورس میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے اس شریعت کو لکھا اور بنی لاوی کے جو صندوق شہادت اُٹھاتے تھے اور اسرائیل کے سارے بزرگوں کے حوالے کیا۔ منہ

بہت ڈھونڈا لیکن باایں ہمہ اُس کو توراۃ کا پتہ نہ ملا مگر اٹھارہویں سال خِلقیاہ کاہن نے دعویٰ کیا کہ مجھ کو نسخہ توراۃ بیت المقدس میں سے دبا ہوا ملا اور اس نے بذریعہ سافن کاتب کے وہ نسخہ یوسیاہ کو دیا کہ جس کو سُن کر یوسیاہ کو بنی اسرائیل کے گناہ پر بڑا رنج ہوا بظاہر سمجھ میں نہیں آتا کہ باوجود اس تجسس کے نہ بادشاہ کو نہ کسی اور کو بیت المقدس میں نسخہ توراۃ ملا خلقیاہ کو مل گیا پس قطعی یہ ہے کہ اتنی مدت تک خلقیاہ . . . حضرت موسیٰؑ کے حالات و دیگر حکایات کو اپنے طور پر جمع کرتا رہا جب مرتب ہو گیا تو دعویٰ کیا) پس جب یہ بادشاہ مر گیا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا یہو آخز تخت پر بیٹھتے ہی مرتد ہو گیا اور کفر پھیلا دیا مگر اُس کو تھوڑے ہی دنوں بعد شاہِ مصر نے گرفتار کر لیا پھر اس کے بعد اس کا بھائی یہویقیم تخت پر بیٹھا وہ بھی مرتد ہوا اُس کے بعد اُس کا بیٹا یہویکین مرتد تخت پر بیٹھا تو بابل کا بادشاہ بخت نصر[1] اُس کو گرفتار کر کے لے گیا اور بیت المقدس کو خراب کر گیا اور اُس کے چچا صدقیاہ کو اُس کی جگہ قائم کر گیا پس جب اُس نے بھی بخت نصر سے بغاوت کی تو دوبارہ بخت نصر نے چڑھائی کی پھر تو بیت المقدس کو بالکل منہدم کر دیا اور ہزارہا بنی اسرائیل کو تہ تیغ کیا اور بے شمار کو غلام بنا کے لے گیا اور جلیل و اورشلیم کو بھی مسمار کر گیا اس حادثہ میں توراۃ (اگر فرض کیا جاوے کہ وہ باقی بھی درنہ وہی تصنیف خلقیاہ) اور تمام کتابیں روئے زمین سے بالکل معدوم ہو گئیں چنانچہ اس بات کا اہل کتاب کو اقرار ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام نے حضرت عیسیٰؑ سے چارسو چھپن برس پیشتر پھر جو کچھ اپنی یاد پر لکھا تھا (کہ جس کو اہل کتاب توراۃ کہتے ہیں گو وہ بھی غلطی سے خالی نہ تھا کیونکہ سفر اول اور دوم کتاب تاریخ کو حضرت عزیرؑ نے بقول اہل کتاب حجی اور زکریا علیہم السلام کی مدد سے لکھا ہے اس میں اولادِ بنیامین کے بیان میں توراۃ کا خلاف کیا ہے توراۃ میں جو غلطی سے دس لکھ گئے ہیں اُن کو کبھی تین اور کبھی پانچ بتلایا ہے) وہ بھی شاہ انٹیوکس کی چڑھائی میں برباد ہو گیا یہ حادثہ حضرت مسیحؑ سے ایک سو اکسٹھ برس پیشتر یہود پر گزرا ہے اور ساڑھے تین برس تک رہا ہے جیسا کہ کتب تواریخ سے ظاہر ہے باب اول کتاب اول مقابیس میں یہ ہے کہ انٹیوکس شاہِ فرنگ نے یروشلیم پر چڑھائی کی اور عہد عتیق[2] کی تمام کتابوں کو جلا دیا اور حکم دیا کہ جس کے پاس یہ کتابیں نکلیں گی یا کوئی رسم شریعت بجا لاوے گا قتل کیا جاوے گا اور ہر

---

[1] جس کو نبوکد نضر بھی کہتے ہیں چنانچہ کتاب السلاطین کی جلد دوم ۲۴ باب میں اس واقعہ کی تصریح ہے۔ منہ [2] اس کی تصدیق اس بات سے بخوبی ہوتی ہے کہ جب بخت نصر نے عہد عتیق کو جو کہ صدہا سال سے یہود میں چلا آتا تھا نیست و نابود کر دیا تھا اگر عزیر علیہ السلام نہ ہوتے تو بقول اہل کتاب پھر توراۃ کا صفحۂ عالم پر کوئی نشان بھی نہ رہتا پس انٹیوکس کا فاصلہ تو بقول عماد الدین چارسو برس کا تھا اور یہود کو اگلے زمانہ کا سا عروج بھی اس عرصہ میں نہ ہوا تھا اس میں کسی طرح سے احتمال بھی نہیں ہو سکتا کہ یہود کے ہاں توراۃ کے صدہا اور ہزارہا نسخے پھیل گئے ہوں گے اور شرقاً غرباً پہنچ گئے ہوں گے تاکہ یہ کہا جاوے کہ انٹیوکس کے فساد سے تمام نسخے کیونکر معدوم ہو سکتے ہیں پس جس طرح بخت نصر نے کچھ کم ہزار برس کا نسخۂ توراۃ اپنے دوسرے حملے میں معدوم کر دیا تو انٹیوکس نے چارسو برس کے نسخۂ عزیریہ کو تو ساڑھے تین برس کے ہر روزہ حملوں میں بدرجۂ اولیٰ معدوم کر دیا ہو گا۔ منہ

مہینہ میں تین بار خانہ تلاشی کرتا تھا انتہےٰ ملخصًا۔ اور ٹامز کا ٹلک بھی اپنی اُس کتاب میں جو ۱۸۴۲ء میں بلدہ ڈربی میں چھپی ہے اُس کے ۱۱۵ صفحہ میں لکھتا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اصل نسخہ توراۃ اور اسی طرح اصل نسخے اور عہد عتیق کے بخت نصر کے ہاتھ سے شہر اور شلیم اور ہیکل کی بربادی کے وقت جاتے رہے اور صحیح نقلیں ان کی پھر عزرا کے طفیل سے بہم پہنچیں تو انٹیوکس کے حادثہ میں تلف ہوگئیں پھر مسیح اور حواریوں کی شہادت بغیر ان کی تسلیم کے کوئی صورت نہ تھی انتہےٰ ملخصًا۔ اس زمانہ پر قیاس کر کے یہ کہنا کہ عزیرؑ اور انٹیوکس میں کئی سو برس کا فاصلہ ہے اس عرصہ میں بہت سی کتابیں پھیل گئی ہوں گی، یہود بالخصوص ملک یہودیہ کے قتل سے وہ سب کیونکر تلف ہوسکتیں کیا اب کوئی بادشاہ روم اور عرب کے قرآن جلاتے تو فارس اور کابل اور ہندوستان کے کیونکر جلا سکتا ہے؟ (ہدایت المسلمین) قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اول تو اُس زمانہ میں عہد عتیق کا اگر کچھ وجود ہوگا تو غایۃ ایک یا بالفرض محال دو نسخے ہوں گے کچھ مطابع تو تھے ہی نہیں کہ ہزاروں کی نوبت پہنچی ہوگی یا کاغذ پر صدہا قلمی لکھی گئی ہوں گی کیونکہ کاغذ نہ تھا نہ کتابت کا اس قدر رواج تھا کما مر۔ دوم یہودیوں کا تو ہمیشہ سے ایک ملک مخصوص چلا آتا ہے اُس زمانہ تک وہ تمام جہان میں کہاں پھیلے تھے جو اہلِ اسلام اور قرآن پر قیاس کیا جاوے۔ اس امر کی تصدیق اس سے بخوبی ہوسکتی ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم وغیرہ انبیاء علیہم السلام کے صحیفے عالم سے مفقود ہوگئے اسی طرح انبیاء بنی اسرائیل کی بہت وہ کتابیں کہ جن کا ذکر عہد عتیق میں اب تک پایا جاتا ہے ان حوادث میں رُوئے زمین سے معدوم ہوگئیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) موسیٰؑ کا جنگ نامہ جس کا ذکر سفر عدد کے ۲۱ باب ۱۴ آیت میں ہے (۲) کتاب الیسیر جس کا ذکر کتاب یوشع کے ۱۰ باب ۱۳ آیت میں ہے (۳) اور (۴) اور (۵) حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین کتابیں تھیں ایک کے پندرہ سو زبورات تھے دوسری مخلوقات کی تاریخ تھی تیسری میں تین ہزار امثال تھیں کہ جن میں سے کسی قدر امثال اب تک باقی ہیں ان تینوں کا ذکر کتاب اول سلاطین کے ۴ باب کی ۳۲ اور ۳۳ آیت میں ہے (۶) کتاب قوانین سلطنت صموئیل کی تصنیف جس کا ذکر اول کتاب صموئیل کے ۱۰ باب ۲۵ آیت میں ہے (۷) تاریخ صموئیل (۸) تاریخ ناتھنؑ نبی کی (۹) تاریخ غیب بین جاد کی ان تینوں کا ذکر اول کتاب التواریخ کے ۲۹ باب ۳۰ آیت میں موجود ہے (۱۰) کتاب سمعیا کی (۱۱) کتاب عیدو غیب بین کی (۱۲) کتاب اخیاہؑ نبی کی (۱۳) مشاہدات عیدو غیب بین کے ان دونوں کا ذکر دوم کتاب تواریخ کے ۹ باب ۲۹ آیت میں ہے (۱۴) یاہوؑ نبی کی کتاب اس کا ذکر دوم کتاب تواریخ کے ۲۰ باب ۳۴ آیت میں موجود ہے (۱۵) اشعیاؑ نبی کی کتاب کہ جس میں شاہ عزیاہ کا اول سے آخر تک حال مندرج تھا اس کا ذکر دوسری کتاب التواریخ کے ۲۶ باب ۲۲ آیت میں ہے (۱۶) حزقیاہؑ نبی کے مشاہدات اس کا ذکر دوسری کتاب التواریخ کے ۳۲ باب کی ۳۲ آیت میں ہے (۱۷) مرثیہ، ارمیا کا یوشیاہ پر علیہما السلام اس کا ذکر دوم کتاب التواریخ کے ۳۵ باب کی ۲۵ آیت میں ہے (۱۸) کتاب تواریخ الایام اس کا ذکر کتاب نحمیاہ کے باب ۱۲ کی ۲۳ آیت میں ہے۔ اور دو کتابیں یوسیفس مورخ حزقیال علیہ السلام کی اور بتلاتا ہے اب یہ کل ۲۰ کتابیں ہیں کہ جن کے مفقود ہونے کا

تمام علماء اہل کتاب اقرار کرتے ہیں اور افسوس ظاہر کرتے ہیں۔ مگر آج کل کے کرسٹین بقول شخصے مدعی سُست گواہ چُست یہ بات بناتے ہیں کہ یہ کتابیں الہامی نہ تھیں اس لئے متقدمین نے ان کو محفوظ نہ رکھا اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آٹھ کتابیں اور تھیں کہ بعض سے عیسائیوں کے بزرگوں نے سند پکڑی ہیں ان میں سے بھی اکثر مفقود ہیں اُن کے یہ نام ہیں (۱) گیارہ زبور (۲) ایوب کی دوسری کتاب (۳) کتاب مشاہدات۔ (۴) پیدائش کی تورد کتاب (۵) کتاب معراج (۶) کتاب الاسرار (۷) کتاب ٹسٹمنٹ (۸) کتاب الاقرار[1]۔ چنانچہ آرجن لکھتا ہے کہ ورس ۶ باب ۵ اور ورس ۱۵ باب ۶ گلاتیوں میں پولوس کتاب پیدائش سے نقل کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ ورس ۹ نامہ یہوداکا کتاب المعراج سے منقول ہے اور لارڈ نر نے اپنی تفسیر کی جلد دوم صفحہ ۵۱۲ میں اُس کو نقل کیا ہے علاوہ اس کے اوروں سے بھی سند پکڑی ہو تو کچھ تعجب نہیں۔ پادریان حال کا یہ جواب کہ یہ الہامی نہ تھیں عذر گناہ بدتر از گناہ ہے کیونکہ الہامی نہ ہونے کی صرف یہ وجہ کہتے ہیں کہ یہ تاریخی کتابیں انبیاء ہونے لکھی تھیں اُن میں الہام کو دخل نہ تھا۔ **اقول** یہ کتابیں کہ جن کو اہل کتاب اب مانتے ہیں انھیں انبیاء کی تصنیف ہیں ان میں کہیں نہیں کہا ہے کہ ہم الہام سے لکھتے ہیں علاوہ اس کے تاریخ نویسی میں الہام کے کیا معنے ؟ اگر یہ مراد ہے کہ سچے واقعات تو پھر ان کُتب کی کیا خصوصیت ہے ؟ جس قدر دنیا میں سچی تاریخیں ہیں سب الہامی ہیں اور اگر یہ مراد کہ ان میں اور مورخوں کی طرح سے راویوں اور کتابوں کے حوالہ سے درج نہ کیا جاوے بلکہ ایک انکشاف آلہی سے لکھا جائے تو اس صورت میں بھی یہ کتابیں جو آب الہامی مانی گئی ہیں الہامی نہیں کیونکہ لوقا اور مرقس سب راویوں کے ذریعہ سے حالات لکھتے ہیں اور ان کُتب مسلّمہ میں تاریخی کتابوں کے حوالے ہیں اور کوئی الہام کی صورت تاریخ نویسی میں سمجھ میں نہیں آتی کہ جو ان کتابوں میں ہے اوروں میں نہ تھی باوجود اس کے آگے بھی یہی لوگ مصنف ہیں۔ پس فرق بتلانا پادریوں کے ذمہ ہے ورنہ رجماً بالغیب باتوں کی طرف ہم کان بھی نہیں رکھیں گے۔ جب کہ آپ کو یہ حال معلوم ہو چکا تو اب میں چند دلائل منصفانہ بیان کرتا ہوں کہ جن سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جائے کہ یہ کتابیں حضرت موسیٰؑ کی تصنیف نہیں (۱) ان کتابوں میں بہت سے ایسے مضامین پائے جاتے ہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

شاہد اول

حضرت موسیٰؑ کے بہت بعد یہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ **شاہد اول** کتاب استثنا کا ۳۴ باب تو یہی کہہ رہا ہے کہ موسیٰؑ کے صدہا سال بعد کوئی شخص اس کا مصنف ہے چنانچہ اس میں یہ ہے سو موسیٰؑ خداوند کا بندہ خداوند کے حکم کے موافق موآب کی سرزمین میں مرگیا اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑا پر آج کے دن تک کوئی اُس کی قبر کو نہیں جانتا انتہےٰ۔ **شاہد دوم** ورس ۲۱ باب ۳۵ کتاب پیدائش

شاہد دوم

کا یوں ہے۔ پھر بنی اسرائیل نے کوچ کیا اور اپنا خیمہ عیدر کے ٹیلے کے اُس پار استادہ کیا انتہےٰ۔ حالانکہ عیدر نام اُس منارہ کا ہے جو شہر یروشلم کے دروازہ پر تھا حضرت موسیٰؑ کے عہد میں اُس کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا بلکہ صدہا برس بعد بنایا گیا۔ **شاہد سوم** ورس ۳ باب ۲۱ کتاب گنتی کا یہ ہے چنانچہ خداوند نے بنی اسرائیل

شاہد سوم

[1] اظہار الحق صفحہ ۱۱۴ جلد اول مطبوعہ مطبع سلطانیہ ۱۸۸۲ء ہجری۔ منہ

کی آواز سنی اور کنعانیوں کو گرفتار کروا دیا اور انھوں نے انھیں اور اُن کی بستیوں کو حرم کر دیا اور اُس نے اُس مکان کا نام حرمہ رکھا انتہٰی۔ حالانکہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ ؑ کیا بلکہ حضرت یوشعؑ کے بعد واقع ہوا ہے کیونکہ موسیٰ ؑ تو اپنی زندگی میں کنعان تک پہنچے بھی نہ تھے بستیوں کا حرمہ کرنا تو کجا؛ ان مقامات پر مفسرین اہل کتاب عاجز ہو کر یہ کہتے ہیں کہ یہ جملے الحاقی ہیں اور اُن کو حضرت عزیرؑ نے ملا دیا ہے مگر یہ جب قبول ہوتا کہ اس کا کوئی ثبوت کافی ہوتا ورنہ بے شک عزیرؑ کا نام لے دینا فضول ہے کسی جگہ انھوں نے یہ نہیں کہا کہ فلاں فقرہ میرا ہے اور نہ کوئی فرق کے لئے نشان لکھا بلکہ تمام کلام متصل یکساں ہے (۲) زبور[1] اور کتاب نحمیا[2] اور یرمیاہ اور حزقیل[3] کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میں بھی تصنیف کا طرز اور مصنفوں کے محاورات ایسے ہی تھے کہ جو آج ہیں کہ جہاں مصنف اپنا حال لکھتا ہے تو متکلم کے صیغے بولتا ہے گو کسی جگہ بلفظ غائب بھی تعبیر کرتا ہے مگر اس تورات میں تو ابتدا سے لے کر انتہا تک کسی مقام پر بھی متکلم کا صیغہ نہیں بولا بلکہ جو کوئی توراۃ کو اور کسی تاریخ کے ساتھ (کہ جس میں کسی مورخ نے کسی کے حال کو سالہا سال بعد لکھا ہے) مقابلہ کرے گا تو سر مو تفاوت نہ پاوے گا اور یہی حال باقی نبیوں کی کتابوں کا ہے اگرچہ سب الفاظ کا نقل کرنا مشکل ہے مگر نظیر کے طور پر کسی قدر نقل کرتا ہوں باب ۲ ورس ۱۱ خروج کا یہ ہے اُن روزوں میں یوں ہوا کہ جب موسیٰ ؑ بڑا ہوا الخ ۱۵ جب فرعون نے یہ سنا تو چاہا کہ موسیٰ ؑ کو قتل کرے پر موسیٰ ؑ فرعون کے حضور سے بھاگا الخ ۲۱ تب موسیٰ ؑ اس شخص کے گھر رہنے پر راضی ہوا۔ اول سے لے کر آخر تک تمام کتاب میں یہی طور ہے علاوہ اس کے اور تمام کتابوں کا (کہ جن کو وہ انبیاء ؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں) یہی حال ہے۔ چنانچہ کتاب یشوعؑ کی یہ عبارت ہے۔ جب خداوند کا بندہ موسیٰ ؑ مر گیا تو یوں ہوا کہ خداوند نے نون کے بیٹے یشوعؑ کو جو موسیٰ ؑ کا خادم تھا خطاب کر کے فرمایا الخ۔ باب ۲۔ تب نون کے بیٹے یشوعؑ نے شطیم سے دو مرد بھیجے الخ کتاب روت میں بھی کوئی شخص نامعلوم نعومی یہودیہ کی بہو مسماۃ روت کا قصہ بیان کر رہا ہے چنانچہ اس کی یہ عبارت ہے۔ اور نعومی کا شوہر الیملک مر گیا وہ اور اُس کے دونوں بیٹے باقی رہ گئے تھے اُن دونوں نے موآب کی عورتوں میں سے جورواں کیں ایک کا نام عرفہ اور دوسری کا نام روت تھا الخ اسی طرح کتاب صموئیل کا بھی عنوان صاف صاف بآواز بلند یہ کہہ رہا ہے کہ کوئی اور شخص صموئیل کے قصہ کو لکھ رہا ہے چنانچہ صموئیل کی والدہ حنہ کا تمام قصہ لکھ کر یہ مورخ کہتا ہے ورس (۲۰) اور ایسا ہوا کہ حنہ کے حاملہ ہونے کے بعد جب دن پورے ہوتے وہ بیٹا جنی اور اُس کا نام صموئیل رکھا الخ وقس علیہ البواقی

وجہ سوم (۳) ان کتابوں میں بہت سے ایسے مضامین پائے جاتے ہیں کہ جن سے خدائے پاک کی ذاتِ مقدس میں اور اس کے ملائکہ کرام اور انبیاء علیہم السلام میں سخت عیب لگتا ہے اور کتب الٰہیہ کی شان سے یہ ناممکن ہے کیونکہ اُن سے ہدایت مقصود ہوتی ہے نہ ضلالت پس ثابت ہوا کہ یہ الہامی نہیں ہیں۔

شاہد اول **شاہد اول** کتاب پیدائش کے ۱ باب ورس ۲۶ سے ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم ؑ کو اپنے ہم شکل بنایا۔ اور کئی مقام سے بھی یہی ثابت ہے جس سے لازم آیا کہ خدا تعالیٰ مجسّم اور حادث ہے، تعالی اللہ عن ذالک **سوال** قرآن میں بھی تو خدا تعالیٰ کے لئے منہ اور ہاتھ ثابت کیا ہے۔ **جواب** اس میں اور جسمانیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اس کی تفصیل پہلے ہم کر چکے ہیں۔[لہ]

شاہد دوم **شاہد دوم**۔ کتاب پیدائش کے باب ۳ ورس ۲۲ میں یہ ہے۔ اور

لہ حاشیہ صفحہ ۱۸۳ پر ملاحظہ کیجیے۔

خداوند نے کہا کہ دیکھو کہ انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہوگیا اور اب ایسا نہ ہو کہ اپنا ہاتھ بڑھاوے اور حیات کے درخت سے کچھ لیوے اور کھاوے اور ہمیشہ جیتا رہے انتہیٰ۔ یہاں سے کئی برائیاں ثابت ہوئیں۔ (۱) کہ کئی خدا ہیں (۲) کہ علم و ادراک میں آدم خداتعالیٰ کی مانند ہوگیا۔ (۳) یہ کہ خداتعالیٰ کو آدم کے ہمیشہ جینے سے اندیشہ اور خوف پیدا ہوا۔

شاہد سوم

**شاہد سوم** اسی کتاب کے باب ۶ درس ۵ و ۶ میں ہے تب خداوند تعالیٰ زمین پر انسان پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دل گیر ہوا انتہیٰ۔ یہاں سے اس کی جہالت اور عاجزی ثابت ہے۔

شاہد چہارم

**شاہد چہارم** کتاب خروج کے باب ۱۶، اور باب ۲۹، اور کتاب احبار کے باب ۲۶، اور کتاب دوم صموئیل کے باب ۷، اور ۲۲، اور کتاب خروج کے باب ۳۴، اور کتاب اول سلاطین کے باب ۲۲ وغیرہ مقامات میں تصریح ہے کہ خداتعالیٰ بدلی میں اُترا اور خیمہ کے دروازہ پر کھڑا رہا۔ اور اُس کے مُنہ سے آگ اور نتھنوں سے دھواں نکلا۔ اور وہ ایک کروبی پر سوار ہوکر اُڑا اور اسرائیل کے ستر لوگوں نے موسےٰؑ اور ہارونؑ کے ساتھ خداتعالیٰ کو (کرسی پر بیٹھے) دیکھا اور کھایا پیا۔ اور اُس کا لباس برف سا سفید اور اس کے سر کے بال صاف ستھرے اُون کی مانند تھے۔ اس خرافات کا کچھ ٹھکانا ہے!

شاہد پنجم

**شاہد پنجم** کتاب پیدائش کے باب ۳۲ درس ۲۴ میں ہے کہ یعقوب سے صبح صادق تک تمام رات خداتعالیٰ کشتی لڑتا رہا اور صبح کو جب جانا چاہا تو یعقوب نے بغیر برکت کے لئے جانے نہ دیا۔ اور باب اول فصل سوم مفتاح الاسرار میں پادری فنڈر صاحب اس کشتی لڑنے والے کو خداتعالیٰ کہتے ہیں۔

شاہد ششم

**شاہد ششم** کتاب خروج کے باب ۲۰ درس ۵ اور باب ۳۴ درس ۷، اور کتاب یرمیاہ باب ۳۲ درس ۱۸ میں تصریح ہے کہ خداتعالیٰ باپ دادوں کے گناہ کی سزا ان کی تیسری چوتھی پشت کو دیتا ہے۔ واہ کیا انصاف ہے کرے کوئی بھرے کوئی، سبحان اللّٰہ عما یصفون۔

ف ملائکہ کی بابت

ملائکہ کی نسبت کتاب پیدائش کے ۱۸ باب ۸ درس میں یہ ہے کہ پھر اُس نے گھی اور دودھ اور اس بچھڑے کو جو اُس نے پکوایا تھا لے کے اُن کے سامنے رکھا اور آپ اُن کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور انھوں نے کھایا انتہیٰ۔ پس جب فرشتوں نے کھایا پیا تو تمام شہوانی باتیں جو تغذیہ کو لازم ہیں پائی گئیں پھر قدوسیتِ ملائکہ کہاں رہی؟

ف انبیاء کی بابت

آب انبیاءؑ کی نسبت سُنیئے:۔

شاہد اول

**شاہد اوّل** کتاب پیدائش کے ۹ باب میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام شراب پی کر بدمست اور بدحواس ہوئے کہ تمام ستر برہنہ ہوگیا اور ان کے بیٹوں نے ڈھانکا۔

شاہد دوم

**شاہد دوم** کتاب پیدائش کے ۱۹ باب میں ہے کہ حضرت لوطؑ نے شراب پی کر اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا اور یہ معاملہ دو بار وقوع میں آیا۔

شاہد سوم

**شاہد سوم** حضرت یعقوب علیہ السلام نے بکری کے

---

(حاشیہ ۱۸۲) لے دہلی میں ایک خفیہ کرسٹان توراۃ کو اصلی ثابت کرنے کے لئے ان تمام عیوب کو ذاتِ باری میں تسلیم کرتا ہے اور ان آیات واحادیث کو ذکر جن کے معنی علماء متکلمین نے بالاتفاق اسی طرح بیان کئے ہیں جیسا کہ مفسر نے بیان فرمایا اور تمام اہلِ اسلام اس پر متفق ہیں کہ وہ جسمانیت اور مکانیت اور شکل و صورت و مثل سے پاک ہے یہ جاہل نہیں مانتا جیسا کہ اس کے پنج گنج سے واضح ہے ع ان سب باتوں کو بھی وہ خفیہ کرسٹان تسلیم کرتا ہے جیسا کہ جواب تفسیر حقانی اور پنج گنج وغیرہ رسائل سے ثابت ہے مسلمانوں کو اس منافق کے فریب سے کہ جو بہ لباس اسلام دھوکا دیتا ہے بچنا فرض ہے۔ حقانی

۱۳

بچوں کی کھال ہاتھوں پر لپیٹ کر جھوٹ بولا اور اپنے باپ اسحاق ؑ کو دھوکا دینے کو اپنا نام عیص بتلایا۔ یہ کتاب پیدائش کے ۲۷ باب میں مذکور ہے۔ **شاہد چہارم** کتاب پیدائش کے ۳۴ باب میں مذکور ہے کہ حمور کے بیٹے سکم نے حضرت یعقوب ؑ کی بیٹی دینہ سے زنا کیا اور یعقوب ؑ کے بیٹوں نے اس سے یہ کہا کہ تو اور تیری تمام قوم ختنہ کرے تو دینہ کی شادی تجھ سے کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان نبی زادوں نے ایسا موقع پا کر اس کو اور اس کی تمام قوم بے گناہ کو نہایت بے رحمی سے تہ تیغ کیا اور مال و اسباب لوٹ لیا اور ان کی بیویوں اور بچوں کو غلام بنایا مگر حضرت یعقوب ؑ نے منع کرنا تو درکنار اس نالائق حرکت پر اپنی ناراضی بھی ظاہر نہ کی۔ (شاہد چہارم)

**شاہد پنجم** کتاب خروج کے ۳۲ باب میں ہے کہ بنی اسرائیل کے کہنے سے موسیٰ ؑ کی غیبت میں ہارون علیہ السلام نے زیور کا ایک بت بنایا اور تمام بنی اسرائیل سے اس کو سجدہ کروایا اور اس کے لئے قربانیاں گزرانے کا حکم دیا اور یہ کہا کہ یہ تمہارا وہ معبود ہے کہ جو تمہیں مصر کی زمین سے نکال لایا انتہیٰ۔ یہ وہ ہارون ؑ ہیں کہ جنہوں نے بالمشافہ خدا تعالیٰ کو دیکھا اور اس سے کلام کیا تھا اور ان کے لئے خدا کے گھر کی کہانت مقرر ہوئی تھی۔ اس پر یہ بت پرستی توبہ توبہ۔ (شاہد پنجم)

**شاہد ششم** صموئیل کی دوسری کتاب کے ۱۱ باب میں ہے کہ حضرت داؤد ؑ اپنے بام پر چڑھے اتفاقاً اوریاہ کی جورو بت سبع کو نہاتے دیکھ کر اس پر فریفتہ ہوگئے اور آدمی بھیج کر اس کو بلوایا اور اس سے زنا کیا کہ جس سے وہ عورت حاملہ ہوئی پھر اس کے خاوند کو ایک مکر و تدبیر کر کے مروا ڈالا جس پر ناتن نبی کی معرفت داؤد ؑ پر بڑی زجر و توبیخ ہوئی انتہیٰ۔ یہ وہ داؤد ؑ ہیں کہ جن کی تصنیف زبور کتب مقدسہ میں شامل ہے اور جو عیسائیوں کے خدا کے جد امجد ہیں اور جو خدا تعالیٰ کی پیروی کرنے والے ہیں اس پر یہ حرامکاری اور یہ مکاری العیاذ باللہ العیاذ باللہ۔ (شاہد ششم)

**شاہد ہفتم** کتاب اول سلاطین کے ۱۱ باب میں ہے کہ حضرت سلیمان ؑ نے باوجود سخت ممانعت کے موآبی اور عمونی وغیرہ بت پرست عورتوں کو بیوی بنایا اور خواہش نفسانی کو یہ طغیانی ہوئی کہ سات سو بیگمات اور تین سو حرموں تک نوبت پہنچی اور پھر ان پر یہاں تک عاشق اور مرید زن ہوئے کہ بتوں کی طرف مائل اور تعمیر بت خانوں میں مصروف اور شامل ہو گئے اور آخر عمر میں ایمان کو بھی سلام کر گئے۔ انتہیٰ ملخصاً۔ یہ وہ سلیمان ؑ ہیں کہ جن کی تصنیفات امثال و غزل الغزلات اہل کتاب میں الہامی مانی جاتی ہیں اور جن کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ "دیکھ میں نے عاقل اور سمجھ دار دل تجھ کو بخشا ایسا کہ تیری مانند تجھ سے آگے نہ ہوا اور تیرے بعد تجھ سا برپا نہ ہوگا۔" (کتاب اول سلاطین باب ۹ ورس ۲) اسی قسم کے اور بہت سے شواہد ہیں۔ **ف** قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے ان مقامات میں ان ناپاک باتوں کے انتساب سے بھی اپنی ذات مقدسہ اور ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو بچایا ہے۔ (شاہد ہفتم)

**(وجہ چہارم)** ان کتابوں میں باہم ایسے مضامین متعارض پائے جاتے ہیں کہ جو الہامی کتابوں کی شان سے ازبس بعید ہیں۔ اور مواضع متعارضہ میں سے ایک کا غلط ہونا بدیہی ہے۔ ان مواقع میں مفسرین اہل کتاب لاچار ہو کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ سہو کاتب ہے چنانچہ ایسے سہو کاتب کہ جن کو ویریوس ریڈنگ کہتے ہیں خود پادری فنڈر نے مباحثہ دینی مطبوعہ اکبر آباد میں لاکھ سے بھی زیادہ تسلیم کئے ہیں چنانچہ صفحہ ۵۲ میں لکھتے ہیں کہ گریسباخ نے ایسے غلط مقامات ایک لاکھ پچاس ہزار گنے ہیں۔ اور انسائی کلو پیڈیا برطینیکا کی جلد ۱۹ بیان اسکرپچر میں لکھا ہے کہ فاضل (وجہ چہارم)

و شیشٹین نے ایسے مقامات دس لاکھ سے زیادہ گنے ہیں انتہیٰ ۔ اب جب کہ ایسے بڑے محققین اقرار کرتے ہیں تو کسی آج کل کے کرسٹین یا منتے پادری کا انکار کیا وقعت رکھتا ہے ؛ اثباتِ تحریف کے لئے ہم کو نہ اب اُن مقامات کے نقل کرنے کی ضرورت ہے نہ عماد الدین کے ان جوابوں کی خاک اُڑانے کی حاجت ہے (کہ یہ (۱) کاتب کی بھول ہے غلطی عمداً ظہور میں نہیں آئی (۲) دس بیس باتیں کسی سچی کتاب میں جعلی نکل آنے سے وہ کل کتاب کیونکر جعلی ہوسکتی ہے (مقاماتِ تعارض میں یہ جوابات ہیں) ایک جگہ یوں ہوا تو پھر کیا اور دوسری جگہ برخلاف آگیا تو کیا ہوا مطلب واحد ہے (۳) ان باتوں سے تحریف کیونکر ثابت ہوگئی (۴) مولوی رحمت اللہ مطلب نہیں سمجھے (۵) اچھا اگر ایسا تعارض ہوا تو پھر کیا اس سے کہیں کتب مقدسہ میں عیب لگ سکتا ہے)۔ کیونکہ یہ ایسے بسانڈے جواب ہیں کہ جن سے ہر دانشمند کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ درحقیقت یہ کتابیں جعلی ہیں (وجہ پنجم) ان کتابوں کا طرز و طریق فحش آمیز اور نہایت غیر مہذب ہے جو روح کے تقاضہ پورا کرنے سے بالکل عاری ہے بلکہ قوائے شہوانیہ و خیالاتِ شیطانیہ کے جلا دینے کے لئے ایک عمدہ نسخہ ہے میں بطور نمونہ کے کسی قدر عبارتیں نقل کر کے دکھاتا ہوں۔ کتاب یسعیاہ کے ۴۲ باب میں خدا تعالیٰ کا کلام یہ ہے۔ میں بہت مدت چپ رہا میں خاموش ہو رہا آپ کو روکتا گیا پر اب میں اس عورت کی طرح جسے دردِ زِہ ہو چلاؤں گا اور ہانپوں گا اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا۔ اور نوحہ یرمیاہ کے باب ۳ میں خدا تعالیٰ کو ریچھ اور شیر بتایا ہے۔ کتاب حزقیل کے ۲۳ باب میں یہ ہے: خداوند کا کلام مجھ کو پہنچا اور اُس نے کہا اے آدم زاد! دو عورتیں تھیں جو ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں اُنھوں نے مصر میں زناکاری کی وے اپنی جوانی میں یارباز ہوئیں وہاں ان کی چھاتیاں ملی گئیں اور وہاں اُن کے بکر کی پستان چھوئی گئیں اُن میں کی بڑی کا نام اہولہ اور اُس کی بہن اہولیبہ وے میری جورواں ہوئیں اور بیٹے بیٹیاں جنیں الخ۔ معاذ اللہ مرد الہامی کو کیا بنی تھی کہ اُس نے ایسی فاحش باتیں لکھ کر اپنی کتاب کو بے اعتبار کیا۔ کتاب یرمیاہ کے ۳ باب میں ہے کہاوت ہے کہ کوئی مرد اگر اپنی جورو کو نکالے اور وہ وہاں سے جا کے دوسرے مرد کی ہو جاتے کیا وہ پہلا اس کے پاس پھر جاتے گا کیا وہ زمین ناپاک نہ ہوگی لیکن تو نے بہت یاروں کے ساتھ زنا کیا تب بھی میری طرف پھر انتہیٰ۔ مانا کہ یہاں کچھ اور مراد ہے مگر کلام میں بڑا فساد ہے۔ کتاب یسعیاہ کے ۲۳ باب میں ہے، اور وہ پھر خرچی کے لئے جاتے گی اور ساری زمین کی مملکتوں سے زنا کرائے گی لیکن اس کی تجارت اور خرچی خداوند کے لئے مقدس ہوگی الخ بلکہ اس کی تجارت کا حاصل ان کے لئے ہوگا جو خداوند کے حضور رہتے ہیں کہ کھاکے سیر ہو دیں نفیس پوشاک پہنیں الخ مقدس لوگوں کو کیا پاک مال کھلوایا اور کیسی پوشاک پہنوائی ہے الہامی بیان اسی کو کہتے ہیں کتاب حزقیل کے ۲۳ باب میں یہ ہے: ۱۹ اُس پر بھی اس نے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کر کے (جب کہ وہ مصر کی زمین میں چھنالا کرتی تھی) زناکاری پر زناکاری کی ۲۰ سو وہ پھر اپنے یاروں پر مرنے لگی جن کا بدن گدھوں کا سا بدن اور جن کا انزال گھوڑوں کا سا انزال تھا انتہیٰ۔ غزل الغزلات کے ۴ باب، اور اس میں یہ ہے میری پیاری میری زوجہ تیرا عشق کیا خوب ہے انتہیٰ۔ اور اسی قسم کی اور بہت تشبیہات فحش آمیز ہیں کہ جن کے پڑھتے وقت گرجا میں پادری لوگ بلاشک آنکھ نیچی کر لیتے ہوں گے۔

ف تحریف کا ثبوت

وجہ پنجم

وجہ ششم

**وجہ ششم** محققین اہلِ کتاب کا ان کتابوں کے مُصنفوں کی بابت اور اُن کے زمانہ تالیف کی بابت سخت اختلاف ہے جس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ محض تخمینی طور پر ان کتابوں کو اپنے انبیاء کی تصنیف بتلاتے ہیں نہ کوئی اُن کے پاس مؤلفین تک[۱] سند متصل ہے نہ کوئی اور دلیل قابل تسکین ہے بلکہ صرف قیاس اور تخمین ہے۔ توراۃ کی نسبت سکندر گیدس[۲] کا قول انسائی کلوپیڈیا بائبل کی دسویں جلد میں یوں منقول ہے کہ مجھ کو یقینی طور سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں: (۱) یہ کہ توراۃ موجودہ ہرگز موسیٰ ؑ کی تصنیف نہیں (۲) یہ کہ کسی شخص نے اس کو کنعان یا اورشلیم میں موسیٰ ؑ کے بہت مدت بعد لکھا ہے (۳) یہ کہ اس کی تالیف داؤد ؑ کے زمانہ سے پہلے کی نہیں ہے۔

کتاب یوشع

اور کتاب یوشع کی نسبت بھی بڑا اختلاف ہے بعض لوگ تو اس کو تصنیف یوشع کی کہتے ہیں اور ڈاکٹر لائٹ فٹ اس کو فنیحاس کی تصنیف بتلاتے ہیں اور کالون عزرا کی تصنیف کہتے ہیں اور وان ٹل صموئیل کی اور ہنری ارمیاہ کی تصنیف کہتے ہیں۔

قاضیوں کی کتاب

اسی طرح قاضیوں کی کتاب میں بھی سخت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں حزقیل کی اور بعض عزرا کی اور بعض فنیحاس کی کہتے ہیں حالانکہ عزرا اور فنیحاس میں تخمیناً نو سو برس کا فاصلہ ہے اس لئے یہود لاچار ہو کر بے تک اس کو صموئیل کی تصنیف بتلاتے ہیں۔

کتاب راعوث

کتاب راعوث میں بھی سخت اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ حزقیا کی تصنیف ہے اس تقدیر پر یہ الہامی نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ عزرا کی تصنیف ہے۔ یہود اور اکثر عیسائی صموئیل کی تصنیف کہتے ہیں اور کاتلک ہرلڈ کی ساتویں جلد کے صفحہ ۲۰۵ میں ہے کہ راعوث کی کتاب ایک گھر کا ڈھکڑا سا ہے اور یونس کی کتاب محض کہانی ہے یعنی دونوں غیر معتبر ہیں۔

کتاب نحمیا

کتاب نحمیا میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر کہتے ہیں نحمیا کی تصنیف ہے اور کریز اسٹم وغیرہ عزرا کی کہتے ہیں اس میں دارا شاہ ایران کا بھی ذکر ہے جو نحمیا کے سو برس بعد ہوا ہے اس لئے لاچار ہو کر اس باب کو الحاقی کہتے ہیں۔

کتاب ایوب

کتاب ایوب میں بھی نہایت اختلاف ہے۔ میکائلس اور سٹمر اور بشپ اسٹاک وغیرہم کہتے ہیں کہ ایوب ایک فرضی نام ہے اور یہ کتاب جھوٹی کہانی ہے اور جو ایوب کا وجود مانتے ہیں تو وہ اس کے زمانہ میں اختلاف کرتے ہیں بعض ابراہیم علیہ السلام سے پہلے زمانہ کا بعض حضرت موسیٰ ؑ کے زمانہ کا بعض قضاۃ کے عہد کا اور بعض یعقوب علیہ السلام کے زمانہ کا اور بعض سلیمان ؑ کے بعض بخت نصر کے بعض اردشیر شاہِ ایران کے عہد کا بتلاتے ہیں اور اس کتاب

---

۱؎ آج کل کے پادری مسلمانوں سے سند متصل کا لفظ تو سیکھ گئے ہیں مگر معنی سے ہنوز بے خبر ہیں باوجود بڑی لن ترانیوں کے کسی پادری صاحب نے آج تک اپنے سے لے کر کسی کتاب کے مؤلف تک سلسلہ وار متصل سند نہ لکھی کاش دس بیس جھوٹے ہی نام فرض کر کے پادری عمادالدین یہ لکھ دیتے کہ یہ توراۃ مجھ کو کھیرلی صاحب سے اور ان کو بڑھل سے اور ان کو ڈاکٹر کشل سے الخ پہنچی کیونکہ جھوٹ تو پولوسی مذہب کا مدار ہے اور یوں تو بقول شخصے میں مرد نہیں میرا بھائی مرد بڑی شیخیاں بگھارتے ہیں کہ فلاں صاحب نے کتاب الاسناد میں سند لکھی ہے خیر سند کو چھوڑو کوئی ہزار برس کا پرانا نسخہ ہی بتاؤ اور جو پرانے نسخے عبری کے گنولاتے ہیں تو محض دام بازی کی ہے جن کو یہ پرانا نسخہ کہتے ہیں غایۃ آٹھ سو برس کا ہے اور یہ آٹھ سو برس بھی پرانے اور پھٹے ورق دیکھ کر کہے جاتے ہیں ورنہ اس کی بھی کیا دلیل ہے؟ گو ضد کے مارے پادری لوگ منہ سے نہ کہیں مگر دل میں تو ہمارے قول کی خوب تصدیق کرتے ہیں۔ منہ

۲؎ یہ شخص عیسائیوں میں بڑا محقق ہے۔ منہ

کے مصنف میں بھی سخت اختلاف ہے کوئی الیہو کوئی ایوب کوئی موسیٰ کوئی سلیمان کوئی اشعیا کو کوئی کسی نامعلوم شخص کو کہتا ہے کہ جو منشی بادشاہ کے عہد میں ہوا ہے اور بعض حزقیل اور بعض عزرا کا نام لیتے ہیں۔ **زبور** میں بھی ایسا اختلاف ہے **ارجن** اور **اگسٹائن** وغیرہ کل کو داؤد علیہ السلام کی تصنیف کہتے ہیں اور جیروم اور بعض وغیرہ علماء اس قول کو رد کرتے ہیں اور تیس زبور سے زیادہ کے مصنف کو نامعلوم شخص کہتے ہیں اور باقی نوّے سے ننانوے تک کو حضرت موسیٰؑ کی تصنیف اور اکہتّر زبور کو داؤدؑ کی اور بارہ کو اساف کی اور گیارہ زبور کو قورح کے تین بیٹوں کی کہتے ہیں اور اٹھاسیواں زبور ہیمان کی اور نواسیواں اتھان اور تین زبور جدوتھن کی تصنیف کہتے ہیں اور ایک سو ستیسواں سلیمان کی تصنیف کہتے ہیں۔ امثال سلیمان میں بھی نہایت اختلاف ہے الغرض یہ اختلاف سلف سے خلف تک چلا آیا ہے کہ جس کو لاچار ہو کر پادری فنڈر صاحب وکیل مذہب پولوسی نے بھی میزان الحق میں قبول کر لیا ہے **قولہ** اگرچہ پرانے عہد کی بعض کتاب لکھنے والے کا نام معلوم نہیں ہے لیکن مسیح کی گواہی سے اور ان دلائل سے بھی جو کتب اسناد میں ہیں یقین ہوتا ہے کہ وہ سب الہام کی راہ سے لکھی گئی ہیں (صفحہ ۴۵ فصل ۳ باب اول) اور اسی طرح اختتام مباحثہ دینی مطبوعہ اکبرآباد ۱۸۵۵ء کے صفحہ ۳۶ میں کہتے ہیں: **قولہ** بعض صحیفوں کی بابت معلوم نہیں کہ کس نبی کے ہاتھ سے لکھے گئے انتہیٰ۔ صفدر علی و عماد الدین وغیرہ ہمارے کرسٹین اس کے جواب میں مسیحؑ کی گواہی اور سلف کا تسلیم کرنا جو بیان کرتے ہیں ہم اس جواب کی طرف آگے فصل میں غور کریں گے کہ آیا یہ لوگ سچ کہتے ہیں یا جھوٹ؟ اب ہم کو اس دلیل کے لئے اور صحیفوں کی بابت اختلاف نقل کرنے کی کچھ حاجت نہیں رہی جب کہ مخالف کا وکیل خود تسلیم کرتا ہے۔ ان وجوہات سے یہ معلوم ہوا کہ یہ توراۃ حضرت موسیٰؑ کے صدہا سال بعد مشائخ یہود نے تصنیف کی ہے اس میں کچھ غلط اور صحیح حالات حضرت موسیٰؑ کے اور کچھ احکام توراۃ کے ہیں کہ جو ان کو زبانی یا اپنی اور کتابوں کے ذریعہ سے یاد تھے اور کچھ آسمان و زمین وغیرہ چیزوں کی تاریخ ہے واللہ اعلم۔ (**عہد جدید**) خیر توراۃ میں یہ بات تو ہے کہ اس میں کسی قدر مطالب اصل تورات کے ہیں اور کچھ پچھلے مشائخ کے لکھے ہوئے تاریخی واقعات کہ جس کے مجموعہ کو اہل کتاب حضرت موسیٰؑ کی تصنیف وہ کتاب توراۃ بتلاتے ہیں کہ جو انہوں نے بالہام الٰہی تصنیف کر کے لاویوں کو دی تھی چنانچہ کتاب استثناء کے ۳۱ باب ۲۴ ورس میں یہ ہے۔ اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰؑ اس شریعت کی باتوں کو کتاب میں لکھ چکا اور وہ تمام ہوئیں تو موسیٰ نے لاویوں کو الخ فرمایا کہ اس کتاب کو لے کے خداوند اپنے خدا کے عہد کے صندوق کی ایک بغل میں رکھو انتہیٰ۔ لیکن جس کو عیسائی انجیل کہتے ہیں وہ تو نہ حضرت عیسیٰؑ پر بذریعہ وحی نازل ہوئی نہ خود ان کی تصنیف نہ ان کے زمانہ میں تصنیف ہوئی بلکہ ایک عرصہ بعد لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات اور ان کے معجزات اور پند و نصائح کو جمع کر لیا ہے جن میں سے دو مصنف تو وہ ہیں کہ جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو دیکھا بھی نہیں ایک مرقس دوسرا لوقا بلکہ لوقا کے استاد پولوس نے بھی حضرت عیسیٰؑ کی صحبت نہیں پائی پس یہ دونوں تو محض سنی سنائی باتیں لکھتے ہیں کہ جس میں الہام کو کچھ بھی دخل نہیں چنانچہ خود ان کے دیباچہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور دو شخص اگرچہ متی اور یوحنا ہیں کہ جو حضرت کے حواری ہیں تو اپنے اوپر گزرے ہوئے واقعات اور کچھ سنی سنائی بات لکھتے ہیں اور اکثر جگہ

زبور

امثال سلیمان

عہد جدید

توراۃ و صحف انبیاء کے غلط حوالے دیتے ہیں کہ یہ مضمون فلاں جگہ لکھا ہے حالانکہ وہاں اس کا کہیں نام و نشان بھی نہیں پس ان کتابوں کو حضرت عیسیٰ سے وہ نسبت ہے جو سکندر نامہ کو سکندر سے اور ہنود کی کتاب رامائن کو راجہ رامچندر سے ہے پس جو اس انجیل کو حضرت عیسیٰ کی کتاب بتاوے وہ سکندر نامہ کو بھی سکندر کی تصنیف بتلاوے اب یہ بات باقی رہی کہ آیا خود حضرت عیسیٰ کی بھی کوئی انجیل تھی جو حوادث مفصلہ ذیل میں تلف ہوگئی یا انجیل کے معنے تعلیم کے ہیں خود حضرت عیسیٰ کی تعلیم و وعظ ہی انجیل تھا؛ جہاں تک تجسس کیا گیا یہی بات معلوم ہوتی کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ایک کتاب تھی کہ جس کا قرآن میں ذکر ہے اور جس کا ثبوت کتاب مرقس کے ۱۶ باب ورس ۱۵ میں ہے۔ اور اس نے کہا کہ تم تمام دنیا میں جاکے ہر ایک مخلوق کے سامنے انجیل کی منادی کرو انتہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے عہد میں انجیل تھی اور پولوس مقدس کے نامہ گلاتیوں کے اول باب ورس ۱۱ سے بھی اُس انجیل کا پتہ لگتا ہے۔ پر اے بھائیو! میں تمہیں جتاتا ہوں کہ انجیل جس کی میں نے خبر دی انسان کے طور پر نہیں ہے ۱۲ اس لئے کہ میں نے اس کو کسی آدمی سے نہیں پایا نہ کسی نے مجھے سکھایا پر وہ یسوع مسیح کے الہام سے مجھے ملی انتہے۔ اور اسی باب میں پہلے لوگوں کو تہدید کرتا ہے کہ بعض لوگ مسیح کی انجیل کو الٹ دینی چاہتے ہیں لیکن اگر ہم یا آسمان سے کوئی فرشتہ سوائے اس انجیل کے جو ہم نے تمہیں سنائی دوسری انجیل تمہیں سناتے وہ ملعون ہوتے انتہے۔ اور دوسرے باب میں پطرس اور برناس حواریوں کی شکایت میں لکھتا ہے: ۱۴ جب میں نے دیکھا کہ وے انجیل کی سچائی پر سیدھی چال نہیں چلتے، انتہے۔ یہاں سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں: (۱) یہ کہ پولوس کے پاس خاص حضرت عیسیٰ کی انجیل تھی اور وہ ان چاروں انجیلوں موجودہ کے غیر تھی کس لئے کہ لوقا اور مرقس اور یوحنا کی انجیل تو اب تک تصنیف بھی نہیں ہوئی تھی اور متی کی انجیل پر یہ صادق نہیں آسکتا کہ میں نے اس کو کسی آدمی سے نہ پایا الخ کس لئے کہ اگر یہ انجیل مراد ہوتی تو یہ تو ان کو آدمیوں ہی کے ذریعہ سے ملتی کما لایخفیٰ (۲) یہ کہ اس وقت میں بھی عیسائیوں میں انجیل کے الٹ دینے والے پیدا ہو گئے تھے۔ اب عیسائی کس منہ سے کہتے ہیں کہ انجیل میں تحریف کرنے سے کیا غرض تھی الخ۔ اب ہم وہ وجوہ بیان کرتے ہیں کہ جن کے دیکھنے سے تعجب نہ رہے کہ حضرت مسیح کی انجیل کیوں مفقود ہوگئی؟ (۱) تو وہی سبب کہ اُس زمانہ میں بھی لکھنے کا دستور نہایت کم تھا اور کاغذ کم موجود تھا شاید درختوں کے پتوں یا کسی اور چیز پر لکھتے ہوں گے جیسا کہ مورخین کے قول سے پہلے واضح ہوا (۲) یہ کہ اول اور دوسری صدی میں عیسائی غریب اور مفلس لوگ تھے اور بہت کم اور جہاں کہیں کوئی حواری جاتا تھا وہیں اس پر مصیبت آجاتی تھی اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ اُس وقت کے بادشاہ ان کے سخت دشمن ہو گئے اور قتل عام شروع ہو گیا۔ چنانچہ دس بار عیسائیوں پر یہ قتل شروع ہوا اور متصل تین سو برس تک جاری رہا اول ۶۴ء میں نیرون شاہ فرنگستان کے حکم سے ہوا جس میں پطرس حواری اور پولوس وغیرہ مارے گئے دوسرا دومشیان کے عہد میں ہوا اس ظالم نے بھی از حد خونریزی کی اور یوحنا حواری جلاوطن ہوئے تیسرا قتل ترجان کے عہد میں اٹھارہ برس تک رہا۔ الغرض ایسے ایسے قتل دس بار ہوتے کہ جن میں گرجا گرائے گئے اور زمین خون سے رنگین کی گئی اور تلاش کر کے کتابیں جلائی گئیں۔ اس کے جواب میں پادری کہتے ہیں کہ تین سو برس تک گو یہ حوادث عظیمہ رہے لیکن بہت سے نکلو

وجوہ فقدان انجیل شریف

میں عیسائی مذہب اور انجیل پھیل گئی تھی پھر کیونکر صفحۂ عالم سے مفقود ہو گئی الخ ہم کہتے ہیں کہ جس قدر یہودیوں کی موسیٰ علیہ السلام سے لے کر بخت نصر تک ترقی اور ثروت اور شیوع اور حکومتیں اور زمانہ گزرا ہے اس کی نصف بھی تین سو برس میں عیسائیوں کی ترقی اور حکومت نہیں ہوئی پھر جب اس ایک حادثہ میں توراۃ صفحۂ عالم سے مفقود ہو گئی حتیٰ کہ اگر عزیرؑ نہ ہوتے تو نام ونشان بھی باقی نہ رہتا تو اس قدر حوادث عظیمہ میں اس مفلس اور غریب قوم سے انجیل کا مفقود ہونا کیا تعجب کی بات ہے کیونکہ جس قدر قلت کاغذ کتابت کی اس عہد میں تھی ویسی ہی عیسائیوں کے ہاں اُس زمانہ تک تھی نہ حفظ کا ان کے ہاں رواج تھا پس اس زمانہ پر قیاس کرنا بڑی غلطی ہے اور شاہد اس امر کا یہ ہے کہ بہت سی کتابیں اُس زمانہ کی اب بالکل مفقود ہیں۔ چنانچہ انجیل یوحنا کے ۲۱ باب ورس ۲۴ میں ہے: یہ وہ شاگرد ہے جس نے ان کاموں کی گواہی دی اور ان باتوں کو لکھا الخ اب اُس شاگرد مسیح کی لکھی ہوئی کتاب کا نام ونشان بھی نہیں۔ اسی طرح انجیل لوقا کے دیباچہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اور لوگوں نے بھی حضرت عیسیٰؑ کے احوال میں انجیلیں لکھی تھیں۔ چنانچہ تفسیر ہنری واسکاٹ اور ڈوالی اور رچرڈ مینٹ میں اس کی تصریح ہے۔ مورخ موشیم اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۳۲ء کی جلد اول میں فرقہ ناصریوں اور آبیونی کے بیان میں لکھتا ہے کہ ان دونوں فرقوں کے پاس ہماری انجیلوں کے علاوہ ایک اور انجیل تھی کہ جس کے بارے میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے انتہیٰ ملخصاً (۳) اول ہی صدی میں عیسائیوں میں اناجیل تصنیف کرنے کا شوق ہو گیا تھا پس وہ انجیلِ حضرت مسیحؑ کی اناجیل کو اُلٹ پلٹ کر اپنی تصانیف کو زیادہ رواج دینا چاہتے تھے جیساکہ پولوس کے بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا اُس قرن ہی میں صدہا انجیلیں تصنیف ہو گئی تھیں پس ان حوادث میں جب اصلی انجیل مٹ گئی تو اُن میں سے جس کی انجیل مشہور ہو گئی اسی پر سادہ لوح عیسائیوں نے قناعت کر لی۔ اب ہم ان چاروں کتابوں کی بابت گفتگو کرتے ہیں کہ اور تاریخوں سے اُن میں کونسی بات زائد ہے کہ جس کی وجہ سے اُن کو آسمانی کتابیں اور الہامی صحیفے مانا جاوے اور انبیاءؑ کی فہرستِ کتب میں درج کیا جاوے سو واضح ہو کہ ان کا الہامی ہونا دو باتوں پر موقوف ہے (۱) یہ کہ اُن کے مصنفین انبیاءؑ ہوں (۲) ان کی یہ تالیف محض عام مورخوں کی مانند نہ ہو کہ جو کسی واقعہ کو دیکھ کر یا سن کر لکھتے ہیں بلکہ محض انکشافِ الٰہی اور تائید روح القدس سے ہو کہ جو خاصۂ انبیاءؑ ہے اور جس میں غلطی کو دخل نہیں ہوتا ورنہ یوں تو ہر شاعر اور ہر مورخ بلکہ ہر شخص بشرطیکہ وہ امر شر نہ ہو الہام ہی سے کرتا ہے میں بھی یہ کتاب الہام کے ذریعہ سے لکھ رہا ہوں امّا اول امر دو شخصوں کی نسبت تو بالکل نہیں پایا جاتا یعنی ان چاروں میں سے لوقا اور مرقس کی نبوت اب تک کسی قوی دلیل تو کیا اقناعی سے بھی ثابت نہیں ہوئی نہ تو کسی کتاب عہد عتیق میں ان کی نبوت کی پیشین گوئی ہے نہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کو نبی کہا ہے نہ ان کے بارہ[12] حواریوں میں سے کسی نے فرمایا ہے ؛ اوّل تو معجزات

---

[1] نہ وہ پولوس کی انجیل اب کسی کے پاس ہے کہ جس کو وہ ان سب انجیلوں کی غیر بتلا کر اس پر چلنے کا حکم دیتے تھے اور اس کے علاوہ اور انجیلوں کے سننے والے پر لعنت کرتے تھے سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ حواریوں میں پطرس وغیرہ کسی بڑے حواری کی تو کوئی بھی انجیل نہ ہو اور لوقا اور مرقس تابعین کی انجیلیں تسلیم کی جاویں۔

وخرق عادات کا (عیسائیوں کے نزدیک) کچھ اعتبار ہی نہیں کیونکہ انجیل متی کے باب ۲۴ ورس ۲۴ میں حضرت عیسیٰ کا قول یہ ہے کہ بہت سے جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے اور ایسے بڑے معجزے اور کرامتیں دکھائیں گے اگر ممکن ہوتا تو وہ برگزیدوں کو گمراہ کرتے انتہے۔ دوم اُن سے کوئی معجزہ یا کرامت سرزد بھی نہیں ہوئی نہ کسی جگہ ان کا اور کوئی کمال مذکور ہے بلکہ اس سبب سے کہ ان کو پولوس نے تعلیم کیا ہے ان کے جھوٹے ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ پولوس کا دینی امور میں جھوٹ بولنا اور جھوٹ سے اپنے خیالات کو پھیلانا پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ پولوس کسی طرح نبی نہیں بلکہ دینِ عیسوی کا مخرّب اور محرّف ہے اور نامہ حواریوں میں جو کچھ اس کی کرامات لکھی ہیں وہ ہمارے لئے سند نہیں کیونکہ وہ اس کے شاگرد کی تصنیف ہے اگر سچ ہے تو انہیں معجزات میں شمار ہیں کہ جن کی مسیح علیہ السلام نے خبر دی ہے کیونکہ اس نے شریعت پر چلنے والے کو ملعون کہا اور تثلیث کی تعلیم کی اور حضرت موسیٰ کی توراۃ کو لغو اور کمزور بتلایا چنانچہ نامہ عبرانیوں کے ۷ باب ۱۸ ورس میں کہتا ہے پس اگلا حکم (یعنی توراۃ) اس لئے کہ کمزور اور بے فائدہ تھا اٹھ گیا انتہے۔ بلکہ یہ شخص جناب مسیح علیہ السلام کی جناب میں بھی نہایت بے ادبی کرکے اُن کو ملعون کہتا ہے العیاذ باللہ۔ پس جب تک عیسائی پولوس کے اور ان کے شاگرد لوقا اور مرقس کی نبوّت نہ ثابت کردیں انجیل لوقا اور مرقس اور پولوس کے خطوط ہمارے رد برد کوئی سند نہ پیش کریں کیونکہ جب کہ ان کی نبوّت تو کیا بلکہ دینداری میں کلام ہے تو ان کی تصانیف کا کیا اعتبار ہے؛ اب رہے متی اور یوحنا سو اوّل تو اس کا بھی کوئی کافی ثبوت نہیں کہ یہ وہ متی اور یوحنا ہیں کہ جو حواری ہیں دوم ان کی نبوّت کی بابت بھی کوئی پیشین گوئی کہیں سے منقول نہیں نہ کوئی مسیح علیہ السلام کا قول پایا جاتا ہے اور نہ کوئی معجزہ وکرامت منقول ہے اور اگر ہو تو اس کا کیا اعتبار ہے؟ کیونکہ مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اس دن بہتیرے کہیں گے اے خداوند! اے خداوند! کیا ہم نے تیرے نام سے نبوّت نہیں کی اور تیرے نام سے دیووں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت سی کرامتیں ظاہر نہیں کیں اس وقت میں اُن سے صاف کہوں گا میں کبھی تم سے واقف نہ تھا اے بدکارو میرے پاس سے دور ہو انتہے۔ (متی باب ۷) کیونکہ سب حواری ان کی کتابوں کے بموجب پاکباز اور دیندار نہ تھے دیکھئے یہوداہ نے آنحضرت (عیسیٰ علیہ السلام) کو گرفتار کروا دیا آخر خودکشی کرکے مرگیا اور پطرس وغیرہ کو پولوس نے انجیل پر نہ چلنے کا الزام لگایا اور کیا کیا ان کی نسبت کہا اور دنیا سے آسمان پر چلتے وقت حضرت مسیحؑ سب حواریوں کو بے ایمانی کا لقب دے گئے جیسا کہ مرقس کے ۱۶ باب ورس ۱۴ میں ہے اب جب تک یہ نہ ثابت کردیا جاوے کہ متی اور یوحنا اُن باتوں اور اُن القابوں سے مستثنےٰ اور صاحبِ نبوّت ہیں کیونکر نبوت کا اقرار کیا جاوے ہاں ہم اہلِ اسلام اپنی تحقیق سے اُن کو دیندار اور راستباز کہتے ہیں اور ان کا نہایت ادب کرتے ہیں اور بس دوسری بات تو بہت ظاہر ہے کہ یہ کتابیں انھوں نے الہام سے نہیں لکھیں کیونکہ لوقا اور مرقس تو سُن کر لکھتے ہیں جیسا کہ خود دیباچہ

لہ اور کتاب اعمال حواریوں سے جو کوئی ثابت کرتا ہے تو بے فائدہ محنت اٹھاتا ہے کیونکہ یہ کتاب لوقا صاحب کی تصنیف ہے کہ جو پولوس کے شاگرد رشید ہیں۔ منہ

لوقا سے معلوم ہوتا ہے اور متی اور یوحنا اپنے روبرو گزرا ہوا معاملہ لکھتے ہیں اس میں بھی الہام کی کوئی ضرورت نہیں چنانچہ باسوبر اور لیافان کہتے ہیں کہ جب حواری بچشم خود دیدہ یا معتبر گواہوں سے سُن کر لکھتے تھے تو ان کو الہام کی حاجت نہ تھی انتہےٰ۔ بلکہ پولوس کے قول کے بموجب تو یہ چاروں کتابیں قابلِ رد ہیں کیونکہ اس انجیل کے سوا (کہ جو اس کو مسیح سے بلاتوسطِ غیر ملی تھی جیسا کہ پہلے ذکر ہوا) اور کسی انجیل کے ماننے والے پر لعنت کی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ چاروں وہ انجیل نہیں اور بالفرض ہوئی بھی تو ایک ہوگی پھر تین غیر معتبر رہیں یہاں تک کہ اُن کے سُنانے والے پر لعنت پڑے گی اس کے سوا اور چند دلائل ہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ الہامی نہیں (۱) یہ کہ اُن کے مؤلفین نے بڑی سخت غلطیاں کی ہیں چنانچہ متی نے جو مسیحؑ کا نسب نامہ لکھا ہے اس میں کئی نام بھول گیا جس کی تاویل میں مفسرین نہایت تکلفات کرتے ہیں اور اسی طرح اور چند غلطیاں کی ہیں کہ جن کی تفصیل اعجاز عیسوی وغیرہ کتابوں میں ہے۔ اسی طرح لوقا نے دوسرے باب میں غلطی کی ہے کہ اوگوسطوس قیصر نے اسم نویسی کا حکم دیا تھا اور قورنیوس حاکم یہودیہ کے وقت میں یوسف نجار اپنی بیوی مریم علیہا السلام کو کہ جو حاملہ تھیں ہمراہ لے کر شہر بیت اللحم میں نام لکھوانے آیا تھا اور وہاں حضرت مسیحؑ پیدا ہو پڑے انتہےٰ ملخصًا۔ حالانکہ یہ صریح غلط ہے اول یوں کہ قورنیوس حضرت مسیحؑ کی ولادت کے پندرہ برس بعد وہاں کا حاکم ہوا تھا۔ دوم یہ کہ حسب بیان متی حضرت مسیحؑ ہیرود کے عہد میں پیدا ہوئے تھے اور اس کی زندگی تک یہ ملک قورنیوس وغیرہ حکام روم کے قبضہ میں نہ آیا تھا (۲) یہ کہ ان کتابوں میں بہت سے ایسے جھوٹے مضامین مندرج ہیں کہ جن کی شہادت آج تک کسی تاریخ سے نہیں پائی جاتی نہ عقل اُن کو تسلیم کرسکتی ہے۔ مثلاً متی نے ۲۷ باب میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے جب صلیب پر چلا کر جان دی تو ہیکل کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا اور زمین کانپی اور پتھر تڑک گئے اور قبریں کھل گئیں اور بہت لاشیں پاک لوگوں کی قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں بہتوں کو نظر آئیں انتہےٰ۔ ملخصًا۔ اور اسی طرح لوقا نے ۲۳ باب میں لکھا ہے کہ چھٹویں گھنٹے کے قریب تھا کہ تمام زمین پر اندھیرا چھا گیا اور نویں گھنٹے تک رہا اور سورج تاریک ہوگیا اور ہیکل کا پردہ بیچ سے پھٹ گیا انتہےٰ۔ اور اسی طرح متی نے ۲ باب میں لکھا ہے کہ مجوسیوں کو ایک ستارہ دکھائی دیا اور وہ اُن کے آگے چلتا تھا اور جہاں مسیحؑ پیدا ہوئے تھے وہاں آکر ٹھہر گیا انتہےٰ ملخصًا (۳) حضرت مسیحؑ کی نسبت وہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ جو اُن کی شان سے نہایت بعید ہیں۔ چنانچہ یوحنا اپنی کتاب کے ۱۰ باب میں حضرت مسیحؑ کا قول نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے پیشتر جس قدر انبیاءؑ آئے ہیں سب چور اور رہزن تھے انتہےٰ ملخصًا۔ پھر اسی قول کی تقلید کر کے پولوس مقدس حضرت موسیٰؑ کی جناب میں کیا گستاخی کرتے ہیں کہ ہم موسیٰؑ کی مانند عمل نہیں کرتے جس نے اپنے چہرہ پر پردہ ڈالا تاکہ بنی اسرائیل بخوبی نہ دیکھیں لیکن ان کی فہم تاریک ہوگئی کیونکہ آج تک پرانے عہدنامہ کے پڑھنے میں وہی پردہ رہتا ہے اٹھ نہیں جاتا الخ انتہےٰ۔ (نامہ دوم قرنتیوں کا باب ۳)۔ اور نامہ عبرانیوں میں توراۃ کو کمزور اور بے فائدہ کہتا ہے اور اس سے بڑھ کر فرقہ پروٹسٹنٹ کے پیرومرشد لوتھر صاحب اور بھی کلمات تعظیم منہ سے نکالتے ہیں۔ چنانچہ وارڈ صاحب اپنی کتاب اغلاط نامہ مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳۸ میں کہتے ہیں کہ لوتھر

صاحب اپنی ایک کتاب کی تیسری جلد کے صفحہ ۳۴ میں لکھتے ہیں ہم نہ سنیں گے اور دیکھیں گے موسیٰؑ کو اس لئے
کہ وہ صرف یہودیوں کے لئے تھا اور ہم کو اس سے کچھ علاقہ نہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ ہم نہ موسیٰؑ کو نہ اس کی توراۃ
کو قبول کریں گے اس لئے کہ وہ دشمن عیسیٰؑ کا ہے۔ اور جلادوں کا اُستاد ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ ان کے دس
حکموں کو خارج کرنا چاہیئے کیونکہ تمام بدعت انھیں پر موقوف ہے انتہےٰ۔ حالانکہ ان دس حکموں میں یہ بھی ہے کہ
شرک[1] نہ کرو، ماں[2] باپ کی تعظیم کرو، ہمسایہ[3] کو ایذا نہ دو، خون[4] نہ کرو، زنا نہ کرو[5]، جھوٹی[6] گواہی نہ دو، وغیرذالک
پس اس تعلیم کے بموجب تو عیسائی شرک کرنے اور ماں باپ کی گستاخی کرنے اور ہمسایہ کو ستانے اور چوری اور
وجہ چہارم زنا اور خون کرنے جھوٹ بولنے کو راہِ نجات سمجھتے ہوں گے؛ معاذ اللہ اگر یہی الہام ہے تو اس الہام کو سلام (۴)
ایسی غلط پیشین گوئیاں ان کتابوں میں مندرج ہیں کہ جن کے جھوٹ ہونے میں کسی عیسائی کو ذرا بھی شک نہیں
چنانچہ انجیل متی کے ۲۴ باب میں اور مرقس کے ۱۳ باب میں اور لوقا کے ۲۱ باب میں مذکور ہے کہ حضرت مسیحؑ نے
اپنے حواریوں سے مخاطب ہو کر اپنے دوبارہ آنے کی بابت یہ فرمایا تھا کہ اُن دنوں میں سخت مصیبت پڑے گی کہ
جو نہ کبھی پہلے پڑی ہے اور نہ آگے پھر پڑے گی اور سورج اندھیرا ہو جاتے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا
اور ستارے آسمان سے گر جائیں گے اور آسمان کی قوتیں ہل جاویں گی تب ابنِ آدم کو (یعنی مجھ کو) بادل پر
بڑی قدرت اور جلال سے آتے دیکھیں گے انتہےٰ[1]۔ اس کے بعد پھر فرماتے ہیں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب
تک یہ سب[1] کچھ نہ ہو لے اس وقت کے لوگ گزر نہ جاویں گے۔ اور بعض کتب مطبوعہ ۱۸۴۱ء میں ہے کہ جب
تک یہ سب کچھ پورا نہ ہو لے یہ پشت گزر نہ جاتے گی۔ اور انجیل مرقس میں یہ ہے کہ اس زمانہ کے لوگ جب تک
یہ سب کچھ واقع نہ ہو لے گزر نہ جاویں گے۔ حالانکہ اس زمانہ کے تمام لوگ گزر گئے اور بہتوں کی تو انتظار میں
آنکھیں بھی پتھرا گئیں تھیں گر ان سب چیزوں میں سے کوئی بھی انھوں نے نہ دیکھی۔ اس مقام پر یہ خیال
میں آتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ باتیں قیامت کے علامات میں فرمائی ہوں گی سو انشاء اللہ واقع ہونگی
مگر یہ مورّخ اپنی غلط فہمی سے کچھ اور سمجھ گئے۔ اب اس پر بحکم "اندکے از بسیارے و مشتے از خروارے" ان انجیلوں
کی جملہ تحقیقات اور الہام کو قیاس کرنا چاہیئے۔ اسی لئے ان کتابوں میں اوّل اور دوم صدی کے عیسائیوں کو
نہایت تردّد اور شک تھا چنانچہ محقق برطشنیڈر اور استاہلن اور فرقہ الوجین جو دوسری صدی میں تھا
اس انجیل کو یوحنا حواری کی تصنیف نہیں کہتا تھا اور یہی قرین قیاس بھی ہے کیونکہ جب اس انجیل کا انکار ہوا
تو ارنیوس نے جو پولی کارپ کا شاگرد ہے کبھی نہیں کہا کہ پولی کارپ نے کہ جو خاص یوحنا کا شاگرد ہے اس کو
یوحنا کی تصنیف بتلایا ہے اور استاہلن کہتا ہے کہ یہ انجیل قطعی کسی طالب علم مدرسہ اسکندریہ نے لکھی ہے۔
بعض پادری کہتے ہیں کہ اسکندریہ کا مدرسہ تو اس انجیل کے بعد قائم ہوا ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ کیونکر ثابت ہوا کہ

---

[1] بعض پادری کہتے ہیں کہ اس سب کچھ سے مراد صرف بیت المقدس پر مصیبت آنا تھا سو وہ اس وقت کے لوگوں نے دیکھا انتہےٰ۔ ہم کہتے ہیں
کہ یہ تمام باتیں ذکر کر کے پھر سب کچھ کہنا تو بر ہانِ قوی ہے اس بات پر کہ یہ سب چیزیں مراد ہیں نہ کہ بعض سب کچھ بعض مراد لینا تمام اہلِ عقل کے نزدیک نامقبول
ہے یوں تو بلا قرینہ ہر چیز کی تاویل ہو سکتی ہے پولوس بول کر عماد الدین مراد لے سکتے ہیں اسی مراد لینے نے تو انجیلِ اصلی کو غارت کر دیا۔ منہ

اس مدرسہ سے پیشتر یہ کتاب تھی اس پادری کی بات کو مانیں یا اسٹاہلن جیسے محقق کی بات مانیں کہ جس کے قول کو لارڈنر صاحب مفسر نے بڑے ادب سے اپنی کتاب کی جلد چہارم صفحہ ۳۱۶ میں لکھا ہے۔ اسی طرح ادر تینوں کتابوں کی نسبت بھی بہت کچھ قیل وقال تھی۔ اور یہ قیل وقال ضرور ہونی چاہیئے تھی کیونکہ اس زمانہ میں صدہا انجیلیں تصنیف ہوگئی تھیں اور جو غیر معتبر شخص تھے وہ بتقلیدِ فلاسفۂ یونان اپنی کتاب کو کسی اور مشہور آدمی کے نام سے شہرت دیتے تھے چنانچہ تخمیناً اسی نوّے اور کتابیں اب تک عیسائیوں میں مشہور ہیں کہ جن کو اُن کے مُرید الہامی کہتے تھے مگر جب اُن کی نہ چلی اور مخالفوں نے اپنی کتابوں کو دُور کردیا تو وہ غریب بے الہامی ہوگئیں۔ اس جعلسازی کی وجہ سے بیچارہ پولوس بھی بڑا غل مچاتا تھا تین سو برس تک عیسائیوں میں یہی جوتی پیزار رہی کہ کسی نے کسی کتاب کو الہامی سمجھا اور انجیلوں کے سُننے سُنانے والے کو ملعون کہا۔ کسی نے کسی کتاب[1] کو عیسیٰ علیہ السّلام کی انجیل قرار دے کر اپنا دل خوش کیا آخر جب قسطنطین شاہِ روم کہ جو بڑا ظالم اور نہایت سفاک تھا اپنے گناہ معاف کرانے اور اپنے ظلموں کو مٹانے کے لئے پولوس کی جماعت کا مرید ہوا تو اُس نے شہر نائس میں عیسائیوں کو جمع کر کے ان کتابوں کی بابت ایک کمیٹی قائم کی اور اپنے زور اور شوکت سے تمام عیسائیوں کو ان کتابوں کے ماننے پر مجبور کیا اور مسئلۂ تثلیث اور کفارہ کو کہ جس کے اعتقاد پر وہ عیسائی ہوا تھا بحکم رواج دیا اس وقت سے ان کے ہاں اس زبردستی کا نام اجماعِ سلف قرار پایا کہ جس کو آج کل کے عیسائی ان کتابوں کے مقبول ہونے کے لئے سند قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ پادری صفدر علی کہ جس نے ان کتابوں کے الہامی ثابت کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے نیاز نامہ کے صفحہ ۲۱۹ میں بڑی مجبوری سے اقرار کرتے ہیں کہ وجوہات مذکورہ بالا کے باعث تخمیناً ۳۰۰ء تک نہ تو تمام جماعتوں کو تمام نوشتوں کی اصلیت کا حال معلوم ہوگیا تھا الخ پس جو کچھ ان کے پاس برائے نام سند ہے وہ ۳۰۰ء تک بمشکل پہنچتی ہے آگے تو بس یہی سند ہے کہ اگناتیوس پولی کارپ وغیرہ کی تحریرات میں بعض ایسے جملے پائے جاتے ہیں کہ جن کا مضمون ان کتابوں سے ملتا ہے، غالباً یہیں سے لیا گیا ہے الخ۔ یہ سند تو ایسی لغو ہے کہ جس کی لغویت پر سند کی حاجت نہیں کیونکہ بہت سی پچھلی کتابوں کے مضامین اگلی کتابوں سے مطابق ہوجایا کرتے ہیں پھر کیا کوئی دانشمند پچھلی کتاب کو مقدم کہہ سکتا ہے؟ گلستان یا بوستان میں بعض کیا بہت سے مضامین وعظ و پند میں اناجیل کے وعظ و پند سے ملتے ہیں اب کوئی بیوقوف ہوگا جو یہ کہے گا کہ اناجیل سعدیؒ کی کتابوں سے لکھی گئیں یا اناجیل کے وقت میں سعدیؒ کی کتابیں تھیں پس اسی طرح اگناتیوس وغیرہ کی تصانیف اگر مقدم ہوں تو کیا بعض مضامین کی مطابقت سے موخر ہوجاویں گی بلکہ بسا اوقات بعض کتابوں کے مضامین میں توافق ہوتا ہے اور ایک کو دوسرے کی خبر بھی نہیں ہوتی اُس سے لینا یا اُس کی شہادت دینا چہ معنیٰ دارد؟ ولوسلمنا اگر شہادت

[1] انجیل متی اصل میں عبرانی میں تھی اس کا ترجمہ یونانی میں خدا جانے کس نے کیا اور کیسا کیا ہے اصل اس کی کسی کے پاس نہیں کہ جو اُس سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے۔ یہاں سے آپ کو اور کتابوں کے گم ہوجانے میں کچھ تعجب نہ معلوم ہوگا کیونکہ جس طرح اور جس سبب سے متی کی عبرانی کتاب مفقود ہوگئی وہی سبب اور کتابوں کے لئے پیش آیا۔

ہے تو بعض مضامین کی ہے کل کتاب کا تسلیم کر لینا کہاں سے پایا جاتا ہے؛ **واضح** ہو کہ یہ بات ہمارے اور عیسائیوں کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ یہ چاروں انجیلیں نہ حضرت عیسیٰؑ کی تصنیف ہیں نہ اُن کے عہد میں لکھی گئی ہیں پس ہم کو تو بحث کو اسی جگہ تمام کر دینا چاہیے تھا کیونکہ جس انجیل کے اہل اسلام قائل ہیں اور جس کا قرآن میں ذکر ہے وہ انجیل ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بذریعہ روح القدس نازل ہوئی ہے جس طرح کہ توراۃ و زبور و دیگر صحف انبیاءؑ کا حال ہے مگر چونکہ عیسائی اس بات کے قائل ہیں کہ گو یہ مسیحؑ کی اناجیل نہیں مگر یہ بھی الہامی اور رسولوں کی تصنیف ہیں اس لئے ان سے بھی بحث کرنی پڑی ہر چند اس بات کو بھی ہم نے تجسس کر کے دیکھا مگر بہت سے وجوہ سے غلط پایا اور عیسائیوں کے پاس سوائے خوش اعتقادی کے اور کوئی دلیل نہ دیکھی۔ ہاں اس قدر ہم بھی مانتے ہیں کہ ان میں کچھ مضامین الہامی بھی ماخوذ ہیں اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ ان کے مصنفین کے بعد اُن میں خواہ سہواً خواہ عمداً بیشمار جگہ غلطیاں اور کمی زیادتیاں بھی ہوئی ہیں کہ جن کا شمار بقول علماءِ اہل کتاب ہزارہا تک پہنچتا ہے جن کی تفصیل اظہار الحق وغیرہ کتب میں ہے اور جن کا اقرار پادری فنڈر صاحب کو بھی ہے ہاں یہ بات اور ہے کہ پادری صاحب ان تحریفات کو اپنی خوش اعتقادی سے ویریوس ریڈنگ یعنی سہو کاتب کہتے ہیں ہم نہیں کہتے لیکن مدعا واحد ہے۔ یہاں ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ جب اہل اسلام ان کتابوں میں تحریف ثابت کرتے ہیں تو اُن کا اوّل صدیوں میں غیر مقبول ہونا یا ان کی نسبت علماء اہل کتاب کا یہ کلام ہونا کہ یہ در اصل اُن شخصوں کی تصنیف ہی نہیں و دیگر مضامین اور بھی اسی قسم کے ذکر کیا کرتے ہیں چنانچہ اعجاز عیسوی وغیرہ کتب میں یہ کیا گیا ہے کہ اس کے بعد وہ جملے بھی بتلایا کرتے ہیں کہ جن کو محققین مسیح نے الحاقی بتلایا ہے اس پر پہلی بات کا جواب پادری یوں دیا کرتے ہیں کہ اس سے تحریف کو کیا علاقہ اس سے تحریف کیونکر ثابت ہوئی؟ چنانچہ فنڈر صاحب نے بھی کہا ہے اور عماد الدین اور صفدر علی بھی انہیں کی تقلید کر کے یہی فرماتے ہیں مگر ہم کو کیا بلکہ سب اہل عقل کو اس جواب پر بے اختیار ہنسی آتی ہے یہ ایسی بات ہے کہ کوئی کسی گھوڑے میں عیوب ثابت کرنے والا یہ کہے کہ دیکھو یہ تو مر گیا یہ اب بالکل کسی کام کا نہیں۔ اس کے جواب میں مالک کہے اس سے کیا ہوتا ہے اس کے پاؤں اور دُم وغیرہ اعضاء میں کوئی عیب بتلاؤ۔ اب وہ بیوقوف یہ نہیں سمجھتا کہ اس کا مدعا تو بخوبی ثابت

لہ ف قرآن مجید میں بعض جگہ یہود کے مذہب میں یہ واقع ہوا ہے **یُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ** کہ بعض کلمات کو اُن کی جگہ سے محرف کرتے ہیں اور اسی طرح کی اور آیات ہیں اُن کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ مُراد یہ ہے کہ یہود کتاب میں تبدیل نہ کرتے تھے بلکہ کسی کے سُناتے وقت شرارت سے یہ کام کرتے تھے بعض کہتے ہیں بلکہ نفس کتاب میں اغراض دنیاویہ سے تبدیل کرتے تھے خیر جو کچھ ہو گو یہ بات یہود مدینہ کی بابت ہے لیکن قطع نظر اس آیت کے یہود کیا بلکہ کُل اہل کتاب اپنی کتابوں میں تحریف کرتے تھے اگر یہ آیت نازل نہ ہوتی تب بھی یہ نفس الامری دعویٰ حسب اقرار اہل کتاب پر باقی رہتا ہمارے دعویٰ تحریف کی بنیاد اس قسم کی آیات پر نہیں بلکہ ایک نفس الامری واقع پر ہے اب اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہونا ہمارے دعوے کو کچھ مضر نہیں۔ منہ۔ وہ خفیہ کرسٹان بتقلید ولیم میور صاحب ان آیات کے ذیل میں جو کچھ علماء نے فرمایا ہے اور وہ جو بعض نفس قراءت میں تفسیر کے قائل ہوئے ہیں اُن سے اس توراۃ و انجیل کو اصلی اور غیر محرف ثابت کر کے مسلمانوں کو بہ پردۂ اسلام دھوکہ دے رہا ہے۔ منہ

ہو گیا کیونکہ جب اصل ہی نہیں رہی تو اب اس کی فروعات کہاں؟ اور دوسری بات کا یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ اچھا کچھ فقرے الحاقی ہوتے تو کیا ہوا ان سے ہمارے اصولِ مذہب میں کیا فرق آیا کُل کتاب کیونکر غیر معتبر ہو گئی ان میں محمدؐ صاحب کی بشارت سے کیا علاقہ ہے الخ چنانچہ فنڈر صاحب اور ان کے دو ایک مقلدوں نے اپنی تصانیف میں یہی ذکر کیا ہے اور لفظ لفظ پر طعن و طنز کرتے گئے ہیں۔ مگر یہ جواب اوّل سے زیادہ لغو ہے۔ پادری صاحبو! ذرا اتنا تو سوچو کہ جب دو چار فقرے الحاقی ثابت ہو گئے گو بقول آپ کے اُن سے آپ کے اصولِ دین میں کوئی فتور نہ آوے مگر یہ کتاب تو غیر معتبر ہو گئی اب کیا اعتبار کہ آپ کے اصولِ دین بھی ایسے ہی الحاقی فقروں سے ثابت ہوں۔ الغرض کتاب کی بے اعتباری یا کسی دستاویز کی بے اعتباری کے لئے ادنیٰ شبہ بھی کافی ہوتا ہے چہ جائیکہ صدہا الحاقات۔ **ف** جب چاروں انجیلوں کا یہ حال ہے تو پولوس کے خطوں کا کیا اعتبار ہے اس میں تثلیث اور خدا کا مجسم ہونا اور شریعت کو ترک کرنا وغیرہ وہ ملحدانہ مضامین ہیں کہ جو تمام اہلِ نقل و عقل کے نزدیک بدتر اور خراب ہیں اور پطرس اور دیگر شخصوں کے خطوط بھی اُن شرائط سے خالی ہیں کہ جو کتابِ الٰہی کے لئے ضروری ہیں۔



**فصل سوم۔ ف** خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ توراۃ اور زبور اور انجیل کی مدح فرمائی ہے اور صحفِ ابراہیمؑ و موسیٰؑ کا بھی تبعاً ذکر کیا ہے اور قرآن کو ان کتبِ مقدسہ کا مصدق یعنی سچا کرنے والا کہا ہے چنانچہ فرماتا ہے مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ کہ یہ قرآن پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور توراۃ کو کتابِ منیر اور امام اور فرقان اور رحمۃ وغیرہ القاب سے یاد کیا ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی نسبت یہ فرمایا ہے وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ الآیہ کہ ہم نے اس کو انجیل دی۔ اسی طرح وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا فرمایا ہے کہ داؤدؑ کو ہم نے زبور دی اور سورہ بقرہ میں ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ کہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی یعنی توراۃ۔ اور کئی جگہ ان کتابوں پر ایمان لانے کی تاکید فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ الآیہ کہ اے مسلمانو! ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اس کتاب پر جو اس کے رسولؐ پر نازل ہوئی اور جو اُس سے پہلے نازل ہوئی۔ اور سورہ بقرہ کے اوّل ہی میں مومنین کی شان میں فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ کہ مسلمان وہ ہیں کہ جو چیز تم پر نازل ہوئی اس پر اور جو تم سے پہلے نازل ہوئی اُس پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اسی طرح کی اور بہت سی[1] آیات ہیں۔ یہاں سے دو باتیں ثابت ہوئیں اوّل یہ کہ توراۃ وہ کتاب ہے جو خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور زبور وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا ہوئی تھی اور انجیل وہ کتاب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور کچھ اور صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ انبیاءؑ پر نازل ہوئے تھے۔ اور اس امر منصوص میں

---

[1] اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝

سُنی شیعہ کُل فرقے اسلام کے سلف سے خلف تک متفق ہیں پس یہ کتاب جو موسیٰؑ کے بعد میں تصنیف ہوئی اور کچھ مضامین توراۃ اصلی کے یادداشت کے طور پر اُس میں درج کر کے توراۃ نام رکھا گیا قطعی وہ توراۃ نہیں جس کا قرآن میں ذکر ہے اسی طرح وہ کتابیں کہ جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد لوگوں نے تصنیف کی ہیں اور اُن میں حضرت عیسیٰؑ کے حالات و اقوال کو صحیح و غلط طور پر جمع کر دیا ہے کہ جس کو اب عیسائی انجیل متی و مرقس و لوقا و یوحنا کہتے ہیں وہ انجیل نہیں کہ جس کا قرآن میں ذکر ہے۔ چنانچہ امام قرطبیؒ نے اپنی کتاب اعلام میں اس کی تصریح فرمائی ہے اور امام رازیؒ وغیرہ جمیع علماء اسلام اسی کے قائل بلکہ تمام امتِ محمدیہؐ میں یہ مسئلہ متفق علیہا ہے بخوفِ تطویل اقوال نقل کرنا مناسب نہیں جانتا۔ پس اب جو اہلِ کتاب اس توراۃ و انجیل کو لئے پھرتے ہیں اور اس کو اصل توراۃ و انجیل بتلا کر مسلمانوں کو ایمان لانے کے لئے مجبور کرتے ہیں محض فریب ہے اس سے ہر ایماندار کو بچنا فرض ہے۔ **دوم** یہ کہ وہ توراۃ و انجیل و زبور و دیگر صحف انبیاءؑ کہ جن کا قرآن میں ذکر ہے کلام الٰہی اور واجب التعظیم تھے جو کچھ خدا تعالیٰ نے اپنے انبیاءؑ کی معرفت ان میں ذکر فرمایا تھا سب حق تھا اسلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اُس نے یہ ہدایت کی ہے کہ اپنا اور بیگانہ[1] کچھ نہ دیکھو بلکہ جس قدر خدا تعالیٰ کے فرستادہ لوگ ہیں کہ جن کو انبیاءؑ کہتے ہیں خواہ کسی ملک کے ہوں اور جس قدر مقدس کتابیں خدا تعالیٰ نے بھیجی ہیں سب پر ایمان لاؤ اگرچہ بحکم وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ[2] کہ ہر گروہ میں خدا تعالیٰ کی طرف کا ہادی آیا ہے۔ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (کہ بعض انبیاءؑ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر آیا اور بعض کا نہیں) ہر قوم اور ہر ملک میں خدا تعالیٰ کے ہادی نبی یا اُن کے نائب ضرور آئے ذکر جن کا علم تفصیلی خدا تعالیٰ ہی کو ہے اور اجمالاً ہم سب کو حق جانتے ہیں اور تفصیلاً اُن کی تعیین کرتے ہیں کہ جن کا ذکر قرآن و احادیث میں آیا ہے) مگر چونکہ اُن انبیاءؑ کے طُرق اور کتب میں حوادثِ زمانہ سے وہ تغیرات پیش آئے اور وہ تحریفات اور خلط ہوا کہ جس سے اصل مذہب اور اصل کتاب میں کچھ امتیاز نہ رہا بلکہ اکثر وہ کتابیں صفحۂ عالم سے ناپید ہو گئیں اور اُن مذاہب کے مشائخ نے اپنے خیالاتِ فاسدہ کو مضامینِ الہامیہ میں ملا کر ایک ایسی معجون مرکب بنائی کہ جس کے اجزاء اصلیہ اور غیر اصلیہ میں تمیز کرنا کسی استحالہ کیمیائی سے ممکن نہ رہا اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی کمالِ رحمت سے سب نبیوں کے اخیر ایک ایسا نبی بھیجا کہ جس کی تعلیم کامل کی وجہ سے آئندہ کسی نبی کی ضرورت نہ رہی اور اس پر وہ کتاب جامع نازل فرمائی کہ جس میں پہلے انبیاءؑ کی ضروری ہدایتیں اور اُن کتبِ مقدسہ کے سب اصول زمانہ اخیر کی رعایت لحاظ رکھ کر جمع کر دیئے اور ہم کو اس تکلیف مالایطاق سے نجات بخشی کہ کتابوں کی تحقیق کرتے پھریں اور اُن کے وجوہ اصل کے اثبات میں سرگردانی اٹھاویں اور جو کوئی نسخہ بہم پہنچے تو پھر اس میں اصل اور ملاوٹ میں تمیز کریں۔ للہ الحمد۔ پس قرآن کا ماننا

[1] وہ کرسٹان اپنی پہلی تحریرات کو غلط ٹھہرا کے اب پھر پادریوں کے خوش کرنے کو ان توراۃ و انا جیل کو اصلی بتاتا اور اس بات کے منکر کو کافر کہہ کے ضمناً مسلمانوں کو کافر کہتا ہے۔ منہ [2] یعنی اپنی قوم اور اپنے ملک کا خیال نہ کر کے سب انبیاءؑ کو حق مانو اس سے اس کرسٹان نے ہنود کے دیوی دیوتا کس لفظ سے سمجھ کر مفسر پر الزام لگا دیا کہ وہ دیوی دیوتاؤں کو نبی کہتا ہے۔ حقانی

خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں کا ماننا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا جمیع انبیاء پر ایمان لانا ہے اور اُن سے سرتابی اور انکار جمیع انبیاء اور اُن کی سب الہامی کتابوں سے انکار کرنا ہے کہ جس کی سزا ابدی جہنم اور خدا تعالیٰ کے جلال اور بادشاہی میں سب سے خوار اور ذلیل ہونا ہے عیسائی برائے نام توریت کا بوجھ لادے تو پھرتے ہیں مگر پولوس کے کہنے سے اُس پر بالکل عمل نہیں کرتے بلکہ اُس کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ **ف۲** نزولِ قرآن مجید کے وقت گو توراۃ و انجیلِ اصلی دنیا پر نہ تھیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا مگر اصلی توراۃ و انجیل کے بہت سے احکام اور بیشارتیں اہلِ کتاب میں زبانی یا ان فرضی کتابوں کے وسیلے سے مشہور و معروف تھیں لیکن وہ لوگ اپنی شرارت سے ان پر بھی عمل نہیں کرتے تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے جا بجا قرآن کی صداقت ثابت کرنے میں اس بات کو ذکر کیا کہ یہ قرآن کتبِ سابقہ اور انبیاء سابقین کے برخلاف نہیں بلکہ اصول مذاہب اور امورِ فطرت میں ان کے مطابق اور ان کا اور اگلے انبیاء کا مصدق ہے کہ جن کو تم مانتے ہو پھر اب قرآن کو نہ ماننا۔۔۔۔۔ ان کا نہ ماننا ہے۔ اور یہ کہ جن کو تم توراۃ و انجیل سمجھتے ہو اس پر کیوں نہیں عمل کرتے اور جن انبیاء کی پیروی اور محبت کا تم کو دعویٰ ہے اُن کی پیروی کس لئے نہیں کرتے۔ اور کبھی مشرکین عرب کو بعض قصص و احکام میں الزام دینے کے لئے یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کو اہلِ کتاب سے پوچھ دیکھو وہ بھی یہی کہتے ہیں پھر حضرت محمد علیہ السلام نے کوئی نئی بات فرمائی ہے کہ جس پر تم چونکتے ہو ان باتوں سے بعض ناواقف پادری یہی سمجھ گئے کہ نزولِ قرآن کے وقت توراۃ و انجیل بجنسہ موجود تھی کہ جس کی طرف خدا تعالیٰ نے حوالہ دیا ہے اور جس پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہے وہ یہی توراۃ و انجیل ہے جو ہمارے پاس موجود ہے حالانکہ یہ بڑی غلطی ہے۔ **ف۳** اہلِ کتاب بالخصوص پادریوں نے اس توراۃ و انجیل موجودہ کے اصلی توراۃ و انجیل ہونے پر چند ادلہ بیان کئے ہیں کہ جو محض وہم پر مبنی ہیں میں اُن کے دلائل اور پھر اُن کے جواب ذکر کرتا ہوں (۱) قرآن میں متعدد جگہ توراۃ و انجیل پر اہلِ کتاب کو عمل کرنے کی ترغیب دی اور اُن کے محامد بیان فرماتے ہیں اور اُن پر ایمان لانے اور ادب کرنے کی ترغیب دی اگر اس وقت یہ کتابیں موجود نہ ہوتیں تو عمل کس پر اور ایمان کس پر لاتے اور وہ آیات یہ ہیں۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ الاية قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ - وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ الاية قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ الاية وغيرها من الآيات۔ پس صاف معلوم ہوا کہ اس وقت توراۃ و انجیل اصلی موجود تھیں اور وہ یہی ہیں جو اب ہمارے پاس ہیں۔ نیاز نامہ کے مصنف نے اس دلیل پر بڑا زور دیا ہے اور بہت سے ورق سیاہ کئے ہیں۔ **ج۔** اول اور دوسری اور پانچویں آیت کا اور جس قدر آیات

دلیل اول

**ف۱** پادریوں کے قدیم نمک خوار نے بپردۂ اسلام ہیچ گنج اور جواب تفسیر حقانی میں کسی انعام کی امید میں کتاب تو بدجا دید اور رقیمۃ الوداد کے خلاف پھر ان کتابوں کو ان آیات اور بعض اقوال سے بتقلید ولیم میور صاحب اصلی اور غیر محرف ہونا ثابت کرنا چاہا ہے اور ایسا زور لگایا ہے کہ ایمان کو خیرباد کہہ کر جو کچھ نہ کہنا تھا کہہ دیا۔ مسلمانوں کو ان سے پُر حذر رہنا چاہیئے کہ (باقی صفحہ ۱۹۸ پر)

اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں اُن سب کا یہ جواب ہے کہ توراۃ و انجیل کے اُوپر چلنے اور ان کے قائم رکھنے سے توراۃ و انجیلِ اصلی کے احکام مراد ہیں جیسا کہ بیضاوی وغیرہ جمہور مفسرین نے بیان کیا اور خود مستدل نے نقل کیا اور قرینہ بھی دال ہے اور احکام توراۃ و انجیل کے بیشتر ان توراۃ و انجیل میں بھی پائے جاتے ہیں۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ اس وقت توراۃ و انجیل کے احکام ان کے پاس موجود تھے اور احکام کے موجود ہونے سے مجموعہ توراۃ و انجیل کا موجود ہونا لازم نہیں آتا دیکھئے ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں قرآن کے احکام موجود ہوتے ہیں مگر ہدایہ کو قرآن نہیں کہہ سکتے۔ تیسری اور چوتھی آیت کہ جس میں یہ ہے کہ یہود کے پاس توراۃ ہے اور اس قسم کی اور جملہ آیات کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی توراۃ سے مراد احکام توراۃ ہیں سو وہ بیشک یہود کے پاس خواہ بلاتغیر خواہ بالتغیر اس توراۃِ فرضی میں اب تک موجود ہیں پس احکام کے موجود ہونے سے مجموعہ توراۃِ اصلی کا موجود ہونا لازم نہیں آتا۔ اور دلیل اس بات پر کہ توراۃ سے مراد احکام ہیں بطریق اطلاق الکل علے الجزیہ ہے کہ اصل توراۃ وہ ہے کہ جو موسےٰ پر نازل ہوئی تھی جیسا کہ آیاتِ مذکورہ سے ثابت ہے اور یہ مجموعہ موسیٰؑ کے بعد مرتب ہوا ہے جیسا کہ اس کے دلائل گزرے پس جس نے ہم کو یہ بتلایا کہ اُن کے پاس توراۃ ہے اسی نے یہ بھی کہہ دیا کہ توراۃ موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی پس مستدل جب تک اس احتمال کو کہ جو ناشی عن الدلیل ہے بند نہ کردے گا تو اُس کی دلیل سے نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔ دوم یہود اس مجموعہ کو توراۃ کہا کرتے تھے اور اب تک کہتے ہیں اور اس میں اصلی توراۃ کے احکام بھی موجود ہیں پس قرآن میں اُن کو ان احکام پر عمل نہ کرنے میں الزام دینا مقصود تھا اس لئے اس مجموعہ کو اُسی لفظ سے تعبیر کرنا پڑا کہ جو اُن کے نزدیک مشہور تھا اور اگر کچھ اور کہتے تو وہ ہرگز نہ سمجھتے مثلاً کوئی شخص ایک کتاب تصنیف کرے کہ اُس میں قرآن مجید کے اکثر احکام صحیح اور غلط طور سے جمع کرکے اُس کا نام قرآن رکھدے اور ہمیں اُس کو اس وجہ سے کہ وہ اس پر عمل نہیں کرتا الزام دینا منظور ہو اور اس مجموعہ کے نام لینے کی ضرورت پڑے تو بلاشک ہم اُس کو قرآن کے لفظ سے تعبیر کریں گے مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے گا کہ ہم نے اس کو اصل قرآن تسلیم کرلیا (۲) اہلِ کتاب کو اپنی کتابوں کے گم کردینے یا بدل دینے میں کوئی غرض نہ تھی بلکہ ہر ایک ملک میں اہلِ کتاب اور کتاب تھے اور باہم بڑے غیور تھے پھر ممکن نہیں کہ کوئی کتاب میں تصرف کرنے پاتا جس طرح کہ اہلِ اسلام میں کوئی قرآن میں کسی طرح تصرف نہیں کرسکتا اور نہ کوئی بادشاہ اس کو مٹا سکتا ہے (نیاز نامہ وغیرہ ملخصًا)۔ ج یہ ایک گمان یا وہم فاسد ہے کیونکہ جب پولوس مقدس اور حواری اوّل ہی صدی میں غل مچاتے ہیں کہ لوگ انجیل کو اُلٹ دینا چاہتے ہیں تو اب یہ غرض اُن سے پوچھنی چاہیئے اور قرآن کا مدار اوّل ہی سے حفظ پر ہے اگر تمام نسخے دنیا سے معدوم کردیئے جاتے تو بھی ایک حرف میں فرق نہ آتا بخلاف کتب مقدسہ کے کہ اُس کا مدار صرف لکھنے پر تھا اور لکھنے کی اور کاغذ کی قلت اور صدہا سال تک مصائب کی بڑی کثرت تھی پس اُن کا گم ہوجانا یا اُن میں تغیر

دلیلِ دوم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۷) کل کو کوئی عیسائی ان کی اس اخیر تصنیف سے جو بنام محمد صادق و محمد صالح لکھی ہے اہلِ اسلام پر حجت نہ پکڑے اطلاعًا اعلان کردیا گیا اور کافی علماء نے ان کی تکفیر پر مُہر بھی کردی ہے۔ منہ سے ولیم میور صاحب نے اپنی شہادتِ قرآنی میں انھیں آیات سے استدلال کیا ہے۔ منہ

ہونا کچھ بھی بعید نہیں چنانچہ باقرار علماء اہل کتاب اب نہ وہ کتاب ہے جو حضرت موسیٰؑ نے لکھ کر لاویوں کو دی تھی نہ حضرت عیسیٰؑ کی وہ انجیل ہے کہ جس کی منادی کرنے کی وہ تاکید فرما گئے تھے اور جو پولوس مقدس کو بلا توسط

دلیل سوم

کسی آدمی کے پہنچی تھی وغیرہ ذلک (۳) ان کتابوں میں بہت سے ایسے مضامین ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کی ذات و صفات و تقدس اور انسان کو خدا تعالیٰ سے تقرب اور محبت اور روح کی پاکیزگی کا طور بتلاتے ہیں اور نیک چلنی اور اخلاقِ حمیدہ سکھلاتے ہیں اور عالم کے پیدا ہونے اور انسان کی نجات کا وسیلہ بیان کرتے ہیں وغیرہ ذلک۔ اور ان میں بہت سی پیشین گوئیاں بھی مندرج ہیں جو اپنے وقت پر ظاہر ہوئیں اور یہ سب مضامین بغیر الہام اور تائید روح القدس کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوتے۔ اس دلیل کو پادری فنڈر صاحب نے میزان الحق میں ہر ہر بات کا حوالہ دے کر بڑے بسط سے بیان کیا ہے اور ہر ایک بات کو ایک دلیل بنا کر ایک کی چھ دلیل بنائی ہیں اور بڑے زور سے نتیجہ نکالا ہے۔ ج اوّلاً غایۃ مافی الباب یہ مضامین الہامی اور انبیاء علیہم السلام کے فرمائے ہوئے ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کتاب میں یہ مضامین بطور نقل کے جمع کر دیئے جاویں وہ انبیاء کی تصنیف اور الہامی کتاب بھی ہو جائے کیا اگر کوئی شخص قرآن کے مضامین کو ملخص کر کے اس پر کچھ اور ملا کے کتاب بنا دے وہ قرآن ہو سکتا ہے؛ ان مضامین کا الہامی ہونا اور بات ہے کتاب کا الہامی ہونا اور بات بہت سی غیر الہامی کتابوں میں الہامی مضامین ہوتے ہیں۔ ثانیاً ان کتابوں میں اگر یہ عمدہ مضامین ہیں تو اس کے ساتھ خراب مضامین بھی تو ہیں کہ جن کو الہام کی طرف منسوب کرنا بھی نازیبا ہے جیسا کہ پہلے گزرا پس مجموعہ کیونکر الہامی ہو سکتا ہے؛ ثالثاً جن کتابوں کے تم منکر ہو اُن میں بھی یہ مضامین نہایت عمدگی سے پائے جاتے ہیں پھر ان کو الہامی کیوں نہیں کہتے؛

دلیل چہارم

(۴) یہ کتابیں ان کے مصنفین سے لے کر آج تک ہم میں متواتر چلی آتی ہیں اور تمام امت کا ان کے قبول کرنے پر اجماع ہو چکا ہے اور یہ اجماع ہر قرن میں پایا گیا ہے۔ ج اوّل تو یہ دعویٰ غلط ہے کہ ان کے مصنفین سے ہر قرن میں ان کتابوں پر اتفاق رہا ہے کیونکہ تیسری صدی کے بعد قسطنطین کی وجہ سے یہ اتفاق یا نفاق جو کچھ ہو پایا گیا مگر اس سے پیشتر یعنی حضرت مسیحؑ سے تخمیناً تین سو برس تک تو سب کتابیں عیسائیوں میں عموماً مشہور بھی نہ تھیں جیسا کہ اوپر گزرا اتفاق اور اجماع ہونا تو کجا؛ دوم اگر یہ سب تسلیم بھی کر لیا جاوے تو غایۃ الامر یہ کتابیں ان کے مصنفین کی تصنیف قرار دی جاویں گی لیکن اس سے الہامی ہونا ہرگز ثابت نہ ہوگا جب تک کہ وہ پہلی شرطیں ثابت نہ کی جائیں گی۔

دلیل پنجم

(۵) چونکہ خدا تعالیٰ سب کا خدا ہے تو اس کا دین بھی سب کے لئے ہونا چاہیے اور دین کی تعمیم بغیر اس بات کے ممکن نہیں کہ وہ کتاب تمام عالم میں پھیلے اور یہ صفت خاص بائیبل بالخصوص عہد جدید میں پائی جاتی ہے کیونکہ اب کوئی ملک باقی نہیں کہ جہاں انجیل کی منادی نہ ہوتی ہو۔ اور ہر زبان میں اس کے ترجمے ہو گئے ہیں تو یہ نشان الہامی ہونے کا ہے۔ ج یہ دلیل بھی محض پادریانہ خیال ہے کیونکہ اوّل تو سب کتابوں سے زیادہ بائیبل کی شہرت نہیں بلکہ ابتداء سے لے کر اب تک جس قدر قرآن کی دنیا میں شہرت ہوئی اس قدر کسی کتاب کی نہیں ہوئی کونسا ملک اور کونسی زبان ہے کہ جہاں قرآن مجید کے روح افزا مضامین لوگوں کی زبان پر جاری نہیں؛ اور انجیل کی شہرت جو کچھ ہے سو تخمیناً ہزار برس سے ہے پس لازم آیا کہ اس سے پیشتر یہ کتاب ۱۴

الہامی نہ تھی پھر ہوگئی۔ دوم زیادہ شہرت ہونے سے الہامی ہونالازم نہیں آتا۔ گلستان اور کلیلہ دمنہ کی شہرت بھی کچھ کم نہیں ان کو بھی الہامی کہو۔ (۶) اس کتاب کے پڑھنے سے نیک چلنی اور محبتِ آلٰہی اور روح کی صفائی پیدا ہوتی ہے اور یہ خاصہ الہامی کتابوں کا ہے۔ ج بالفرض اگر بعض مضامین کی وجہ سے جو کہ الہامی ہیں یہ بھی تسلیم کرلیا جاوے تب بھی مجموعہ کتابِ الہامی نہیں بلکہ ان کتابوں کے پڑھنے سے دل پر تثلیث پرستی اور خدا تعالیٰ کی ذاتِ مقدس میں عیوب ثابت کرنے سے اور حضرت عیسیٰؑ کو کفارہ سمجھ کر دن میں ہزار بار حرام کاری کی اجازت اور شراب اور سُورا اور جھوٹ بولنے کی رخصت سے) وہ تاریکی اور الحاد پیدا ہوتا ہے کہ جو کسی کتاب سے نہیں ہوتا یورپ میں اس قدر الحاد اور زنا اور جھوٹ اور شہوت پرستی کا شیوع انہیں کتابوں کی برکت سے ہوا ہے برعکس اس کے کہ قرآن مجید کی ہدایت کا اثر اب تک تمام عالم پر جلوہ گر ہے۔

دلیل ششم

فصل چہارم

**(فصل چہارم)** ہنود بھی اپنی کتابوں کو الہامی کہتے ہیں گو ان کا قرآن میں کہیں تفصیلاً ذکر نہیں مگر ہر الہامی کتاب پر ایمان لانا ہم اہلِ اسلام پر فرض ہے اس لئے ان کی تحقیق کرنا بھی ضروری ہوا او اصح ہو کہ ہنود کے نزدیک یہ چار وید رگھ وید۔ یجر وید۔ شام وید۔ اتھربن وید برہما کے مُنہ سے نکلے ہیں۔ اور ان کو ستؔ جگ[1] زمانہ کی تصنیف کہتے ہیں۔ اور چھ شاستر (کہ جن میں نیائی شاستر۔ ویدانت شاستر۔ میمانسا شاستر۔ سانکھ شاستر وغیرہ داخل ہیں) اور اٹھارہ پُران[2] انہیں سے نکلے ہیں۔ چونکہ یہ شاستر اور پوران اور دیگر کتب مہابھارت اور گیتا اور جوگ بسشٹ اور رامائن وغیرہ ہنود کے نزدیک بھی ان کے علماء کی تصانیف ہیں اور کچھ مضامین وید سے لے کر یا تاریخی واقعات کو حسن شاعرانہ میں پنڈتوں نے تصنیف کی ہیں پس یہ تو کسی طرح کتب آسمانی ہو نہیں سکتیں لہٰذا ہم ان کی تحقیق سے دست بردار ہوتے ہیں مگر اس قدر یاد رہے کہ یہ سب کتابیں اہلِ ہند کے نزدیک معتبر اور دینی ہیں اس لئے ہم الزاماً ملیھم کچھ مضامین اُن سے نقل کریں گے اور اب وید کی نسبت کلام کرتے ہیں کہ جو اُن کے نزدیک برہما کے مُنہ سے نکلا ہے سب سے قدیم ان کے نزدیک رگھ وید ہے اس میں قدیم لوگوں کے چھند یعنی اشعار (دیوتاؤں کی مدح میں جب کہ اُن کے گھر پر جاتے تھے) مجمع الاشعار کے طور پر جمع ہیں مگر ہر جگہ اُن اشعار کے مؤلفین کا نام نہیں ہے تاہم بہت جگہ سے یہ ثابت ہے کہ یہ اشعار فلاں رشی یعنی عابد کے ہیں اور یہ فلاں کے چنانچہ اب تک اُن کے نام لکھے ہوئے پائے جاتے ہیں سو اس وید میں شاعرانہ (بالخصوص ایشیا کے قدیم شاعروں کے حد سے زیادہ) مبالغہ مذکور ہیں اُن میں کہیں کچھ فائدہ مند باتیں بھی ہیں اور کہیں محض بیہودہ گپ ہے۔ اس کے بعد یجر وید ہے۔ یہ اس سے بہت عرصہ کے بعد تصنیف ہوا ہے اس میں اربعہ عناصر

---

[1] ہنود کے نزدیک زمانہ چار حصوں میں منقسم ہے۔ اول ستؔ جگ دوم ترتیا سوم دواپر چہارم کل جگ کہ جس کو برا زمانہ کہتے ہیں اور ہر زمانہ کی کئی لاکھ اٹھاسی ہزار یا کچھ کم مدت قرار دیتے ہیں۔ منہ

[2] تفصیل اُن کی یہ ہے کہ (۱) بشن پوران بھاگوت پوران۔ متسیہ پوران۔ اسکند پوران۔ مارکنڈے پوران۔ بھوشیت پوران۔ برہم بیورتہ پوران۔ کورم پوران۔ پدم پوران برہم پوران۔ بالو پوران۔ باون پوران۔ گرڈ پوران۔ اگنی پوران۔ وراہ پوران۔ لنگ پوران یعنی شیو پوران۔ نارد پوران۔ برہمانڈ پوران۔ منہ

اور آفتاب و ماہتاب کی پرستش کے طریقے اور جگ کرنے کی ترکیب دمنتر کسی نے جمع کر دیئے ہیں اور جا بجا مدح کے موقع میں رگ وید کے اشعار کو حسب موقع لکھ دیا ہے گویا یہ ہنود کے رواج اور دھرم کا دفتر ہے۔ بعد مدت کے پنڈتوں نے یجر وید کو نئے طور پر مرتب کیا اور اُس کی شرح کر کے ایک اور گرنتھ بنایا اور اُس کا نام شام وید رکھا۔ اب رہا اتھربن وید سو اس کا قدما میں کہیں نام و نشان بھی نہ تھا چنانچہ منوسنگتا میں دوسری ادھیائی کے دوسو تیس اور چھتیس اشلوک سے ظاہر ہے۔ منوجی وغیرہ اس کو وید نہیں مانتے ہیں بلکہ کسی نے بعد مدت مدید کے تینوں ویدوں سے کچھ مضامین جمع کر دیتے ہیں اور اس کا نام اتھربن وید رکھا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اور بیان کریں محققین مذہب ہنود کے اُس قول کو نقل کرتے ہیں کہ جو تت بودھنی سبھا بریلی کے نام سے مشہور ہے۔ **قولہم** پُران کی مت میں یہ چاروں وید برہما کی زبان سے یعنی چار مُنہ سے نکلا لکھا ہے الخ یہ بات قابل اعتماد کے نہیں اس بات کو پنڈت لوگ جاننے والے وید کے خوب جانتے ہیں کہ کوئی وید ایک وقت میں ایک آدمی کی زبان سے نہیں بنا ہے سب ویدوں کے جدے جدے بھاگ جدے جدے رشیوں نے بنائے ہیں اور بلکہ وید بنانے والے رشیوں کے نام بھی جگہ جگہ پاتے جاتے ہیں الخ جب اس قوم کے پنڈتوں ہی نے اس بات کو رد کر دیا کہ یہ برہما کے مُنہ سے نکلے ہیں اور یہ اقرار کر لیا کہ ان کے مصنف ایک دو شخص نہیں ہیں بلکہ متعدد لوگ مجہول الحال ہیں تب ان کو کس طرح سے الہامی اور کلام الٰہی مانا جاوے یہ اور بات ہے کہ اہل ہند اس پر نہایت اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کو پیاری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اب ہم عام ہنود کے پُرانے خیال کو تسلیم کر کے یعنی یہ بات مان کے کہ یہ سری برہما کے مُنہ سے نکلے ہیں کلام کرتے ہیں اور اُن میں الہامی کتاب کی شرط کو تلاش کرتے ہیں۔ اول ہم کو یہ بات دریافت کرنا چاہیے کہ برہما جی کون شخص ہیں آیا خدا ہیں یا اُس کا کوئی پیغمبر ہے یا کوئی فرشتہ ہے یا کوئی عامی آدمی جو کسی خاص وجہ سے مشہور ہو گیا ہے؟ پھر یہ دریافت کرنا چاہیے کہ اُس کتاب کے کیسے مضامین ہیں؟ اور پھر یہ مجموعہ اس کے مصنف سے بسند متصل بلا تفاوت اب تک پایا جاتا ہے یا نہیں؟۔ **بیدانت** شاستر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برہما الیشر یعنی خداتعالیٰ کی ایک صفت دیا جزو ہے کیونکہ اس میں خداتعالیٰ کی تین صفت قرار دی ہیں ایک رج گن یعنی قوت ایجاد یا ہیمیہ کہ جس کو برہما کہتے ہیں اس صفت سے اُس نے تمام عالم کو پیدا کیا دوسری صفت تربیت یعنی عالم کو پرورش کرنا جس کا نام ست گن ہے اس کو بشن (وشنو) کہتے ہیں۔ تیسری صفت تم گن یعنی فنا کرنا اور غضب وغصہ کو کہ جس کو مہادیب (مہادیو) کہتے ہیں پس اس قول کے موافق برہما بشن مہادیو اُس کی تین صفات یا جزو ہیں نہ خدا ہیں نہ کوئی پیغمبر نہ فرشتہ (یہ بیہودہ خیال پادریوں کی تثلیث کا نمونہ ہے) اس کے برخلاف **شیو** پُران سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سری برہما ایک شخص نہایت بے عقل اور مشرک تھا کیونکہ اُس میں لکھا ہے کہ بشن کی ناف سے کنول کا پھول نکلا اس میں سے برہما پیدا ہوا دونوں جھگڑنے لگے برہما کہنے لگا میں نے تجھ کو پیدا کیا ہے اتنے میں آسمان سے دسواں پیدا ہو کر اس نے فیصلہ کیا کہ تو برہما اور یہ بشن ہے لے برہما تو اس سے پیدا ہوا ہے اب تو خلقت کو پیدا کر جب اُس دسویں کو غور سے

لے اس قول کو تمام دکمال سوط اللہ الجبار کے صفحہ ۸۷ میں نقل کیا ہے جو چاہے وہاں دیکھ لے۔ منہ

دیکھا تو اس میں لنگ یعنی آلہ تناسل کی صورت دکھائی دی اس کی تحقیق کے لئے بشن سؤر بن کر زمین میں گھسا اور برہما ہنس بن کر اوپر کو اڑا لیکن جب دس ہزار برس تک دونوں کو اس کی انتہا نہ پائی تو برہما نے یہ جانا کہ میری بھی خدا ہے تب سے لنگ پوجا شروع ہوئی تھی۔ یہاں سے چند باتیں معلوم ہوئیں (۱) یہ کہ برہما اور بشن دونوں جاہل تھے کہ لنگ کو دیکھ کر حیران ہو گئے اور انجام کار اس کو خدا سمجھ لیا۔ (۲) برہما اور بھی زیادہ جاہل تھا کہ جس نے اپنے خالق بشن سے مقابلہ کیا (۳) یہ کہ برہما اور بشن نہ خدا ہیں نہ خدا کی کوئی صفت نہ پیغمبر نہ فرشتہ بلکہ لنگ پرست۔ پدم پوران میں ہے کہ برہما اہنکاری یعنی شہوت پرست ہے اس نے اپنی بیٹی سرستی کی طرف بری نگاہ کی تب اس کی بددعا سے اس کے منہ سے فحش جاری ہوا تھا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ برہما کوئی نیک آدمی بھی نہ تھا بلکہ نہایت شہوت پرست۔ اور یہ اس کا کلام الہامی ہونا تو درکنار بلکہ فحش کا مخزن ہے پھر اس کی تصنیف کے کیا کہتے ہیں؟ مضامین بھی اس کتاب کے اس قابل نہیں کہ ان کو الہامی کہا جاوے کیونکہ بت پرستی اور عناصر پرستی اور ستاروں کی پرستش وغیرہ وہ لغو تعلیم اس میں اور اس کے ملحق پرانوں میں ہے کہ جن کو کوئی اہل عقل تسلیم نہیں کر سکتا اور اس کے سوائے بے حیائی اور فحش کے قصے اور خدا قادر کی ذات و صفات میں جہالت اور عجز اور حدوث اور شہوت پرستی اور خواب و غفلت کے نہایت ناپاک مضامین مندرج ہیں علاوہ اس کے انہیں پرانوں اور ویدوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ ایشر یعنی خدائے تعالیٰ پر چوبیس بار وہ سخت مصیبت پڑی کہ اس کو بغیر سور اور شیر وغیرہ جانوروں کے قالب میں آنے کے چارہ نہ ہوا چنانچہ تمام ہنود کے نزدیک یہ مسئلہ متفق علیہا ہے اور ان چیزوں کو ہنود اوتار کہتے ہیں ان چوبیس میں سے یہ اوتار نہایت بزرگ ہیں (۱) مچھ اوتار کہ خدا مچھلی کی صورت میں آیا۔ (۲) کچھ اوتار کہ کچھوے کی صورت میں آیا۔ (۳) باراہ اوتار کہ سور کی صورت میں آیا۔ (۴) نرسنگ اوتار یعنی شیر کی صورت میں دشمن کے ہلاک کرنے کو آیا (یہ ست جگ میں ہوتے ہیں)۔ (۵) باون اوتار (۶) پرس رام اوتار (۷) رام چندر اوتار کہ جو راون سے ہنومان کی مدد سے لڑا اور سالہا جنگلوں میں سیتا کے فراق میں حیران و سرگرداں رہا (یہ تریتا جگ میں ہوتے ہیں)۔ (۸) کرشن اوتار۔ (۹) بودھا اوتار (یہ دواپر جگ میں گزرے ہیں) معاذ اللہ! اس لغو اعتقاد سے زیادہ اور کیا لغو اعتقاد ہوگا۔ عیسائیوں نے بھی خدا تعالیٰ پر گناہ معاف کرنے مشقت ڈال کر اس کو گناہ اٹھانے اور پھانسی پانے کے لئے حضرت عیسیٰؑ کی صورت میں ظاہر ہونے پر مجبور مانا ہے۔ تعالی اللہ عن ذٰلک علوًا کبیرًا۔ اس مجموعہ کی سند متصل بھی کسی ہندو کے پاس نہیں کہ سلسلہ وار اس کے مصنف تک پہنچا دیوے۔ ایک اور وجہ بھی ہے کہ جس سے وید کا الہامی ہونا رد ہوتا ہے وہ یہ کہ ان ہنود کے نزدیک برہما نہ اوتار ہیں نہ خدا اور نبوت کے یہ لوگ سرے سے قائل ہی نہیں پس جب برہما ان کے نزدیک بھی نبی نہیں ہیں تو اس کی کتاب کس طرح الہامی ہو سکتی ہے بعض ہنود جیسا کہ منشی الکھ دھاری مترجم اپنکھد سایہ کہتے ہیں کہ چاروں وید برہما کے قول کی شرح ہیں بیاس نے ان کو جمع کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ رگ وید برہما کے اس قول کی شرح ہے (پرگیانند برہم) اور یجر وید کو برہما کے اس قول کی شرح میں تصنیف کیا (اہنگ برہما اسمی) کہ میں پرمیشر ہوں۔ اور شام وید کو سری بیاس جی نے برہما کے اس قول

سے بنایا (تتومسی) یعنی ایشر ہوں اور اتھربن وید کہ جو تینوں کا خلاصہ ہے۔ اس قول کی شرح میں بیاس جی نے ترتیب دیا ہے۔ (آہنگ آتما برہم) یعنی میں آیا پرمیشر، اتّھے لمخصًا۔ یہ قول اگرچہ پنڈت تان سبھا ریلی کے نزدیک غلط ہے مگر کسی قدر اس کی اصل ہو تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ یہ بیاس جی چندروز زرتشت کے پاس شہر بلخ میں تعلیم پانے گئے تھے اور ہنود میں مشہور ہے کہ سری بیاس ایک مدت تک غائب ہو کر نارائن جی کے پاس گئے تھے چنانچہ یہ بات دساتیر نامہ زرتشت میں اب تک موجود ہے جو چاہے ملاحظہ فرمالے پس کچھ تعجب نہیں کہ یہ عناصر اور کوکب پرستی کے مضامین بیاس جی نے تعلیم زرتشتی کے موافق لکھے ہوں اور پھر کچھ اور پنڈتوں نے بھی اس میں ملایا ہو اور ہر کسی نے اپنے خیالات کو دخل دیا ہو بلکہ یہی یقینی بات ہے کیونکہ وید میں

---

لہ فرقہ آریہ کا موجد دیانند کاٹھیا واڑی ہے جو چند برس … ہوئے اجمیر میں انتقال کر گیا جو نئی روشنی کے سبب بہت ہنود اپنی خرافات سے نادم ہو کر اپنے قدیم مذہب کی ترمیم کرنا چاہتے ہیں وہ اس گروہ میں شامل ہوتے جاتے ہیں۔ یہ فرقہ ہنود کے اٹھارہ پرانوں اور بہت سی کتابوں کو غیر معتبر بتاتا ہے ان کے نزدیک یہ چار وید ان چار شخصوں سے بذریعہ الہام ظاہر ہوئے ہیں۔ اگنی سے رگوید۔ وایو سے یجر وید۔ آدت سے شام وید۔ انگرا سے اتھرون وید۔ اور ان چاروں ویدوں کو قدیم بھی کہتے ہیں۔ مگر لطف یہ ہے کہ ان چاروں مصنفوں کو قدیم نہیں کہتے۔ اور مہا بھاشیہ میں ہے کہ اندر نے برہسپتی سے ودیا پڑھی اور اس نے انگرا سے اور اس نے منو سے اور منو نے وراٹ سے اور اس نے برہما سے اور برہما نے اگنی وایو آدت انگرا سے سیکھے اور انھوں نے بذریعہ الہام برہما سے حاصل کی الخ اس تقریر سے کہ جس کو آریہ پسند کرتے ہیں کئی باتیں معلوم ہوئیں (۱) یہ کہ انگرا کا استاد منو ہے جو وراٹ کا اور برہما کا شاگرد ہے اور برہما اگنی کا شاگرد ہے جو رگوید کا مصنف ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ انگرا اور اگنی کا ایک زمانہ نہیں پھر اس کی تصنیف بھی رگوید کے بعد کی ہے پھر وہ قدیم اور اناد کیونکر ہو سکتی ہے؟ اسی طرح اب ان چاروں شخصوں کی تاریخ میں غور کرنے سے عجب الٹ پھیر معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی کہ یہ شخص ہنود میں معمولی مرتبہ کے شخص تھے کوئی خصوصیت الہام اور کرامات کی نہ تھی آریہ کو لازم ہے کہ ان کے تاریخی حالات اپنی معتبر کتابوں سے بیان کریں تب کچھ دعویٰ کریں۔ (۲) رگوید کے منڈل ۱۰۔ انوک ۷، سکت ۹ منتر ۹ میں چاروں ویدوں کا بیان ہے (تکذیب براہین صفحہ ۱۱۸ مصنفہ پنڈت لیکھرام آریہ) اب بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ رگوید تو اگنی کا تصنیف ہے جو انگرا کا کئی سلسلہ سے استاد الاستاد ہے جیسا کہ اوپر گزرا جس کا زمانہ ہنود کے زمانہ عمرہائے گزشتگان ہزاروں برس سے کیا کم ہوگا پھر اس کی کتاب میں اس شخص کی کتاب جو اس کے صدہا ہزارہا برس بعد پیدا ہوا کیونکر ذکر آگیا؟ غالباً یہ رگوید کا فقرہ الحاقی ہوگا اگر یہ ہے اور غالباً یہی ہے تو ویدوں میں الحاق بخوبی ثابت ہے (۳) ان کے بیان کے بموجب بیاس اور بششٹ وغیرہ لوگ وید کے شارح ہیں نہ کہ مصنف اب چاروں مصنفوں سے پہلے اہل ہند میں کونسی کتاب الہامی تھی اس کا بھی پتہ نہیں ملتا؟ اور ان چاروں سے پہلے ہنود کے اکابر کا ایمان اور شریعت اور دستور العمل کیا تھا اس کا بھی پتہ نہیں ملتا۔ (۴) اگر ان چاروں ویدوں کے مضامین کو دیکھا جاوے اور ان نئے معانی سے قطع نظر کی جاوے جو ہزاروں برسوں کے بعد تمام پنڈتوں کے برخلاف دیانند نے پیدا کئے تو صاف معلوم ہو جاوے کہ ان ویدوں کے مضامین الہامی نہیں کس لئے کہ عناصر کی پرستش اور غیر مرئی چیزوں سے استمداد اور مہاراجوں کے قصے اور مذہبی دستورات مذکور ہیں (۵) اور لطف یہ ہے کہ یہی اندر اور برہسپتی اور برہما جو اگنی کے شاگرد ان شاگرد بتلاتے

مختلف مضامین پائے جاتے ہیں کہیں کہیں ذات باریؔ کی تقدیس اور توحید بھی موجود ہے۔ اگر بیاس جی بھی اس کے مصنف ہوں تو وہ بھی باقرار ہنود کوئی الہامی نہیں بلکہ افعال و اقوال میں برہما جیو کے لگ بھگ ہیں بستونتی سے جس طرح ان کا پیدا ہونا لکھا ہے اور پھر بھائیوں کی بیویوں پر دستِ شفقت پھیرنا جو مہا بھارت میں مذکور ہے اس کے ذکر کرنے سے تو شرم ہی آتی ہے واللہ الہادی۔

فصلِ پنجم

## ( فصلِ پنجم )

پارسی بھی (یعنی آتش پرست کہ جن کو مجوس کہتے ہیں) اس امر کے مدعی ہیں کہ ہمارے وخشوروں یعنی پیغمبروں پر آسمان سے خدا کا کلام نازل ہوا ہے کہ جس کو وہ الہامی اور کلامِ خدا سمجھتے ہیں ژند اوستا[1] وغیرہ مگر اُن کے پاس اور کتابیں بھی ہیں مگر زیادہ مشہور اور معتبر **دساتیر** ہے۔ اس کتاب میں چھوٹے چھوٹے (پندرہ شخصوں کے) پندرہ نامے ہیں۔

(**اوّل**) نامہ آباد وخشور کا اس کو ایرانی اوّل پیغمبر کہتے ہیں۔ (۲) نامہ جی افرام کا (۳) نامہ شاہ کلیو کا (۴) نامہ یا سان کا (۵) نامہ گل شاہ کا کہ جس کو کیومرث بھی کہتے ہیں (۶) نامہ سیامک وخشور کا (۷) نامہ ہوشنگ کا (۸) نامہ تہمورس وخشور کا (۹) نامہ جمشید وخشور کا (۱۰) نامہ فریدون کا (۱۱) نامہ منوچہر کا (۱۲) نامہ کیخسرو کا (۱۳) نامہ زرتشت کا (۱۴) پند نامہ سکندر کا۔ (۱۵) نامہ ساسانِ اوّل کا (۱۶) نامہ ساسانِ پنجم کا۔ ان میں سے اگر پند نامہ سکندر کو جدا نہ شمار کیا جاوے تو یہ پندرہ نامے ہیں ورنہ سولہ ہیں۔ ان میں سے نامہ اوّل اور نامہ زرتشت اور نامہ ساسانِ اوّل تو تخمیناً ایک ایک جزو کے ہوں گے ورنہ اور تو ایک صفحہ یا دو صفحہ کے نامہ ہیں۔ ان ناموں کو ساسانِ پنجم نے خسرو پرویز ابن ہرمز بن نوشیروان کے عہد میں پاژندی[3] زبان سے دری زبان میں ترجمہ کیا اور اصل کے فقروں پر ہندسوں کے نشان لگاتے گئے ہیں اور ہر نامہ کے اوّل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اعوذ الخ کا ترجمہ لکھ رکھا ہے۔ اس طرح

[illegible]

**ف** ۔ الملل والنحل میں لکھا ہے کہ حکیم فیثاغورث کا ایک شاگرد قلانوس نامی علوم علویہ اور فن الٰہیات کا نہایت ماہر تھا اس نے ہندوستان میں جا کر اقامت اختیار کی اور مذہب فیثاغورث کو عمدہ دلائل اور ریاضات سے ثابت کیا اور ایک شخص برہمن کو اپنا شاگرد بنایا چونکہ یہ برہمن بھی ان علوم میں نہایت لائق اور فائق ہوا اس نے تمام ہند کو مجاہدات و ریاضات کی طرف رغبت دلا کر اپنا مرید بنایا اور اس کے بعد پھر یہ مذہب فلاسفی اہلِ ہند کے دل پر نقش کالحجر ہو گیا انتہٰے۔ یہ بات نہایت قرین قیاس ہے کیونکہ ہند میں صدہا فرقے ہیں اور ان کی عبادت اور ریاضت کے طریقے بھی الگ ہیں بلکہ معبود بھی الگ الگ ہیں مگر ان کے بعض فرقوں میں فلسفی خیالات بھی پائے جاتے ہیں کہ جن پر ہنود کو بڑا ناز ہے جیسا کہ فرقہ بیدانتی اور کچھ عجب نہیں کہ ان فلسفیوں کے اقوال بھی اس کشکول قدیم یعنی وید میں جمع ہوں جیسا کہ بعض شاستر اور پورانوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔

**۱؎** یہ کتاب زرتشت کی تصنیف ہے کہ جو ایران میں گشتاسپ بن لہراسپ شاہِ ایران کے عہد میں ظاہر ہوا تھا اور اُس کو اپنے مذہب کی طرف بلایا اور خوارق دکھاتے تھے اور اسفندیار نے اس کے مذہب کی ترویج میں بڑی کوشش کی تھی اور ہندوستان سے بیاس جا کر اس کا مرید ہوا تھا۔ **۲؎ نامہ** ساسانِ پنجم کے ۵۷ جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہ آباد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں ہے کہ خانہ کعبہ کو مہ آباد نے بنایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم ؑ نے تعمیر فرمایا ہے۔ **۳؎** پاژندی ایران کی قدیم زبان ہے سنسکرت سے بہت مشابہ ہے اگر لب و لہجہ اور دیگر تفاوتِ قلیلہ کو دُور کر دیا جائے تو دونوں ایک ہی زبان ہیں۔ ایران کے قدما کے رسوم اور اہلِ ہند کے رسوم و

سے دپناہیم بیزدان از نمش دخوئے بد وزشت گمراہ کند وبراہ ناخوب برندہ رنج دہندہ آزار رسانندہ (۲) بنام ایزد بخشایندہ بخشایشگر مہربان دادگر۔ ان نامجات میں کچھ صفات باری تعالیٰ اور یہ بات کہ عقل اول کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے تمام عالم پیدا کیا جس طرح کہ حکماء یونان کا مذہب ہے بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ حکماء یونان کے فلسفہ الٰہیات اور فلکیات اور عنصریات کو کسی نے نقل کر دیا ہے اور کواکب پرستی و آتش پرستی کے طریقے بھی مذکور ہیں اور کسی قدر پیشین گوئیاں ہیں اب یہاں چند امور قابل بحث ہیں (۱) یہ کہ ان کے مؤلفین نے ان کو الہام سے لکھا ہے یا نہیں؟ (۲) ان کے مؤلفین کون لوگ ہیں؟ (۳) ان کے مضامین کیسے ہیں؟ اوّل امر کی نسبت یہ تحقیق ہے کہ یہ تمام نامے ایک شخص اعنی ساسان پنجم کے جمع کئے ہوتے ہیں کہ جو خسرو پرویز کے عہد میں تھا اور اس کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو تو کیا بلکہ اپنی اولاد میں ہمیشہ پیغمبری کا مدعی ہے چنانچہ اس کے نامہ کا ۳۹ فقرہ یہ ہے در تخمہ تو پیغمبری ہمیشہ ماند۔ اگرچہ اس کے حالات مفصلاً ہم کو معلوم نہیں مگر اس کے نامہ میں دو چار پیشین گوئیاں ایسی ہیں کہ جن کے جھوٹ ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں۔ ۲۵-۲۶ جملہ میں کہتا ہے: ”و پاداش گران گرد ہی باستند آرے۔ ۲۶ درہم افتادہ و بدکارد آنچہ بزرگ الیشان گفتہ ہم نکنند انتہیٰ“۔ یعنی جو گروہ عرب نبی عربی کا پابند کہ ایرانیوں کو ان کے گناہوں کی سزا دے گا۔ بدکار اور اپنے پیغمبر کا نافرمان ہوگا۔ سو یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کی خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایران کو فتح کیا ہے اور اس میں سب صحابہؓ شریک تھے اور انہیں کے ہاتھ سے ایرانیوں کی سلطنت برباد ہوئی سو وہ پیغمبر علیہ السلام کے ایسے فرمانبردار تھے کہ آج تک ایسی کوئی قوم اپنے نبی یا بزرگ کی فرمانبردار نہیں ہوئی۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس گروہ پاکباز کی جان و مال کے مالک تھے اور ان کے نیک ہونے میں بھی کسی اہل تاریخ کو مجال گفتگو نہیں مورخین یورپ کے اقوال آپ پہلے سن چکے ہیں۔ (۲) اس نے کہا کہ میری اولاد میں ہمیشہ پیغمبری رہے گی سو یہ بھی بالکل جھوٹ آج تک اس کی اولاد میں سے کسی نے کوئی پیغمبر دیکھا تو کیا سنا بھی نہیں۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ کوئی پارسی بمبئی میں بیٹھ کر پیغمبری کا دعویٰ کیا کرے۔ (۳) وہ کہتے ہیں کہ دین محمدی ہزار برس کے بعد ایسا خراب ہوگا کہ اختلاف باہمی کی وجہ سے پہچانا نہ جائے گا۔ چنانچہ ۳۰ جملہ میں اس کی تصریح ہے۔ لیکن یہ بھی صاف جھوٹ۔ کیونکہ امور جزئیہ میں باہم اہل اسلام میں اختلاف ہوا سو وہ ہزار برس سے کہیں پیشتر بلکہ دوسری تیسری صدی میں شروع ہوا۔ مگر بحمد اللہ اب تک قرآن اور احکام منصوصہ اسلام و دیگر فرائض وغیرہا امور ضروریہ میں ایک بال کے برابر بھی فرق نہیں آیا۔ ان امور میں آج تک تمام اہل اسلام یک زبان ہیں اور یہ امور ہو بہو حضرتؐ سے منقول ہیں۔ بلکہ ان کے بزرگ ساسان اوّل کی پیشین گوئی بھی صریح غلط نکلی کیونکہ وہ اپنے نامہ کے ۷۳ جملہ سے ۸۰ تک یہ خبر دیتے ہیں کہ عرب کے غلبہ ہونے کے بعد پھر ساسان اوّل کی اولاد میں سے ایک پیغمبر پیدا ہوگا اور ایرانیوں کی وہ حکومت و شوکت برباد شدہ پھر عود کر آئے گی اور اہل اسلام ایرانیوں سے ایسے بھاگیں گے جیسا بلی سے چوہے بھاگتے ہیں انتہیٰ۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے کیونکہ جب سے اسلام کا پھریرا ایران میں اُڑا اس وقت سے لے کر اب تک اہل اسلام ہی غالب رہے ہیں مجوسیوں کی

عزت اور سلطنت نے عود نہیں کیا علاوہ اس کے یہ ساسان خسرو پرویز کی بڑی مدح کرتا ہے اور اُس کو فرشتہ منش کہتا ہے حالانکہ یہ خسرو وہ بدنصیب ہے کہ جس نے پیغمبر آخرالزمان ص کا نامہ مبارک پھاڑ ڈالا تھا اور آتش پرستی اور بدمستی اس کا شیوہ تھا پس ان دلائل سے معلوم ہوا کہ ساسان پنجم نے الہام سے نہیں لکھا بلکہ دوسری بات بھی معلوم ہوگئی کہ مجوس کے اکابر کہ جن کی طرف یہ نامجات منسوب ہیں (بلکہ ہنود کے اکابر سری رام چندر و سری کرشن وغیرہم بھی) اگر یہ کتابیں ٹھیک انھیں کی تصنیف ہوں اور ان میں بلاکم و کاست انھیں کے عقائد مذکور ہیں تو وہ ہرگز پیغمبر نہ تھے، غایۃ ما فی الباب بادشاہ تھے اور حکمت و فلسفہ میں خوب دخل رکھتے تھے جس کی وجہ سے مشہور ہو گئے اور پیشوا مانے گئے۔ ان کتابوں کے تمام مضامین بھی ایسے نہیں کہ ان کو الہام کی طرف منسوب کیا جاوے بلکہ بعض جھوٹے مضامین اور بعض میں شرک اور نازیبا باتوں کی تعلیم ہے (شاہد اوّل) ساسان اوّل کے نامہ میں ۱۹ جملہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ مرکر انسان کی روح دوسرے جسم میں تناسخ[1] کے طور پر جاتی ہے۔ **قولہ** رواں از تنے بہ تنے رونده است الخ پھر اس کی شرح میں ساسان پنجم بڑے دلائل قائم کرتے ہیں حالانکہ یہ عقیدہ بالکل لغو اور باطل ہے نہ عقل اس کی مقتضی ہے نہ نقل (**شاہد دوم**) نامہ شت[2] جی افرام کے ۲۰ جملہ میں کہتا ہے کہ مہ آباد کی اولاد میں چودہ[3] دخشور ہوتے ہیں کہ ان کو آباد کہتے ہیں اُن آبادوں کی اولاد میں خشوزاد تک سلطنت قائم رہی۔ اور زاد حسب تفسیر ساسان پنجم کروڑ کا کیا بلکہ ارب بلکہ کھرب بلکہ نیل سے بھی زیادہ ہے پس جب اس کو شو بار لیا جاوے تو کہاں تک پہنچتا ہے؛ حالانکہ اس کے جھوٹے ہونے میں کسی عقلمند کو بھی شک نہیں کیونکہ مہ آباد ابراہیم علیہ السلام ہیں اور بالفرض آدم ع بھی مراد لئے جاویں تو ان کا زمانہ اب تک سات آٹھ ہزار برس سے زیادہ نہیں گذرا چہ جائیکہ جی افرام کے عہد تک مہ آباد کی نسل میں صد ہا کروڑ برس کا زمانہ گزر جاوے ایسی گپیں زمانہ کی بابت ہنود کے ہاں بھی ہیں۔ سری بیاس جی یہیں سے سیکھ کر گئے ہیں (**شاہد سوم**) نامہ وخشور ساسان کے ۸۵ جملہ میں تصریح ہے کہ آگ اور ستاروں کے آگے سجدہ کرو اور اُن کی تعظیم اور عبادت بجالاؤ۔ پھر نامہ سیامک بن گل شاہ کے ۳ جملہ میں تصریح ہے کہ اے سیامک ہمیشہ تو مشتری کی اس طرح ستائش کر۔ آگے پھر اس کی بڑی ثنا و صفت ہے اور اس سے یوں دعا مانگ کہ مینواہم اد تو نیک بختی ہر دو سرائے۔ پھر نامہ تہمورس میں آفتاب پرستی کی نہایت تاکید ہے اور اُس کی بڑی ثنا و صفت بتلاتی ہے کہ وہ عبادت کے وقت پڑھی جاوے اور اُس سے یوں دعا مانگی جاوے اور سجدہ کیا جاوے۔ پھر نامہ جمشید میں ناہید یعنی زہرہ کی بڑی ستائش ہے اور وہ الفاظ دعا میں مذکور ہیں کہ جو خاص خدا تعالے سے ہونے چاہئیں۔ الغرض آگ اور آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں کی پرستش کے طریقے دساتیر میں اکثر موجود ہیں پھر ایسی کتاب معدن شرک و کفر کو کیونکر الہامی اور من جانب اللہ تصور کیا جاوے اور یہی آتش پرستی اور

[1] اسی طرح نامہ اوّل کے ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲ جملوں میں اس کی تصریح ہے کہ اس عالم میں انسان اپنے پہلے بدن کے اعمال کا نتیجہ شادی و غمی رنج و خوشی دیکھتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے کس لئے کہ جب اوّل جسم میں آکر رنج و راحت پائی تھی وہ کونسے جسم کے اعمال کا نتیجہ تھا۔ منہ

[2] شت بمعنی حضرت۔ منہ [3] چنانچہ اس کے محامد میں سے یہ بھی ہے۔ بزرگ بخشندہ۔ فرماد رس الخ۔ منہ

آفتاب پرستی سری بیاس جی نے ہندوستان میں پھیلائی ہے ان کے وید کو دساتیر سے نہایت مناسبت ہے کچھ عجب نہیں کہ بیاس جی نے پاژندی زبان سے اپنے اُستاد زرتشت کی کتاب کو سنسکرت میں ترجمہ کیا ہو اور وید نام رکھا ہو بلکہ یہی صحیح ہے۔ بعض ہنود اور مجوس اس آتش پرستی اور آفتاب پرستی کی یہ توجیہ کیا کرتے ہیں کہ یہ جوہر نورانی ہیں ہم ان کو نہیں پوجتے بلکہ اُن کی طرف منہ کر کے اور اُن کا دھیان دھر کر اور ان کو جہت قبلہ سمجھ کر خدا کو پوجتے ہیں مگر یہ توجیہ بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ عبادت یا پرستش یا پوجا جو چاہو سو کہو تذلل اور عاجزی اور استعانت اور اُس کی ثنا و صفت کرنا اور اُس کو نافع و ضار سمجھنا ہے سو یہ تمام باتیں اُن کے ساتھ برتتے ہیں پھر عبادت میں کیا باقی رہ گیا۔ دیکھئے ہم خانہ کعبہ کو جہت عبادت سمجھتے ہیں مگر نہ اُس سے استعانت کرتے نہ اُس کو نافع و ضار سمجھتے ہیں نہ بوقت نماز یا طواف کچھ اُس کی حمد و ثنا کرتے ہیں پھر اس پر قیاس کرنا دور از عقل ہے۔ اس مختصر میں مجوس کے فرقوں کیومرثیہ و ثنویہ و زرتشتیہ وغیرہ کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔

## خاتمہ

واضح ہو کہ توجیہ و تاویل کو بڑی وسعت ہے جس کلام کو چاہو تاویل کے ذریعہ سے اُس کی اصلی مراد کے برخلاف کر سکتے ہو۔ چونکہ قرآنِ مجید کی موافقت اور مخالفت کو لوگوں کی دلی خواہشوں کی کامیابی اور ناکامی میں بڑا اثر ہے اس لئے بہت سے اہلِ اسلام میں سے کج رو لوگوں نے اور بہت سے شریر اور بدعتیوں نے اور بہت سے ایسے لوگوں نے کہ جو پہلے تو اسلام کے مخالف تھے اور پھر وہ اسلام میں بخلوص آئے مگر وہ پہلا زہر بالکل نہ گیا یا منافقانہ اسلام کو قبول کر کے اپنے ملحدانہ خیالات کو پھیلانا چاہا اور بہت سے جاہل صوفیوں نے قرآن مجید کو اُس کے اس اصلی مرکز سے جو اُس کے نازل کرنے والے نے قائم کیا تھا ہٹا کر تاویل کے ذریعہ سے اور طرف کر دیا اور کلام الٰہی کو بالکل بدل دیا اور اُس کا نام تفسیر رکھا چونکہ تفسیر سمجھ کر بہت سے سیدھے سادے مسلمان اُن کے اس زہر کو جو انھوں نے اُگلا ہے آبِ حیات جان کر پی جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا روحانی مزاج بالکل فاسد ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اسی مرض میں مر جاتے اور حیاتِ ابدی سے محروم اور اُس عالم میں ہمیشہ معذب و مغموم رہتے ہیں۔ ان بے کسوں کی بے کسی پر افسوس صد افسوس یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ اس لئے مجھ کو ضروری ہوا کہ معتبر تفاسیر اجمالاً بیان کر دوں اور اعتبار کے لئے کلیہ قاعدہ بتلا دوں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فنِ تفسیر دو جز سے مرکب ہے ایک جز منقولات دوسرا معقولات اب جس کے دونوں جزء اچھے ہوں گے وہ تفسیر بھی اچھی ہوگی ورنہ نہیں۔ منقولات شانِ نزول وغیرہ وہ امور جو نقل سے متعلق ہیں اگر وہ آنحضرت علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص اُن دس[1] صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہ جو اس فن میں امام تھے اور پھر اُن تابعین[2] وغیرہم سے کہ جو اس فن کے ماہر تھے منقول ہے تو قابلِ اعتبار ہے بشرطیکہ

[1] خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم و ابن مسعود رضی اللہ عنہ و ابن عباس و اُبی بن کعب و زید بن ثابت و ابو موسیٰ الاشعری و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم یہ اوّل طبقہ ہے۔ منہ

[2] تابعین میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد مکہ میں مجاہد و عطاء بن ابی رباح و عکرمہ مولا ابن عباس و سعید بن جبیر و طاؤس (بقیہ صفحہ ۲۰۸ پر)

نقل بھی بقاعدۂ اہل حدیث معتبر ہو ورنہ رطب ویابس منقولات جو بعض تفاسیر میں علماء اہل کتاب وغیرہم سے منقول ہیں اعتماد کے قابل نہیں اور معقولات یعنی نکات قرآنیہ اور فصاحت وبلاغت وزبان دانی کے متعلق باتیں وغیر ذالک اُس فن کے علماء محققین اور کملاء مدققین کی طرف مُستند اور اُن کے منظورِ نظر ہوں تو خیر ورنہ بے تک باتیں قابل التفات نہیں۔ متقدمین منقولات کو بسلسلۂ روایات صحیح لکھا کرتے تھے مگر متاخرین نے یا صرف حوالہ ہی پر اعتماد کیا یا بغیر حوالہ اپنی خوش اعتقادی سے جو کچھ پایا لکھ دیا اور کتاب کو بے اعتبار بنایا۔ اور بعض نے متاخرین محدثین کی یہاں تک تقلید کی کہ جو کچھ ان لوگوں نے آنحضرت علیہ السلام یا صحابہ رضؓ وتابعینؒ کی طرف منسوب کر دیا اُس کو ایسا یقینی سمجھا کہ پھر اُس میں تحقیقات کرنے کو بُرا جانا خواہ وہ کیسی ہی روایت کیوں نہ ہو اور خواہ اس سے اسلام اور قرآن کے نورانی چہرہ پر دھبہ ہی کیوں نہ لگے اور مخالفین اسلام اس کو تمسک بنا کر اسلام کی کیسی ہی بیخ کنی کیوں نہ کریں مگر یہ سادہ لوح جو بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھے ہیں اور باہر کا کچھ حال معلوم نہیں ان پر ایسا اَڑتے ہیں کہ ٹلتے ہی نہیں بلکہ اس کھوٹی پونجی کو ہی تفسیر سمجھتے ہیں اور جن محققین نے ایسے امور میں چھان بین کی ہے اُن کی تفاسیر پر نام دھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ فن تفسیر سے مس نہیں رکھتے۔ اور ان کے برخلاف ایک اور گروہ ہے جو روایت کو چھوڑ درایت کا پابند ہے۔ انھوں نے یہ غضب کیا ہے کہ اوہام و شکوک فلاسفہ بے دین اور بیہودہ گوئی ملحدین کی وجہ سے روایت کو معتد بہ نہ سمجھا۔ صحیح احادیث واجماع سلف صحابہ رضؓ وتابعینؒ سے روگردانی کی حالانکہ قرآن انھیں کی زبان میں اور انھیں کے زمانہ میں نازل ہوا ہے اس کے مطالب کی شرح میں انھیں کا قول زیادہ معتبر ہے اور بس **الغرض** افراط وتفریط دونوں بُری ہیں۔ پس جس تفسیر

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۰) وغیرہم۔ اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضؓ کے شاگرد بڑے مفسر تھے۔ اور اسی طبقہ میں ہیں حسن بصریؒ اور عطاء بن ابی سلم خراسانی ومحمد بن کعب قرظی وابو العالیہ وضحاک بن مزاحم وعطیہ وقتادہ وزید بن اسلم ومرہ ہمدانی وابو مالک وربیع بن انس وغیرہم یہ لوگ بیشتر صحابہ رضؓ سے نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے تیس بار ابن عباس رضؓ کو قرآن مجید سنایا ہے یہ دوسرا طبقہ ہے۔ اور تیسرے طبقہ میں تبع تابعین ہیں ان میں سے سفیان بن عیینہ ووکیع بن الجراح وشعبۃ بن حجاج ویزید بن ہارون وعبدالرزاق وآدم بن ابی ایاس واسحٰق بن راہویہ وروح بن عُبادہ وعبد بن حمید وابی بکر بن ابی شیبہ وشنید ہیں۔ چوتھے طبقہ میں وہ لوگ ہیں جو ان سے بعد ہیں اُن میں سے ابو جعفر محمد بن جریر طبری ہیں کہ جن کی تفسیر عمدہ اور مشہور ہے ۳۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ایک ابن جریر شیعہ اور کرامیہ بھی ہیں اس سے ناواقفوں کو اشتباہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی طبقہ میں ابن ماجہ وابن مردویہ وابو الشیخ وابن المنذر ہیں۔ پانچویں طبقہ میں وہ ہیں کہ جو بحذف اسناد روایات بیان کرتے ہیں اس طبقہ میں آکر بہت خلط ملط ہو گیا اس طبقہ میں ابو عبدالرحمٰن محمد بن حسین نیشاپوری صاحب تفسیر حقائق ہیں وفات ۴۱۲ھ میں ہوئی ہے اور ابو اسحٰق احمد ثعلبی نیشاپوری اس کی تفسیر میں بھی محمد حسین نیشاپوری کی طرح رطب ویابس ہے۔ وابو محمد عبداللہ جوینی والد امام الحرمین ان کی تفسیر کا نام بھی کبیر ہے اور ابو القاسم عبدالکریم قشیری متوفی ۴۲۵ھ اور ابو الحسن بن احمد نیشاپوری بھی ہیں۔ چھٹے طبقہ میں وہ لوگ ہیں کہ جن کا روایت میں کم اعتبار ہے جیسا کہ قرطبی اور ثعلبی اور امام فخر الدین رازی۔ ساتویں طبقہ میں ابو القاسم حسین راغب اصفہانی مصنف احتجاج القرآن فی قراۃ مفردات القرآن۔ ان کی وفات ۵۰۳ھ میں ہوئی ہے اور ابو حامد محمد بن محمد غزالی ملقب بزین الدین مصنف جواہر القرآن ویاقوت التاویل ان کی وفات ۵۰۵ھ میں (باقی صفحہ ۲۰۹ پر)

میں روایت اور درایت دونوں عمدہ اور صحیح ہیں وہ تفسیر بھی عمدہ اور صحیح ہے اور جس میں ان دونوں میں قصور ہے اُسی قدر اُس کتاب میں فتور ہے۔ تفاسیر صدہا ہیں اگران کے نام لکھوں تو ایک دفتر بھی بس نہ کرے چنانچہ کتاب کشف الظنون میں بے شمار نام مندرج ہیں مگر میں یہاں چند تفاسیر کو بیان کرتا ہوں۔

**تفسیر ابن جریر طبری**۔ یہ تفسیر منقولات میں بہت عمدہ ہے۔ بیشتر اس کی روایات صحیحہ ہیں راقم الحروف نے اس کو مدینہ منورہ میں دیکھا ہے۔ امام نوویؒ تہذیب میں اُس کی بڑی مدح کرتے ہیں۔

**مجمع البحرینؒ** و مطلع البدرین۔ جلال الدین سیوطی کی تصنیف اس میں اقوال منقولہ و دیگر فوائد کو نہایت احتیاط سے جمع کیا ہے اور اتقان کو اس کا مقدمہ بنایا ہے۔

**تفسیر ابی اللیث**۔ نصر بن محمد فقیہ سمرقندی حنفی متوفی ۳۸۳ھ کی تصنیف نہایت عمدہ کتاب ہے روایت اور درایت میں خوب اہتمام کیا ہے شیخ زین الدین قاسم بن قطلوبغا حنفی نے اُس کی احادیث کی تخریج کی ہے۔

**تفسیر ابن کثیر**۔ امام ابوالفدا اسمٰعیل بن عمر قرشی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ کی تصنیف ہے یہ کتاب دس جلد میں ہے احادیث و آثار کو نقل کر کے جرح و تعدیل بھی کرتا ہے اچھی کتاب ہے۔

**تفسیر اسحٰق بن راہویہ**۔ امام ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد حنظلی مروزی نخعی نیشاپوری متوفی ۲۳۸ھ کی عمدہ تفسیر ہے منقولات کو احتیاط سے ذکر کیا ہے۔

**تفسیر الخوارزمی**۔ ابوالحسن علی بن عراق بن محمد بن علی صناری حنفی متوفی ۵۳۹ھ کی تصنیف بطرز اہل حدیث۔

**تفسیر الجوینی**۔ امام ابو محمد عبداللہ بن یوسف نیشاپوری متوفی ۴۳۸ھ کی تصنیف مشہور تفسیر ہے۔ ہر آیت کی دس وجہ پر تفسیر کی ہے۔

**تفسیر کواشی**۔ موفق الدین احمد بن یوسف موصلی شیبانی شافعی متوفی ۶۸۰ھ کی تصنیف اس کی ۲ کتاب ہیں بڑی کا نام تبصرہ اور چھوٹی کا نام تلخیص ہے۔

**تفسیر قشیری**۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن شافعی کی تصنیف ان کے علاوہ اور بھی قدماء کی بہت سی تفاسیر ہیں کہ جن میں مسلسل روایات کو بیان کیا ہے۔ اب میں چند وہ تفاسیر بیان کرتا ہوں کہ جو ہمارے ملک میں مشہور ہیں۔

**تفسیر کشاف**۔ امام علامہ ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ کی تصنیف۔ اس کتاب میں علوم عربیت کو نہایت عمدہ طور پر جمع کیا ہے بلکہ علوم ادبیہ میں یہ کتاب سند ہے۔ البتہ منقولات میں اس شخص کا پایہ بلند نہیں اور کہیں کہیں مذہب معتزلی کی تائید بھی کرتا ہے۔ اس لئے امام ناصر الدین احمد بن محمد بن منیر اسکندری نے ایک حاشیہ اس پر لکھا ہے کہ جس کا نام انتصاف ہے اس میں اس کے مذہب اعتزال کی باتوں پر گرفت کر کے کتاب کو درست کر دیا ہے اسی طرح اس کتاب پر علماء محققین کے بے شمار حواشی ہیں۔ منجملہ ان کے قطب الدین محمود بن

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۸) ہوتی ہے غزالہ طوس کے قریب ایک گاؤں ہے۔ ایک شخص محمود غزالی بھی ہیں وہ معتزلی ہیں بلکہ شیعہ اکثر لوگ لفظ غزالی سے دھوکہ کھاتے ہیں اور اسی طبقہ میں ہیں ابو محمد حسین بن مسعود بغوی مصنف معالم التنزیل ان کی وفات ۵۱۶ھ میں ہوئی ہے یہ بغشور کے رہنے والے ہیں جو توابع خراسان سے ہے اس کے علاوہ اور بہت مفسرین اس طبقہ میں ہیں۔ منہ

مسعود شیرازی اور فخر الدین احمد بن حسن جاربردی و شرف الدین حسن بن محمد طیبی و سعد الدین علامہ تفتازانی و سید شریف علی بن محمد جرجانی وغیرہم کے حواشی ہیں۔ یہ کتاب علماء میں نہایت مشہور ہے اگر اس میں اعتزال کی باتیں اور روایت میں زیادہ احتیاط ہوتی تو بے نظیر کتاب تھی تاہم بسا غنیمت ہے۔

**انوار التنزیل** و اسرار التاویل قاضی ناصر الدین ابی سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی کی تصنیف ہے کہ جس کو تفسیر بیضاوی کہتے ہیں اس کے مصنف کی وفات تبریز میں سنہ ۶۸۵ھ میں ہوئی ہے اس کتاب میں اعراب و معانی و بیان کے متعلق جو کچھ ہے وہ کشاف سے ماخوذ ہے اور جو کچھ حکمت و کلام سے متعلق ہے وہ تفسیر کبیر سے اور جو کچھ اشتقاق و غوامض حقائق و لطائف و اشارات سے متعلق ہے وہ تفسیر راغب اصفہانی سے ملخص ہے اور باقی اپنا طبع زاد ہے خیر جو کچھ ہو مگر یہ کتاب نہایت عمدہ اور بڑی مشہور ہے اس نے ان لغو روایات کو جن سے اسلام پر دھبہ لگتا ہے یک لخت رد کر دیا۔ اس تفسیر پر بھی علماء کے بہت سے حواشی ہیں۔ منجملہ ان کے محی الدین محمد بن شیخ مصلح الدین اور شیخ جلال الدین بن عبدالرحمٰن سیوطی اور ابوالفضل قرشی خطیب اور محمد بن جمال الدین شروانی و صبغۃ اللہ و شیخ محمود بن حسین حاذقی و شیخ شہاب خفاجی و ملا عصام و عبدالحکیم سیالکوٹی وغیرہم کے حواشی ہیں اس کتاب میں فضائل سور میں احادیث ضعیفہ بلکہ موضوعہ بھی مصنف نے داخل کر کے اس کی عمدگی پر دھبہ لگا دیا۔ تاہم بہت خوب تفسیر ہے

**مدارک التنزیل**۔ حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی کی تصنیف۔ یہ مختصر تفسیر نہایت عمدہ ہے اس کے مصنف حنفی ہیں وفات سنہ ۷۱۰ھ میں ہوئی ہے۔

**معالم التنزیل**۔ ابو محمد حسین بن مسعود بغوی کی تصنیف۔ ان کو فراء بھی کہتے ہیں۔ فرو پوستین کو کہتے ہیں۔ یہ پوستین بنایا کرتے تھے۔ ان کی وفات سنہ ۵۱۶ھ میں ہوئی ہے۔ یہ صاحب محدث ہیں بطرز اہل حدیث تفسیر بیان کرتے ہیں مگر اس میں کسی قدر غیر معتبر قصے مذکور ہیں۔

**تفسیر جلالین**۔ سورۂ اسراء کے آخر تک جلال الدین محلی شافعی متوفی سنہ ۸۶۴ھ کی تصنیف ہے۔ جب وہ ناتمام چھوڑ کر مر گئے تو اسی طور پر امام جلال الدین سیوطیؒ نے چھ سال بعد اس کو تمام کیا اور الحمد کی تفسیر بھی آپ ہی نے لکھی۔ یہ تفسیر مختصر ہے نہایت خوب۔ اس کے حواشی بھی بہت ہیں، کمالین اور ہلالین اور جمالین اور جمل وغیرہ اس میں مختصر طور پر شان نزول و شرح مفردات ہے۔

**مفاتیح الغیب** کہ جس کو تفسیر کبیر کہتے ہیں۔ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی کی تصنیف ہے۔ ان کی وفات سنہ ۶۰۶ھ میں ہوئی ہے۔ اس میں سب کچھ ہے مگر روایت میں کم پایہ ہے۔

**تفسیر بحر مواج**۔ علامہ شہاب الدین دولت آبادی ثم دہلوی کی تصنیف ہے۔ تمام و کمال قرآن مجید کی تفسیر فارسی زبان میں سلطان ابراہیم شرقی جونپوری کے زمانہ میں لکھی گئی۔ اس مصنف کی علمی قابلیت کو دنیا نے تسلیم کیا ہے اور جس قدر اوصاف مفسر میں ہونا چاہیے وہ سب ان میں پائے جاتے ہیں۔ یہ شاگرد قاضی عبدالمقتدر کندی شریحی کے اور وہ مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ یہ تفسیر معروف و مشہور ہے لیکن تمام و کمال کمیاب ہے۔

**تفسیر ابی السعود**۔ علامہ ابو السعود بن محمد عمادی کی تصنیف ہے۔

**تفسیر مظہری**۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تصنیف ہے۔ یہ حضرت بڑے عالم اور صاحب نسبت حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگرد ہیں۔ نہایت عمدہ تفسیر ہے۔ اکثر منقولات کو تحقیق سے لاتے ہیں۔

**درمنثور**۔ جلال الدین سیوطی کی تصنیف ہے۔ اس میں کثرت سے منقولات ہیں لیکن رطب و یابس۔

**تفسیر رحمانی**۔ شیخ علی بن احمد مہائمی کی تصنیف ہے۔ مہائم گجرات میں ایک بندرگاہ ہے۔ ان کی وفات ۸۳۵ھ میں ہوئی ہے۔ آیات میں ربط خوب دیتے ہیں۔ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی کے وحدت وجود میں پرو ہیں۔

**سواطع الالہام**۔ جس کو بے نقط تفسیر کہتے ہیں۔ ابو الفیض فیضی کی تصنیف۔ یہ جلال الدین اکبر بادشاہ ہند کے امراء میں سے تھا۔ تمام تفسیر میں بے نقط حروف لایا اور بڑا تکلف کیا ہے۔ ایک طرح کی عبارت آرائی ہے مگر فن تفسیر اور دیگر تحقیقات سے بالکل بے بہرہ ہے۔

**سراج المنیر**۔ شیخ خطیب شربینی کی تصنیف چار جلد میں ہے۔ رازی وغیرہم سے اخذ کرتا ہے۔

**فتح الرحمن**۔ ترجمہ قرآن فارسی زبان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصنیف ہے۔

**فتح العزیز**۔ جس کو تفسیر عزیزی کہتے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کی تصنیف دو جلد۔ اول میں الحمد سے کر وان تصوموا خیر لکم الخ تک کی تفسیر ہے۔ دوسری میں سورۃ تبارک الذی سے اخیر تک نہایت عمدہ کتاب ہے۔

**فتح الخبیر**۔ شاہ ولی اللہ کی مختصر سی تفسیر جس میں آثار ابن عباس کو بطریق صحیح اور اسباب نزول کو کہ جو تفسیر بخاری و ترمذی و حاکم میں وارد ہے مختصر طور پر جمع کر دیا ہے۔ اصل میں فوز الکبیر کا یہ پانچواں باب ہے۔

**موضح القرآن**۔ شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ کا ترجمہ قرآن اس میں محاورہ کو خوب مرعی رکھا ہے۔ نہایت عمدہ اور مقبول ترجمہ ہے۔ اور ایک ترجمہ تحت لفظی مولانا رفیع الدین صاحب کا بھی عمدہ ہے۔ اور ایک ترجمہ فارسی میں سید شریف علی جرجانی کا بھی نہایت عمدہ ہے۔

**تفسیر عباسی**۔ کسی حضرت نے عبداللہ بن عباس کی روایات کو جمع کر دیا ہے لیکن تصحیح طلب ہے۔

**عرائس البیان**۔ ابو محمد روزبہان بقلی شیرازی کی تفسیر بر طریق اہل تصوف۔

**فتح البیان**۔ نواب امیر الملک والاجاہ مولوی سید صدیق حسن خان بہادر زوج رئیسہ بھوپال کی تفسیر چار جلد میں ہے۔ سید موصوف نے فتح القدیر محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ کی تفسیر کو ملخص کر کے لکھا ہے البتہ منقولات کو احتیاط سے درج کیا ہے۔

**تفسیر القرآن**۔ آنریبل سید احمد خان بہادر دہلوی کی تصنیف ہنوز ناتمام ہے۔ اس شخص نے ترجمہ شاہ عبدالقادر کو ذرا بدل کر ترجمہ لکھا ہے اور باقی اپنے ان خیالات باطلہ کو کہ جو ملحدین یورپ سے حاصل کئے ہیں اور جن کے اتباع کو ان کے نزدیک ترقی قومی اور فلاح اسلام ہے درج کیا ہے اور بے مناسبت آیات و احادیث و اقوال علماء کو اپنی تائید میں لا کر الہام الٰہی کو تحریف کیا ہے در اصل یہ کتاب تحریف قرآن ہے نہ تفسیر۔ آگے ہم اسی لقب سے اس کو

یاد کریں گے انشاء اللہ۔ خان صاحب بہادر کی بے باکی اور الحاد کی وجہ سے تمام ہندوستان کے علماء نے تکفیر کا فتویٰ دیا ہے مگر چونکہ وہ اور اُن کی ذریت جنت و دوزخ کے منکر اور الہامی باتوں کو لغو سمجھتے ہیں اس لئے اس تکفیر کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے بلکہ مضحکہ اڑاتے ہیں، العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔

**فتح المنان** یعنی تفسیر القرآن مشہور بہ **تفسیر حقانی** اس ہیچ مدان کم استعداد ابو محمد عبدالحق بن محمد امیر بن شمس الدین بن نور الدین بن خواجہ جعفر بن خواجہ سلیم بن مظفر الدین احمد بن شاہ محمد تبریزی کی تصنیف۔ اس کتاب میں روایت کو کتب حدیث سے اور درایت کو اس فن کے علماء محققین سے نہایت احتیاط کے طور پر لے کر جمع کیا ہے اور چونکہ مقصود کلام ربانی کا لوگوں کو سمجھانا تھا اس لئے اس میں ان چند امور کی رعایت کی (۱) اردو میں اصل مطلب قرآن کو واضح کیا (۲) شانِ نزول بروایاتِ صحیحہ لکھا (۳) آیاتِ احکام میں اوّل مسئلہ منصوصہ کو ذکر کر کے پھر اختلافِ مجتہدین اور ان کے دلائل کو بیان کیا (۴) غیر ضروری سمجھ کر فقط ایک ہی قرارت کے موافق وجہ اعراب کو بیان کیا (۵) وجوہ مختلفہ میں سے ایک کو سب سے قوی سمجھ کر ذکر کیا (۶) معانی اور بلاغت کے متعلق نکاتِ قرآنیہ کو ظاہر کیا (۷) کوئی حدیث بغیر سند کتب صحاح ستہ وغیرہا کے نہ لایا (۸) قصص میں جو کچھ بروایت صحیحہ یا کتب سابقہ سے ثابت ہے یا خود قرآن میں کسی جگہ بیان وارد ہے وہاں ملخص کر کے بیان کر دیا (۹) آیات میں ربط دیا (۱۰) مخالفین کے شکوک و شبہات جس قدر تاریخی واقعات یا مبدء و معاد کی بابت وارد تھے سب کا جواب الزامی اور تحقیقی دیا۔ اور نفس ترجمہ میں تفسیر کو دو قوسوں کے بیچ میں لایا اور مکرر تفاسیر کی عبارت کے ترجمہ کرنے اور رطب ویابس قصے بھرنے اور کسی خاص مذہب کی تائید کرنے سے کہ حق و ناحق اُس کی تائید کی جاوے اجتناب کیا۔ یہ تفسیر علاوہ زمانہ حال کی متعلق باتوں کے سلف کی عمدہ تفاسیر کا لب لباب اور عجیب و غریب کتاب ہے خدا تعالیٰ مقبول کر کے اس سے اپنے بندوں کو اور مجھ کو اور میرے متعلقین کو دنیا و آخرت میں بہرہ مند و خورسند فرماوے آمین۔ اے میرے خالق و قدوس گو تیری نذر کرنے کے قابل میرا یہ کام اور کلام نہیں مگر تیری رحمت جو کہ واسع ہے اور اوراقِ لیل و نہار پر بقلمِ جلی لکھی ہوئی ہے اُس کا یہی مقتضیٰ ہے کہ اس کو بھی مقبول کر لے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

تمت بالخیر

# بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی اسبغ نعمه علی العباد ۔ فارسل الانبیاء الهداة الی سبیل الرشاد ۔ بالحجج البینات والبرهان ۔ واٰتاهم الاٰیات الباهرات وانزل علیهم الصحف والقراٰن ۔ حتی محقت دجیة الضلال ۔ واشرقت الارض بنور ربها وانارت الجبال ۔ فیا واجب الوجود ویا غایة کل مقصود صل وسلم علی جمیع انبیائک وعلی جملة اصفیائک خصوصًا علی سید المرسلین تاج النبیین الذی نبع من لسانه ماء الحیات ۔ وسالت من بیانه انهار النجات ۔ فنور الارض بعد ما ملأت من الظلمات ۔ وانشأ التوحید بعد ما عبد المخلوقات سیدنا ومولانا محمد خاتم الرسالة وفص خاتم العدالة ۔ الجم مصاقع الخطباء من العرب العرباء باقصر سورة القراٰن واعجز بجملة من الکلم الحکمیة حکماء الزمان الذی فتح الله به اعینًا عمیًا وقلوبًا غلفًا واذانًا صمًّا وعلٰی اٰله الابرار واصحابه الاخیار الذین اٰمنوا واهتدوا بهدیته وتمسکوا بسیرته وتموا الطریقة وتعموا الخلیفة شموا الاسلام وکسروا الاصنام الذین هاجروا النصرته ونصروه فی هجرته فنعم المهاجرون ونعم الانصار صلوٰة نامیة دائمة ما سجعت فی ایکها الاطیار وهمعت بوبلها الدیمة المدرار ۔

**امابعد** فقیر حقیر **ابو محمد عبدالحق** بن محمد امیر کہتا ہے کہ اسلام کی خیرخواہی ہر زمانہ اور ہر ملک میں جدا گانہ ہے۔ کبھی زبان تلوار کا کام دیتی ہے اور جب کہ کجرو کج فہم تقریر سے نہیں سمجھتے تو جس طرح شفقت پدری بچے کو امورِ مصلحت پر مجبور کرتی ہے اسی طرح رحمتِ الٰہی بوسیلۂ خاصانِ درگاہ سیاست سے کام لیتی ہے۔ جب بنی العباس کے عہد میں حکمت **یونانیہ** و فلسفۂ روم و **رومانیہ** نے اسلام پر حملہ کیا تو علمائے کلام کے اقلام نے نیزوں کا کام دیا کیونکہ جب صحابہ اور عرب العرباء جو رموزِ قرآن سے واقف تھے اٹھ گئے تو علماء نے مطالب قرآنیہ کی حفاظت پر کمر باندھی پھر علوم و فنون میں بیحد ترقی کی یہاں تک کہ جس طرح مدارس اندلس و بغداد میں صدہا علوم دنیویہ کا اپنے اور بیگانوں کو درس دیا۔ اسی طرح قرآن مجید کے متعلق بیشمار علوم کو مدوّن کیا جس کا دسواں حصہ بھی عہد آدم سے لے کر کسی قوم نے اپنی کتاب الہامی کے لئے تدوین نہیں کیا۔ اسی لئے زمانۂ نزول سے اب تک جس طرح قرآن محفوظ ہے ایسی کوئی کتاب محفوظ نہیں۔ پھر جس قدر اسلام کا شجر طوبیٰ اثر زمین پر ابرِ رحمت کی طرح پھیلتا گیا ہر ملک اور ہر شہر کو اس نے اپنے حیات بخش پھلوں اور پھولوں سے بہرہ ور کیا اور اپنے ظلِّ عاطفت سے بہرہ یاب فرمایا تو اسی قدر خدا تعالیٰ نے اہلِ سیف

---

ل‍ه چنانچہ علم ریاضی کے متعلق زیچ اور آکر اور اصطرلاب اور مرایا و مناظر کہ جس کا اثر آج کل فوٹوگرافی اور نقشہ نویسی ہے اور جبر و مقالہ وغیرہ علوم کو زندہ کیا اور رصد بنائی اور ستاروں کی چال وغیرہ وغیرہ فنونِ ہیئت کی تحقیقات کی۔ حساب و ہندسہ کے اصول کو از سرِ نو قائم کیا فنِ عمارت و فلاحت میں یہ لوگ استادِ زمانہ مانے گئے۔ مساحت کے اصول سب سے پیشتر عربی نے قائم کئے جہاز رانی اور ستاروں کے حساب سے سمندر میں سفر کرنا زیادہ تر اسلامیوں ہی نے رواج دیا۔ پھر طبیعیات علم العناصر کہ جس سے ہوا اور پانی اور زمین اور کرۂ نار کے عجائب حالات معلوم ہوتے ہیں اور علم جمادات کہ جس سے ہر زمین کے معدنیات کی کیفیت اور جواہرات اور زمین سے سونا چاندی نکالنے کی کیفیت اور پہاڑوں اور دریاؤں اور چشموں کے پیدا ہونے کے حالات منکشف ہوتے ہیں (باقی ملحقہ)

وقلم کو اس کا حامی بھی بنایا جنھوں نے بوم منش اور موش طبع لوگوں
سے اس کو ہر طرح سے بچایا۔ چنانچہ جب ہندوستان کو اس آفتاب
جہاں تاب نے تاریکیٔ جہالت و بت پرستی سے چھڑایا اور اپنے قدرتی نور
سے منور فرمایا تو یہاں بھی اس کے حامی و مددگار پیدا کر دیئے جس قدر
فتنہ گر آتش فساد سلگاتے رہے اتنا ہی خاصانِ خدا اس کو نسیم لطف اور

ابر رحمت سے بجھاتے رہے (لیکن جس طرح آمد بہار سے پہلے درختوں پر
خزاں آتی اور باغ میں ہوائے صرصر چل جاتی ہے اسی طرح بہار آیندہ
کے لئے) چند عرصہ سے اس شجر اسلام پر بھی خزاں کے جھونکے چل رہے
ہیں جس سے دشمن خوش اور دردمند کف افسوس مل رہے ہیں یہاں تک
کہ جب اخلاف انصار و مددگار شراب غفلت و نفاق پی کر بے ہوش اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱) اور علم النباتات[15] کہ جس سے درختوں کے سرخ سبز پھول آنے اور ان کے ثمرات کے مختلف مزہ ہونے اور زمین کی جڑی بوٹیوں کے خواص سے بحث ہوتی ہے۔ اور علم الحیوان[16] کہ جس میں حیوانوں کے اوضاع و اطوار و صفات کے عجائب حالات سے گفتگو کی جاتی ہے۔ اور علم الکیمیا[17] کہ جس کو کیمسٹری کہتے ہیں جس میں استحالات عناصر سے بحث ہوتی ہے وغیرہ علوم کے اہل اسلام ہی استاد مانے گئے ہیں پھر جس قدر منطق[18] اور فلسفہ کو علمائے اسلام نے ترقی دی وہ بھی ظاہر ہے قدمائے یونان کی کتابوں میں ایسا عروج و اعلیٰ کلیات خمس وغیرہ چند نمک مسائل مذکور ہیں۔ لیکن اسلامیوں نے تو اس کو اس درجہ تک پہنچایا کہ جس کے بعد پھر ترقی کا کوئی مرتبہ ہی باقی نہ رہا اور اسی طرح علم حکمت[19] نظریہ کو از سر نو زندہ کیا اور حکمائے یونان کے اغلاط پر بحث کر کے ایک نیا فلسفہ قائم کر دیا جس کو علم کلام میں بطور مبادی کے ذکر کیا جاتا ہے۔ حکمت عملیہ میں علم تہذیب اخلاق اور سیاست[20] مدن اور تدبیر منزل کے وہ اصول قائم کئے کہ جن کو اس وقت کے فلاسفر بھی مانتے ہیں پھر جغرافیہ اور تاریخ میں بھی حکمائے اسلام استاد مانے گئے ہیں اور ان عجائب صنعتوں کے ذکر کی تو یہاں گنجائش ہی نہیں کہ جن کو اسلامیوں نے اپنے زمانہ میں ایجاد کیا تھا۔ چنانچہ ہارون رشید کے حکم سے بغداد کے دو عالموں نے کوفہ اور سنجار کے صحرا کا ایک درجہ محیط ناپ کر زمین کا محیط تخمیناً ساڑھے چوبیس ہزار میل ثابت کیا۔ اقلیدس اور مجسطی کی شرح کی بطلیموس کے زیج کو درست کیا منطقۃ البروج کی تعدیل کا حساب لگایا۔ سمرقند میں رصد بنائی۔ ہبۃ اللہ بن حسین نے نور کی رفتار کا اندازہ نکالا اور اسی طرح توپ و بندوق کا ایجاد بھی ان ہی کے زمانہ میں ہوا ہے اور جر ثقیل کا بھی فن اور فن طب میں بھی جو کچھ ترقی ان کے عہد میں ہوئی وہ بیان سے باہر ہے اور فن عروض اور قوافی تو خاص ان ہی کا حصہ ہے چونکہ اس بیان کی تفصیل کو بڑی کتاب درکار ہے لہٰذا اس بیان کو میں صرف دو باتوں پر تمام کرتا ہوں (۱) یہ کہ اس وقت میں جن چیزوں میں ترقی اہل یورپ نے کی ہے جیسا کہ تار برقی، ریل گاڑی، دخانی جہاز، تار پیڈو، ڈائنامیٹ وغیرہ عمدہ صنعتیں اور کپڑا بننے کے کارخانے اور دیگر کارخانجات یہ سب تخمیناً پچاس ساٹھ برس میں مختلف ملکوں مختلف لوگوں کے ہاتھ سے مروج ہوئے ہیں۔ روم اور مصر کے اہل اسلام بھی ان میں شریک ہیں اور لندن کی کچھ خصوصیت نہیں۔ فرانس، جرمن، روس وغیرہ کل ممالک میں ہیں ان کے اصول پہلے بھی اہل اسلام میں تھے اور یوں ہمیشہ ہر زمانہ میں ایسے امور میں ترقی اور تنزل ہوتا آیا ہے (۲) یہ کہ یورپ کے بڑے بڑے محقق بھی اس شاگردی اہل اسلام کے مقر ہیں۔ چنانچہ سدیو کہ جو علم تاریخ میں فرانس کے ملک میں بڑا مدرس تھا وہ اپنی ہسٹری آف اسلام میں کہتا ہے کہ قوم عرب بلاشک ہمارے یعنی یورپ کے استاد ہیں جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور انھوں نے وہ سامان بہم پہنچائے کہ جن سے ہماری یہ تاریخیں بنیں اور انھوں نے ہی حالات سفر کو قلم بند کرنا شروع کیا الخ اور وہی صنائع اور دست کاری میں اس مرتبہ کمال کو پہنچے جس کی انتہا نہیں الخ اور جہاں تک ہم کو معلوم ہے گویا وہ شمہ عرب کی اس فضیلت کا ہے کہ جو آج تک ہم کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ مگر بہرکیف عرب کی قوم ہمارے جملہ فضل و کمال کا اب بھی سرچشمہ ہے اور جن کمالات کو ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ اور لوگوں کی ایجاد ہوں گے وہ اب ہم کو ان کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا چلا ہے کہ اصل میں ان سب کے موجد عرب ہی ہیں۔ پھر یہ مورخ اپنی تائید میں سکندر ہمبلٹ جرمنی کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ عرب کی قوموں کو خدا تعالیٰ نے اس لئے پیدا کیا تھا کہ وہ علوم و فنون اور اسباب تمدن کو ان مختلف قوموں تک پہنچا دیں جو فرات کے کنارے سے ہسپانیہ کے وادی کبیر تک پھیل رہی ہیں چنانچہ تمام قوموں نے جملہ کمالات اسی قوم عرب سے حاصل کئے تھے الخ اور المانیا کی قوم نے باب تمدن میں جو کچھ حاصل کیا یا جو کچھ اس کو آیا وہ عرب ہی کے فتوحات کے زمانہ طویل کے بعد آیا۔ اور عرب ہی سے اس نے سیکھا۔ عرب جہاں جاتے تھے اپنے طریق تمدن کو گویا ساتھ لے جاتے تھے اور جہاں وہ قیام کرتے تھے وہاں ان کا طریق تمدن پھیل جاتا تھا (باقی صفحہ ۲)

مست و بخواب خرگوش ہو گئے تو مخالفوں نے میدان خالی پاکر اپنا کام کیا۔ اس کی دولت اس کی شوکت اور اس کی سلطنت۔ اس کی حکومت اور اس کے علوم و فنون کا کام تمام کیا۔ جب تخمیناً سو برس سے بڑے دور و دراز سے ایک قوم عیسائی دانشمند، آزادی پسند، ہندوستان میں آئی تو اپنے ساتھ ہی صد ہا جہاز الحاد اور شراب ڈھری

وغیرہ کے بھی بھر کر لائی۔ اوّل تو یونہی مسلمانوں کی حالت خراب تھی اُس پر آزادی اور الحاد کی برانڈی نے وہ آفت ڈھائی کہ ؎

ازاں افیوں کہ ساقی در مے افگند ٭ حریفاں را نہ سر ماند و نہ دستار

جس سے غفلت اور باہمی نزاع اور بے دینی نے ہر طرف سے محیط ہو کر دینی و دنیوی برکات کا خاتمہ کر دیا یہاں تک کہ اُن کا دل خوش

(بقیہ حاشیہ ۲) چنانچہ ان کی عادت تھی کہ جس ملک میں وہ گئے وہاں انھوں نے اپنی زبان اور اپنے علوم اور اپنا دین اور اپنے اخلاق مذہب کو شائع کرنا شروع کیا الخ انتہیٰ۔ اور تاریخ ڈروی میں جس کا مصنف فرانس کا وزیر اعظم ہے یہ لکھا ہے کہ ایک زمانہ میں اہلِ یورپ جہالت کی تاریکی میں ٹکریں مارتے پھرتے تھے کہ دفعۃً ان پر اُمتِ اسلامیہ کی جانب سے ایک نور علوم ادبیہ اور فلسفیہ اور فنون صناعی اور دستکاری وغیرہ کا پرتو افگن ہوا۔ کیونکہ اس زمانہ میں شہر بغداد اور بصرہ اور سمرقند اور دمشق اور قیروان اور مصر اور فارس اور غرناطہ اور قرطبہ وغیرہ علوم و فنون اور صناعی کے مرکز تھے۔ اور جہاں کہیں کمالات علمی اور عملی پھیلے ان ہی شہروں میں سے پھیلے اور قرونِ متوسطہ میں اہالیانِ یورپ انھیں شہروں میں سے علوم و فنون کو اڑا لے گئے، انتہیٰ۔ اور گاڈفری ہگنس کہتے ہیں کہ (۱۱۰) مَیں بخوبی جانتا ہوں کہ عیسائی لوگ مسلمانوں اور اُن کے مذہب اور اُن کی ہر ایک شے پر نظرِ حقارت ڈالتے ہیں۔ مگر وہ تحقیق کریں تو معلوم ہو جائے کہ اہلِ اسلام اپنے مذہب پر قائم ہونے کی تھوڑے ہی عرصہ کے بعد تمام روئے زمین پر سب سے زیادہ فیاض اور سب سے زیادہ باعلم قوم ہو گئی۔ اور متقدمین کے علوم مفیدہ بھی ہم کو بیشتر انہی کے ذریعہ سے پہنچے۔ مسلمانوں کے مذہب میں فیاضی اور تہذیب اخلاق کے اکثر مسائل ہیں اور جاہل متعصبوں سے اُن کے مذہب پر الزام لگانا جیسا کہ وہ اس زمانہ میں رسوا ہے محض بے جا ہے۔ جیسا کہ دین عیسوی کو اُس کے پادریوں اور اُس کے معتقدوں سے ہے (۱۱۱) فرنگی اس فوقیت پر (کہ جو اُن کو مسلمانوں پر علوم و فنون اور فوج میں ہے) بڑے نازاں ہیں اور جو کوئی ان کی گفتگو سُنے تو یہی جانے کہ زمانہ سابق میں کوئی قوم اس سے عمدہ اور مفید تحصیل میں کبھی فائق نہیں ہوئی۔ حالانکہ یہ دھوکا ہے۔ بجز چند فروعات اُس حکمت عملی کے جو تجربہ سے متعلق ہے اور سوائے کارخانوں کے اور کوئی بات ایسی نہیں کہ جو خلفاء کی رعایا میں نہ تھی اور اب گریٹ برٹن میں حاصل ہے، انتہیٰ ملخصاً۔ اور جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب میں موشیم مورخ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔ یہ بات یقینی ہے کہ اس زمانہ میں اہلِ عرب نے ملک ہسپانیہ اور اٹلی میں بہت سے مدرسے جاری کئے تھے اور ان مدرسوں میں ہزاروں طلباء عربی فلسفہ اور حکمت کی تعلیم پاتے تھے اور پھر ان علوم کو آکر عیسائی مدرسوں میں جاری کرتے تھے۔ ہمیں اس بات کا یقین کرنا چاہیئے کہ تمام قسم کے علم طب اور طبیعیات اور فلسفہ اور ریاضی جو دسویں صدی سے یورپ میں جاری ہوئے یہ سب عرب کے مدارس فلسفہ سے سیکھے گئے تھے۔ بالخصوص اندلس کے اہلِ اسلام تو فلسفہ یورپ کے بانی خیال کئے جاتے ہیں الخ۔ اہلِ روما اور گوتھ لوگوں نے ہسپانیہ کو دو سو برس میں فتح کیا تھا۔ مگر اہلِ عرب نے صرف کُل بیس برس میں اس کو فتح کیا اور کوہ پری نیز سے اُتر کر اُس طرف فرانس میں پہنچ گئے۔ اُن کو علمی ترقی بھی ایسی جلد حاصل ہوئی جیسی انھیں فتحیں حاصل ہوئیں تھیں، انتہیٰ ملخصاً۔ اور ہنری لوئس کی تاریخ فلسفہ میں یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں ہی کی وجہ سے یورپ میں علم اور فلسفہ پہنچا اس امر خاص میں یورپ ان کا ممنونِ احسان ہے اور اس سے بڑا احسان عرب کا یورپ پر یہ ہے کہ انھوں نے علم ہندسہ اور طب اور کیمیا میں بڑی کوشش کی اور ان ہی کی بدولت اسپین سے فرانس ہو کر فرنگستان میں علم پھیلا، انتہیٰ۔ اور ڈاکٹر میٹلر سکنڈر فریزر اپنی کتاب کے دوسرے حصہ میں کہتا ہے کہ فرنگستان میں جو علوم کا چرچا ہوا سو وہ عربوں سے ماخوذ ہوا ہے الخ۔ عربوں نے خاص اُن کتابوں پر التفات کیا جن میں علم ریاضی اور طبعی اور الٰہی مندرج تھی اور فرنگستان کے ممالک مغربی بھی عرب کے ترجموں کے وسیلہ سے ان علوم سے آگاہ ہوئے شارلیمین شاہ فرانس نے ان علموں کو زبانِ عربی سے لاطینی میں ترجمہ کرایا۔ دستکاری کے صنائع ہر نوع ممالکِ فرنگستان میں بہت کم تھے مسلمانوں نے اس کو ترقی بخشی اور علم معماری بھی اہلِ فرنگ نے عربوں سے حاصل کیا۔ جس میں بڑی شان و انداز (باقی صفحہ ۲) ۱۵

# سورۂ فاتحہ

یہ سورۃ مکیہ[ف ۱] ہے یعنی آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مکہ میں سورۂ اقرأ اور نٓ والقلم اور مزمل اور مدثر کے بعد نازل ہوئی تھی۔ نزول میں گو متوخر ہے مگر قرآن مجید میں سب سے اول یہ سورۃ ہے اور اسی سے قرآن شروع ہوتا ہے۔ اور اسی لئے اس کو فاتحہ کہتے ہیں۔ اس کا نام بھی آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روبرو قرار پاکر صحابہؓ میں مشہور و معروف تھا۔ گو اس کے اور بھی نام ہیں جیسا کہ سورۂ شفا ہے کہ اس کی تاثیر سے روحانی اور جسمانی شفاء حاصل ہوتی ہے۔ اور ام القرآن کہ یہ تمام قرآن کی اصل ہے اور سب علوم قرآن اس میں جمع ہیں اور تعلیم المسئلہ کہ اس میں خدا تعالیٰ نے بندوں کو سوال کرنا سکھایا اور آداب دعا کو بتلایا ہے۔ اور سبع المثانی کہ اس کی سات آیات ہیں اور ہر نماز میں دو بار پڑھی جاتی ہے۔ لیکن الحمد تو اس کا (اس لئے کہ اس میں خدا تعالیٰ کی حمد ہے) مشہور نام بین العوام ہے۔ اور اسی طرح کافیہ اور کنز اور اساس وغیرہ بلحاظ صفات اور بھی نام ہیں کہ جن سے اس سورۃ کی فضیلت اور عظمت ثابت ہوتی ہے۔

## شانِ نزول

کتاب دلائل میں بیہقی نے اور واحدی نے (بطریق یونس بن بکیر عن یونس بن عمرو عن ابی میسرۃ عمرو بن شرحبیل) یہ روایت کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ جب میں تخلیہ میں ہوتا ہوں تو غیب سے آواز سنتا ہوں جس سے مجھ کو ایک دہشت معلوم ہوتی ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے سن کر عرض کیا کہ آپ ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر ورقہ[ف ۲] بن نوفل کے پاس جایئے اور اس واقعہ کو بیان کیجئے۔ چنانچہ حضرتؐ ان کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے عرض کیا کہ یا حضرتؐ جب وہ ہاتفِ غیب آپؐ کو پھر اسی طرح سے یا محمدؐ یا محمدؐ کہہ کے پکارے تو آپؐ ٹھہر کر اس کی بات سنئے وہ کیا کہتا ہے؟۔ پس آپؐ نے ایسا ہی کیا کہ جب آواز آئی تو آپؐ نے کہا لبیک۔ اس نے کہا کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الخ۔ اتقان۔ اور اسی کے قریب قریب مولانا یعقوب چرخیؒ نے حضرت علیؓ و ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ اگرچہ روایات خبر احاد ہیں مگر بر تقدیر ثبوت یہاں ایک بات قابل غور ہے وہ یہ کہ جب اقرأ اور مزمل اور مدثر نازل ہو چکی تھی تو پھر آپؐ کو آواز جبریلؑ سے دہشت کیوں معلوم ہوئی؟ اور آپؐ اس واقعہ کو ورقہ کے پاس کیوں لے گئے کیا خود نہ جان سکے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گو آپؐ نبی تھے اور تزکیہ نفس میں تمام نفوس قدسیہ کے سرتاج۔ مگر انسانیت کے جامہ میں تھے جس کا ایک جزو بہیمیت ہے اور جب بہیمیت پر ملکیت کا اثر قوی ہوتا ہے تو اس پر اس فعل و انفعال سے ایک تشویش پیدا ہوتی ہے کہ جس کو گھبراہٹ یا خوف کہتے ہیں اور اسی لئے ایک بار یا دو بار یہ بات آپؐ کو ابتدائے نزول وحی میں بھی پیش آئی پھر نہیں۔ اور ایسی حالت میں انسان کا مقتضٰے طبعی یہ ہوتا ہے کہ کسی دانشمند ہم جنس سے مل کر انس پیدا کرے۔ سو ورقہ چونکہ اہلِ کتاب اور ذی علم اور صاحبِ شعور تھے اس لئے ان کے پاس جانے کا اتفاق ہوا کچھ تعلیم و تعلم کے طور پر نہ گئے تھے۔ اور نہ مرید ہو کر تلقین پانے اور فیض اٹھانے کے لئے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یوحنّا کے پاس مرید ہونے اور اصطباغ

---

ف ۱ یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے بعض علماء مدنی کہتے ہیں۔ دراصل مکی و مدنی کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ یحیےٰ بن سلام سے منقول ہے کہ ہجرت کے قبل جتنی سورتیں نازل ہوئیں وہ مکی ہیں علیٰ ہٰذا سفر ہجرت میں جو قرآن نازل ہوا وہ بھی مکی ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ جن سورتوں میں اہل مکہ سے خطاب کیا گیا ہے وہ مکی ہیں اور جن میں اہلِ مدینہ سے خطاب ہے وہ مدنی ہیں بعض سورتیں ایسی بھی ہیں جن کا کچھ حصہ مکہ میں نازل ہوا اور کچھ مدینہ میں ان میں زیادتی کا لحاظ رکھ کر مکی اور مدنی کی گئی ہیں اور جو سرزمین ایسی تھی نواحی مکہ مثلاً منیٰ عرفات میں نازل ہوئی ہیں وہ بھی مکیہ کہلاتی ہیں اور جو نواحی مدینہ میں نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں۔ فقط حقانی ف ۲ ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی انہوں نے اور زید بن عمرو بن نفیل نے بت پرستی سے متنفر ہو کر جاہلیت کے زمانہ میں ملک شام کو تحقیق دینِ حق کے لئے سفر کیا تھا (باقی صفحہ ۷ پر)

دولت مندوں اور آزادی پسندوں کو تفسیر کے پیرایہ میں ملحد و گمراہ بلکہ مقیقی اسلام کا بدخواہ بنادیا۔ حیف صد حیف کو روحانی زہر کا پیالہ پلادیا۔ الحمد للہ حمیتِ ایمانی اور اہلِ اسلام کی نفع رسانی نے مجھ جیسے بے لیاقت کو مجبوراً اردو میں ایسی تفسیر لکھنے پر مامور کیا۔ یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ یہ تالیف اعلیٰحضرت ظلِ سبحانی بادشاہِ دین پناہ نظام الملک آصف جاہ **میر محبوب علی خان** بہادر خلد اللہ ملکہٗ (رحمۃ اللہ علیہ) کے عہد مبارک میں ظہور پذیر ہوئی۔ ان شاہِ دکن کا زمانہ حمایت علوم و فنون و تربیت علماء کے لئے بسا غنیمت ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ نے اُن کو حُسنِ صورت عطا فرمایا ہے اُسی طرح حُسنِ سیرت بھی عطا کیا ہے۔ آپکے اخلاقِ شاہانہ آپ کا جود حاتمانہ مشہور زمانہ ہے۔ حق سبحانہٗ آپ کو سلطنتِ آصفیہ پر سلامت باکرامت رکھے، آمین۔

اے ہادیٔ مطلق! مجھ کو وہ بات اس کتاب میں تلقین فرما کہ جو تیرے نزدیک حق اور بجا ہو۔ اور لغزش اور خطا سے بچا۔ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَ بِالْاِجَابَةِ جَدِیْرٌ اَنْتَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ) جو کچھ غلطیاں اور جھوٹے لوگوں کی لونیاں ہیں اس طرح جدا ہو جاتی ہیں کہ جس طرح دودھ سے پانی۔ اس فن میں متواتر اور مشہور اور عزیز و غریب وغیرہ اقسام روایت مذکور ہوتے ہیں (۱۷) **علم اسماء الرجال** بھی اس کی ایک شاخ ہے۔ جس میں راویوں کی تاریخ اور ان کی راست گوئی اور دیانتداری اور حافظہ وغیرہ کے حالات کہ جو روایت سے متعلق ہیں مذکور ہوتے ہیں (۱۸) **علم حدیث** کہ جس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و افعال و سکوت اور اسی طرح صحابہؓ و تابعینؒ کے اقوال و افعال و سکوت کو نقل کیا جاتا ہے۔ یہ وہ فنون ہیں کہ جن پر اہلِ اسلام تمام بنی آدم پر فخر کر سکتے ہیں۔ ان ہی فنون کے وسیلہ سے مسلمانوں نے اپنے نبی علیہ السلام کی ہر بات کو نہایت صحت اور تحقیق کے ساتھ اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ امام بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ محدثین کو خدا تعالیٰ نے وہ قوتِ حافظہ عنایت کی تھی کہ جن کو بلا تفاوت حروف مع اسناد ہزار ہا احادیث یاد تھیں اور کھرے کھوٹے کے پرکھنے میں ان کی زبان معیار تھی۔ اس لئے جو منصف مزاج اہلِ زبان کے اصولِ روایت اور کتب احادیث کو جانتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ اہلِ کتاب کی بائیبل کو صحیح بخاری سے صحت روایت میں کچھ بھی نسبت نہیں۔ حضرت مسیحؑ کی تاریخ کو اگرچہ متی وغیرہ بست سے عیسائیوں نے بڑی احتیاط سے لکھا ہے کہ جن کو عیسائی الہامی اور حضرت مسیحؑ کی اصلی انجیل سمجھتے ہیں۔ مگر خود ان پانچ چھ جزو کی کتابوں میں مصنفوں نے بڑی غلطیاں کی ہیں اور ایک نے دوسرے کے برخلاف بیان کیا ہے اور ان میں سے متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا کی انجیلیں تو کیں صحیح بخاری اور مسند احمد بن حنبل کا بیسواں حصہ بھی نہیں۔ تاہم ان میں بھی بہت سی اغلاط ہیں اور راست باز عیسائیوں نے جو کچھ اپنے خیالات کی تائید میں الحاق کیا ہے وہ علاوہ ہے اور نہ کسی کے پاس کوئی سند متصل مؤلف کتاب تک ہے پھر کس اعتماد پر عیسائی مسلمانوں کے روبرو تاریخ دانی کا دعویٰ کیا کرتے ہیں (۱۹) **علم قصص** کہ جس میں قرآن مجید کے تمام قصوں کو علماء نے اپنی کتابوں میں نصیحت اور عبرت کے لئے ترتیب وار جدا لکھا ہے (۲۰) **علم تصوف** کہ جس کو قرآن کی ان آیات سے (جو انسان کی کیفیاتِ قلب حب و توکل و خوف و رجاء وغیرہ ملکاتِ فاضلہ کو جلا دیتے ہیں) اخذ کر کے مدوّن کیا ہے اس فن میں بھی صدہا کتابیں ہیں۔ **علم تفسیر** کہ جس کا بیان مقدمہ کتاب میں ہوا۔ یہ علم بھی ایک بحرِ ذخار ہے۔ جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں علاوہ ان کے اور علوم بھی ہیں۔ منہ

کرنے کے لئے ایک قوم نے وہ طرز اختیار کیا کہ اہلِ یورپ کا پورا جامہ ہی پہن لیا۔ جس طرح وہ لوگ برائے نام عیسائی اور درحقیقت سخت ملحد ہیں نہ خدا تعالیٰ کے قائل نہ ملائکہ و حشر و نشر ثواب و عقاب حلال و حرام طاہر و نجس کے مقر۔ نبی کون ایک ریفارمر (ناصح) الہام اور کلام ملائکہ کیا مجنونوں کی بڑ۔ اسی طرح یہ لوگ بھی نبی اور ملائکہ اور الہام اور جبرئیلؑ اور خرق عادات انبیاء علیہم السلام اور نعمائے جنت اور جہنم کے وہ عقوبات کہ جو نصوص میں قرآن سے ثابت ہیں ان سب باتوں کے منکر اور حلال و حرام اور طہارت و نجاست وغیرہ جملہ احکامِ اسلام سے نافرمان۔ اُس پر نام کے مسلمان ہیں۔ پھر ان کفریات اور پادریوں اور ملحدانِ یورپ کے معتقدات کا نام تحقیق اور ترقیٔ اسلام رکھ کر صد ہا

(بقیہ حاشیہ صـ۳) و پاکیزگی نمایاں ہوتی ہے، انتہیٰ ملخصاً۔ اس کے سوا اور بہت سے مورخین اہلِ یورپ کے اقوال ہیں جن کے ذکر کا یہاں مقام نہیں۔ اس بیان سے میری غرض یہ نہیں کہ اہلِ اسلام کے سوا اور کسی کو دنیاوی امور میں ترقی نصیب نہیں ہوتی نہ اب ہے بلکہ یہ مقصود کہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ (پابندیٔ اسلام دنیاوی ترقیوں سے مانع ہے) محض غلط ہے۔ اگر پابندیٔ اسلام مانع ترقی ہوتی تو اہلِ اسلام ترقی میں سب پر سبقت نہ لے جاتے۔

(حاشیہ متعلقہ صـ۳) لہ وہ علوم کہ جو قرآن مجید سے متعلق ہیں اور جن کو خاص علمائے اہلِ اسلام نے ایجاد کیا ہے بہت سے ہیں مگر یہاں بطور نمونہ کے چند علوم ذکر کرتا ہوں۔ (۱) صرف۔ کہ جس میں مصدر سے ماضی مضارع بنانا وغیرہ باتیں مذکور ہوتی ہیں۔ (۲) علمِ نحو۔ جس میں لفظ عربی سے باعتبار اعراب و بناء کے بحث ہوتی ہے، اور ان دونوں علموں کے بغیر زبان عرب پر واقفیت مشکل ہے۔ (۳) علمِ معانی۔ کہ جس میں کلام عرب کے اُن حالات سے بحث ہوتی ہے کہ جن کی وجہ سے کلام مقتضئے حال اور مقام کے مطابق ہوتا ہے کہ جس میں اسناد خبری اور مسند الیہ اور مسند اور متعلقاتِ فعل اور قصر اور فصل و وصل ایجاز اطناب مساوات کے احوال بیان ہوتے ہیں (۴) علمِ بیان کہ جس سے ایک مطلب کو باعتبار وضاحت و خفی کے چند طور سے ادا کرنا معلوم ہو جاتا ہے اور اس میں تشبیہ اور مجاز اور کنایہ اور استعارہ وغیرہ ان امور سے بحث ہوتی ہے کہ جن سے انسان کلام میں تعقید معنوی سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ دونوں علم فصاحت اور بلاغت کلام سے متعلق ہیں۔ جو اہلِ زبان ہیں وہ تو اپنے ذوقِ سلیم سے جانتے ہیں۔ ورنہ اس علم کی وجہ سے قرآن کے اسرار فصاحت و بلاغت نمایاں ہوتے ہیں اور اعجاز ثابت ہوتا ہے۔ (۵) علمِ بدیع کہ جس سے کلام کی معنوی و لفظی خوبیاں معلوم ہوتی ہیں اس میں استخدام اور ترصیع و تجنیس وغیرہ امور سے بحث ہوتی ہے (۶) علمِ مفردات کہ جس میں باعتبار معنی اصل کے الفاظ سے بحث ہوتی ہے (۷) علمِ رسم الخط کہ جس میں قرآن کے طرزِ کتابت سے بحث ہوتی ہے کہ فلاں لفظ کو یوں لکھنا چاہیے (۸) علمِ تجوید کہ جس میں طرزِ تلفظ قرآن سے بحث ہوتی ہے۔ اس علم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لب و لہجہ کو جو ادائے قرآن سے متعلق ہے محفوظ کر لیا ہے۔ صفاتِ حروف وغیرہ عمدہ باتیں جو اس فن میں مذکور ہوتی ہیں (۹) علمِ عروض و قوافی، اس علم کو خلیل وغیرہ نے ایجاد کیا ہے اگرچہ زیادہ فائدہ اس فن کا نظم سے ہے مگر فواصل آیات کی پوری کیفیت اسی علم سے معلوم ہوتی ہے (۱۰) علم الکلام کہ جس میں ادلۂ عقلیہ و نقلیہ سے مبدء و معاد کی بابت جو کچھ قرآن یا پیغمبر علیہ السلام سے ثابت ہے درج ہے۔ اس فن میں باری تعالیٰ کی ذات و صفات و نبوت و ملائکہ و عالم آخرت وغیرہا کے متعلق جو کچھ اہلِ اسلام کے عقائد ہیں اُن سے بحث ہوتی ہے (۱۱) علمِ فقہ کہ جس میں قرآن و احادیث و اجماع و قیاس سے جو مسائل کہ قوتِ عملیہ کے متعلق ثابت ہیں مذکور ہوتے ہیں اس فن میں نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ و بیع و شراء کے متعلق جو کچھ قرآن و احادیث میں آیا ہے اُن کا خلاصہ مذکور ہوتا ہے جس طرح کہ کلام میں خلاصہ عقائد۔ (۱۲) علمِ فرائض۔ بھی اسی کی ایک شاخ ہے (۱۳) اصولِ فقہ کہ جس سے ادلۂ اربعہ قرآن و حدیث اجماع و قیاس سے مسائلِ فقہ استنباط کرنے کا سلیقہ حاصل ہوتا ہے اس فن میں عام خاص مشترک ماول، عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص، محکم و متشابہ، خفی و مشکل، ماول ظاہر و نص وغیرہ امور سے بحث ہوتی ہے۔ منطق اور علم کلام اور لغت کے مسائل بھی اس فن میں بطور مبادی ذکر کئے جاتے ہیں۔ حُسن و قبح عقلی کی بحث بھی اس فن میں ہوا کرتی ہے یہ علم دریائے بے کنار ہے۔ اس کی شاخ (۱۴) علم الجدال والخلاف بھی ہے کہ جس کو باب قیاس سے از حد ارتباط ہے اور (۱۵) علمِ مناظرہ کہ جس میں بحث کے قواعد مذکور ہیں اس فن کی ایک شاخ ہے (۱۶) علمِ اصولِ حدیث کہ جس کی وجہ سے نقل اور روایت میں (باقی صـ۵ پر)

پائے گئے تھے جیسا کہ انجیل متی کے ۳ باب میں ہے اور اس بیہودہ وسواس کا جواب کہ (جبریل کوئی چیز نہیں ہے اور یہ آواز خیالی مجنون کے تخیلات کے مشابہ تھی) ہم مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ شروع اللہ کے نام سے کہ جو نہایت رحم والا بڑا مہربان ہے۔ یہ تو سب علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ اس سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں (جملے) ہیں۔ مگر اس میں اختلاف ہے کہ آیا بسم اللہ الخ بھی اُن میں داخل ہے کہ مجموعہ کا نام سورۂ فاتحہ رکھا جائے یا بسم اللہ الخ کو (کہ قرآن مجید کا جزو اور بلاشبہ کلام الٰہی ہے) اس سورۃ کے اوّل بلکہ سب سورتوں کے اوّل میں اس لئے لکھ دیا ہے کہ اس سے دوسری سورۃ میں فرق ہو جائے۔ اور اس سے سورۃ کا ابتدا کرنا باعث تبرک سمجھا جائے۔ پس مدینہ اور بصرہ اور شام کے قاریوں اور فقہاء کا یہی قول ہے اور امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مذہب ہے کہ بسم اللہ جزو سورۃ نہیں۔ محض فصل اور تبرک کے لئے لکھی گئی ہے۔ اور یہی بات قوی ہے۔

کیونکہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ نماز کو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔ اور اسی طرح طبرانی اور ابن خزیمہ اور ابو داؤد وغیرہم محدثین کی روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھتے تھے اور الحمد للہ رب العالمین کو پکار کر۔ پس جب یہ ہے تو بسم اللہ الحمد کا جزو نہیں ہے کیونکہ سورۃ میں سے ایک جزو کا خفیہ پڑھنا کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ اگر یہ جزو ہوتی تو اس کو بھی پکار کر پڑھتے اور مکہ کے اور کوفہ کے قاری اس کو جزو الحمد سمجھتے ہیں۔ اور امام شافعیؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور اسی لئے یہ لوگ اس کو نماز میں پکار کر پڑھتے ہیں اور ان کے پاس بھی دلائل ہیں مگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہؓ نے اس بارے میں کسی بات کی صراحت نہیں کی۔ دونوں فریق اپنی اپنی رائے سے اپنے مذاہب کو احادیث سے ثابت کرتے ہیں پھر جو اس کو جزو الحمد کہتے ہیں اُن کے دو قول ہیں۔ بعض کی یہ رائے ہے کہ یہ آیت پوری ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آیت کا ٹکڑا ہے بلکہ اگلا جملہ مل کر ایک آیت ہوتی ہے۔ پس جن کے نزدیک بسم اللہ بھی ایک آیت پوری ہے تو ان کے نزدیک صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ایک آیت ہے اور جن کے نزدیک نہیں تو وہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کو ایک آیت اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ کو دوسری آیت کہتے ہیں، واللہ اعلم۔

## ترکیب

لفظ با جار اور اسم مجرور مضاف اللہ مضاف الیہ موصوف اور لفظ الرحمٰن الرحیم دونوں یکے بعد دیگرے اس کی صفت موصوف و صفت جو مضاف الیہ ہے اپنے مضاف سے مل کر جار کا مجرور ہوا اور یہ جار متعلق ہے ایک فعل محذوف کے کہ جو یہاں اقرأ ہے کیونکہ جس چیز پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے وہاں اسی قسم کا فعل محذوف مانا کرتے ہیں، جو کھاتے وقت پڑھیں گے تو آکُلُ اور پیتے وقت اَشْرَبُ ملی

(بقیہ حاشیہ صلا) وہاں بڑی تحقیق و تفتیش کے بعد ورقہ نے مذہب نصاریٰ اختیار کیا۔ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ ورقہ اول یہودی ہو گئے تھے بعد میں مذہب نصاریٰ اختیار کیا انبیاء سابقین کے کتب سے بہت اچھی طرح واقف تھے حضرت نے جب ابتدائی وحی کا قصہ ان سے بیان کیا تو ورقہ نے کہا جو فرشتہ آپ پر نازل ہوا یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسےٰ علیہ السلام پر اُترا کرتا تھا۔ ورقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور کہا کہ کاش میں اس زمانہ میں جوان ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا میری قوم مجھ کو نکالے گی؟ ورقہ نے کہا کہ البتہ ہر نبی ایذا دیا جاتا ہے اگر میں اس دن زندہ رہا تو بیشک میں تمہاری پوری مدد کروں گا۔ ورقہ نے نبوت کے تیسرے سال میں انتقال کیا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ورقہ بن نوفل مردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔

لفظ حقانی **ف** ابن مردویہ احمد بن موسیٰ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب بسم اللہ الخ نازل ہوئی تو بادل مشرق کی طرف دوڑ گئے ہوا چلنے سے رُک گئی سمندر میں جوش پیدا ہوا جانور کان لگا کر سننے لگے شیاطین ہنکائے گئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھائی کہ نہیں پڑھی جائیگی بسم اللہ الخ کسی چیز پر مگر ضرور اس میں برکت کروں گا۔ حقانی

ہٰذا القیاس۔ پس یہ سب اپنے فعل محذوف کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔

## تفسیر

خداتعالیٰ اپنے بندوں کو اس سورۃ میں یہ بتلاتا ہے کہ یوں کہا کرو نہ یہ کہ وہ خود اپنی طرف سے یہ کہتا ہے کہ میں خدا رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ تاکہ آگے چل کر یہ کہنا پڑے کہ وہ کسی مطلب سے یہ کہتا ہے کہ میں تیری ہی عبادت کرتا اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ حاصل مطلب یہ ہوا کہ خداتعالیٰ اپنے بندوں کو تعلیم کرتا ہے کہ یوں کہو کہ ہم خدا کے نام سے شروع کرتے ہیں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ ان مسائل کا ذکر اس تفسیر میں مفید عام نہیں اس لئے اُن سے قلم کرد کتا ہوں کہ بسم اللہ میں جو اسم ہے وہ سمو سے مشتق ہے کہ جس کے معنی بلندی کے ہیں جیسا کہ اہل بصرہ کہتے ہیں۔ اہل کوفہ سمۃ سے مشتق کہتے ہیں جس کے معنی علامت ہے۔ اور یہ تحقیق کہ لفظ اللہ کون سے لفظ سے مشتق ہے اور رحمٰن منصرف ہے یا غیر منصرف۔ لیکن یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بسم اللہ اصل میں باسم اللہ تھا۔ الف کو کثرتِ استعمال سے حذف کر کے اس کی جگہ کتابت میں ب کو طویل کر دیا۔ اس لئے عربی میں بِسۡمِ اللّٰہ لکھتے ہیں نہ کہ باسم اللّٰہ۔

## نکات متعلقہ بمعنے

**دفعہ ۱۔** چونکہ دنیا میں انبیاء علیہم السلام اس لئے آتے ہیں کہ لوگوں کو خدا تک کا راستہ دکھائیں۔ اور اُس معبودِ حقیقی تک پہنچا دیں کہ جو عالم حس میں دکھائی نہیں دیتا نہ کسی قوتِ سامعہ و لامسہ و ذائقہ و شامہ سے معلوم ہو سکتا ہے اور جس کے وجود میں وہ لوگ شک کرتے ہیں کہ جن کو حواس خمسہ کے سوا اور کوئی کامل قوتِ ادراک عطا نہیں اور جو عطا ہے تو اُس پر شکوک و شبہات کی ہزاروں من خاک پڑی ہوئی ہے اور وہ تمام کائنات کو صرف عالم محسوس میں منحصر جانتے ہیں اور جو وجود کے قائل ہیں تو ہر امر میں اسباب ظاہریہ اور اپنے تصرفات ہی کو مؤثر حقیقی جانتے ہیں اور اسی لئے جو چیز اسباب ظاہرہ پر مبنی نہیں (جیسا کہ معجزات و کرامات) اُن کا وجود نہیں مانتے اور اسی لئے توکل کو لغو جان کر حصولِ دنیا میں سرگردانی اور ناکامیابی پر سخت پشیمانی اُٹھاتے ہیں۔ غرض ہر کاروبار میں اُس حقیقی فاعل کی طرف کہ جو اس پردہ میں آپ سب کچھ کر رہا ہے توجہ نہیں کرتے۔ **پس** ان کے لئے خداوند تعالیٰ نے اپنے اخیر نبی کی معرفت اول یہی سبق دیا کہ ہر کاروبار میں میرا نام لیا کریں اور ہر چیز کا فاعل حقیقی اور مؤثر تام جان کر برکت اور استعانت کے لئے مجھ ہی کو یاد کیا کریں سو اس لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے ہر کار خیر میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا اور یہ سُنا دیا کہ جو کام اس سے خالی ہوگا وہ گو عادت اللہ کے موافق اپنے اسباب پر مرتب ہو جائے گا، مگر اُس میں وہ روحانی برکت جو منعم حقیقی اور فاعلِ اصلی کی یاد اور اس کی استعانت سے ہوتی ہے نہ ہوگی (اجذم اور ابتر جو احادیث میں وارد ہے اُس کے یہی معنے ہیں) اور اسی لئے آپ نے کلام مقدس میں سب سے اول بسم اللہ کو سرنامہ بنا کر لکھوا دیا۔ جو شخص بن دیکھے خداتعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور تعلیم عبادت کے لئے سلسلۂ نبوت کو برحق مانتا ہے اور آسمانی دستور العمل کو بھی تسلیم کرتا ہے تو اُس کے نزدیک مکتبِ نبوت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے بہتر کوئی سبق عقل میں نہیں آسکتا۔ یہ بات تعلیم کتاب آسمانی کے لئے ضرور ہے۔ اور جس الہامی کتاب میں اول یہ نہیں تو اُس کتاب میں قصور ہے۔ (۱) ہر کاروبار میں مؤثر حقیقی اور خالق اسباب بلکہ جملہ کائنات سمجھ کر اُس کا نام لینا اور اُس سے برکت اور استعانت چاہنا اگرچہ ایسا بدیہی حکم ہے کہ جس کو فطرتِ سلیمہ بہت جلد تسلیم کرتی ہے اور جس میں کسی خدا پرست کو انکار نہیں۔ مگر قرآن نے جو خدا تک کا نام لینا بتلایا ہے تو اُن خوبیوں کے ساتھ بتلایا ہے کہ جن کا کچھ بیان نہیں۔ ازانجملہ یہ کہ باللہ الرحمٰن نہ فرمایا بلکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جس طرح خداتعالیٰ کی ذات پاک سے برکت و استعانت طلب کی جاتی ہے اسی طرح اُس کے نام میں بھی وہی اثر ہے۔ دوم یہ کہ بندہ کی رسائی اور اُس کا ارتباط بحالتِ ابتدائی اس کے نام ہی تک ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دامن تنگ تو تیرے ہے کہاں دسترس مجھے ۔ تیری گلی کی خاک ہوں تو یہ ہے بس مجھے ۔ سوم چونکہ مشرکین باسم اللات والعزیٰ کہتے تھے اُن کے مقابلہ میں ردِ شرک کے لئے بسم اللہ کہنا مناسب ہوا۔ ازانجملہ یہ کہ تین نام ذکر کئے اللہ ۔ رحمٰن ۔ رحیم ۔ اور انسان کیا بلکہ ہر ممکن کے تین حال ہیں، اوّل عدم کہ جب انسانی ہستی کا نام و نشان بھی نہ تھا جیسا کہ خود ہی فرماتا ہے ۔ هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ۔ کہ بلاشک انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی گزرا ہے کہ جس میں اس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ دوم یہ ہستی دنیا۔ جس کو عرفِ عام میں زندگانی کہتے ہیں۔ سوم اس عالم سے کوچ کر جانا۔ جس کو موت کہتے ہیں یا یوں کہو کہ اوّل وہ زمانہ کہ جس میں اس کی روح اس قیدِ جسمانی سے آزاد اور عالم قدس میں شاد تھی۔ یعنی دنیا میں پیدا ہونے سے پیشتر۔ دوم یہ زندگی مجازی کہ جس میں ہزارہا حاجات اور بیشمار بلیّات ہر طرف سے گھیرے ہوتے ہیں۔ سوم یہاں سے آزادی حاصل کر کے اپنے اصلی وطن میں جانے اور وہاں عالم قدس میں اپنے اعمال کی جزا پانے کا زمانہ ہے پس اس لئے ابتدائے کلام میں (کہ جو ہر کام کے ابتداء میں پڑھنا بندہ کو مناسب ہے) اپنے وہ تین نام ذکر فرمائے کہ جو تینوں حالتوں سے مناسب ہیں تاکہ بندہ کو اپنے تینوں حال یاد آجائیں۔ اور تینوں حالوں میں خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلقِ خاص اور احتیاج بالاختصاص کا تصور آکر جمیع امورِ دنیا و آخرت میں نیک چلنی اور ہر طرح کی بھلائی پر دل آمادہ ہو جائے اور روحانی معلموں کی سب تعلیم کو برحق جان کر بصدقِ دل اس کو قبول کرے۔ سو اس لئے سب سے پیشتر **اللہ** کا نام ذکر کیا کہ جو اُس کی اس ذاتِ مقدسہ پر دلالت کرتا ہے۔ کہ جس میں ہر طرح کی صفاتِ کمال و جلال پائے جاتے ہیں کہ جن میں سے قدرتِ کاملہ بھی ہے کہ وہ معدوم سے موجود اور موجود سے معدوم کرسکتا ہے۔ یہ نام پہلی حالت کو یاد دلاتا ہے اور خالق سے رابطہ بڑھاتا ہے۔ جب اس کے نام کا تصور دل میں جگہ پکڑتا ہے تو پھر دنیا میں کسی چیز کی ہستی آنکھوں میں نہیں جچتی۔ چہ جائیکہ پھر اور کسی کی پرستش کی جائے اور اس سے حاجت برآری کے خیال کو بھی دل میں جگہ دی جائے۔

ے چو سلطانِ عزت علم برکشد ۔ جہان سر بجیب عدم برکشد ۔

جب اس اسم کی تجلیات عارف کے دل پر پرتو افگن ہوتی ہیں تو یہاں تک محویت ہو جاتی ہے کہ اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے ے بسا میری نظروں میں اس قدر ہے ۔ جدہر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے ۔ اس مرتبہ کو **توحید بحت** کہتے ہیں۔ تثلیث و تربیع کا یہاں کیا ذکر ہے۔ معلمِ روحانی! تیری تعلیم کے قربان پہلے ہی سبق میں تکمیل کر کے سعادت کو پہنچا دیا۔ مبدأ اصلی جلّ جلالہٗ سے ملا دیا۔ اسم سے ابتداء سلوک تھی، اُس کے مسمّٰی اللہ پر انتہا ہوگئی۔ اس کے بعد لفظ **رحمٰن** کو ذکر کیا (کہ جو بروزنِ فعلان) جس کے معنے زیادہ رحمت کرنے والا ہے۔ کس لئے کہ رحیم سے اس میں حروف زیادہ ہیں اور کلام عرب میں زیادتی حروف زیادتی معنیٰ کے لئے آتی ہے اور اسی لئے رحیم آدمی کو کہہ سکتے ہیں رحمٰن نہیں کہہ سکتے کیونکہ حد سے زیادہ رحمت اُسی کا کام ہے اور جو کوئی رحمت کرتا ہے کسی نہ کسی غرض سے کرتا ہے خواہ دنیا و دین کی بھلائی ہو یا زوالِ حب مال یا ہمجنسیت کے عار و ننگ سے رہائی ہو۔ اس سے قطع نظر جو کوئی رحمت کرتا ہے تو اُس کے دل میں یہ جوش اُسی کی رحمت کا اثر تو ہے اور پھر یہ رحمت کر کے جو کسی کو کچھ بھلائی پہنچائے گا وہ سب چیزیں خدا تعالیٰ ہی کی مخلوق ہیں۔ الغرض یہ لفظ اللہ ہی پر بولا جاتا ہے یہ اسم اس حالتِ دوم کے لئے آئینہ جہاں نما ہے یا تریاقِ جاں فزا۔ سو لفظ اللہ کے بعد اس کے ذکر کرنے میں **دو نکتے** ہیں۔

**اوّل** یہ کہ عالمِ ہستی (دنیا) میں آکر انسان جسمانی اور روحانی ہزاروں بلاؤں میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اس کو سینکڑوں چیزوں کی حاجت پڑتی ہے۔ پس اس عالم کے مناسب کہ جس میں مومن کافر بُرے بھلے سب ہیں لفظ رحمٰن ہے کہ جو غیر متناہی رحمت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جس قدر مرض ہوتا ہے اسی قدر دوا دینا عین حکمت ہے۔ پس دنیا کے حوائج چونکہ غیر متناہی ہیں اُن کے مقابلہ میں ویسا ہی لفظ بولنا کمال ہے۔ **دوم** یہ کہ لفظ اللہ اسم ذات ہے اور رحمٰن و رحیم اسمار صفات، اور قانونِ بلاغت یہ چاہتا ہے

کہ اسم ذات کے بعد وہ اسم صفت بولا جاتے کہ جو بمنزلۂ علَم کے خاص ہو۔ **یہاں** اس لفظ رحمٰن میں ایک اور نکتہ بھی ہے کہ تم امور معاشرت میں اپنے بیگانے مومن و کافر بلکہ ہر چیز سے مہربانی اور رحمت سے پیش آؤ۔ اور سب باہم رحم دلی کا برتاؤ کرو چنانچہ اس کی شرح میں وہ خود ہی فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ کہ اللہ تعالےٰ کو احسان کرنے والوں سے محبت ہے اور فرمایا اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ کہ خدا تم کو انصاف و بھلائی کرنے کا حکم دیتاہے اور اس کی شرح میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بےشمار احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ تمام قوانین تمدن اور رفاہ عام کے لئے یہ جملہ اصل الاصول ہے **ع** آسائش دوگیتی تفسیر ایں دو حرف است + با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا؛ اس کے بعد لفظ رحیم کو انسان کا تیسرا حال یاد دلانے کے لئے ذکر کیا کس لئے کہ جس طرح لفظ رحمٰن میں زیادتی باعتبار کمیت کے مراد رکھ کر اس کی رحمت کو عامہ و تامہ برے بھلوں سب کے لئے قرار دیا گیا تھا اب مزید لفظ رحیم کو خاص کر ایک جنس یعنی خدا تعالیٰ کے فرمانبرداروں کے لئے خاص کیا گیا۔ پس اخیر میں لفظ رحیم کو لانا اس بات کو بتلاتا ہے کہ اس جہان سے سفر کرکے جب وہاں جاویں گے تو ان کے ایمان و اعمال کے لحاظ سے اُن پر اُس کی رحمتِ خاص ظہور کرے گی کہ جس کی تفسیر نبی علیہ السّلام نے بلکہ خود قرآن نے مواضعِ متعددہ میں کی ہے کہ وہاں بمقتضائے رحمت اعمالِ حسنہ و عقائدِ صحیحہ ہر طرح کی اشکال میں متشکل ہو کر نظر آ دیں گی۔ اس لفظ میں اجمالاً آخرت کے متعلق سب باتوں کی طرف اور اُن کاموں اور عقائد کی طرف کہ جو وہاں کار آمد اور نافع ہوں گے اشارہ ہے۔ جس طرح کہ لفظ رحمٰن میں دنیاوی معاشرت کے اصُول کی طرف اور لفظ اللہ میں اُس کی ذات و صفات کے متعلق باتوں کی طرف اشارہ تھا۔ یہ بسم اللہ الخ گویا انسان کے لئے اُن تمام الہامی باتوں کا (کہ جو انبیاء علیہم السّلام کے وسیلہ سے نازل ہوئیں ہیں) خلاصہ یا فہرست ہے گویا سب کو جمع کرکے اور سب کا عطر نکال کر اس جملہ میں بھر دیا گیا ہے کہ پھر اس کی شرح باقی الحمد اور اس کی شرح تمام قرآن اور اُس کی شرح تمام کتب فقہ ہیں۔ یا یوں کہو تعلیم روحانی اور الہام قرآنی ایک شجر طوبیٰ اثر ہے کہ جس کا مبدءِ اوُلیٰ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے جس طرح کہ درخت کا مبدء تخم ہوتا ہے اور پھر اجمالی طور پر تمام پھل پھول شاخ و برگ اُس میں ہوتے ہیں اور پھر وہ درجہ بدرجہ حالتِ تفصیلی میں آتے جاتے ہیں۔

**دفعہ ۲۔** اس بسم اللہ الخ کا ابتداء قرآن میں ان تین مخصوص اسموں کے ساتھ آنا اور ہر کار کی ابتداء میں اس سے خدا تعالیٰ کو یاد کرنا ایک اور لطیف بات کی طرف بھی اشارہ ہے اور وہ یہ کہ انسان جواہرات کو پیدا نہیں کرتاہے بلکہ خدا تعالےٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں تصرف کرتاہے۔ پس لفظ اللہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ چیزیں کہ جن سے ہم نفع لے رہے ہیں اُس جامع صفات کمال و جلال کی مخلوق ہیں۔ ہم کو شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اور لفظ رحمٰن میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ان اشیاء کا وجود اس کی طرف سے ہے ان کی بقاء بھی محض اُس کی رحمتِ کاملہ ..... کا نتیجہ ہے۔ اور لفظ رحیم میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان چیزوں سے انتفاع کہ جو ان کے پیدا کرنے کا نتیجہ اور علّتِ غائیہ ہیں جیسا کہ وہ خود فرماتاہے هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (اُس نے زمین کی سب چیزیں تمہارے لئے پیدا کی ہیں) محض اس کی صفت و رحمت کا اثر ہے۔ **قطعہ** ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند + تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری؛ ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار + شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری؛ اگرچہ اور بھی بہت سے اسرار اس تھوڑے سے کلام میں ودیعت رکھے گئے ہیں کہ جن کے بیان کو ایک دفتر جداگانہ چاہیے مگر آپ کو یہ تو بخوبی معلوم ہو گیا کہ اس قدر تھوڑے سے کلام میں اس قدر تعلیم روحانی اور مقاصدِ الہامی بھرے ہوئے ہیں کہ عہدِ آدمؑ سے لے کر اب تک کسی اور کتاب الہامی یا غیر الہامی میں نہیں پائے جاتے اب اس سے بڑھ کر اور کونسی ضرورت قرآن اور الہام کے لئے ہوگی۔ **سوال** ہم نے انجیل عربی کا ایک پرانا نسخہ بچشم خود دیکھاہے کہ اس میں ہر انجیل کی ابتداء میں بسم اللہ سے اچھی بسم اللہ لکھ رکھی ہے اور اسی طرح پارسیوں کی دساتیر میں

بزنامہ کے اول میں ایک اسی قسم کی بسم اللہ لکھ رکھی ہے غالباً نبی علیہ السلام نے یہ وہاں سے لے کر اپنے قرآن میں داخل کر دی ہوگی اور اسی طرح بہت سے مضامین قرآن مجید کے کتب عہد عتیق و عہد جدید و دساتیر وغیرہ سے ملتے ہیں چنانچہ ایک پادری نے ایک کتاب **عدم ضرورت قرآن** لکھ کر یہ بات خوب ثابت کر دی ہے کہ نبی علیہ السلام نے یہ مضامین اور الہامی کتابوں سے لے کر اپنی کتاب بنائی ہے۔ پس جب یہ ہے تو پھر قرآن کے نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟

**جواب** اس سوال سے تو اور بھی جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ کس لئے کہ جس قدر انجیل کے نسخے صحیح کر کے پادریوں نے لندن اور فرانس اور دیگر بلاد میں چھپوائے ہیں ان میں اس بسم اللہ کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ البتہ اس عربی انجیل میں کہ جس کا آپ حوالہ دیتے ہیں ہم نے بھی وہ بسم اللہ دیکھی ہے کہ جس کی یہ عبارت ہے "باسم الاب والابن والروح القدس" پس اس میں کسی کو شبہ نہیں کہ اس انجیلی نے چونکہ عربی داں تھا قرآن خواں تھا تقلیداً یہ بسم اللہ بنا کر لکھی جس سے یہ یقین ہو گیا کہ غیر لوگوں کے دلوں میں بھی اس کلام الٰہی کی خوبی بس گئی اور انہوں نے چاہا کہ ہماری کتابوں میں بھی یہ ہو تو بہت خوب ہو۔ چنانچہ بخوف ثبوت سرقہ بجنسہٖ اصل کلام الٰہی تو نہ لکھا اور اسی طرز پر کچھ الٹ پلٹ کر لکھ دیا۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام عمر بھر بھی کبھی ایران میں تشریف نہیں لے گئے۔ نہ کسی مجوسیوں کے مدرسہ میں تعلیم پائی نہ کوئی مجوسی کتب خانہ یا مدرسہ عرب میں تھا بلکہ یہودی اور عیسائی مذہب کا تو کچھ پتہ بھی تھا۔ پارسیوں کے مذہب سے تو وہ لوگ محض نا آشنا تھے۔ پھر آنحضرت علیہ السلام ان کی کتاب میں سے سیکھنے کیونکر گئے اور اس زمانہ میں ان کی یہ کتابیں خود ان ہی لوگوں میں پوری شائع نہ تھیں جس طرح کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں کتاب کی قلت تھی اُن کے ہاں بھی اور جو کوئی کتاب تھی تو اس کو بڑے متبرک لوگوں کے پاس مقدس جگہ میں رکھتے تھے اور غیر قوموں سے از حد چھپاتے تھے یہ چھاپا نہ تھا کہ جس کی بدولت ہر کتاب گلی کوچوں میں عام لوگوں تک دست گرداں پھرتی ہے۔

اور یہ گمان کرنا کہ عجمی غلام سلمان فارسیؓ وغیرہ آپ کے پاس رہتے تھے اُن سے سیکھ کر لکھی ہوگی محض خیال خام ہے کیونکہ اوّل تو یہ غلام کچھ اپنے مذہب کے عالم نہ تھے کہ انہوں نے تعلیم کر دیا ہوگا۔ دوم یہ تھا تو پھر ان غلاموں پر کیا مصیبت پڑی تھی کہ ایسے شخص کے ہاتھ پر اس صدق سے ایمان لائے کہ ہر چند اُن کے مالکوں نے اس بات پر اُن پر کوڑے برسائے دھوپ میں چو میخا کیا بھوک پیاس کی تکلیف دے کر سخت مشقت میں گرفتار کیا مگر وہ پھر بھی حضرت کے دین سے نہ پھرے۔ سو اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ایرانیوں نے مسلمانوں سے سن کر اس کلام کو اڑا لیا اور بدل کر اپنی کتاب میں لکھ لیا ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اسلام سے پیشتر کے کسی نسخہ میں نہیں ولو فرضنا ہو بھی تو اس میں یہ خوبی کہاں؟ کیونکہ "بنام ایزد بخشایندہ بخشایش گر مہربان دادگر" میں لفظ کر رہے اور یہ بھی ظاہر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس قدر محرف کتابیں اور اوہام آمیز مذاہب یا لوگوں کی رسم و عادات تھی سب غلط اور ناحق تھے کیونکہ جھوٹی باتوں میں بعض سچی باتیں اور برے لوگوں میں بعض بھلی عادتیں بھی ہوتی ہیں۔ پس اُسی نبی کا کام جو تمام جہان کی اصلاح و فلاح کا بیڑہ اٹھائے یہ کام نہیں کہ وہ حق و ناحق سب کو مٹا کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بناوے جیسا کہ خود پسند کیا کرتے ہیں۔ بلکہ ہر مذہب اور ہر کتاب میں اور ہر رسم و رواج میں جو کچھ حق اور فطرت کے موافق ہو اس کو قائم رکھے اور غلط کو مٹادے نہ یہ کہ سب کا انکار کرے اور نہ یہ کہ سب کو تسلیم کرے پس جب یہ بات ہر دانشمند حق گو پر فرض ہے تو اب ضرور ہے کہ اس مجموعہ تعلیم حقانی کے بعض اجزاء ضرور کسی مذہب و ملت کے مطابق ہوں گے اور بعض اجزاء بعض دیگر کے مطابق ہوں گے اور اسی طرح بعض عادات و اطوار اور رسوم کا حال ہے۔ **پادری صاحب** آپ کے عہد جدید میں کونسی نئی بات ہے کہ جو اور تاریخوں اور کتب اخلاق یا عہد عتیق میں نہیں۔ پھر اس فرضی انجیل کو کتاب الٰہی بنانے کی کیا ضرورت؟ براہ مہربانی اس کو بھی بیان کر دیجئے۔ یہ

آپ کی کتاب کا اجمالی جواب ہے اور تفصیل بشرط فرصت پھر گوش گزار کروں گا۔

**دفعہ ۳۔** جو شخص کسی کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے حقوق و عہد کو قائم رکھتا ہے تو یا اُس سے خوف اور مضرت کا ڈر ہوتا ہے یا کسی انعام و اکرام و بھلائی کی امید ہوتی ہے۔ سو یہ دونوں چیزیں تو وہ ہیں کہ جن پر عموماً طاعت کا مدار ہے (دیکھئے عام لوگ بادشاہ سے ڈر کر اور ملازمین اکرام و انعام کی طمع دل میں رکھ کر اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور جہاں یہ دونوں باتیں ہوتی ہیں تو وہاں طاعت کے ساتھ محبت بھی ہوتی ہے اور جو طاعت کہ محبت سے مرکب ہوتی ہے وہ طاعت صرف سے بہتر ہوتی ہے اور اسی لئے ایمان کو امید و بیم دونوں کے اندر رکھا ہے کیونکہ محض خوف سے نفرت اور محض امید سے جرأت ہو جاتی ہے)۔ اور بعض خاص لوگ کہ جن کا عشق محویت کے درجے تک پہنچ جاتا ہے وہ بلا لحاظ امید و بیم اُس سے محبت ذاتی رکھتے اور اطاعت کرتے ہیں وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ۔ اور نبی کو (کہ خدا اور بندوں میں واسطہ ہے) ضرور ہے کہ بندوں کو اس کے جلال سے ڈرائے اور اس کی محبت دل میں پیدا کرکے طاعت پر آمادہ کرے کیونکہ تمام دنیا و آخرت کی مصلحتیں اسی پر موقوف ہیں **پس** اس لئے ابتدائے کلام میں وہ رعایت رکھی کہ جس سے یہ مطلب نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے ادا ہو گیا۔ کیونکہ لفظ **اللہ** زبانِ عرب میں اُس شہنشاہ حقیقی اور پروردگار عالم کا نام ہے کہ جس کی ہیبت سے پہاڑ لرزتے ہیں۔ اس نام کے ذکر کرنے سے اس کی ہیبت ظاہر کرنا اور خوف دلانا مقصود ہے اور **رحمٰن** اور **رحیم** سے امید دلانا اور محبت پیدا کرنا مطلوب ہے تاکہ لوگ اُس سے ڈریں اور رحمت کے اُمیدوار رہ کر طاعت کریں اور خالص لوگوں کو تو لفظ اللہ تو ہی سے بلا لحاظ رحمت و غضب محبت ذاتی پر تنبہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح بسم اللہ میں سیر الی اللہ ہے۔ اسی طرح الرحمٰن الرحیم میں سیر من اللہ ہے۔ یعنی اسم چونکہ علامات و آثار میں سے ہے۔ پس عارف اس نشان سے معبودِ حقیقی تک جا پہنچتا ہے۔ اور پھر وہاں سے نعماء و آلاء کی طرف توجہ کرکے مخلوق کی جانب آجاتا ہے اور چونکہ امید سے خوف زیادہ تر اس امر میں مؤثر ہے اس لئے لفظ اللہ کو مقدم کیا۔ اور یوں بھی عَلَم اور بالخصوص مقام تبرک کا مقتضی یہ ہے کہ لفظ اللہ جس طرح ذات میں مقدم ہے ذکر میں بھی مقدم رہے۔ اور بعدہٗ لفظ رحمٰن کے رحیم اس لئے ذکر ہوا کہ عالم پر جو رحمت ہوتی ہے اُس کی دو شاخ ہیں۔ اوّل یہ کہ ہر چیز کے لئے اس کی تمام حاجات و ضروریات کو پورا کیا جائے۔ دوم اس کو مخالف اور منافی چیزوں سے بچایا جائے۔ اوّل شاخ چونکہ نہایت بڑی اور اہم ہے اُس کے لئے لفظ رحمٰن کہ جس میں رحمت زیادہ مناسب ہوا اور دوسری چھوٹی شاخ کے لئے لفظ رحیم بولا گیا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دنیا کے بادشاہوں سے بڑی چیزوں کا سوال کیا جاتا ہے اگر اُن سے کوئی کمتر درجہ کی چیز مانگتا ہے تو خفا ہوتے ہیں بخلاف خدا تعالیٰ کے کہ اس سے چھوٹی بڑی ہر چیز کا سوال کیا جاتا ہے۔ پس اس رمز کے لئے رحمٰن اور رحیم دو لفظ بولے تاکہ دونوں باتوں پر دلالت کریں۔ رحمٰن بڑی باتوں پر۔ رحیم چھوٹی باتوں پر۔ اور ایک پلہ میں لفظ اللہ ہے کہ جس سے ہیبت دل پر طاری ہوتی ہے تو دوسرے پلے میں دو لفظ تسلی بخش یکے بعد دیگرے سنا کر مطمئن بنایا۔ تاکہ جس قدر اُس کا خوف دل میں پیدا ہوا اتنی ہی محبت بھی جلوہ گر ہو کیونکہ افراط و تفریط مصلحتِ نبوت و منصبِ رسالت سے بعید ہے۔ **عیسائیوں نے** الوہیتِ مسیح و کفارہ ثابت کرنے کے لئے اوّل تو وہ خوف زائد از حد دلایا کہ خدا تعالیٰ گناہ کو توبہ سے معاف ہی نہیں کر سکتا۔ اور جو آدم علیہ السلام نے گناہ کیا تھا تمام بنی آدم پر پُشت بہ پُشت چلا آتا تھا۔ (حالانکہ کسی کا گناہ خدا تعالیٰ کی عدالت تو کیا بندوں کی عدالت میں بھی دوسرے پر لازم نہیں ہوتا) اُس کی سزا دینی خدا تعالیٰ کو از حد ضروری تھی۔ اس لئے خود دنیا میں بشکل حضرت مسیح نو مہینے رحم میں خون کھا کر مقام مخصوص سے پیدا ہوا اور تمام دنیا کے گناہوں کی (دھوبی کی لادی کی طرح) گٹھڑی باندھ کر اپنی پشت پر لاد کر لے گیا اور تین روز جہنم میں رہا اور ملعون ہوا، حالانکہ یہ عقیدہ چند وجوہ سے رد ہے (۱) اول تو خدا تعالیٰ قادر اور رحیم و

غفور ہے۔ توبہ سے گناہ معاف کرنا اس کا قدیم دستور ہے (۲) عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے پیشتر جس قدر انبیاء[1] اور اُن کے فرمانبردار ہیں سب مسیحؑ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی نجات یافتہ ہیں بلکہ مسیحؑ اور حواریوں کے کلام سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ پھر اگر کفارہ ضرور تھا تو ان کی نجات کیوں ہوئی اور اُن کے گناہ موروثی کیوں معاف ہوئے؟ (۳) خود حضرت مسیحؑ اور یوحنا (یحییٰ) علیہما السلام لوگوں کو توبہ[2] استغفار کرنے کا حکم دیتے تھے۔ بلکہ خود مسیحؑ نے ایک شخص کے گناہ[3] معاف کر دیئے پس اگر کفارہ مسیحؑ پر نجات کل بنی آدم موقوف تھی تو استغفار اور توبہ اور یہ گناہ معاف کرنا کیونکر ہوا؟ اور پھر امید و رجاء کا یہاں تک دامن فراخ کیا کہ تثلیث اور کفارہ اور الوہیت مسیحؑ پر ایمان لانے والے کے حق میں پولوس نے ہر حرام اور ناپاک[3] چیزوں کو پاک کر دیا اور شریعت پر چلنے والے کو لعنتی[4] قرار دے کر مطلق العنان اور سانڈ بنا دیا حالانکہ حضرت مسیحؑ فرما چکے ہیں کہ توراۃ[5] کا ایک شوشہ بھی نہیں مٹے گا اور خود توراۃ میں شریعت کے تارک پر سخت تہدید ہے۔ توراۃ تو کیا اُس کے احکام عشرہ کو بھی مٹا دیا۔ اس افراط و تفریط کا کیا ٹھکانا ہے۔ **منجملہ** اور ضرورات نزول قرآن کے ایک یہ بھی ضرورت تھی کہ اس سخت گمراہی کو اُٹھائے۔ فرمایئے پادری صاحب اس سخت ضرورت کو سوائے قرآن کے اور کس کتاب آسمانی نے پورا کیا۔ منجملہ بیشمار معجزات کے آنحضرت علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ کلام حکمت التیام بھی ہے کہ جس میں ہزاروں خوبیاں ہیں اور جس کا مثل بنانا پڑھے اور اَن پڑھ سے ممکن نہیں۔

# فضائل

جن کلمات کا عالم برزخ یا عالم مثالی میں کوئی نہ کوئی ایسا اثر خاص ہوتا ہے کہ جس طرح عالم عنصری میں دواؤں کا اثر محسوس ہوتا ہے، منجملہ اُن کے یہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بھی ہے جس سے برکت کا نازل ہونا اور شیطان و خبیث کا اثر نہ ہونا وغیرہ فوائد علاوہ اُس روحانی فائدے کے ہیں کہ جس کی شرح ہم ابھی کر آئے ہیں۔ اور ان فوائد کا بسط تو ہم کسی موقعہ پر بیان کریں گے مگر اب بعض وہ فوائد جو مشاہدہ ثقات میں آئے ہیں ذکر کرتا ہوں۔ **ازانجملہ** یہ ہے جو ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو ایک شخص نے بغیر بسم اللہ پڑھے کھانا کھایا۔ پس جب ایک لقمہ باقی رہ گیا تو بسم اللہ من اولہ وآخرہ کہہ کر اُس کو منہ میں رکھ لیا۔ اس بات پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی۔ اور فرمایا کہ اس کے ساتھ شیطان کھاتا تھا۔ جب اُس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان نے جو کچھ کھایا تھا کھڑے ہو کر قے کر دیا۔ اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے کہ جس کھانے پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی اس میں شیطان کا حصہ ہو جاتا ہے۔ **ازانجملہ** وہ ہے کہ جو ترمذی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت کیا ہے کہ جب بیت الخلاء میں جا کر کوئی شخص بسم اللہ پڑھتا ہے تو اُس کے ستر اور جنوں کی آنکھوں کے بیچ میں یہ کلام پردہ ہو جاتا ہے۔

گو یہ احادیث خبر احاد ہیں اور بالخصوص اس اخیر حدیث کے سلسلہ میں ترمذی نے کلام بھی کیا ہے، اور بعض علماء نے ان کو معنی مجازی پر محمول کیا ہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ دراصل شیطان یا جن یا

---

[1] انجیل متی باب سوم۔ [2] انجیل لوقا باب ۵ آیت (۲۰ اور ۲۴) [3] پولوس کا وہ نامہ جو طیطس کو لکھا ہے اُس کے اول باب ۵ ادرس میں ہے۔
[4] پولوس کے نامہ گلتیون کے ۳ باب ۱۳ ورس میں مسیح علیہ السلام کو ملعون بھی لکھا ہے۔ منہ [5] یہ خیال مت کرو کہ میں توراۃ یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں۔ میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جاویں توراۃ کا ایک نقطہ یا شوشہ ہرگز نہ مٹے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھاوے آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلاوے گا۔ انجیل متی باب ۵ ورس ۱۷ تا ۱۹۔ منہ

ہمزاد یا جو کہو ایک ایسی چیز مخلوقِ الٰہی میں سے ہے کہ جو محسوس نہیں ہوتی اور انسان کے اکثر امور میں شریک ہوتی اور اس کی نقل کرتی ہے۔ جس کا صدہا لوگوں کو مشاہدہ ہوا ہے۔ چنانچہ **حجۃ اللہ البالغہ** میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک بار میری ملاقات کو ایک دوست آیا میں نے اُس کو کھانا دیا وہ کھانے لگا کہ اُس کے ہاتھ سے روٹی کا ایک ٹکڑا چھوٹ کر خلافِ عادت دُور تک اس طرح لڑھکتا ہوا چلا گیا کہ جس سے سب حاضرینِ جلسہ کو تعجب ہوا۔ پھر اگلے روز محلہ میں ایک شخص کے سر پر وہ خبیث آ کر یوں بولا کہ فلاں جگہ ہم نے فلاں شخص سے کل ایک روٹی کا ٹکڑا چھینا تھا مگر اُس نے ہم سے لے ہی لیا ہم کو نہ دیا۔ اور اسی طرح کی بے شمار حکایات صادق ہیں۔ پس اب یہ کیا تعجب ہے کہ اس قومِ جن کو ذکرِ الٰہی سے ایک جبلّی نفرت ہو اور اُس کی تاثیرِ ملکیت اُس کو سخت ایذا پہنچاتی ہو کہ جس سے وہ لوگ ہٹ جاتے ہوں۔

**شبہ** حضرت سلامت یہ تو پُرانے خیالات اور فاسد توہمات ہیں کہ جن کو آج کل اہلِ یورپ بالخصوص نئی روشنی والے اور ان کے مقلّد محض لغو سمجھتے ہیں اور اُن پر ہنستے ہیں۔ اور اسی طرح عیسائی بھی ان باتوں کو نہیں مانتے۔ الغرض روشن دماغ اور تربیت یافتہ لوگ قائل نہیں۔ **جواب**۔ مہربان اس انکار بلا دلیل کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔ اہلِ یورپ کا کیا کہنا ہے وہ تو کُل غیر محسوس چیزوں کے منکر ہیں۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کا وجود بھی صدہا نہیں مانتے۔ جرمن اور فرانس کے ملحدوں بوئجر وغیرہ کی کتابیں دیکھیے وہ حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ و توراۃ و انجیل سب الہام کے قصہ ہی کو لغو سمجھتے ہیں۔ اور پھر ہزاروں اہلِ یورپ روحانیات کے بُلانے اور اُن سے باتیں کرا دینے کے بھی قائل ہیں چنانچہ لندن میں ایک کمیٹی بڑے زور سے یہ دعویٰ کرتی ہے جس کے ممبر ہندوستان میں بھی موجود ہیں۔ اور عیسائیوں کی اناجیل میں جب شیطان اور دیو اور ناپاک روحوں کا نکالنا حضرت عیسیٰؑ سے مروی ہے تو پھر اس قوم کا انکارِ جنّہ بلا دلیل چہ معنی دارد؟ اور جب دلائلِ عقلیہ و نقلیہ سے یہ قوم ثابت ہو چکی تو پھر اس کے افعالِ ناشائستہ اور

کلامِ الٰہی کے اثر کا انکار اور بھی طرفہ ہے اگر اسی کا نام روشن دماغی ہے تو اس روشنیٔ ظلمت مآب کے کیا کہنے ہیں۔ **ازانجملہ** وہ قصہ ہے جس کو امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ **حضرت خالد بن ولیدؓ** سے مقابل لوگوں نے کہا کہ تم جو اسلام کے مدعی ہو تو کوئی کرامت تو دکھاؤ تاکہ تمہارے دین کی صداقت معلوم ہو اور اس زہرِ قاتل کی شیشی کو پی جائیے اگر کچھ اثر نہ کیا تو یہ دینِ حق ہے۔ چنانچہ خالدؓ نے اُن کے ہاتھ سے وہ زہر لے کر ان ہی کے رُوبرو بسم اللہ کہہ کر پی لیا اور پھر وہیں کھڑے رہے کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اور اسی قسم کے صدہا واقعات ہیں۔ **سوال** بسا اوقات ہم بسم اللہ پڑھتے ہیں مگر ہم کو اس قسم کی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ **جواب** خواہ دوا ہو خواہ کلام ہو اُس کی تاثیر کے لئے دو بات ضرور ہیں۔ اجتماعِ شروط ارتفاعِ موانع۔ دیکھئے تریاق کے اثر میں کسی دانشمند کو شبہ نہیں مگر جب اس کی ایک شرط بھی فوت ہو جاتی یا کوئی مانع حائل ہو جاتا ہے تو پھر اثر نہیں کرتا۔ اسی طرح خلوصِ نیت و صدقِ اعتقاد و رابطۂ الٰہی وغیرہ ان باتوں کے لئے شروط ہیں۔ اور ریاکاری اور خیالاتِ فاسدہ و توہماتِ شیطانی ان چیزوں کے لئے موانع ہیں۔ اب کلام کو یہیں تمام کر کے باقی الحمد کی تفسیر لکھتا ہوں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ

ہر طرح کی ستائش اللہ ہی کے لئے ہے جو کُل جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ جو نہایت رحم کرنے والا

الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

بڑا مہربان　جزا کے دن کا مالک ہے۔

## ترکیب

الحمد مبتدا للّٰہ ثابت کے متعلق ہو کر اُس کی خبر ہوئی۔ ربّ العالمین اُس کی صفتِ اوّل گو یہ نکرہ ہے مگر معنی کے لحاظ سے معرفہ ہے کیونکہ ربّ العالمین سوائے خدا تعالیٰ کے اور کسی پر صادق نہیں آتا۔ الرحمٰن الرحیم صفت و موصوف اُس کی صفتِ دوم۔ مالک یوم الدین مضاف و مضاف الیہ مل کر اس کی صفتِ سوم۔ یہ موصوف اپنی تینوں صفات سے مل کر ثابت کے متعلق ہو کر مبتدا کی خبر ہوئی اور

خبر و مبتدا مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔ گو مقام انشاء حمد جملہ فعلیہ چاہتا ہے مگر چونکہ خبر حمد بھی انشاء حمد ہے۔ دوام و ثبات کے لئے جملہ اسمیہ لایا گیا۔

## تفسیر

ان تینوں آیتوں میں خدا تعالیٰ نے بہت سی حکمتیں رعایت رکھ کر اُس تقرب کو بتلاتا ہے کہ جس کی طرف بسم اللہ میں اشارہ تھا۔ بسم اللہ میں لفظ اللہ سے ہیبت اور رحمٰن و رحیم سے رغبت دلا کر اپنی ذات پاک کی طرف متوجہ ہونا مجملاً بتلایا تھا۔ لیکن اُس وصول اور تقرب کا کوئی طریق صراحۃً مذکور نہ ہوا تھا کہ وہ کیونکر اُس کی طرف متوجہ ہو اور کونسی روحانی سڑک پر چل کر شہر مقصود تک پہنچے آیا کسی درخت میں اُلٹا لٹکے یا دنیا کے تمام طیبات چھوڑ کر لنگوٹا باندھ کر کسی مندر یا دریا یا تالاب کے کنارے بیٹھا کرے یا کسی گرجا میں باجا بجا کر کوئی راگ یا بھجن گایا کرے یا پیالہ لے کر گھر گھر بھیک مانگتا پھرے یا کوئی اور جتن کرے کہ جس سے اُس محبوب عالم معبود حقیقی کا وصال اور جمال باکمال نصیب ہو تاکہ کمال حقیقی اور سعادت عظمیٰ ملے سو اس وادی پُرخار اور اس بحر ذخار میں سینکڑوں بھٹک کر مر گئے اور بڑے بڑے حکیموں اور فلسفیوں کی کشتیاں غرق ہو گئیں ؎ دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار ؛ کہ پیدا نشد تختہ بر کنار ؛ اس لئے رحمٰن و رحیم نے اپنی رحمت سے بذریعہ الہام اس مشکل کو حل کر دیا اور اپنی طرف آنے کا رستہ سہل کر دیا کہ لے طالبان راہِ نجات! او لے جویندگان آب حیات! تم اپنی زبان سے یوں کہو اور ان الفاظ کے رنگِ معانی سے اپنی روح کو رنگین بناؤ کیونکہ جب تم ان الفاظ کے معنے کو خوب دل میں جماؤ اور خیال میں لاؤ گے تو تمہاری روح کی تمام کثافت اور ظلمت اور بہیمیت دور ہو جائے گی۔ پس جب آئینہ کا زنگ دور ہوا تو اسی وقت آفتاب جہاں تاب کا عکس پڑ کر پُرنور ہوا۔

## تفصیل

اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان دراصل روح ہے کہ جس کو نفس ناطقہ بھی کہتے ہیں اور جو اِس جسم سے پیشتر تھی اور اس کی مفارقت کے بعد بھی رہے گی۔ اور یہ جسم خاکی کمالات حاصل کرنے کے لئے اُس کا آلہ یا مرکب ہے جس طرح آئینہ میں ذاتی جوہر ظاہر کرنے کے لئے راکھ یا کھریا لگا دیتے ہیں تاکہ اُس کے بعد رگڑنے سے اُس کا ذاتی جوہر نکل آئے اور یہ خوب صاف و شفاف ہو کر چمکنے دمکنے لگے، اس طرح حضرت روح کو اس جسم کے ساتھ اسی غرض سے وابستہ کیا ہے۔ پس اصل و بالذات روح کی صفائی مقصود ہے تاکہ یہ اُس مبدء پرنور سے تشبہ حاصل کر کے اُس سے جا ملے اور اسی کو سعادت عظمیٰ اور اسی کو کمالِ اصلی اور اسی کو اتمام سلوک کہتے ہیں۔ اس سلوک کو جو لوگ اپنی عقل سے تمام کرتے ہیں تو اُن کو وہم اور تخیلات فاسدہ کے راہزن (کہ جو اس جسم اور اس کی بہیمیت سے پیدا ہوتے ہیں) مقصود تک نہیں پہنچنے دیتے بلکہ وہ ان توہمات و تخیلات کی وجہ سے مخلوق پرستی یا بنیاد جسم کے گرانے اور اس وسیلے سے رُوح کو چمکانے کے درپے ہوتے ہیں جیسا کہ درخت میں اُلٹا لٹکنا الخ اور جو انبیاء علیہم السلام اور الہام کی روشنی میں اُس سیدھی سڑک پر چلتے ہیں کہ جس کو خدا تعالیٰ نے قائم کیا وہ مقصود تک پہنچ جاتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ط کہ بعض رستے سیدھے خدا تک پہنچتے ہیں اور بعض ٹیڑھے ہیں۔ اور خود اسی سورۃ میں آگے چل کر یہ تعلیم کرتا ہے کہ

ؔ۱ کس لئے کہ جب تک طرفین میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ اس وقت تک تقرب نہیں ہوتا۔ پس وہ نورِ محض اور لطیف یہ ظلمانی اور کثیف۔ باہم کیونکر ارتباط ہو پس جب انسان اپنی روح کو منور کرتا ہے اور ملکیت غالب ہو جاتی ہے تو ظلمانیت اور تاریکیت ہیولانیت دُور ہو جاتی ہے اور انوار عالم قدس اُس پر اس طرح پڑنے لگتے ہیں کہ جس طرح آئینہ میں عکسِ آفتاب پھر یہ شخص بارگاہ قدس اور انجمن اُنس میں باریاب اور جمالِ باکمال سے فیض یاب ہوتا ہے پس اس طریق کو خدا تعالیٰ نے اس سورۃ میں نہایت لطف کے ساتھ بیان فرمایا۔ منہ

یوں کہو۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ الخ کہ ہم کو وہ سیدھی راہ دکھلا کہ جو انبیاءؑ کی راہ ہے۔

**الغرض** یہ متفق علیہ ہے کہ جب تک رُوح کو صفائی نہیں اُس تک رسائی نہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ روح میں کئی طور سے تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ (۱) یہ کہ یا تو سرے سے خدائے تعالیٰ کے وجود اور اُس کے جمیع صفات قدرت و عظمت کا قائل ہی نہ ہو اور تمام مخلوقات یا بعض چیزوں کی ہستی کو ازخود جانے۔ جیسا کہ دہریہ[۱] اور طبیعیہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ چیزیں ازخود طبیعت[۲] عناصر سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور جب تک طبیعت اپنے تصرفات پر قادر رہتی ہے یہ زندہ رہتے ہیں اور جب حرارت غریزیہ تحلیل ہو جاتی ہے تو فنا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سب کار و بار گردش فلک اور طبائع اجسام سے ہوتے ہیں نہ ان کی ابتداء ہے نہ انتہاء۔ یہ رہٹ ہمیشہ سے یوں ہی پھرتا ہے اور یوں ہی پھرتا رہے گا۔ چنانچہ اس خراب عقیدہ کے لوگ پہلے بھی بہت تھے اور اب بھی بالخصوص یورپ میں ہزاروں ہیں۔

(۲) یہ کہ خدا تعالیٰ کو خالق تو جانے مگر بعد پیدا ہونے کے خلق کو اُس کے اسباب و شروط کی وجہ سے خالق سے مستغنی جانے جیسا کہ بعض آریہ سماج کا عقیدہ ہے کہ بعد مخلوق ہونے کے پھر اس کی طرف کچھ حاجت باقی نہیں رہتی۔

(۳) یہ کہ اُس مجموعۂ عالم میں سے کسی جز کو اُس کے کمالات ذات و وجود میں مستقل جانے اور پھر اُس کو بھی اختیارات الوہیت میں شریک سمجھ کر اُس سے بھی واسطۂ عبودیت رکھے جیسا کہ قدمائے یونان و فارس اور زمانۂ جاہلیت کے عرب اور ہندو آگ اور پانی ہوا اور آفتاب و ماہتاب اور تاروں اور غیر مرئی ارواح کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ بلکہ رکھتے ہیں (اس تاریکی روحانی کو زبان الہام میں شرک کہتے ہیں)۔

(۴) یہ ہے کہ آدمی بعض حاجات اور کاروبار کے پُورا نہ ہونے کی وجہ سے (کہ جن کو رحمتِ الٰہی مصلحتِ ملک یا شہر یا اُس شخص سے خلاف جانتی ہے) اس کو سراسر پُرغضب اور بخیل اور بلا کو جان کر اُس سے محبت نہ کی جائے اور دل میں نفرت پیدا ہو جائے۔ جس سے اُس کے ابرار اور اُس کے ہادی لوگوں سے دشمنی کا برتاؤ کیا جائے جیسا کہ بعض یہود نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا اور خدا کی دشمنی پر کمر باندھی۔

(۵) یہ کہ گو خدا کو اور انبیاءؑ کا اقرار ہو مگر قیامت اور وہاں کی جزا و سزا کا انکار ہو جیسا کہ یہود میں فرقہ صدوقیہ کا عقیدہ تھا اور اب بھی صدہا بے دینوں اور دیگر بعض مذاہب کے لوگوں کا عقیدۂ فاسد ہے بلکہ وہ دار و مدار جزاء و سزا کا اسی عالم پر تناسخ کے وسیلہ سے (جیسا کہ ہنود اور مجوس کا عقیدہ ہے) یا مال و اولاد تندرستی و بیماری میں محرومی و برخورداری کی نسبت جانتے ہیں۔ جیسا کہ بعض جہلاء کا عقیدہ ہے۔

(۶) یہ کہ قیامت اور جزا و سزا کا تو اعتقاد ہو مگر اپنے اوہام باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ سے بعض شخصوں کی نسبت یہ عقیدہ ہو کہ وہ بھی وہاں جس طرح چاہیں گے اپنے معتقدوں اور پرستش کرنے والوں کو فائز المرام کریں گے اور خدا تعالیٰ کے عذاب و عقاب سے مانع آئیں گے اس لئے خدا کے ساتھ نذر و نیاز استمداد و پرستش میں ان کو بھی شریک کرتے ہیں اور ان کو بھی خدا یا خدا کا جز و یا شریک و سہیم جانتے ہیں جیسا کہ **نصاریٰ** حضرت مسیح (عیسیٰ) علیہ السلام کو کفارہ سمجھ کر بالکل مطمئن ہو گئے ہیں اور ان کو خدا اور کبھی جزء خدا سمجھتے ہیں اور اسی طرح اور بھی صدہا جہلاء ہیں جو اپنے بزرگوں کو مالک و مختار جانتے ہیں۔ **سوال** اہلِ اسلام بھی تو اپنے نبی علیہ السلام کو شفیع روزِ محشر جانتے ہیں۔ **جواب** شفاعت تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ رحیم ہے۔ اپنے نبی علیہ السلام کی معرفت رحمت ظاہر کرے گا اور اپنے وعدہ کو پورا فرمائے گا۔ نہ یہ کہ آنحضرت علیہ السلام خدا کے شریک و سہیم ہو کر

[۱] ہنود کا فرقہ جدید آریہ بھی روحوں اور مادہ وغیرہ کی ہستی کو ازخود اور اُن کو خدا کا غیر مخلوق کہتا ہے۔ منہ [۲] اس کو انگریزی میں نیچر کہتے ہیں پس وہ جو آج کل اہلِ اسلام میں سے ایک فرقہ نیچریہ کہلاتا ہے وہ گو برائے نام مسلمان ہیں۔ مگر درحقیقت طبیعیہ ہیں۔ چنانچہ اس فرقہ کے سرگروہ نے جو ایک تفسیر لکھی ہے اُس میں اور تہذیب الاخلاق میں ان کے عقائد ہمارے اس قول کے شاہد عدل ہیں۔ منہ

اُس کے عذاب کو دفع کریں گے۔ اور خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے اُس کے معتوب و مغضوب کو جنت میں لے جائیں گے یہ کسی اہل اسلام کا عقیدہ نہیں۔ بلکہ جو کچھ آپ سے سرزد ہوگا بمرضیٔ الٰہی ہوگا۔ پس یہ چھ طور اُن روحانی تاریکیوں کے اصول ہیں کہ جو قربِ خداتعالیٰ سے مانع ہیں۔ اور یہ قرب سے محروم رہنا آخرت میں دوزخ اور طوق و زنجیر وغیرہ چیزوں کی صورت میں ظاہر ہو کر **جہنم** ہو جائے گا۔ بلکہ ہو چکا۔ اور طرح طرح کی سختیاں دکھلائے گا۔ کیونکہ روح کی راحت (کہ جو بشکل **جنت** ظہور کرے گی بلکہ کر چکی) یہی ہے کہ اُس کے مرکز اصلی کی طرف پہنچنے میں کوئی چیز حائل نہ ہو جائے۔ دیکھئے دنیا میں کوئی چیز کسی چیز کے حیز طبعی یا مرکز اصلی کے بیچ میں مانع اور حائل ہو جاتی ہے تو وہ چیز اپنے حیز اور مرکز اصلی کی طرف جانے میں کیسی پھڑ پھڑاتی ہے اور یہ پھڑ پھڑانا اور کشاکشی کے صدمات اٹھانا اس کے لئے جہنم ہے (علیٰ قدر مراتبہ) باقی ان تاریکیوں کی فروعات سو وہ بے شمار اور ہزار در ہزار ہیں اُن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ان طریقوں کی ظلمانیت کو عرف شرع میں **کفر** اور **الحاد** کہتے ہیں اور **ساتواں** طور تاریکی روحانی کا ایک اور ہے کہ جو اس جسم کے اعمال سے متعلق ہے۔ یعنی جس طرح وہ چھ طور قوت **نظریہ** اعنی اعتقاد سے متعلق ہیں، یہ **قوت عملیہ** سے علاقہ رکھتا ہے وہ یہ کہ انسان اپنی زبان سے وہ باتیں بولے اور ہاتھ پاؤں سے وہ کام کرے کہ جو نورِ فطرت کے خلاف ہو جن کو عرف شرع میں **حرام** اور **مکروہ** کہتے ہیں۔ جیسا کہ کلمات کفر بکنا، گالی دینا، غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، فحش کی باتیں منہ سے نکالنا، قتل کرنا، چوری کرنا، زنا کرنا، شراب پینا، لوٹ مار کرنا وغیرہ وغیرہ وہ افعال و اقوال کہ جن کی تاریکی روح پر اثر کرتی اور بہیمیت کو زور دیتی ہے۔ چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمادی ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ پھیل کر تمام دل کو گھیر لیتا ہے، رواہ البغوی۔ یہ **سات** چیزیں تمام گمراہیوں کی اصول ہیں کہ جن کے مٹانے کے لئے سلسلہ وار انبیاء علیہم السلام دنیا میں آیا کئے۔ اور تمام کتب آسمانی بلکہ جمیع کتب حکمت و اخلاق انہیں سات چیزوں کی شرح ہیں خود قرآن مجید میں مختلف عنوان سے اس کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ایک ہی جملہ میں اس کو ختم کر دیا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا کہ جس نے اپنی روح کو پاک اور منور کیا اُس نے مراد پائی اور جس نے آلودہ کیا تو خسارت اٹھائی اور ایک جگہ اس نجات اور ابدی حیات کو اور لطف کے ساتھ بیان فرمایا فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا کہ جو چاہے اپنے رب کے پاس آنے کا ٹھکانا بنالے اور ایک جگہ اور خوبی سے اس کو ادا کر دیا۔ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ کہ اے انسان! تو اپنے رب کی طرف کھٹ کھٹ کر کے چلا آتا ہے۔ آخر اس کے پاس پہنچے گا وغیرہا من الآیات۔ پس جب انسان ان ساتوں کو چھوڑ کر ان کے برخلاف میں جو سات عمدہ اصول ہیں ان کی طرف منہ موڑتا ہے تو مقصود اصلی کو پہنچ جاتا ہے اور **سعادت عظمیٰ** پاتا ہے۔ پس ان آیات میں خداتعالیٰ اپنے پاس آنے کا راستہ اس طرح سے بتایا کہ خداتعالیٰ کی حمد و ثنا ان صفات کے ساتھ کرتا کہ روح منور ہو جائے اور جناب قدس تک گزر ہو جائے۔ اب ہم یہ بتلاتے ہیں کہ کون سے جملہ سے کس بات کی طرف اشارہ ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (کہ تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں) میں اول بات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حمد اُس ثنا و صفت کو کہتے ہیں کہ جو کسی شخص کے کمالات ذاتیہ و اختیاریہ کی وجہ سے زبان پر آوے جس طرح کہ **مدح** کمالات غیراختیاریہ پر ہوتی ہے اور حمد اختیاریہ پر۔ موتی کی صفائی اور کسی مکان وغیرہ غیر ذی عقل کی صفائی وزیبائی کو جو بیان کریں گے تو اس کو مدح کہیں گے۔ حمد اور **شکر** کسی انعام و اکرام کی وجہ سے ہوتا ہے خواہ زبان سے ثنا و صفت کر دی جائے یا کوئی تعظیم کا کام کر دیا جائے یا دل ہی میں خوشنودی پیدا کی جائے۔ شکر اور حمد میں عموم و خصوص من وجہ ہے جو حمد کہ کسی انعام و اکرام کی وجہ سے ہو وہاں اُس کو شکر بھی کہہ سکتے ہیں پس جب بندہ نے دل سے یہ کہا اور صحیح اعتقاد کیا کہ تمام خوبیاں خدا کے لئے ہیں تو خداتعالیٰ کی ذات و صفات کمالیہ کا اقرار پایا گیا دہریہ پن جاتا رہا اور جب کہا رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ وہ تمام عالم کا پرورش کرنے والا ہے اس سے دوسری اور تیسری بات جاتی رہی کس لئے کہ عالم بروزن فاعل بالفتح اُس چیز کو کہتے ہیں کہ جس سے دوسری چیز کا علم حاصل

ہو جائے اور وہ خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے سوا ہر موجود و مخلوق کو شامل ہے کیونکہ ان سے ان کے پیدا کرنے والے خدا تعالیٰ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ دیکھئے جب ہم کسی تخت یا مکان کو دیکھتے ہیں تو ہم کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ ضرور اس کا بنانے والا کوئی بڑھئی اور معمار تھا کہ جس کے ہاتھ سے یہ بنے ہیں اسی طرح مخلوقات کو غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ضرور کوئی قادر بے چون و بے چگون اس کو عدم سے ہستی میں لانے والا ہے۔ پھر اس عالم کے بے شمار انواع و اقسام ہیں **عالم مجردات** یعنی وہ چیزیں کہ جو جسم عنصری اور جسم سماوی سے بری ہیں اور ہم کو بسبب لطافت کے دکھائی نہیں دیتیں (جس طرح کہ عالم عنصری میں ہوا لطافت کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتی جیسا کہ ملائکہ اور ارواح) **عالم جسمانیات** پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ عالم علویات جیسا کہ آسمان اور آفتاب و ماہتاب اور ستارے اور عالم سفلیات۔ پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک عالم لطیفات یعنی وہ چیزیں کہ جو بسبب لطافت کے دکھائی نہیں دیتیں۔ جیسا کہ ہوا اور کرۂ آتش و دیگر بسائط کہ جو علوم جدیدہ سے ثابت ہوتے ہیں اور وہ چیزیں جن کا مادہ صرف یہ لطیف عناصر ہیں یا یہ غالب ہیں جیسا کہ جن اور شیطان اور دیگر مخلوقات الٰہی کہ جس کو ہم نہیں جانتے وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ دوسرا **عالم کثیفات** پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عالم مفردات جیسا کہ پانی اور خاک۔ عالم مرکبات پھر اس کی چار قسمیں ہیں عالم کائنات جو یعنی وہ چیزیں کہ جو زمین سے اوپر ہیں جیسا کہ ابر اور اولے اور قوس قزح وغیرہ چیزیں۔ دوم عالم جمادات یعنی پہاڑ اور دیگر معدنیات چاندی، سونا، ہیرا، بلور وغیرہ۔ سوم عالم نباتات یعنی درخت اور گھانس اور جڑی بوٹیاں۔ چہارم عالم حیوانات یعنی انسان، گدھا، گھوڑا، درند، پرند، جاندار چیز خواہ بری ہو خواہ بحری ان تینوں اخیر کو موالید ثلاثہ کہتے ہیں۔ ان سب میں عالم انسان اشرف ہے۔ بلکہ اپنے روحانی علاقہ سے تو ملائکہ سے بھی دو چار قدم آگے ہے۔ پس جب ان سب کو جمع کر کے خدا تعالیٰ نے رب العالمین کہا تو کوئی چیز اس کی تربیت اور پرورش سے خالی نہ رہی اور تربیت یہ ہے کہ درجہ بدرجہ کسی چیز کو پورا کیا جائے اور اس کے اس کمال تک کہ جو مقدر ہے پہنچایا جاوے۔ اور عالم محسوسات میں تو آپ کو بھی صدہا بلکہ ہزاروں چیزوں کا درجہ بدرجہ پورا ہونا اور تربیت پانا مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے۔ سب سے اول اشرف المخلوقات انسان ہی کو دیکھئے کہ اول غذا سے نطفہ بنتا ہے پھر عورت کے پیٹ میں علقہ اور مضغہ بن کر پورا بچہ بنتا اور باہر آتا ہے اور پھر ایک ہی بار جوان اور قوی نہیں ہو جاتا بلکہ رفتہ رفتہ اس طرح سے کہ پہلے بیٹھنے لگتا ہے پھر گھٹنیوں چلتا ہے پھر دیوار پکڑ کر کھڑا ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے ڈاڑھی مونچھ آ کر قوی جوان ہو جاتا ہے اور پھر اسی طرح منزل بمنزل بے اختیار گھٹتا جاتا ہے اور یہی حال درخت کا ہے اور یہی حال سب چیزوں کا ہے خواہ وہ ہم کو معلوم ہوں یا نہ ہوں؛

**اب میں** آپ کے روبرو ایک ایسی دلیل بیان کرتا ہوں کہ جس سے آپ کو تمام عالم کے مجموعہ کا حادث ہونا بخوبی معلوم ہو جاوے۔ **عالم** یعنی خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے سوا جو کچھ ہے یا جوہر ہے یعنی بذاتِ خود قائم جیسا کہ درخت و پتھر یا **عرض** کہ جو کسی اور میں ہو کر پایا جاتا ہے جیسا کہ رنگ سیاہی سفیدی کہ بغیر کسی جسم کے پائی نہیں جاتی اور ان میں سے ہر ایک **حادث** ہے یعنی پہلے معدوم تھا پھر موجود ہوا ہے اور جب عالم کے دونوں جزو حادث ہوئے تو مجموعہ **عالم** بھی **حادث** اور ہر حادث کے لئے ایک **محدث** یعنی پیدا کرنے والا ضرور ہے۔ کس لئے کہ جب تمام عالم حادث ہوا تو قطعاً ضروری الوجود نہیں ورنہ عدم کو قبول کرنے کے کیا معنی؟ بلکہ وجود و عدم اس کی ترازو کے دونوں پلے مساوی ہیں۔ پس کوئی مرجح یعنی اس وجودی پلہ کا جھکانے والا ضرور ہے اور وہ عالم سے الگ ہے اور عالم کے جمیع اوصاف و خصائص سے بھی اسی طرح مباین ہے کہ جس طرح اپنی ذات میں مباین ہے۔ اب رہا یہ ثبوت کہ کل اعراض حادث ہیں سو وہ یوں ہے کہ بعض کا حادث ہونا تو مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریکی چلی گئی روشنی ہو گئی اور سبز پتا سفید ہو گیا۔ اور بعض کا یوں کہ ہر عرض قابل عدم ہے اور جو

قابل عدم ہے وہ قدیم نہیں اور جو قدیم نہیں وہ حادث ہے اور کل جواہر کا حادث ہونا بھی ظاہر ہے۔ کس لئے کہ کوئی جوہر ایسا نہیں کہ جس پر کوئی نہ کوئی عرض سوار نہ ہو اور نہیں تو حرکت و سکون سے تو کوئی بھی خالی نہیں کیونکہ اگر دو آن تک ایک جگہ میں ہے تو ساکن ورنہ متحرک پس جو حوادث کا محل ہے وہ خود بھی حادث ہے ورنہ قدم حوادث لازم آوے گا۔ اس کے سوا اور صدہا دلائل اور براہین اس امر پر ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ پس جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ تمام عالم **حادث** ہے تو اس میں بھی کوئی شک نہ رہا ہوگا کہ یہ **ممکن** ہے اور ممکن تو ہر وقت اپنی ذات و صفات میں **واجب تعالیٰ** کا دست نگر رہتا ہے یعنی ہر ساعت و ہر لمحہ ہر ہر بات میں فقیر کی طرح اس کی طرف جھولی پھیلائے رہتا ہے اور وہ رحمٰن و رحیم اس میں خزانۂ غیب سے وجودات اور صفات اور کل حاجات کے ٹکڑے ڈالتا رہتا ہے تاکہ ہر وقت اس کو اس سے ارتباط و احتیاج رہے اور ایکبارگی حاصل کر کے دعوائے استقلال نہ کرنے لگے اور خدائی کا دم نہ بھرنے لگے اور اس احتیاج ہمہ وقت کے روا کرنے کو تربیت اور اس روا کرنے والے کو رب کہتے ہیں اس عمدہ مطلب کو (کہ جس پر حکماء و عقلاء دلائل و براہین لانے میں بڑی سخت مشقت اٹھاتے ہیں) کس سہل طور سے ایک لفظ رب العالمین میں بیان کر دیا کہ جس کو عالم و جاہل حکیم و فلاسفر برابر سمجھتے ہیں، اور جس کو اونٹ بکری چرانے والے عرب کے بدو بھی سمجھ کر حظ اٹھاتے تھے کیونکہ تمام عالم میں اکثر چیزوں کا مربی ہونا تو مشاہدے سے معلوم ہے اور باقی چیزوں کی نسبت عقل یہ فیصلہ کر سکتی ہے کہ جب وہ بھی ممکن ہیں تو پھر جس طرح ان کو ہر وقت احتیاج ہے ان کو بھی کوئی ترجیح کی وجہ معلوم نہیں **پس** اس لفظ رب العالمین سے چند امور ثابت ہوئے (۱) خدا تعالیٰ کی ذات مقدسہ کا اور اس کے تمام صفات کمالیہ کا ثبوت کس لئے کہ اس عالم گوناگوں کی تربیت بغیر حیات۔ قدرت۔ علم۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر۔ کلام۔ تکوین اور پھر رازقیت۔ رحمت۔ حلم وغیرہ کے نہیں ہو سکتی اور تمام حدوث اور نقصان کی باتوں سے بری ہونا۔ کیونکہ ممکن اور واجب 16

اور رب اور مربوب میں تغایر ذاتی ہے۔ پس جہالت۔ عجز۔ حدوث۔ کھانے۔ پینے۔ سونے۔ چلنے۔ پھرنے سے وہ پاک ہے۔ اسی طرح جورو بنانے۔ بچہ جنانے اور مجسم و متشکل ہونے اور کسی مکان خاص میں اور زمانے میں پائے جانے سب سے پاک ہے کیونکہ یہ باتیں مربوب کا مقتضا ہیں نہ کہ رب کا۔ (۲) یہ کہ اس کا نہ کوئی شریک ہے نہ سہیم نہ ہم جنس نہ ہم کفو نہ باپ نہ بیٹا۔ کس لئے کہ اب جو کوئی دوسرا ہوگا تو عالم میں داخل مخلوق ہوگا اور جب کہ وہ ایک عالم بلکہ کل عالموں کا رب ہے تو پھر اس کا شریک و سہیم کب ہے یہاں سے توحید کا کامل ثبوت ہو گیا۔ (۳) یہ کہ مخلوقات کو جس طرح اپنے خالق کی طرف ابتداء وجود میں احتیاج ہے۔ اسی طرح بعد وجود کے بھی ہر وقت ہر بات میں اسی کی دست نگر اور محتاج ہے، جیسا کہ لفظ تربیت بآواز بلند کہہ رہا ہے۔ پس جو مستقل ماننے اور اسباب و شرط کو مستقل بالتاثیر جانتے ہیں محض تاریکی جہالت اور وادیٔ ضلالت میں پڑے ہیں (۴) عالم بلکہ جس قدر عالم متعدد الوجود مانے جائیں ان میں سے کوئی فرد اور کوئی جز ایسا نہیں کہ اپنے کسی کمال یا کسی وصف جلال سے اس مرتبہ میں پہنچ جائے کہ وہ اس کی ہر وقت کی دست نگری سے آزاد ہو جاوے۔ پس جب خود ہر وقت محتاج ہے تو پھر اور کسی کی کیا حاجت روائی اور کار برآری کر سکتا ہے۔ پھر اس کی پرستش و عبادت اور اس سے سوال و استعانت خام خیال اور روح کے لئے وبال ہے۔ سبحان اللہ ایک لفظ رب العالمین میں اوّل اور دوسری اور تیسری اور چوتھی صورت ظلمت روح کو کس طرح سے مٹا کر کس طرح منور فرمایا ہے بلکہ اسی لفظ میں پانچویں برکت کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ جو رب العالمین ہے تو اس کو مہربان اور نہایت رحیم ہونا بھی لازم ہے ورنہ تربیت ممکن نہیں اور جب وہ مہربان اور ہر وقت تربیت کرنے والا ہے تو یہ بات خیال کر کے دل از حد اس سے محبت کرے گا اور جان سے زیادہ پیارا سمجھے گا۔ لیکن اس بات کی طرف لفظ الرحمٰن الرحیم میں اور بھی صراحت کر دی پس جو اس کو رب العالمین سمجھے گا اور پھر اس کے ساتھ ہی رحمٰن و رحیم کے معنی بھی دل پر

نقش ہوں گے تو ایک دریائے محبت جوش میں آتے گا۔ اور شعلۂ عشق بندہ کے دل میں بھڑکے گا اور جہاں عقل کے ذریعہ سے برسوں میں پہنچتا ہے وہاں عشق کی بدولت ایک لمحہ میں وصال ہوتا ہے۔ دیکھو جب بچہ اپنی ماں سے عاقلانہ طور پر سوال کرتا ہے تو وہ اُس سے اُسی دانشمندی سے پیش آتی ہے اور جب وہ اچھی میری اماں، اچھی میری اماں کہہ کر گلے سے چمٹ جاتا ہے تو پھر اُس کے دل میں بھی محبت کا بے حد جوش پیدا ہوتا ہے۔ پس یہی حال بندہ کا خدا سے ہے جب یہ ایک بار جوش محبت میں یا ربی کہتا ہے تو وہاں سے پے درپے عَبدی عَبدی کی آوازیں آتی ہیں چنانچہ خود فرماتا ہے وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ کہ میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے۔ اور فرماتا ہے مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ کہ اگر تم ایمان لاؤ اور شکریہ ادا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب کرکے کیا کرے گا۔ اور جب کہ رحمت پر زیادہ نازاں ہونا باعثِ جرأت تھا تو اس ترازو کو برابر کرنے کے لئے مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ بھی فرما دیا اور اس میں پانچویں اور چھٹی اور ساتویں آیت کی طرف اشارہ ہے کس لئے کہ انسان جب مالک یوم الدین کے منہ پر نظر رکھے گا نہ تو انکار قیامت کرے گا اور نہ عدم سزا و جزا کا قائل ہوگا نہ تناسخ کو درمیان میں لائے گا۔ اور جب اُس دن کا اُس کو مالک و مختار سمجھے گا تو مخلوق میں سے کسی چیز کو بھی اس امر میں حصہ دار نہ جانے گا نہ حضرت مسیحؑ کو نہ کسی غوث پیر و ولی و نبی کو نہ فرشتہ کو کیونکہ یہ وہ روز ہے کہ لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ جس میں خدا تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی بات بھی نہ کر سکے گا۔ اور جب خدا تعالیٰ کے روبرو جانے اور اس روز کی حکومت میں حاضر ہونے کو دل میں جما دے گا تو ادنیٰ گناہ سے بھی اُس کے دل میں لرزہ آوے گا۔ پھر شتر بے مہار ہو کر لذاتِ دنیا میں مستغرق ہونا اور فسق و فجور میں عمر کو کھونا تو کجا ایسی باتیں وہی کرتے ہیں جو قیامت سے نہیں ڈرتے اس تھوڑے سے کلام میں تمام مضامین ہدایت کو ختم کر دیا اور تین آیتوں میں بے شمار الہامی اور روح کو زندہ کرنے والی باتوں کو بھر دیا۔ اب جو کوئی اس کلام سے واقف ہو کر ان الفاظ سے خدا تعالیٰ کی ثنا و صفت کرکے اُس کو یاد کرے گا۔ بالخصوص نماز میں کہ جہاں طہارت جسمانی بھی ہے اور پھر ہر عضو سے مضمونِ محبت بھی ادا کیا جاتا ہے کبھی دست بستہ کھڑے ہو کر یہ کلام منہ سے بولتا ہے کبھی شوق میں آکر پلکوں پڑتا ہے تو اس قدر دل پر انوارِ الٰہی اور فیوض لامتناہی فائض ہوں گے کہ بیان سے باہر ہیں۔ اس مطلب کے علاوہ اور اس کلام میں جو کچھ اسرار بے شمار ہیں ہم دو ایک اسرار بطور نمونہ بیان کرتے ہیں۔

(۱) یہ کہ ہر ایک جملہ ایک دوسرے سے زنجیر کے حلقوں کی طرح مربوط ہے گویا کہ ایک دوسرے کی دلیل ہے چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (کہ تمام تعریفیں اور خوبیاں خدا تعالیٰ ہی کے لئے ہیں) یہ ایک بڑا بھاری دعویٰ ہے کہ جس کا منکر انکار کر سکتا ہے کہ بعض خوبیاں فلاں کے لئے بھی ہیں یا سرے سے ہم اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے یا ان خوبیوں کا خدا تعالیٰ کے لئے ثبوت نہیں مانتے۔ پس جب اس کے بعد رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہا تو ان تمام شکوک کو بڑی دلیل قوی سے دفع کر دیا (جیسا کہ آپ جان چکے ہیں)۔ پس جب اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہا تو گویا تمام عالم کے رب ہونے کے لئے کامل شہادت ادا کر دی کس لئے کہ تمام عالم کی پرورش اسی کا کام ہے کہ جو رحمٰن و رحیم ہے۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ تربیت باختیار خود کرتا ہے نہ کہ بمجبوری جیسا کہ حکمائے یونان سمجھتے تھے اور مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ گویا الرحمٰن الرحیم کے لئے تتمہ اور تکملہ ہے کس لئے کہ گو یا دنیا کی لاکھوں نعمتیں اور بے شمار خوبیاں کسی کو اُس کی رحمت سے حاصل ہو جائیں مگر تا بہ کے آخر غریبانہ اس ملک سے جانا اور ہر چیز کو چھوڑ جانا ہے کیونکہ یہ ترکیب[1] اجسام ایک روز منحل ہونے والی ہے۔ یہ خاک کا گھر مٹی میں ملنے والا ہے۔ ہمارے بدن کے وہ حالات کہ جو تیس برس یا چالیس برس بعد پیش آتے ہیں زبانِ حال سے یہ خبر سناتے ہیں۔ ادھر بال سفید ہونے لگے تو ادھر چہرہ کی تازگی میں فرق آنے لگا آنکھ کان بھی جواب دینے

[1] حاشیہ ۲۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

تھے۔ سب کَل پُرزے ڈھیلے ہونے لگے طبیعت اپنے کاروبار سے معطل ہونے لگی۔ ایک دن بلبلہ سا بیٹھ گیا۔ سب عیش و آرام خواب و خیال ہو گئے سب تمنّائیں جاتی رہیں۔ پس جب تک اس عالم میں سب تھا۔ اور ہر طرح کی راحت نصیب نہ ہوئی تو کچھ بھی نہ ہوا۔ پس مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہونا اُس رحمت کو کمال تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ مالک روزِ جزا وہاں یہاں سے بڑھ کر دے گا اور اس غیر متناہی زمانے میں بہت کچھ سلوک اور احسان کرے گا۔ یہ کمال رحمت ہے۔

(۲) یہ تو آپ جان ہی چکے کہ نبیؐ بندوں اور خدا تعالیٰ میں ایک واسطہ ہے کہ جو بندوں کو خدا تعالیٰ سے ملاتا اور باہم میل جول پیدا کرتا ہے۔ پس اُس کلام میں کہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اس رابطہ اور میل کے متعلق تمام باتیں اجمالاً یا تفصیلاً ہونی ضرور ہیں اور اس باہمی ارتباط اور رشتہ کا مدار چند چیزوں پر ہے۔ (اوّل) یہ کہ خدا تعالیٰ کی ذات اور جمیع صفات کا بندوں کو یقین کرا دے اور مشاہدہ سا کرکے دکھا دے نہ یہ کہ صرف بیان غیر کافی اور دعویٰ غیر شافی پر بس کرے اور یہ بات عالم و جاہل حکیم و فلاسفر سب کے حصہ میں ملی قدرِ استعداد اتم بارانِ رحمت کی طرح آوے سوائے عنادی اور ازلی کور باطنوں کے ہر شخص اس سے پورا فیض پاوے سو یہ بات اس وقت کہ جب سلسلۂ نبوت کو تمام کرنا منظور ہو از حد ضروری ہے اور یہ بڑی بھاری بات ہے بلکہ جو شخص رہنمائی کا بیڑا اٹھا دے اور سلسلۂ نبوت کا خاتم ہو اُس کے لئے معجزہ ہے اور یہ اوّل امر اس لئے ضروری ہے کہ انسان کی جبلّی عادت ہے کہ وہ غیر محسوس چیز کا مشکل سے قائل ہوتا ہے اور ذاتِ باری بھی محسوس نہیں اس لئے سینکڑوں ملحد اس وادیٔ شکوک میں سر ٹکرا کر مر گئے اور سینکڑوں کی آنکھوں پر ظلمات کے پردے پڑ گئے اور یہ مقتضیٰ جسمانی اور اثر شیطانی ہے (دوم) وہ نبی اپنے نورِ نبوت سے اس عالم کی ابتدا اور انتہا اس طرح دکھا دیوے کہ عقل کے نزدیک جس طرح اس چیز کی ابتدا، انتہا میں کہ جس کو اپنے روبرو بنتے بگڑتے دیکھا کوئی شک نہیں رہتا۔ ایسا ہی اس مجموعہ کائنات کی ابتدا، انتہا میں کوئی شک باقی نہ رہے تاکہ سوائے خدا تعالیٰ کے نہ کسی کو قابلِ عبادت سمجھے نہ کسی سے مدد مانگے نہ کسی کو الوہیت کا حصہ دار جانے اور یہاں کی چیزوں کو فانی اور نعماء دنیا اور مصائب دہر کو آنی جانی جان کر ہر حال میں اُسی کا خیال رکھے اور اپنے آپ کو مسافر تیز رو جانے کیونکہ تمام اصولِ سعادت اسی پر موقوف ہیں (سوم) یہ کہ خدا تعالیٰ سے وہ محبت پیدا کر دے کہ جو عقلِ سلیم کے نزدیک اور کسی کے ساتھ جائز نہ ہو۔ یعنی ہزار جان سے

ؔ (حاشیہ ۲) ترکیبِ اجسام کے لحاظ سے سب سے زیادہ بے بنیاد یہ نرم جسم حیوانات و نباتات ہے۔ پھر جمادات۔ اس لئے دنیا میں جس قدر جمادات کی عمر ہے وہ حیوانات و نباتات کی نہیں۔ یہ جمادات وہ ہیں کہ جو قدرتی ترکیب سے مرکب ہیں۔ جیسا کہ چاندی۔ سونا۔ ہیرا وغیرہ ورنہ ترکیب صناعی کو وہ استحکام کہاں۔ شاہجہانی عمارتیں بھی کئی سو سال بعد بگڑنے لگتی ہیں۔ ایک دوست کا مکان دیکھنے کا بعد مدت کے اتفاق ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ہر جگہ چونا جھڑ گیا دیواروں میں اِدھر اُدھر سے درزیں پڑ گئیں نہ کمرے پر وہ رونق ہے نہ کڑی تختہ کا وہ حال ہے۔ یہ دیکھ کر ترکیبِ انسان کی طرف دھیان آیا کہ اسی طرح یہ گل بھی مرجھاتا ہے اور اس خانۂ تن کا نقشہ چند روز میں کیسا بگڑ جاتا ہے ؎ صد حیف کہ گل رخاں کفن پوش شدند ۔ و ز خاطر یکدگر فراموش شدند ۔ آنانکہ بصد زبان سخن می گفتند ۔ آیا چہ شنیدند کہ خاموش شدند ۔ پھر چند احباب و اقارب کی وہ شکلیں جو ہمارے روبرو خاک میں مل گئیں آنکھوں کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور بے اختیار دل آنکھوں سے آنسو ہو کر بہنے لگا۔ ؎ مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم ۔ تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے ۔ اس بے بنیاد ہستی میں یہ کچھ غفلت اور خود مستی اور مصائب پر بے قراری اور دکھ پر آہ و زاری ؎ اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے ۔ تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے ۔ اس مضمون کو قرآن مجید نے اکثر مقام پر بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ایک جگہ گھانس کے ساتھ تشبیہ دے کر بے ثباتی بیان کی ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا الآیۃ ۱۲ منہ

دل قربان ہونے کو اُس پر آمادہ رہے کہ جس کو عشق یا حقیقی محبت کہتے ہیں۔ نہ یہ کہ صرف زبان سے یہ کہہ کر بس کرے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرو اور ایسی اور ایسی محبت کرو کیونکہ سب سے آخیر روحانی حکیم کا یہی کام نہیں کہ وہ یہ کہہ کے چلا جاوے کہ تندرستی حاصل کرو اور بیماری کو دفع کرو۔ بلکہ اپنی تدبیرِ مجستہ سے علاج کر کے مرض زائل کر دے اس لئے کہ تمام انبیاء کی تعلیم کی یہی علّتِ غائی اور مقصود اصلی ہے (چہارم) یہ کہ نیک چلنی اور تمام دینی اور دنیوی کار و بار میں راہ راست کو اختیار کرنے پر پہلے لوگوں کے اچھے بُرے حالات اور اُن کے نیک و بد نتیجہ کو یاد دلا کر خوب آمادہ کیا جاوے کہ ان کے دل میں بُری باتوں کا خوف اور نیک باتوں کا شوق پیدا ہو جائے اور جس طرح دنیاوی کار و بار کو کسی نتیجہ پر یقین کرنے سے از خود اختیار کرنے اور اُن کے بجالانے میں جو کچھ مشقت اٹھاتے ہیں اُس نتیجہ کے شوق میں اُس کو خاطر میں نہیں لاتے ہیں اسی طرح ہر عمل کا نتیجہ نیک و بد لوگوں کے روبرو ہر وقت تصویر بن کر کھڑا رہے جس سے وہ از خود نیک عمل بجالاتے اور بُرے کاموں سے بچنے میں سعی کریں۔ نہ یہ کہ فقط اسی بات پر بس کرے کہ فلاں کام کرو اور فلاں نہ کرو اور پہلے لوگوں کی کہانیاں کہہ کر قصہ خوانوں کی طرح اپنی محفل کا رنگ جماوے اور وہ نبیؐ بلا سود اپنی کتاب کو روزنامچہ یا تاریخ بناوے۔ یہ وہ چار اصل الاصول ہیں کہ جن پر عقلمند عین آنکھوں سے صاد کرتے ہیں اور جن کی خوبی کا ہر اہلِ مذہب دَم بھرتے ہیں اب دیکھئے کہ

## ان چاروں کو

خدا تعالیٰ نے کس خوبی کے ساتھ اپنے ایک تھوڑے سے کلام میں بیان کر دیا کہ جس کو ذرا بھی سمجھ ہو تو وہ بھی اس کلام مقدس پر سو جان سے ایمان لاوے۔ (اوّل) امر کو الحمد للہ رب العالمین میں مشاہدہ کرا دیا کیونکہ تمام عالم درجہ بدرجہ کمال کو پہنچتا اور اُس کا ہر جزء وقتاً فوقتاً پرورش پاتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں اور مشاہدہ بھی اس کی تائید کر رہا ہے تو اب اس تمام عالم اور مجموعہ کائنات سے علیحدہ ایک شخص کے موجود ہونے میں کہ جو مربی اور قادر اور علیم اور حکیم مرید و سمیع و بصیر رحمٰن و رحیم ہے البتہ اُس عقل کے اندھے کو شک ہوگا کہ جو کسی تخت و کرسی کو دیکھ کر اس کو بنانے والے کے وجود اور صفات صنعت و قدرت میں شک کرتا ہے ورنہ عقلمند کو تو مشاہدہ سے بڑھ کر اس بات کا یقین ہوگا۔ دیکھئے جب کوئی کسی پردہ کے پیچھے دیوار بنائے اور رفتہ رفتہ چن کر اس کو تیار کرے پس اُس دیوار کی حالت دیکھنے والے کو اُس شخص کے وجود کا ایسا ہی یقین ہوگا کہ جس طرح اُس کو عیاناً دیکھنے سے ہوتا ہے اور اس کی صفات اور اُس دیوار کے حدوث میں بھی کوئی شک باقی نہ رہے گا۔ اسی طرح جو شخص ہر چیز کو خدا تعالیٰ ہی کے ید قدرت سے پرورش پاتے اور گھٹتے بڑھتے دیکھتا ہے وہ بھی اُس کی ذات اور صفات پر اعلیٰ درجہ کا یقین رکھتا ہے اگرچہ یہاں سے بھی اُس کے صفات معلوم ہوتے تھے مگر الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین میں اور بھی کھول دیا اور مشاہدہ کرکے دکھا دیا۔ اب غور کیجئے کہ یہ بُرہان مفید ہے یا یہ کہنا کہ ابتداء میں خدا تعالیٰ نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کیا الخ جیسا کہ سب سے اوّل توراۃ میں کہا گیا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں کس لئے کہ اس کو تو وہی مانے گا جو خدا تعالیٰ کا قائل اور الہام کا بالخصوص اس کلام کا معتقد ہوگا ورنہ وہ کہہ سکتا ہے کہ جائز ہے کہ آسمان و زمین قدیم ہوں اور خدا تعالیٰ موجود نہ ہو بخلاف اس عبارتِ قرآنیہ کے کہ اس نے منکر و ملحد کے تمام شکوک و شبہات کی جڑ اکھاڑ دی اور اس بات کو اس قوی بُرہان سے ثابت کر دیا گویا مشاہدہ کرا دیا **لہٰذا** اس لئے بھی قرآن کا نازل ہونا ضروری تھا اور دیگر کتب اناجیل وغیرہ میں تو اتنا بھی نہیں جیسا کہ ہم ہر کتاب کا سرنامہ لکھ کر آپ کو ابھی دکھلاتے ہیں۔

**امرِ دوم** کو بھی اسی جملہ الحمد للہ رب العالمین سے مشاہدہ کرا دیا کس لئے کہ جب عقل نے اپنی آنکھوں سے ہر وقت عالم کو ایک غیر شخص کا محتاج دیکھ لیا کہ جو طبیب ہے اُس کو ہستی کا حصہ عطا کرتا ہے اور یہ ہر آن اس کی تربیت سے فیض اُٹھاتا ہے تو اب اس کے **حادث** ہونے اور اُس کی ابتداء اور انتہاء میں کیا شک باقی رہ گیا۔ یہ بات بھی ایسی فطری الیقین ہے کہ جیسی پہلی بات۔ اس بُرہان تربیت پر جو

شخص ذرا بھی غور کرے گا تو اپنی عقل کی دونوں آنکھوں سے جس طرح خدا تعالیٰ کو بجمیع صفات مشاہدہ کرے گا اسی طرح اس کے مربوب ومصنوع عالم کے احتیاج اور حدوث اور فنا پذیر ہونے کو دیکھ لے گا۔ ایک بڑا حکیم اور فلسفی جو فن الٰہیات میں بیشمار دلائل سے ان دونوں باتوں کو ثابت کر کے لطف اٹھاوے یا کوئی صاحب قوت روحانی اپنے مرکاشفہ اور نور نبوت سے یہاں تک پہنچ جاوے تو اس کا علم اور یقین اس امر میں اس سے زیادہ نہ ہوگا کہ جو اس کلام اور اس برہان سے فیض پانے والے کو حاصل ہے۔ توراۃ کا جملہ مذکورہ تو اس امر میں اسی نقصان پر ہے جو پہلے امر میں تھا۔ اور کتب[1] میں تو اتنا بھی نہیں یہ بھی نزول قرآن کے لئے ایک بڑی ضرورت تھی (امرِ سوم) کو الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم۔ مالک یوم الدین سے ثابت کیا بلکہ دلوں میں جما دیا۔ کس لئے کہ محبت کی دو قسم ہیں ایک **ذاتی** کہ بغیر طمع کسی نفع کے اس کی ذات سے ایک جذبِ مقناطیسی کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ دوسری **صفاتی** کہ کسی سے پہلے حقوق حال کی نعمتوں اور آیندہ کی امیدوں سے محبت کی جائے۔ پھر صفاتی کی تین قسمیں ہیں۔ ایک پہلے حقوق کے لحاظ سے دوسرے حال کی بخششوں اور نعمتوں سے تیسرے آیندہ کی بہتری اور ہر قسم کی بھلائی کی امید سے اور تمام دنیا کی محبتوں کو بھی جو آپ غور کریں گے تو وہ انھیں میں سے ایک محبت ہوگی۔ پس کسی کے دل میں محبت پیدا کرنے کی یہی صورت ہے کہ یا اس کو جلوۂ ذات دکھایا جائے یا ان تینوں صورتوں میں سے ایک کو یاد دلایا جائے بلکہ صفحۂ دل پر لکھ دیا جاوے، اور جہاں کہ جلوۂ ذات اور یہ تینوں حالات بھی سامنے کھڑے کر دیئے جائیں تو وہاں محبت کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں اس کے مقابلہ میں زبانی محبت کرنے کا حکم دینا وہ نسبت رکھتا ہے کہ جو کسی پیاسے کو برف کے شربت پلانے سے زبانی پانی پیو پانی پیو کتنا نسبت رکھتا ہے **پس** اس اہم امر کو خدا تعالیٰ نے ان تینوں جملوں سے دلوں پر نقش کر دیا اور ہر قسم کی محبت سے دل کو بھر دیا۔ الحمد للہ میں تو اپنی ذات مجمع الصفات کا جلوہ دکھا کر ذاتی محبت کا پیالہ پلا دیا اور رب العالمین میں حقوق سابقہ ولاحقہ تربیت وحاجت روائی کو یاد دلا کر شیدا بنا دیا اور الرحمٰن الرحیم سے اپنی ہمہ وقت رحمت وعنایت کا امیدوار بنا کے مفتون کر دیا اور مالک یوم الدین سے تو آخرت کی نعمائے باقیہ اور عنایاتِ غیر متناہیہ کا نقشہ دل پر جما کر اپنا دیوانہ کر دیا اور اسی لئے ایک جگہ قرآن مجید میں اس کلام پر ایمان لانے والے کی نسبت یہ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے سب چیزوں سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اور بھی کئی جگہ اسی طرح پر ارشاد ہے۔ اس وقت جو لوگوں نے الہامی کتابیں فرض کر رکھی ہیں ان میں اس اہم مسئلہ کا پتہ بھی نہیں چنانچہ ان کے سرناموں سے آپ کو معلوم ہوگا اور جو کہیں بیچ میں ذکر بھی ہے تو صرف محبت کرنا فرمایا ہے نہ محبت کا طریق بتلایا ہے نہ اس کو دلوں میں جمایا ہے اسی لئے جس قدر اس امتِ محمدیہ میں محبانِ خدا گزرے ہیں اور اب بھی ہیں اور آیندہ بھی ہوں گے کسی اور مذہب میں سو۱۰۰اں حصہ بھی نہیں کیونکہ محبت کا نتیجہ اول تو پوری پوری اطاعت ہے جیسا کہ فرمایا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ کہو کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا کہا مانو کیونکہ اطاعتِ رسول عین اطاعتِ الٰہی ہے سو یہ فرمانبرداری اور جان نثاری جس قدر اس امت میں اپنے رسول کے لئے پائی جاتی ہے اس کا بیسواں حصہ بھی کسی میں نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کی سرکشی تو ضرب المثل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ۱۲ حواری گو مطیع تھے مگر آنحضرت علیہ السلام کے صحابہؓ سے کیا نسبت جنھوں نے حضرتؐ پر اپنی جان کو تہلکہ میں ڈال کر خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے بڑے استقلال سے مقابلہ کیا۔ اور مسیح علیہ السلام کے ایک حواری[2] نے تو چند روپے لے کر ان کو دشمنوں کے پنجہ میں پھنسا دیا اور حضرت شمعون پطرس اور دیگر حواری کافور ہو گئے (جس پر عیسیٰ علیہ السلام نے سب کو بے ایمانی اور سخت دلی کا لقب عطا کیا (انجیل مرقس باب ۱۶) اور اخیر مرتبہ محبت کا یہ ہے کہ اس کے شوق میں اپنی جان اور جسم کو اس پر فدا کر کے اس کے وصال کا طالب ہو ؎ خرم آن روز کزین منزل ویراں بروم ٭ راحتِ جان طلبم وز پئے جاناں بروم ٭ در ہوائے رخ تو ذرہ صفت رقص کناں ٭ تا لبِ چشمۂ خورشید درخشاں بروم ٭ اس مرتبہ کو

[1] یہود۔ منہ

عظمتِ قرآن

زبانِ شریعت میں شہادت اور عرفِ طریقت میں **فنا فی اللہ** کہتے ہیں۔ اس محبتِ الٰہی نے اسلام میں یہاں تک ترقی کی کہ مرنے جینے کمانے پینے ہر کاروبار میں اسی کا واسطہ اور اسی کا ذکر مقدم سمجھا جاتا ہے۔

؎ کارِ ما عشق و بارِ ما عشق است ۔ حاصلِ روزگارِ ما عشق است ۔

اور شہداءؒ اور اولیاء اللہ اس اُمت میں انبیاءِ بنی اسرائیل کے ہم پلہ گزرے ہیں جن کے خرق عادات و کرامات کا ایک عالم معترف ہے۔ یہ فیض حواریوں میں رہ کر منقطع ہو گیا۔ اس امت میں قیامت تک رہے گا دوسری صدی عیسوی سے لے کر اب تک عیسائی بھی کسی سچے عیسائی کا پتہ نہیں بتلاتے کہ جس پر زہر اثر نہ کرے سانپوں کو اٹھا لے اس کا ہاتھ لگتے ہی بیمار تندرست ہو جائیں (انجیل مرقس) یہ بھی نزولِ قرآن کے لئے ایک بڑی **ضرورت تھی۔**

**واضح** ہو کہ جب انسان کے دل پر یہ تینوں باتیں خوب جلوہ گر ہو جاتی ہیں تو پھر اس کی آنکھوں میں کسی کی ہستی مستقل نہیں معلوم ہوتی چہ جائیکہ اُس سے طلبِ حاجات اور ادائے عبادات بلکہ وہ ہر کام میں خدا ہی سے استعانت چاہتا اور اُسی کی عبادت کرتا ہے اس لئے ان تینوں آیتوں کے بعد اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ بندے کے منہ سے کہلوا دیا۔ (امرِ چہارم) کو اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں واضح کر دیا۔ کیونکہ جب بندے کو ہر امر میں راہِ راست پر چلنے کی ترغیب دی اور سیدھی راہ چلنے والوں کو جو کچھ نتیجہ ملا وہ بتلا دیا اور اُس کے برخلاف افراط و تفریط کرنے والوں، راہِ راست کو چھوڑ دینے والوں کا ثمرہ غضبِ الٰہی اور گمراہی پہلوں کا حال بیان کر کے جتلا دیا تو گویا ہر کام کا نیک و بد نتیجہ دنیاوی و اُخروی آنکھوں سے دکھا دیا۔ پس جس طرح ان تینوں مضامین کی شرح قرآن مجید میں جا بجا ہے اسی طرح اس امرِ چہارم کی شرح کیلئے بھی موسیٰؑ اور فرعون اور دیگر انبیاءؑ اور ان کے اعداء کا حال بیان کر کے متنبہ کر دیا اور پھر عالمِ آخرت کے نیک و بد نتائج مختلف طور سے بیان کر کے دل کو عالمِ آخرت کے شوق اور اپنے خوف سے بھر دیا۔ چونکہ توراۃ و انجیل میں یہ بات نہیں بلکہ صرف امورِ خانہ داری کے طور پر ابتداء سے اخیر تک روزنامچہ نویسی کی ہے اس لئے اس کی اصلاح کے لئے بھی قرآن کا نازل ہونا **ضرور تھا۔** (۳) ان تینوں آیات میں رحمت اور غضب کی جیسی رعایت منصب الہام کو ضرور تھی ویسی ہی رکھی چنانچہ اس اُمتِ مرحومہ کے لئے یہ مناسب تھا کہ آثارِ غضب کی بہ نسبت اطوارِ رحمت کو زیادہ ظاہر کیا جاوے اس لئے ربّ العالمین اور الرحمٰن الرحیم دو جملے تو وہ بیان کئے کہ جن سے رحمت ٹپکتی ہے اور پھر خوف دلانے کو جیسا آٹے میں نمک مالک یوم الدین کو بھی ذکر فرما کر چوکنا کر دیا تاکہ رحمت پر مغرور ہو کر جرأت نہ پیدا ہو جائے الغرض افراط و تفریط سے کامل اجتناب کیا۔ نہ سراسر رحمت نہ بالکل غضب بلکہ مناسب مناسب یہ کمال حکمت ہے۔ (۴) مبدأ و معاد کو بھی برابر یاد دلا دیا جس طرح الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم میں آفرینش اور پرورشِ دنیا کا ذکر تھا تو اسی طرح مالک یوم الدین میں آخرت کو یاد دلا دیا (۵) ہر ایک موقع پر وہ مناسب لفظ بولا گیا کہ اگر اور لفظ بولا جاتا تو مطلب فوت ہو جاتا۔ چنانچہ الحمد للہ کی جگہ المدح والشکر میں یہ بات حاصل نہ ہوتی کیونکہ مدح غیر اختیاری کمالات پر ہوتی ہے اور یہاں خدا تعالیٰ کے کمالات کا اختیاری اور عدم اضطراری ہونا ثابت کرنا مقصود تھا کہ فلسفۂ یونان کا غلط خیال رد ہو جائے کہ یہ عالم اُس سے ایجاب (بالاضطرار) سرزد ہوا ہے اور وہ بلے اختیار ہر چیز کی پرورش کرتا ہے اور اسی طرح شکر کسی نعمت عطا کرنے پر ہوتا ہے و کمالاتِ ذاتیہ پر بخلاف حمد کے کہ وہ سب پر ہوتی ہے پس اس لئے لفظ حمد کو اختیار کیا اور اس کے ساتھ الف لام بھی ملا دیا تاکہ فائدہ استغراق کا دیوے اور ہر حمد اُسی کے لئے ثابت ہو جاوے کلامِ عرب میں الف لام اکثر اسم نکرہ پر آتا ہے اور یہ لام **چار قسم** پر ہے کس لئے کہ اگر اس سے کوئی شخص خاص مراد ہے جیسا کہ الرجل یعنی وہ آدمی تو اس کو لام **عہد خارجی** کہتے ہیں اور اگر ماہیت مراد ہے تو پھر یا صرف ماہیت بلا لحاظ تحقیق افراد ہے تو اس کو لام **جنس** کہتے ہیں جیسا کہ الرجل خیر من المرأۃ میں لام جنسِ رجل (مرد) مراد ہے اور اگر وہ ماہیت افراد میں متحقق ہونے کے لحاظ سے ہے تو یا تو کل افراد مراد ہوں گے تو اس کو لام استغراق

سکتے ہیں جیسا کہ الحمد میں کل افرادِ حمد مراد ہیں خواہ کوئی حمد کسی کی کرے سب انجام کار خدا تعالیٰ ہی کی حمد ہے کیونکہ جس کی کوئی حمد کرے گا تو کسی کمال پر کرے گا سو وہ اُسی کے ہاں سے آیا ہے۔ نوکروں کے جُود و سخا کی تعریف درحقیقت آقا کے جُود و سخا کی تعریف ہے کہ جس کے مال کو اس کی اجازت سے دیتے ہیں اور اگر کل افراد مراد نہیں بلکہ بعض غیر معین تو اس کو لام عہد ذہنی کہتے ہیں جیسا کہ کوئی شخص اپنے نوکر کو کہے اعط الرجل کہ کسی شخص کو یہ صدقہ دے آئیں جو ملے کسی کی خصوصیت نہیں۔ اسی تقسیم کے بیان کرنے میں علماء اصول اور بیان کے مختلف عنوان ہیں۔ تلویح اور مطوّل میں ملّا سعد الدین علیہ الرحمۃ نے اس کی خوب تحقیق کی ہے اور اسی طرح للّٰہ کی جگہ للغفور یا کوئی اور نام آتا تو یہ مطلب حاصل نہ ہوتا کس لئے کہ دعویٰ یہ ہے کہ کل خوبیاں خدا تعالیٰ کو ہیں سو اس کے لئے وہ اسم لانا چاہیے کہ جس میں کل خوبیاں مجتمع ہوں تاکہ اُسی دعویٰ میں دلیل پیدا ہو کر ایک عجیب لطف حاصل ہو سو اس کے لئے سوائے لفظ اللّٰہ کے کہ جو اُس ذات واجب الوجود کے لئے مقرر کیا گیا ہے کہ جس میں تمام صفات کمالیہ ہوں اور کوئی اسم صلاحیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اور اسماء صفاتیہ ہیں اُن میں خاص ایک صفت کا لحاظ ہے۔ اور اسی طرح ربّ العالمین میں ربّ کی جگہ اگر صانع اور خالق کہتے تو مقصود حاصل نہ ہوتا کس لئے کہ مقصود یہ تھا کہ ہر دہریہ اور منکر کے روبرو ذاتِ باری تعالیٰ کو ثابت کیا جائے سو یہ بات لفظ ربّ میں حاصل ہے کہ جس سے ہر چیز کا ہر وقت حادث اور محتاج ہونا دیکھ کر جلد یقین ہو جائے کہ آخر اس سلسلۂ ممکنات کا ہر وقت پرورش کرنے والا ضرور کوئی واجب الوجود جامع الصفات ہے ورنہ اگر یہ چیزیں خود بخود ہوتیں تو پھر ان کے وجود کی باگ کون روکنے والا ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر ہر چیز عطا کرتا اور تدریجاً میدانِ ہستی میں آنے دیتا ہے کیوں یکبارگی نہ ہو گئی۔ بخلاف لفظ خالق و صانع کے کہ ان میں یہ بات حاصل نہیں اور اسی لئے خدا تعالیٰ کے ثبوت وجود کے لئے اس برہان تربیت سے کوئی دلیل بڑھ کر کیا برابر بھی نہیں اگر اسی طرح عالمین کی جگہ لفظ مفرد عالم لاتے اور ربّ العالم کہتے تو

وہ مدعا کہ جو ہم نے بیان کیا حاصل نہ ہوتا کیونکہ گو حکمائے یونان اور زردشتیوں اور کیومرثیوں اور قدمائے ہنود اور بہت سے لوگوں کا یہ عقیدہ غلط ہے (کہ ہر نوع کے لئے ایک رب ہے کہ جس کا بُت بنا کر اب تک ہندوستان میں پوجتے ہیں اور جہلائے عرب نے بھی ہر کام کا ایک حاجت روا بنا کر سینکڑوں بُت کعبے میں اور دیگر مقامات میں رکھ چھوڑے تھے) مگر ان کے مقابلہ میں خدا کو ربّ العالم کہنا نفی شرک اور بُت پرستی مٹانے کے لئے چنداں مؤثر نہ ہوتا اور جب ربّ العالمین کہا تو سب کو خدا تعالیٰ کی بے نہایت قدرت و حکمت بتلا کر اور سب معبودوں پر فوقیت مشاہدہ کرا کر خوابِ غفلت سے جگا دیا کہ اے نادانو! ذرا یہ تو جانو کہ اوّل تو جس کو تم جس چیز کے لئے رب قرار دیتے ہو وہ بھی ربِ حقیقی نہیں نہ باپ بیٹے کے لئے نہ ماں اولاد کے لئے نہ بادشاہ رعیت کے لئے نہ ارواح نہ ملائکہ نہ ستارے نہ چاند نہ سورج نہ جوالا مکھی آگ کا مالک ہے نہ بھیروں کا کچھ پانی پر اختیار ہے، علیٰ ہٰذا القیاس اور اگر یہ بھی فرض کیا جاوے تو پھر سب کا رب کون ہے اور تمام عناصر و اجسام اور علویات و سفلیات آسمان و زمین کس کے قبضہ میں ہیں۔ سو وہ حقیقی رب ہے عبادت اور استعانت اُسی کا حصہ ہے درحقیقت انسان جب تربیت کے مضمون کو خیال کرکے اور جو جو چیزیں ایک ادنیٰ چیز کی تربیت میں درکار ہیں ان کو سوچے گا تو یقیناً یہ کہہ اُٹھے گا کہ ایک نوع کا رب رب نہیں کس لئے کہ تربیت اور پرورش ایک نوع کی بغیر اس کے کہ اس کو جمیع انواع پر اختیار کلی ہو ممکن نہیں ذرا انسان کی پرورش میں صرف روٹی ہی کو خیال کر لیجئے کہ اس کے لئے آفتاب کی حرارت اور ماہتاب کی برودت اور بارش اور ہوا اور زمین کی صلاحیت وغیرہ وغیرہ کتنی چیزیں درکار ہیں سو وہ کل ایک رب النوع کے بس کی نہیں۔ پس وہ رب النوع ایک روٹی حاصل کرنے پر تو قادر ہی نہیں اور جمیع امور میں تو کیا خاک تربیت و پرورش کرے گا اب یہاں سے ہنود وغیرہ ان مذاہب کی حقیقت اور ان کے پیشواؤں کی عقل کی تیزی اور صفائی تو آپ کو بخوبی معلوم ہو گئی ہو گی کہ جنہوں نے عناصر اور کواکب پرستی کو طریق نجات ٹھہرا دیا اور دساتیر اور ویدوں اور پرانوں کو انہیں لغویات سے بھر دیا جو اللہ کو رب

العالمین جانے گا وہ تو ان سب باتوں کو اور پھر ان سب طریقوں کے پابند ہوکر ریاضت کرنے اور ترک گوشت کرنے اور غیر قوموں کے پانی کھانے سے بچنے کو مدار نجات یا مکتی کا باعث جاننے والے کو تو کس درجے کے جہل مرکب میں گرفتار جان کر اس پر تأسف کرے گا۔ پادری صاحب دیکھئے قرآن کے ایک لفظ نے کس قدر جنمی اندھوں کو بینا اور مرض مہلک کے بیماروں کو تندرست کردیا اور کس قدر مُردہ روحوں کو زندہ کردیا تمہارے تمام اناجیل و توراۃ اور قرآن کا یہ لفظ ذرا دونوں کو دو پلّوں میں رکھ کر تولو اور پھر انصاف سے بولو۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو دو چار بیماروں اور دو ایک مُردوں اور دو ایک اندھوں کو معجزہ دکھا کر تندرست اور زندہ کیا اور وہ تندرستی و زندگی بخشی تھی کہ جو جسم فانی سے متعلق تھی اور اخیر نبی سید المرسلین علیہ السلام کے تو ایک لفظ نے حیاتِ ابدی اور صحتِ روحانی بخشی ہے اب دیکھئے کونسا معجزہ بڑھ کر ہے؟ ؎ کیا اک لفظ سے عالم کو زندہ ؏ یہ ایک ادنیٰ ہے فیضانِ محمدؐ ؏ لبوں میں آپ کے کیا ہی اثر ہے ؏ مسیحا بھی ہیں قربانِ محمدؐ ؏ اور اسی طرح الرحمٰن الرحیم کی جگہ اگر کوئی اور لفظ بولا جاتا تو وہ لطف کہ جو ہم نے ان دونوں لفظوں کی تفسیر میں بیان کیا ہے حاصل نہ ہوتا۔ اور اسی طرح اگر رحیم کو پہلے اور رحمٰن کو پیچھے لاتے تو وہ بات فوت ہوجاتی اور اسی طرح مالک یوم الدین میں اگر لفظ مالک کی جگہ حاکم کہتے تو یہ بات حاصل نہ ہوتی کس لئے کہ کسی چیز کا مالک ہونا اُس پر کلیۃً اختیارات کو ہاتھ میں لاتا ہے بخلاف حاکم کے کہ اُسے اپنے محکوم پر ایک اختیار خاص کے سوا اور کوئی اختیار نہیں ہوتا پس مالک خاص اور حاکم عام ہے اور خاص میں عام بھی آجاتا ہے اور اسی لئے جو مالک کو ملک پڑھتے ہیں اُن کے قول کو مرجوح ٹھیرایا جاتا ہے اگر مالک کے بعد لفظ یوم نہ لاتے بلکہ ملک الدین کہتے تو یہ مقصود اعظم کہ جو قیامت کا ثابت کرنا ہے حاصل نہ ہوتا کس لئے کہ دین (دان یدین سے) جزاء کو کہتے ہیں۔ عرب بولتے ہیں کما تدین تدان کہ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ پس یہ جزاء ہر وقت نہیں ہوتی بلکہ خواہ جزاء دنیاوی ہو خواہ اُخروی اس کا ایک وقت ہوتا ہے اور یوم سے مراد بھی یہاں مطلق وقت ہے اگر یہاں لفظ یوم ذکر نہ کرتے تو جزاء کا موقت ہونا نہ سمجھا جاتا تو ہر وقت جزا نہ پانے سے خواہ مخواہ بہت سے کج رو لوگوں کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی عدالت میں شبہ آتا اور اپنے افعالِ نیک پر اُسی وقت نیک نتیجہ مرتب نہ ہونے سے نیکی کرنے والا مایوس اور بدکام کا برا نتیجہ اُسی وقت نہ پانے سے شریر اور دلیر ہوجاتا۔ پس جب یوم کہا تو دونوں کو آگاہ کردیا اور جزاء کامل کے وقت (قیامت) کو مبہم کرکے دل کو خوف و امید سے بھر دیا اور یہ بات قانونِ نبوت کے لئے اصل الاصول ہے۔

(۶) یہ کہ اس کلام میں جو خدا تعالیٰ نے اپنے بندے کو حمد کرنے سے تعریف کا راستہ بتایا تو اس کلام کے ساتھ حمد کرنی بھی بتلائی کہ جس سے ہر طرح کی تاریکی روحانی (خواہ اعتقاد سے متعلق ہو خواہ عمل سے) زائل ہوتی ہے اور پھر اس حمد کو تین اوصاف پر قائم کیا۔ اوّل یہ کہ حمد اُس ذات کے لئے ہے کہ جو تمام جہان کا پرورش کرنے والا ہے۔ دوم یہ کہ وہ نہایت مہربان اور رحیم ہے۔ سوم یہ کہ وہ یوم جزاء کا مالک ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ جس میں یہ تین وصف نہ پائے جائیں وہ ہر قسم کی حمد کا مستحق نہیں اور جب حمد کا مستحق نہیں تو پھر عبادت اور استعا

؎١ چونکہ دین پر جزا ملتی ہے اس لئے اس کو دین کہتے ہیں اور اس کو اس لحاظ سے کہ وہ ایک راہ خدا کی ہے اس پر خلق کو چلنا چاہیے مذہب اور شریعت کہتے ہیں اور چونکہ وہ لکھنے کے قابل ہوتا ہے اس لحاظ سے اس کو ملت کہتے ہیں۔ بات ایک ہے مگر ہر اعتبار سے ایک جُدا نام ہے۔ منہ ؎٢ اس نبی اخیر کی تعلیم خدا سے ملانے میں اپنا نظیر نہیں رکھتی جو بات پہلی امتوں کو ساری عمر میں نصیب ہوتی تھی اس امت میں اوّل بار حاصل ہوتی ہے ؎ اول ما آخر ہر منتہی است ؏ آخر ما جیب تمنا تہی است ؏ اور اسی لئے پہلی کتابوں کی طرف حاجت نہ رہی۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے حضرت عمرؓ کو فرمایا تھا کہ تم کو موسیٰؑ کی کتاب کی کیا ضرورت ہے واللہ اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو میرا ہی اتباع کرتے (بخاری) ان ہی روح افزا باتوں سے تخمیناً بتیس ۳۲ برس میں شرقاً غرباً روئے زمین پر دین محمدی ابر رحمت کی طرح پھیل گیا بھلا یہ بات تلوار کے زور سے کہیں نصیب ہوتی ہے؟ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دینِ محمدی تلوار کے زور سے دنیا میں پھیلا وہ اپنے تعصب بے جا سے اسلام کے نورانی چہرہ پر دھبہ لگانا چاہتے ہیں۔ منہ

کا تو کیا استحقاق ہے۔ پس اسی لئے اس کلام کے بعد وہ کلام ذکر کیا کہ جو اس کا نتیجہ ہے یعنی :

**اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ○**

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے (ہر کام میں) مدد مانگتے ہیں۔

## ترکیب

نعبد فعل اور ضمیر نحن فاعل۔ ایاک مفعول ہے کہ جو تخصیص کے لئے مقدم کر دیا گیا ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ واؤ حرف عطف نستعین فعل با فاعل ایاک مفعول مقدم برائے تخصیص فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا جملہ سابقہ پر۔

## تفسیر

بندہ جب کہ اس کی حمد ان اوصاف کے ساتھ کر چکا کہ جن کی تجلی نے خدا تعالیٰ کی ہستی اور صفات کمالیہ کا وہ نقشہ اس کے دل پر جما دیا کہ اس کے سوائے پھر اور کوئی نظروں میں نہ سمایا تو اس شوقِ غائبانہ نے اس کو بارگاہِ حضور تک پہنچایا پس جیسا کہ وہ ابتداء میں خدا تعالیٰ کو بن دیکھے اس کے صفاتِ مخصوصہ سے یاد کر کے دلشاد کرتا تھا اسی طرح اب اس کے روبرو ہو کر یہ کہنے لگا کہ اے میرے معبود! میں تجھ پر سے قربان تیرے سوا کون ہے میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھ ہی سے ہر کام میں مدد مانگتا ہوں۔ آپ کو اس آیت کا پہلی آیتوں سے **ربط** معلوم ہو گیا کہ یہ ان دلائل کا نتیجہ اور اس تعلیم کا ثمرہ ہے اور غائبانہ سے حاضر ہو کر کلام کرنے کا ستر بھی منکشف ہو گیا ہوگا۔ مگر اس کلام کے اسرار و معانی بیان کرنے باقی ہیں سو بیشتر ہم معانی بیان کرتے ہیں۔

**عبادت** نہایت درجہ کی عاجزی و انکساری ہے کہ جو کسی کی تعظیم کے لئے عمل میں آوے اور یہ عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے طریق معبد ای مذلل اس رستہ کو عرب معبد کہتے تھے کہ جس پر کثرت سے لوگ چلتے ہوں اور وہ پاؤں میں روندا جائے پس اسی سے عبادت ہے کہ عابد اپنے معبود کے آگے بچھا جاتا ہے۔ عبادت دو قسم پر ہے اول وہ کہ جو ظاہر اعضاء بدن سے متعلق ہو۔ دوم وہ کہ جو قوائے باطنیہ سے علاقہ رکھتی ہو۔ پھر اول کی دو قسمیں ہیں **بدنی** اور **مالی** پھر بدنی کی دو قسمیں ہیں **ایک** یہ کہ کوئی فعل تعظیماً عمل میں آوے جیسا کہ سجدہ کرنا، رکوع کرنا جس کو نماز کہتے ہیں اور اس کا نام زبان سے تبرکاً لینا اس کی تسبیح و تقدیس کرنا اس کے کلام کو تبرکاً پڑھنا اس کے ان مقدس مقامات میں تبرکاً جانا کہ جہاں اس کے برابر کے نشانات و جلوہ برکات ہوں جیسا کہ **حج** و طواف و سعی وغیرہ۔ مصائب و حاجات وغیرہ میں اس کو پکارنا اس کے نام کی دہائی دینا دعاء مانگنا۔ **دوم** اس کے خوف اور ادب سے کسی کام کو عمل میں نہ لانا جیسا کہ جماع و اکل و شرب کہ جو نفس کے نزدیک نہایت مرغوب ہیں اس کے لئے ترک کرنا جس کو شرع میں **صوم** یعنے روزہ کہتے ہیں۔ اور جیسا کہ مقاماتِ متبرکہ میں شکار نہ کھیلنا، وہاں کے درخت نہ کاٹنا جیسا کہ حرم اور احرام میں اور مالی عبادت اس کے نام پر کچھ دینا جیسا کہ **زکوٰۃ** اور **صدقہ** اور جو قوائے باطنیہ سے متعلق ہیں وہ بھی چند قسم ہیں۔ اس کے آیات اور عجائب قدرت میں غور و فکر کرنا اس سے دلی اور حقیقی **محبت** رکھنا اس کی دل سے نہایت تعظیم اور عظمت کرنا اذکار **روح** اور **نفس** اور **قلب** اور **خفی** اور **سر** بھی اسی قسم میں داخل ہیں کہ جن کو اربابِ طریقت عمل میں لا کر **قدسی** ہو جاتے ہیں یہ اصول ہیں باقی ان کے فروع اور اسباب و شروط بے شمار ہیں۔

**پس** جب اس کے روبرو حاضر ہو کر بندے نے یہ کہا کہ ایاک نعبد کہ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے اور آئندہ کریں گے تو اقرار کر لیا کہ یہ امور خاص تیرے ہی لئے عمل میں لاویں گے اور کسی کو شریک نہ کریں گے اب غور کرو کہ ایک تو بندے کو یہ حکم دینا کہ تو بت کو سجدہ نہ کیجیو کسی تصویر کو نہ پوجیو جیسا کہ توراۃ میں مذکور ہے۔ اور ایک یہ کہ ان دلائل کا پَر تو ڈال کر کہ جو پہلے تین آیتوں میں مذکور ہوئیں بندے کے منہ سے یہ اقرار کرا دینا دونوں میں کون زیادہ اثر رکھتا ہے۔ چونکہ پہلی کتابیں اس امر میں قاصر تھیں اس لئے نزولِ **قرآن** کی ضرورت ہوئی اور جس طرح ردِ شرک میں یہ کلام بے نظیر ہے اسی طرح ہر قسم کی بندگی اور عبادتِ الٰہی کی ترغیب میں اپنا مثل نہیں رکھتا۔ کیونکہ ایک تو یہ

ہنا کر تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی سے اُس کی بندگی کر (توراۃ سفر استثنا) اور ایک اُن دلائل سے کہ جو پہلے مذکور ہوئے بندہ کی آنکھوں میں اور کسی کو قابلِ عبادت نہ رکھ کر اور اپنی رحمت اور پرورش یاد دلاکر خود اُس کے مُنہ سے یہ اقرار کروانا۔ ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اسی طرح یہ آیت محبتِ الٰہی پیدا کرنے میں بھی بے مثل ہے توراۃ میں تو صرف یہی ہے کہ تُو اپنے سارے زور سے اپنے خداوند کو دوست رکھ (استثناء) وہاں نہ محبت کا طریق بتلایا نہ وجوہاتِ محبت ذکر کئے۔ اور اس جگہ دونوں باتیں ہیں کس لئے کہ وجوہاتِ محبت تو (پرورش کرنا ہر طرح کی حاجات کا روا کرنا بعد مرنے کے آرام و راحت پہنچانا) اوّل کی تینوں آیتوں میں ذکر ہو چکے اور یہاں طریقِ محبت بتلادیا کہ اُس کی عبادت کرو ورنہ اس کے سوا محبت کا اور کیا طور ہے؟ کیا کسی لکڑی اور بُت کو گلے لگا کر پیار کرے؟

## واضح ہو

کہ دنیا میں جو لوگ وہم اور خیالاتِ فاسدہ کی پابندی سے جن خیالی معبودوں کی پرستش کرتے ہیں اُن کی چند قسمیں ہیں کیونکہ بعض تو جسمانی چیزوں کو شریکِ عبادت کرتے ہیں اور بعض غیر جسمانی چیزوں کو اوّل اعنی جسمانی چیزوں کی دو قسم ہیں ایک جسم سفلی اور دوسرا جسم علوی پھر وہ معبود کہ جو جسم سفلی ہیں اُن کی بھی دو قسم ہیں۔ **بسیط** اور **مرکب** بسائط جیسا کہ آگ اور پانی اور ہوا۔ چنانچہ ان چیزوں کی اب تک **ہنود** اور **مجوس** پرستش کرتے ہیں اور دساتیر اور وید اور پرانوں میں مذکور ہے اور پھر وہ معبود کہ جو اجسام مرکب ہیں ان کی بھی چند قسمیں ہیں **معدنیات**۔ پتھر۔ چاندی۔ سونا۔ تانبا۔ پیتل۔ چنانچہ ان چیزوں کی بھی اب تک اہلِ ہند پرستش کرتے ہیں اور **درخت** وغیرہ نباتات چنانچہ پیپل کو اب تک ہندو پوجتے ہیں اور اُس کے کاٹنے کو بڑا گناہ جانتے ہیں اور **حیوانات** چنانچہ گائے اور بیل اور سانپ وغیرہ جانوروں کو ہندو اب تک پوجتے رہیں اور اُن کے ذبح کرنے اور مار ڈالنے کو بڑا گناہ جانتے ہیں

اور **انسان** چنانچہ راجہ رامچندر اور کرشن اور مہادیو اور بشن وغیرہم بہت سے انسانوں کو اب تک معبود جانتے اور اُن کے نام کی خیالی صورتیں پتھر وغیرہ کی بنا کے مندروں میں رکھتے ہیں اور اُن کے آگے گا بجا کر اور بھوگ لگا کر پُوجا کرتے اور سجدہ کرتے ہیں اور اُن سے حاجات طلب کرتے ہیں اور اسی طرح عیسائی حضرت عیسٰی علیہ السلام کو معبود جانتے ہیں اور بعض بیوقوف یہود حضرت عُزیر علیہ السلام کو بھی خدا کا بیٹا کہتے تھے اور وہ معبود باطل کہ جو اجسام علویہ ہیں اُن کی بھی کئی قسم ہیں **آفتاب۔ ماہتاب۔ ستارے**۔ چنانچہ ان کو بھی ہنود اور مجوس اب تک پوجتے ہیں۔ دساتیر میں ہر ایک ستارے اور آفتاب و ماہتاب کی تسبیح اور پرستش کا طریق مندرج ہے اور وید اور پرانوں میں بھی بہت سے دیوتاؤں اور سورج دیوتا کی پُوجا کے طریق مندرج ہیں اور گایتری منتر بھی ہندو اس کی پُوجا کرنے میں بڑے اعتقاد سے پڑھتے ہیں۔ جس میں آفتاب کی بڑی مدح ہے اور بعض تو ایسے دہرما تما ہیں کہ جب تک سُورج دیوتا کے درشن نہیں کرتے اَن جل کے پاس نہیں جاتے اور **آسمان** چنانچہ بہت سے جُہلاءِ عرب اور مجوس آسمان کو ہر بات کا خالق سمجھتے تھے اور جب ایران میں آکر اہلِ اسلام آباد ہوئے تو اُن کی اولاد میں بعض پر مجوس کا خیال قدرے مؤثر ہوا اور اپنے اشعار میں آسمان کو مخاطب کرنے لگے اور پھر جب اردو میں شعر نے جنم لیا تو انھیں ایرانیوں کی تقلید سے یہاں کے شعراء بھی بجائے آسمان کے پیچھے پڑ گئے اور سارے گلے شکوے ناکامیابی کے اسی کے سر لگا کر دشنام دینا ضروری سمجھنے لگے اور جو اجسام نہیں تو اُن کی بھی چند قسم ہیں ایک قسم نور و ظلمت اعنی چاندنا اور اندھیرا چنانچہ فرقۂ ثنویہ اور ثنویہ کہ جو مجوس ہیں اندھیرے اور چاندنے کو مدبرِ عالم جان کر پوجتے اور خدا سمجھتے ہیں۔ دوسری قسم **ارواح** چنانچہ ایک قوم کا عرب میں یہی عقیدہ تھا کہ ملائکہ ارواح فلکیہ ہیں اور ہر فلک کے لئے ارواح فلکیہ میں سے ایک روح مدبر اور کارکن ہے اور اسی طرح اس عالم میں سے ہر نوع کے لئے ایک روح مدبر اور رب ہے سو یہ لوگ ہر روح کی ایک خیالی صورت پتھر یا پیتل کی بنا کر پُوجتے تھے

چنانچہ ہنود بھی اب تک یہی کرتے ہیں اور ایک قسم خیر و شر ہے۔ چنانچہ مجوس میں سے ایک گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اس عالم کے دو[1] خدا ہیں اور وہ دونوں بھائی ہیں ایک یزدان جو خیر ہے اور تمام اچھی باتیں وہی کرتا ہے اور ایک اہرمن کہ جو شر ہے اور تمام بُری باتیں وہی کرتا ہے۔ اگرچہ پادری موحد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر باہمی مناظرات سے بھی اور اُن کی بعض کتابوں سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ شر کا خالق خدا تعالیٰ نہیں گو اہرمن کے قائل نہ ہوں مگر اس کی جگہ دوسرا مستقل خدا انسان کو مانتے ہیں حالانکہ ہم نے اُن کو سمجھایا بھی کہ خالق ہونا اور چیز ہے اور کاسب ہونا اور چیز۔ خدا خالق ہے اور بندہ کاسب اور اُس فعل کے ساتھ کاسب متصف ہوتا ہے نہ خالق۔ دیکھو سیاہی بنانے والے کو سیاہ نہیں کہتے بلکہ اُس کو کہ جس کے بدن پر لگی ہو لیکن ان کی سمجھ میں یہ باریک بات نہیں آئی اور اسی لئے اہلِ اسلام میں سے بھی بعض لوگ کہ جن کو قدریہ یا **معتزلہ** کہتے ہیں یہی کہ شر کا خالق بندے کو قرار دیتے ہیں۔ جس سے عالم کے لئے دو مستقل خالق ماننے پڑتے ہیں و فساد کا **وَمَا لَا یَخْفٰی**۔ پس یہ تمام گروہ اُن چیزوں کو نفع کی امید اور بُرائی کے ڈر سے پوجتے تھے اور اب بھی پوجتے ہیں اور جو کسی کی عبادت یا طاعت کرتا ہے تو انہیں دونوں باتوں سے کرتا ہے اور جو ذاتی عبادت کرتے ہیں تو وہ بہت ہی کم ہیں اور حکمتِ نبوت کے لئے پُر ضرور ہے کہ وہ اس خراب عقیدہ کو مٹا دے بالخصوص اُس نبی کے لئے جو تمام عالم کا نبی ہو اور اُس وقت تمام عالم میں انہی خیالاتِ فاسدہ کی اندھیریاں ہر طرف سے محیط ہوں اور اس گمراہی نے تمام عالم کو تاریک کر رکھا ہو اور اس خیالِ فاسد کے مٹانے کے لئے تنہا معجزات کافی نہیں کس لئے کہ کچھ عجب نہیں کہ اس نبی کو بھی ان معجزات و کرامات سے منجملہ اور معبودوں کے ایک معبود سمجھ بیٹھیں۔ مطلب برعکس ہو جائے جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو خدا سمجھ لیا اور اُس کا بیٹا بنا دیا بلکہ کسی کو ان قوی سے ان تمام چیزوں کا بلکہ مجموعہ عالم کا اور جس قدر عالم

زمین کے جا دیں اُن سب کا محتاج اور حادث ہونا اور ان کے سب کمالات بلکہ اُن کی حیات کا مستعار ہونا دکھایا جاوے اور کسی مالک و مختار قادر علیم و رحیم کا ہر وقت دست نگر ہونا مشاہدہ کرا دیا جائے تاکہ پھر اور کسی چیز کو استحقاقِ عبادت عقلِ سلیم کے نزدیک نہ رہے اور نہ کسی سے مدد مانگنے کی حاجت پڑے اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں ایسا ہی کر دیا کہ اوّل تینوں آیتوں میں تمام عالم کا محتاج ہونا اور اپنا ہر طرح قادر و رحیم و کریم ہونا ثابت کر کے بندے کے دل پر وہ تجلّی ذاتی کی ہر چیز اُس کی نظروں میں گر گئی اور خدا اللہ ہی کی عبادت و استعانت کا اقرار کرنا پڑا پس ان تینوں آیتوں کے بعد ایاک نعبد نے تمام جہان کے جھوٹے معبودوں کی خدائی چھین کر کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کو براہینِ قطعی سے ثابت کر دیا۔

**استعانت**۔ معونت (مدد) کا طلب کرنا استعانت کے اصول چار ہیں (اوّل) دل میں کسی کام کا ارادہ پیدا کرنا اور اس کی خوبی اور نتیجہ کا حُسن دل پر منقش کر دینا کہ جس کی وجہ سے انسان اس کی طلب میں سرگرم ہوتا ہے (۲) اُس کام کے آلات و اسباب اور سب ساز و سامان بہم پہنچا دینا۔ پھر اس ساز و سامان کی دو قسم ہیں۔ ایک ضروری کہ جس کے بغیر کام تمام نہ ہو۔ بلا لحاظ سہولت۔ دوسرے زائد از ضروری کہ جس سے بآسانی وہ کام تمام ہو جائے۔ مثلاً ایک تو صرف پیٹ بھر دینا خواہ عمدہ غذا ہو یا بُری دوسرے یہ کہ عمدہ غذا سے پیٹ بھرنا۔ پس اس قسم اوّل کے ساز و سامان کو **قدرتِ ممکنہ** اور دوسری کو **قدرتِ میسرہ** کہتے ہیں اور استطاعت بھی اسی کو کہتے ہیں پھر یہ ساز و سامان بیشمار ہیں سلامت حواسِ ظاہرہ و باطنہ اور خارجی اسباب کا بہم پہنچانا، وغیر ذٰلک۔ (۳) ارتفاعِ موانع۔ یعنی اس کار میں جو چیزیں خلل انداز ہیں (خواہ اُس کام میں یا اُس کی حُسن و خوبی میں) اُن کو دفع کرنا۔ کس لئے کہ گو کسی کام کا ارادہ دل میں مُصمّم ہو اور اُس کے سب سامان بھی بہم پہنچیں مگر تا وقتیکہ اس کی حارج اور خلل انداز اور مانع آنے والی چیزوں کو دور نہ کیا جاوے وہ کام کبھی انجام کو نہیں پہنچے گا۔

[1] آمیدہ کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ منہ رح

(۴) اُس کام پر غرض کا مرتب ہونا کیونکہ گو ایک گروہ کی یہ رائے ہے (کہ جب دونوں چیزیں ہوں گی یعنی ساز و سامان اور ارتفاع موانع ہوگا تو خواہ مخواہ اس فعل کا نتیجہ یا غرض پیدا ہوگی) مگر ہم خدائے تعالیٰ کو قادرِ مطلق مان چکے ہیں۔ ہرچند اُس کی عادت یوں ہی جاری ہے کہ وہ ان دونوں باتوں کے بعد اثر کو فعل پر مرتب کرتا ہے لیکن وہ قادر ہے چاہے تو نہ ہونے دے چنانچہ جس طرح کبھی کبھی اپنا ید قدرت دکھانے کو بغیر سامان و اسباب کے اثر مرتب کر دیتا ہے اسی طرح کا ہے اسباب پائے جانے اور موانع نہ ہونے پر بھی اثر کو مرتب نہیں ہونے دیتا۔ کبھی آگ نہیں جلاتی پانی سے سیرابی نہیں حاصل ہوتی۔ بے لشکروں کے فوجوں کو ہزیمت دیدیتا ہے بے ساز و سامان غیب سے کام کر دیتا ہے اس کو ہم **خرقِ عادات** کہتے ہیں جو اپنے خدا کو عاجز کہے اور اس کا انکار کرے ہمیں اس سے کیا؟ مگر ہمارا خدا تعالیٰ قادر ہے اس چوتھی قسم کو **برکت** بھی کہتے ہیں پس جن کاموں پر اثر مرتب نہیں ہوتا یا حسب دلخواہ نہیں ہوتا تو وہاں کہتے ہیں کہ اس میں برکت نہ ہوئی اور اسی لئے ہر کار و بار میں خدا اللہ کا نام لینا اس برکت کے لئے طریقہ اسلام قرار پا گیا پس جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سامان کا بہم پہنچنا کافی ہے وہ اپنے زعم فاسد میں اپنی احتیاج کا سلسلہ خدا تعالیٰ سے منقطع جانتے ہیں اس لئے نہ وہ برکت کے قائل ہیں نہ ہر کام میں اُس کا نام لینا سودمند سمجھتے ہیں جیسا کہ اکثر اہلِ یورپ اور انکے مقلد نیچری خدا تعالیٰ ان کو اس گمراہی سے نجات دے پس یہ جس قدر معونت ہیں سب خدا ہی کے خزانۂ غیب سے عطا ہوتے ہیں کیونکہ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اُس کے دامنِ تربیت تلے محتاجانہ پرورش پاتا ہے وہ خود محتاج ہیں اُن کی ہستی بھی گھر کی نہیں چہ جائیکہ اور کمالات اُن سے اور کوئی کیا خاک مدد مانگے سو جو خود محتاج ہو دے دوسرے کا۔ بھلا اُس سے مدد کا مانگنا کیا؛ وہ لوگ کہ جو مخلوق پرستی کرتے ہیں۔ جیسا کہ معنی عبادت میں بیان ہوا وہ ان معبودوں سے حاجات بھی طلب کرتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے لفظ ایاک مقدم کر کے جب بندہ کے مُنہ سے حالتِ مشاہدہ میں یہ اقرار کرایا کہ ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو ان تمام غلط مذاہب کو مٹا دیا اور راہِ توحید دکھا دیا اس مسئلہ کو بھی حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام نے لوگوں کے دلوں پر ایسا مدلل کر کے بٹھلا دیا کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں۔ اس لئے اس نبی علیہ السلام کا پیرو ہر جگہ موحد کے لقب سے ممتاز ہے۔ **سوال** بلاشک جو قومیں کہ مخلوق پرستی کرتی ہیں خواہ اُس مخلوق کو اس کا مظہر بنا کر پوجیں یا جہت قبلہ کی توجیہ کریں جو کچھ ہو بہرحال صریح گمراہی میں ہیں مگر ہندوستان کے بعض مسلمان بھی تو اس سے بَری نہیں۔ دیکھئے کوئی تعزیہ پوجتا ہے، کوئی کسی قبر کو سجدہ کرتا ہے، کوئی طاق بھرتا ہے۔ الغرض جس طرح ہندو کرتے ہیں اسی طرح یہ بھی کرتے ہیں صرف یہ فرق ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کو پوجتے ہیں اور یہ اپنے بزرگوں کو۔ **جواب** اس سے اسلام پر کوئی عیب نہیں لگتا۔ کیونکہ اسلام نے ان باتوں کی ممانعت کر دی ہے جو کرے گا وہ عدالتِ اسلام کا مجرم ہوگا۔ پس خالص مسلمان تو ان باتوں کے پاس بھی نہیں جاتے، ہاں صحبتِ ہنود سے اگر بعض جُہلا۔ ایسا کرتے ہوں تو بُرا کرتے ہیں۔ دیکھو زنا کو شرع نے حرام کر دیا اب جو کوئی مسلمان اس کا مرتکب ہو تو اس سے اسلام پر کچھ عیب نہیں لگتا۔ یہ اُس شخص کی بُرائی ہے۔

## اسرار

(۱) یہ کہ لفظ ایّاک کو جو ضمیر منصوب منفصل ہے لفظ نعبدُ سے مقدم کیا چند حکمتوں کے لئے (اوّل) یہ کہ عبادت بندہ کی طرف سے اس شاہنشاہِ حقیقی کے لئے ایک ہدیہ یا نذرانہ ہے پس اس کا مقتضا۔ یہ ہے کہ اس نذرانے سے بیشتر جس کے لئے نذرانہ ہے اس کا وجود اور اُس کا جلال آنکھوں میں سما جائے کیونکہ جب تک بادشاہ قائم اور اُس کا وجود مسلّم نہیں تو نذرانہ اور ہدیہ بھی قائم نہیں ہو سکتا (دوم) یہ کہ خدا تعالیٰ کی ذات قدیم اور بندہ اور اُس کی بندگی حادث ہے تو جو چیز مقدم الوجود ہے جب تک کوئی اور وجہ عارض نہیں تو اُس کو ذکر میں بھی مقدم کرتے ہیں (سوم) یہ کہ عبادت ہرچند غذائے روحانی ہے مگر یہ جسم اور اُس کے مقتضیات جو چاروں طرف سے گھیرے ہوتے ہیں اُن پر عبادت شاق گذرتی ہے اور لہو و لعب

میں آرام آتا ہے۔ دیکھئے ناچ میں رات بھر نیند نہیں آتی۔ مسجد میں تھوڑی سی دیر میں اونگھنے لگتے ہیں اور درحقیقت یہ عبادت خداتعالیٰ کی وہ امانت ہے کہ جس کا اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ الآیہ میں اشارہ ہے سو یہ بوجھ بھاری بغیر کسی سہارے کے نہیں اٹھ سکتا۔ پس اس تکان اور ماندگی کو دفع کرنے کے لئے پیشتر شربت حضوری کا جام پلا دیا کہ اس کے نشہ اور سرور میں چور ہو کر دنیا و مافیہا سے غافل ہو کر ہمہ تن عبادت میں مستغرق ہو جائے اور اس پر تکان و ماندگی نہ آئے ؎ ہر چند پیر خستہ دل و ناتواں شدم ۔ ہر گہ کہ یاد روئے تو کردم جواں شدم ۔ دیکھئے جب کوئی کسی کا عاشق زار ہوتا ہے تو جب اس کے محبوب کا نام لے کر کوئی اس سے کیسے ہی بھاری کام کو کہتا ہے تو اس کے نشہ میں آکر کس خوشی سے کرتا ہے اور جب وہ اس کے سامنے کھڑا ہو کر یوں کہے کہ تیرے قربان (کیونکہ عبادت دراصل قربان ہونا ہے) محبوب کا تو نام سننے سے دل بے قرار ہو جاتا ہے چہ جائیکہ وصال اور مشاہدۂ جمال ہو ؎ ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا ۔ دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا ۔ پس اس لئے اِیَّاکَ کو مقدم کیا۔ (چہارم) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عابد کو لازم ہے کہ اولاً بالذات معبود کی طرف دھیان رہے اور عبادت کو صرف اپنے اور اس کے بیچ میں ایک عمدہ واسطہ اور رابطہ جانے نہ یہ کہ عبادت یا اس کے ثواب و جزا پر نظر کرے کس لئے کہ کامل عبادت یہ ہے کہ اور تو کیا اپنی ہستی کو بھی بھول جائے اور سوائے معبود کے اور کچھ نظر نہ آئے۔ اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادت عالم غرور سے عالم سرور کی طرف اور اشغال خلق سے حضرت حق کی طرف جاتا ہے اور یہ محویت کچھ تعجب کی بات نہیں۔ عشق مجازی میں محبوب کو دیکھ کر سب کچھ بھول جاتا ہے۔ دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے بے خود ہو کر ترنج کی جگہ اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے پس اس مجازی محبت اور جمال کا یہ حال ہے تو اس حقیقی محبوب اور حقیقی جمال میں کیا مقال ہے اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ عبادت کے تین مرتبے ہیں **پہلا مرتبہ** یہ کہ عبادت ثواب کی امید اور عذاب کے خوف سے کی جائے **دوسرا مرتبہ** یہ کہ اپنی عبادت کے قبول ہونے سے بزرگی اور کمال پیدا کرنے کے لئے عبادت کرے **تیسرا درجہ** یہ کہ خداتعالیٰ کی خاص خدا ہی کے لئے عبادت کرے (یعنی وہی مقصود ہو) تینوں میں یہ اخیر مرتبہ بلند ہے پس اس لئے اِیَّاکَ کو جو ذات الٰہی پر دلالت کرتا ہے مقدم کیا (پنجم) اگر لفظ اِیَّاکَ کو مقدم نہ کرتے تو حصر اور خصوصیت نہ سمجھی جاتی۔ پس ان مذاہب باطلہ کا اس لطف و خوبی کے ساتھ رد نہ ہوتا کیونکہ یہاں اور معبودوں کی عبادت کنایۃً نفی کی گئی ہے اور کنایہ صراحۃ سے ابلغ ہوتا ہے کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎ خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں ۔ گفتہ آید در حدیث دیگراں ۔

(۲) یہ کہ لفظ نعبد جمع متکلم کا صیغہ بولا اَعْبُدُ نہ کہا اس میں بھی کئی حکمتیں ہیں (اول) یہ کہ عبادت ایک نہایت عمدہ فعل ہے اس کے لئے خلوص نیت اور حضور قلب شرط ہے اور یہ ہر شخص کو میسر آنا مشکل ہے اس لئے اپنی عبادت کو اور اچھے لوگوں کی عبادت میں شامل کر دیا تاکہ وہ کریم ان کے طفیل میں اس کو قبول کرے۔ مثل مشہور ہے کہ لکڑی کے ساتھ لوہا بھی تیرتا ہے۔ (دوسرے) یہ کہ عبادت کا استحقاق تربیت اور رحمت اور بندوں کی حاجت روائی کی وجہ سے ہے (کہتے ہیں کہ جس کا کھائیے اس کا گائیے) اور اس کی پرورش ایک دو کے لئے نہیں بلکہ تمام جہان کے لئے ہے جیسے کہ پہلے گزرا پس اس کی عبادت بھی تمام جہان پر فرض ہوئی۔ پس اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ تنہا میں بلکہ اے خداوند عالم ہم سب تیری عبادت کرتے ہیں) جمع کا صیغہ بولا (تیسرے) یہ کہ یہ سورۃ نماز میں پڑھی جاتی ہے اور نماز میں جماعت مقصود ہے (تاکہ شوکت اسلام معلوم ہو اور ایک کا دوسرے کو حال معلوم ہوا کرے۔ اور باہم محبت پیدا ہو اور ایک پر دوسرے کے انوار منعکس ہوں اور بہتوں میں ایک نہ ایک خالص بندہ بھی ہوتا ہے اس کے ساتھ عبادت کرنا قبولیت کا باعث ہے) پس اس مقصود کی طرف اشارہ کرنے کو لفظ جمع بولا گیا (چوتھے) یہ کہ اگر اعبد کہتے تو اس میں عابد کو یہ خیال آتا کہ میں عبادت کرتا ہوں اور کوئی

نہیں۔ سواس وسوسہ کے مٹانے کے لئے جمع متکلم کا صیغہ نعبد کہا تاکہ معلوم ہو کہ اور ہزاروں ہیں، میں کیا ہوں۔

(۳) یہ کہ نعبد مضارع کا صیغہ بولا کہ جو حال اور استقبال دونوں کو شامل ہے، ماضی عبدنا نہ کہا کس لئے کہ حضوری کا مقام یہ چاہتا ہے کہ اس وقت بھی عبادت کی جائے اور آئندہ کے لئے اس کا عہد کرے سو یہ بات مضارع میں حاصل ہے نہ کہ ماضی میں۔ اور اسی قدر اسرار ایاک نستعین میں ہیں ان سب کو وہاں خیال کر لیجئے طول کلام سے ڈر کر بس کرتا ہوں۔

(۴) عبادت کو متقدم کیا اور استعانت کو مؤخر اس میں چند اسرار ہیں: (اول) یہ کہ اول بادشاہوں کے حضور میں پیشتر کوئی تعظیم اور کورنش بجا لا کر اور کچھ ہدیہ یا نذرانہ پیش کر کے عرض حال اور سوال کیا کرتے ہیں گو خدا تعالیٰ کو دنیاوی بادشاہوں سے کچھ بھی مناسبت نہیں مگر فطرتِ سلیمہ کا یہی مقتضا ہے اس لئے اول عبادت کو اس کے حضورِ عالی میں پیش کش کر کے اپنی عبودیت کا اظہار کر دیا۔ اور اس کی خوشنودی کو حاصل کر لیا۔ اس کے بعد ایاک نستعین کہہ کر سوال کیا۔ خلاصہ یہ کہ عبادت وسیلہ ہے استعانت سوال مطلب اور ہمیشہ وسیلہ مقدم ہوتا ہے۔ (دوم) یہ کہ ایاک نعبد یہ چاہتا ہے کہ نفس کو عبادت الٰہی سے ایک بڑا رتبہ حاصل ہو اور اس میں ایک قسم کی خود پسندی پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ تو اسی لئے اس کے بعد ایاک نستعین کہہ دیا کہ یہ عبادت بھی تیری ہی مدد اور اعانت سے ہوتی ہے تاکہ اس مرض کا علاج ہو جائے (سوم) اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ استعانت اسی سے چاہتے ہیں کہ جس کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ عبادت کا وہی مستحق ہے کہ جو خالق اور مربی اور ہر طرح کی قدرت و اختیار رکھتا ہو اور وہی مستحق طلبِ اعانت بھی ہے گویا کہ یہ دونوں باتیں لازم و ملزوم ہیں۔ پھر ان دونوں لفظوں کے جمع کرنے میں بھی حکمت ہے (۱) یہ کہ مرتبۂ عبودیت دو باتوں سے کامل ہوتا ہے۔ اول یہ کہ عبادت کرے۔ دوم یہ کہ اپنے آپ کو محتاج سمجھ کر ہر کام میں اسی سے مدد مانگے کس لئے کہ جو نوکر ہمیشہ خدمت گزاری کرتے ہیں اور اپنی حاجات کا اظہار مولیٰ سے نہیں کرتے اور نہ اس سے طلب امداد ہوتے ہیں تو ان سے ..... کسی قدر بوئے نخوت آیا کرتی ہے اور ان کا قدوی مخلص ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بالخصوص اس آقا کے روبرو جو دے کر خوش ہوتا ہے اور جو مانگنے کا حکم دیتا ہے۔ پس اس لئے ایاک نعبد کے بعد ایاک نستعین کہہ دیا۔ (۲) یہ کہ نکتۂ عبادت کا ہے۔ یعنی پوری اور اصل عبادت جب ہی پائی جاتی ہے کہ جب ہمہ تن عجز و انکسار ہو کر اس کے آگے ہاتھ پھیلایا جاوے کس لئے کہ اس وقت وہ روحانی نیاز اور ارتباط پیدا ہوتا ہے کہ جو بہت سی عبادت سے نہیں ہوتا۔ اور اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے (مشکوٰۃ) اور اسی لئے ہر عبادت کے ساتھ دعا مانگنا اسلام میں لازم قرار دیا گیا۔ نماز پنجگانہ کے بعد ہمیشہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ دعا مانگا کرتے تھے اور سب انبیاء اکثر اوقات دعا کرتے تھے اور اسی لئے حکیموں کا قول ہے کہ جب بندہ دعا کرتا ہے تو عرشِ الٰہی کو جنبش ہوتی ہے یعنی بندے اور خدا میں جو ایک واسطہ یا رابطہ ہے وہ زندہ ہوتا ہے اور اسی لئے اس کے بعد اکثر بندہ کا مقصود خدا تعالیٰ عطا بھی کرتا ہے (۳) یہ کہ دنیا کے جس قدر فریق مشرک ہیں وہ اپنے خیالی معبودوں کی عبادت بھی کرتے تھے اور پھر انہی سے ہر حاجات کا سوال بھی کرتے تھے جیسا کہ اب بھی ہنود بتوں سے ہاتھ جوڑ جوڑ کر مانگتے ہیں اور بعض آدمیوں سے بھی اولاد و مال و تندرستی و عزت مانگا کرتے ہیں۔ پس شرک کی یہ دو شاخ ہیں ایک **عبادت** دوسرے **استعانت** اس لئے خدا تعالیٰ نے پہلے تین آیتوں میں وہ دلائل قائم کر کے (کہ جن سے اس کے ماسوا ہر چیز کا محتاج اور حادث ہونا ثابت ہو) ان دونوں شاخوں کو جڑ سے کاٹ دیا کہ بندے کے منہ سے دربارِ خاص میں بہت سی جماعت کے روبرو اپنا جلوہ دکھا کر یہ اقرار کرا دیا کہ ایاک نعبد و ایاک نستعین ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں نہ اور کسی کی اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں نہ اور کسی سے۔ (۴) یہ کہ دنیا میں تین قسم کے آدمی ہیں۔ اول جبری جو کہتے ہیں کہ ہم کو کچھ اختیار نہیں جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے ہم تو لکڑی پتھر کی طرح بے اختیار ہیں۔ دوم **قدری** کہ جو ہر چیز میں اپنے آپ کو فاعلِ مختار اور موجد اور قادر سمجھتے ہیں۔ سوم

اہلِ حق کہ جو نہ بندہ کو مختارِ محض کہتے ہیں نہ بے اختیار محض چونکہ وہ دونوں فریق غلطی پر ہیں کس لئے کہ اوّل گروہ تو شریعت بلکہ کل معاملاتِ دنیاوی کا ابطال کرتا اور خدا کی ذاتِ مقدس میں عیب ثابت کرتا ہے۔ پس اُن کی رد میں تو ایاک نعبد فرمایا کہ جس سے بندہ کو عبادت کا اختیار ثابت ہوتا ہے۔ اور دوسرا فریق کارخانۂ خالقیت میں حصہ پیدا کرتا ہے اُن کی اصلاح کے لفظ ایاک نستعین فرمایا کہ جس سے بندہ کا محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔

## مسائل فقہیہ

اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی کہ خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کی پرستش حرام ہے خواہ وہ اور کوئی ہو نہ اور کسی کو سجدہ درست ہے نہ رکوع۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا کریں، آپ نے منع فرمایا (مشکوٰۃ) اور نہ کسی کے نام کا روزہ رکھنا جائز ہے اور نہ غیر اللہ کے نام سے صدقہ و خیرات کرنا درست ہے نہ اور کسی گھر کا خانۂ کعبہ کی طرح طواف درست ہے نہ احرام باندھ کر جانا یہاں تک کہ ذبیحہ پر بجز اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح درست نہیں اور اسی طرح غیر اللہ سے مدد مانگنا بھی درست نہیں نہ اور کسی کو قاضی الحاجات، دافع البلیّات خیال کرنا روا ہے سوال جب یہ بات ہے تو پھر مسلمان ایک دوسرے سے کیوں مدد مانگتے ہیں کوئی کسی سے پانی مانگتا ہے۔ طبیب کے پاس علاج کے لئے جاتے ہیں، بادشاہوں اور اُمراء سے سوال کرتے ہیں، علیٰ ہٰذا القیاس، حالانکہ ان باتوں کو کوئی بھی منع نہیں کرتا نہ ان کے مرتکب کو کوئی مشرک کہتا ہے۔ جواب استمداد کی دو قسم ہیں۔ ایک یہ کہ جس سے امداد چاہتا ہے اس کو عالم اسباب میں ایک حیلہ اور مددِ الٰہی کا مظہر جانتا ہے اور در اصل مدد کرنے والا خدا تو ہی کو سمجھتا ہے چونکہ وہ اوس کے دل میں القاء کرتا ہے تو وہ کام کر دیتا ہے اور ایک یہ کہ اُس غیر کو مستقل جانتا ہے۔ قسم اوّل کی استمداد در حقیقت خدا تعالیٰ سے استمداد ہے نہ کہ اُس غیر سے۔ اور دوسری قسم غیر سے ہے۔ اس لئے قسم اوّل مباح اور قسم دوم حرام ہے اور سوال مذکور میں جو استمداد ہے وہ قسم اوّل سے ہے۔ اسی لئے علماءِ اسلام نے یہ فرمایا ہے کہ جو طبیب کو صحت بخشنے والا جانے گا اور دوا کو مستقل مؤثر سمجھے گا مشرک ہوگا۔ ہاں دوا کو اور حکیم کو ایک سبب جانے اور خاص فاعل اسی کو سمجھے تو کچھ مضائقہ نہیں اور اسی طرح انبیاءؑ اور اولیاءؒ اور صلحاءؒ سے محبت رکھنا، ان کی تعظیم کرنا عبادت غیر اللہ نہیں کس لئے کہ یہ بھی صرف خدا تعالیٰ کے واسطے سے کیا جاتا ہے نہ ایسے افعال میں عبادت پائی جاتی ہے مگر افراط و تفریط نہ چاہیے۔

## فروعات

(۱) اس حکم کو قرآن مجید میں اور جگہ بھی بکثرت فرمایا۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ کہ میں نے جن و انس کو اپنی ہی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ کہ تیرے رب نے یہی حکم دیا ہے کہ اُسی کو پوجو۔ اِسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ کہ خدا سے مدد مانگو، اور بہت سی آیات ہیں۔ اس حکم کا اسلامیوں پر وہ اثر ہوا کہ کبھی کسی نبی کی امت پر نہیں ہوا۔ پنجگانہ نماز (کہ جس میں مالی اور جسمانی عبادت اور استعانت اور استغفار اور اپنی عاجزی اور خدا تعالیٰ کی شکر گزاری اور اس کی ثنا و صفت اور دعا ہے) پھر اُس کے ساتھ سُنن اور نوافل اور پھر شب بیداری کہ جس کی نسبت فرمایا ہے۔ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۔ کہ خدا کے خالص بندے اس کے لئے سجدہ اور قیام میں شب گزاری کرتے ہیں اور پھر صبح اور شام اور زوال وغیرہ اوقات سفر و حضر سوتے جاگتے کھانے پینے کے اذکار بیشمار اسلام کے شرف کی دلیل واضح ہیں۔ یہ بات کسی مذہب و ملت میں نہیں پھر مالی عبادت اور ریاضت صوم و حج بھی اس ملت میں فرض ہے یہ نہیں کہ جو چاہے کرے چاہے نہ کرے۔ پھر اس عبادت و توحید کا نور اور سرور جو کچھ اہلِ اسلام کے دلوں پر جلوہ گر ہوا اور اب تک ہے اُس کا نظیر بھی کہیں اور کسی اُمت میں پایا نہیں جاتا۔ محبت اور خوفِ الٰہی سے شب بھر رونا اور اس مزہ میں بے خود و مست ہونا کہ نہ تن کی خبر نہ بدن کی۔ سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ اور صحابہؓ اور تابعینؒ اور تبع

تابعینؒ بلکہ اولیائے متاخرین حضرت محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اور حضرت بایزید بسطامیؒ اور حضرت جُنید بغدادیؒ اور حضرت خواجہ معین الدّین چشتیؒ وغیرہم کے احوال بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سینۂ فیض گنجینہ سے ایک ہانڈی کے جوش کی طرح شوقِ الٰہی میں آواز آیا کرتی تھی۔ حضرت ابو حنیفہؒ کو شام سے صبح ہو جاتی مگر اس ذوق میں اُن کو خبر بھی نہ ہوتی تھی اسی لئے اُن لوگوں کی روحانی قوت اس درجہ کو غالب آگئی تھی کہ جو انبیاء بنی اسرائیل سے معجزات سرزد ہوئے ہیں وہ ان سے کرامات صادر ہوئی ہیں کہ جن کو لوقا اور مرقس سے زیادہ تر ثقہ لوگوں نے مشاہدہ کیا اور اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ حواریوں کے حالات اور ان کی تاریخ و ملفوظات کو عیسائی انجیل اور کتاب الٰہی کہتے ہیں۔ ہم ان بزرگوں کے حالات کی کتابوں کو قرآن اور کلام الٰہی نہیں کہتے مگر دونوں برابر ہیں کوئی کچھ کہا کرے۔ چونکہ ان کے ہاں کتاب الٰہی نہ تھی اگر یہ لوگ اُن تاریخوں کو انجیل کہہ کر دل خوش نہ کرتے تو کیا کرتے۔ ہمارے ہاں چونکہ قرآن مجید کلام الٰہی موجود ہے ہم کو اس تکلیف کی کیا ضرورت۔ اس بات سے ان کی تاریخیں (کہ جن کو انجیل کہتے ہیں) معتبر اور ہماری تاریخیں غیر معتبر نہیں ہوسکتیں نہ وہ ہم سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان باتوں کو قرآن میں دکھلاؤ۔

(۲) چونکہ اس مذہب میں یہ نور عبادت و توحید ہمیشہ سے ہے اس لئے ان کے ہاں وہ لوگ کہ جن پر فیض رُوح القدس نازل ہوتا ہے ہمیشہ چلے آتے ہیں اور عیسائیوں کے ہاں یہ بات چونکہ حواریوں میں تھی کہ اُن پر روح نازل ہوتی تھی جس سے وہ صدہا کرامات دکھاتے تھے۔ زہر اُن پر اثر نہ کرتا تھا بیمار ان کے ہاتھ لگانے سے تندرست ہو جاتے تھے۔ سانپوں کو اُٹھا لیتے تھے (مرقس) مگر ان کے بعد چونکہ دین مسیحی میں تحریف و تبدیل ہو کر فرق آگیا وہ بات جاتی رہی پھر کوئی ایسا نہیں ہوا نہ کوئی عیسائی ایسا ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اب کیا حواریوں کے بعد سے کوئی سچا عیسائی نہ رہا ورنہ اس فیضِ روحانی کے بند ہونے کی کیا وجہ؟

(۳) آپ جان چکے ہیں کہ بندے سے کرامات جب صادر ہوتی ہیں کہ وہ قُربِ خدا حاصل کرتا ہے کیونکہ دراصل ہر چیز پر وہی قادر ہے لیکن جب بندہ اُس کی صحبت میں رہتا ہے تو جس طرح آگ کا لوہے پر اثر آکر اس کو بھی جلا دینے والا بنا دیتی ہے یا جس طرح پھول اپنی صحبت میں مٹی کو معطر بنا دیتا ہے یہی حال عابد و عارف کو خدا تعالےٰ کی قُربت سے نصیب ہوتا ہے تو پھر اُس کی زبان اُس کا بیان ہو جاتا ہے ؎ جمالِ ہمنشین در من اثر کرد ٭ وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم ٭ کس لئے کہ جب ممکنات میں اثر و تاثیر کا یہ حال ہے پھر وہ تو قادر ذوالجلال ہے۔ اور یہاں سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادت کا فائدہ بندہ کے لئے ہے۔ خدا تعالیٰ کو کچھ ضرورت نہیں وہ بندے کے نفع کے لئے حکم دیتا ہے۔

## اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

ہم کو سیدھے رستہ پر چلا،

## ترکیب

اِھْدِ امر حاضر معروف اَنْتَ اُس کا فاعل اور نَا مفعولِ اوّل ہے۔ اور الصِّرَاطَ موصوف الْمُسْتَقِيْمَ صفت دونوں مل کر مفعولِ ثانی۔ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ اور معنیٰ یہ نستعین میں جو اعانت مطلوب تھی اس کا بیان ہے کہ ہم آپ سے یہ استعانت چاہتے ہیں کہ آپ ہم کو ہر امر میں خواہ دینی ہو یا دنیوی سیدھے راستہ پر چلائیں۔ افراط و تفریط یعنی کمی زیادتی سے بچائیں۔ پس پچھلے سے ربط اس طور سے ہوا۔

## معانی الفاظ

**ہدایت** زبانِ عرب میں مقصود کا رستہ دکھانا یا مطلوب تک پہنچانا ہے اور ہدیہ (تحفہ سے) چونکہ تحفہ دینے والوں کی محبت معلوم ہوتی ہے اس لئے اس کو ہدیہ کہتے ہیں اور ہوادی الوحش اُن وحشی اور صحرائی جانوروں کو کہتے ہیں کہ جو سب کے آگے آگے چلا کرتے ہیں کیونکہ وہ ان سب کی رہنمائی کرتے ہیں لیکن عرف میں

اس کا استعمال نیک چیزوں کی رہنمائی میں ہوتا ہے اور وہاں کہ جہاں فائدہ اور بھلائی حاصل ہو۔ پس اس لئے چوری بدکاری وغیرہ کا رستہ بتانے کو ہدایت نہ کہیں گے نہ قید خانہ کی راہ بتانے کو ہدایت بولا جائے گا۔ اور قرآن میں جو فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ (کہ ان دوزخیوں کو جہنم کا رستہ بتلاؤ) آیا ہے تو علیٰ سبیل استہزاء آیا ہے۔ چونکہ علماء میں سے بعض کہتے تھے کہ ہدایت کے معنے راہ دکھانا اور بعض کہتے تھے کہ مطلوب تک پہنچانا تو اس کا فیصلہ بعض محققین نے یوں کیا ہے کہ جہاں اس کا استعمال مفعول ثانی کی طرف لام اور الیٰ کے ذریعہ سے ہوگا تو وہاں ارارۃ الطریق یعنی راہ دکھانا مراد لیا جائے گا۔ جیسا کہ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ اور وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور جہاں کہ بغیر ان دونوں کے ہوگا وہاں ایصال الی المطلوب ہوگا یعنی مقصود تک پہنچانا۔ جیسا کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ فقیر کہتا ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بعض مواضع پر اس کا خلاف بھی ہے۔ پس اس امر میں قرائن اور مواقع سے بہتر کوئی چیز نہیں۔

## تفسیر

خداتعالیٰ کی ہدایت کے بیشمار اقسام ہیں کہ جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔ لیکن ان کی اجناس عالیہ یہ ہیں۔

اول مرتبہ۔ ہدایت الہامی ہے کہ خداتعالیٰ کی طرف سے مطلب کا القاء ہوتا ہے جیسا کہ بچہ کو پیدا ہوتے ہی دودھ پینا اور رو کر اپنی حالت درد کو بیان کرنے کا الہام ہوتا ہے۔ درختوں کو زمین سے پانی چوس کر بڑھنا پھل پھول لانا۔ شاخوں کا فضا کی طرف پھیلنا علیٰ ہٰذا القیاس عالم میں سے کوئی چیز بھی اس کے فیض سے محروم نہیں اور خداتعالیٰ کے وجود کا علم ہے اور اس پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور وہ بھی اسی قسم کی ہدایت کا ثمرہ ہے اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى۔ کہ ہر شی کو اس کے مناسب طور پر پیدا کر کے رہنمائی کی۔

دوسرا مرتبہ۔ ہدایت احساسی کا ہے کہ حواس ظاہری کان، آنکھ، ناک، چکھنا، چھونا۔ (۲) حواس باطنی حس مشترک، خیال، وہم، حافظہ، قوت متصرفہ عطا فرما کر گرم و سرد نافع و مضر چیزوں کا تمیز کرنا بتلایا۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو انسان کیا بلکہ حیوان کی زندگی نہ ہوتی یہ فیض تمام حیوانات پر ہے اس کی طرف بھی آیت مذکورہ میں اشارہ ہے۔

تیسرا مرتبہ۔ ہدایت بداہت عقل ہے کہ جو چیز حواس سے غائب ہے اور جہاں کہ حواس کی رسائی نہیں وہاں انسان کی عقل مدرکات حواس ظاہری اور باطنی سے کلیات انتزاع کر کے فی الفور کام لیتی ہے دیکھئے جب کان میں بہت سے لوگوں سے کسی واقعہ کی خبر پہنچتی ہے تو عقل اسی وقت اس خبر کی صداقت کا حکم لگا دیتی ہے وہاں استدلال اور ترتیب مقدمات کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس فیض الٰہی سے حکماء، جہال، تمام انسان بلکہ جن اور فرشتہ بھی فیضیاب ہیں اس کی طرف بھی آیت سابقہ میں اشارہ ہے۔

چوتھا مرتبہ۔ ہدایت استدلال عقلی ہے۔ یعنی جہاں بداہت عقل کی رسائی نہیں وہاں مقدمات ترتیب دے کر نتیجہ نکالنا اور اس ذریعہ سے کسی نامعلوم چیز کو حاصل کرنا اور یقین پیدا کرنا۔ اس امر میں عقلاء و حکماء مخصوص ہیں اس لئے ان کے اقوال کی عام لوگ پیروی کرتے ہیں مگر عقل سے بسا اوقات قوت وہمیہ مقابلہ کر بیٹھتی ہے اور اس کو راہ راست یعنی صراط مستقیم سے پھیر کر ادھر ادھر وادی اغلاط میں لے جاتی ہے اسی لئے حکماء کے اقوال اور رائیں کبھی باہم متعارض اور مخالف بھی ہوتی ہیں۔ ایک حکیم کچھ کہتا ہے تو دوسرا اس کے برخلاف فرماتا ہے اور کبھی خود ایک ہی شخص ایک وقت ایک بات دریافت کر کے اس پر دل کو جما لیتا ہے۔ پھر دوسرے وقت آپ ہی اس کو غلط بتاتا ہے۔ ہرچند اس غلطی سے بچانے کے لئے حکماء نے فن منطق بنایا مگر اس نے تو اور بھی پریشانی میں ڈال دیا۔ پس اس لئے خداتعالیٰ نے اس کے واسطے (یا پانچواں مرتبہ) ہدایت کا الہام انبیاء علیہم السلام قائم کیا کہ جہاں عقول عاجز آجاویں وہاں خداتعالیٰ الہام انبیاء کے ذریعہ سے رہنمائی کرتا ہے۔ پس اس لئے جس طرح عامیوں

کو عقلاء و حکماء کے اقوال پر اعتماد تھا اسی طرح حکماء و عقلاء کو انبیاء علیہم السلام کا اتباع ضرور ہوا کیونکہ ان کی رہنمائی کا یہی لوگ سبب ہیں۔ یہاں سے آپ کو ضرورت نبوت بھی معلوم ہوگئی پس جو لوگ کہ منصب نبوت کے منکر ہیں جیسا کہ براہمہ وہم کی دلدل میں دھنسے ہوتے ہیں چوتھے مرتبہ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ کہ انسان کو ہم نے نیک و بد دونوں رستے بتلائے اور اس پانچویں مرتبہ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا کہ ہم نے انبیاء کو پیشوا بنایا کہ وہ ہمارے حکم کی رہنمائی کرتے ہیں۔

(چھٹا مرتبہ)۔ ہدایت انکشافی ہے کہ خدا تعالیٰ بندہ کے دل سے حجاب ظلماتی اٹھا کر اس کو عالم غیب کا مشاہدہ کرا دے اور ہر چیز کی اصل حقیقت دکھا دے یہ ہدایت کا انتہائی مرتبہ ہے۔ جو خواص انبیاء علیہم السلام کا حصہ ہے کہ جن کی اطاعت تمام خلق پر فرض ہے اور ان کے مریدوں اور پیرؤوں میں سے بھی ان لوگوں کو کہ جن کے قلوب میں آئینہ کی طرح ان کے انوار قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے) اس ہدایت میں سے کچھ حصہ مل جاتا ہے اور ان پیرؤوں کو حواری یا اولیاء اور کبھی محدث کہتے ہیں۔ اس ہدایت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ کہ جنھوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہے ہم ان کو اپنا رستہ بتلا دیں گے۔ آپ کو یہاں سے نبی اور ولی کے معنی بھی بخوبی معلوم ہوگئے اور جو لوگ کہ نبوت کو بڑھئی لوہار کے کام کا ملکہ قرار دیتے ہیں ان کی غلط فہمی بھی معلوم ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دنیا کے تمام کاروبار و عمدہ صنعتیں اور تدابیر ملک اور آخرت احکام اور قواعد شریعت سب خدا تعالیٰ کی ہدایت کا نتیجہ ہیں۔

مگر آپ کو یہ بھی یاد رہے کہ یہ جتنے امور ہیں سب میں سیدھا رستہ ضرور ہے۔ اور جہاں افراط و تفریط ہوئی سیدھے رستے سے الگ ہوا۔ مقصد میں خرابی آئی۔ پس اسی لئے خدا تعالیٰ نے اِهْدِنَا کے بعد الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ذکر فرمایا یعنی یہ تعلیم کی کہ یوں دعا مانگو کہ اے خدا! ہم کو ہر امر میں سیدھا رستہ دکھا۔

## واضح ہو کہ

جب تک ہر امر میں افراط (زیادتی) و تفریط (کمی) معلوم نہ ہوگی صراط مستقیم یعنی درمیانہ پن معلوم نہ ہوگا۔ پس سب سے پیشتر ہم عبادت اور استعانت میں جو افراط و تفریط ہے اس کو بیان کرتے ہیں۔ عبادت میں افراط یہ ہے کہ جہاں خدا کی کسی صفت کا ظہور دیکھے اسی کو پوجنے لگے جیسا کہ مجوس اور ہنود کرتے ہیں کہ انھوں نے کوئی چیز بھی نہ چھوڑی یہاں تک کہ جب ہندوستان میں ریل جاری ہوئی اور انجن کو بغیر بیل اور گھوڑوں کے خود بخود دوڑتا دیکھا تو بہت سے ہندوؤں نے ہر ہر کرکے اس کے آگے ڈنڈوت کی اور ریلیشر مہاراج بنایا اور تفریط یہ کہ معاش دنیا اور کاروبار میں ایسا مشغول ہو کہ ذرا بھی خدا کی طرف توجہ نہ رہے عبادت تو کجا جیسا کہ اہل یورپ کا دستور ہے۔ شاید پیرس اور لندن اور برلن وغیرہ شہروں میں کبھی کوئی خدا کا نام لیتا ہوگا۔ اور اسی طرح استعانت میں افراط یہ ہے کہ ہر چیز کو سبب سمجھ کر اور وسیلہ حاجات جان کر اس سے سوال کرے اور ستاروں کی تاثیر سے اپنی سعادت و نحوست سمجھے اور گھر اور بیوی اور ہتھیاروں اور دیگر اسباب معیشت میں نحوست و سعادت کا خیال کرکے سودائی بن جائے اور عناصر اور آفتاب و ماہتاب اور ارواح انسانیہ اور دیگر غیر مرئی چیزوں کو خدا تعالیٰ کے

لے بخلاف اس کے اہل اسلام کا کوئی شہر ایسا نہیں کہ جس میں پانچوں وقت بآواز بلند خدا کی توحید و تقدیس نہ پکاری جاتی ہو۔ اور پھر سینکڑوں خدا کے بندے بلکہ ہر کس کی ثناء و صفت اور اس کی شکر گزاری اور اپنے گناہوں سے استغفار اور اس سے دعا نہ کرتے ہوں اور اس کے آگے اپنے جسم و روح کی نہایت پاکیزہ حالت بنا کر نہ جھکتے ہوں۔ یہ سچے دین کی علامت ہے بالخصوص مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں تو ہمہ وقت یہی حالت رہتی ہے۔ فقیر مکہ معظمہ میں جبل صفا کے نزدیک مقیم تھا شب کو تمام شب تکبیر و تہلیل کی آواز کانوں میں آتی تھی۔ ابو محمد عبد الحق۔

خواہ از غیب کا دارو مدار یا مالک یا مختار جان کر اُن سے مدد مانگے اور اُن کے نام سے نذر و نیاز اور ہون و جگ کرے جیسا کہ ہنود کرتے ہیں اور ویدوں میں اب تک یہی مضامین بھرے پڑے ہیں کہ جس سبب سے یہ لوگ ہر چیز سے ڈرتے اور ہر چیز سے امید نفع رسانی کی رکھتے ہیں۔ اور تفریط یہ کہ دوا و غذا وغیرہ اسباب معتبرہ کو بے اعتبار جانے اور خدا تعالیٰ سے دعا کرنا اور نیکی اور خدا تعالیٰ کی راہ میں دینے کو خیر و برکت کا سبب نہ سمجھ کر ان سے اعراض کرے اور جو چیزیں کہ عالم اسباب میں مؤثر ہیں اُن کو فضول اور بے اعتبار جانے۔ اگرچہ صراط مستقیم کی تفصیل علم اخلاق کی کتابوں میں خوب کی ہے مگر کسی قدر مختصر طور پر یہاں بھی بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں، لان ما لا یدرک کله لا یترک کله۔

## واضح ہو

کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو تین قوتیں عطا فرمائی ہیں (اوّل) **قوتِ درّاکہ**۔ کہ جس سے ہر چیز کو جانتا ہے جس کو قوتِ عقلیہ اور نطقیہ بھی کہتے ہیں۔ پس اس سے جس چیز کو جانتا ہے وہ یا خدا کی **ذات و صفات** اور اس کے افعال کے دنیا و آخرت میں آثار ہیں اور ان کے جاننے کو **علم الٰہی** کہتے ہیں اور اس میں افراط یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی کنہ حقیقت دریافت کرنے لگے اور اس کی صفات میں گھوڑے دوڑانے لگے جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگ باہم قیل و قال کریں گے کہ یہ چیزیں تو خدا تعالیٰ نے بنائی ہیں خدا تعالیٰ کو کس نے بنایا۔ پس یہ نوبت پہنچے تو یہ کہو **اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ** کہ میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لایا (متفق علیہ)۔ اور اُس کے لئے جسم اور مکان اور شکل اور حدوث اور صورت وغیرہ وہ صفات ثابت کرے جو اُس کے تقدس کے منافی ہیں۔ چنانچہ یہود و نصاریٰ اور ہنود[ف] نے ایسا ہی کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کو مجسم اور حضرت آدم کا ہم شکل اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت میں مانا اور کچھ لوگوں نے سور شیر وغیرہ حیوانات کی شکل میں ہو کر اس کا دنیا پر آنا اور کھانا پینا وغیرہ وہ باتیں ثابت کی ہیں کہ جن سے وہ بری ہے اور خالق کو مخلوق کے ساتھ مشابہ بنا دیا ہے، **تعالی اللّٰه عن ذٰلك علوًا كبيرًا**۔ یا بندہ کو عاجز محض جان کر تمام نتائج زنا وجودی کو اسی کی طرف نسبت کرے جیسا کہ جبریہ کرتے ہیں۔ یا یہ اعتقاد کرے کہ ایمان لانے کے بعد پھر بندے کو کسی گناہ پر عذاب دینا اُس کا دستور نہیں بندہ جو چاہے سو کرے جیسا کہ **پولوس** اور اُس کے مُریدوں نصاریٰ کا عقیدہ ہے ان کے مقلد اہل اسلام میں سے بھی بعض لوگ ہیں جن کو مرجیہ کہتے ہیں اور **تفریط** یہ کہ اُس کی صفات کا انکار کیا جائے اور اُس کو اپنے خیال میں جزئیات مادیہ کے علم سے بے بہرہ جانے اور ایسا عاجز جانے کہ سوائے عقلِ اوّل کے اور کوئی چیز اُس نے پیدا ہی نہیں کی جیسا کہ **حکمائے یونان** اور مجوس کا عقیدہ ہے اور یہ اس کی صفات سمع و بصر وغیرہ جو نصوص قرآنیہ سے ثابت ہیں اُن سے بلا کسی وجہ وجیہ کے انکار کیا جاوے اور یہ کہ اُس کو گناہ بخشنے سے عاجز قرار دیا جاوے کہ بغیر اس بات کے کہ وہ سب کے عوض میں آدمی کی شکل میں خود آ کر کفارہ ہو یہود کے ہاتھ سے صلیب پر کھینچا جائے گناہ معاف نہیں کر سکتا جیسا کہ **پادریانِ حال** کا عقیدہ ہے اور یہ کہ جمیع افراد عالم میں اسباب ہی کو مؤثر تام جان کر خدا تعالیٰ کو نکمّا اور بے کار جانے جیسا کہ آریہ[لہ] کا عقیدہ ہے اور یہ کہ بندہ کو خالق مستقل جان کر افعال عباد کو اس کے قبضہ قدرت سے علیحدہ سمجھے جیسا کہ حال کے عیسائیوں کا عقیدہ ہے اور اہل اسلام میں سے معتزلہ اُن کے مقلد ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سی افراط و تفریط ہیں اور یاوہ چیزیں کہ جن کو بندہ جانتا ہے۔ ارواح و ملائکہ و انبیاء و اولیاء

---

ف ہندو کہتے ہیں کہ ایشر یعنی خدا کئی بار جب کہ اس کو ضرورت پڑی سور، شیر، کچھوے، انسان کے جسم میں ظاہر ہوا اور ان چیزوں کو اوتار کہتے ہیں جن میں سے رامچندر جی اور کرشن جی بھی اوتار مانے جاتے ہیں۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی قریب اسی کے ہے کہ خدا تعالیٰ بشکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوا۔ لہ ہندوؤں کا ایک فرقہ ہے کہ جس کے اس زمانہ میں پیشرو دیانند سرستی تھے۔

واسطہ دین ہیں اور اُن کے علم کو نبوات کہتے ہیں اور اس میں افراط یہ ہے کہ ان لوگوں کو ایسا بڑھا دے کہ درجۂ خدائی تک پہنچا دے جیسا کہ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا اور اُس کا بیٹا کہتے ہیں یا بعض جہلاء ان چیزوں کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ غیب داں ہیں ان کو بندوں کی حاجت برآری اور فریادرسی کی مستقل قدرت ہے۔ یہ خیال کرکے ان کی تصویروں کو اور ان کی قبروں کو اور تعزیہ کو پوجتے ہیں اور اُن سے اولاد اور مال اور تندرستی اور عزت و آبرو مانگتے ہیں، جیساکہ ہنود عناصر اور دیوتاؤں اور بہت سے انسانوں کو اس لئے پوجتے ہیں چنانچہ رگوید اور یجروید میں اُن کی پرستش کے طریقے اور اُن کی مدح میں منتر اور سکت ان ویدوں کی سنگتھا میں مندرج ہیں اور اسی طرح پارسیوں کے دساتیر انہی باتوں سے بھری پڑی ہیں جو چاہے دیکھ لے یا ان کو یوں سمجھے کہ خدا چاہے نہ چاہے یہ ہماری حاجت کو پورا کریں گے اور حشر میں خواہ مخواہ اپنے پرستش کرنے والوں کو رنج و غم سے رہائی دیں گے۔ جیساکہ یہود اپنے انبیاء کی نسبت اور مسیح علیہ السلام کی طرف عیسائی اب تک یہی اعتقاد رکھتے ہیں اور بعض جاہل مسلمان اپنی جہالت اور حماقت سے حضرات انبیاء اور اولیاء اور اُن کے مزارات مقدسہ سے ایسی لغو باتیں عمل میں لاتے ہیں، یا کسی ولی کو نبی کے رتبہ میں خیال کیا جاوے اور نبی کو شریک خدائی کردیا جاوے جیساکہ عیسائی کرتے ہیں اور تفریط یہ کہ سرے سے غیر محسوس چیزوں کا منکر ہو جاوے۔ پس نہ وجود ملائکہ کا قائل ہو۔ نہ جن و شیطان کے وجود کا اور انبیاء علیہم السلام کو صرف رفارمر یعنی ناصح اور واعظ جانے نہ اُن کے انکشاف کا معتقد ہو نہ اُن کے خرق عادات معجزات و کرامات کا قائل جیساکہ آج کل یورپ کے ملحدوں کا عقیدہ ہے اور ہندوستان میں ان کے مرید نیچریوں کا اعتقاد ہے یا انبیاء علیہم السلام کو معصوم و محفوظ نہ جانے نہ ملائکہ کی عصمت کا قائل ہو بلکہ اپنے نفس خبیث پر قیاس کرکے ان کو بھی ہر طرح کے گناہ میں ملوث سمجھے جیساکہ اہل کتاب کا عقیدہ ہے کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کرنے والا[۱] اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بچھڑا پوجنے والا[۲] اور حضرت داؤد علیہ السلام کو اوریا کی بیوی بت سبع سے حرام کرنے والا[۳] اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بت پرستی کرنے والا[۴] سمجھتے ہیں اور یہ باتیں ان کی توراۃ اور دیگر کتب الہامیہ میں مذکور ہیں اور جیساکہ ہنود دیوتاؤں کو کہ جن کو وہ فرشتہ کہتے ہیں زناکار اور سخت مکار جانتے ہیں۔ چنانچہ اندر کا گوتم کی جورو سے زنا کرنا کتب مسلّمہ ہنود میں مندرج ہے اور یہود میں بھی ہاروت ماروت کا قصہ مشہور تھا کہ انہوں نے شراب پی کر زہرہ سے زنا کیا جن کی تقلید سے بعض ناسمجھ مفسروں نے اس بے اصل قصہ کو قرآن مجید کی تفاسیر میں لکھ دیا۔ یا انبیاء علیہم السلام کے رتبہ کا لحاظ نہ کرکے ان کو بڑے بھائی کے برابر قرار دیدیا جاوے وغیر ذٰلک من العقائد الفاسدۃ۔ یا وہ چیزیں کہ جن کو جانتا ہے قبر اور دوزخ اور جنت اور حساب اور میزان وغیرہ امور آخرت کے معاملات ہیں اور ان کے علم کو علم معاد اور علم سمعیات بھی کہتے ہیں، اس میں افراط یہ ہے کہ ایمان کو ایسا مؤثر جانے کہ پھر اس کے لئے کوئی گناہ مضر نہ سمجھے اور جزائے اعمال میں خدا تعالیٰ کو محض مجبور جان کر گناہ بخشنے پر یا کسی عمل کے قبول نہ کرنے پر قادر نہ جانے جیساکہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے اور تفریط یہ کہ یا تو سرے سے بعد مرنے کے جزا و سزا عذاب و ثواب قبر و حشر کا قائل نہ ہو جیساکہ دہریوں کا عقیدہ ہے اور قائل ہو تو ادنیٰ سے گناہ کو بھی ایمان کا زائل کردینے والا جانے جیساکہ خوارج کا عقیدہ ہے یا وہاں کے عذاب و ثواب کو خیالی عذاب و ثواب جانے جیساکہ عیسائیوں اور حکماء یونان اور اُن کے مقلد[۵] نیچریوں کا عقیدہ ہے یا وہاں کے لذات اور عقوبات کو فانی جانتے

ف بخلاف وسیلہ گردانتے یا ان کے مزاروں کو محل رحمت و استجابت خیال کرنے کے اس میں کسی کو کلام نہیں۔ ابوالحسن حقانی [۱] کتاب پیدائش ۱۹ باب۔ [۲] کتاب خروج ۳۲ باب [۳] کتاب دوم سموئیل ۱۱ باب [۴] کتاب اول سلاطین ۱۱ باب [۵] چنانچہ پادری فانڈر کی کتاب میزان الحق اور سید احمد خان صاحب نیچری کی تفسیر القرآن میں مذکور ہے۔ جیساکہ مقدمہ کتاب میں اس کی خوب تشریح ہو چکی ہے۔ منہ

اور دنیا کے انقلابات پر محمول کرے وغیرہ ذالک یا وہ چیزیں کہ جن کو انسان جانتا ہے علاوہ اُن کے اور جواہر و اعراض ہیں کہ جن کے علم کو علی حسب اختلاف الموضوع علم طبعی اور ریاضی کہتے ہیں پھر ہندسے اور ہیئت اور نجوم اور زیج اور اُکر اور علم الحیوان وغیرہ بہت سے علوم انہیں علوم کے موضوعات کی شاخیں ہیں۔ پس ان میں افراط یہ ہے کہ ان میں ایسا مشغول ہو کہ دنیا و مافیہا سے خبر نہ رہے یا نجوم اور طلسم نیرنجات اور کیمیا وغیرہ اُن فنون میں مشغول ہو کہ جو کارآمد نہیں یا ان کی تاثیرات سعادت و نحوست ہی کا قائل ہو اور تفریط یہ کہ بالکل ان علوم سے بے بہرہ رہے یا ان چیزوں کی تاثیرات جسمانیہ کا بھی مطلق قائل نہ ہو۔ المختصر اس قوت ادراکیہ یا عقلیہ میں افراط و تفریط بُری ہے درمیانی حالت عمدہ ہے اور اس کو **حکمت** کہتے ہیں کہ جو انسان کا بڑا کمال ہے اور صراطِ مستقیم کا مصداق اور اس کی افراط کو جربزہ کہتے ہیں یعنی عیاری و طراری اور تفریط کو **غباوت** اور **بلادت**۔ **دوسری قوتِ شہویہ** ہے کہ جو منافع حاصل کرنے کا مدار ہے اور اسی کی وجہ سے مرغوب چیزوں کی خواہش ہوتی ہے۔ پس اس کی افراط یہ ہے کہ کھانے پینے اور جماع کرنے وغیرہ لذائذ میں ہمہ تن مصروف اور سراسر گرفتار ہو جائے اور اس مرتبہ کو فجور اور **خلاعت** بھی کہتے ہیں جس کا ثمرہ فحش اور بے حیائی ہے اور اس کی تفریط یہ ہے کہ جس قدر لذائذ اُس کے لئے حلال اور مباح ہیں اور جن پر معیشتِ دنیا کی بنیاد قائم ہے ان کو بھی ترک کر بیٹھے جیسا کہ رہبان اور ہندوؤں کے فقیر جوگی اور گسائیں وغیرہم کرتے ہیں۔ قرآن اور نبی علیہ السلام نے جس طرح افراط سے منع فرمایا ہے اسی طرح تفریط سے بھی کہ جس کو **خمود** کہتے ہیں بڑی تاکید سے روکا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ (کہہ کہ کس نے خدا کی ان ستھری اور زینت کی چیزوں کو حرام کیا ہے کہ جو اُس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہیں)۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ فرمایا ہے کہ اسلام میں رہبانیہ کا کچھ کام نہیں اور ان دونوں حالتوں کی درمیانی حالت کہ جس پر صراطِ

مستقیم صادق آتا ہے **عفت** ہے یعنی اپنی خواہش نفسانی کو عقل اور شرع کے تابع بنانا اور اس عفت سے بہت سے اخلاق حمیدہ پیدا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ **صبر**۔ **قناعت**۔ **جود**۔ **سخاوت** اور پھر سخاوت سے **کرم** اور **ایثار** کہ اور لوگوں کو بھلائی میں اپنے نفس پر مقدم رکھنا اور معاملات میں **مسالمت** یعنی فروگزاشت کرنا۔ اور **تیسری قوتِ غضبیہ** ہے کہ جس کے طفیل انسان خطرناک کاموں میں گر پڑتا ہے اور اپنے نفس اور اپنے متعلقوں سے مضرت کو دفع کرتا ہے۔ اس کی افراط کو تہور کہتے ہیں کہ بغیر مصلحت جرأت اور دلیری کر بیٹھنا کہ جس طرح شیر وغیرہ درندے کرتے ہیں اس سے ظلم اور بے رحمی وغیرہ قبائح پیدا ہوتے ہیں۔ اس تہور کو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں منع فرمایا ہے۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ کہ اپنی جانوں کو ہلاکی میں نہ ڈالو اور اس صفت کی تفریط کو **جبن** یعنی نامردی کہتے ہیں بے عزتی اور بزدلی کہ جو انسان کو اُس کے ہم چشموں میں ذلیل و خوار اور غیر لوگوں کا غلام اور رعیت اور تابعدار بنا دیتی ہے اسی کا ثمرہ ہے۔ اس کی برائی بھی قرآن اور احادیث میں بکثرت آئی ہے اور صراطِ مستقیم یعنی درمیانی حالت کو **شجاعت** کہتے ہیں کہ جس سے بہت سے اخلاق حمیدہ پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ **علو ہمتی** اور **استقلال** اور **حلم** اور **تحمل** اور **حمیت** وغیر ذالک قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں ہر ایک جانب کا اور توسط کا اور پھر جو اُن سے اخلاق پسندیدہ پیدا ہوتے ہیں اُن کا بکثرت بیان ہے بخوف تطویل ہر مقام پر آیت لانا مناسب نہ جانا جو چاہے کتب اخلاقِ محمدیہ دیکھ لے۔ پس جب یہ تینوں قوتیں کامل ہو جاتی ہیں یعنی توسط کے مرتبہ میں آتی ہیں کہ جس کو صراطِ مستقیم کہتے ہیں تو اُس کو **عدالت** کہتے ہیں کہ جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى فرمایا ہے۔ پھر اس عدالت سے بہت سے اخلاقِ حمیدہ پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ **محبت** اور **وفا** اور **شفقت** کہ جس کو خدا ترسی کہتے ہیں اور کسی کے احسان کا بدلہ دینا اور **حُسن صحبت** اور **توکل** اور ہر حقدار کا حق ادا کرنا کہ جس کا ثمرہ توحید و ایمان و طاعت خدا و رسول اور رعیت و ملک و شہر کی خیر خواہی اور ل

باپ بیوی اولاد یار عزیزوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا عمدہ تربیت کرنا غلاموں اور نوکروں اور بے زبان چارپایوں پر رحم کرنا ان کی وسعت سے زیادہ کام نہ لینا ان کی خوراک وغیرہ ضروریات کو بخوبی ادا کرنا وغیرہ وغیرہ اخلاقِ حمیدہ کہ جن کو فطرت انسانیہ سمجھا جاتی ہے ان سب باتوں کو خدا تعالیٰ نے ایک آیت میں کس خوبی سے ادا کر دیا ہے کہ جس کا مثل نہیں اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ پس جب آپ کو لفظ ہدایت اور صراط مستقیم کے معنے بخوبی معلوم ہو گئے تو اب اس آیت کا یہ مطلب ہوا کہ بندہ کو خدا تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ تو مجھ سے یہ دعا کر کہ اے خدا تعالیٰ! تو مجھ کو صراط مستقیم (کہ جو ہر امر کی درمیانی حالت ہے) نصیب کر کیونکہ جب انسان کو صراط مستقیم پر چلنا نصیب ہوا تو سعادت مل گئی کہ جس کے لئے انبیاء علیہم السلام دنیا میں آتے ہیں اب اس دعا کو دیکھئے کہ جس کو پادری گرجا میں عبادت کے وقت پڑھتے ہیں وہ یہ کہ اے ہمارے باپ جو آسمان پر ہے تیرے نام کی تقدیس ہو تیری بادشاہت آوے تیری مرضی جس طرح آسمان پر ہے ویسی زمین پر بھی ہووے ہماری روز کی روٹی[۱] آج ہمیں دے الخ۔ بلاشک ان دونوں میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ پس جس کی معرفت یہ دعا الہام ہوا اس کو نہ کہا جائے اور دعائے نان کے معلم کو نبی کہا جائے اگر سخت ناانصافی اور تعصب نہیں تو اور کیا ہے ؟

## نکات

(۱) یہ کہ خدا تعالیٰ نے اُن بے شمار علم اخلاق کی باتوں کو کہ جن کی تصریح آگے چل کر قرآن میں کی ہے اور پھر اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے احادیث میں بیان کرا دیا ہے سب کو سمیٹ کر ایک مختصر سے لفظ میں رکھ دیا کہ جو ہر وقت بندہ کو ہر طرح کی نیک چلنی کی طرف بلاتا ہے اور حالتِ ابتدائی میں تفصیل کرنا قانون تعلیم کے منافی ہے۔

(۲) یہ کہ لفظ صراط آیا تاکہ عارف کی نظر میں پُل صراط کا خیال پیدا ہو اور یہ جان لے کہ یہ تمام شریعت اُس روز پُل صراط کی صورت میں ظہور کرے گی جو یہاں اُس پر باسانی چلتے ہیں وہاں اُس پر وہ باسانی چلیں گے۔ اگر لفظ طریق بولا جاتا تو یہ مطلب حاصل نہ ہوتا۔

(۳) یہ کہ صراط کے بعد لفظ مستقیم آیا اس کی جگہ سوی وغیرہ دیگر الفاظ جو سیدھے ہونے کے معنی پر دلالت کرتے ہیں نہیں آئے اس نکتہ کے لئے کہ مستقیم میں استقامت پائی جاتی ہے کہ جس سے یہ ارشاد ہوا کہ صرف ایک بار ان اخلاق حمیدہ سے موصوف ہونا کافی نہیں بلکہ ان پر مداومت ہونی چاہیئے اور ایک ملکہ پیدا ہونا چاہیئے کہ جس کو استقامت کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ خود فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر وہ اس پر قائم بھی رہے تو ان کو نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غم کھاویں گے اور اسی لئے جس بات میں استقامت نہیں اُس کا کچھ اعتبار نہیں۔ چنانچہ یہ قول مشہور ہے کہ الاستقامۃ فوق الکرامۃ۔ پس لفظ مستقیم میں ہمیشہ ان باتوں پر قائم رہنے کی طرف اشارہ ہے۔

(۴) یہ کہ اہدنا ذکر کیا اہدنی بصیغہ واحد نہ آیا اس میں چند مصلحتیں ہیں (۱) یہ کہ یہ دعا ہے اور دعا جب سب لوگ مجتمع ہو کر کرتے ہیں وہ زیادہ قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ جب بہت سے قلوب عالم بالا کی طرف ہمت کرتے ہیں تو اُن کے اثر ہمت کو عالم بالا سے مقصود کے وجود میں بڑا علاقہ ہے پس کبھی وہ دعا مصائب کے دفع کرنے میں صَرف ہوتی ہے اور کبھی عالم حس میں متشکل ہو کر مقصود اور مطلوب بن جاتی ہے اور یہ ایک سِرّ الٰہی ہے کہ جس کو ہر شخص نہیں جانتا۔ (۲) یہ کہ جب تک سب کو ہدایت نہ ہو تو اس دعا

---

[۱] کیا اسی تعلیم کو الہام اور نبوت درکار ہے؟ اے حضرت پیٹ بھرنے کی دعا تو گدا بھی ہر روز مانگتا ہے۔ چنانچہ اس دین میں جنت اور دوزخ بھی دنیا کی عیش و ناکامی ہے اسی لئے عیسائی نماز میں بھی دعا مانگتے ہیں۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ حقانی

کرنے والے کا کبھی پورا مقصد نہ پایا جاوے کس لئے کہ تمام کاروبار عالم کے ایک دوسرے سے متعلق ہیں پس جب ایک راہ راست پر ہو اور نہ ہوں تو اس کو بڑی دقت پیش آتی اور دینی و دنیاوی معاملات میں بڑی مصیبتیں اُٹھانی پڑیں اور جب کہ گھر یا شہر کے سب یا اکثر لوگ راہ راست پر ہوتے ہیں تو کامل فائدہ ہوتا ہے (۳) یہ کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم خلق کی خیر خواہی اور دوسروں کی بھلائی کے بھی درپے رہو۔ نفسا نفسی نہ کرو۔ پس دعا میں جس طرح ان کو شریک کرتے ہو تو اُس پر عمل بھی کرو کہ اور کاروبار میں ان کو شریک کرو اور رفاہ عام کا لحاظ رکھو (۴) یہ کہ دعا عاجزی اور احتیاج کا ثبوت ہے پس جس طرح وہ رب العالمین ہے اسی طرح اُس سے سب کو اظہار احتیاج اور عاجزی کرنی چاہیے۔

واضح ہو کہ صراط مستقیم کو عقل سلیم پہچان سکتی ہے مگر اکثر اوقات وہم دخیل ہو کر غلطی میں ڈال دیتا ہے اسی لئے آپ دنیا میں سینکڑوں اختلافات اور ہزاروں تناقضات دیکھتے ہیں۔ دیکھئے جن چیزوں کو اہل عقل سلیم بُرا کہتے ہیں اُن کو کج فہم بھلا بتلاتے ہیں تمام بنی آدم گوشت کھانے کو مباح مانتے ہیں مگر تھوڑے سے ہنود بُرا جانتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس بحکم "کس نگوید کہ دوغ من ترش است" ہر شخص اپنے مذہب و ملت اخلاق و عادات معاشرت و معاملات کو راہ راست بتلاتا اور صراط مستقیم کا مصداق ٹھہراتا ہے۔ حلال خوروں سے پوچھیے تو وہ لال گرو کی اطاعت ہی کو باعث نجات بتلاتے ہیں۔ ہنود بُت اور عناصر پرستی ہی کو مکتی کہتے ہیں۔ عیسائی تثلیث و کفارہ اور الوہیت مسیح کو ماننا حیات ابدی کہتے ہیں۔ پارسی آتش پرستی ہی میں سرگرم ہیں۔ الغرض کسی کے کچھ اقوال و افعال ہیں کسی کے کچھ اور بچن[1] اور کرم[2] ہیں مگر یہ تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ نہ سب حق ہیں نہ سب باطل کیونکہ نہ اجتماع النقیضین ممکن ہے نہ ارتفاع النقیضین۔ پس اس لئے ان میں ایک فریق صراط مستقیم پر ہے اور سب ضلال مبین میں گرفتار اور خوار ہیں کس لئے کہ بری چیز کو بھلا جان کر اس پر نقد عمر عزیز کو صرف کرنا بڑے خسارہ کی بات ہے اور اسی لئے اس جہل مرکب کو حکما نے مرض لا دوا مانا ہے اور خدا تعالیٰ نے بھی اپنے کلام میں اس کو سب سے بڑا مرض گردانا ہے۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ تم کہو کہ آؤ ہم تم کو بتلادیں کہ سب سے زیادہ کون خسارے میں پڑے ہوتے ہیں وہ کہ دنیا میں جن کی کمائی اکارت گئی اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھا کر رہے ہیں۔

؏ بروز حشر شود معلومت + کہ با کہ باختہ در شب دیجور ؏

کیا خوب کہا ہے کسی نے ؏ خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے + خواجہ را حاصل بجز پندار نیست + لیکن جہاں عقل غلطیوں کی سخت دلدل میں پھنس جاتی ہے تو رحمت الٰہی اُس کو الہام انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ سے نجات دیتی ہے یعنی ایسے اختلافات میں انبیاء علیہم السلام اور اُن کے متبعین کسوٹی ہیں کہ جو اُن سے مطابق ہیں تو ٹھیک ورنہ صراط مستقیم سے الگ ہیں پس اس لئے اس کے بعد یہ فرمایا کہ

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ

ان کے راستہ پر (چلا) کہ جن پر تو نے فضل کیا۔ نہ ان کے

الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ ع

رستہ پر کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا نہ گمراہوں کے رستہ پر (آمین)

## ترکیب

صراط مضاف الذین مضاف الیہ موصول انعمت علیہم فعل با فاعل و ضمیر عائد اس کا صلہ۔ موصول و صلہ مل کر مضاف الیہ ہوا مضاف کا وہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر بدل کل ہوا۔ الصراط المستقیم سے یعنی صراط مستقیم سے مراد وہ راستہ ہے کہ جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا ہے۔ غیر المغضوب علیہم معطوف علیہ ولا الضالین معطوف۔ معطوف اور معطوف علیہ دونوں مل کر الذین سے بدل ہوا۔ یعنی جن پر تو نے انعام کیا ہے اُن سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جن پر تیری خفگی نہیں ہوئی ہے اور نہ وہ گمراہ ہیں تاکہ کوئی انعام دنیاوی سمجھ کر

[1] بچن، قول، منہ [2] کرم فعل، منہ

گمراہ دولتمندوں اور بادشاہوں کا طریقہ نہ سمجھ لے۔ یہاں یہ سورۃ تمام ہوگئی ؛

## تفسیر

نعمت[1]۔ لغت میں نرمی کو کہتے ہیں۔ لوگ ناعم اور جلد ناعم بولتے ہیں۔ یعنی نرم کپڑا یا نرم جلد۔ پھر اس حالتِ سرور و لذت پر اس مناسبت سے لفظ نعمت[2] بولنے لگے۔ لیکن مُراد اس سے وہ چیزیں لینے لگے کہ جن سے انسان کو راحت اور سرور پیدا ہوتا ہے۔ اور انعام نعمت کسی کو اس طرح پر دینا کہ اس سے صرف احسان مقصود ہو اپنی کوئی غرض نہ ہو اور اسی لئے خدا تعالیٰ کے سوائے کسی کو منعم حقیقی نہیں کہہ سکتے ہاں مجازاً اطلاق کرسکتے ہیں۔

ہرچند خدا تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ اگر تم خدا تعالیٰ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کرسکو گے۔ لیکن ان کی دو قسمیں ہیں ایک دنیوی دوسری اُخروی۔ پھر دنیوی کی دو قسم ہیں۔ ایک وہبی کہ جس میں بندہ کو کچھ دخل نہیں دوسرے کسبی کہ جو بندے کے کسب اور کام سے علاقہ رکھتے ہیں پھر وہبی کی دو قسم ہیں ایک روحانی جیسا کہ اُس کی روح کو پیدا کرنا اور پھر اس کے بدن سے متعلق کرنا کہ جس کو زندگی دنیاوی کہتے ہیں اور پھر اُس کو عقل سے منور کرنا اور اس کے متعلق قوتِ فہم و فکر و نطق وغیرہ عطا کرنا دوسرے جسمانی جیسا کہ اُس کا بدن پیدا کرنا اور اُس میں قویٰ غاذیہ اور نامیہ وغیرہا کہ جن سے اس کا قوام بدن ہے عطا کرنا اور اس کے اعضاء ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کو کامل بنانا اور پھر اس کے متعلق کھانا اور کپڑا اور دیگر حوائج و زینت روپیہ پیسہ زن و فرزند مکان و سواری وغیرہ وغیرہ بیشمار چیزیں ہیں یہ[ف] نعمتیں خدا تعالیٰ کی کافر و مومن نیک و بد سب کو عطا ہیں چونکہ بندہ کو مفت ملی ہیں اس لئے قدر نہیں کرتا۔ اگر ان میں سے ایک تندرستی اور فراخ دستی ہی کو دیکھا جائے تو کیسی نعمت ہے اور پھر ایک آنکھ یا ناک وغیرہ اعضاء کے لئے اگر لاکھوں روپیہ صرف کرے تو کہیں دستیاب نہ ہوں ادنیٰ سی بات جوانی میں بالوں کا سیاہ ہونا ہے پھر اس کے لئے بڑھاپے میں لوگ خضاب لگاکر جو کچھ مشقت اُٹھاتے ہیں بیان سے باہر ہے پھر پانی اور ہوا اور طرح طرح کی خوشبوئیں اور میوے اور قسم قسم کے اناج اور نفیس کپڑے سب خدا کی مخلوق ہیں جو بغیر بندہ کے کام میں آتے ہیں بندہ کا اس میں خانہ زاد کچھ بھی نہیں۔ اور کسبی بھی بہت سی نعمتیں ہیں جیسا کہ اخلاقِ حمیدہ سے نفس کو مزین بنانا اور علم و فضل صنعت اور طرح طرح کی آرائشیں ظاہری و باطنی پیدا کرنا یہ بھی سب اُدھر سے ہیں۔ لیکن قدرے بندے کے کام کو دخل ہے گر مراد کو وہی پہنچاتا ہے۔ ورنہ اپنی سعی و کوشش سلطنت اور دیگر کمالات حاصل کرنے میں کون کمی کرتا ہے۔ اُخروی نعمتوں کے بھی بیشمار اقسام ہیں جیسا کہ بندہ کو اپنی معرفت اور ہدایت اور تقرب وغیرہ آخرت کے وسائل عطا کرنا اور اس کے گناہ معاف کرنا اور مرنے کے بعد اُس کو عالم برزخ (قبر) اور عالم حشر میں جنت دینا اور اس میں صدہا وہ نعمتیں نہ جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا ہے نہ کسی کے دل پر اُن کا خیال گذرا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر وہاں کا دوام اور اُس کا دیدار ہے، اللّٰھم ارزقنا

[1] نَعمت بالفتح ۱۲ منہ [2] نِعمت بالکسر ۱۲ [ف] یہ دنیا کی تمام عیش و عشرت دولت و جوانی حسن و خوبی اقبال و شہرت سب خواب و خیال ہیں جس طرح کوئی رات کو خواب میں شادی کرے اور نہایت خوشی اُٹھاوے یا تخت سلطنت پاوے صبح کو جب آنکھ کھلے تو کچھ نہیں دیکھتا۔ یہی حال اس چند روزہ زندگی اور اس کی بہار کا ہے۔ اگر کسی کو اس بات کا معائنہ کرنا ہو تو پُرانے کھنڈرات بالخصوص پُرانی دہلی میں بادشاہوں کی شکستہ عمارات اور کوشک ہزار ستون کی بنیاد کو دیکھے اور تو زک سلاطین تیموریہ کا آئینہ عبرت لال قلعہ ہے۔ دہلی کے کسی بڑے[2] بادشاہ نے اخیر عمر میں کہ جب برسرِ سفر تھے کیا حسرت کے یہ اشعار کہے ہیں ؎ چون گل دریں جہان چمیدیم + بسیار نعیم و ناز دیدیم ؛ اسپان بلند برنشستیم + ترکان گران بہا دیدیم ؛ کردیم بسے نشاط آخر + چون قامت ماہ نو خمیدیم ؛ ۱۲ منہ۔ [ف۲] یہ عالمگیر کے اشعار ہیں۔

رؤیتک فی جنت الفردوس، آمین۔ پس آپ کو جب تمام آیتوں کی قدر خال معلوم ہوا تو اب یہ جان لیجئے کہ اس آیت میں ذکر جن پر لے خدا تو نے نعمت کی ہے اُن کی راہ پر چلا ) نعمتِ اُخرویہ مراد ہے کس لئے کہ در اصل جس قدر دنیا کی نعمتیں ہیں سب فانی ہیں باقی نعمتیں اُخرویہ ہیں سو ان کے مقابلہ میں وہ کالعدم ہیں۔ دوم دنیا کی نعمتوں میں تو گمراہ بھی شریک ہیں پھر ان کی راہ کیونکر مطلوب ہوسکتی ہے۔ ان کی راہ تو سیدھی تھکدہ جہنم میں جاتی ہے، اعاذنا اللہ منہا۔ اور یہ بھی واضح ہو کہ جن کو خدا تعالیٰ نے اُخروی نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ چار گروہ ہیں جیسا کہ خود ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا کہ جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی تو وہ اُن لوگوں کے ساتھ رہے گا کہ جن پر خدا نے انعام کیا اور وہ **انبیاء** اور **صدیقین** اور **شہدا** اور **صالحین** ہیں اور یہ اچھے رفیق ہیں۔

آپ کو تو معلوم ہو گیا کہ عالم غیب سے یہ صراطِ مستقیم اول انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے اور پھر اُن کا پرتو صدیقین پر پڑتا ہے اور اُن کا شہیدوں پر اور ان کا صالحین پر کس لئے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک **قوتِ نظریہ** کہ جس کی وجہ سے اشیاء کا علم حاصل ہوتا ہے اور اس قوت کی تکمیل کی دو صورتیں ہیں ایک انکشاف کہ روح کو نور قدس سے وہ صفائی حاصل ہو کہ پھر حجابات اور ظلمات ادراک حقائق اشیاء سے مانع نہ آویں اس کا قلب عالم غیب کا خزانہ ہو جاوے اگر بغیر اکتساب و تعلیم یہ بات اس کو حاصل ہے تو وہ نبی ہے پھر انبیاء کے بھی مراتب متفاوت ہیں اعلیٰ درجہ میں رسول اور اولوالعزم ہیں اور ان سب کا سلسلہ ایک شخص کی طرف منتہی ہے کہ جو عالم روحانی میں خداوند تعالیٰ کے ظہور کا اول پرتو ہے کہ پھر جو اور مخلوقات ہے سب اُسی کی تفصیلات[۱] ہیں اور عالم جسمی میں وہ سب سے اخیر ہے جس کو حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎ تو اصل وجود آمدی از نخست + دگر ہرچہ موجود شد فرع تست ۔ پس چونکہ کل کائنات اسی کے وجود کے انبساطات ہیں اس لئے جس طرح اپنے وجود کا علم ضروری ہے ان کا بھی ضروری ہے اس لئے تمام علوم کا سرچشمہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں چنانچہ خود بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ کو تمام اولین و آخرین کے علم دیے گئے ہیں۔ اور چونکہ "بنی آدم از علم یابد کمال" کمال کا اعلیٰ مرتبہ قوتِ علمیہ کی تکمیل ہے اور آپ اس میں سب سے بڑھ کر ہیں اس لئے آنحضرت سید المرسلین قرار پائے۔ الغرض نبی وہ ہے کہ جس کی قوتِ علمیہ انکشافِ الٰہی سے نہایت کمال کو پہنچ جائے کہ پھر اس میں غلطی کا احتمال نہ رہے اور اس کی قوتِ عملیہ بھی مکمل ہو جاتی ہے کہ جس سے ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ و **معصوم** رہتا ہے اور اس کی روحانی قوت سے خرق عادات و معجزات[۲] اس کی تصدیق کے لئے ظاہر ہوتے ہیں اور جو لوگ ان کے صحبت اور اثرِ تربیت سے اس درجہ علیا کو پہنچتے ہیں اُن کو **صدیق** کہتے ہیں جیسا کہ صحابہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور پھر تابعین اور تبع تابعین اور ان کے بعد اور ہزار ہا صدیقین گزرے ہیں کہ جن کے فیوض اور

---

[۱] اس کی ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں کہ جس سے ایک چیز کا سب سے اول ہونا اور آخر ہونا سمجھ میں آجاوے کسی درخت کے تخم کو دیکھئے کہ وہ اس درخت کی اصل ہے پھر اس سے جو پتے نکلتے ہیں وہ ایک مرتبہ تفصیل کا ہوا پھر کسی قدر شاخیں نکلتی ہیں یہ دوسرا مرتبہ اس تخم کی تفصیل کا ہوا۔ پھر تمام شاخیں اور پتے اور پھل پھول نمودار ہوتے ہیں یہ تیسرا مرتبہ تفصیل کا ہوا کہ اس تخم میں جس قدر یہ چیزیں مجملاً ودیعت تھیں سب ظاہر ہو گئیں اور تفصیل ہو گئی پھر تخم سب سے اخیر پھل میں آگیا۔ یہ تخم جو پھل میں نمودار ہوا ہے اگر کسی قدر تعینات کا لحاظ نہ کیا جاوے تو وہی پھل ہے کہ جس سے یہ تمام درخت پیدا ہوا ہے اب دیکھئے کہ یہ تخم سارے درخت سے مقدم ہے مگر موخر بھی ہے یہی حال حقیقتِ محمدیہ اور تمام سلسلہ انبیاء کا ہے فتأمل۔ منہ

[۲] معجزات کبھی اقوال ہوتے ہیں جیسا کہ غیب کی خبر دینا اور بے مثل کلام کہ جس میں کہ ہر طرح کی ہدایت مع غایۃ فصاحت ہو جیسا کہ قرآن مجید یا افعال ہیں جیسا کہ انگلیوں سے پانی جاری کرنا اور چاند کے دو ٹکڑے کردینا اور درختوں کا حاضر کردینا۔ انگشت نما کیے (باقی صفحہ)

انوار نے ایک عالم کو منور کر دیا ہے اگرچہ حکمائے اشراقیہ اور دیگر اہلِ ریاضت جیسا کہ ہنود کے جوگی وغیرہم بھی اس انکشاف سے کسی قدر بہرہ یاب ہوتے ہیں مگر بسبب اختلاط قوتِ وہمیہ کے غلطیوں سے محفوظ نہیں اور نہ یہ قوت ان کے حدِ کمال تک پہنچتی ہے بلکہ وہ ایسے ہیں کہ جس طرح کسی طائر کے تھوڑے سے پر ہوں اور وہ اچھی طرح نہیں اڑ سکتا کسی قدر تڑپتا ہے اور گر پڑتا ہے اور وہ لوگ عقاب کی طرح اڑتے ہیں اس لئے ان کا اعتبار نہیں اُن کا اعتبار ہے اور وہی قابلِ اقتدا ہیں مگر عام لوگ اُن کی ادنیٰ باتوں پر بھی گرویدہ ہو جاتے ہیں اور اُن کو خدا بنا لیتے ہیں چنانچہ مدینہ منورہ میں آنحضرت علیہ السلام کے عہد میں ایک شخص ابن صیاد تھا کہ حضرتؐ نے اُس سے دُخان دل میں رکھ کر پوچھا تو دُخ کہہ کے رہ گیا اور اب بھی ہزاروں ایسے شعبدہ باز ہیں۔ دوسری صورت **استدلال** اور تجربہ وغیرہ امور ہیں گو ان چیزوں سے عقل کو ترقی ہوتی ہے مگر کمال کو نہیں پہنچتی کس لئے کہ استدلال میں جو کچھ خرابیاں پیش آتی ہیں اُس کے تو حکماء مشائین بھی قائل ہیں کہ جن کی اصلاح کے لئے فنِ منطق تدوین کیا تھا اور اس کے بعد بھی ارسطاطالیس وغیرہ بہت سے حکیم اغلاط سے نجات نہ پا سکے جیسا کہ اُن کے **فلسفہ** سے ظاہر ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎ پائے استدلالیاں چوبیں بود ✤ پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود ✤ اور تجربہ کا یہ حال ہے کہ انسان کی جوں جوں عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے تجربہ اور مشاہدہ سے عقل بڑھتی جاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ نیوا حواس میں بھی فرق آنے لگتا ہے پس جس طرح بوڑھے لوگ دانائی کے لقب سے ممتاز ہیں اسی طرح کم عقلی کا بھی خطاب اُن کو ملتا ہے اس کے سوائے تجربہ کو امورِ آخرت وغیرہ یعنی فنِ **نبوات** سے کیا علاقہ! اس لئے یہ فریق بھی معتبر نہ رہا۔ اور اُن کو خود حضرات انبیاء علیہم السلام کا تبع ہونا پڑا۔ دوسری **قوتِ عملیہ** ہے کہ جس سے کسی قول کے نتیجہ پر یقین کر کے اس کو عمل میں لاتے ہیں۔ پس جن لوگوں پر انبیاء علیہم السلام اور اُن کے صدیقوں کا اثر پڑتا ہے اور اُن کو ثواب اور وعدہ الٰہی کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے (گویا یہ اُس کے پاس پہنچ گئے ہیں اور اس وجہ سے اس پر یہاں تک عمل کرنے کو آمادہ ہیں کہ اپنی جان تک سے دریغ نہیں کرتے) اُن کو شہید[1] کہتے ہیں گو وہ زندہ ہوں مگر جب اس مرتبہ پر پہنچ جاتے ہیں تو شہید ہی کہلاتے ہیں اور جو کہ اُنھوں نے اپنی حیاتِ مستعار کو دریغ نہ کیا تو اس کے بدلہ میں خدا ان کو حیاتِ ابدی نصیب کرتا ہے کہ جس کی نسبت فرماتا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ کہ جو خدا کی راہ میں مارے گئے اُن کو مُردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم کو خبر نہیں۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎ کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ✤ ہر زماں از غیب جانے دیگر ست ✤ اور اسی لئے یہ مردِ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۳) لشکر کو اژدہا کر دیا وغیرہ وغیرہ اور جس طرح انبیاءؑ کو تصدیق کے لئے معجزات دیئے جاتے ہیں اسی طرح ان کو آیاتِ عقلیہ بھی ملتی ہیں پھر ان آیات عقلیہ کی بھی چند قسم ہیں از انجملہ اخلاقِ حمیدہ ہیں و بیان شافی ہے حجت واضح ہے انوارِ صحبت تکمیلِ نفس ہے کہ اُس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے نفس کو کمال حاصل ہو جائے از انجملہ خیر و برکات و نیک وقتی ہے کہ اس کے یمن و برکت سے انسانوں کو ہر قسم کی نیک چلنی اور خیر و برکت حاصل ہو جائے پس جس طرح کہ ناقص لوگوں کو معجزات سے نبیؐ کی تصدیق ہوتی ہے کاملوں کو اس سے بڑھ کر آیاتِ عقلیہ سے تصدیق ہو جایا کرتی ہے گو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اس قدر معجزات عطا ہوئے تھے کہ آج تک کسی نبی کو نہیں ملے مگر ان سے دو چند حضرتؐ کو آیاتِ عقلیہ عنایات ہوئی تھیں جس سے بعثت محمدیہ علی صاحبہا السلام کا کمال معلوم ہوتا ہے یعنی جناب محمد علیہ السلام کی امت ایسی کوڑ مغز نہیں کہ ان کو سوائے موٹی موٹی باتوں کے اور لطیف باتوں سے نبوت کے دریافت کرنے کا حصہ ہی نہیں ملا۔ دیکھئے اہل نسبت اور حکماء اشراقیہ آیاتِ عقلیہ سے دوسرے شخص کے کمالات کیسے دریافت کر لیتے ہیں اور دیکھئے والسرائے کا حاکم ہندوستان ہونا عامیوں کو ظاہری تجمل فوج و شوکت سے معلوم ہوتا ہے اور جو پارلیمنٹ کے ممبر ہیں ان کو اس کی کچھ حاجت نہیں وہ بغیر اس ظاہری تجمل کے یقین کیا کرتے ہیں۔ پس زیادہ ظاہری تجمل کے ساتھ رہنا والسرائے کی خوبی اور کمال نہیں بلکہ عامیوں کے نقصان عقل کی دلیل ہے۔ منہ [1] پس جس طرح نبی کو اس لئے نبی کہتے ہیں کہ لفظ نبوت کے معنی علم و خبر کے ہیں اور لوگوں کو اپنے علم سے خبر دیتا ہے اسی طرح صدیق چونکہ صداقت والا ہوتا ہے اور نبیؐ کی تصدیق کرتا ہے اس کو صدیق کہتے ہیں (باقی صفحہ ۴۵ پر)

بعض اُن کی روح سے اُمورِ عجیبہ اور اسرارِ غریبہ سرزد ہوتے ہیں اور چونکہ اُن کی یہ کارروائی لذّ[illegible] عالی کے موافق اور حسب خواہش ہوتی ہے تو اُن کو یہ خواہش باغ [illegible] خوشبو اور طرح طرح کی راحتوں میں ظہور کرتا ہے اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا میں پھر آنے کی کوئی آرزو نہ کرے گا مگر شہید کہ وہ اس ذائقہ کے لئے پھر آنے کی آرزو کریگا۔ اور اسی لئے اس شہادت کی آرزو میں آنحضرت ؐ فرماتے ہیں کہ واللہ میری یہ آرزو ہے کہ میں خدا کی راہ میں مارا جاؤں اور پھر زندہ ہوؤں اور پھر مارا جاؤں (مشکوٰۃ) یہ بات کہ اوّل قطرہ خون سے شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں منجملہ اور فضائل کے ایک ادنیٰ بات ہے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ یہ کہا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ بِبَلَدِ رَسُوْلِکَ، کہ الٰہی مجھ کو اپنی راہ میں شہادت نصیب کر اور اپنے رسول ؐ کے شہر میں موت دیجیو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے انکی دعا قبول کی۔ الٰہی میں بھی یہی دعا کرتا ہوں ؎ آرزو یہ ہے کہ تیری راہ میں ٭ ٹھوکریں کھاتا ہمارا سر چلے ٭ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے مُریدوں میں استیفان رحمہ اللہ یروشلم میں شہید ہوئے ہیں۔ آنحضرت ؐ کے صحابہؓ ہر جگہ صدہا شہید ہوئے ہیں اور اگر یہ دونوں قوتیں کمال پر نہیں پہنچیں مگر اس کو حضرت انبیاءؑ سے کمال درجہ کا اتباع ہے تو اُس کو **صالح** کہتے ہیں پس یہ لوگ ہیں کہ جن پر خدا تعالیٰ نے رحمت کی اور نعمت دی حضرت ؐ کی اُمّت میں قیامت تک صدیق اور شہید اور صالح پیدا ہوتے رہیں گے۔

## متعلقات

**غضب**، انسان کی ایک کیفیت ہے کہ جس میں خونِ دل جوش مارتا ہے اور رُوحِ حیوانی مکروہ کے دفع کرنے کو اور دشمن کے مقہور کرنے کو باہر کی طرف متوجہ ہوتی ہے پس یہ بات ذاتِ باری تعالیٰ کی نسبت محال ہے۔ کیونکہ خونِ دل کا جوش مارنا جسمانی چیزوں اور ممکنات کا خاصہ ہے۔ پس اس صفت سے مراد اس کی نہایت اور اثر ہے یعنی دشمن اور مخالف کا مقہور کرنا اور تمام صفت رحمت اور استہزاء اور خدعہ اور مکر وغیرہ جو قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کی نسبت واقع ہیں سب کے مجازی معنی اثر اور نہایت مراد ہے کس لئے کہ خدا تعالیٰ کو ممکنات سے کسی بات میں اشتراک نہیں مگر جب کہ اس کی صفات تعبیر کرنی پڑیں تو لامحالہ وہی الفاظ استعمال کرنے پڑے کہ جو بندوں کی صفات کے لئے وضع کئے گئے تھے خدا تعالیٰ کا غصہ اُس کی برخلافی اور سرکشی پر ہوتا ہے کہ جس کا نتیجہ دین و دُنیا کی خرابی و بربادی ہے، خدا تعالیٰ اپنے غضب سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

**ضلال** ہدایت کا ضد ہے۔ یعنی اس رستہ پر چلنا کہ جس سے مقصود کو نہ پہنچے۔ پس جس طرح ہدایت کے مرتبے ہیں اسی طرح ضلالت کے مرتبے ہیں اور جس طرح ہدایت کے مراتب غیر متناہی ہیں اسی طرح ضلالت کے مراتب بھی لاانتہاء ہیں۔ الغرض ہر ہدایت کے مقابلہ میں ایک ضلالت ہے پس جس کو دسؔ مرتبہ ہدایت کے حاصل ہوئے اُس سے اوپر گیارہویں مرتبہ میں ہنوز ضلالت ہے ایک بڑے سے بڑے کامل کو کہ ہنوز اخیر مرتبہ کمال کی اس کو ہدایت نہیں ہوتی اُس مرتبہ کے لحاظ سے ضلال کہہ سکتے ہیں اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمایا ہے وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی کہ آپ جب تک مرتبہ نبوت اور وحی جلی کی ہدایت کو نہ پہنچے تھے اس مرتبہ میں ضال تھے۔ پھر اس کی آپؐ کو ہدایت کر دی۔ بعض بے علم عیسائیوں نے اس لفظ کو عرفی ضلالت پر محمول کرکے آنحضرت علیہ السلام کی نسبت قبل نبوت گمراہی کا الزام لگایا ہے اور پولوس

(بقیہ حاشیہ [illegible]) اور شہادت کے معنے حاضر ہونے کے ہیں اور چونکہ گواہ موقع پر حاضر ہوتا ہے اس لئے اس کو شاہد کہتے ہیں اور شہید چونکہ اپنے دل سے ایسی تعمیل کرتا ہے گویا اس کے نتیجہ کے پاس پہنچ گیا اور حاضر ہوگیا۔ اس لئے اس کو شہید کہتے ہیں اور چونکہ صالح نیک ہوتا ہے اس کو صالح کہتے ہیں یہ لغوی معنی ہیں و[illegible] حقیقت ہر ایک کی ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں۔ منہ ؎ اور اسی لئے باوجودیکہ بندہ اس کے دربار تک پہنچ گیا۔ پھر اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے سوال کرنے کا حکم ہوا۔ کیونکہ قربِ الٰہی کی نہایت نہیں ؎ اے برادر بے نہایت درگہیست ٭ ہرچہ بروی میرسی بروے بایست ٭ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

مقدس پر قیاس کیا ہے کہ ابتدا میں سخت بے دین تھا۔ چنانچہ حضرت استیفان کے شہید کرنے والوں میں شامل تھا اور پھر ہر روز دیندار لوگوں کو قتل کرتا اور ستاتا تھا اور دمشق کو کاہنوں کا خط لے کر ایمانداروں کو قتل کرنے چلا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے روحانی تصرف سے اس کو اندھا کر دیا اور پھر یہ شخص عیسائیوں کا وہ پیشوا ہوا کہ جس نے حضرت مسیح کو بھی ملعون کہا اور تمام شریعت موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ کو منسوخ کر دیا۔ چنانچہ یہ سب باتیں کتاب اعمال اور نامجات سے ظاہر ہوتی ہیں۔

**یہ ضلالت** یعنی گمراہی کبھی اختیاری ہوتی ہے کہ اسباب گمراہی کو از خود اختیار کر لیا جاوے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى کہ ہم نے ثمود کو اسباب ہدایت تو میسر کر دیئے تھے مگر انہوں نے از خود اسباب گمراہی کو اختیار کیا وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ بھی اسی قبیل سے ہے اور یہ بات کبھی لذات جسمانیہ کو لذات روحانیہ پر مقدم کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی حب جاہ و مال سے پیدا ہوتی ہے اور کبھی پابندی رسم و عادات سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی صحبت بد سے اور کبھی نفس کو لذات اور خواہشوں میں شتر بے مہار کرنے سے اور جب نفس موٹا ہو جاتا ہے تو اسے نیکی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ آج کل ہم اوباشوں کو دیکھتے ہیں کہ دن رات چانڈو اور بھنگ اور افیون اور شراب اور ناچ رنگ گنجفہ و شطرنج میں غرق رہتے ہیں اور رنڈی بھڑووں کو ہر وقت اپنی صحبت میں رکھنا اور اللہ ہو اور فحش بکنے میں شب کے دو بجے تک جاگنا اور صبح کو دس بجے اٹھنا اور پھر کنگھی چوٹی میں باقی وقت ضائع کر دینا اور پھر بٹیر بازی، کبوتر بازی، پتنگ بازی میں مصروف ہونا ان کے خمیر میں داخل ہو گیا۔ الغرض رات دن میں نہ خدا کا نام کبھی ان کے منہ سے نکلتا ہے نہ موت کا دھیان آتا ہے اور نہ دنیا کے کاروبار کا دل و دماغ نہ سلطنت و ملک کی کچھ خبر عدل و انتظام مالی دیکھی تو کجا اور بیدار مغزی سے کیا علاقہ۔ ان لوگوں کا جس طرح حصہ دینی برباد ہو گیا دنیاوی حصہ بھی برباد ہو جاتا ہے اگر باور نہ آئے تو ہندوستان کے رئیسوں اور امیروں کو دیکھ لیجئے اور ان کے ملک کی اندرونی اور بیرونی حالت کو غور کر لیجئے انہیں خرافات کی بدولت سلطنت تیموریہ برباد ہوئی انہی کی وجہ سے لکھنؤ اور مرشدآباد وغیرہ بڑی بڑی ریاستوں پر جھاڑو پھر گئی اور جو باقی ہیں ان کو عبرت نہیں۔ لشکر کی یہ حالت کہ پرانی توپوں پر زنگ لگا ہوا ہے توڑے دار بندوقوں اور بیڈول نکمے ہتھیاروں کے بوجھ نے سپاہیوں کی پشت کو توڑ دیا ہے۔ ایک پاؤں میں جوتی تو دوسرا ننگا۔ وردی ندارد اور جو کبھی پھٹی پرانی سرکار انگریزی سے نیلام میں خرید لی ہے تو اس کی درستگی کی نوبت نہیں پہنچتی۔ نہ قواعد نہ پریڈ۔ نہ افسر قواعد جنگ سے واقف۔ افسر کون؟ وہی امیروں کی نالائق اولاد کہ جن کو اپنے تن کا بھی ہوش نہیں۔ رئیس کے دیوان یا وزیر کون؟ وہی عیاش یا ان کی اولاد کہ جنہوں نے رئیس کو لغویات میں بالکل بے ہوش کر رکھا ہے۔ خزانہ کی حالت تباہ، دروازے پر ہزاروں داد خواہ۔ نہ رعایا میں دینی مدارس نہ فنون کی تعلیم نہ علوم جدیدہ کے لئے کوئی جماعت مستثنیٰ ہے کہ تمام ملک میں کوئی کارخانہ عمدہ بھی کسی چیز کا نہیں اور جو ہے تو غیر لوگوں کے اہتمام سے۔ نہ یہ توفیق کہ اپنی رعایا میں سے دس بیس کو غیر ممالک میں تعلیم پانے کو بھیج کر اپنی رعایا میں وہ ہنر عموماً شائع کئے جائیں نہ کوئی جنگی فوج کا حصہ کہ جس سے مخالف کے دل پر کوئی اثر ہو۔ نہ رعایا کو عام قواعد سکھانے کی خواہش نہ والنٹیر لشکر رکھنے کی لیاقت۔ قلم کہاں سے کہاں چل نکلا۔ الغرض اس مرتبہ میں دل پر ایک زنگ لگ جاتا ہے کہ جس کو رین کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ پھر جب اس حالت کو توبہ اور تنبیہ کے صابون سے نہیں دھویا جاتا تو **غشاوۃ** کی نوبت آتی ہے یعنی دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں پھر اس پر جب کچھ مدت گزرتی ہے تو ختم کی نوبت آتی ہے یعنی دلوں پر مہر لگ جاتی ہے۔ اس کے بعد نوبت قفل کی آتی ہے اس کے بعد دل مر جاتا ہے اس کے بعد نہ کوئی نصیحت اثر کرتی ہے نہ کوئی معجزہ کارگر ہوتا

ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ اور یہ بھی آیا ہے سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ اور کبھی ضلالت بے اختیاری بھی ہوتی ہے کہ مبدء غیب سے اُس بدنصیب کو اس کی بد استعدادی کی وجہ سے سامانِ ہدایت عطا نہ ہوئے ایسے شخص کو گمراہِ ازلی اور شقی بطنی کہتے ہیں کہ ماں کے پیٹ ہی میں بدبخت تھا ایسے لوگوں کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں کو ہم نے جہنم کے لئے پیدا کیا ہے اور کچھ پروا نہیں۔ پس ان لوگوں سے بے خوف و خطر برائیاں اس طرح ظاہر ہوتی ہیں کہ جس طرح مقتضیاتِ طبع سونا کھانا وغیرہ باتیں بلا تکلف سرزد ہوتی ہیں۔

جب آپ کو نعمتؔ اور غضبؔ اور ضلالتؔ کے معنی بخوبی معلوم ہو گئے تو اب ہم ان دونوں آیتوں کی تفسیر بیان کرتے ہیں آپ جان چکے ہیں کہ صراطِ مستقیم کی وضاحت کے لئے یہ دونوں آیتیں وارد ہیں اور صراطِ مستقیم درمیانی راستہ کو کہتے ہیں اور مخاطب کو وہ نشان دیا کرتے ہیں کہ جس کو وہ جانتا ہو اور جس کو مانتا ہو تو اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں تینوں چیزوں کا ایک ایک ایسا مسلّم وصف بیان کیا اور معلوم و مشہور نشان دیا کہ جس کو ہر شخص تسلیم کرتا ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر درمیانی راہ کی دو طرف مخالف ہوتی ہیں ایک **افراط** دوسری **تفریط** پس یہ دو ہوئے ایک وہ درمیانی حالت۔ یہ تین رستے نکل آئے اس لئے سب سے مقدم درمیانی رستہ کو تو صراط الذین انعمت سے واضح کیا کہ صراطِ مستقیم وہ ہے کہ جس پر چلنے سے نیک نتیجہ پیدا ہو اور وہ خدا تعالیٰ کی نعمت ہے۔ پس جس رستہ پر نیک نتیجہ مرتب نہ ہو وہ صراطِ مستقیم نہیں کیونکہ صراطِ مستقیم ہوتا تو مطلوب (جو رحمت ہے) حاصل ہوتا۔ یہ نشان صراطِ مستقیم کا وہ ہے کہ جس کو ہر شخص تسلیم کرتا ہے اور جو لوگ طبع سلیم رکھتے ہیں وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ درحقیقت خدا تعالیٰ کا کامل انعام انبیاءؑ اور صدیقینؓ اور شہداءؒ اور صالحینؒ ہی پر ہے۔ اس لئے ان کی پیروی اور تقلید واجب ہوئی اور عہدِ آدمؑ سے اس وقت تک آپ جس قدر بنی آدم کو دیکھیں گے اکثر کو ان چاروں فریق کا مقلد و متبع پاویں گے۔ پس مخاطب کے لئے صراطِ مستقیم ثابت کرنے کے لئے اس جملہ صراط الذین انعمت علیہم الخ سے بڑھ کر اور کوئی دلیل نہیں (وللہ الحجۃ البالغۃ) اور اس صراطِ مستقیم کے ایک جانب مخالف یعنی افراط کو غیر المغضوب علیہم سے واضح کر دیا اور دوسری جانب **تفریط** کو ولا الضالین سے کھول دیا اور یہ بتلا دیا کہ جن پر خدا تعالیٰ کا غصہ بھڑکا اور جو گمراہ ہیں صراطِ مستقیم سے برطرف ہیں خواہ وہ یہودی ہوں خواہ نصاریٰ خواہ بت پرست ہوں خواہ منافق، گنہگار۔

## نکات

(۱) انسان کی پوری سعادت یہ ہے کہ اس کی دونوں قوتیں کامل ہو جاویں اور وہ دونوں یہ ہیں **قوتِ نظریہ** کہ جس سے علم و معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے اور مبدء و معاد کے متعلق عقائد کی درستی میسر آتی ہے۔ دوسری **قوتِ عملیہ** کہ جس سے عمدہ اعمال ظہور میں آتے ہیں پس یہ جس کی دونوں قوتیں مکمل ہو گئیں اس کو بڑی نعمت نصیب ہوئی اس لئے اس گروہ کو خدا تعالیٰ نے انعمت علیہم سے یاد فرمایا اور اس لفظ سے ان دونوں قوتوں کے مکمل کرنے کی رغبت دلائی۔ اور جس کی اوّل قوت میں نقصان ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کی ذات و صفات قیامت اور رسولوں اور فرشتوں کی بابت بُرا عقیدہ ہے بلکہ خیالاتِ فاسدہ اور توہماتِ کاسدہ ہی کو علم و معرفت تصور کر کے مست و مغرور ہے تو ان پر غضبِ الٰہی پُر ضرور ہے کس لئے کہ سزا بقدر گناہ ہوتی ہے اور قوتِ نظریہ انسان کی سعادت کا اعلیٰ بازو ہے کہ جو بعد مُردن بھی باقی رہتی ہے اور عمل کا اسی پر مدار ہے کیونکہ جب علم ہوتا ہے تب اُس کے موافق عمل کرتا ہے پس جس نے اس عمدہ قوت کو کہ جس کی مدد سے ملائکہ میں مل سکتا ہے خراب کیا تو اس پر غضبِ الٰہی نازل ہوا اور اس گروہ میں کافر مشرک و منافق اور دہریہ وغیرہم داخل ہیں ان لوگوں کو مغضوب علیہم سے یاد کیا تاکہ سزا اور نتیجہ بُرا خیال میں آوے اور ہر شخص اس شریف قوت کے خراب کرنے سے ڈر جاوے۔ پس وہ

جو صحابہؓ سے منقول ہے کہ غیر المغضوب علیہم یہود ہیں ہمارے قول کا مؤید ہے اور جس کی قوت عملیہ میں خرابی ہے تو وہ چوری، زنا، حسد، بغض، قتل وغیرہ بدکام کرتا ہے اور نیک کاموں میں کوتاہی کرتا ہے۔ نماز، روزہ، عبادت، سخاوت، محبت، انصاف وغیرہ چیزوں سے بے بہرہ رہتا ہے۔ سو وہ گو اس مرتبہ کا گنہگار نہیں کہ اس پر غضب الٰہی بھڑکے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے مگر راہ راست اور طریق ثواب سے ضرور دور ہے اور اسی لئے کافر کو فاسق سے زیادہ قابل عقوبت شرع نے بیان کیا ہے اس فریق کو خدا تعالیٰ نے ضالین سے تعبیر کیا تاکہ ان کی ناراستی معلوم ہو جائے۔

(۲) یا یوں کہو کہ بندوں کی تین قسم ہیں (اوّل) وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے ظاہراً و باطناً فرمانبردار ہیں اور اُن کو **مومن** کہتے ہیں (دوم) وہ کہ جو ظاہر و باطن نافرمان ہیں اُن کو **کافر** کہتے ہیں۔ (سوم) وہ کہ جو ظاہر میں کسی خوف یا لالچ دنیاوی سے فرمانبردارِ شریعت ہیں اور درپردہ مخالف اُن کو **منافق** کہتے ہیں پس اوّل فریق کو بلفظِ انعمت علیہم تعبیر فرمایا اور فرمانبرداری کا نتیجہ بتلا دیا دوسرے اور تیسرے فریق کو بلفظِ مغضوب علیہم اور الضالین تعبیر کیا تاکہ اُن کے اس کام کا بد نتیجہ معلوم ہو جائے۔ لیکن منافق گو کفر میں کافر کے برابر ہے مگر اس کی فریب بازی سے عام اہل اسلام کو مضرت پہنچتی ہے اور اسی لئے جس قدر فتنہ و فساد اوّل دن سے اسلام میں اب تک واقع ہوتے ہیں انہیں بدنصیبوں کی وجہ سے واقع ہوتے ہیں آنحضرت علیہ السلام کے عہد میں جو کچھ ہوا سو معلوم ہے مگر اب بھی جو فتنے ان لوگوں نے برپا کر رکھے ہیں ذکر بظاہر مسلمان کہلاتے ہیں اور درپردہ اسلام کے سخت دشمن جیسا کہ نیچریہ یہ فتنہ مسیح الدجال سے کم نہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے کے ..... درجے میں ہوں گے اسی لئے بیشتر ان کو بلفظ مغضوب علیہم تعبیر کیا۔ اور کفار کو بلفظِ ضالین تعبیر کیا۔ خواہ وہ یہود ہوں خواہ نصاریٰ۔

(۳) صراطِ مستقیم کے بیان کرنے میں ضرور تھا کہ تین فریق کا ذکر ہوتا۔ ایک وہ کہ جو صراطِ مستقیم پر ہے۔ دوسرے وہ کہ جو افراط و تفریط میں پڑ کر اس کو چھوڑ گئے لیکن کسی شخص خاص یا قوم خاص کا نام لینا منصب نصیحت و پایۂ ہدایت کو مناسب نہ تھا دو وجہ سے۔ اوّل یہ کہ جس کو صراطِ مستقیم پر قائم کہا جاتا ہے اور جس کو برخلاف کہا جاتا تو وہ خود پسندی اور یہ ناراضگی ظاہر کرتے اور یہ سمجھتے کہ اب تو ہم صراطِ مستقیم پر ہیں کچھ پروا نہیں اور ہم گمراہ ازلی ہیں جستجو بے فائدہ ہے۔ دوم یہ کہ کسی فریق کے نام لینے سے ان تینوں فریق کے نتیجوں کا ذکر رہ جاتا جو مقصودِ اصلی تھا۔ علاوہ اس کے شارع کے احکام کلیہ ہونے چاہئیں جو ازمان و اشخاص کے بدلنے سے نہ بدلیں اور اقوام کا کیا اعتبار کوئی قوم کبھی کیسی اور کبھی کیسی ہو جاتی ہے۔ اچھوں کو بُرا اور بُروں کو اچھا ہوتے دیکھا ہے۔ پس اس نکتہ کے لئے خدائے پاک نے کسی کا نام نہ لیا بلکہ یہ کہہ دیا کہ صراطِ مستقیم ان کا طریق ہے کہ جن پر فضلِ الٰہی ہوا نہ اُن کا کہ جن پر غصہ ہوا۔ نہ اُن کا کہ جو بے راہ ہیں۔ ایسی عام نصیحت دل پر مؤثر ہوتی ہے یہاں تک جو مختصراً ہم نے بیان کیا وہ ہر ہر جملہ کی بابت بیان کیا ہے۔ اب ہم مجموعہ کلام کے نکات و اسرار بیان کرتے ہیں۔

## اسرار مجموعہ سورہ

(۱) اس سورہ میں پانچ چیزیں خدائے تعالیٰ کے متعلق اور پانچ بندہ کے متعلق مذکور ہیں۔ خدائے تعالیٰ کے متعلق یہ ہیں۔ اللہ[۱]، ربّ[۲]، رحمٰن[۳]، رحیم[۴]، مالک[۵]، اور بندہ کے متعلق یہ ہیں۔ عبادت[۱]، استعانت[۲]، طلبِ ہدایت[۳]، طلبِ استقامت[۴]، طلبِ نعمت[۵] اور غضبِ الٰہی سے پناہ۔ پس عبادت لفظ اللہ سے اور استعانت لفظِ ربّ سے اور ہدایت لفظِ رحمٰن سے اور طلبِ استقامت لفظِ رحیم سے اور نعمتِ باقیہ کا طلب کرنا اور غضب سے محفوظ ہونا مالک کے متعلق ہے اور اسی طرح انسان پانچ چیز سے مرکب ہے۔ بدن[۱] نفس[۲] شیطانی، نفس سبعی[۳]، نفس بہیمی[۴]، جوہر ملکی[۵] سے جس کو عقل کہتے ہیں۔ پس یہ پانچوں چیزیں ان پانچوں اسماء سے ایک مناسبت

خاصہ رکھتی ہیں کہ جس سے ان کی اصلاح ہوتی ہے۔ چنانچہ جوہر ملکی اسم اللہ کی تجلی سے چمکتا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اور کثافت بدنی رب العالمین کے ملاحظہ سے دُور ہو جاتی ہے۔ اور نفس سبعی کی اصلاح لفظ رحمٰن سے ہوتی ہے اور نفس شیطانی کی اصلاح لفظ رحیم سے متعلق ہے اور نفس بہیمی پر مالک یوم الدین سے وحشت طاری ہوتی ہے۔ جب ان پانچوں ناموں کی تجلی سے آدمی بالکل مہذب اور شائستہ ہو گیا ہے تو اپنے مقصود کی طرف چلا پس طاعت بدن کے لئے ایاک نعبد کہا اور نفس بہیمی کے زیر کرنے کو ایاک نستعین زبان پر لایا اور نفس سبعی کے پنجہ اور شیطان کے چنگل سے رہائی پانے کو اہدنا الصراط المستقیم کہا اور جن کا جوہر ملکی کامل ہے (یعنی ارواح مقدسہ) اُن کی رفاقت طلب کرنے کے لئے صراط الذین انعمت علیہم کہا اور غضب سے بچنے اور ارواح خبیثہ سے دُور رہنے کے لئے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہا۔

(۲) جب کہ بندے نے مقام مناجات میں کھڑے ہو کر کمالات و صفات باری تعالےٰ کا الحمد للہ سے لے کر مالک یوم الدین تک ملاحظہ کیا تو اُس کو بے اختیار شوق لقاء اللہ پیدا ہوا پھر اس کو اس سفر کا کاٹنا ضرور پڑا اور ایسے سفر میں توشہ اور سواری ضروری ہے پس ایاک نعبد کا توشہ لیا یعنی عبادت کو اس سفر کا زادِ راہ اور ایاک نستعین یعنی استعانت کو سواری بنایا کیونکہ گو عبادت سے خدا تعالےٰ کا وصال ہے مگر بغیر اعانت الٰہی اور مدد غیبی محال ہے۔ جب زاد و راحلہ مہیا ہوا تو سیدھے رستے کے درپے ہوا اور اہدنا الصراط المستقیم کہا اور جب کہ سیدھی سڑک مل گئی تو رستے کے رفیق بھی درکار ہوئے کہ جن کے سبب سے اس رستہ کی تمام صعوبتیں آسان ہو جاویں اور اُس کے مشابہ دوسرے رستہ پر نہ پڑ جائے تو اس لئے صراط الذین انعمت علیہم کہا اور جب کہ راہزنوں سے خوف پیدا ہوا تو غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہا۔

(۳) اس تھوڑے کلام میں نہایت خوش اسلوبی سے خدا تعالیٰ نے وہ تینوں علم بیان کر دیئے جن کے لئے انبیا علیہم السلام آئے اور اُن کے قبول و تصدیق کرانے کے لئے معجزات و آیات دکھائے اس لئے اس سورۃ کو تمام کتب سماویہ کا خلاصہ کہیں تو بجا ہے اور سب کا عطر کہیں تو روا ہے اور اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ سورہ ہے کہ اس کے برابر توراۃ و انجیل و قرآن میں کوئی سورہ نہیں (کما سیاتی) اور وہ تین علم یہ ہیں علم شریعت یعنی وہ قانون الٰہی کہ جس کے مطابق چلنا بندوں پر ضرور ہے علم طریقت کہ جس میں دل کے معاملات پہچانے جاتے ہیں علم حقیقت یعنی مکاشفات ارواح اور تجلی علمی ؛

## علم شریعت

کی دو قسمیں ہیں۔ اول علم عقائد کہ جس کو اصول کہتے ہیں دوسرا علم احکام فقہیہ کہ جس کو فرع کہتے ہیں پھر علم عقائد کی تین قسم ہیں (۱) خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق عقائد کہ وہ موجود ہے واحد لاشریک ہے۔ ہر چیز کا اس کو علم ہے۔ دیکھتا۔ سنتا ہے ازلی ہے۔ ابدی ہے۔ عادل، رحیم و کریم ہے۔ کھانے پینے سونے مکان و زمان میں ہونے اور دیگر عیوب سے پاک ہے۔ کوئی چیز اس کے مثل نہیں نہ کوئی اُس کی اولاد ہے نہ وہ کسی کی۔ سب کاموں میں بے نیاز اور ہر چیز پر قادر ہے کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا۔ نہ اُس سے مقابلہ کر سکتا ہے سو یہ سب باتیں خدا تعالیٰ نے الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم سے ثابت کر دیں۔ کیونکہ جب تمام عالم کا وہ مربی ہو تو اب کون چیز ہے جو اس کی شریک و سہیم ہے اور مربی بغیر رحیم و علیم قادر و سمیع و بصیر اور حی قیوم ہونے کے نہیں ہو سکتا اور جب تمام عالم کا مربی ہے تو عالم کی ذات سے اس کی ذات غیر ہے کسی کے مشابہ و مانند نہیں تو جمیع اوصاف حوادث سے لامحالہ بری ہوگا بالخصوص اُن سے کہ جن سے اُس کی تقدیس میں فرق آتا ہے۔ (۲) آخرت کے متعلق عقائد کہ مرنے کے بعد روح باقی رہتی ہے وہاں جا کر ہر قسم کے آرام و راحت پاتی یا تکلیف دُکھ اُٹھاتی ہے۔ اور ہر نیکی و بدی کا بدلہ ضرور ہے۔ اور اعمال کے بموجب اپنے کئے کو ہر شخص پاوے گا۔ اور ایمانداروں پر وہ وہاں نہایت مہربانی فرمائے گا۔ سو یہ سب باتیں اُس نے مالک یوم الدین سے ثابت

کردیں کیونکہ جو شخص جزا کے دن کا مالک ہے تو اُس کے لئے یہ سب باتیں ضرور ہیں کما لا یخفٰے۔ ان دونوں قسموں کے علم کو علم مبدأ و معاد بھی کہتے ہیں کہ تمام عالم کی ابتدا، انتہا، انجام کار سب کچھ بیان کردیا کہ ابتدا میں وہی ایک تھا۔ اور پھر سب کے پیچھے وہی ایک واحد قہار رہ جاوے گا۔ (۳) نبوت و امامت و ولایت کے متعلق عقائد اور ان کے مقابلے میں کفر اور بدعت اور شرک کی پہچان سو ان سب باتوں کو مجملاً صراط الذین انعمت علیہم الخ میں مع ان کے نیک و بد نتیجہ کے بیان کردیا کیونکہ جب اھدنا الصراط المستقیم کہا تو سیدھے رستے کی خواہش ظاہر کی اور صراط الذین انعمت میں اس رستے پر چلنے والوں انبیاءؑ و صدیقین رضؓ و شہداءؓ و صالحینؒ کا منعم علیہ ہونا بیان کردیا اور انبیاءؑ کی عصمت ثابت کردی اور ان کا پیشوا اور رہبر ہونا بتلا دیا اور اسی طرح اُن کے مقابلہ میں بُرے لوگوں کا حال بیان کردیا۔ اور علم فقہ کی دو قسم ہیں **عبادات** کہ عبادت و استعانت ہر قسم کی خدا تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے نہ کسی کو سجدہ کرنا چاہیے نہ رکوع۔ اور نہ کسی اور کو بوقت حاجت پکارنا چاہیے اُسی سے ہر کام میں مدد مانگنی چاہیے اور مال و بدن میں ہر قسم کی عبادت اُسی کا حق ہے۔ پس ان سب باتوں کو ایاک نعبد و ایاک نستعین سے ثابت کردیا۔ دوسرے **معاملات** یعنی بیع و شرا نکاح و طلاق قرض و امانت وغیرہ وغیرہ جملہ احکام کو اھدنا الصراط المستقیم میں واضح کردیا اور ہر امر و نہی فرض و واجب مندوب و مکروہ حرام کا نتیجہ صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین سے مؤکد کردیا۔

## علم طریقت

کو اجمالاً اھدنا الصراط المستقیم میں بیان کردیا اور اس کی دونوں جانب افراط و تفریط کو غیر المغضوب علیہم ولا الضالین سے خوب واضح کردیا۔ پھر اہل طریقت کے تینوں مرتبوں کو بھی بیان کردیا کس لئے کہ طریقت کا مرتبہ ابتدائی ہے کہ جس بغیر طریقت حاصل نہیں ہوتی اُس کو عبادت کہتے ہیں سو اس کو ایاک نعبد کے ساتھ تعبیر کردیا اور اس کا درمیانی مرتبہ **استعانت** اس کو ایاک نستعین سے واضح کیا اور انتہائی مرتبہ **استقامت** ہے اس کو اھدنا الصراط المستقیم میں ذکر کیا۔ اور اس علم میں بڑھ کر دو چیزوں کے حالات سے مطلع رہنا اصل الاصول ہے۔ اوّل **نفس** کہ جو ہر دم ہر طرح کی خواہشوں کی طرف رغبت دلاتا ہے اور راہ راست سے اِدھر اُدھر لے جاتا ہے کہ جس کے مطیع کرنے کو لوگ سخت ریاضت کرتے ہیں۔ بھوک و پیاس وغیرہ زائد تکلیفیں دے کر اس موذی کو مارتے ہیں۔ مگر خدائے تعالیٰ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین میں اس کی لگام کی دونوں باگیں سالک کے ہاتھ میں دیدیں یعنی در صورت زیادتی غضب اور در صورت کمی ضلالت ہے۔ پس جو شخص ان دونوں باتوں کو ملحوظ رکھے گا نفس کو اِدھر اُدھر جانے نہ دیگا۔ (دوم) **قلب** کہ جس کی سلامتی اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔ اس قلب کا کام شوق اور محبت ہے۔ جس کا دل محبتِ الٰہی سے معمور ہوگیا وہ مراد کو پہنچ گیا۔ اس لئے اس سورہ میں خدا تعالیٰ نے اپنے سے ہر قسم کی محبت کے پیدا کرنے کا طریقہ بتلا دیا۔ محبتِ ذاتیہ لفظ الحمد للہ سے اور صفاتیہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین سے تلقین کردی اور پھر ایاک نعبد و ایاک نستعین میں تو صاف صاف محبت پیدا کرنے کا طریقہ تعلیم کردیا کہ جس سے محبانِ خدا اور خاصانِ کبریا سے ملنے کا بے حد شوق پیدا ہوا۔ ؎ ناز من برسانید بگرمانِ چمن ٭ کہ ہم آوازِ شما در قفسے افتادہ است ٭ اور نہایت اشتیاق میں اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم کہا۔ اب مومن کا دل محبتِ الٰہی سے ایسا بھر گیا کہ اور کی جگہ بھی نہ رہی۔ اس قلب کی حفاظت پر تمام انبیاءؑ و صدیقین رضؓ تاکید کرتے چلے آئے ہیں ؎ پاسبانی کن لبے در کوئے دل ٭ زانکہ دزدانند در پہلوئے دل ٭

## واضح ہو

کہ جن چیزوں کی اصلاح اہل طریقت کے نزدیک زیادہ تر ملحوظ ہے وہ تین قوت ہیں ایک **شہوت** دوسری **غضب** تیسری **ہوا**۔

قوتِ شہوت کو نفسِ بہیمی یا بہیمیت کہتے ہیں اور اس کی کمی زیادتی جسم کی کمی زیادتی سے ہوتی ہے۔ اور غضب کو نفسِ سبعی اور سبعیت بھی کہتے ہیں یعنی درندہ پن اور ہوا نفسِ شیطانی اور شیطانیت بھی کہتے ہیں۔ لیکن سب میں زیادہ تیز ہوا ہے کہ جو جسم کے پژمردہ ہونے سے بھی کم نہیں ہوتی۔ اس کے بعد غضب ہے۔ پھر شہوت۔ آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ جب یہ تینوں صلاحیت پر آتی ہیں تو عفت اور حلم وغیرہ صفاتِ حمیدہ پیدا ہوتی ہیں کہ جن کو عدالت کہتے ہیں کہ جس کے سبب سے حضرتِ انسان ملائکہ سے فوقیت لے گئے اور خلیفہ بنائے گئے مگر اسی طرح جب یہ قوٰی خراب ہوتے ہیں تو انسان کو درندہ گدھا، شیطان بنا دیتے ہیں۔ پس شہوت سے حرص اور بخل پیدا ہوتا ہے اور غضب سے خود پسندی اور تکبر اور ہوا سے کفر اور بدعت۔ اور اسی لئے کہتے ہیں کہ شہوت سے انسان اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور غضب سے غیر پر اور ہوا تو خدائے تعالیٰ و تقدس کی جناب میں بغاوت کرنے کا باعث ہوتی ہے، اسی لئے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ آیا اور اس کی بخشش نہیں۔ اس کے بعد غضب کا نتیجہ حقوق العباد میں دست اندازی ہے وہ بھی بہ نسبت گناہ شہوانی کے زیادہ ہے۔ اور جب یہ چند اوصافِ رذیلہ جمع ہو جاتے ہیں تو ان سے حسد پیدا ہوتا ہے کہ جو سخت مرض روحانی ہے۔ پس جب ان اوصافِ رذیلہ کا علاج کلامِ الٰہی اور کتابِ آسمانی میں ضرور تھا تو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام بالخصوص اس سورۃ میں بھی اس کا علاج نہایت عمدگی سے فرمایا۔ الحمد للہ رب العالمین میں سب سے بڑھ کر مرضِ حسد کا تدارک کیا۔ کس لئے کہ جب بندہ خدا تعالیٰ کو رب العالمین خیال کرے گا اور ہر ایک نعمت کا مبدء فیاض اور مالک عطا کنندہ اسی کو سمجھے گا تو پھر کسی کی نعمت دیکھ کر نہ جلے گا اور خدا تعالیٰ کے فیضِ عام اور خوانِ بے دریغ کو دیکھ کر اس ناپاک خیال کو دل سے نکال دے گا کیونکہ خداتعالیٰ کے دینے کو کون لے سکتا ہے؟ اور پھر کس کس کی نعمت کا زوال چاہے گا؟ ایک دو نہیں بلکہ تمام عالم اس انعام سے مالا مال ہے۔ اور بخل کا علاج بھی ملاحظہ رب العالمین سے بخوبی ہو جاتا ہے کیونکہ ہر نعمت کا پیدا کرنے والا خداتعالیٰ کو تصور کرے گا

تو اس کی بلک میں بخل کرنا قبیح جانے گا اور غضب الٰہی کو اپنی رحمت یاد دلا کر اور اپنا جلالِ اخروی دکھا کر الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین سے فرو کر دیا کس لئے کہ جب مضمونِ رحمت دل پر آیا اور اس کے ساتھ خداتعالیٰ کی شانِ کبریائی دل میں سمائی تو غضب کافور ہو گیا اور خود پسندی کا علاج ایاک نعبد سے کر دیا۔ کس لئے کہ جب عاجزانہ خداتعالیٰ کے آگے جھکا تمام خود پسندی رخصت ہوئی اور تکبر ایاک نستعین سے پست کر دیا۔ کس لئے کہ جب عاجزانہ ہر کام میں اس کی طرف ہاتھ پھیلانا بتلایا تو تکبر کو اڑا دیا اور کفر و شرک و بدعت کو اہدنا الصراط المستقیم سے دور کیا۔ کس لئے کہ ہر امر میں میانہ پن کفر و بدعت کے منافی ہے پھر غیر المغضوب علیہم سے کفر کا بد نتیجہ دکھا کر ڈرا دیا اور ولا الضالین سے اہلِ بدعت کا آلِ کار بتلا دیا۔ الغرض بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں تین اسماءِ الٰہی سے اُن تینوں بد صفات کو مٹایا کس لئے کہ جس نے اللہ کو جانا شیطانِ ہوا کو بھگا دیا اور جس نے خدا کو جانا (رحمان) دل میں نرمی آئی غضب و غصہ دور ہوا اور جس نے اس کی رحیمی کا لحاظ کیا اپنی جانِ حزیں کو شہوات کے ظلم سے محفوظ رکھا اور الحمد کی سات آیتوں میں ان سات خصلتوں کی اصلاح کر دی کہ جو ان تینوں سے پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا۔ سبحان اللہ کیا کلام ہے۔ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کے پہاڑی وعظ کو مکارمِ اخلاق کی تعلیم میں ہر جگہ قرآن کے مقابلہ میں پیش کیا کرتے ہیں اگر انصاف فرماویں تو یقیناً معلوم ہو جاوے کہ اس وعظ کو اس کلام سے کچھ بھی نسبت نہیں ؛

## علمِ حقیقت

کو بھی (کہ جو مکاشفہ روحانی ہے) اس سورۃ میں بخوبی ذکر کر دیا چنانچہ تمام اسرارِ ربوبیت کو الحمد للہ رب العالمین میں بھر دیا گویا کہ عارف کے دل پر اس جملہ میں یہ منکشف کر دیا کہ تمام عالم کی ہستی اور ہر چیز کا وجود اُس کے وجودِ واجب کا پرتو اور اس آفتابِ حقیقی کی شعاعیں ہیں۔ اس عالم کی جس چیز کو دیکھے گا تو مرتبہ ذات میں معدوم پائے گا۔ اور خود بھی فرماتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ

کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ کس لئے کہ جب عارف اس مضمون کا ذکر تمام خوبیاں اُس ذات جامع الصفات کا ہے کیونکہ تمام عالموں کی ہر وقت پرورش اور تربیت کرتا ہے، مراقبہ کرے گا تو پھر اُس کی چشم حقیقت بین کے آگے اُس کے سوا کچھ اور دکھائی نہ دے گا اور جب وہ اس مقام سے لے کر الرحمن الرحیم مالک یوم الدین تک تجلیاتِ جلالیہ و جمالیہ کی سیر کرتا ہوا آوے گا تو اُس کو مرتبہ علم الیقین حاصل ہوجاویگا اور جب اس نور سے رُوح مسرور و منور ہوجائے گی تو تمام حجاب مرتفع ہوجائیں گے اور ایاک نعبد وایاک نستعین کے مرتبہ میں عین الیقین حاصل ہوجائے گا اور اس مرتبہ میں لطائف خمسہ (نفس، قلب، روح، خفی، اخفیٰ، ضلال واستعانت و ہدایت و استقامت والہام کے لحاظ سے) نہایت درجہ پر جاری ہوجاوینگی اور پھر اُن کے ذریعہ سے ہر چیز کی حقیقت کماہیٗ معلوم ہونے لگے گی اور حق الیقین کا مرتبہ نصیب ہوجائے گا اور جب سیر الی اللہ سے فارغ ہوچکا تو سیر من اللہ شروع کی اور اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین میں امور آخرت اور اعمال کی حقیقت دریافت کرتا ہوا پھر وہیں لوٹ کر آگیا تو ہو الاول ہو الآخر کی کیفیت منکشف ہوگئی چونکہ ان باریک باتوں کے بیان کرنے کی میری قلم میں طاقت نہیں لہٰذا اسی پر بس کرتا ہوں یہاں سے آپ کو اس دعویٰ کی تصدیق ہوگئی کہ جس طرح بسم اللہ الرحمن الرحیم میں تمام الحمد کا مضمون ملخص ہے اسی طرح الحمد میں قرآن اور جمیع کتب سماویہ کا مضمون جمع ہے (۴) خدائے تعالیٰ نے اجمالی طور پر اس سورۃ میں بے شمار وہ علوم جمع کر دیئے کہ جن کو تمام انبیاء اپنی کتابوں میں عہد آدم سے لے کر آنحضرت علیہ السلام تک جمع نہ کر سکے چنانچہ یہ بات آپ کو دفعہ سابق سے بخوبی معلوم ہوگئی ہوگی کہ علم شریعت طریقت حقیقت جو دریائے ذخار ہیں اس سورۃ میں کس خوبی کے ساتھ مذکور ہیں مگر اس مسئلہ کی اور تشریح کرنی ضروری ہے۔ واضح ہو کہ بسم اللہ میں ذات اور بیشمار اسماء الٰہی کی طرف اشارہ ہے اور الرحمن الرحیم میں خدا تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ کی طرف اشارہ ہے اور الحمد میں اُن نعماء الٰہی کی طرف اشارہ ہے کہ جن کا بیان کرنا محال ہے خواہ وہ وجود آسمان و زمین اور عناصر اور کواکب اور انسان کی تندرستی اور اناج اور کپڑے اور چیزیں وغیرہ ہوں کہ جن کے متعلق ہزار ہا مسائل ہیں چنانچہ منجملہ اُن کے بدن انسان سے جو کچھ متعلق ہے تخمیناً پانچ ہزار مسئلے ہیں کہ جن کو اطباء سبھی جانتے ہیں اور رب العالمین میں تربیت کی ہزارہا اقسام کہ کیونکر تربیت ہوتی ہے۔ حیوانات۔ نباتات۔ جمادات کے اصناف و انواع ہی کی تربیت کو لکھا جائے تو سینکڑوں کتابیں بنیں اور پھر عالم کے اقسام ارواح و اجسام شہودی و مثالی و اعراض و جواہر کا جاننا ہزاروں مسائل حکمت سے متعلق ہیں اور اس جملہ کی تفسیر لکھی جاوے تو صدہا کتابیں بنیں اور پھر الرحمن الرحیم میں دنیا و آخرت کے متعلق وہ صدہا باتیں کہ جو انسان کی حالت سے متعلق ہیں اجمالاً مذکور ہیں اور مالک یوم الدین میں ابدان سے جدا ہونے کے بعد نفوس کی بقا اور اُن کی سعادت و شقاوت کی طرف اور وہاں کے عذاب و ثواب اور مرنے کے بعد زندہ ہونے اور نفخ صور اور وقوف عرصات و حساب و میزان و دوزخ و جنت کے درجات اور انبیاء و صدیقین و دیگر اولیاء کی شفاعت کی طرف اجمالاً اشارہ ہے کہ جن کے لئے دفتر درکار ہیں اور ایاک نعبد میں عبادت کے اقسام قلبی و قالبی مالی و بدنی کی طرف اشارہ ہے اور اُن کے ارکان و شروط کی طرف کہ جن کا ذکر کتب فقہ و سلوک و اوراد و اشغال کے رسائل میں ہے اور یہ بھی سینکڑوں مسائل مہمہ ہیں اور ایاک نستعین میں تمام معونتوں اور دنیا کی جمیع صنعتوں اور کُل حرفوں کی طرف مجملاً اشارہ ہے کس لئے کہ تمام پیشوں اور صنعتوں میں خدا تعالیٰ سے اُس کی مخلوقات کے ذریعہ سے استعانت ہے پس ان صنعتوں اور پیشوں کے بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیے تاکہ پورے طور پر استعانتِ الٰہی کا حال معلوم ہو یہ ہزارہا مسائل اور بے شمار مباحث ہیں کہ جو اس کلمہ میں مندرج ہیں اھدنا الصراط المستقیم میں تو اس قدر بیشمار مسائل علوم حکمیہ کی طرف اشارہ ہے کہ جن کا کچھ شمار ہی نہیں کس لئے کہ دنیاوی امور بیاہ شادی مرنے جینے بیع و شرا لین دین وغیرہ معاملات میں صراطِ مستقیم بھی ایک دریائے بے کنار ہے اور اسی طرح اخلاق انسانیہ سخاوت و شجاعت

وصبر و قناعت وغیرہا صراط مستقیم سے ہزار ہا مسائل متعلق ہیں۔ پھر ہر امر میں صراطِ مستقیم کی ہدایت کے دو طریق ہیں ایک استدلال سے صراطِ مستقیم حاصل کرنا جیسا کہ مشائین کرتے ہیں پھر اور امور تو درکنار خاص ذاتِ باری کے لئے عالم علوی و سفلی کا ہر ایک ذرہ شاہد عدل ہے کہ جو اس کی کمالِ ذات و تقدس صفات و عظمت و قدرت پر زبانِ حالی سے گواہی دے رہا ہے، کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎ وفی کل شیٔ لہٗ شاہدٌ ۔ یدل علےٰ انہٗ واحدٌ ؛ دوسرا طریق انکشاف باطنی اور روحانی ہے کہ جو اشراقین کا ہے پھر یہ ہزار ہا مسائل اور بے شمار علوم ہیں کہ جو اس ایک جملہ میں مجتمع کر دیئے گئے ہیں۔ صراط الذین انعمت علیہم میں مباحث نبوات اور ولایت کی طرف اور انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں اور اُن کے عقائد اور حالات اور سرگزشت کی طرف اشارہ ہے کہ جو صد ہا مسائل ملت و تاریخی واقعات سے متعلق ہیں گویا اس جملہ میں تمام انبیاءؑ اور اُن کے پیرووں کی تاریخ اور ان کی شریعت مجملاً بیان کر دی۔ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین میں تمام کفار اور مشرکین کے حالات اور کل بدملتوں کی سرگزشت اور اُن کے مذاہب باطلہ اور عقائد فاسدہ اور خراب چال وچلن کی طرف اشارہ ہے کہ جس کی تفصیل کے لئے ملل ونحل اور دبستانِ مذاہب وغیرہا صد ہا کتابیں بھی کافی نہیں۔ اور جن کی تاریخ عبرت انگیز بے شمار کتابوں میں نہیں آسکتی۔ الحاصل مبدء معاد۔ ملت۔ شریعت۔ الہیات۔ طبعیات۔ تاریخ انبیاء وصلحاء۔ مخالفین کے حالات وغیرہا بیشمار علوم خدا تعالیٰ نے اجمالاً بترتیب اس سورۃ میں جمع کر دیئے ہیں۔

(۵) دعاء خداتعالیٰ اور بندہ میں ایک ایسا عمدہ ارتباط ہے کہ اس سے بڑھ کر پھر کوئی واسطہ نہیں کس لئے کہ دعاء میں دو باتیں ضرور ہوتی ہیں۔ ایک[1] اپنی عاجزی اور فروماندگی کا اظہار اور کسی مقصود کا سوال دوسرے[2] خداتعالیٰ کی دل سے کامل عظمت اور اُس کی جناب میں کامل درجہ کا اعتقاد کہ وہ ہر چیز پر بالخصوص میرے اس مقصد کے عطا کرنے پر قادر ہے۔ گویا دُعاء پوری عبودیت کا اظہار اور اُس کی اُلوہیت کا اقرار ہے کہ جو دل سے اور زبان سے ادا کر رہا ہے اور اعضا سے اس کی شہادت دے رہا ہے اور اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ دُعاء عبادت کا مغز ہے (رواہ الترمذی) اور یہ بھی آیا ہے کہ دُعاء سے زیادہ خداتعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز بڑی نہیں (رواہ الترمذی وابن ماجہ) پس دعاء جس طرح بندہ کی روح کو جنبش دیتی ہے اسی طرح رحمتِ الٰہی کو تحریک کرتی ہے جس سے خداتعالیٰ یا تو اس دُعاء سے کسی آنے والی مصیبت کو ٹال دیتا ہے یا اُس کام کے اسباب پیدا کر کے اُس کو پورا کر دیتا ہے یا کبھی بطور خرق عادت بلا اسباب مقصد کو جس کے لئے دُعاء مانگی گئی ہے پورا کر دیتا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرامؒ کی دعاء سے ظہور میں آیا۔ جس کی شہادت خود قرآن اور کتب احادیث وسیر و روایتِ ثقات دے رہی ہے اور یہی اجابت[1] ہے اور چونکہ دُعاء اعلیٰ عبادت ہے تو ضرور ہوا کہ اس کے آداب تعلیم فرمائے جائیں۔ پس اس لئے اس سورۃ میں تعلیم کر دیا کہ اول خداتعالیٰ کی ثنا و صفت کرنی چاہیئے جیسا کہ الحمد سے لے کر مالک یوم الدین تک پایا جاتا ہے اور پھر اپنا اخلاص اور نیاز ظاہر کرنا چاہیئے جیسا کہ ایاک نعبد و ایاک نستعین سے ظاہر ہے پھر دعاء کرنی چاہیئے۔

[1] مؤلف القرآن اپنی تفسیر میں قواعد نیچریہ کے موافق صفحہ ۱۰ میں تحریر فرماتے ہیں ،۔

قولہ مگر لوگ دعاء کے مقصد اور استجابت کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جس مطلب کے لئے دُعاء کرتے ہیں وہ دعاء کرنے سے حاصل ہو جائیگا اور استجابت کے معنی اُس مطلب کا حاصل ہونا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلطی ہے حصولِ مطلب کے جو اسباب خداتعالیٰ نے مقرر کئے ہیں وہ مطلب تو انہیں اسباب کے جمع ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر دعاء نہ اس مطلب کے اسباب میں سے ہے اور نہ اُس مطلب کے اسباب جمع کرنے والی ہے بلکہ وہ اُس قوت کو تحریک دیتی ہے جس سے اضطراب میں تسکین ہوتی ہے اور ایسی کیفیت کا دل میں پیدا ہونا دعاء کا مستجاب ہونا ہے، انتہیٰ ملخصاً۔

اقول ،۔ بیشک اصولِ نیچریہ کے مطابق نہ دُعاء سے مطلب کے اسباب خداتعالیٰ پیدا کرنے پر قادر ہے نہ اس کو قدرت ہے کہ وہ بندہ کو اس کے عجز و زاری سے اُس کا مطلب عطا کرے (باقی حاشیہ

جیساکہ اہدنا الصراط المستقیم الخ سے ظاہر ہے مگر ایسے بادشاہ حقیقی سے دُعاء بھی وہ کرنی چاہیے کہ جو تمام دینی و دنیاوی امور کو حاوی ہو جیساکہ الصراط المستقیم الخ سے ظاہر ہے اور اسی حکمۃ بالغہ سے ہر نماز میں دو بار اس سورۃ کا پڑھنا واجب ٹھیرا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کیا ہی عمدہ دُعاء تعلیم فرمائی ہے۔

(۶) تعلیم کی یہ خوبی ہے کہ ایک بار اجمالاً تمام مراتب ہدایت تعلیم کرے پھر تدریجاً ان کی تفصیل کرے کیونکہ اجمال کے بعد تفصیل دل پزیر نشین ہوتی ہے اور اس اجمالی فہرست پر عمل کرنا اور ان مضامین کو اس مختصر متن سے دریافت کرنا بھی زیادہ تر آسان ہوتا ہے پس خدا تعالیٰ نے اس سُورۃ مقدسہ میں یہی کیا کہ تمامی الہامی مضامین کو مجملاً مجتمع کردیا پھر باقی قرآن مجید میں اُن کی تفصیل فرمائی چنانچہ (۱) خداوند تقدس وتعالیٰ کی ذات وصفات کی بابت جس قدر آیات ہیں جیساکہ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الآیۃ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ وغیرہا

من الآیات (۲) اسی طرح جو کچھ ابتدائے آفرینش آسمان وزمین اور حجر وشجر کے متعلق بیان فرمایا ہے جیساکہ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ الآیات۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ۔ (۳) اور اسی طرح جو کچھ اس کی علاماتِ قدرت اور دنیا کی نعمتوں کی بابت مذکور ہے جیساکہ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَفِیْ خَلْقِكُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۝ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا۔ الآیات اور انھیں اقسام کی جملہ آیات سب الحمد للّٰہ ربّ العالمین الرحمٰن الرحیم کی تفصیل اور شرح ہیں جیساکہ اوپر بیان ہوا۔ اور (۴) جو کچھ انسان کی موت اور موت کے بعد عذاب ثواب اور دنیا کی بے ثباتی اور نفخ صُور اور احوالِ قیامت اور دوزخ اور جنت کی

(بقیہ حاشیہ ۵۳) کس لئے کہ سرے سے نیچر کے نزدیک خدائے قادر کا وجود ہی مسلّم نہیں ورنہ اسباب پیدا کرنے سے عجز کے کیا معنے؟ اور بطور خرق عادات دُعاء پر مطلب حاصل کرنے سے ناچار ہونے کی کیا وجہ؟ بلکہ ان کے نزدیک خدا تو ایک فرضی چیز ہے کہ جس کو بالطبع اوہام عامّہ ہونے کے وجود کی طرح اختراع کرتے ہیں اور جس طرح لڑکوں کو ہوّے سے ڈرانے کے یہ معنے ہیں کہ ان میں ایک کیفیت پیدا ہوجاتی ہے اسی طرح دعاء کے مستجاب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ بیوقوفوں کو کچھ تسکین سی ہوجاتی ہے، العیاذ باللہ۔ مگر یہ معنی عقل سلیم اور اصول ادیانِ سماویہ بالخصوص قواعدِ اسلام کے نزدیک بالکل مردود ومطرود ہے کس لئے کہ جب ادلّہ عقلیہ ونقلیہ سے عالم کے بانی کا ایک ایسا وجود تسلیم کرلیا گیا ہے کہ جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہاء۔ اور وہ ہر ممکن پر قادر ہے اور ممکنات پر تصرّف کرنے سے کوئی چیز اس کو نہیں روک سکتی اور دُعا کے بعد اسباب کا پیدا کردینا بلکہ مطلب کا حاصل کردینا یہ سب کچھ اُس قادرِ مطلق کے نزدیک ممکن ہے تو پھر اس تصرف سے کس کا ہاتھ اُس کو روک سکتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشمار احادیث میں دُعاء سے مطلب کا حاصل ہونا پایا جاتا ہے چنانچہ انھیں حضرت ترمذیؒ نے کہ جن کی روایت کو مفسّر صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ حضرتؐ فرماتے ہیں ما من احد یدعو بدعاء الا آتاہ اللہ ما سأل او کف عنہ السوء مثلہ مالم یدع باثم او قطیعۃ رحم (رواہ الترمذی) کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے دعاء کرتا ہے خدا تعالیٰ اُس کا مطلب عطا کرتا ہے یا اُس کی مثل اُس سے بُرائی دُور کردیتا ہے جب تک کہ گناہ اور قطع رحم کی دُعاء نہ مانگے۔ وعن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان الدعاء ینفع مما نزل ومما لم ینزل فعلیکم عباد اللہ بالدعاء (رواہ الترمذی ورواہ احمد عن معاذ بن جبل) کہ دُعاء ہر حال مفید ہے۔ بلائے نازل شدہ میں صبر واجر دیتی ہے اور جو ہنوز نازل نہیں ہوئی ہے اُس کو دفع کرتی ہے۔ وعن سلمانؓ الفارسی قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یرد القضاء الا الدعاء (رواہ الترمذی) کہ دعاء کے سوا قضاء کو اور کوئی چیز نہیں روکتی۔ اسی طرح تمام کُتب سماویہ میں پایا جاتا ہے۔ مگر چونکہ اکثر لوگ اس فریق کے وہ ہیں کہ جن کو امورِ دنیا میں کامیابی ہے اس لئے وہ دعاء کے اثر کو فضول جانتے ہیں۔*

* اور اکثر اہلِ دنیا ایسا ہی جانا کرتے ہیں۔ منہ

کیفیت کے متعلق قرآن میں مذکور ہے جیسا کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ۔ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ۔ یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ الآیۃ۔ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ الآیۃ۔ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَا ھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ۝ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّھَا وَوُضِعَ الْکِتٰبُ وَجِآیْءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّھَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ الآیات۔ یہ آیات اور سورۂ رحمٰن وغیرہا کہ جو جنّت اور دوزخ کے حالات سے پُر ہیں اور وہ آیات کہ جن میں دیدارِ الٰہی کا ذکر ہے سب مالکِ یوم الدین کی تفسیر اور تفصیل ہے۔ (۵) اور اسی طرح جس قدر آیات میں نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ و صدقہ و خیرات اور خدا کے ساتھ اخلاص و محبت اور دل سے اُس کی اطاعت و فرمانبرداری کا ذکر ہے جیسا کہ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ الآیۃ۔ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ۔ وَبِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۔ وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ۔ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ۔ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ یہ سب ایاک نعبد و ایاک نستعین کی تفصیل ہے۔ اور (۶) اسی طرح جو کچھ باہمی معاملات میں نیک چلنی اور لوگوں سے نیکی سے پیش آنے کی بابت اور گناہوں سے بچنے کی بابت اور اخلاقِ حمیدہ کی بابت اور ہر اَمر میں میانہ روی کی بابت قرآن میں مختلف سورتوں میں مختلف عنوانوں سے وارد ہوا جیسا کہ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ کہ بدی کے مقابلہ میں نیکی کرو (حضرت مسیح علیہ السلام نے تو یہی فرمایا تھا کہ جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو اُس کی طرف دوسرا گال بھی کر دے) مگر سید المرسلین ؐ کی معرفت اُس سے بھی بڑھ کر یہ تعلیم دی گئی کہ بدی کے بدلہ میں نیکی کرو اور وَذَرُوْا ظَاھِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَہٗ ۔ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ۔ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ۝ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۔ یہ سب اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی تفسیر ہے۔

(۷) اور اسی طرح جو کچھ انبیاء علیہم السّلام اور اُن کے پیروؤں کے معاملہ اور اُن پر اور ملائکہ پر ایمان لانے کی بابت اور اُن کے طریقہ کی بابت جو کچھ مختلف سورتوں میں آیا ہے جیسا کہ سورۂ قصص اور سورۂ انبیاء اور سورۂ یوسف اور سورۂ نوح اور سورۂ شعراء اور سورۂ نمل اور سورۂ یونس اور سورۂ مومنون اور سورۂ طٰہٰ اور سورۂ مریم اور سورۂ مائدہ اور سورۂ کہف میں مذکور ہے، سب صراط الذین انعمت علیہم کی تفصیل ہے اور (۸) اسی طرح جس قدر سرکشوں کے قصّے اور اُن پر عذابِ الٰہی نازل ہونا اور قہرِ خدا تعالیٰ کا نازل ہونا قرآنِ کریم میں مذکور ہے جیسا کہ سورۂ مذکورہ میں فرعون و ہامان اور قارون اور قوم عاد و ثمود کا قصّہ کہ جو سورۂ اعراف وغیرہ میں بھی مذکور ہے اور اسی طرح اور گمراہوں اور نافرمانوں اور کافروں کے حالاتِ عبرت انگیز جس قدر قرآن میں مذکور ہیں سب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی تفسیر و تشریح ہے یہ مضامین اس خوبی سے کسی کتاب میں نہیں اور جو کوئی دعوٰی کرے تو دکھا دے۔ وید۔ دساتیر۔ انجیل۔ توراۃ سب اس خوبی سے معرّا ہیں (۹) جو کچھ بلاغت اور فصاحت اور سلاستِ الفاظ (کہ جس کا مزہ اہلِ زبان لیتے ہیں) اس سورۃ میں ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ ازانجملہ یہ کہ الحمد للہ کہا۔ نحمد اللہ یا احمد اللہ جملہ فعلیہ نہ کہا دو وجہ سے۔ اوّل یہ کہ جملہ فعلیہ تجدّد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ اور وہ اُس کے علوِّشان کے مناسب نہیں بخلاف اسمیہ کے کہ جو دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے (دوم) یہ کہ خدا تعالیٰ کی حمد کوئی کیا کر سکتا ہے لاکھوں نعمتیں ہیں اور ہزاروں خوبیاں پس اُس کی حمد کا دعوٰی کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ اس لئے الحمد للہ کہدیا کہ حمد خدا کے لئے ہے۔ ازانجملہ صنعتِ التفات ہے کہ الحمد للہ سے لے کر مالکِ یوم الدین تک تو غائبانہ گفتگو تھی۔ پھر ایاک نعبد و ایاک نستعین میں مخاطب

بنا کر کلام کیا اور پھر اھدنا الصراط الخ میں صیغۂ متکلم بولا اور یہ صنعت زبانِ عرب میں نہایت محمود ہے تاکہ ایک طرح کے کلام سے دل پر ملال نہ آ جائے جیسا کہ امرء القیس عرب کا مشہور شاعر اپنے ان اشعار میں اس صنعت کو استعمال کرتا ہے ؎ تطاول لیلک بالاثمد + ونام الخلی ولم ترقد + وبات وباتت لہٗ لیلۃ + کلیلۃ ذی العائر الارمد + وذلک من نبا جاءنی + وانبئتہ عن ابی الاسود + کلام کے اسلوب کے بدلنے سے نشاطِ خاطر پیدا ہوتا ہے کہ جس کو ہر صاحب ذوقِ سلیم جانتا ہے اور یہ کلام میں ایسا ہے کہ جیسا کھانے میں نمک اور انہیں خوبیوں سے عرب قرآن سنکر وجد میں آتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے تھے روایت ہے کہ ہجرت سے پہلے مکہ میں جب چند لوگ ایمان لاتے تھے اور مشرکین کے خوف سے بیچارے ایماندار بلکہ سید ابرار پوشیدہ رہتے تھے اور جس طرح شہر یروشلم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے حواریوں پر ہر طرف سے مارا مار اور طعن و تشنیع کی بوچھاڑ تھی۔ یہی حال مکہ میں حضرت ؐ اور صحابۂ جانباز کا تھا مگر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ چونکہ بڑے تاجر تھے لوگ اُن کا خیال کرتے تھے اس لئے گھر سے باہر ایک چبوترہ تھا اُس پر بیٹھ کر نہایت درد سے قرآن مجید پڑھتے اور اُس کے اثرِ جاں گداز سے شمع کی طرح روتے تھے ایک تو قرآن مجید کے وہ روح کو کپکپا دینے والی نئی نئی باتیں رستہ چلنے والی عورتوں اور مردوں اور بڈھوں اور بچوں کے کان میں پڑنا، اُس پر صدیق اکبر رضؓ کا درد اور اصلی لب و لہجہ سے پڑھنا شعر ؎ صف اس پری وش کا اور پھر بیان اپنا + بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا : پھر تو جو سنتا تھا کھڑا ہو کر سر دُھنتا تھا۔ ایک اژدحام اور مجمع خاص و عام ہو جاتا تھا۔ جو سخت منکر ننگی تلوار لے کر مارنے آتے تھے آنکھوں سے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ ہر روز بہت سی عورتیں اور بہت سے مرد ایمان لاتے اور اُس پر مخالفوں کی ہر قسم کی اذیت اُٹھاتے تھے۔ کوئی دھوپ میں چوپٹا کیا جاتا ہے کسی پر کوڑے پڑ رہے ہیں۔ کسی کو مار پیٹ رہی ہے کوئی جلا وطن کیا جاتا ہے کوئی جان سے مارا جاتا ہے۔ میاں سے بی بی اس بارے میں لڑ رہی ہے۔ میاں بی بی کو سمجھا رہا ہے۔ مگر دل میں قرآن کا اثر روز افزوں اور عشقِ الٰہی میں ہر دم حالت دگرگوں ہے نہ کسی قسم کی تکلیف کا ڈر، نہ جلا وطنی کا خوف و خطر۔ یہ حال دیکھ کر لوگوں نے یہ کہا کہ ابوبکر رضؓ جادوگر ہے جانے یہ کیا پڑھتا ہے کہ جو نہایت پُر اثر ہے، لہٰذا صدیقِ اکبر رضؓ کو بھی مکہ سے نکال دیا۔ الغرض قرآنِ مجید کے اس اثرِ بے حد سے تمام عرب میں کھلبلی پڑ گئی۔ جہاں صحابہ رضؓ نے جا کر قرآن کی منادی کی وہیں ہزاروں سرکش اور بت پرست سُن کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔ اور چند صحابہ رضؓ ملک حبشہ میں گئے اور وہاں کے بادشاہ نجاشی نے کہ جو اہلِ کتاب کا بڑا عالم تھا قرآن سُنا اس کا اور اُس کے ارکانِ دولت کا دل ایمان سے بھر گیا اور سب اربابِ جلسہ بے اختیار رونے لگے۔ اسی طرح جہاں قرآن پہنچا وہیں اُس نے اپنا اثر دکھایا۔ اس لئے چند سال میں شرق سے غرب تک اکثر سرسبز سلطنتوں میں اسلام پھیل گیا۔ افسوس متعصب پادری شیوعِ اسلام تلوار کے زور سے بتا کر اسلام پر عیب لگاتے ہیں۔ اب ہم قرآن کا مقابلہ اور کتابوں سے کرتے ہیں اور الحمد کی سات آیتوں کے مقابلہ میں ہر کتاب کے سات جملہ لکھ کر دکھاتے ہیں:

# مقابلہ

رات محفل میں ہر اک مہ پارہ گرمِ لاف تھا
صبح کو خورشید جب نکلا تو مطلع صاف تھا

| توراۃ | زبور | دساتیر | رگ وید | انجیل | قرآن مجید |
|---|---|---|---|---|---|
| کہ جس کو بقولِ اہلِ کتاب | بقولِ اہلِ کتاب کے | کہ جس کو ساسان پنجم نے | کہ جس کو بیاس جی شاگرد | بقولِ نصاریٰ چار | عرب میں شہر مکہ اور |

| توراة | زبور | دساتیر | رگ وید | انجیل | قرآن مجید |
|---|---|---|---|---|---|
| حضرت موسیٰ کے صدہا سال بعد علماء یہود نے جمع کیا اور جس طرح کوئی کسی مُردے کی ہڈیاں جمع کرکے نام اُس شخص کا رکھے اسی طرح اس مجموعہ کا نام توراۃ رکھا۔ مطبوعہ مرزاپور نارتھ انڈیا ۱۸۶۸ء | مصنف کتاب کا صحیح پتہ نہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں یا کوئی اور شخص ہے۔ مطبوعہ مطبع مذکور۔ | پاژندی زبان سے دری میں ترجمہ کیا۔ مطبوعہ مطبع سراجی دہلی ۱۲۸۰ھ | زردشت نے لوگوں کے منتر لے کر جمع کیا۔ ترجمہ لچھمن داس دہلوی۔ مطبوعہ دہلی ۱۸۸۲ء | شخصوں متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا۔ نے حضرت مسیح کے بعد تاریخ کے طور پر اُن کے حالات کو جمع کیا۔ مطبوعہ مرزاپور ۱۸۷۰ء | مدینہ میں جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء پر بواسطہ جبریل علیہ السلام خدا کی طرف سے آیا بلا تغیر حرف ازل اسلام میں موجود ہے۔ |
| باب اوّل | اوّل زبور | | | | |
| ابتداء میں خدا تعالیٰ نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کیا۔ | مبارک وہ آدمی ہے کہ جو شریروں کی صلاح پر نہیں چلتا اور خطاکاروں کی راہ پر کھڑا نہیں رہتا اور ٹھٹھا کرنے والوں کے جلسہ میں نہیں بیٹھتا۔ | پناہم بیزداں از نفس خوی بد و زشت و گمراہ کنندہ و براہ ناخوب برندہ و رنج دہندہ و آزار رسانندہ۔ | میں اگنی دیوتا کی جو سوم کا بڑا گرو کارکن اور بڑے دیوتاؤں کو نذریں پہنچانے والا اور بڑا ثروت والا ہے جپا کرتا ہوں یعنی میں آگ کی ستائش کرتا ہوں۔ | یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہام کا نسب نامہ۔ | بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین سب خوبیاں اللہ کو کہ جو تمام عالم کا پرورش کرنے والا ہے۔ |
| (۲) اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی۔ | (۲) بلکہ خداوند کی شریعت میں مگن رہتا اور دن رات اُس کی شریعت میں سوچا کرتا ہے۔ | (۲) بنام ایزد بخشایندہ بخشایشگر مہربان دادگر۔ | (۲) ایسا ہو کہ اگنی جس کی پوجا زمانہ قدیم اور زمانہ حال کے رشی کرتے چلے آئے ہیں دیوتاؤں کو اسطرف متوجہ کرے۔ | (۲) ابراہام سے اضحاق اور اضحاق سے یعقوب پیدا ہوا اور یعقوب سے یہوداہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے۔ | (۲) الرحمن الرحیم۔ جو نہایت مہربان اور رحیم ہے۔ |
| (۳) اور خدا تعالیٰ نے کہا کہ اُجالا ہو اور اُجالا ہو گیا۔ | (۳) سو وہ اس درخت کی مانند ہوگا جو پانی کی نہروں کے کنارے لگایا جاوے اور اپنے وقت پر میوہ لاوے جس کے پتے مرجھاتے نہیں اور اپنے ہر کام میں پھولتا پھلتا رہے گا۔ | (۳) بنام یزدان۔ | (۳) اگنی کے وسیلہ سے پوجاری کو ایسی آسودگی حاصل ہوتی ہے جو روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور جو شہرت کا سرچشمہ اور انسان کی نسل کی بڑھانے والی ہے۔ | (۳) یہوداہ سے پھارس اور زارح تمر کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور پھارس سے حصرون پیدا ہوا اور حصرون سے آرام پیدا ہوا۔ | (۳) مالک یوم الدین۔ اور جزا کے دن کا مالک ہے۔ |
| (۴) اور خدا تعالیٰ نے اُجالے کو دیکھا کہ اچھا ہے اور خدا نے | (۴) شریر ایسے نہیں بلکہ وہ بھوسی کی مانند ہیں جسے ہوا | (۴) این بود ایزد تو را دانست چنانکہ ہست او کہ | (۴) اے اگنی یگ جس کو کوئی نہیں روک سکتا اور | (۴) اور آرام سے عمیناداب پیدا ہوا اور عمیناداب سے نحسون | (۴) ایاک نعبد و ایاک نستعین ہم تیری ہی عبادت |

| توراۃ | زبور | دساتیر | رگوید | انجیل | قرآن مجید |
|---|---|---|---|---|---|
| اُجالے کو اندھیرے سے جُدا کیا۔ | اُڑا لے جاتی ہے۔ | یارد (یعنی حقیقت وجود خدا تعالےٰ کو سوائے اُسکے اور کوئی نہیں جان سکتا) | جس کی تو ہر طرف سے رکھشا کرنے والا ہے۔ تحقیق وہ دیوتاؤں کو پہنچتا ہے۔ | پیدا ہوا اور نحسون سے سلمون پیدا ہوا۔ | کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ |
| (۵) اور خدا نے اُجالے کو دن کہا اور اندھیرے کو رات کہا سو شام اور صبح پہلا دن ہوا۔ | (۵) سو شریر عدالت میں کھڑے نہ ہو دیں گے نہ خطاکار صادقوں کی جماعت میں۔ | (۵) ہستی و یکتائی وکسی سراسر فروز یا آور ہمہ گوہر اوست واز و بیرون نیست (یعنی اس کی ہستی اور تمام صفات اُسکی ذات میں ہیں) | (۵) ایسا ہو کہ اگنی جو نذروں کا پہنچانے والا اور علم کا میل کرنے والا اور سچا نامور دیوتا ہے مع دیوتاؤں کے یہاں آوے۔ | (۵) اور سلمون سے بوعز راحاب کے پیٹ سے پیدا ہوا اور بوعز سے عوبید روت کے پیٹ سے پیدا ہوا اور عوبید سے یسّی پیدا ہوا۔ | (۵) اہدنا الصراط المستقیم۔ ہم کو سیدھی راہ پر چلا۔ |
| (۶) اور خدا نے کہا کہ پانیوں کے بیچ فضا ہووے اور پانیوں کو پانی سے جدا کرے۔ | (۶) کیونکہ خداوند صادقوں کی راہ جانتا ہے پر شریروں کی راہ نیست و نابود ہوگی (یہاں تک اوّل زبور تمام ہوا)۔ | (۶) خبر آغاز و انجام و انباز و دشمن و مانند و یار و پدر و مادر و زن و فرزند و جائے و سو و تن و تن آسا و تنانی ورنگ و بوست (یعنی خدا تعالے ابتدا و انتہا۔ دشمن اور شریک اور مادر و پدر جسم ورنگ و بو سے پاک ہے)۔ | (۶) اے اگنی جس قدر تیرے سے ہو سکے اپنے نذر دینے والے کو فائدہ پہنچا۔ وہ یقیناً تیرے پاس اے انگرا واپس آئے گا۔ یعنی انگاری | (۶) اور یسّی سے داؤد بادشاہ پیدا ہوا اور داؤد بادشاہ سے سلیمان اُس سے جو اوریاہ کی جورو تھی پیدا ہوا۔ | (۶) صراط الذین انعمت علیہم۔ راہ ان لوگوں کی کہ جن پر تو نے انعام کیا۔ |
| (۷) تب خدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے پانیوں کو فضا کے اوپر کے پانیوں سے جدا کیا اور ایسا ہی ہو گیا | | (۷) زندہ و دانا و توانا و بے نیاز و دادگر و بر شنودن و دیدن و بودن آگاہ است (یعنی خدا زندہ و دانا و لاشریک اور سنتا اور خبردار ہے)۔ | (۷) اے اگنی ہم ہر روز صبح اور شام اطاعت کے ساتھ تیرا دھیان کرکے تیرے پاس آتے ہیں۔ | (۷) اور سلیمان سے رحبعام پیدا ہوا اور رحبعام سے ابیاہ اور ابیاہ سے آسا پیدا ہوا۔ | (۷) غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ نہ ان کی کہ جن پر غضب نازل ہوا نہ گمراہوں کی۔ آمین۔ |
| | | اس کے بعد بطرز حکمائے یونان خدائے تعالیٰ سے عقلِ اوّل کا پیدا ہونا اور اُس سے عقلِ دوم | | | اس سورۃ کو مع اُن تمام اسرار کے ملاحظہ کرنا چاہیے کہ جو اوپر بیان ہوئے اور اُنکے سوا اور بے شمار اسرار ہیں |

| توراة | زبور | دساتیر | رگوید | انجیل | قرآن مجید |
|---|---|---|---|---|---|
| | | اور نویں آسمان کا پیدا ہونا لکھا ہے اور اسی طرح آسمانوں کے عدم خرق والتیام پر دلائل لایا ہے مگر اس کلام میں بھی چند نظر ہیں (۱) یہ کہ سب ترجمہ ساسان پنجم کا ہے کہ جس نے زمانۂ اسلام کو بھی دیکھا ہے۔ اگر اُس نے اہل اسلام کی تقلید سے صفات باری میں کچھ بیان کیا ہو تو کچھ تعجب نہیں، چنانچہ اعوذ باللہ اور بسم اللہ کا ترجمہ شاہد عدل ہے۔ | | | کہ جن کو میں نہیں جانتا۔ اور جانتا ہوں تو بیان کرنے سے عاجز ہوں کہ جن کو اولیائے امت اور اہل باطن جانتے ہیں وہ سب اسرار ان لفظوں سے ذرا تامل کرنے سے بے ساختہ منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں فقط۔ |

| توراة | زبور | دساتیر | رگوید | انجیل |
|---|---|---|---|---|
| (۸) اور خدا نے فضا کو آسمان کہا، سو شام اور صبح دوسرا دن ہوا۔ | یہاں بھی کچھ کلام ہے۔ (۱) یہ کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ کلام عمدہ ہے اور اس کو الہامی کہہ سکتے ہیں مگر اس میں جو کچھ ہے | (۲) یہ کہ جن کتابوں کو ہم غیر الہامی کہتے ہیں اُن سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ اُن میں کوئی بات بھی حق نہیں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے شاید خدا نے | (۸) اے اگنی جوتی سروپ یگ کی رکشا کرنے والی راستی کو فروغ دینے والی اور اپنے مکان میں کثیر ہونے والی ہم تیرے پاس آتے ہیں۔ | (۸) اور آسا سے یہوسفط پیدا ہوا اور یہوسفط سے یورام پیدا ہوا اور یورام سے عزیاہ پیدا ہوا۔ |
| (۹) اور خدا نے کہا کہ آسمان کے نیچے کے پانی ایک جگہ جمع ہوویں کہ خشکی نظر آوے اور ایسا ہی ہو گیا۔ | صرف شریعت پر عمل کرنے کی تاکید ہے مگر جس قدر تاکید اور خوبی اهدنا الصراط المستقیم الخ میں ہے (کہ شریعت کے نیچو کو مشاہدہ کرا دیا ہے) | ایران میں بھی انبیاء بھیجے ہوں اور ان پر کتاب نازل کی ہو اور پھر اُن کی کتابوں اور دین میں تحریف ہو گئی ہو (جیسا کہ توراۃ | (۹) اے اگنی ایسی کرپا کر کہ ہم تجھ تک آسانی سے پہنچ سکیں جیسے فرزند باپ کے پاس جب چاہے جا سکتا ہے ہماری بھلائی کے واسطے | (۹) اور عزیاہ سے یوتام پیدا ہوا اور یوتام سے آخز پیدا ہوا اور آخز سے حزقیاہ پیدا ہوا۔ |
| (۱۰) اور خدا نے خشکی کو زمین کہا اور جمع ہوئے پانیوں کو سمندر کہا دیکھو ۱۱ سے لے کر ۲۶ آیت تک زمین کی گھاس اور جاندار اور باقی۔ دلو | اس میں دسواں حصہ بھی نہیں علاوہ اسکے اور باقی مضامین سورۂ الحمد کے مقابلہ میں تو کچھ بھی اس زبور میں نہیں پھر جو اس کو کلام آسمانی کہا | اور انجیل میں ہوئی) لیکن اس مضمون کو الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین سے کچھ بھی نسبت نہیں کس لئے کہ الحمد | ہمیشہ ہمارے ساتھ رہو۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ اس کلام کو الحمد سے کچھ بھی نسبت نہیں بلکہ یہ | (۱۰) اور حزقیاہ سے منسی پیدا ہوا اور منسی سے آمون پیدا ہوا اور آمون سے یوسیاہ پیدا ہوا۔ |

## توراۃ

کا بیان ہے۔
(۲۶) تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بناویں الخ۔
(۲۷) اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا الخ۔
(باب دوم)
(۸) اور خدا نے عدن میں پورب کی طرف سے ایک باغ لگایا اور آدم کو جس نے اسے بنایا تھا وہاں رکھا الخ۔
(۱۰) اور عدن سے ایک ندی باغ کے سیراب کرنے کو نکلی اور وہاں سے تقسیم ہو کے چار سرے نہروں کے بنے۔
(۱۱) پہلے کا نام فیسون جو خویلہ کی ساری زمین کو گھیرتی ہے وہاں سونا ہوتا ہے۔
(۱۲) اور اس زمین کا سونا اچھا ہے اور وہاں موتی بھی ہیں۔
(۱۳) دوسری نہر کا نام جیحون ہے جو کوش کی ساری زمین کو گھیرتی ہے۔
(۱۴) اور تیسری نہر کا نام دجلہ ہے جو آسور کی پورب جاتی ہے۔ اور چوتھی نہر کا نام فرات ہے الخ۔
اگرچہ اس توراۃ موجودہ میں اصلی تورات کی بہت سی باتیں ہیں کہ جن کا قرآن مصدق

## زبور

کہتے ہیں ان کو ضرور ہے کہ سورۂ الحمد کو بھی کلام الٰہی کہیں ورنہ انصاف سے بعید ہے۔
(۲) یہ کہ اس کے مؤلف اور ملہم کا اب تک تحقیق حال معلوم نہیں کہ کون ہے؟ آیا حضرت داؤد ہیں یا کوئی اور، اور جو حضرت داؤد ہوں تو ان کی نسبت صموئیل کی دوسری کتاب کے ۱۱ باب میں اوریاہ کی جورو سے زنا کرنا لکھا ہے پھر جب انہوں نے خود شریعت پر عمل نہ کیا تو ان کی بات کا کیا اعتبار رہا۔
(۳) عیسائیوں کے نزدیک تو یہ زبور بالکل لغو ہونی چاہئے کس لئے کہ پولوس کہ جو ان کے نزدیک بڑا رسول ہے اپنے اس خط میں کہ جو گلتیون کو لکھا ہے اور جس کو عیسائی کلام الٰہی جانتے ہیں اس کے تیسرے باب میں شریعت پر چلنے والے کو بلکہ خود عیسیٰ علیہ السلام کو ملعون لکھا ہے چنانچہ اس کے دسویں و گیارہویں و بارہویں جملہ میں اس کی تصریح ہے پھر اسکے بموجب تو یہ زبور کچھ بھی نہیں۔
(۴) لیکن بایں ہمہ ہم اہل اسلام حضرت داؤد علیہ السلام کو سچا رسول اور پاک اور اس کلام کو

## دساتیر

میں برہان ترتیب ہے خدا تعالیٰ کی ذات اور جملہ صفات کا کامل ثبوت اور ہر نقص سے تنزیہ اور تقدیس ہے کہ جس کو ہر منکر مجبور ہو کر تسلیم کرتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا بخلاف نامہ مہ آباد کے کہ وہاں منکر وجود باری و صفات باری کے مقابلہ میں کچھ بھی بیان نہیں اور نہ جملہ صفات مذکور ہیں صرف حکیمانہ طور پر صفت کے عین وغیرہ ہونے میں موشگافی کی ہے کہ جو منصب انبیاء علیہم السلام سے بعید ہے پھر عقل اول اور اس کے وسیلہ سے تمام مخلوقات کا پیدا ہونا اور آسمانوں کا خرق التیام کو قبول نہ کرنا لکھا ہے وہ یا تو حکمائے یونان کی تقلید ہے جو سکندر کی فتحیابی سے ایرانیوں پر غالب آگئی تھی۔ یا ایجاد بندہ ہے جو سراسر غلط ہے۔ کہ جس کی اغلاط کو علمائے کلام نے شرح مواقف و شرح مقاصد وغیرہا کتب میں طشت از بام کر دیا۔ نہایت سے نہایت اس رسالہ کو ہدایت الحکمۃ کے برابر سمجھا جاویگا اور بس اور باقی اور مضامین حکمت عملیہ و نظریہ جو الحمد میں ہیں وہ یہاں کہاں نہ اسرار آخرت نہ عبادت الٰہی نہ اخلاق کی درستی نہ ہر

## وید

سراسر توحید اور خدا پرستی کے مخالف ہے شرک کی برائی اور بت پرستی اور عناصر پرستی کی قباحت اس وقت تہذیب یافتہ ہندوؤں کے دلوں پر بھی نقش حجر ہو گئی ہے اب وہ زمانہ گیا کہ جو توہمات اور مخلوق پرستی کی کتابوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے یہ کتاب اور اس کا مؤلف عقلمندوں کے نزدیک تاریکی و جہالت میں گرفتار ہے۔
(۲) یہاں سے معلوم ہوا کہ ہندوؤں میں جو مشہور ہے کہ وید برہما کے منہ سے نکلا ہے محض بے اصل بات ہے کہ جو وید سے ناواقفیت پر دلالت کرتی ہے کس لئے کہ وید کے دو حصے ہیں اول حصہ کو سنتھا کہتے ہیں جس میں سکت یعنی منتر اور دعائیں جو مختلف رشیوں یعنی مصنفوں نے عناصر اور اندر وغیرہ کی بہ الین ستائش میں بنائے ہیں یہ حصہ اول تصنیف ہوا ہے اسکے بعد دوسرا حصہ برہمنا تصنیف ہوا ہے جس میں منتروں کے قواعد اور یگ وغیرہ رسوم کے اصل حالات اور منتروں کے استعمال کے مواضع کہ اس کو فلاں موقع پر آہستہ یا

## انجیل

(۱۱) یوسیاہ سے یکونیاہ اور اس کے بھائی بابل کو اٹھ جاتے وقت پیدا ہوئے۔
(۱۲) اور بابل کو اٹھ جانے کے بعد یکونیاہ سے سلتائیل پیدا ہوا اور سلتائیل سے زروبابل پیدا ہوا
(۱۳) زروبابل سے ابیود پیدا ہوا اور ابیود سے الیاقیم پیدا ہوا۔ اور الیاقیم سے عازور پیدا ہوا۔
(۱۴) اور عازور سے صدوق پیدا ہوا اور صدوق سے آخیم پیدا ہوا اور آخیم سے الیہود پیدا ہوا۔
(۱۵) الیہود سے العزر پیدا ہوا اور العزر سے متان پیدا ہوا اور متان سے یعقوب پیدا ہوا
(۱۶) یعقوب سے یوسف پیدا ہوا جو شوہر تھا مریم کا جس سے یسوع جو مسیح کہلاتا ہے پیدا ہوا۔
(۱۷) پس سب پشتیں ابراہام سے داؤد تک چودہ ہیں اور داؤد سے بابل اٹھ جانے تک چودہ اور بابل اٹھ جانے سے مسیح تک چودہ پشتیں ہوئیں۔
(۱۸) اب یسوع مسیح کی پیدائش یوں ہوئی کہ جب اسکی ماں مریم کی منگنی یوسف سے ہوئی تو ان کے جمع ہونے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی۔

| توراۃ | زبور | دساتیر | وید | انجیل |
|---|---|---|---|---|
| ہے مگر اس وقت میں اس کلام کی نسبت یہ کہتا ہوں (۱) یہ کلام غلطی سے خالی نہیں کیونکہ دوسری اور پہلی آیت میں یہ تصریح ہے کہ خدا نے زمین اور آسمان پیدا کیا اور زمین پر پانی اور اندھیریاں تھیں اور ۶ آیت میں پانی کے اندر کی فضا کو آسمان کہا ہے تو یہ پہلی بات | برحق سمجھتے ہیں۔ | امر میں نیک چلنی۔ (۳) اس دعوی پر کہ اس مجموعہ دساتیر کو الہامی نہیں کہہ سکتے یہ دلیل ہے کہ نامہ وخشور گلشاہ میں زحل ستارہ کی پرستش کا حکم اور اس کی ستائش میں یہ کلمات ہیں۔ (۷) و این گوزستائی کیوان را تا یا درتو باشد بنام زنت شناخت | پکار کے پڑھنا چاہئے اور اس کے متعلق کہانیاں اور سرگزشتیں اس گروہ میں تتریا برہمنا نہایت مشہور ہیں جس میں اس وقت کے بہت افسانے جمع ہیں اور بیشتر گل بکاولی اور بدر منیر کے سے وہ افسانے ہیں کہ جو خیالات اور توہمات پر مبنی ہیں دوسرا اتر ماداریا برہمنا ہے جس میں بعد اقتباس | (۱۹) تب اسکے شوہر یوسف نے اُسے چاہا کہ اسے چپکے سے چھوڑ دے الخ یہاں چند ابحاث ہیں (۱) یہ کہ اس تمام نسب نامہ میں نہ خدا کی حمد ہے نہ اس کی ذات و صفات کا ثبوت ہے نہ عالم آخرت کے احوال ہیں نہ عبادت و استعانت نہ اسرار آخرت نہ عبادت الٰہی نہ اخلاق کی درستی نہ ہر امر میں نیک چلنی کا |

| توراۃ | دساتیر | وید | انجیل |
|---|---|---|---|
| کے خلاف ہے اور پھر نویں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کے پانی کو ایک جگہ جمع کرنے سے خشکی یعنی زمین پیدا ہوئی حالانکہ یہ بھی اول بات کے خلاف ہے اور اس امر کو صحیح طور پر قرآن نے بیان کیا ہے جیسا کہ آپ کو آگے چل کر معلوم ہوگا۔ (۲) یہ کہ خدا بے مثل اور بے صورت ہے پھر آدم کا اس کی مثل اور صورت پر بنانا معاذ اللہ اس کی ذات میں دھبہ لگانا ہے۔ (۳) یہ کہ عدن کی نہر سے دجلہ اور فرات اور جیحون اور فیسون کا نکلنا بالکل غلط ہے۔ اول تو عدن سے کوئی نہر نہیں نکلتی دوم دجلہ اور فرات اور جیحون کی یہ ایسی بات ہے کہ جس کی تفسیر میں اب تک تمام علماء اہل کتاب حیران و سرگرداں ہیں۔ پادری لوگ جو مسلمانوں سے سد ذوالقرنین پوچھا کرتے اور قرآن پر بے جا عیب لگایا کرتے ہیں براہ مہربانی اس نہر کا تو پتہ بتلا دیں۔ (۴) الہامی کتاب اور نبی کا یہ منصب نہیں کہ | و شناسائے چیز و یاد داشت و دریافت افراز شگرف بزرگ دسترگ کیایش شکوہ بخشندہ و بخشایندہ و بخشایشگر و دہشمند دادگر الخ. دیکھئے جو کلمات خدا تعالیٰ کی نسبت تھے وہی اس کے حق میں بھی اطلاق کر دیئے۔ پھر نامہ وخشور ہوشنگ میں مریخ کی پرستش اور اس کی بڑی لمبی چوڑی تسبیح مذکور ہے اور پھر نامہ وخشور تہمورس میں آفتاب کی بابت یہ ہے۔ آفتاب یا درست اورا کہ خورشید باشد بر سودم کر تراہر زید دہ پس ستائی اورا این گونہ۔ یعنی میں نے خورشید کو تیری امانت کا حکم دیا ہے تو اس کی ستائش کر آگے بہت کچھ ستائش مذکور ہے اسی طرح ماہتاب اور دیگر ستاروں کی پرستش اور ان سے استمداد اور دعا کرنا مذکور ہے اور نامہ وخشور ساسان میں ہاتھ پاؤں دھو کر دن میں تین یا چار یا دو بار شش کاخر کے آگے نماز پڑھنے کا حکم ہے اور شش | باتیں ہیں۔ اور یجروید کا ستاپتھا برہمنا چودہ جلد میں ہے جس میں از حد بے اصل قصے ہیں جیسے کہ سوتے وقت بوڑھیاں کہانیاں کہکر بچوں کو بہلایا کرتی ہیں اس قسم کی کہانیاں اس میں ہیں باقی شاندیا اور اتھرون وید میں بہت کم برہمنا ہیں پھر صدہا سال بعد پنڈتوں نے ان ویدوں کے بعد برہمنا کے رسالے تتمہ یا ضمیمہ کے طور پر لگا دیئے ہیں ان کو اپنشد بھی کہتے ہیں اور اسی طرح علم نجوم اور علم موسیقی اور مذہبی قواعد کے رسالے کہ جن کو ویدانگا کہتے ہیں۔ وید کے ضمیمہ میں اس کی تصنیف کا زمانہ وہ ہے کہ جب ہندوؤں میں کسی قدر شائستگی نے ظہور کیا تھا سب سے قدیم رگوید ہے اس کے ہزار سے زیادہ سکت ہیں اور دس ہزار رچائیں یعنی فقرے کل سکت آٹھ کھنڈول یعنی اشٹکوں (حصہ) پر منقسم ہیں اور ہر کھنڈ یا اشٹک میں آٹھ ادھیائے ہیں ہر منتر نظم ہے اس کا جداگانہ وزن اور علیحدہ | ذکر ہے اور جملہ امور دنیاوی میں استقامت اور صراط مستقیم کا اشارہ ہے نہ اگلے برے بھلے لوگوں کے حالات عبرت انگیز نصیحت خیز اس لئے اس کو سورۃ الحمد سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ (۲) قطع نظر اسکے کہ اسکو سورۃ الحمد سے کچھ بھی نسبت نہیں فی نفسہ یہ کلام اس قابل نہیں کہ اسکو الہامی کہا جائے اور اسکی تصنیف کو امر اہم خیال کر کے الہام کی قدر دانی کی جائے عام تاریخوں میں جس طرح نسب نامے ہیں اسی طرح یہ بھی ہے اگر وہ الہامی ہیں تو یہ بھی ہے اور وہ نہیں تو یہ بھی نہیں کوئی خصوصیت اس میں نہیں۔ (۳) یہ نسب نامہ غلط ہے کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام میں عیسائی لوگ دو جہت مانتے ہیں ایک الوہیت دوسری انسانیت جہت اول سے تو یہ نسب نامہ قطعی غلط ہے کیونکہ مسیح جہت الوہیت سے یوسف اور یعقوب یا کسی اور انسان سے کچھ بھی علاقہ |

## توراۃ

وہ تاریخ بیان کیا کرے اور نہ یہ اہم کام ہے کہ جس کے لئے الہام اور نبی کی ضرورت بیان کی جائے کیونکہ ایسے امور کو عام مؤرخ بیان کر سکتے ہیں شاید ایسی ضرورت کو آریہ سماج فضول سمجھ کر نبوت کے قائل نہیں۔

(۵) اگر یہ بھی تسلیم کیا جاوے اور اس مضمون کے نقصوں سے چشم پوشی کی جائے اور اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہی اصلی توراۃ مانا جاوے کہ جس کا قرآن میں ذکر ہے مگر پھر بھی اس کو الحمد سے مضامین مذکورہ بالا میں کون مضمون میں ہمسری ہے نہ اس میں خدا کی ستائش نہ اس کی ذات و صفات کا ثبوتِ قطعی نہ عالم آخرت اور نہ جزا و سزا کی بابت اشارہ نہ عبادتِ خدا کا ذکر نہ عموماً ہر امر میں نیک چلنی اور میانہ روی کی ترغیب نہ بھلے لوگوں کے رستے کی تحریص نہ بُرے لوگوں کے طریقے سے حذر پھر جو شخص خداترس اس کو کلام الٰہی اور الہامی کہے تو اس پر فرض ہے کہ قرآن مجید کو بھی الہامی کہے اور اس سے زیادہ صدقِ دل سے اس آسمانی کلام پر ایمان لاوے۔

ہم اہلِ قرآن ہر اچھی بات اور کلامِ الٰہی کے تسلیم میں انکار نہیں کرتے جو شخص اپنی کتاب کو الہامی ثابت کر دے تو ہمارے سر آنکھوں پر۔ فقط

## دساتیر

کاخ ستاروں اور آگ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ خود کہتا ہے، قولہٗ پس برابر شِشش کاخ آئی و نماز کن و شِشش کاخ ستارگان اندر و آتش کہ فرزندگانند باین ہرگاہ شِشش کاخے بہ بیند نماز برید۔ یعنی جہاں کہیں ستارہ اور آگ کو دیکھو تو اس کے آگے جھکو آگے شِشش کاخ کی نماز کا دستور بیان کرتا ہے بار دوم بہر شِشش کاخ سر بر زمین گزار و پیشانی بر زمین رسال الخ: "واگر آتش باشد گوید اے پروردگار۔ و نماز مرا بہ یزداں رساں الخ" اسی طرح آگے چل کر عناصر کی تعظیم اور عبادت کا حکم دیتا ہے۔ الغرض جانوروں کو ذبح نہ کرنا آگ اور ستاروں کو پوجنا اور آفتاب کی پرستش کرنا اور ہر روز غسل کرنا اور عناصر کی عبادت کرنا وغیرہ دستورات کہ جن کو ہنود بھی عمل میں لاتے ہیں اور آگ جلا کر جگ اور ہوم کرتے اور اس کو پوجتے ہیں وید بالخصوص رگوید میں موجود ہے یہ سب، دساتیر میں موجود ہے سو یہ باتیں ہند میں غالباً شری بیاس جی جامع وید نے مروج کی ہیں۔ چنانچہ نامہ زرتشت میں لکھا ہے کہ سکندر کے ذریعہ سے علم کا یونان میں پہنچنا۔ اور ایک یونانی کا زرتشت کے پاس آنا اور تعلیم پانا لکھ کر جنکر گوچہ ہندی کا تعلیم پا کر جانا اور ...

## وید

مصنف ہے اور ہر منتر میں ایک یا دو دیوتا کی مہما ہے چنانچہ اس رگوید کے ایک سو اکیس منتروں میں ۴۷ منتر صرف آگ کی تعریف میں ہیں اور ان کے مصنف مدھو چھند داس، اور اس کا بیٹا جرتی اور مدہاتی کالوا کا بیٹا وغیرہ ہیں اور کہیں کہیں اگنی کے ساتھ اور دیوتاؤں کی بھی مدح ہے اور ۴۵ منتروں میں اندر کی مہما برنن یعنی ستائش ہے اور منجملہ باقی منتروں کے بارہ منتر مردت یعنی مہما کے دیوتاؤں کی تعریف میں ہیں کہ جو اندر کی ہمراہی میں ہیں اور گیارہ آسمانوں کی تعریف میں کہ جو سورج کے پوتر ہیں۔ چار صبح کے دیوتا کی تعریف میں۔ باقی ادنیٰ دیوتاؤں کی مدح میں ہیں اور دوسرے منڈل کے منتر گرتسمدا سنا ہوترا کے فرزند کی تصنیف جو انگرا کے خاندان میں تھا۔ تیسرے منڈل کے منتر وشوامترا اور اس کے بیٹوں یا رشتہ داروں کی تصنیف ہیں اور یہ شخص راجہ رامچندر کا استاد ہے چوتھے منڈل کے منتر واما دیوا کی تصنیف ہیں۔ پانچواں منڈل اتری اور اس کے فرزندوں کی طرف منسوب ہے۔ چھٹے کا مصنف بہاردواج ہے اور ساتویں کا وسشٹا اور اس کی اولاد ہے۔ ان سب منتروں یعنی اشعار کو دیکھو جن کو عناصر اور غیر مرئی چیزوں اور آفتاب سے مدد مانگنے اور دشمن پر فتح پانے اور ان کے محامد کے بیان میں مختلف

## انجیل

نہیں رکھتے بلکہ معاذ اللہ خدا کے بیٹے ہیں تب یوں کہنا تھا کہ مسیح جبرئیل کا بیٹا خدا کا پوتا یا بالعکس اور دوسری جہت سے بھی غلط ہے کس لئے کہ اتفاق کے طور پر نسب حمل سے ثابت ہوتا ہے اور مسیح علیہ السلام تو مریم کے پیٹ میں یوسف کے پاس آنے سے پیشتر ہی پائے گئے تھے جیسا کہ خود اسی متی کے (۱۸) جملہ سے صاف ظاہر ہے اور یہ احتمال ہو نہیں سکتا کہ یہ نسب نامہ مریم کا ہو کیونکہ مریم یوسف کی بیٹی نہیں بلکہ بیوی تھیں۔

(۴) اگر یہ نسب نامہ صحیح فرض کیا جاوے تو لازم آئے کہ حضرت عیسیٰؑ (خدا اور خدا کے بیٹے تو کجا) بلکہ اُس کی جماعت سے بھی باہر کئے جاویں کیونکہ کتاب استثناء ۲۳ باب کے اوّل ہی میں یہ ہے۔ (حرامی بچہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہووے اُس کی دسویں پُشت تک خدا کی جماعت میں شامل حال نہ ہو الخ) (۳) کوئی عموتی یا موآبی الخ ہمیشہ تک خدا کی جماعت میں شامل نہ ہو الخ۔ اور حضرت داؤد کا باپ یسّی اور اس کا باپ عوبید ہے کہ جو بوعز کے نطفہ سے روت کے شکم سے پیدا ہوا تھا کہ جو موآبی ہے جیسا کہ اسی کتاب کے چوتھے باب میں ہے اور اس پر لطف یہ ہے کہ بوعز راحاب فاحشہ کے پیٹ سے

## وید

شاعروں نے بنایا تھا کہ جو ہنود کے نزدیک بڑے کامل تصور کئے جاتے تھے) پراسر مابد کے بیٹے کرشنا دولیپایانے کہ جس کو ویاس یعنی بیاس جی کہتے ہیں کوروں پانڈوں کے زمانہ میں جمع کیا اور مرتب کرکے اس کا نام وید رکھا۔ اور ویاسا کے معنے ترتیب دینے والے کے ہیں۔ غالباً بعد فتح پانڈوں کے راجہ یدھشترنے اس کام کے لئے بیاس کو مصروف کیا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی پنڈت جو اس زمانہ میں مختلف منتروں سے واقف تھے۔ سنتھا یعنی منتروں کے مجموعہ کے تیار کرنے میں حسب تفصیل ذیل مصروف تھے۔

نثل رگوید کے اور ویشمپاین یجر وید کے اور جیمنی شام وید کے اور سومنتر اتھروان وید۔ جمع کرنے پر مصروف تھا۔ اور کچھ عجب نہیں کہ بیاس جی ان کے مہتمم اور سرپرست ہوں۔ ہرچہ باشد اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی وید ایک شخص خاص کی تصنیف نہیں نہ ایک زمانہ میں تصنیف ہوا ہے چہ جائے کہ برہما کی تصنیف اس کا کوئی لکھا پڑھا ہندو بھی قائل نہیں عوام کا کیا اعتبار ہے پس حسب اصل الاصول وید الہامی کیا بلکہ روشنی علم کے زمانہ کے بھی تصنیف نہیں نہ کوئی الہامی اور عاقلانہ بات اس میں ہے۔ تو پھر اس کتاب کو نجات کا مدار جان کر پرانی جہالت کے خیالات اور توہمات میں گرفتار رہنا مرنے کے بعد بڑی حسرت اٹھانے کا سامان ہے العیاذ باللہ۔ اور جب وید کا یہ حال ہے تو اس کے بعد جو پران اور دیگر پشتک انہیں خیالات کی بنا بر فاسد پر بنائے گئے ہیں اور اس کا نام دھرم رکھا گیا ہے۔ اور جگ کرنا اور آگ جلا کر دیوتاؤں کی نذروں کے لئے کرچھوں میں گھی ڈالنا اور رگوید کے یہ منتر پڑھ کر دنیا و آخرت کی بھلائی تلاش کرنا خیال خام اور تقلید عام ہے۔ تمام ہوا وید۔ فقط۔

## دساتیر

بیاس کا تعلیم پانا اور ہند میں جانا لکھا ہے"۔ اکنوں برہمنے بیاس نام از ہند آمد پس دانا کہ بر زمین کم است چنان است در دل دارد کہ نخست از بر تو پرسد" الخ الغرض یہ مخلوق پرستی اور سخت مجاہدات اور جگ اور ہوم وغیرہ کرنا سب کا سرچشمہ دساتیر ہیں۔ پس یہ دساتیر اور وید تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کو موحدین کی کتابوں کی فہرست میں لکھا جائے کیونکہ محض شرک اور بری تعلیم ہے کہ جس کو عقل و نقل رد کرتی ہے۔ فقط

## انجیل

پیدا ہوئے اور راحاب کا فاجرہ ہونا کتاب یشوع کے ۲ باب سے ظاہر ہے کہ پھارس کہ جس کو حضرت مسیحؑ کے نسب نامہ میں یہوداہ کا بیٹا لکھا ہے وہ تمر کے پیٹ سے زناکاری سے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ کتاب پیدائش کے ۳۸ باب میں تصریح ہے کہ یہوداہ نے اپنی بہو تمر سے زنا کیا جس سے پھارس پیدا ہوا۔ پھر اسی طرح حضرت سلیمان اوریاہ کی جورو سے پیدا ہوئے ہیں کہ جس نے داؤد سے زنا کرایا۔ خیال کیجئے کہ مسیح کے نسب نامہ میں کیسے پاکدامن لوگ ہیں۔

(۵) اس نسب نامہ میں اور بھی اغلاط ہیں (۱) اوّل یہ کہ خود ابراہیم کو اور ادہر داؤد کو شمار کریں تو اوّل قسمت میں اور دوسرے میں چودہ چودہ نام آجاتے ہیں مگر تیسری قسمت جو سلتی ایل سے شروع اور یوسف پر تمام ہوتی ہے اس میں کل ۱۲ شخص ہیں البتہ جو خود حضرت مسیحؑ کو بھی ملا دیں تو تیرہ ۱۳ ہوتے ہیں۔ چودہ نہیں۔ جس کا دل چاہے شمار کرلے۔ پادری عماد الدین نے یکونیاہ کو دو جگہ گن کر ٹھگوں کی سی ہٹ پھیری کی ہے مگر غلط اس انجیل میں غلطی کا ضرور دھبہ لگتا ہے۔ (۲) دوسری قسمت جو سلیمان سے شروع ہو کر یکونیاہ پر ختم ہوتی ہے متی نے اس کی چودہ ۱۴ گنوائی ہیں حالانکہ یہ صریح غلط ہے بلکہ اوّل کتاب التواریخ کے ۳ باب میں اٹھارہ ۱۸ شخص لکھے ہیں اگر انجیل متی غلط نہیں تو کتاب التواریخ کہ جس کو تمام عیسائی اور یہودی الہامی مانتے ہیں غلط ہے۔ (۳) متی نے سلتی ایل سے زربابل کا پیدا ہونا لکھا ہے حالانکہ کتاب التواریخ کے ۳ باب میں زربابل کو فدایاہ کا بیٹا لکھا ہے جو سلتی ایل کا بھائی ہے (۴) سلتی ایل کو یکونیاہ کا بیٹا لکھ کر چودہ ۱۴ پشتیں بابل کے اٹھ جانے تک گنوائی ہیں۔ سو یہ بھی غلط کیونکہ سلتی ایل کو کتاب التواریخ میں اسیر کا بیٹا لکھا ہے کہ جو یکونیاہ کا بیٹا ہے۔ اب اس میں ایک شخص اور بڑھ گیا چودہ ۱۴ کہنا غلط ہوا۔ (تمام ہوئی انجیل)

**سوال** - یہ تسلیم کہ جس قدر مذاہب اور ان کی کتابوں کا قرآن مجید سے مقابلہ کر کے دیکھا گیا سب میں اسلام کو من جانب اللہ اور دینِ الٰہی پایا۔ جس میں خداپرستی اور اُس کی صفاتِ کاملہ اور ملائکہ اور انبیاء اور قیامت پر ایمان لانے کی بڑی تاکید ہے اور انسان کی روح کی صفائی کی بابت اور دنیا میں ہر طرح سے نیک چلنی اور مرنے کے بعد جو کچھ وہاں پیش آتا ہے اُس کی بابت کامل بیان ہے اور اُس کے مقابلہ میں یہ سب مذاہب ناقص یا بالکل باطل ہیں۔ مگر ہنوز اور صدہا مذاہب دنیا میں ہیں جیسا کہ دبستان المذاہب میں لکھا ہے اور ان کے اصولِ حمیدہ بیان کئے ہیں ان سے ہنوز اسلام کا مقابلہ نہیں ہوا جائز ہے کہ وہ حق ہوں پوری تحقیق جب ہے کہ ان سے بھی مقابلہ کر کے اسلام کا حق ہونا بتلایا جاوے ورنہ پھر تقلیداً اسلام کو حق ماننا پڑے گا۔ **جواب** دنیا میں جس قدر مشہور و معروف مذاہب قدیم سے ہیں وہ یہی مذاہب ہیں کہ جن کی کتاب کو آپ نے آنکھ سے دیکھا باقی وہ جو صدہا مذاہب دبستان المذاہب میں لکھے ہیں سب یا بیشتر ان ہی کی شاخیں ہیں کیونکہ بہتر فرقے تو اس میں اسلام کے لکھے ہیں اور پھر ہندوؤں کے بہت سے فریق جوگی اور سنیاسی وغیرہم لکھے ہیں کہ جن کی ریاضات اور شعبدوں پر صاحب دبستان لٹو ہو کر ہر مذہب پر منہ میں پانی بھر لاتے ہیں۔ اور ناظر کو شک میں ڈالتے ہیں اور پھر آتش پرستوں کے فریق کا بہت کچھ بیان اور اپنا شوق عیاں کیا ہے اور پھر کسی قدر یہود و نصاریٰ کے مذہب کا بیان ہے اور تحقیق کسی مذہب کی بھی حضرت کو میسر نہیں ہوئی۔ سُنی سُنائی باتیں اور اپنے دیکھے ہوئے حالات بیان کر دیئے ہیں نہ دید انہوں نے دیکھے نہ توراۃ نہ زبور نہ انجیل۔ اسلام کے اصول و مسائل میں بھی کچھ بے خبری سے بیان کر کے بے علموں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اور ہم نے تو سب کے اصول بیان کر دیئے۔ ان کی فروع اور شاخوں سے کیا غرض؟ البتہ حکمائے یونان اور قدیم اہلِ مصر اور دہریوں اور چینیوں اور دیگر صحرائی قوموں کا مذہب نہیں بیان کیا۔ سو واضح ہو کہ حکمائے مصر اور قدمائے یونان دونوں کواکب اور عناصر پرست ہیں مصریوں کے عقائد ہندوؤں سے بہت ملتے ہیں اُن کے ہاں بھی بیل کو پوجتے ہیں جس کو ابیس کہتے ہیں اور اسی تقلید سے بنی اسرائیل نے بچھڑا بنا کر پوجا تھا۔ چنانچہ یہ باتیں کتبِ تاریخ میں مذکور ہیں۔ اُن کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی۔ اور دہریوں کا نہ کوئی اصول ہے نہ مذہب وہ خدا تعالیٰ اور عالمِ آخرت کے منکر ہیں۔ سو یہ بات ادلۂ عقلیہ و نقلیہ سے باطل ٹھیر چکی ہے خود قرآن نے اس کو رد کر دیا ہے۔ اور ایک مختصر سی بات ملحد صاحب کو میں بھی سُناتا ہوں کہ بھائی اگر نہ خدا ہے نہ قیامت نہ جزا و سزا تو ہم کو بھی کچھ خوف نہیں۔ نہایۃ الامر نماز روزہ طاعت و عبادت کا ثمرہ نہ ملا۔ اور کسی قدر حرام لذتوں سے مزہ نہ اٹھایا تو کچھ پروا نہیں۔ دنیا کی تکلیف کیا اور مزہ کیا۔ اور جو خدا تعالےٰ اور عالمِ آخرت سب کچھ حق ہوا (اور قطعی ہے) تو کہیئے تیرے لئے کیا خرابی ہوگی۔ اب تو محلِ خطر میں ہے یا ہم؟ اور چینیوں کا مذہب بودھ کی شاخ ہے وہ بھی بُت پرست ہیں اُن کے ہاں بھی کوئی کتاب ایسی نہیں کہ جس کو وہ الہامی کہتے ہوں۔ باقی بُت پرست اور صحرائی قومیں جیسا کہ افریقہ میں ہیں تو اُن کا مذہب تو کیا سرے سے اُن کو تو عقل انسانوں کی فہرست میں ہی لکھتے ہوئے ہاتھ کھینچتی ہے اب روئے زمین پر کوئی مذہب عقلاً و نقلاً اسلام کے برابر نہ نکلا۔ الحمد للہ علیٰ دین الاسلام۞[1]

# فضائل

اِس سورۃ کے بے شمار ہیں۔ بخاری وغیرہ محدثین نے ابوسعید بن المعلّٰی سے روایت کی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھ کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے

[1] میں اس بات کا نہایت شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے اسلام کو تمام روئے زمین کے مذاہب سے ملا کر دیکھا اور کسوٹی پر اس کو لگایا ہر طرح سے کھرا پایا اور محققانہ طور پر مسلمان ہوا اگر میرے ماں باپ مسلمان نہ ہوتے اور قدیم سے اسلام میں میرے آباء و اجداد حصہ نہ پاتے تو بھی میں از خود اسلام ہی کو اختیار کرتا۔ ان بھائیوں پر ہزار افسوس کہ جو محض تقلید اور رسم اور نفسانیت سے اس نور کے زمانے میں بھی باطل خیالات اور غلط مذاہب پر اَڑے ہوتے ہیں۔ منہ

پکارا میں بوجہ نماز جواب نہ دے سکا۔ جب فارغ ہو کر حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا میں نے تجھ کو بلایا تو نے کیوں جواب نہ دیا۔ عرض کیا کہ حضورؐ میں نماز میں تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایسے وقت بھی رسولؐ کا جواب دینا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ الآیہ۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ دیکھ میں تجھ کو مسجد سے باہر جانے سے پیشتر قرآن میں جو بڑی سورۃ ہے تعلیم کر دوں گا۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر چلے۔ جب مسجد سے باہر ہونے لگے میں نے یاد دلایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ سورۃ الحمد ہے جس کی سات آیت ہیں اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھ کو عطا ہوا ہے۔ صحیح مسلم وغیرہ کتب میں عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرتؐ کے پاس جبرئیلؑ حاضر تھے کہ ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہوا۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ آج سے پہلے کبھی زمین پر نہ آیا تھا۔ اُس فرشتے نے کہا یا نبی اللہؐ! مژدہ ہو کہ آپؐ کو خدا تعالیٰ نے دو نور عطا فرمائے کہ آپؐ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے۔ ایک سورۃ فاتحہ اور دوسرا اخیر سورۃ بقرہ ہے۔ جو حرف آپؐ ان میں سے پڑھیں گے اُس کا ثواب ملے گا۔ دارمی اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورۃ الحمد ہر مرض کے لئے شفاء ہے۔ اور صحیح مسلم و نسائی وغیرہ کتابوں میں ہے کہ صحابہؓ سانپ اور بچھو کے کاٹے پر اور مجنون اور اہل صرع پر یہ سورۃ پڑھ کر دم کرتے تھے اُسی وقت مریض تندرست ہو جاتا تھا۔ (جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا ہے کہ بیمار ان کے ہاتھ لگانے سے تندرست ہو جائے گا) یہ معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قرن میں متوارث چلا آتا ہے۔ چنانچہ اب بھی سورۃ الحمد کا فجر کی سنتوں اور فرض کے بیچ میں اکتالیس[۴۱] بار ہر روز بسم اللہ کا میم الحمد کے لام سے ملا کر چالیس[۴۰] روز تک پڑھنا ہر کام کے لئے عمل مجرب ہے اور بیمار کو دم کر کے پلانا اور چینی یا شیشہ کے برتن پر مشک و گلاب اور زعفران سے لکھ کر چالیس[۴۰] روز تک بیمار کو پلانا مجرب ہے اور درد گردہ کے لئے ایک سانس سے گیارہ بار پڑھ کر دم کرنا مجرب سریع الاثر ہے۔ مگر اعتقاد کامل اور ہمت جازم شرط ہے۔ ترمذی نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھ کو اُس ذات کی قسم کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے (یعنی خدا تعالیٰ کی) سورۃ الحمد کی مثل کوئی سورۃ نہ تو توراۃ میں ہے نہ انجیل میں نہ زبور میں نہ قرآن میں۔ چنانچہ اس حدیث کی تصدیق ہمارے اس مقابلے سے بخوبی ہو سکتی ہے جو ابھی ہم نے توراۃ و انجیل و زبور کو لکھ کر کیا ہے حقیقت میں یہ سورۃ ایک دریائے ذخار اور مجمع اسرار بے شمار ہے۔ دنیا و دین کے متعلق کوئی بات ایسی نہیں کہ جو کامل طور پر اس سورۃ میں نہ ہو مگر کسی قدر فہم خداداد شرط ہے۔ ورنہ بہت سے عیسائی اور دیگر متعصب لوگ کہ جن کے انوار فطرت عداوت و قساوت سے مٹ گئے ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ لفظوں سے کوئی بات بھی سورۃ الحمد سے ہماری سمجھ میں نہیں آتی مسلمان اپنی ذکاوت خرچ کر کے یہ باریکیاں پیدا کرتے ہیں الخ۔ ہم کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ یہ سب باتیں ظاہر الفاظ سے مستفاد ہیں۔ اور اچھا یہی سہی آپ بھی تو روحانی تعلیم سے بہرہ یابی کا دعوٰی کرتے ہیں۔ ہم آپ کو بیس[۲۰] برس کی اجازت دیتے ہیں اور تمام جہان کے لوگوں سے مدد

[۱] عیسائی بالخصوص پراٹسٹنٹ اور وہ جو ان میں الحاد کا دم بھرتے ہیں اور وہ ہندوستان کے نیچری جو انکی تقلید کرتے ہیں ان باتوں کے سخت منکر ہیں اور یہ انکار ان کا بجا ہے کس لئے کہ انکی روح پر اس درجہ تاریکی چھائی ہوئی ہے کہ کوئی روحانی اثر ان کو محسوس نہیں ہوتا (گویا روح مرگئی) نہ خود ان کو عمر بھر ایسی باتوں کا اتفاق ہوتا ہے نہ اپنے ملک میں کہ جہاں کفر و الحاد کی تاریکی چاروں طرف محیط ہے کسی کو ایسا دیکھتے ہیں اگر صدق دل سے توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں اور کسی روشن ضمیر سے چند روز روح کو منور کرنے والے) اشغال سیکھیں تو پھر عالم مثال کے اسرار اور ایسے کلمات کے آثار ان کو دکھائی دیویں اور وہ روحانیات کا اثر اپنے اوپر معائنہ کریں کہ ان کی زبان اور ہاتھ پاؤں سے کس قدر خرق عادات سرزد ہوتے ہیں۔ اور جو ہم اہل اسلام نے صدہا مخالفوں کو ایسی برکات کا مشاہدہ بھی کرا دیا تو پھر جس قدر اس مشاہدہ سے محروم ہیں وہ کب مانتے ہیں بلکہ خیالی باتیں اور ڈھکوسلے جانتے ہیں۔ منہ

کو بھی جائز رکھ کر یہ کہتے ہیں کہ آپ بھی تو کسی جملۂ تورات و انجیل و زبور۔ وید۔ دساتیر سے اس قدر باتیں پیدا کر دیجئے۔ اور جو نہ کر سکو تو یقین کیجئے کہ یہ خاص اعجاز قرآن ہے۔ اب ہم اس سورۂ مقدسہ کی تفسیر سے فارغ ہو چکے مگر اس کے متعلق تین بحث اور باقی ہیں کہ جن کا ذکر کرنا اس تفسیر میں بعض وجوہ سے نہایت مناسب ہے۔

**بحث اوّل**۔ یہ سورۃ نماز میں پڑھی جاتی ہے اور ہر نماز میں اس کا پڑھنا (اُن خوبیوں کی وجہ سے کہ جن کا اوپر ذکر ہوا) شرع نے ضروری کر دیا یہاں تک کہ جس نماز میں یہ سورۃ نہ پڑھی جائے وہ فاسد یا باطل ہے۔ چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من صلّٰی صلوٰۃ لم یقرء فیہا بامّ القرآن فھی خداج، ثلثا غیر تمام الحدیث رواہ مسلم۔ کہ جس نے الحمد نماز میں نہیں پڑھی وہ نماز ناقص ہے، تین بار یہ فرمایا۔

دلیل دوم

وعن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب، متفق علیہ۔ کہ جس نے الحمد نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔ یہ مسئلہ تو سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ نماز میں الحمد کا پڑھنا واجب ہے مگر جب کہ نماز جماعت سے ہو تو مقتدی کو بھی الحمد پڑھنا چاہیئے یا جماعت میں صرف امام کا پڑھنا مقتدیوں کی طرف سے کافی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اُن کے شاگرد امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور اسحٰقؒ اور سفیان ثوریؒ اور ابن شہاب زہریؒ اور ابراہیم نخعیؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ اور قاسم بن محمدؒ اور عروہ بن زبیرؒ بڑے بڑے محدثین تابعین اور صحابہ کبار کا یہ مذہب ہے کہ مقتدی الحمد نہ پڑھے بلکہ چُپ ہو کر امام کی قرآت کو سُنے اور ختم کے وقت آمین کہہ کر اپنی مشارکت ثابت کرے ان چند دلائل کی وجہ سے (۱) اللہ تعالٰے فرماتا ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ کہ جب قرآن پڑھا جائے تو چُپ ہو کر سُنو تاکہ تم پر رحمت ہو۔ بعض لوگ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ خطبے کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی خطبہ کے وقت چُپ کو نا مراد ہے۔ مگر یہ جواب صحیح نہیں اوّلاً تو یوں کہ یہ آیت مکیہ ہے اور خطبہ مدینہ میں آ کر جب جمعہ مشروع ہوا تب مقرر ہوا چنانچہ اکثر مفسرین بالخصوص امام محی السنہ بغوی شافعیؒ اپنی تفسیر معالم التنزیل میں اس کے مقر ہیں۔ ثانیاً یوں کہ گو خطبے کے بارے میں آیت کا نازل ہونا فرض کیا جاوے مگر لحاظ عبارت کا ہوتا ہے نہ کہ موقع نزول کا کس لئے کہ آیتِ سرقہ اور آیتِ لعان اور دیگر آیات خاص اشخاص کے معاملوں میں نازل ہوئی ہیں مگر اُن کی عبارت پر لحاظ کر کے عام حکم جاری کیا جاتا ہے۔ ثالثاً جب خطبہ میں ذکر جہاں غالباً نصیحت حسبِ وقت ہوتی ہے سراسر قرآن مجید نہیں پڑھا جایا کرتا) چپ رہنا واجب ہوا تو جہاں قرآن پڑھا جاوے اور حالتِ نماز اور توجہ الی اللہ ہو تو وہاں بدرجۂ اولیٰ سکوت کرنا چاہیئے۔ (۲) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرء فانصتوا۔ رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ۔ یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امام صرف اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ لوگ نماز میں اس کا اقتداء کریں۔ پس چاہیئے کہ جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھے تو چُپ ہو کر سنو (۳) امام مسلم نے ابو ہریرہؓ اور قتادہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واذا قرء فانصتوا۔ کہ جب امام پڑھے تو چُپ کرو (۴) امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ اور نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ ایک جہری نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر) پوچھا کہ تم میں سے کسی نے میرے ساتھ کچھ پڑھا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں بھی کہتا تھا کہ مجھ سے قرآن پڑھنے میں کون جھگڑ رہا ہے۔ پس لوگوں نے یہ سُنا تو جن نمازوں میں کہ پکار کر قرآن پڑھا جاتا ہے اُن میں) صحابہؓ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے سے رُک گئے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث صحیحہ اس بارہ میں وارد ہیں کہ جن کے ذکر کرنے کو ایک دفتر چاہیئے۔ لیکن امام شافعیؒ اور ظاہریہ کہتے ہیں کہ گو امام کے ساتھ پڑھنا ممنوع ہے مگر جب امام دم لیتا ہے بالخصوص تین سکتوں میں مقتدی کو چاہیئے کہ الحمد پڑھ لے کس لئے کہ مسلم نے روایت کی ہے کہ جب میں نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ

امام کے پیچھے بھی الحمد پڑھیں تو انھوں نے فرمایا کہ اقرء بہا فی نفسک الحدیث، کہ اپنے دل میں پڑھ لے۔ **اس کا جواب** یہ ہے کہ اس سے مراد مضمون الحمد کو دل میں تصوّر کر لینا ہے نہ کہ پڑھنا۔ کس لئے کہ یہی ابوہریرہؓ پیشتر روایت کر چکے ہیں کہ جب امام پڑھے تو حضرتؐ فرماتے ہیں کہ چُپ ہو کر سُنو۔ پس یہاں خلاف حکم حضرتؐ کے کیونکر ابوہریرہؓ فتوی دیتے اور چُپ کرنا مطلقاً حضرتؐ نے فرمایا خواہ الحمد ہو یا کوئی اور سورۃ ہو سب سے چُپ کرنا چاہیے۔ امام شافعیؒ کے اور بھی دلائل ہیں مگر وہ دلائل سابقہ کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں رکھتے اس لئے اُن کا بیان کرنا بے فائدہ سمجھتا ہوں از انجملہ یہ ہے کہ ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی نے جہاں امام کے پیچھے پڑھنے سے ممانعت کی روایت کی ہے وہاں الحمد کو بھی مستثنیٰ کر دیا ہے۔ لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بہا۔ واضح ہو کہ فریق اوّل کے (یعنی جو کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنا نماز میں درست نہیں جانتے) دو قول ہیں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ تو مطلقاً منع کرتے ہیں خواہ امام پکار کر پڑھے یا آہستہ کیونکہ جو دلائل کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے سے منع کرتے ہیں وہ عام ہیں سریہ اور جہریہ کی کوئی قید نہیں۔ اور امام محمدؒ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ جب امام چُپکے پڑھے (یعنی صلوٰۃ سریہ میں) تو مقتدی الحمد پڑھ لے۔ کس لئے کہ اب امام سے منازعت نہیں پائی جاتی اور فضیلت الحمد پڑھنے کی ملتی ہے اور اُن احادیث مخالفین پر بھی عمل ہو جاتا ہے اور یوں خالی کھڑے رہنے سے کیا فائدہ۔ **مبحث دوم۔** الحمد کے بعد آمین کہنا مسنون ہے خواہ اکیلا الحمد کو پڑھے خواہ امام کے پیچھے خواہ نماز سے باہر ہو کس لئے کہ مسلم نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ واذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا اٰمین، کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہہ چکے تو آمین کہو۔ اور بخاری اور مسلم نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ کس لئے کہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق پڑتی ہے تو اس کے گزشتہ 19

گناہ معاف کئے جاتے ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ سورہ الحمد میں خدا کی ثنا اور صفت کے بعد دُعاء ہے اور دعاء کے لئے آمین مُہر الٰہی ہے کہ جس سے قبولیت کی امید زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد نے ابوزہیر نمیری سے روایت کی ہے کہ ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلے تو ایک شخص کو دعاء میں نہایت تضرّع کرتے دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اس نے تمام کیا تو پالیا۔ ساتھیوں میں سے کسی نے پوچھا کہ یا حضرتؐ کاہے کے ساتھ تمام کرے؟ فرمایا آمین کے ساتھ۔

**آمین** اسم ہے اُس فعل کا کہ جو استجب ہے، یعنی قبول کر۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عطاء کا قول یہ ہے کہ آمین دُعاء ہے۔ الغرض آمین کے معنے (قبول کر) ہیں یہ لفظ مدّ الف اور قصر الف دونوں سے جائز ہے اور بالاتفاق یہ لفظ قرآن کا جزو نہیں بلکہ جس طرح عام دعاؤں کے بعد یہ لفظ بولا جاتا ہے اسی طرح الحمد کے بعد بھی آمین کہنا بالاتفاق سنّت ہے۔ لیکن صرف اس بات میں اختلاف ہے کہ اس کو آہستہ یا خفیہ کہنا بہتر ہے یا آواز سے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ وغیرہم اکابر علماء تابعین اور تبع تابعین خفیہ کہنا اولیٰ سمجھتے ہیں چند دلائل سے (١) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔ کہ اپنے رب سے تضرّع اور خفیہ دعاء مانگو، اُس کو حد سے بڑھنے والے پسند نہیں آتے۔ اس آیت سے دعاء کا خفیہ کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ (کس لئے کہ تضرّع وزاری آہستگی میں خوب پائی جاتی ہے اور یہی بات دعاء میں اصل الاصول ہے) اور آمین دعاء ہے جیسا کہ عطاءؒ نے فرمایا اور دیگر مواضع سے بھی ثابت ہوتا ہے (٢) بخاری اور مسلم کی احادیث مذکورہ (کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو آمین کہو) اخفاء پر دلالت کرتی ہیں۔ کس لئے کہ اگر امام پکار کر آمین کہتا تو مقتدیوں کو معلوم ہوتا۔ پھر غیر المغضوب علیہم کا پتہ دینا اور ملائکہ کے ساتھ موافقت بتلانا کچھ مفید نہیں۔ ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ اور دارمی وغیرہ نے سمرۃ بن جندبؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم دو سکتہ کرتے تھے۔ سکتۃ اذا کبر وسکتۃ اذا فرغ من قرأۃ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، ایک سکتہ جب کرتے تھے کہ جب تکبیر تحریمہ

منزل دوم

کرتے تھے (اس سکتہ میں تعوذ و ثنا پڑھتے تھے) اور ایک سکتہ (یعنی چپ کرنا) اس وقت کہ جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ کر فارغ ہوتے تھے (اس سکتہ میں آمین کہتے تھے) پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پکار کر آمین کہتے تو غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کے بعد چپ نہ کرتے۔ بلکہ آمین پکار کر کہتے۔ امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ وغیرہما علماء یہ فرماتے ہیں کہ ذرا آواز سے آمین کہے تو بہتر ہے کیونکہ وائل بن حجرؓ سے ترمذی اور ابوداؤد اور دارمی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ کر آمین کہتے سنا اور اپنی آواز کو بلند کیا۔ اور اسی طرح ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آمین سے مسجد گونج جاتی تھی (رواہ ابن ماجہ) لیکن اس قسم کی احادیث کا یہ جواب ہے کہ درصورت معارضہ پہلی حدیث کے معارضہ کے ان میں صلاحیت نہیں کیونکہ ادھر قرآن اور صحیح احادیث ہیں اور ادھر صرف ایسی احادیث ہیں کہ جن میں محدثین کو کلام ہے اور اسی لئے امام بخاریؒ نے باوجودیکہ جہر آمین کا باب باندھا مگر ان احادیث میں سے کسی کو بھی درج نہ کیا ان کے نزدیک ان کی صحت پر وثوق نہ تھا فقط قولوا آمین کو روایت کرکے بس کر گئے اور قولوا سے کسی طرح جہر ثابت نہیں ہوتا ورنہ قولوا التحیات للہ الخ وقولوا ربنا لک الحمد (متفق علیہ) میں بھی جہر کا قائل ہونا پڑے گا، ولم یقل بہ احد من العلماء۔ دوم اگر ان کی صحت بھی تسلیم کی جائے تو ان کی یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احیاناً تعلیم کے لئے آمین کو آواز سے کہدیا ہوگا تاکہ لوگوں کو آپ کا آمین کہنا معلوم ہو جائے۔ چنانچہ بخاری و مسلم نے قتادہؓ سے نماز ظہر کی بابت یہ روایت کی ہے کہ یسمعنا الآیۃ احیاناً الحدیث کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی آیت ہم کو سنا کر پڑھ دیتے تھے حالانکہ ظہر کی نماز میں خفیہ پڑھنا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ پس صرف تعلیم کے لئے کہ میں ظہر میں فلاں سورۃ پڑھتا ہوں بعض آیات کو سنا دیتے تھے اسی طرح آمین ہو تو بعید نہیں پس جنہوں نے اس موقع کو دیکھ لیا انہوں نے آمین کا باآواز بلند کہنا اولیٰ سمجھ لیا وہ اپنے مشاہدہ کے موافق سچے ہیں۔

(۳) سوم اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پنجگانہ نماز میں دم اخیر تک آمین پکار کر کہتے تو یہ فعل ایسا نہ تھا کہ عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی پر مخفی رہتا حالانکہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں آج کل بعض صاحبوں نے ان خفیف مسائل میں بہت غلو کرکے مسلمانوں میں تفرقہ ڈال دیا اور باہمی نفاق اور کینہ کو بجائے مردہ سنت کے جلا دیا۔ **مبحث سوم** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ الآیۃ۔ یعنی جب تو قرآن پڑھے تو شیطان سے خدا کی پناہ مانگ اس لئے تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کو بغیر اعوذ کے نہ پڑھنا چاہیے پھر اعوذ مختلف طور پر پڑھتے ہیں زیادہ مشہور تو یہ ہے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم مصر کے قراء اس میں اور کلمات بھی ملاتے ہیں اور سر اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف قویٰ سے مرکب بنایا ہے۔ جس طرح روحانی قویٰ ہیں کہ جو امور فطرت کی طرف اس کو رہنمائی کرتی ہیں اور جن کو قوائے ملکیہ کہتے ہیں اس کو ملے ہیں اسی طرح جسم کے متعلق ظلمانی قویٰ بھی اس کے پاس موجود ہیں جو کجی اور شہوت اور توہمات باطلہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ جن کو قوائے بہیمیہ کہتے ہیں پس قوائے ملکوتیہ تو ملائکہ اور روحانی اور لطیف اور نورانی اشخاص کے آثار کے آنے کا ذریعہ ہیں اور ان قوائے بہیمیہ کے گھوڑے پر شیطان رجیم سوار ہو کر آتا ہے اور گمراہ بناتا ہے اسی لئے کبھی ان قوائے بہیمیہ کو بھی شیطان کہہ دیتے ہیں اور جس میں یہ قویٰ زیادہ پائے جاتے ہیں اس پر بھی اسی علاقہ سے شیطان کا اطلاق ہوتا ہے اور در اصل شیطان وہ ایک شخص خاص ہے کہ جو حضرت آدمؑ کو سجدہ نہ کرکے نافرمان ہوا (چونکہ بعض کم فہم اس امر کو نہیں سمجھے انہوں نے ان قوائے بہیمیہ اور ملکیہ کو کہ جن پر اس علاقہ سے شیطان اور ملک کا اطلاق قرآن اور حدیث میں ہوا ہے اصل شیطان اور فرشتہ سمجھ کر وجود شیطان اور فرشتہ کا انکار کر دیا) حاصل کلام یہ کہ انسان کے اندر ان قوائے بہیمیہ کے لحاظ سے ہر رگ و ریشہ میں شیطان بھرا ہے اور قرآن مجید ایک نورانی اور ملکی چیز ہے تو بیشتر جب تک گندی چیزوں سے تصفیہ نہ ہولے یہ رنگ ملکوتی نہیں چڑھتا اور ان قوائے بہیمیہ کو فرو کرنے کا بشر کو مقدور نہیں اس لئے ضروری ہوا کہ خدا تعالیٰ سے پناہ

مانگے اور جب اُس سے کوئی بصدقِ دل پناہ مانگتا ہے تو اُس کے قوائے بہیمیہ کو اُس خیر میں خلل انداز نہیں ہونے دیتا اور نہ شیطان کچھ ڈال سکتا ہے۔ جس طرح عالم خواب میں وہم عقل کا معارض ہو کر ادھر اُدھر بہکاتا اور کسی ادنیٰ مناسبت سے اصل شے کو دوسری چیز کی صورت دکھاتا ہے اسی طرح اس عالم میں انسان کے قوائے بہیمیہ اور ان کا سوار شیطان آدمی کی راہ میں ہر طرح سے خلل انداز ہوتا ہے بُری چیزوں کو سجا کر آگے دھرتا ہے بھلی باتوں کو بُرا بنا کر دکھاتا ہے اور یہی تو وجہ ہے کہ اس عالم میں انسان مذاہب کے بارے میں گوناگوں اور ہر ایک غرض میں بنی نوع بوقلموں ہیں۔ کوئی اپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے بُت کے آگے دست بستہ کھڑا ہے، کوئی اپنی بکسی دُھن میں اڑا ہے کُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ ع ہر قوم راست راہ دینے وقبلہ گاہے۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

## سورۂ بقرہ[۱]

یہ سورۃ مدنی ہے یعنی مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے اس کی دو سو چھیاسی[۲۸٦] آیتیں ہیں اور چھ ہزار اکیس کلمات ہیں اور پچیس ہزار پانسو حروف اور چالیس رکوع ہیں۔ قرآن مجید کی سب سورتوں سے یہ سورۃ بڑی ہے اور جس قدر احکام شرعیہ اس سے مستفاد ہیں اور کسی سے نہیں اس میں ایک آیت مداینہ ہے کہ جو سب آیتوں سے بڑی ہے۔ اگرچہ اس سورۃ میں بہت سے عمدہ مضامین اور طرح طرح کی ہدایت افزا باتیں ہیں مگر چونکہ گائے کے ذبح کرنے کا جو بنی اسرائیل میں واقع ہوا ہے ایک عجیب اور بہت سے مقاصدِ[۲] ضروریہ کی طرف اشارہ کرنے والا قصہ مذکور ہے اس لئے اس کا نام سورۃ بقرہ ہوا۔ اور تسمیہ میں کوئی نہ کوئی مخصوص بات ملحوظ ہونی چاہیے۔ یہ نام[۳] اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مشہور ہو گیا تھا جیسا کہ احادیثِ صحاحِ ستہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس سورۃ کو سورۃ الحمد سے یہ

## مناسبت

---

۱ بقر اور بقرہ گائے بیل مذکر مؤنث دونوں پر اطلاق کئے جاتے ہیں۔ یہ بقرہ کی ۃ تانیث کے لئے نہیں بلکہ جنس کے لئے ہے جیسا تمر اور تمرۃ میں ہے۔ منہ

۲ منجملہ مقاصدِ ضروریہ کے خدائے تعالیٰ کے وجود کا اثبات ہے سو وہ بھی اس قصہ سے بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کس لئے کہ اس مقتول کا زندہ ہونا کہ جس پر اُس گائے کا گوشت رکھ دیا تھا خدائے قادر کے وجود پر دلالت صحیحہ ہے کہ جس نے اس کو دوبارہ خلاف عادت جان بخشی۔ ازانجملہ نبوت ہے سو وہ بھی اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس نبی کے کہنے سے گائے کا گوشت رکھتے ہی مُردہ زندہ ہو گیا یہ اس کا بڑا معجزہ ہے جو اس کی نبوت پر دلالت کرتا ہے اور جب موسیٰؑ کی نبوت ثابت ہوئی تو ان سے اگلے نبیوں کی نبوت کہ جن کی تصدیق حضرت موسیٰؑ نے کی اور آئندہ نبیوں کی نبوت کہ جن کی پیشین گوئی حضرت موسیٰؑ نے کی بخوبی ثابت ہوئی۔ ازانجملہ انبیاء علیہم السلام کے کہنے پر بے چون وچرا عمل کرنا چاہیے ورنہ مصیبت پیش آتی ہے سو وہ بھی اس قصہ سے بخوبی ثابت ہے کہ بنی اسرائیل نے حجتیں کر کے کیسی مصیبت اٹھائی اور رسوائی پائی۔ ازانجملہ خوفِ خدا ہے اور وہ یہ کہ کوئی گناہ خدا سے مخفی نہیں رہتا سو وہ بھی اس قصہ سے ظاہر ہے کہ مقتول دوبارہ زندہ ہو کر بولا اور اُس نے رازِ مخفی کھول دیا۔

۳ منہ نیچری مفسر اپنی تفسیر کے صفحہ ۱۲ میں کہتے ہیں۔ **قولہ** یہ سورۃ انہیں اُنتیس سورتوں میں ہے جن کو خدا تعالیٰ نے ان کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ حروف مقطعات ان سورتوں کے نام ہیں جن کے ابتدا میں آئے ہیں۔ **اقول** اگر یہ نام خدا تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہوتے تو ضرور تھا کہ صحابہؓ میں لوڈ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہرت پاتے اور ان کے اور نام نہ رکھے جاتے حالانکہ کسی صحیح حدیث سے کیا بلکہ ضعیف سے بھی ہمیں یہ نہ معلوم ہوا کہ الٓمٓ اس سورۃ کا نام خدا تعالیٰ نے مقرر کیا ہے بلکہ سب سلف سے خلف تک اس کو سورۃ بقرہ کہتے چلے آتے ہیں۔ دوم اگر الٓمٓ اس سورۃ کا نام ہو تو اور سورتوں کا بھی (کہ جن کے اول میں یہ حرف آتے ہیں) یہی نام ہو۔ پس اشتراک لازم آئے جو تعیین اسماء کی غرض کے منافی ہے اور جو بیشتر وضعِ اول کو بھول جانے سے واقع ہوتا ہے اور خدا بھول سے پاک ہے۔ سوم خود مفسر صاحب سورۃ بقر۔ سورۃ عنکبوت۔ سورۃ روم۔ سورۃ لقمان۔ سورۃ سجدہ نام لیتے ہیں۔ الغرض یہ قول علوم اسلام سے ناواقفیت پر دلالت کرتا ہے۔ منہ **ف** بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ بقرہ کی آخر کی تین آیتیں معراج کی شب میں اس وقت اُتری ہیں جبکہ آنحضرت مقام سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے تھے چنانچہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جس کا ملخص یہ ہے کہ جب آنحضرت معراج کی رات میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو چھٹے آسمان پر ہے تو اس وقت وہاں پر آپ کو تین چیزیں دی گئیں پانچ نمازیں اور سورۃ بقرہ کی آخر کی آیتیں اور یہ حکم کہ آپ کی امت میں جو مشرک نہیں اسکے گناہ بخشے جائیں گے چونکہ معراج بالاتفاق مکہ میں ہوئی تھی اس لئے یہ آیتیں مکی سمجھی جائیں گی ۱۲

ہے کہ سورۃ الحمد میں چونکہ ہدایت کے متعلق جمیع مضامین ایک ایسی خوبی کے ساتھ مذکور ہوتے ہیں جس کے اثر سے دلِ بیمار اور روحِ مریض کو شفائے ابدی حاصل ہوتی ہے اور اسی لئے اس سورۃ کا نام سورۃ شافیہ یا شفا۔ قرنِ اول میں شہرت پاچکا تھا اور شفاء قلب کے بعد حیاتِ روحانی اور زندگیٔ جاودانی ایک ضروری بات ہے اس لئے ضرور ہوا کہ اس سورۃ کے بعد وہ سورۃ ہو کہ جس میں (بضمن تفصیل اجمال) وہ باتیں ہوں کہ جو حیات اور ہمیشہ کی زندگانی سے علاقہ رکھتی ہوں۔ یہ بات سورۃ بقرہ میں موجود ہے کیونکہ اس سورۃ کے کل چالیس رکوع ہیں ان میں سے کوئی رکوع بھی ایسا نہیں کہ جس میں حیات کا مضمون نہ ہو۔ اول ودوم رکوع میں یہ بیان ہے کہ یہ قرآن اُن لوگوں کے لئے ہدایت ہے کہ جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے اور نیک کام کرتے ہیں۔ (یعنی جن کو صلاحیت ازلی اور استعدادِ ایمانی نصیب ہے) نہ اُن کے لئے کہ جو کافر و منافق یعنی ازلی کور باطن ہیں سو یہ صاف طور پر اس بات کا بیان ہے کہ جنھوں نے بموجب صلاحیت ذاتی سعادت ایمان پائی حیاتِ جاودانی پائی اور جو اس سے محروم رہے اُنھوں نے حیاتِ ابدی نہ پائی۔ تیسرے رکوع میں خدا تعالیٰ کی (کہ جس نے آسمان و زمین کو بنایا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو مباح فرمایا) عبادت کا حکم ہے جو حیاتِ ابدی کا باعث ہے۔ چوتھے میں حضرت آدمؑ کا پیدا ہونا اور اس کو حیات بخش کر ملائکہ پر فضیلت دینا اور اُس کے مدعی کو حیاتِ ابدی سے محروم کر دینا مذکور ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ نافرمانی حیاتِ ابدی سے محروم کرتی ہے اور اس میں قیام حیات دنیوی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو حیاتِ اُخرویہ کا نمونہ اور وسیلہ ہے اول تو وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ میں زندہ ہونا بتلا دیا پھر تمام نوع انسانی کی زندگی اور ابوالنوع حضرت آدمؑ کا حال بیان کر دیا وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً اس کے بعد اس النوع کے ایک بڑے خاندان کی حیات کا ذکر پانچویں رکوع میں یا بنی اسرائیل سے شروع کیا کہ جس میں صدہا انبیاء پیدا ہوتے اور تقریباً نصف بنی آدم اب تک اسی خاندان کے بزرگوں کے معتقد ہیں اس کے بعد (۹) رکوع تک اس خاندان کے حالاتِ عبرت خیز بیان کئے اور من وسلوے اور قلزم سے پار اُتارنا اور فرعون کو کہ جو اس خاندان کی حیات کا دشمن تھا ہلاک کرنا اور توراۃ کا عطا ہونا اور دیگر امور کہ جو حیات سے متعلق ہیں اور پھر جہلاء کا گوسالہ پرستی کر کے حیاتِ ابدی سے محروم ہونا اور پھر ان کو حیاتِ دنیویہ میں مال و جان خرچ کر کے حیاتِ ابدی خرید نا بتانا اور بنی اسرائیل کے گناہوں پر عذاب بھیج کر حیاتِ ابدی پر متنبہ کرنا اور گائے ذبح کر کے ایک شخص مردہ کو اُس کے گوشت سے حیات دینا ذکر کیا (۱۰) رکوع میں بنی اسرائیل سے یہ عہد لینا مذکور ہے کہ خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ ماں باپ یتیموں اور مسکینوں سے نیک سلوک کریں گے، نماز پڑھیں گے، زکوٰۃ دیں گے، اچھی بات کہیں گے، خون ریزی نہ کریں گے، کسی کو جلا وطن نہ کریں گے یہ وہ عہد ہے کہ جو اس کو پورا کرے حیاتِ ابدی پاوے۔ دنیا کی زندگی کا بھی مزہ اُٹھاوے (۱۱) رکوع میں موسیٰؑ کو کتاب دینا اور اُن کے بعد انبیاء پے در پے بھیجنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح القدس سے مدد کرنا وغیرہ امور بیان ہیں کہ جو حیاتِ ابدی کے لئے ضرور اور نافع ہیں (۱۲) رکوع میں اور اس کے بعد قل من كان عدوا لجبريل الخ میں اس بات کا بیان ہے کہ جبریلؑ اور جو لوگ حیاتِ ابدی اور وحی کا واسطہ ہیں اُن سے بغض رکھنا جیسا کہ بعض یہود رکھتے تھے حیاتِ ابدی سے محروم ہونا ہے اس کے بعد (۱۴) رکوع تک یہود کی اور بہت سی لغو حرکات بیان فرمائیں کہ جو حیاتِ ابدی سے محروم اور بے نصیب کر دیتی ہیں (۱۵) رکوع میں یا بنی اسرائیل سے لے کر ایک اور اعلیٰ خاندان یعنی حضرت اسمٰعیلؑ کے حالات اور ان کی ذریت میں نبی آخر الزمان بر پا کرنے کا ذکر ہے کہ جو تمام عالم کی حیاتِ ابدی کا ذریعہ ہے اور کعبہ جو اس کی تجلیات کا مظہر ہے اُس کی بنیاد قائم کرنا مذکور ہے (۱۶) رکوع میں ومن يرغب عن ملة ابراهيم سے لے کر آخر تک حضرت ابراہیمؑ اور یعقوب علیہما السلام کا اسلام لانا اور اسلام کے لئے اپنی اولاد کو وصیت کرنا اور ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر قائم رہنا اور بلا تفریق تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو حیاتِ جاودانی کے لئے اصل الاصول ہیں پھر (۱۸) رکوع میں کعبہ کی تحویل پر جو کچھ احمقوں کے بے جا اعتراضات تھے ان کا جواب اور اس بات کا اظہار ہے کہ

مقصود ہر طرف خدا ہے اور اسی کی یاد اور عبادت اور محبت حیاتِ ابدی کا باعث ہے اور یہ مقام متبرک محض امتحانِ اطاعت کے لئے مقرر ہوا ہے۔ (۱۹) رکوع میں اور اس کے بعد صبر اور نماز گزاری کا ذکر ہے اور یہ کہ جو لوگ خدا کی راہ میں مرگئے اُن کو حیاتِ ابدی نصیب ہو گئی اور حج اور عمرہ وغیرہ ریاضتیں بیان فرمائیں کہ جن سے روح زندہ ہوتی ہے (۲۰) رکوع میں خدائے تعالیٰ کی صفات و آیات اور اس بات کا ذکر ہے کہ خدا سے نہایت درجہ کی محبت رکھنی چاہیے اور دیگر امور مذکور ہیں کہ جو حیاتِ ابدی کے متعلق ہیں (۲۱) رکوع میں پاک چیزوں کا استعمال کرنا اور ناپاک چیزوں سے پرہیز کرنا اور شیطان کے رستہ پر نہ چلنا اور خدا کا شکر کرنا اور سُور اور مُردار وغیرہ ان گندہ چیزوں سے دُور رہنا مذکور ہے کہ جن کا اثر زہر کی مانند قوائے ملکوتیہ پر دوڑ کر حیاتِ جاودانی میں خلل انداز ہوتا ہے۔ اور دیگر امور متعلق بہ حیاتِ ابدی ہیں (۲۲) رکوع میں یہ بیان ہے کہ رسمی باتوں پر سعادت اور نیکی کا مدار نہیں بلکہ دراصل جو سعادت کہ باعثِ حیاتِ روح ہے وہ اللہ اور انبیاء اور ملائکہ پر ایمان لا کر صدقہ و خیرات و نماز ادا کرنا وغیرہ امور (۲۳) رکوع میں روزہ کی فضیلت اور اس کے احکام اور اعتکاف وغیرہ وہ باتیں ہیں کہ جن کا اثر روح پر پہنچتا ہے اور حیاتِ اُخرویہ کے لئے کار آمد ہیں (۲۴) رکوع میں حج کے احکام اور خدا ہی کی راہ میں مال صرف کرنے کی تاکید اور لوگوں سے نیکی سے پیش آنا مذکور ہے کہ جو حیاتِ دنیا کے لئے ضروری اور دوسرے جہان کے لئے نافع ہے (۲۵) رکوع میں احکام حج اور دُعا اور تکبیر مذکور ہے کہ جن کا پرتو روح کو تازہ کرتا ہے اور تمام لوگوں کو اس بات کی تاکید ہے کہ احکامِ الٰہی کی پابندی کریں تاکہ خرابی نہ پیش آوے اور روح امراض میں گرفتار نہ ہو جاوے (۲۶) رکوع میں اس بات کا اظہار ہے کہ خدا کے دشمنوں اور باغیوں سے اس کی فوج بن کر لڑنا اور زمین کو ان کے شر سے پاک کرنا اور دین کو زندہ کرنا کہ جس کو جہاد کہتے ہیں دنیا و آخرت کی زندگانی کا سبب ہے کیونکہ جب دشمنانِ دین غالب ہو جاویں گے تو اپنا غلام اور سواری کا جانور بنا کر کام لیں گے اور دین سے بھی بے بہرہ کر دیں گے اور ترقی دینی کبھی نصیب ہو گی نہ دنیاوی اور اس کی شرح اور فوائد دیگر آیات و احادیث میں بکثرت ہیں اور حکمائے امت نے یہ بات بدلائل عقلیہ بھی ثابت کر دی ہے اور تجربہ اس کا شاہد ہے (۲۷) رکوع میں شراب اور جوئے کی ممانعت ہے کہ جو دنیا و دین کی خرابیوں کا باعث اور تلخی زندگانی کا وسیلہ ہے اور یتیموں اور بے کسوں کی خبر داری کرنا ہے جو اُن کی بھی حیات کا باعث ہے (۲۸) رکوع میں خانہ داری اور زندگی کے متعلق احکام حیض و ایلاء و عدت و حرمت و اخفائے حمل وغیرہ وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو حیاتِ دنیا و اُخروی کے لئے اصل الاصول ہیں (۲۹) رکوع میں بھی طلاق و عدت و رجعت وغیرہا باہمی معاملات کے متعلق وہ احکام ہیں کہ جو زندگی کو تازہ کرتے ہیں (۳۰) رکوع میں طلاق و حلالہ و رضاعت و نفقہ و مرضعہ و مقدار عدت وفات وغیرہا وہ احکام ہیں کہ جن کے بغیر معاشرت کا انتظام اور حیات کا لطف نہیں یہ بیان (۳۲) رکوع أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ تک ہے پھر اس رکوع میں جب کہ باہمی معاملات (پرورش اولاد وغیرہ امور) سے فراغت ہو چکی تو مبدءِ غیب سے بلا اسباب ظاہرہ زندگی عطا ہونا بیان کیا کہ اس کی قیومیت اور قدرت پر کامل یقین ہو جاوے۔ اس میں صد ہا بنی اسرائیل کا ایک نبی کی دُعا سے زندہ ہونا مذکور ہے پھر (۳۳) رکوع میں طالوت کا جالوت کو قتل کرنا اور بنی اسرائیل کی برباد شدہ سلطنت و قوت کا حضرت داؤد کے عہد میں دوبارہ زندہ ہونا اور تابوت سکینہ کا پھر ہاتھ آنا کہ جو خدا کی قبولیت اور قدرت کی بڑی دلیل ہے (۳۴) رکوع میں آیۃ الکرسی ہے کہ جس میں خدا تعالیٰ کا حیّ قیوم ہونا اور بہت صفات مذکور ہیں اور یہ کہ حیاتِ ابدی کے لئے یعنی اسلام کے قبول کرنے میں کسی پر زبردستی نہیں کیونکہ اس کے دلائل اور خوبیاں واضح ہیں۔ (۳۵) رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چار جانوروں کو زندہ کر کے دکھانا اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کا کامل وثوق دلانا ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام کو جو بیت المقدس کے آباد ہونے میں تعجب تھا ایک عرصہ تک مُردہ رکھ کر زندہ کرنا اور خدا تعالیٰ کے حی و قیوم ہونے پر وثوق دلانا مذکور ہے پھر رکوع (۳۹) تک صدقہ اور خیرات اور پرہیزگاری اور سود کی حرمت اور دیگر احکام شہادت وغیرہا مذکور ہیں کہ جو دنیاو

دین کی زندگی کے لئے نہایت کار آمد ہیں اور (۴۰) رکوع میں تو لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ سے لے کر اخیر سورہ تک وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو مُردہ دل کو حیات جاودانی بخشتی ہیں ان رکوعات اور پھر ان کی آیات کو جو کچھ باہم ارتباط اور سلسلہ بندی ہے وہ بیان سے باہر ہے کسی قدر ہم بھی بیان کریں گے انشاء اللہ۔ اس سورہ کو سورۃ الحمد سے

## یہ بھی ربط ہے

کہ اس سورۃ میں الحمد کے جمیع مضامین کی تشریح ہے چنانچہ (۳) رکوع میں آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور زمین پر اناج و پھل پھول بے شمار اُن چیزوں کا پیدا کرنا مذکور ہے کہ جن سے خدا تعالیٰ کی پرورش اور تمام عالم کی تربیت معلوم ہوتی ہے پھر آگے اسی طرح حضرت آدمؑ کو پیدا کرکے جنت میں رکھنا اور ملائکہ سے سجدہ کروانا اور پھر اس کی اولاد میں سے بنی اسرائیل کو برگزیدہ کرنا اور اُن کو ہر طرح کی نعمتیں عطا فرمانا یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ اور پھر بنی اسمٰعیل میں نبی پیدا کرنا اور کعبہ کو حرمت و عزت بخشنا اور وہاں کے رہنے والوں کے لئے رزق رسانی اور دانہ پانی کا وعدہ کرنا اور بنی اسرائیل کی سلطنت رفتہ باز کو حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں پھر واپس دینا اور حضرت عزیر علیہ السلام اور دیگر بنی اسرائیل کو زندہ کرنا اور موسیٰؑ کو توراۃ عطا کرنا وغیرہ جو عمدہ مضامین اس سورۃ میں مذکور ہیں وہ سب ترتیب الحمد للہ رب العالمین کی شرح ہے اور اسی طرح منّ و سلویٰ بنی اسرائیل کو عطا فرمانا اور دن میں ابر کا سایہ کرنا اور فرعون سے نجات دینا وغیرہ امور جو اس قسم کے اس سورۃ میں مذکور ہیں سب الرحمٰن الرحیم کی شرح ہیں اور پھر گائے کا ذبح کرنا اور اُس کا گوشت مقتول کی لاش پر دھرنا اور اُس کا جی اُٹھ کر اپنے قاتل کا نام لینا اور قاتل کا سزا پانا اور اسی طرح بنی اسرائیل کو (گوسالہ پرستی کی سزا میں) خودکشی کا حکم دینا اور ایسی سخت توبہ مقرر کرنا اور بنی اسرائیل کی نافرمانیوں پر طرح طرح کی سزائیں دینا اور کافروں اور مشرکوں اور منافقوں کا گھر جہنم میں بنانا وغیرہ اس قسم کے مضامین جو اس سورۃ میں مذکور ہیں سب مالک یوم الدین کی تفسیر ہے اور روزہ اور نماز اور حج اور زکوٰۃ و جہاد اور ذکر الٰہی اور تکبیر و تہلیل جو کچھ مختلف رکوعوں میں وارد ہے اور اُن کے احکام مذکور ہیں اور جہاں کہیں خاص خدا تعالیٰ سے محبت اشد کرنے کا حکم ہے اور شرک و بت پرستی کی ممانعت ہے سب ایاک نعبد و ایاک نستعین کی تفصیل ہے اور قرآن کا متقیوں کے لئے ہدایت ہونا اور احکام طلاق و نکاح وغیرہ و صلہ رحمی اور والدین اور اقارب اور ہمسایہ سے نیکی کرنا حرام اور اشہر حرم کی حرمت کرنا جو کچھ اس قسم سے اس میں مذکور ہے سب اہدنا الصراط المستقیم کی تفسیر ہے اور جو کچھ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور اُن کے پیرووں کے اقوال اور اُن کے احوال اور اُن پر انعام الٰہی نازل ہونا اس سورۃ میں مذکور ہے سب صراط الذین انعمت علیہم کی تفسیر ہے اور فرعون کا غرق ہونا اور اُس کی بداطواری سے اُس کا ملک و مال برباد ہونا اور نمرود کا حضرت ابراہیمؑ سے مناظرہ کرنا اور یہود پر ان کی بدکاری سے مصیبت نازل ہونا اور جو کچھ اس قسم کا مضمون ہے سب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی پوری شرح ہے چونکہ یہ سورہ بے شمار علوم کا سرچشمہ ہے اس لئے اس کے

## فضائل

بھی بہت ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں انسؓ سے روایت ہے کہ ہم میں سے جو شخص سورۃ بقرہ اور آلِ عمران جانتا تھا اُس کی بڑی عزت و عظمت ہوتی تھی اور مسند امام احمدؒ وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورۃ بقرہ بمنزلہ کوہان قرآن کے ہے اور بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ اُسید بن حضیرؓ رات کو سورۃ بقرہ پڑھ رہے تھے اور اُن کا گھوڑا ان کے پاس بندھا ہوا تھا کہ یکایک ان کا گھوڑا چونکا وہ کہتے ہیں کہ میں نے پڑھنا بند کیا گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔ پھر جب میں نے پڑھنا شروع کیا پھر اسی طرح گھوڑا بدکا۔ تین بار یہ بات پیش آئی۔ اور میرا بیٹا یحییٰ قریب سوتا تھا مجھے ڈر ہوا کہ گھوڑا اُسے نہ کچل ڈالے پھر جب میں نے اُوپر کو دیکھا تو ایک نورانی سا بادل دکھائی دیا کہ جس میں مشعلیں سی روشن

تھیں پھر میں اس کے دیکھنے کے لئے باہر نکلا صبح کو یہ ماجرا میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا ملائکہ تھے جو تیری آواز سُن کر آئے تھے اگر تو صبح تک پڑھے جاتا تو وہ بھی صبح تک موجود رہتے اور سب کو نظر آتے۔ لے ابن حضیر اس کو پڑھا کر۔ مسلم نے ابوامامہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کو اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔ زہراوین[1] (سورۂ بقرہ وآلِ عمران) پڑھا کرو کیونکہ قیامت کو یہ اپنے پڑھنے والوں کے لئے (بادل کی طرح ہوکر) شفاعت کو آدیں گے۔ سورۂ بقرہ پڑھا کرو کیونکہ اس کے پڑھنے میں برکت اور ترک کرنے میں حسرت ہے۔ اور فریبی لوگ اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس سورۃ کی برکت و آثار جو کچھ بزرگانِ دین کے تجربہ میں بارہا آئے ہیں بیشمار ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ جس رات یہ سورۃ پڑھی جائے یا جس گھر میں پڑھی جائے وہاں شیطان کا گزر نہیں ہوتا جو لوگ حسِّ باطن رکھتے ہیں وہ اس امر کی بخوبی تصدیق کرتے ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ بیمار کے روبرو یہ سورۃ پڑھی جائے اور ایک مقدار معلوم چاول پکا کر دہی اور کھانڈ ڈال کر کسی مسکین کو کھلایا جاوے دفعِ مرض بالخصوص چیچک کے لئے بہت مفید ہے۔ فقیر کے تجربہ میں بھی آیا ہے۔

## شانِ نزول

جب مکہ اور اُس کے گرد ونواح میں دینِ اسلام کی روشنی پھیلی تو وہاں کے بُت پرستوں کے زور وظلم سے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ حکمتِ الٰہی کے موافق مدینہ میں (کہ جو مکہ سے شمال کی طرف چودہ منزل کے فاصلہ پر ہے) تشریف لے آئے اس شہر میں اور اس کے اطراف میں عرصہ دراز سے اہلِ کتاب رہتے تھے اور اُس وقت عیسائیوں اور یہود کے تعصبات اور گمراہیوں اور توہمات وخیالات مشائخ کی بیجا پابندیوں نے اُس ذرا سے نور کو بھی جو مدت سے ٹمٹما رہا تھا بجھا دیا تھا ایسی حالت میں جو یکایک ان پر آفتابِ اسلام نے طلوع کیا اور نبی علیہ السلام کی وہ باتیں کہ جو روح کو زندہ کرنے والی ہیں اُن کے کان میں پڑیں تو باستثناء چند دیندار اکثر کو پابندیٔ رسوم وتعصب بیجا نے باوجود دل میں مقر ہونے کے اسلام اور قرآن کے مقابلہ پر آمادہ کیا۔ جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مقابلہ میں آمادہ کیا تھا۔ یہ فریق علم ودانش میں وہاں کے عربوں کے نزدیک مسلّم تھا۔ اس لئے ان کی نکتہ چینیوں پر وہ زیادہ کان رکھنے لگے اور چراغِ اسلام کو بجھانے میں جُہّالِ عرب کو ان یہود ونصاریٰ سے ایک مدد مل گئی۔ اور دو فریق مقابلہ میں کھڑے ہو گئے اور مدینہ کے روساء میں سے عبداللہ بن ابی ابن سلول وغیرہ (وہ لوگ کہ جن کو حسدِ ریاست اور حبِّ مال وجاہ نے اندھا کر دیا تھا اور کسی مصلحتِ دُنیویہ سے وہ اسلام میں نامزد ہوتے تھے اور در پردہ سخت دشمن تھے) اُن کے ساتھ مل گئے۔ اس تیسرے فریقِ منافقین سے اور بھی ان کی ہمت بندھ گئی۔ ان تینوں فریق کی کج بحثیوں کی اصلاح اور اُن کے شکوک وشبہات کا ابطال اور ہر طرح کا وعظ وپند حکمتِ الٰہی کے نزدیک ضرور ہوا۔ پس اس لئے مدینہ میں جاتے ہی یہ سورہ بقرہ نازل ہونی شروع ہوئی کہ جس میں ان سب لوگوں کی اصلاح ودرستی خدا تعالیٰ نے اپنے کلامِ مقدس میں ملحوظ رکھی ہے یہ تمام سورۃ کا اجمالی سببِ نزول ہے اس اجمال کے سوا خاص باتیں بھی سببِ نزول ہیں کہ جن کو ہم آگے چل کر حسبِ موقع بیان کریں گے مگر ناظر کو لازم ہے کہ اس اجمالی سببِ نزول کو ملحوظ رکھے تاکہ اس سورۃ کے مطالب اس کے دل پر منقش ہو جائیں؏

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

شروع ہے اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا بڑا مہربان ہے۔

الٓمّٓ ۚ ① ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ ۛۚ فِيۡهِ ۛۚ

الٓمّٓ ۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں کوئی بھی شک نہیں

[1] زہراوین زہرا کا تثنیہ ہے اور زہرا ازہر کا مؤنث ہے۔ جس کے معنے نہایت روشن کے ہیں۔ چونکہ ان دونوں سورتوں یعنی بقرہ وآلِ عمران میں ایک عجیب نورانیت ہے کہ جو نفوسِ صافیہ کو معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے ان دونوں سورتوں کا لقب زہراوین ہو گیا۔ منہ

# هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾

پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ہے۔

## ترکیب

اگرچہ الٓمٓ حروف مقطعات سے ہیں کہ جن کے معنے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ جیساکہ آپ کو ابھی معلوم ہوگا مگر اس بات پر محققین متفق ہیں کہ یہ ان حروفِ تہجی کے اسماء ہیں کہ جن سے کلام مرکب ہوتا ہے۔ ان کے ابتداء کلام میں لانے سے یہ اشارہ ہے کہ جن حروف سے ہمارا کلام مرکب ہے وہی تمہارے کلام کا بھی مادہ ہے پھر اگر یہ قرآن کلام الٰہی اور معجزہ نہیں تو کیا وجہ کہ تم اس کے مثل کلام نہیں بنا سکتے اور اس کی سورۃ کا دسواں حصہ بھی نہیں لا سکتے۔ پس اس تقدیر پر الٓمٓ کے معنے المرکب من ہٰذہ الحروف مبتدأ او معجز یا متحدی بہ اس کی خبر یا برعکس جس کے معنے یہ ہوئے کہ جو کلام ان حروف سے مرکب ہے یعنی قرآن معجز یا متحدی ہے یا یہ کہ یہ کلام متحدی بہ اس قسم کے حروف سے مرکب ہے یا یوں کہو الٓمٓ مبتدا (خواہ اس سے مراد المؤلف منہا لیا جاوے یا قرآن یا سورتوں کا نام مانا جاوے جیسا کہ اکثر علماء کی رائے ہے) اور ذٰلک اس کی خبر اور کتٰب صفۃ یعنی کامل کتاب یہی ہے جیسا کہ بولتے ہیں، زید انسان ہے یعنی کامل انسان زید ہے۔ یا یوں کہو کہ الٓمٓ خبر ہے مبتدا محذوف کی جو المتحدی بہ ہے اور ذٰلک خبر ثانی یا بدل ہے اور کتٰب صفۃ ہے لا نفی جنس ریب اس کا اسم اور فیہ خبر یا یوں کہو فیہ صفت ریب کی اور للمتقین خبر اور ہدًی حال ہے یعنی اس کتاب میں رجوع کر ہدایت دینے والی ہے) پرہیز گاروں کو کوئی شبہ نہیں یا یوں کہو ریب موصوف فیہ صفت اور خبر محذوف جیسا کہ لا خیر میں محذوف ہے اس تقدیر پر فیہ خبر مقدم ہے ہدًی کی۔

### یا یوں کہو کہ

ذٰلک الکتٰب مبتدا اور لاریب فیہ جملہ اس کی خبر اول اور ہدًی للمتقین دوسرا جملہ اس کی دوسری خبر، اس کے سوا اور بھی احتمالات ہیں۔ سبحان اللہ کیا عمدہ کلام ہے کہ ہر پہلو پر ایک عمدہ معنی حاصل ہوتے ہیں اور صحیح تر ہے کہ یہ چار جملے الگ الگ ہیں ہر جملہ پہلے جملہ کے لئے دلیل ہے۔ پس الٓمٓ ایک جملہ ہے جس کے معنے یہ ہوئے کہ یہ متحدی بہ انہیں حروف سے مرکب ہے کہ جن سے عام عرب بلکہ عجم کے کلام مرکب ہوتے ہیں پھر باوجود اس مساوات کے کسی سے بھی اس کے مقابلہ میں کلام نہیں لایا جاسکتا اس کے اعجاز کی صریح دلیل ہے پھر ذٰلک الکتٰب دوسرا جملہ ہے جو اعجاز کو خوب ثابت کرتا ہے یعنی در اصل کتاب یہی ہے اور اس کے مقابلہ میں اور کلام کالعدم ہے معارض تو کیا۔ پس ثابت ہوا کہ یہ بڑی کامل کتاب ہے کیونکہ لاریب فیہ یہ تیسرا جملہ ہے جو اس کے کمال کی دلیل ہے یعنی جس کو ذرا بھی فہم سلیم اور سلیقۂ زبانِ عرب ہے وہ اس کی خوبیوں کو دیکھ کر یقین لاوے گا کوئی شبہ اس کو پیش آوے گا اور درحقیقت جو کتاب ایسے مضامین کو متضمن ہو کہ اس میں دانشمند اور صاحب فطرت سلیمہ کو کچھ شک نہ ہو وہ کامل ہے بخلاف ان کتابوں کے کہ جن میں عناصر پرستی یا غلط نسب نامہ یا اور خلافِ عقل مضامین ہوں کہ جن کے قبول کرنے سے عقل انکار کرتی ہو وہ کامل نہیں نہ الہامی ہیں۔ اور اس میں کیوں شک نہیں، اس لئے کہ ہدًی للمتقین ہے یہ چوتھا جملہ ہے یعنی جس کتاب سے لوگوں کو ہدایت ہوتی ہے اس میں شک نہیں ہوتا۔ کس لئے کہ اگر شک ہو تو پھر کتاب ہدایت کیونکر بخشتی بلکہ مشکوک کتابوں کو تو پرہیز گار چھوتے بھی نہیں چہ جائیکہ ان کا دستور العمل اور ہدایت نامہ ہو اور ایک لطف بھی اس کلام میں ہے کہ اول جملہ دوسرے کے لئے دلیل بھی ہو جاتا ہے۔

## تفسیر

۱ تحدی کہتے ہیں کلام مقابلہ میں طلب کرنا۔ متحدی بہ وہ کلام کہ جس کو پیش کر کے اس کے مقابلہ میں کلام طلب کیا جائے۔ منہ ۲ اگرچہ سورتوں کا نام بھی علماء نے مانا ہے مگر یہ کہنا کہ یہ نام خدا تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں اور خدا تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ سورہ کا نام　　ہے　　محض غلط ہے۔ بلکہ یہ بھی علماء کا ایک قول ہے منجملہ دیگر اقوال کے۔ منہ

سورۃ الحمد میں جب کہ ہدایت کے متعلق سب ضروری باتیں اجمالاً بیان ہو چکی تھیں تو اس سورہ میں ان مضامین کی تفصیل کی گئی اور سب سے پیشتر قرآن مجید کا کتاب الٰہی ہونا تین دلیلوں سے ثابت کیا۔ کیونکہ ہر ملت و مذہب کا مدار کتاب پر ہوتا ہے۔ پس جس ملت و مذہب کی کتاب الہامی اور آسمانی ہے وہ حق ہے ورنہ باطل۔ اور یوں تو ہر شخص اپنے مذہب کو خواہ وہ کیسا ہی خراب کیوں نہ ہو حق ہی جانتا ہے۔

**دلیل اول** الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ سے مستفاد ہوتی ہے۔ تقریر اس کی یہ ہے۔ عرب میں اس زمانہ میں کہ قرآن نازل ہو رہا تھا فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا ہر شخص اپنے عمدہ عمدہ اشعار پر ادھار کھائے پھرتا تھا اور معجزہ کی خوبی یہ ہے کہ جس امر میں لوگوں کو ملکہ ہو اور جس کے اسرار کما ینبغی وہ جانتے ہوں اسی میں ان کو ایسی بات دکھائی جائے کہ جو ان سب کی قوت سے باہر ہو اور وہ عاجز ہو کر یہ جان لیں کہ یہ اس شخص کا کام ہے جو ہماری جنس اور نوع سے الگ ہے اور اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بیماروں کا تندرست کرنا، مُردوں کو زندہ کرنا وغیرہ وہ معجزات دکھائے کہ جنہوں نے طب جالینوسی کو پست کر دیا اور اسی لئے فرعون کے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اژدہا دیکھ کر جھٹ پٹ ایمان لے آئے۔ گروہ اس فن کے واقف کار تھے فوراً سمجھ گئے کہ یہ جادوگر کا کام نہیں بخلاف فرعون کے وہ اناڑی نہ سمجھا۔ پس اس لئے عرب کے سامنے فصاحت و بلاغت میں معجزہ ظاہر ہونا پر ضرور تھا تو خدائے تعالیٰ نے اس جملہ میں اعجاز کی طرف اشارہ فرمایا کہ ہمارا کلام بھی انہیں حروف سے مرکب ہے کہ جس سے تمہارا کلام مرکب ہوتا ہے اور جس طرح تمہاری کتابوں پر اطلاق کتاب ہوتا ہے ہماری کتاب پر بھی پھر جب تم اسی سبب فصاحت و بلاغت میں بھی کم نہیں بلکہ مشاق ہو اور ایک کیا سب مل کر بھی ایسی کتاب نہیں بن سکتی تو جان لو کہ یہ تمہارے ہم جنس کا کلام نہیں۔ اس دلیل کو آگے قرآن میں تفصیل سے خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ یوں بیان فرمایا ہے: فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۔

**دلیل دوم** لَا رَيْبَ فِيْهِ سے مستفاد ہے۔ اس کی تقریر یوں ہے۔ جو لوگ لطف زبان سے واقف نہیں اور حکیمانہ طور پر مضمون و معانی ہی پر ان کی نظر ہے تو وہ اس کے مطالب اور معانی کو بغور دیکھیں کہ وہ کیسے ہیں۔ کیونکہ جس کتاب کے مطالب بتمامہا میزان عقل میں وزنی ہوتے ہیں ان کا اعتبار ہے ورنہ نہیں۔ عقل خدا تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو چشم حق بین عطا ہوتی ہے۔ اگرچہ کبھی عقل و وہم کی کشاکشی میں آکر پست ہو جاتی ہے تو الہام کی تائید سے مرتفع ہوتی ہے۔ مگر ہر نیک و بد اور برے بھلے کا امتیاز اسی کے ہاتھ میں دیا گیا ہے۔ پس جن باتوں کو عقل سلیم رد کرے وہ مردود اور جن کو قبول کرے وہ مقبول ہیں اور اعلیٰ درجہ قبولیت کا عقل کے نزدیک یہ ہے کہ عقل ان باتوں کا یقین کرلے۔ اس کو ریب اور تردد نہ رہے نہ یہ کہ علیٰ وجہ الظن والتقلید والشک تسلیم کرے سو یہ بات قرآن مجید کے مطالب کو حاصل ہے۔ چنانچہ صدہا عیسائی محقق بھی اس امر کے مقر ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب کی بنیاد ان باتوں پر ہے کہ جن کو عقل سلیم تسلیم کرتی ہے نہ کہ توہمات و خیالات فاسدہ پر۔ خلاصہ دلیل قرآن کے مطالب ایسے عمدہ ہیں کہ عقل کو ان میں ریب و شک نہیں بلکہ یقینی طور پر ان کو تسلیم کرتی ہے اور جس کتاب کے مضامین میں ریب و شک نہ ہو وہ منجانب اللہ ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن بھی منجانب اللہ ہے اس دلیل کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا وغیرہا من الآیات۔ جس طرح اول دلیل زبان دانوں کے لئے تھی یہ دلیل تمام لوگوں کے لئے ہے یہود و نصاریٰ ہنود و مجوس سب کے لئے مفید ہے۔ صغریٰ کا ثبوت محتاج دلیل نہیں جو چاہے قرآن کریم کے مضامین کو ملاحظہ کر لے کوئی بات بھی ایسی نہ پائے گا کہ جس میں عقل کو تردد ہو بخلاف وید اور دساتیر کے کہ ان میں عناصر اور کواکب پرستی کے وہ مضامین ہیں

کہ جن سے دل متلاتا ہے اور عقل کو نفرت آتی ہے اور لنگ پوجا اور بھگ (فرج) پوجا اور گلے پرستی پر تو اب دانشمند ہند و بھی ہنستے ہیں اور توراۃ و انجیل و زبور موجودہ میں گو اصلی کتابوں کے صدہا مضامینِ الہامی مندرج ہیں مگر تاہم بہت سی وہ باتیں ہیں کہ جن میں عقل کو ریب و تردّد بلکہ صریح انکار ہے اناجیل و نامجات میں تو بقول پادری فنڈر صاحب تثلیث و الوہیتِ مسیح و کفارہ مذکور ہے کہ جس کو آج تک کوئی عیسائی ثابت کرسکا نہ کرے گا بلکہ انہی لغو مضامین سے نفرت کرکے صدہا بلکہ لاکھوں عیسائی فرانس اور جرمن اور انگلینڈ میں سخت ملحد ہوگئے۔ چنانچہ مسٹر دوائٹ اپنی کتاب سفر جرمنی کے صفحہ ۴۰۹ میں لکھتا ہے کہ علم کلام کے جھگڑے میں عہدِ عتیق[1] کی سچائی اور اصلیت میں کلام ہوا رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ اس کے الہامی ہونے کا یقین جرمنی سے نکل گیا بعدازاں عہدِ جدید[2] میں گفتگو شروع ہوئی یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے سب کو غیر الہامی سمجھا بلکہ بہت سے علماء جرمن تو ان کو بُرا سمجھنے لگے یا ان کو محض تاریخ کی کتاب خیال کرنے لگے اور ارسطو اور افلاطون سے زیادہ حضرت مسیحؑ کو نہ سمجھنے لگے۔ یہ الحاد فرانسیسیوں کے الحاد سے بھی کہ جو اٹھارویں صدی میں پھیلا سبقت لے گیا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ پادری لوگ بھی ملحد ہوگئے تو انہوں نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا، انتہیٰ ملخصًا۔ انہی کی تقلید سے ہندوستان میں بھی بعض کوتاہ عقلوں نے اس الحاد کو رواج دیا اور کتاب یشوع میں آفتاب کا ٹھیرا رہنا اور توراۃ میں لوط علیہ السلام کا اپنی بیٹیوں سے زنا کرنا اور خدا کا آدمؑ کو پیدا کرکے نادم ہونا وغیر ذٰلک بہت سی خلافِ عقل باتیں ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات اور ملائکہ اور انبیاءؑ اور عبادت اور عالم آخرت اور نیک چلنی[ف] وغیرہ مضامین قرآن کے مقابلہ میں جو کوئی عتیق و جدید کو دیکھے گا تو ضرور اس بات کا یقین کرے گا کہ قرآن کتاب الٰہی ہے اور یہی کتاب ہے لاریب فیہ۔ **گبن** صاحب کہ جو انگلستان کا بڑا مشہور مورخ و مقنن ہے اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔ محمدؐ کا مذہب شکوک و شبہات سے پاک ہے کہ کے پیغمبر نے بتوں اور انسانوں اور ستاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے ردّ کیا ہے کہ جو شے طلوع ہوتی ہے غروب ہوجاتی ہے۔ اور جو حادث ہے وہ فانی ہے اور جو قابل زوال ہے وہ معدوم ہوجاتی ہے الخ۔ ان بڑے بڑے حقائق کو پیغمبر نے مشہور کیا الخ: ایک حکیم جو خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر یقین رکھتا ہو وہ مسلمانوں کے عقائدِ مذکورہ بالا کو کہہ سکتا ہے کہ وہ عقائد ہمارے ادراک موجودہ اور قوتِ عقلی سے بڑھ کر ہیں الخ۔ وہ اصل کہ جس کی بناء عقل اور وحی پر ہے محمدؐ کی شہادت سے استحکام کو پہنچی الخ، انتہیٰ ملخصًا اور **سیل صاحب** اپنے ترجمۂ قرآن کے دیباچہ میں باوجود سخت تعصب کے اقرار کرتا ہے کہ تھوڑے سے دنوں میں جو محمدؐ (صلعم) کا دین شرقًا غربًا روئے زمین پر پھیل گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مذہب کے جملہ امور وہ ہیں کہ جن کو عقل بہت جلد تسلیم کرتی ہے جو لوگ تلوار کے زور سے اس دین کا پھیلنا خیال کرتے ہیں وہ بڑی غلطی میں ہیں، انتہیٰ ملخصًا۔ کبریٰ مسلم الکل ہے۔ **سوال** بہت سے لوگوں کو قرآن میں ریب (شک) تھا اور اب بھی ہے اور جو کسی کو نہ ہوتا تو تمام لوگ اہل اسلام ہی نہ ہوجاتے پھر مطلقًا یہ کہنا کہ اس میں کوئی شک نہیں کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؛ **جواب** انکار اور تکذیب اور چیز ہے شک و تردّد اور چیز بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا یقین کامل ہوسکتا ہے مگر کسی خاص وجہ سے متعصب اور معاند لوگ ضد میں یا رسوم اور

[illegible]

[1] توراۃ و زبور و دیگر صحائف انبیاء علیہم السلام۔ منہ [2] چاروں انجیل اور حواریوں کے نامجات وغیرہا۔ منہ [ف] علماء نے تقوٰی کی مختلف تعریف کی ہے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقوٰی وہ ہے کہ اللہ کے حکم کے سامنے کسی اور کا حکم نہ مانے اور یقین رکھنا کہ سارے کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ ابراہیم بن ادہم بن منصور بلخیؒ فرماتے ہیں کہ تقوٰی یہ ہے کہ مخلوق تیری زبان میں کوئی عیب نہ پاوے نہ ملائکہ تیرے افعال میں نہ فرشتے تیرے دل میں بعض کا قول ہے کہ تقوٰی یہ ہے کہ تیرا مالک تجھ کو نافرمانی کی حالت میں نہ دیکھے۔ اس قسم کے بہت سے اقوال علماء نے تعریفِ تقوٰی میں نقل کئے ہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ جس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا ہے تو اس کے دل میں یہ سب صفتیں پیدا ہوجاتی ہیں جناب باری نے ہدایت پانے والوں کی کئی صفتیں بیان کی ہیں سب سے پہلے ان کو متقی کہا جو کہ ایمان اور اس کی تمام فروعات

قوم کی پابندی میں آ کر انکار کر دیتے ہیں اور ہٹ دھرمی سے نہیں مانتے سو یہ اور بات ہے۔ ہم اس کی نفی نہیں کرتے ہاں کسی صاحب عقلِ سلیم کو قرآن کے مطالب میں بعد تامل کے شک نہ ہوگا اور جو کبھی ہوا بھی تو وہ اُس کے قصورِ فہم سے ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ قرآن بلحاظِ وضاحتِ دلائل محلِ ریب نہیں۔ جس طرح عام محاورہ میں سچی بات کی نسبت کہدیتے ہیں کہ اس میں کچھ شک نہیں گو مخاطب کو شک ہو مگر بلحاظ فصاحت قرآن و دلائل مزیل شک اُس شک کو کالعدم قرار دے کر نفی کر دیتے ہیں۔ بعض[1] لوگ اس بات کو نہ سمجھے تو تفسیر میں غلطی کے مرتکب ہوئے۔

دلیلِ سوم۔ ہُدًی للمتقین سے مستفاد ہے۔ تقریر اس کی یہ ہے۔ کتاب آسمانی ہونے کی بڑی علامت اور پکی نشانی یہ ہے کہ وہ ایسا اثر رکھتی ہو کہ مقناطیس کی طرح دلوں کو ہدایت کی طرف کھینچے اور نیک چلنی اور توحید کی طرف رہنمائی کرے یہ کبریٰ مسلم ہے اور یہ صغریٰ کہ قرآن اُن لوگوں کو ان امور کی طرف رہنمائی کرتا ہے بدیہی ہے۔ کیونکہ ۲۳ برس کے عرصہ میں جس قدر قرآن نے خلق خدا کے دلوں کو ہدایت کی طرف کھینچا اس قدر ہزار برس میں بھی توراۃ وانجیل نے وہ اثر نہ بخشا۔ عرب کی جو جہالت کہ نزولِ قرآن سے پہلے تھی بہت خراب حالت تھی، بُت پرستی اور چوری اور رہزنی اور خونریزی اور باہمی بیہودہ تفاخر اور جہالت اور اس کے ساتھ ذلت جس قدر عرب کو حاصل تھی شاید کسی اور قوم کو ہو۔ پھر تھوڑے سے دنوں میں قرآن نے عرب کی کایا پلٹ دی ہر ایک عرب جو پیشتر ہر طرح کی بُرائی اور اخلاقِ رذیلہ کا مجمع تھا قرآن کی برکت سے اخلاقِ حمیدہ اور تمام خوبیوں کا سرچشمہ ہوگیا اس بات کے بھی تمام مورخین مُقِر ہیں۔ توراۃ نے تو بنی اسرائیل پر بھی بہت ہی کم اثر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چند روز غائب ہوتے ہی بقول اہلِ کتاب بنی اسرائیل کے مشائخ تو مشائخ بقول یہود خود حضرت ہارون نے جو خدا کے خیمے کے امام تھے بچھڑا بنا کر پُوجا اور حضرت موسیٰؑ سے دمِ اخیر تک کیسی کیسی سرکشیاں بنی اسرائیل کرتے رہے اور بقول ولیم میور صاحب حواری شمعون پطرس نے جن کے ہاتھ سے بقول نصاریٰ صدہا معجزات صادر ہوئے تھے سختی کے وقت حضرت مسیحؑ سے وہ بیوفائی کی کہ آشنائی سے بھی انکار کر دیا اور یہودا اسخریوطی نے تو اپنے آقا حضرت مسیحؑ کو تھوڑے سے روپے لے کر گرفتار کرا دیا اور پھر چند روز بعد صلیب پرستی اور دیگر خرابیاں جو کچھ عیسوی مذہب میں پڑیں اُنکی اب تک بھی اصلاح نہیں ہوئی۔ اب انصاف کرنا چاہیئے کہ کونسی کتاب سے دنیا میں زیادہ ہدایت پھیلی پھر جس کتاب نے اپنا آسمانی ہونا عالم کو مشاہدہ کرا دیا ہو اُس کو آسمانی کتاب نہ کہا جاوے اور اپنی تقویمِ کہنہ کو خدائی قانون بنایا جاوے تو بڑی ناانصافی ہے۔ اس دلیل کی طرف قرآن میں بہت جگہ اشارہ ہے جیسا کہ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ، وغیرها من الآیات ؛

## واضح ہو

کہ ان تینوں دلیلوں میں باہم ایک عجیب مناسبتِ طبعی تھی۔ دلیل اول

ف: یعنی یہودا اسخریوطی نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کروا دیا۔ حقانی

---

[1] نیچری مفسر اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۳ میں لکھتے ہیں قولہ اور وہ (یعنی مناسب) معنی یہ ہیں کہ اس کتاب کے پرہیزگاروں یعنی ایمان والوں کے لئے ہادی ہونے میں کچھ شک نہیں الخ۔ اگر یہ معنی تسلیم کر لئے جائیں تو ہُدًی کا لفظ بدل ہے ضمیر مجرور سے جو فیہ میں ہے اور جار مجرور ثابت یا کائن سے متعلق ہو کر لا نفی جنس کی خبر ہوئی یعنی لاریب فی کونہ ہادیًا للمتقین۔

خانصاحب بہادر نے کمال کیا ہے۔ تھوڑی سی عبارت میں کس قدر غلطیوں کو سمیٹ کر جمع کر دیا ہے (اول) یہ کہ ہنوز وہ بات باقی رہی کہ کس کو شک نہیں۔ منکر یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم کو اس کتاب کے پرہیزگاروں کیلئے ہادی ہونے میں شک ہے پھر کیا نئی بات پیدا ہوئی (دوم) اگر فیہ کی ضمیر سے ہُدًی کو بدل کہیں گے تو ہُدًی کو مجرور کہنا پڑیگا۔ حالانکہ آج تک کسی نے اسکو مجرور نہیں کہا (سوم) فی کونہ میں متعلق قرار دے کر اور بدل کونہ ہادیًا کہنا صحیح نہیں کیونکہ کونہ ہادیًا صفت ہے اور قرآن ذات یا موصوف اور بدل عارض کا معروض سے درست نہیں (چہارم) جب فیہ سے کونہ ہادیًا کو بدل ڈالا تو فی کو ریب سے متعلق کرنا پڑا (پنجم) یہ توجیہ لغو ہے کیونکہ عام قدما کے مقابلہ میں اس میں کوئی لکتہ ہونا ضرور تھا ورنہ بغیر وجہ یا نخواہ مخواہ سوار بننا کیا فائدہ۔ منہ

جو فصاحت و بلاغت سے متعلق ہے یہ چاہتی ہے کہ اس کو مقدم کیا جاوے کیونکہ سب سے پیشتر عرب کا ایمان لانا مقصود تھا کہ جن کے ذریعہ سے تمام عالم میں ہدایت پھیلی اور وہ فصاحت و بلاغت سے جلد تر ایمان لا سکتے تھے چنانچہ لائے اس کے بعد کلام کو بلند کیا اور معانی کی طرف رجوع کر کے اور لوگوں کا بھی اطمینان کر دیا وہ دوسری دلیل سے حاصل ہوا اگر یہاں تک منکر کو کسی قدر چون و چرا کرنے کی مجال باقی تھی وہ کہہ سکتا تھا کہ جہل مرکب کی صورت میں ریب نہیں اور اسی لئے ہر فریق اپنی کتاب کو خواہ وہ کیسی ہی غلط کیوں نہ ہو مشکوک نہیں جانتا گو یہ شبہ بالکل بیجا تھا مگر اس کے بعد خدائے تعالیٰ نے وہ برہان قائم کی کہ گویا مشاہدہ کر کے دکھا دیا جیسا کہ کوئی خوشنویس اپنی خوشنویسی کا دعویٰ کرے پھر لکھ کر دکھائے یا کوئی پہلوان زور کا دعویٰ کر کے کسی درخت کو گرا دے پھر کوئی دانشمند اس کے خوشنویس اور اس کے پہلوان ہونے میں شک نہ کرے گا۔ اسی طرح جب قرآن نے اپنا وہ اثر کہ جو کتاب الٰہی کے لئے ضروری ہے دکھا دیا تو اب کونسا شبہ باقی رہ گیا اب اس کے کتاب الٰہی ہونے میں شبہ کرنا سکندر کی فوج اور ملک اور جاہ و حشم دیکھ کر اس کے بادشاہ ہونے کا انکار کرنا ہے۔ سو ایسے لوگ ازلی بدبخت ہیں وہ بہرے اور اندھے اور گونگے ہیں ان کے دلوں پر مہر ہے۔ ان کے لئے قرآن نافع نہیں۔

## نکات

(۱) الٓمٓ یہ اور اس قسم کے جس قدر حروف سورتوں کے اول میں آئے ہیں ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔ علماء کا ایک گروہ تو یہ کہتا ہے کہ یہ منجملہ متشابہات کے ہیں کہ جن کو خدا تعالیٰ اور اس کا رسولؐ ہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہر کتاب میں ایک سرّ ہوتا ہے اور قرآن میں اس کا سرّ اوائل سور ہیں اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہر کتاب میں ایک خاص بات ہوتی ہے اور قرآن میں خاص بات حروف تہجی ہیں۔ (تفسیر کبیر) کس لئے کہ جس طرح خفاش نور شمس کے آگے خیرہ ہو جاتی ہے اسی طرح اعلیٰ چیزوں کے انوار کے مقابلہ میں عقل کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ پھر قرآن میں نازل کرنے سے صرف امتحان علماء مقصود ہوتا ہے کہ آیا کہیں عقل کو نقل کے مطیع بھی بناتے ہیں یا نہیں اور ایک جم غفیر اہل علم کا یہ کہتا ہے کہ ان کے معنے معلوم اور عند الخلق مفہوم ہیں اور اس پر بہت سے دلائل عقلیہ و نقلیہ پیش کرتے ہیں لیکن اس فریق کے تعیین معانی میں چند قول ہیں (۱) یہ کہ یہ حروف ان سورتوں کے نام ہیں کہ جن کے ابتداء میں یہ وارد ہیں اور قدیم عرب بھی حروف تہجی پر بعض چیزوں کے نام رکھا کرتے تھے جیسا کہ نقد کو عین اور بادل کو غین اور مچھلی کو نون اور ایک پہاڑ کو قاف کہتے تھے۔ سورتوں کا ایسے حروف سے مسمّیٰ کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہمارا کلام بھی انہیں حروف سے مرکب ہے کہ جن سے تمہارا پھر تم اس کی مثل کیوں نہیں بناتے (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں تبرکاً ان کو اوائل سور میں ذکر کر دیا ہے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ وہ دعا میں یا کٓھٰیٰعٓصٓ یا حٰمٓعٓسٓقٓ کہتے تھے (۳) یہ کہ اسمائے الٰہی کے اجزاء ہیں سعید بن جبیرؓ کہتے تھے کہ الرحمٰن کا مجموعہ الٓرٰ حٰمٓ نٓ ہے، لیکن اور حروف کے ترتیب دینے پر ہم قادر نہیں (۴) یہ کہ قرآن مجید کے نام مراد ہیں۔ کلبی اور سدی اور قتادہ کا یہ قول ہے (۵) یہ کہ ان میں سے کوئی صفت یا اسم الٰہی یا کوئی اور رمز خاص مراد ہے اور اختصار کے طور پر ایک حرف سے اس رمز کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ چنانچہ بعض عرب کے اشعار سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے

ع لا تحسبی انا نسینا الایجاف ۔ قلت لہا قفی فقالت لی قاف

یعنی میں نے اس معشوقہ سے یہ کہا کہ تو یہ خیال نہ کیجیو کہ ہم اونٹ دوڑانا بھول گئے ہیں اس لئے میں نے اس سے کہا کہ ٹھہر جا پس اس نے کہا ٹھہر گئی۔ دیکھئے قاف وقفت کا مختصر ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ الف سے مراد آلاء اللہ یعنی خدا کی نعمتیں اور لام سے لطف اور میم سے ملک مراد ہے۔ یعنی اس کے ملک میں جس قدر نعمتیں پائی جاتی ہیں یہ سب اس کے لطف و کرم کا صدقہ ہے منجملہ ان نعمتوں کے قرآن ہے وہ بھی اس کے لطف سے بندوں کی بھلائی اور سعادت کے لئے نازل ہوا ہے اور انہیں سے یہ بھی منقول ہے کہ الف سے مراد اللہ اور لام سے مراد جبریلؑ اور میم سے مراد محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی یہ قرآن خدا تعالیٰ کی طرف سے بواسطہ جبریل محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر

نازل ہوا ہے۔ اور اسی طرح اور بھی توجیہات علماء کی حروف مقطعات میں منقول ہیں۔ چنانچہ بعض نے فرمایا کہ الف اقصیٰ حلق سے کہ جو ابتداء مخارج ہے اور لام کنارہ زبان سے کہ جو وسط مخارج ہے اور میم ہونٹوں سے کہ جو اخیر مخارج ہے نکلتا ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوا کہ بندوں کے اول کلام اور وسط کلام اور اخیر کلام میں ذکر الٰہی ہونا چاہیے یعنی ہر حال میں اُس کو یاد رکھنا چاہیے۔ (۶) یہ کہ محض خبردار کرنے کے لئے اور اس بات کے لئے کہ ایک کلام تمام ہو کر دوسرا شروع ہوتا ہے یہ حروف بولے گئے ہیں اور قدیم عرب بھی اپنے خطبات میں ایسا کرتے تھے یہ **قطرب** کا قول ہے (۷) یہ کہ بحساب ابجد ان سے قوموں کے زمانۂ حکومت اور دورِ سلطنت اور بقاءِ عزت کی طرف اشارہ ہے **ابوالعالیہ** کا یہی قول ہے کس لئے کہ جب بعض یہود نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے الٓم سُنا تو اکہتر[۷۱] برس کا حساب لگا کر یہ کہا کہ جس دین کی یہ تھوڑی مدت ہو اس میں ہم کس طرح داخل ہوویں، اس پر آنحضرت علیہ السلام نے تبسم کیا۔ اس یہودی نے پوچھا کہ کیا اِس کے سوا اور کچھ بھی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں المٓص المٓر تب اُس نے سُن کر کہا اب ہم کو اشتباہ میں ڈال دیا کوئی بات ہم معین نہیں کر سکتے (رواہ البخاری فی تاریخہ)۔ جو لوگ ان کو سورتوں کے نام کہتے ہیں وہ ایک عمدہ بات نکالتے ہیں وہ یہ کہ ہر اسم (نام) کو اپنے مسمّے سے ضرور ایک مناسبت ہوتی ہے (چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کو بڑی تفصیل سے ثابت کیا ہے)۔ پس ان حروف کو اپنے معانی سے ایک مناسبتِ خاصّہ ہے گویا کہ یہ اُن کے مضامین کی فہرست ہیں مثلاً الف (ہمزہ) اور ہا دونوں غیبت کے لئے مقرر ہوئے ہیں صرف یہ فرق ہے کہ ہا اس عالم کے غائب میں اور ہمزہ عالم مجرد کے غیب میں مستعمل ہوتی ہے اسی لئے استفہام کے وقت آ و آم کہتے ہیں اور عطف کے وقت آو کیونکہ جس بات کو پوچھتے ہیں وہ بہ نسبت متیقن کے غائب ہیں اور اسی طرح جس میں تردد ہے وہ بھی غیب ہے اور لام کو تعین کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اسی لئے تعریف کے وقت لام زیادہ کر دیتے ہیں اور رجل کو الرجل بولتے ہیں۔ اور میم چونکہ دونوں لبوں کے ملنے سے ادا ہوتا ہے تو اس کو ہیولائی تدلس پر استعمال کیا گیا ہے کہ جس میں حقائق اشیاء مجتمع ہیں اور عالم تجرد سے تقید و تحیز کے قیدخانہ میں بند ہیں پس الٓم سے فیضِ مجرد مُراد ہے کہ جو عالم تحیز میں آیا اور بندوں کے علوم اور عادات کے موافق متعین ہوا اور پھر اُس نے بندوں کے سخت دلوں کو نصیحت سے نرم کیا اور بُرے کاموں پر نادم اور صاحب شرم کیا اور وہ کیا ہے؟ یہ سورۂ بقرہ پس اجمالاً تمام سورۂ بقرہ پر دلالت کرتا ہے اور یہ سورہ گویا ان تین حروف کی تفسیر ہے اور یہی حال اور حروف کا ہے۔ (۲) ان حروف کے لانے میں ایک عجیب صنعت ملحوظ ہے کہ جو بڑے بڑے فصحاء بلغاء ومشّاقِ سخن کی قدرت سے باہر ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہے کہ یہ بشر کا کلام نہیں، بالخصوص اُس شخص کا کہ جس نے کبھی نہ مشاعرہ کا دروازہ دیکھا نہ کبھی شعر و سخن کی طرف متوجہ ہوا ہو بلکہ علوم رسمیّہ سے بھی محض برطرف ہو اور وہ صنعت یہ ہے کہ یہ حروف جو اوائل سُوَر میں آتے ہیں کل چودہ[۱۴] حروف ہیں کہ جو تمام حروف تہجی کے (بشرطیکہ الف[۱] کو حرفِ مستقل نہ شمار کیا جاتے) نصف ہیں اور اُن کو اُنتیس[۲۹] سورتوں کی ابتداء میں بہ تعداد حرف تہجی ذکر کیا پھر ان حروف کے لانے میں ایک اور عجیب رعایت رکھی ہے کہ جس قدر حروف کی اقسام ہیں اُن میں سے بقدر نصف نصف ان حروف میں موجود ہیں۔ دیکھیے تقسیم اول حروف کی یہ ہے۔ کُل حروف مہموسہ[۲] ہیں یا مجہورہ۔ مہموسہ دس ہیں۔ س۔ ت۔ ش۔ ح۔ ث۔ ک۔ خ۔ ص۔ ف۔ ہ۔ ان میں سے پانچ۔ ح۔ ہ۔ ص۔ س۔ ک قرآن کے مقطعات میں موجود ہیں۔ اور باقی اٹھارہ حروف مجہورہ ہیں اُن میں سے بھی نو حروف ان مقطعات میں موجود ہیں۔ اور وہ نو یہ ہیں۔ لام۔ نون۔ یا۔ قاف۔ طا۔ عین۔ ہمزہ۔ میم۔ را۔ اور اسی طرح کُل حروف

[۱] یہ ایک بڑی مہارتِ فن کی بات ہے کہ الف کو کبھی حروف میں شمار کیا اور کبھی نہیں کیا تاکہ معلوم ہو کہ الف اور ہمزہ ایک ہی چیز ہے اور یہ کہ ان میں جو فرق ہے تو حرکت و سکون کا ہے۔ منہ [۲] مہموسہ جو ذرا نرمی سے ادا ہوتے ہیں اور مجہورہ اسکے برخلاف۔ منہ

دو قسم ہیں، شدیدہ کہ سخت آواز پیدا کرتے ہیں یا رخوہ۔ پس شدیدہ آٹھ حروف ہیں، ہمزہ۔ جیم۔ دال۔ تا۔ طا۔ با۔ قاف۔ کاف۔ ان میں سے چار حروف مقطعات میں موجود ہیں یعنی، ہمزہ۔ قاف۔ طا۔ کاف۔ اور باقی رخوہ بیس[٢٠] ہیں۔ اُن میں سے نصف دس[١٠] مقطعات میں موجود ہیں اور وہ دس[١٠] یہ ہیں، ح۔ م۔ س۔ ع۔ لام۔ ی۔ ن۔ ص۔ ر۔ ہ۔ اسی طرح حروف کی دو قسمیں ہیں۔ یا مطبقہ کہ ان کے ادا کرنے کے وقت زبان تالو سے لگ جاتی ہے۔ اور اُس کے محاذات میں آواز رک کر نکلتی ہے اور یا منفتحہ کہ جن کے ادا کرنے کے وقت یہ بات پیدا نہیں ہوتی۔ پس مطبقہ چار[٤] ہیں۔ ص۔ ط۔ ض۔ ظا۔ ان میں سے نصف ص اور ط حروف مقطعات میں موجود ہیں اور اسی طرح باقی منفتحہ چوبیس[٢٤] ہیں ان میں سے نصف بارہ[١٢] قرآن کے اوائل سُوَر میں موجود ہیں اور حروف قلقلہ کہ جن کے ادا کرنے کے وقت زبان میں اضطراب پیدا ہوتا ہے پانچ ہیں، ق۔ د۔ ط۔ ب۔ ج۔ ان میں سے دو[٢] کو ذکر کیا ط اور ق کو تاکہ نصف اقل لینے میں اس طرف اشارہ ہوجائے کہ یہ حروف کمتر استعمال ہوتے ہیں۔ اور حروف لین دو[٢] ہیں و۔ اور یا۔ ان میں سے ی کو لیا کس لئے کہ اس کا ثقل کم ہے اور حروف مستعلیہ (کہ جن سے زبان حنکِ اعلیٰ میں چڑھ جاتی ہے) سات ہیں، ق۔ ص۔ ط۔ خ۔ غ۔ ض۔ ظا۔ ان میں سے نصف اقل ق۔ ص۔ ط۔ قرآن کے مقطعات میں موجود ہیں اور باقی جو حروف ہیں وہ منخفضہ ہیں سو وہ اکیس[٢١] حروف ہیں۔ ان میں سے گیارہ نصف اکثر کو لیا۔ اور اسی طرح حروفِ بدل اور حروفِ مدغمہ میں بھی یہی رعایت رکھی ہے پھر اور لطف یہ ہے کہ ان مقطعات کو تین جگہ مفرد لایا گیا ہے اور وہ یہ ہیں۔ ص سورۂ صاد کے اوّل میں اور ق[٢] سورۂ قاف کے اوّل میں اور ن سورۂ نون کے اوّل میں تاکہ اس بات کی طرف اشارہ ہوجائے کہ

حروف مفردہ اسم۔ فعل۔ حرف۔ تینوں جگہ پائے جاتے ہیں۔ اسم جیسا کہ کاف خطاب اور فعل جیسا ق اور لِ کہ وقی یقی اور ولی یلی کا امر ہے اور حرف جیسا کہ بائے جر اور کاف تشبیہ اور چار دو دو کرکے آئے ہیں۔ طٰہٰ۔ طٰس۔ یٰس۔ حٰم۔ تاکہ اس بات کی طرف اشارہ ہوجائے کہ دو[٢] کا مجموعہ حروف میں بغیر حذف ہوتا ہے جیسا کہ بل اور فعل میں بحذف ہوتا ہے جیسا کہ قل اور اسم میں دونوں طرح سے ہوتا ہے بغیر حذف جیسا کہ من اور بحذف جیسا کہ دم پھر ان دو دو کے مجموعہ کو نو[٩] سورتوں کے اوّل میں ذکر کیا تاکہ یہ بات معلوم ہوجائے کہ یہ دو کا مجموعہ اسم فعل حرف میں فتح ضمہ کسرہ سے پایا جاتا ہے اسم میں جیسا کہ اذا۔ ذو۔ من۔ اور فعل میں جیسا کہ قل۔ بع۔ خف۔ اور حروف میں جیسا کہ ان۔ من۔ مذ۔ اور تین تین کے مجموعہ کو جیسا کہ الم۔ الر۔ طسم ہے تیرہ[١٣] سورتوں کے اوّل میں ذکر کیا تاکہ اس بات کی طرف اشارہ ہوجائے کہ جو اوزان ثلاثی مجرد کے زبان عرب میں مستعمل زیادہ ہیں تیرہ[١٣] ہیں۔ اُن میں سے دس[١٠] اسم ثلاثی کے ہیں جیسا کہ فلس۔ فرس۔ کتف۔ عضد۔ حبر۔ عنب۔ ابل۔ قفل۔ صرد۔ عنق۔ اور تین فعل ماضی کے ہیں نصر۔ علم۔ شرف۔ اور چار کے مجموعہ کو جو المر۔ والمص ہے اور اسی طرح پانچ کے مجموعہ کو کہ کہیعص اور حمعسق ہے دو دو سورتوں کے اوّل میں ذکر کیا تاکہ یہ بات سمجھی جاوے کہ رباعی اور خماسی کے دو[٢] وزن ہیں ایک اصلی جیسا کہ جعفر و سفرجل۔ اور ایک ملحق جیسا کہ قردد و جحنفل۔ اور اسی نکتہ کے لئے ان حروف کو ایک جگہ جمع نہیں کیا بلکہ انتیس[٢٩] سورتوں کے اوّل میں لایا۔

(۳) زبانِ عرب میں لفظ ذٰلک سے اس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو دُور ہوتی ہے۔ جس طرح ہٰذا سے نزدیک کی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ پس اس مقام پر جو خدائے تعالیٰ نے ہٰذا الکتاب نہ فرمایا

۱ه یہاں سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ جو لوگ قرآن میں ض کو ظا پڑھتے ہیں اور کُتب قرأت سے یہ دلیل لاتے ہیں کہ ض کو ظ کے مشابہ لکھا ہے محض غلطی کرتے ہیں۔ مشابہت صرف وصف اطباق میں ہے۔ سو وہ ص اور ط کے ساتھ بھی ہے پھر بھی کوئی ض کو ص یا ط پڑھ سکتا ہے؟ عرب میں اب تک کوئی اس طرح نہیں پڑھتا۔ یہ صرف ایران کے شیعہ کی تقلید ہے۔ منہ ۲ه سورۂ طٰہٰ و نمل و یٰس و مومن و حم سجدہ و زخرف و جاثیہ و احقاف و دخان۔ منہ ۳ه سورۂ بقرہ و آل عمران و یوسف و ہود و یونس و ابراہیم و حجر و شعرا۔ و قصص و عنکبوت و روم و لقمان و سجدہ۔ منہ

بلکہ ذٰلک کہا اس میں اس کتاب یعنے قرآن کی عزت و عظمت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب اعلیٰ درجہ میں کوئی شے ہوتی ہے اور کمال کے اخیر درجہ پر جا پہنچتی ہے تو اس اعتبار سے وہ دُور اور نہایت بلند متصور ہو کر ذٰلک سے اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۴) الکتاب میں جو الف لام ہے اس سے وہ کتاب مراد ہے کہ جس کا پہلے انبیاء علیہم السلام کی معرفت وعدہ کیا گیا تھا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تمہارے بھائیوں میں سے خدا مجھ سا نبی برپا کرے گا اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالے گا (یعنی کتاب اس پر نازل کرے گا) توراۃ سفر استثناء باب ۱۸ یعنی قرآن۔ لفظ کتاب مصدر ہے مبالغۃً مکتوب پر اطلاق ہوتا ہے یا فعال ہے جو مفعول کے معنے میں آتا ہے جیسا کہ لباس ملبوس کو کہتے ہیں پھر جو عبارت کہ ذہن میں مرتب ہو اس پر بھی لکھے جانے سے پیشتر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اس لحاظ سے کہ لکھی جانے کی صلاحیت رکھتی ہے اس لحاظ سے گو قرآن اس وقت لکھا نہ گیا تھا اس پر لفظ کتاب کا اطلاق ہوا۔ اور لغت میں کتب کے معنے جمع کے ہیں اور اسی لئے فوج کو کتیبہ بولتے ہیں کہ اس میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور عرفِ شرع میں کتاب سے مطلقاً قرآن مجید مراد ہوتا ہے

(۵) متقین کے لئے خدا تعالیٰ نے اس کتاب کو ہدایت فرمایا حالانکہ قرآن کی خوبی یہ تھی کہ سب کے لئے ہدایت ہوتا اور خود ایک جگہ فرمایا ہے تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا بلکہ متقین تو ہدایت پاچکے ان کے لئے ہدایت کی کیا ضرورت تھی اب ان کے لئے قرآن کا ہدایت بنانا تحصیل حاصل ہے اس کا **جواب** یہ ہے کہ اس میں ایک عجیب نکتہ ہے کہ جو اعجاز قرآن کے لئے شاہد عدل ہے اور وہ یہ کہ متقین سے مُراد عام مکلفین ہیں مگر دو وجہ سے بلفظ متقین ان کو تعبیر کیا **ایک** یہ کہ تفاول مقصود ہے جس طرح کسی مبتدی طالب العلم کو اس لحاظ سے کہ یہ آئندہ عالم ہونے والا ہے، مولوی کہدیتے ہیں اسی طرح قرآن کی طرف متوجہ ہونے والے کو باعتبار مآل متقی کہہ دیا کہ جس سے یہ بات جتلا دی کہ آخر کار قرآن کی طرف متوجہ ہونے کا نتیجہ متقی ہونا ہے۔ بخلاف اور کتب واہیہ کے کہ ان سے یہ نتیجہ حاصل ہونے کی امید ہی نہیں پس گویا کہ اس لفظ سے قرآن کا اثر اور نتیجہ جتلا کر طالب کو خوشخبری اور مژدہ دیتا ہے سو یہ بات هُدًى لِّلنَّاسِ میں حاصل نہ ہوتی۔ **دوسرے** یہ کہ گو ہر شخص کا نفع اور سعادت اس کتاب سے متصور ہے مگر دراصل اس سے وہی فائدہ اٹھاتے ہیں کہ جو ازلی استعداد اور صلاحیت رکھتے ہیں اور جو بدبختِ ازلی ہیں اور ازل میں ان کی روح پر انوارِ الٰہی کا کوئی ذرہ بھی نہ پڑا تو وہ اس سے محروم ہیں۔ پس اس لفظ متقین سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ جو بدبختِ ازلی ہیں وہ نہیں مانتے اور اس میں نکتہ چینیاں کرتے ہیں سو وہ اس کتاب کا قصور نہیں ہے بلکہ ان کی استعداد میں فتور ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎ باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ✦ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس ✦ شمشیر نیک ز آہن بد چون کند کسے ✦ ناکس بتربیت نشود اے حکیم کس ✦ اب نہ قرآن کی خوبی میں کچھ فرق آیا نہ تحصیل حاصل لازم آتی ہے

## واضح ہو

کہ تقویٰ جس کی اصل وقایہ (یعنی نہایت محفوظ رکھنا) ہے۔ عرفِ شرع میں ان چیزوں سے اپنے تئیں محفوظ رکھنا ہے کہ جو اس کو آخرت میں مضر ہیں اور اس کے تین مرتبہ ہیں **(اول)** عذاب دائمی سے محفوظ رکھنا اور کفر و شرک عمل میں نہ لانا پس اس لحاظ سے ہر مسلمان کو خواہ وہ کیسا ہی ہو متقی کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی آیت میں اس تقویٰ کی طرف اشارہ ہے وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى یعنی کلمۂ توحید **(دوسرا)** ہر گناہ سے بچنا اور اس کے وبال سے محفوظ رکھنا اکثر کے نزدیک کبائر سے جو پرہیز کرے گا متقی شمار ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ کبائر صغائر جب تک سب سے پرہیز نہ کرے گا شرع میں اس پر لفظ متقی نہ بولا جاوے گا اور اس آیت میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا **(تیسرا مرتبہ)** یہ ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے اور کسی کا خیال بھی دل میں نہ آوے جمیع خطرات اور خیالات سے آئینۂ دل کو صاف کر کے ہمہ تن جمالِ جہاں آرا میں محو اور مشغول ہو جاوے اور یہ تقویٰ حقیقی ہے اس مرتبہ کے متقی صرف انبیاء علیہم السلام و اولیاء رحمہم اللہ ہوتے ہیں اور

یہ تقویٰ قرآن میں اکثر جگہ مذکور ہے اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ و اس آیت میں بھی یہی مراد ہے وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا کہ سب توڑ کر اس کی طرف آ۔ اور ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ میں بھی تینوں طرح کے تقوے مراد ہیں۔

**فوائد** امام احمدؒ اور ترمذی وغیرہما محدثین نے عطیہ سعدی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کو مرتبہ تقویٰ جب نصیب ہوتا ہے کہ جب ان چیزوں کو بھی کہ جن میں خطرہ شرعی ہے ترک کرے اس خوف سے کہ حرام میں گرفتار نہ ہو جائے۔ اور ابن ابی الدنیا نے کتاب التقویٰ میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ متقیوں کے ساتھ ہمیشہ تقویٰ رہتا ہے کہ جب تک وہ حرام کے خوف سے بہت سی حلال چیزوں سے بھی دستکش رہتے ہیں۔ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں میمون بن مہران سے روایت کیا ہے کہ کوئی شخص بغیر اس بات کے متقی نہیں ہو سکتا کہ ہر روز اپنے نفس سے ایسا سخت حساب نہ لے کہ جیسا کہ شریک سے لیتے ہیں کہ یہ کھانا کہاں سے ہے اور یہ پینا کہاں سے اور یہ لباس کہاں سے آیا، حلال سے ہے یا حرام سے ہے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں تقویٰ کے بہت فضائل اور بڑی تاکید آئی ہے اور اس میں بہتر یہ ہے کہ جس طرح امراض جسمانی میں پرہیز نہایت نافع ہے اور بدپرہیزی کا اثر جسم پر فوراً ظاہر ہوتا ہے اسی طرح انسان کے اعمال اور اقوال اور اعتقادات کا اثر اس کی روح پر پہنچتا ہے اور یہ روحانی امراض ہیں جن کا بُرا اثر دنیا میں کم اور مرنے کے بعد پورا نمودار ہوتا ہے۔

## اسلام

کا ایک روشن اصول تقویٰ بھی ہے کہ جس سے اس کو جمیع مذاہب پر شرف ہے اس کے سوا رضا بالقضاء اور شکر نعماء اور پابندی احکام و ہمہ وقت یاد الٰہی میں مصروف رہنا۔ کبائر و صغائر تو کیا مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرنا یہ سب اصول اسلام ہیں۔ الغرض زبان اور دل اور ہاتھ پاؤں کو خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لانا اصول تقویٰ ہیں۔ اسلام نے ان کو طرح طرح سے تعلیم فرمایا ہے جس کا اثر اسلامیوں پر یہ ہو کہ غیر محرم عورت کو دیکھنا اور بے فائدہ بات منہ سے بولنا بھی دل کی سیاہ کرنے والی چیزوں میں شمار کیا گیا ہے۔ افسوس کہ آج کل یورپ کے الحاد کا اثر بعض بد دینوں کی وجہ سے ہندوستان کے اہل اسلام میں بھی نمودار ہونے لگا۔ اس وقت نو تعلیم یافتہ عبادت، ریاضت، تقویٰ و طہارت کی باتوں پر قہقہے اڑاتے ہیں۔ جس کا اثر بے برکتی اور تاریکی نمایاں ہے۔

الٰہی ہم اہل اسلام کو اپنے نبی عربی سید المتقین کے طفیل سے اس تاریکی روحانی اور سواد الوجہ فی الدارین سے بچا۔ آمین۔

چونکہ ہر مذہب میں تقویٰ کا دعویٰ ہے اور ہر شخص اپنے خیالات فاسدہ کی پیروی کو تقویٰ سمجھتا ہے اور باعث نجات جانتا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اس بات کو کھول دیا اور متقین کے اوصاف اصلی بتا دیے فقال۔ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ الخ۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ③

(اور وہ متقی) جو غیب پر ایمان رکھتے اور نماز قائم کرتے اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں دیا بھی کرتے ہیں۔

## ترکیب

اَلَّذِیْنَ موصول یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ جملہ معطوف علیہ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ فعل با فاعل و مفعول جملہ ہو کر معطوف اور یُنْفِقُوْنَ فعل با فاعل اور مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ اس کا مفعول مقدم فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف ہوا جملہ سابقہ پر پس یہ تینوں جملے کہ جو ایک دوسرے پر معطوف ہیں صلہ ہوتے موصول اپنے صلہ سے مل کر صفت ہوئی متقین کی۔

## تفسیر

تقویٰ کے دو جز ہیں ایک اچھی باتوں کا عمل میں لانا دوسرا بُری باتوں سے بچنا۔ پھر اچھی باتوں کی دو قسم ہیں ایک اعلیٰ دوسری ادنیٰ۔ اعلیٰ قسم امور حقہ کی تصدیق ہے کہ جو قلب کا کام

ہے اور وہ بدن سے روح جدا ہونے کے بعد بھی روح کے ساتھ رہتی ہے اور جس طرح قلب کو جمیع اعضاءِ بدن پر شرف ہے اسی طرح قلب کے عمل کو بھی اعضاء کے عمل پر شرف ہے۔ اس درجۂ اعلیٰ کو ایمان کہتے ہیں، قسمِ دوم اعمالِ صالحہ ہیں پھر ان کی بھی دو قسم ہیں، بدنی اور مالی، بدن کے اعمال میں سب سے بڑھ کر نماز ہے اور مال میں زکوٰۃ اور اس سے دوسرے مرتبہ کو عملِ صالح کہتے ہیں، اس لئے خدائے تعالیٰ نے ان دونوں قسموں کو اس آیت میں بیان فرما دیا ہے۔ یؤمنون بالغیب سے قوتِ نظریہ یعنی اعتقادیات کی درستی بیان کر دی اور جب عقائد اور ادراکاتِ صحیحہ سے روح پاک ہو گئی تو قوتِ عملیہ کے اعلیٰ جزء کو یقیمون الصلوٰۃ سے بیان کیا اور مما رزقناہم ینفقون سے مالی عبادت کو ظاہر کر دیا۔ تینوں جملوں سے بترتیب تینوں باتوں کو بیان کر دیا۔ اب رہا بری باتوں سے باز رہنا سو وہ یقیمون الصلوٰۃ سے سمجھا گیا۔ کس لئے کہ جب انسان خدا تعالیٰ پر اور اس کی ذات و صفات اور ملائکہ اور قیامت کے دن پر اور جن چیزوں کی اس نے اپنے رسول کی معرفت خبر دی ہے (اور یہ سب باتیں یؤمنون بالغیب سے سمجھی جاتی ہیں) اُن سب پر صدقِ دل سے ایمان لاتا ہے اور روح اور جسم سے اس کی عبادت میں مصروف ہوتا ہے کہ جس کو نماز کہتے ہیں تو اس پر وہ نورِ الٰہی فائز ہوتے ہیں کہ جن سے اس کی بہیمیت بالکل پست ہو جاتی ہے اور معاصی کی طرف نفس بہیمی کو نہیں جانے دیتے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ کہ نماز ہر قسم کی فحش اور بری باتوں سے روکتی ہے اور اسی لئے صوفیہ محققین فرماتے ہیں کہ جس قدر قوائے بہیمیہ کو تھوڑی سی دیر کی یادِ الٰہی اور ذکرِ قلبی سے پژمردگی حاصل ہوتی ہے وہ بہت سی مدت بھوکے پیاسے مرنے سے نہیں حاصل ہوتی اور یہ ظاہر ہے کس لئے کہ ملکیت اور بہیمیت دونوں متضاد قوتیں جیسا کہ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ میں اشارہ ہے، حضرتِ انسان میں رکھی گئی ہیں جب ان میں سے ایک غالب ہو گی تو اس کی ضد قطعًا مغلوب ہو گی اور جب کہ اس عالمِ محسوسات میں جو کمزور اور مکدر ہے فاعل کا اثر منفعل پر محسوس ہوتا ہے جیسا کہ آگ کا بھٹی میں لوہے پر پھول اور عطر کا کپڑے پر، تو اس عالمِ مجردات میں جو نہایت قوی ہے یہ اثر بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے پھر حق سبحانہٗ کی ذاتِ مقدسہ کے انوار جو فاعل قوی ہیں نفسِ ناطقہ یعنی روح پر جو نہایت سریع الانفعال ہے کس قدر اثر پیدا کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے ہر جزو میں ملکیت کا سریان ہو کر بندہ کامل حق سبحانہٗ کا آئینہ جمال نما ہو جاتا ہے۔ پھر یہاں نفس امارہ اور اس کی بد خواہشوں کا کیا ذکر اور اسی مرتبہ کو عصمت اور محافظت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے لئے یہ جملہ یقیمون الصلوٰۃ بیان کافی ہے۔

## یا یوں کہو

کہ بری باتوں سے محفوظ رہنے کو تو لفظ متقین سے سمجھا دیا اور اعتقاد اور ایمان کو کہ جو اعلیٰ جزء ہے یؤمنون بالغیب میں بتلا دیا اور بدنی عبادت کو یقیمون الصلوٰۃ سے واضح کر دیا اور مالی کو مما رزقناہم ینفقون سے منکشف فرما دیا بس **سعادت** اور **شقاوت** کو جو ان کی برخلافی سے پیدا ہوتی ہے یعنی حکمتِ نظریہ اور عملیہ کو کہ جس کے حصول پر نجات کا مدار ہے اس آیت میں واضح کر دیا۔

## تعلیقات

یؤمنون، لغت میں ایمان تصدیق کو کہتے ہیں یعنی کسی چیز کو سچا جاننا اور یقین کرنا، اور یہ امن سے مشتق ہے کہ گویا ایمان لانے والے نے جس پر وہ ایمان لایا ہے اس کو مخالفت اور تکذیب سے امن میں کر دیا۔

ایمان

اور **شرع** میں ایمان ان چیزوں کا صدقِ دل سے یقین کرنا ہے کہ جن کا دینی ہونا قطعی طور پر ثابت ہو گیا ہو یعنی قرآن مجید کی ظاہر عبارت یا حدیثِ متواتر یا اجماعِ قطعی سے جو بات ثابت ہو اس پر یقین کرنا جیسا کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفاتِ کریمہ علم و قدرت اور ملائکہ اور آسمانی کتابیں اور انبیاء اور مرنے کے بعد حساب و کتاب جزا و سزا کو برحق ماننا۔

ایمان اجمالی

پھر اس ایمان کے دو مرتبہ ہیں ایک **ایمانِ اجمالی** کہ مجملاً بلا تفصیل جزئیات دینِ محمدی کو برحق سمجھنا جس کا خلاصہ صدق

ایمان تفصیلی

دل سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتا ہے۔ دوسرا ایمان تفصیلی کہ جس قدر امور شرع سے یقیناً ثابت ہیں اور جو باتیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ نے فرمائی ہیں ایک ایک کو برحق ماننا جس چیز پر ایمان اجمالی یا تفصیلی میں ایمان لانا ضرور ہے جو اس پر ایمان نہ لائے گا انکار یا تکذیب کرے گا کفر شرعی ثابت ہو گا کہ جس کی سزا ابدی جہنم ہے نعوذ باللہ منہا۔ دراصل ایمان حقیقی تصدیق قلبی کا نام ہے جیسا کہ دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہے کس لئے کہ ایمان کی ماہیت میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ صرف تصدیق ہے اور اس پر دلائل نقلیہ یہ ہیں وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ۔ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ان آیات میں ایمان کو قلب سے متعلق کیا گیا ہے اور قلب کا کام محض تصدیق ہے اور یہ بھی آیا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اس آیت میں اعمال صالحہ کا عطف ایمان پر کیا گیا اور معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ نفس ایمان کا جزء نہیں بلکہ وہ صرف تصدیق ہے اور بہت سی جگہ اہل معاصی کو مومن بھی کہا ہے وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا جس سے معلوم ہوا کہ بُرے اعمال سے نفس ایمان زائل نہیں ہوتا البتہ ترتیب احکام شرعیہ کے لئے زبان سے اقرار کرنا بھی شرط ہے اور کمال ایمانی کے لئے اعمال صالحہ بھی ضرور ہیں پس جو شخص دل سے تصدیق بھی کرتا ہو اور زبان سے اقرار بھی اور اس کے ساتھ اعمال صالحہ بھی عمل میں لاتا ہو وہ بالاتفاق مومن کامل قرار دیا جائے گا کیونکہ تصدیق بالجنان اقرار باللسان عمل بالارکان سب پائے گئے اور جو دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرتا ہے مگر اعمال اس کے خراب ہیں تو وہ جمہور اہل سنت کے نزدیک مومن فاسق ہے اور خوارج کے نزدیک کافر ہے اور معتزلہ بلکہ شیعہ کے نزدیک کافر تو نہیں ایمان سے خارج ہے کیونکہ اس کے نزدیک اعمال صالحہ نفس ایمان کا جزء ہیں، مگر یہ زیادتی اور تعصب ہے اور ادلّہ شرعیہ کے مخالف، ہاں ایمان کامل کا جزء اعمال صالحہ ہیں پس اگر اعمال صالحہ نہ ہوں گے تو ایمان کامل نہ ہو گا نہ یہ کہ نفس ایمان بھی نہ ہو گا اور جس کے دل میں تصدیق نہ ہو گی تو وہ کافر ہے اور اگر دل میں تصدیق نہ ہونے پر ظاہری اقرار بھی ہے تو اس کافر کو عرف شرع میں منافق کہتے ہیں اب یہ تصدیق خواہ اس کو تقلید سے حاصل ہو (اس کو ایمان تقلیدی کہتے ہیں) یا تحقیق سے (اور اس کو ایمان تحقیقی کہتے ہیں)، اور خواہ یہ تحقیقی استدلالی ہو یا کشفی سب صورتوں میں محققین کے نزدیک ایمان معتبر ہو گا۔

یہ بحث کہ ایمان کم و زیادہ بھی ہوتا ہے یا نہیں اور اس قسم کی دیگر ابحاث محض نزاع لفظی ہیں ان کے بیان کرنے سے بجز اس کے کہ سامع کا دماغ پریشان ہو اور کچھ نتیجہ نہیں۔ بِالْغَیْبِ غاب یغیب کا مصدر ہے غائب کی جگہ اس کو مبالغۃً استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد وہ مخفی چیز ہے کہ جو نہ حواس سے معلوم ہو نہ بداہۃ عقل اس کی مقتضی ہو اس کی دو قسم ہیں ایک ف وہ غیب کہ جس پر کوئی دلیل نہ ہو جیسا کہ اس آیت میں مراد ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ کہ خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، البتہ اس قسم کے غیب کی قلب (محض حکم الٰہی کی وجہ سے اجمالاً) تصدیق کر سکتا ہے۔ دوسرا وہ کہ جس کے لئے دلائل عقلیہ باآواز بلند گواہی دے

**ف**۔ غیب کی دو قسمیں ہیں ایک اضافی بہ نسبت مخلوق یعنی بعض اشیاء بعض بندوں سے مخفی ہیں؟ وہی چیزیں بعض دوسروں کے سامنے ہیں، جیسا کہ ایک گھر یا شہر کے رہنے والے کے سامنے اس گھر یا شہر کی چیزیں حاضر اور دُور دراز کے شخص کے نزدیک جس نے ان کو نہ کبھی دیکھا نہ سُنا غیب یا غائب ہے، اسی طرح عالم ملکوت کی اشیاء ملائکہ یا مجردات یا ارواح طیبات حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام پر کسی وقت وہ اشیاء حاضر اوروں کی نسبت غیب جن کے نزدیک یہ اشیاء غائب ہیں عام ہے کہ کبھی اس عالم ناسوت میں وہ ظہور کریں گی جیسا کہ آنے والے واقعات مخبر صادق کے فرمانے کے مطابق جس کو پیشگوئی کہتے ہیں ان پر ایمان لانا واجب ہے اس حصہ میں غیب دانی سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے اتباع اولیاء کرام بمقتضائے مصلحت آلٰہیہ بہرہ ور ہوتے ہیں۔ دوم غیب مطلق کہ جس کو غیب الغیب کہتے ہیں۔ جبروت و لاہوت کے اسرار و دیگر اشیاء ان کا خزانہ اس کے پاس ہے اس میں سے جس مخصوص بندہ کو جس قدر چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے حصہ دیتا ہے اس پر بھی بقول مخبر صادقؐ ایمان لانا واجب ہے۔

ہے ہوں جیسا کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات اور جزا و سزا کا دن وغیرہ ذالک اس میں شک نہیں کہ پورا انقیاد اور کمال اطاعت بندہ کا جب ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے سے ان چیزوں پر بھی ایمان لا دے کہ جو اس کے مشاہدہ سے باہر ہیں اور جن کے مشاہدہ کی اس کو طاقت نہیں ورنہ آنکھ سے دیکھی ہوئی اور ہاتھ سے ٹٹولی ہوئی اور زبان سے چکھی ہوئی چیز کی تو ہر شخص تصدیق کرتا ہے اور یہی حکمت ہے کہ نزع کے وقت کا (جبکہ بندہ کو اس عالمِ غائب کی چیزیں ملائکہ اور دوزخ و جنت دکھائی دینے لگیں) ایمان قبول نہیں اور اس کو ایمانِ یأس کہتے ہیں اور اسی وجہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رض آئندہ آنے والوں کے ایمان کی بہت زیادہ قدر دانی کرتے تھے ؛ چنانچہ مسند امام احمد بن حنبل رح وغیرہ کتب احادیث میں مذکور ہے کہ ایک روز حارث بن قیس رح نے جماعتِ صحابہ رض میں بیان کیا کہ اے اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وسلم ! ہم کو نہایت حسرت و افسوس ہے کہ ہم آنحضرت م کے دیدار سے مشرف نہ ہوتے ، ہائے اس دولت سے محروم رہ گئے۔ عبد اللہ بن مسعود رض نے فرمایا یہ صحیح مگر ایک نعمت سے ہم محروم رہ گئے وہ تم کو نصیب ہے وہ یہ کہ تم بے دیکھے آنحضرت صلعم پر ایمان لائے خدا تعالیٰ کی قسم جس نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو آنکھ سے دیکھ لیا اس کے نزدیک آپ م کی نبوت آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئی ایمان تمہارا ہے کہ بغیر دیکھے ایمان لائے۔ طبرانی نے ابن عباس رض سے روایت کیا ہے کہ سفر میں صبح کے وقت ایک بار قافلہ میں وضو کو پانی نہ تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ڈھنڈوایا تو ایک آدمی کے پاس صرف ایک برتن میں قدرے پانی نکلا ، آپ م نے اس میں اپنی انگلیاں ڈال دیں تو وہ فوارے کی طرح جوش مارنے لگا۔ بلال رض کو حکم دیا کہ پکار دو سب آکر وضو کر لیں۔ سینکڑوں صحابہ رض نے وضو کیا اور خوب پیٹ بھر کر پانی پیا جب نماز سے فارغ ہوتے تو آپ م نے لوگوں سے پوچھا کہ تمام لوگوں میں سے کس کا ایمان عجیب تر ہے ؛ لوگوں نے کہا ملائکہ کا آپ م نے فرمایا کہ ان کے ایمان میں کیا تعجب ہے وہ بارگاہِ الٰہی میں حاضر رہتے ہیں اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں وہ کیونکر ایمان نہ لاتے ، لوگوں نے پھر عرض کیا آپ م کے صحابہ رض کا ، آپ م نے فرمایا میرے صحابہ رض صدہا معجزات دیکھتے ہیں ان کے ایمان میں کیا تعجب ہے البتہ عجیب تر ان کا ایمان ہو گا جو میرے بعد پیدا ہوں گے اور میرا نام سُن کر صدقِ دل سے ایمان لاویں گے وہ میرے بھائی ہیں اور تم اصحاب رض۔ ابو داؤد طیالسی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص عبد اللہ بن عمر رض کے پاس آیا اور کہا کہ اے ابو عبد الرحمٰن تم نے ان آنکھوں سے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے ؟ عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا تم نے اپنی زبان سے آنحضرت م سے کلام کیا ہے ؟ انھوں نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا تم نے اپنے ہاتھوں کو حضرت م کے ہاتھوں میں دے کر بیعت کی ہے ؟ انھوں نے کہا ہاں۔ یہ سن کر وہ شخص حضرت م کے شوق میں زار و زار رونے لگا۔ اور ایک حالتِ وجد اس پر طاری ہو گئی۔ عبد اللہ بن عمر رض نے کہا کہ میں تجھ کو ایک خوشخبری سناتا ہوں کہ جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی وہ یہ کہ آپ م نے فرمایا ہے خوشحالی ہے اس کو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اس سے بھی زیادہ خوشحالی ہے اس کو کہ جو بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لایا۔ یہ روحانی جذبہ جو اب تک چلا آتا ہے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

**یقیمون الصلوٰۃ** اقامت سیدھا کھڑا کرنا یعنی تعدیلِ ارکان اور نہایت خضوع و خشوع اور حضورِ قلب سے نماز ادا کرنا اور ہر جگہ قرآن میں نماز کو بلفظِ اقامت طلب کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ نماز پڑھنا اور چیز ہے اور اس کو قائم کرنا اور بات ہے ، اس کا قائم کرنا یہ ہے کہ حدثِ اصغر و اکبر سے کہ نجاستِ حکمی ہے پیشاب اور پاخانہ وغیرہ سے کہ نجاستِ حقیقی ہے پاک ہو (کیونکہ اس سے روح کو صفائی حاصل ہوتی ہے اور خطرات دفع ہوتے ہیں) پھر اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو کر اللہ اکبر کہے اور ہاتھ اٹھائے تاکہ اس طرف اشارہ ہو کہ دین و دنیا غیر اللہ سب سے ہاتھ اٹھا کر اس کے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ پھر ثنا اور اس کی حمد کرے پھر سورۃ الحمد پڑھے کہ جس میں اس کی ثنا اور اپنے لئے دعا ہے اس کے بعد کسی قدر قرآن مجید پڑھے کہ اس سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہو۔ پھر زیادہ شوق میں آکر اس کے آگے جھکے اور اس کی بایں الفاظ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ نہایت حمد و ثنا کرے پھر کھڑا ہو کر اس کی حمد میں رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہے اور نہایت ادب اور محبت سے اس کے پاؤں میں (حالانکہ وہ ان پاؤں سے پاک ہے) سر رکھ کر عجز و نیاز سے

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہے تاکہ نفس کا تمام کبر و غرور خاک میں مل جائے۔ پھر اس تقرب کے شکریہ میں دوبارہ سجدہ کرے اور پھر دوسری رکعت اسی طرح ادا کرے بعد اس کے باادب رو برو بیٹھ کر التحیات پڑھے۔ یعنی نہایت حمد و ثنا اور شکریہ ادا کرے اور اپنے لئے دعا مانگے اور سلام پھیرنے کو ایک سفر باطنی سے باز آنا ثابت ہو جائے۔ یہ مختصر سا حال اہلِ اسلام کی نماز کا ہے اور آگے صحابہؓ اور کاملین کا سجدہ میں رونا اور تمام عاشقانہ ہیئت بنا کے ادب کے ساتھ اس کی جناب کبریائی میں جانا بیان سے باہر ہے۔ اب اس نماز کو عیسائیوں اور ہنود وغیرہم مذاہب کی نماز سے مقابلہ کر کے دیکھئے تو دینِ الٰہی اور دینِ واہی میں اسی وقت تمیز ہو جائے۔ ہنود و مجوس کے ہاں تو عناصر اور آفتاب وغیرہ مخلوقات کی پرستش ہے اور حضرات عیسائی بلا طہارت گرجا میں جا کر باجا بجاتے اور خوب گاتے ہیں آج کل دہلی میں پادریوں نے ایک پریم سبھا قائم کی ہے جس میں طبلہ سارنگی اور آلاتِ لہو و لعب بجا کر حضرت مسیحؑ کے بھجن گائے جاتے ہیں جسے کان کے رسیا دُور دُور سے سننے آتے اور مزے اڑاتے ہیں ؎

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

## نکات

(۱) یُؤْمِنُونَ اور یُقِیْمُونَ اور یُنْفِقُونَ، متقین کی صفت میں تین جملہ فعلیہ آئے ہیں کہ جو تجدد اور حدوث پر دلالت کرتے ہیں تاکہ یہ بات سمجھی جائے کہ صرف ایک بار ان باتوں سے متصف ہو جانا متقی ہونے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ وقتاً فوقتاً ان اوصاف کو لا انتہا کام میں لانا چاہیے جیسا کہ جملہ فعلیہ تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے اور یہ اتقاء کسی کا ذاتی اور خاندانی حصہ نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ ایسی بات ہے کہ جو ایسے کام کرے گا وہ متقی ہو گا اور جو نہ کرے گا تو جناب کبریائی سے اس لقب سے محروم رہے گا خواہ برہمن ہو خواہ بنی اسرائیل ہو خواہ کیانی ہو خواہ نبی زادہ خواہ ولی زادہ یا پیرزادہ۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎ ذات بھانت پوچھے نا کو ۔ ہر کو بھجے سو ہر کا ہوء

(۲) ان تینوں جملوں میں ترتیب طبعی کو ملحوظ رکھا ہے وہ یہ کہ جس کا مرتبہ مقدم تھا اس کو مقدم اور جس کا مؤخر تھا اس کو پیچھے ذکر کیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ تمام عبادتوں اور سب نیکیوں کی جڑ ایمان ہے چند وجہ سے (۱) یوں کہ یہ فعل قلب ہے جو تمام بدن کا بادشاہ ہے (۲) یہ قوتِ نظریہ سے متعلق ہے جو قوتِ عملیہ سے مقدم اور اشرف ہے کیونکہ موت کے بعد یہ ادراکات انسان کے ساتھ باقی رہتے ہیں اور تکمیلِ نفس کرتے اور جہل کی ظلمت سے آزادی بخشتے ہیں (۳) تمام نیکیوں اور اعمالِ صالحہ پر جو چیز انسان کو حرکت دیتی اور متوجہ کرتی ہے وہ صرف ایمان ہے لہٰذا شرع نے ایمان والے کو گو اس کے عمل خراب ہوں ابدی جہنم سے محفوظ رکھا ہے اور جس کو ایمان نصیب نہیں اس کے اعمالِ صالحہ کا بھی اعتبار نہیں کیا۔ پس ایمان کو سب پر جملۂ یُؤْمِنُونَ بِالْغَیْبِ میں مقدم کیا۔ پھر اعمال میں نماز مقدم ہے کیونکہ (۱) یہ اس کی جناب میں حضوری اور اس کے دربارِ عالی میں باریابی ہے (۲) اس میں روزہ اور دیگر عبادات بھی شامل ہیں کس لئے کہ جب تک مومن نماز میں رہتا ہے نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ جماع کرتا ہے اور زبان بھی اس میں غیر ذکرِ الٰہی سے بند رہتی ہے اور دل اور تمام حواس بلکہ ہاتھ پاؤں سر سب اعضاء بھی مصروف ہو جاتے ہیں اور نماز کے لئے کپڑے اور مکان یعنی مسجد وغیرہ میں اللہ کے نام مالی بھی صرف ہوتا ہے۔ (۳) یہ دن رات میں کم از کم پانچ بار ادا کرنی پڑتی ہے اور زکوٰۃ اور صدقہ تو کبھی کبھی اتفاق ہوتا ہے (۴) اس میں غنی اور فقیر سب شریک ہیں اس لئے اس کو زکوٰۃ اور صدقہ پر مقدم کیا۔

(۳) وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ میں مِنْ تبعیضیہ کو پہلے ذکر کر کے یہ جتلا دیا کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم اپنے تمام مال کو دے کر فقیر ہو جاؤ اور پھر آپ مانگتے پھرو اور حیرانی اٹھاؤ کیونکہ یہ بات قانونِ شریعت کے برخلاف ہے نہ عام طبائع اس کو قبول کر سکتی ہیں بلکہ یہ کہ کسی قدر خدا کی راہ میں دو اور باقی اپنے نفس اور اہل و عیال کے لئے رکھو گویا کنایۃً اسراف اور فضول خرچیوں سے بھی منع کر دیا اور اس فضولی سے رکو دیگر بیاہ شادی یا کسی اور تفاخر اور ناموری کے کام میں یا لڑکوں کی

متعلقہ حواشی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ ختنہ عقیقہ دودھ بڑھانے میں اندھا بن کر صرف کیا جاتے کہ پھر جن کے روبرو اتراتے تھے کل ان کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھرتے ہیں اپنی جائداد اور تنخواہ یا کسی اور آمدنی کو کسی سود خوار مہاجن کے پاس گرو رکھ کر تمام عمر کے لئے آپ کو اور اپنی اولاد کو اس کا غلام بنا دیا جاتے ہم آج کل ہندوستان میں دیکھتے ہیں کہ ان فضول خرچیوں سے مسلمانوں کے باغ اور گاؤں اور مکانات ان ہندوؤں کے قبضہ میں آگئے جو ابتدا میں ان کے ملازم تھے اور اب وہ آقا ہیں اور یہ ان کے خدمتگار ہیں اور سُود کی بلا میں گرفتار خسر الدنیا والآخرة۔

(۴) مال کا صرف کرنا اور خدا کی راہ میں دینا بڑی جوانمردی کا کام ہے بہت سے لوگ ایسے کنز ہیں کہ سینکڑوں روزے رکھوالو بیشمار نماز پڑھوالو مگر دینے کا کچھ ذکر نہ کرو۔ چمڑی جائے مگر دمڑی نہ جائے، یہ بُخل دُنیا و آخرت میں مضر ہے دُنیا کا یہ ضرر ہے کہ جب اقارب اور ماں باپ پر سختی ہوتی ہے اور وہ اس کی طرف احتیاج لاتے ہیں اور یہ موذی ٹالتا ہے تو ان کو نہایت رنج بلکہ حسد اور کینہ ہوتا ہے۔ جس سے اس کے ان کاروبار میں کہ جو عزیزاور دوستوں کی مدد اور اعانت سے متعلق ہیں فرق آتا ہے اور یہ سب کی آنکھوں میں حقیر اور مکروہ دکھلائی دیتا ہے، اس کے مَرنے کی لوگ آرزو کیا کرتے ہیں۔ الغرض ان ہی وجوہ سے اس پر بڑی مشکلیں پیش آتی ہیں اور حقداروں کی بددُعائیں اس کے لئے مصائب بن جاتی ہیں بخلاف اس کے کہ جب یہ عزیزوں اور دوستوں اور اپنے بیگانوں پر لطف و کرم کرتا ہے تو گویا ان کے دلوں میں اپنی محبت کا سکہ جما دیتا ہے اور ہزاروں دلوں کو مُٹھی میں لے لیتا ہے اسی لئے سخی کے ہزار سچے دوست اور بخیل کے اپنے عزیز و اقارب بھی دشمن ہوتے ہیں اس کے علاوہ جب غریبوں اور یتیموں اور بے کسوں کی پرورش کا دستور نہ رہے گا اور قوم کی درستی اور رفاہِ عام کے لئے اور مخالفوں کے دفع کے لئے سب سے لے کر جمع کیا جاوے گا، اور لوگ نہ دیں گے تو یہ تمام قوم مصیبت میں گرفتار اور مخالفوں کی غلام اور تابعدار بن جائے گی اور یہ دولت شخصی بھی نہ رہے گی۔ اور آخرت کی یہ قباحت ہے کہ جب دل پر مال کی محبت نقش ہو جاتی ہے تو جب روح اس جسم کو چھوڑ کر اُس عالم میں جاتی ہے تو اس محبوب کی جُدائی میں بڑے رنج اُٹھاتی ہے اور یہ بیجا محبت اُس عالم میں سانپ اور بچھو اور آگ کی صورت میں ظہور کر کے خوب ستاتی ہے اس لئے اس اہم مقصود کی تعمیل آسان کرنے کو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں دو لفظ بڑھا دیئے کہ جس سے یہ کلفت عمل آسان ہو گئی (۱) مِن تبعیضیہ ذکر کر کے یہ جتلا دیا کہ کُل یا اکثر نہیں بلکہ تھوڑا سا صرف کرو (۲) رزقنا کہہ کر یہ بتلا دیا کہ یہ جو کچھ تم دیتے ہو کچھ اپنے گھر کا نہیں دیتے ہو۔ یہ ہم نے دیا تھا۔ ہم پھر بھی دے سکتے ہیں۔ ہم پر توکل کر کے دو۔ اس میں ایک اور بھی نکتہ ہے وہ یہ کہ مال کے علاوہ اور جو علم و ہنر عقل و تدبیر قوم اور ملک کے کار آمد ہو اُس کو بھی مارزقنا شامل ہے۔ اس کو بھی صرف کرنا چاہیئے۔

## فائدہ

اس مما رزقناھم سے مراد عام ہے، خواہ صدقہ ہو خواہ زکوٰۃ مفروضہ اور زکوٰۃ کا ہر اور اس کے فضائل اور فوائد ہم آگے بیان کریں گے، انشاء اللہ۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

اور ان کی (رہنما ہے) جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ کہ آپ سے

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ

پہلے نازل کیا گیا ہے اس پر اور قیامت کے دن پر (بھی)

هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾

ایمان لاتے ہیں۔

ل مارزقنا کا لفظ ہر ایک قسم کی نعمت کو شامل ہے پس جس طرح اپنا مال اللہ تعالیٰ کے واسطے خرچ کرنے والے اس آیت کی فضیلت میں داخل ہیں اسی طرح یہ فضیلت ان افراد کے لئے بھی ثابت ہے جو اپنی زبان سے یا ہاتھ پاؤں سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ حقانی ۲ے کس لئے کہ خرچ کرنے سے مراد کارِ خیر میں خرچ کرنا ہے اور یہ بیہودہ خرچ ممنوع ہے کارِ خیر میں خرچ نہ ہونے کے سبب۔ منہ

## ترکیب

الذین موصول ثانی اور ما انزل الیک معطوف علیہ اور ما انزل من قبلک معطوف یہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں جملے مفعول ہوئے یؤمنون کے یؤمنون اپنے فاعل ضمیر اور مفعول سے مل کر جملۂ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا الذین کا۔ الذین موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر معطوف ہوا پہلے الذین پر یا متقین پر۔

## تفسیر

چونکہ یؤمنون بالغیب سے متبادر اور قریب الفہم خدا تعالیٰ کی ذات و صفات اور ملائکہ تھے۔ اور کتب الٰہیہ اور قیامت کے دن پر بھی ایمان لانا ضروری تھا تو اس لئے اس عام بات میں سے ان کو خاص کر کے ذکر کیا اور یہ فصاحت اور بلاغت کی عمدہ بات ہے کہ کسی مطلب ضروری کو (گو وہ پہلی عبارت سے سمجھا جاتا ہو) جداگانہ بعد میں بھی خصوصیت کے طور پر ذکر کر دیا جائے یا یوں کہو کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی (یعنی مدینہ میں) تو صاحب تقویٰ دو گروہ تھے ایک قدیم عرب کہ جو پہلے شرک و کفر میں گرفتار تھے اور پھر اسلام لائے اور دوسرے اہل کتاب عبداللہ بن سلام وغیرہ کہ جو پہلے مذہب یہودی یا نصرانی میں تھے اور پھر دولت اسلام سے مشرف ہوئے اور دونوں گروہوں کو ان صفات میں شامل کرنا ضروری تھا۔ اس لئے اول جملہ تو اول فریق کے لئے اور دوسرا دوسرے کے لئے ذکر کیا گیا اور یہ بات بتلا دی گئی کہ تقویٰ بغیر اس کے تمام نہیں ہوتا۔ کہ جب تک خدا کے تمام صحیفوں پر ایمان نہ لائے۔ یعنی وہ متقی ہیں کہ جو تجھ پر نازل ہوئی اور جو کتابیں توراۃ و انجیل وغیرہ پہلے انبیاء پر نازل ہوئیں سب کو برحق جانتے ہیں۔

## متعلقات

**ما انزل الیک** سے مراد عام ہے خواہ وحی متلو ہو کہ جس کو جبرئیل علیہ السلام خدا کی طرف سے الفاظ مقررہ میں ادا کرتے تھے جس کو قرآن کہتے ہیں خواہ وحی غیر متلو ہو کہ جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ و السلام پر بلا توسط جبرئیل یا بغیر الفاظ مقررہ نازل ہوئی یا جو کچھ انکشاف روحانی کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم کرایا گیا۔ اور پھر آپ نے اس کو ارشاد فرمایا۔ سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جو ایک بات پر بھی ایمان نہ لاوے تو کافر ہوگا۔

**وما انزل من قبلک** سے مراد پہلے انبیاء علیہم السلام کے صحیفے ہیں۔ یعنی حضرت ابراہیم و موسیٰ اور داؤد اور عیسیٰ علیہم السلام وغیرہم انبیاء کی کتابیں جو کہ ان کو خدا کی طرف سے ملی تھیں یا جو مضامین الہام ہوئے تھے اپنی عبارتوں میں انہوں نے جمع کر کے لکھوا دیا تھا۔ عبارتیں بھی ویسی ہی عطا ہوئی تھیں ہرچہ باشد والعلم عند اللہ تعالیٰ، مگر سب کو برحق ماننا لازم ہے وہ بہت سے صحیفے تھے بہت سے ان میں سے ایسے ہیں کہ جن کے نام بھی باقی نہ رہے اور بعض کے نام اور کسی قدر صحیح اور الٹ پلٹ مضامین اب تک بھی باقی ہیں۔ مشہور کتب سابقہ میں سے یہ ہیں **توراۃ** جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی **زبور** جو حضرت داؤدؑ کو عطا ہوئی تھی اور **انجیل** جو حضرت عیسیٰؑ کو ملی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے۔

**سوال۔** یہ اخیر جملہ عبداللہ بن سلام وغیرہ علماء بنی اسرائیل کی مدح میں واقع ہے کہ وہ قرآن پر بھی اور اس سے پہلی کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جن کتابوں پر وہ ایمان رکھتے تھے وہ برحق تھیں اور اس زمانہ تک موجود تھیں جس کے لئے اکثر مواضع قرآن میں بھی توراۃ و انجیل پر عمل کرنے کی تاکید اور ان کا محل نزاع میں طلب کرنا بیان ہوا ہے اور وہ جو اس وقت کتابیں اہل کتاب میں موجود تھیں وہ یہی ہیں کہ جو اب ہیں جن کے مجموعہ کو **بائبل** اور اس کے دونوں حصوں کو عہد عتیق اور عہد جدید کہتے ہیں پس اہل اسلام پر اس وقت کی توراۃ و انجیل و زبور اور نامہ حواریوں اور پولوس کے نامجات کی تصدیق ضروری ہوئی اور ان میں کفارہ اور الوہیت مسیح اور تثلیث موجود ہے۔ پس اس کا ماننا بھی مسلمانوں پر فرض ہوا اور پھر باوجود اس اقرار کے کیوں قرآن نے ان مسائل کو رد کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن آسمانی کتاب نہیں۔

**جواب** اس سوال کا (کہ جس پر بہت سے پادری بڑے نازاں ہیں) یہ ہے کہ وہ کتابیں بیشک برحق تھیں ہمارا بھی یہی ایمان ہے۔ ہاں یہ بات کہ اُس[1] زمانہ میں بھی وہ کتابیں موجود ہیں غیر مسلّم ہے کیونکہ انجیل کی نسبت تو تمام عیسائیوں کو بھی اقرار ہے اور خود انجیل موجودہ کے دیکھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ انجیل حضرت مسیح (عیسیٰ) علیہ السلام کی نہیں نہ ان پر نازل ہوئی نہ انھوں نے اس کو تصنیف فرمایا نہ ان کے زمانہ میں تالیف ہوئی بلکہ سالہا سال بعد لوگوں نے سُنے سُنائے اور کسی قدر دیکھے ہوئے حالات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابتدائے ولادت سے موت تک تاریخ کے طور پر جمع کر دیئے ہیں اور بہت سے لوگوں نے جمع کئے تھے چنانچہ بعض کا اب نام و نشان بھی نہیں جیسا کہ یوحنا کی انجیل کے اخیر سے ثابت ہے اور بہت سی انجیلیں (تاریخ کی کتابیں) اب بھی موجود ہیں جیسا کہ انجیل برنباس وغیرہ مگر پھیر پھار کر اکثر عیسائی ان ہی چاروں[2] کو زیادہ مانتے ہیں اور بہت سے عیسائیوں نے وقتاً فوقتاً انکار بھی کیا ہے چنانچہ پولوس مقدس (کہ جن کو عیسائی بڑا رسول اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھ کر سمجھتے ہیں) اپنے اس خط میں کہ جو گلتیون کو لکھا ہے اس کے پہلے باب میں یہ کہتا ہے کہ "لوگوں نے انجیل کو اُلٹ پلٹ کر دیا اور اے لوگو! تم تو جعلی انجیلوں کی طرف کیوں مائل ہو گئے اصل انجیل بلا توسط کسی انسان کے حضرت مسیح سے مجھ کو ملی ہے اس کے سوائے جو کوئی اور انجیل تم کو سُنائے اس پر لعنت" انتہیٰ ملخصًا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ چاروں انجیلیں پولوس کی وہ انجیل نہیں ہیں[3]۔ پس یہ بھی نامقبول و مردود ہیں۔ جو شخص پولوس کے کلام کو الہامی مانتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ انجیلوں کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ پولوس اور برنباس اور شمعون اور پطرس وغیرہم اکابر عیسائی ان چاروں انجیلوں کو تسلیم نہیں کرتے تھے نہ حواریوں کے زمانہ میں ان پر کچھ عملدر آمد رہا ہے اور اسی طرح جس کو توراۃ کہتے ہیں اس کے بھی صدہا مقامات سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ کتاب حضرت موسیٰؑ کے صدہا برس بعد کسی نے تاریخ کے طور پر جمع کی ہے چنانچہ بہت سے محققین اہلِ کتاب بھی اس بات کے قائل ہیں۔ اور زبور میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے اور یہی حال اور کتابوں کا ہے اور ان کا محل نزاع میں طلب کرنا اور ان پر عمل کی مدح سو یہ اس لئے تھا کہ ان کتابوں میں بیشتر عمدہ اور اصلی کتابوں کے مضامین پائے جاتے تھے اور نیز مخاطبین ان کو تسلیم کرتے تھے۔

اور اگر یہ کہیئے کہ جب وہ اصلی کتابیں موجود نہ تھیں تو ان پر ایمان کیونکر لا سکتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگلے انبیاءؑ موجود نہیں ان پر کس طرح ایمان لاتے تھے، اب ہم حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ موجود نہیں ہیں۔ پھر کیا کوئی ہمارے ایمان لانے سے یہ کہہ سکتا ہے کہ عبدالحق مؤلف تفسیر حقانی کے زمانہ میں حضرت عیسیٰؑ و موسیٰؑ موجود تھے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اصلی توراۃ و انجیل موجود ہوتی تو آپ حضرت عمر فاروق رضؓ پر توراۃ کے اوراق پڑھنے سے ناخوش نہ ہوتے اور نہ لا تصدقوا اہل الکتاب و لا تکذبوہم فرماتے۔ پس جب اصلی کتابیں اس عہد میں موجود نہ تھیں بلکہ ان کے نام پر اور کتابیں لوگوں کی تصانیف تھیں کہ جن میں اصلی کتابوں کے بھی مضامین مندرج تھے تو ان میں کفارہ و تثلیث و الوہیت مسیحؑ اگر ہو بھی تو کب معتبر ہو سکتی ہے نہ ان پر ہم اہلِ اسلام کو ایمان لانا فرض ہے، بلکہ ایسے لغو مضامین سے احتراز واجب ہے۔ اگر قرآن نے ان کو رد کیا تو خوب کیا، ان کا اقرار کب کیا تھا، یہ قرآن کے حق ہونے کی دلیلِ قوی ہے۔ اس بحث کی تحقیق مقدمۂ کتاب میں ہو چکی ہے جو چاہے وہاں دیکھ لے۔

[1] یعنی نزولِ قرآن کے زمانہ میں۔ منہ [2] انجیل متی، مرقس، لوقا، یوحنا۔ [3] کس لئے کہ مرقس اور لوقا تو خود پولوس کے شاگرد ہیں اور ان کی یہ تصنیف اس نامہ کے آگے موجود ہونا کسی معتبر ذریعہ سے ثابت بھی نہیں۔ رہی متی کی انجیل اور یوحنا کی اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ پولوس کے اس خط لکھنے سے پہلے تصنیف ہو چکی تھیں اور شائع ہو کر پولوس تک بھی پہنچ گئی تھیں تو ان کی نسبت یہ کیونکر صادق آ سکتا ہے کہ وہ اس کو بغیر کسی انسانی واسطے کے اس کو ملی تھیں۔ منہ

## نکات

(۱) ایمان کے بارے میں مبدء و معاد کو بترتیب اس آیت میں ذکر کیا ہے۔ اوّل یؤمنون بالغیب سے ذات و صفاتِ باری کی طرف اشارہ کردیا۔ بالآخرۃ ہم یوقنون میں قیامت کو بیان کردیا اور اس عالم کی ابتداء انتہاء بھی اشارۃً بتلادی۔

(۲) بالآخرۃ ہم یوقنون میں صلہ کو مقدم کرکے اور یوقنون کو ہم پر مبنی کرکے اہلِ کتاب[1] کی پُشت پر ایک تازیانہ سا مار دیا کہ آخرت پر یقین کرنا انہی کا حصّہ ہے کہ جو قرآن کے ذریعہ سے تمام تفاصیل آخرت پر مطلع ہوگئے ہیں۔ اور پھر ہر امر میں ان کو آخرت دکھائی دیتی ہے۔ دنیا اور اس کے منصب اور رسم کو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں سمجھتے، تعصب اور عناد کو بھی اس کے خوف سے کام میں نہیں لاتے۔ بخلاف تمہارے، اوّل تو تمہاری کتبِ موجودہ میں آخرت اور اس عالم کی پوری کیفیت نہیں اس توراۃ میں بنی اسرائیل کا دوزخ اور جنت اور دنیا کی ناکامی (موت، مرض، قحط وغیرہ سے) یا کامیابی بتلائی ہے اور جو پہلے حصّہ میں کچھ ہے تو معمہ سا ہے اور اس پر دنیا کی محبت اور قوم و رسم کی پابندی سے بے انصافی کرکے اس نبی اور کتاب کو تم جھٹلاتے ہو کہ جو تمہارے انبیاء اور کتبِ اصلیہ کی تصدیق اور مدح کرتے ہیں۔ جب یہ ہے تو تمہارا آخرت پر کیا خاک یقین ہے اگر آخرت آنکھوں کے سامنے ہوتی تو یہ باتیں نہ کرتے جب خدا تعالیٰ متقیوں کے اوصاف بیان فرما چکا۔ یعنی سعادت کی جب شرح ہوچکی تو اب سعادت کے اس نتیجہ کو ذکر کرتا ہے کہ جو اس پر مترتب ہوتا ہے تاکہ سامع کو رغبت پیدا ہو۔

| |
|---|
| اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ |
| وہی لوگ اپنے خدا کے رستہ پر ہیں اور وہی |
| هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ |
| فلاح پانے والے ہیں۔ |

[1] سوا عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ کے۔ منہ

## ترکیب

اولٰئک مبتدا اور علٰی ہدًی مِن ربّہم ثابت کے متعلق ہوکر اس کی خبر، مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔ واوَ حرف عطف اولٰئک ثانی مبتدا اور ہم المفلحون اس کی خبر یا ہم مبتدا المفلحون خبر دونوں مل کر اولٰئک کی خبر ہوئے۔ یہ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر معطوف ہوا۔

## تفسیر

پہلے کہا تھا کہ قرآن ہدًی للمتقین پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔ اس کے بعد پرہیزگاروں کے اوصاف بیان کردیئے کہ وہ ایسے ایسے اوصافِ حمیدہ رکھنے والے ہیں اور یہ اوصاف قرآن سے حاصل ہوتے ہیں کیونکہ طرح طرح کے پُراثر بیانوں سے قرآن نے انسان کو ان اوصاف سے متصف کردیا ہے اور جس میں یہ اوصاف ہوتے ہیں وہ ہدایت پر ہوتا ہے یہ بدیہی بات ہے پس ہدًی للمتقین ایک دعوٰی تھا اس کا ثبوت تقوٰی کے معنی بیان کرکے کردیا جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن سے پرہیزگاری حاصل ہوتی ہے اور پرہیزگاری خدا کی ہدایت ہے۔ یہاں تک **سعادت** کا بیان تمام ہوا اور کلام مدلل ہوگیا کہ قرآن سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ پھر ہدایت کا ثمرہ اولٰئک ہم المفلحون سے بیان فرمادیا کہ جس کو ہدایت خدا کی نصیب ہوتی ہے وہ **فلاحِ** دارین پاتا ہے۔

## نکات

۱۔ پہلے الذین کے مقابلہ میں اولٰئک علٰی ہدًی من ربّہم لایا گیا اور جس طرح دوسرا الذین اس کا تتمہ تھا اسی طرح اس کے مقابلہ میں تتمہ کے طور پر اولٰئک ہم المفلحون ذکر کیا تاکہ بالآخرۃ ہم یوقنون کی جزا اور وہاں کی فلاح سن کر سامع کا دل بشاش ہوجائے۔

۲۔ جس طرح بالآخرۃ ہم یوقنون میں ایمانداری کا ان پر حصر کیا تھا اس کے بعد فلاح کا بھی ہم ضمیر مقدم کرکے ان ہی پر حصر کردیا جس سے معلوم ہوا کہ فلاح بھی ان ہی کا حصّہ ہے کہ جو ایسے لوگ اور

ان اوصاف سے متصف ہیں اور جو ایسے نہیں ہیں وہ کیسی ہی ریاضت کریں چونکہ
راہِ راست پر نہیں کبھی فلاح کو نہ پہنچیں گے پس جو راستے کہ اسلام کے
مقابلے میں ہیں اور اس کے برخلاف ہیں ان سے کبھی مقصود حاصل نہ ہوگا گو
خواہ کوئی کیسی ہی مشقت اُٹھائے اس لئے ایک جگہ فرمایا ہے کہ اِنَّ الدِّیْنَ
عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ اور راستہ چونکہ صراطِ مستقیم نہیں ان سے
وصول الی المطلوب بھی نہیں ؎ ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی ٭ کیں
رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست ٭

۳۔ اس بات کے بتلانے کو (کہ اہلِ تقویٰ کو کامل ہدایت نصیب ہے
اور وہ ہدایت خدا کی طرف کی ہے) لفظ عَلٰی بولا گیا تاکہ استعلاء اور
تمکین پر دلالت کرے اور پھر ہدًی کو مِنْ رَّبِّہِمْ کے ساتھ مقید کیا تاکہ
خدا کی طرف سے ہدایت کا ہونا پایا جاوے، اور پھر اُولٰئِکَ اسم اشارہ
لاکر اور خبر کو معرفہ بناکر اور بیچ میں ہُمْ فصل ذکر کرکے یہ بتلادیا کہ یہ
ہدایت اور فلاح متقیوں کا حصۂ خاص ہے کہ جن میں اوصاف مذکورہ
پائے جاتے ہیں۔

فائدہ۔ خوارج اور معتزلہ وغیرہ کہ جو کبیرہ کیا بلکہ صغیرہ سے بھی ابدی
جہنم کا مستحق بناتے ہیں (عیسائیوں کا بھی اسی کے قریب عقیدہ ہے)
اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ جنس فلاح کا موصوفین مذکورین
پر حصر کردیا ہے پس جو نماز نہ پڑھے گا زکوٰۃ نہ دے گا خارج از ایمان ہوکر
ہمیشہ جہنم میں جاوے گا۔ بعض ظاہری بھی ان ہی کے شریک ہیں۔
ان کا جمہور اہلِ اسلام کی سے یہ جواب ہے کہ فلاح سے مراد بذریعہ الف
لام فلاحِ کامل ہے پس جو ان اوصاف سے متصف نہ ہوگا تو اس کو
فلاحِ کامل نصیب نہ ہوگی، نہ یہ کہ مطلقاً فلاح سے محروم ہوگا کیونکہ
انتفاء فلاحِ کامل (یعنی مقید) سے انتفاء فلاحِ مطلق لازم نہیں آتا
علاوہ اس کے قرآن واحادیث کے متعدد مواضع سے گنہگارانِ اسلام
کا فلاح پانا جنت میں جانا ثابت ہے۔

جب کہ خدا تعالیٰ نے اہلِ **سعادت** کا حال اور مآل بیان فرمایا تو ضرور
ہوا کہ اہلِ **شقاوت** کا بھی حال اور مآل بیان کیا جاوے تاکہ بحکم
تعرف الاشیاء باضدادہا سعادت کا مقام خوب سمجھ میں آجاوے
سو اہلِ شقاوت دو طرح کے ہیں ایک وہ کہ جو ظاہراً و باطناً حق کے
مخالف ہیں ان کو زبانِ شرع میں **کافر** کہتے ہیں۔ دوم وہ کہ جو ظاہراً
موافق اور باطن میں حق کے سخت مخالف ہیں ان کو **منافق** کہتے ہیں
چونکہ مؤمنوں سے پوری مضادت (یعنی ظاہراً و باطناً مخالفت) کفار
سے ہے اس لئے خدا تعالیٰ پہلے کفار کا حال بیان فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْہِمْ ءَاَنْذَرْتَہُمْ
بے شک جو لوگ انکار کر چکے ہیں ان کے لئے تو آپ کا ڈرسنانا (اور) نہ سنانا
اَمْ لَمْ تُنْذِرْہُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ خَتَمَ
(دونوں) برابر ہیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔ (کیونکہ)
اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ وَعَلٰی سَمْعِہِمْ ؕ وَعَلٰۤی
اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے، اور ان کی
ع ۱ ۷ ۱ اَبْصَارِہِمْ غِشَاوَۃٌ ۫ وَّلَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۷﴾
آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور ان کو بڑا عذاب ہونا ہے۔ ف

## ترکیب

اِنَّ حرفِ مشبہ بفعل اَلَّذِیْنَ موصول کَفَرُوْا اس کا صلہ، موصول اور صلہ دونوں مل کر اس کا اسم ہوئے اور سَوَآءٌ بمعنے استواء اس کی خبر ہے اور اس کے بعد جو ہے وہ اس مصدر کا فاعل بن کر مرفوع ہے گویا کلام یوں ہوا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مستوٍ علیہم انذارک وعدمہ خَتَمَ فعل لفظ اللّٰہُ فاعل عَلٰی جار قُلُوْبِ مجرور مضاف ہِمْ مضاف الیہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں مل کر معطوف علیہ اور عَلٰی سَمْعِہِمْ معطوف، معطوف اور معطوف علیہ دونوں مجرور ہوئے جار کے پھر متعلق ہوئے خَتَمَ سے خَتَمَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ غِشَاوَۃٌ مبتدا مؤخر اور عَلٰۤی اَبْصَارِہِمْ ثابت کے متعلق ہو کر اس کی خبر۔ مبتدا و خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔ اور جملہ سابقہ پر اس کا عطف ہوا۔ عَذَابٌ موصوف عَظِیْمٌ صفت دونوں مل کر

ف یعنی جو ازلی گمراہ اور سیاہ قلب ہیں ان کے لئے قرآن ہدایت نہیں بخشتا خواہ آپ وعظ و نصیحت کریں یا نہ کریں ان کے دلوں میں ایمان قبول کرنے کی قابلیت نہیں الخ۔ منہ

مبتدا مؤخر۔ اور ولہم خبر مقدم جو متعلق ثابت کے ہے۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر پہلے جملہ پر معطوف ہوا۔

## تفسیر

بیشتر خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ قرآن متقین کے لئے ہدایت ہے اس پر یہ خیال گزرتا تھا کہ کافروں کے لئے یہ کیوں ہدایت نہیں ہے حالانکہ ضروری ان ہی کے لئے ہدایت کا ہونا تھا۔ کیونکہ متقی تو خود ہدایت پر تھے اس کا اپنے کلام میں اشارۃً یہ جواب دیا کہ کافر اور متقی سے مراد ازلی کافر اور ازلی متقی ہیں گو بالفعل ایک شخص طرح طرح کی برائیوں اور انواع و اقسام کے کفر و شرک میں مبتلا ہے مگر وہ ازل میں انوارِ الٰہی سے حصہ پا چکا ہے تو اس کو ضرور قرآن سے ہدایت ہوگی اور وہ ایمان بھی لاوے گا اور اچھے اعمال بھی کرے گا۔ اور جو ازل میں اس نور سے محروم رہا وہ انجام کار محروم ہی رہے گا۔ اس کو قرآن اور حضرتؐ کے وعظ و پند سے کچھ نفع نہ ہوگا کس لئے کہ اس میں سرے سے صلاحیت ہی نہیں۔ اس عدم صلاحیت اور اس ازلی بدنصیبی کو جو ازل میں خدا کی طرف سے ظہور میں آئے مُہر اور پردہ سے تعبیر کیا ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یہ عالم اور جس قدر اس عالم کی چیزیں ہیں بلکہ جس قدر اور صدہا عالم فرض کئے جائیں سب خدا تعالیٰ کے وجود حقیقی کے اظلال اور پرتوے ہیں اس عالم حسی میں جو کچھ وقتاً فوقتاً پایا جاتا ہے وہ اسی وقت موجود نہیں ہو جاتا بلکہ عالم مثالی میں موجود ہو چکا ہے وہاں سے وقتاً فوقتاً ظہور کرتا اور پردۂ غیب سے باہر آتا ہے۔ گو وہ شئے حادثاتِ ذاتی یا زمانی سہی مگر اب پیدا نہیں ہوئی اور یہ بات تنزلاتِ ستہ کے معانی میں غور کرنے سے بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے اس عالم حسی سے ہزارہا سال پیشتر عالم مثالی میں خدائے تعالیٰ کی ایک تجلی ہوئی کہ جس میں تمام کائنات عالم حسی اس کے دربار فیض آثار میں اپنی استعداد کے موافق ہر چیز سے فیضیاب ہوئے سو قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے۔ جو شخص بھی جس چیز کے قابل نظر آیا: اس جگہ حضرت آدم علیہ السلام[1] سے تمام ذریت جو ہونہار تھی چیونٹیوں کی طرح سے نکل پڑی اور اس کا آفتابِ جمال ہر شخص پر نور افگن ہوا۔ جن میں استعداد خداداد کی وجہ سے کچھ بھی صفائی تھی ان پر وہ نور پڑا اور چمکا اور جن کی اصل میں کدورت تھی ان پر وہ نور نہ پڑا۔ (جس طرح اس عالم میں آفتاب نکلتا ہے تو شفاف چیزیں منور ہو جاتی ہیں اور کمدر نہیں چمکتیں) اور ہر شخص نے اس کی ربوبیت کا اقرار کیا جن پر وہ نور پڑا تھا وہ لوگ اس عالم حسی میں اہلِ سعادت یعنی مومن کہلائے اور جن پر وہ نور نہ پڑا وہ اسی **شقاوت** کی تاریکی میں اس عالم میں آئے اور کافر و منافق کہلائے۔ قرآن حقائق اشیاء کو نہیں بدل سکتا جو وہاں محروم رہا ان کو یہاں کون منور کر سکتا ہے۔ اس لئے حضرتؐ کی تسلی اللہ تعالیٰ نے کر دی۔ اور جو لوگ در اصل اہلِ سعادت ہیں مگر عوارض وغیرہ سے تاریکی میں گرفتار ہیں اُن کو اُبھارتا ہے کہ ہمارے قرآن اور آپؐ کے بیان میں اے نبیؐ کچھ قصور نہیں لیکن جو ازلی بد نصیب ہیں ان کی تقدیر میں بھلائی نہیں۔ **واضح** ہو کہ اس خداداد

---

[1] چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے مخلوق کو ظلمت (طبیعت) میں پیدا کیا اور ان پر اپنا نور ڈالا پس جس شخص پر وہ نور پڑ گیا اس نے ہدایت پائی اور جس پر نہ پڑا وہ گمراہ ہوا اور میں اس لئے کہتا ہوں کہ احکام ازلیہ پر قلم خشک ہو گیا رواہ احمد والترمذی۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے پشتِ آدمؑ سے بمقام نعمان عہد لیا۔ پس اس کی پشت سے تمام ذریت کو نکال کر اس کے سامنے پھیلا دیا اور غنی و فقیر سب کو دکھلا دیا اور انبیاءؑ چراغوں کی مانند چمکتے نظر آئے۔ پھر خدا تعالیٰ نے آدمؑ کے روبرو سب سے عہد لیا کہ میں تمہارا رب ہوں تم اس پر قائم رہنا پھر اسکے یاد دلانے کو دنیا میں انبیاءؑ بھیجوں گا تاکہ تم قیامت کو یہ عذر نہ کرو کہ ہم کو معلوم نہ تھا یا یہ کہ ہمارے آباء و اجداد نے شرک کیا ہم ان کے مقلد رہے ہم پر کیا گناہ ہے انتہیٰ ملخصًا رواہ احمد۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص کا ٹھکانا جنت یا دوزخ میں پہلے ہی سے علم الٰہی میں قرار پا چکا ہے (متفق علیہ) اور فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میرے ہاتھ میں یہ دو کتابیں کیسی ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ داہنے ہاتھ کی کتاب میں خدا تعالیٰ نے تمام اہلِ جنت کے نام لکھ دیئے ہیں اور ان کی قوم اور باپ کے نام بھی مندرج ہیں اور بائیں میں تمام اہلِ دوزخ کے نام ہیں، رواہ الترمذی۔ حقانی

ہدایت اور صلاحیتِ ازلی کے لحاظ سے لوگوں کی سات قسم ہیں کس لئے کہ بنص قرآنی یا لوگ شقی ہیں یا سعید فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ اور اشقیا کو اصحاب الشمال یا اصحاب المشئمہ بھی کہتے ہیں، پھر ان اشقیار کی دو قسم ہیں **اوّل** مطرودین کہ جن پر بہیمیت اور تاریکی ہیولانیت نے ایسا غلبہ کیا ہے کہ ان پر نور آلہی پڑنے کی قابلیت ہی نہیں رہی اور چوطرفہ اندھیریوں اور ہر قسم کی تاریکیوں نے ان کو ایسا گھیر لیا کہ گو وہ بظاہر جنس انسان میں ہیں لیکن درحقیقت جانور ہیں ان کو **کافر** بھی کہتے ہیں۔ دیوار اور مُہر اور پردہ جو قرآن میں مذکور ہے اس سے یہی ظلمات مراد ہیں ان ہی کی نسبت فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ. **سوال** صدہا کافروں کو ایمان لاتے دیکھا اکثر صحابہؓ پیشتر کافر تھے پھر ایمان لائے مُتقی اور ہادی اور مہدی کہلائے۔ **جواب** جو لوگ مُشرف باسلام ہوئے وہ دراصل کافر نہ تھے اور ان کو جو اس وقت کافر کہا جاتا تھا تو بحکم حالت موجودہ ورنہ وہ حقیقت میں متقی تھے جو ہدایت پر آگئے اور وہ ازلی کافر جیسا کہ ابو جہل وغیرہ ہرگز ایمان نہ لائے نہ لاویں گے نہ ان میں صلاحیت ہے اس لئے ان کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ کہ ہم نے بہت جن اور آدمی جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں ان کو دل ملے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ ان کو آنکھیں دی گئی ہیں مگر ان سے دیکھ نہیں سکتے۔ کان دیئے گئے ہیں مگر اُن سے سُن نہیں سکتے، وہ لوگ بمنزلہ چارپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ اور یہی غافل ہیں۔ **دوم** وہ لوگ کہ جن میں کسی قدر استعداد ذاتی تو تھی کہ جو کبھی طبیعت کی تاریکیوں میں اس طرح چمکتے تھے جس طرح گھنگھور گھٹا میں بجلی۔ مگر ان لوگوں نے حبّ جاہ و جلال اور شکوک و شبہات اور پابندی رسم و رواج سے اور شہوت پرستی اور بدمستی سے اس نور کو بجھا دیا اور اس ذاتی استعداد کو مٹا دیا اس گروہ کو منافق کہتے ہیں ان کا تفصیل سے پچھلی آیتوں میں ذکر آتا ہے اور **سعیدوں** کی بھی دو قسم ہیں ایک قسم مقربین اور سابقین۔ دوسری اصحاب الیمین کہ جن کو اصحاب المیمنہ و مقتصدین بھی کہتے ہیں۔ پھر مقربین کی بھی دو قسم ہیں اوّل مجتبےٰ دوم منیب اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۔ مجتبےٰ کو اہل سلوک محبوب اور منیب کو محبّ بھی کہتے ہیں۔ اور کبھی مجذوب و سالک بھی کہتے ہیں یہ لوگ انبیاءؑ و صدیقینؓ ہیں اور اسی طرح اصحاب الیمین کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ اوّل اہل فضل و ثواب کہ خدا کے فضل سے مقصود کو پہنچے ہیں اور اسی امید پر ایمانی و اعمالِ صالحہ عمل میں لاتے ہیں۔ دوم اہلِ عفو کہ جن کے اچھے اعمال میں کچھ بُرے بھی شامل ہیں مگر یا تو ان کی قوتِ ایمانی اور نورِ معرفت اور رجاء صادق سے خدا تعالےٰ اس گناہ کو معاف کر دیتا ہے یا توبہ اور اس کے مقابلہ میں گریہ وزاری اور اعمالِ صالحہ سے وہ داغ مٹ جاتا ہے خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ کا یہی لوگ مصداق ہیں اور فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ان ہی کے حق میں فرماتا ہے۔ **سوم** معذبین کہ بقدرِ گناہ ان کو عذاب ہوگا اور یہ عذاب کبھی تو دنیا ہی میں بصورت نقصان مال و جان و بیماری و خواری ظہور کرتا ہے اور گناہوں سے صاف کر جاتا ہے جیسا کہ آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور کبھی مومن کی روح پر ایک عجیب دہشت و وحشت اور سخت بیکلی اور تاسف لاحق حال ہوتا ہے سو وہ بھی اس کا کفارہ ہو جاتا ہے اور کبھی آخرت میں وہ بُرے اعمال آگ اور سانپ بچھو کی صورت میں ظہور کر کے اس کی روح کو صدمہ پہنچاتے ہیں اور جب ایک مدت تک اس تکلیف کو پا لیتا ہے تو پھر روح منور ہو جاتی ہے اور جنت میں آرام پاتی ہے اور کبھی انبیاءؑ و اولیاءؒ اور ملائکہ کی شفاعت سے خلاصی ہو جاتی ہے ان پانچ گروہوں کا حال اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الخ میں ہو چکا اور اشقیار کے اوّل فریق کافر کا ان آیات میں بیان ہوا کہ قرآن سے ان کو ہدایت نہیں اور اشقیاء کے دوسرے فریق منافق کا اس کے بعد وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ الخ میں خدا تعالےٰ بیان فرماتا ہے ؛

## متعلقات

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ ہر چند ختم کا اسناد اللہ کی طرف اہلِ حق کی نزدیک اسنادِ حقیقی ہے لیکن مہر کرنے سے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہونے سے یہ مراد نہیں کہ در حقیقت خدا تعالیٰ نے اُن کے دلوں اور کانوں پر اس طرح سے مہر لگا دی ہے کہ جس طرح کسی برتن کا مُنہ بند کرکے اُس پر لاکھ سے اس لئے مہر لگا دیتے ہیں کہ اُس کے اندر اور کوئی چیز نہ جانے پاوے نہ اندر کی چیز باہر آنے پاوے اور سچ مچ کوئی ٹاٹ یا ترپال کا پردہ ان کی آنکھوں پر ڈال دیا ہے شاید کسی کم فہم نے یہ بات سمجھ کر قرآن مجید پر اعتراض کیا ہو بلکہ اس سے مراد وہ جبلی کجروی اور طبعی تاریکی ہے کہ جس کی وجہ سے کفر و معصیت کی طرف بیخود ہو کے دَوڑتا ہے اور امورِ فطرت سے اس کو دلی نفرت ہوتی ہے جس طرح کہ گُوہ کے کیڑے کو خوشبودار پھول سے جبلی نفرت اور گندگی سے رغبت ہوتی ہے گویا کہ خوشبو کی طرف رغبت کرنے سے اس کیڑے کے دل پر مُہر ہو گئی ہے اور اس کی آنکھوں پر قضا و قدر سے حجاب پڑا ہوا ہے سو یہ ایک حالت ہے کہ جس کو خدا نے استعارہ کے طور پر ختم اور غشاوہ سے تعبیر کیا ہے اور کبھی اس حالت کو طبع سے تعبیر کیا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور کبھی اغفال سے وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا اور کبھی اقسار سے وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً اس حالت کا فاعلِ حقیقی خدا تعالیٰ ہے کیونکہ یہ جتنے امورِ جبلی ہیں سب قضاء و قدر سے ہیں اور اسی لئے ان کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اس میں اس کی ذات پاک پر کوئی عیب نہیں لگتا کس لئے کہ اس کا کاسب بندہ ہے اس کو کسی قدر اس میں دخل ہے اس لئے اس کی طرف بھی نسبت کرتے ہیں اور بُرائی کا بوجھ اس کے سر پر دھرتے ہیں اور اسی لئے اتمامِ حجت کو ان کے پاس بھی خدا تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام پیغام ہدایت لاتے ہیں اور پھر وہ اپنی نافرمانی کی سزا دنیا و آخرت میں پاتے ہیں۔ اب جس طرح یہ سوال بیجا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مختلف استعداد پر کیوں

ف معتزلہ کے نزدیک اسناد مجازی ہے اہلِ حق کے نزدیک مجاز لغوی یعنی مسند معنی مجازی میں مستعمل ہے باقی اسناد حقیقی ہے۔ معتزلہ اور عیسائی کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف کفر کا پیدا کرنا اور مُہر اور گمراہی کو منسوب کرنا نہایت بے ادبی اور اس کی ذاتِ مقدس میں عیب لگانا ہے لہٰذا اس قسم کی عبارتوں کو مجاز پر محمول کرنا چاہیے۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ یہ لوگ اس بات کو اچھی طرح نہ سمجھے عقلاً یوں کہ جب یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس عالم کا وہی خالق ہے تو اعیان و اعراض سب کچھ اسی کا مخلوق ہو گا کس لئے کہ ممکن کو دوسرا ممکن پیدا کرنے کی خواہ وہ جوہر ہو خواہ عرض (کوئی کلام وغیرہ) قدرتِ مستقلہ نہیں اور جو ہو تو دو خالق مستقل ماننے پڑیں کہ جس کی تسلیم میں سب سے بڑھ کر بے ادبی ہے۔ پس جب یہ ثابت ہوا کہ بندہ کو اپنے افعال پر قدرتِ مستقلہ نہیں ورنہ کبھی کوئی ناکامیاب نہ ہوتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بندہ اپنے افعال ارادیہ میں پتھر اور لکڑی کی طرح مجبور نہیں اس کے ارادی کاروبار اس طرح سے بے خود سرزد نہیں ہوتے کہ جس طرح رعشہ میں بے خود ہاتھ ہلا کرتا ہے تو ضرور یہ تسلیم کرنا پڑا کہ نہ جبر محض ہے نہ قدر محض بلکہ خالق ہر چیز کا اللہ تعالیٰ اور کسی قدر اختیار بندہ کو بھی دیا ہے خواہ وہ ارادہ ہو یا کچھ اور جو کچھ ہو مگر اس کی وجہ سے بندہ کو کاسب کہا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے بھلائی بُرائی اس کی طرف منسوب ہوتی ہے اور جزا و سزا پاتا ہے ؎ چلا عدم سے میں ہستی کو یوں اُٹھی تقدیر ؛ بلا میں پڑنے کو کچھ اختیار لیتا جا۔ پس اس گمراہی وغیرہ افعال کو خالق ہونے کی وجہ سے خدا کی طرف بھی منسوب کر سکتے ہیں اور خالق ہونے میں کوئی برائی نہیں نہ اس بُرائی سے وہ متصف ہو سکتا ہے۔ مثلاً تلوار بنانے والے کا کوئی قصور نہیں نہ اس کو قاتل کہہ سکتے ہیں بلکہ جس نے تلوار کو مارا۔ اسی طرح رنگریز کو سیاہ نہ کہیں گے بلکہ کپڑے کو جس پر (سواد) سیاہی قائم ہوتی اور چونکہ بندہ کاسب ہے بمقامِ ذم اس کی طرف بھی نسبت ہو گی جس کی وجہ سے وہ بُرائی بھلائی سے متصف ہو گا اور چونکہ شیطان یا کوئی اور گمراہ کرنے والا سبب ہوتا ہے تو مجازاً فعل کو سبب کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے جس طرح کہ شیطان کو اسی علاقہ سے مضل کہتے ہیں اسی طرح قرآن یا نبی علیہ السلام کو ہادی نقلاً یوں کہ قرآن و احادیث میں بکثرت یہ انتساب موجود ہے اور حقیقی معنی کو جب تک کوئی مانع نہ ہو چھوڑنا جائز نہیں۔ اور بائبل میں بھی بہت سے مقامات پر ایسی عبارتیں پائی جاتی ہیں کہ جن میں ان امور کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ازانجملہ پولس اپنے دوسرے خط کے چوتھے باب میں جو قرنتیون کو لکھا ہے یوں کہتا ہے (۳) اور ہماری انجیل اگر (باقی ۹۵ صفحہ پر)

بنایا اور بعضوں کی جبلت میں یہ تاریکی کیوں رکھی ہے اور پھر ان کو عذاب کیوں دیا؟ کس لئے کہ یہ کسی قدر اختیار پر مبنی ہے اور مختلف استعداد اور رنگ برنگ کی قابلیت دینے میں وہ خود مختار ہے۔ جس کو جو کچھ دیا اُس کا فضل ہے اور جس کو نہیں دیا تو اس پر کچھ ظلم نہیں کیا۔ اسی طرح برتن کا کمہار سے یہ کہنا بیجا ہے کہ تو نے مجھ پر ظلم کیا کہ جو آبدست کرنے کی بدھنی بنایا بادشاہوں اور معشوقوں کے پینے کا پیالہ نہ بنایا۔ اس مسئلہ جبر و قدر میں زیادہ گفتگو کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ اس کے اسرار پورے پورے عقل میں مشکل سے آتے ہیں اس لئے ہم بھی قلم روکتے ہیں قلب۔ ایک گوشت صنوبری کو کہتے ہیں کہ جو بائیں جانب پہلو میں اُلٹا لٹکا ہوا ہے اور اسی لئے اس کو قلب کہتے ہیں اور اس میں جگر سے آکر خون پکتا ہے اور پھر اُس کے لطیف ابخرے روحانی بنتے ہیں اور شرائین کے ذریعہ تمام بدن میں دَوڑتے ہیں اور حس و حرکت کا منشاء بھی یہی روح ہے۔ جس عضو میں وہ رُوح نہ جائے تو وہ بے حس و حرکت ہو کر مرجائے اور یہ روح ہوائی کہلاتی ہے اور اسی کو نسمہ بھی کہتے ہیں اور روح حقیقی یعنی نفس ناطقہ کا اصلی مرکب یہی ہے۔ اور اس کا مرکب تمام جسم ہے۔ جب اس روحِ ہوائی میں (کہ جس کو رُوحِ حیوانی اور روحِ طبعی بھی کہتے ہیں) سخت فساد آتا ہے تو روحِ حقیقی کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور قطعِ تعلق کا نام موت ہے۔ اور اصطلاحِ شرع میں قلب لطیفۂ انسانی کا نام ہے کہ جس سے انسانیت قائم ہے اور جس سے شوق و محبت پیدا ہوتی ہے اور جس سے شرع کے امر و نواہی بجالاتے ہیں اور کبھی قلب سے عقل بھی مراد ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت میں اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اور کبھی نفس یا روح بھی مراد ہوتی ہے اس آیت میں یہی لطیفہ مراد ہے کیونکہ استدلال کرنا اسی کا کام ہے اور یہی الہام الٰہی کی جگہ ہے اور یہی حق شناسی کی دُوربین ہے۔ پس جب اس پر مُہر ہوگئی تو یہ سب باتیں مفقود ہوگئیں۔

## نکات

(۱) خَتَمَ اللّٰہُ الخ یہ اس دعوے کی (کہ ان پر ہدایت کا کچھ اثر نہ ہوگا وعظ کرنا نہ کرنا برابر ہے) دلیل ہے اور یہ دلیل اس لئے بیان ہوئی ہے کہ بظاہر اس دعوٰی کا ثبوت سمجھ میں نہیں آتا تھا، اس کے ثبوت میں فرمایا کہ یہ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مُہر کردی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے یعنی ان کی جبلت میں تاریکی ہے اور بہیمیت کی اندھیریوں نے اُن کو ہر طرف سے محیط ہو کر اس امر کے قابل ہی نہ رکھا۔

(۲) کسی چیز کا دریافت کرنا تین طرح پر ہوتا ہے یا تو حس سے یا خبر صادق سے یا خود عقل سے غور کر کے دریافت کرے مگر امورِ آخرت اور خدا کی ذات و صفات حس سے تو معلوم نہیں ہوسکتی۔ اب اُن کو یا خود عقل یقین کرے یا خبر صادق سے ان کی تصدیق ہو پھر جبکہ ان کی ازلی گمراہی ثابت کرنی مقصود تھی تو اس لئے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ فرمایا۔ جس سے ادراکِ عقلی اور خبر مخبر صادق سن کر ایمان لانے کی نفی ہوگئی اور یہ دونوں سبب مفقود ہوگئے یعنی ان کے دلوں پر مُہر ہے عقل سے ان امور کا کیونکر یقین کریں اور ان کے کانوں پر بھی مُہر ہے وہ مخبر صادق ؑ کی خبر کیونکر سنیں اور

(بقیہ حاشیہ ؎) پوشیدہ ہووے تو انھیں پر پوشیدہ ہے جو ہلاک ہوتے ہیں (۴) کہ اس جہان کے خدا تعالیٰ نے ان کی عقلوں کو جو بے ایمان ہیں تاریک کر دیا ہے تاکہ مسیح آلہ کی جلال والی انجیل کی روشنی ان پر نہ چمکے۔ یہ عبارت صاف صاف ان آیاتِ قرآنیہ کے مضمون کی تصدیق کر رہی ہے اگلے فقرے میں قدرت کو بالکل خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے کہ قدرت کی بزرگی ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے انتہیٰ۔ اور ایک جگہ کہتا ہے کمہار سے برتن نہیں کہہ سکتا کہ تو نے مجھے ایسا کیوں بنایا اسی طرح بندہ نہیں کہہ سکتا ہے اس پر بھی پادری صاحب اگر قرآن پر اعتراض کریں تو کمال بے انصافی ہے۔ منہ ف اہلِ سنت کا اعتقاد ہے کہ انسان کا ہدایت پانا یا گمراہ ہونا سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے انسان کے پیدا ہونے کے پہلے سب امور ظہور پذیر ہو چکے ہیں اس اعتقاد کو ایمان بالقدر کہتے ہیں۔ یہ مضمون قرآن مجید کی اس آیت میں ظاہر ہوگیا اور آئندہ بھی بہت سی آیتوں میں اس کا بیان آئیگا۔ علیٰ ہٰذا حدیث میں بھی اس کا بیان بڑی تفصیل سے ہے اس لئے علماء نے مسئلہ قدر کے بارے میں گفتگو کرنے سے منع کیا ہے۔ حقانی

کس طرح ایمان لائیں۔ لیکن کسی قدر حس سے امور حسیہ پر ایمان لانے کا احتمال تھا وہ یہ کہ نبی علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ایمان لاویں سو یہ بھی بات ان کو نصیب نہیں وہ ہر چند بے شمار معجزات دیکھے ہیں لیکن بمنزلہ نابینا کے ہیں اس لئے امور حسیہ پر بھی ایمان نصیب نہ ہونے کے سبب علیٰ ابصارہم غشاوۃ فرما دیا کہ یہ جنم کے اندھے بھی ہیں ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے کچھ دیکھتے ہی نہیں۔

(۳) مُہر ایسی چیز پر کیا کرتے ہیں جس پر ہر طرف سے تصرف ہو سکے پس مُہر اُس کو ہر طرف سے بند کر دیتی ہے۔ چونکہ کان میں ہر طرف سے اور دل میں ہر طرف سے بات پڑ سکتی ہے اُن کے لئے کوئی جہت خاص نہیں اس لئے اُن پر تو مُہر لگانا فرمایا اور آنکھ چونکہ سامنے سے دیکھتی ہے اس کے لئے جہت خاص ہے تو اس پر پردہ پڑنا فرمایا کہ سامنے سے پردہ پڑ گیا دیکھنا بھی جاتا رہا۔

جب خدا تعالیٰ دعوے اور اُس کی دلیل بیان فرما چکا تو بعد میں اُس پر جو اثر مرتب ہونے والا ہے وہ فرماتا ہے کہ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ یہ عذاب خواہ آگ سے ہو خواہ طوق و زنجیر سے خواہ اور کسی طرح سے کہ جس کی کیفیت ہم کو معلوم نہیں، جو کچھ ہو وہ روح کی تاریکی اور اس کی جبلی کج روی کا اثر مرتب ہے جس طرح پانی کا اثر برودت اور آگ کا اثر حرارت ہے۔ اسی طرح انسان کے بُرے اعمال کا اثر خاص ہے کہ جو مرنے کے بعد معلوم ہوگا، اعاذنا اللہ منہ۔ جب خدا تعالیٰ فریق اشقیاء کو بیان کر چکا تو اب دوسرے فریق منافقین کا حال بیان فرماتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَ

اور کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو (زبان سے تو) کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت کے

بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ⑧

دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ ایماندار نہیں ہیں۔

## ترکیب

یقول فعل ضمیر ہو راجع من کی طرف اس کا فاعل اور آمنا باللہ آلخ جملہ فعلیہ اس کا مقولہ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی مَن نکرہ موصوفہ کی۔ مِن جار الناس مجرور جار مجرور متعلق ثابت یا مثبت کے ہوا جو رافع ہے مَن کا تقدیر کلام یوں ہوئی ومن الناس ناس یقولون یہ جملہ خبریہ ہوا اس کا عطف الذین یؤمنون آلخ پر یا قصہ کفار مصرین پر ہے اور ممکن ہے کہ مَن کو موصولہ مانا جائے۔ ہُم مَا کا اسم اور بمؤمنین خبر اسم و خبر مل کر جملہ خبریہ ہوا اور واو حالیہ کے ساتھ مل کر حال ہوا فاعل یقول سے جو مَن ہے مَن لفظ مفرد ہے مگر معنی میں تثنیہ اور جمع کے بھی آتا ہے اسی لئے علم اصول میں اس کو عام گنا ہے۔ پس باعتبار لفظ کے یقول صیغہ واحد بولا گیا اور باعتبار معنی کے ہُم اور آمنا جمع کے صیغے بولے گئے ہیں۔ بعض یوں بھی کہتے ہیں کہ من یقول آمنا باللہ آلخ مبتدا اور من الناس ثابت کے متعلق ہو کر اس کی خبر ہوئی۔ تنبیہ کفار کے حال کو بطور عطف کے اس لئے نہیں بیان کیا تھا کہ وہاں متقین کا حال بطور ضمن کتاب کے تھا اس لئے مضادت مانع عطف ہوتی اور چونکہ کفار کا حال مستقلاً بیان کیا دوسری قسم منافقین کا عطف اُس پر زیبا ہوا۔

## تفسیر

مدینہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جو بظاہر تو یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور رسول اور قیامت پر ایمان لائے اور مسلمان ہوئے تاکہ مسلمانوں میں مل کر منافع دنیا حاصل کریں اور ہر قسم کی سختی سے جو اُن پر پیش آنے والی تھی اسلام کو آڑ بنا کر بچیں۔ مگر یہ ایمان درحقیقت ایمان نہ تھا اور بغیر خلوص دل زبان سے کہنا خدا تعالیٰ علام الغیوب کے آگے کچھ بھی وقعت نہیں رکھتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا کہ یہی لوگ فریبی ہیں ہرگز مومن نہیں۔ ان لوگوں کو شرع میں منافق کہتے ہیں ان سب کا سرگروہ عبداللہ بن اُبی بن سلول تھا۔ حضرت کے مدینہ میں تشریف لانے سے پہلے لوگوں نے چاہا تھا کہ اس کو سرداری کی پگڑی بندھوا دیں اور مدینہ کا سردار بنا دیں۔ لیکن جب حضرت تشریف لائے اور روح کی زندہ کرنے والی باتوں سے تمام جہالت کی تاریکیاں لوگوں میں سے دُور ہو گئیں اور لوگوں کو ایک

نئی زندگانی کا مزہ آگیا تو پھران کے روبرو اس دنیا پرست کی کچھ وقعت نہیں رہی اس لئے اس شخص کو حضرت اور اہل اسلام سے حسد اور رنج پیدا ہوا مگر غلبۂ اسلام کی وجہ سے یہ خبث باطن کو ظاہر نہ کرسکا۔ اور لوگوں کے ساتھ بظاہر آپ بھی اسلام میں شمار ہوا کیا۔ لیکن یہ اور اس کے رفیق یہود جو مدینہ کے آس پاس بستے تھے اور دس پانچ اور اسی کے ہم قوم ہمیشہ درپردہ اسلام کی بیخ کنی کرتے رہے اور اس آفتاب عالمتاب پر گرد اڑاتے اور اس چراغ جاودانی کو بجھانے میں ہر طرح کی کوشش کرتے رہے سورۂ برأت اور سورۂ منافقون اور اس سورہ اور دیگر سورتوں میں ان کے اقوال و افعالِ ناشائستہ کا جواب مذکور ہے اور جو کچھ غزوات میں انھوں نے فتور برپا کئے ہیں وہ بھی مسطور ہیں۔ جس سے خدا تعالیٰ نے نفاق کی جڑ کو بالکل کاٹ دیا۔

## متعلّقات

نفاق کی چند قسم ہیں اوّل یہ کہ زبان سے اسلام اور ایمان ظاہر کرے مگر درپردہ صاف منکر ہو دوم یہ کہ درپردہ صاف منکر تو نہ ہو مگر یقین بھی نہ ہو بلکہ متردّد اور مذبذب ہو سوم یہ کہ دل میں تصدیق تو ہو مگر کامل نہ ہو اور گناہوں اور حُبّ دنیا اور غلبۂ شہوات نے اس کو ایسا کردیا ہو کہ یہ دنیا کے منافع کو ایمان پر مقدّم سمجھتا ہو دنیا کی خاطر لشکرِ اسلام کا مقابلہ اور اہل اسلام کی بربادی اور دین کی ہجو اس کے نزدیک کچھ مشکل نہ ہو۔ یہ تینوں خدا کے نزدیک سخت کافر ہیں اور جہنم کے سب سے اسفل طبقہ میں رہیں گے اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ان تینوں قسم منافق مدینہ میں موجود تھے۔

چہارم یہ کہ قال حال کے مطابق نہ ہو زبان سے کچھ کہے دل میں کچھ اور ہو جس کو تقیہ[1] کہتے ہیں۔ اگرچہ اس سے کافر نہیں ہوتا مگر یہ بھی انہی منافقین کا شیوہ ہے اور سراسر ناراستی ہے۔ نور ایمان اور صداقت کی روشنی ذرا بھی مکر و فریب کو گوارا نہیں کرتی، چہ جائیکہ اس پاک مذہب کا رکن قرار دے کر اس کے نورانی چہرہ پر دھبّہ لگایا جاوے بلکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے صحابہ رضہ تو اپنی حالتِ قلبیہ میں ذرا بھی فرق آنے کو نفاق سمجھتے تھے چنانچہ امام مسلم رحہ نے روایت کیا ہے کہ حنظلہ رضہ بن ربیع اُسیدی حضرت ابوبکر رضہ سے ملے، ابوبکر رضہ نے پوچھا کیا حال ہے، اُس نے کہا کہ میں تو منافق ہوگیا۔ ابوبکر رضہ نے کہا تو یہ کیا کہتا ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ جب ہم نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس سے گھر آتے ہیں اور بیوی بچوں میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ کیفیت جو وہاں ہوتی ہے اُس کو بھول جاتے ہیں۔ ابوبکر رضہ نے کہا میرا بھی یہی حال ہے۔ تب دونوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور حنظلہ رضہ نے یہ حال بیان کیا۔ تو نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اے حنظلہ رضہ اگر تم اُسی حالت میں رہو کہ جو میرے پاس ہوتی ہے اور یادِ الٰہی میں رہو تو ملائکہ تم سے گلی کوچوں میں اور بستروں پر مصافحہ کیا کرتے مگر یہ بات کبھی کبھی ہوتی ہے۔

## نکات

(۱) منافقین دعوای کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے

[1] اہلِ اسلام میں اوّل صدی کے اخیر میں جو کچھ خلافت کی بابت زیادہ نزاع ہوئی تو ایک گروہ حضرت علی رضہ کی طرف داری کا یہاں تک دم بھرنے لگا کہ جس کو وہ خود بھی جائز نہ رکھتے تھے اور پھر رفتہ رفتہ وہ ایک فریق ہوگیا۔ جس کو شیعہ کہتے ہیں اور یہ فریق اکثر عراق و ایران میں پھیلا اور ایران میں مجوس کے ہاں یہ تقیہ ہمیشہ سے چلا آتا تھا چنانچہ دساتیر نامہ ساسان اوّل کے (۵۰) جملہ میں مرقوم ہے اُن کی تقلید سے یہ مسئلہ اس گروہ نے بھی اپنے مذہب میں جاری کیا اور جہاں کہیں حضرت علی رضہ اور ائمۂ اہلِ بیت سے خلفاء ثلٰثہ رضہ کی مدح منقول ہے اُس کے جواب میں اس تقیہ سے کام لیا اور کہہ دیا کہ وہ تقیہ کرتے تھے۔ اس لغویات کو روشن دماغ شیعہ بھی ہرگز نہیں تسلیم کرتے اور ائمۂ کبار رضہ کی نسبت حق پوشی اور نفاق کا عیب لگانے سے ازحد ڈرتے ہیں۔ ہاں جو لوگ مُلّاؤں کی تقلید اور ان کے رطب و یابس روایات و حکایات پر غش ہیں وہ اس کو مانتے ہیں۔ منہ

ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے بھی ان کے ادعا کے موافق باللہ وبالیوم الآخر کو خاص کیا تاکہ معلوم ہو کہ جس میں تم کو دعوٰی ہے اُس میں بھی تم سچے نہیں کیونکہ خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے تو اس مکر اور فریب کو خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے جائز نہ رکھتے اور باتوں میں تو تمہارے ایمان کا کیا اعتبار ہے یعنی جہاں تم کو سچائی کا دعوٰی ہے وہیں جھوٹے ہو چہ جائیکہ جہاں تم کو خود نفاق مقصود ہو۔

(۲) اگرچہ سیاقِ کلام یہ چاہتا تھا کہ اُن کے جواب میں ما آمنوا کہا جاتا تاکہ جواب مطابق ہوتا مگر برعکس اس کے ماہم بمؤمنین فرمایا تاکہ اُن سے ایمان کی نفی اچھی طرح سے ہو جائے کس لئے کہ زمانہ ماضی میں اُن کو ایمان سے باہر بیان کرنا جیسا کہ ما آمنوا سے سمجھا جاتا اس امر میں اتنا فائدہ نہیں بخشتا کہ جو اُن کو ہمیشہ کے لئے ماہم بمؤمنین سے ایمان سے باہر کر دینا بخشتا ہے۔ علاوہ اس کے ما آمنوا میں بمقابلہ جواب صرف اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لانے کی نفی سمجھی جاتی اور جب کہ ماہم بمؤمنین کہا اور نفی کو بآء سے مؤکد کر دیا تو بالکل ایمان سے بے بہرہ ہونا ثابت کر دیا کہ ان کا ایمان نہ اللہ پر ہے اور نہ قیامت پر نہ نبیؐ اور قرآن اور اس کے معجزات پر۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ اُن کے اس فعل سے جو غرض ہے اُس کو بیان فرماتا ہے۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا

وہ اپنے نزدیک اللہ اور ایمانداروں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے

يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ⑨

آپ ہی کو دھوکا دے رہے ہیں اور جانتے نہیں۔

## ترکیب

یخادعون فعل ضمیر ہم جو راجع ہے منافقین کی طرف اُس کا فاعل اور لفظ اللہ اور الذین آمنوا موصول صلہ سے مل کر معطوف ہوا لفظ اللہ پر مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ بن کر کلام مستأنف ہوا یا یہ حال ہے فاعل یقول سے اور وما یخدعون فعل ہا فاعل احداً مفعول محذوف مستثنیٰ منہ الا انفسہم مستثنیٰ فعل فاعل اور مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بذریعہ واو حال ہوا فاعل یخادعون سے اور ما یشعرون جملہ فعلیہ بذریعہ واو کے اس ما یخدعون الخ سے حال واقع ہے۔

## تفسیر

یعنی وہ منافقین جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اپنے زعم میں خدا تعالیٰ سے اور مسلمانوں سے فریب بازی کر رہے ہیں حالانکہ یہ فریب اپنے تئیں دے رہے ہیں۔ کیونکہ خدا علام الغیوب ہے اُس سے کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی اور وہ مومنوں کو آگاہ کرتا رہے گا سو ان پر تو کچھ بھی اُس مخادعت (فریب بازی) کا اثر نہ پڑا اُلٹا اُنہی پر پڑا کہ دنیا میں بھی رسوائی ہوئی آخرت میں عذاب شدید میں مبتلا ہوں گے مگر اُن کے حواس سلیمہ میں فتور آگیا کہ اُن کو یہ موٹی سی بات بھی دکھائی نہیں دیتی کہ خدا تعالیٰ کو کوئی فریب نہیں دے سکتا۔ اُس کا اُلٹا وبال ہم ہی پر پڑے گا۔

## متعلقات

**خدع**۔ لغت میں بُری بات چھپانا اور اُس کے برعکس دکھانا تاکہ کسی کو فریب دیا جائے۔

**نفس**۔ ذات شے کو کہتے ہیں۔ خواہ جوہر ہو یا عرض یا دونوں سے بری جیسا کہ ذات باری تعالیٰ لقولہ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ الآیۃ اور روح کو بھی کہتے ہیں کیونکہ حی کا نفس اسی سے قائم ہے اور قلب کو بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ محل روح ہے اور خون کو بھی کہتے ہیں کیونکہ نفس کا قوام اسی سے ہے اور پانی کو بھی کیونکہ اسکی طرف نفس کو زیادہ حاجت ہے اور رائے کو بھی کیونکہ یہ نفس سے پیدا ہوتی ہے۔

**شعور**۔ احساس کو کہتے ہیں اور انسان کے مشاعر اُس کے حواس ہیں اور اصل اس کی شَعر (بال) ہے اور جو لباس جلد کے بالوں سے ملا ہوتا ہے اسی لئے عرب اس کو شعار کہتے ہیں۔ اس مناسبت سے پھر اور وسیع معانی میں بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

## نکات

(۱) چونکہ منافقین یہ فریب بازی ہمیشہ کرتے تھے اور آئندہ بھی

اُن سے یہ فعل متوقع تھا تو اس رمز کے لئے مضارع سے اُن کے اس حال کو تعبیر کیا۔ تاکہ تجدد اور حدوث پر اور آیندہ کے صدور پر دلالت کرے (۲) اُن کی پہلے درجے کی حماقت ثابت کرنے کو وہاں لایشعرون کہا لایعلمون نہ کہا کیونکہ شعور محسوسات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور علم محسوسات معقولات دونوں کے لئے پس جب مایشعرون کہا تو گویا یہ ثابت کر دیا کہ اس مکر کی برائی ایک محسوس چیز ہے مگر چونکہ علیٰ ابصارہم غشاوۃ یعنی اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے وہ دیکھ نہیں سکتے۔ اب اگلی آیت میں اس فعل کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ وہ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ

ان کے دلوں میں (شک کا) مرض ہے سو اللہ نے ان کے مرض کو

مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا

بڑھا دیا ہے اور ان کو (مرنے کے بعد) سخت عذاب ہے اس سبب سے کہ وہ

یَكْذِبُوْنَ ⑩

جھوٹ بولا کرتے تھے۔

## ترکیب

مرض مبتدا مؤخر فی قلوبہم خبر دونوں مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ زاد فعل اللہ فاعل ہم مفعول اول مرضا مفعول ثانی فعل فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ عذاب موصوف الیم اس کی صفت پھر بما کانوا یکذبون جملہ بتاویل مصدر کے ہو کر متعلق کائن کے ہوا اور الیم کی صفت ہوا یہ موصوف اپنی صفات سے مل کر مبتدا لہم خبر مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اور اس کا عطف کلام سابق پر ہے۔

## تفسیر

یعنی ان کی یہ فریب بازی اس لئے ہے کہ اُن کی فطرت میں صحت و سلامتی نہیں اور دل پر مرض ناراستی عارض ہے پس جوں جوں فطرت کو درست کرنے والی اور روح کو صحت بخشنے والی باتیں نبی علیہ السلام پر ۲

نازل ہوتی گئیں ان کی بر خلافی سے اُس اصلی مرض میں ترقی ہوتی گئی (ع) مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ جس طرح جسمانی امراض کا نتیجہ موت ہے اسی طرح روحانی امراض کا ثمرہ اُس عالم میں عذاب الیم ہے۔ آسمانی پانی ہر درخت اور تخم کی بالیدگی کا باعث ہے مگر کسی درخت میں اُسی پانی سے کانٹے اور کڑوے پھل آتے ہیں اور جس کا تخم اچھا ہوتا ہے اُس سے عمدہ اور خوشبودار پھول اور پھل نکلتے ہیں۔ اسی طرح قرآن جو تخم روح کے لئے آسمانی پانی ہے اُس سے مومنوں کو شفاء ہوتی ہے اور جن کی جبلت میں کجی ہے ان کو زیادہ مرض پیدا ہوتا ہے پھر وہ مرض اُس عالم میں بصورت عذاب الیم ظاہر ہوتا ہے۔

## متعلقات

مرض | لغت میں بدن کی اُس حالت غیر طبعی کو کہتے ہیں کہ جو افعالِ طبیعہ میں خلل انداز ہوتی ہے اور مجازاً اُن اعراض نفسانیہ کو بھی کہتے ہیں کہ جو نفس کے کمالات میں مخل ہوتے ہیں جیسا کہ جہل اور بد عقیدگی اور کینہ اور حسد اور شہوت اور حُبِّ دنیا اور جھوٹ اور ظلم وغیرہ کیونکہ جس طرح مرض سے کمالِ بدن یا حیات زائل ہو جاتی ہے اسی طرح اُن سے اعراض حیاتِ ابدی اور اُس کے کمالات زائل ہو جاتے ہیں۔ اور روح پر تاریکی پیدا ہوتی ہے۔

الیم | ئے مولم (الم جس کو درد کہتے ہیں) ادراکِ ناملایم ہے۔ ہر چند بدن میں ناملائم حالت تفرق اتصال زخم و شگاف ہو مگر جب تک ادراک نہ ہوگا جیسا کہ دوا بیہوشی کلورا فارم میں ہوتا ہے کچھ دکھ نہ معلوم ہوگا۔ اسی طرح اس عالم میں روح کو طلسم دُنیا کی کلورا فارم نے بیہوش کر رکھا ہے۔ جب موت کے بعد یہ بیہوشی دور ہوگی تو ہر شخص کو اپنے روحانی امراض کا دُکھ معلوم ہوگا اور اس عالم کی ڈھٹ بندی کا راز معلوم ہوگا
؎ باش تا بند روئے بکشایند ÷ باش تا با تو در حدیث آیند ÷ تاکیان را نشانہ بر در ÷ تاکیان را گرفتہ در بر ÷

کذب | یعنی جھوٹ اس خبر کو کہتے ہیں کہ جو خلاف واقع ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ جو خلاف اعتقاد ہو بعض کہتے ہیں کہ جو اعتقاد اور واقعہ دونوں کے خلاف بیان ہو اس کو کذب کہیں گے۔

# نکات

(۱) اس آیت میں بھی خدا تعالیٰ نے امرِ واقعی کی رعایت رکھی فی قلوبہم مرض سے یہ بات بتلا دی کہ دنیا میں ہدایت اور گمراہی یا سعادت و شقاوت جو کچھ پیش آتی ہے وہ اصلی استعداد اور جبلی قابلیت کے موافق پیش آتا ہے جو ازلی مریض ہیں اور اُن کی روح کا مزاج فاسد ہے اُن سے اس عالم میں ویسے ہی افعالِ نامطلوب سرزد ہوتے ہیں۔ اور فزادہم اللہ مرضا سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ان امور کا اصل خالق خدائے تعالیٰ ہے گو مجازاً کسی اور کی طرف بھی اسناد ہو۔ اور ولہم عذاب الیم بما کانوا یکذبون سے یہ بات بتلا دی کہ بندہ اپنے افعال میں مجبور محض نہیں بلکہ اختیار رکھتا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کے افعال پر سزا و جزا مرتب ہوتی ہے۔

(۲) جس طرح اس آیت بما کانوا الخ سے اُن لوگوں کے خیالِ باطل کے رَد کی طرف اشارہ ہے کہ جو کہتے ہیں کہ یہ عالم محض توہمات و خیالات ہیں کسی چیز کی کچھ اصل نہیں نہ کوئی کرم (فعل) مؤثر ہے نہ کوئی گیان (علم) آخرت میں نافع ہے نہ مضر جیسا کہ حکمار سوفسطائیہ اور بید انتیوں کا مذہب ہے اور عیسائی بھی بموجب فتوائی پولوس شریعت سے آزاد ہیں۔ اسی طرح فزادہم اللہ مرضا سے اُس فریق کے خیالِ باطل کی طرف اشارہ ہے کہ جو افعال (کرم) ہی کو مؤثر بالذات جانتے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ کے وجودِ قدرت کے منکر ہیں جیسا کہ بودہ میمانسا اہلِ ہند میں سے اس کے معتقد ہیں۔

(۳) بما کانوا سے عذابِ آخرت کی طرف اشارہ کر دیا۔ تاکہ جو لوگ بطور تناسخ یا بطور ترقی مال و جاہ اسی عالم میں جزا و سزا کے قائل ہیں اُن کا خیالِ باطل رَد ہو جائے۔

ف۔ عذاب کو کذب سے متعلق کیا تاکہ اس سے جھوٹ کا حرام ہونا ثابت ہو اس لئے اسلام میں بالاتفاق جھوٹ بولنا حرام قرار دیا گیا یہ وہ فعل ہے کہ جس کے قبح پر اکثر بنی آدم متفق ہیں۔ اب اگلی آیتوں میں خدا تعالیٰ اُن کے مرضِ قلب کو ثابت کرتا ہے کہ وہ بُری باتیں کرتے ہیں اور اُن کو بھلی سمجھتے ہیں۔ جس طرح کوئی مریض کڑوی چیز کو میٹھی یا بالعکس تصور کرتا ہے اور یہ جہلِ مرکب ہے۔ حکمار کے نزدیک یہ مرض لاعلاج ہے۔

پس فرماتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ

اور جب اُن سے (یہ) کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد نہ کیا کرو

قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ اَلَآ اِنَّهُمْ

تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں، دیکھو یہی مفسد

هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫

ہیں لیکن ان کو خبر بھی نہیں۔

# ترکیب

اذا حرف شرط قیل فعل مجہول لہم متعلق قیل کے لاتفسدوا فی الارض مفعول مالم یسم فاعلہ ہوا قیل کا یہ دونوں مل کر شرط ہوئے اور قالوا فعل انما نحن مصلحون جملہ اس کا مفعول فعل اپنے فاعل ضمیر ہم اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جواب ہوا شرط کا شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف ہوا یکذبون یا یقول پر ان مشبہ بفعل ہم اُس کا اسم اور ہم المفسدون مبتدا و خبر جملہ ہو کر ان کی خبر۔ ولکن کلمۂ استدراک اس کا مابعد لایشعرون جملۂ استدراکیہ۔ الا حرف تنبیہ جو صدرِ جملہ پر تنبیہ مخاطب کے لئے آتا ہے۔ یہ جملہ خبریہ مستانفہ ہے جواب میں اُن کے قول کے۔

# تفسیر

یعنی مرضِ قلب ان پر یہاں تک غالب آگیا ہے کہ اُن کو نیک و بد میں بھی تمیز نہیں۔ کس لئے کہ جب کوئی مومن یا رسول یا خود خدا تعالیٰ اُن سے یہ فرماتا ہے کہ تم ملک میں فساد نہ ڈالو یعنی گناہ اور چغلخوری اور غمازی نہ کیا کرو تو اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو بھلائی کرتے ہیں وہ اس غمازی اور گناہ کو بھلائی سمجھ گئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو یہی لوگ مفسد ہیں مگر بے شعور ہیں کہ اُن کو اپنے فساد اور صلاح میں تمیز نہیں۔ معاذ اللہ جب انسان اپنے عیب کو عیب نہیں سمجھتا تو بڑی خرابی میں پڑتا ہے اور صدہا آدمی دنیا میں ایسے اندھے ہیں کہ ان کو حقیقتِ امر معلوم نہیں ؎ چشم باز و گوش باز و این ذکا + خیرہ ام از چشم

بندگیٔ خدا ؛ ایک عالم اس جہلِ مرکب میں گرفتار ہے۔ کوئی خدا التقرب سمجھ کر بتوں کو پوجتا ہے کوئی توحید سمجھ کر تثلیث کی دلدل میں گرفتار ہے کوئی بامید سلطنت آگ کی دھونی رمائے بیٹھا ہے۔ کوئی ہوس خام کو دل میں پختہ کرکے دریا کے کنارے آسن جمائے بیٹھا ہے ہزاروں لوگ گنگا میں غوطہ لگا کر گناہوں سے پاکی سمجھ کر دُور دراز سے آتے اور مشقت اُٹھاتے ہیں۔ اہلِ دنیا شب و روز لین دین بیع و شراء میں غرق ہیں۔ نہ مرنے کی مہلت اور نہ جینے کی فرصت۔ صدہا دنیا پرست حکام کی خوشامد اور ترقیٔ مناسب میں شب و روز سرگرم اور اسی کو فوزِ کبیر اور مقصدِ اصلی سمجھتے ہیں۔ الغرض ع۔ ہر کس بہ خیالِ خویش خبطے دارد۔ لیکن جب اس طرف سے آنکھ بند ہو گی اور اس عالم کی چیزیں دکھائی دیں گی تو حسرت و افسوس ہوگا۔ اللّٰھم ارنا حقائق الاشیاء کما ھی ؛

## متعلّقات

فساد | کسی شے کا اعتدال سے باہر ہونا اور جو نفع کہ اُس سے متصور ہے اُس کے قابل نہ رہنا اس کی نقیض صلاح ہے۔ یعنی جس طرح فساد میں بگڑنا ہے ویسا ہی صلاح کے معنی میں سنورنا معتبر ہے اس جگہ فساد سے مراد بقول ابنِ عباسؓ و حسنؒ و قتادہؒ معاصی ہیں کیونکہ جب دنیا میں گناہگاری چوری قتل زنا فتنہ انگیزی شرک و کفر کی اشاعت ہوتی ہے تو انتظام عالم میں خلل آجاتا ہے اور قیل کے فاعل یعنی کہنے والے اس جگہ مومن یا رسولؐ یا خدا تعالیٰ ہے کہ کُفا۔ و اشرار۔ [1]

## نکات

جس طرح منافقین نے بزعم فاسد اپنے فساد کو صلاح بتایا اور انما نحن مصلحون میں صلاح کا انحصار اپنے ہی نفس پر کیا تھا اسی طرح اس کے رد میں لفظ الآ اور انہم ہم المفسدون کلمہ انحصار فرمایا کہ بلاشک یہی مفسد ہیں تاکہ کلام مقتضئے حال کے مطابق ہو جائے۔ یہ اُن منافقوں کی دوسری حرکتِ ناشائستہ تھی اب تیسری حرکتِ ناشائستہ یہ ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ

اور جب ان سے (یہ) کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ تم بھی جیسا کہ اور لوگ ایمان لائے تو

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ

کہتے ہیں کہ کیا ہم اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح احمق ایمان لے آئے، دیکھو

اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬

یہی لوگ بیوقوف ہیں مگر (یہ) جانتے نہیں۔

## ترکیب

اذا حرف شرط قیل فعل مجہول قول اس کا مفعول مالم یسم فاعلہ محذوف اور لہم متعلق ہے قیل کے اور آمنوا فعل با فاعل اسکی تفسیر کما امن الناس بتاویل امنوا ایمانا مثل ایمان الناس مصدر محذوف کی صفت قالوا فعل با فاعل اور انؤمن الخ جملہ اس کا مفعول جواب ہوا شرط کا الا حرف تنبیہ انہم الخ اسم و خبر ان کی مل کر جملہ خبریہ مستانفہ ہوا اور لکن حرف استدراک لا یعلمون جملہ استدراکیہ۔

[1] پس وہ جو تفسیر القرآن صفحہ ۳۲ میں نیچری مفسر کہتے ہیں (قولہم واذا قیل لہم) ان آیتوں میں اس گفتگو کا اشارہ ہے جو منافق اور کافر آپس میں کرتے تھے یعنی کافر سمجھتے تھے کہ منافقوں کا اس طرح ظاہر میں اپنے تئیں مسلمان جتانا فساد ڈالتا ہے تو وہ ان سے کہتے تھے کہ تم فساد مت ڈالو اور اپنے تئیں مسلمان مت جتلاؤ جس طرح اور لوگ سچ مچ مسلمان ہو گئے تم بھی ہو جاؤ (کذ) سراسر غلط ہے چند وجہ سے۔ اوّل تو یوں کہ کافر منافقوں کے اسی ایمان کو فساد نہیں سمجھتے تھے بلکہ عین صلاح کہ مسلمانوں سے فریب کرکے ان کے راز ہاتھ لگتے ہیں۔ دوم ان کے قول کی تصدیق کلام الٰہی میں آنا ان کی عظمت پر دال ہے حالانکہ یہ خلاف مقصود ہے۔ سوم کافروں کی یہ ہرگز مرضی نہ تھی کہ تم سچ مچ کے مسلمان ہو جاؤ علاوہ اسکے کوئی مفسر اس کا قائل نہیں بلکہ تفسیر کبیر میں یوں لکھا ہے (تو د صفحہ ۲۸۷ ولا یجوز ان یکون القائل بذلك من لا یختص بالدین والنصیحة الخ۔ خان صاحب کو جب اس قدر وقوف نہ تھا تو تفسیر لکھنے کی کیا ضرورت پڑی تھی۔ منہ

## تفسیر

یعنی جب ناصح اُن سے یہ کہتا ہے کہ ایمانِ حقیقی لاؤ کہ جس سے ترکِ فتنہ و فساد اور نفرتِ دنیا اور اعراض از لذاتِ فانیہ حاصل ہو اور وہ ایمان مردانِ خدا کے ایمان کے مثل ہو کر جو نفع و نقصانِ دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ اس عالم کو فانی سمجھ کر عالمِ باقی کے لئے جان و مال صرف کرنے میں کچھ دریغ نہیں کرتے۔ اور درحقیقت یہی آدمی ہیں ورنہ جو لوگ کہ عالمِ باقی کے مقابلہ میں ان چندروزہ نعمتوں پر مفتون ہیں مجنون ہیں۔ پس اس کے جواب میں وہ منافق کہتے ہیں کیا ہم بیوقوفوں کی مانند ایمان لائیں۔ خیالی جنت و دوزخ کے لئے مطالب و مقاصدِ دنیا چھوڑ بیٹھیں؛ میاں دنیا دین سے مقدم ہے۔ عالمِ آخرت اور وہاں کے ثمار کس نے دیکھے ہیں۔ جس کو یہاں عیش و آرام ہے اُس کو ہر جگہ آرام ہے۔ جس طرح ہو سکے دنیا ہاتھ آوے ؎ خرس باش و خوک باش و یا سگ مُردار باش + ہرچہ باشی باش لیکن اندکے زردار باش + اور کسی نے کہا ہے ؎ ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت واعظ + دل کے بہلانے کو لیکن یہ خیال اچھا ہے + یہ لطیف زندگانی اور یہ مزے اور یہ جلسے کون چھوڑے۔ اُدھار پر نقد کو کون ہاتھ سے دے۔ اور کیا ہم ان لوگوں کی مانند ہو جاویں کہ جو دنیا اور ہر طرح کے عیش چھوڑ کر شب و روز خدا کی یاد میں مشغول ہیں۔ اپنے منافع پر بھی نظر نہیں کرتے مناسب ہے کہ دنیا سازی کی جائے۔ اگر ان مسلمانوں کا دور دورہ رہا تو ان کے یار بنے رہے اور درپردہ مخالفوں سے بھی سازش رہی کیونکہ اگر اُن کا وقت آئے گا تو بھی ہمارا مدعا ہاتھ آئے گا۔ ایک طرف ہو جانا عقلمندوں کا کام نہیں۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے خبردار یہی لوگ احمق اور بیوقوف ہیں کیونکہ ہر روز اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ کیسے کیسے نوجوان حسین اور کیسے کیسے بااقبال اور ذی اقتدار اور کیسے کیسے بادشاہِ ہفت کشور اور کیسے کیسے عیش و آرام اٹھانے والے ہزاروں من مٹی کے تلے آتے جاتے ہیں ؎ مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم + تو نے یہ گنجہائے گرانمایہ کیا کئے + اب نہ اُن کے وہ سامانِ عیش ہیں نہ اربابِ جلسہ ہیں نہ وہ مال و زر اُن کے پاس موجود ہے۔ پھر جب آخر کار ایک روز یہ عیش و آرام ہاتھ سے جاتا ہے (نہایۃ الامر دس بیس برس بعد) اُس چندروزہ حقیرِ دنیا پر دل لگانا عبث ہے ؎ قابو میں ہوں میں تیرے گر اب جیا تو پھر کیا + خنجر تلے کسی نے کہ دم لیا تو پھر کیا + پس اُس عالمِ بقاء کے مقابلہ میں کہ جس کا زمانہ غیر متناہی ہے ان لذائذِ جسیہ پر مفتون ہونا اور اس یقینی امر کے لئے کچھ بندوبست نہ کرنا حماقت اور پرلے درجے کی سفاہت ہے۔ جس طرح نادان بچے ذرا سی مٹھائی سے بہل جاتے ہیں اور عمدہ چیز کو ہاتھ سے دیدیتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ ہیں اور جب عالمِ آخرت حق ہے اور وہاں جانا بھی حق ہے اور اس کے ہادی بھی برحق ہیں اور اُن کا وعدہ بھی سچا ہے تو پھر مذبذب رہنا اور بھی حماقت ہے۔ مگر وہ امراضِ قلب میں گرفتار ہیں ان کو اس امر کی خبر نہیں۔

## مُتعلّقات

سفہ ہلکاپن، عرب بولتے ہیں سفہت الریح الشئی اڑا لے گئی اُس چیز کو ہوا۔ پھر اس کا اطلاق بیوقوفی اور حماقت میں بسببِ خفیف ہونے عقل کے آتا ہے۔ سفیہٌ بروزن فعیلٌ اسم فاعل بمعنی بیوقوف۔ سُفہاء اس کی جمع ہے۔ سفاہت کے مقابلہ میں انارت (کہ جس کو دانائی بھی کہتے ہیں) اور حلم آتا ہے کہ جس کے معنے سوچ اور سمجھ کے ہیں۔

النّاس میں الف لام یا جنس کے لئے ہے جس سے مراد کامل ہیں کیونکہ جنس بول کر فردِ کامل مراد لیا جاتا ہے۔ ہمارے محاورے میں بھی کہتے ہیں کہ فلاں انسان ہے۔ اور فلاں آدمی نہیں۔ یعنی کامل انسان ہے اور کامل آدمی نہیں۔ اور عرب میں بھی اس معنی کے لئے استعمال آیا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎ بلادٌ بہا کنّا و کنّا نحبّہا۔ اذ النّاس ناسٌ و الزمان زمانٌ + یعنی ہمارا وطن عمدہ تھا۔ ہم وہاں رہا کرتے تھے اور اس سے محبت رکھتے تھے۔ جب کہ آدمی آدمی تھے اور زمانہ زمانہ تھا۔ یعنی جب اچھا زمانہ اور اچھے لوگ تھے۔ پس اس تقدیر پر اہلِ ایمان ہی آدمی ہیں۔ کیونکہ جو ایسے نہیں وہ آدمی نہیں۔ یا لام عہدی ہے جس سے اشخاصِ معہود مراد ہیں، یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم۔

## نکات

(۱) فساد کے ذکر میں تو منافقین کو لایشعرون کا لقب دیا اور ایمان نہ لانے کے بارے میں لایعلمون فرمایا۔ اس میں ایک یہ نکتہ ہے کہ فساد امر محسوس ہے اور لایشعرون بھی محسوسات میں بولا جاتا ہے۔ بخلاف ایمان کے کہ اس پر مطلع ہونا از قسم علم ہے کہ جو نظر تامل سے حاصل ہوتا ہے۔ دوم سفہ ایک قسم کا جہل ہے اس کے مقابلہ میں علم کہا۔ کمال بلاغت ہے۔

(۲) منافقوں کے قبح بیان کرنے میں ایک اور نکتہ مرعی رکھا ہے۔ وہ یہ کہ لایشعرون اور لایعلمون کے مفعول کو ذکر نہیں کیا تاکہ ان کی بے شعوری اور جہالت عام طور پر ثابت ہو جائے۔ یعنی یہ بات نہیں کہ وہ فلاں بات نہیں جانتے بلکہ کچھ بھی نہیں جانتے۔

(۳) نصیحت کو پورا کر دیا۔ اول جملہ میں لاتفسدوا اور دوسرے میں آمنوا فرمایا کیونکہ نیکی کے دو جزو ہیں۔ بُری باتوں سے بچنا اور اچھی باتوں کو عمل میں لانا۔ اب خدا تعالیٰ ان کی چوتھی خصلت نا زیبا بیان فرماتا ہے۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَ

اور جب ایمانداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب

إِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ

اپنے شیاطین کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں

إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ﴿١٤﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ

ہم تو ان سے دل لگی کیا کرتے ہیں۔ (حالانکہ اللہ تعالیٰ ان سے دل لگی کر رہا

بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٥﴾

ہے اور انکو ان کی گمراہی میں ڈھیل دے رہا ہے وہ اندھے ہو رہے ہیں۔

## ترکیب

واو حرف عطف کہ جو کلام سابق پر ہے اذا حرف شرط لقوا کہ دراصل لقیوا تھا فعل با فاعل اور الذین آمنوا موصول وصلہ جملہ اس کا مفعول یہ اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شرط ہوا قالوا فعل با فاعل آمنا مفعول سب مل کر جواب ہوا شرط کا اور جملہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ اذا حرف شرط خلوا فعل با فاعل الی شیاطینہم متعلق ہوا خلوا کے یہ سب شرط ہوئی اور قالوا فعل با فاعل انا معکم جملہ اسمیہ اس کا مفعول انما نحن مستہزؤن جملہ اسمیہ اس کی تاکید یا بدل سب مل کر جواب ہوا شرط کا اور جملہ شرطیہ بن کر عطف ہوا پہلے جملے پر۔ لفظ اللہ مبتدا یستہزئ بہم جملہ اس کی خبر معطوف علیہ و حرف عطف یمدہم جملہ فعلیہ معطوف فی طغیانہم متعلق ہے یمد کے یعمہون جملہ فعلیہ حال ہے یمدہم کی ضمیر ہم مفعول ہے۔

## تفسیر

یعنی جب وہ منافق مسلمانوں سے ملتے تھے تو ان کے خوش کرنے کو کہتے تھے کہ ہم بھی ایمان لائے اور جب اپنے سرداروں کے پاس جاتے تو نہایت تاکید سے یہ کہتے کہ ہم تمہارے ہی ساتھ ہیں ہم تو مسلمانوں سے بطور دل لگی کے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیتے ہیں وہ بیوقوف سیدھے سادے لوگ ہیں۔ ہماری اس بات کو سچ جان کر ہمیں اپنے رازوں اور دلی ارادوں سے مطلع کرتے اور فوائد میں شریک بنا لیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے کیا دل لگی اور مسخراپن کر رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سے دل لگی کر رہا ہے کہ ان کو اس حالت خراب میں چھوڑ رکھا ہے۔ کہ جس کا نتیجہ دین و دنیا میں خراب اور آخرت میں روح کو سخت عذاب ہے۔

## متعلقات

اللہ یستہزئ بہم | استہزاء اور مکر اور خداع وغیرہ اوصاف کو جو آیاتِ قرآنیہ میں خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے تو مجازاً کیا گیا ہے کس لئے کہ یہ اوصافِ ذمیمہ ہیں۔ ان سے وہ پاک ہے۔ مگر محاورہ میں ایک فعل پر کسی مناسبت سے اکثر دوسرے فعل کا اطلاق آتا ہے بولتے ہیں۔ جس طرح تم پر کوئی ظلم کرے اسی قدر تم بھی اس پر ظلم کرو۔ حالانکہ ظلم کے مقابلہ میں جو کچھ جزائے مناسب دی جائے وہ ظلم نہیں۔ مگر وہ دونوں فعل باہم مناسبت رکھتے ہیں۔ اس لئے اس پر بھی ظلم کا اطلاق

آیا۔ قال تعالیٰ: وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا۔ پس وہ لوگ جو دینداروں کے ساتھ مکر اور ٹھٹھا کرتے ہیں خدا تعالیٰ اُن کو اس فعل بد کی جزا دیتا ہے۔ لیکن اس جزا پر ایک مناسبت سے مکر اور ٹھٹھے کا اطلاق آیا اور خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہوا۔ اور یہ ایک محاورے کی بات ہے اس پر طعن کرنا سراسر بیوقوفی ہے۔ بعض پادری اور ہندو مسلمانوں کو ان آیات سے اُن الزامات کا جواب دیا کرتے ہیں کہ جو اُن کی کُتب دینیہ سے ثابت ہوتے ہیں۔ جن میں خدا تعالیٰ کی ذاتِ مقدس میں جسمانیت اور حدوث اور جہل وغیرہ امور کو ثابت کیا ہے مگر یہ سراسر ناانصافی ہے یا ان آیات کے مطالب سے لاعلمی یا عمداً کجروی ہے۔

**طغیان** بالضم والکسر ایک جگہ مقرر سے تجاوز کرنا۔ بولتے ہیں طغی الماء جس وقت پانی اپنی حدود سے تجاوز کرتا ہے اور حد سے بڑھ جاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد سرکشی اور کفر میں حد سے بڑھ جانا ہے۔ لفظ شیطان کی تحقیق مقدمۂ کتاب میں ہو چکی ہے۔ یہاں اس سے مراد کفر کے سردار ہیں۔

**عمہ** اور عمی دونوں کے معنی اندھاپن اور نابینائی کے ہیں مگر عمی کا اطلاق ظاہری آنکھوں کے اندھا ہونے پر اور عمہ دل کی آنکھوں کے اندھا ہونے پر آتا ہے۔

## نکات

(۱) منافقین اپنی چالاکی سے ایمانداروں کو اُن کے بھولے پن سے بیوقوف سمجھ کر اپنا ایمان جتلانے میں قسم اور کلام مؤکد کی ضرورت نہ سمجھتے تھے سو اس کو تو خدا تعالیٰ نے آمنّا کے ساتھ تعبیر کیا اور کفار بالخصوص کفر کے سردار تو بڑے چلتے پُرزے اور پرلے درجے کے ہوشیار تھے وہ بغیر قسم اور کلام مؤکد کے کاہے کو اعتبار کرتے اس لئے اُن سے انّا معکم بتاکید کہتے اور بجائے کفر کے اُن سے معیت جتلاتے تھے۔

(۲) خدا تعالیٰ کے مقدس لوگوں سے ہنسی کرنا خدا تعالیٰ سے ہنسی کرنا ہے اور اُن کا ادب اور اُن سے محبت کرنا خدا تعالیٰ کا ادب اور اس سے محبت کرنا ہے۔ اس بات کے جتلانے کو خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ تم میرے بندوں سے ہنسی کرتے ہو۔ اُن کی طرف سے میں تمہارے ساتھ ہنسی کرتا ہوں کہ تم کو گمراہی میں چھوڑ رکھا ہے۔ جس کو تم بھلا سمجھتے ہو اور نتیجہ اس کا بُرا ہے۔

(۳) اللہ یستہزئ بہم میں لفظ اللہ کو مقدم کر کے یہ بات جتلا دی کہ کوئی اور نہیں بلکہ خدا تم سے ہنسی کر رہا ہے۔ پھر دیکھو اُس کی ہنسی کیسی ہے۔ جس طرح کوئی بادشاہ اپنے نمک حلال نوکر کی طرف سے اُس کے مخالف کو یوں کہے کہ تجھ سے بادشاہ مقابلہ کر رہا ہے تاکہ اس کو خوف پیدا ہو اور اپنی حرکتِ ناشائستہ سے باز آئے۔

(۴) اللہ مستہزئ نہ کہا کہ جو ظاہر میں مطابق تھا مگر اس نکتہ کے لئے یستہزئ جملۂ فعلیہ فرمایا کہ تجدد اور حدوث پر دلالت کرے اور وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے مصائب کا نازل ہونا ان کو معلوم ہو جائے کما قال اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ الآیۃ۔ اب اگلی آیتوں میں خدا تعالیٰ منافقوں کے اس فعلِ بد کا نتیجہ بڑے لطف کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے عمرِ عزیز صرف کر کے کیا حاصل کیا۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ

یہ (منافق) وہ لوگ ہیں کہ جنھوں نے ہدایت دے کر گمراہی خریدی۔

بِالْھُدٰی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ وَ

سو ان کی تجارت سے کچھ بھی نفع نہ ہوا اور

مَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ ⑯

نہ وہ (تجارت کرنا ہی) جانتے تھے۔

## ترکیب

اُولٰٓئک مبتدا۔ الّذین موصول۔ اشتروا الخ جملہ فعلیہ اس کا صلہ مجموعہ بن کر خبر ہوئی۔ فا تفریعیہ۔ ما حرف نفی۔ ربحت فعل۔ تجارتہم فاعل مجموعہ جملہ فعلیہ خبریہ معطوف علیہ اور وما کانوا مہتدین جملہ ہو کر اس پر معطوف۔

## تفسیر

یعنی وہ جو انسان کو خدا کی طرف سے ایک فطری ہدایت ہے (کہ اگر اُس کو کوئی عوارض و موانع پیش نہ آئے تو اُس کی وجہ سے نیکی اور حیاتِ ابدی کے رستہ پر چل سکے) ان منافقوں نے اپنے اندر اخلاقِ رذیلہ اور ملکات

بیماری دل کو حکیم روحانی سے بیان کر کے علاج پذیر بھی نہیں ہو سکتے اور خود بھی اندھے ہیں کہ از خود خدا کے آثارِ قدرت دیکھ کر راہ پر نہیں آسکتے جب یہ ہے تو اب ان کے ہدایت پر آنے کی کیا صورت؟ یا یوں کہو کہ انھوں نے آگ جلائی اور ارد گرد روشنی ہوئی۔ یعنی دنیا میں کلمۂ توحید کو آڑ کر بنا کر غنائم اور حفظ جان و مال وغیرہ فوائد حاصل کئے گر مرتے ہی یہ چراغ گل ہو گیا تو افعالِ بد اور جہلِ مرکب اور قبر کی تاریکیوں میں ہاتھ ملتے رہ گئے۔ اب وہاں نہ اکتسابِ حسنات کا کوئی ذریعہ ہے نہ وہاں سے رجوع کر کے پھر دنیا میں آسکتے ہیں۔

## متعلّقات

**مثلہم** مثل لغت میں بمعنی مثل اور مانند ہے۔ بولتے ہیں مِثل اور مَثَل ومثیل جیسا کہ شِبْہ وشَبَہ وشبیہ ایک ہی معنی کے لئے آتا ہے پھر مَثَل اُس کہاوتِ مشہور کو کہنے لگے کہ جس میں کسی کی غرابت (عمدگی) کی وجہ سے موقع بیان کو اصلی حال کے ساتھ تشبیہ دینا منظور ہو جس طرح ہمارے محاورے میں جہاں کوئی برعکس معاملہ ظہور میں آتا ہے تو یہ مثل کہتے ہیں + بیل نہ کودا کودے گون + یہ تماشہ دیکھے کون + یعنی جس کا حق کرنے کا تھا اُس نے یہ کام نہ کیا اب اس اصلی موقع کو اس کی اصلی حال کے ساتھ جہاں گونا گوں کو دنا فرض کیا گیا ہے تشبیہ دی گئی ہے اور مثل میں یہ شرط ہے کہ کوئی نادر بات ہو اس لئے اصل کلام کو نہیں بدلتے۔

تشبیہ اور مثل میں علماءِ بلاغت کے نزدیک یہ فرق ہے کہ مثل کلام مرکب ہوتا ہے اور تشبیہ مفرد کو شامل ہے جیسا کہ زید کو شیر کہا جاوے۔ امثال کے بیان کرنے سے دل میں معانی کا عمدہ طور پر جما دینا مقصود ہوتا ہے کیونکہ ایک خیالی اور معنوی بات کو محسوس بنا کر دکھا دیا جاتا ہے دیکھئے اگر کسی کا ضعف یوں ہی بیان کیا جاوے تو وہ اس قدر مؤثر نہیں ہوتا۔ جس قدر کہ اس کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دے کر بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور اسی رمز کے لئے حکماء اور خطباء اپنے کلام میں اکثر امثال لاتے ہیں اور اسی غرض سے کلام الٰہی میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے۔ اب تک بائبل میں بھی بے شمار امثال ہیں۔ قرآن میں بھی ہیں۔

**نار** آگ کو کہتے ہیں۔ اور نور اسی سے مشتق ہے۔ جس کے معنی روشنی کے ہیں۔

**ظلمات** ظلمت کی جمع ہے۔ جس کے معنے اندھیرا ہے اور چونکہ نار کو نور لازم ہے۔ اس لئے ایک کا دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

## نکات

(۱) استوقد نارًا کے بعد جواب شرط میں ذہب اللہ بنورہم فرمانا اور نارہم نہ کہنا یہ بات بتلا دیتا ہے کہ آگ جلانے سے ان کا مقصود روشنی تھی اُس مقصود کو خدا تعالیٰ نے فوت کر دیا انتفاءِ لازم سے انتفاءِ ملزوم کو خوب ثابت کر دیا اور ذہب کو بار کے ساتھ متعدی کیا نہ کہ ہمزہ کے ساتھ تاکہ اس کے بالکل بجھ جانے پر دلالت کرے۔ کہتے ہیں ذہب السلطان بمالہ جب کہ بالکل کچھ نہ چھوڑے اور اسی لئے ضوء کو ذکر نہ کیا اگر ذہب اللہ بضوءہم کہتے تو احتمال تھا کہ اصل نور باقی رہ گیا۔ ضوء جاتی رہی ہو۔

(۲) مثال ہی میں نور کے گم ہو جانے کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ (ذہب اللہ بنورہم) یعنی خدا تعالیٰ نے اُن آگ جلانے والوں کی آگ بجھا دی۔ حالانکہ اس موقع پر آگ یا چراغ جو بجھ جاتا ہے تو خود بخود یا ہوا سے بجھتا ہے۔ اس میں یہ باریک نکتہ ہے کہ دنیا میں جسقدر

**ف** مدینہ کے لوگ اوّل تو سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے خوش ہوئے تھے اور اس ابتدائی حالت میں ان پر اسلامی انوار پر تو افگن ہوئے اور ظلماتِ جہل اور شہوات دُور ہو گئے نیک و بد کا امتیاز ہونے لگا یہ تھی وہ روشنی جس کو خدا تعالیٰ نے روشن کیا تھا مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد بعض لوگ اغراضِ دنیا اور حُبِّ شہوات اور لذاتِ فانیہ میں پھر مبتلا ہو گئے جس کو نفاق سے تعبیر کیا ہے تو وہ انوار بھی اُن سے دُور ہو گئے اور پھر اپنی ظلمت میں حیران و پریشان ہو گئے ان کی اس حالت کو اس مثال میں بیان فرمایا۔ منہ

چیزیں اپنے اسباب و علل پر مرتب ہوتی ہیں۔ جن کی آنکھ میں نور حقیقی نہیں وہ تو اُس چیز کا سرزد ہونا اسی سبب اور علت سے جانتے اور اسی کو فاعل حقیقی یا موجد سمجھتے ہیں مگر جن کو چشم بصیرت عطا ہے وہ اپنی نظر کو قاصر نہیں کرتے بلکہ جس پر ان اسباب و علل کا سلسلہ تمام ہوتا ہے یعنی جو ان اسباب اور علتوں کا پیدا کرنے والا اور ان سبب کی علت ہے اس کی طرف نظر ڈالتے اور ان درمیانی اسباب و علل کو واسطۂ محض جان کر اس فعل کو اس مسبب الاسباب کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ پس اس رمز کو بتلانے کے لئے خدا تعالیٰ نے ذھب اللہ بنورھم فرمایا اور اسی طرح دیگر مقامات پر بھی ان افعال کو جو بظاہر کسی اور فاعل سے سرزد ہوتے ہیں اپنی طرف منسوب کیا ہے منجملہ اُن کے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے

سے گر گزندت رسد ز خلق مرنج + کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج ؛
از خدا دان خلاف دشمن و دوست + کہ دل ہر دو در تصرف اوست ؛
گرچہ تیر از کمان ہے گزرد + از کمان دار بیند اہل خرد ؛

**ف** ۔ بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ذھب اللہ الخ الگ جملہ ہے مثال اس سے تو تمام ہو چکی یہ جملہ صرف منافقوں کی حالت بیان کرنے کے لئے آیا ہے۔ اب خدا تعالیٰ ان منافقوں کے لئے ایک اور مثال بیان کرتا ہے تاکہ اس حال کی اور بھی وضاحت اور توضیح قباحت ہو جائے۔ پس فرماتا ہے:-

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ
یا (ان کی مثال) آسمانی بارش کی ہے جس میں اندھیریاں اور کڑک اور
وَّبَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ
بجلی بھی ہو (اور وہ) اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں
مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ
موت کے ڈر سے کڑکنے لیتے ہیں۔ اور خدا تو
مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾
کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

## ترکیب

مثلھم مبتدا محذوف۔ کصیب اس کی خبر تقدیر کلام یوں ہے او مثلھم کمثل اصحاب صیب۔ عطف جملہ کا پہلے جملہ پر ہوا اور یہ کاف موضع رفع میں ہے من السماء کائن کے متعلق ہو کر صیب کی صفت ظلمات و رعد و برق بواو عاطفہ مبتدا موخر فیہ خبر مقدم اور ضمیر فیہ کی راجع ہے صیب کی طرف یہ جملہ صیب کی صفت ہوا۔ یجعلون فعل بافاعل اصابعہم مفعول۔ فی آذانہم ظرف۔ اصابع من الصواعق متعلق یجعلون کے۔ حذر الموت مفعول لہٗ ہے یجعلون کا یہ جملہ مستانفہ ہے جو ان کا حال ظاہر کر رہا ہے اور ممکن ہے کہ حال ہو ضمیر فیہ سے اللہ مبتدا محیط بالکافرین خبر جملہ معترضہ ہے۔ محیط اصل میں محوط تھا حاطہ یحوط سے کسرہ واو کا کی طرف نقل ہوا تو واو یا بن گیا۔

## تفسیر

یعنی منافقوں کی مثال آسمانی بارش کی ہے (کہ جس میں سراسر نفع ہے گو بظاہر اس میں بجلی اور کڑک اور بادلوں اور بارش اور رات کی اندھیریاں بھی ہوتی ہیں) یعنی مشقت اعمال مگر جس طرح انسانی طبائع اس کڑک اور بجلی کی چمک سے گھبراتی ہیں کانوں میں انگلیاں کرتے ہیں آنکھوں کو بند کر لیتے ہیں کہ مہیب آواز سنائی نہ دے وہ چمک دکھائی نہ دے یعنی اس سے نفرت کرتے اور بھاگتے ہیں اسی طرح منافق اس آسمانی بارش سے جو حیات ابدیہ کا پانی ہے یعنی اسلام اور قرآن مجید اور اس کے مواعظ حسنہ اور وعدہ وعید سے جن کی کڑک اور چمک بجلی کی کڑک اور چمک سے زیادہ ہے دُور بھاگتے ہیں کانوں میں انگلیاں ڈالتے ہیں کہ وہ آیات اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ سننے میں نہ آویں اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح آنے والی مصیبتوں سے جو دنیا و آخرت میں حُبِّ شہوات و لذاتِ فانیہ سے پیش آنے والی ہیں بچ جائیں مگر ہادیٔ برحق کی اس تلخ دوا پیئے بغیر جس میں روحانی شفاء ہے اس مرض الموت سے نجات نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کا جملہ مخلوق پر بالخصوص

کفار پر قدرت کا پورا احاطہ ہے کوئی کہاں بھاگ کر جا سکتا ہے اور کسی کی تدبیر کا بے بنیاد قلعہ کیا پناہ دے سکتا ہے۔ ذرا سی تلخی دوا یعنی مشقتِ پابندئ احکام آلہی اور قدرے نفس کشی اور نفس کی مہار روکے بغیر جو اس کو لذاتِ مال و جاہ کے عمیق گڑھے میں لئے جاتا ہے دیگر تدابیرِ باطلہ سے شفاء ڈھونڈھنا اور مصائب سے بچنا حمق ہے۔

## متعلقات

**اَوْ** اصل میں شک کے لئے وضع کیا گیا ہے کہ جہاں دو باتوں میں شک کے طور پر برابری ہو وہاں اس کا استعمال ہوتا تھا۔ پھر مطلقاً دو چیزوں کی برابری بیان کرنے میں استعمال ہونے لگا کہ جہاں شک مقصود نہیں جیسا کہ بولتے ہیں جالس الحسن او ابن سیرین کہ خواہ تو حسن کے پاس بیٹھ یا ابن سیرین کے دونوں کے پاس بیٹھنا برابر ہے اس مقام پر بھی یہ کلمہ اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے کہ منافقوں کو خواہ آگ جلانے والوں سے تشبیہ دو خواہ مینہہ سے بھاگنے والوں سے دونوں برابر ہیں۔

**صیب** فیعل کے وزن پر صوب بمعنی نزول سے مشتق ہے جس کے معنی بارش اور بادل کے ہیں۔ مگر یہاں مراد بارش ہے۔

**السماء** چند معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اُفق کو بھی کہتے ہیں اور بادل کو بھی اور آسمان کو بھی۔ اصل میں سماء کا اطلاق اُوپر والی چیز پر ہوتا ہے خواہ وہ بادل ہو خواہ آسمان۔ اس جگہ بادل مُراد ہے کیونکہ بارش وہیں سے نازل ہوتی ہے اور آسمان مراد لینا بھی ممکن ہے۔

**رعد** اس آواز یا گرج کو کہتے ہیں کہ جو باہم بادلوں کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے جب کہ وہ ہَوا سے چلتے ہیں۔

**برق** وہ چمک اور روشنی ہے کہ جو بادلوں کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے جس کو بجلی کہتے ہیں حکماء کہتے ہیں کہ جب قوائے فلکیہ عناصر میں تسخین و تبخیر کرتے ہیں تو عناصر باہم مخلوط ہو جاتے ہیں پھر اُن سے گوناگوں مخلوقات پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ جب آفتاب کی گرمی پانی اور زمین پر پڑتی ہے تو دریا سے ابخرہ اور زمین سے دھواں سا اُٹھ کر آسمان کی طرف جاتا ہے پس دھواں کبھی کرۂ ہَوا سے بھی گزر جاتا ہے اور کرۂ آتش تک پہنچتا ہے تو اُس میں آگ لگ اُٹھتی ہے پس وہ شعلہ ہو کر کبھی تو رات کو دُم دار ستارہ سا نظر آتا ہے اور کبھی نیزہ اور کبھی کوئی اور جانور یا درخت کی صورت میں دکھائی دیتا ہے اگر وہ قدر قلیل ہے تو جلد جل کر تمام ہو جاتا ہے اور جو مادہ زیادہ ہوتا ہے تو مدت تک دکھائی دیتا ہے اور اس کی راکھ بھی بسا اوقات جھڑتی ہوئی لوگوں نے دیکھی ہے اور کبھی اُس دھوئیں میں شعلہ نہیں پیدا ہوتا تو آسمان و زمین کے درمیان ایک عجیب سرخی نمودار ہوتی ہے اور وہ **بخارات** جو پانی سے اُٹھتے ہیں اگر وہ لطیف ہوتے ہیں اور اس قدر اونچے جاتے ہیں کہ جہاں تک زمین کی گرمی نہیں پہنچتی تو وہاں کی سردی سے منجمد ہو جاتے ہیں اور ان کو **ابر یا بادل** کہتے ہیں اور اُن میں سے جو قطرات ٹپکتے ہیں اُن کو بارش اور کبھی وہ قطرات بُرودت کی وجہ سے منجمد ہو کر گرتے ہیں تو اُن کو **اولے** کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ بخارات مجتمع پر سردی پہنچی تو **برف** بن کر زمین پر گرنے لگتے ہیں اور جو پہلے ہی سے سخت ٹھنڈک پہنچتی ہے تو اولے بن کر گرتے ہیں۔ اور کبھی وہ بخارات طبقۂ زمہریر[1] تک نہیں پہنچتے بلکہ نیچے ہی کسی سرد جگہ میں برودت کی وجہ سے بادل بن جاتے ہیں جیسا کہ لوگوں نے بلند پہاڑوں پر دیکھا ہے کہ نیچے بخارات سے بادل بنا اور برسنے لگا اور جب وہ ابخرے بہت ہی کم ہوتے ہیں تو شب کی سردی سے **شبنم** بن کر ٹپکتے ہیں اور جب ان بخارات کے ساتھ زمین سے دھواں بھی مل کر اوپر چڑھتا ہے اور طبقۂ زمہریریہ میں بخارات تو سردی کی وجہ سے جم کر بادل ہو جاتے ہیں اور وہ دھواں اپنی حرارت سے بادل کو توڑ کر اُوپر یا نیچے جانا چاہتا ہے تو ایک سخت آواز پیدا ہوتی ہے کہ جس کو **رعد** کہتے ہیں یعنی گرج اور کڑک اور جو اس دھوئیں میں دُہنیت (چکنائی) کی وجہ سے اس حرکتِ عنیفہ سے شعلہ نکلتا ہے وہ اگر لطیف ہے تو اُس کو **برق**[2] کہتے ہیں یعنی بجلی

---

[1] یہ ہَوا کا وہ طبقہ ہے کہ جو نہایت ٹھنڈا ہے جہاں نہ زمین کی گرمی پہنچتی ہے نہ کرۂ آتش کی حرارت اثر کرتی ہے۔ منہ [2] ممکن ہے کہ برق اور رعد اور صاعقہ اس وجہ سے بھی ہوتی ہوں اور باہم بادلوں کی سخت رگڑ سے بھی۔ منہ

اور جو کثیف ہے تو اس کو صاعقہ کہتے ہیں جس کی جمع صواعق آئی ہے یعنی وہ بجلی کہ جو زمین پر گرتی اور آدمی کیا بلکہ درختوں کو بھی جلاتی اور پہاڑوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے اور اسی طرح زلزلہ اور چشموں کے جاری ہونے اور پہاڑوں میں سے آگ نکلنے اور دیگر عجائباتِ قدرت کے اسباب بھی بیان کرتے ہیں۔ لیکن غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں کے پیدا ہونے کے یہی اسباب نہیں بلکہ ان کے ساتھ اور بھی اسباب و علل ہیں اور یہ کہ خدا تعالیٰ نے جو سبب و علل کا پیدا کرنے والا ہے مواد اور صور توں پر ارواحِ مدبرہ مؤکل کر رکھی ہیں کہ جن کو زبانِ شرع میں ملائکہ کہتے ہیں جن کو ان اشیاء کے وجود میں دخل ہے ورنہ صدہا بار ایسے بخارات اور ادخنہ اٹھتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ یہ چیزیں نہیں پیدا ہوتیں؟ وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ ملائکہ بادلوں کو کھینچتے ہیں اور رعد فرشتے کا کوڑا ہے اُن سے یہی مراد ہے لیکن عقلِ ناقص تو انہیں اسبابِ ظاہرہ تک پہنچ کر رہ جاتی ہے اور اس لئے سینکڑوں کم عقل خدا کے منکر دہریہ ہو گئے مگر عقلِ کامل ان اسباب و علل کا سلسلہ جنابِ باری تک پہنچا کر ہر ایک چیز کو اُس کے یدِ قدرت سے جانتی ہے اور پھر ان عجائباتِ قدرت سے اُس کی عظمت و جلال پر ایمان لاتی ہے اس لئے انبیاء اور حکماء میں فرق ہے اب اس آیت میں خدا تعالیٰ اس مثال کی اور زیادہ تشریح کرتا ہے:۔

| |
|---|
| يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا |
| بجلی ان کی بینائی کو اُچک لیتی ہے جب ان کو روشنی معلوم ہوتی ہے تو |
| اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڷ وَاِذَآ اَظْلَمَ |
| اُس میں چلنے لگتے ہیں۔ اور جب اُن پر اندھیرا |
| عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ |
| چھا جاتا ہے تو ٹھیر جاتے ہیں اور اگر خدا تعالیٰ چاہے تو اُن کی |
| بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي |
| شنوائی اور بینائی کو کھو دے۔ بے شک اللہ |
| كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⓴ |
| ہر بات پر قادر ہے۔ |

ع ۲ ۱۴ ۲

# ترکیب

یکاد فعل۔ البرق اسم یکاد۔ یخطف ابصارہم جملہ فعلیہ اس کی خبر یہ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ مستانفہ ہوا گویا کہ کوئی پوچھتا تھا کہ اس کڑاک میں اُن کا کیا حال ہے۔ فرمایا کہ گویا بجلی کی چمک سے اندھے ہی ہو جاویں گے۔ کلما کلمہ شرط اضاء لہم بمعنی لمع لہم شرط مشوا فیہ جملہ جواب شرط فیہ ای فی ضوء البرق یہ جملہ بھی مستانفہ ہے گویا کوئی سوال کرتا تھا کہ اس چمکنے اور تھم جانے میں وہ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا ذرا سی روشنی ہوئی تو چل پڑے ورنہ وہیں کھڑے رہے۔ اذا کلمہ شرط۔ اظلم علیہم جملہ شرط۔ قاموا جملہ فعلیہ جواب شرط لو حرف شرط۔ شاء فعل۔ اللہ فاعل۔ لذہب الخ جملہ اس کا جواب اور مفعول شاء کا ان یذہب بسمعہم محذوف۔ کس لئے کہ جواب اس پر دلالت کرتا ہے۔ ان مشبہ بالفعل۔ اللہ اس کا اسم اور علی کل شیء قدیر اس کی خبر۔

# تفسیر

یعنی جس طرح بارش میں بجلی کی چمک سے آنکھیں چندھیائیں اور بند ہو جاتی ہیں اور جب بجلی کی چمک ہوتی ہے تو انسان چلنے لگتا ہے ورنہ خوفِ راہ سے اندھیرے میں ٹھیر جاتا ہے۔ یہی حال ان منافقوں کا برقِ ایمان اور نورِ قرآن سے ہے کہ ان کی آنکھیں خیرہ اور چندھیائی جاتی ہیں اور اس روشنیِ حق کے دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی ہیں۔ جب اسلام کی بجلی چمکتی ہے تو چلتے ہیں یعنی جب فوائدِ ظاہریہ غنیمت وغیرہ پیش آتے ہیں تو

[1] بعض حکماء نے جو علمِ طبیعیات کے دو چار رسالے پڑھ لئے ہیں یہ کہا کہ خدا کی کیا ضرورت ہے اگر توپ کے ہزار دو ہزار فیر کر دیئے جائیں تو دھوئیں کا بادل بن کر برسنے لگے۔ چنانچہ امریکہ میں فلاں نے ایسا کیا اور بچہ پیدا ہونے کے لئے فلاں مسٹر نے ایک کل تیار کیا ہے اگر اس میں منی ڈال دی جائے تو بچہ بن جاتا ہے الخ۔ افسوس کہ یورپ کی روشنی نے ان حکماء کو اندھا

۲ بھی اندھا کر دیا۔ منہ

راہِ اسلام پر چلنے لگتے ہیں ورنہ پھر اپنی جبلی کجروی سے رُک جاتے ہیں یا یوں کہو کہ جب آنحضرت علیہ السلام کے معجزات و آیاتِ بینات کی برق چمکتی ہے تو اُس وقت اضطرار دل سے تصدیق کر لیتے ہیں ورنہ پھر تاریکیٔ شکوک و شبہات میں آکر رُک جاتے ہیں اور برق قرآن کی روشنی سے آنکھیں بند کرنا بے فائدہ ہے۔ اوّل تو اس سے بصیرت دُور نہیں ہوتی اور جو خدا چاہے تو یوں بھی اُن کو اندھا اور بہرا کر سکتا ہے کس لئے کہ وہ ہر بات پر قادر ہے۔

## نکات

(۱) لفظ لَوْ سے یہ بات ثابت کر دی کہ ہر انسان کے آلاتِ ادراک خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہیں مگر جب وہ اُن کو اس کے حکم کے موافق استعمال میں نہیں لاتا تو خوف کرنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اُن کو معدوم نہ کر دے اور جتنی دیر ... معدوم نہیں ہوئے اس میں غرہ نہ کرنا چاہیئے کس لئے کہ ہر گناہ کی سزا میں جو دیر ہو تو مغرور نہ ہونا چاہیئے کیونکہ وہ سزا اُس کی قدرت سے باہر نہیں یہ دیر کسی مصلحت یا رحمت سے ہے۔

(۲) اس جملہ ولوشاء اللہ الخ کو ذکر کر کے بعد میں اِنَّ اللہَ علٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر کہنا دعویٰ کو دلیل سے ثابت کر دینا ہے اور اس کا نکتہ اربابِ فہم سے مخفی نہیں ہے۔

(۳) اگرچہ کلّما و اذا کلماتِ شرط ہیں مگر تاہم باہم فرق ہے۔ کلّما میں معنیٔ شرط زائد ہیں اس لئے اس کو اضاءلہم کے ساتھ اور اذا کو اظلم کے ساتھ ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس ابرِ رحمت سے بھاگنے کی نہایت حرص اور سخت رغبت تھی اور ذرا مینہ میں ٹھیرتے ہیں تو بجبرِ جابر اور قسرِ قاسر ورنہ بالطبع اس حیاتِ ابدی کے مینہہ سے بھاگتے ہیں۔

## ربط

سب سے پیشتر نبی کو یہ ضرور ہے کہ اپنی کتاب کا کتابِ الٰہی ہونا ثابت کر دے اور جب اس کو محکم دلائل سے ثابت کر چکے اور یہ اوّل مرحلہ طے ہو چکے تو پھر جو کچھ مقصودِ اصلی ہو اس کو بیان فرما دے کہ جس کے لئے وہ دنیا میں بھیجا گیا ہے اور جس لئے اُس کی اطاعت بندگانِ خدا پر فرض ہوتی ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے الٓمٓ ذٰلک الکتٰب الخ میں قرآن کا کتابِ الٰہی ہونا بیان کیا اور اس کی یہ خاصیت بتلائی کہ اس سے ازلی نیک بختوں یعنی متقیوں کو ہدایت ہوتی ہے اور وہ ان اوصاف سے متصف ہوتے ہیں اور جب ان نیکوں یعنی متقیوں کا ذکر کیا تو ان کے مقابلہ میں بحکم تعرف الاشیاء باضدادہا بد بختوں کے دونوں گروہوں کفار اور منافقین کا بھی ذکر کیا تاکہ تقویٰ اور ہدایت کی بھلائی اور کفر و نفاق کی بُرائی مخاطب کے سامنے محسوس ہو جائے پس جب یہ مرحلہ طے ہو چکا اور بندے کو سعادت اور ہدایت کا از بس مشتاق کر دیا تو مقصودِ اصلی یعنی عبادت کا ذکر کیا اور یہ بتلا دیا کہ اس عبادت سے وہ صفتِ تقویٰ کہ جس کے تم مشتاق ہو اور جو سعادتِ ابدی اور ہدایتِ قرآنی کا ذریعہ ہے تم کو حاصل ہو جائے گا۔ پس فرمایا:

يَآيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ

لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کیا کرو کہ جس نے تم کو اور

خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

تم سے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار

تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ

ہو جاؤ جس نے کہ تمہارے لئے زمین کا

فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ

فرش اور آسمان کی چھت بنا دی اور آسمان سے پانی

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ

برسایا پھر اس سے تمہارے کھانے کے لئے پھل نکالے

رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا

پھر کسی کو بھی خدا کا شریک نہ بناؤ

وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

حالانکہ تم جانتے بھی ہو۔

## ترکیب

یا۔ حرفِ ندا۔ ایّہا النّاس منادیٰ۔ اعبدوا فعل با فاعل۔

ربکم اس کا مفعول موصوف اَلّذی موصول خلقکم صلہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ والذین من قبلکم ای والذین خلقھم من قبل خلقکم صلہ موصول جملہ ہو کر معطوف ہوا معطوف علیہ اور معطوف مل کر دونوں صفت ہوئے ربکم کی لعل مشبہ بفعل کم اسم تتقون جملہ اسکی خبر اَلّذی موصول جعل فعل با فاعل لکم متعلق بہ جعل الارض مفعول اول فراشا مفعول ثانی واو حرف عطف السماء معطوف بر الارض یعنی جعل السماء بناء مفعول ثانی یہ سب جملہ صلہ ہوا الذی کا و انزل فعل با فاعل من السماء من ابتدائیہ متعلق ہے انزل سے ماءً مفعول انزل کا فاخرج فعل با فاعل بہ ای بالماء متعلق ہے اخرج کے من الثمرات میں منْ تبعیضیہ بمعنی بعض الثمرات مفعول ہوا اخرج کا اور رزقا لکم مفعول لہٗ ہوا یا رزقا مفعول ہے اخرج کا اور من الثمرات اس کا بیان ہے فلا تجعلوا فعل با فاعل للہ متعلق ہے لا تجعلوا کے اندادًا مفعول ہے اور انتم تعلمون جملہ فعلیہ خبریہ حال ہے ضمیر فاعل لا تجعلوا سے پس انزل مع جمیع متعلقات معطوف ہوا جعل پر اور صلہ میں داخل ہوا اور یہ موصول وصلہ دوسری صفت ہے رب کی۔

## تفسیر

یعنی اے لوگو رب کی عبادت کرو کہ جس نے تم کو اور تم سے جس قدر پہلے ہیں سب کو معدوم سے موجود کر دیا پھر جو اس قدر قدرت و عظمت رکھتا ہے وہی مستحق عبادت ہے نہ کہ تمہارے خیالی معبود اور وہمی پروردگار اور عبادت اس لئے کرو کہ اس سے تم کو صفت تقوٰی حاصل ہو جائیگی کیونکہ عبادت ہمہ تن جناب باری تعالیٰ کی طرف بعجز و انکسار متوجہ ہونے کو کہتے ہیں۔ پس جب بندہ اپنی روح سے اور اپنے جسم سے اس کی طرف متوجہ ہوتا اور اُس کے آگے سر عجز و نیاز رکھتا ہے تو اس کی روح پر انوار باری تعالیٰ کی ایسی چمک پڑتی ہے جیسی آفتاب کی آئینہ میں جب یہ حال ہوگا تو بالضرور متقی ہو جائے گا اور سعادت ابدی کا حصہ پاوے گا۔ دنیا میں دیکھئے جب گھڑی دو گھڑی لوہا آگ میں رہتا ہے تو اس کی صحبت سے گرم بلکہ انگارا ہو جاتا ہے اور جب پھول کو کسی کپڑے میں رکھتے ہیں تو وہ خوشبو سے بس جاتا ہے۔ الغرض ہر مؤثر کا متاثر میں اثر ہوتا ہے۔ پھر جناب باری تعالیٰ کا روح پر اثر نہ پڑنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ ضرور قوی اثر پڑتا ہے کہ جس سے کبھی کبھی بندہ سے برخلاف اسباب عادیہ وہ باتیں بھی سرزد ہونے لگتی ہیں جو فوق قدرت انسانیہ سمجھی جاتی ہیں اور چونکہ عبادت بندہ اور خالق میں ایک عجیب رابطہ اور نسبت شریفہ ہے تو اس لئے ضروری ہوا کہ یہ تعلق کسی اور کے ساتھ نہ کیا جائے لہٰذا معبود کی شناخت بھی بیان کر دی کہ وہ رب ہے جس نے تم کو اور تم سے سب پہلوں کو پیدا کیا اور وہ ہے کہ جس نے تمہارے آرام کے لئے زمین کو فرش بنایا یعنی اُس کے ایک ٹکڑے کو چوطرفہ پانی سے باہر لایا اور پھر اُس کو نہ ایسا نرم کیا جیسا کہ گارا یا ہوا نہ ایسا سخت و مدور کیا کہ جس پر سے انسان لڑھک پڑے بلکہ ایسا کہ اُس پر تمام لوگ رہتے اور سوتے اور بیٹھتے اور چلتے پھرتے ہیں۔ یہ بڑی بھاری نعمت ہے اور رب تو وہ ہے کہ جس نے آسمان کو تم پر خیمہ بنا دیا گویا زمین فرش اور آسمان اس کی چھت ہے اور پھر اُس ربّ نے اس گھر میں کہ تمہاری روزمرہ دعوت اور ضیافت کا بھی عجیب سامان کیا کہ اُوپر سے پانی برسایا اور اُس سے رنگ برنگ کے پھل اور پھول پیدا کئے کہ جن کو تم کھاتے آرام و راحت پاتے ہو اور جس میں یہ تین وصف نہیں وہ حقیقی رب نہیں۔ اوّل تمام مخلوقات کا پیدا کرنا دوم آسمان کو خیمہ اور زمین کو فرش بنا کے اس پُرتکلف مکان میں رکھنا۔ سوم قسم قسم کے کھانے کھلانا، اور جو رب نہیں وہ عبادت کے قابل بھی نہیں۔ اس لطیف بیان سے تمام خیالی معبودوں کی عبادت اور بتوں کی پرستش کو باطل کر دیا۔ فرمایا کہ باوجود اس علم کے جو ہر انسان کو عطا ہوا ہے خدا تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اس میں اشارہ ہے کہ مشرکین ذرا بھی غور و تامل کریں تو کسی کو شریک نہ بنائیں۔

## متعلقات

لَعَلَّ زبان عرب میں اس جگہ پر بولتے ہیں کہ جہاں کسی چیز کے حاصل ہونے کی توقع اور امید ہوتی ہے اور یقین نہیں ہوتا ہے گو اس لحاظ سے جناب باری تعالے کا اس کلمہ کو استعمال میں لانا محال معلوم ہوتا ہے

مگر خدا تعالیٰ کا استعمال کرنا جب محال ہوتا کہ جب اُس کو کسی چیز کے علم میں شک و تردد ہوتا لیکن چونکہ وہ بندوں کے محاورہ میں کلام کرتا ہے اور جس موقع پر بندے اس کلمہ کو استعمال کرتے ہیں وہ بھی کرتا ہے جس طرح کہ رحمت و غضب مُنہ و قدم وغیرہا الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ اب یہ تاویلات کرنا کہ لَعَلَّ بمعنی شک کے ہے یا توقع بحال مخاطب ہے بے فائدہ ہے۔ اَنْدَادًا نِدّ کی جمع ہے اور نِد اُس کو کہتے ہیں کہ جو برابر کا مخالف ہو مشرکین گو کسی کو خدا کے برابر ذات میں نہ سمجھتے تھے مگر جب عبادت و استعانت نذر و نیاز ادب و تعظیم اُن کی بھی اسی طرح کرتے تھے کہ جس طرح خدا کی تو گویا انہوں نے اپنے معبودوں کو خدا تعالیٰ کے برابر سمجھا۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ اگرچہ بظاہر عبادت اور تقویٰ ایک چیز ہے اور اس تقدیر پر کلام کی یہ صورت ہو جاوے گی، عبادت کرو تاکہ تم عبادت کرنے والے ہو جاؤ۔ لیکن ابتداء کے لحاظ سے تقویٰ اور عبادت دو چیزیں ہیں کس لئے کہ عبادت کے معنے نسبت عبودیت کی تصحیح کرنا ہے اور اس کا درجۂ اخیر تقویٰ ہے اور ممکن ہے کہ تقویٰ کے لغوی معنے مراد لئے جائیں یعنی عبادت کرو تاکہ روح کو قوت اور نفسِ بہیمیہ کو ضعف حاصل ہو جس سے گناہوں سے بچو اور غضبِ الٰہی سے مامون اور محفوظ رہو اور اسی لئے اربابِ کشف نے فرمایا ہے کہ جس قدر ذکرِ الٰہی اور اُس کی طرف توجہ کرنے سے روح کو صفائی اور گناہوں سے نفرت ہوتی ہے وہ مہینوں کی ریاضت اور نفس کُشی اور فاقہ سے حاصل نہیں ہوتی چنانچہ کلامِ ربانی میں بھی آیا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ کہ نماز زنا اور بُری باتوں سے روکتی ہے۔ منجملہ اور فوائد عبادت کے ایک بڑا فائدہ تصحیح اخلاقِ فاضلہ ہے۔

## نکات

(۱) اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس آیت میں عبادت کا حکم دیا کہ جو خدا تعالیٰ اور بندہ میں نہایت عمدہ رابطہ ہے اور چونکہ عبادت نفس پر نہایت شاق اور سخت گراں گزرتی ہے اور علاوہ اس کے آنحضرت علیہ السلام کے عہد میں تمام عالم میں مخلوق پرستی کی اندھیریاں ابر سیاہ کی طرح محیط تھیں بالخصوص مکہ میں عموماً بت پرستی تھی اور صدہا لوگ الحاد و دہریت کی وادیٔ ضلالت میں حیران و سرگردان تھے نہ عالم کی ابتداء نہ انتہا مانتے تھے نہ اس عالم کے بانی کا وجود تسلیم کرتے تھے نہ عالمِ آخرت کے ثواب و عقاب جزاءِ اعمال کے معتقد تھے جیسا کہ آج کل یورپ میں ایسے ہزاروں آدمی ہیں۔ پس ان لوگوں کو مخاطب بنا کے بلا دفعِ شکوک عبادت کا حکم دینا اپنی ذات و صفات کا ثبوت نہ کرنا مفید مدعیٰ نہ تھا اسی لئے خدا تعالیٰ نے اس آیت میں ان باتوں کا تدارک کر دیا یعنی یوں نہ کہا کہ میری عبادت کرو یا خدا تعالیٰ کی عبادت کرو بلکہ یوں فرمایا کہ اپنے ربّ یعنی ہر وقت پرورش کرنے والے کی عبادت کرو اور جبلّی بات ہے کہ جب کسی شخص سے طاعت یعنی مقصود ہوتی ہے تو اُس کو اپنی نعمتوں اور بخششوں کو یاد دلاتے ہیں اُس وقت آقا و ولی النعمت کی اطاعت کرنے کو از خود دل چاہتا ہے۔ اس لئے اعبدوا ربکم فرمایا۔ اس کے بعد نفس کو اور بھی نعماء بے حد یاد دلا کر عبادت کا مشتاق کیا اور مشقتِ عبادت کو آقاء نامدار کے بے حد احسانوں کے مقابلہ میں نہایت سبک کر دیا کہ اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ اس ربّ کی عبادت کرو کہ جس نے تم پر بے حد احسان کئے کہ تم کو اور تمہارے بزرگوں کو پیدا کیا نہ یہ کہ کچھ دام لے کر مول لیا جس حالت میں کہ چند روپیہ دے کر خرید لینے سے غلام پر کیسے کچھ حقوقِ عبادت و طاعت فرض ہو جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ جس نے زندگی عطا فرمائی اور ہاتھ پاؤں، ناک وغیرہ صدہا بے بہا نعمتیں عطا کیں اور یہ عنایت نہ صرف تم پر بلکہ تمہارے آباء و اجداد پر بھی ہے یعنی تم قدیمی خانہ زاد اور پروردۂ نعمت ہو۔ جب بندہ ان معانی کا لحاظ کرے گا تو اُس کی سو جان سے فدا ہو گا ؎ لے خدا قربانِ احسانت شوم ✦ این چہ احسان است قربانت شوم ✦ اس جملہ سے جس طرح نفس کو مشقتِ عبادت اُٹھانے پر آمادہ کر دیا اسی طرح اس سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ عبادت خاص اُسی کی ذاتِ پاک کا حق ہے۔ کس لئے کہ خدا کے سوا جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو ان میں کسی نے بھی نہ تم کو پیدا کیا ہے نہ تمہارے باپ دادا کو نہ تمہاری پرورش کی ہے کیونکہ جس طرح تم محتاج ہو اسی طرح وہ چیزیں بھی۔ پھر اُن کو بلا وجہ کسی امر کا مالک سمجھ کر

عبادت کرنا خیالِ باطل اور ظلمتِ ہیولانیہ کا مقتضی ہے سینکڑوں جاہل حضرات اولیاء و انبیاء و ملائکہ و دیگر محسوس چیزوں اور ارواحِ غیر مرئیہ کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری حاجات کو پورا کرتے ہیں اگر ہم اُن کی پرستش نہ کریں تو ہمارے کاروبار میں فرق آجاوے اور وہ لوگ ہم کو مضرت پہنچائیں اور اس پر اتفاقاً مراد کا حاصل ہو جانا یا کسی عبادت میں اتفاقاً کوئی حادثہ پیش آنا اُن کے خیالِ باطل کی اور بھی قوی دلیل ہو جاتا ہے مگر درحقیقت یہ قوتِ وہمیہ کی کارگری ہے اور کچھ نہیں جس طرح شب کو تنہا مکان میں عوام کو مُردہ سے ڈراتی اور بلند مکان پر چلنے سے پاؤں لڑکھڑاتی ہے اسی طرح ان لوگوں سے نفع نقصان پہنچنے کا اعتقاد بھی یہی قوتِ متوہمہ دلاتی ہے ورنہ امکان اور احتیاج میں دونوں برابر پھر عبادت ناحق ہے۔ اور جس طرح اس برہان نے شرک کی جڑ کو کاٹ دیا اسی طرح اس نے الحاد اور دہریت کے درخت کو بھی جڑ پیڑ سے اکھاڑ دیا کیونکہ اپنا حادث ہونا اور عالم کا نیست سے ہست میں آنا تو ایسا بدیہی امر ہے کہ جس میں کسی ملحد یا دہریہ کو کچھ بھی شک نہیں جس دہریہ سے چاہے پوچھ دیکھئے کہ تمہاری کتنی عمر ہے وہ ضرور بیس۲۰ تیس۳۰ چالیس۴۰ پچاس۵۰ کوئی عدد یقینی یا تخمینی بیان کرے گا جس کے یہ معنی کہ ہم کو موجود ہوتے اتنے برس ہوئے اب اُس سے پوچھیے کہ آیا آپ خود بخود پیدا ہو گئے یا کسی نے تم کو پیدا کیا ہے اور پھر وہ پیدا کرنے والا ممکن ہے یا واجب یہ تو ظاہر ہے کہ وہ خود بخود پیدا نہیں ہوا ورنہ واجب الوجود ہوتا اور ہمیشہ سے پایا جاتا اور پھر معدوم نہ ہوتا کیونکہ جس کا وجود اپنا ہوتا ہے وہ ہمیشہ رہتا ہے یہ بدیہی بات ہے اور یہ بھی ظاہر ہے

کہ اُس کا پیدا کرنے والا ممکن نہیں ورنہ تسلسل لازم آئے گا۔ اور پھر اُس ممکن کے پیدا کرنے والے اور پھر اُس کے پیدا کرنے والے میں کلام کیا جاوے اور یہ سلسلہ کسی واجب الوجود کی طرف منتہی ماننا جاویگا۔ جس نے ہم کو اس خوبی اور محبوبی کی شان میں پیدا کیا وہ رب ہے جس کا ہر زبان میں ایک جُدا نام ہے اور جب وہ خالق ہے تو اُس میں علم و قدرت حیات ارادہ وغیرہ وغیرہ عمدہ صفات بھی ہیں خواہ وہ عین ذات ہوں یا غیر خواہ لا عین و لا غیر۔

(۲) خدائے پاک نے منکر کے روبرو اس آیت میں چند دلائل سے اپنا وجود اور اپنی صفات کا ثبوت نہایت خوبی سے واضح کر دیا اور لطف یہ ہے کہ وہ دلیلیں بیان کیں کہ اُس کے انعام بے حد اور لطف سرمد کو بھی بیان کرتی ہیں اور وہ دلیلیں یہ ہیں (۱) مکلفین کا پیدا کرنا (۲) اُن کے بزرگوں کا اور اُن سے پہلے جس قدر چیزیں کہ جن کو اُس کے وجود سے نہایت تعلق ہے اور جن کو جاہل خالق یا شریک خالق سمجھ بیٹھا ہے پیدا کرنا۔ (۳) زمین کا اس ہیئت سے پیدا کرنا کہ جس پر لوگ زندگی بسر کر سکتے ہیں (۴) آسمان کا پیدا کرنا کہ جس کی تاثیرات سے زمین کی چیزیں نشو و نما پاتی ہیں (۵) بارش سے ہر قسم کا غلہ اور پھل اور اناج کا پیدا کرنا کہ جو حیوانات کی زندگی کا سبب ہے۔

(۳) ان دلائل کے بیان کرنے میں بھی ایک عجیب لطف رکھا ہے اور وہ یہ کہ مخاطب کے ذہن میں جو چیز مقدم تر قابل استدلال تھی اُس کو مقدم کیا اور جو مؤخر تھی اُس کو بعد میں ذکر کیا پس سب سے مقدم انسان اپنی ذات اور اپنے حالات پر بخوبی غور کر سکتا ہے اور اسی لئے کسی عارف نے فرمایا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اس لئے سب سے پیشتر یہ فرمایا کہ الّذی خلقکم انسان جب اپنے حالات پر غور

له عیسائی اب تک حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا جانتے ہیں اور اُن سے استعانت کرتے ہیں دعا مانگتے ہیں یہودی بھی حضرت عزیر علیہ السلام اور بہت سے صلحاء و ابرار کو قاضی الحاجات و دافع البلیا جانتے تھے۔ مشرکین عرب نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے نام سے بُت خاص خانہ کعبہ میں پرستش کے لئے رکھ چھوڑے تھے عزیٰ و لات و مناۃ وغیرہ اصنام کی پرستش جو صلحاء کے نام دستور تھا ہنود اب تک اپنے نام نہاد مورتوں کو پوجتے ہیں۔ مہادیو۔ بشن۔ کرشن۔ رامچندر۔ ہنومان وغیرہ کی مورتیں اب بھی مندروں، شوالوں میں نصب ہیں اُن پر قربانی کرتے ہیں، نذریں چڑھاتے ہیں، سجدے کرتے، دعائیں مانگتے ہیں ان کو نافع و ضار سمجھتے ہیں یہی عبادت ہے اسی کو نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم کی معرفت حق سبحانہ منع و حرام قرار دے کر اپنی ذات سے مخصوص فرمانا جو اسلام کے منجانب اللہ ہونے کی یہی ایک دلیل کافی ہے۔ منہ

کرے گا اور یہ دیکھے گا کہ میں ہمیشہ سے نہیں ہوں بلکہ آنا فانا میرا وجود اور اُس کے متعلق سب باتیں کہیں اور سے عطا ہوتیں ہیں اور یہ بھی سمجھے گا کہ وہ معطی نہ انسان ہے (کیونکہ انسان باہم برابر ہیں) نہ کوئی اور ممکن کیونکہ ہر ممکن محتاج ہے پھر اسی طرح جب اپنے قوای باطنہ اور ظاہرہ میں غور کرے گا تو بلاشک جہل کا پردہ اُٹھ جاوے گا اور اُس کو چشم بصیرت سے ممکنات سے بالاتر ایک واجب الوجود نظر آئے گا جس کے وجود کے سامنے جملہ وجودات نیست ہیں چہ جائیکہ کوئی اس کا شریک ہو ؎ ۔ ہمہ اغیر خدا در دو جہاں چیزے نیست ؛ اور وہ واجب الوجود جملہ صفاتِ کمال سے آراستہ و پیراستہ بھی دکھائی دے گا اور جب وہ معبودِ حقیقی جو جمال و کمال ہے اس طرح اور اس خوبی سے متجلی ہوگا تو پھر کس پروانہ کی مجال ہے کہ اس پر فدا نہ ہو ؎ سرو می جنبد بصحن بوستان ÷ در ہوائے قامت دلجوئے تو ؛ یہ ہیں معنی اس آیت کے یاایہا الناس اعبدوا الآیہ اور الذی خلقکم الخ اور الذی جعل لکم الارض فراشا الخ پہلے الذی سے دلائل النفس شروع ہوتے ہیں کیونکہ اور مخلوق میں نظر و استدلال کر کے مقصود تک پہنچنے کی بہ نسبت اپنے اندرونی و بیرونی حالات اور ظاہر و باطن صفات میں غور کر کے شاہد مقصود کی بارگاہِ اقدس تک پہنچنا اسہل ہے کس لئے کہ حضرت انسان بجائے خود ایک جہان ہے جس میں سینکڑوں ہزاروں قدرت کے نمونہ ہیں اور ہر ایک نمونۂ قدرت جمال جہان آرا کے لئے آئینہ ہے اور ہر ایک آئینہ بغور نظر کرنے کے بعد معبود حقیقی کا رُو نما ہے پھر اس عالم صغیر کی بھی دو قسم ہیں ایک تو یہی غور کرنے والا خود ہی اس کی دلیل ہے۔ دوم اس کے ہم نوع و ہم جنس و ہم صنف دیگر لاکھوں کروڑوں قسم قسم کے انسان جو اس سے پہلے آئے اور چلے گئے ان میں غور و نظر سے ایک تو وہی قدرت کے نمونے نظر آئیں گے دوسرے ان کی وہ آمد و شد ایک دوسرا جلوۂ قدرت دکھلائے گی کہ یارب یہ بیشمار مخلوق جن میں بڑے بڑے زور آور، قد آور حسین و جمیل والیٔ ملک اہلِ کمال بھی تھے۔ جن کی یادگاریں اب تک ان کے حال پر آیۂ فاعتبروا یا اولی الابصار پڑھ کر اشک حسرت بہا رہی ہیں کہاں سے آئے تھے اور کیوں آئے اور کیوں چلے گئے اور کہاں گئے اور اب جو آرہے ہیں اور جا رہے ہیں کہاں جاتے ہیں۔ کیا کوئی اور جہان ہے جہاں سب جمع ہوتے جاتے ہیں کیا باختیار خود آئے یا بے اختیار اور بے اختیار ہی چلدیئے ؎ لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے ÷ اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے ؛ تھوڑی دیر اس کتابِ قدرت کے مطالعہ کے بعد قلب پر ایک عجیب نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور پردہ راز کھل جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اکتسابِ حسنات و سعادت کے لئے آئے تھے جو اس جہان کا توشہ اور حیاتِ جاودانی کا ذریعہ ہے یاایہا الناس اعبدوا ربکم کا حکم محکم اس قادرِ کریم کی عین رحمت ہے۔

اس کے بعد دلائلِ آفاق قائم کئے جن سے رب اور اُس کی ربوبیت اور پھر اُس کے لئے عبادت قائم کرنا اشیاء مذکورہ ذیل میں نظر کرنے سے بخوبی منکشف ہو جاتا ہے۔ فقال الذی جعل لکم الارض فراشا یعنی اس رب کی عبادت کرو کہ جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا اس مقام پر اپنی قدرت و ربوبیت کے تین نشان بتلائے اوّل یہ کہ اُس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا زمین جو پانی یعنی سطح بحر سے منکشف ہے جس کا بہت سا حصہ خطِ استوای سے شمالی طرف اور قدرے جنوبی طرف ہے جس کی تصریح جغرافیوں میں ہے وہی مسکن حیوانات و اشجار بلکہ وطن بنی آدم ہے یا یوں کہو ان چلتے پھرتے ہنستے بولتے[1] دل بھانے والے اشجار کا یہی کھیت ہے اب خواہ اس کو ساکن کہو یا متحرک کروی کہو یا بیضوی اس تحقیق فلسفیانہ سے کوئی بحث نہیں مگر اس کو قابلِ سکونت بنی آدم کر دیا ہے نہ پانی کی طرح نرم نہ ایسی سخت کہ اس پر نباتات نہ اُگیں نہ اس کی کرویت بنی آدم کی بود و باش کے منافی ہے بلکہ اُس پر رہ کر ہر طرح سے آرام پاتے اور اُس کے منافع حاصل کرتے ہیں یہ مراد ہے فرش بنانے سے جو چیز کسی کے لئے مسخر ہوتی ہے اس کو بھی محاورۂ عرب میں فرش سے بطور استعارہ و کنایہ تعبیر کرتے ہیں اب اس میں تھوڑی دیر غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کرۂ ارض جس کی طبیعت ایک ہے کس نے

[1] یعنی بنی آدم۔ منہ

ان مقامات سے بلند کردی اگر یہ اس کا طبعی کام ہوتا تو ہر جگہ مساوی ہونا چاہیے تھا پھر صرف بلند کر کے سطح بحر سے بالا ہی نہیں کیا بلکہ اس میں پہاڑ اور پہاڑوں میں سے چشمے اور انہار اور گوناگوں اشجار ایسے پیدا کئے جن کے بغیر انسانی تمدن باطل یا ناقص ہے اور یہ سب کچھ اتفاقی کام نہیں بلکہ ایک بڑے مُدبّر عاقبت اندیش کا ایسا حکیمانہ فعل ہے کہ جس میں عمیق نظر اور کامل غور کے بعد (صدہا باریکیاں واضح ہوتی جاتی ہیں) وہی رب نظر آتا ہے اسی کو عقل ولی النعمۃ اور آقا اور وحدہٗ لاشریک مانتی ہے پھر ایسا آقا جو بنی آدم کے لئے ایک ایسا مسکن ایسی حکمت سے بنائے اگر وہ عبادت کے قابل نہیں تو اور کون ہوسکتا ہے؟ اس کے بعد دوسرے نمونہ قدرت کا ذکر فرماتا ہے اس میں اسفل سے اعلیٰ کی طرف رجوع ہے اور یہ مناسب بھی ہے کس لئے کہ زمین کا فرش ہونا ہر ایک کے پیش نظر ہے جس میں کسی کو بھی شک نہیں برخلاف اس دوسرے نمونہ کے وہ کیا ہے والسماء بناء کہ آسمان کو تمہارے لئے بنایا یعنی چھت بنا دیا جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے و السماء سقفا محفوظا اتنی بات کہ ہمارے اوپر ایک نیلگوں گنبد بنا ہوا ہے جس میں صدہا ثوابت و سیارے چاند سورج کس صنعت سے دورے کرتے ہیں کہ جہاں عقل حیران ہوتی ہے مسلّم الکل ہے اس قدر مضمون میں تو نئے فلسفہ کا اختلاف ہے نہ پرانے کا اور توراۃ و اناجیل و دیگر کتب سماویہ یا مذہبیہ میں جہاں خدا یا اس کے پیغمبروں نے خدا کے آثارِ قدرت و جبروت کا نشان دیا ہے اور آسمان کو نمونہ قدرت بتایا ہے وہاں آسمان سے یہی معنی مراد ہیں جو عامۃ بنی نوع انسان کے فہم میں آتے ہیں اور جس کو وہ اپنے محاورات میں مستعمل کرتے ہیں مگر عقلاء نے جو حقائق الاشیاء دریافت کرنے میں موشگافی کی اور زمین کا مرحلہ طے کر کے آسمان تک پہنچے تو بلحاظ تحقیقات اختلاف پیدا ہوا اور ہونا بھی چاہیے تھا کس لئے کہ حکمائے قدیم کا مدار استدلال پر تھا اب کا اور ہے جوں جوں علم و فنون ترقی کرتے گئے اور آلاتِ تحقیقات نئے نئے ایجاد ہوتے گئے ان پہلی تحقیقات کے خلاف باتیں ثابت ہوتی گئیں اور یہ سلسلہ نہ کسی حد پر جا کر منتہی ہوا ہے نہ ہوگا مگر ہے کہ آج کل کی جدید تحقیقات آیندہ کسی زمانہ میں غلط ۲۲

اور جاہلانہ خیالات ثابت ہوجائیں اس لئے اسلام و دیگر الہام اور الہامی کتابوں کو ان حقائق سے کوئی بحث نہیں نہ یہ ان کا فرض منصبی ہے یہ ادنیٰ کام یہاں کے عقلاء و حکماء کے سپرد ہے ان کا کام تو (علوم روحانیہ و تزکیہ نفس اور مرنے کے بعد آنے والی نئی زندگانی کے مفید کام اور سچا اعتقاد) بتانا ہے۔ حکمائے قدیم و جدید کا آسمان کی حقیقت میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ قدیم حکماء کرۂ ارضی۔ مائی۔ ہوائی۔ ناری کو یکے بعد دیگرے پیاز کے چھلکوں کی طرح باہم لپٹا ہوا بتلا کر ان کے اوپر یکے بعد دیگرے سات آسمان اور ان پر آٹھواں آسمان اور اس پر نواں فلک الافلاک بتلاتے ہیں اور ہمارے اکثر علماء آٹھویں کو عرش نویں کو کرسی کہتے ہیں اور تحقیق قدیم کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ حکماءِ قدیم یہ بھی کہتے ہیں کہ زمین ساکن ہے اور آسمان مع ان ثوابت و سیارات کے جو ان میں جڑے ہوئے ہیں زمین کے گرداگرد گھومتے ہیں۔ قرآن اس سے ساکت ہے مگر بعض احادیث اس کے قدرے مؤید معلوم ہوتی ہیں۔ حکمائے جدید کہتے ہیں کہ آسمان محض فضاء کا نام ہے کوئی جسم نہیں۔ زمین بھی دیگر سیارات و ثوابت کی طرح ایک تارا ہے۔ جس طرح اور تارے آفتاب کے گرد گھومتے ہیں زمین بھی ہے اور ستاروں میں لاکھوں کروڑوں کوس کا فاصلہ ہے اور ایک دوسرے سے لاکھوں ہزاروں حصہ بڑا ہے اور حرکت بھی ان کی ایسی تیز ہے کہ بعض ستارے ایک گھنٹہ میں بیس بیس ہزار میل سے زیادہ مسافت طے کر جاتے ہیں مگر ایک ایسے بالاتر مدبّر نے یہ انتظام رکھا ہے کہ وہ باہم ٹکرانے نہیں پاتے عقلاء نے ریلوں کے کیا کیا انتظام کئے مگر پھر بھی باہم لڑ جاتی ہیں یہ اس کی قدرت کاملہ کا بڑا نمونہ ہے۔ جو کچھ ہو بہر طور آسمان قدرتِ الٰہیہ کا ایک بڑا نمونہ ہے اور قرآنِ مجید کا یہی مقصود ہے۔ جس پر نہ حکمتِ قدیم حملہ کرسکتی ہے نہ نیا فلسفہ۔ اگر کسی ستارے اور اس کی بناوٹ اور اس کے نور کی طرف غور کیا جائے اور اس کروڑوں پدموں کوسوں کی فضاء کو دیکھا جائے (جس میں زمین سے ہزاروں لاکھوں حصہ بڑھ کر کرے ہیں اور جس طرح یہ چھوٹا سا کرہ ایک عالم ہے اور اس میں کیا کیا حیوانات نباتات ہیں ان میں جو ہزاروں کروڑوں عالم ہیں کیا کچھ

ہوگا اور وہ اتنے ہیں کہ جن کی تعداد نہ فلسفۂ قدیم بتلا سکتا ہے نہ جدید بلکہ کروڑوں کراتِ عظیمہ تو بُعدِ مسافت کی وجہ سے نظر ہی نہیں آسکتے اب کوئی حکیم جدید و قدیم ان کے اندر کی کائنات اور وہاں کے اسبابِ تعیش اور وہاں کی سردی و گرمی نور اندھیری کی کیفیت تامہ بتا سکتا ہے) تو اس کی عظمت و وسعتِ قدرت آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہو جاتے، الا لہ الخلق والامر۔ تیسرا نمونۂ قدرت وانزل من السماء ماء ہے کہ اُس نے آسمان سے پانی برسایا اور اُس سے انسانی خورش گوناگوں پیدا کی جن میں درجاتِ متفاوتہ رکھے اور اس گھر کا یہ دستر خوانِ الٰہی ہے جس پر دوست و دشمن سب کھاتے ہیں ؎ ادیم زمین سفرۂ عام اوست + چہ دشمن برین خوان یغما چہ دوست ÷ آسمان سے پانی اُتارا یعنی ابر سے اب ابر کی حقیقت (کہ وہ ابخراتِ ارضیہ ہیں جو اوپر جاکر برودت کی وجہ سے متکاثف ہو جاتے ہیں اور پھر اُن سے پانی برستا ہے) خدا تعالیٰ نے بیان نہیں فرمائی جو کچھ ہو مگر اس میں بھی تامل اور غور کرنے سے عقل حیران ہو کر قدم قدم پر کھڑی ہو جاتی اور زبانِ حال سے پھر پکار اُٹھتی ہے کہ اے خدا تو ہی ہے سب اسباب کا سلسلہ تیرے ہی ہاتھوں میں ہے تو جب چاہتا ہے سلسلۂ اسباب میں رخنہ ڈال دیتا ہے اس پر اثر مرتب نہیں ہونے دیتا۔ ان سب باتوں کو بتا کر فرماتا ہے کہ اب تم کو اس کا جلال و کمال معلوم ہو گیا اب جان بوجھ کر رسم و تقلیدِ آبائی میں اُس کا شریک نہ ٹھیراؤ۔ **مسئلہ** شرک حرام ہے خدا تعالیٰ کے سوا نہ کسی کی عبادت کرنا چاہیے نہ کسی کو اُس کی ذات و صفات میں حصہ دار ٹھہرانا چاہیے۔

**ف** :۔ چونکہ اعمالِ صالحہ کے لئے ایمان شرط ہے اس لئے کفار و مشرکین پر صرف ایمان و توحید فرض ہے اس کے بعد دیگر احکام فرض ہوں گے جس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ کفار و مشرکین صرف اپنے فریضہ ایمان و توحید کے ترک کرنے کے عذاب میں معذب ہوں گے نہ دیگر احکام کے لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ دیگر احکام بھی اُن پر فرض ہیں کس لئے کہ اس آیت میں لفظ الناس کافر اور مومن سب کو شامل ہے اور سب سے عبادت طلب ہے حالانکہ عبادت اعمال و احکام میں داخل ہے اس لئے اول فریق نے جواب دیا کہ عبادت سے مراد توحید ہے مگر یہ توجیہ بعید ہے بلکہ کفار سے بھی اعمالِ صالحہ مطلوب ہیں اور اُن کا کفر ان عبادات سے مانع نہیں جس طرح کہ حدث وجوبِ صلوٰۃ سے مانع نہیں بلکہ یہ معنی کہ اے کفار! عبادت کرو ایمان لاکر نماز پڑھو یعنی وضو کر کے فان من لوازم وجوب الشئی وجوب مالایتم الا بہ۔ ہاں یہ مسلم ہے کہ ایمان لانے کے بعد حالتِ کفر کی عبادات کی قضاء اُس پر لازم نہیں آتی۔

## ربط

اس سے پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے عبادت کا حکم دیا تھا اور عبادت مقبول عنداللہ اور غیر مقبول عنداللہ کا فرق صرف عقل سے نہیں ہو سکتا اس میں نبی اور الہام کی سخت ضرورت ہے جب تک نبی کا دامن ہاتھ میں نہ ہوگا کوئی شخص اس دریائے بے کنار سے پار نہ ہو سکے گا ؎

محال است سعدیؒ کہ راہِ صفا + تواں رفت جز در پئے مصطفےٰؐ ÷

اس لئے ضروری ہوا کہ جناب نبی علیہ السلام کی نبوت بھی اُس دلیل سے ثابت کی جائے کہ جو قرآن کا منجانب اللہ ہونا بھی ثابت کرے تاکہ نبی اور اس کی کتاب کی پابندی اور اتباع سے خدا تعالیٰ کی عبادتِ مرغوبہ سرزد ہو اور متقی ہو کر دارین میں صلاح و فلاح پاوے یا یوں کہو کہ حق سبحانہٗ مادہ اور مادیات سے پاک۔ بندہ مادی۔ یہ نہ اس کو دیکھ سکتا ہے نہ اُس سے بات کر سکتا ہے اب اس کی مرضی اور غیر مرضی کا علم ہو تو کیونکر رہا ادراکِ عقلی اول تو عقول متفاوت پھر قوتِ متوہمہ اور متخیلہ کا تعارض جن میں عادات و رسم درد راج صحت و مرض ہوائی

---

لہ عبادت عام ہے یا مالی زکوٰۃ صدقات بنی نوعِ انسان کی ہمدردی میں مال صرف کرنا یا بدنی نماز روزہ حج یا دعا و استغفار اور اس کا مراقبہ اور اسی طرح نفس کو شہوات و لذات فانیہ سے روکنا حسنات و مبرات و اخلاقِ حمیدہ کا عادی کرنا اس کی تکالیفِ شاقہ پر صبر کرنا مردانہ مقابلہ سے پیش آنا ہر ایک قسم کا جہاد ہے وغیرہ جس کی شرح پیغمبر اسلامؐ نے بہت کچھ فرمائی اور قولاً اور فعلاً تعلیم دی اس میں کسی قدر فرض ہے کسی قدر مسنون و مستحب۔ اعبدوا صیغۂ امر اگر وجوب کے لئے مانا جائے گا تو مراد یہی فرض و واجب عبادت ہوگی ورنہ عام۔ منہ

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا
اور اگر تم کو اس چیز میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے شک ہو تو تم

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا
بھی اس کی مانند کوئی سورۃ بنا لاؤ اور خدا کے سوا جس قدر

شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
تمہارے حامی ہوں (مدد کے لئے) بلا لو اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ
سچے ہو۔ پھر اگر تم نہ کر سکو اور ہرگز

تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا
نہ کر سکو گے تو اس آگ سے بچو کہ جس کا ایندھن

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾
آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کے لئے بنائی گئی ہے

## ترکیب

ان کنتم فی ریب الخ شرط۔ فاتوا بسورۃ من مثلہ جزا۔ یعنی جواب

لہ گر قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں شک ہے۔

دیر ہا ہے تجربہ اور غیر تجربہ کو بہت دخل ہے اس لئے یہ جوہر نورانی ان اشیاء کے تلے ایسا دبا رہتا ہے جیسا کہ آفتاب سخت آندھیوں اور ابر کے تلے اس لئے ادراک عقلیہ میں بنی آدم کے عقلاء کی آراء میں سخت مخالفت پیدا ہوتی ہے کوئی ایک چیز کو پسندیدہ خدا اور موجب ثواب جانتا ہے دوسرا اسی کو موجب غضب الٰہی اور باعث عذاب تصور کرتا ہے اس لئے ایک نفس قدسی کی ضرورت ہوئی جس کی عقل ان چیزوں سے پاک ہو اور اس کو زود خاتی انکشاف ہو اس کا مادہ اس کی روح پر غالب نہ ہو اس پر وہ مؤید من اللہ بھی ہو جس کے کشف و ادراک کی صحت و درستی کا بندوں کی ہدایت کے لئے اس رحیم نے ذمہ بھی لے لیا ہو ایسے شخص کو نبی یا رسول کہتے ہیں یہی خدا کی مرضی اور عدم مرضی اور اس کی ذات و صفات اور دیگر راز سربستہ سے بندوں کو خبر دے سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بغیر نبی کی اتباع کے انسان وادی پُرخار اور بحر ذخار سے پار نہیں ہو سکتا اور اقرار رسالت نبوت کے لئے ضروری ثابت ہو گیا اب ان آیات میں خدا تعالیٰ اپنے نبی کی نبوت عقلوں کے مذاق کے مطابق ثابت کرتا ہے جس طرح کہ پہلی آیات میں اپنی توحید ثابت کی تھی، فقال:

**ف** کلکتہ میں عرصہ گزرا کہ ایک تیز طبع راجہ رام موہن بنگالی اہل اسلام اور پادریوں کی کتابوں سے واقف ہو کر اپنے قدیم مذہب بت پرستی اور عجائب پرستی سے بیزار ہوا مگر وہ شخص باخدا نہ تھا اس نے اس لئے مذہب حقانی اسلام کو قبول کرنا اپنی قوم کے روبرو نہایت شاق جان کر ایک اور نیا مذہب اسلام سے اخذ کیا اور اس میں کسی قدر یورپ کے ملحدوں کے خیالات اور کچھ عیسائیوں کی عبادات کو بھی ملا کر ایک معجون مرکب بنایا اور برائے نام اس کو قدیم مذہب ہنود کا عطر کہہ کر براہم دھرم نام رکھا اور حکیمانہ تقریروں پر اس کی شہرت اور شیوع کا دارومدار رکھا۔ پھر اس کے بعد ایک شخص دیویندر ناتھ اس کے خلفاء میں سے کھڑا ہوا اور اس مذہب کو فروغ دیا۔ اس کے بعد ۱۸۵۷ء میں بابو کیشب چندر سین جو انگریزی میں خوب ید طولیٰ رکھتے تھے اس مذہب کے سرپرست بنے اور بعض یورپ کے شہروں میں اپنے خیالات حکیمانہ پھیلاتے پھرے۔ یورپ کے لوگ مذہب عیسوی کے بیہودہ عقائد سے از حد نفور ہیں انہوں نے شاید اس کو غنیمت جان کر قبول بھی کیا ہو اس مذہب کے یہ اصول ہیں آسمانی کتاب قرآن یا وید توراۃ وغیرہ کوئی بھی نہیں بلکہ آسمانی دو کتابیں ہیں اول طبعی خیالات۔ دوم وہ اصلی صداقتیں جو اخلاق خدا اور بقاء کی بابت ہیں انبیاء علیہم السلام سے نہ معجزہ ممکن ہے نہ کبھی سرزد ہوا ہے اور نہ ان سے خدا تعالیٰ نے بطریق وحی یا الہام کلام کیا ہے نہ اس قسم کی نبوت کی کچھ ضرورت ہے بلکہ عقل کافی ہے اور انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے وقت میں بزرگ اور ناصح اور امورات دینی میں فائدہ بخش تھے مگر وہ معصوم نہ تھے نہ ان پر دینی ترقی کا خاتمہ ہو گیا بلکہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے اس میں حضرت موسیٰ و عیسیٰ و محمد و نانک و کبیر سب شریک ہیں یعنی نبوت کے جو معنی اہل اسلام اور اہل کتاب کے ذہن میں ہیں یہ اس کے منکر ہیں۔ اس مذہب میں ہندو عیسائی مجوسی جوان باتوں کے معتقد ہیں سب شریک ہیں۔ مرنے کے بعد صرف عمدہ کمالات کی خوشی کا نام جنت اور برے کمالات سے تاسف کرنے کا نام جہنم ہے وسیلۂ نجات عبادت ہے اور عبادت کے چار رکن ہیں۔ حمد الٰہی۔ روح کلی کا اپنی روح میں مراقبہ کرنا۔ خالق کا ہر دم شکر گزار رہنا۔ اس سے دعا مانگنا۔ یہ برہمو سماج مذہب کا خلاصہ ہے اور جو تفصیل چاہیے تو ان کے رسائل اور کتب کو دیکھیے بالخصوص رسالہ خلاصۃ الاصول کو۔ اب چند روز ہوئے کہ بابو کیشب چندر سین مر گئے مگر صدہا بنگالی (باقی صفحہ ۱۱۸)

مما نزلنا موضع جر میں صفت ہے ریب کی۔ لا ریب کا من
ممانزلنا اور عائد محذوف ہے ای نزلناہ اور ما بمعنے الذی
ہے۔ من مثلہ صفت ہے سورۃ کی اے بسورۃ کائنۃ من مثلہ اور
ضمیر مثلہ کی یا مانزلنا کی طرف رجوع کرتی ہے، اور من تبعیضیہ
ہے یا بیانیہ اے بسورۃ مماثلۃ القرآن فی البلاغۃ۔ یا ضمیر مثلہ کی عبدنا

کی طرف رجوع کرتی ہے پس اس وقت میں من ابتدائیہ ہے اب یہ
معنی ہوئے کہ کوئی سورۃ مثل محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی سی بنوا کر لاؤ
کہ جو اُمّی ہو اور جس نے کبھی شعر و سخن کی مشاقی بھی نہ کی ہو۔
وادعوا شہداءکم جملہ انشائیہ معطوف ہے فاتوا پر من دون اللہ
موضع حال میں ہے شہداء سے یعنی شہداءکم منفردین عن اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۷) اور بہت سے اور لوگ بھی اس کی فصاحت و بلاغت سے ان کو اس زمانہ کا نبی ملنتے ہیں نعوذ باللہ منہ۔ اس مذہب کی ایجاد سے موجد کی دو غرض تھیں ایک یہ کہ یہ مذہب صلح کل ہے۔ رعایا اور گورنمنٹ میں جس قدر خرخشہ مخالفت مذہبیہ سے پیش آتے ہیں وہ سب فرو ہو جائیں گے۔ گورنمنٹ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ دوئم یہ مذہب برائے نام تو وہی قدیم مذہب ہنود کہلائے گا مگر مخالفوں کے ان اعتراض سے کہ جو بیشتر اس مذہب پر پڑتے ہیں نجات حاصل ہو جائے گی، کھانے پینے کی جو بے جا قیودات اس مذہب میں تھیں سب اُٹھ جائیں گی۔ سفر یورپ اور وہاں سے تعلیم پانے کے موانع جاتے رہیں گے۔

## مذہب نیچری

شہر دہلی جب شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں نہایت تنزل کو پہنچا اور وہاں کے علماء شرفاء اہل ہنر جو عہد سلطنت حضرت شاہجہان سے آباد تھے اِدھر اُدھر پریشان ہو کر نکل گئے تو اس زمانہ میں خاص کشمیر یا اس کی نواح کے کچھ لوگ یہاں آبسے فدا حسین رسول شاہی اور دیگر قلندر بنگ نوش شبلی ٹوپی والے آزاد اسی قوم میں گزرے ہیں ان میں سے بعض خان صاحب اور بعض مرزا اور بعض سید اور میر صاحب کہلاتے ہیں اس قسم کے لوگوں نے اس اُجڑی سلطنت میں کچھ رسوخ بھی حاصل کیا تھا اور کوئی معزز لقب بھی خرید لیا تھا اس کنبے میں سے ایک شخص **سید احمد خاں** صاحب بہادر بھی پیدا ہوئے یہ شخص ابتداء میں مولوی مخصوص اللہ صاحب نبیرہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی قدر صرف و نحو سے آشنا ہوئے اور تعویذ گنڈے بھی سیکھے لیکن جب یہ نسخہ نہ چلا تو گورنمنٹ برٹش کی طرف رجوع کیا اور اپنی لیاقت خداداد سے کوئی اچھا عہدہ بھی پا لیا پھر تو پکے وہابی متبع مولوی اسمٰعیل صاحب ہو گئے اور ایک کتاب آثار الصنادید[ف۱] لکھ کر شہر کے اہل علم و فضل میں بھی شہرت اور عزت حاصل کی اس عرصہ میں غدر ہو گیا اور سید صاحب اپنی خیر خواہی اور حکام رسی سے بڑی ترقی کر گئے اور اپنی خوش بیانی اور عالی دماغی سے انگریزوں میں بڑے فاضل یا فلاسفر یا رفارمر مانے گئے اور سی۔ ایس۔ آئی۔ کا لقب حاصل کیا اور کچھ عجب نہیں کہ گورنمنٹ برٹش ۱۸۵۷ء کے فساد سے (کہ جس کا منشاء صرف توہمات جاہلانہ تھے) پُرحذر ہو اور سید صاحب نے مسلمانوں کی طرف سے گورنمنٹ کو نہ صرف اطمینان دلایا بلکہ خیالات مذہبیہ کے بگاڑنے کا بھی بیڑا اٹھایا ہو اپنی ترقی اور خیر خواہی کے لئے یہ خیال از خود سید صاحب نے پیدا کیا ہو اور غالباً یونہی ہوگا کیونکہ گورنمنٹ کو ان باتوں کی طرف چنداں خیال نہیں۔ خیر ہرچہ باشد مگر اس شخص نے اس ارادہ سے ایک کتاب **تبیین الکلام** بائبل کی تفسیر میں لکھ کر عیسائیوں اور مسلمانوں کو باہم ملانا اور ایک بنانا چاہا مگر اس امر محال کے وقوع میں سید صاحب ناکام رہے اس عرصہ میں سید صاحب نے کلکتہ میں برہمو سماج مذہب کو خوب نہار دیکھا اور اس کے اصول کو یورپ کے فلاسفروں اور ایشیا کے معقول کے مطابق خیال پا کر از حد پسند کیا اور جو دل میں مراد تھی اس کو بلا محنت و مشقت پا لیا۔ لیکن یہ بات نہ تھی ان کے دلی مقصد بلکہ اُن کے شان کے بھی خلاف تھی کہ کھلم کھلا اسلام کو ترک کر کے ایک بنگالی بابو کے مرید اور اُمت کہلاتے مگر دل میں یہ سوچا کہ برائے نام تو اسلام ہو مگر اس کو برہمو سماج مذہب کے مطابق کیجئے۔ لفظ نبی اور ملائکہ اور جبرئیل اور جنت و دوزخ (باقی صفحہ ۱۱۹ پر)

---

ف۱ دراصل آثار الصنادید سید صاحب کی تالیف کردہ کتاب نہیں ہے بلکہ مرزا سنگین بیگ شاہجہان آباد کے رہنے والے مرزا بخشی محمود کے پوتے نے بحکم سر چارلس مٹکاف ایک کتاب موسوم بہ سیر المنازل لکھی جو دراصل فارسی میں ہے جس کو میں نے قلعہ کے عجائب خانہ میں داخل کر دیا ہے جس کا دل چاہے جا کر دیکھ لے۔ اور آثار الصنادید سے مقابلہ کر لے۔ حضرات اہل دہلی کے حالات جو کہ آخر کتاب آثار الصنادید میں مذکور ہیں یہ سید صاحب کی ذاتی تحقیق ہے۔ حقانی ۔

ان کنتم صادقین شرط۔ اس کا جواب محذوف ہے اُس پر کلام سابق دال ہے اعنی فاتوا وادعوا۔ فان لم تفعلوا شرط۔ اور فاتقوا النار آلخ اس کا جواب۔ اور لن تفعلوا جملہ معترضہ۔ اعدت للکافرین جملہ خبریہ موضع حال میں ہے النار سے اور عامل اس میں فاتقوا ہے۔

# تفسیر

یعنی اگر تم کو ہمارے کلام میں کہ جس کو ہم نے اپنے بندے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا ہے کچھ شک ہو کہ آیا یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے یا نہیں اور یہ نبی برحق ہے یا نہیں تو قطع نظر اور معجزات و آیات بینات کہ جن میں تمہارا عجز ظاہر ہے تم خاص اس کلام ہی کا مقابلہ کر کے دیکھو کہ جس کی تکمیل (معجزات سے) مقصود بالذات ہے کیونکہ ہر قسم کے کلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۸) وحی و الہام و شیطان بلکہ ملائکہ و جن کو تو بحال خود رہنے دیجئے اور ہر مسلمان سے کہئے کہ میں ان چیزوں پر ایمان رکھتا ہوں تاکہ مسلمانوں کو مجال تکفیر نہ ہو اور ان الفاظ کے معنے بالکل پلٹ دیجئے نبی صرف رفارمر کہ جس میں بڑھتی لوہار کے کام کے مانند اس کو وعظ گوئی کا ملکہ ہو اور نبوت ہر زمانہ میں پائی جاتی ہے بلکہ ہر قوم اور ہر پیشہ میں دیکھ لیجئے ہر آدمی کو پیغمبر ان سخن کہتے ہیں اس زمانہ میں بابو کیشب چندر سین بھی نبی ہیں اور انگلینڈ میں فلاں فلاں شخص نبی ہیں نبی کے لئے معجزہ یا کرامت جس کو خرق عادات کہتے ہیں شرط نہیں یہ صرف پرانے خیالات ہیں بلکہ خرق عادات ممکن ہی نہیں الہام یا وحی خیالات فطری کا جوش ہے اور جبریل جو اس کو لاتا ہے کوئی شخص خاص نہیں وہ اس نبی کی قوت ہے جو فطرت کے موافق فوارہ کی طرح اچھل کر اسی پر گرتی ہے اور یہی معنے نزول کے ہیں۔ ملائکہ اشخاص متحیزہ بالذات نہیں قرآن میں جو لفظ ملائکہ یا ملک یا جبریل آیا ہے اُس سے انسان کی قوت ملکیہ مراد ہے جس طرح شیطان سے قوت بہیمیہ اور جن سے ایک جنگلی قوم کہ جو لوگوں سے پوشیدہ رہتے تھے اور جنت و دوزخ صرف خوشی و غمی کا نام ہے باقی حوریں اور نہریں اور میوے جو قرآن اور نبی علیہ السلام نے بیان فرمائی ہیں وہ محض رغبت اور خوف دلانے کو خوشی و غم کو ان چیزوں کے ساتھ تفسیر یا تشریح کر دی ہے ورنہ کچھ نہیں۔ آسمان سے مراد بلندی اور جو ہے اور چونکہ یہ بعد غیر متناہی اور متصل یکے بعد دیگرے ہے اس لئے اس کو سبع سموات کے ساتھ تعبیر کیا وقس علی ہذا۔ یہ باتیں سید صاحب کی تفسیر اور پرچہ تہذیب الاخلاق میں موجود ہیں۔ مقدمہ تفسیر میں ان کے حوالے بقید سطر و صفحہ مندرج ہیں اور آیندہ بھی ہم ان اقوال کو نقل کریں گے اب یہ کچھ ضروری نہیں کہ سید صاحب حرف بحرف بنگالی بابو کے معتقد ہوں بلکہ ممکن ہے کہ ان سے بھی ترقی کریں کیونکہ اول تو سید صاحب دلی کے رہنے والے ہیں دوم اس خاندان کے ننہال (یا باپ شجرہ کہنہ) کہ جو مذاہب میں پیشوا ہونے کی جبلی لیاقت رکھتا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ایک بنگالی دال بھات کھانے والے سے کہ جس کا بڑا سرمایہ انگریزی دانی ہے پیچھے رہ جائیں؟ اس لئے سید صاحب نے ایک جدید اسلام کی بنیاد ڈالی اور پرچہ تہذیب الاخلاق مطبوعہ ۱۲۹۶ ہجری صفحہ ۱۴۱ سے ۱۴۳ و ۱۰۰ میں یوں تحریر فرمایا ہے۔ الاسلام ھو الفطرۃ والفطرۃ ھو الاسلام یعنی اسلام جو ہے وہ فطرت ہے اور فطرت جو ہے وہ اسلام ہے۔ اور فطرت اسلام کا دوسرا نام ہے لا مذہبی بھی درحقیقت اسلام ہے کیونکہ لا مذہب بھی کوئی مذہب رکھتا ہے اور وہی اسلام ہے الخ اور وہی عین فطرت و نیچر ہے جو آدمی نہ کسی نبی کو مانتا ہو اور نہ کسی اوتار کو اور نہ کسی کتاب الہامی کو اور نہ کسی حکم کو کہ جو مذاہب میں فرض اور واجب سے تعبیر کئے گئے ہیں۔ بلکہ صرف خدائے واحد پر یقین رکھتا ہو وہ آدمی کسی مذہب میں نہیں ہے مگر مسلمان ہے۔ اور جو لوگ خدا تعالیٰ کے بھی قائل نہیں ہیں وہ بھی مسلمان ہیں کیونکہ آخر ان کے اہل جنت ہونے میں کیا شک باقی رہا۔ انتہی۔ اس کی تائید میں سید صاحب اس حدیث کو پیش کرتے ہیں۔ من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر۔ سید صاحب کی تعریف اسلام جدید کے موجب تو جو شخص جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منکر بلکہ سخت مخالف ہو جیسا کہ ابو جہل وغیرہ وہ بھی مسلمان اور جنتی ہے بلکہ کل بنی آدم اول سے آخر تک مسلمان اور جنتی ہیں خواہ وہ کیسا ہی عقیدہ رکھیں اور کچھ ہی کریں اس اسلام جدید کی اس قدر حد وسیع کرنے سے سید صاحب کے چند اغراض اور ایک وجہ ہے۔ اول یہ کہ نہ تنہا بنگالی بابو نے اپنے مذہب کو ایسا وسیع کیا کہ کسی طرح ہندو دھرم سے باہر ہی نہیں ہوتا خواہ گائے کا گوشت کھائے خواہ وید اور اوتاروں کا منکر ہو بلکہ سید صاحب نے تو اس سے بھی بڑھ کر اسلام جدید کو وسعت دی کہ کفر منصوص کو بھی اسلام کا مصداق بنا دیا تاکہ ان کے مریدوں کو ہر طرح کی آزادی حاصل رہے۔ دوم یہ کہ جو چیزیں اسلام حقیقی کے بالکل برخلاف ہیں اور ان پر پابندی کی سخت تاکید اور ان کی مخالفت پر بڑی تہدید ہے (باقی صفحہ ۱۲۰ پر)

مرکب کرنے میں تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بات میں کم نہیں تم بھی اہلِ زبان ہو اور تم بھی نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ابتدائے عمر سے عبادت و ریاضت اور گوشۂ تنہائی میں ساکت و صامت دیکھتے ہو۔ دوم ہر مجلس و میلہ اور ہر ایک قسم کے مجمع میں کہ جہاں اہلِ سخن جمع ہوا کرتے ہیں اپنے اشعار کو جلا دیتے اور اس کی مشاقی بہم پہنچاتے ہو۔ اور حضرت تو اس قسم کے مجامع میں مدت العمر میں ایک بار بھی تشریف نہیں لے گئے۔ سوم تم کو مبالغہ اور زیادہ گوئی میں ہر قسم کی لفاظی میں کچھ بھی احتیاط نہیں اور یہ امور فصاحت و بلاغت کے سامان اور خوش بیانی کے مصالح ہیں پس باوجود اس کے تم سے ایک سورہ کے برابر بھی کلام مرکب نہیں کیا جاتا اور تم کو نہایت زور اور دعوےٰ ہے

(بقیہ حاشیہ صـ ۱۱۹) ان کے ترک و استعمال سے کچھ محذور لازم نہ آوے۔ پھر حکام کی خوشنودی یا نفس کی خواہش سے ان کو عمل میں لاوے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کوئی خانۂ کعبہ ہی کیوں نہ گرا دے اور قرآن مجید اور اس کی ہدایتوں پر قہقہہ ہی کیوں نہ اڑائے، نعوذ باللہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر چاہے دشمنی کرے اور سور کھائے شراب پیے تو بھی پکا مسلمان جنتی رہتا ہے اس پر اور مسلمانوں کو کوئی اعتراض کا محل نہیں۔ سوم اس وقت جو عیسائی حاکم ہیں اُن کو بھی غیر نہ جانیں نہ مخالفتِ مذہبی نہ اُن کے تعصبات کو خیال میں لائیں کیونکہ وہ بھی تو مسلمان ہیں۔ حقیقت میں حکام رسی کا یہ عمدہ ذریعہ سید صاحب کے ہاتھ آیا۔ صرف برائے نام مسلمان رہ کر جو چاہو سو کرو اور وجہ یہ ہے کہ جب سید صاحب بابو کیشب چندر سین کی تقلید میں لندن تشریف لے گئے اور وہاں خطباتِ احمدیہ ایک کتاب لکھ کر بابو صاحب کی طرح یورپین کو اپنا مرید بنانا چاہا تو لوگوں نے سید صاحب پر اعتراض کرنا شروع کیا کہ پھر اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ بغیر اتباع نبیٔ عربی کوئی شخص مہذب اور نہایت علوم کا ماہر نجات نہ پائے اور باستثنائے اہلِ اسلام تمام یورپ بلکہ کُل بنی آدم جہنم میں جائیں اس لئے سید صاحب نے اسلام جدید کو وسیع کیا پھر سید صاحب نے اپنے خیالات کی ترقی کے لئے ایک مدرسہ علیگڈھ میں قائم کیا اور ایک اخبار تہذیب الاخلاق جاری کیا اور اس پر بس نہ کر کے قرآن مجید کی تفسیر اور قرآن مجید کو اپنے اسلام جدید کے مطابق بنانا چاہا اس زمانہ کے اُمرا تو نام پر مرتے ہیں۔ جہاں ان کو سبز باغ دکھلایا (کہ اس مدرسہ سے اہلِ اسلام کو دینی و دنیوی ترقی ہوگی) جھٹ معین و مددگار ہو گئے اور گورنمنٹ برٹش میں ان کی معیت کو عمدہ ذریعہ تقرب سمجھا۔ اور بعض وہ لوگ بھی کہ جن کو انگریزی خیالات نے بے قید کر دیا ہے وہ برائے نام مسلمان ہونا کافی سمجھتے ہیں اس مذہب کے معین و مددگار بن گئے اور بعض تو صرف کوٹ پتلون پہن کر جنٹلمین کہلانے کے لئے سید صاحب کے دین میں آ گئے۔

ایک پادری صاحب اپنے ایک رسالہ تنقید الخیالات مطبوعہ الٰہ آباد مشن پریس ۱۸۸۲ء میں سید صاحب کے اس ایجاد خانذانی کو اور بات پر محمول کرتے ہیں وہ یہ کہ سید صاحب کی نظروں میں پادریوں اور حکما۔ یورپ کی روشنی علم و تحقیقات سے اصولِ اسلام نہایت کمزور اور لغو معلوم ہوئے۔ لیکن سید صاحب نے اسلام کو ترک کرنا مناسب نہ جانا برائے نام اس کو قائم رکھ کر ایک نیا اسلام ایجاد کیا کہ جو اصولِ حکمائے یورپ پر مبنی ہو اور جس پر کسی قسم کا اعتراض وارد نہ ہو اور نیز باعتبار مشقتِ عمل و قیدِ حلال و حرام کے بھی بہت آسان ہو۔

میرے نزدیک پادری صاحب کا یہ خیال خام ہے کیونکہ سید صاحب کو مذہب عیسوی کی حقیقت معلوم ہے شاید حکمائے یورپ و دہریان فرنگ کے ملمع کار خیالات نے پریشان کیا ہو تو کیا عجب مگر سید صاحب نہ علومِ قدیم سے واقف نہ نئے علوم اور جدید فلسفہ سے بہرہ رکھتے ہیں۔ اپنی علمی کمزوری سے فلسفۂ جدیدہ سے اسلام کا شکست کھانا تسلیم کر بیٹھے اور اصولِ اسلام کی تاویلیں کرنے لگے حالانکہ اسلامی اصول پر فلسفۂ جدیدہ کا کوئی قوی اعتراض ہی نہیں پڑتا۔ دوسرے فلسفۂ جدیدہ اور سائنس کا یہ حال ہے کہ یوماً فیوماً اس میں تنسیخ ہوتی چلی جاتی ہے جن بعض مسائل کو دس برس آگے یورپ میں حق سمجھا جاتا تھا آج ان کے معتقد کو جاہل خیال کیا جاتا ہے پھر آیندہ کون ضمانت کر سکتا ہے کہ موجودہ مسائل غلط ثابت نہ ہوں گے جن کے زور پر اسلام پر اعتراض قائم کیا جاتا ہے۔

اب میں پادری صاحب کے باقی اقوال نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین کو میری رائے کی تصدیق ہو۔ قولہ سید صاحب تہذیب الاخلاق جمادی الاوّل ۱۲۹۶ھ صفحہ ۲۰ و شوال ۱۲۹۷ ہجری صفحہ ۲۰۲ وغیرہ میں فرماتے ہیں کہ اسلام کی وہ حالت مجموعی جو تیرہ سو برس سے دنیا میں کہلایا درحقیقت وہ (باقی صـ ۱۲۱ پر)

کہا جاتا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی اجازت دی جاتی ہے کہ ایک نہیں بلکہ سب مل کر بنا لاؤ اور اپنے اُن معبودوں سے بھی مدد لو کہ جن کو تم ہر قسم کی قدرت اور اختیار کا مبدء اور ہر طرح کا حاجت روا جان کر پوجتے ہو جب بھی تم سے ایک سورہ کے برابر بھی کلام نہ بن سکا اور نہ کبھی بن سکے گا تو یقین کر لو کہ یہ اُس شخص کا کلام ہے کہ جو تمام لوگوں اور غیر اللہ سب معبودوں سے بڑھ کر ہے اور وہ خدائے تعالیٰ ہے کہ جو ہر بات میں سب سے نرالا ہے جب یہ ہے تو خدائے قادر کا مقابلہ اور اُس کے کلام کو جھٹلانا جہنم میں (کہ جس کی آگ یہاں کی آگ سے سخت اور تیز ہے جس میں پتھر اور آدمی جلتے ہیں) ٹھکانا بنانا ہے اب تم کو لازم ہے کہ اس آگ سے بچنے کا سامان کرو۔ یعنی اس کلام پر صدقِ دل سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰) اسلام نہ تھا وہ تو علمائے محمدیہ کا تراشا ہوا یا قرآن حدیث کے درست مطلب نہ سمجھ کر نکالا ہوا اسلام تھا اگرچہ اس میں درست بھی ہے تو اسی قدر درست تھا جس پر کچھ اعتراض نہ پڑتا ہو اور جتنی باتوں پر علوم سے یا غیر اشخاص سے اعتراض وارد ہوئے ہیں وہ سب نقصان کی باتیں ہمارے بزرگ ملاؤں کی غلطی سے اسلام میں قرار پکڑے ہوئے تھیں۔ وہ حقیقی خیالات اسلام کے نہ تھے وہ گویا کاٹ کی ہنڈیا تھی جو اس وقت جل رہی ہے۔

مُراد ان کی یہ ہے کہ جس کو آج تک امتِ محمدیہ نے اسلام سمجھا وہ اسلام نہ تھا۔ اسی لئے تو جو اعتراض دنیاوی علوم کی بہشتی سے یا مخالفوں سے اس پر وارد ہوئے وہ سب برحق نکلے اور وہ اسلام پوری شکست کھا گیا۔ فی الحقیقت جو سچا اسلام ہے وہ درست ہے اور مضبوط گویا وہ اسپات کی ہنڈیا ہے اور وہ آج تک سب محمدی علماء سے پوشیدہ رہا اب ہم اس کو تیرہ سو برس بعد ظاہر کرتے ہیں۔ اور اس کا خیال اس زمانہ میں صرف مجھ سید احمد خاں ہی کو آیا ہے اور میں اپنا فرض سمجھ کر ان خیالوں کو ظاہر کرتا ہوں، الخ

لیکن سید صاحب نہیں بتا سکتے کہ کس عہد تک اس درست راہ پر مسلمان رہے تھے تاکہ ہم اس عہد کے خیالات کا مقابلہ سید احمد خاں صاحب کے خیالات سے کریں الخ پس میں نے سید صاحب کے خیالات پر حتی المقدور بہت غور کیا کہ وہ کیا کہتے ہیں پر مجھے معلوم ہوا کہ سید صاحب کا خیال ہرگز درست نہیں محض غلط بات ہے کہ اسلام قدیم اسلام نہ تھا اور اسلام جدید جو سید صاحب دکھاتے ہیں درست اسلام ہے۔

قدیمی اسلام جس کو وہ کاٹ کی جلتی ہنڈیا بتلاتے ہیں یقیناً وہی حقیقی اسلام ہے جو محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کو دیا تھا پر وہ نیا اسلام جس کو آنجناب نے اس زمانہ میں نکالا اور اہلِ ہند کے سامنے پیش کیا ہے وہ ہرگز اسلام نہیں ہے بلکہ اس میں اکثر وہ خیالات بھرے گئے ہیں جو ہندوؤں کے ایک برہمو فرقہ کے ہیں اور وہ بھی چند روز سے شہر کلکتہ میں نکلے ہیں الخ یا ان لوگوں کے بعض خیالات اسلام میں داخل کئے ہیں جو قدیم زمانہ سے آج تک انبیائی سلسلہ کے مخالف ہیں جن کو دنیاوی عقلمند کہتے ہیں ان خیالوں کو سید صاحب فقرات میں لپیٹ کر اسلام میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ دعویٰ سُن کر شروع میں مجھے خیال آیا تھا کہ شاید سید صاحب اسلام کے وہ زوائد جو پیچھے سے اس میں پیدا ہو گئے ہیں کاٹ چھانٹ کر دکھا دیں گے لیکن اب جو کچھ کہ انہوں نے دکھلایا اس سے معلوم ہوا کہ وہ تو کہیں سے کہیں چلے گئے۔ حقیقی اسلام ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور ایسا چھوٹا کہ بہت ہی دور رہ گیا۔ اس لئے علمائے محمدیہ نے ان کی نسبت سخت فتوے لکھے ہیں۔ اسلام فی الحقیقت وہی ہے کہ جس کو مسلمانوں نے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پایا۔ یا یوں کہو کہ اسلام وہ ہے کہ جو قرآن و حدیث سے بتبادر اہلِ زبان کے ذہن میں آیا۔ اور ابتدائے دعوائے نبوت سے بیس برس تک دنیا میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے قولاً و فعلاً اس کی تعلیم دی ہے یہ بات تو دیکھی جاتی ہے کہ کسی مُرشد برحق کے خیالات پر اہلِ غرض اور بے احتیاط مفسر کبھی کبھی اپنے خیالات کی قلعی چڑھا لیا کرتے ہیں الخ اگر سید صاحب زوائد اسلام کو خارج کر کے خالص اسلام جو قرآن و حدیث میں ہے دکھلاتے اور پھر ثابت کرتے کہ علوم کی روشنی اور مخالفوں کے اعتراض سے محفوظ ہے تو ان کی یہ کوشش قابلِ تحسین و تشکر تھی۔ لیکن سید صاحب نے ملحدوں اور لامذہبوں اور حکماء مخالفین انبیاء کے اصول اور کلکتہ کے بنگالیوں کے خیالات جن کے دلوں میں سے بُت پرستی کو انگریزی تعلیم نے نکالا اور ملحد انگریزوں کے اصولوں کو جمع کر کے قرآن و حدیث میں جمع کرنے کا پورا بندوبست کر لیا اور یہ بھی اس طرح کہ قرآن و حدیث کے صاف و صریح مطلب کو تحریفِ معنوی اور اجنبی تاویلوں سے دھکے دے کر وہاں سے نکالتے ہیں اور اپنے مرغوب خیالوں (باقی صفحہ ۱۲۲ پر)

ایمان لاؤ اور اس حیات بخش کلام کو اپنا دستور العمل بناؤ۔

## متعلقات

**معجزہ** اس امر خارق عادات کو کہتے ہیں کہ جو مدعی نبوت سے سرزد ہو خواہ وہ کلام ہو یا کوئی اور کام ہو اور چونکہ مخالف کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ویسے امر بنانے کی قدرت نہیں ہوتی بلکہ وہ عاجز ہوتا ہے اس لئے اُس کو معجزہ کہتے ہیں اور اسی لئے یہ معجزہ اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ جن کے ہاتھ سے یہ سرزد ہوا ہے وہ مؤید من اللہ ہے یعنی اس عالم اسباب میں جس قدر امور واقع ہوتے ہیں وہ اسباب پر مبنی ہوتے ہیں اور اُن اسباب کا سلسلہ جناب باری تعالیٰ پر ختم ہوتا ہے اس لئے ان امور

(بقیہ حاشیہ صـ[۱۲۱]) کو دل بٹھلاتے ہیں جو ہرگز بیٹھ نہیں سکتے اور یہ کام اس مراد سے ہے کہ اسلام قدیم کے اصول مخالفین سے شکست کھا چکے ہیں لیکن جب وہ اس طرح الٹ پلٹ اس میں کریں گے تو پھر اس اسلام جدید پر یہ اعتراضات نہ ہوں گے کیونکہ سید صاحب کے گمان میں ملحدوں کے خیالات انبیائی خیالات سے مضبوط اور استوار ہیں۔ اس صورت میں سید صاحب کو ایک بڑی مشکل پیش آئی کہ تمام کتب مسلمہ اہل اسلام کو چھوڑنا پڑا اور بہت سی تواریخی باتوں کو بھی تبدیل کر کے اپنے دل سے نئی تواریخ تصنیف کرنی پڑی تاہم ایک سخت مشکل باقی رہ گئی کہ ان خیالات کی سند جن کو وہ دکھلاتے ہیں حضور انور ﷺ تک نہ پہنچی گویا کہ قرآن کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیا اور معنی اس میں تیرہ سو برس بعد سید صاحب نے ڈالے اور سند ان معنوں کی نہ حضور انور ﷺ تک مگر اہل الحاد تک پہنچی۔ اس کے علاوہ اسلام جدید میں اسلام قدیم کے برخلاف نیا الہام اور نئی وحی اور نیا خدا اور نیا نبی تجویز کرنا پڑا۔ اور اسی طرح دوزخ اور بہشت اور اصولی باتوں میں بہت ہی بڑی تبدیلی کرنی پڑی باوجود اس کے یہ اسلام جدید زیادہ تر محل اعتراض ہے۔ اپنی تصانیف میں جہاں تک سید صاحب نے علوم کی روشنی سے اسلام قدیم کی شکست دکھلائی ہے میرے گمان میں تو یہ اس کی کچھ بھی شکست نہیں کیونکہ حکماء مخالفین انبیاء کے چند خیالات ہیں۔ جن سے کوئی مذہب مدعی الہام و نبوت شکست نہیں کھا سکتا بلکہ وہ حکماء ہی طالبان حق کی نظروں میں حقیر ہیں اور رہیں گے۔ مثلاً خدا کا محالات عادیہ پر قادر ہونا حکیم نہیں مانتے۔ اسلام اس کا قائل ہے۔ اس مکروہ خیال سے اسلام کو شکست نہیں ہوئی۔ بلکہ اس خیال مکروہ کو الخ، انتہیٰ ملخصاً۔ پھر یہ پادری صاحب اپنے اس رسالے کے ۳ صفحہ میں یہ کہتے ہیں۔ قولہٗ "پہلے سید صاحب نے تبیین الکلام" ایک کتاب لکھی تھی اور اس میں خدا تعالیٰ کے کلام برحق کی تفسیر اکثر مقامات میں کچھ اپنے طور سے کر کے عیسائیوں اور محمدیوں کو قریب قریب ایک حکمت سے لایا چاہتے ہیں۔ لیکن جو تفسیر خلاف حق ہو وہ کب مقبول ہو سکتی ہے اس لئے انھوں نے اپنے پہلے خیال کو چھوڑ دیا اور اب وہ اسلام کی مرمت کے درپے ہیں مگر یہ بھی انہونی بات ہے کیونکہ نام تو مرمت کا لیا ہے مگر بنیاد اور ہی ڈالی ہے جس کو ہرگز اسلام نہیں کہہ سکتے۔ یہی سبب ہے کہ علمائے محمدیہ ان کے برخلاف ہیں۔ ہاں بعض محمدی کہ جو اہل یورپ کے خیالات سے بہرہ یاب ہیں وہ سید صاحب کے موافق ہیں نہ اس لئے کہ سید صاحب ٹھیک اسلام کے موافق بول رہے ہیں بلکہ اس لئے کہ انگریزی خیالات سے ان کے خیالات کچھ اور ہی طرح کے ہوں گے اور محمدی اسلام انھیں اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اور کسی مذہب میں اس کو چھوڑ کر کسی وجہ سے شامل ہونا بھی نہیں چاہتے۔ ان کو تو صرف قومی آرام و آسائش دنیا اور آبائی نام کے لئے اسلام کا نام ہی کافی ہے۔ جس عقلی راہ پر ان کو جا ہو لے چلو وہ تیار ہیں کیونکہ وہ اپنی اُس طبیعت کے مطیع ہیں جو انگریزی خیالوں سے ان میں پیدا ہو گئی ہے وہ ان خیالات کے کچھ درپے نہیں کہ جو ان کے آبا کو محمد صاحب نے دیئے تھے، انتہیٰ ملخصاً۔ منہ

کو ظاہر اسباب پر نظر کر کے اسباب کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور جن کی چشم حق میں نورِ الہام سے روشن ہے وہ ان اسبابسے قطع نظر کر کے اس مسبب الاسباب کی طرف اُس فعل کو منسوب کر دیتے ہیں۔ لیکن جب خدا تعالیٰ کو اپنے ہادی کی عام لوگوں کے روبرو تصدیق منظور ہوتی ہے تو وہ خلاف عادات اُن اسباب کو درمیان سے اُٹھا کر بغیر اُن کے کوئی کام اُس نبی کی معرفت سرزد کرا دیتا ہے تاکہ اسباب کی طرف نظر نہ پڑے اور یہ فعل اُسی کا معلوم ہو۔

مگر یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے جب چاہے کرتا ہے نبی گو چاہے اور وہ کسی مصلحت سے نہ چاہے تو نہیں کرتا۔ یورپ کے بہت سے حکما کہ جن کو صرف ظاہر میں آنکھیں عطا ہوئی ہیں اس امر خارق عادت کا انکار کرتے ہیں اور ان کی تقلید سے فرقہ برہمو سماج بھی منکر ہے اور ان کی تقلید سے سید احمد خان صاحب وغیرہم بھی اصول اسلام کے برخلاف اس کا انکار کرتے ہیں اور بلا دلیل ناممکن اور محال بتلاتے ہیں اور لطف یہ کہ اب تک امکان اور وجوب اور محال کے معنے سے بھی بے خبر ہیں۔ یہ انکار اس لئے ہے کہ انہوں نے کبھی معجزہ یا خارق عادت بات دیکھی نہیں اور یہ طبائع عامہ کا جبلی خاصہ ہے کہ وہ جس چیز کو مدت العمر دیکھتے نہیں اُس کے وجود بلکہ امکان میں بھی شک کرتے ہیں۔ چنانچہ عرب کے ریگستان میں کہ جس نے مدت العمر کوئی ندی یا دریا نہ دیکھا تھا دریا کا مفہوم سن کر بڑا تعجب کیا اور پھر سمندر کا حال سن کر تو دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہہ دیا واللہ لایمکن ثم باللہ لایمکن۔

**اہلِ اسلام** کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے اور اس کی مانند بنانا طاقتِ بشریہ سے خارج ہے خواہ مضامین کی خوبی سے ہو یا اس کے ساتھ عبارت بھی حدِ اعجاز کو پہنچ گئی ہو یا کوئی اور بہتر ہو مگر جمہور اہل ... کہتے ہیں کہ قرآن اپنی فصاحت و بلاغت میں بھی بے مثل ہے اور اس کا مثل بنانا بشریت سے محال ہے اور یہ بات خدا تعالیٰ نے اس لئے قرآن میں رکھی کہ عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس میں ان کو عاجز کر کے اس کا منجانب اللہ ہونا بتلا دیا۔[1]

## نکات

**سورہ** شرع میں قرآن مجید کے اُس حصہ کو کہتے ہیں کہ جس میں

**ف** بعض نادان نافہم اپنی جہالت سے مسلمانوں کے مذہب پر اعتراض کرنے کا شوق رکھتے ہیں مگر ان کی بدنصیبی ہے کہ مسلمانوں نے جو کچھ اسلام کے معاملات کی بابت لکھا ہے ان کتابوں کو دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن محمد صاحب کے زمانہ میں تو لکھا نہیں گیا برسوں بعد خلیفہ عثمانؓ نے جمع کیا لہٰذا کیا ثبوت ہے کہ اس میں تغیر و تبدل نہ ہوا ہو جواب صحیح تواریخ و روایات سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ تمام قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لکھا گیا تھا مگر اجزا متفرق تھے حفاظ موجود تھے آج کل کے حافظوں سے زیادہ۔ ممکن نہیں کہ ایک زیر و زبر کا بھی فرق ہو جاتے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکرؓ کے عہد کے قرآن سے چند نسخے لکھوا کر جا بجا تمام ملک شام و مصر وغیرہ ممالک میں بھیجے تھے زید بن ثابتؓ وغیرہ بڑے بڑے حفاظوں کی نگرانی تھی اس پر یہ احتمال کرنا کہ کہیں کم زیادہ نہ ہو گیا ہو گویا اپنی کتابوں پر قیاس ہے جن کا ابتدا میں کوئی حافظ تھا نہ آج کل ہے۔ ان کتابوں میں جو درختوں کے پتوں پر لکھی ہوئی تھیں ممکن ہے کہ کسی حادثہ عظیم سے پتے گم ہو گئے ہوں اور اصل کتاب میں کمی بیشی ہو گئی ہو۔ مگر قرآن مجید حافظوں کے سینہ میں تھا آنحضرتؐ کے روبرو بہت حافظ تھے اگر ایک حرف بھی نہ لکھواتے تو بھی وہ ویسا ہی محفوظ رہتا جیسا کہ حق ہے۔ یہ وصف خاص کتاب قرآن کو ہی حاصل ہے دنیا میں یہ بات کبھی کسی کتاب کو حاصل ہوئی اور نہ ہو گی۔ قرآن کے حافظ ہر ملک میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ سات برس کا بچہ اور سو برس کا بوڑھا از اول تا آخر بغیر کسی نقصان کے مجلس میں سُناتا ہے اور کوئی کتاب کہ جس کے معتقد آسمانی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کُل تو کیا نصف حصہ بھی نہیں سُنا سکتے ہیں۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے جس کا کوئی مخالف انکار نہیں کر سکتا۔ حقانی

[1] سید صاحب فرماتے ہیں قول صـ۳۳ مگر یہ بات کہ اس کی مثل کوئی نہیں کہہ سکتا اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی کسی کلام کی نظیر نہ ہونا اس بات کی تو بلاشبہ دلیل ہے کہ اس کی مانند دوسرا کلام موجود نہیں ہے مگر (باقی صـ۱۲۴ پر)

کم از کم تین آیتیں ہوں اور اس حصہ کا کوئی نام معین بھی ہو جیسا کہ سورۂ فاتحہ، بقرہ۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ اس کا واو اصلی ہے اس بنا پر یہ سورۃ البلد (شہر پناہ) سے ماخوذ ہے اس مناسبت سے کہ سور البلد جس طرح شہر کو ہر طرف سے گھیرے ہوتے ہے اسی طرح سورہ بھی چند آیات یا ہر قسم کے مضامین کو گھیرے ہوئے ہے یا سؤرہ بمعنی رتبہ سے ماخوذ ہے کیونکہ ہر ایک سورہ کو اس خاص خوبی میں ایک فوقیت اور مرتبہ ہے یا ان کے باہم شرف اور طول و قصر میں مراتب جداگانہ ہیں۔

**بعض** کہتے ہیں کہ یہ واو اصلی نہیں بلکہ ہمزہ تھی اس کو واو بنا لیا ہے۔ اور باہم مبادلہ ہو گیا ہے اس تقدیر پر اس کی اصل سُؤرہ ہے جس کے معنے کسی چیز کا بقیہ اور ٹکڑا ہے۔ یعنی یہ قرآن کا ایک ٹکڑا ہے اس لئے اس کو سورہ کہنے لگے۔ یہاں تک وجہ تسمیہ کا بیان تھا۔ قرآن مجید کا سورتوں پر منقسم ہونا اس حکمت کے لئے ہے کہ ایک مضمون دوسرے مضمون سے جدا ہو جائے اور ایک قسم کی نظم جو باہم مناسبت رکھتی ہے دوسری قسم سے علٰحدہ شمار کی جاتے اور پڑھنے والے کو سہولت اور فرحت اور حفظ کرنے میں سہولت اور فراغت حاصل ہو کیونکہ جب وہ ایک سورہ کو تمام کر لے گا تو دل میں فرحت پیدا ہوگی جس طرح مسافر جب ایک منزل طے کر لیتا ہے تو دل میں خوش ہوتا ہے کہ اس مسافت کا اس قدر حصہ میں نے طے کر لیا اسی مقصد کے لئے مصنفین اپنی کتابوں میں فصل اور باب مقرر کرتے ہیں ورنہ ایک کلام مسلسل سے دل گھبراتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی حکمتیں ہیں۔ سورتوں کے آنحضرت علیہ السلام کے عہد میں نام مقرر ہو چکے تھے۔

**شہداء** شہید کی جمع ہے۔ جسکے معنے حاضر[1] اور گواہی[2] دینے والا اور مدد کرنے والا اور حاکم کے ہیں۔ اس کا سر یہ ہے کہ لفظ شہید یعنی اس ترکیب میں حاضر ہونے کے معنے ملحوظ ہیں خواہ یہ حضور بالذات ہو یا بالتصور۔ پس مدد کرنے والے اور حاکم اور حاضر میں تو بالذات حضور پایا جاتا ہے۔ کس لئے کہ حاضر تو موقع پر حاضر ہوتا ہی ہے مگر مدد کرنے والا بھی موقع پر حاضر ہوتا ہے اور حاکم کے حضور (رو برو) مقدمات فیصلہ ہوتے ہیں اور گواہی دینے والے میں حضور کے معنی بالتصور پائے جاتے ہیں۔ یعنی جب وہ گواہی دیتا ہے تو اپنے خیال میں اس بات کو حاضر کرتا ہے اور جو شخص خدا کی راہ میں مارا جائے اس کو بھی اس لئے شہید کہتے ہیں کہ وہ خدا تعالےٰ کے پاس حاضر ہو گیا۔ اور اس کا بدلہ ثواب آخرت اور اس کے مصاحب ملائکہ اس کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں، اللّٰھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک ۔ اس مقام پر یہ چاروں معانی مراد ہو سکتے ہیں یعنی تم قرآن کے سورہ کے مثل بنانے میں جو لوگ اس وقت بڑے فصیح و بلیغ حاضر[1] اور موجود ہیں ان کو بلاؤ اور ان سے مدد لو۔ اور جو تمہارے کلام پر سورہ کے مثل ہونے کی گواہی[2] دیں ان کو بھی بلاؤ اور جو لوگ تمہارے زعم میں تمہارے مددگار[3] اور حاجت روا ہیں اور جن کے نام کی تم دُہائی دیتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو ان سے بھی مدد لے دیکھو۔ الغرض سب زور لگا لو۔ اور پھر حاکموں کے پاس اس منازعت کے فیصلہ کے لئے بھی چلو دیکھو وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳) اس کی دلیل نہیں کہ وہ خدا کی طرف سے ہے بہت سے کلام انسانوں کے دنیا میں ایسے ہیں کہ ان کی مثل فصاحت و بلاغت میں دوسرا کلام نہیں ہوا مگر وہ من اللہ تسلیم نہیں ہوتے الخ۔ اول[1] تو انسان کا کونسا ایسا کلام ہے جس کا مثل فصاحت و بلاغت میں آج تک باوجود تحدی کے دوسرا کلام نہیں ہو سکا۔ ہاں[2] یہ اور بات ہے کہ کسی نے کوئی عمدہ کتاب تصنیف کی مگر اس وقت کے تمام فصیحوں بلیغوں کو عار دلا کر اس کے مثل بنانے کا اشتہار نہ دیا اتفاقاً مدت تک کسی نے اس بارہ میں قلم نہ اٹھایا بلاشک اس وجہ سے یہ کتاب من اللہ تسلیم نہیں ہو سکتی اور جب کہ بڑے زور سے دعویٰ کیا ہو اور سب کو اس میں شریک ہونے کی اجازت دی ہو اور اپنے کلام کے ایک ٹکڑے کے برابر بنانے کی درخواست کی ہو اور لوگوں نے اس امر میں حوصلہ بھی کیا ہو اور پھر اپنے اپنے مسودات اور کلمات کو معیوب سمجھ کر پیش نہ کر سکے ہوں بلکہ خود انہیں کے لوگوں نے اس پر تہتہہ اڑایا ہو یہ من اللہ ہونے کی صریح دلیل ہے۔ سوم[3] اگر ہادی ہونے میں تحدی تھی تو یہ بھی کلام یعنی قرآن سے متعلق تھی پھر اس کا مثل نہ بنانا وہی بات ہے کہ سر کے پیچھے سے ہاتھ پھرا کر ناک بتانی فضول امر ہے۔ منہ

کیا کہتے ہیں؟

**دُونِ اللّٰہ** دُون کے معنے پاس اور قریب جگہ کے ہیں اور اسی لئے کتابوں کے تصنیف کرنے کو تدوین کہتے ہیں کہ ایک مضمون کو دوسرے مضمون کے ساتھ متصل اور پاس کیا جاتا ہے۔ پھر بطور مجاز کے رتبہ میں بھی اس لفظ کا استعمال ہونے لگا۔ کہتے ہیں کہ زید دون عمرو یعنی زید عمرو سے کم رتبہ ہے اور اسی لئے حقیر چیز کو دون یا دنی کہتے ہیں اور اسی لئے اس عالم کو کہ حقیر و ذلیل ہے دُنیا کہتے ہیں (مونث کا صیغہ) یا اس لئے کہ یہ قریب اور پاس اور وہ عالم بعید ہے۔ پھر اس میں بھی وسعت دی گئی ہے اور اس کلمہ کا ایک چیز کو چھوڑ کر دوسری کے اختیار کرنے پر اطلاق ہوا اور لفظ غیر کے قریب المعنی ہو گیا۔ اس مقام پر اس کے معنی غیر کے ہیں۔ یعنی خدا کے غیر اور اس کے سوا جس قدر تمہارے مددگار ہیں سب سے مدد لو۔

**مَا نَزَّلْنَا** نزول اُوپر سے نیچے کسی چیز کا اُترنا۔ اس جگہ قرآن مجید مراد ہے کہ بواسطہ جبرئیل علیہ السلام عالم بالا سے حضرت نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اُترا۔

## نکات

(۱) نزّلنا فرمایا انزلنا نہ کہا۔ اس لئے کہ تنزیل کے معنے ٹکڑے ٹکڑے کرکے نازل کرنا اور انزال کے معنے ایک بار نازل کرنا ہے گویا قرآن مجید لوح محفوظ سے بیت المعمور تک ایک بار نازل ہوا مگر وہاں سے دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حسب حاجت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوتا تھا اور اس بات سے بیوقوفوں کو شک پیدا ہوتا تھا کہ یہ تو شاعروں اور دیگر مصنفین کی طرح تھوڑا تھوڑا تصنیف کرکے سناتا ہے اگر منجانب اللہ ہوتا تو تمام قرآن کو ایک بار ہی دکھلاتا بلکہ کاغذوں میں لکھا ہوا اور جلد بندھا ہوا لاکر سامنے دھر دیتا کہ دیکھو مجھ پر یہ کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً چونکہ وہ جاہل اس پارہ پارہ نازل ہونے کے بھید سے واقف نہ تھے اور یہ نہ جانتے تھے کہ کسی نبی پر آج تک اس طرح سے بنی بنائی کتاب نازل نہیں ہوئی ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے اس امر سے درگزر

---

ف۱ تفسیر القرآن کے مؤلف نے اس مقام پر صفحہ ۳۶ سے لے کر ام تک اپنے خیالات فاسدہ کو بہت کچھ طول دیا ہے اور چند ابحاث لکھی ہیں (۱) مما نزلنا پر جس کا خلاصہ امام رازیؒ پر نزول وحی کے بارہ میں اعتراض اور تمام علمائے اسلام پر طعن کے بعد یہ ہے کہ خدا اور پیغمبر میں جبرئیل وغیرہ کوئی واسطہ نہیں صرف اُسی کے خیالات جس طرح کہ مجنونوں کو مجسم نظر آیا کرتے ہیں اور کوئی باتیں کرتا معلوم ہوتا ہے کہ آوازیں سُنائی دیتی ہیں اسی طرح اس نبی کو نظر آتے باتیں کرتے ہیں اس کے دل سے خیالات اُٹھ کر دل پر فوارہ کی طرح اُچھلتے ہیں اور یہی نزولِ وحی ہے (۲) بحث نبوت کی بابت ہے کہ نبوت خدا کی طرف سے ایک ایسا عہدہ سمجھنا کہ وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ) اہل اسلام کا غلط عقیدہ ہے بلکہ نبوت ایک فطری ملکہ ہے کہ جس طرح انسان کے اندر اور صدہا فطری ملکات ہیں یہ بھی ایک ملکہ ہے کہ جو جسم کو کاہ بعض میں قوی و ضعیف ہوتا ہے پس جس میں اخلاق انسانی کی تعلیم و تربیت کا ملکہ بمقتضائے اس کی فطرت کے خدا کی طرف سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے (پھر یہ پیغمبری کسی شخص اور کسی زمانہ میں منحصر نہیں بلکہ ہر ملک اور ہر زمانہ میں ایسے لوگ کہ جو ریفارمر کہلاتے ہیں نبی ہیں چنانچہ ہندوستان میں دیانند سرسوتی اور بنگالہ میں بابو کیشب چندر سین اور انگلستان میں فلاں فلاں صاحب اب بھی نبی ہیں۔ تہذیب الاخلاق مطبوعہ ۱۲۹۲ھ) (۳) لفظ اُعدت سے دوزخ اور جنت کا بالفعل موجود ہونا خیال کرنا جیسا کہ جمہور اہل سنت والجماعت عقیدہ رکھتے ہیں غلط ہے کیونکہ قطعی الوقوع چیز کو قرآن بلفظ ماضی تعبیر کرتا ہے (۴) بحث دوزخ و جنت کی بابت ہے کہ جنت کی حقیقت کا بیان کرنا خدا کو بھی محال ہے۔ جنت و دوزخ صرف راحت و تکلیف کا نام ہے۔ موسیٰ نے اس کی تفسیر کثرت اولاد اور پیدائش مال کے ساتھ کی ہے اور دوزخ ان چیزوں کے نقصان اور ہیضہ وغیرہ مصائب کو بتلایا ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآن میں لوگوں کو رغبت اور خوف دلانے کی مصلحت سے اس کی تفسیر حور و قصور باغ اور نہریں اور شعلۂ آتش اور زقوم و حمیم کے ساتھ کردی اور دراصل یہ چیزیں جنت و دوزخ میں نہیں اگر یہی جنت ہے تو اس سے ہماری خرابات بہتر ہے الخ۔ **اقول** یہ ان کے اقوال کا خلاصہ مطلب ہے اب ناظرین دیکھ لیں کہ یہ باتیں بلا دلیل جو خان صاحب نے (باقی صفحہ ۱۲۶)

فرما کر اسی تقدیر پر قائل کیا کہ اچھا یوں ہی سہی تم کو بھی پوری کتاب نہیں بلکہ اس کے ایک ہی ٹکڑے کے برابر تو بنا لاؤ۔ اس لئے لفظ نزّلنا فرمایا انزلنا نہ کہا۔

(۲) اس تحدّی (معارضہ) کو خدائے تعالیٰ نے ایک نکتہ کے لئے کئی سورتوں میں مختلف طور سے بیان کیا اس سورہ میں اور سورۂ یونس میں تو اس طرح فرمایا اور سورۂ ہود میں یوں فرمایا فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ کہ اس کے دسویں حصہ ہی کے مانند بنا لاؤ۔ اور خدا کے سوا جس سے چاہو مدد لو۔ اور سورۂ اسرٰی میں یوں فرمایا قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۔ اگر تمام جنّ و انس اس قرآن کی مثل بنانے پر متفق ہو جائیں اور ایک دوسرے کی مدد بھی کرے تب بھی اس کے مانند نہ بنا سکیں گے۔ اور سورۂ قصص میں یوں فرمایا قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ کہ ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو خدا کے ہاں سے کوئی کتاب لا کر دکھاؤ کہ جو قرآن و توریت سے زیادہ ہادی ہو۔ میں بھی اس کو مانوں گا۔ پس ان سب آیات کو ملا کر یہ نکتہ پیدا ہوا کہ خواہ تم ایک سورۃ کی برابر خواہ دس کی خواہ تمام قرآن کی برابر بنا کر دکھاؤ۔ یہ سخت معارضہ ہے گویا یوں فرمایا کہ اس کی برابر بناؤ یا اس کے نصف کے برابر یا اس کے ربع کے برابر۔ بناؤ تو سہی۔

(۳) وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ فرمایا کہ آتش جہنم میں آدمی اور پتھر جلتے ہیں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو لوگ غیر اللہ کو پوجتے ہیں اور ان کو حاجت روا سمجھتے ہیں اور ان کے نام کی دُہائی دیتے اور نذر و نیاز دیتے ہیں وہ عابد اور معبود دونوں خدائے جبار کے قہر میں مبتلا ہیں۔ خدا کا قہر آگ کی صورت میں متمثل ہو کر ان کو جلائے گا۔ اور جہنم کا ایندھن بنائے گا۔ اور عرب کے لوگ اکثر پتھر کے بت بنا کر پوجتے تھے اس لئے حجارہ کہا۔ الغرض اس لطف کے ساتھ ان کی بت پرستی کی سزا اور بتوں کی وقعت اور اقتدار کا اندازہ ظاہر کر دیا۔

اس تھوڑے سے کلام میں خدائے تعالیٰ نے ان چند مقاصدِ ضرورۃ کو کس خوبی کے ساتھ ادا کر دیا کہ جس کا کچھ بیان نہیں (۱) جس امر میں ان ... کو بڑا دعویٰ تھا۔ اسی میں ان کو عاجز بنا کر قرآن کا منجانب اللہ ہونا ثابت کر دیا۔ (۲) اس کے ضمن میں اس معجزۂ قرآنیہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مخالفوں کے روبرو متیقن اور ثابت کر دیا۔ حتےٰ کہ پھر جو کوئی انکار کرتا تو عناد سے کرتا تھا۔ لانهم یعرفونه كما یعرفون ابناءهم (۳) وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ سے خدا تعالیٰ کے سوا جس قدر معبود لوگوں نے بنا رکھے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے اور ان کو حاجت روا یا قادرِ مطلق یا قادرِ مطلق کا مختارِ عام یا داروغہ با اختیار جانتے ہیں (جیسا کہ ہنود کالی۔ بھوانی۔ بھیروں۔ ہنومان۔ کرشن۔ بشن۔ مہادیو راجہ رامچندر۔ کواکب و عناصر و ارواح وغیرہا اشیا۔ کو اب تک ایسا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۵) بیان کی ہیں محض فرقہ برہمو سماج کی تقلید ہے یا نہیں؟ اور ان خیالات کو نہ تنہا اسلام بلکہ کل آسمانی مذاہب سے کس قدر مباینت ہے اور اس وقت جو الحاد و دہریت کے دریائے ناپیدا کنار کی موجیں ہندوستان کو تہہ و بالا کر رہی ہیں۔ (جس سے ہزاروں کوڑمغز کہ جن کو نہ علوم اسلامیہ سے بہرہ نہ فنون عقلیہ سے حصہ دینی برکتوں سے نصیبہ بلکہ پکے دنیادار جاہ و مال کے بندے نفسانیت سے بھرے ہوئے کسی قدر ثروتِ دنیا حاصل کر کے بانیٔ مذہبِ جدید ہو گئے اور سینکڑوں بندگانِ خدا کو گمراہ کر دیا اور حیاتِ ابدی سے محروم بنا دیا) ان سے کس قدر مناسبت ہے ان خیالات کا بطلان مقدمہ کتاب میں ہو چکا ہے فمن شاء فلیرجع الیها۔ منہ رحمہ اللہ تعالےٰ

ف ادعوا شهداءكم فرمانے میں ایک اور نکتہ بھی ہے کہ ایامِ جاہلیت میں بعض کاہنوں سے جن مقفّیٰ و مسجع کلام کیا کرتے تھے اور اس کلام کو وہ جاہل بہت ہی بڑا فصیح و بلیغ سمجھ کر جامع میں پڑھتے تھے اس آیت میں اس پر بھی تعریض فرما دی کہ یہ کسی جن کا کلام نہیں اور نہ حضرت علیہ السلام کاہن ہیں اگر تمہارا یہ خیال ہے تو تم خود بھی زور لگا کر دیکھو اور اپنے بھوت دیوتاؤں سے بھی مدد لے دیکھو کہ تم اور وہ سب جمع ہو کر اسکے ایک ٹکڑے کے برابر بھی بنا سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ منہ

جانتے اور اُن کے نام کے پتھر، تانبے، پیتل کے بُت بنا کر پوجتے ہیں۔ جس کو یقین نہ آئے تو بنارس[1] جا کر دیکھ لے۔ اُن کا عاجز ہونا بھی ثابت کر دیا گویا یہ توحید کے لئے ایک بُرہانِ قاطع اور ابطالِ شرک کے لئے دلیلِ ساطع ہے (۴) وَلَنْ تَفْعَلُوْا سے قیامت تک پیشین گوئی کر کے آنحضرت علیہ السلام کو کامل اطمینان دِلا دیا جس سے آنحضرت علیہ السّلام نے اس دعوے کو نہایت اطمینان سے لوگوں کو سُنا کر اپنی نبوّت کو ثابت کر دیا (۵) فَاتَّقُوا النَّارَ سے عالمِ آخرت اور وہاں کے احوالِ عذاب و ثواب اور بُت پرستی اور کفر کی سزا جہنّم ابدی کو بیان اور نتیجہ اعمال کو عیاں کر دیا (۶) الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ سے یہ ظاہر کر دیا کہ وہ آگ یہاں کی آگ سے بہت تیز ہے یہاں کی آگ لکڑیوں سے جلتی ہے وہ آگ ارواحِ کفار اور سخت پتھروں سے سلگتی ہے اور یہ کہ وہ معبود کہ جن کو لوگ پوجتے ہیں محض بے حقیقت ہیں اور کا تو کیا بھلا کریں گے اپنے ہی تئیں مواخذہ سے بَری نہ کر سکیں گے۔ جب مکّہ میں حضرتؐ نے انوارِ توحید کو پھیلایا اور آفتابِ نبوّت بلند ہوا تو بُتوں میں سے آوازیں آیا کرتی تھیں کہ اب ہماری پرستش کا زمانہ ختم ہو گیا۔ چنانچہ اسلام لانے سے تھوڑے دنوں پہلے حضرت عمرؓ جب ایک بُت کے آگے قربانی لے کر گئے تو اُس کے اندر سے نوحہ کی آواز آئی اور چند اشعار نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی شوکت کی بابت سُنائی دیئے اور اُسی آوازِ غیبی نے پھر کلمات الوداع پڑھ کر حسرت و افسوس ظاہر کیا۔ اس قصّہ کو بیہقی نے دلائل النّبوۃ میں روایت کیا ہے (۷) أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ سے یہ بات ثابت کر دی کہ جنّت و دوزخ بلکہ جو کچھ عالمِ ظہور میں آنے والا ہے وہ سب کچھ عالمِ مثال میں قائم ہو چکا ہے۔ یہ مسلّم کہ قرآن مجید میں آئندہ ہونے والی چیزوں کو کہ جو قطعًا واقع ہوں گی ماضی کے صیغہ سے تعبیر کیا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس چیز کو اس لفظ سے بیان کیا ہو وہ ہنوز واقع نہیں ہوئی آئندہ ہو گی۔ پس ان دونوں چیزوں میں مساوات سمجھ کر یہ کہدینا

کہ جنّت و دوزخ ہنوز پیدا نہیں ہوئیں بڑی غلطی ہے۔ اس لئے جمہور اہلِ سنّت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دوزخ و جنّت اب بھی موجود ہیں نہ یہ کہ قیامت کو موجود ہوں گی جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں۔ کس لئے کہ اگر یہ ہو تو جس قدر عہدِ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک لوگ نیک اور متّقی مرے ہیں وہ جنّت اور وہاں کے نعماء سے محروم رہیں اور بُرے لوگ جہنّم سے بچے رہیں۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے عرصۂ دراز تک کیوں اعمال کی جزا و سزا نہیں ملتی ہے۔ علاوہ اس کے قرآن و حدیث اس پر گواہِ صادق ہیں خود حضرت آدمؑ جنّت میں رہے تھے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں جنّت و دوزخ کی سیر کی اور ایک بار نماز پڑھتے میں دوزخ و جنّت کو دیکھا اور یوں بعض شخصوں کو دوزخ و جنّت کو دیکھ کر خبر دی اور ان باتوں کو ایک صحابی نے نہیں بلکہ بہت سے صحابہؓ نے روایت کیا ہے اور کُتبِ احادیث صحاح ستّہ وغیرہا میں بہت سے طرق سے یہ روایات مروی ہیں۔

**تحقیق** اس مسئلۂ دارِ آخرت کی یہ ہے کہ قدیم سے علماءِ بنی آدم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان صرف اس پیکرِ جسمانی کا نام نہیں نہ حس و ادراک اس کا کام ہے مثلاً کان نہیں سُنتے بلکہ اس دریچہ سے کوئی اور سُنتا ہے۔ آنکھ نہیں دیکھتی اس کھڑکی سے کوئی اور دیکھتا ہے اگر شنوائی یا بینائی کی قوتیں ہاتھ یا پاؤں یا پُشت میں رکھی جاتیں تو وہ اصلی انسان جس کو روح یا نفسِ ناطقہ یا آتما کہتے ہیں وہیں سے سُنتا دیکھتا۔ اسی پر اور قوتوں تکلّم وغیرہ کو قیاس کر لیجئے۔ اور اصلی انسان کا یہ پیکرِ جسمانی اس عالمِ عنصری میں ایک آلہ ہے جب وہ اس پیکرِ جسمانی کو چھوڑ دیتا ہے جس کو موت عرفِ عام میں کہتے ہیں تب وہ سُننے میں اس کان کا دیکھنے میں اس آنکھ کا بات کرنے میں اس زبان کا محتاج نہیں۔ رنج و راحت بھی جو کچھ ہے اس اصلی انسان کو ہے۔ جسمانی امراض سے جو اَلَم ایک تعلّقِ خاص کی وجہ سے پہنچتا ہے اسی کو ادراکی قوّت کے سبب سے پہنچتا ہے اگر کسی دوا سے جیسا کہ

[1] بنارس جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہر گاؤں اور ہر شہر میں یہی صورت ہے۔ منہ

کلورافارم سے اس ادراک کو معطل کر دیا جائے تو کوئی الم و درد نہیں ہوتا خواہ جسم کو پارہ پارہ کر دیجئے یا اس تعلق کو قطع کر دیجئے ہاتھ پاؤں کو کاٹ ڈالئے گو قطع تعلق کے وقت درد ہو گا مگر اس کے بعد آنکھوں کے سامنے اس ہاتھ پاؤں بریدہ کو کاٹئے جلایئے اصل انسان کو کچھ بھی درد و الم نہیں ہوتا۔ دیکھئے خواب میں انسان چلتا ہے مگر نہ ان پاؤں سے، دیکھتا ہے مگر نہ ان آنکھوں سے، سنتا ہے مگر نہ ان کانوں سے، کھاتا پیتا ہے، لذت و الم اٹھاتا ہے نہ اس جسم سے وہاں اس کے لئے اور ہی ہاتھ پاؤں اور اور ہی ناک کان آنکھ ہے اور اور ہی زبان ہے اس تمثیل پر فلاسفی کا ایک شبہ ہے کہ یہ جو خواب میں ہوتا ہے صرف عالم بیداری کے تخیلات ہیں باقی کچھ نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ضرور خواب میں عالم بیداری کے خیالات بھی ہوتے ہیں اس سے انکار نہیں مگر اس پر حصر کر دینا ایک بڑی نادانی ہے کس لئے کہ بارہا خواب میں آنے والے واقعات ہو بہو دکھائی دیتے ہیں جو اب تک پیش نہیں آئے تھے ان پر تخیلات بیداری کا اطلاق بے جا ہے۔ تخیلات گزشتہ واقعات ہو سکتے ہیں کہ جن کی تصویر خزانۂ خیال میں گزر جانے کے بعد باقی رہتی ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم ایک شہر میں گئے ہیں کہ جس کو نہ کبھی دیکھا نہ سنا اور وہاں کے بازار و مکان دیکھے وہاں کے آدمیوں سے ملے اور ان سے فلاں فلاں معاملات پیش آئے۔ پھر بیداری میں تھوڑے دنوں بعد یا ایک عرصہ بعد بعینہٖ وہی شہر اور وہی بازار اور وہی آدمی اور وہی معاملات اس عالم میں دیکھے گئے اب اس قسم کے رؤیا میں جو کچھ دیکھا جو کچھ سنا جو کچھ رنج و راحت اٹھایا جو کچھ کھایا پیا عورتوں سے صحبت ہوئی جس کو بیداری میں ہو بہو پایا کیا اس جسم اور اس پیکر جسمانی سے تھی ہرگز نہیں۔ یہ تو محوِ استراحت میں پڑا تھا گو بیداری میں جب وہ چیزیں پیش آئیں یہ جسمانی پتلا بھی ساتھ ساتھ ہو لیا اور پھر رنج و راحت کا یہی آلہ بن گیا اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس اصلی انسان اور پیکر انسانی میں باہم کیا تعلق ہے اور کیوں منقطع ہو جاتا ہے اور اس انقطاع کو موت کہا جاتا ہے اور دراصل وہ اصل انسان کیا ہے اور بعد انقطاع تعلق اس کی کیا حالت ہوتی ہے ان تینوں سوالوں کا جواب ایک سرِ روحانی ہے جہاں اس فلسفہ اور حکمت کا گزر بھی نہیں کیونکہ یہ فلسفہ جہاں تک اس کی وسعت تسلیم کی جائے عالم محسوس سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھا یعنی اس کی تحقیقات کا دائرہ ان ہی چیزوں تک محدود ہے جو محسوس ہیں مثلاً جو اس آنکھ سے دکھائی دے سکتی ہیں، عناصر، زمین، ستارے، حجر و شجر بر و بحر معدنیات وغیرہ۔ فلسفہ نے ان چیزوں میں موشگافی کی ہے انہیں کے متعلق حیرت انگیز کام کئے ہیں جیسا کہ قوت برقی کا استعمال، ابخرات مائی سے انجنوں کے ذریعہ سے حیرت انگیز کام لینا، اسٹیمر، ریل گاڑی وغیرہ معدنیات کے آثار مخفیہ کا انکشاف یا نباتات کے آثار غریبہ کا انکشاف یا دوربینوں خوردبینوں سے کرۂ ہوائی کی عجائب مخلوقات کا انکشاف وغیرہ وغیرہ جس نے عامہ عقول کو حیرت میں ڈال دیا اور ان فنون کے ماہر و موجد نے خود پسندی سے علم کا انحصار ان ہی پر کر دیا جس طرح ایک لائق معمار کو باورچی کے کام سے بے خبری ہے یا ایک لائق لیڈر قانون دان کو لوہار کے کام سے ناآشنائی ہے اسی طرح اس فلسفی کو مسائلِ روحانیہ سے بے خبری ہے مگر یہ ناچیز بندہ اس علم روحانی سے جو اس کو اس فن کے استادوں سے حاصل ہوا ہے مختصراً جواب دیتا ہے۔ تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

(۱) پیکر جسمانی در اصل انسان کے تعلق کا ایک بہت بڑا باریک مسئلہ ہے جس کی تصریح کے لئے نہ مجھے کوئی مثال ملتی ہے نہ اس کی تعبیر کے لئے میرے پاس الفاظ ہیں اس مشکل پر جو کچھ بیان کیا جاوے وہ کافی سمجھا جاوے۔ پیکر انسانی میں اغذیہ کے باقاعدہ تصرف میں لانے سے جو خون پیدا ہوتا ہے اور اس سے لطیف ابخرات پیدا ہو کر عروق وغیرہ کے ذریعہ سے تمام جسم میں علیٰ قدرِ ضرورت پہنچتے ہیں اس کو عربی زبان میں نسمہ کہا جاتا ہے اور اسی کو روح طبعی بھی کہتے ہیں۔ یہ نسمہ اس اصلی انسان یعنی نفس ناطقہ کا مرکب ہے۔ ان دونوں میں وہی تعلق ہے جو پھول اور اس کی خوشبو میں یا جو دہکتے کوئلوں اور آگ میں نفس ناطقہ اس نسمہ میں تدبیر اور تصرف کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے تمام بدن کا انصرام ہوتا ہے۔

جس طرح نفسِ ناطقہ کا مرکب نسمہ ہے اسی طرح نسمہ کا مرکب بدن ہے اب ان اسباب تعلق میں سے جو کوئی سبب اپنی حالت پر باقی نہ رہے گا وہ تعلق منقطع ہو جائے گا جس طرح تیل نہ ہونے سے بتی کی لو جاتی رہے گی۔ اور لو کے جانے سے وہ روشنی چلی جائے گی جس نے تمام مکان کو روشن کر رکھا تھا۔ اب تیل اور اُس روشنی میں دیکھئے کیا نسبت ہے۔ الغرض اس تعلق کا انقطاع یا اس جسم کو کُلاً یا جزءً فنا کر دینے سے مرجاتا ہے اسی طرح دم گھونٹ دینے یا گردن مار دینے سے سمّی دوا کھلا دینے سے امراض شدیدہ سے یعنی اُن چیزوں سے جو اس انتظام کو درہم و برہم کر دینے والی ہوں۔
یہ تو عارضی انقطاع تعلق تھا اور طبعی بھی ہوتا ہے کہ اس کے جسم کے قویٰ یعنی چراغ اور اس کا تیل انحلال پذیر ہو جانے سے اس کو موتِ طبعی کہتے ہیں پھر اس خول سے وہ اصلی انسان اس طرح باہر ہو جاتا ہے جس طرح چھلکے سے پھل اُس چھلکے اور اس کے اندر کے پھل میں جس طرح ایک قسم کی صورت میں مناسبت ہوتی ہے اسی طرح اس پیکر اور اصل انسان میں۔ مگر کہاں یہ صورت کہاں وہ شکل اور یہ استحالہ اور انقلاب اس پیکر پر کوئی نئی بات نہیں۔ غذا و اناج، گوشت وغیرہ نے معدہ میں جا کر کئی اُلٹی پلٹیوں کے بعد منی کی صورت اختیار کی تھی۔ پھر اس منی نے عورت کے رحم میں جا کر کیا کیا بہروپ بدلے خون ہوئی، پھر گوشت کا لوتھڑا ہو گئی، پھر اُس میں ہاتھ پاؤں اعضائے جسمانی نمودار ہوگئے، پھر ایک زمانہ تک ڈھال قدرت پر پختہ ہو کر انسانی پیکر بن کر رحم سے باہر آئی، پھر یہ پیکر بھی دن بدن کیا روپ بدلتا رہا آخر کار انحطاط شروع ہوا۔ اور ہوتے ہوتے اس میں سے انسان نکل جانے کے بعد گل سڑ گیا مٹی میں مٹی مل گئی اور پھر وہی مٹی بن گئی جو ترکاری وغیرہ بن کر معدہ میں جا کر کیا کیا بنی تھی۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔ کہاں چلے گئے اس پیکر یا اس خول میں سے جو انسان برآمد ہوتا ہے اُس کے حالات بیان فرمائیے۔ یہ بات کہ اس پیکر سے انسان برآمد ہوتا ہے اس پر کوئی برہان ہندسی یا دلیل ریاضی و طبعی قائم نہیں ہو سکتی اور اگر ہو سکتی ہے تو مجھے معلوم نہیں۔ یہ ایک سرِّ روحانی ہے۔ جس کو فنِ روحانیات میں کچھ بھی دخل ہے وہ اس کو دیکھ سکتا ہے مگر اطمینانِ منکر کے لئے اتنی بات کہے بغیر نہیں رُک سکتا کہ جس قدر دنیا میں متمدن قومیں ہیں اور اُن میں بزرگ گزرے ہیں ہزاروں سینکڑوں برسوں سے اس کے قائل ہیں ہندو، پارسی، یہودی، عیسائی، بودھ، مسلمان، حضرت ابراہیم حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور وہ اپنی قوموں سے یہی بات فرما بھی گئے ہیں۔ حکمائے یونان بھی اس کے قائل ہیں۔ حال کے حکمائے یورپ میں بھی اب اس طرف توجہ ہو رہی ہے اور بڑے بڑے سائنس دان ڈاکٹر اس کے قائل ہوتے جاتے ہیں اور سالانہ جلسوں میں جو اسی بابت منعقد ہوا کرتے ہیں ہر ایک نے اپنے انکشاف کا حال مختلف تقریروں میں بیان کیا ہے (ملاحظہ ہو حدیقۃ الفکر مصنفہ فرید آفندی مطبوعہ مصر) دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ اصل انسان جو ایک جوہر نورانی ہے اس کے لئے جسم ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء بھی ہوتے ہیں۔ بات جیت بھی کرتا ہے مگر اس کے لئے جسم اور اس کے ہاتھ پاؤں اس جسم عنصری کے سے نہیں وہ جسم بھی ایک طرح کا لطیف ہے بلحاظ اس مادہ کے اور اس تجرد کی وجہ سے اس کو وہ رنج و آلام وغیرہ بھی لاحق نہیں ہوتیں جو اس حالت میں ہوتی ہیں مگر اس حالت کے درد دُکھ اور ہیں اور بڑے سخت ہیں مگر نہ اس قسم کے۔ اسی طرح لذات و عیش بھی ہیں اور یہاں سے کہیں زیادہ ہیں۔ مگر نہ اس قسم کے۔

اب ہم تیسرے سوال کا جواب دیتے ہیں کہ اس انقطاع تعلق جسمانی کے بعد اس اصل انسان یا روح کی کیا حالت ہوتی ہے۔

اس مسئلہ میں قدرے اختلاف ہے۔ بعض حکماء اور بعض اہل ہنود جو ویدوں کے ماننے والے ہیں۔ اُن کا خیال یہ ہے کہ اس کا پھر اسی عالم جسمی میں بہ مناسبِ اعمال و اعتقاد (گیان و کرم) کسی دوسرے جسم سے بھی وہی تعلق پیدا ہوتا ہے اور یہ سلسلہ دُور تک جاتا ہے اسے وہ (آواگون) یعنی تناسخ کہتے ہیں۔ اس خیال کی اگر یہ تاویل نہ کی جائے کہ دوسرے جسم سے تعلق پیدا ہونے کے یہ معنے ہیں کہ اس کو روحانی

جسم دیا جاتا ہے جس کا یہ جسم بمنزلۂ پوست اور بمنزلۂ مغز کے ہوتا ہے) تو یہ خیال بچند وجوہ غلط ہے جن کی تشریح معلومات میں ہے بعض قوموں کا یہ خیال ہے کہ جسم عنصری سے تو تعلق نہیں رہتا مگر اس کا مسکن بھی یہی عالم عنصری رہتا ہے اور وہ جنوں کی طرح رہتے ہیں۔ اسی لئے وہ ارواح کبھی کسی پر مسلط بھی ہوجاتے ہیں اور ان کے افعالِ حیرت انگیز بھی مشاہدہ ہوتے ہیں یہ خیال بھی صحیح نہیں۔ ہاں یہ ہوتا ہے کہ کبھی ان کا اس عالم سفلی کی طرف بھی نزول ہوتا ہے اور وہ جس کو چاہتے ہیں دکھائی دے جاتے ہیں جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اور شہدائے عظام۔ فرشتوں کی خاصیت ان میں ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا بعض ارواح طیبات سے اس عالم میں ملاقات کرنا اس کی دلیل ہے۔ فرمایا رأیت یونس و ہو یلبی رأیت موسیٰ و ہو یصلی۔

اسی طرح بعض ارواح کسی مدت تک جن میں باعتبار تزکیہ کے بالا تر جانے کی صلاحیت نہ تھی اسی عالم میں چندے قیام کرتی ہیں مگر محسوس نہیں ہوتیں اور کبھی بعض ارواح خبیثہ کو اسی عالم میں عذاب دیا جاتا ہے۔ جس کو بعض ادراک بھی کرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ چند کہنہ قبروں کے پاس سے اور آپؐ کا خچر یا یابو جس پر سوار تھے بدکا۔ آپؐ نے پوچھا کہ یہاں کن لوگوں کی قبریں ہیں؟ لوگوں نے کہا مشرکین کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم مردے گاڑنا بند نہ کردیتے تو میں ان پر جو عذاب ہو رہا ہے تم کو دکھا دیتا۔ جس کو جن و انس کے سوا سب دیکھ رہے ہیں اسی لئے قبورِ صلحاء اور قبورِ فساق و کفار پر کبھی نیک و بد آثار لوگوں کو محسوس ہوتے ہیں مگر عام قاعدہ جس کا گروہ انبیاء علیہم السلام قائل ہے اور جس کی خبر دینے پر وہ مامور کئے گئے تھے یہی ہے کہ نیک بندہ حسبِ اعمال و ایمان اس ہیکل کو چھوڑ کر عالم بالا تک پرواز کر جاتا ہے اور فرشتے اس کو نہایت عزت و احترام سے عالم بالا تک پہنچاتے ہیں اور وہیں کہیں اپنے مناسب مقام پر ارواح میں ملتے اور ہر قسم کا عیش و آرام پاتے ہیں۔ پھر اس میں درجات متفاوت ہیں اور اس مقام کو مقامِ علیین کہا جاتا ہے۔ اور بد اور بدکار اس کے برخلاف برے حالوں میں مبتلا ہو کر عالم سفلی میں معذب ہوتے ہیں۔ جس کو سجین کہتے ہیں۔ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح بہت کچھ ہے مگر میں نصف کے قریب بنی آدم کی تسلی کے لئے ایک ایسے شخص کا قول نقل کرتا ہوں کہ جس کو ایک عالم مانتا ہے یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کا اور ان پر روحانیت کا یہاں تک غلبہ بھی تھا کہ جس کی وجہ سے لوگ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگے یعنی اس صفت سے اشتباہ میں پڑ گئے الوہیت اور ملکیت کے مراتب کا امتیاز نہ رہا۔

اس قول کو لوقا نے اپنی انجیل کے سولہویں باب میں ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں اگلے زمانے میں ایک دیندار مگر سخت مفلس اور بے کس شخص لعزر تھا جس کے زخموں کو کتے چاٹتے تھے اور اسی جگہ ایک دولت مند فاسق و فاجر عیش و نعیم میں سرشار رہتا تھا۔ لعزر کو تمنا تھی کہ کہیں اس کے دسترخوان کے بچے ہوئے ٹکڑے ہی مجھے مل جایا کریں قضارا دونوں مر گئے اس دولتمند نے جہنم اور عذابوں میں سے ابراہیم علیہ السلام کو دور سے دیکھا کہ ان کے پاس لعزر بھی بیٹھا ہے۔ تب اس نے پکار کر کہا کہ اے باپ ابراہیمؑ! مجھ پر رحم کر اور لعزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا پانی سے بھگو کر میری زبان تر کرے کیونکہ میں اس لو میں تڑپتا ہوں۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے فرزند! تو اپنے مزے دنیا میں پا چکا اب تیرے لئے کچھ نہیں۔ دوسرے ہمارے تمہارے درمیان ایک بڑا عمیق گڑھا حائل ہے جس سے نہ یہاں کا وہاں اور نہ وہاں کا یہاں آسکتا ہے تب اس نے کہا کہ اے ابراہیمؑ! میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو لعزر کو میرے باپ کے گھر بھیج کہ وہ جا کر خبر کرے اور شہادت دے تاکہ میرے پانچ بھائی جو وہاں ہیں ایمان لائیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اس عذاب کی جگہ میں آئیں۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ ان کے پاس موسیٰؑ اور دیگر انبیاء ہیں ان کو چاہیے کہ ان کی سنیں۔ اس نے کہا نہیں اے باپ! اگر کوئی مردوں میں سے ان کے پاس جا کر گواہی دے تو اس کو باور کریں گے اور توبہ کریں گے۔ ابراہیمؑ نے کہا جب وہ موسیٰؑ اور نبیوں کی نہیں سنتے تو

مُردوں میں سے اگر کوئی اُن کے پاس جا کر خبر دے گا تو اُس کی کب مانیں گے، انتہیٰ۔

اس بیان سے چند باتیں معلوم ہوئیں (۱) یہ کہ مرنے کے بعد ایک دوسرے عالم میں انسان جاتا ہے۔ جہاں اُس کے اعضائے بدن بھی ہوتے ہیں۔ اور جسم اوّل کے مناسب ایک دوسرا جسم بھی ہوتا ہے جس سے ایک دوسرے کو پہچانتا ہے۔

(۲) یہ کہ وہاں عذاب، لُو، پیاس، گرمی وغیرہ بھی ہے اور ثواب بھی۔ جہاں سرد پانی وغیرہ اشیاء بھی ہیں۔ پھر جہاں اعضائے بدن انسانی بھی ہوں گے اور سرد پانی اور لُو وغیرہ اشیاء بھی ہوں گی تو پھر کیا کھانا دانہ کچھ نہ ہوگا؟ ضرور ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی سامانِ راحت ہے۔ پھر کیا وہاں عمدہ مکان نہ ہوں گے جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ اور پھر کیا وہاں ازواجِ مطہرات نہ ہوں گی۔ کیا مرد ہی راحت و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ عورتوں سے وہ جگہ بالکل خالی ہوگی۔ کیا عورتیں جہنم ہی کے قابل ہیں؟ ہرگز نہیں۔ وہ بھی مردوں کے قدم بقدم ثواب و عذاب میں ہوں گی۔ پھر جب ہر قسم کی راحت اور پانی اور عمدہ مکان اور عمدہ کھانے ہوں گے اور بیبیاں بھی ہوں گی اور جسم بھی ہوگا اور اُس کے اعضاء اور صحت بھی ہوگی تو کیا مرد نامرد ہو جائیں گے ہرگز نہیں۔ ان اسرار کو قرآن نے کھول کھول کر بیان فرمایا ہے۔ تو کیا یہ محل اعتراض ہے اور کس لئے ان نعماء کی بہ تقلید فلاسفہ تاویل کی جاتی ہے۔

(۳) مرنے کے بعد دنیا کی سب باتیں یاد رہیں گی اور اپنے اعزہ کی محبت بھی باقی رہتی ہے۔

(۴) بزرگوں کی صرف اولاد ہونا بغیر ایمان اور اعمالِ صالحہ کے کچھ بھی فائدہ مند نہیں۔

## واضح ہو

کہ قرآنِ مجید کی بلاغت و اعجاز یہ بھی ہے کہ کسی مضمون کو ناتمام نہیں چھوڑ جاتا اور کس حسن و خوبی سے تمام کیا جاتا ہے۔

ان ہی آیات میں غور کرو کہ اوّل عبادت کا حکم دیا اور معبودِ حقیقی کا نشان اُس کے آثارِ قدرت سے بتلا دیا کہ وہ ہے جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو بنایا اور جس نے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسا کر تمہارے لئے رزق اور روزی کا سامان کیا۔ اب بتاؤ ان باتوں میں کون شریک ہے۔ اس میں ذات و صفات اور توحید اور ردِّ شرک بیان ہوگیا۔ دلیل کے بعد خود ہی نتیجہ کے پیرائے میں بیان فرما دیا کہ پھر جان بوجھ کر کسی کو اس کا شریک ذکر کرو۔ یعنی اس عبادت کا وہی مستحق ہے۔ گر عبادت مقبول اور غیر مقبول کا فیصلہ نبی بغیر ہو نہیں سکتا۔ اس لئے نبی کی صداقت اور قرآن کا کتابِ الٰہی ہونا جو عبادات اور جملہ احکامِ الٰہی کا دفتر ہے اس آیت اِن کُنتُم فی ریب میں بیان فرمایا اور ضمن میں منکرین کا انجام جہنم بھی بیان کر دیا۔ اس کلام میں خدا کی توحید اور اس کے صفات اور نبوت اور قرآن کی حقانیت جو اُمہاتِ مسائل تھے یکے بعد دیگرے کس طرح مسلسل بیان ہوئے اور عالمِ آخرت کا بیان کس مناسبت سے شروع ہوا۔ اوّل دوزخ اور اس کی ہیبت ناک اجمالی کیفیت (کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں) منکرین کے خوف دلانے کے لئے اوّل یوں بیان فرمائی کہ جلبِ منفعت سے دفعِ مضرت مقدم اور اہم تر ہے اس کے بعد عبادت اور خدا تعالیٰ اور اس کی صفات پر ایمان لانے کی اور اس کی توحید کی جزا بھی بیان فرمانا ضروری ہوا تاکہ اُس عالم باقی کی نعماء اور حیاتِ ابدی کی بشارت سُن کر نفوسِ بشریہ اس طرف متوجہ ہوں اور عبادت کی مشقت کو خیال میں نہ لائیں۔ مگر لطف یہ ہے کہ دارِ آخرت کا بیان مژدہ اور خوش خبری کے پیرایہ سے شروع فرمایا اور مژدہ کا مدار اسی ایمان اور اعمالِ صالحہ پر رکھا جو اوّل دوسرے عنوان سے بیان ہوا تھا۔ فقال:

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے اس بات کا

أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

مژدہ دیجئے کہ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے پڑی نہریں بہ رہی

الْأَنْهَرُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِن ثَمَرَةٍ

ہوں گی، جب ان کو وہاں کوئی پھل کھانے کو ملے گا تو

رِّزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِن

کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہم پہلے بھی کھا چکے ہیں

قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا

اور ان کو ہم شکل چیزیں دی جائیں گی، اور ان کے لئے

أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥﴾

وہاں پاکیزہ بیبیاں ہوں گی۔ اور وہ وہاں سدا رہیں گے۔

## ترکیب

بشّر فعل با فاعل۔ الذین آمنوا و عملوا الصالحات صلہ و موصول جملہ اس کا مفعول جنت اسم ہے اَنَّ کا موصوف تجری من تحتہا الانہار جملہ فعلیہ اس کی صفت لہم خبر اَنَّ کی پس یہ اَنَّ اپنے اسم و خبر کے ساتھ مجرور ہے بار کا تقدیرہ بان اور متعلق ہے بشّر کے کلما شرط رزقوا الخ قالوا ہذا الذی رزقنا من قبل جملہ فعلیہ اس کا جواب۔ شرط و جزا مل کر دوسری صفت ہوئی جنت کی یا خبر مبتدا محذوف کی اے ہم ہی یا جملہ مستانفہ ہے رزقا مفعول بہ ہے رزقوا کا اور منہا من ثمرۃ میں مِنْ ابتدائیہ ہے دونوں حال ہیں رزقا سے علی سبیل تداخل یہ تمام جملہ عطف ہے جملہ سابقہ پر و اُتوا بہ متشابہا جملہ معترضہ ہے گویا اس کہنے کا سبب اس میں بیان ہے یعنی وہ یہ بات اس لئے کہیں گے کہ ان کو یہ پھل یکساں صورت کے دیئے جائیں گے ضمیر بہ کی ما رزقوا کی طرف راجع ہے متشابہا حال ہے ضمیر بہ سے ازواج موصوف مطہرۃ صفت دونوں مل کر مبتدا لہم خبر مقدم جملہ مستانفہ ہے ہُم مبتدا خالدون خبر فیہا اس کے متعلق یہ جملہ مستانفہ ہے یا حال ہے لہم سے۔

## تفسیر

کہ اے نبی صلے اللہ علیہ وسلم جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام عبادت اور سخاوت وغیرہا کئے ہیں ان کو یہ مژدہ سناؤ کہ ان کو مرنے کے بعد اس عالم میں ایسے باغ عنایت ہوں گے کہ جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں کے میووں میں عجب لطف ہوگا کہ رنگ و بو اور شکل و صورت یکساں اور مزے الگ الگ یہاں تک کہ جب کوئی میوہ ان کو ملے گا تو اس مشابہت سے یہ سمجھیں گے کہ یہ تو ہم ابھی کھا چکے ہیں۔ مگر جب کھائیں گے تو نیا لطف پائیں گے۔ اور ان کو جس طرح مکانات اور کھانے عمدہ عنایت ہوں گے اسی طرح اُنس و صحبت کے لئے پاکیزہ بیویاں ملیں گی۔ کہ جو نفرت کی باتیں ہوتی ہیں وہ ان میں نہ ہوں گی نہ صورت میں نہ سیرت میں۔ اس پر ان کو بڑھاپے اور موت یا افلاس کا غم نہ ہوگا بلکہ وہ اسی عیش و آرام کے ساتھ ہمیشہ رہیں گے۔

## نکات

(۱) کُتب الہامیہ کا زیادہ تر مقصود تین چیزوں کا بتلانا ہوتا ہے (۱) علم مبدء کہ پیشتر کیا تھا اور اس عالم کو کس نے بنایا ہے اور میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں (۲) علم معاش کہ بندہ یا اور چیزیں پیدا ہونے کے بعد خود مختار ہیں اور ہر چیز کی قدرت مستقلہ رکھتے ہیں یا ہر دم معاش میں بھی اسی کے محتاج ہیں۔ وہی اسبابِ معاش پیدا کرتا ہے اور ہماری سعی و کوشش تو صرف یہ ہے کہ ہم ان اسباب کو کام میں لاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ کسی وقت اس سے بے پروائی اور استغنا نہیں ہو سکتا۔ (۳) علم معاد کہ آخر کار میرا کیا ہونا ہے؟ مجھ کو یہاں سے کہیں اور جگہ بھی جانا ہے وہاں اپنے اعمال کا ثمرہ بھی پانا ہے۔ پس خدائے تعالیٰ نے اوصافِ کتاب اور مراتبِ سعداء و اشقیاء بیان فرما کر ان تینوں علوم کو بیان کر دیا۔ اوّل کو الذی خلقکم میں اور پھر اس کو اور دوم کو الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناءً سے لے کر رزقا لکم تک (سوم) کو فاتقوا النار التی سے لے کر خالدون تک۔

(۲) انسان کی جبلی عادت ہے کہ جب وہ کسی چیز کی مضرت سے واقف ہوتا ہے تو اس سے ڈرتا ہے اور کسی منفعت کی طمع میں کوئی کام

کرتا ہے اس لئے خدا کے کفر کا نتیجہ فاتقوا النار الخ اور ایمان اور اعمالِ صالحہ کا ثمرہ وبشر الذین الخ بیان کر دیا اور اسی حکمت سے جہاں ترہیب ہے ترغیب بھی ہے خوف و رجاء کے دونوں پلّے مساوی رہیں۔

(۳۳) کلما رزقوا منہا من ثمرۃ رزقا قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل میں عالمِ آخرت کے اسرار کی طرف اشارہ کیا کس لئے کہ کلما عموم کو چاہتا ہے۔ لیکن یہ بات جنت میں اوّل مرتبہ ثمرہ کھانے پر صادق نہیں آتی کیونکہ اس سے پہلے وہ کہاں پاچکے تھے؟ دنیا کے ثمرات اوّل تو معدوم مفلس اور غریب اہل جنت کو دنیا میں نصیب ہی ہوتے تھے پھر ان کو جنت کے ثمرات سے کیا نسبت؛ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس عالم میں انسان کے معارف و اعمال اپنی مناسب کسی شکل میں ظہور کریں گے۔ جس طرح کہ معانی خواب میں اپنے مناسب اشکال میں دکھا جاتے ہیں۔ جنت کے ثمرات بھی دنیا کے معارف و اعمالِ صالحہ ہیں جب ان کو وہاں دیکھیں گے تو اصلی مناسبت کا ادراک یہاں تک کامل ہوگا کہ دونوں کو ایک جان کر یہ کہیں گے کہ یہ تو ہم پہلے پاچکے اور دنیا میں کھاچکے ہیں (واللہ اعلم بمرادہ) پس کفر و الحاد اور انبیاء کی نافرمانی اور بدکاری آگ اور جہنم مردم سوز کی صورت میں اور ایمان اور اچھے اعمال جنت و ثمرات و ازواج و انہار کی صورت میں ظہور کریں گے۔ واضح ہو کہ انسان کی رغبت تین چیزوں سے زیادہ ہوتی ہے اور ان ہی کی طرف زیادہ احتیاج پڑتی ہے (۱) مکان عمدہ (۲) اچھے سامان عمدہ کھانا پینا (۳) عورتِ حسین۔ پس اوّل کو تو لہم جنّت میں اور دوسرے کو کلما رزقوا الخ میں تیسرے کو لہم فیہا ازواج میں بیان کر دیا۔ اس پر ایک کھٹکا ان چیزوں کے فنا ہو جانے اور اپنے مرجانے کا بھی ہوتا ہے کہ جو تمام لذّتوں کو خاک میں ملا دیتا ہے ؎ مرا در منزلِ جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم + جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملہا؛ پس اس کھٹکے کو بھی ہم فیہا خالدون سے مٹا دیا۔

## تحقیقات

(سوال) انسان اور دیگر ابدان اجزاءِ متضادۃ الکیفیت سے مرکب ہیں کہ جن میں طرح طرح کے استحالات و انقلابات ہوتے رہتے ہیں کہ جن سے انجام کار انحلال و انفکاک ہوتا ہے اور اس مرکب کے اجزاء علیحدہ ہو کر یہ مرکب فنا ہو جاتا ہے۔ پس جب یہ ہے تو جنت میں ہمیشہ رہنا کس طرح ہو سکتا ہے۔

(جواب) ہم پیشتر بھی جنّت کی حقیقت بیان کر چکے ہیں اور اب پھر کہتے ہیں کہ جنت میں جسم عنصری تو کیا بلکہ جرم فلکی کی قسم سے بھی کوئی جسم نہیں بلکہ وہ عالم اس عالم سے غیر ہے اس عالم پر قیاس کر کے انفکاک و فساد ترکیب کا احتمال نکالنا قیاس مع الفارق ہے قال تعالیٰ یوم تبدل الارض غیر الارض و السمٰوٰت کہ یہ زمین اور یہ آسمان اس روز نہ رہے گا بلکہ اس کے بدلے میں اور نئی زمین اور نیا آسمان ہوگا کہ جن کی جسمیت ان کی جسمیت سے بالکل مختلف الماہیۃ ہوگی۔ یوحنا بھی اپنے مکاشفات کے ۲۱ باب میں کہتے ہیں (پھر میں نے ایک نئے آسمان اور نئی زمین کو دیکھا کیونکہ اگلا آسمان اور اگلی زمین جاتی رہی تھی) انتہیٰ۔ وہاں[1] کے اجسام لطافت میں روح کے ہم پلّہ ہیں۔ پس جس طرح روح ہمیشہ رہ سکتی ہے وہ بھی ہمیشہ رہیں گے اس شبہ کی بنیاد ایک فلسفی وسوسہ پر ہے کہ جو نہایت کمزور اور بودا ہے۔

(سوال) وہ عالم اگر تسلیم بھی کیا جائے تو وہ ایک عالمِ قدس ہوگا کہ جس میں کھانا پینا عورتوں سے لذّت اٹھانا عمدہ عمدہ باغ اور نہریں اور خوبصورت عورتیں عیش اڑانے کو کہاں؟ جنّت یہ ہے کہ نفسِ ناطقہ اپنے ادراکات سے حظ اٹھائے گا اور جہنم اور آگ یہ ہے کہ اپنے ملکاتِ رذیلہ اور حقائق الاشیاء کے نہ جاننے پر افسوس کرے گا، پچھتائے گا۔

(جواب) یہ سب چیزیں عالمِ قدس میں موجود ہیں اور پھر عالم قدس کے تقدس میں کوئی بھی فرق لازم نہیں آتا ہم پہلے بیان

[1] اور اجسام کا صرف انہیں میں انحصار ماننا دعوائے بلادلیل بلکہ خیالِ خام ہے کہ جس کا سرچشمہ حکماء یونان کے توہماتِ فاسدہ ہیں۔ منہ

کرچکے ہیں کہ وہ عالم اس عالم کا دوسرا پہلو ہے یہاں جو کچھ ہے وہ وہیں کا ظل ہے اور پھر یہاں کی چیزیں وہاں جاکر متمثل ہوجاتی ہیں۔ اس سرِ مکتوم کا اظہار نہ تحریر سے ہوسکتا ہے نہ تقریر سے انبیاء علیہم السلام یا اُن کے متبعین پر کچھ کشف و شہود سے یہ راز کھلا وہی خوب جانتے ہیں۔ البتہ سمجھانے کے لئے ایک مثال یا نظیر (کہ جس کو اصل ممثل لہ سے ادنیٰ سی مناسبت ہے ورنہ زمین و آسمان کا فرق ہے) بیان کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آئینہ میں ہاتھی گھوڑے درخت بڑے بڑے پہاڑ اپنی حقیقی صورت پر دکھائی دیتے ہیں اور جس طرح آئینہ سے بیرونی وجود میں باہم امتیاز ہے اسی طرح آئینہ کے وجود میں بھی ان چیزوں میں حقیقی امتیاز ہے۔ گھوڑا جدا دکھائی دیتا ہے اور ہاتھی الگ پھر چلتا ہوا اور پہاڑ وقار سے زانو جمائے ہوئے بیٹھا ہوا نظر آتا ہے آسمان و زمین بھی باوجود اس وسعت کے آئینہ میں موجود ہیں۔ حالانکہ بالشت دو بالشت کا آئینہ ہے اور اُس میں ایسی بڑی بڑی چیزیں موجود ہیں پھر کیا بات صرف یہ کہ یہ چیزیں تو وہی ہیں مگر یہاں اور حال ہے اور باہر اور پس باہر کے حالات کو آئینہ فرض کرکے محال جاننا اور انکار کرنا کوتاہ فہمی ہے۔

اور سُنیے خواب میں جب کہ ہم لحاف میں منہ لپیٹ کر سوتے ہیں تو ہزاروں عجائبات دیکھتے ہیں۔ کبھی باغوں میں جاتے کھانا کھاتے جماع کرتے ہیں انزال کا اثر صبح کو کپڑے پر پاتے ہیں اسی طرح صدہا مصائب بھی دیکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ صورتیں صرف خیال میں ہوتی ہیں کہ جس میں ہاتھ بھر کی چیز کی بھی گنجائش نہیں نہ اُس میں عورت آسکتی ہے نہ درخت گھس سکتا ہے۔ پس ان چیزوں کے وجودِ خارجی کے حالات سے وجودِ خیالی کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ یہ اس کی وسعت کے مخالف ہے جہل مرکب ہے۔ یہی حال اس عالم کا ہے کہ وہاں سب کچھ ہے مگر یہاں جسم عنصری فانی اور وہاں لطیف باقی۔ اس رمز کی طرف اس آیت میں اشارہ کردیا ہے فلا تعلم نفسٌ ما اخفی لھم من قرۃ اعین الآیۃ۔ اور اسی طرح حدیث میں وارد ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم: اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر، (رواہ البخاری ومسلم) یہ شبہ بھی بے بنیاد وسوسہ ہے۔

## واضح ہو کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تھوڑے ہی دنوں بعد اس حقانی مذہب میں ایسا خلط ملط ہوگیا کہ کچھ کا کچھ ہوگیا۔ جھوٹی انجیلیں اور جھوٹے نامکات حواریوں کے نام سے تصنیف ہونے شروع ہوگئے۔ جس شخص کے جو جی میں آیا اس نے روح القدس نازل ہونے کے پیرایہ میں لوگوں میں جاری کردیا۔ چنانچہ پولوس کے خطوط سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ (بلکہ پولوس بھی ان ہی میں سے ایک شخص تھا) پھر قوم گریک یعنی یونانی بھی اسی مذہب میں آئے تو انہوں نے اپنے خیالاتِ حکیمانہ کو اس مذہب میں ملا دیا۔ ہوتے ہوتے پچھلی صدیوں میں[1] مارٹین لوتھر اور اس کے شاگرد کالون وغیرہ فرقہ پروٹسٹنٹ کے پیشوا ظاہر ہوئے تو اور بھی الحاد اور دہریت کو ترقی ہوگئی یہاں تک کہ گزشتہ صدی میں فرانس اور جرمن میں سینکڑوں ایسے لوگ صاحب تصنیف ظاہر ہوئے کہ جو صرف خدا کے قائل تھے ——— باقی انبیاء اور اُن کے معجزات اور امورِ آخرت اور جن و ملائکہ بلکہ وجودِ آسمان کو قصہ کہانی جانتے تھے اور پھر تو انگلستان میں بھی اس کا چرچا پھیلا اور لارڈ ہربرٹ اور مسٹر بلاونٹ اور ہوبس اور ارل شافٹ جیسے معزز بھی ملحد ہوگئے اور اس بارہ میں بہت سی کتابیں انہوں نے تصنیف کیں اور پھر تو امریکہ، ہسپانیہ وغیرہ جمیع بلادِ یورپ میں بھی یہ بلا پھیل گئی اور ان نام کے عیسائیوں کی یہ بلا ہندوستان میں بھی آئی اور کلکتہ میں رام موہن نامی بنگالی نے ۱۸۴۰ء میں ان ہی اصول پر بت پرستی سے ناراض ہوکر ایک جدید مذہب کی بنیاد ڈالی اور اس کا برہمو سماج نام رکھا پھر اس کے شاگردوں نے انگریزی خواں بنگالیوں میں اس کا بہت رواج دیا اور اُن کی تقلید سے ایک شخص دہلی کے رہنے والے سید احمد خاں نے

---

[1] سولہویں صدی مسیحی میں جب کہ پوپ لوگ جو کہ حضرت مسیحؑ کے نائب کہلاتے تھے اُن کی سلطنت میں فتور آیا۔ ان پوپوں کو عیسائی پادری دجال اور شیطان بتلاتے ہیں حالانکہ حضرت مسیحؑ کے یہ لوگ سینکڑوں برس سے جانشین تھے۔ پس ان کا یہ حال تھا تو اوروں کا کیا ٹھکانا تھا۔ منہ

بھی مذہب اسلام کو برائے نام قائم رکھ کر ایک جدید مذہب کی ان ہی اصولِ ملحدانہ پر بنیاد ڈالی اور قرآن مجید کو تفسیر کے پیرایہ میں اپنے خیالاتِ ملحدانہ کے تابع بنایا۔ مگر یہ کب ہوسکتا ہے ؟ اب ہم ان برائے نام عیسائیوں اور برہمو سماج اور اُس شخص کے اُن اعتراضات کو سُناتے ہیں کہ جو بہ تقلید حکمائے یونان انھوں نے بے سمجھے بوجھے جنت دوزخ پر کئے ہیں۔ منجملہ اُن کے پادری فنڈر اپنی کتاب میزان الحق کے ۳ باب کے ۳ فصل میں قرآن مجید کی اُن آیات کا ترجمہ کرکے کہ جن میں جنت کی جزئیات مذکور ہیں۔ جیساکہ حور نہریں وغیرہ یہ کہتا ہے **قولہ** محمدیوں کا اعتقادی بہشت بالکل مجازی اور جسمانی ہے اس نہج پر کہ جو چیز آدمی کے خیال میں آئے سو وہ وہاں موجود ہے اور نفسانی و جسمانی ہر ایک لذت و عیش جس پر انسان کا دل مائل ہو وہاں ملتی ہے پس ظاہر ہے کہ ایسے بہشت کا امید وار کرنا آدمی کو دل کی پاکی اور نیک تقوے سے روک کر نفسانی خواہشوں کو قوت و قدرت دیتا ہے سو ایسا بہشت خدا کے تقدس کے لائق کیونکر ہوسکتا ہے الخ۔ اور اس سے بیشتر قرآن مجید کی آیات کو غلط ثابت کرنے کے لئے لوقا اور پولوس کے اقوال نقل کئے ہیں کہ جن کو اہل اسلام حضرت مسیح علیہ السّلام کے دین کا مخرب سمجھتے ہیں چنانچہ اس کا ثبوت مقدمہ کتاب میں گزرا اور آئندہ بھی کچھ ہوگا۔ **قولہ** مسیح نے تو لوقا کے ۲۰ باب کی ۳۴ سے ۳۶ تک یوں فرمایا کہ اُس جہان کے لوگ یعنی بہشت کے لوگ نہ بیاہ کرتے ہیں نہ بیاہے جاتے ہیں کیونکہ وہ فرشتوں کی مانند ہیں اور رومیوں کے ۱۴ باب کی سترہ آیت میں مرقوم ہے کہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت کھانا پینا نہیں بلکہ راستی اور سلامتی اور روحِ قدس سے خوش وقتی ہے۔ مگر محمدؐ نے قرآن میں اس کے برخلاف فرمایا ہے کہ بہشت میں کھانا پینا اور جوروؤں کے ساتھ رہنا ہے، انتہٰے۔ **اقول** آپ کی مجازیت و جسمانی کا جواب تحقیقی تو ابھی بیان ہوچکا اور الزامی یہ ہے کہ یہ تو آپ بھی مانتے ہیں کہ جنت میں ایک شخص دوسرے کو نظر آوے گا کلام کرے گا پس جب یہ ہے تو جسمانیت ثابت ہوئی خواہ وہ کسی قسم کی جسمانیت ہو عنصریت نہ ہو نہ سہی جب جسم ثابت ہے تو ہر جسم کو مکان کی ضرورت ہے اور دیگر اُس کے لوازمات بھی ضروری ہیں لان الشئی اذا ثبت ثبت بجمیع لوازمہ حکماء کا مقولہ ہے جب یہ ہے تو ان لوازمات کا حسب مرضی ہونا (کہ جس کو جنت کے معنے چاہتے ہیں ع ؎ بہشت آنجا کہ آزارے نباشد) کچھ خلاف عقل نہیں اور جو کہے تو کوئی دلیل پیش کرے۔ اور آپ کے نقلی دلائل کا یہ جواب ہے کہ **اوّل** تو لوقا حضرت مسیحؑ کے قول کو نقل کرتا ہے اور یہ راوی معتبر نہیں اور نہ یہ شخص حواری ہے نہ اس سے کبھی معجزہ و کرامت سرزد ہوا نہ حواریوں میں اس کی قدر و منزلت تھی بلکہ یہ **پولوس** کا شاگرد ہے جو دینیات میں جھوٹ بولنا ثواب سمجھتا ہے جیساکہ مقدمہ کتاب میں مذکور ہوا اور یہ خود کہتا ہے کہ میں سُن کر مسیحؑ کا حال لکھتا ہوں۔ **دوم** اگر اس کو معتبر شخص بھی تسلیم کیا جائے تو ممکن ہے کہ حضرت مسیح علیہ السّلام کی یہ مراد ہو کہ دنیا کی طرح وہاں بکھیڑے نہ ہوں گے۔ کس لئے کہ یہ بات حضرت نے صدوقیوں کے جواب میں بیان فرمائی تھی کہ جو قیامت کے منکر تھے اور جنھوں نے ایک عورت چند شوہر دار کا سوال حضرت سے کیا تھا کہ وہ کس شوہر کو ملے گی۔ **سوم** یوں بھی نہ ہو تو پھر خود حضرت مسیح علیہ السّلام کے قول سے (انجیل متی کے ۲۶ باب ۲۹ درس) جنت میں انگور کا شیرہ پینا ثابت ہے تو جب وہاں پینا ہے تو کیا کھانا نہ ہوگا۔ اور جب شراب ہے تو کیا عورتیں نہ ہوں گی ؟ ہاں یہ اور بات ہے کہ عیسائیوں کی جنت میں صرف انگور کا شیرہ ہو نہ باغ ہو نہ انیس ہو نہ اور کچھ کھانا ہو جیساکہ دنیا میں بھگڑ کہا کرتے ہیں کہ بھنگ ہی کا مکان ہو اُسی کا اوڑھنا اُسی کا بچھونا ہو۔ سچ ہے ع ؎ فکر ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست ۔ علاوہ اس کے مکاشفات یوحنا کے ۷ باب اور ۲۱ و ۲۲ میں بھی اس قسم کا بیان ہے اور پولوس کے قول کا مسیح کے قول کے مقابلہ میں کیا اعتبار ہے۔ علاوہ اس کے وہ دنیا کی نسبت یہ کہتا ہے جیساکہ سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ پیشتر وہ یہ کہتا ہے کہ دنیا میں حلال و حرام اور پاک و ناپاک چیز کی کوئی احتیاط نہیں بلکہ پاک لوگوں کو ہر چیز پاک ہے۔ پس اس ملحدانہ اعتراض سے اسرارِ نبوت میں کیا دھبہ لگتا ہے ؟ پھر ان کے مقلد

برہمو سماج رسالہ خلاصۃ الاصول مطبوعہ وکیلِ ہندوستان پریس امرتسر کے صفحہ ۷ میں یہ لکھتے ہیں کہ صرف روح کا تقرب الٰہی میں مسرور ہونا بہشت ہے اور یہ تقرب بھی ابد الآباد بڑھتا جائے گا۔ اگرچہ یہ قول محققین اسلام سے لیا گیا ہے اور قرآن مجید بھی اس کی تائید کرتا ہے فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِیۡكٍ مُّقۡتَدِرٍ بلکہ قرآن و احادیث صحیحہ قاطبۃً اس بات پر متفق ہیں کہ خدائے عز و جل کا قرب اور روح کا اس کے دیدار فرحت آثار سے بشاش ہونا تمام نعمائے جنت سے بڑھ کر ہے اور یہ کوئی بھی مسلمان نہیں کہتا کہ جنت صرف اس عالم شہوات و کدورات میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔ شاید کسی نے نافہمی سے یہ سمجھ کر یوں کہا ہو تو کہا ہو بلکہ کل اہلِ اسلام اس پر متفق ہیں کہ وہ عالم قدس ہے وہاں موت بیماری دکھ درد بڑھاپا وغیرہ عوارضات جسم عنصری کچھ نہیں اور بالخصوص ابرار تو ہمیشہ مسرت دیدارِ الٰہی میں مستغرق رہیں گے ہاں یہ بات اور ہے کہ انسان کے اعمالِ صالحہ و معارف عمدہ عمدہ شکلوں میں ظہور کریں گے اور ان حور اور باغ اور نہروں کا بھی سر ہے پس ان چیزوں کو دنیا کی چیزیں سمجھ کر اعتراض کرنا اور اہلِ اسلام کا بہی جسمانی و مجازی بہشت قرار دینا بڑی غلطی ہے۔ مگر برہمو کا لفظ صرف اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اگر یہ ہے تو بڑے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔

خان صاحب بہادر نے تو اپنی تفسیر کے صفحہ ۳۶ میں ان دونوں کے مقلد ہو کر جوش و خروش میں آکر علماء اسلام اور سلف کو بہت کچھ کہا ہے۔ اور جنت کی نسبت بھی بڑی دریدہ دہنی کی ہے پھکڑ اڑایا ہے تاکہ اہلِ اسلام خجل ہو کر اس عقیدہ سے نفرت کریں۔ سب سے پہلے میں خان صاحب کے قول کو مختصرًا الملخص کر کے بیان کرتا ہوں اور پھر ان کی پھکڑ بازی کو۔ خان صاحب کہتے ہیں کہ جنت کی ماہیت جو خدا و رسول نے آیت فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ اور حدیث اَعۡدَدۡتُ لِعِبَادِیَ الصّٰلِحِیۡنَ مَا لَا عَیۡنٌ رَاَتۡ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتۡ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلۡبِ بَشَرٍ میں بتلائی ہے وہ یہ ہے کہ اس کو کوئی نہیں جانتا کس لئے کہ انسان اسی چیز کو جان سکتا ہے کہ جو حواسِ خمسہ سے محسوس ہو اور جنت کا کسی نے حواسِ خمسہ سے حس نہیں کیا۔ پس اس کا بیان کرنا (گو خدا تعالیٰ ہی چاہے) محال بلکہ محال سے بھی بڑھ کر ہے۔ کس لئے کہ انسان کی کیفیاتِ دنیا رنج و خوشی کی بھی کوئی کیفیت نہیں بتا سکتا اس تقدیر پر اگر جنت کی حقیقت یہی باغ اور نہریں اور موتی اور چاندی اور سونے کی اینٹوں کے مکانات اور دودھ اور شراب اور شہد کے سمندر اور لذیذ میوے اور خوبصورت عورتیں اور لونڈی ہوں تو یہ آیت و حدیث کے برخلاف ہے۔ کیونکہ ان کو انسان جان سکتا ہے۔ غایۃ الامر اس قسم کی عمدہ چیزوں کو حواس سے نہیں جانا تو یہ کچھ بات نہیں کیونکہ عمدگی ایک امرِ اضافی ہے اس کو جہاں تک ترقی دیتے جاؤ انسان کے دل میں اس کا خیال گزر سکتا ہے۔ پس یہ چیزیں بقدر طاقتِ بشری تمثیل کے طور پر سمجھانے کے لئے مذکور ہوتی ہیں۔ ورنہ درحقیقت یہ بہشت میں نہیں اور بہشت و دوزخ راحتوں اور لذتوں اور رنج اور تکلیفوں کا نام ہے مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کو لوگوں کے واسطے مصلحتاً بہت سی باتوں سے منع کرنا اور بہت سی باتوں کا عمل میں لانا بیان کرنا پڑتا ہے اور آدمی کی جبلی بات ہے کہ وہ کسی کام سے جو باز رہتا ہے تو کسی خوف سے اور کرتا ہے تو کسی لالچ سے پس اس راحت و رنج کو ہر نبی نے لوگوں کے حسبِ حال تعبیر کیا ہے۔ موسیٰ ؑ نے جنت کو فراخ دستی کثرتِ اولاد و مال و صحت و تندرستی کے ساتھ اور دوزخ کو قحط و وبا و مغلوبی کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل ان ہی باتوں سے رغبت اور ان ہی چیزوں سے نفرت رکھتے تھے اور محمد مصطفیٰ ؐ نے ان کو ایسی تشبیہوں ... میں بیان کیا ہے کہ جو تمام جہان کی طبیعتوں پر حاوی ہے۔ کس لئے کہ خواہ کوئی کسی گرم و سرد ملک کا رہنے والا ہو اس کو عمدہ مکان اور باغ اور خوبصورت عورت اور لذیذ کھانوں سے رغبت ہوتی ہے۔ اور آگ میں جلنے اور لہو پیپ کھانے سے دل ڈرتا ہے اور رفارمر یعنی ناصحوں کا یہی کام ہے، انتہیٰ ملخصًا۔

اس قول کا تفصیلی جواب تو ہم مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں مگر اجمالاً یہاں اس قدر کہتا ہوں۔ (۱) کہ آیت اور حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جنت کو کوئی نہیں جان سکتا بلکہ یہ مطلب ہے کہ جنت میں جو کچھ

جزئیات امور یوماً فیوماً پیش آویں گے اور تفصیلی حالات ہیں اُن کو کوئی شخص نہیں جان سکتا۔ اور نہ دل میں اُن کا خیال آسکتا ہے۔ کس لئے کہ اُس عالم کا اور ہی حال ہے۔ اسی عالم میں دیکھئے کہ جنھوں نے لندن اور پیرس کے مکانات اور دیگر لوازمات میش نہیں دیکھے نہ اُن کا نقشہ دیکھا نہ تفصیلاً حال سُنا اور اُس پر یہ شخص کسی گاؤں کا رہنے والا بھی ہو کہ جہاں چھپّر اور کھپریل کے سوا اور کچھ نہ ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ جزئیات تفصیلاً اُس کے خیال میں نہیں آسکتے۔ باوجودیکہ اس سے وہاں کے اجمالی حالات بھی بیان کئے جاویں (کہ وہاں عمدہ عمدہ کمرے اور نفیس نفیس بلور و شیشے کے آلات و ظروف اور نہایت خوبصورت خدّام اور نہایت عمدہ کھانے ہیں) مگر تب بھی باعتبار علم تفصیلی کے اُس پر یہ صادق آتا ہے کہ اس نے نہ ان چیزوں کو آنکھ سے دیکھا ہے نہ کانوں سے سُنا ہے نہ اُس کے دل میں ان چیزوں کا خیال گزرا ہے۔ **الغرض** اجمالاً علم ہونا اور تفصیلاً اس علم کا سلب کرنا کچھ منافات نہیں رکھتا۔ جس نے ایسا غوجی بھی پڑھی ہوگی یہ تو وہ بھی جانتا ہوگا کہ تناقض میں اتحادِ جہت شرط ہے۔ پس جنّت میں حور اور باغ اور دیگر امور مذکورہ فی القرآن کا ہونا اس آیت و حدیث کے برخلاف نہیں (۲) اگر یہی مطلب تسلیم کیا جاوے کہ آیت و حدیث سے جنّت کی حقیقت کا مطلقاً علم نہ ہونا ثابت ہے تو پھر خان صاحب کا یہ کہنا بھی (کہ جنّت و دوزخ کی حقیقت ہر طرح کا راحت و رنج اور یہ حور و آگ جو بیان ہوئے تو تمثیلاً نہ حقیقۃً الخ) آیت و حدیث کے برخلاف ہے کیونکہ وہاں تھا کہ کوئی جانتا ہی نہیں۔ یہاں جانا تو سہی اور نہیں اس قدر تو جنّت کو جانا کہ وہ راحت ہے۔ وفیہ تناقض صریح لاینفوہ بہ من لہ ادنی شعور۔

(۳) اگر بفرضِ محال علم اور ادراک کا انحصار حواسِ خمسہ ہی پر تسلیم کیا جاوے تو بندہ کے قصور سے خداوند تعالیٰ قادر میں کیوں عجز لازم آیا کہ جو اُس کو جنّت کا بتلانا محال بلکہ محال سے بھی بڑھ کر ہوگیا باوجودیکہ حضرت موسیٰ اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے بلکہ آپ نے بیان کر دیا۔ اب عام ہے کہ حقیقت جنّت کا علم بالکنہ یا بکنہ ہو بالوجہ ہو یا بوجہ رہو۔

(۴) آپ کے نزدیک جنّت اُس راحت کا نام ہے کہ جس کو موسیٰ علیہ السلام نے ترقیِ رزق وغیرہ امورِ دنیا سے تعبیر کیا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اِس عالم میں آرام پانا جنّت ہے۔ وذٰلک فاسد لایقول بہ احد من اہل الکتاب و اہلِ الاسلام۔

(۵) آپ کے بیان سے ثابت ہوا کہ دراصل جنّت و دوزخ کچھ نہیں۔ پیغمبر یارِ فادروں کو جب لوگوں کو کسی فعل یا اُس کے ترک پر آمادہ کرنا منظور ہوتا ہے تو وہ جنّت و دوزخ کا ارشاد بناکر بیان کرتے ہیں۔ اور محض بے اصل بات کو (یعنی حور و قصور باغ و انہار کو یا آگ و طوق کو) شاعروں کی طرح خیالات بندی کرکے دکھلاتے ہیں۔ معاذ اللہ اس سے بڑھ کر کیا الحاد ہوگا۔ چندروز صبر کیجئے معلوم ہوجائے گا اور بالفرض آپ کا خیال صحیح نکلا تو ہمیں کیا فکر ہے۔ مگر جب آپ کا خیال غلط نکلا تو دیکھئے اُس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ بہرطور آپ خطرہ میں ہیں نہ کہ ہم۔

---

## خان صاحب کی پھکڑ بازی

کے اقوال یہ ہیں۔ قولہ صفحہ ۳۸ یہ نہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا کی ہوتی ہے۔ اُس میں سنگِ مرمر اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں۔ باغ ہیں۔ شاداب و سرسبز درخت ہیں۔ دودھ شراب و شہد کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے۔ ساقی و ساقنیں نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں بہشتی ہیں شراب پلا رہی ہیں۔ ایک جنّتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے۔ ایک نے ران پر سر دھرا ہے۔ ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے۔ ایک نے لبِ جاں بخش کا بوسہ لیا ہے۔ کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے۔ ایسا بیہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے۔ اگر بہشت یہی ہے تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ ہمارے علمائے اسلام نے الخ بسبب اپنی رقتِ قلبی کے الخ یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جو امر الفاظ سے مستفاد

ہوتا ہے اُسے تسلیم کریں الخ اس واسطے وہ بزرگ تمام اُن چیزوں کو تسلیم کرتے ہیں کہ جن کو کوئی بھی تسلیم نہیں کرسکتا۔ اور جو عقل و مذہب کی بزرگی اور تقدیس کے برخلاف ہیں۔ و قولہ صفحہ ۴۰۔ اور ایک کورمغز ملّا یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت بہشت میں نہایت خوبصورت اُن گِنت حوریں ملیں گی۔ شرابیں پیویں گے۔ میوے کھائیں گے الخ۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا

بیشک اللہ کسی مثال بیان کرنے سے نہیں شرماتا مچھر کی ہو

بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

یا اس سے بھی بڑھ کر (کسی اور کمتر چیز کی)، پھر جو ایماندار ہیں وہ تو

فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ ۚ وَاَمَّا

اس کو اپنے رب کی طرف سے صحیح جانتے ہیں۔ اور جو

الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ

کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا کی اس سے کیا غرض ہے (اللہ تعالیٰ جواب

اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا ۙ وَّ

دیتا ہے) وہ اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے، اور بہتوں کو

یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ بِہٖۤ اِلَّا

اس سے ہدایت کرتا ہے۔ اور گمراہ تو اس سے بدکاروں ہی

الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ

کو کیا کرتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو (مضبوط) باندھ کر

اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ ۠ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ

توڑ دیتے ہیں اور جس کے جوڑنے کا خدا نے

اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ

حکم دیا ہے اُس کو توڑ ڈالتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے

فِی الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

پھرتے ہیں۔ یہی نقصان میں بھی پڑے ہوئے ہیں۔

## ترکیب

لفظ اللہ اسم اِنّ۔ لایستحی الخ اس کی خبر جملہ اسمیہ مستأنفہ ہوا۔ لایستحی بمعنے لایترک فعل با فاعل۔ مثلاً مفعول یضرب مَا ابہامیہ کہ جو نکرہ کو ابہام اور شیوع زیادہ دیتا ہے کقولک اعطنی کتاباً ای ای کتاب کان۔ یا زائدہ ہے جیساکہ اس قول میں فبما رحمۃ من اللّٰہ ای برحمۃ من اللّٰہ بعوضۃً عطف بیان ہے مثلاً کا اور ممکن ہے کہ مَا نکرہ کو موصوفہ اور بعوضۃ کو اس کی صفت قرار دیا جائے فَمَا فار عطف کے لئے ہے اور مَا نکرہ موصوفہ فوقہا اس کی صفت۔ بعوضۃ معطوف علیہ۔ پس یضرب اپنے فاعل اور مفعول اور اس کے متعلقات سے مل کر اَن مصدریہ کی وجہ سے تاویل مصدر میں ہو کر مفعول ہوا لایستحی کا۔ فَاَمّا فائے تعقیبیہ ہے۔ کس لئے کہ مرتبہ تفصیل اجمال کے بعد ہے۔ اَمّا وہ حرف ہے کہ جو کسی امرِ مجمل کی تفصیل کے لئے آتا ہے اور اس میں شرط کے معنے بھی ہیں اس لئے اس کے جواب میں فار آتی ہے اس کے بعد جو اسم آتا ہے اس کو مبتدا اور جس پر فار داخل ہوتی ہے اس کو خبر کہتے ہیں۔ پس الذین آمنوا مبتدا اور فیعلمون الخ اس کی خبر اور اسی طرح واَمّا الذین کفروا مَا استفہامیہ ذَا بمعنے الذی اراد اللّٰہ بہذا الخ اس کا صلہ مجموعہ خبر مَا اور ممکن ہے کہ مَاذَا کل اسم ہو بمعنی ای شئی اور یہ منصوب المحل ہوا اراد سے۔ مثلاً حال ہے ہٰذا سے یا تمیز ہے یضل بہ و یہدی بہ الخ معطوف اور معطوف علیہ مل کر جملہ مستأنفہ ہے یا جواب ہے مَاذَا کا یا اُن دونوں جملوں کا کہ جن کے ابتدا میں اَمّا ہے بیان ہے۔ میثاقہ مصدر بمعنی الایثاق یا اسم لما یقع بہ الوثاقۃ۔ باقی سب ترکیب واضح ہے۔

## تفسیر

اس سے پیشتر جب کہ خدا تعالیٰ نے منافقوں کا حال آگ جلانے والوں اور مینہ والوں کے ساتھ مثال دے کر بیان کیا اور پھر اثبات نبوّت میں آکر یہ فرمایا کہ اگر تم اس قرآن کو خوبی میں ایسا اعلیٰ نہیں تسلیم کرتے کہ جو بشر کی طاقت سے باہر ہے یعنی اگر تم اس کو منجانب اللہ نہیں مانتے تو تم بھی اس کے برابر بنا کے دکھاؤ پس جب وہ عاجز آئے حالانکہ اس بارے میں انھوں نے مجلسیں بھی منعقد کیں

بڑے بڑے نامور شاعروں اور جادوگروں اور کاہنوں کو بھی شریک کیا مگر کسی کی جرأت نہ پڑی اور جو کسی نے کچھ جواب میں کہا جیسا کہ یمامہ کا ایک شخص مسیلمہ کذاب نے والنسار ذات الفروج الخ اور الفیل ما الفیل وما ادراک ما الفیل ذنبہ قلیل وخرطومہ طویل وانہ من خلقۃ ربک لقلیل وغیرہ وغیرہ خرافات بنا کر لایا تو قبل ازینکہ آنحضرت علیہ السلام کے مقابلہ میں پیش کیا جاتا اس پر وہیں اس کے ہم قوم اور ہم زبانوں نے قہقہہ[۱] اڑایا۔ تو اور کوئی بات تو بن نہ آئی مگر یہ عیب نکالا کہ اگر یہ خدا کا کلام ہے تو تعجب کا مقام ہے کہ وہ ایسا جلیل القدر ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے ساتھ مثال دے کر بیان کرتا ہے۔ خدا تعالے جواب دیتا کہ خدا کو مچھر یا اس سے چھوٹی چیز کے ساتھ مثال دینے سے شرم نہیں آتی کس لئے کہ مثال سے غرض ایک حال کا اظہار ہے اور امرِ معقول کو محسوس بنا کے دکھانا اور سمجھانا مقصود ہوتا ہے۔ جیسا حال ہوگا اسی قسم کی چیز سے مثال دی جائے گی یا یوں کہو کہ یہاں تک خدا تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات اور توحید کا اثبات دلائلِ آفاق وانفس سے کر کے مسئلہ نبوت وصداقتِ قرآن کو مستحکم دلیل سے ثابت کیا تھا کہ اگر یہ فوق القدرت کلام نہیں تو تم بھی ایسی کتاب کوئی بنا لاؤ۔ یہ اس لئے کہ اس کے بعد عالمِ آخرت اور انسان کے انجام کار اور اس کی دنیاوی کوششوں نیک وبد نتائج کا بیان بطورِ تفصیلی نبیؐ اور قرآن کے بتلانے پر موقوف ہے۔ اس مسلسل بیان پر کور باطن اشخاص کو یہ شبہ پیدا ہوا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو بایں عظمت وجبروت وبایں استغنار وکبریار عالمِ آخرت کے حالات اور اعمال کے نتائج انہار وحور وثمار یا جہنم اور اس کے عقوبات بیان کرنے سے کیا غرض؟ کہاں وہ اور اس کی عظمت اور کہاں بیانِ ازواجِ مطہرات اور جنت کے نعیم۔ اس کا جواب دیتا ہے کہ اس کی عظمت وشان کسی واقعی امر کے بیان کرنے کو نہیں روکتی خواہ وہ واقعی بیان بڑی چیز کا ہو یا چھوٹی چیز کا یہاں تک کہ اس کو مچھر یا اس سے بھی کمتر چیز کے ساتھ مثال دینے میں کوئی شرم نہیں۔ الہامی بیان کی مثال پانی کی ہے جس سے شورزمین میں خاروخس اور عمدہ زمین میں گل لالہ اگتے ہیں۔ بعض کو یہ بیان باعث ہدایت ہوتا ہے ان کے رغباتِ دل دارِ آخرت کی طرف مائل ہوتے ہیں ان کے روحانی جذبات عالم قدس اور ذاتِ حق کی طرف جوش میں آتے ہیں اور بعض کو موجبِ ضلالت ہو جاتا ہے کیونکہ قوائے بہیمیہ کا غلبہ شہوات ولذاتِ فانیہ کا انہماک ایسے بیان کی تکذیب پر آمادہ کر دیتا ہے مگر کن کو؛ فاسقوں کو جو جادۂ انسانیت سے باہر نکل گئے ہیں وہ کون ہیں؛ جن کی قوتِ نظریہ وعملیہ دونوں بگڑ گئے علم وعمل گیان وکرم دونوں گئے گزرے کس لئے کہ انسان جب اس عالم میں آتا ہے اور اس کے قوائے ملکوتیہ کے ساتھ قوائے بہیمیہ کا جو جسمانی آثار ہیں جوڑا بندھتا ہے تو اس سے نظری طور پر ایک عہدِ موثق لیا جاتا ہے کہ دیکھو دونوں کے اعتدال کے ذمہ دار ہو ایسا نہ کرنا کہ لذائذِ فانیہ پر فریفتہ ہو کر صفاتِ ملکیہ کو کھو بیٹھو مگر ازلی بے نصیب اس عالم حسی میں نفسانی خواہشوں پر ایسے ریجھتے ہیں کہ جن نیک اعمال واعتقاد کا حکم دیا تھا ان کو نہیں کرتے مواصلت کی جگہ ان سے مقاطعہ کرتے ہیں اور جن برے اعمال اور علوم سے مقاطعہ کرنے کا حکم دیا تھا ان سے مواصلت کرتے ہیں۔ اس عالم حسی میں شتر بے مہار بن کر پھرتے ہیں گویا باغیانہ طور پر خدا تعالیٰ کے ملک میں رہتے ہیں مگر تا کے آخر اس کے حکم قضا وقدر سے مجبوری ہے اب سزا کے سوا انعام کہاں اس سے

[۱] آج کل بعض پادریوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں قرآن مجید کے بے مثل نہ ہونے پر یہ حجت پیش کی کہ ایسی عبارت تو مسیلمہ کذاب نے بھی بنائی تھی مقاماتِ حریری کی بھی ایسی ہی عبارت ہے اور شیعہ کے علماء نے سورۂ فاطمہ اور سورۂ حسنین قرآن میں ایسی ہی بنا کر ملا دی ہے الخ۔ میں ان پادریوں کی سمجھ پر نہایت افسوس کرتا ہوں۔ بقولِ شخصے مدعی سست گواہ چست، ان کلاموں کے مؤلف تو خود قرآن کے مقابلہ میں لاتے ہوئے شرماتے ہیں اور پادری کہ جن کو عربیت سے کچھ بھی مس نہیں وہ سند بنا کے لاتے ہیں۔ منہ

زیادہ کون زیاں کار ہو سکتا ہے۔

## متعلقات

**حیا**۔ نفس انسان کا بدنامی اور بُرائی کے خوف سے منقبض اور متغیر ہو جانا۔ یہ انسان کی وہ حالت متوسطہ ہے کہ جس کے نیچے **خجالت** ہے کہ جو نفس کو کسی کام سے بالکل باز رکھتی ہے اور اُس کے اُوپر **وقاحت** ہے یعنی بے شرمی کی باتوں پر جرأت کرنا یہ حیات سے مشتق ہے اس مناسبت سے کہ یہ حیا قوائے حیوانیہ کو اُن کے افعال سے روکتی ہے۔ پھر اس لفظ اور اس قسم کے دیگر الفاظ[1] کا اطلاق جناب باری پر (کہ جو نفس اور انقباض سے پاک ہے) حقیقی طور پر نہیں بلکہ ان معانی کا لازم مراد ہے مثلاً حیا کو لازم ہے کہ جس کام سے حیا کرے اس کو ترک کرے اور غضب کو لازم انتقام ہے پس اس سے مراد ترک اور اس سے مراد انتقام اور رحمت سے مراد نفع پہنچانا ہے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے اس کو اور اُن مقامات پر بھی کہ جہاں ذاتِ باری پر وہ الفاظ بولے گئے ہیں کہ جو بندوں کے اوصاف پر بولے جاتے ہیں لحاظ رکھنا چاہیے۔ یضل بہ گمراہ کرنا اور دلوں پر مہر لگانا جو قرآن مجید میں مذکور ہے اس سے بعض ناسمجھ عیسائی اور دیگر نکتہ چین اسلام پر عیب لگایا کرتے ہیں مگر اس کا جواب اجمالی اور تفصیلی ختم اللہ کی تفسیر میں دے چکے وہاں ملاحظہ کر لو۔

**فاسقین**۔ فسق نکلنے کو کہتے ہیں۔ عرب بولتے ہیں فسقت الرطبۃ عن قشرھا کہ چھوہارا اپنے پوست سے باہر ہو گیا اور عرفِ شرع میں فسق خدا کی فرمانبرداری سے گناہ کرکے خارج ہونے کو کہتے ہیں، اور اس کے تین درجے ہیں۔ (۱) تغابی باوجودیکہ گناہ کو بُرا سمجھتا ہے مگر کبھی خواہش نفسانی سے اُس کا مرتکب ہو جاتا ہے (۲) انہماک یعنی گناہ کرنے کی عادت کر لے اور کچھ پرواہ نہ کرے (۳) جحود وہ یہ کہ گناہ کو اچھا جان کر عمل میں لاوے اور خدا اور رسولؐ کے فرمان کی کچھ حقیقت نہ سمجھے۔ اس تیسرے درجے میں انسان کافر ہو جاتا ہے اور پہلے دونوں درجوں تک مومن رہتا ہے کس لئے کہ تصدیق جو اصل ایمان ہے اُس کے دل میں باقی ہے اور دلیل اس بات پر کہ گناہ کرنے سے ایمان نہیں جاتا آیات اور احادیث اور اجماع صحابہؓ ہے۔ قال تعالےٰ وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا الآیۃ، اگر اہلِ ایمان کے دو گروہ باہم جنگ کریں الخ حالانکہ جنگِ باہمی گناہ ہے مگر اُس کے مرتکب کو بھی خدا تعالیٰ نے مومن کہا ہے۔

**خوارج** چونکہ ایمان کا اعمالِ صالحہ کو جزو قرار دیتے ہیں تو گناہ کرنے والے کو کافر کہتے ہیں اور **معتزلہ** چونکہ تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان اور اعمالِ صالحہ کے مجموعہ مرکب کو ایمان کہتے ہیں تو اس شخص کو مومن نہیں کہتے۔ کیونکہ مجموعہ میں سے ایک جزو اعمالِ صالحہ نہیں پایا جاتا۔ مگر اس کو کافر بھی نہیں کہتے۔ کیونکہ کُفر میں انکارِ حق شرط ہے، اور انکار پایا نہیں گیا۔ اس لئے ایمان اور کُفر میں وہ ایک تیسرا مرتبہ فرض کرتے ہیں۔ **لازم** ہے کہ اگر انسان سے بمقتضائے بشریت کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کرے دل میں نادم ہو خدائے تعالیٰ سے بعجز و انکسار و بچشم اشکبار معافی چاہے اور استغفار کرے وہ غفور رحیم ہے۔ معافی اُس کا عام دستور ہے۔

**عہد**۔ لُغت میں اُس چیز کو کہتے ہیں کہ جس کی محافظت اور رعایت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ وصیت اور قسم اور گھر کو بھی عرب اس لئے عہد بولتے ہیں کہ ہر پھر کے انسان وہاں آتا اور اُس کی طرف خیال رکھتا ہے اور تاریخ کو بھی اس لئے عہد کہتے ہیں کہ اس کی محافظت ہوتی ہے اور عہد اللہ وہ ہے کہ جو روزِ ازل اُس نے عالم روحانی میں تمام ارواح کو موجود کرکے باندھا تھا اور سب سے یہ اقرار کروایا تھا کہ میرے سوا کسی کو خدا نہ جاننا۔ جیسا کہ اس آیت میں اُس کی طرف اشارہ ہے، وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ الآیۃ۔ پھر اس کی شرح اُس حدیث میں کہ جس کو امام احمدؒ نے ابن عباسؓ اور اُبی بن کعبؓ سے روایت کیا ہے کہ خدا نے آدمؑ کی پشت سے اُس کی تمام اولاد کو نکال کر

[1] غضب رحمت وغیرہ۔ منہ

پھیلادیا اور اُن سے یہ کلام کیا۔ الست بربکم کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں؟ سب نے کہا بلیٰ، کہ ہاں تو ہمارا رب ہے۔ تب خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پر میں تمہارے باپ آدمؑ اور آسمان وزمین کو گواہ کرتا ہوں تاکہ قیامت کو یوں نہ کہو کہ ہم کو اس کی خبر نہ تھی۔ اب تم جانو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میرا کسی کو شریک نہ بنانا۔ اور میں دنیا میں تمہارے پاس کتابیں دے کر اپنے رسولؑ اس عہد کے یاد دلانے کو بھیجوں گا، الحدیث۔ یہ عہد ازلی ہے۔ اور اس کا تذکرہ انسان کی عقل خداداد اور فطرتِ سلیمہ بھی ہے۔ اور اسی عہد کو بارِ امانت بھی کہتے ہیں کہ جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ الآیۃ۔ پھر الہام الٰہی اور انبیاء علیہم السّلام اور اُن کے معجزات اور آیات وکتاب اس عہد کی توثیق وتذکیر کرتے ہیں۔ اس لئے جہاں انبیاءؑ نہیں گئے وہاں صرف توحید پر قائم رہنا عہد الست کا قائم رکھنا ہے۔ اگر شرک کریں گے تو جہنم میں بدعہدی کی سزا پاویں گے۔ جہاں انبیاء علیہم السّلام کا فیضِ نبوت پہنچ چکا تو وہاں بموجب اس عہد کے نبوت اور احکام کا ماننا بھی ضروری ہوگیا۔ **بعض** مفسّرین کہتے ہیں کہ اس عہد سے مراد وہ عہد ہے جو موسیٰ علیہ السّلام کی معرفت بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا اور اُس کی مضبوطی دیگر انبیاء علیہم السّلام کی معرفت کی گئی تھی کہ میرے انبیاءؑ کو ماننا اور شرک نہ کرنا۔ قتل نہ کرنا۔ احکام عشرہ وغیرہا۔ اس تقریر پر اس آیت کے مخاطب یہود یا نصاریٰ ہیں۔ پھر یہ عہد ہر شخص کے ساتھ اور بھی خصوصیت رکھتا ہے۔ بادشاہوں کے ساتھ یہ خصوصیت کہ وہ عدل کریں۔ علماء سے یہ کہ حق نہ چھپاویں۔ مداہنت نہ کریں۔ انبیاءؑ سے یہ کہ اُس کے دین کو قائم کریں جس چیز کے وصل یعنی ملانے کا خدا نے حکم دیا وہ حقوقِ قرابت وحقوقِ محبت وحقوقِ وطن وحقوقِ ملت ہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ

تم اللہ کا کیونکر انکار کرسکتے ہو؟ حالانکہ تم مُردے (معدوم) تھے پس تم کو زندہ (موجود) کیا پھر تم کو مارے گا پھر تم کو زندہ کرے گا پھر

اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

تم اسی کے پاس پھر کر جاؤ گے۔

## ترکیب

کیف استفہام حال کے لئے ہے اور یہاں استفہام انکاری ہے۔ تکفرون باللہ جملہ استفہامیہ اور ضمیر انتم جو تکفرون کا فاعل ہے ذی الحال اور یہ جملے معطوف مع معطوف علیہ وکنتم امواتا الخ حال واقع ہوئے ہیں۔

## تفسیر

جب مسئلہ توحید اور مسئلہ نبوت ومسئلہ معاد بخوبی مسلسل ثابت ہوچکے اور اُس کے ضمن میں خطرات وشبہات کے جواب بھی گزر گئے تب ان معاندین کو جو اپنے انکار پر اڑے ہوئے ہیں بالخصوص مخاطب کرکے ایک نئی دلیل نئے اسلوب سے بیان فرماتا ہے جو اُن کے قوی انکار کا ازالہ کردے کس لئے کہ جس قدر مرض قوی ہوتا ہے دوا بھی ویسی ہی قوی دی جاتی ہے اور لطف بیان یہ ہے کہ اپنے انعاماتِ حال وآیندہ کا بھی بضمن دلیل ذکر ہے تاکہ طبائع سرکش کا منعم حقیقی کی طرف میلان ہو۔ دلوں میں ولولہ پیدا ہو۔ نزولِ قرآن مجید کے وقت اور شاید اب بھی ہوں چند قسم کے منکر تھے۔ اوّل وہ جو موجودات کے دائرہ کو محسوسات تک ہی محدود سمجھتے تھے جس کو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے تھے کانوں سے نہیں سُن سکتے تھے ہاتھ سے ٹٹول نہ سکتے تھے زبان سے چکھ نہ سکتے تھے ناک سے سونگھ نہ سکتے تھے نہیں مانتے تھے۔ اس لئے صانعِ عالم اور مجردات ملائکہ وروح کے مرنے کے بعد کی دوسری زندگی اور عالم برزخ اور حشر اور وہاں کے عقاب وثواب سب کے منکر تھے اور ایسی چیزوں کے وجود کو وہم وخیال جانتے تھے جیساکہ موجودہ حکماء۔ یہ خیال اللہ تعالیٰ اور جزاء

وسزا سے بے خوف کر کے لذاتِ بہیمیہ پر مائل کرتا ہے ہر قسم کے ظلم و عیاری کو اپنے حصولِ مطالب کے لئے کام میں لینا عاقلانہ زندگی سمجھتا ہے مگر اس قسم کی زندگی ایسی ناپاک زندگانی ہے جس کے بدنتائج اس عالم میں پیش آتے اور بڑا مزہ چکھاتے ہیں۔ دوم وہ جو اللہ تعالیٰ اور مجردات ملائکہ و جن وارواح کے تو قائل تھے مگر مرنے کے بعد دوسری زندگی اور اعمال کے نیک و بدنتائج اخرویہ کے قائل نہ تھے بلکہ نیک و بدنتائج اسی زندگی میں کثرت اولاد اور مال وصحت و تندرستی یا افلاس و ادبار اور موت اولاد و اموال کو خیال کرتے تھے یہ گروہ بظاہر اللہ جل وعلا کا منکر نہیں مگر جب اس نے ایک نئی زندگانی اور حشر ونشر اور وہاں کے اعمال کے نتائج کا انکار کیا تو درحقیقت خدا ہی کا انکار کیا کیونکہ خدا نے ان چیزوں کی اپنے رسولوں کی معرفت خبر دی ہے اور نیز اس میں اس کی صفاتِ حمیدہ کا بھی انکار ہے یہ زندگانی بھی سخت ناپاک اور ظلمانی زندگی ہے۔ سوم وہ لوگ تھے کہ ان سب باتوں کے تو قائل تھے مگر رسالت کے منکر تھے وہ کہتے تھے کہ خدا اور بندہ میں مجرد اور مادی ہونے کے سبب کوئی مناسبت نہیں۔ پھر آدمی سے ہمکلامی اور اس کی پیغام رسانی ایک خیالِ باطل ہے جیسا کہ حکماء اور ہنود کا فرقہ براہمہ یہ گروہ بھی خدا کی عظمت اور اس کے اوصاف حمیدہ کا منکر ہے یہ زندگی بھی شقی زندگی ہے۔

ان سب کو خدا کا منکر قرار دے کر ان سے یوں خطاب کیا جاتا ہے: کیف تکفرون باللہ اس کے بعد بطور جملہ حالیہ اُن کے اطمینان قلبی کے لئے یہ دلیل پیش ہوتی ہے کنتم امواتا کہ تم مُردے تھے یعنی معدوم۔ اس مقدمہ میں کسی کو شک نہیں ایک جاہل اور بڑے سے بڑے فلسفی سے جب پوچھے گا تو وہ اپنی عمر کی ایک ابتداء بتلادے گا۔ دس، بیس، پچاس، ساٹھ، سو برس جس سے یہ اقرار ہے کہ ہم اس سے پہلے معدوم تھے دنیا میں نہ آئے تھے۔ فاحیاکم پھر معدوم سے موجود ہوئے۔ کوئی زبردست قوت ہے جس کو ہمارے عدم اور وجود کا اختیار ہے ہر حادث کے لئے کوئی محدث ضرور ہے اور یہ زندگی بھی ہمارے ہاتھ میں نہیں بلکہ اس محدث قادر کے کہ وہ ہمارے بے اختیار ہم کو مُردہ کرتا ہے ہم لاکھ جتن کریں جس طرح لڑکپن کو جاتے ہوئے نہ روک سکے اسی طرح جوانی جو ہر روز اپنے کار واں ہمارے سامنے روانہ کرتی ہے اُس کو بھی نہیں روک سکتے۔ ثم یمیتکم آخر وہ قادرِ مطلق ایک روز پھر معدوم کر دیتا ہے صفحۂ ہستی پر نام ونشان بھی باقی نہیں رکھتا۔ خاک میں خاک مل جاتی ہے یہ مقدمات بھی یقینی ہیں ان میں بھی کسی بشر کو انکار نہیں پھر جس کے ہاتھ میں وجود اور عدم ہے معدوم سے موجود اور موجود سے معدوم کرتا ہے۔ جس کا بنی آدم ہر روز مشاہدہ کر رہے ہیں تو پھر وہ قادرِ مطلق اس عدم کے بعد کیا دوبارہ زندگی عطا نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے اور یقیناً کریگا۔ ثم یحییکم اور یہ دوبارہ زندگی کس لئے عطا کرے گا؟ ثم الیہ ترجعون کہ تم اُس کی بارگاہِ کبریائی میں حاضر کئے جاؤ اور اپنی اس حیاتِ دنیا کا نیک و بد بدلہ پاؤ۔ اس برہان میں غور کرنے سے پھر کسی منکر کو جائے انکار باقی نہیں رہتی۔

## فوائد

ثم یحییکم کہ مرکر پھر زندہ ہونا ہے اس دلیل سے ظاہر ہے کہ جس نے ابتداءً زندہ کر دیا دوبارہ زندہ کرنا اُس کو کیا مشکل ہے؟ جب یہ ہے تو ثم الیہ ترجعون میں اُس کے پاس حساب و کتاب کے لئے پھر جانا ہے کیا شک ہے! گویا یوں کہنا چاہیے کہ انسان ملک عدم سے کوچ کر کے ملکِ ہستی میں آیا پھر یہاں سے انتقال کر کے ایک اور عالم میں جائے گا کہ جس کو باعتبار اس حیات کے موت کہتے ہیں لیکن چندے وہاں آلودگی جسمانی کے اثر میں مبتلا رہیگا۔ پھر اُس سے پاک ہو کر ایک کامل حیات پائے گا اور جب یہ تکدر بالکل جاتا رہے گا تو خدا تعالیٰ کے رُوبرو ظہور کُلی یعنی حشر کے روز حاضر ہوگا۔ اس تھوڑے سے کلام میں کس قدر مبدء و معاد کے احوال اجمالاً مذکور ہیں۔

## نکات

(۱) الیہ ترجعون میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمام عالم بالخصوص

انسان محض اُس کے وجود کا ظلّ ہیں جس طرح کہ دھوپ آفتاب کا ظلّ ہے۔ پس جس طرح بہ تفصیلِ شیونات ہر چیز بالخصوص انسان اس مبدء سے چلا ہے اسی طرح پھر اس کی طرف تجرّد ہوتے ہوتے (کہ جو موت سے حاصل ہوتا ہے اور اسی لئے موت کو نعماء میں شمار کیا ہے ورنہ موت فی نفسہٖ نعمت نہیں) وہیں جا کر منتہی ہوگا۔ کیونکہ رجوع کے معنے یہ ہیں کہ جہاں سے جائے پھر وہیں ہٹ کر آئے۔ جس طرح کرہ میں جہاں سے ابتداء ہوتی ہے وہیں آ کر انتہاء ہوتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ چونکہ ہر شئے پر محیط ہے (اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ) اُسی سے ابتداء ہے پھر اسی کی طرف انتہاء ہے لیکن یہ احاطہ جسمانی نہیں۔ مگر کفر والحاد ہر طرح کی بے دینی شہوت پرستی روح کے لئے اس کی طرف رجوع ہونے میں چونکہ موانع اور عوائق ہیں جیسا سڑک پر چلنے والے کے لئے غار و دیوار یا اینٹ پتھر اس لئے انبیاء علیہم السلام اس سلوک کو تمام کرنے کے لئے ان چیزوں سے منع کرتے ہیں کیونکہ اُس کے پاس پہنچنا کہ جو مرکزِ اصلی ہے نجات ہے اور عوائق کے سبب دور رہنا ہلاکت ہے مگر آیت میں رجوع کرنے سے مجبوراً بارگاہِ کبریائی میں حساب و کتاب کے لئے حاضر کیا جانا مراد ہے۔

(۲) اگرچہ بظاہر فاعل تکفرون سے وکنتم امواتا حال نہیں ہوسکتا کس لئے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے اور اسی لئے جملۂ ماضیہ کو جو حال بناتے ہیں تو پہلے لفظ قد لاتے ہیں اور یہاں اتحادِ زمانہ ہی نہیں کیونکہ انسان کے معدوم ہونے اور پھر موجود ہو کر کفر کرنے میں بڑا فاصلہ ہے۔ پیدا ہو کر عاقل بالغ ہوگا تب کہیں اس کا انکار کرے گا۔ لیکن اس رمز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے حال بنایا کہ گو وہ زمانہ بعید ہے مگر ایامِ زندگی چونکہ بادِ صبا کی طرح یوں ہی گزر جاتے ہیں جس کی سَو برس کی عمر ہوتی ہے وہ بھی ایامِ طفولیت کے وقائع کو کل کی بات کہا کرتا ہے۔ خواجہ درد فرماتے ہیں ؎ گزروں ہوں جس خرابہ پہ کہتے ہیں واں یہ لوگ، ہے کوئی دن کی بات یہ گھر تھا یہ باغ تھا۔ اور مرنے کے بعد تو ہزارہا سال کے زمانہ کو یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ کہیں گے۔ اس لئے اس کو حال بنایا اور اس لئے بھی (۳) گو اس تقدیر پر ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ کا بظاہر عطف وکنتم امواتا پر صحیح نہیں ہوتا کیونکہ یہ امور تو زمانہ آیندہ میں پیش آئیں گے پس تکفرون سے بذریعۂ عطف کہ جو زمانہ حال کو چاہتا ہے حال نہیں بن سکتے۔ مگر یہاں بھی وہی نکتہ مرعی ہے کہ گویہ امور ایک عرصہ بعد پیش آویں گے جیسا کہ لفظ ثم باوازِ بلند کہہ رہا ہے مگر بقولِ عرب ما اقرب ما ہو آت و ما ابعد ما ہو فات۔ آنے والی چیز گویا عاقل کے روبرو کھڑی ہے۔ پس اس نکتہ کے لئے اُس زمانہ آیندہ کو حال بنایا گویا یہ بات بتلا دی کہ تمہارے بعد پیدا ہونے کا اور پھر مرنے کا زمانہ دونوں ملے ہوتے ہیں پس جب یہ ہے تو اس وجود بین العدمین کا کہ مثل بین الذمین پر پھول کر خدا کو بھولنا اور اس بے حقیقت ہستی کے گھمنڈ میں خدا تعالیٰ سے اکڑنا کفر کرنا بڑی حماقت ہے۔ بلغاء کا عام دستور ہے کہ وہ وجودِ شئ کو عدم اور عدم کو وجود اور بُعد کو قُرب اور قُرب کو بُعد (اعتباراتِ لطیفہ سے) قرار دے کر کلام کرتے ہیں۔

(۴) اس کو اس خوش اسلوبی سے بیان کیا اور اس کو اول کلام کا تتمہ یا نتیجہ اور اُس کے بعد کے کلام کا توطیہ تمہید کہیں تو بجا ہے۔ پس اس کے بعد اُس دوسری نعمت کو بیان کرتا ہے کہ جس کو وجودِ انسان ازبس مقتضی ہے اور جس کے بغیر اس کو دم بھر بھی چارہ نہیں پس فرماتا ہے:۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ
اللہ وہ ہے کہ جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے پیدا
جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ
کیا۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو اُن کو سات
ع ۳۹ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾
آسمان بنا دیا۔ اور وہ ہر چیز (بنانا) جانتا ہے۔

# ترکیب

ہو مبتدا۔ الذی موصول۔ خلق فعل با فاعل لکم متعلق ہے خلق کے۔ ما موصول ثانی ذی الحال فی الارض ثبت کے

متعلق ہو کر اس کا صلہ ہوا۔ جمیعًا بمعنے مجتمعًا حال ہے۔ ما آپنے صلہ اور حال سے مل کر مفعول ہوا خلق کا اور پھر خلق تمام جملہ کر صلہ ہوا الذی کا پھر الذی خبر ہوئی ہو کی ثم کلمہ تراخی کا ہے استوی بمعنے قصد فعل با فاعل الی السماء متعلق ہے استوی کے فسوّٰھن میں سوّی بمعنے عدل وخلق فعل ضمیر اس کی فاعل ہن ضمیر جمع مونث راجع ہے السماء کی طرف اگر اس سے مراد اجرام لیا جاوے ورنہ مبہم ہے اس کی تفسیر سبع سموات ہے اور اوّل تقدیر پر بدل ہے ہو مبتدا بکل شیئ علیم خبر۔

## تفسیر

یہ دوسری نعمت خدا تعالیٰ یاد دلاتا ہے کہ جو پہلی نعمت پر مترتب ہے۔ یعنی تم اُس خدا سے کیونکر رُو گردانی کر سکتے ہو کہ جس نے تم کو معدوم سے موجود کر دیا اور پھر موجود کر کے یوں ہی پریشان اور بے سامان نہیں چھوڑا بلکہ تمہارے فائدے کے لئے زمین کی ہر ایک چیز کو پیدا کیا ع ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند پھر اُس نے آسمان کی طرف توجہ کی تو اُس کے طبقے بنا دیئے۔ کیونکہ زمین کی چیزوں کا سرانجام بانا آسمانی اور علویات کی تاثیر بغیر نہیں ہو سکتا اگر آفتاب نہ ہوتا یا مہتاب اور ستارے نہ ہوتے تو پھل پھول ہزاروں چیزیں نہ ہوتیں۔ الغرض زمین کی چیزوں کو آسمانوں اور آسمانی چیزوں سے ایک عجیب ارتباط ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ رزق و روزی ہے وہ آسمان سے اُترتی ہے۔ وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۔ اور پھر اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ ہر چیز کی مصلحتیں اور اسرار اس کو معلوم ہیں۔

## متعلقات

استوٰی کے معنی لغت میں قصد کرنے کے ہیں کہتے ہیں استوی الیہ کالسہم المرسل جب کہ کوئی کسی چیز کا قصدِ مصمم کرے اور ادھر اُدھر نہ ہٹے اور اصل استوی کی طلب مساوات ہے اور سیدھی چیز کو مستوی اس لئے کہتے ہیں کہ اُس کے اجزا باہم مساوی یعنی برابر ہوتے ہیں جیسا کہ سطح اور خط اور جسم مگر یہ معنی جناب باری کے لئے تجویز کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ جسمیت سے پاک ہے اور جن لوگوں نے اس قسم کے الفاظ سے یہ بات نکالی کہ وہ آسمان یا عرش پر سیدھا کھڑا ہوتا ہے یا بیٹھتا ہے جس طرح کوئی اپنی کرسی یا تخت پر بیٹھتا ہے اور پھر اس کی تائید میں کچھ احادیث لائے ہیں کہ جن میں بیشتر تیسری چوتھی صدیوں کے محدثین کی وہ احادیث ہیں جو رطب و یابس کا مجموعہ ہیں) بڑی غلطی کی ہے اور پھر اصرار اور غلو کر کے رسائل لکھنا اور عرشی فرشی کہلانا ایک سادہ لوحی اور تعصب بیجا ہے اعاذنا اللہ منہ۔ السَّمَاء کی ہمزہ واو سے بدل گئی پیشتر واو تھا اور جو واو کہ الف کے بعد زائد ہوتا ہے بیشتر عرب اس کو ہمزہ سے بدل لیتے ہیں لغت میں لفظ سماء کا چند معانی پر اطلاق ہوا ہے بادل کو بھی کہتے ہیں اور اُفق کو بھی۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎ فاوّاہ لذکراہا اذا ما ذکرتہا + ومن بعض ارض بیننا وسماء۔ کہ جب میں اس محبوبہ کو اور پھر وہ جو مجھ میں اور اُس میں زمین کے ٹکڑے اور اُن کے اُوپر کے آسمان فاصل ہیں اُن کو خیال کرتا ہوں تو دل سے ایک آہ نکلتی ہے۔

اور اُوپر کی جانب کو بھی اور اس نیلی چھت کو بھی کہ جو ایک گول گنبد سا نظر آتا ہے۔ قرآن میں جو جا بجا سماء کا ذکر ہے کہ ہم نے اس کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ۔ إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ کہ ہم نے پہلے آسمان کو ستاروں سے زینت دی۔ أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ کیا نہیں دیکھا انہوں نے اپنے اُوپر آسمان کو کہ کس طرح بنایا ہم نے اُن کو اور کیسی زینت دی اور ان میں کوئی درز بھی نہیں۔ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا مَّا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِن تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ۔ اس نے سات آسمانوں کو اُوپر تلے بنایا۔ اے دیکھنے والے تجھ کو خدا کی پیدائش میں کچھ تفاوت نہ معلوم ہوگا دو بارہ نظر آسمانوں کی طرف پھرا تیری نگاہ تھک کر خیرہ ہو کر رہ جائے

وغیرہا من الآیات۔ پس اس سے وہی اخیر معنے مراد ہیں کہ جس کو ہماری زبان میں آسمان اور ہندی میں آکاش اور آنبر کہتے ہیں اور ہر زبان میں اُس کا نام ہے اور جس کو تمام عرب و عجم ہند و روم اہل یورپ قدیم زمانہ سے اب تک ایسا ہی سمجھتے ہیں کہ خدا نے آسمانوں کو بنایا ہے ہم اُن کو دیکھتے ہیں اُن میں کوئی شگاف اور درز نہیں کہ جو خدا کی صنعت میں قصور ثابت کرے اور یہ ستارے آسمان پر لگے ہوئے ہیں اگر کسی پڑھے ہوئے سے پوچھے گا تو وہ بھی یہی کہے گا اور اَن پڑھ بلکہ جنگل کے رہنے والے وحشیوں سے دریافت فرمائیے گا تو وہ بھی یونہی کہیں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ بھی منجملہ اُن مسائل کے ہے کہ جس کا علم انسان کی فطرت اور جبلت میں یکساں رکھا گیا ہے اور اسی فطری علم پر خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں انسان کو مخاطب کر کے اپنے عجائباتِ قدرت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام بھی اسی نہج پر کلام کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ توراۃ اوّل کے پہلے باب میں یہ لکھا ہے ابتدا میں خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ (۸) اور خدا نے فضاء کو آسمان کہا (۱۰) اور خدا نے خشکی کو زمین کہا۔ پھر اسی کتاب کے ۷ باب میں طوفانِ نوح کے بیان میں یہ جملہ بھی ہے۔ جب نوح کی عمر چھ سو برس کی ہوئی دوسرے مہینے کی سترہویں تاریخ کو اُسی دن بڑے سمندر کی سب سوتیں پھوٹ کر نکلیں اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ اور ۸ باب میں یہ جملہ ہے۔ اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہو گئیں اور آسمان سے مینہ تھم گیا۔ پھر اسی کتاب کے ۱۹ باب میں قوم لوطؑ کی نسبت یہ ہے۔ تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ خداوند کی طرف سے آسمان پر سے برسائی۔ انجیل متی کے ۳ باب میں ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام یحییٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے اصطباغ یعنی دریا میں غوطہ لگا کر باہر آئے تو اُن کے لئے آسمان کھل گیا۔ انجیل لوقا کے ۱۸ باب میں یہ جملہ ہے۔ پر اُس محصول لینے والے نے دُور سے کھڑا ہو کے اتنا بھی نہ چاہا کہ آسمان کی طرف آنکھ اُٹھاوے بلکہ چھاتی پیٹتا اور کہتا تھا کہ اے خدا مجھ گنہگار پر رحم کر۔ اور مکاشفاتِ یوحنا کے ۸ باب اور دیگر ابواب سے صاف آسمان پر ستاروں کا ہونا اور اُن کے دروازے کھلنا اور وہاں سے آواز آنا وغیرہ وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو قرآن و احادیث کے مطابق ہیں اسی طرح ہنود کے وید اور پارسیوں کے دساتیر سے بھی آسمانوں کی بابت اس طرح کے مضامین مفہوم ہوتے ہیں۔

الغرض ہزارہا برس سے الہامی اور غیر الہامی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام اور دیگر لوگوں کا اس امر میں اتفاق ہے لیکن گریک یعنی یونان کے فیلسوفوں نے جس طرح اور چیزوں کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنے میں عقل کے گھوڑے دوڑائے اور جو باتیں اُن کو اپنے قیاس اور تخمین یا تجربہ اور آلاتِ رصد وغیرہا سے دریافت ہوئیں تو اُن کو قلمبند کیا اور اس کا نام حکمت رکھا کہ جس کی شاخیں ہیئت اور طبعیات اور الہیات وغیرہا علوم ہیں کہ جن پر بہت سے کوتاہ بینوں کو ناز ہے۔ مگر آسمانوں کی تحقیق میں اُن کے دو فریق ہو گئے ایک گروہ کے پیشوا کا فیثاغورس نام ہے وہ کہتے ہیں کہ آسمانوں کا وجود نہیں یہ ستارے بذاتِ خود قائم ہیں کسی میں جڑے ہوئے نہیں۔ پھر خود اس فریق کے بھی دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں ستارے اور ثوابت متحرک نہیں صرف زمین حرکت کرتی ہے اُس کی وجہ سے یہ چیزیں حرکت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ جس طرح کہ ریل گاڑی میں درخت اور پتھر حرکت کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ زمین بھی متحرک ہے اور ستارے بھی آفتاب کو مدار ٹھیرا کر اُس کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ ہاں چھوٹے چھوٹے ستارے کہ جن کو ثوابت کہتے ہیں وہ حرکت نہیں کرتے ان کی حرکت زمین کی حرکت سے محسوس ہوتی ہے اور جس طرح ستارے آفتاب کے ایک فاصلۂ معیّن پر حرکت دوری کرتے ہیں اسی طرح زمین بھی اپنے بُعدِ معیّن پر اُس کے ارد گرد پھرتی ہے اور ستارے صرف یہ زحلؔ۔ مشتریؔ۔ مریخؔ۔ عطاردؔ۔ زہرہؔ۔ شمسؔ۔ قمرؔ ہی نہیں۔ ان کے سوا اور بھی رَصد سے ثابت ہوتے ہیں یہ مذہب فیثاغورث مدت تک تو حکماء کے نزدیک اُس کے دیگر اقوال کی طرح مردود اور بے قدر رہا مگر اب چند عرصے سے اُس نے یورپ میں بڑا رواج پایا اور یورپ کے بڑے بڑے محقق اسی کے معتقد ہو کر ان ہی باتوں کو الہامی اور لوحِ محفوظ کی باتیں سمجھنے لگے بلکہ

اپنی تحقیقات سے اس پر اور کچھ بڑھایا اور چاند اور سیاروں میں
پہاڑ اور دیگر اجرام عنصری بلکہ حیوانات کے وجود کے بھی بعض
لوگ قائل ہوگئے۔ اور بہت سی عجیب و غریب باتیں پیدا کیں لہ
دوسرے گروہ کے سرگروہ حکیم بطلیموس ہیں وہ کہتے ہیں کہ زمین گول
کُروی ہے۔ کسی قدر یعنی تخمیناً چوتھائی حصہ اُس کا ناہمواری کی
وجہ سے اونچا اُٹھا ہوا ہے باقی اُس کے گرد پانی لپٹا ہوا ہے جس کو
سمندر کہتے ہیں۔ پانی کے اردگرد کرۂ ہوا
لپٹا ہوا ہے اُس کے اوپر آگ کو سول
تک ہر طرف سے لپٹی ہوئی ہے
یہ چار کرہ عناصر کے ہوئے
اب یہ جس قدر زمین
پانی سے اوپر اُٹھی
ہوئی ہے اس پر
سب لوگ بستے
ہیں ان چاروں کرہ
کے چوطرف پہلا آسمان
ہے۔ جس کو فلک القمر بھی
کہتے ہیں یعنی اس آسمان میں
چاند ہے۔ جیسا کہ نیلے جسم پر ایک
سفید گول نشان ہوجاتا ہے اُس کے
اوپر فلک العطارد ہے اُس کے اوپر فلک زہرہ
اُس کے اوپر فلک شمس ہے۔ یعنی چوتھا آسمان جہاں آفتاب ہے اُس کے
اوپر فلک مریخ کہ جہاں مریخ ستارہ ہے اُس کے اوپر فلک مشتری کہ
جہاں مشتری ستارہ ہے اُس کے اوپر فلک زحل کہ جہاں زحل ستارہ
ہے اُس کے اوپر فلک الثوابت کہ جہاں یہ سینکڑوں ان گنت ستارے
ہیں کہ جو از خود حرکت کرتے معلوم نہیں ہوتے یعنی ایک جگہ ہمیشہ
ثابت رہتے ہیں چونکہ نیچے کے آسمان بلکہ کل آسمان نہایت شفاف
اور صاف ہیں وہ اوپر کے ستارے سب نظر آتے ہیں اُس کے اوپر فلک
الافلاک کہ جس کو فلک اطلس بھی کہتے ہیں یعنی سادہ اُس پر کوئی تارہ
نہیں وہ دن رات میں مشرق سے مغرب کی
طرف ایک تیز چرخہ کی طرح پھر کر
دورہ تمام کرتا ہے اور اُس
کی وجہ سے سب آسمان
اور تارے دورہ تمام
کرتے ہیں کہ جس سے
رات اور دن پیدا
ہوتے ہیں یعنی
جہاں سامنے آفتاب
آگیا وہاں دن
ہوگیا اور جہاں سامنے
سے بالکل ہٹ گیا رات
ہوگئی اور تمام ستارے از خود
بھی ایک حرکت مغرب سے مشرق
کی طرف کرکے دورہ تمام کرتے ہیں چاند تو مہینہ
بھر میں اس دورہ کو تمام کرلیتا ہے در اصل گھٹتا بڑھتا نہیں بلکہ جس قدر
وہ آفتاب کے مقابلہ میں آتا ہے اور اسی قدر اُس پر روشنی پڑتی ہے

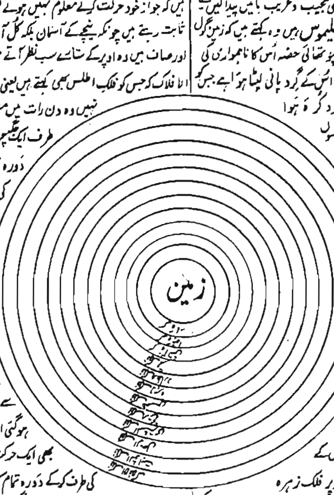


لہ منجملہ اُن کے سید احمد خان صاحب ہیں کہ جو اپنی تفسیر کے صفحہ ۳۸ میں اول تو لفظ سماء کا اطلاق ستاروں پر از خود فرض کرتے ہیں اور پھر سبع سموات سے بتقلید حکمائے یونان و یورپ وہ وسعت مراد لیتے ہیں کہ جو انسان کے اوپر دکھائی دیتی ہے بقرینہ سبع سیارہ اس کو سبع یعنی سات کہدیا ورنہ سات میں کچھ حصر نہیں اور بیضاوی نے عرش و کرسی ثابت کرنے کے لئے جو یہ کہدیا تھا کہ سات کہنے سے زائد کی نفی نہیں ہوسکتی اس کو اپنے مدعا کے لئے دلیل بنایا اور جہاں بیضاوی نے صرف لفظ السماء کے معنے یہ بیان کئے ہیں کہ اس لفظ سے مراد اجرام علویہ یا جہاتِ علو ہے تو حضرت یہ سمجھ گئے کہ بیضاوی اس آیت میں اس لفظ سے دونوں مراد لینا جائز رکھتے ہیں اس پر طرہ یہ کہ اُلٹا سب علماء اور مفسرین پر کہ جو تقلید حکماء نہیں کرتے طعن کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ وسعت یعنی فضا کوئی مجسم چیز نہیں صرف بُعدِ موہوم ہے حالانکہ قرآن مجید اور دیگر کتب الہامیہ سے آسمان کا مجسم ہونا ثابت ہے اور یہ کہ وہ قیامت کو پھٹ جائیگا۔ منہ ۲ہ اور اسی کو فلک البروج بھی کہتے ہیں (باقی صفحہ ۱۴۷)

اُتنا ہی ہم کو دکھائی دیتا ہے ورنہ وہ گول بڑا بھاری جسم ہے زمین سے کہیں زائد ہے اور آفتاب اپنے دَورہ کو دائرہ منطقۃ البروج پر برس میں تمام کرتا ہے اسی لئے مختلف فصلیں سردی اور گرمی کی پیدا ہوتی رہیں۔ یہ کُل تیرہ کُرے ہوئے جن میں نَو آسمان ہیں سات تو یہ کہ جن کو شرع نے سبع سمٰوات کہا ہے اور دو وہ کہ جن کو عرش و کُرسی کہا ہے کرسی فلک الثوابت عرش فلک الافلاک ہے اس صورت پر اور آسمانوں کا کوئی رنگ نہیں کیونکہ اگر رنگ ہوتا تو اوپر کی چیزیں دکھائی نہ دیتیں اور یہ جو نیلگوں معلوم ہوتا ہے یہ آسمان کی شفافی اور غبارات کی تیرگی سے پیدا ہوا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب سفیدی اور سیاہی ملتی ہیں تو نیلی رنگت پیدا ہو جاتی ہے یا یوں کہو کہ اجزائے شفاف ہیں اجزائے غباری کہ جو سیاہ ہیں اُن کے ملنے سے یہ نیلگونی پیدا ہو گئی یا یہ کہ ہوا کے اجزاء شفاف میں جب اُن کو دیکھتے ہیں تو نظر میں ایک تیرگی پیدا ہوتی ہے۔ ان دونوں کے ملنے سے نیلگونی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ سمندر کا پانی نیلا دکھائی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے مسائل اس حکیم اور اس جماعت کے ہیں اور چونکہ یہ مسائل کسی قدر الہامی کتابوں کے موافق ہیں اس لئے اس حکمت کا جس طرح حکمائے یونان میں رواج ہوا اسی طرح جب حکمتِ یونانیہ عربی میں ترجمہ ہو کر آئی اہلِ اسلام نے بھی اس کو پسند کیا چنانچہ اب تک شرح چغمینی اور تذکرہ وغیرہما اسی حکمت کی کتابیں درس میں داخل ہیں بلکہ ایشیائی ملکوں میں ہندو اور ایرانی وغیرہما سب لوگ اور قدیم عیسائی اور یہودی بھی انہیں مسائل کے معتقد ہیں۔ لیکن نہ اسلام کو اس ہیئت سے کچھ بحث ہے نہ اُس سے اگر یہ غلط ہوا تو اسلام کی صداقت میں کیا نقصان آتا ہے؟ اور جو وہ سراسر غلط ہو تو کیا نقصان ہے البتہ آسمانوں کی بابت علی سبیل ذکر آیات قدرت جو کچھ قرآن یا دیگر کُتُبِ الہامیہ میں مذکور ہے اُس کے تمام بنی آدم قائل ہیں۔ وہ علم فطری ہے۔ جب بطلیموس اور فیثاغورس نہ تھے جب بھی لوگ ان باتوں کو مانتے تھے۔

اوّل تو یہ مسلّم نہیں کہ اگر آسمانوں کا کوئی رنگ ہو تو نیچے کے آسمان کی وجہ سے اُوپر کے آسمان کی چیزیں نظر نہ آویں باوجودیکہ پانی اور بلور اور آئینہ میں رنگت ہوتی ہے پھر بھی وہ نفوذِ بصر کو مانع نہیں اُس کے پَرلی طرف والی چیز برابر نظر آتی ہے (دوم) ممکن ہے کہ نویں یا آٹھویں آسمان کی رنگت نیلگوں ہو اگر اوپر کی چیز کے نظر آنے میں مانع ہوگا تو وہ ہوگا باقی نیچے کے آسمان مانع نہ ہوں گے اور اُن کے اوپر کوئی ستارہ نہیں اور اُن کی رنگت اُوپر تلے آئینوں میں جس طرح اُوپر کے آئینہ کی رنگت تلے دکھائی دیتی ہے۔ اور نیلا رنگ کچھ ان ہی صورتوں میں کہ جن کو مستدل نے ذکر کیا منحصر نہیں اور یہ سب کچھ تسلیم بھی کیا جاوے تو قرآن سے صرف یہ ثابت ہے کہ آسمانوں کی طرف نظر کر سکتے ہیں۔ اس تقدیر پر نیلا رنگ گو آسمان کا رنگ نہ ہو مگر جب یہ آسمان کے ساتھ وہ علاقہ رکھتا ہے جو کہ سمندر کے پانی کے ساتھ اُس کا رنگ پھر جس طرح سمندر کا نیلا رنگ اُس کی رویت اور نظر کرنے میں قادح نہیں اسی طرح آسمان کی طرف نظر کرنے میں یہ مانع نہیں یا یوں کہو کہ کسی جسم پر کوئی کپڑا لپیٹ کر دکھایا جاوے تو وہ دیکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ ہم نے وہ جسم دیکھا۔ آدمی پاجامہ کرتا پہنے ہوتے دکھائی دیتا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اس کو دیکھا۔ اسی طرح اگر آسمانوں کے نیچے خدا نے یہ قدرتی نیلگوں چھت گیری لگا دی ہے تو اُس کے دیکھنے میں کوئی حرج پیدا نہیں کرتی اور یوں تو حقیقۃً کوئی جسم دکھائی ہی نہیں دیتا جب نظر پڑے گی تو اُس کے عوارض ہی پر پڑے گی۔ کما ہو الحق عند الحکماء۔

**الہامی** کتابوں بالخصوص قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ آسمان

(بقیہ حاشیہ ص ١٤٦) بُرج سے مُراد قلعہ جات کے بُرج نہیں بلکہ دوائر کی وجہ سے آسمانوں کے بارہ[12] حصّے اس طرح قائم کئے ہیں کہ جس طرح خربزہ کی پھانکیں اور ستاروں کی ہیئتِ اجتماعی سے کہیں شیر کی صورت پیدا ہو گئی تو بُرج اسد کہنے لگے اور کہیں کیکڑے کی تو اس کو سرطان اور کہیں بچھو کی تو اس کو عقرب۔ وقس علیٰ ہذا۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں بھی عرب ان بروج سے واقف تھے اسی لئے خدا تعالیٰ نے والسمآء ذات البروج فرمایا۔ منہ



٢٤

کوئی مجسم چیز ہے کہ جو قیامت کو پھٹ جاوے گی عام ہے کہ وہ کوئی جسم اور کسی قسم کا ہو۔ قال اللہ تعالیٰ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ و قال اِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتْ۔ و قال اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ و قال وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ الآیۃ۔ کیونکہ اگر آسمان فضا یا بُعدِ موہوم کا نام ہوتا جیسا کہ بعض مقلدین یورپ کا قول ہے تو وہ ایک عدمی چیز ہے اُس کا پھٹنا اور اُس کے چھلکوں یعنی طبقات کا اُکھڑنا اور اس کو پیدا کرنا اور بنانا جس طرح کہ زمین اور اُس کی چیزیں بنائیں یا اُس کی کھڑکیاں کھُلنا جس کا کہ توراۃ میں ذکر ہے اور اُس کو سقفِ محفوظ کہنا چہ معنیٰ دارد؟ البتہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ وغیرہ اکابر نے جو کچھ آسمان کے باہمی نسبت مروی ہے اور یہ کہ فلاں آسمان چاندی کا اور فلاں زبرجد کا اور فلاں اُس کا اور فلاں اُس کا اگر بسندِ صحیح ثابت ہے تو تشبیہ اور مجاز پر محمول ہے نہ حقیقت پر۔ پھر اس پر اعتراض محض بیجا ہے۔

## فوائد

(۱) عالم کے پیدا ہونے میں لوگوں کے گوناگوں مذاہب اور مختلف اقوال ہیں۔ ہندو جو اپنی کتابوں بالخصوص چاروں وید اور پرانوں کو تمام دنیا کی کتابوں سے قدیم سمجھتے ہیں اور اُن کے پنڈت اپنے علوم پر بڑے نازاں ہیں اور سوائے ہندوؤں کے کُل عالم کو ملیچھ کہتے ہیں یعنی ناپاک اور کسی کو نجات اور سُرگ (بہشت) کا مستحق نہیں جانتے اس پر طرہ یہ کہ اپنے مذہب میں کبھی ملا ناروا نہیں سمجھتے اُن کے ابتدائے عالم اور آفرینش جہان کی بابت اس قدر مختلف اقوال ہیں کہ جن کے سُننے سے عاقل کے سر میں درد ہوتا ہے۔ چنانچہ رگ وید کے آیتریہ ارنیہ میں لکھا ہے کہ شروع میں یہ سنسار (عالم) صرف آتما یعنی روح تھا اور کچھ نہ تھا۔ پس اُس نے چاہا کہ میں جگت کو پیدا کروں پس اُس نے پانی روشنی جاندار وغیرہ طرح طرح کے عالم پیدا کئے پھر خیال کیا کہ اُن کا نگہبان پیدا کروں تب اُس نے ایک پُرش یعنی شخص کو پانی سے نکالا۔ اور اُس میں غور سے نگاہ کی تو اُس کا مُنہ انڈے کی طرح کھُل گیا اور اُس میں سے ایک شبد یعنی آواز نکلی اور اُس آواز سے آگ پیدا ہوئی پھر اُس کے نتھنے کھُل گئے اور سانس آنے لگے اُس سانس سے آکاش یعنی آسمان پیدا ہوئے پھر آنکھ کھُل گئی اُن سے جوت (روشنی) اور اُس سے سورج پیدا ہوا اور کان کھُل گئے اُن سے چاروں کونوں کا پھیلاؤ ہوا پھر اُس کے چمڑے سے بال نمودار ہوئے اُن سے نباتات پیدا ہوئے اور اُس کی چھاتی کھُل گئی اُس سے بدھ اور بدھ سے چاند پیدا ہوا پھر ناف کھُل گئی اُس سے اپان ہوا جس سے موت پیدا ہوئی۔ اس کے بعد لنگ (آلۂ تناسل) کھُل گیا اُس سے منی نکلی اور اُس منی سے پانی پیدا ہوا پھر وہ برہما یہ سوچا کہ یہ پُرش مجھ بغیر کس طرح رہ سکے گا۔ اس لئے وہ اس کے سر میں سما گیا الخ۔

اِس بیان میں چند خرابیاں ہیں (۱) یہ کہ جب وہ خود لکھتا ہے کہ اُس نے تمام عالم پانی روشنی سب کچھ پیدا کر لیا تو ان کی محافظت کے لئے اُس پرش کو پیدا کیا۔ پھر یہ کہنا کہ اُس پرش کے مُنہ سے آگ اور آلۂ تناسل سے پانی اور سانس سے آکاش اور آنکھ سے آفتاب پیدا ہوا صریح غلط ہے۔ (۲) جب پانی اس کی منی سے پیدا ہوا تو پھر یہ کہنا کہ پرش کو پانی سے نکالا بالکل غلط ہے کیونکہ اُس سے پہلے پانی کہاں تھا اور تھا تو یہ کیوں کہا کہ اُس کی منی سے پیدا ہوا۔ (۳) منی غذاؤں کے کھانے سے پیدا ہوتی ہے اُس سے تو تمام نباتات اور پانی پیدا ہوا پھر اُس سے پہلے کیا کھا پی کر منی پیدا ہوئی۔ (۴) اس قول کے بموجب اُس پرش اور تمام عالم کا پیدا کرنے والا برہما ثابت ہوتا ہے حالانکہ اس کے برخلاف وید اور پورانوں سے ثابت ہوتا ہے۔

## قول دوم

برمھ دیوت پُران کے برہم کھنڈ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کرشن سرشٹ کرتا یعنی خالق ہے۔ یعنی اُسکے دائیں طرف سے وشنو اور بائیں سے شیو اور ناف سے برہما پیدا ہوئے۔ اور ان تینوں نے اُس کی پوجا کی یہ قول اول اقوال کے صریح برخلاف ہے۔

## قول سوم

بھاگوت اور شیو پران میں لکھا ہے کہ وشن کی ناف سے کنول کا پھول نکلا اُس سے برہما پیدا ہوا جس نے وشن سے جھگڑا کیا۔

## قولِ چہارم

متسیہ پران میں لکھا ہے کہ برہما سے شیو پیدا ہوا یعنی مہادیو۔ یہ اوّل اور دوم اور سوم سب کے مخالف ہے۔

## قولِ پنجم

لنگ پران میں لکھا ہے کہ شیو برہمانڈ سے نکلا اور صورت پکڑ کے اپنی بائیں طرف سے وشن اور لکھشمی کو اور دائیں طرف سے برہما اور سرستی کو پیدا کیا یہ پہلے قول سے بالکل مخالف ہے۔

## قولِ ششم

ویدانت اور سانکھ سار اور دیگر پرانوں سے ثابت ہے کہ سرشٹ کے وقت برہم سے بُدھ سے اور بُدھ سے اہنکار اور اہنکار سے آکاش اور آکاش سے اگن اور اگن سے جل اور جل سے پرتھوی اور ان سے سب چیزیں پیدا ہوئیں۔

## قولِ ہفتم

یجروید میں لکھا ہے کہ وراج پرش سے سرشٹ ہوئی اس طرح پر کہ اُس نے مرد و عورت کی شکل ایک شخص کو پیدا کیا پھر وہ دو شخص ایک مرد ایک عورت بن گئے اور جورو خصم بن گئے وہ عورت مرد سے شرما کر گائے بن گئی تو مرد بیل بن گیا۔ اس سے بیل و گائے کی نسل جاری ہوئی پھر وہ گھوڑی تو یہ گھوڑا بن گیا اور وہ گدھی تو یہ گدھا بن گیا اور وہ کُتیا تو یہ کُتا بن گیا۔ الغرض جس قدر کائنات عالم ہے اُس کی صورت میں وہ مرد و عورت آتے گئے اور وہ چیزیں عالم میں ظہور پاتی گئیں۔ اس قصہ کو سُنکر ناظرین بے اختیار ہنس دیں گے

## قولِ ہشتم

منو کے شاستر میں کہ جس کو دہرم شاستر کہتے ہیں یہ لکھا ہے کہ پہلے ایسا اندھیرا تھا کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا تب ایشر نے برہمی ظاہر کرنے کے لئے جمادات اور بھوت وغیرہ کی صورت میں ظہور کیا تب برہم نے خلقت کو پیدا کرنے کا ارادہ کر کے اوّل جل (پانی) کو پیدا کیا اور اُس جل میں اپنی منی ڈالی جس سے سونے کا چمکتا ہوا انڈا پیدا ہوا اُس انڈے میں سب کا باپ آپ برہما ہو کے پیدا ہوا پھر کتنی برس تک برہما اُس انڈے کے خیال میں رہا اس کے بعد اُس کو توڑ کے دو ٹکڑے کر دیئے اور اُن سے آسمان و زمین بنایا الخ۔ یہ ہذیان بھی قابلِ غور ہے۔

## قولِ نہم

کرم پران میں لکھا ہے کہ میں جو نارائن دیو ہوں سرشٹ کے پہلے تھا پر میرے رہنے کو استھان (جگہ) نہ تھا تب اونگھتے ہو کر شیش ناگ کو پلنگ بنا کر آرام کیا اس کے پیچھے میری مہربانی سے جو کمل برہما پیدا ہوا جو تمام دنیا کا دادا ہے پھر برہما نے اپنے من سے پانچ شخص بنائے سنک۔ سناتن۔ سنندن۔ رودر اور سنت کمار الخ۔ تب مہامنی وشنو نے اپنے پتر (پسر) برہما کو تسلی دی جس سے وہ عبادت کرنے لگا۔ لیکن جب اس کا کچھ پھل نہ ملا تو غصہ میں آکر رونے لگا۔ اور اُن آنسوؤں سے مہادیو پیدا ہوا پھر اُس نے اور خلقت پیدا کیا الخ۔ ان سب کے علاوہ بیدانتی لوگ کچھ اور ہی کہتے ہیں ان سے بڑھ کر یہ اقوال حیرت افزا ہیں۔ مارکنڈے اور سری مد بھاگوت میں لکھا ہے کہ کھاری پانی کا سمندر ایکھ کے رس کا سمندر۔ شراب کا سمندر۔ گھی کا سمندر۔ دودھ کا سمندر۔ چھاچھ کا سمندر۔ میٹھے پانی کا سمندر یہ ساتوں سمندر سمیر[1] کے چاروں طرف بہتے ہیں۔ مگر نہ اُس سمیر کا پتہ ہے نہ اُن سمندروں کا کہیں نشان ہے بعض پرانوں میں ہے کہ زمین کچھوے کی پیٹھ پر ہے اور بعض میں ہے کہ نادیا بیل کے دونوں سینگوں پر زمین ہے وہ بیل مچھلی پر کھڑا ہے اور جب وہ بیل سر ہلاتا ہے تو زلزلہ آتا ہے اور بعض میں ہے کہ شیش ناگ کے سر پر ہے اس خیال سودا وی کا کچھ ٹھکانا ہے! وید اور شاستروں اور پرانوں میں یہ لکھا ہے کہ سمیر پربت زمین کے بیچوں بیچ ایک پہاڑ ہے۔ جس کی بلندی تین

[1] سمیر ہندوؤں کے نزدیک ایک فرضی پہاڑ کا نام ہے جس طرح مانسرور ایک تالاب ہے کہ جس کے ہنس موتی کھاتے ہیں۔ شاید یہ باتیں عالم خیال میں ہوں تو ہوں برہمنوں کے تصوّر میں، ورنہ ان کا کہیں پتہ نہیں۔ منہ۔

ڈکھ کوس ہے اور اُس کی جڑ کی موٹائی چونسٹھ ہزار کوس کی ہے اور اُس کے اُوپر بہاوشن[1]۔ شیو[2] اندر[3] اور دیوتاؤں کا آسمان ہے اور اس کے آس پاس اور بہت پہاڑ ہیں جن کے اوپر ایک ایک درخت چار چار ہزار کوس کا اونچا ہے۔ ہنود کی بعض کتابوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ کرم یعنی افعال خالق ہیں اور بعض پراکرت یعنی زمانہ کو خالق جانتے ہیں خدائے تعالیٰ کے منکر ہیں۔ بعض مایا کے قائل ہیں۔ بعض کہتے ہیں وہ خود اپنی صورتیں بدل کر عالم میں ظاہر ہوا کبھی درخت بنا کبھی پتھر بنا۔ اب میں حکماء یونان کے اقوال اس بارہ میں نقل کرتا ہوں۔

واضح ہو کہ حکماء کے دو گروہ ہیں ایک گروہ متقدمین یعنی افلاطون سے پہلے اور خود افلاطون۔ ایک گروہ متاخرین ارسطاطالیس اور اس کے معاصر اور بعد کے حکماء۔ قدماء کے مختلف اقوال ہیں۔ چنانچہ ثالیس ملیطی یہ کہتا ہے کہ ضرور کوئی نہ کوئی عالم کا مبدع ہے اور وہ پانی ہے کیونکہ یہ ہر قسم کی صورت قبول کرسکتا ہے اسی سے آسمان و زمین عناصر مرکبات ہر چیز بنی ہے پس جو پانی کہ منجمد ہوگیا یعنی جم گیا وہ زمین ہے اور پانی کے تحلیل ہونے سے ہوا پیدا ہوتی ہے اور تموج بحر اور جھاگ سے آگ بنی اور پھر پانی اور آگ کے ابخرات اور دھوؤں سے آسمان بنا اور ان ارضیات میں جو اشتعال واقع ہوا اُس سے ستارے آفتاب و ماہتاب بنے پس اسی لئے یہ آسمان پانی کے گرداگرد حرکت دوری کرتا ہے گویا کہ مسبب اپنے سبب اور عاشق اپنے معشوق پر قربان ہوتا ہے۔ شاید مبدع سے مراد مبدء[2] ہے اس تقدیر پر یہ مذہب توراۃ اور کتب الہامیہ سے کسی قدر مطابق ہو جاوے گا اور کچھ عجب نہیں کہ ثالیس نے انبیاء علیہم السّلام سے فیض حاصل کیا ہو۔ حکیم انکیماس یہ بھی ملیطی[3] ہے یہ کہتا ہے کہ کل عالم کا پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ ہے پس یہ جو کچھ موجود ہوا ہے یہ سب اُس کے علم ازلی میں تھا سب سے اوّل اُس نے عنصر کی صورت پھر عقل کی صورت پیدا کی پھر بقدر انوار و آثار عنصر نے عقل میں بیشمار دفعۃً صورتوں کے رنگ مرتب کر دیئے جس طرح کہ صاف آئینہ میں صدہا صورتیں یکبارگی پیدا ہو جاویں مگر ہیولیٰ میں بغیر ترتیب و زمان کے یکبارگی سب صورتیں مرتب نہیں ہوسکتیں پس اس لئے ہیولیٰ ایک عالم سے دوسرے عالم میں صورتیں بدل کر نمودار ہوتا گیا یہاں تک کہ جو صورتیں کہ ہیولیٰ میں ہیں اُن کے اور خود ہیولیٰ کے انوار کم ہوگئے اور خاص وہ رذیل صورت رہ گئی کہ جو نہ نفس روحانیہ نہ نفس حیوانیہ نہ نباتیہ قبول کرسکتی ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اس عالم کو اُس عالم سے وہ نسبت ہے کہ جو چھلکے کو مغز سے یعنی یہ عالم اس عالم کا ظل ہے اور جب تک اُس عالم کا نور اس عالم میں باقی ہے تو یہ قائم ہے اور اُس سے یہ بھی منقول ہے کہ سب سے پیشتر جو اس عالم میں پیدا ہوا وہ ہوا ہے پھر جس قدر اجرام علویہ اور سفلیہ ہیں سب اسی سے ہوئے ہیں پس جو چیز لطیف ہوا سے پیدا ہوئی ہے وہ روحانی اور لطیف ہے نہ وہ بگڑے گی نہ اُس میں کچھ خرابی ظہور کرے گی اور جو کثیف ہوا سے پیدا ہوئی ہے وہ کثیف اور جسمانی ہے یہ ایک روز خراب ہوگی۔ یہ حکیم ثالیس کے مذہب پر ہے شاید اس نے موجودات جسمانی میں ہوا کو سب سے اوّل مانا جس طرح کہ موجودات روحانی میں عنصر کو مبدء اوّل قرار دیا جس طرح کہ ثالیس نے پانی کو مبدء اوّل مانا تھا اور یہ عنصر کو بمنزلہ قلم کے اور عقل کو بمنزلہ لوح کے قرار دیتا ہے کہ جو ہر طرح کی صورتیں قبول کرتی ہے حکیم انبیذقلس یہ حضرت لقمان حکیم کے شاگرد ہیں ان سے حکمت حاصل کر کے یونان میں آئے۔ یہ کہتے ہیں کہ تمام عالم کا پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ ہے اُس نے سب سے بیشتر ایک بسیط چیز کو یعنی عنصر کو پیدا کیا یہ عنصر جو معلول اوّل ہے بالکل بسیط نہیں کس لئے کہ ہر معلول عقلاً یا حساً مرکب ہوتا ہے پس عنصر بھی فی ذاتہٖ محبت اور غلبہ سے مرکب ہے پھر ان دونوں سے

[1] ابتداءً پیدا کرنے والا۔ منہ [2] یعنی وہ چیز کہ جس کو سب سے اوّل اللہ تعالیٰ نے بنایا اور پھر اُس سے اور چیزیں بنائیں۔ منہ [3] یعنی ملیطہ کا رہنے والا ہے کہ جس کو مالٹا کہتے ہیں یہ ایک جزیرہ ہے اس کو یونان سے پہلے بڑا تعلق تھا۔ منہ

سب چیزیں پیدا ہوئیں ہیں اس طرح پر کہ تمام روحانیات پر محبت خالصہ منطبق ہے اور جسمانیات پر غلبہ اور جود دونوں سے مرکب ہے اس میں یہ دونوں ہیں اور یہ باری تعالیٰ کے لئے ایک قسم کی حرکت و سکون بھی ثابت کرتا ہے یہ مذہب فیثاغورس سے لے کر افلاطون تک حکماء میں مسلّم رہا اور سب قدماء عالم کو حادث کہتے رہے مگر افلاطون کے شاگرد ارسطاطالیس کا جب زمانہ آیا وہ جو کچھ ریاضیات اور مکاشفات تھے اُن میں فرق آگیا پھر تو صرف تخمینی باتوں اور خیالی مقدّمات سے مرکّب دلیلوں پر حکمت کا دارو مدار رہ گیا اس لئے اس گروہ کو مشائین کہنے لگے اور چونکہ یہ ارسطو سکندر رومی کا وزیر تھا کہ جس نے ایران کو فتح کر کے ایشیائی ملکوں میں بھی اپنا نام پیدا کیا تھا اس لئے ارسطو کے مذہب کی زیادہ شہرت ہوئی اب میں قبل اس کے کہ ارسطو اور اس کے متبعین متأخرین کا مذہب اس باب میں بیان کروں دو چار مقدمات گوش گزار کرتا ہوں کہ جن پر اس مذہب کی بنیاد ہے (۱) یہ کہ ایک شخص سے (کہ جو من کل الوجوہ واحد ہو جیساکہ باری تعالیٰ) دو چیز صادر نہیں ہوسکتیں کیونکہ اگر دو صادر ہوں تو اس میں دو...... جہت ثابت ہوجائیں اور ترکیب آوے۔ (۲) یہ کہ ستاروں کی مختلف حرکات سے نو آسمان ثابت ہوتے ہیں۔ (۳) یہ کہ ان آسمانوں کی حرکت دَوری قدیم ہے اور ان کے محرّک نفوسِ فلکیہ ہیں کہ جن کو عقل و شعور ہے (۴) جو چیز حادث ہے یعنی جو معدوم ہو کر موجود ہو ضروری ہے کہ پہلے سے اُس کے لئے مادہ ہو ورنہ اُس شے کی جو صفت امکان ہے کس کے ساتھ قائم ہوگی؟ جب یہ مقدّمات اپنے خیال میں ان لوگوں نے مضبوط کر لئے تو کہنے لگے کہ عالم قدیم ہے یعنی یہ آسمان و زمین اور کل بسائط سب ہمیشہ سے ہیں ہاں یہ مرکبات حادث ہیں جیساکہ حیوانات۔ نباتات۔ جمادات اور یہی فانی بھی ہیں کہ یہ ترکیب منحل ہوجاتی ہے ہر عنصر اپنے اپنے حیز اصلی میں آملتا ہے اور کل عالم کا بانی خدا تعالیٰ ہے جب سے وہ ہے تب ہی سے یہ عالم بھی ہے عالم کو حادث ذاتی کہہ سکتے ہیں اور اُس کا صدور اُس سے یوں ہوا ہے کہ سب سے اوّل اُس نے عقلِ[۱] اوّل کو پیدا کیا کس لئے کہ وہ بسیط ہے دو یا کئی چیزیں پیدا نہیں کرسکتا اب عقلِ اوّل میں تین اعتبار ہیں۔ ایک[۲] وجود فی نفسہٖ۔ دوسرا وجود بالغیر۔ تیسرا امکانہ لذاتہٖ۔ پس اس نے پہلے اعتبار سے کہ جو اشرف تھا عقلِ دوم کو پیدا کیا یہ بھی اشرف ہے اور دوسرے اعتبار یا لحاظ سے نفس کو کہ جس کو روح یا آتما کہتے ہیں پیدا کیا۔ اور تیسرے اعتبار سے جسم یعنی فلکِ اوّل کو پیدا کیا کہ جس کو ادھر کے لحاظ سے نواں آسمان اور فلک الافلاک بھی کہتے ہیں پھر عقلِ دوم نے عقل سوم اور آسمانِ دوم یعنی فلک الثوابت اور ایک نفس کو پیدا کیا۔ علیٰ ہٰذا القیاس نویں عقل نے نویں آسمان فلک القمر اور دسویں نفس کو پیدا پھر دسویں عقل نے بذریعہ حرکاتِ فلکیہ بسائط اور سب چیزوں کو پیدا کیا اس لئے اس کو عقلِ فعّال کہتے ہیں اور اسی خیال سے شعراء حوادث کو آسمان کی طرف منسوب کر کے اُس کو بُرا بھلا کہا کرتے ہیں۔

اسی طرح اصولِ مرکبات میں بھی حکماء کا باہم اختلاف ہے چنانچہ متأخرین حکماء آگ۔ پانی۔ خاک۔ ہوا۔ اربع عناصر کے قائل ہیں۔ بعض صرف ایک ہی عنصر کے قائل ہیں بعض دو کے بعض تین کے بعض بہت سے عناصر مانتے ہیں۔ جو ایک کہتے ہیں پھر اُن کا بھی اختلاف ہے کوئی آگ کو اصل مانتا ہے اور عناصر اسی سے پیدا ہونا کہتا ہے کہ آگ مستحیل ہو کر ہوا بنی اور ہوا مستحیل ہو کر پانی بن گیا اور پانی منجمد ہو کر زمین ہوگیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ہوا اصل ہے باقی سب چیزیں مستحیل ہو کر ہوا سے بنی ہیں۔ بعض پانی کو اصل کہتے ہیں بعض مٹی کو اصل قرار دیتے ہیں بعض ابخرات کے قائل ہیں۔ اور بھی آفرینش عالم میں حکماءِ مصر اور فارس اور روم اور ہندو چین کے رجماً بالغیب بہت سے اقوال ہیں۔ یہاں بھی عقل کو بڑی حیرانی اور سرگردانی تھی کس کر

---

ف ۱ عقل سے مراد انسان کی عقل نہیں کہ جس کو ذہن اور فہم بھی کہتے ہیں۔

۲ بلکہ جوہر مجرد جیساکہ ملائکہ جس کو عرفِ شرع میں قلم کہتے ہیں۔ منہ

غلط کہیے کس کو صحیح؟ اس لئے خدائے تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی معرفت اس رازِ سربستہ کو یوں کھول دیا۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ

لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ اس آیت کی تفسیر تو اس کے موقع پر ہوگی مگر حاصل مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے دوروز میں زمین کو پیدا کیا اور بموجب قول ابن عباسؓ کے (کہ جس کو تفسیر مدارک وغیرہ میں نقل کیا ہے) مبدء اس کا ایک جوہر ہے کہ جو خدائے تعالیٰ کی نظر ہیبت سے پانی ہوگیا پس یہ پانی بحرِ ہستی میں موجزن تھا اور خدائے تعالیٰ کے احاطۂ قدرت و جبروت میں تھا جیساکہ فرماتا ہے وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ[1] کہ اس کا تخت پانی پر تھا۔ اور توراۃ کتاب پیدائش کے اول باب ۲ آیت میں بھی ہے کہ خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی پھر اس پانی کی حرکت اور تموّج سے حرارت اور ابخرات اور دھوئیں پیدا ہوئے اور جھاگ بھی بے شمار اٹھے وہ جھاگ وغیرہ جس قدر منجمد ہوگئے وہ زمین ہوگئی اور ہر طرف سے پانی اس پر محیط ہوگیا مگر کسی قدر ارتفاع انخفاض کی وجہ سے پانیوں کے اوپر بھی رہے کہ جس پر لوگ آباد ہیں اور پانی تحلیل ہو کر حرارت کی وجہ سے ہوا بن گئی اور ہوا تموّج کی حرارت سے مستحیل ہو کر آگ بن گئی مگر قرآن سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ نے دوروز میں زمین کو بنایا اور پھر وہ جو دھوئیں اور ابخرات مرتفع تھے ان سے دوروز میں سات آسمان بنائے جیساکہ خود فرماتا ہے ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ (اور وہ جو لطیف ابخرات تھے ان سے) ستارے بنا کر آسمان کو مزین کیا۔ پس جب آفتاب اور ماہتاب اور رات دن ہوچکے (تو ان کی حرارت و برودت سے) زمین کے اوپر نباتات پہاڑ و انہار وغیرہ وہ چیزیں پیدا کیں کہ جن کی طرف انسان و حیوانات کو اشد ضرورت ہے اور یہ بھی دوروز میں کیا، جیساکہ فرماتا ہے ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا[2] رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۝ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۝ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا کہ خدا تعالیٰ نے آسمان کو بنایا اور بلند کیا اور پھر اُن کی درستی کی اور اُس سے رات دن پیدا کرکے اُس کے بعد زمین کو آراستہ کیا اور اُس کے اوپر پہاڑوں کا دباؤ ڈالا۔ پھر حیوانات اور حضرت انسان کو بنایا جیساکہ ابھی آتا ہے۔ توراۃ میں بھی اسی کے موافق ہے مگر کسی قدر عبارت کا اینچ پیچ ہے باقی مطلب صاف ہے۔

ف۔ جمہور علماء صحابہؓ و تابعینؒ عبداللہ بن عباسؓ و مجاہدؒ و حسنؒ وغیرہ اسی تفسیر پر متفق ہیں کہ آسمان زمین کے بعد بنایا گیا ہے جیساکہ ابھی مذکور ہوا۔ لیکن بعض علماء جیساکہ قتادہؒ اور

[1] صحیح بخاری میں ہے قال کان اللہ ولم یکن شئی قبلہ وکان عرشہ علی الماء ثم خلق السمٰوٰت والارض (الحدیث) کہ اللہ ہی تھا اُس سے پہلے کچھ نہ تھا اور اُس کا تخت پانی پر تھا اُس نے آسمان اور زمین کو بنایا۔ اور ترمذی نے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے۔ حقانی ف۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اندھیرا تھا اور خدا کا تخت پانی پر تھا اس کے یہ معنے ہیں کہ اول مخلوق پانی تھا اور ابھی تک آفتاب وستارے پیدا نہیں ہوئے تھے اس لئے اندھیرا تھا اور ممکن ہے کہ عدم مراد ہو کہ اس کو بھی اندھیرے سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور جب کہ عالم حسّی میں صرف پانی ہی پانی تھا تو وہ کرہ محاط تھا اور اس کے گرداگرد احاطہ قدرت و کمال تھا جس کو تخت رب العالمین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس تقدیر پر پانی پر تخت رب العالمین کا ہونا بہت ٹھیک بات ہے۔ منہ

سدی اور مقاتل اور بیضاوی یہ کہتے ہیں کہ آسمانوں کو پہلے پیدا کیا اس آیت سے والارض بعد ذلك دحٰها اور ثم کو تراخی رتبی پر محمول کرتے ہیں۔ مگر یہ تکلف ہے کلام الٰہی میں غور نہیں کیا کیونکہ بعد ذلک جو فرمایا ہے تو زمین کے دَحْو کی نسبت فرمایا نہ کہ پیدا ہونے کی نسبت یعنی زمین آسمان سے پیدا تو پہلے ہو چکی ہے مگر اس کی آراستگی کہ جو دَحْو کا مفاد ہے آسمانوں کے بعد ہے۔

**ف ۲** زمین کو دو روز میں پیدا کیا اور دو روز میں اس کو آراستہ کیا اور دو روز میں آسمان بنایا یہ کل چھ روز ہوئے جیسا کہ فرمایا۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ زمین کو اتوار اور پیر کے دن اور اس کی آراستگی اور اس کے پہاڑ وغیرہ چیزیں منگل اور بدھ کے روز اور جمعرات کے دن آسمانوں کو اور جمعہ کے دن ستاروں کو پیدا کیا۔ صحیح مسلم میں اور طرح پر آیا ہے۔ توراۃ سفر خروج کے ۳۱ باب ۱۷ ورس میں یہ بھی ہے۔ اس لئے کہ چھ دن میں خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا۔ اور یہ ساتواں روز ہفتہ کا دن ہے کہ جس کو یہود سبت کہتے ہیں لیکن آرام کرنا غلطی کاتب ہے۔ اس لئے کہ وہ فرماتا ہے وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ کہ ہم پیدا کرنے میں کچھ بھی تھکے نہیں۔

**ف ۳** اگر کوئی کہے کہ دن تو آفتاب کے طلوع و غروب سے ہوتا ہے۔ پھر ان کے پیدا ہونے سے پہلے دن کہاں تھا۔ اور پھر ان کے نام کہاں۔ میں کہتا ہوں کہ جو کچھ عالم ظہور میں آتا ہے وہ پہلے علم الٰہی میں ہو بہو قائم ہوتا ہے۔ جس طرح آئینہ میں وہ دکھائی دیتا ہے جو پہلے موجود ہوتا ہے ہو بہو۔ پس جس طرح دن اور ان کے نام آفتاب پیدا ہونے سے پہلے عالم ظہور میں متعین ہوئے اسی طرح اس کے علم میں تھے پھر وہ اپنے علم کے لحاظ سے اس مقدار زمانہ کو ایام سے تعبیر کرتا ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ ہمارے نزدیک یہ تعین آفتاب کے بعد ہوئی اس کے نزدیک پہلے بھی تھے۔

**سوال۔** خدائے تعالیٰ قادر ہے اس نے چھ روز کے عرصہ میں کیوں آسمان و زمین کو پیدا کیا؟ کس لئے ایک بار کن کہتے ہی نہ کر دیا۔ اس کو کس سامان کا انتظار تھا۔ **جواب۔** کسی کا بھی نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ عالم اسباب میں ہر کام کا بتدریج ہونا ثابت کیا جائے اور عالم کا حادث ہونا۔ اور حادث ہو کر اس کا مخلوق اور محتاج اور فانی ہونا ثابت ہو جائے۔

**ف ۴** اگرچہ ہم کو خوب معلوم نہ ہو مگر خدا نے دنیا کی سب چیزیں انسان کے لئے نفع رکھا ہے یہ اور بات ہے کہ مصلحت سے بعض چیزوں کا کھانا پینا حرام ہے مگر نفع کچھ کھانے پینے ہی پر موقوف نہیں۔ اور اسی لئے جمہور علما اس آیت خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا سے اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ جب تک کوئی ممانعت شرعیہ نہ معلوم ہو ہر چیز مباح اور حلال ہے اصل اشیاء میں حلت ہے۔

**ف ۵** وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ میں اس طرف اشارہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بابت جو لوگ کتاب الٰہی کے مخالف کہتے ہیں وہ جانتے نہیں یوں ہی اٹکل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ
اور جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک
فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ
خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ وہ بولے کیا آپ اس میں ایسے شخص
فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ
کو خلیفہ کرنا چاہتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں
الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ
کرے۔ حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے اور تیری پاکی
لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾
بیان کرتے ہیں (فرمانے) کہا میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

## ترکیب

اذ مفعول بہ ہے اذکر محذوف کا۔ بعض کہتے ہیں مبتدا محذوف

کی خبر ہے تقدیرہ وابتدار خلقی اذ قال ۔ بعض کہتے ہیں زائدہ ہے۔ قال فعل ربک فاعل للملٰئکۃ متعلق ہے فعل کے انی جاعل فی الارض خلیفۃ جملہ مقولہ ہے قول کا یعنی مفعول قال کا جاعل مستقبل کے معنی میں ہے اسی لئے عمل کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ بمعنی خالق ہو تو ایک مفعول چاہے گا۔ جو خلیفہ ہے اور ممکن ہے کہ بمعنی مصیّر ہو تو اس تقدیر پر فی الارض مفعول ثانی ہوگا قالوا فعل ضمیر فاعل أ ہمزہ استفہام ارشاد کے لئے تجعل فعل انت فاعل من یفسد فیہا ویسفک الدماء سب اس کا مفعول پھر یہ تمام جملہ مفعول ہوا قالوا کا ونحن نسبح الخ جملہ اسمیہ حال ہے فاعل تجعل سے یہ حال جہت اشکال کو ثابت کرنے کے لئے ہے قال فعل با فاعل انی اعلم الخ جملہ اس کا مفعول۔ اعلم فعل مضارع ما موصولہ لاتعلمون صلہ اصلہ لاتعلمونہ ضمیر محذوف بعض نے کہا ہے کہ اعلم اسم ہے مثل افضل کے پھر ما موضع جر میں ہے بسبب اضافت کے (تبیان فی اعراب القرآن)۔

## تفسیر

یہ تیسری نعمت خدائے تعالیٰ یاد دلاتا ہے۔ پیشتر کہا تھا کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا اور اس نے تمہارے لئے زمین و آسمان اور ان کی سب چیزوں کو بنایا ہے اور اس نے تمہارے دادا ابوالبشر آدم علیہ السلام کو وہ عزت و حرمت بخشی کہ فرشتوں کو ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی خبر کر دی تھی کہ ہم زمین پر اپنا نائب یعنی آدمؑ پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کی اولاد انبیاء علیہم السلام کی معرفت ہم اپنے احکام جاری کریں گے۔ جب ملائکہ نے یہ سنا تو معلوم ہوا کہ آدمؑ خدا تعالیٰ کا بڑا برگزیدہ ہوگا دو وجہ سے ایک[1] یہ کہ اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کی منادی کی گئی۔ دوم[2] یہ کہ وہ خدا کا نائب ہو کر زمین پر حکومت کریگا۔ مگر اس کے ساتھ جب ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا خمیر اور مادہ ایسے اجسام مختلف الطبائع سے ہوگا کہ جن کو قوتِ شہویہ اور غضبیہ لازم ہے کہ جس سے خواہ مخواہ زنا وغیرہ فساد ظہور میں آتا ہے) تو بڑا تعجب ہوا کہ جس میں دو بری قوتیں اور ایک قوتِ عقلیہ عمدہ ہو اس کا تو پیدا کرنا بھی مقتضی حکمت نہیں چہ جائیکہ اس کو خلیفہ بنا دیا جائے پس اس لئے (نہ اعتراض و مباحثہ اور حسد کے طور پر بلکہ) نہایت عجز و انکسار سے یہ سوال کیا کہ الٰہی جب اس کا یہ حال ہے تو پھر اس کو خلیفہ بنانا اس میں کیا حکمت ہے؟ رہی تیری تسبیح و تقدیس "سبحان اللہ وبحمدہ سبوح قدوس" کہنا اس کے لئے ہم ملائکہ موجود ہیں جن میں قوتِ غضبیہ و شہویہ کا مادہ ہی نہیں۔ خدا تعالیٰ نے مجملاً یہ جواب دیا کہ اس میں جو حکمت ہے وہ تم کو معلوم نہیں کہ ان دونوں قوتوں یعنی غضبیہ اور شہویہ کو ترکیب دے کر جب مہذب کر لیا جاتے تو ان سے انصاف اور شجاعت اور عفت اور مجاہدہ نفس وغیرہ صفاتِ حمیدہ پیدا ہوتی ہیں۔ اور جو کچھ ان کے باہم مرکب ہونے سے عمدگیاں پیدا ہوتی ہیں وہ تنہا ایک صفت سے پیدا نہیں ہوتیں جیسا کہ جزئیاتِ امور کا احاطہ اور طرح طرح کی صنعتوں کا ایجاد کرنا اور منافع کائنات کو قوت کے مرتبہ سے فعلیت کی طرف لانا حالانکہ خلافت سے یہی باتیں مقصود ہوتی ہیں۔ سو یہ باتیں آدم میں ودیعت رکھی گئی ہیں فرشتوں میں نہیں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو آدمؑ کی فضیلتِ علم دکھا کر ان کو سجدہ کا حکم دیا اور فرشتے اپنے سوال پر نادم ہو کر سبحانک لاعلم لنا کہنے لگے پس تم ایسے محسن خدا کی کیونکر نافرمانی کرتے ہو اور اس کے احکام اور اس کے اخیر نبی علیہ السلام سے کس طرح سرتابی کرتے ہو۔

## متعلقات

اذ قال ربک للملٰئکۃ ۔ پیشتر مقدمہ کتاب میں ملائکہ کی تحقیق ہو چکی ہے اور جو کچھ نافہم لوگوں نے اس سوال کو مباحثہ اور اعتراض خیال کر کے ملحدوں کی تقلید میں آ کر زبان درازی کی اور پھر نہایت ضعیف تاویل کر کے کلام الٰہی کو بگاڑا ہے سب کا مفصل جواب وہاں دیکھ لو۔ خلیفہ فعیل کے وزن پر ہے

اس لئے اس کی جمع خلفاء آتی ہے مگر مبالغہ کے لئے ۃ کو زیادہ کر دیا۔ اس کے معنی نائب کے ہیں کہ جو پیچھے کام کرے یہ خلف سے مشتق ہے۔ اگرچہ خدائے تعالیٰ ہر وقت موجود ہے اس کو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں مگر بندوں کو واسطے کی ضرورت ہے۔ یسفک سفک کے معنی بہانے کے ہیں۔ سفک اور سبک اور سفح اور شن قریب المعنی ہیں صرف فرق یہ ہے کہ سفک آنسو اور خون بہانے میں مستعمل ہوتا ہے اور سبک سونا چاندی وغیرہ پگھلانے میں اور سفح اوپر سے پانی وغیرہ ڈالنے میں اور شن مشکیزہ وغیرہ کے منہ سے پانی گرانے میں۔ اور شن آہستہ آہستہ پانی ڈالنے میں مستعمل ہوتا ہے۔ تسبیح خدائے تعالیٰ کی جمیع عیوب سے پاکی بیان کرنا اور اسی طرح تقدیس خواہ زبان سے ہو خواہ دل سے ہو خواہ دلالت حال سے بیان کی جائے اس میں تمام مخلوقات شریک ہے۔ ہر چیز بزبان حال اپنے صانع کی خوبیوں اور پاکیزگیوں کو بیان کر رہی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ۔ کہ ہر چیز خدا کی تسبیح کر رہی ہے۔

## نکتہ

ملائکہ کو یہ معلوم تھا کہ انسان میں ضرور دو قوتیں ہوں گی شہویہ کہ جس کا مقتضاء زناکاری وغیرہ فساد ہے جس کو یفسد کے ساتھ تعبیر کیا دوسری غضبیہ جس کا مقتضاء قتل و ضرب ہے جس کو یسفک الدماء کے ساتھ تعبیر کیا اور یہ بھی جانتے تھے کہ ہم میں یہ دونوں قوتیں نہیں۔ پس بارگاہ کبریا میں ادب کے مارے یہ تو نہ کہہ سکے کہ ہم یہ دونوں بد کام نہیں کرتے مگر ان کے مقابلہ میں دو اور باتیں خدا تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرنے والی کہیں اور ان سے اشارۃً ان دونوں عیبوں کی بھی نفی کر دی اس لئے نحن نسبح بحمدک کو یفسد فیہا کے مقابلہ میں اور نقدس لک کو یسفک الدماء کے مقابلہ میں ذکر کیا، ولطفہ لا یخفی۔ اب آدم کی عظمت کو خدا بتلاتا ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ
اور (خدا نے) آدم کو سب نام سکھائے پھر ان چیزوں کو
عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ
(فرشتوں کے سامنے کر کے (یہ) کہا کہ مجھ کو ان چیزوں
هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾
کے نام تو بتلاؤ اگر تم سچے ہو۔

## ترکیب

علّم فعل ضمیر راجع طرف اللہ کے فاعل۔ آدم مفعول اول الاسماء کلہا تاکید و موکد مفعول ثانی یہ جملہ متانفہ ہوا عرض فعل بافاعل ہم ضمیر راجع طرف مسمیات کے کہ جو ضمناً سمجھی جاتی ہے اس لئے کہ تقدیر کلام یہ ہے اسماء المسمیات مضاف الیہ کو حذف کر دیا اس لئے کہ مضاف دلالت کر رہا ہے علی الملائکۃ جار مجرور متعلق عرض کے ہوا اور قال فعل ضمیر راجع طرف اللہ کے وہ فاعل انبؤنی الخ جملہ مقولہ ہے۔ ان کنتم صادقین جملہ شرطیہ اور انبؤنی دال بر جزاء۔

## تفسیر

کیفیت پیدائش آدم

پس خدائے تعالیٰ نے حسب تجویز حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اس پیدا ہونے کی کیفیت احادیث میں یوں مرقوم ہے کہ خدا نے فرشتہ کو حکم دیا کہ زمین سے تھوڑی تھوڑی ہر جگہ کی مٹی[1] لے کر اس کا خمیر کرے اور اس کا پتلا بنائے چنانچہ فرشتے نے حسب الحکم کہ اور طائف کے بیچ میں بمقام نعمان اسی طرح پتلا بنایا اور خدا تعالیٰ نے اپنے ید قدرت سے اس کی صورت (ہاتھ پاؤں کان آنکھ) بنائی اور چند مدت تک اس خاک کے خشک پتلے کو اسی حالت میں رکھا۔ اور وہ فرشتے بھی اس عجیب و غریب پتلہ کو

[1] اور اسی لئے اولاد آدم مختلف الاحوال ہوتی۔ کوئی کالا کوئی گورا کوئی نرم کوئی سخت اور اسی خاک کی مختلف کی وجہ سے آدمی کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ منہ

دیکھ کر حیران ہوتے اور تعجب کرتے تھے کہ جانے اس میں کیا سِرّ ہے جو یہ خلیفہ بنایا جائے گا۔ اور ابلیس اس کو دیکھ کر دل میں یہ کہتا تھا کہ جانے یہ کیا سِر ہے؟ مگر جب قلب کو دیکھا تو حیران رہ گیا کہ عجب نہیں کہ اس میں کوئی لطیفۂ ربانی رکھا جائے۔ پس جب روح اس تنگ و تاریک پتلۂ خاکی میں بحکم الٰہی آئی اور اسی وقت آدمؑ کو چھینک آئی تو الہام الٰہی سے الحمد للہ کہا اور خدا کی طرف سے یرحمک اللہ کا جواب عطا ہوا پھر آدمؑ کو حکم ہوا کہ تو جماعت فرشتوں کے پاس جا کر السلام علیکم کہہ۔ جو کچھ وہ جواب دیں گے وہی تیرے لئے اور تیری اولاد کے لئے تحیہ مقرر ہو گا۔ انتہیٰ۔ جب آدمؑ پیدا ہوئے اور فرشتوں نے ہرچند آدمؑ کی چھینک پر الحمد للہ کہنے اور جماعت ملائکہ کو السلام علیکم کہنے سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہ کوئی ہونہار ہے مگر ہنوز اس کے استحقاق خلافت کی کوئی فضیلتِ خاص معلوم نہ ہوئی تھی اس لئے خدائے تعالیٰ نے آدمؑ کے دل میں یہ القاء کر دیا کہ فلاں شے کا یہ نام ہے فلاں کا یہ۔ یعنی آدمؑ کی سرشت میں وہ اجزائے مختلفہ اور قوائے متبائنہ رکھے کہ جس نے اس کو طرح طرح کے معقولات اور محسوسات و متخیلات و متوہمات اور حقائقِ اشیاء اور ان کے خواص اور نام اور اصول علم و قوانینِ صنعت اور ان کے آلات کی کیفیت کا علم معلوم ہو سکے پھر جب آدمؑ کو فضیلتِ علم حاصل ہو گئی کہ جو تمام صفاتِ کمالیہ کا سرتاج ہے اور جس پر مدارِ خلافت و نیابت ہے کس لئے کہ خلیفہ جب تک اشیاء کو نہ جانے گا تو حکم نہ کر سکے گا۔ تب خدا نے ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے دربارِ عام میں یہ پوچھا کہ تم مجھ کو ان چیزوں کے نام تو بتاؤ اگر اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ ہم ہی تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں (اور تسبیح و تقدیس کو علم اشیاء لازم ہے) لیکن چونکہ فرشتوں میں وہ مادہ موجود نہ تھا کہ جس کی وجہ سے حقائق اشیاء اور ان کے جزئیات امور کا علم حاصل ہو اس لئے نہ بتلا سکے۔ پھر خدا تعالیٰ نے آدمؑ سے کہا کہ تو ان کو بتلا دے، آدمؑ نے بتلا دیا تو تمام ملائکہ اس کی فضیلتِ علم کے قائل ہو گئے اور اپنے قصورِ فہم اور نقصانِ علم کے قائل ہو کر سبحانک لا علم لنا الخ کہنے لگے۔ جب آدمؑ کی یہ فضیلت ثابت ہو چکی تو خدا تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی نیابت عطا فرمائی اور سب کو اس تخت نشینی سے مطلع کر کے سجود و تعظیم کی نذر و نیاز کا حکم دیا۔ سب فرشتے حکم الٰہی بجا لائے اور سب نے آدمؑ کو سجدہ کیا۔ مگر ابلیس کو، کہ دراصل جن تھا فرشتوں میں عبادت و ریاضت کی وجہ سے جا ملا تھا، حسد ہوا اور آدمؑ کی فضیلت کا مقر نہ ہوا اور کہا یہ خاک سے بنا ہے تو میں آگ سے بنا ہوں میں اس سے بہتر ہوں مجھ پر اس کو کیا فضیلت ہے؟ آخر الامر سجدہ نہ کیا اور اس عتاب میں دربارِ خدائی سے نکالا گیا۔ اور پھر آدمؑ کی خوشیِ خاطر کے لئے ایک عورت حوا، خدا تعالیٰ نے پیدا کی اور دونوں کو جنت میں رہنے کا حکم دیا اور ایک درخت کے کھانے سے کسی حکمت کی وجہ سے منع کر دیا تھا۔ شیطان وہاں سانپ کی صورت میں ہو کر پہنچا اور حضرت حواء کو بہکا کر اس درخت کے کھانے پر آمادہ کیا اور حواء کے کہنے سے حضرت آدمؑ نے بھی کھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں سے نکالے اور دنیا میں ڈالے گئے اور سب طرح کی تکلیفات اٹھا کر حضرت آدمؑ نے اپنی زندگی تمام کی بعد ان کی نسل دنیا پر پھیلی۔ پھر ہمیشہ سے بدلوگوں کے سمجھانے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے برگزیدہ لوگ کہ جن کو انبیاء علیہم السلام بھی کہتے ہیں آتے اور سمجھاتے رہے۔ یہ مختصراً حضرت آدمؑ کی سرگزشت ہے کہ جس کو خدائے تعالیٰ نے اگلی آیات اور دیگر مقامات میں نئے نئے عنوانات سے بیان فرمایا ہے اور توراۃ میں بھی اسی طرح سے ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری بھی بلکہ جمیع انبیاءؑ یوں ہی سمجھتے آئے ہیں گو عنوان اور طرزِ بیان میں کہیں کچھ فرق ہو مگر بعض دہریوں نے اس کا انکار اور آیات کی تاویل کی ہے۔

(سوال) عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سے تمام محققین نے یہ مراد لی ہے کہ اسماء سے صرف مراد نام نہیں بلکہ اشیاء کی حقیقت اور خواص و اوصاف ہیں کیونکہ نام پوچھنے میں کیا آدمؑ کی فوقیت

ثابت ہوتی ہے۔ اس تقدیر پر یہ بحث کرنا (کہ لغات کا واضع خدا ہے یا کون وغیرہ ذلک من الابحاث) بے فائدہ ہے اور تعلیم کے معنی بھی الہام اور القاء کے ہیں مگر کلہا سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر چیز کی حقیقت خدا تعالیٰ نے آدم کو بتلا دی تھی اور پھر ہر چیز کا فرشتوں کے روبرو لا کر سوال کرنا بھی سمجھ میں نہیں آتا (جواب) مراد یہ ہے کہ خدا نے آدم میں ہر چیز کے جاننے کا مادہ ...... اور قابلیت پیدا کر دی تھی کہ جب توجہ کرے جان سکے اور پھر کل اشیاء کو اسی حیثیت سے پیش کیا تھا اور اسی حیثیت سے عرضہم میں ہم کی ضمیر ان کی طرف پھرتی ہے۔ (سوال) ضمیر ہم مذکر کی طرف اور ذی عقل کی طرف پھرتی ہے۔ اور اشیاء کی طرف ضمیر ہا پھرنی چاہیے تھی۔ عرضہا کہنا چاہیے تھا (جواب) چونکہ اشیاء میں عقلاء بھی تھے اس لئے بقاعدۂ تغلیب یہ ضمیر لائی گئی۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

(فرشتوں نے) کہا تو پاک ہے۔ ہم تو اسی قدر جانتے ہیں کہ جس قدر تو نے ہم کو بتلایا

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ

بیشک تو ہی بڑا جاننے والا حکمت والا ہے۔ (تب خدا نے) فرمایا

يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ

اے آدم! (فرشتوں کو) ان چیزوں کے نام بتا دو۔ پھر جب آدم نے

اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ

(فرشتوں کو) ان کے نام بتا دیئے (تو خدا نے) فرمایا کہ میں نے تم سے نہ کہا تھا

لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ

تم کو کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو

الْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا

جانتا ہوں، اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور پوشیدہ رکھتے ہو

كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اس کو بھی جانتا ہوں۔

## ترکیب

قالوا فعل ضمیر راجع ملائکہ کی طرف اس کا فاعل سبحانک لا علم لنا الخ تمام جملہ مفعول ہے۔ سبحان اسم ہے مصدر کی جگہ میں واقع ہے اور کبھی اس سے سبحت مشتق کیا جاتا ہے۔ اور یہ اکثر مضاف ہو کر مستعمل ہوتا ہے۔ اور منصوب ہوتا ہے۔ فعل محذوف سے تقدیرہ سبحت اللہ تسبیحا جیسے کہ معاذ اللہ اور جب یہ اضافت سے مجرد ہوتا ہے تو علم تسبیح ہو کر عثمان کی طرح تعریف اور الف اور نون کی وجہ سے غیر منصرف ہوتا ہے۔ الا ما علمتنا ما مصدریہ ہے۔ ای الا تعلیمک اور یہ موضع لا علم سے بدل ہو کر مرفوع المحل ہے۔ جیسا کہ لا الٰہ الا اللہ۔ انت مبتدا العلیم اس کی خبر الحکیم خبر ثانی۔ یہ سب جملہ خبر ان ہوا۔ اور ممکن ہے کہ انت تاکید ہو کاف انک کی۔ باقی ترکیب واضح ہے۔

## تفسیر

تفسیر بھی اس کلام کی واضح ہے۔ لیکن اس سب کلام کی تقدیر یوں ہے۔ جب فرشتے نہ بتا سکے تو معذرت کرنے لگے۔ پھر خدا نے آدم سے فرمایا تو اس نے بتلا دیا۔ جب فرشتوں کا بخوبی عجز ثابت ہوگیا تو خدا تعالیٰ نے ان کے متنبہ کرنے کو فرمایا کہ تم اپنے دل میں کیا سمجھتے تھے، میں تو ہر چیز کی حکمت اور مصلحت اور ہر آسمان و زمین کی پوشیدہ بات جانتا ہوں اور تمہارے دلوں کے مطالب اور ظاہر حال سے بھی آگاہ ہوں۔ اب اس آیت میں اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۵ کی خوب تشریح ہوگئی۔ یعنی تمہارا استعجاب بیجا تھا میں جو کچھ کرتا ہوں اس میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں۔

## فوائد

اس آیت سے چند باتیں مستفاد ہوئیں (۱) یہ کہ علم کو جمیع صفات پر فوقیت ہے یہاں تک کہ ملائکہ تسبیح و تقدیس میں ہمہ تن مصروف تھے۔ اور آدم میں گناہ کا بھی مادہ رکھا تھا۔ مگر علم کی وجہ سے خلافت کا مستحق اور فرشتوں کا استاذ ہوگیا۔ قرآن اور احادیث اور کلام حکماء میں جس قدر علم کے فضائل ہیں ان کے لئے ایک

دفتر چاہیے۔ (۲) یہ کہ حکمت علم سے زائد چیز ہے ورنہ انت العلیم الحکیم میں یہ لفظ مکرر گنا جاتا۔ اس لئے حکمت کی تعریف اور اقسام کو علم سے غیر طور پر بیان کیا گیا ہے۔ مگر حکمتِ الٰہی کے یہ معنے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اُس چیز کو پیدا کرے کہ جس میں بالفعل اور آئندہ بندوں کی بھلائی ہو۔

## واضح ہو

کہ جب حضرت آدم علیہ السّلام کا حقِ خلافت اور استاذ ہونا ثابت ہوگیا تو خدائے تعالیٰ نے ملائکہ کو اس کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا اور آدم[ع] اور اُس کی اولاد پر احسان کیا اس بات کا آئندہ آیت میں ذکر کرتا ہے۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ

اور جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم[ع] کو سجدہ کرو تو انھوں نے

فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ

سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا

وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ (۳۴)

اور وہ تھا بھی کافروں میں کا۔

## ترکیب

واو حرف عطف۔ اگر اس کو اذکر مضمر سے نصب دیا جائے گا تو ظرف کا ظرف پر عطف ہوگا۔ اور اگر قالوا یا انقادوا کے ساتھ متعلق کیا جائے گا۔ تو جملہ کا جملہ پر عطف ہوگا۔ بلکہ ایک پورے قصہ کا دوسرے قصہ پر۔ قلنا فعل با فاعل للملئکۃ متعلق ہے فعل سے اسجدوا الخ یہ تمام جملہ ماول ہو کر مقولہ ہوا قلنا کا۔ جو لوگ ابلیس[ل] کو ملائکہ ارضیہ میں سے کہتے ہیں اور عصمت سب فرشتوں کے لئے شرط نہیں کرتے بلکہ علوی اور آسمانیوں کے لئے تو وہ الا کا استثنا ملائکہ سے متصل جانتے ہیں اور جو اس کو غیر ملائکہ از قسم جنّ بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنی آدم سے پیشتر دنیا پر جنّوں کا تسلط تھا۔ پھر جب انھوں نے زمین کو گناہوں سے ناپاک کر دیا تو خدا تعالیٰ نے اُن کی شوکت کو توڑ دیا۔ اکثر ملائکہ کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور جو کچھ بچ گئے غاروں اور پہاڑوں میں پناہ گزین ہوئے۔ منجملہ اُن کے ابلیس تھا۔ یہ تائب اور گریاں ہو کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوا۔ ملائکہ ارضیہ میں مل گیا۔ مگر خلافت کا امیدوار رہا۔ پھر جب آدم[ع] کو خلیفہ بنایا تو اُس کو از حد حسد آیا۔ ملائکہ کے ساتھ اس کو بھی سجدہ کا حکم ہوا۔ اس نے تکبر از انکار کیا۔ اس لئے وہ غیر متصل کہتے ہیں۔ اوّل حضرت علی[رض] اور ابن عباس[رض] کا قول ہے۔ دوسرا حسن[رح] اور قتادہ[رح] کا۔

## تفسیر

یہ چوتھی نعمت ہے تمام بنی آدم پر کہ اُن کے باپ حضرت آدم[ع] کو یہاں تک عزت دی کہ ملائکہ کو (بعض کہتے ہیں کہ زمین کے ملائکہ کو بعض کہتے ہیں سب کو) سجدہ کا حکم دیا سب نے تعمیل کی۔ مگر ابلیس نے کہ جس کو شیطان کہتے ہیں تکبر سے حکم عدولی کی اور در اصل وہ علم الٰہی میں کافروں میں شمار تھا۔

سجدہ۔ لغت میں سر جھکا کر عاجزی اور فرمانبرداری ظاہر کرنا ہے۔ کوئی شاعر عرب کہتا ہے ؎

بجمع تضل البلق فی حجراتہ　　تری الاکم فیہ سجدا للحوافر

ل کیونکہ ممکن ہے کہ جن کا مادہ شعلۂ آتش ہے اُن میں دو قسم کے لوگ ہوں نیک جو وہ بھی ایک قسم کے ملائکہ ارضیہ ہوں اور بد وہ شیاطین ہوں۔ پس اس اعتبار سے ابلیس کو فرشتوں میں بھی شمار کر سکتے ہیں اور شیطان بھی کہتے ہیں۔ ہاں ان فرشتوں میں شمار ہو گا جو اعلیٰ نوع کے ہیں اور اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کان من الجن ففسق عن امر ربہ کہ ابلیس جن تھا حکم الٰہی سے نافرمان ہوگیا۔ ملائکہ کے لئے جو عصمت شرط ہے تو اعلیٰ قسم کے لئے ہے۔ کذا فی تفسیر البیضاوی۔ منہ

ابو مکنف شاعر بنی عامر کو سے کہتا ہے کہ مجھ کو جب تم جانو گے کہ میں لشکرِ عظیم لے کر تم پر حملہ آور ہوں گا کہ جس کے اطراف میں ابلق گھوڑوں کا پتہ نہ لگے اور جس کے گھوڑوں کی ٹاپوں کے آگے ٹیلے سجدہ کریں گے یعنی جھکیں گے۔ وقال ؎

فقلن لہا و ھما اہیا خطامہ وقلن لہ اسجد للیلی فاسجد!

عورتیں ایک سخت منہ زور اونٹ کو لیلیٰ کے پاس کھینچ کر لائیں اور کہا کہ لیلیٰ کو سجدہ کر۔ یعنی اس کے آگے جھک جا تو اس نے گردن جھکا دی۔ الغرض سجدہ کے معنی لغت میں جھکنا ہے اور شرع نے اس کو خاص کر لیا اور اس کے معنی زمین پر پیشانی رکھنا قرار دیا۔ اس میں نہایت درجہ کی تعظیم ہے۔ اس لئے شریعت نے اس کو غیر اللہ کے لئے حرام کر دیا۔ احادیث صحیحہ اس میں بکثرت ہیں۔ وقال تعالےٰ وَلا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقھن کہ نہ آفتاب کو نہ ماہتاب کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا اس کو سجدہ کرو۔ اور انجیل متی کے چوتھے باب میں یہ ہے کہ شیطان نے مسیحؑ سے کہا کہ تو مجھے سجدہ کرے تو تجھے سب کچھ دوں۔ (۱۰) تب مسیح نے اسے کہا کہ اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اس اکیلے کے لئے بندگی کر، انتہےٰ۔

اس تقدیر پر خدا نے فرشتوں کو ایسا حکم کہ جو اس کی ذاتِ مقدسہ کے لئے مخصوص ہے دوسرے کے لئے کیوں دیا۔ جواب یہ ہے کہ سجدہ سے مراد لغوی معنی ہیں یعنی جھکنا اور تعظیم کرنا سو یہ حکم مختص بعبودیت نہیں بلکہ چھوٹا بڑے کے آگے اور شاگرد استاد کے آگے تعظیم و تکریم سے پیش آتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائی اور باپ بھی اسی طرح اس سے پیش آئے تھے۔ وخروا لہ سجدًا۔ اور جو سجدے کے شرعی معنی مراد رکھے جاویں تو آدمؑ مسجود حقیقی نہ تھے۔ بلکہ آدمؑ اس جہت سے (کہ تمام خدائی کا مجموعہ اور اسرارِ خدائی کا نمونہ اور اس کے جمال باکمال کا آئینہ تھے) قبلہ سجود تھے یعنی حضرت آدمؑ کی طرف منہ کر کے خدا کو سجدہ کرو۔ اسجدوا لآدم میں لام بمعنے الیٰ ہے یعنی لام کے معنے واسطے کے نہیں بلکہ طرف کے ہیں۔ جیسا کہ اس شعر میں ؎ الیس اول من صلی لقبلتکم ۔ واعرف الناس بالقرآن و السنن والاداب ۔ باختیارِ خود کسی چیز سے انکار کرنا۔ تکبر اپنے آپ کو غیر سے بڑا سمجھنا۔ استکبار کسی امر کو بتزئین اختیار کرنا۔

## واضح ہو

کہ جس طرح بعض دہریوں نے زمانہ قدیم میں وجودِ شیطان اور اس کے انکارِ سجود اور آدمؑ کے مبدء نوعِ انسانی ہونے کا انکار کیا ہے اور بخوفِ مناظرہ اہلِ اسلام و اہلِ کتاب آیاتِ قرآنیہ و عباراتِ عہدِ عتیق و جدید کی تاویل بھی کی ہے۔ جیسا کہ ملل و نحل اور دبستان المذاہب میں اس کا بیان ہے، اسی طرح ان کے مقلدین نے بھی بذریعہ تفسیر آج کل یہ کام کر کے اپنے زعم فاسد میں بڑی لیاقت حاصل کی ہے۔ مگر اس ہذیان کا جواب مقدمہ کتاب میں تفصیلاً مذکور ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لو۔

زیادہ تر قابلِ تعجب یہ بات ہے کہ بعض پادریوں نے بھی اپنے یوروپی الحاد کے خمار میں اس قصہ آدمؑ پر اعتراض کیا ہے۔ لیکن اس کا جواب بھی مقدمہ میں مذکور ہے۔ یہاں سے چند باتیں مستفاد ہوتی ہیں۔ (۱) یہ کہ حسد سب گناہوں سے بڑا گناہ ہے۔ جس نے شیطان کا ستیاناس کیا۔ (۲) یہ کہ خدا کی رضا پر راضی رہنا چاہیے۔ شیطان چونکہ اس کی رضا پر راضی نہ ہوا اس کی کہاں تک نوبت پہنچی۔ (۳) اپنے علم و عبادت و ریاضت پر مغرور نہ ہونا چاہیے۔ انجام کا اعتبار ہے۔ دیکھئے شیطان کا کیا انجام ہوا۔ (۴) خدائے تعالیٰ کے روبرو گستاخی کرنا سخت گناہ ہے۔

اس کے بعد خدائے تعالیٰ حضرت آدمؑ کی سرگذشت بیان کرتا ہے۔ تاکہ ناظرین کو عبرت ہو اور خدا کی کسی نعمت پر مغرور ہو کر نافرمانی نہ کریں۔ اور اگر بشریت سے کچھ خطا ہو جائے تو اپنے باپ آدمؑ کی طرح اس پر ہمیشہ تاسف اور ندامت اور توبہ و استغفار کیا کریں تاکہ وہ غفور رحیم اپنی صفتِ مغفرت کو ظاہر کرے۔

نہ کہ اپنے بزرگوں کے قدیم دشمن ابلیس کی پیروی کرکے اس پر اصرار کرے اور اسی طرح اس پر جما رہے۔ ورنہ اُس کی درگاہ سے رانده ہو جاوے گا۔ اور پھر کہیں ٹھکانا نہ پاوے گا۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ
اور ہم نے کہا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں جا بسو
الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠
اور وہاں دل بھر کر جہاں سے چاہو کھاؤ (پیو)
وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ
اور اس درخت کے پاس بھی نہ پھٹکنا ورنہ برا خمیازہ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا
بھگتو گے۔ پھر شیطان نے ان کو وہاں سے ڈگمگا دیا۔
فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا
پھر جس عیش میں وہ تھے اس سے نکلوا کر رہا۔ اور ہم نے حکم دیا تھا کہ
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي
تم نیچے اترو کہ تم سے ایک دوسرے کا دشمن ہے اور تمہارا ایک وقت
الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾
تک زمین پر ٹھکانا اور سامان ہے۔

## ترکیب

واؤ حرف عطف کہ عطف جملہ کا پہلے جملہ پر ہے۔ قلنا فعل ضمیر فاعل یا حرف ندا آدم منادیٰ اسکن فعل ضمیر مستتر اس کی فاعل انت اُس کی تاکید تاکہ ضمیر مستتر پر عطف صحیح ہو جائے و حرف عطف زوجک معطوف بر انت الجنۃ مفعول بہ تمام جملہ معطوف علیہ وکلا الخ جملہ معطوف رغدا صفت ہے مصدر محذوف کی اے اکلا رغدا ای طیبا ہنیئا حیث ظرف مکان اور عامل اس میں کلا ہے اور ممکن ہے کہ جنت سے بدل ہو کر مفعول بہ ہو جائے ولا تقربا فعل نہی انتما ضمیر اس کا فاعل ہذہ موصوف الشجرۃ اس کی صفت یہ دونوں مفعول بہ ہیں یعنی منہی عنہا۔ فتکونا جواب نہی ہے اس لئے نون حالت جزمی میں گر پڑا۔ تقدیرہ ان تقربا تکونا۔ فازلہما مشدد زلت بمعنے لغزش اور بعض نے اس کو ازال زوال سے لیا ہے۔ جس کے معنے گمرا دینا ہے یہ فعل ہما مفعول بہ الشیطن فاعل عنہا ای عن الجنۃ متعلق ہے ازل سے فاخرجہا جملہ معطوف مما میں ما بمعنے الذی ای من نعیم اہبطوا فعل ہبوط بمعنے نزول سے یعنی اترنا۔ انتم اس کا فاعل جس سے مراد آدم و حوا اور شیطان اور اس کی ذریت جو اس کی پشت میں تھی۔ بعضکم لبعض عدو جملہ موضع حال میں ہے واؤ اہبطوا سے اور اسی طرح ولکم فی الارض مستقر الخ جملہ بھی اسی سے حال ہے اور ممکن ہے کہ جملہ مستانفہ ہو۔ مستقر مصدر میمی اور ظرف دونوں ہو سکتا ہے۔ حین کے معنے وقت یعنی وقت موت تک تمہارا زمین پر قرار ہے۔

## تفسیر

یعنی جب کہ آدم ؑ کے سر پر دستارِ خلافت بندھ چکی اور ملائکہ نے نذرانۂ سجود پیش کر دیا تو خدا فرماتا ہے ہم نے آدم ؑ اور اُس کی بیوی حوا کو یہ حکم دیا کہ تم جنت میں رہا کرو اور وہاں تم پر کوئی روک ٹوک نہیں جہاں سے جو جی چاہے خوب کھاؤ پیو مگر اس درخت (گندم بعض کہتے ہیں کہ انجیر، بعض کہتے ہیں کہ انگور کا درخت تھا بعض کہتے ہیں کوئی اور قسم کا درخت تھا کہ جس کی تاثیر یہ تھی کہ جو اُس کو کھاتا تھا آلودگی جسمانی میں مبتلا ہو جاتا تھا اور اسی مصلحت سے منع کیا تھا) کے پاس بھی نہ جانا چہ جائیکہ کھانا، اور جو ایسا کرو گے تو خرابی میں پڑ جاؤ گے (کیونکہ ظلم ایک چیز کو بے موقع رکھنے کا نام ہے اور یہاں غیر پر ظلم کرنا مراد نہیں بلکہ اپنی جان پر اور اسی لئے جو گنہگار گناہ کرتا ہے اپنی جان پر آفت ڈھاتا ہے کہ اُس کا بدنتیجہ دنیا یا آخرت میں آپ ہی پاتا ہے)۔ لیکن اس دشمنِ جانی یعنی شیطان نے وہاں جا کر یہ کہا یا آدم هل ادلک علی شجرۃ الخلد وملک لا یبلی (طٰہٰ)، وقال ما نہٰکما ربکما عن ہذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین و قاسمہما انی لکما لمن الناصحین (اعراف)۔ کہ اے آدم! میں تجھ کو

ایک ایسا درخت بتلاتا ہوں کہ جس کے کھانے سے تو ہمیشہ جیتا رہے اور تجھے ہمیشہ کی سلطنت ملے اور تمہارے رب نے جو اُس کے کھانے سے منع کیا ہے تو صرف اس خوف سے کہ تم فرشتہ نہ ہو جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہو اور میں قسم کھا کر تم سے کہتا ہوں کہ میں تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں۔ آخر الامر اس کے کہنے سے خدا تعالیٰ کے حکم کو بھول گئے۔ فلما ذاقا الشجرۃ بدت لھما سواٰتھما و طفقا یخصفان علیھما من ورق الجنۃ (اعراف) اور دونوں نے اس درخت کو چکھ لیا۔ پھر تو کیا تھا۔ اُس کے کھاتے ہی اُس کی تاثیر یہ ظاہر ہوئی کہ آدمؑ وحوا برہنہ ہو گئے اور شرم کے مارے درختوں کے پتے چمٹانے لگے اور عتابِ الٰہی شروع ہوا کہ نکلو یہ جگہ اب تمہارے رہنے کے قابل نہیں، چلو اُترو زمین پر جا کر رہو وہاں باہمی عداوت کی تکلیف اُٹھاؤ اور موت تک وہیں رہو اور اپنی معیشت کے سامان بہم پہنچاؤ۔ ونادٰھما ربھما الم انھکما عن تلکما الشجرۃ واقل لکما ان الشیطٰن لکما عدو مبین (اعراف) اور خدائے تعالیٰ نے اُن کو یہ کہا کہ کیا میں نے تم کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور یہ نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا ظاہر دشمن ہے۔

## متعلقات

اس مقام پر چند امور قابل غور ہیں (۱) یہ کہ خدائے تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کر کے کونسی جنت میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ جمہور اہلِ سُنّت وجماعت کا یہ قول ہے کہ بہشت میں رہنے کا حکم دیا تھا اور وہ بنی آدم کے مخلوق ہونے سے پہلے قائم ہے کیونکہ وہ لُطفِ رحمانی کا مظہر ہے اور عالم حسّی سے الگ ہے اور وہاں اس کے مناسب درخت اور میوے سب کچھ ہیں نہ یہ درخت و میوے کہ جو جسمانیت و تکدر سے آلودہ ہیں بچند وجوہ۔

(وجہ اوّل) کہ گو حضرت آدمؑ کے جسم کی بنیاد اس عالم عنصری سے قائم تھی جیسا کہ احادیثِ صحیحہ و آثارِ قویہ سے ثابت ہے اور نیز یہ کہ وہ مکہ اور طائف کے درمیان میں بنائی گئی ہے اور گو آدمؑ زمین کی خلافت کے لئے مقرر ہوئے تھے مگر انعاماتِ الٰہی اور تقرب غیر متناہی سے حضرت آدمؑ پر وہ روحانیت غالب آگئی تھی کہ جس سے ملائکہ بلا تکلّف ہر وقت ان کو دکھائی دیتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خدا کے دربارِ عام میں نہایت عزت و منزلت حاصل کر چکے تھے پس جس طرح بعد مفارقت بدن ہر شخص پر اُس کے عالم کا راز کُھل جاتا ہے اور وہاں کی چیزیں جنت اور دوزخ عیاناً دکھائی دیتی ہیں اسی طرح حضرت آدمؑ کو اس جسم سے یہ بات نصیب ہو گئی تھی اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں اکثر مقربانِ الٰہی پر یہ حالت طاری ہو جاتی ہے اور شبِ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر تشریف لے جانا اور جنّت و دوزخ کی سیر کرنا ایک امر قرین فہم مستقیم ہے اور بائیبل سے بعض بعض اور انبیاءؑ کے ایسے حالات ثابت ہوتے ہیں چنانچہ حضرت الیاسؑ کا ملائکہ اور روحانیات میں مل جانا ثابت ہے۔ پس قرینِ قیاس ہے کہ حضرت آدمؑ کو عالم قدس میں چند روز کے لئے اس لئے لے جا کر رکھا کہ زمین کی خلافت میں ایسا مست و مدہوش نہ ہو جائے کہ ادھر کا خیال نہ آئے اور اس مرکزِ اصلی کو بھول جائے بلکہ اس عالم میں اُس عالم کے شوق میں ہر دم ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتا رہے اور وہ اور اس کی ذریّت اس عالم کے خیال میں ہر طرح کی نیکی کو عمل میں لاویں۔ دنیا اور اُس کے مال وزر کی کچھ وقعت آنکھوں میں نہ رہے اپنے کو مسافر تیز رو جانیں کیونکہ اگر یہ مضمون پیش نظر نہیں تو پھر صدہا فساد اور خونریزیاں زمین پر ہوتی ہیں خلافت کا نتیجہ حاصل نہیں ہوتا۔ مگر اُس جگہ خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک درخت ایسا پیدا کیا تھا کہ جس کی تاثیر آلودگی تھی اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں اس عالم میں نباتات کی عجائب تاثیرات ہیں قضاء و قدر میں آدمؑ کا زمین پر آنا اور اس کی اولاد سے زمین کا آباد ہونا لکھا تھا، کھا لیا، اُس کی تاثیر سے نکالے گئے، معتوب ہوئے۔

(وجہ دوم) علاوہ احادیث صحیحہ و اقوالِ صحابہؓ کے خود قرآن مجید کے طرزِ تکلّم اور بعض الفاظ سے جو اس مطلب کے بیان میں وارد ہیں یہی مطلب سمجھا جاتا ہے ازانجملہ ولکم فی الارض مستقر ومتاع

الی حین یہ کہہ رہا ہے کہ وہ جگہ زمین کے علاوہ اور جگہ تھی جس کی نسبت اہبطوا بھی آیا ہے۔ ورنہ اس کے کیا معنے ہیں کہ یہاں سے نکل جاؤ اور زمین پر ایک مدت تک رہو اور گزران کرو۔ کس لئے کہ اگر وہ جنت میں نہ تھے تو خود وہاں بھی ارض موجود تھی اور بھی وجوہ ہیں۔ معتزلہ اور اسی قسم کے ظاہر پرست یہ کہتے ہیں کہ جنت سے مراد وہ جنت نہیں بلکہ زمین پر ایک باغ تھا۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ کہاں تھا۔ بعض کہتے ہیں کرمان کے متصل اور بعض کہتے ہیں فلسطین میں تھا اور اہل کتاب عدن میں کہتے ہیں۔ چنانچہ توراۃ اوّل میں اس کی تصریح ہے (اگر عدن سے مراد جنت ہے تو ٹھیک ہے اور وہاں سے چاروں دریا نکلنے کی بھی توجیہ ہو سکتی ہے ورنہ وہ عدن کہ جو عرب میں سمندر کے کنارے پر واقع ہے وہاں تو چاروں نہریں کیا بلکہ حاجیوں کو میٹھا پانی بھی پینے کو نہیں ملتا۔ اور کوئی عدن ہو تو معلوم نہیں) معتزلہ کہتے ہیں کہ خلیفہ جو زمین کے بنے تھے تو ضروری تھا کہ زمین پر رہتے۔ اس کا جواب ہو چکا پھر کہتے ہیں اہبطوا کے معنے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ہے جیسا کہ اہبطوا مصرًا آیا ہے پس اس باغ سے نکال کر اس کو سراندیپ میں ڈال دیا تھا۔

(۲) اکثر مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت آدمؑ جنت سے نکال کر سراندیپ میں ڈالے گئے کہ جہاں اب تک ان کے آثار و مہر کلمت پائے جاتے ہیں اور ہزار ہا ہندو اور مسلمان اس پہاڑ کی زیارت کو آتے ہیں۔ (۳) حضرت آدمؑ نبی تھے انھوں نے یہ گناہ کیوں کیا؟

## واضح ہو

کہ انبیاءؑ کے عقائد اور تبلیغ اور فتوے ہی میں عمداً یا سہواً خطا واقع ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں۔ تمام اہل اسلام ان تینوں باتوں میں معصوم ہونے کے معترف ہیں ہاں اُن کے افعال و اقوال میں کچھ اقوال ہیں۔ چنانچہ شیعہ کہتے ہیں کہ نہ ان سے صغیرہ نہ کبیرہ نہ علی سبیل قصد نہ سہواً نہ تاویلاً سرزد ہوتا ہے اکثر معتزلہ کہتے ہیں کہ عمداً کبائر کا سرزد ہونا انبیاءؑ سے ممتنع ہے ہاں صغائر سرزد ہو سکتے ہیں۔ مگر جن میں رذالت ہے جیسا کہ کم تولنا وہ بھی سرزد نہیں ہو سکتے۔ مگر جمہور اہل سنت و جماعت کا یہ قول ہے کہ کفر و شرک اور کوئی کبیرہ یا صغیرہ عمداً کسی نبی سے سرزد نہیں ہوا ہاں سہواً اور خطاءً کوئی صغیرہ کہ جس سے شانِ نبوت میں فرق نہ آئے اگر سرزد ہو گیا تو ممکن ہے کہ جس کو زلت یعنی لغزش کہتے ہیں سو ان لغزشوں پر عام مسلمین معاف ہیں مگر چونکہ نبوت کی بڑی شان ہے اُن کو اس پر بھی چند در چند مصلحتوں سے عتاب ہوتا ہے جس پر وہ روتے اور ہر دم خدا کی یاد میں سرگرم رہتے ہیں اور یہ بات جس پر عوام سے مواخذہ نہ ہو خواص سے ہو کچھ عقلاً و نقلاً بعید الفہم نہیں، حسنات الابرار سیئات المقربین مشہور ہے۔ اور دلائل عصمتِ انبیاءؑ کے آیات و احادیث صحیحہ کہ جو شرح مواقف وغیرہ کتب کلامیہ میں مذکور ہیں۔ پس وہ جو انبیاء علیہم السّلام کی نسبت اس قسم کی روایات مذکور ہیں کہ جو شرک و کفر اور زنا اور جھوٹ بولنے پر دال ہیں یا اور کبائر پر مشعر ہیں وہ جھوٹی ہیں یا ماؤل۔ حاشا و کلا کبھی انبیاء علیہم السّلام کی جناب میں بدگمانی کرنا نہ چاہیے۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت آدمؑ نے جو یہ درخت کھایا اور گناہ کیا تو اوّل تو یہ قبل نبوت تھا ولا کلام فیہ، دوم یہ کبیرہ نہ تھا۔ محض آدم علیہ السّلام کی بھلائی کے لئے خدا تعالیٰ نے ارشاد کیا تھا۔ جس کے خلاف انھوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ ربنا ظلمنا انفسنا فرمایا۔ سوم یہ سہواً امر زد ہوا تھا جیسا کہ آدم علیہ السّلام کو بروقت کھانے کے وہ ممانعت یاد نہ رہی تھی[1]۔ پھر جنت سے جو وہ نکالے گئے تھے تو اس درخت کی تاثیر تھی۔ اور یوں بھی تسلیم کیا جائے تو اس بے احتیاطی اور لغزش کی سزا تھی۔

## فائدہ

ازلہما الشیطان۔ یہاں پھسلانے کو جو شیطان کی طرف منسوب کیا ہے تو

عصمت انبیاء

[1] کیونکہ خداوند تعالیٰ عزّ اسمہ خود فرماتا ہے ولم نجد لہ عزمًا۔

مجازاً کیونکہ شیطان اس پھسلنے کا سبب تھا یہ اسناد مجازی ہے۔

## ربط

اس کے بعد خدائے تعالےٰ حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری اور توبہ معاف ہونا فرماتا ہے۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۳۷

پھر آدمؑ نے اپنے رب کی طرف سے چند کلمات حاصل کئے تب (خدا نے) آدمؑ کو معاف کر دیا۔ بیشک وہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

## ترکیب

تلقّٰی فعل آدم فاعل کلمات مفعول بہ من ربّہٖ کائنۃ محذوف کے متعلق ہو کر صفت کلمات کی مگر جب کہ اس کو مقدم کر دیا گیا تو حال کی صورت میں منصوب المحل ہوا۔ فتاب فعل ضمیر ہو راجع ربّ کی طرف فاعل علیہ متعلق تاب کے ہے۔ انّہ ہو ضمیر متصل کی تاکید التواب الرحیم صفت و موصوف خبر۔

## تفسیر

جب آدمؑ جنت سے نکالے گئے۔ تو مدت تک زمین پر بحالت پریشانی اپنے گناہ پر روتے رہے آخر خدا تعالیٰ کو اپنے بندہ کی آہ و زاری اور ندامت اور بے قراری پر رحم آیا ؎ اے خوشا چشمے کہ آن گریان اوست ٭ وے ہمایوں دل کہ آن بریان اوست۔ در پے ہر گریہ آخر خندہ الیست ٭ مرد آخر بین مبارک بندہ الیست۔ اور یہ کلمات آدمؑ کے دل میں القاء کئے گئے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ جب انہوں نے ان کلمات سے دعاء کرنی شروع کی تو خدا کو رحم آیا۔ آدمؑ کا گناہ معاف کر دیا۔ کس لئے کہ وہ توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے۔ بعض احادیث میں کچھ اور کلمات اور آدمؑ کی گریہ و زاری کے دیگر حالات بھی مرقوم ہیں۔

## متعلقات

التلقی۔ ملنا کسی چیز کا پانا، حاصل کرنا۔ یہ کلمات آدمؑ کو بطور الہام کے عطا ہوئے تھے۔ عام ہے کہ فرشتے نے آ کر کہے تھے یا دل میں القا ہوا تھا۔ التوبہ۔ رجوع کرنا۔ لیکن جب یہ لفظ بندہ کی طرف منسوب ہوتا ہے تو لفظ الیٰ کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے۔ جیسا کہ تبت الیک اور تاب الی اللہ۔ جس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ گناہ چھوڑ کر غفلت سے منہ موڑ کر بندہ خدا کی طرف رجوع ہوا۔ بندہ کو تائب اور توّاب کہیں گے۔ انّ یحب التوّابین۔ مگر اس قدر فرق ہے کہ غفلت چھوڑ کر بندہ جب اس کی طرف رجوع ہوتا ہے تو اس کو آئب کہتے ہیں اور اوّاب بھی۔ توبہ تین چیزوں سے مرکب ہے۔ علم معصیت کہ گناہ کو برا اور جرم اور باعث خرابی دنیا و آخرت جانے تاکہ دل میں بے قراری پیدا ہو اور ندامت دل میں آئے۔ ترک فی الحال یعنی اسی وقت اس کام کو چھوڑ دے۔ عزم مستقل یعنی آئندہ کے لئے دل میں مصمم ارادہ کر لے کہ میں اس کام کو ہرگز نہ کروں گا اور جو کچھ حقوق الٰہی یا حقوق عباد ہیں اُن کے ادا کرنے کا بھی قصد کرے۔ پس جب ان شرائط سے بندہ توبہ کرتا ہے تو خدا تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے بندے کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ احادیث صحیحہ اور آیات قرآنیہ اور کلام انبیاءؑ میں جس قدر توبہ کی تاکید اور فضائل و اوصاف مذکور ہیں ان کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بندہ گناہ کر کے مقر اور تائب ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ اُس کے گناہ معاف کرتا ہے (رواہ البخاری و مسلم) اور جب توبہ کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں تو بلفظ علیٰ اس کا استعمال آتا ہے تاب اللہ علیہ، تاب علیہ بولتے ہیں، جس کے معنے یہ کہ خدا نے رحمت کے ساتھ بندہ کی طرف رجوع کیا یعنی معاف کر دیا اور اُس کے عذاب سے درگزر کی اس لئے خدا تعالیٰ کو صرف توّاب کہتے ہیں کہ تائب۔ الٰہی تیری رحمت اور مغفرت پر بڑا بھروسہ ہے۔

**ف** خدا نے آدمؑ کا توبہ کرنا بیان فرمایا حواؑ کا توبہ کرنا ذکر نہ کیا، اس لئے کہ عورت احکام میں تابع ہے مرد کے اور اسی لئے قرآن میں اکثر مرد مخاطب ہیں۔ **اب** اس کے بعد خدائے تعالیٰ بنی آدم کے

زمین پر بھیلنے کا اور اُن کے پاس انبیاء علیہم السلام کا حکم الٰہی لے کر آنے کا مجملاً ذکر کر کے اس تمام قصہ کا نتیجہ نکالتا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ
ہم نے کہدیا تھا تم سب یہاں سے نیچے اتر جاؤ پھر اگر تمھارے پاس میری طرف

مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ
سے کوئی ہدایت پہنچے (تو اس پر عمل کرنا) جو میری ہدایت پر چلیں گے (تو ان)

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ
نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جو انکار

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہی جہنمی بھی

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾
ہوں گے جو اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔

ع ۴

## ترکیب

قلنا فعل ضمیر نحن اس کا فاعل اهبطوا منها جميعا اس کا مقولہ جمیعا لفظاً تو اهبطوا سے حال ہے اور معنًا تاکید ہے یعنی سب اُترو خواہ مجتمع ہو کر خواہ الگ الگ فاما اصل میں ان ما تھا اِنْ حرف شرط اور ما اس کی تاکید ہے ادغام ہو کر اِمّا ہو گیا۔ یاتینکم میں یاتین فعل مضارع کم مفعول منی متعلق فعل سے ہدی فاعل یہ سارا جملہ شرطیہ ہوا۔ فمن میں فاء تفریع کے لئے من شرطیہ مبتدا محلاً مرفوع تبع اس کی خبر اس کی ضمیر راجع ہے من کی طرف یہ محلاً مجزوم فلا خوف علیہم ولا ہم یحزنون جملہ اسمیہ اس کا جواب پس من شرطیہ اپنے جواب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب ہوا اما یاتینکم کا۔ والذین الخ عطف ہے۔ فمن تبع الخ پر اس کا قسیم ہے الذین موصول کفروا وکذبوا بآیتنا صلہ یہ تمام مبتدا اولئک اصحاب النار جملہ اسمیہ اس کی خبر ہم فیہا خالدون مبتدا و خبر یہ حال ہے اولئک اصحاب النار سے اور عامل اس میں معنی اضافت ہیں یالام مقدرہ۔

## تفسیر

یعنی ہم نے کہا کہ تم سب اُترو جنت سے نکل کر زمین پر جاؤ وہاں بھی تم پر میری نظرِ عنایت رہے گی میں تمھارے پاس اپنی ہدایت (عقل سلیم و تفکر عجائبات قدرت اور انبیاء اور کتابیں اور پھر انبیاء کے نائب) بھیجوں گا۔ دیکھو اب تو چوکے سوچ کے آئندہ ایسا ذکر نا ہدایت کے بموجب چلنا۔ پس جو اس کے موافق عمل کریگا تو اس کو نہ آئندہ کا خوف ہوگا اور نہ وہ کبھی عمر گذشتہ سے غمگین ہوگا بلکہ اس عالم میں اور یہاں سے جا کر اس عالم میں بھی شاد و خرم رہے گا اور جو میری ہدایت کو نہ مانے گا اور کفر کرے گا اور ہماری کتاب کی آیات کو یا ہماری نشانیوں کو کہ (جو ہمارے وجود اور انبیاء کی صداقت اور عالم آخرت کے حق ہونے پر دلالت کرتے ہیں جنے کہ صاحب بصیرت کے سامنے نورانی قلم سے آسمان و زمین و حجر و شجر اور در و دیوار پر لکھی ہوتی ہیں) جھٹلاوے گا یا غور و تامل نہ کرے گا، اور ان باتوں کا دل میں یقین نہ لاوے گا بلکہ جانوروں کی طرح کھانے پینے اور دنیا کے مزے اُڑانے ہی کو مقصد اصلی سمجھے گا تو وہ ہمیشہ آتشِ جہنم میں جلے گا۔ اُن کے ملکاتِ رذیلہ جو اُن کے دل میں سرایت کر گئے ہیں اور جو اُن سے کسی وقت جدا نہیں ہوتے وہ وہاں آتش جہنم بن کر ہر وقت جلائیں گے العیاذ باللہ۔

## متعلقات

| | |
|---|---|
| خوف | کسی آئندہ چیز کے ڈر کو کہتے ہیں۔ |
| حزن | کسی دل پسند چیز کے جاتے رہنے پر رنج کو کہتے ہیں۔ |

## نکات

(۱) اگرچہ ایک بار اهبطوا خدا تعالیٰ فرما چکا تھا مگر اس آیت میں پھر اس کلمہ کا اعادہ کیا تاکہ فاما یاتینکم الخ کا پورا پورا ربط اس کے ساتھ ہو جائے۔ یعنی ایک بار تو خدائے تعالیٰ فرما چکا تھا کہ یہاں سے اُترو مگر اس آیت میں پھر فرما دیا تاکہ وہ جو آدم کے خلیفہ بنا کر زمین پر بھیجنے کا نتیجہ ہے وہ واضح ہو جائے کہ

یہاں سے نکل کر سب زمین پر جاؤ - وہاں تمہاری باہم عداوت قائم ہوگی۔ شیطان جو سانپ بن کر بہکانے گیا تھا اس کے مظہر کو دنیا میں لوگ ماریں گے وہ لوگوں کو کاٹے گا اور باہم بھی ایک دوسرے سے عداوت کرے گا۔ اس پر انبیاءؑ اور ان کے نائب ہادی ہوں گے۔

**ف** چنانچہ حضرت آدمؑ زمین پر تشریف لائے۔ یقیناً یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت آدمؑ کس ملک میں آکر رہے تھے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ایشیائی ملکوں میں رہے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ عرب بالخصوص حجاز میں رہے تھے اور وہیں کہیں ان کی قبر ہے اور شہر جدہ میں ان کی بیوی حوا کی قبر ہے کہ جس کا اب تک نشان باقی ہے اور مقام عرفات میں میاں بیوی دونوں کی فراق آسمانی کے بعد ملاقات ہوئی تھی ایک نے دوسرے کو پہچانا تھا اسی لئے عرفات کو عرفات کہتے ہیں۔ جس طرح دادی کی قبر کی وجہ سے شہر جدہ کو جدہ کہتے ہیں۔ چونکہ جدہ عرب میں دادی کو کہتے ہیں۔

اور کعبہ حضرت آدمؑ نے بنایا تھا اس تقدیر پر روئے زمین پر سب مساجد سے پہلے یہ مسجد ہے اور یہ مسجد حضرت ابراہیمؑ نے بعد طوفان نوحؑ کے اسی لئے ملکِ شام سے آکر پھر اس کو بنایا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کی زبان عربی تھی پھر اُن کی اولاد کی زبان بگڑ کر عبرانی ہوئی پھر اختلافِ بلاد اور زمانہ سے اور زبانیں پیدا ہوتی گئیں۔ دیکھئے ایک ہی ملک میں پہلے کچھ اور زبان ہوتی ہے پھر کچھ اور۔ ایران میں پہلے پاژندی۔ پھر دری۔ پھر پہلوی زبان مروج ہوئی۔ ہندوستان میں پہلے کچھ اور زبان تھی پھر آریہ لوگوں سے سنسکرت نے رواج پایا پھر بھاشا ہوئی۔ پھر خراب اُردو وہ منجھ کر اب صاف اردو ہوگئی۔ زمانہ کی گردش جس طرح اور چیزوں پر اثر کرتی ہے اسی طرح زبان پر بھی اس کا اثر جلدی پڑتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شام یا فلسطین کے ملک میں آباد ہوئے تھے بعض کہتے ہیں کہ بابل کے آس پاس۔ قدماء ایران اپنے ملک اور اہلِ ہند اپنے ملک میں آباد ہونا بیان کرتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں۔ بعض ملک مصر کو سب بنی آدم کا اصلی وطن کہتے ہیں یہ بھی قابلِ اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم عنداللہ حضرت آدمؑ کی اولاد بہت کچھ پیدا ہوئی اور نوسو تیس برس کی عمر میں حضرت آدمؑ نے وفات پائی۔

(۲) جس طرح کفار کی نسبت اولئک اصحاب النار ہم فیہا خلدون فرمایا تھا۔ اُس کے مقابلہ میں اہلِ ایمان کی نسبت اولئک اصحاب الجنۃ ہم فیہا خلدون کہنا چاہیے تھا۔ مگر یہ کمال بلاغت ہے کہ لازم بول کر ملزوم مُراد لیا جاوے اور کنایہ کے طور پر کسی مراد کو ظاہر کردیا جائے۔ اس لئے جنّت میں ہمیشہ رہنے کو دو بات لازم ہیں۔ ایک یہ کہ وہاں سے نکلنے کا خوف نہ ہو۔ دوم یہ کہ کسی راحتِ مرغوبِ دل کے فوت ہونے پر حزن نہ ہو اس لئے اس مراد کو اس عنوان اور اس عبارت سے بیان کیا۔ لاخوف علیہم ولاہم یحزنون۔

(۳) لاخوف علیہم ولاہم یحزنون فرمایا یعنی خوف کی جو نفی کی تو جملہ اسمیہ سے جو حال اور استقبال سب زمانوں کو مستغرق ہے تاکہ یہ بات معلوم ہو کہ جو ہدایت کے تابع ہیں اب بھی اُن کو کسی مصیبت کا خوف نہیں اور نہ آئندہ ہوگا پورا اطمینانِ قلب حاصل ہے اور حزن کو جملہ فعلیہ بالخصوص مضارع کے صیغہ سے تعبیر کیا کہ جس بقرینۂ کلام استقبال سمجھا جاتا ہے اس رمز کے لئے کہ اب کیا حزن ہے۔ حزن کا زمانہ تو آئندہ ہے کہ جب انسان کی آنکھ کھلے گی سو جب بھی ان لوگوں کو حزن نہ ہوگا۔

## فوائد

(۱) خدائے تعالیٰ نے ابتداء سورۃ بقرہ سے لے کر یہاں تک کس خوبی کے ساتھ قرآن کا کتاب الٰہی ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی برحق ہونا بیان کیا کہ جو تمام انبیاءؑ اور ان کی کتابوں کا لُب لُباب ہے اور رُوح خالص ہے۔ ازانجملہ یہ کہ سب سے پیشتر ازلی سعادتمندی اور ازلی بدبختی بیان کردی اور مومن و کافر و منافق (ان ازلی سعادتمندوں اور ازلی بدبختوں) کے اقسام اور اُن کے خواص بیان کردیئے کہ اُن پر ناصح کی نصیحت کچھ

کارگر نہیں ہوتی۔ سواء علیہم ءانذرتہم ام لم تنذرہم لایؤمنون الخ
از انجملہ لطیفے عالم احسانات کے ضمن میں انسان کے گزشتہ اور آیندہ
حالات کا نقشہ کھینچ دیا تاکہ مرد دانا غافل نہ رہے از انجملہ ایسی تعلیم
حمیدہ اور پند مفید اور بیان اعجاز قرآن اور صداقت نبوت نبی
آخر الزمان ؐ کے ضمن میں عالم کی ابتداء اعتبار آسمانوں زمینوں اور
بنی آدم کے پیدا ہونے کی وہ صحیح صحیح کیفیت بیان کر دی کہ جس
کے ادراک سے عقل قاصر تھی اور حضرت آدم ؑ کی ساری تاریخ
اور ان کے حریف کی داستان اور پھر فرمانبرداری اور نافرمانی
کے نتائج اور گناہ کے بعد توبہ۔ پھر رحمت الٰہی کا دستگیر ہونا
نہایت عمدگی سے بیان کر دیا اور توراۃ موجودہ میں جو کچھ اس بیان
میں کمی زیادتی ہے اس کی نہایت مہذبانہ طور پر اصلاح کر دی
کیونکہ کتاب توراۃ کتاب پیدائش کے دوم اور سوم
باب میں کسی یہودی عالم نے سن سنا کر یوں لکھ رکھا ہے کہ خدا نے
تعالیٰ نے آدم ؑ کو باغ عدن میں رکھا کہ اس کی نگہبانی اور باغبانی
کرے اور خدا تعالیٰ نے اس باغ کے بیچوں بیچ دو درخت لگائے تھے
ایک حیات کا درخت (کہ جس کے کھانے سے ہمیشہ زندہ رہے جس
کو شیطان نے کھایا تھا) اور دوسرا نیک و بد کی پہچان کا درخت
خدا تعالیٰ نے آدم ؑ سے کہا کہ اس باغ میں اس درخت کو نہ کھانا ورنہ
تو مر جائے گا۔ اور خدا تعالیٰ نے زمین کے ہر ایک جانور اور آسمان
کے ہر ایک پرند کو آدم ؑ کے پاس بھیجا تاکہ دیکھے کہ وہ ان کے
کیا نام رکھتا ہے سو آدم ؑ نے ہر ایک جانور کو کہا وہی اس کا نام
ٹھہرا۔ وعلم آدم الاسماء کلہا ثم عرضہم الخ قصہ کو الٹ پلٹ
کے بیان کیا۔ اور خدا تعالیٰ آدم ؑ کی دلبستگی کے لئے آدم ؑ کو سوتا
ہوا پاکر اس کی ایک پسلی کو نکال کر اس کی عورت بنا کر آدم ؑ کے
پاس لایا۔ پس آدم ؑ اور اس کی بیوی برہنہ رہتے تھے اور
شرماتے نہ تھے زمین کے سب جانوروں میں ہوشیار سانپ تھا
اس نے آکر حوا سے کہا کہ سچ مچ خدا تعالیٰ نے تم کو اس درخت کے
کھانے سے منع کیا ہے۔ اس نے کہا ہاں بلکہ یہ کہا ہے کہ اگر کھاؤ
تو مر جاؤ گے۔ سانپ نے کہا کہ تم ہرگز نہ مرو گے بلکہ خدا تعالیٰ جانتا ہے

کہ جس دن تم اس کو کھاؤ گے نیک و بد کی پہچان میں خدا کی مانند
ہو جاؤ گے اور تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی۔ تب حوا نے
خوشنما اور خوش مزا جان کر اس درخت کو کھایا اور آدم ؑ کو کھلایا
تب ان کی آنکھیں کھل گئیں اور معلوم ہوا کہ ہم برہنہ ہیں۔ پس
انجیر کے پتے بدن پر چپکانے لگے۔ ٹھنڈے وقت جو خدا باغ میں پھرتا
تھا اس کی آواز آدم ؑ نے سن کر اپنے تئیں برہنگی سے شرما کر
درختوں میں چھپایا۔ تب آدم ؑ کو خدا تعالیٰ نے پکار کر کہا تو کہاں ہے؟
اس نے کہا کہ میں آپ سے شرما کر درختوں میں چھپ گیا ہوں خدا
نے فرمایا کہ تجھ کو کس نے بتایا کہ تو ننگا ہے کیا تو نے اس درخت
کو کھایا کہ جس سے میں نے تجھ کو منع کیا تھا۔ اس نے کہا مجھ کو
اس عورت نے دیا۔ عورت نے کہا مجھ کو سانپ نے بہکایا۔ پس
خدا تعالیٰ نے سانپ سے کہا تو ملعون ہوا ہمیشہ پیٹ کے بل چلے گا مٹی
کھائے گا۔ اور عورت کی نسل میں اور تجھ میں عداوت ہو گی۔
وہ تیرا سر کچلیں گے اور تو ان کی ایڑی کاٹے گا اور عورت جنے
میں دردِ زہ کی مصیبت اٹھائے گی اور خصم کی طرف تیرا شوق ہو گا
وہ تجھ پر حکومت کرے گا اور لئے آدم ؑ تو زمین پر بڑی مشقت
سے روزی پیدا کر کے کھائے گا۔ (۲۲) خدا کو فکر و تشویش ہوئی
کہ آدم ؑ نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کے مانند ہو گیا۔
اب ایسا نہ ہو کہ حیات کے درخت سے بھی کھالے اور پھر ہمیشہ
جیتا رہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے آدم ؑ کو باغ عدن سے باہر کر دیا۔
انتہیٰ ملخصاً۔ افسوس قصہ کو الٹ پلٹ کر دیا۔ اول تو خدا تعالیٰ کو
جھوٹ بولنے سے کیا کام تھا کہ تو اس درخت کو کھا کر مر جائے گا۔
دوم اس بخل سے کیا مقصد تھا کیا ان کا رہنا پسند نہ تھا۔ سوم
سانپ مسخرے کو کیونکر اس درخت کی تاثیر اور خدا کا مکر معلوم ہو گیا۔
آدم ؑ کو نہ معلوم ہوا۔ چہارم خدا کا باغ کہاں پھر ٹھنڈے وقت
سیر کرنا اور آواز دینا چہ معنی دارد؟ پنجم خدا کا آدم ؑ کے ہمیشہ زندہ
رہنے سے اندیشہ کر کے باغ سے نکالنا سمجھ میں نہیں آتا۔ پس صحیح
بات وہ ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے قرآن میں واضح کیا۔
ف۲ قرآن مجید میں اس قصہ کو مختلف عنوان سے آٹھ سورتوں

میں نقل کیا ہے۔ کہیں اجمال ہے کہیں تفصیل ہے۔ سورۂ بقرہ، آلِ عمران، اعراف، حجر، کہف، بنی اسرائیل، طٰہٰ، مومنون، ان سب کے مجموعہ سے وہ بات نکلتی ہے کہ جس کو ہم نے تفسیر میں بیان کیا اور ان آیات کو جمع کرنا اور باہم ترتیب دینا محض تکلف لاطائل ہے کیونکہ ہر سورہ میں بیان ناتمام نہیں ہے کہ جن کے ملانے سے تمام کیا جائے۔

**ربط** اس کے بعد خدائے تعالیٰ اپنے خاص انعامات ذکر کرتا ہے کہ جو بنی اسرائیل سے متعلق ہیں اور چونکہ دنیا میں یہ خاندان نبوت سب پر فائق تھا اس لئے اس کی طرف التفات بھی عام احسانات کے بعد ضرور تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ

بنی اسرائیل! میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم کو بخشی تھیں

اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ

اور میرے اقرار کو پورا کرو تو میں بھی تمہارے اقرار کو

بِعَهْدِکُمْ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ (۴۰) وَاٰمِنُوْا

پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرا کرو۔ اور اس کتاب یعنی

بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ وَلَا تَکُوْنُوْٓا

قرآن پر ایمان لاؤ کہ جس کو میں نے تمہارے اصول دین کی تصدیق کرتا ہوا نازل

اَوَّلَ کَافِرٍۢ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا

کیا ہے اور سب سے پہلے تم اس کے منکر نہ بنو اور میری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت

قَلِیْلًا وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ (۴۱)

لے کر نہ بیچو اور مجھ ہی سے ڈرا کرو۔

## ترکیب

یا حرف ندا۔ بنی منادی مضاف اسرائیل مضاف الیہ اذکروا فعل انتم ضمیر فاعل نعمتی مفعول موصوف التی انعمت الخ موصول و صلہ جملہ خبریہ بن کر اس کی صفت واؤ حرف عطف بر اذکروا۔ اوفوا فعل انتم ضمیر فاعل بعہدی مفعول اوف بعہدکم جملہ جزا ہے جملہ اولیٰ کی جو شرطیہ کی خبر دے رہا ہے اور اسی لئے اوف میں سے ی حذف ہو گئی ایای منصوب ہے فعل محذوف سے کہ جس پر فارہبون دلالت کر رہا ہے تقدیرہ ایای فارہبوا اور فارہبون کی اصل فارہبونی ہے وقف آیت سے ی گر پڑی تو ن وقایہ باقی رہ گیا۔ مگر زیر اس پر رکھا تاکہ دلالت کرے حذف ی پر وآمنوا عطف ہے اوفوا پر فعل بافاعل بما انزلت (تقدیرہ بما انزلتہ) صلہ موصول مفعول مصدقًا حال موکدہ ہے حال محذوف سے کہ جو انزلت میں ہے معکم منصوب ہے علی الظرف والعامل فیہ الاستقرار ولاتکونوا معطوف ہے آمنوا پر انتم اس کا اسم اول کافر بہ خبر اول فعل ہے اور اس کی ف اور ع کلمہ میں سیبویہ کے نزدیک واو ہے اور اس سے کوئی فعل نہیں بنا اور اس کی تانیث اولیٰ ہے۔ کافر لفظ میں واحد اور معنی میں جمع ہے ای اول الکفار کما یقال ہو احسن رجل وقیل تقدیرہ اول فریق کافر۔

## تفسیر

جب کہ خدا تعالیٰ توحید اور نبوت اور معاد کے دلائل بیان کر چکا اور اس کی تائید میں عام نعمتوں کو ذکر فرما چکا تو اب بنی اسرائیل کو مخصوص نعمتیں یاد دلا کر اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ میں تمہارا قدیم منعم ہوں میں تمہاری بہتری اور بھلائی ہمیشہ مدنظر رکھتا آیا ہوں۔ اب میں نے تمہارے دین کی اصلاح کرنے کے لئے (کہ جس کو حوادث زمانہ میں لوگوں کی افراط تفریط نے الٹ پلٹ کر دیا ہے) قرآن اور نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔ تم میری مہربانیوں اور عنایتوں پر خیال کر کے جو وقتاً فوقتاً تمہارے ساتھ کی ہیں میرے عہد کو پورا کرو (کہ جو تم نے بروز میثاق مجھ سے باندھا تھا کہ ہم تیری اطاعت کریں گے اور تیرے پیغمبروں کا کہا مانیں گے اور پھر وقتاً فوقتاً حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء کی زبانی بھی تجدید اس عہد کی کرتے چلے آتے ہو میں بھی اپنے عہد کو پورا کروں کہ دنیا میں تمہاری عزت و آبرو شوکت و سلطنت بازرفتہ کو پھیر دوں اور آخرت میں تمہیں حیات و نجات کے

ثمرات سے بہرہ اندوز کروں اور اس عہد کا وفا کرنا یہ ہے کہ اس بنی آخر الزمان ؐ اور قرآن پر ایمان لاؤ کہ جو تمہارے اصول دین اور مطالب توراۃ و دیگر کتب انبیاء ؑ کی تصدیق کر رہا ہے اور ان کو سچ بتا رہا ہے۔ پس جب یہ ہے تو اب تم اہل علم میں سب سے اوّل منکر بن کر مطالب و اغراض دنیائے دون اور اتباع نفس زبوں کے بدلہ میں میری آیات بیّنات کو نہ بیچو۔ یعنی دنیا کے لئے حق کو نہ چھوڑ دو ایمان اور ثمار اُخرویہ کھو کر چند روزہ دنیا مول نہ لو۔ اور مجھ سے ڈرو۔

## متعلقات

**بنی اسرائیل** اسرائیل حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کا لقب ہے۔ جس کے معنی عبرانی میں صفوۃ اللہ یا عبداللہ کے ہیں۔ بنی مخفف بنین جمع ابن کا ہے نون اضافت سے گر گیا۔ اس لفظ کی جمع ابناء بھی آتی ہے۔ اگرچہ ابن کے معنے بیٹے کے ہیں مگر پوتے اور اُس کی اولاد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اس لئے اس وقت کے لوگوں کو بھی بنی آدم کہتے ہیں اور اس مقام پر بھی یہی مراد ہے یعنی یعقوبؑ کی اولاد۔ حرّان سے ہجرت کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک کنعان میں بمقام حبرون آ بسے تھے ان کے آٹھ بیٹے تھے اُن میں سے اسمٰعیل علیہ السلام عرب میں آرہے تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر قبائل کو کہ وہ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد ہیں بنی اسمٰعیل کہتے ہیں اور حضرت اسحٰقؑ وہیں رہے۔ ان کے دو بیٹے تھے عیصوؑ اُن کی بہت سی اولاد شام اور اُس کے اطراف میں پھیلی۔ دوسرے یعقوبؑ ان کے بارہ بیٹے تھے روبنؑ۔ شمعونؑ۔ لاویؑ۔ یہوداہ۔ اشکارؑ۔ زبلونؑ۔ یوسفؑ۔ بنیامینؑ۔ دانؑ۔ نفتالیؑ۔ جادؑ۔ آشرؑ۔ ان کے بارہ بیٹوں کے نام سے بارہ قبائل ان میں مشہور ہوئے اور ہر ایک کو سبط کہتے ہیں۔ جس کی جمع اسباط آتی ہے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون اور داؤد اور سلیمان علیہم السلام وغیرہ بہت سے اولوالعزم انبیاء اس خاندان میں پیدا ہوئے۔ اس وجہ سے یہ خاندان رُوئے زمین پر متبرک اور مشہور ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم کے زمانہ میں مدینہ اور اُس کے اطراف خیبر وغیرہ مقامات میں بنی اسرائیل رہتے تھے۔ ان بارہ فرقوں میں سے آج کل چند باقی ہیں ان کو یہود کہتے ہیں۔

**اوفوا بعہدی** عہد باہمی قرارداد کو کہتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے جب بندہ کو عقل سلیم عطا کی اور اپنی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے کی طاقت بخشی تو ایک بار امانت اُس کے سر پر دھر دیا اور تمام نیک عمل کرنے اور خدا تعالیٰ اور اُس کے ذات و صفات و انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کا اُس سے ذمہ لے لیا اور بندہ نے اس کا اقرار کر لیا اُس کے صلہ میں اُس نے دنیا و آخرت میں نیک نتیجہ مرتب کرنے کا اپنی رحمت سے ذمہ لے لیا پس دونوں طرف سے یہ قول و قرار اور یہ عہد قرار پایا اسی کو عالم ارواح میں قائم کیا تھا اور اسی کو انبیاء علیہم السلام وقتاً فوقتاً یاد دلاتے اور تجدید کرتے رہے اور اس عہد کے پورا کرنے کے بے شمار مراتب ہیں۔ بندہ کی طرف سے اوّل مرتبہ یہ ہے کہ توحید اور رسالت کا اقرار کرے، کلمہ لا الٰہ الا اللہ آلخ صدق دل سے پڑھے اُس کی طرف سے اوّل مرتبہ یہ ہے کہ دنیا میں اس کی جان و مال کو آسمانی محاسبہ سے

۵۱ یہ بابل کے پاس کسدیوں میں رہتے تھے (بلکہ شہر کا نام آر تھا۔ چنانچہ آج کل محکمہ آثار قدیمہ نے اس کو برآمد کر لیا ہے) وہاں سے ابراہیمؑ کا باپ تارہ کہ جس کو آذر بھی کہتے ہیں اپنے بیٹے ابراہیمؑ اور پوتے لوطؑ اور بیوی سارہ کو لے کر جنوب کی طرف بمقام حران آ بسے تھے وہیں آذر نے وفات پائی پھر وہاں سے ستر برس کی عمر میں حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی اور لوطؑ کو لے کر ملک کنعان میں آئے اور حیتون میں بمقام حبرون مقام کیا۔ ۵۲ ابراہیمؑ کی اولاد سارہؑ کے پیٹ سے اسحٰقؑ اور ہاجرہؓ کے پیٹ سے اسمٰعیلؑ جو سب سے بڑے تھے زمران۔ یقسان۔ مدانؑ۔ مدیانؑ۔ اشباق۔ سوخ ۱۲ توراۃ

مامون اور آخرت میں عذاب ابدی سے محفوظ و مصئون رکھے اور بندہ کی طرف سے اخیر مرتبہ یہ ہے کہ اُس کی محبت اور یاد میں ہمہ تن غرق ہو جائے کسی کی بھی خبر نہ رہے اُس کی طرف سے یہ اُن کو ہمیشہ دربارِ قدس میں اپنے دیدار فرحت آثار سے مسرور رکھے جس نے یہ کہا کہ اس عہد سے مراد وہ عہد ہے کہ جو بنی اسرائیل سے نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے کی بابت لیا گیا جیسا کہ بائیبل سے ابتک سمجھا جاتا ہے تو وہ کوئی اور بات نہیں وہ بھی اسی عہد کی شاخ ہے۔

مصدقاً لما معکم سے یہ مراد نہیں کہ یہود کے جمیع عقائد اور کل کتابوں کی تصدیق قرآن مجید کرتا ہے۔ بلکہ اصول مذہب اور مضامین کتب الہامیہ کے کہ جن کو اپنی کتابوں میں مخلوط کر رکھا تھا اور اُس مجموعہ کو وہ توراۃ کہتے تھے۔ یہاں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نزول قرآن کے وقت اُن کے پاس بلا کم و کاست حضرت موسیٰ ؑ کی توراۃ تھی بلکہ ایک مجموعہ کہ جس کو علماء یہود نے مرتب کیا تھا۔ جس کو وہ اپنی اصطلاح میں توراۃ کہتے تھے۔

## نکات

(۱) چونکہ مقصود یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو قرآن پر ایمان لانے کا حکم کیا جاوے۔ اور بنی اسرائیل کو نہایت شاق تھا کہ وہ غیر خاندان کے نبی پر ایمان لائیں۔ یہ انسان کا ایک جبلّی خاصہ ہے کہ وہ دوسرے خاندان کو بمشکل مانتا ہے بالخصوص جب کہ وہ جاہ و ریاست دل میں پیوست ہو اس لئے خدا تعالیٰ نے اوّل تو بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد دلا کر نرم کیا۔ نعمتوں سے انسان کا مطیع ہونا طبعی بات ہے اور اس میں اشارہ کر دیا کہ غیر خاندان پر حسد کرنا عبث ہے تم کو کیا کم نعمتیں دی ہیں۔ اس بات پر خیال نہ کرو قرآن پر ایمان لاؤ دوم اپنا عہد یاد دلایا اور اس کے ثمرہ اوف بعہدکم کی طرف اشارہ کر دیا۔ سوم اس نرمی کے ساتھ گرمی اور چشم نمائی بھی کر دی۔ ایای فارہبون کہ مجھ سے ڈرو ورنہ پھر میں یوں بھی سیدھا کر دیتا ہوں۔ پس ان تینوں کے بعد مقصود اصلی آمنوا بما انزلت کو ادا کیا اور اس کے بعد بھی تین تاکید کر دیں۔ اوّل ولا تکونوا اول کافر بہ دوم ولا تشتروا بآیاتی الخ سوم ایای فاتقون۔ اس میں ان کی خراب عادتوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ (۲) آمنوا بما انزلت کے پہلے تو ایای فارہبون فرمایا۔ کیونکہ یہود میں جو خدا ترس تھے اُن کو راہب کہتے تھے یعنی پہلے تم اپنے دین پر تو قائم ہو جاؤ اس کے بعد ایای فاتقونِ فرمایا۔ کس لئے کہ امتِ محمدیہ میں خدا ترس کو متقی کہتے ہیں اور جب قرآن پر ایمان لائیں گے تو اُمتِ محمدیہ میں داخل ہو جائیں گے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا

اور سچ میں جھوٹ نہ ملایا کرو اور جان بوجھ کر

الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤٢﴾ وَأَقِيمُوا

حق کو نہ چھپایا کرو۔ اور نماز قائم کرو

الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِينَ ﴿٤٣﴾

اور زکوٰۃ دیا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ مل کر رکوع کرتے رہو۔

## ترکیب

و حرف عطف بر کلام سابق اذکروا۔ لا تلبسوا الحق جملہ فعل فاعل و مفعول سے مرکب بالباطل متعلق ہے فعل مذکور سے وتکتموا فعل ضمیر انتم فاعل عطف ہے تلبسوا پر مجزوم ہے لا نہی سے الحق اس کا مفعول وانتم تعلمون جملہ اسمیہ حال ہے اقیموا الصلٰوۃ جملہ انشائیہ معطوف اور معطوف علیہ وآتوا الزکوٰۃ معطوف اور معطوف علیہ وارکعوا معطوف۔ مع الراکعین ظرف متعلق ہے ارکعوا سے۔

## تفسیر

جب کہ خدائے تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اصولِ ایمان یعنی نظریات سے مخاطب کیا اور ایمان لانے کا حکم دیا تو اُس کے بعد عملیات کا بھی حکم دیا اور جو باتیں بُری تھیں پیشتر اُن سے منع کر دیا۔

علماء یہود کا قدیم دستور اور جبلی عادت تھی کہ وہ کتب انبیاء میں کبھی عمداً کسی عقیدہ اور غرض ثابت کرنے کے لئے کچھ گھٹا بڑھا دیتے تھے۔ اور حوادث میں جو کتابیں تلف ہوگئی تھیں یا ان میں کچھ نقصان ہوتا تھا ان ہی کے نام سے اپنے طور پر تصنیف کر کے ان میں ملا دیتے تھے اور کبھی شرح کے طور پر کچھ اس میں لکھ دیتے تھے اور لطف یہ کہ متن اور شرح مزید اور مزید علیہ اور قدیم و جدید کتاب میں امتیاز کے لئے کوئی علامت اور نشانی بھی نہ کرتے تھے۔ اور قوم بھر میں کوئی بھی اصلی کتابوں کا حافظ نہ ہوتا تھا۔ نہ کوئی حفظ سنانے کا دستور تھا۔ اس پر کاغذ اور کتابت کی قلت سے نہ کوئی ایسا کتب خانہ تھا کہ جس میں کل دینی کتابیں محفوظ رہتی تھیں نہ کوئی سوسائٹی تھی بلکہ ہر کاہن یا راہب کے پاس جو کچھ تھا سو تھا۔ اس کو مقابلہ سے کیا غرض؟ چنانچہ آج تک یہ بات مجموعہ عہد عتیق و جدید سے پائی جاتی ہے۔ محققین اہل کتاب اس کے معترف ہیں پس ان وجوہ سے کتاب میں گھٹانا بڑھانا یا کچھ کا کچھ پڑھ دینا بالخصوص مقابلہ میں کسی دنیاوی غرض کے لئے ایک آسان سی بات تھی۔ جب تک آنحضرت علیہ السلام ظاہر نہ ہوئے تھے تو کتب انبیاء میں آپ کی بشارتیں دیکھ کر آپ کے آنے کے منتظر اور آپ کے محامد بیان کیا کرتے تھے۔ پھر جب آپ ظاہر ہوئے اور مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو رشک خاندانی اور دیگر اغراض دنیویہ سے آپ سے حسد کرنے لگے اور ان بشارتوں کو الٹنے پلٹنے لگے اور کچھ کا کچھ کہنا شروع کر دیا اور اپنے تقوٰے اور طہارت کے مسائل میں بھی تاویلات اور توجیہات کر کے ٹالنے لگے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حق میں باطل اپنی طرف سے نہ ملایا کرو۔ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپایا کرو کیونکہ تمہاری گمراہی سے اور ہزاروں ان پڑھ گمراہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد تقوٰے و طہارت کا حکم دیتا ہے کہ نماز کو اچھی طرح قائم کرو تاکہ تمہارے دل ملائم ہوں اور دلوں کی سیاہی دور ہو پھر خدا ترسی کر کے اپنے مال میں سے کوئی حصہ معین بھی فقراء غرباء کو دیا کرو اس لئے پہلے نماز کا ذکر کیا۔ پھر زکوٰۃ کا اس میں بدنی اور مالی دونوں عبادتیں آگئیں۔ اور اکیلے اپنے گھروں میں نماز پر بس نہ کرو۔ بلکہ خدا کی جماعت میں شامل ہو کر نماز پڑھو رکوع کرو تاکہ دین کی تمام برکات و انوار حاصل ہوں۔

## متعلقات

**وارکعوا** رکوع کے معنے جھکنا ہیں۔ چونکہ نماز کا یہ ایک جزو ہے تو کل کو بھی اس جزو کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اور کبھی سجدے کے ساتھ اور یہاں اس کے جزو کے ساتھ تعبیر کرنے میں ایک نکتہ ہے یہود کی نماز میں صرف رکوع ہے اس لئے بھی صرف ارکعوا فرمایا۔ زکوٰۃ کے معنی زیادہ ہونے اور بڑھنے کے ہیں۔ بولتے ہیں زکا الزرع جب کھیتی بڑھتی ہے۔ اور چونکہ خدا کے نام پر دینے سے مال میں برکت ہوتی ہے اور اس عمل کی تاثیر سے مال بڑھتا ہے۔ اس لئے مال میں سے حصہ معین سال تمام پر دینے کو زکوٰۃ کہنے لگے۔ بعض کہتے ہیں کہ زکا سے مشتق ہے جس کے معنے پاکی کے ہیں۔ چونکہ زکوٰۃ سے مال پاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے زکوٰۃ کہنے لگے اور اسی لئے ذبح کرنے سے نجس خون نکل جاتا ہے مذبوح جانور کو مزکی کہتے ہیں۔ یہود میں جس طرح نماز فرض تھی اسی طرح زکوٰۃ بھی مگر ان کی نماز اور زکوٰۃ کا قاعدہ اور تھا۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ

کیا لوگوں کو تم (اے بنی اسرائیل) نیکی کرنا بتلاتے

اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا

ہو اور اپنی خبر بھی نہیں رکھتے حالانکہ کتاب پڑھتے ہو، پھر کیوں

تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ

نہیں سمجھتے! اور صبر کرنے اور نماز پڑھنے سے مدد

الصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَي

لیا کرو، بلاشبہ نماز مشکل ہے مگر ان پر کہ جو عاجزی کرتے ہیں

الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ

(اور) جو یہ سمجھتے ہیں کہ ضرور وہ کو اپنے پروردگار

مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

سے ملنا ہے اور ہم کو اسکے پاس پھر کر جانا ہے (پس یہ نماز کچھ بھی ان پر مشکل نہیں)

## ترکیب

أ استفہامیہ داخل ہے جملہ تامرون الناس الخ پر اور یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی ایسا نہ کرو۔ تامرون الناس الخ جملہ معطوف علیہ وتنسون الخ دوسرا جملہ اس پر معطوف وانتم تتلون الکتاب جملہ اسمیہ حال ہے ضمیر فاعل تنسون سے افلا تعقلون جملہ استفہامیہ بمعنی توبیخ یہاں تک یہ جملہ معترضہ سا تھا۔

اس کا شانِ نزول ابنِ عباسؓ سے یوں منقول ہے کہ علماء یہود اپنے اُن اقارب سے جو مسلمان ہو گئے تھے یہ کہتے تھے کہ اسی دین پر قائم رہو، کیونکہ یہ حق ہے۔ اور از خود اسلام میں داخل نہ ہوتے تھے (جلالین)۔ بعض کہتے ہیں کہ اوروں کو صدقہ اور خیرات کا حکم دیتے تھے اور خود نہ کرتے تھے (بیضاوی)۔

واستعینوا الخ معطوف ہے اذکروا پر یا آمنوا پر بالصبر والصلٰوۃ معطوف علیہ اور معطوف متعلق ہیں استعینوا سے وانہا ای الصلٰوۃ لکبیرۃ جملہ مستثنیٰ منہ الّا حرف استثنیٰ علی الخاشعین موصوف الذین الخ صلہ و موصول اس کی صفت یہ سب مستثنیٰ۔

## تفسیر

اے بنی اسرائیل باوجودیکہ تم کتاب یعنی توراۃ پڑھتے ہو۔ اور اس میں خود اعمالِ صالحہ کرنے کی تاکید اور کلام انبیاءؑ میں آپ عمل نہ کرنے دوسرے کو نصیحت کرنے پر بڑی تہدید بھی ہے۔ تم خود عمل نہیں کرتے ، اور لوگوں کو وعظ و تدریس کرنے کے لئے آمادہ رہتے ہو تمہارے نفس سرکشی میں کہ ان اعمالِ صالحہ اور قیدِ شریعت اور روحانی صفائی کو اختیار نہیں کرتے۔ سو اس کا علاج روحانی پر یہ ہے کہ تم روزہ اور نماز سے مدد لو۔ نفس کو مشقت کشی کا عادی بناؤ۔ کس لئے کہ روزہ میں باوجود ہر طرح کے سامان اکل و شرب و جماع مہیا ہونے کے صبر کرنا اور اس کی خواہش سے روکنا ہوتا ہے۔ اور پھر نماز میں مشغول ہو کر ہاتھ پاؤں تمام جسم کو اُس کی عبادت میں مصروف کرنا زبان اور رُوح کو اس کی طرف متوجہ کرنا اور تسبیح و تقدیس کرنا۔ قرآن پڑھنا ہے۔ ان سب کا مجموعہ رُوح کو نہایت تازہ کرتا ہے۔ جس سے نفس کی تیزی ٹوٹ جاتی ہے۔ اور حبّ جاہ و مال اور ہر قسم کی نفسانی خواہش کہ جو عمل سے مانع آتی ہے پژمردہ ہو جاتی ہے۔ صبر و نماز سے مدد لینے کے یہ معنے ہیں (اور واقعی جسمانی ریاضت سے جو تزکیہ نفس سالہا سال میں حاصل نہیں ہوتا وہ روحانی تقرب سے دم بھر میں حاصل ہو جاتا ہے۔ تھوڑی سی دیر اُس کی طرف مراقب اور متوجہ ہونے سے کسی قدر نفس کو پژمردگی اور رُوح کو تازگی حاصل ہوتی ہے) اور یہ نماز بھی فی نفسہٖ ایک بھاری بات ہے۔ اس کے بھی وہی متحمل ہوتے ہیں کہ جو خدا کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو اُس کے پاس جانا ہے۔

امام احمدؒ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی رنج و غم لاحق ہوتا تھا تو نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اس بہتر کے لئے اُمّتِ محمدیہ پر پنج وقتہ نماز فرض ہوئی۔

---

ف اس کے شانِ نزول کے یہ معنے ہیں کہ یہ آیت اُن یہودی علماء پر صادق آتی ہے یا اس میں ان کی طرف تعریض اور اشارہ ہے کہ جو خود اچھے کام نہیں کرتے تھے۔ اوروں کو وعظ و پند کرتے تھے۔ جیسا کہ عموماً علماء بے عمل کیا کرتے ہیں۔ ورنہ خاص اس آیت کا اُن لوگوں کے لئے اور اس حال پر متنبہ کرنے کے لئے جداگانہ نازل ہونا جب تسلیم کیا جائے کہ جب کسی سندِ صحیح سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ یہ آیت الگ ہو کر نازل ہوتی ہے اور اس سے اگلا پچھلا کلام جداگانہ نازل ہوا ہے، فتامل۔ حقانی ف۲ اور جو ملحد ہیں نہ ثواب کے قائل نہ خدا تعالیٰ کے مقر وہ تو اس کو عبث سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان پر بھاری ہے اور کیسا ہی بھاری کام ہو جب انسان اس کا نتیجہ نیک یقین کر لیتا ہے تو اس کو اس امید میں سب تلخیاں شیریں معلوم ہوتی ہیں۔ منہ

اور اس لئے اس کی نسبت فرمایا إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ کہ نماز ہر قسم کی برائی اور گناہ سے روکتی ہے۔ نماز کے فضائل اور اس کے تارک پر جو کچھ تہدید احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے اس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔

**ف** اس آیت سے اُس شخص کی برائی ثابت ہوئی کہ جو اوروں کو نصیحت کرتا ہے اور خود عمل نہیں کرتا۔ کس لئے کہ اس کا یہ فعل ایسا ہے کہ جیسا کوئی جاہل یا احمق کرتا ہے اور جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کلام کا اس کو اعتقاد نہیں ورنہ خود بھی عمل کرتا۔ اسی لئے صحاح ستہ میں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی زبان کو جہنمی فرشتوں کو آگ کی مقراضوں سے کاٹتے دیکھا تو جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کیا ہے؛ کہا یہ وہ لوگ ہیں کہ خود عمل نہ کرتے تھے اور لوگوں کو نصیحت کرتے تھے۔ مگر اس سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ فاسق کو وعظ کہنا منع ہے کس لئے کہ انسان پر جس طرح عمل کرنا فرض ہے دوسروں کو سمجھانا بھی فرض ہے۔ ایک فرض کے ترک کرنے والے کو کیا ضرور ہے کہ دوسرے فرض کو بھی ترک کرے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ
اے بنی اسرائیل! میری اُن نعمتوں کو یاد کرو کہ جو میں نے تم کو
اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي
دی تھیں اور میں نے تم کو جہان پر
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ
فضیلت دی۔ اور اس دن سے بھی ڈرو کہ جس دن
نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا
کوئی شخص کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس کے لئے کوئی
شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ
سفارش قبول ہوگی اور نہ اس کے عوض میں کوئی معاوضہ لیا جائیگا اور
لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٨﴾
نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

## ترکیب

یا حرف ندا بنی اسرائیل مضاف اور مضاف الیہ منادیٰ اذکروا فعل ضمیر انتم فاعل نعمتی التی انعمت علیکم صفت و موصوف معطوف علیہ وانی فضلتکم علی العالمین تمام جملہ اسمیہ معطوف یہ دونوں اذکروا کے مفعول۔ یہ فعل اپنے فعل اور فاعل سے ملکر جملہ انشائیہ ہوکر ندا ہوا۔ واتقوا فعل انتم ضمیر فاعل یوماً مفعول بہ موصوف لا تجزی نفس الخ اور لا یقبل الخ اور لا یؤخذ الخ ولا ہم الخ چاروں جملے معطوف بریکے دیگر اس کی صفت اور سب میں عائد محذوف ہے ای لا تجزی فیہ وقس علیہ البواقی۔ اس جملہ اتقوا کا عطف اذکروا پر ہوا۔ عن نفس موضع نصب میں ہے تجزی سے اور ممکن ہے کہ حال ہوکر موضع نصب میں ہو۔ تقدیرہٗ شیئاً عن نفس منہا دونوں جگہ میں ممکن ہے کہ یقبل اور یؤخذ کے متعلق ہو، اور ممکن ہے کہ شفاعۃ اور عدل کی صفت ہو۔

## تفسیر

یہاں سے نصائح و اوامر و نواہی سابقہ ذکر فرما کر بنی اسرائیل کو اپنے انعام و احسان جو وقتاً فوقتاً اُن پر اور اُن کے بزرگوں پر ہوئے یاد دلاتا ہے۔ یہ پہلا احسان ہے کہ اُن کو دنیا پر فضیلت دی تھی۔ مگر بنی اسرائیل کو اپنے علم اور انبیاء زادے ہونے کی وجہ سے دو چند غرور اور تعصب تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ اپنی نعمتوں کو اور اُن واقعات کو کہ جن میں اُن پر وقتاً فوقتاً انعام الٰہی ہو چکے بعد دیگرے بیان فرماتا ہے۔ اوّل یہ نعمت و انعام ذکر فرماتا ہے کہ تم کو دنیا پر فوقیت دی تھی۔ نبوت اور سلطنت دونوں تمہارے خاندان میں تھیں۔ جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے۔ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۗءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ڰ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اس پر شکر کرو تکبر اور سرکشی سے باز آؤ۔ ہماری اطاعت کرو نہ کہ اُلٹا تکبر اور سرکشی کرو۔ اگر تم اپنی سرکشی اور تعصب سے باز نہیں آتے اور ہماری نعمتوں کا حق ادا نہیں کرتے اور تم کو اس بات پر بھی عبرت نہیں دکہ میں نے تمہارے فسق و فجور

پر حسب وعدہ تم پر اپنا قہر نازل کیا تھا۔ بخت نصر اور انٹیوکس وغیرہ بادشاہوں نے تمہاری عزت و شوکت خاک میں ملادی۔ تم کو غلام بنالیا تھا۔ تو آخر ایک روز مرنا بھی ہے قیامت میں ہمارے پاس آنا اور حساب دینا ہے اُس دن سے ہی ڈرو کہ وہاں کوئی وجہ عذاب الٰہی کے دفع کی نہیں کس لئے کہ مخلصی کا طریق یا تو یہ ہے کہ دوسرا شخص اُس کی جگہ آپ ذمہ دار ہو جائے اور اس کے جمیع حقوق اور محاسبہ کو اپنے سر پر لے سو وہاں پر یہ بھی نہیں لا تجزی نفس عن نفس شیئا۔ اس دن کی سختی ایسی ہوگی کہ ہر کوئی نفسی نفسی پکارے گا کوئی کسی کے کام نہ آئے گا یوم یفر المرء من اخیہ الآیۃ۔ یا کسی کی وجاہت سے مُفت چھوڑ دیا جائے۔ تم کو اپنے باپ دادا انبیاء علیہم السلام پر بڑا بھروسہ ہے سمجھتے ہو کہ وہ تم کو چھوڑا لیں گے سو وہاں یہ بھی نہیں کیونکہ لا یقبل منہا شفاعۃ۔ اس روز یہ سفارش بھی کام نہ آئے گی اس کی مرضی بغیر کوئی نبی یا بزرگ کسی کے لئے لب کشائی بھی نہیں کر سکتا۔ یا اپنا مال دے کر معاوضہ یا جُرمانہ بھگت کر نجات پا جائے تو وہاں یہ بھی نہیں کس لئے کہ لا یؤخذ منہا عدل خدا کو مال و دولت کی کچھ پرواہ نہیں اور اُس روز کسی کے پاس ہو گا کیا۔ نہ مال نہ دولت کسی سے مالی معاوضہ نہ لیا جائے گا۔ یا یہ کہ یار و انصار برادری و اقارب اپنے زور سے چھڑا لیں سو وہاں یہ بھی نہیں کیونکہ ولا ہم ینصرون خدا تعالیٰ سے مقابلہ کرنے کی کس کو مجال ہے۔

## متعلّقات

فضلتکم علی العالمین عالم کا اطلاق اگرچہ ماسوائے اللہ جمیع مخلوقات پر ہوتا ہے اور جب بلفظ عالمین اُس کو جمع کر دیا جاتا ہے تو اور بھی شمول اور عموم کا فائدہ دیتا ہے مگر جس طرح ہمارے عرف میں دُنیا بول کر اکثر لوگ مراد لیا کرتے ہیں اسی طرح عرب میں محاورہ تھا اور جس طرح ہمارے عرف میں لفظ کل بولتے ہیں اور اکثر چیزیں اُس سے مراد لیا کرتے ہیں اسی طرح عرب میں محاورہ تھا۔ بلقیس کی نسبت وارد ہے واوتیت من کل شیٔ کہ اس کو ہر چیز سے حصہ ملا تھا حالانکہ بہت سی چیزیں اُس کو نہ ملی تھیں۔ پس اس توجیہ پر مطلب آیت کا بہت صاف ہے کہ بنی اسرائیل کو خدا نے ایک زمانہ میں اکثر لوگوں پر فضیلت دی تھی اور یہ واقعی بات ہے۔

**بعض** مفسرین نے عجب موشگافی کی ہے عالمین سے جمیع مخلوقات مراد رکھی ہے پھر دیکھا کہ اس سے ملائکہ اور جمیع انبیاء اور جناب حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر فضیلت ثابت ہوتی ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیگر دلائل سے مستثنیٰ کیا اور بے سر و پا دلائل سے ورق کے ورق سیاہ کر ڈالے۔ اسی طرح بنی اسرائیل سے ہر فرد و بشر مراد لے کر الجھاوے میں پڑ گئے کہ بنی اسرائیل کے فُسّاق اور کُفّار کو جمیع عالم پر کیونکر فضیلت تھی! اسی طرح اکثر مقامات پر عرف اور محاورۂ عرب سے غافل ہو کر الفاظ کے لغویہ یا علماء کلام و علمائے اصول کے مقرر کردہ معنی مراد لے کر سیدھی بات کو مشکل کر دیتے ہیں۔

**شفاعت** شفع بمعنی جفت ہے یعنی طاق کا خلاف گویا کہ شفاعت کرنے والا اپنے آپ اُس کے ساتھ (کہ جس کی یہ شفاعت کرتا ہے) ملا کر اُس اکیلے کو جوڑا کرتا ہے۔ معتزلہ اس آیت اور اس آیت من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہ سے استدلال کرتے ہیں کہ قیامت کو انبیاءؑ گناہگاروں کی شفاعت نہ کریں گے مگر ان کا یہ قول صحیح نہیں۔ کس لئے کہ ان آیات کا یہ منشاء ہے کہ اُس کی مرضی کے خلاف اپنی وجاہت سے کوئی سفارش نہ کر سکے گا اور چونکہ اس کی مرضی کفار اور مشرکین کی نسبت نہ ہوگی تو اُن کے لئے کوئی شفاعت نہ کرے گا جیسا کہ ان آیات کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے اور لفظ الا باذنہ باٰوازِ بلند بتلا رہا ہے کہ گناہگار مسلمانوں کے لئے رحمت الٰہی انبیاءؑ اور اولیاءؒ اور صلحاءؒ کے دل میں ان کی شفاعت کا شوق پیدا کرے گی اور وہ نہایت عجز و انکسار سے اس کی جناب

میں عرض کریں گے۔ وہ اپنی رحمت سے قبول فرمائے گا۔ ع
رحمت حق بہانہ می جوید نہ بہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے شفاعتی لاہل الکبائر من امتی ۔ اور احادیث صحیحہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ کی تفصیل ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے شفیع اعظم ہیں، صلے اللہ علیہ وسلم۔ اور یہ آیات کفار کے ساتھ مخصوص ہیں۔ کس لئے کہ کلام یہود سے چلا آتا ہے۔

عدل کے معنے برابری کے ہیں۔ چونکہ معاوضہ اور فدیہ سے کر دونوں برابر ہو جاتے ہیں اس لئے معاوضہ اور فدیہ اور بدل کو بھی عدل کہنے لگے اور اسی لئے انصاف کو بھی عدل کہتے ہیں۔

## نکات

(۱) چونکہ حیز نفی میں ہوتا ہے تو وہاں کثرت سمجھی جایا کرتی ہے اور لا تجزی نفس سے نفس نکرہ مراد ہے معرفہ نہیں اور لا نفی کے پیچھے آیا ہے تو یہاں بھی عموم مراد ہے۔ پس یہ کثرت جو یہاں مفہوم ہوتی تھی اس کو ولا ہم ینصرون میں اس نکتہ کے لئے ظاہر کر دیا کہ عادتاً جب کسی کو ایسے شخص کے پنجے سے چھڑاتے ہیں کہ وہ نہ وجاہت اور لحاظ کو خیال میں لاتا ہے تاکہ سفارش قبول کرے نہ وہ معاوضہ سے راضی ہوتا ہے نہ کسی دوسرے شخص کی ضمانت مانتا ہے تو وہاں ایک جماعت اور جمعیت سے کام لیا جاتا ہے کہ ایک جماعت بزور چھڑا لیتی ہے۔ پس لفظ ہم میں اُن کی کثرت کے فائدہ مند نہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

## اس کے بعد

خدائے تعالیٰ اپنی نعمتوں کی تفصیل کرتا ہے اور ہر ایک واقعہ کو یاد دلاتا ہے تاکہ سن کر عبرت اور رغبت ہو اور بنی اسرائیل کے دل ملائم ہوں اور راہ راست پر آئیں۔ مگر یہ واضح رہے کہ ان واقعات کے بیان کرنے سے مقصود صرف اپنی نعمتوں اور نافرمانیوں پر عقوبتوں کا یاد دلانا ہے نہ بترتیب تاریخ آدم اور تاریخ بنی اسرائیل بیان کرنا جیسا کہ اہل کتاب کی توراۃ وغیرہ کتب تواریخ میں ہے کہ جن کو وہ الہامی کہتے ہیں۔ اس لئے کبھی مقدم واقعہ کو مؤخر اور کبھی بالعکس اور کبھی بطور اجمال اور کبھی بطور تفصیل بیان کرتا ہے اور کچھ عہد موسیٰ کے واقعات ہی بیان نہیں ہوتے بلکہ اُن سے پہلے اور پچھلے واقعات بھی ہیں بلکہ ملک مصر کے واقعات اور وہاں سے نکل کر ملک کنعان میں آتے وقت اور وہاں پہنچ کر جو کچھ گزرا سب کا بیان ہے نہ بترتیب وقوع بلکہ جس واقعہ کا ذکر مناسب مقام تھا اُس کا ذکر کیا۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ
اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) کہ جب ہم نے تم کو فرعونیوں سے نجات دی وہ تم کو
سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ
بُری طرح عذاب دیا کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے
وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ
اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار
مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ (۴۹)
کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔

## ترکیب

واذ موضع نصب میں ہے معطوف اذکروا نعمتی پر اور اسی طرح واذ فرقنا، واذ واعدنا اور اذ قلتم یا موسیٰ وغیرہ۔ نجینا فعل با فاعل کم مفعول من آل فرعون متعلق ہے نجینا سے یسومون فعل ہم ضمیر راجع آل فرعون کی طرف کم مفعول اول سوء العذاب مفعول ثانی۔ یہ تمام جملہ حال ہے آل فرعون سے یا ضمیر نجیناکم سے یا دونوں سے یذبحون ابناءکم اور یستحیون الخ دونوں جملے بیان ہیں یسومونکم کے اور اسی لئے عطف نہ ہوا بلاء موصوف من ربکم اور عظیم صفت مبتدا مؤخر فی ذلکم خبر۔

## تفسیر

یہ دوسرا انعام یاد دلاتا ہے اسرائیلیوں پر جو فرعون مصر اور

اس کی قوم کی طرف سے ہر روز ایک تازہ مصیبت کا سامنا تھا یہاں تک کہ لڑکے قتل کئے جاتے اور لڑکیاں باقی چھوڑی جاتی تھیں۔ اس میں بنی اسرائیل پر بڑی سخت مصیبت تھی اول نسل اور قوم کا گم ہونا پھر لڑکیوں کا غیر اقوام کے استعمال میں آنا۔ پھر زندہ اولاد کا قتل دیکھنا ان سب مصائب سے خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سبب نجات دی۔ یہ کس قدر احسان اور کیسی نعمت الٰہی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت یعقوبؑ تک ان کی اولاد کنعان ہی میں آباد رہی۔ پھر بھائیوں کے حسد اور بغض کی وجہ سے حضرت یوسفؑ غلام بن کر مصر میں آئے یہاں ان کا بادشاہِ مصر کے پاس بڑا عروج ہوا۔ جب کنعان میں سخت قحط پڑا تو حضرت یعقوبؑ اور ان کی تمام اولاد مصر میں آرہی اور ان کو خدا تعالیٰ نے بہت بڑھایا اور کئی سو برس تک مصر میں ان کے لاکھوں آدمی ہو گئے اور اس عرصہ میں یوسف علیہ السلام اور وہ فرعون سب مر کھپ گئے دوسرا فرعون تخت نشین ہوا جس کا نام مصعب یا ولید تھا اس کو بنی اسرائیل سے سخت عداوت تھی اور دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ مبادا یہ لوگ ہماری سلطنت پر قابض ہو جائیں اس لئے اس نے ان کو سخت سخت تکلیفیں دینی شروع کیں ان پر خراج کے لئے محصل بٹھا دیئے اور مصریوں نے خدمت کروانے میں بنی اسرائیل پر سختی کی اور انہوں نے سخت محنت سے گارا اور اینٹ کا کام اور سب قسم کی خدمت کھیت کی کروا کے ان کی زندگی تلخ کی۔ ان کی ساری خدمتیں جو وہ ان سے کراتے تھے مشقت کی تھیں۔ (۲۲) اور فرعون نے اپنی قوم کے لوگوں کو تاکید کر کے کہا کہ ان میں جو بیٹا پیدا ہو اسے مار ڈالو۔ اور جو بیٹی پیدا ہو اسے جینے دو۔ (توراۃ) خدا تعالیٰ کو بنی اسرائیل کی مصیبت پر رحم آیا۔ ان میں عمران کے گھر میں ایک حسین لڑکا پیدا کیا۔ جس کی پرورش اور سرگزشت عبرت کا باعث ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ انہوں نے طرح طرح کے فرعون کو معجزے دکھائے اور تمام بنی اسرائیل کو مع یوسف علیہ السلام کی ہڈیوں کے ان کے وطن قدیم ملک کنعان میں لے گئے ان کے پیچھے جو فرعون پکڑنے چلا تھا دریائے قلزم میں مع لشکر ڈوب مرا اور بنی اسرائیل دریا میں سے خشک نکل گئے۔ مصر سے کنعان یعنی ملکِ شام تخمیناً چالیس روز کا رستہ شمال کی جانب ہے۔ مگر رستہ میں جو بنی اسرائیل نے خدا کی نافرمانیاں کیں چالیس برس ٹکراتے پھرے۔ اسی عرصہ میں منّ و سلویٰ نازل ہوا اور دھوپ سے ابر نے سایہ کیا۔ اور دیگر ذبح بقرہ وغیرہ کے واقعات پیش آئے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اور جو جوان مصر سے نکلے تھے سب اسی رستے میں مر گئے۔ پھر موسیٰؑ کے خلیفہ یوشع ابن نون نے ملکِ کنعان فتح کیا اور وہاں بنی اسرائیل کی سلطنت قائم ہوئی۔ اس قصہ کا مجملاً خدائے تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے۔ اور آیندہ اور قصوں کو ذکر کرتا ہے۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب کہ ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا پس

اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

تم کو تو بچا لیا اور تمہارے دیکھتے دیکھتے فرعونیوں کو ڈبو دیا۔

## ترکیب

فرقنا فعل با فاعل بکم موضع نصب میں مفعول ثانی ہے اور البحر مفعول اوّل ہے اور ب بمعنی لام ہے فانجیناکم جملہ فعلیہ معطوف علیہ واغرقنا الخ جملہ فعلیہ معطوف وانتم تنظرون حال ہے اغرقنا سے۔

## تفسیر

یہ تیسرا انعام ہے جو خروج مصر کے بعد بنی اسرائیل پر خدا تعالیٰ نے کیا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو فرعونیوں کی قید سے چھڑا کر کنعان کی طرف روانہ ہوئے تو فرعون اور اس کے لشکر نے قلزم کے پاس تعاقب کر کے بنی اسرائیل کو آلیا۔ اب پیچھے تو

فرعون اور اس کا خونخوار لشکر جس کی ہیبت نے بنی اسرائیل کو ہوش باختہ کردیا۔ اور سامنے سمندر نہ آگے جاسکتے ہیں نہ پیچھے پھر سکتے ہیں۔ اس وقت بنی اسرائیل کی عجیب ہوش ربا حالت تھی۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنا فضل کیا۔ بنی اسرائیل کے لئے دریا میں خشک راستہ کر دیا۔ دونوں طرف پانی کی دیواریں بن کر کھڑی ہوگئیں۔ جب بنی اسرائیل سوکھے پار اتر گئے۔ ان کے پیچھے جو فرعون اور اس کا لشکر نکلنے لگا تو پانی مل گیا۔ سب ان کی آنکھوں کے سامنے ڈوب مرے۔ بنی اسرائیل یہ تماشا پرلے کنارے پر کھڑے دیکھ رہے تھے۔ ادھر اپنا ایسی خوفناک حالت سے نجات پانا۔ دوسرے اپنے دشمن کو جس کی تباہی کا خیال بھی نہ جاتا تھا مع سازوسامان غرق ہوتے دیکھنا۔ کیسی خوشی اور کیسا انعام الٰہی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب موسیٰؑ بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر ملک شام کی طرف چلے تو بحیرۂ قلزم کی طرف راہ پڑ لے ان کے پیچھے فرعون بھی مور و ملخ کی طرح لشکر لے کر گرفتار کرنے پہنچا۔ بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰؑ! اب ہم کیا کریں؛ سامنے سمندر کی ایک شاخ ہے کہ جس کو قلزم کہتے ہیں اور پیچھے فرعون کا لشکر چلا آتا ہے۔ موسیٰؑ نے جناب باری میں التجا کی۔ حکم ہوا کہ اپنے عصا کو دریا پر مار۔ اس کی وجہ سے یہ معجزہ ظہور میں آیا کہ سمندر پھٹ گیا اور جس طرح پہاڑ میں گھاٹیاں ہوتی ہیں اسی طرح پانی کے بستہ ہونے سے خدا تعالیٰ نے گھاٹیاں کردیں۔ جن میں سے بنی اسرائیل بخوبی مع اپنے جانوروں اور اسباب کے نکل گئے۔ اور چونکہ پانی ایک لطیف جسم ہے اس کی گھاٹیوں میں سے ایک طرف کا آدمی دوسری طرف کو نظر آتا تھا۔ فرعون نے ان کے پیچھے اسی رستے سے عبور کرنا چاہا تو پھر سمندر اپنی اصلی حالت پر آگیا اور فرعون اور اس کا لشکر ڈوب مرا۔ اور پرلے کنارے پر بنی اسرائیل کھڑے ہوئے فرعونیوں کو ڈوبتے ہوئے دیکھتے تھے۔

## متعلقات

اصل آل کی اہل ہے کس لئے کہ اس کی تصغیر اُہیل آتی ہے اس کے معنے گھروالے کے ہیں۔ جن کو عرف میں کنبہ کہتے ہیں یا خاندان۔ ہاں اس قدر فرق ہے کہ لفظ آل کا اطلاق اس خاندان پر آتا ہے کہ جن کو دینی یا دنیوی عزت و شرف حاصل ہو اور کبھی اس لفظ سے مطیع و متبع بھی مراد ہوا کرتے ہیں۔ اول تقدیر پر آل نبی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کنبہ بیٹی نواسے چچا و بیویاں وغیرہم دوسری تقدیر پر تمام صحابہؓ مراد ہوتے ہیں اور کبھی یہ لفظ زائد آتا ہے۔ آل فلاں میں وہ فلاں ہی مراد ہوا کرتا ہے۔

ہم بیشتر ابتدا سے انتہا تک مختصر طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ[ف۱] بیان کرتے ہیں اور توراۃ اور قرآن کو مدنظر رکھتے ہیں تاکہ خوب بترتیب وقوع سمجھ میں آجائے۔

# تاریخ بنی اسرائیل

موسیٰؑ مصر میں عمران کے گھر میں (جو قہات کا بیٹا لاوی بن یعقوب علیہ السلام کا پوتا تھا) حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً پندرہ سو اکہتر برس پیشتر منوچہر شاہ ایران کے زمانہ میں

ف۱ حضرت موسیٰؑ کے واقعات کو بیش سورتوں میں کہیں اجمال اور کہیں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ سورۂ بقرہ۔ نساء۔ مائدہ۔ انعام۔ اعراف۔ یونس۔ ہود۔ بنی اسرائیل۔ کہف۔ مریم۔ طٰہٰ۔ مومنین۔ شعراء۔ نمل۔ قصص۔ صافات۔ مومن۔ زخرف۔ دخان۔ نازعات۔ بعض واقعات توراۃ میں ہیں، قرآن نے ان کو بیان نہیں کیا۔ بعض قرآن میں ہیں توریت میں نہیں۔ اور کچھ تعجب کی بات نہیں۔ گو مصنف توراۃ ابتدار سے انتہاء تک بہ ترتیب قصہ لکھتا ہے مگر عادتاً ہر مورخ سے سینکڑوں واقعات اس شخص کے کہ جس کی وہ تاریخ لکھتا ہے رہ جایا کرتے ہیں۔ پس اگر وہ کسی دوسری جگہ ہوں اور ان کو کوئی اور بیان کرے تو وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اور قرآن کی غرض تاریخ بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ نصیحت و عبرت مقصود ہے۔ منہ

پیدا ہوئے۔ اس زمانہ میں فرعون نے بنی اسرائیل پر سختیاں کر رکھی تھیں۔ بڑے سخت کام لیتا اور بیگار میں رکھتا تھا اور یہ عام حکم تھا کہ جو ان کے خاندان میں بیٹا پیدا ہو اس کو قتل کر ڈالو۔ لڑکی کو جیتی رہنے دو۔ کیونکہ اس کو بنی اسرائیل کی کثرت سے خوف تھا یہ اُن کو مٹانا چاہتا تھا۔ یہ لوگ اپنی مصیبت پر آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر آہ وزاری کرتے اور درد سے روتے تھے مگر اس موذی کو رحم نہ آتا تھا۔ خدائے ارحم الراحمین کو رحم آیا۔ اس نے اُس کے پنجے سے چھڑانے کے لئے بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ کو پیدا کیا۔ جب یہ پیدا ہوئے تو کئی مہینے تک ان کی والدہ ماجدہ نے ان کو چھپا کر رکھا جب دیکھا کہ راز فاش ہوا جاتا ہے کوئی دم میں فرعونی جلاد آتے اور اس معصوم بچے کو ذبح کرتے ہیں تو بالہام الٰہی یہ تدبیر سوچی کہ اس کو کسی صندوق میں کہ جس میں پانی اثر نہ کرے ڈال کر دریائے نیل میں چھوڑ دیجئے۔ جہاں اس کی تقدیر ہو گی چلا جائے گا۔ پس ایک صندوق میں چوطرفہ رال لگا کر اور خوب مضبوط کر کے اس چاند سی صورت کو چھپا دیا اور خدا کے نام پر دریا میں ڈال دیا۔ ڈال تو دیا مگر دل کا اللہ ہی مالک تھا۔ زار زار روتی اور یہ کہتی تھی سہ میروی و میرود جانم بتو + خوش بر و فاللہ خیرٌ حافظا۔ مگر اپنی بیٹی سے یہ کہہ دیا کہ کنارے کنارے تو بھی دیکھتی جا کر صندوق کہاں جاتا ہے۔ وہ صندوق کے ساتھ اس طرح جاتی تھی کہ کوئی نہ جانے کہ یہ اسی صندوق کے ساتھ ہے۔ وہ صندوق جب فرعون کے محل کے پاس بہہ کر آیا تو اس کی بیوی آسیہ نے، کہ جو بڑی خدا ترس اور پاکباز عورت تھی، دیکھا کہ ایک صندوق بہا چلا آتا ہے اُس کے ساتھ اُس کی بیٹی اور خواصیں بھی تھیں سب اس امر عجیب کے دریافت کی طالب ہوئیں حکم دیا کہ صندوق نکالا جاوے نکال کر کھولا گیا تو اس میں کیا دیکھتی ہیں کہ ایک چاند سی صورت کا بچہ بسور رہا ہے اور ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور انگوٹھے چوستا جاتا ہے، دیکھتے ہی سب کا دل بھر آیا۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ وہ

دشمن کے گھر میں پرورش کراتا ہے؟ فرعون کی بیٹی نے کہا اس کو بیٹا بنا لو اور ابا جان کو بھی اس کی خبر کر دو۔ فرعون کی بیوی نے بچہ دکھایا اور اپنا مطلب ظاہر کیا۔ مگر موذی نے کہا غالبًا یہ کسی کنعانی کا بچہ ہے ہمارے خوف سے دریا میں ڈال دیا ہے اس کو قتل کر ڈالو۔ فرعون کی بیوی اُوپر گر پڑی اور کہا کہ اس کو نہ مارو، اس کو بیٹا بنا لو۔ شاید یہ کسی وقت کام آئے۔ پھر موسیٰ کے لئے انا کی تلاش ہوئی دو ایک انائیں آئیں مگر موسیٰؑ نے کسی کا بھی دودھ نہ پیا۔ اُس کے رونے سے سب بے چین ہو گئے تب موسیٰؑ کی بہن نے جو فرعون کی بیوی اور بیٹی کے پاس جایا کرتی تھی یہ کہا کہ میں تم کو ایک ایسی انا بتاؤں کہ جو اس کو نہایت دردمندی اور خیر خواہی سے دودھ پلائے اور اپنے گھر میں لے جا کر پرورش کرے، انھوں نے کہا ہاں لا۔ ادھر موسیٰؑ کی ماں کا حال سُنئے کہ وہ موسیٰؑ کی ہر ایک چیز کو دیکھ کر زار زار روتی اور اس کی صورت یاد کر کے دل میں دھواں اُٹھتا تھا قریب تھا کہ چیخیں مار مار کر رو دیتے اور یہ راز کھل جائے مگر خدا تعالیٰ نے اُس کے دل کو صبر دیا اور وعدہ کیا کہ رنج نہ کر ہم اُس کو پھر تیرے پاس پہنچا دیں گے۔ اتنے میں پھر بیٹی دوڑی آئی کہ اماں جان مبارک ہو، بھائی کو فرعون کی بیوی نے بیٹا بنا لیا، چلو تم کو دودھ پلانے کو بُلاتے ہیں وہ خوشی کے مارے جامہ میں نہ سماتی تھی۔ وہاں جا کر بیٹے کو دیکھ کر دل بے تاب قابو سے نکل چلا تھا مگر سنبھالا اور اس کو دودھ پلایا فرعون کی بیوی نے ان کی تنخواہ اور مصارف پرورش مقرر کر کے موسیٰؑ کو دیدیا۔ پس ایک مدت موسیٰؑ ایوان شاہی میں پرورش پاتے اور شہزادے کہلاتے رہے جب موسیٰؑ خوب جوان ہو گئے تو فرعون کی زیادتیوں اور اپنی قوم کی پریشانی دیکھ کر نہایت غمگین رہتے تھے آخر ش ایک روز بازار میں ایک قبطی کسی بنی اسرائیل کو کار بیگار پر سخت مار رہا تھا اُس نے موسیٰؑ کو سامنے سے آتا دیکھ کر پکارا اور دُہائی دی موسیٰؑ نے کہا ارے کیوں مارتا ہے اس پر اُس نے نہ مانا تو موسیٰؑ نے اس کو

مُکا مار دہ اتفاقاً مرگیا موسےٰؑ اور اس اسرائیلی نے اس کو ریتے میں دبادیا۔ اگلے روز حسب اتفاق جب موسیٰؑ بازار میں گئے تو اُسی اسرائیلی کو پھر کسی قبطی سے لڑتے دیکھا پھر اُسی نے موسیٰؑ کو دیکھ کر چلّاتا اور دُہائی دینا شروع کیے اس پر موسیٰؑ نے خفا ہو کر فرمایا کہ تو بڑا بیہودہ ہے اور اس کے دشمن کو ہٹانے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ یہ احمق اسرائیلی یہ سمجھ کر کہ مجھے مارتے ہیں موسےٰؑ سے کہنے لگا لو صاحب جس طرح کل ایک شخص کو قتل کر چکے ہیں آج اُسی طرح مجھ کو بھی مارا چاہتے ہیں۔ لے موسیٰؑ! تو بڑا سرکش اور مفسد ہوا چاہتا ہے اس سے وہ راز فاش ہوگیا۔ آخر فرعون کے دربار میں بھی خبر پہنچی کہ لیجئے وہ موسیٰؑ کہ جس کو تم نے فرزند بنایا ہے آخر اپنی قوم کا حامی بنا اور ہمارے ایک آدمی کو مارڈالا۔ ہر چند بعض وجوہ سے فرعون پہلے ہی سے موسیٰؑ سے بدگمان تھا مگر اب تو جوش میں آکر قتل کا حکم دیدیا۔ کسی نے موسیٰؑ کو بھی اس راز سے مطلع کیا۔ موسیٰؑ اوّل ہی قتل سے ہراساں تھے اب تو بہت ڈر گئے اور مصر سے مشرق کی طرف بھاگ کر چلے گئے۔ بحرِ قلزم کے پاس مدین ایک شہر تھا وہاں پہنچے بھوکے پیاسے ایک درخت کے سایہ میں بیٹھے ہوئے یہ کہہ رہے تھے کہ الٰہی میں تیرا بندہ فقیر ہوں کچھ مجھ کو عطا کر۔ وہاں ایک کنواں تھا۔ دیکھا کہ چرواہے چرس کھینچ کر اپنی بکریوں اور جانوروں کو پانی پلاتے ہیں اور دو لڑکیاں آنکھیں نیچی کئے کھڑی ہیں۔ اُن سے موسیٰؑ نے پوچھا تم کیوں نہیں پلاتیں؟ وہ بولیں کہ ہمارے والد بوڑھے ہیں ہم سے چرس کھینچ نہیں سکتا۔ جب یہ پلا کر چلے جاتے ہیں تو بچا بچایا پانی ہم بھی اپنی بکریوں کو پلا لیتے ہیں۔ موسیٰؑ کو رحم آیا۔ بفضل الٰہی شہ زور جوان تھے جس ڈول کو کئی شخص مل کر کھینچتے تھے اکیلے نے کھینچ کر اُن کی بکریوں کو پانی پلا دیا اور پھر نیچی نگاہ کرکے درخت کے سایہ میں آبیٹھے۔ اُن لڑکیوں نے جا کر اپنے بوڑھے باپ حضرت شعیب علیہ السلام سے موسیٰؑ کا حال بیان کیا۔ اُس نے اپنی

ایک بیٹی کو بھیجا کہ جاؤ اُس مسافر کو بُلا لاؤ۔ وہ آئی اور نہایت شرم سے یہ کہا کہ چلئے آپ کو ہمارے ابّا جان بُلاتے ہیں تاکہ آپ کو اس پانی پلانے کا بدلہ دیں۔ موسیٰؑ وہاں پہنچے اور سب قصہ بیان فرمایا۔ اُنھوں نے سن کر فرمایا بیٹا کچھ خوف نہ کر تو ظالموں کے پنجہ سے بچ گیا۔ ان میں سے ایک بولی کہ ابّا جان! آپ ان کو نوکر رکھ لیں کس لئے کہ آپ کو قوی اور امانتدار آدمی درکار ہے شعیبؑ نے (کہ جس کو یترو[1] بھی کہتے ہیں) کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں میں سے ایک کا تمہارے ساتھ نکاح کر دوں بشرطیکہ تم ہمارے ہاں آٹھ برس تک رہو اور دس پورے کر دو تو تمہاری مہربانی اور خدا نے چاہے تو میں تم کو کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ تم مجھ کو بہت اچھا پاؤ گے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ بہتر مگر جب میں ان دو مدتوں میں سے کوئی پوری کر دوں تو پھر مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ جو کچھ میں کہتا ہوں خدا اس کا گواہ ہے۔ آخر موسیٰؑ کا ان میں سے ایک کے ساتھ کہ جس کا نام صفورا تھا نکاح ہوگیا اور مدت مقررہ تک اپنے خسر کی بکریاں چراتے رہے اس عرصہ میں اُن کے ایک بیٹا بھی پیدا ہوا کہ جس کا نام جیر سوم تھا ایک بار موسیٰؑ کو وطن کا خیال آیا اپنی بیوی اور بیٹے کو لے کر چلے سردی کا موسم تھا شب میں بیوی کو سردی معلوم ہوئی۔ موسیٰؑ نے کوہ طور[2] کی طرف آگ کا شعلہ سا دیکھا موسیٰؑ نے بیوی سے کہا تم یہاں ٹھیرو میں جا کر آگ لاتا ہوں۔ جب وہاں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت آگ کا شعلہ بن رہا ہے مگر جلتا نہیں۔ (اس پر خدا تعالیٰ کی تجلّی تھی وہ درحقیقت آگ نہ تھی) جب موسیٰؑ اُس کے پاس آئے تو اُس پاک درخت میں سے یہ آواز آئی کہ جو اس آگ کے پاس اور جو اس کے اندر ہے

[1] عبرانی محاورہ ہے۔ [2] یہ جگہ کہ جہاں حضرت موسیٰؑ آکر رہے تھے ملک عرب کے شمالی و مغربی کنارے میں واقع ہے کیونکہ ملک عرب و مصر کے بیچ میں بحیرہ قلزم فاصل ہے اُس کے مشرق کی جانب عرب کا پرلا کنارہ ملک مصر ہے اور عرب ہی میں ملک مدین اور کوہ طور اور کوہ حورب ہے چنانچہ جب مصر سے موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو ادھر سے گزرے تھے۔ منہ

وہ مبارک ہے۔ اے موسیٰؑ! میں اللہ رب العالمین ہوں۔ میں تیرا خدا ہوں۔ تو جوتا اُتار دے کس لئے کہ یہ جگہ مقدس ہے (درخت نہیں بولا تھا اور نہ وہ آواز حروف و صوت کے ساتھ تھی دراصل وہ تجلی ذاتی ہو کر اُس حالت میں موسیٰؑ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے)۔ اے موسیٰؑ! میں نے بنی اسرائیل کی آواز دردناک سُنی اور ان کی آہ وزاری پر مجھ کو رحم آیا تو ان کے پاس جا اور فرعون سے کہہ تو اِن کو ان کے ملک جانے دے۔ موسیٰؑ نے کہا الٰہی! میری کون سنے گا۔ فرعون مجھ کو کب ماننے گا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا تیرے داہنے ہاتھ میں یہ کیا ہے؟ عرض کیا میرا عصا ہے۔ جس سے میں بکریاں ہانکتا ہوں اور بہت سے کام لیتا ہوں۔ فرمایا اس کو زمین پر تو ڈال۔ موسیٰؑ نے ڈال دیا۔ ڈالتے ہی سانپ بن کر پھن پھنانے لگا۔ موسیٰؑ ڈر کے بھاگے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ مت ڈر تجھ کو اس سے کچھ خوف نہیں۔ رسول میرے پاس خوف نہیں کھاتے تو اس کو پکڑ لے۔ موسیٰؑ نے ہاتھ لگایا وہ وہیں عصا بن گیا۔ پھر فرمایا اپنا ہاتھ کُرتے کے گریبان میں ڈال کر باہر کو لا۔ وہ باہر لاتے تو نہایت سفید ف اور روشن ہو کر چمکنے لگا۔ کہا پھر اس کو گریبان میں ڈال۔ ڈال کر نکالا تو پھر اصلی حالت پر آ گیا۔ خدا نے فرمایا جا میں نے تجھ کو یہ دو معجزے دیئے۔ تو فرعون اور بنی اسرائیل کو دکھائیو تاکہ وہ تیری تصدیق کریں۔ پھر موسیٰؑ نے عرض کیا۔ الٰہی مجھ سے ایک فرعونی مارا گیا میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھ کو اُس کے قصاص میں نہ مار ڈالیں۔ دوم میری زبان میں لکنت ہے میں اچھی طرح بات نہیں کر سکتا۔ میرے ساتھ میرے بھائی ہارونؑ کو مقرر کر وہ مجھ سے فصیح ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا تیرے بھائی کو تیرا قوتِ بازو بنائیں گے اور ہم تم کو غلبہ دیں گے تمہارے پاس کوئی آنے نہیں پاوے گا۔ جاؤ تم کو اور تمہارے تابعداروں کو میں غالب کروں گا۔ وہاں سے موسیٰؑ چلے۔ رستہ میں اُن کے بھائی ہارونؑ جو اُن کی پیشوائی کو گھر سے

ف ید بیضا اسی کو کہتے ہیں جو حضرت موسیٰؑ کے پاس تھا۔ منہ

نکلے ملے۔ پھر بنی اسرائیل کو موسیٰؑ نے یہ دونوں معجزے دکھائے خدا تعالیٰ کا پیغام بشارت الئیام سُنایا۔ سب سُن کر سجدے میں گر پڑے، نہایت خوش ہوئے۔ پھر حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ بڑی کوشش کر کے فرعون کے پاس گئے اور کہا ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغام لائے ہیں۔ آپ ماننے اور خداوند عالم سے ڈر کر راہِ راست پر آئیے اور بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دیجئے، ان بے کسوں کو تکلیف نہ دیجئے۔ فرعون نے کہا خداوند عالم کون ہے؟ میں اس کو نہیں جانتا۔ موسیٰؑ نے کہا وہ ہے کہ جس نے آسمان و زمین ہر چیز کو پیدا کیا۔ فرعون کو تعجب ہوا اور اپنے درباریوں سے کہا ذرا اپنے رسول کی بات تو سُنئے کیا محال بات کہتے ہیں۔ اس پر موسیٰؑ نے فرمایا بلکہ تم سب کا اور تمہارے سب باپ دادوں کا رب ہے۔ یہ سُن کر فرعون نے کہا یہ دیوانہ ہے۔ اس پر موسیٰؑ نے کہا بلکہ مشرق اور مغرب اور اُن کے درمیان جو کچھ ہے سب کا رب ہے۔ اس پر فرعون نے نہایت ناراض ہو کر یہ کہا کہ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو خدا کہا تو حبس دوام کر دوں گا اور درباریوں سے کہا کہ دیکھو میرے سوائے اور بھی کوئی تمہارا خدا ہے؟ اے ہامان پکی اینٹوں کا ایک بڑا اونچا برج بنا میں اُس پر چڑھ کر موسیٰؑ کے خدا کو دیکھوں گا کہ وہ کہاں؟ اور میں تو اس کو سرے سے جھوٹا اور جادو کا مارا ہوا ہی جانتا ہوں۔ پھر موسیٰؑ کی طرف متوجہ ہو کر یہ کہنے لگا کہ تو وہی ہے تا کہ جو مدت تک میری روٹیاں کھا کر بڑا ہوا اور میرے ہاں رہا اور پھر وہ کام کر کے یہاں سے بھاگا کہ جس کو تو خود جانتا ہے۔ میں تجھ پر اے ذلیل ایمان لاؤں اور تیری قوم ہمیشہ سے ہماری غلامی کرتی رہی ہے۔ موسیٰؑ نے کہا یہ کیا احسان جتلاتے ہو کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ خیر اچھا اگر میں آپ کو کوئی معجزہ دکھاؤں تب بھی آپ تصدیق کریں گے۔ اُس نے کہا وہ معجزہ کیا ہے؟ موسیٰؑ نے عصا کو زمین پر ڈال دیا۔ پھر وہ اژدہا بن کر فرعون کی طرف لپکا۔ فرعون اور تمام ارکانِ دولت پریشان ہو کر بھاگنے لگے۔ موسیٰؑ نے اس کو پکڑ لیا پھر وہ عصا ہو گیا۔ فرعون اور اُس کے مصاحب پھر بدستور بیٹھے تو موسیٰؑ نے ہاتھ کو گریبان

میں ڈال کر نکالا تو آفتاب کی طرح چمکنے لگا پھر ڈالا تو بدستور سابق ہوگیا۔ یہ دیکھ کر فرعون نے اپنے اہلکاروں اور امیروں سے مخاطب ہوکر کہا یہ بڑا جادوگر ہے اس حیلہ سے چاہتا ہے کہ تم کو اس ملک سے باہر کردے۔ تمہاری کیا صلاح ہے۔ انہوں نے کہا آپ بھی اپنے ملک کے بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کیجئے اور ایک روز مقرر کرکے مقابلہ کرا دیجئے اور ان کو بھی ایسا ہی کرشمہ دکھا دیجئے۔ تب فرعون نے ہر ایک شہر میں اشتہار بھیجدیا اور جادوگروں کو بلایا وہ سب روز مقررہ پر جمع ہوئے اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ بھی مقابلہ میں آئے اور ایک خلق خدا تماشائیوں کی جمع ہوئی۔ جادوگروں نے فرعون سے عرض کیا کہ اگر ہم غالب آجائیں تو آپ ہم کو کیا انعام دیں گے؟ اُس نے کہا تم کو اپنا مقرب بناؤں گا تب جادوگروں نے موسیٰؑ سے کہا آپ پہلے کرشمہ دکھائیے گا یا ہم دکھائیں۔ موسیٰؑ نے کہا پہلے تم ہی کچھ دکھاؤ۔ جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں اور جو کچھ اسباب طلسم تھا فرعون کا نام لے کر زمین پر ڈال دیا۔ ہر طرف سے سانپ ہی سانپ دکھائی دینے لگے ف حضرت موسیٰؑ بھی جھجکے۔ خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کو وحی کی کہ کیا دیکھتا ہے تو بھی اپنے عصا کو ڈال دے وہ ڈالتے ہی اژدہا بن گیا اور اُن کے سانپوں کو لقمہ کرگیا۔ تمام تماشائی اور فرعون ڈر کے مارے تھرا گئے اور ایک غل مچ گیا۔ موسیٰؑ نے اس کو پکڑ لیا وہ پھر عصا ہوگیا۔ جادوگروں نے جب دیکھا کہ یہ کام جادو کی طاقت سے بڑھ کر ہے، وہ خدا سے دل میں ڈر گئے اور سجدہ میں زمین پر گر گئے اور کہنے لگے ہم رب العالمین پر کہ جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے ایمان لائے۔ فرعون کو اس معاملہ سے بڑی خجالت ہوئی غصہ میں آکر جادوگروں سے کہا تم میری اجازت سے پیشتر کیوں ایمان لائے؟ بیشک یہ (موسیٰؑ) جادو میں تمہارا استاد ہے تم نے باہم اتفاق کرکے یہ مکر بنایا ہے تاکہ یہاں کے باشندوں کو باہر نکال دو۔ اب دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں۔ تمہارا ایک طرف کا ہاتھ دوسری طرف کا پاؤں کاٹ کر درختوں پر لٹکاتا ہوں تاکہ تم کو معلوم ہو کہ ہم میں سے کون زیادہ اور دائمی عذاب کرسکتا ہے۔ وہ بولے کچھ پروا نہیں آخر ہم کو اس کے پاس جانا ہے ہم اُمید کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اس وجہ سے کہ سب سے پہلے ہم ایمان لائے گناہ معاف کرے گا اور ہم تجھ کو اس سے کہ جس نے ہم کو پیدا کیا اور جس نے ہم کو اپنی نشانیاں دکھائیں عزیز نہیں جانتے ہیں۔ فرعون نے ان ایمانداروں کو بڑی تکلیف سے قتل کیا مگر وہ بڑی ثابت قدمی سے اپنے ایمان پر قائم رہے اور یہ دعا کرتے تھے الٰہی ہم کو صبر دے اور ایمان سے ہمارا خاتمہ کیجو۔ اس کے بعد فرعون نے غصہ میں آکر اور بھی بنی اسرائیل کو تکلیفیں دینی شروع کیں پہلے تو اینٹوں کے لئے بھُس بھی ملتا تھا اب تو یہ بھی موقوف کیا اور کہا جاؤ تم خود کہیں سے بھُس تلاش کرکے لاؤ اور اسی قدر اینٹیں بناکر دو۔ بنی اسرائیل نے موسیٰؑ سے کہا اے موسیٰؑ! ہم کو تیرے آنے سے پیشتر ہی بہت کچھ ایذا میں دی جاتی تھیں اب تو اور بھی مصیبت میں پڑ گئے۔ موسیٰؑ نے فرمایا صبر کرو ملک اللہ کا ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور انجام کار خدا ترس فلاح پاتے ہیں۔ عنقریب تمہارا رب تم کو وہ زمین عطا کرے گا کہ جس میں برکت ہے اور طرح طرح کے میوے ہیں۔ موسیٰؑ نے پھر فرعون سے کہا کہ دیکھ بنی اسرائیل کو جانے دے اور ان کو تکلیف نہ دے ورنہ خدا تعالیٰ مصر کے پانی کو خون کردے گا۔ تو اور تیری رعیت بڑی تکلیف پائے گی۔ اُس نے نہ مانا اور موسیٰؑ نے ہارونؑ سے فرمایا کہ دریائے نیل پر اور ہر ایک نہر اور تالاب پر عصا مار۔ انہوں نے مارا تو وہ سب پانی خون ہوگیا اور دریا کے

ف رسیوں اور عصا کا سانپ بن جانا اور لہرانا خلاف عقل بات معلوم ہوتی ہے مگر ہزارہا اسرار قدرت ایسے ہیں کہ جن کے اسباب خفیہ تک عقول عام کو رسائی نہیں اس لئے حیرت خیز معلوم ہوتے ہیں انکار کی کوئی بات نہیں لطف یہ ہے کہ جیسا ساحروں کا فعل تھا اُن کے مقابلہ میں اسی قسم کا مگر ان سے بڑھ کر قوت روحانیہ سے حضرت موسیٰؑ نے کام کیا اور یہ حق و باطل میں امتیاز کرنے کی غرض سے تھا۔ منہ

مچھلیاں مرگئیں اور سات روز تک یہی تکلیف رہی مگر اس سنگدل پر اثر نہ ہوا اور اس کے بعد پھر بحکم خدا تو موسیٰؑ نے فرعون کو پیغام بھیجا کہ دیکھ اب بھی بنی اسرائیل کو چھوڑ دے خدا تو پر ایمان لا ورنہ خدا مینڈکوں کی مصیبت تم پر بھیجے گا۔ اس نے اس کو بھی نہ مانا تو موسیٰؑ نے ہارونؑ سے کہا کہ دریا اور نہروں اور تالابوں پر اپنا عصا مار۔ انھوں نے مارا تو بے شمار مینڈک چڑھ آئے اور مصر کی زمین چھپا دی۔ کھانے، پانی، بستر پر ہر جگہ مینڈک ہی مینڈک دکھائی دیتے تھے۔ فرعون نے تنگ ہو کر موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بلا کر منت کی کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اس بلا کو دفع کرے۔ اگر ایسا ہوا تو میں بنی اسرائیل کو جانے دوں گا اور خدا تو پر ایمان لاؤں گا۔ پس موسیٰؑ نے دعا کی وہ سب مرگئے اور ان کے تودے لگا دیئے گئے۔ اور زمین سڑ گئی۔ جب فرعون کو مہلت ملی تو پھر برگشتہ ہو گیا۔ تب موسیٰؑ نے بحکم خدا ہارونؑ سے فرمایا کہ اپنا عصا زمین پر مار۔ انھوں نے مارا تمام جگہ جوئیں ہی جوئیں ہو گئیں۔ سب لوگ عاجز آگئے مگر اس سنگدل نے پھر بھی نہ مانا۔ پھر خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کو وحی کی کہ کل صبح فرعون دریا پر آئے گا تو رستہ میں اس سے مل کر یہ کہہ کہ خدا فرماتا ہے میرے بندوں کو چھوڑ دے ورنہ میں تیرے ملک پر مچھروں کو مسلط کروں گا اور سوائے زمینِ **جشن** کے کہ جہاں بنی اسرائیل رہتے ہیں سب تکلیف پائیں گے۔ اس نے نہ مانا اور خدا تعالیٰ نے یونہی کیا۔ جس سے فرعون اور اس کے گھر والے اور تمام اہل مصر چیخ اٹھے۔ تب فرعون نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بلا کر کہا کہ اچھا باہر جا کر کیا کرو گے جس لئے تم باہر جانا چاہتے ہو یعنی قربانی سو تم اپنے خدا کے لئے یہیں کرلو۔ موسیٰؑ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ کس لئے کہ اہل مصر گائے اور بیل کو پوجتے ہیں اگر ہم اسی جگہ ان کی اپنے خدا کے لئے قربانی کریں گے تو وہ ہم پر پتھراؤ کر ڈالیں گے ہم تین دن کی راہ بیابان میں جا کر جس طرح خدا تعالیٰ فرماتا ہے قربانی کریں گے۔ تب فرعون نے کہا اچھا یونہی سہی، مگر بہت دور نہ جانا اور میرے لئے اپنے خدا تو سے دعا کرو کہ وہ اس بلا کو ٹلے۔ موسیٰؑ نے دعا کی وہ سب دفع ہو گئے۔ فرعون مہلت پا کر پھر پھر گیا۔ موسیٰؑ نے بحکم الٰہی پھر فرعون سے درخواست کی اور کہا اگر نہ مانے گا تو خدا تعالیٰ تمہارے مواشی میں موت بھیجے گا۔ چنانچہ اس نے نہ مانا تو خدا تو نے ایسی مری بھیجی کہ مصریوں کے تمام جانور مرگئے۔ گھوڑا گدھا اونٹ بیل کچھ نہ بچا۔ مگر بنی اسرائیل کا ایک جانور بھی نہ مرا۔ اس پر بھی فرعون نے نہ مانا۔ پھر خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ بھٹی کی تھوڑی راکھ لے کر آسمان کی طرف اڑا دو۔ انھوں نے اڑا دی جس سے ملکِ مصر میں تمام آدمیوں اور جانوروں کے بدن پر پھوڑے پھنسیاں اس کثرت سے پیدا ہوئیں کہ الامان مگر پھر بھی فرعون نے نہ مانا۔ پھر خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کو فرمایا کہ فرعون سے جا کر کہہ وہ تجھے رستہ میں ملے گا کہ بنی اسرائیل کا خدا تو تجھ کو فرماتا ہے کہ تو ایمان لا اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دے ورنہ میں سخت وبا بھیجوں گا اب تک تو اپنے تکبر سے باز نہیں آتا۔ دیکھ کل میں بڑے بڑے اولے برساؤں گا کہ آج تک ابتداء مصر سے کبھی نہیں برسے۔ اے موسیٰؑ! تو اپنے لوگوں کو خبر کر دے کہ میدان میں جو کچھ ان کا مال اور جانور ہیں ان کو گھر میں لے آئیں۔ پس وہ لائے اور فرعون کے نوکروں میں سے جو خدا تو سے ڈرتے تھے وہ بھی لائے۔ پھر موسیٰؑ نے بحکم الٰہی اپنا عصا آسمان کی طرف اٹھایا تو ابر نمودار ہوا اور ہیبتناک کڑک اور بجلی نمودار ہوئی اور ایسے بڑے بڑے اولے پڑے کہ جس سے چرند و پرند انسان حیوان درخت اور کھیتی سب کا ستیاناس ہو گیا مگر جشن میں اولے نہ پڑے۔ تب فرعون نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بلا کر کہا بیشک میں نے گناہ کیا۔ خدا عادل ہے۔ تم دعا کرو کہ پھر اس طرح نہ گرجے نہ اولے برسیں۔ تب میں تمہیں جانے دوں گا۔ پس موسیٰؑ نے دعا کی وہ بلا دفع ہو گئی مگر فرعون سرکش ہو گیا۔ پھر خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کہا کہ فرعون کو کہہ کہ دیکھ اب بھی باز آ۔ اور میرے بندوں کو جانے دے اور میرے آگے عاجزی کر ورنہ میں تمام مملکتِ مصر میں ٹڈیاں بھیجوں گا کہ جو کچھ اولوں سے باقی رہ گیا ہے اس کو بھی چاٹ جائیں گی جب وہ یہ کہہ کر وہاں سے نکلے تو قال رجل مؤمن من آل فرعون فرعون کی قوم

اور نوکروں میں سے بعض لوگوں نے فرعون کو سمجھایا کہ جانے دیجئے دیکھئے مصر اُجڑ گیا۔ بالخصوص ایک دیندار نے کہ جو اپنا ایمان مخفی رکھتا تھا یہ کہا کہ تم ایسے شخص کو (کہ جس کے بہت سے معجزات دیکھ چکے ہو) اس گناہ پر قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ خدا کو اپنا رب کہتا ہے۔ صاحبو! اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا وبال اُسی پر پڑے گا ورنہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بلا تم پر نازل ہوگی اور آج تم کو خدا نے ملک اور زور دے رکھا ہے اگر تم پر کوئی عذاب نازل ہو گیا تو مجھ کو کوئی اُس کا رفع کرنے والا بھی نہیں دکھائی دیتا۔ فرعون نے کہا جو کچھ میری رائے میں آتا ہے وہی صواب ہے اور میں تم کو بھلائی کا رستہ بتاتا ہوں۔ اُس دیندار نے کہا کہ مجھ کو تو اس قوم کی بربادی دکھلائی دے رہی ہے جس طرح کہ عاد و ثمود اور قوم نوح وغیرہم تباہ ہو گئے تم بھی برباد ہو گے اور خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا اور مجھ کو ایک شدنی بربادی کا خوف ہے جس دن کہ تم پسپا ہو کر بھاگو گے۔ پھر کوئی خدا کے ہاتھ سے بچانے والا نہیں اور تمہاری سمجھ میں میری نصیحت نہیں آتی کس لئے کہ جن کو خدا برباد کرنا چاہتا ہے تو پھر ان کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح فرعون کی بیوی دیندار فرعون کی حرکات سے نالاں تھی آخر اُس نے دعا کی کہ الٰہی مجھ کو فرعون اور اس کی تکلیف سے نجات دے اور اپنے پاس بُلا کر جنت میں رکھ۔ چنانچہ خدا نے اُس کی دُعا قبول کی۔ القصہ فرعون نے کہا کہ اچھا مرد چلے جائیں اور جا کر قربانیاں کریں اور سب کچھ یہیں رہے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا یوں نہیں بلکہ سب کچھ لے کر جائیں گے اس پر فرعون خفا ہوا اور دھکے دے کر موسیٰؑ اور ہارونؑ کو دربار سے نکلوا دیا۔ تب موسیٰؑ نے بحکم خدا اپنا عصا اُٹھایا تو خدا نے تمام دن اور تمام رات پُروا آندھی چلائی اگلے روز صبح ہوتے ہی بے شمار ٹڈیاں آئیں اور تمام روئے زمین کو ڈھانک لیا اور تمام ملک مصر میں کسی درخت پر اور میدان کی گھاس میں سبزی نہ چھوڑی۔ تب فرعون نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو جلد بُلایا اور کہا میں تمہارے خدا کا اور تمہارا گنہگار ہوں سو میں منت کرتا ہوں کہ اس مرتبہ میرا گناہ بخشوا دو اور اپنے خدا سے دعا کرو کہ اس بلا کی سے نجات دے۔ تب موسیٰؑ نے دعا کی اور تمام ملک میں ایک ٹڈی نہ رہی لیکن فرعون پھر سرکش ہو گیا۔ پھر خدا نے موسیٰؑ سے کہا کہ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف لمبا کر تاکہ ملک مصر میں تاریکی ہو۔ ایسی تاریکی کہ ایک کو دوسرا نظر نہ آئے۔ چنانچہ موسیٰؑ نے ایسا کیا اور تین روز تک روئے زمین پر سخت اندھیرا رہا۔ تب فرعون نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بلا کر کہا کہ تم اور تمہارے بچے جاویں اور بکرے اور گائے بھینس سب یہیں رہیں۔ موسیٰؑ نے کہا یہ منظور نہیں بلکہ ایک جانور بھی یہاں نہ چھوڑا جائے گا۔ اس پر فرعون بہت خفا ہوا اور کہا میرے سامنے سے چلا جا پھر کبھی مجھے مُنہ نہ دکھانا ورنہ مارا جائے گا۔ موسیٰؑ نے کہا بہتر اب میں تیرا مُنہ نہ دیکھوں گا۔

پھر خدا تعالیٰ سے موسیٰؑ نے عرض کیا الٰہ العالمین آپ نے تو فرعون اور اس کی قوم کو وہ مال و زینت دنیا میں دے رکھی ہے کہ جس سے وہ اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے الٰہی ان کے مال کو تباہ کر دے اور ان کے دلوں پر سخت صدمہ پہنچا یہ بغیر اس بات کے کہ کوئی عذاب الیم دیکھیں ہرگز ایمان نہ لاویں گے۔ خدا نے فرمایا تمہاری دعا مقبول ہوئی۔ اس نے بہت سے معجزے دیکھے اور ایمان نہ لایا۔ دیکھ میں اب اُن پر ایک ایسی بلا نازل کرتا ہوں کہ جس سے کلیجہ تمام کررہ جائیں اور اس کے بعد خود بخود تمہیں یہاں سے نکالیں گے مگر تم اس مہینے کی دسویں تاریخ اپنے گھروں کو قبلہ[1] بناؤ اور فی گھر ایک بکرا بے عیب کہ چودھویں تک رکھ چھوڑنا

[1] واجعلوا بیوتکم قبلۃ کے معنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اس کے یہی معنے کرتے ہیں کہ کیمدوں کے خون سے دروازوں کو رنگ دو۔ جیسا کہ توراۃ میں ہے۔ اس تقدیر پر قبلہ کے معنی علامت کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اپنے گھر کو ایک دوسرے کے آمنے سامنے قائم کر دو تاکہ خدا پرستوں کی جماعت کی یکجہتی معلوم ہو بعض کہتے ہیں اس تاریخ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو کس لئے کہ باہر نکل کر مجتمع ہو کر عبادت کرنے میں فرعونیوں کی ایذا کا اندیشہ ہے واللہ اعلم۔

اور شام کو اُس کو ذبح کر کے خدا کے نام پر بھون کر کھا جانا یہ تمہاری عبادت اور عیدِ فسح ہے اور اس بکرے کے خون سے دروازوں پر نشان کر دیجیو اور اس سے بیشتر ہر ایک شخص اور ہر ایک عورت اپنے ہمسایہ سے چاندی اور سونے کے برتن اور زیور عاریتہً لیوے اور میں مصریوں کی آنکھوں میں تمہیں عزیز کروں گا۔ وہ تمہیں دیویں گے پس اس رات کو خدا تعالےٰ کا فرشتہ مصر میں گزرے گا۔ جس کا گھر قبلہ نہ ہوگا یعنی عیدِ فسح کا نشانِ خون نہ ہوگا اُس گھر میں ہر ایک انسان اور حیوان کا پہلوٹھا مرے گا۔ چنانچہ سب بنی اسرائیل نے ایسا کیا اور آدھی رات کو خدا تعالیٰ کا فرشتہ ملک الموت مصر میں آیا۔ جس سے امیر سے لے کر فقیر اور انسان سے لے کر حیوان تک سب کا پہلا بچہ مر گیا۔ اور مصر میں گھر گھر ایک سخت ماتم برپا ہو گیا کہ نہ ایسا کبھی ہوا تھا اور نہ ہوگا۔ تب فرعون نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو رات ہی کو بلایا اور کہا کہ اُٹھو اور میرے لوگوں میں سے نکل جاؤ اور تمام بنی اسرائیل جائیں اور اپنے گلے اور مواشی بھی لے جائیں اور اپنے خدا کی قربانیاں کریں اور میرے لئے بھی برکت چاہیں اور مصری یہ سمجھ کر کہ یہ یہاں سے نہ جاویں گے تو ہم سب مر جائیں گے ان لوگوں کے نکالنے میں بڑی سختی کرتے تھے۔ اس لئے ان لوگوں نے آٹا گندھا ہوا پیشتر اس سے کہ وہ خمیر ہو آٹے کو لگنوں سمیت کپڑوں میں باندھ کر اپنے کاندھوں پر اُٹھا لیا۔

## فصل ۲

اور یوسف علیہ السلام کی ہڈیوں کو بھی ساتھ لیا کیونکہ اُنہوں نے تاکید کر دی تھی کہ میری ہڈیوں کو بھی ساتھ لے جانا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کی اسی^۸۰ اور ان کے بھائی ہارونؑ کی تراسی^۸۳ برس کی عمر ہے۔ پس بنی اسرائیل نے رعمسیس[۱] سے سکات تک اوّل منزل کی اور سید ھا رستہ فلسطین کا کہ جو شرق و شمال کی طرف سے تھا چھوڑ دیا اور قلزم کی طرف مشرق کے رُخ بیابانوں میں پڑ گئے۔ بنی اسرائیل مرد و زن کئی لاکھ آدمی تھے۔ پھر سکات سے روانہ ہوئے اور ایتام میں اُتر پڑے اور وہاں سے کوچ کر کے فی ہخیروت میں بعل صفون کے مقابل کہ جو بحرِ قلزم پر واقع تھا مقام کیا اس میں شاہِ مصر کو خبر دی گئی کہ وہ لوگ بھاگ گئے تب اس نے اپنی گاڑیاں جو تمیں جو چھ سو تھیں اور مصر کی عمدہ گاڑیاں لیں اور ان پر سرداروں کو بٹھایا اور لشکر پیادہ و سوار بیشمار لے کر اُن کے پیچھے دوڑا اور بنی اسرائیل کو خیمے کھڑے کرتے ہوئے جا لیا۔ جب بنی اسرائیل نے دیکھا تو بڑے ہراساں ہوئے اور موسیٰؑ سے کہا کیا مصر میں قبروں کی جگہ نہ تھی کہ تو وہاں سے ہم کو بیابان میں مرنے کے لئے لایا۔ موسیٰؑ نے کہا خوف نہ کرو خدا تمہارے ساتھ ہے۔ تب خداوند نے کہا اے موسیٰؑ! تو کیوں میرے آگے نالہ کرتا ہے؟ بنی اسرائیل سے کہہ کہ وہ آگے چلیں۔ تو اپنا عصا اُٹھا اور دریا پر مار اور اس کو دو حصہ کر بنی اسرائیل دریا کے بیچوں بیچ میں سے سوکھی زمین پر ہو کر گزر جائیں گے اور فرعون کے لشکر اور بنی اسرائیل میں خدا تعالیٰ نے ایک بدلی بھیجی کہ جس سے اندھیری ہو گئی ایک لشکر دوسرے کے نزدیک نہ آیا۔ اور موسیٰؑ نے جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کیا اور دریائے قلزم کے دو حصے ہو گئے اور بنی اسرائیل دریائے قلزم کے بیچ سے سوکھی زمین پر ہو کر گزر گئے اور پانی کی اُن کے بائیں اور دائیں بڑی دیوار تھی اور فرعون اور اس کا لشکر پیادہ اور سوار پیچھا کئے ہوئے دریا کے بیچوں بیچ تک آ گئے اور خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کہا کہ پھر دریا پر اپنا عصا مار۔ اُنہوں نے مارا تو دریا پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا اور پانی نے سب کو چھپا لیا اور سب ڈوب مرے (توراۃ) ڈوبتے میں فرعون نے کہا میں خدائے بنی اسرائیل پر ایمان لایا (فرشتہ نے کہا اب ایمان لاتا ہے) فرعون اور اس کے لشکر کی لاش بحرِ قلزم کے کنارہ پر بنی اسرائیل نے دیکھی۔

[۱] یہ قدیم شہر تھا کہ جہاں بنی اسرائیل اور فرعون رہتے تھے آج کل یہ برباد ہے کچھ نشان باقی ہیں۔ منہ

## واضح ہو

کہ ملک مصر اور عرب کے بیچ میں سمندر کی ایک شاخ سی ہے جس کو بحیرۂ قلزم کہتے ہیں اس کے مشرق کی طرف جو ملک ہے اُس کو عرب کہتے ہیں اور جو مغرب کی طرف ہے اس کو مصر اور افریقہ کہتے ہیں یہ شاخ شمال کی طرف دُور تک چلی گئی ہے جدّہ اور مکہ اور ینبوع وغیرہ بندر اسی کے مشرقی کنارہ پر ہیں۔ آخر میں جاکر پھر اس کی دو شاخیں ہو گئی ہیں ایک مغرب کی طرف جُھک گئی ہے اور وہ لمبی ہے اور اس کے آخر پر سویز اور اسکندریہ وغیرہ شہر آباد ہیں۔ دوسری شاخ مشرق کی طرف مائل ہے وہ چھوٹی ہے بڑی شاخ کو کھود کر شمال کی طرف جو ایک اور سمندر ہے جس کو بحرِ رُوم کہتے ہیں اس میں ملا دیا گیا ہے اس کو نہر سویز کہتے ہیں۔ بنی اسرائیل اگر شمال کی طرف سیدھے جاکر پھر گوشۂ مشرق و شمال کی طرف ہو لیتے تو قلزم رستہ میں نہ ملتا اور مہینہ دو مہینہ میں ملکِ کنعان میں پہنچ جاتے مگر خدا تم کو تو کوہِ طور پر اپنا جلوہ دکھانا اور توراۃ دینا منظور تھا اس بنی اسرائیل نے اس طرف رُخ کیا۔ القصّہ بنی اسرائیل قلزم کو عبور کر کے اس بیابان میں پڑ گئے کہ جو مثلث کے طور پر آپ کو نقشہ میں دکھائی دیتا ہے۔ اس میں حوریب اور طورِ سینا پہاڑ ہیں اور یہ جنگل لق و دق بیابان تھا۔ پس قلزم سے کوچ کر کے تین دن تک شور کے میدان میں چلے اور پانی نہ ملا۔ اور جب وہ مارہ میں آئے تو وہاں کا پانی تلخ تھا۔ اُس کو پی نہ سکے سب مضطر ہو گئے۔ تب خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کو ایک درخت بتایا کہ اس کو پانی میں ڈال دے یہ شیریں ہو جاتا چنانچہ شیریں ہو گیا۔ اور ایک قوم کو بت پرستی کرتے ہوئے اُنہوں نے دیکھا تو موسیٰؑ سے کہا جس طرح ان کے معبود ہیں ہمارے بھی بنا۔ موسیٰؑ نے خفا ہو کر فرمایا تم بڑے نادان ہو۔ پھر وہاں سے کوچ کر کے ایلیم میں آئے جہاں پانی کے بارہ[12] چشمے اور ستّر درخت کھجور کے تھے۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر خروج سے دوسرے مہینے کی پندرھویں تاریخ کو سین کے بیابان میں آئے اور بنی اسرائیل بھوک کے مارے چلائے کہ اس سے تو بہتر یہی تھا کہ ہم مصر ہی میں مارے جاتے جہاں گوشت کی ہانڈیوں کے پاس بیٹھتے تھے اور مَن بھر کے روٹیاں کھاتے تھے۔ تب خدا تعالیٰ نے بٹیریں بھیجیں کہ جن کو سلویٰ کہتے ہیں وہ ان کے خیموں کے پاس بے شمار آپڑیں اور صبح کو اوس پڑی جس سے گول گول سفید برف کی مانند چھوٹے دانے پڑے ہوئے نظر آئے کہ جو کھانے میں نہایت شیریں تھے کہ جن کو مَن کہتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارے لئے روٹیاں ہیں اور وہ گوشت ہے۔ ہر شخص اپنے لئے ہر روز کی خوراک جمع کرے اور جمعہ کو دو دن کی کیونکہ ہفتہ کے روز کہ جس کو سبت کہتے ہیں کوئی جمع نہ کرے۔ اس دن کی تعظیم واجب جانے مگر بنی اسرائیل نے نہ مانا۔ اس پر خدا ناراض ہوا۔ یہ مَن و سلویٰ بنی اسرائیل چالیس برس تک کہ جب تک ملکِ کنعان میں نہ بسے کھاتے رہے۔ اور خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ ایک مرتبان میں کچھ مَن بھر کر ایک صندوق میں رکھ چھوڑے تاکہ پچھلی نسلوں کے لئے یادگار رہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہاں سے کوچ کر کے رفیدیم میں ڈیرا کیا۔ وہاں لوگوں کے پینے کو پانی نہ تھا۔ لوگ موسیٰؑ سے جھگڑنے لگے کہ تو نے ہمیں لا کر کیوں خراب کیا؛ تب موسیٰؑ نے خدا تعالیٰ سے فریاد کی۔ خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ حوریب پہاڑ کی ایک چٹان پر اپنا عصا مار۔ چنانچہ سب لوگوں کے روبرو اپنا عصا اس پر مارا تو بارہ[12] چشمے بتعداد اسباطِ بنی اسرائیل اُس سے بہ نکلے اسی جگہ قوم عمالیق[1] بنی اسرائیل پر چڑھ آئی۔ موسیٰؑ نے بحکم خدا تعالیٰ یوشعؑ کو حکم دیا کہ تو بنی اسرائیل کے مردانِ جنگی کو

---

[1] عمالیق الیفز کا بیٹا اور عیص کا پوتا تھا اور حضرت اسحٰقؑ کا پڑپوتا ہے۔ حضرت اسحٰقؑ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے ہیں۔ عمالیق اور دیگر اولادِ ابراہیم علیہ السلام ملک کنعان اور اس کے اطراف میں بڑے شہ زور تھے۔ عمالیق کی نسل بھی بڑی جنگجو تھی، جن کو عمالقہ کہتے ہیں۔

لے کر مقابلہ میں جا اور خود ہارونؑ اور حور کو لے کر دعا کرنے پہاڑ پر چڑھے۔ جب تک دعا میں ہاتھ اُٹھے رہتے تھے تو بنی اسرائیل فتح پاتے تھے اور جب لٹکا دیتے تھے تو عمالیق غالب ہو جاتے تھے یہاں تک کہ موسیٰؑ کے ہاتھ بھاری ہو گئے۔ آخر بنی اسرائیل نے فتح پائی اور موسیٰؑ نے وہاں ایک قربان گاہ بنائی موسیٰؑ کے سسرے یترو کو کہ جن کو شعیبؑ اور عوایل بھی کہتے تھے یہ خبر ملی تو وہ موسیٰؑ کی بیوی صفورہ اور دونوں بیٹوں جیرسوم اور الیعذر کو ساتھ لے کر موسیٰؑ کے پاس آئے۔ موسیٰؑ استقبال کو گئے۔ انھوں نے موسیٰؑ کو صلاح دی کہ تم جو دن بھر آپ بنی اسرائیل کی عدالت کرتے ہو تھک جاؤ گے۔ کس لئے اپنے نائب مقرر نہیں کر دیتے۔ اس لئے موسیٰؑ نے ویسا ہی کیا۔ تب موسیٰؑ کے سسرے چلے گئے۔ پھر خروج سے تیسرے مہینے میں بنی اسرائیل سینا کے بیابان میں آئے جہاں کوہ طور ہے کہ جس کو کوہ سینا اور طور سینین بھی کہتے ہیں اور پہاڑ کے آگے خیمہ کھڑا کیا گیا اور موسیٰؑ کوہ طور پر بلائے گئے وہاں خدا نے ان سے کلام کیا کہ تو بنی اسرائیل سے کہیو کہ تم نے دیکھا کہ میں تم کو کس طرح ظالم کے پنجے سے نکال لایا اور میں نے مصریوں کے ساتھ کیا کیا۔ اگر تم میرے حکموں کو مانو گے اور میرے عہد پر ثابت رہو گے تو میں تمھیں برکت دوں گا۔ تب موسیٰؑ نے آ کر یوں ہی لوگوں سے کہا انھوں نے کہا کہ جب تک ہم عیاناً خدا کو نہیں دیکھ لیں گے کبھی اس بات پر ایمان نہ لاویں گے۔ تب خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کہا کہ بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ دو روز تک نہائیں دھوئیں پاک و صاف بنیں۔ تیسرے روز میں کوہ طور پر تجلی کروں گا مگر کوئی شخص پہاڑ پر نہ چڑھے اور اپنی سرحد کو نہ چھوڑے ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔ تیسرے روز پہاڑ پر کالی گھٹا اُمڈی اور اس زور شور سے کڑک ہوئی اور بجلی آئی کہ سینکڑوں دم فنا ہو گئے اور جلال الٰہی شعلہ کی صورت میں نمودار ہوا۔ لوگوں نے ڈر کر عاجزی کی کہ اے موسیٰؑ! تو جو کچھ خدا تعالیٰ کے احکام لاوے گا ہم مانیں گے۔ خدا تعالیٰ نے ان مُردوں یا بیہوشوں کو زندہ یا ہوشیار کر دیا، اپنا فضل کیا۔ پھر موسیٰؑ پہاڑ پر گئے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ دیکھ میں تجھ کو دس احکام دیتا ہوں (۱) کسی جاندار کی صورت نہ بنانا نہ اس کو سجدہ کرنا (۲) خدا تعالیٰ کے نام کی تعظیم کر بے فائدہ نام نہ لو (۳) سبت کے دن کی تعظیم کرنا۔ چھ روز کام کرنا مگر ساتویں روز کوئی کام نہ کرنا (۴) ماں باپ کی تعظیم کرنا۔ (۵) خون نہ کرنا (۶) زنا نہ کرنا (۷) چوری نہ کرنا (۸) اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی نہ دینا (۹) اپنے ہمسایہ کے گھر کا لالچ نہ کرنا (۱۰) اپنے ہمسایہ کی جورو اور اس کی لونڈی اور اس کے مواشی اور دیگر چیز کا لالچ نہ کرنا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے احکام عبادت و سیاست دے کر موسیٰؑ کو خدا تعالیٰ نے بھیجا۔ پھر موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ پہاڑ پر ستر آدمی لے کر آوے۔ چنانچہ موسیٰؑ ہارون اور ندب اور ابیہو وغیرہ ستر بزرگ اسرائیلی کو خدا تعالیٰ کے ملانے کو پہاڑ پر گئے اور وہاں پر انھوں نے تجلی الٰہی کو ملاحظہ کیا۔ جس سے ان کا دل یقین اور ایمان سے منور زیادہ ہو گیا اور بنی اسرائیل سے آ کر انھوں نے بیان کیا اور خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کو فرمایا کہ پہاڑ پر مجھ پاس آ اور تیس رات یہاں آ کر گزار ہم تجھ کو توراۃ عنایت کریں گے تب موسیٰؑ وہاں گئے اور ہارونؑ کو کہہ گئے کہ میرے بعد میری طرف سے نائب بنا سب کام کیجیو۔ وہاں جا کر موسیٰؑ کو چالیس رات رہنے کا اتفاق ہوا اس چالیس روز میں جب تمام ظلمات ہیولانی دور ہو گئیں تو موسیٰؑ نے خدا سے دیدار کا سوال کیا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا مجھے تو ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ میں اس پہاڑ پر اپنی تجلی کرتا ہوں اگر وہ قائم رہا تو تو مجھ کو دیکھے گا۔ پھر جب خدا تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی کی تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور موسیٰؑ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو کہا الٰہی! توبہ، تو پاک ہے اور سب سے پہلے میں تجھ پر ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔ پھر موسیٰؑ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے لوحیں ملیں کہ جن میں احکام الٰہی تھے یا خاص احکام عشرہ یا اور بھی اور اس کے ساتھ جانور کی

نقشہ نمبر (۲)

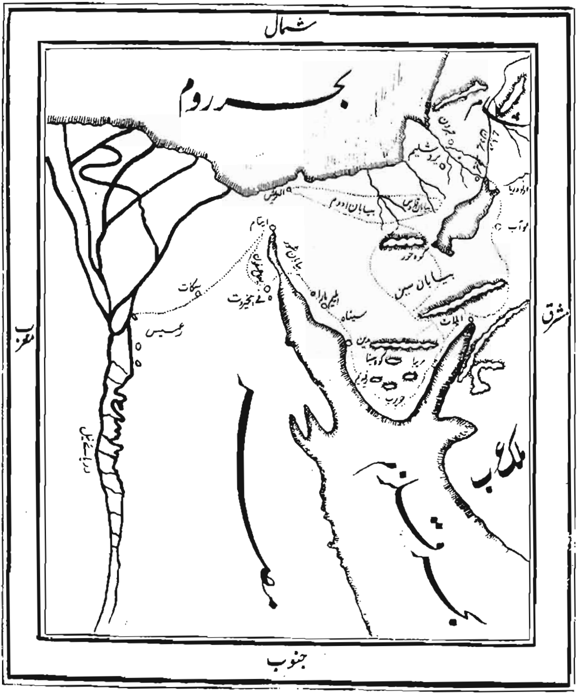
شمال
بحر روم
مشرق
مغرب
جنوب
بیت المقدس
ایلہ
بیابان ادوم
بیابان سین
سیناہ
ایلیم
مدین
کوہ حور
العریش
ملک عرب

اس نقشہ نمبر (۱) میں بحرِ قلزم کی جو آخر پر جا کر دو شاخیں ہو گئی ہیں اُن کے درمیان کوہِ طور ہے اور بڑی شاخ کو عبور کر کے بنی اسرائیل گزرے ہیں۔
اور پھر اسی میدان میں چالیس برس بھٹکتے پھرے ہیں جہاں اب قاہرہ ہے پہلے اسکے قریب شہر رعمسیس تھا جہاں سے بنی اسرائیل نے کوچ کیا
اگر وہ کنارہ کنارہ بحرِ روم کے ملک فلسطین سے ہو کر یروشلم وغیرہ بلادِ شام میں آتے تو جلد آ سکتے تھے۔ مگر منظورِ الٰہی یوں ہی تھا۔
ہم نے نقشہ نمبر ۲ میں اس میدان کو جدا دکھایا ہے اور جہاں سے بنی اسرائیل گزرے ہیں وہاں نقطے لگا دئے ہیں +

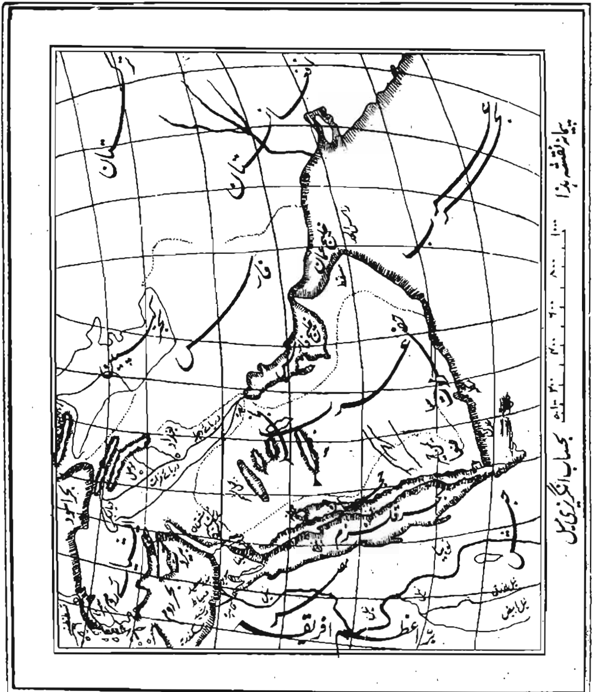

کی حلت اور حرمت اور قربانی کے دستورات اور ہارونؑ کے لئے امامت اور لباس کے قیود ات اور سونے کے چمچے وغیرہ لوازمات کا تیار کرنا اور دیگر احکامات عطا ہوئے۔ اور یہ مجموعہ ایک کتاب الٰہی تھی کہ جس کو توراۃ کہتے ہیں دراصل یہی توراۃ تھی۔ اور اب جو کچھ ہے وہ کسی مؤرخ کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ جس میں بعض باتیں غلطی سے خلافِ عقل ونقل بھی مندرج ہیں۔ یہ نہیں معلوم کہ توراۃ کاہے پر لکھی ہوئی تھی کچھ تعجب نہیں کہ کپڑے یا کسی اور چیز کاغذ وغیرہ نرم چیز پر تھی کہ جس کو تہ کرکے صندوقِ شہادت میں رکھ دیا تھا واللّٰہ اعلم عند اللّٰہ۔ ادھر تو پہاڑ پر موسیٰؑ کو یہ کچھ ملا ادھر ایک شخص نے کہ جس کا نام سامری تھا لوگوں سے سونے کا زیور مانگ کر ایک بچھڑا ڈھالا اور چونکہ مصر کے لوگ بیل اور بلی وغیرہ جانوروں کی پرستش کرتے تھے اور اس کو اپنی زبان میں ایبس کہتے تھے اس خیال سے بنی اسرائیل بھی اس بچھڑے کو پوجنے لگے۔ جب موسیٰؑ پہاڑ سے اترے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں گانے بجانے کا کہ جو بچھڑے کے آگے گایا جارہا تھا غل وشور تھا۔ یہ دیکھ کر غصہ میں آگ ہوگئے اور لوحیں ڈال دیں اور ہارونؑ کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا تم نے یہ کیا خرابی کی ان کو کیوں منع نہ کیا۔ ہارونؑ نے عذر کیا کہ یہ ساری بدعت سامری بدبخت کی ہے اور میں کچھ بولتا تو لوگ مجھے مار ڈالتے۔ جب غصہ فرو ہوا تو ان لوحوں کو لیا اور بچھڑے کو ریتوا کر دریا میں پھینکوا دیا۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ توبہ ان کے لئے مقرر ہوئی کہ باہم ایک دوسرے کو قتل کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور پھر موسیٰؑ کا دل بھر آیا۔ خدا تعالیٰ کے پاس پہاڑ پر جاکر دعا کی کہ معاف کرے۔ اس کے بعد سخت وبا بنی اسرائیل پر آئی جس سے صدہا مر گئے۔ اس کے بعد ایک بڑا خیمہ اور اس کے سامان تیار ہوئے۔ دوسرے سال کے اول مہینے میں پھر وہاں سے بنی اسرائیل نے کوچ کیا۔ دن کو ایک بادل سایہ کرتا اور رات کو روشنی بن جاتا تھا۔ دوسرے برس کے دوسرے مہینے کی بیسویں تاریخ کو بدلی مسکن شہادت سے اٹھی تو بنی اسرائیل نے بیابانِ سینا سے کوچ کرکے دشتِ فاران میں مقام کیا اور وہیں بدلی جاکر ٹھیر گئی اور کوہِ سینا سے تین دن کی راہ دور جا پڑے وہاں جاکر بنی اسرائیل نے اپنے اپنے خیموں میں رونا شروع کیا کہ ہم سے ایک کھانے یعنی مَنّ پر صبر نہیں ہوسکتا ہم کو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو مفت مصر میں کھاتے تھے اور وہ کھیرے اور خربوزے اور وہ گندنا اور وہ پیاز ولہسن وغیرہ۔ اے موسیٰؑ خدا تعالیٰ سے کہہ کہ ہم کو ترکاریاں اور گیہوں اور کھیرے اور ککڑیاں دلوا پیاز دلوا۔ تب موسیٰؑ نہایت غصہ اور غمگین ہو کر خدا تعالیٰ سے کہنے لگے کہ تو اپنے بندہ کو کیوں دکھ دے رہا ہے؟ اور تو نے کیوں مجھ پر مہربانی نہ کی جو ان سب کا بوجھ مجھ پر ڈال دیا کیا یہ سب لوگ میرے پیٹ میں پڑے تھے یا میں ان کا باپ ہوں۔ تب خدا تعالیٰ نے فرمایا ان سے کہہ دے آگے کسی شہر میں چلو تم کو سب کچھ ملے گا اور کل تم کو گوشت ملے گا۔ تب خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ہوا اٹھی اور دریا سے بٹیریں اس قدر اڑا لائی کہ خیمے کے اردگرد ایک دن کی راہ تک ڈھیر لگ گیا۔ پس وہ گوشت کھا ہی رہے تھے کہ خدا تعالیٰ کا غصہ ان پر بھڑکا اور ان کو بڑی مری سے مارا اور اس مقام کا نام اسی لئے قبروت ہتاوہ رکھا گیا۔ پھر وہ وہاں سے کوچ کرکے حصیرات میں آئے اس جگہ پر کچھ لوگوں نے موسیٰؑ کے گلے شکوے کرکے ان کو ایذا دی فبرأه اللّٰہ مما قالوا، لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو ان کے الزام سے بری کردیا۔ پھر دشتِ فاران سے موسیٰؑ نے ملکِ کنعان کی جاسوسی کے لئے ہر ایک قوم بنی اسرائیل سے ایک آدمی تیار کیا وبعثنا منہم اثنا عشر نقیبًا، اور بارہ شخصوں کو روانہ کیا جس میں کالب اور یوشع بن نون تھے۔ یہ قادس کے میدان سے روانہ ہو کر ملک کنعان میں آئے اور وہاں کے سب احوال دریافت کرکے اور انگور وغیرہ میوہ جات لے کر چالیس روز بعد پھر موسیٰؑ کے پاس آئے اور سب حال بیان کیا اور اس زمین کی بڑی خوبی بیان کی مگر سوائے کالب اور یوشع کے سب نے یہ کہا کہ وہاں کے باشندے بڑے

قدآور اور جنگجو ہیں اُن سے مقابلہ کرنا سخت مشکل ہے جب بنی اسرائیل نے یہ سُنا تو گھبرائے اور روتے پیٹے بہت چلائے اور کہا کہ جب تک وہ لوگ وہاں سے خارج نہ ہوں گے ہم ہرگز نہ جائیں گے اگر وہ نہ جائیں گے تو ہم وہاں داخل نہ ہوں گے۔ اے موسیٰؑ! تُو اور تیرا خدا جا کر لڑے ہم تو یہیں ٹھیرے رہیں گے۔ کالب اور یوشع نے تسلی دی کہ ان لوگوں کا اقبال جا چکا وہ زمین کہ جس کا تم سے اور تمہارے بزرگوں سے خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے نہایت عمدہ ہے خدا تعالیٰ پر توکل کر کے جاؤ فتح پاؤ گے۔ پس موسیٰؑ نے کہا الٰہی! میں اور میرا بھائی تیری بندگی کو حاضر ہیں اور باقی اس فاسق قوم سے مجھ کو کچھ سروکار نہیں ہم کو ان سے جدائی نصیب کر۔ تب قہرِ الٰہی نمودار ہوا، اور فرمایا کہ مجھے اپنی حیات کی قسم جس طرح اس قوم نے باوجودیکہ ہزارہا معجزات دیکھ چکے ہیں میری نافرمانی کی میں ان کو اس بیابان میں ہلاک کروں گا۔ وقتِ خروج سے جس کی عمر بیس برس کی تھی یا اس سے اُوپر اُن میں سوائے کالب اور یوشع کے کوئی بھی ملک کنعان میں نہیں پہنچا۔ وہ تمام لوگ چالیس برس تک فاران کے جنگل میں مقام اور کوچ کرتے رہے تخمیناً بیس بار کوچ کیا کئی کئی برس ایک جگہ گزار دیئے۔ جب یہ سب مر چکے تو نئی نسل بنی اسرائیل نے ملکِ کنعان کو لیا۔ توراۃ سفر عدد کے ۱۶ باب میں یہ قصہ لکھا ہے کہ ایک شخص قارح کہ جس کو قارون بھی کہتے ہیں موسیٰؑ کا قرابتی تھا یعنی چچازاد بھائی تھا قہات کا پوتا۔ ان قارون کان من قوم موسےٰ فبغیٰ علیہم واٰتیناہ من الکنوز ما ان مفاتحہ لتنوأ بالعصبۃ اولی القوۃ۔ خدا تعالیٰ نے اس قدر اس کو مال و دولت دیا تھا کہ چند قوی آدمی اُس کی کنجیاں اُٹھایا کرتے تھے۔ اس کو موسیٰؑ پر رشک آیا اور بہت سے بنی اسرائیل کے سرداروں کو موسیٰؑ کے مقابلہ میں اُٹھایا موسیٰؑ نے اس کو بُلایا وہ نہ آیا۔ آخر یہ ہوا کہ وہ بڑے تجمل کے ساتھ اپنی قوم کے روبرو جماعت کے خیمہ کے پاس آیا۔ پس غضبِ الٰہی بھڑکا۔ جو ان کے نیچے کی زمین تھی پھٹی اور زمین نے اپنا مُنہ کھولا اور انھیں اور ان کے گھروں اور ان سب آدمیوں کو جو قارح کے تھے اور ان کے سب مال کو نگل گئی (ورس ۳۲)۔ فخرج علےٰ قومہ فی زینتہ الاٰیہ۔ فخسفنا بہ وبدارہ الارض الاٰیہ۔ اس واقعہ عبرت خیز سے تمام لوگ ڈر گئے اور جو اس کے مال وجاہ کی حسرت کرتے تھے حذر کر گئے۔ اس کے بعد پھر بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کی شکایت کی اور ان کے مارنے کا الزام لگایا تو ان پر وبا آئی جس میں چودہ ہزار بنی اسرائیل مر گئے اور پھر موسیٰؑ کی دعا سے دُور ہوئی۔ توراۃ سفر عدد کے ۱۹ باب میں یہ قصہ بھی ہے کہ موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے کہا ان اللہ یامرکم ان تذبحوا البقرۃ، کہ خدا تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گائے کو ذبح کرو (بعد حجتِ بسیار قرار پایا کہ) وہ سُرخ رنگ بے داغ بے عیب ہو جس پر جوا نہ رکھا گیا ہو (۲) انہا بقرۃ صفراء فاقع لونہا تسر الناظرین۔ انہا بقرۃ لا ذلول تثیر الارض ولا تسقی الحرث الاٰیہ۔ مگر توراۃ میں صرف یہ ہے اس گائے کو ذبح کرنے سے یہ مقصود تھا کہ جلا کر راکھ کریں اور دستورِ بنی اسرائیل کے موافق یہ راکھ خیمہ گاہ کے باہر رکھی جائے کہ جو بنی اسرائیل پر کاہن یعنی امام چھڑکتا تھا۔ اور قرآن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس گائے کا ایک ٹکڑا لے کر اس میت کے بدن پر مارا جائے کہ جس کو اس کے وارثوں نے قتل کیا تھا اور قاتل کا پتہ نہ ملتا تھا کہ یہ شخص زندہ ہو کر قاتل کو بتا دے چنانچہ ایسا ہوا۔ یہ اختلاف قلیل ہے غالباً مشائخ یہود کے سہو سے ظہور میں آیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل نے قادس میں قیام کیا۔ ہارونؑ کی بہن مریم کا یہیں انتقال ہوا۔ چونکہ یہاں پانی نہ ملتا تھا اس لئے پھر بنی اسرائیل نے غُل مچایا اور کفر بکنا شروع کیا۔ تب خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کو فرمایا کہ اس چٹان کو جو ان کے سامنے ہے اپنا عصا مار۔ چنانچہ اُنھوں نے عصا مارا۔ پانی چٹان سے نکلا کہ سب نے پیا اور ان کے چارپائے بھی سیراب ہو گئے لیکن خدا تعالیٰ اُن سے سخت ناراض ہوا۔ پھر موسیٰؑ نے اَدُوم کے بادشاہ کے پاس ایلچی بھیجا کہ آپ کے ملک میں سے ہمارا

راستہ ہے ہم راہ راست چلے جائیں گے گھاس اور باغوں اور کھیتوں کو ہرگز نہ چھوئیں گے۔ اور جو کچھ لیں گے تو قیمتاً لیں گے مگر اس نے منظور نہ کیا۔ تب ساری جماعت بنی اسرائیل کوہ حور پر آئی اور اس کے ملک کو چھوڑ دیا۔ موسیٰؑ کو حکم آیا کہ اس پہاڑ پر ہارونؑ کا انتقال ہوگا تو اس کے کپڑے اس کے بیٹے الیعذر کو پہنادے۔ چنانچہ ہارونؑ نے پہاڑ کی چوٹی پر رحلت کی اور بنی اسرائیل نے تیس۳۰ روز تک ماتم کیا۔ خروج کے چالیسویں سال بنی اسرائیل ملک ادوم کے کنارے سفر کرتے ہوئے ملک کنعان کے قریب پہنچے تو وہاں کے بادشاہ عراد نے جس کا پایۂ تخت دکھن کی طرف تھا یہ سنا تو آمادۂ جنگ ہوا اور بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو گرفتار کر کے لے گیا۔ بنی اسرائیل نے خدا سے عاجزی کر کے منت مانی اور اس سے پھر لڑائی کی تو کنعانیوں کو گرفتار کر لیا اور ان کی بستیوں کو نابود کر دیا۔ وہاں سے کوچ کرتے کرتے موآب میں پہنچے اور وہاں حسبون کے رہنے والے سیحون نام بادشاہ سے کہلا بھیجا کہ ہم کو اپنے ملک کی سرحد سے گزر جانے دے آخر اس نے نہ مانا۔ لڑائی ہوئی۔ بنی اسرائیل نے فتح پائی اور حسبون اور اس کے گرد و نواح کے سب شہر قبضہ میں آئے (اس وقت ملک شام میں طوائف الملوکی تھی چھوٹے چھوٹے رئیس تھے) وہاں سے بنی اسرائیل یعزیر کو فتح کرتے ہوئے بسن میں پہنچے وہاں بمقام ادرعی وہاں کے بادشاہ عوج سے سخت مقابلہ ہوا (اس کا قد لمبا ہوگا جو یہود میں مشہور رہا اور پھر قارون کے مال اور رستم کی شجاعت حاتم کی سخاوت کی طرح عام میں شہرت ہوگئی اور قصہ گویوں نے مبالغہ کرنے شروع کر دیئے) انجام کار بنی اسرائیل نے اس کو مع زن و فرزند قتل کر کے اس کا ملک لے لیا اور اب بنی اسرائیل پھیلتے چلے یہاں سے بڑھ کر نہر یردن کے پاس شہر یریحو کے مقابلہ میں جس کو اریحا بھی کہتے ہیں مقام کیا۔ وہاں کے بادشاہ بلق بن صفور کو بڑا خوف پیدا ہوا اور تمام موآبی ڈر گئے اور اس نے شہر فتور میں بلعم باعور کے پاس جو اس زمانہ میں ایک بڑا بابرکت شخص مشہور تھا پیغام بھیجا کہ مصر سے ایک قوم مور و ملخ کی مانند آئی ہے اور سب ملکوں پر پھیلتی جاتی ہے آپ آیئے اور ان کے حق میں بد دعا کیجئے۔ خیر وہ بڑی حیل و حجت کے بعد آئے مگر راستہ میں ان کی سواری کا خچر بیٹھ گیا۔ بہت مارا پیٹا مگر نہ اٹھا۔ پھر خدا نے خچر کا منہ کھول دیا اس نے کہا تو مجھ کو کیوں مارتا ہے خدا کا حکم نہیں، تو فرشتہ کو نہیں دیکھتا جو مانع آرہا ہے۔ الغرض بلعم بادشاہ کے پاس آئے اور بد دعا کرنے سے عذر کیا۔ مگر بادشاہ نے نہ مانا۔ بد دعا کی جگہ دعا منہ سے نکلتی تھی۔ آخر بادشاہ ناراض ہوا۔ بلعم واپس پھر گیا۔ آخر بنی اسرائیل سے مقابلہ کر کے شکست فاش پائی۔ اس ملک پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہوگیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل نے سطیم پر خیمہ قائم کیا بنی اسرائیل کی شکست کا ایک سامان پیدا ہوا کہ انہوں نے موآبی عورتوں سے حرامکاری اور ان کے بت پوجنے شروع کئے جس سے ان پر سخت وبا آئی کہ چوبیس ہزار آدمی مر گئے۔ مگر ہارونؑ کے پوتے فینحاس نے بڑی ہوشیاری کی کہ کزبی کو کہ جس کے خیمہ میں وہ فاحشہ تھی اور اس فاحشہ کو قتل کر دیا۔ وبا دفع ہوگئی۔ بنی اسرائیل کی شکست کی تدبیر مدیانی لوگوں نے نکالی تھی۔ اس لئے بارہ ہزار لشکر بنی اسرائیل ان پر جا چڑھا مدیان کے بچوں اور عورتوں کو اسیر کیا اور بلعم باعور کو بھی قتل کیا (غالباً جب دعا کا اثر نہ ہوا بلعم نے زنا کی تدبیر بتائی ہوگی) اس کے بعد خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کو حکم کیا کہ تیری وفات کے دن قریب آپہنچے تو اباریم کے اس پہاڑ پر چڑھ میں تجھ کو وہ ملک دکھاؤں جو میں نے بنی اسرائیل کو عنایت کیا ہے۔ تب موسیٰؑ نے یوشع بن نون کو اپنا قائم مقام کیا اور الیعذر ہارونؑ کی جگہ امام ہوا اور صندوق شہادت کہ جس کو تابوت سکینہ کہتے ہیں اور جس میں من کا مرتبان اور ہارونؑ کی چھڑی اور توراۃ رکھی تھی بنی لاوی کو سپرد کیا اور بہت کچھ بنی اسرائیل کو وصیت اور نصیحت کی اور سب کچھ ذکر کر کے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد آنے والا یاد دلایا کہ میری

مانند ایک اور نبی اولوالعزم آئے گا ایسا نہ ہو کہ اس کی نافرمانی کرکے مصیبت ابدی میں گرفتار اور ہمیشہ کو لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار ہو جاؤ۔ پھر موسیٰؑ سب سے رخصت ہو کر نبو پہاڑ کی چوٹی پر چڑھے اور دریائے یردن کے پرلے پار کچھ ملک خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دینا کیا تھا دیکھا اور وہیں جان بحق ہو کر اپنے لوگوں میں مل گئے۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی۔ بنی اسرائیل موسیٰؑ کے لئے موآب کے میدانوں میں تیس ۳۰ دن تک رویا کئے۔

# فصل ۳

موسیٰؑ کی زندگی میں یردن پار کا ملک فتح نہ ہوا تھا۔ یردن شام میں ایک دریا جاری ہے جس میں حضرت مسیحؑ نے غوطہ لگایا تھا۔ پس یوشع نے بنی اسرائیل کو آمادہ کیا اور اس وقت بنی اسرائیل کے ان لوگوں میں سے جو مصر سے بیس برس کی عمر میں نکلے تھے کوئی باقی نہ رہا سوائے کالب اور یوشع کے۔ اس زمانہ میں دریائے یردن کا پل نہ تھا جس طرح موسیٰؑ نے قلزم سے لوگوں کو پار کیا تھا اسی طرح دریا بیچ سے خشک ہو گیا اور تمام بنی اسرائیل اتر گئے اور جا کر شہر یریحو پر حملہ کیا۔ رفتہ رفتہ وہ تمام ملک فتح کرکے بنی اسرائیل کو تقسیم کر دیا اور نابلس کے پاس حضرت یوسفؑ کی ہڈیوں کو دفنا دیا۔ یہیں پر حضرت یوسف علیہ السلام کی بیع بھی ہوئی تھی۔ یہ (یوشع) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے اٹھائیسویں برس وفات کر گئے۔ ان کے بعد فینحاس ہارون علیہ السلام کے پوتے تخت حکومت پر بیٹھے اور کالب بھی سرداری کرتے رہے۔ سترہ برس تک یہی معاملہ رہا۔ پھر بنی اسرائیل نے خدا کی نافرمانی کی تو ان پر کوشان جزیرہ قبرس یا ارمن کا بادشاہ چڑھ آیا، جو عیص کی نسل سے تھا۔ پس آٹھ برس تک اس کی حکومت رہی۔ تب بنی اسرائیل نے گریہ وزاری کی تو خدا تعالیٰ نے کالب کے بھائی غتنی ایل کو ہمت عطا کی اس نے بنی اسرائیل کو کوشان کے پنجہ سے چھڑایا۔ اس کی چالیس ۴۰ برس تک حکومت قائم رہی۔ پھر یہ سن بانوے موسوی میں مر گئے۔ ان کے بعد پھر بنی اسرائیل نے بت پرستی شروع کی تو خدا تعالیٰ نے عجلون بادشاہ موآب کو مسلط کیا۔ یہ نسل لوط سے تھا۔ پھر جب بنی اسرائیل نے گریہ وزاری کی تو اہوذ کو بنی اسرائیل میں سے قائم کیا اس نے پھر بنی اسرائیل کی حکومت قائم کی۔ اور اسی برس تک اس کی حکومت رہی۔ پس جب یہ سن ایک سو نوے موسوی میں مر گیا تو شمجر بادشاہ ہوا اور ایک سال کامل بھی اس کی حکومت نہ رہی کہ یہ مر گیا۔ اس کے بعد پھر بنی اسرائیل نے بت پرستی اور گناہگاری کی جس لئے ان پر ملک شام کا بادشاہ یابین نام مسلط ہوا۔ بیس ۲۰ برس اس کی حکومت بنی اسرائیل پر رہی۔ پھر جب تائب ہوئے تو بنی اسرائیل میں سے ایک شخص باراق نام اور ایک عورت جس کا نام دبورا تھا دو سو گیارہ موسوی میں قائم ہوئے اور انہوں نے یابین سے بنی اسرائیل کو چھوڑایا اور چالیس ۴۰ برس تک خوب حکومت کرکے مر گئے۔ ان کے بعد پھر بنی اسرائیل نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی تب ان پر سات برس تک ان کے دشمن اہل مدیان کا قبضہ رہا۔ پھر جب تائب ہوئے تو خدا تعالیٰ نے دو سو اٹھاون موسوی میں بنی اسرائیل میں سے جدعون کو بادشاہ کیا۔ اس نے ان کو خلاصی دی اور چالیس ۴۰ برس تک خوب انتظام بنی اسرائیل کیا۔ پھر اس کی وفات کے بعد دو سو اٹھانوے موسوی میں اس کا بیٹا ابی ملک تخت نشین ہوا اور تین برس حکومت کرکے مر گیا۔ اس کے بعد یائیر جرشی بادشاہ ہوا، اور بائیس برس حکومت کرکے مر گیا ۳۴۳ م میں اس کے بعد پھر بنی اسرائیل نے سرکشی کی تو ان پر موآبیوں میں سے بنو عمون کا بادشاہ اٹھارہ برس تک مسلط رہا۔ پھر بنی اسرائیل خدا تعالیٰ کی طرف ملتجی ہوئے اور روئے تو ان میں سے یفتح جرشی ۳۴۱ م میں کھڑا ہو گیا اور اس نے اس کے ہاتھ سے چھوڑایا اور بے شمار موآبیوں کو قتل کیا آخر چھ برس حکومت کرکے مر گیا۔ اس کے بعد ابصان بادشاہ ہوا اور سات برس حکومت کرکے ۳۵۴ م میں مر گیا اس کے بعد الون حاکم ہوا اور دس برس کے بعد مر گیا۔ اس کے بعد عبدون آٹھ برس تک حکومت

گرفتار رہا اور سنہ ۳۷۲ موسوی میں مرگیا اس کے بعد پھر بنی اسرائیل نے بے دینی اختیار کی تو خدا تعالیٰ نے ان پر فلسطین والوں کو چالیس برس تک مسلط رکھا۔ تب بنی اسرائیل روتے چلائے تو خدا تعالیٰ نے ان میں سے شمسون جبار کو قائم کیا اس نے بنی اسرائیل کو سنہ ۴۱۲م میں ان کے ہاتھ سے رہائی دی اور بیس۲۰ برس تک حکومت کی مگر اس پر اہلِ فلسطین غالب آئے اور اس کو پکڑلے گئے اور اپنے کنیسہ کی ستون سے باندھ دیا چونکہ یہ بڑا زور آور تھا اس نے جو زور کیا تو وہ ستون اکھڑ گیا اور چھت گر پڑی وہ بھی اور بڑے بڑے سردار اہلِ فلسطین سب دب کر مرگئے۔ اس کے بعد دس۱۰ برس تک بنی اسرائیل بے سردار رہے۔ پھر سنہ ۴۴۲م میں ایک شخص جس کا نام عالی تھا بنی اسرائیل میں بادشاہ ہوا۔ یہ بڑا نیک بادشاہ ہوا اسکی تخت نشینی کے اوّل سال حضرت صموئیل علیہ السلام موضع شیلو میں پیدا ہوئے جو قدس کے قریب تھا۔ انیسویں سال حضرت داؤد علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور چالیس۴۰ برس اس کی حکومت رہی یہ پیشتر بنی اسرائیل میں کاہن یعنی امام تھا۔ یہ سنہ ۴۸۲م میں مرگیا اور اس کے بعد صموئیل علیہ السلام گیارہ برس تک بنی اسرائیل کا انتظام کرتے رہے اب تک بنی اسرائیل کے جو حاکم یا بادشاہ تھے تو بمنزلہ قاضیوں کے تھے جس طرح قوم یا بستی کے چودھری اور سردار فیصلہ جات اور سب کاروبار کرتے ہیں یہ لوگ کرتے تھے۔ یہ زمانہ سنہ ۴۹۳م تک رہا۔ اس کے بعد سلطنت کا طور قائم ہوا اور اس کا یہ بیان ہے۔

## فصل ۴

بنی اسرائیل نے حضرت صموئیل علیہ السلام سے یہ کہا کہ آپ ہم میں کوئی بادشاہ قائم کردیجئے کہ ہم اس کی مدد سے اپنے مخالفوں سے جنگ کریں۔ اذ قالوا لنبی لہم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ انھوں نے ساؤل کو کہ جنہیں طالوت کہتے ہیں بادشاہ مقرر کیا۔ یہ بنیامین کی اولاد میں سے تھا۔ چونکہ یہ شخص خاندانی نہ تھا تو بنی اسرائیل نے کہا انّی یکون لہ الملک علینا ونحن احق بالملک منہ ولم یؤت سعۃ من المال، کہ اس کو مال و دولت میں کچھ وسعت نہیں اس سے تو ہم مستحق زیادہ ہیں کہ بادشاہ بنائے جائیں۔ صموئیل ؑ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے اس کو علم اور جسم میں وسعت دی ہے۔ اور اس کی سلطنت کی یہ علامت ہے کہ صندوقِ شہادت کہ جس کو اہلِ فلسطین لڑائی میں لوٹ کرلے گئے تھے از خود واپس آجائے گا۔ چنانچہ وہ تابوتِ سکینہ کہ جس میں موسیٰ ؑ اور ہارون ؑ کے تبرکات اور الواح اور مَن کا مرتبان تھا انھوں نے از خود واپس کردیا۔ ملائکہ نے بنی اسرائیل میں لاکر دھر دیا۔ اور ساؤل چونکہ خوب صورت اور دانا بھی تھا پس ان وجوہ سے بنی اسرائیل نے ان کو بادشاہ بنالیا۔ پھر طالوت نے عمالیق پر فتح پائی اور کئی شہر اپنے قبضہ میں لایا اور فلسطینیوں سے بھی مقابلہ کی ٹھہرائی ان کا سردار جالوت بڑا قد آور اور بہادر تھا اس کے مقابلہ میں کسی کی طاقت نہ پڑی۔ پھر صموئیل ؑ نے فرمایا اس کو ایک شخص قتل کرے گا کہ جس کی خدا تعالیٰ نے علامات مجھ کو بتائی ہیں۔ چنانچہ صموئیل ؑ نے موضع بیت لحم میں جاکر یسّی بن عوبید بن بوعز بن سلمون سے کہا کہ تو اپنے بیٹوں کو دکھا۔ اس نے سات بیٹے علاوہ داؤد کے بلائے، مگر صموئیل ؑ کو پسند نہ آئے۔ کہا کہ کوئی اور بھی بیٹا ہے؟ کہا ہے، باہر بکریاں چَراتا ہوگا۔ اُس کو بلایا تو صموئیل ؑ نے اس کو پسند فرمایا اور اس کے سر پر تیل ڈالا پھر داؤد بھی لشکر میں شریک ہوئے اور لشکر میں یہ حکم دیا کہ جو کوئی اس ندی سے جو راستہ میں حائل ہے ایک چلّو سے سوا پانی پئے گا وہ میرا نہ ہوگا اور جو نہ پیئے گا وہ میرے ساتھ آوے۔ چنانچہ بہت نے پیاس کا صبر نہ کیا اور پانی پی لیا اُن بے صبروں کو دُور کیا اور چند خاصانِ خدا تعالیٰ کو ساتھ

ف یہ صندوق بنی اسرائیل کے ہاں نہایت سخت وقت پر خیمہ جماعت سے باہر نکالا جاتا تھا۔ بلکہ جب کہ غنیم نہایت طاقتور ہوتا تھا تو اس کے مقابلہ میں اس کو بھی ساتھ لے جاتے تھے پھر اُس کی برکت سے فتح پاتے تھے۔ اس حملہ میں فلسطینی اس صندوق کو بھی لوٹ کرلے گئے مگر اس سے اُن کو نحوست معلوم ہوئی تو واپس کر دیا۔

لے کر مقابلہ ہوا۔ جب جالوت کا لشکر اور شوکت دیکھی تو لوگ گھبرا اُٹھے مگر داؤد نے سب کو تسلّی دی۔ اور جالوت سے مقابل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جو گوپیے میں دھر کر ایک پتھر مارا تو جالوت کے سر پر پڑا۔ وہ برج دھم سے زمین پر گر گیا پھر اسی کا تیغہ لے کر سر قلم کر دیا تمام بنی اسرائیل میں اس جوانمردی کی دھوم ہو گئی اور بادشاہ طالوت نے اپنی بیٹی حسب وعدہ داؤد علیہ السلام سے بیاہ دی مگر دل میں اُس کی شہرت پر رشک و حسد ہوا۔ کئی بار داؤدؑ کا قتل کروانا چاہا مگر کامیاب نہ ہوا۔ آخر یہ بادشاہ مع اپنے کئی لڑکوں کے فلسطینیوں کی جنگ میں مارا گیا۔ داؤد بادشاہ ہو گئے مگر بنی اسرائیل کے گیارہ فرقوں پر طالوت کے بیٹے الیش بوست (اشبت) کی حکومت ہو گئی۔ چھ برس کے بعد الیش بوست نے وفات پائی۔ تمام حکومت حضرت داؤد علیہ السلام کے حصہ میں آئی۔ اس وقت ان کی عمر چھتیس ۳۶ برس کی تھی۔ اس کے بعد داؤد نے فلسطین اور کنعان اور موآب اور ارمن وغیرہ بہت سے ملک فتح کئے مصر تک اور ادھر دمشق تک ملک کو وسعت دی اور اُن کی حیات میں اُن کے بیٹے ابیشلوم نے اُن پر بغاوت کی مگر وہ ناکام رہا۔ اُنھوں نے اپنی حیات میں شہر یروشلم میں خدا تعالیٰ کے لئے مسجد یعنی بیت المقدس بنانے کی تیاری کی مگر اتمام نہ ہو سکا۔ آخر ساٹھ برس کی عمر میں ۵۳۵ ؁م میں وفات پائی اور اُن کی جگہ ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام تخت نشین ہوئے اور سات برس تک اپنے باپ کی وصیت کے بموجب بیت المقدس کی تعمیر میں لاکھوں روپیہ صرف کر کے اس کو نہایت شان و شوکت سے تیار کیا اس مسجد کا طول ساٹھ گز عرض بیس ۲۰ گز اور بلندی تیس ۳۰ گز[1] تھی اور اسی کو اہلِ کتاب ہیکل کہتے ہیں۔ اس کے تمام مکانات کی کیفیت کتاب تاریخ میں بتفصیل مذکور ہے اور سلیمانؑ کی حکومت کا ایسا شہرہ دنیا میں پھیلا کہ روئے زمین کے بادشاہ ان سے ڈرنے لگے۔ ملکِ یمن کی بیگم بلقیس ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ چالیس برس سلطنت کر کے باون برس کی عمر میں ۵۷۵ ؁م میں جان بحق ہو گئے۔

اُن کے بعد ان کا بیٹا رحبعام جو بدشکل اور بے وقوف تھا تخت نشین ہوا۔ اس کی سختی سے بنی اسرائیل کے دس اسباط اس کی اطاعت سے نکل گئے صرف سبط یہوذا اور سبط بنیامین پر حکومت باقی رہ گئی اور ان دس اسباط کا بادشاہ یربعام ہوا یہ شخص کافر بدکیش تھا اس زمانہ میں سلطنت بنی اسرائیل کے دو حصے ہو گئے اس بڑے حصہ کی سلطنت کا پایہ تخت شہر حبرون ہوا اور اسرائیلی سلطنت نام ہوا دوسرے کا پایۂ تخت یروشلم قرار پایا۔ ان دونوں سلطنتوں میں باہم جنگ و جدال اور حرب و قتال ہوا کرتے تھے اور ان میں سے کوئی بادشاہ دیندار ہوا کرتا تھا تو شریعت اور توراۃ کی پابندی کرتا تھا۔ دوسرا بت پرستی اور معصیت کو رواج دیتا، علماء اور انبیاء کو چن چن کر قتل کرتا تھا۔ سلطنتِ اسرائیلی کے دوسو اکسٹھ برس میں یکے بعد دیگرے سترہ بادشاہ ہوئے پھر ۸۳۷ ؁م میں یہ سلطنت حزقیا بادشاہ پر تمام ہو گئی اُس نے صرف چھ ۶ برس سلطنت کی۔ رحبعام کے بعد اس کا بیٹا ابیاہ تخت پر بیٹھا اُس کے بعد اُس کا بیٹا آسا تخت پر بیٹھا یہ بھی دیندار تھا اس کے عہد میں عزریاہؑ نبی تھے اس کے بعد یہوسفط اس کا بیٹا بادشاہ ہوا یہ بھی دیندار تھا اس کے عہد میں ایلیاہ یعنی حضرت الیاسؑ تھے جو آسمان پر چلے گئے اور میکیاہ علیہ السلام کا بھی یہی زمانہ ہے جس نے آخی اب کے حق میں قتل کی خبر دی تھی الیاسؑ کے شاگرد الیسعؑ نبی تھے اور زکریاؑ کے بیٹے یعزی ایل بھی اسی عہد میں تھے اس کے بعد اس کا بیٹا یہورام تخت پر بیٹھا یہ بے دین تھا اس کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا اخزیاہ تخت پر بیٹھا یہ بھی بے دین تھا۔ جس طرح اس کے باپ کو فلسطینیوں اور عربوں نے غارت کیا تھا اس کو بھی دشمن نے قتل کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یوآس بادشاہ ہوا۔ خوب سلطنت کی بیت المقدس کی مرمت از سر نو کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا امصیاہ بادشاہ ہوا۔ اس کے بعد اُس کا بیٹا عزریاہ بادشاہ ہوا

[1] کتاب تاریخ میں ایک سو بیس ہاتھ بلندی لکھی ہے۔ منہ

اُس نے حضرت زکریا علیہ السلام کے قول پر عمل کر کے بڑی مراد پائی۔ سلطنت کو نہایت قوت دی آخر بگڑ گیا اور سنہ ۷۹۹م میں مرگیا۔ اور اس کے بعد اُس کا بیٹا یوتام تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی ملک کو ترقی دی اور دیندار رہا۔ یونس علیہ السلام اسی کے عہد میں تھے اس کے بعد اُس کا بیٹا آخز تخت نشین ہوا۔ یہ بُت پرست اور بدکار تھا اس لئے اس پر مصیبتیں آئیں۔ بیت المقدس میں اس نے بُت پرستی کرائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا حزقیاہ تخت نشین ہوا اس نے بیت المقدس کو نجاستوں سے اور بُتوں سے پاک کیا اور خدا پرستی کو رواج دیا یہ بڑا نیک بادشاہ اور با اقبال تھا۔ حضرت یسعیاہ علیہ السلام جو ماموص کے بیٹے ہیں اسی عہد میں تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا منسّی تخت نشین ہوا۔ یہ بڑا بے دین اور بُت پرست تھا۔ اس نے پھر بیت المقدس میں بُت پرستی کو رواج دیا۔ مگر جب وہ اس کی شامت سے بابل میں گرفتار ہو گیا تو تائب ہوا۔ جس سے پھر اپنے ملک میں آیا۔ اُس کے بعد اس کا بیٹا آموّن بادشاہ ہوا تو یہ سب سے زیادہ نالائق ہوا۔ بُت پرست تھا۔ چنانچہ اسی کی نحوست سے مارا گیا۔ اس کے بعد اُس کا بیٹا یوسیاہ تخت نشین ہوا۔ بڑا دیندار اور با اقبال تھا۔ اسی نے پھر بیت المقدس کو پاک و صاف کیا۔ بُتوں کو توڑا۔ توراۃ کو تلاش کیا۔ تخمیناً اٹھارہ برس تک کہیں پتہ نہ ملا۔ کیونکہ وہ بے شمار حوادث میں تلف ہو چکی تھی مگر خلقیاہ کاہن نے کہیں سے توراۃ کو بہم پہنچایا۔ غالباً یادداشت کے طور پر احکام و قصص جمع کر کے ان کا نام توراۃ رکھا ہوگا۔ والعلم عند اللہ۔ اس پر شاہ مصر نے چڑھائی کی یہ اُس معرکہ میں مارا گیا۔ اور اس کے عہد میں ارمیاہ علیہ السلام تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یہو آخز تخت پر بیٹھا لیکن تیسرے مہینے میں شاہ مصر نے اُس کو معزول کر کے اُس کے بھائی الیاقیم کو اپنی طرف سے تخت پر بٹھایا اور بدل کر اس کا نام یہویقیم رکھا۔ یہ بڑا بدکار اور بُت پرست تھا۔ اس کی تخت نشینی کے چوتھے سال ملک عراق میں جو شہر بابل ہے وہاں بخت نصر سنہ ۹۵۲م میں تخت پر بیٹھا اور ملک شام پر حملہ آور ہوا۔ بعض کہتے ہیں یہ واقعہ سنہ ۹۷۸م میں تھا اور مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے چھ سو دس برس پہلے ہوا ہے۔ پس بخت نصر اس کو قید کر کے لے گیا اور اس کے ساتھ بہت سے مشائخ یہود بھی گرفتار ہو گئے۔ پھر اس کے بعد یہویکین اُس کے ہشت سالہ لڑکے کو لوگوں نے تخت پر بٹھایا۔ سو تین مہینے گزرنے نہ پائے تھے کہ بخت نصر نے اس کو بھی گرفتار کروا کر منگایا اور بیت المقدس کے وہ سونے چاندی کے اسباب و ظروف سب لوٹ کر لے گئے اور کچھ بھی اس میں نہ چھوڑ گئے۔ اور اس لڑکے کی جگہ اُس کے چچا صدقیاہ کو قائم کر گئے اور اب کے حملہ میں دانیال اور حزقیل علیہما السلام کو بھی اور لوگوں کے ساتھ مقید کر کے لے گئے۔ صدقیاہ بڑا بے دین اور سرکش نکلا اس کو یرمیاہ علیہ السلام بہت کچھ احکام الٰہی سناتے اور ڈراتے رہے مگر اُس نے ہر قسم کی بدکاریاں کیں اور نبیوں کو ٹھٹھے میں اڑایا اور خدا تعالیٰ کے گھر کو ناپاک کر دیا اور بخت نصر سے بھی بغاوت کی۔ پھر تو بخت نصر بڑے غصہ میں آ کر چڑھ آیا۔ بیت المقدس کو جلا کر مسمار کر دیا اور شہر کو بھی ڈھا دیا توراۃ کا نسخہ جو بیت المقدس میں دھرا تھا اس کو بھی آگ لگا کر پھونک دیا۔ اور ہزارہا بنی اسرائیل کو تہ تیغ کیا۔ پس آج بنی اسرائیل کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور یہ حادثہ سنہ ۹۹۹م میں گزرا اور ہزارہا بنی اسرائیل کو غلام بنا کر لے گیا اور ستّر برس تک یہ مسجد اور شہر اُجاڑ پڑا رہا۔ اور ستّر برس تک بنی اسرائیل بابل میں مقید رہے۔ اس عرصہ میں بخت نصر مر گیا اور ایران کا بادشاہ جس کا نام خورش تھا (یہ دارا سے پیشتر تھا غالباً یہ خسرو ہے یا کوئی اور) ملکِ بابل پر قابض ہوا اور یہودیوں کو مع سامان بیت المقدس ایک پروانہ دے کر اُن کے ملک میں بسنے کے لئے روانہ کر دیا۔ ان میں عزرا یعنی عزیر علیہ السلام بھی تھے۔ بنی اسرائیل کے چالیس ہزار سے زیادہ آدمی تھے جو اپنے ملک میں آئے اور بیت المقدس اور یروشلم کو برباد دیکھ کر آنسو بھر لائے اور ارمیاہ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ مقید ہو کر نہ گئے تھے۔ پیچھے ان کو

حکم ہوا کہ بیت المقدس کو آباد کرو اور انہوں نے متعجب ہو کر کہا انی یحیی ہذہ اللہ بعد موتہا کہ اب یہ کیونکر آباد ہوگا۔ اس وقت وہ سو گئے[1] اور گدھے کو باندھ دیا اور ایک زنبیل میں کچھ کھانا پانی بھی تھا اس میں سو برس گزر گئے اور خدا تعالیٰ نے ان کو بیدار کیا تو کھانا پانی ویسا ہی تھا اور گدھے کی ہڈیاں پڑی ہوئی نظر آئیں۔ فرشتے نے پوچھا کس قدر سوئے؟ کہا ایک دن یا اس سے کم۔ کہا سو برس تجھ پر گزر گئے۔ پس ان کے روبرو وہ گدھا زندہ ہوا۔ انہوں نے کہا مجھ کو یقین کامل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ اتنے عرصہ میں بیت المقدس آباد ہو چکا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قصہ حضرت عزیر کا ہے، واللہ اعلم۔ الغرض حجی اور زکریا بن عِدو علیہما السلام کی اعانت سے دوبارہ دارا شاہ ایران کے عہد میں بیت المقدس بنایا گیا۔ جب بنیاد چُنی جانے لگی تو نوجوانوں نے بڑی خوشی کا نعرہ مارا اور جو بڈھے تھے جنہوں نے بیت المقدس کو پہلے دیکھا تھا وہ چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ پس جب بن چکا تو شمعون صادق کو سردار بنایا اور حضرت عزیر علیہ السلام نے ان انبیاء کو جمع کر کے یادداشت کے طور پر توراۃ کے احکام اور دیگر قصص جمع کر کے گویا توراۃ کو تعمیر کیا اور پھر یہود کو یہ وعظ و پند کہتے رہے مگر حکومت بنی اسرائیل جاتی رہی۔ ایرانیوں کا صوبہ دار وہاں رہا کرتا تھا۔ چند سال کے بعد یونان کے لوگوں نے زور کیا اور سکندر بڑی فوج لے کر ایران پر چڑھ آیا تب ملک شام ان کی حکومت میں چلا گیا۔ پھر یونان کی عملداری کے کئی حصے ہو گئے۔ اس کے بڑے حصہ کا پایہ تخت شہر روم[2] تھا۔ یہاں کے بادشاہ کی سلطنت نہایت وسیع تھی۔ اس ملک میں جو نائب رہتا تھا اس کو ہیرودوس کہتے تھے اور بادشاہ کو قیصر۔ حضرت زکریا علیہ السلام ان دنوں بیت المقدس کے اماموں میں تھے ان کی بیوی الیسباعؑ کہ جس کو الیسابات[3] بھی کہتے ہیں) کوئی اولاد نہ تھی اور الیسباع کی بہن حنہ تھی۔ انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرے ہاں بیٹا پیدا ہوگا تو میں بیت المقدس کی خدمت کے لئے چڑھاؤں گی۔ کیونکہ یہود میں دستور تھا۔ لیکن قدرتِ خداوندی سے لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام مریم رکھا اور نذر پوری کرنے کے لئے ہیکل میں بھیج دیا۔ وہاں کے اماموں میں گفتگو ہوئی۔ ایک کہتا تھا میں اس کی پرورش کروں گا۔ دوسرا کہتا تھا میں اس کو لوں گا۔ زکریا علیہ السلام کہ جو ان کے خالو تھے بسبب قرعہ اندازی کے اس کے مستحق ٹھیرے پس زکریا نے بیت المقدس میں ان کے لئے ایک جدا جگہ مقرر کر دی کہ سوائے ان کے وہاں اور کوئی نہ جاتا تھا۔ وہاں ایک بار کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مریمؑ بے موسم کے پھل کھا رہی ہیں۔ پوچھا یہ کہاں سے آیا؟ کہا خدا تعالیٰ کی طرف سے۔ پس اس وقت ان کے دل میں خیال آیا کہ جو بے موسم پھل کھلا سکتا ہے، مجھ بوڑھے کو بے موسم اولاد بھی دے سکتا ہے۔ اس لئے دعا مانگی اور تین روز تک بحکم الٰہی کسی سے کلام نہ کیا آخر اور فرشتے نے بشارت دی کہ تیرے گھر لڑکا پیدا ہوگا تو اس کا نام یوحنا یعنی یحییٰ رکھنا چنانچہ اس بشارت کے مطابق حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہ رشتہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماموں تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوئے تھے ایک روز حضرت مریمؑ حیض سے پاک ہو کر غسل سے فراغت کر کے بیٹھی تھیں کہ آدمی کی شکل میں جبریلؑ ان کو دکھائی دیئے۔ انہوں نے دیکھ کر خدا تعالیٰ کی پناہ چاہی اور کہا تو کون ہے؟ انہوں نے کہا میں جبریلؑ ہوں خدا تعالیٰ کی طرف سے اس لئے آیا ہوں کہ تجھ کو بیٹا دوں۔ وہ بولیں نہ تو میں بدکار ہوں نہ آج تک کسی مرد کے پاس گئی ہوں پھر بیٹا ہونے کی کیا صورت؟ جبریلؑ نے کہا تجھ کو یوں ہی بیٹا دے گا۔ پس جبریلؑ نے پاس جا کر ان کے

[1] سونے سے مراد مرنا ہے جس کو قرآن نے صاف لفظوں میں کھول دیا۔ اہل کتاب کی الہامی کتابوں میں سونا مذکور ہے۔ منہ

[2] یہ شہر ملک اٹلی میں ہے پوپ جو نائب عیسیٰ کہلاتے ہیں یہیں رہا کرتے تھے۔ قسطنطنیہ اس کے بعد آباد ہوا۔ ہرقل شاہ روم کا بھی پایہ تخت تھا۔ ۱۲ منہ

[3] جس کا مخفف الزبتھ ہے۔ منہ

گرنے کے گریبان میں پھونک دیا وہ حاملہ ہو گئیں اور بیت لحم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہود اُن کے مارنے کو آئے کہ تو نے حرام کا بچہ جنا۔ حضرت عیسیٰؑ نے بچپن میں کلام کرنا شروع کیا تو لوگ ڈر کر چلے گئے۔ یہود کو مریمؑ کے بارے میں حضرت زکریا علیہ السلام پر بدگمانی ہوئی۔ اُن کے مارنے کو دوڑے۔ یہ بیچارے ایک درختِ گنجان میں جا چھپے۔ یہود نے آرے سے درخت کو چیرا جس سے یہ بھی چر کر دو ٹکڑے ہو گئے۔ اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریمؑ کا نکاح ان کے چچا زاد بھائی یوسف بن یعقوب بن متان سے ہوا تھا کہ جو بڑھئی تھے اور جب مریمؑ اُن کے پاس آئیں تو حمل دیکھ کر گھبرائے مگر خواب میں فرشتے نے اُن کو مطلع کر دیا تو یہ ان کی پاکدامنی کے معتقد ہوئے (شاید یہ بھی ہوا ہو) مگر یوسف مریم کے پاس رہ گیا تھا۔ اور یوسفؑ اس بچہ اور ماں کو لے کر مصر میں چلے گئے ایک عرصہ تک حضرت عیسیٰؑ نے وہاں پرورش پائی۔ پھر جب یہ سُنا کہ یہ بادشاہ مر گیا تو پھر یوسف اپنے وطن میں آیا اور اپنے گاؤں ناصرہ میں رہا۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ کے لوگوں کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ اب عیسیٰؑ ہوشیار ہوئے اور طرح طرح کے معجزات یہود کو دکھا کر راہِ راست پر آنے کی ہدایت کرتے تھے مگر وہ سیاہ دل اُلٹے اُن کے بدخواہ ہوتے جاتے تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام اُون کے کپڑے پہنے جنگلوں میں رہتے اور نصیحت کرتے پھرتے تھے۔ دریائے یردن پر حضرت عیسیٰؑ نے حضرت یحییٰؑ کی شاگردی کی اور اُن کے ہاتھ سے غوطہ لیا جس کو نصاریٰ بپتسمہ کہتے ہیں اور اصطباغ بھی۔ یحییٰ علیہ السلام کو ہیرودوس نے اس لئے قید کر لیا تھا کہ وہ اس کو ایک عورت کے گھر میں رکھنے سے (کہ جس کا رکھنا اس کو جائز نہ تھا) منع کرتے تھے۔ آخر ایک روز ہیرودوس نے سالگرہ کا جلسہ کیا اور اس جلسہ میں اُس عورت کی بیٹی نے ناچ کر سب کو خوش کیا۔ ہیرودوس نے کہا مانگ کیا مانگتی ہے۔ اُس نے بادشاہ سے پکا وعدہ کرا کے اپنی ماں سے پوچھا۔ اُس نے کہا یحییٰؑ کا سر مانگ

بادشاہ نے جلاد کو بھیجا۔ اور وہ ایک لگن میں یحییٰ کا سر کاٹ کر لایا اور اس قحبہ کو دیا۔ اور اُس نے اپنی ماں کو دیا۔ جس سے وہ بہت خوش ہوئی۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ اپنے بارہ حواریوں کے ساتھ جا بجا وعظ کہتے پھرتے تھے اور یہود کو ملامت کرتے تھے جس سے یہود کو اُن سے سخت عداوت پیدا ہوئی اور اُن کے قتل کی تدبیر کرتے رہے آخر یہاں کے بادشاہ پلاطوس کو آمادہ کیا اور ایک جگہ سے حضرتؑ کو گرفتار کر کے لے گئے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کہ ان میں سے ایک کو خدا تعالیٰ نے مسیحؑ کی صورت میں کر دیا اور اُن کو صحیح سلامت آسمان پر بُلا لیا۔ وہ شخص یہود کے ہاتھ سے بڑی اذیت کے ساتھ مارا گیا اور سُولی چڑھتے وقت اُس نے بڑی جزع و فزع کی۔ عام لوگ بلکہ کل یہود و عیسائی یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی دیئے گئے۔ اُس وقت حضرت مسیحؑ کی عمر تینتیس ۳۳ برس کی تھی۔ اور یہ واقعہ غلبۂ سکندر کے تین سو چھتیس ۳۳۶ برس بعد ہوا ہے۔ اس کے بعد حضرت مسیحؑ (عیسیٰ) اپنے حواریوں کو دکھلائی دیئے اور ان کو اپنے دین کی اشاعت کی اور جناب رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دی۔ جیسا کہ انجیل برنباس میں مصرحاً مذکور ہے اور دیگر اناجیل میں لفظ فارقلیط ہے۔ اُن کے بعد حواریوں نے ملکِ شام اور یونان اور افریقہ میں دینِ الٰہی کو رواج دیا اور اس وجہ سے نہ تنہا یہود بلکہ شاہِ روم جو وہاں کا حاکم اور بت پرست تھا اور جس کو قیصر کہتے تھے حواریوں کا دشمنِ جانی ہو گیا اور بہت کو شہید کیا اور تکلیف دے کر مارا۔ یروشلم میں سب سے اوّل استیفان کو شہید کیا۔ مگر جوں جوں لوگ ان پر سختیاں کرتے تھے اسی قدر اُن کے خوارقِ عادات سے دینِ حق پھیلتا جاتا تھا۔ لیکن ایک یہودی نے عجیب فریب کیا کہ لوگوں میں مشہور کر دیا کہ مجھ کو حضرت عیسیٰؑ کا دیدار ہوا ہے اور اُنھوں نے مجھ کو ایک کتاب بھی دی ہے اس لئے وہ حواریوں میں مل گیا اور چونکہ وہ بڑا منہ زور تھا سب کو دبانے لگا اور سب کے برخلاف اس نے یہ مسئلہ جاری کیا کہ حضرت عیسیٰؑ خدا

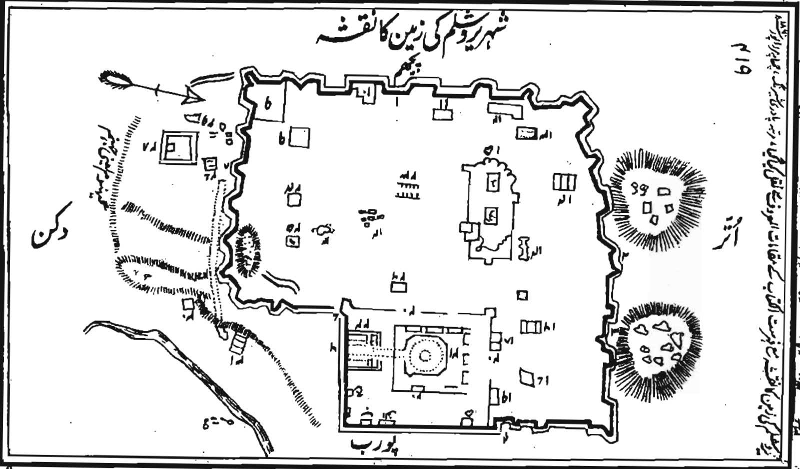


یروشلم کی زمین کا نقشہ مع فہرست الکتاب کے مقامات المعروف سے نقل کیا گیا، مرتبہ پادری شیرنگ

فہرست مقاموں کی بیت لحم کا پھاٹک دمشق کا پھاٹک افرائیم کا پھاٹک مقدس استیفان کا پھاٹک سنہرا پھاٹک بند ہے اور اہل اسلام سمجھتے ہیں کہ اگر اس راہ سے عیسائی لوگ آدیں تو شہر کو لے لینگے مسجد الاقصی

تھے خدا آدمی کی شکل میں ظاہر ہوا تھا وہ سب کے گناہ اٹھا کر لے گئے۔ بس اس بات پر ایمان لانا کافی ہے۔ شریعت کچھ نہیں بلکہ شریعت پر عمل کرنے سے لعنتی ہوتا ہے۔ اگرچہ اس بات پر شہر انطاکیہ میں حواریوں نے بحث بھی کی مگر اس کے مرید زیادہ ہو گئے تھے اس نے غلبہ پایا۔ قصہ مختصر اس نے دین عیسوی کو بالکل پلٹ دیا۔ اس کا نام پولوس ہے۔ تین سو برس تک عیسائیوں کو کہیں امن نہ ملتا تھا اس میں بار ہا وہ حملے ان پر ہوئے کہ چن چن کر لوگ قتل کئے گئے۔ کتابیں جلائی گئیں۔ چنانچہ انہیں حوادث میں حضرت عیسیٰؑ کی اصلی انجیل بھی جاتی رہی لیکن لوگوں نے حضرت کے حالات "تاریخ کے طور پر لکھنے شروع کئے۔ عیسائی ان کتابوں کو اپنی اصطلاح میں انجیل کہتے ہیں۔ چنانچہ اسّی سے زیادہ جھوٹی سچی انجیلیں مشہور ہوئیں لیکن ان میں سے اب عیسائیوں کے نزدیک چار کتابیں زیادہ معتبر ہیں۔ انجیل مرقس۔ انجیل لوقا۔ انجیل متی۔ انجیل یوحنا۔ بلکہ اس پولوس اور دیگر اشخاص کے خطوط کو بھی جمع کر لیا ہے اور سب کو حضرت عیسیٰؑ کی انجیل کہتے ہیں۔ جس طرح کہ بیت المقدس کی بربادی کی حضرت عیسیٰؑ نے خبر دی تھی اسی طرح ظہور میں آیا۔ تخمیناً اس کے چالیس برس بعد طیطوس[1] نے یہود کی سرکشی سے ان پر چڑھائی کی اور بیت المقدس کو جلا دیا اور شہر کو بالکل مسمار کر دیا اور ان کی تمام کتابیں جلا دیں اور تلاش کر کے یہودیوں کو قتل کیا اس کے بعد پولوس کا مذہب رواج پا گیا۔ روم کا بادشاہ قسطنطین کہ جو بڑا ظالم تھا اسی امید پر کہ میرے سب ظلم عیسیٰؑ اٹھا لیں گے چوتھی صدی عیسوی میں عیسائی ہوا اور بزور لوگوں کو عیسائی بنایا اور بڑے سخت قانون جاری کئے جس سے روم اور یونان اور اٹلی میں اس مذہب کی زیادہ شہرت ہو گئی اور پھر رفتہ رفتہ اور ملکوں میں بھی یہ مذہب پھیلا۔ تخمیناً آٹھ سو نو سو برس سے انگلستان کے لوگ بھی کہ جو بت پرست تھے عیسائی ہوئے اور روس و جرمن وغیرہ ملکوں میں بھی یہ مذہب رواج پا گیا۔ لیکن سینکڑوں فرقے پیدا ہو گئے۔ سب سے زیادہ دو گروہ ہیں۔ اوّل رومن کیتھولک جس میں روس اور فرانس وغیرہ ہیں یہ مذہب پولوس کے قدم بقدم پرانے خیالات پر ہے۔ روم میں پوپ ایک پادری یا امام ہوتا ہے کہ جو عیسیٰ علیہ السلام کا نائب کہلاتا ہے۔ پولوس کی حکومت اور شوکت اوّل تو سب عیسائی سلاطین تسلیم کیا کرتے تھے مگر بعد میں وہ شوکت جاتی رہی۔ پوپ ہر ایک عیسائی سے اس کے گناہوں کا اقرار کرا کے خواہ مفت خواہ روپیہ لے کر اس کے لئے جنت کی چٹھی بھی دیا کرتے تھے اور جو جو وہ حکم جاری کیا کرتے تھے وہ خدا کا حکم خیال کیا جاتا تھا۔ عیسائیوں کی کنواری لڑکیاں بھی جو اپنے نفس کو خدمات مذہبیہ کے لئے وقف کر دیتی تھیں پولوس اور ان کے خادموں کے پاس خلوت اور خلوت میں ساتھ رہتی تھیں۔ پوپوں کی بدعتیں اور بیہودہ باتیں اس قابل نہیں کہ اپنی تفسیر میں بیان کر سکوں۔ تخمیناً تین سو برس ہوئے کہ ایک شخص مارٹین لوتھر اس وقت کے پوپ سے برگشتہ ہو گیا اور اس کے شاگرد جان کالون وغیرہ اس کے مددگار ہو گئے اور اس نے مذہب کی ترمیم کی ان کو پراٹسٹنٹ کہتے ہیں۔ یہ مذہب انگلستان اور جرمن اور دیگر بلاد یورپ کا ہے۔

اب بیت المقدس کا حال سنئے۔ وہ یہ کہ طیطوس کے بعد پھر لوگوں نے کسی قدر بیت المقدس کو آباد کیا اور اس کا نام ایلیاء رکھا (یعنی خانۂ خدا) مگر قسطنطین کی والدہ ہلانہ کو کسی پادری نے یہ پٹی پڑھائی کہ جس سولی پر حضرت عیسیٰؑ لٹکائے گئے تھے وہ لاؤ گی تو حیات ابدی پاؤ گی۔ وہ شام میں آئی اور آ کر اس رہے سہے بیت المقدس کو بھی خراب کر گئی۔ اور یہ حکم دے گئی[2]

[2] حضرت مسیح علیہ السلام نے بیت المقدس کے خراب اور برباد ہونے کی پیشین گوئی کی تھی۔ عیسائیوں کے نزدیک اس کا آباد ہونا اس پیشین گوئی کے خلاف تھا اس لئے ہلانہ نئی دیندار نے اس مقام مقدس کو اور بھی خراب کرنا اور قاذورات اس پر ڈالنا کار ثواب اور موجب نجات سمجھا۔ منہ

[1] یہ شاہان قیاصرہ میں سے ایک بادشاہ تھا۔ منہ

کہ تمام شہر کا پاخانہ اور قاذورات یہیں پڑا کرے۔ سالہا سال تک یہی نوبت رہی اور کسی کی جرأت تعمیر کرنے کی نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس کو از سر نو تعمیر کیا پھر اس کے بعد قدیم بنیادوں پر ولید بن عبد الملک نے تعمیر مستحکم کا حکم دیا بہت سے قبے بنائے کسی کا نام قبۂ میزان اور کسی کا نام قبۂ معراج رکھا اور یہ بناء اب تک قائم ہے۔
(ہدایۃ القدماء - ہدایۃ الحکماء)

مگر سلاطینِ عثمانیہ کے عہد میں اس کی پھر تعمیر ہوئی یہ مسجد خاص اہلِ اسلام کے قبضہ میں ہے اور اس کے آس پاس یہود و نصاریٰ کے کئی قبے بنے ہوئے ہیں جیسا کہ نقشے سے معلوم ہوتا ہے۔ گو تمام عیسائیوں نے پیٹر ہرمٹ کے اغواء سے بیت المقدس کے لینے کا قصد کیا اور کئی صدیوں تک لڑائیاں رہیں مگر آخر کار صلاح الدین مصری کو خدا تعالیٰ نے غالب رکھ کر اپنا قدیم گھر سچے مذہب والوں کو دلایا۔ بحمد اللہ اہلِ کتاب کے تمام معابد آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں، والحمد للہ یہ مختصر سا حال بنی اسرائیل کا ہے کہ جس کے جاننے پر قرآن مجید کا سمجھنا موقوف ہے، اور تفصیلاً کتبِ تاریخ میں مذکور ہے۔ قرآنِ مجید میں مختلف اغراض سے ان قصوں کی طرف بلا لحاظ تقدیم و تاخیر اشارہ ہوتا ہے۔ پس ناظر کو چاہیئے کہ سب کو اس کے مقامات پر چسپاں کرلے۔

## واضح ہو

کہ بعض ملحدوں نے جس طرح اور معجزات کا انکار کیا ہے اسی طرح بنی اسرائیل کے عبور قلزم کا بھی انکار کیا ہے اور یہ توجیہ کی ہے کہ جزر و مد تھا۔ یعنی جب سمندر کا پانی اُترا ہوا تھا اس وقت بنی اسرائیل کا گزر ہوا اور اُن کے پیچھے فرعون اور اُس کا لشکر آیا تو اس وقت دریا کا چڑھاؤ تھا وہ لوگ سب کے سب مرے نہ یہ کہ موسیٰؑ کی عصا زنی سے سمندر کے دو ٹکڑے ہوئے

تھے جیسا کہ اہلِ کتاب اور اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے اور اپنے اس دعوے پر اُس نے ایک دلیلِ عقلی اور ایک نقلی پیش کی ہے۔ عقلی دلیل یہ ہے۔ قولہ

• انفلق ماضی کا صیغہ ہے اور عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ جب ماضی جزا میں واقع ہوتی ہے تو اُس کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ اگر ماضی اپنے معنوں پر نہیں رہتی بلکہ شرط کی معلول ہوتی ہے تو اس وقت اس پر فَ نہیں لاتے اور جب کہ وہ اپنے معنوں پر باقی رہتی ہے اور جزا کی معلول نہیں ہوتی تب اُس پر فَ لاتے ہیں۔ جیسے کہ اس مثال میں ہے ان اکرمتنی فاکرمتك امس۔ اس مثال میں جزاء (یعنی گزشتہ کل میں تعظیم کا کرنا) شرط کا معلول نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے پہلے ہو چکی تھی۔ اسی طرح اس آیت میں سمندر کا پھٹ جانا یا زمین کا کھل جانا ضرب کا معلول نہیں ہو سکتا الخ۔

**اقول** :- اس کا جواب یہ ہے (۱) تو زبانِ عرب کا یہ قاعدہ نہیں اگر ہے تو کسی اہلِ زبان یا کتاب کا حوالہ دیجیے۔

(۲) بلکہ وہ قاعدہ یہ ہے کہ ماضی جزا میں واقع ہو تو اگر استقبال کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ درصورت نہ ہونے لفظ قد کے ہوتا ہے تو فَ کا لانا لازم نہیں ورنہ فَ اس پر داخل کرتے ہیں۔ واذا کان الجزاء ماضیا بغیر قد لفظا او معنی لم تجز الفاء (کافیہ) والضابطة مدار اتیان الفاء وترکه لتاثیر المعنوی اعنی قلب الجزاء الی الاستقبال فانها فیه اثر تاثیرا تاما فلا حاجة الی الفاء وان اثر تاثیرا ناقصا فالوجهان وان لو یؤثر فیه اصلا فالفاء

**تکملۃ**:- اب کہاں یہ قاعدہ کہاں وہ قاعدہ، اس ناواقفیت کا کچھ ٹھکانا ہے۔

(۳) نہ یہاں شرط ہے نہ جزاء، نہ کوئی کلمۂ شرط ہے نہ کسی مفسر نے اس کو جزاء قرار دیا ہے صرف فَ آنے سے معترض نے جزاء سمجھ کر ایک منصوبہ باندھ لیا اور فَ جزاء کے سوا اور جگہ بھی آتی ہے بالخصوص تعقیب اور تفریع کے لیے اکثر مستعمل

ہوتی ہے جیسا کہ سبب اور مسبب اور علت اور معلول کے درمیان واقع ہوتی ہے جیسا کہ کسرتہ فانکسر اور قتلتہ فمات اور اس جملہ کی بھی جلالین وغیرہ تفاسیر میں یوں تقدیر کلام کی ہے ان اضرب بعصاک البحر فضربہ فانفلق (جلالین) جس طرح کہ ہماری زبان میں لفظ پس کا استعمال ہوتا ہے اور مسبب پر بیشتر اس کا استعمال آتا ہے جیسا کہ میں نے اس کو مارا وہ مر گیا مارنا سبب اور مر جانا مسبب ہے۔ اسی طرح اس آیت میں ضرب عصٰی سبب اور پھٹ جانا مسبب ہے۔ افسوس کہ معترض کو زبان عربی سے کچھ واقفیت نہیں۔ ناحق زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔

## دوسری دلیل نقلی

وہ یہ ہے کہ گلاڈیس تالمی جس کو کہ حکیم بطلیموسؑ کہتے ہیں جو سنہ عیسوی کی دوسری صدی میں تھا اور مصر میں رہا کرتا تھا اس لئے وہ بحر احمر کے حال سے زیادہ واقف تھا اس نے بحر احمر کا نقشہ لکھا تھا۔ اصل زبان یونانی ہے مگر اس کا ترجمہ لیٹن، جو ۱۶۱۸ء میں لوئیس سیزدہم شاہ فرانس کے زمانہ میں چھاپا گیا تھا، خوش قسمتی سے ہمارے پاس موجود ہے۔ اس میں تیس جزیرے بحر احمر میں مع نام بتلائے ہیں اور اب وہ جزائر نہیں (کیونکہ علم جیولوجی سے یہ بات ثابت ہے کہ جزائر بعض اسباب سے غرقاب ہو جایا کرتے ہیں اور کبھی دفعۃً نکل آتے ہیں) اس سے ثابت ہوا کہ بحر احمر کا اس زمانہ میں یہ زور شور نہ تھا کہ جو اہل اسلام کے زمانہ میں بارہ سو برس سے ہے۔ اس سے یہ یقین کامل ہو جاتا ہے کہ وہ مقام جہاں سے بنی اسرائیل اترے بلاشبہ جوار بھاٹے کے سبب رات کو پایاب اور دن کو عمیق ہو جاتا ہوگا اور موسیٰؑ کو پایاب اتر جانے کا رستہ معلوم تھا۔ پس حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل سمیت بحر احمر کی بڑی شاخ کی نوک میں سے جہاں ہم نے نقطوں کا نشان دیا ہے پار اتر گئے۔ صبح ہوتے ہی جو فرعون نے دیکھا کہ بنی اسرائیل پار اتر گئے اس نے بھی ان کا تعاقب کیا اور لشکر کو غلط راستے سے دریا میں ڈال دیا پانی بڑھ گیا۔ جس سے وہ سب ڈوب مرے۔ یہودیوں کی تقلید سے مفسرین نے ایک سیدھی سی بات کو ایک معجزہ خارج از قانون قدرت بنا دیا۔ حالانکہ قرآن سے ایسا ثابت نہیں۔

جواب: اول تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ نقشہ بطلیموس کے نقشہ کے موافق اور مطابق ہے (دوم) یہ کیا ضروری ہے کہ بطلیموس کے زمانہ میں جو موسیٰ علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد کا ہے بحر قلزم بدستور ممکن ہے کہ بقواعد جیولوجی اس وقت یہ نئی حالت پیدا ہوئی ہو جو حضرت موسیٰؑ کے عہد میں نہ تھی اور اب پھر ویسی ہی ہو گئی (سوم) اب بھی بحر احمر میں جزائر موجود ہیں اس تقدیر پر زمانہ بطلیموس میں اور زمانہ حال میں فرق ثابت کرنا مدعی کے ذمہ ہے (چہارم) یہ سب کچھ تسلیم بھی کیا جائے تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ بنی اسرائیل بحر قلزم کی نوک پر سے گزرے تھے جہاں کہ ایسا کنارہ تھا کہ پانی خشک ہو جاتا تھا۔ جہاں کہ مدعی نے نقطے لگائے ہیں (پنجم) اگر یہ تھا تو کیا فرعون کو اس کنارہ کا علم نہ تھا اور جب کہ اس کے ساتھ سینکڑوں اس ملک کے واقف تھے تو مقتضائے قانون فطرت یہ تھا کہ وہ کنارے سے بھی دو چار کوس ہٹ کر گاڑیوں کو خشک زمین سے لے کر نکلتا۔ (ششم) اگر کنارہ پاس تھا تو سینکڑوں بنی اسرائیل پر کیا مصیبت پڑی تھی کہ وہ اس مقام سے گزرتے کہ جہاں پانی پایاب ہو گیا تھا کس لئے کہ گارا اور کیچڑ تو پھر بھی باقی رہتا ہے کہ جس میں چلنا بالخصوص بھاگتے اور خوف کے وقت مشکل ہوتا ہے بلکہ مقتضائے عقل یہ تھا کہ اس نوک سے دو ایک کوس

ف۱ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بطلیموس میں تخمیناً دو ہزار برس کا فاصلہ ہے اگر اس نے بحر احمر کا حال اور نقشہ بنایا ہوگا تو اپنے عہد کا نہ کہ حضرت موسیٰؑ کے عہد کا پھر اس عرصہ دراز میں جیولوجی کے اصول سے اس مادہ نے یہ کیونکر ثابت کر لیا کہ کوئی بھی بحر احمر میں تغیر یا انقلاب پیدا نہیں ہوا اور بطلیموس کے عہد تک بحر احمر اسی صورت پر ٹھہرا رہا جو موسیٰؑ کے عہد میں تھا پھر یہ مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے۔ منہ

فاصلے سے خشک زمین سے گزرتے۔ مدعی کہاں تک تاویل کرے گا۔

علاوہ اس کے قرآن مجید کے الفاظ سے پانی کا پھٹنا ثابت ہے آیتِ اوّل فاوحینا الیٰ موسیٰ ان اضرب بعصاک البحر فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم ○ وازلفنا ثم الاخرین ○ ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے عصا کو دریا پر مارے۔ اُس نے مارا۔ پس دریا پھٹ گیا۔ اور ہر ٹکڑا بڑے پہاڑ کی مانند ہو گیا۔ اور لائے ہم اس جگہ دوسروں کو (شعراء)۔ یہاں ضرب کے معنی چلنے کے کہنا اور فی مقدر ماننا اور اضرب بعصاک فی البحر عبارت بنانا نہایت نادانی ہے۔ اوّل تو بحر مفعول بہ ہے اس کو مفعول فیہ کہنا پڑے گا۔ دوم پھر بھی اقرار لازم آئے گا کہ موسیٰؑ عصا کے ذریعہ سے دریا میں سے گزرے سو یہ بھی خلاف قانونِ قدرت ہے۔ تیسرے فانفلق البحر کے کیا معنے ہوں گے؟۔ (آیتِ دوم) فاضرب لھم طریقا فی البحر یبسا لا تخاف درکا ولا تخشیٰ اے موسیٰؑ! بنی اسرائیل کے لئے دریا کے بیچ میں سے خشک راستہ نکال (طٰہٰ) (آیتِ سوم) واترک البحر رھوا کہ دریا کو خشک چھوڑ دو (دخان) واذ فرقنا بکم البحر (بقرہ) اور ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا۔ اسی طرح تمام کُتب تاریخیہ بالخصوص توراۃ سفر خروج کے ۱۴ باب میں ہے (۲۲) اور بنی اسرائیل دریا کے بیچ میں سے سوکھی زمین پر ہو کر گزرے اور پانی کی اُن کے داہنے اور بائیں دیوار تھی (۱۶) تو اپنا عصا اُٹھا دریا پر مار اور اسے دو حصے کر۔ بنی اسرائیل دریا کے بیچوں بیچ میں سے سوکھی زمین پر ہو کے گزر جائیں گے۔ تعجب ہے کہ مدعی کے نزدیک توریت میں تحریف نہیں ہوئی، وہ تو معتبر نہ ہو اور لیٹن کا نقشہ معتبر مانا جاوے۔

واللہ الہادی

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب کہ ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ

پھر اس کے بعد تم نے بچھڑا بنا لیا حالانکہ تم ستم کر رہے

ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ

تھے۔ پھر اس کے بعد بھی ہم نے تم کو معاف

ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ

کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔ اور (یاد کرو) جب کہ

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ

ہم نے موسیٰ کو کتاب (توراۃ) اور قانون شریعت دیا

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

## ترکیب

واذ واعدنا فعل با فاعل موسیٰ مفعول اول اربعین لیلۃ مفعول ثانی اتخذتم فعل انتم فاعل العجل مفعول اول الٰہا مفعول ثانی محذوف وانتم ظالمون جملہ اسمیہ حال ہے فاعل اتخذتم سے۔ عفونا فعل با فاعل من بعد ذلک متعلق ہے فعل سے۔ آتینا فعل ضمیر نحن فاعل موسیٰ مفعول اول الکتاب معطوف علیہ والفرقان معطوف دونوں مفعول ثانی۔ لعل قرآن میں اکثر مفسرین کے نزدیک بمعنی کے آتا ہے۔ جس کے معنی ہیں "تاکہ" بعض کہتے ہیں ترجّی کے لئے مگر لوگوں کے محاورہ کے موافق خدا تعالیٰ بھی کلام کرتا ہے۔ ورنہ اس کو ہر چیز کی ابتدا انتہا معلوم ہے اور اسی طرح اذ جو ظرف ہے ہر جگہ اکثر کے نزدیک اذکر کے متعلق ہے۔ والقول ماقلنا فی المقدمۃ۔

## تفسیر

ان آیتوں میں خدا تعالیٰ اپنا چوتھا انعام یاد دلاتا ہے کہ جو دریائے قلزم کے پار اترنے کے بعد ظہور میں آیا کیونکہ خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کو کوہ طور پر انعام و عنایت کے لئے بلایا اور چالیس رات وہاں ان کو ٹھیرنا پڑا مگر بجائے شکرگزاری کے بنی اسرائیل نے بعد میں ایک بچھڑا سامری کا ڈھالا ہوا بجائے حقیقی خدا کے اپنا خدا بنا لیا۔ اس کی سزا میں اگر سب ہلاک کئے جاتے تو کوئی بڑی بات نہ تھی مگر اس پر بھی خدا تعالیٰ نے ان کو معافی دی۔ یہ کس قدر انعام اور عنایت ہے۔ تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جب موسیٰؑ نے قلزم کو عبور کیا اور کوہ طور کے پاس پہنچے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ چالیس رات تم ہماری جناب میں پہاڑ پر عبادت کرو تاکہ تم کو کلام اور احکام شریعت ملیں یہ اس لئے کہ اس عرصہ میں جسمانی تعلقات کم ہو کر ملکیت کا ظہور ہو تو خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی صلاحیت ہو جاتی ہے اور اسی لئے اہل باطن چالیس روز کا چلہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ پہاڑ پر تشریف لے گئے اور بنی اسرائیل سے تیس رات کا وعدہ کر گئے۔ کیونکہ اول میں یہی حکم ہوا تھا۔ پھر دس رات وہاں اور رہنا پڑا تو بنی اسرائیل میں کھلبلی مچ گئی کہ موسیٰؑ مر گئے۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص سامری نامی تھا۔ اس نے کیا مکر کیا کہ بنی اسرائیل سے کہا اب تو موسیٰؑ مر گئے۔ اور تمہارے لئے خدا کا ہونا ضروری ہے۔ تم مجھ کو زیور دو میں تمہارے لئے خدا بنا دوں۔ چونکہ مصر کے لوگ گائے بیل اور بچھڑے کو پوجتے تھے۔ یہ بنی اسرائیل بھی ان کی صحبت کے خوگر تھے۔ اس لئے اس نے ایک بچھڑا بنا لیا۔ سب بنی اسرائیل اس کو سجدہ کرنے لگے۔ اسی اثناء میں حضرت موسیٰؑ جو پہاڑ سے لوحیں کہ جن میں احکام الٰہی لکھے تھے لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل کی یہ حالت دیکھ کر بڑے ناراض ہوئے اور اپنے بھائی ہارونؑ پر خفا ہوئے کہ میں تم کو اپنا نائب بنا کر گیا تھا۔ تو نے کیوں منع نہ کیا۔ انہوں نے عذر کیا کہ میں منع کرتا تو لوگ مجھ کو مار ڈالتے۔ یہ قصہ آگے بھی آوے گا اور ہم بیان بھی کرتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آیا کہ اس بچھڑے کو ریت کر دریا میں ڈلوا دو اور لوگ

اس کی توبہ میں اپنے آپ کو قتل کریں۔ چنانچہ ایسا کیا۔ تب موسیٰؑ نے رو کر التجا کی۔ تب یہ حکم معاف ہوا اور خدا تعالیٰ نے درگزر کیا۔ اور پھر موسیٰؑ پہاڑ پر گئے تو بہت سے احکام لائے اور غالباً یہی مجموعۂ توراۃ تھا کہ تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔ اس بچھڑا پوجنے کی کیفیت اگلی آیت میں بیان فرماتا ہے۔

## متعلقات

(۱) الکتاب سے مراد تو قطعاً توراۃ ہے مگر فرقان کو جو بروزن غفران ہے جس کے معنی فرق کرنے والی چیز کے ہیں۔ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے بھی توراۃ مراد ہے۔ یہ توراۃ کا وصف ہے کہ حق و باطل میں فرق کرتی تھی۔ بعض کہتے ہیں اس سے حجج اور معجزات مراد ہیں، واللہ اعلم۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ

اور (یاد کرو) جب کہ موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو! بیشک تم نے

ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ

بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کر لیا، پس اپنے پروردگار کے آگے توبہ

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

کرو (اور وہ یہ ہے) کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ

پس یہ تمہارے لئے تمہارے پروردگار کے نزدیک بہت بہتر ہے۔ پھر تم کو

عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (۵۴)

خدا تعالیٰ نے معاف کیا، بیشک وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

## ترکیب

واذ قال فعل موسیٰ فاعل۔ لقومہ متعلق ہے قال کے یاقوم الخ یہ سب مقولہ ہے یا حرف ندا قوم منادی مضاف ی متکلم مضاف الیہ محذوف کسرۂ میم اس کے قائم مقام ہے۔ انکم الخ ہمارا۔ باقی جملے صاف ہیں۔

## تفسیر

یہ پانچواں انعام یاد دلاتا ہے کہ اس گوسالہ پرستی کی سزا میں تم کو اس سرے سے اس سرے تک ہلاک کیا جاتا تو کوئی بات نہ تھی مگر توبہ میں قتل کا حکم دے کر پھر اس کو بھی معاف کر دیا۔ اس کی تفسیر یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے تشریف لائے اور یہ حال دیکھا تو ان کو ملامت کی کہ تم نے اپنی جانوں پر بڑا ظلم کیا۔ اب تم توبہ کرو اور تمہاری توبہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو قتل کرو اور ہر شخص اپنے قرابتی کو مارے کہ وہ اپنے نفس کا قتل کرنا ہے۔ چنانچہ ایسا[۱] ہوا جیسا کہ توراۃ سفر خروج کے بتیسویں باب میں لکھا ہے (۲۷) اور اس نے انہیں کہا کہ اسرائیل کے خدا نے فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر مرد اپنی کمر پر تلوار باندھے الخ اور ہر ایک آدمی اپنے دوست کو اور ہر ایک آدمی اپنے قریب کو قتل کرے (۲۸) اور بنی لاوی نے موسیٰؑ کے کہنے کے موافق کیا۔ چنانچہ اس روز تین ہزار مرد مارے گئے۔ پھر دوسرے روز موسیٰ نے لوگوں کو کہا کہ تم نے بڑا گناہ کیا الخ۔ اور سر اس میں یہ تھا کہ شرک کر کے ان لوگوں نے اپنی حیاتِ ابدی کو مٹایا۔ پس اس کے کفارہ میں یہ حیاتِ مستعار مٹانی چاہیے۔ الغرض موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی اس حالت پر رحم آیا اور خدا تعالیٰ سے سفارش کی۔ اس نے ان کو معاف کیا۔ کس لئے کہ وہ بڑا مہربان اور معاف کرنے والا ہے۔

## متعلقات

لفظ برء جو باری کا مادہ ہے ایک چیز سے الگ ہونے کے لئے موضوع ہے یا کسی تنگی سے الگ ہونا جیسا کہ بولتے ہیں برئ المریض من مرضہ والمدیون من دینہ۔ کہ مریض نے مرض سے

[۱] اس مقام پر بھی محرفِ قرآن کا یہ کہنا کہ قولہ اس آیت سے یہ بات نہیں پائی جاتی کہ بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنے آپ کو مار ڈالا تھا الخ نہ تنہا قرآن بلکہ توراۃ اور کتبِ تاریخ کا انکار بلا دلیل کرنا ہے جس کو کوئی عاقل پسند نہیں کرتا۔ منہ

اور قرضدار نے قرض سے خلاصی پائی۔ یا ابتداءً کوئی کام کرنا جیساکہ بولتے ہیں، برئ اللہ الآدم من الطین یعنی آدم کو ابتداءً مٹی کی آلودگی سے ممتاز کرکے پیدا کیا (بیضاوی و حاشیۂ عصام وغیرہ) اس مقام پر لفظ بارئکم لانے میں یہ نکتہ ہے کہ بنی اسرائیل کو اس درجہ کی جہالت نے گھیرا تھا کہ اپنے خالق کی پہچان بھی نہ رہی تھی یہاں تک کہ اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے بچھڑے کو خدا سمجھ کر عبادت کرنے لگے۔ اور ایک اور بھی باریکی ہے وہ یہ کہ جس نے اپنے باری تعالیٰ یعنے خالق کا انکار کیا اُس کی سزا اُس نعمت کا واپس لینا ہے، یعنی موت۔ تاکہ وہ باری تعالیٰ پھر زندگی جاودانی عطا کرے۔ اور اسی لئے دو بار لفظ بارئکم بولا گیا۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ

اور جب کہ تم نے (تمہارے بزرگوں نے) کہا اے موسیٰ! جب تک کہ

حَتَّىٰ نَرَى ٱللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ

ہم خدا کو علانیہ نہ دیکھ لیں گے آپ کا ہرگز یقین نہ کریں گے

ٱلصَّٰعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ

تب بجلی نے تم کو دیکھتے دیکھتے آلیا۔ پھر

بَعَثْنَٰكُم مِّنۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ

ہم نے تم کو تمہارے مرنے کے بعد جلا اٹھایا تاکہ تم

تَشْكُرُونَ ﴿٥٦﴾

شکر کرو۔

## ترکیب

واذ قلتم فعل انتم فاعل محذوف یاموسیٰ الخ اسکا مقولہ لن نؤمن لک ای لاجلک اولن نقر لک نرٰی فعل با فاعل لفظ اللہ مفعول ذی الحال جہرۃ حال اور ممکن ہے کہ فاعل سے حال ہو اور ممکن ہے کہ یہ مفعول مطلق ہو کر منصوب ہو۔ (بیضاوی)۔

## تفسیر

یہ چھٹا انعام ہے جو ان معافیوں کے بعد بنی اسرائیل کے جرم جدید پر وقوع میں آیا جس کی تفصیل یہ ہے۔ علماء کا اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ کہاں کا واقعہ ہے محمد بن اسحٰق جو فنِ سیرت کے امام ہیں، یہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب گوسالہ پرستی کی سزا میں بنی اسرائیل پر قتل نفس کی توبہ مقرر ہوئی تو موسیٰؑ اپنی قوم کے ستر شخصوں کو لے کر کوہ طور پر معذرت کے لئے گئے اور انہوں نے موسیٰؑ سے کہا کہ تو اپنے رب سے کلام کر ہم سنتے ہیں اور اس ہم کلامی کی وجہ سے موسیٰؑ کا چہرہ ایسا منور ہوا کہ جس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ قوم نے کہا ہم نے صرف باتیں سنی ہیں۔ مگر ہم جب تک خدا کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں گے ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ تب اُن پر بجلی پڑی اور سب مرگئے۔ پھر موسیٰؑ نے کہا الٰہی! میں ان کو بنی اسرائیل کی گواہی کے لئے ساتھ لایا تھا۔ اب یہ تو مرگئے۔ میں بنی اسرائیل کو کیا جواب دوں گا؟ تب خداتعالیٰ نے موسیٰؑ کی دُعا سے اُن کو زندہ کردیا۔ اور سدیؒ نے کچھ اور طرح پر بیان کیا ہے کہ جب قتل نفس کے بعد خداتعالیٰ نے موسیٰؑ کو فرمایا کہ تو ستر شخصوں کو لے کر پہاڑ پر ہمارے پاس آ۔ جب وہ گئے تو کہنے لگے کہ جب تک خداتعالیٰ کو ہم عیاناً نہ دیکھیں گے تیری بات پر یقین نہ کریں گے۔ پس بجلی پڑی اور سب مرگئے۔ تب موسیٰؑ نے رو کر عرض کی کہ اوّل تو قتل کا حکم ہوچکا ہے پھر جو کچھ باقی رہے تھے ان میں سے ستر آدمی لے کر آپ کے پاس آیا اب یہ بھی مرگئے تو بنی اسرائیل سے کیا کہوں گا۔ خداتعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ستر وہ ہیں جو بچھڑا پوجنے میں شریک تھے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ یہ آپ کی آزمائش ہے جس کو چاہتے ہیں آپ گمراہ کرتے ہیں جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ اگر یہی تھا تو مجھ کو اور ان کو پہلے ہلاک کردینا تھا الخ۔ پس خداتعالیٰ نے ان کو زندہ کردیا اور اُن کو نبی بھی بنایا۔ (تفسیر کبیر ملخصاً)۔ ان دونوں قولوں میں کچھ بڑا تفاوت نہیں ہے۔ اوّل قول کے مضامین توراۃ سفر عدد کے ۱۱ باب اور سفر خروج کے ۳۴ باب سے سمجھے جاتے ہیں۔ شاید اسی قصہ کو خداتعالیٰ نے سورۃ اعراف میں ذکر کیا ہے۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ الآیات۔ کہ موسیٰؑ نے ہمارے وعدے کے لئے ستر شخص پسند کئے پھر جب ان کو زلزلہ نے آلیا تو موسیٰؑ نے کہا اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا۔ کیا بیوقوفوں کے فعل سے آپ ہم کو ہلاک کرتے ہیں۔ یہ تو صرف تیری آزمائش ہے الخ۔ میری رائے میں سورۂ بقرہ کا یہ واقعہ وہ ہے جو سفر خروج کے ۱۹ باب سے اشارۃً سمجھا جاتا ہے اور سورۂ اعراف کا قصہ وہ ہے کہ جو سفر خروج کے ۲۴ باب سے سمجھا جاتا ہے۔ بعض ماوّل واقعہ سورۂ بقرہ کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ ستر شخص مرے نہ تھے بلکہ بجلی کے صدمہ سے بیہوش ہو گئے تھے اس بیہوشی کو موت سے تعبیر کیا ہے جس طرح کہ خواب کو موت کہتے ہیں اور اس سے بیدار ہونے کو زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کوہ طور کے لرزنے اور وہاں عجائباتِ قدرت کے ظاہر ہونے کو بھی اس بات پر محمول کیا ہے کہ وہ پہاڑ آتش فشاں تھا۔ یہ تاویلات ملحدانہ خیالات کے ثمرات ہیں کہ جس پر اس کی تفسیر کا مدار ہے، فقط۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا

اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا (اور اجازت

عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ

دی کہ) جو کچھ ہم نے تم کو پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں ان میں سے کھاؤ

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا

(لیکن) اور انہوں نے ہمارا تو کچھ

وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

بھی نہیں بگاڑا بلکہ اپنا ہی بگاڑتے رہے۔ اور (یاد کرو)

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا

جب کہ ہم نے کہا کہ اس شہر میں جاؤ پھر وہاں دل بھر کر جہاں سے

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا

چاہو کھاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے

الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ

گھسنا اور معافی مانگتے ہوئے جانا تو ہم بھی تمہاری خطائیں

خَطٰيٰكُمْ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

معاف کر دیں گے۔ اور اچھے لوگوں کو اور زیادہ بھی دیں گے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ

پھر ظالم اس بات کے سوائے جو ان سے کہی گئی تھی اور

قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

(بات) کہنے لگے پھر تو ہم نے بھی ان شریروں پر ان کی اس بدکاری

ع ۱۳ / ۶ / ۶

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے آسمان سے ایک بڑی بلا نازل کی۔

## ترکیب

ظللنا فعل با فاعل علیکم متعلق ہے فعل سے الغمام مفعول اور یہ جنس ہے اور جب واحد مراد ہوتا ہے تو ت زیادہ کرتے ہیں۔ غمامۃ بولتے ہیں کلوا فعل با فاعل شیئاً مفعول محذوف من بیان ہے اس محذوف کا۔ طیبات مضاف ما رزقنا کم مضاف الیہ انفسہم مفعول ہے یظلمون کا ای کانوا یظلمون انفسہم۔ واذ قلنا فعل نحن فاعل ادخلوا فعل انتم فاعل ہذہ موصوف القریۃ صفت یہ مجموعہ مفعول فیہ ہوا ادخلوا کا اور کل مقولہ ہوا قلنا کا رغداً منصوب ہے یا اس وجہ سے کہ مفعول مطلق ہے ای اکلاً واسعاً یا حال ہے فاعل کلوا سے۔ سجداً جمع ساجد حال ہے فاعل ادخلوا سے ای متواضعین۔ حطۃ خبر ہے مبتدا محذوف کی ای سوالنا حطۃ۔ پھر یہ مجموعہ مقولہ ہے قولوا کا۔ نغفر لکم جواب امر ہے اور اسی لئے مجزوم ہے فبدل فعل الذین ظلموا جملہ فاعل الذی قیل لہم مفعول اوّل محذوف قولاً موصوف غیر الذی الخ اس کی صفت مجموعہ مفعول ثانی (تبیان) من السماء متعلق محذوف ہو کر صفت ہے جزاً کی۔

ساتواں اور آٹھواں انعام

# تفسیر

یہ ساتواں اور آٹھواں انعام ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔ بنی اسرائیل جب دریائے قلزم عبور کر کے بیابان میں آئے تو وہاں گرمی کی بڑی شدت تھی۔ خدا تعالیٰ نے اپنا فضل کیا کہ ایک بادل کا سایہ بنا کر ان کو دھوپ کی شدت سے بچایا۔ یہ ساتواں انعام ہے۔ پھر کھانے کا یہ سامان کیا کہ منّ[1] اور سلویٰ یعنی بٹیریں نازل کرتا تھا کہ ان کے خیموں کے گرد بٹیریں جمع ہو جاتی تھیں رات کو اندھیرے میں یہ لوگ پکڑ لیتے تھے اور پھر گوشت پکا کر کھاتے تھے جیسا کہ توراۃ میں مشرحاً مذکور ہے۔ یہ آٹھواں انعام ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ یاد دلاتا ہے اور تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل مشقتِ سفر سے گھبرائے تو خدا نے حضرت موسیٰؑ کو دریائے یردن کے اس کنارہ تک پہنچا کر کنعان کی تمام سرزمین دکھائی اور خبر دی کہ تو اس ملک میں نہ ملنے پائے گا بلکہ تیری موت یہیں ہو گی۔ مگر بنی اسرائیل کو کہہ دیجئے کہ میں تم کو یہ ملک دیتا ہوں اور عنقریب تم اس شہر یریحو کو (کہ جس کو اریحا کہتے ہیں) فتح کرو گے۔ پس جب تم ان شہروں میں جا داخل ہو تو خدا کی نعمتیں اور طرح طرح کے میوے کھانا۔ مگر اس کے شکریہ میں یہ بات ضرور ہے کہ جب دروازے میں سے گزرو تو اپنی فتح اور بہادری پر نہ اترانا بلکہ سجدہ کرتے ہوئے یعنی عاجزی کرتے ہوئے اور خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے جانا۔ اس پر ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے۔ اور جو تم میں نیک ہیں ان کو اس کے معاوضہ میں ہم اور زیادہ عطا کریں گے۔ پھر جب حضرت یوشع بن نونؑ کے عہد میں بنی اسرائیل نے یہ ملک اور یہ شہر فتح کئے تو بجائے تواضع اور استغفار کے سرکش اور بدکار ہو گئے اور طرح طرح کی بدکاری اور بت پرستی کرنے لگے۔ خدا تعالیٰ نے ان پر آسمانی بلا نازل کی۔ کہ وبا سے ہزاروں ہلاک ہوئے اپنے افعالِ بد کا نتیجہ پایا۔

فائدہ:۔ یہ قصہ سورۂ اعراف میں بھی یاد دلایا ہے۔ اس عنوان سے واذ قیل لہم اسکنوا ھٰذہ القریۃ وکلوا منہا حیث شئتم وقولوا حطۃ وادخلوا الباب سجداً نغفر لکم خطیئٰتکم سنزید المحسنین۔ فبدّل الذین ظلموا منہم قولاً غیر الذی قیل لہم فارسلنا علیہم رجزاً من السماء بما کانوا یظلمون۔ اب یہ نکات کہ اس سورۃ میں اسکنوا فرمایا اور بقرہ میں ادخلوا کہا اور وہاں یظلمون اور بقرہ میں یفسقون فرمایا (وغیر ذلک) تفسیر کبیر وغیرہ کتب میں ملاحظہ کرنے چاہئیں۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا
اور یاد کرو کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی کی درخواست کی تو ہم نے

اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ
کہا کہ موسیٰ اپنے عصا کو پتھر پر مارو (انہوں نے مارا) تو اس سے بارہ چشمے

اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ
پھوٹ نکلے۔ ہر ہر شخص نے اپنا گھاٹ

[1] منّ، دھنیے کے دانوں کی طرح اوس جو بڑی شیریں ہوتی تھی جیسا کہ ترنجبین، بنی اسرائیل کے خیموں کے آس پاس جم جاتی تھی۔ اس کو اٹھا لیتے اور تووے پر روٹیوں کی طرح پکا پکا کر کھاتے تھے (توریت) چونکہ وہ بے مشقت ملتی تھی اس لئے محنت اور بے مشقت چیز کو لوگ من و سلویٰ کہتے ہیں اور شیریں اور لذیذ بھی تھی اس لئے عمدہ غذا کو بھی من و سلویٰ سے تعبیر کرتے ہیں مگر بنی اسرائیل لذیذ اور بے محنت چیز کو ہر روز اور مسلسل کھاتے کھاتے گھبرا گئے اور خرمستی میں پیاز اور ترکاریاں موسیٰؑ سے مانگنے لگے گویا وہ فرعون کی قید سے کیا نکلے تھے خدا تعالیٰ اور موسیٰؑ پر احسان جتلاتے تھے آرام طلب مفت خور قوموں کا یہی حال ہوتا ہے ان پر خرمستی سوار ہو جاتی ہے فسق و فجور اور فحش گوئی اور کاہلی ان کا شیوہ ہو جاتا ہے اس لئے اس کفرانِ نعمت کا عذاب ان پر نازل ہوتا ہے ان میں اولوالعزمی غیرت، جفاکشی کا مادہ باقی نہیں رہتا اور غیر اقوام کا شکار ہو جاتے ہیں ایسی بگڑی قوم کی اصلاح سے موسیٰ علیہ السلام بھی عاجز آ گئے تھے ایسے لوگوں کے قول و فعل کا اعتبار نہیں نہ ان میں اخوت اور وطنیت کا پاس رہتا ہے۔ یہ امت محمدیہ کو سنایا جاتا ہے۔ حقانی

مِّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ

چلوں پیا (اجازت دی گئی) خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ اور

اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٦٠﴾

پیو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔

## ترکیب

واذ استسقیٰ فعل موسیٰ فاعل لقومہٖ متعلق ہے فعل سے ف تعقیب قلنا فعل نحن فاعل اضرب فعل انت فاعل بعصاک میں با استعانت کے لئے جار مجرور متعلق اضرب کے ہوا۔ الحجر مفعول یہ سب جملہ مقولہ ہوا قلنا کا۔ انفجرت فعل اثنتا عشرۃ فاعل ممیز عینا تمیز ای ضرب فانفجرت قد علم فعل کل اناس فاعل مشربھم مفعول۔ مفسدین حال مؤکدہ ہے لاتعثوا سے العثی فساد کرنا۔ الانفجار پھوٹ نکلنا پانی کا۔

## تفسیر

یہ نواں انعام ہے اس میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر یہ بڑا احسان کیا تھا۔ "جب بنی اسرائیل سین کا بیابان طے کر کے رفیدیم میں پہنچے تو اس ریگستان میں پانی نہ تھا۔ لوگ موسیٰؑ سے جھگڑنے لگے کہ ہم کو پانی دے کہ پیویں الخ۔ موسیٰؑ نے خداوند سے فریاد کی اور کہا کہ میں ان لوگوں سے کیا کروں الخ خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کو فرمایا کہ لوگوں کے آگے جا اور بنی اسرائیل کے بزرگوں کو اپنے ساتھ لے اور اپنا عصا جو تو دریا پر مارتا تھا الخ اس چٹان پر مار یو اس سے پانی نکلے گا تاکہ لوگ پیویں۔ چنانچہ موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے سامنے یہی کیا" (سفر خروج باب ۱۷) تب اس چٹان سے بارہ چشمے بعدد اسباط بنی اسرائیل بہہ نکلے اور ہر سبط نے ایک چشمے کو اپنے لئے معین کر کے خوب پانی پیا۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا میری نعمتیں کھاؤ پیو اور اس کا شکریہ ادا کرو نہ یہ کہ بغاوت اور سرکشی اور بدکاری کر کے ملک میں فساد مچاؤ۔ یہ واقعہ کئی بار بنی اسرائیل پر گزرا ایک بار تو یہاں پھر جب ایلیم میں گئے وہاں بارہ چشمے پانی کے اور ستر درخت کھجور کے تھے (خروج باب ۱۵) اور پھر جب بنی اسرائیل قادس میں گئے اور پانی نہ ملا تو یہی واقعہ پیش آیا۔ چنانچہ سفر عدد کے ۲۰ باب میں یہ جملہ ہے "تب موسیٰؑ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اس چٹان کو دوبارہ اپنی لاٹھی سے مارا تو بہت پانی نکلا" حضرت موسیٰؑ نے تو عصا مار کر پتھر میں سے پانی نکالا تھا کہ جو بسا اوقات خود بھی نکلا کرتا ہے۔ ہزاروں چشمے پتھروں سے نکلتے ہیں۔ مگر سید المرسلین صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ نے تو انگلیوں سے اس قدر پانی نکالا کہ جس کو سینکڑوں آدمیوں اور جانوروں نے شکم سیر ہو کر پیا۔ جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ کتب میں ہے اور کئی بار ایسا ہوا۔ لیکن اس سورۃ میں جو ذکر ہے تو رفیدیم اور قادس کے واقعہ کا ہے۔ **واضح** ہو کہ قدیم سے ظاہر بین لوگ معجزاتِ انبیاءؑ اور امورِ خوارقِ عادات کا انکار کرتے چلے آتے ہیں۔ کیونکہ ان کا سِرّ ان کی عقلِ کوتاہ بین میں جب نہیں آتا تو سوائے انکار کے اور کوئی تدبیر نہ سوجھی سو اس مقام پر بھی یہی تعجب کیا کہ لاٹھی کے مارنے سے اس قدر پانی نکلنا کہ جس کو لاکھوں آدمی پی کر سیراب ہوں قانونِ قدرت کے خلاف ہے حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ پتھروں میں عجیب وغریب تاثیرات خدا تعالیٰ نے رکھی ہیں۔ کیا ممکن نہیں کہ وہ پتھر پانی کو زمین سے جذب کر کے نکالے یا ہوا کو ہر طرف سے جذب کر کے اپنی قوتِ تبریدیہ سے پانی کر کے بہادے۔ مگر بعض مقلدینِ دہریہ نے یہ دیکھا کہ قرآن اور توراۃ میں یہ واقعہ موجود ہے تو ان کی یہ تاویل کی اضرب کے معنی چلنے کے ہوتے ہیں اور حجر سے مراد پہاڑی چشمہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ لاٹھی کے سہارے سے پہاڑ پر چڑھ۔ یہ غلط ہے یا اوّل تو بقول ماول ضرب کے معنی جہاں چلنے کے ہوتے ہیں تو فی آتا ہے، وہ یہاں نہیں۔ دوم اس کا کوئی

قائل نہیں۔ سوم فاتخرت کے پھر کیا معنی؟ اور توراۃ کا جو حوالہ دیا وہ غلطی ہے کیونکہ جس مقام کا حوالہ دیا ہے وہ ایلیم ہے اور یہاں رفیدیم کا ماجرا بیان ہو رہا ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ
اور (یاد کرو) جب کہ تم نے موسیٰ سے کہا کہ ہم تو ایک کھانے پر صبر نہیں
وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا
کر سکتے۔ پس ہمارے لئے اپنے رب سے مانگئے کہ وہ ہمارے لئے زمین کی
تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا
پیداوار میں سے ساگ اور ککڑی
وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ
اور گیہوں اور مسور اور پیاز پیدا کردے (موسیٰ نے) کہا کیا
اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ ھُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ
تم بری چیز کو اچھی چیز کے بدلے میں لینا
ھُوَ خَيْرٌ ۭ اِھْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ
چاہتے ہو، کسی شہر میں اتر پڑو کہ بے شک جو تم مانگتے ہو
مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ
تم کو ملے گا۔ (اور ان کی ان باتوں سے) ان پر ذلت
وَالْمَسْكَنَةُ ۤ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ
اور کنگالی ڈالی گئی اور انہوں نے غضب الٰہی
اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ
کمایا، یہ اس لئے کہ وہ خدا کی نشانیوں کا انکار کرتے رہتے
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ
تھے اور ناحق نبیوں کو قتل کیا کرتے تھے اور (نیز) یہ (غضب الٰہی)
الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (٤)
اس لئے ہوا کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔

دسواں انعام

## ترکیب

واذ قلتم فعل انتم فاعل یا موسیٰ الیٰ بقلها اس کا مقولہ یہ تمام جملہ معطوف ہوا اگلے جملے پر۔ یخرج فعل ربک فاعل شیئاً محذوف من بیانیہ ما موصولہ تنبت الارض جملہ اس کا صلہ من بقلها الخ اس کا بیان اور موضع اس کا نصب ہے حال ہونے کی وجہ سے ضمیر محذوف سے تقدیرہ مما تنبتہ الارض کائنا من بقلها۔ پس یہ تمام جملہ بیان ہوا شیئاً کا اور یخرج جواب امر ہے۔ یعنی ادع کا جواب اس لئے مجزوم ہوا۔ قال فعل موسیٰ فاعل آ استفہامیہ تستبدلون فعل انتم فاعل الذی ادنیٰ لے حقیر یہ مفعول بالذی میں بائے مقابلہ پس تمام جملہ استفہام انکاریہ ہو کر مقولہ ہوا قال کا۔ اہبطوا مصراً جملہ انشائیہ فان لکم خبر ہے ان کی اور ما موصولہ سألتم جملہ صلہ یہ جملہ مجموعہ اسم ان۔ وضربت جملہ مستانفہ من اللہ موضع جر میں صفت ہے غضب کی۔ ذلک اشارہ الی ما سبق من ضرب الذلۃ والمسکنۃ وباؤ بغضب مبتدا بانہم الخ اس کی خبر۔ بغیر الحق موضع نصب میں ہے بسبب حال ہونے کے ضمیر یقتلون سے تقدیرہ یقتلونہم مبطلین۔ ذلک اشارہ ہے جمیع امور مذکورہ کی طرف بتاویل ما ذکر مبتدا۔ بما عصوا الخ خبر۔

## تفسیر

اس بڑی آیت میں اذ قلتم سے لے کر ما سألتم تک یہود پر اپنا دسواں انعام جتلا کر وضربت سے آخر آیت تک ان پر ان کی بدکاری و ظلم پر سرزنش فرماتا اور ان کے افعال بد کا بدنتیجہ بتلاتا ہے۔ یہ بھی ایام تیہ کا عہد موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ ہے۔ جب بنی اسرائیل پر اس دشت پرخار میں کہ جہاں کوئی سامان خورش نہ تھا خدا تعالیٰ کی طرف سے منّ و سلویٰ اترنے لگا، تو بجائے شکر گزاری کے اس جنگل میں حضرت موسیٰ سے لڑنے جھگڑنے لگے کہ تو نے ہمیں مصر سے نکال کر اس وادی میں لا ڈالا کہ جہاں بجز منّ و سلویٰ کے اور کچھ نہیں۔ ہم مصر میں زمین کی ہر قسم کی پیداوار کھاتے پیتے تھے۔ ساگ، بھاجی، ککڑی، گیہوں، مسور، پیاز، لہسن۔ اب تو

اپنے رب سے کہہ کر اس جنگل میں ہم کو یہ چیزیں دے۔ اس گستاخی پر ان کا ہلاک ہو جانا بعید نہ تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے درگزر کیا اور موسیٰؑ کی معرفت فرما دیا کہ اس جنگل کو طے کر کے کسی آبادی میں چلو وہاں تم کو یہ سب چیزیں ملیں گی۔ کیونکہ مقصود ان کو حسب وعدہ ملکِ کنعان کا مالک کرنا تھا اور وہ آگے دشمنوں کے خوف سے پاؤں اُٹھانا نہیں چاہتے تھے۔ سب کچھ ان ہی جنگلوں میں مانگتے تھے (یہ توراۃ سفرِ عدد کے دسویں باب میں بھی مذکور ہے) اھبطوا مصراً اس لئے فرمایا کہ وادی جہاں بنی اسرائیل تھے اُس آبادی کے حصہ سے جہاں ان کو جانا تھا بلندی پر تھی۔ مصر سے کوئی معیّن شہر یا گاؤں مراد نہیں۔ بعض مفسّرین کہتے ہیں کہ شہر اریحا مراد ہے جو سب سے اوّل بنی اسرائیل نے یوشع علیہ السلام کے عہد میں فتح کیا۔ کیونکہ وہ شاداب جگہ ہے اور ہر قسم کی پیداوار وہاں ہے۔

## ف

انسان کی عجیب طبیعت ہے۔ آئندہ آنے والی بڑی سے بڑی نعمت کو جو قدرے کوشش اور عمل پر موقوف ہو موجودہ زائل نعمت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں سمجھتا۔ اُسی پر قانع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حیاتِ دنیا اور اس کی نعماءِ فانیہ بمقابلہ دارِ آخرت کچھ بھی نہیں۔ اُس آباد شہر کی طرف قدم نہیں اُٹھاتا۔ یہیں رہنا پسند کرتا ہے اور سب کچھ اسی دُنیا کے دشتِ پُرخار میں مانگتا ہے۔ حضرات انبیاءؑ ہیں کہ اُس کے آگے چلنے کی تاکید فرما رہے ہیں وہاں کی نعماء کی رغبت دلا رہے ہیں۔ اَتستبدلون الذی ہو ادنیٰ بالذی ہو خیر۔ یہ جملہ نہ صرف بنی اسرائیل کی نادانی پر سرزنش ہے بلکہ انسانی حالت اور اس کی دنیاوی فریفتگی اور آخرت سے غفلت پر ایک تازیانہ ہے۔ اور یہ جملہ ضرب المثل ہو گیا ہے ان دس انعام کے بعد جو احکام عشرہ کی تعداد ہے، خدائے تعالیٰ کی بنی اسرائیل پر جو سرزنش ہوئی (اور ہونی بھی چاہیے۔ کیونکہ جو ایک محسن کے متعدد انعام پاکر بھی پھر قریب آنے والی نعمتوں کی طرف پر رغبت نہ کرے اور موجودہ حالتِ ذلت میں مسرور و مغرور ہو۔ اُس کے لئے قضاء و قدر سے ایسا ہی مناسب سلوک ہوا کرتا ہے)۔ اس کو بیان فرماتا ہے وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ بنی اسرائیل پر ذلت و خواری ڈالی گئی۔ ایسی خسیس طبائع نفس پرست، عاقبت نااندیش اسی کے مستحق ہوا کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی ذلت، طبیعت کی دناءت، شکم پروری اور شہوت پرستی نے ان کو ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار کر دیا۔ اس وقت سے اب تک خوار ہیں اور خوار ہی رہیں گے۔ آنے والے مسیح کے انتظار میں بیٹھے ہوتے ہیں مگر وہ بھی آچکا۔ ذلیل اُس کی اطاعت کے سبب عزیز ہو چکے۔ بقول شاعر ؎

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ بھی کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا

اور نہ صرف دنیا کی ذلت نصیب ہوئی سلطنت و شوکت جاتی رہی بلکہ باؤ بغضب من اللہ اللہ کا قہر اور اُس کی ناراضی بھی اُنھوں نے حاصل کی جس کی سزا ابدی جہنم ہے۔ اور یہ کیوں ہوا۔ یکفرون بآیات اللہ آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے تھے۔ کُتبِ منزلہ کو بھی نہیں مانتے تھے نہ آیاتِ قدرت میں غور کرتے تھے۔ سب کو لغو جانتے تھے۔ قوتِ نظریہ بالکل خراب ہو چکی تھی۔ اور قوتِ عملیہ بھی بگاڑ چکے تھے۔ کیونکہ یقتلون الخ انبیاء علیہم السلام کو بھی ناحق قتل کر ڈالتے تھے۔ اور یہ دونوں قصور عصیان اور حد سے متجاوز ہونے کی وجہ سے سرزد ہوتے۔

فائدہ:۔ فوم، جس کے معنے گیہوں کے ہیں، بعض اہلِ لغت اس کے معنی لہسن کہتے ہیں اور بعض روایات میں ثوم بھی آیا ہے اور توراۃ میں بھی لہسن لکھا ہے۔

فائدہ:۔ مصر سے مراد کوئی معین شہر ہے نہ مصرِ فرعون۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا
جو کوئی مسلمان اور یہودی اور
وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ
نصرانی اور صابی اللہ پر اور روز

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا
آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام بھی کرتا ہے
فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا
تو ان کا اجر ان کے رب کے ہاں موجود ہے اور نہ ان پر
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾
کچھ خوف طاری ہوگا اور نہ وہ کچھ غم کریں گے۔

## ترکیب

انّ حرف مشبہ بفعل الذین آمنوا الخ صلہ موصول اس کا اسم۔ مَن شرطیہ فی موضع ابتداء آمن باللہ الخ اس کی خبر فلہم اجرہم الخ جملہ جواب۔ پھر یہ تمام جملہ خبر ہوا انّ کی اور عائد محذوف ہے تقدیرہٗ من آمن منہم لفظ مَن مفرد ہے مگر معنیٰ جمع کے دیتا ہے۔ پس آمن میں لفظ کی رعایت کر کے صیغہ واحد لایا گیا۔ اور معنیٰ کی رعایت کر کے فلہم اجرہم الخ میں ضمیر جمع لائی گئی۔ اجرہم مبتدا فلہم خبر۔ اور اخفش کے نزدیک اجرہم جار کی وجہ سے مرفوع ہے اور عند ظرف ہے اور عامل اس میں معنیٰ استقرار ہے۔

## تفسیر

گزشتہ آیت میں یہود کی ذلت اور اُن پر قہر الٰہی کا نازل ہونا بیان ہوا تھا۔ جس سے یہود کو مایوسی ہوسکتی تھی اس لئے خدائے تعالیٰ نے اس آیت میں اس مایوسی کو مٹایا کہ ہمارے ہاں کسی شخص کی ذات سے عداوت نہیں۔ صرف ایمان اور اعمال پر دارومدار ہے۔ خواہ کوئی مسلمان ہو خواہ یہودی۔ خواہ عیسائی خواہ صابی[1] جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لا کر اچھے کام کرے گا اُس کا اجر ضرور خدا تعالیٰ کے پاس ملے گا۔ اور نہ اس کو خوف عذاب رہے گا (دنیا میں) نہ مرنے کے بعد اس کو یہ رنج ہوگا کہ ہائے ہم نے کیوں عمر ضائع کی اور غلط مذاہب اور لغو خیالات کی پابندی کو نجات کا رستہ سمجھ کر جہنم کو پہنچے۔ اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کردیا کہ یہود اپنے دل میں غرّہ نہ ہوں کہ ہمیں سے کچھ خدا کو ارتباط خاص ہے کیونکہ اس کے سب بندے برابر ہیں۔ جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے گا درجہ پاوے گا۔ کوئی اپنے بزرگوں کی عظمت پر گھمنڈ نہ کرے۔ انّ الذین سے ایک نیا بیان شروع ہوتا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہدایت کا دروازہ سب کے لئے کشادہ ہے۔ کسی قوم اور کسی شخص کی کوئی خصوصیت نہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کرے وہی دار آخرت اور حیات ابدی کا مستحق ہے۔ بنی اسرائیل کا کوئی خاص حصہ نہیں۔ انہوں نے بھی ایک وقت ایمان اور نکوکاری سے دنیا پر فضیلت حاصل کی تھی۔ پھر وہی قوم بے ایمانی اور بدکاری کے سبب ذلیل اور مغضوب ہوگئی۔ بنی اسرائیل کی ترقی اور تنزل کے بعد یہ بیان ایک طبعی مناسبت رکھتا ہے۔ جو ماہر سے مخفی نہیں۔

## متعلقات

(۱) اس مقام پر اکثر لوگ یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ انّ الذین آمنوا

---

[1] صابی ایک قدیم فرقہ تھا حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں اس فرقہ کا بڑا زور شور تھا۔ شہر بابل اور نینوی کے لوگ بھی یہی مذہب رکھتے تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس گروہ کی ابتداء کب سے ہوئی اس کا اعتقاد تھا کہ خدا تعالیٰ سے جو مجرد محض ہے بندہ کی جو مادی ہے کسی طرح رسائی ممکن نہیں اس کی پرستش اس کے مظاہر نیرات کی پرستش ہے پھر اس کے دو گروہ ہوگئے۔ ایک وہ جو ستاروں اور آفتاب و ماہتاب اور عناصر کی پرستش کرتے تھے۔ دوم وہ جو اصنام کو نیرات کا مظہر سمجھ کر پوجتے تھے۔ اسی لئے یونان میں زہرہ وغیرہ ستاروں کے نام سے معبد بنے ہوئے تھے۔ پھر آگے چل کر اور بہت سی شاخیں ہوگئیں۔ ایران کے آتش پرست اور ہندوستان کے قدماء وید ماننے والے بھی اسی گروہ کی شاخ ہیں۔ پھر ہر ملک میں اور ہر زمانہ میں اس مذہب نے نیا رنگ اور نیا نام پیدا کیا۔ منہ

سے تو ایمان سمجھا گیا پھر من آمن باللہ کہنا کیا معنے رکھتا ہے؟ اس کا جواب بعض یہ دیتے ہیں کہ الذین آمنوا سے وہ مراد ہیں کہ جو صرف زبان سے ایمان ظاہر کر چکے ہیں منافقین، یعنی خواہ یہود ہو خواہ وہ ہر جو ظاہری ایمان رکھتا ہے ان میں سے جو حقیقی ایمان لا کر اعمالِ صالحہ کرے گا خدا کے ہاں اجر پاوے گا۔ مگر اصلی جواب یہ ہے کہ الذین آمنوا سے حقیقی اہلِ ایمان مراد ہیں کہ جو زمانۂ ماضی میں ایمان لا چکے۔ اور آمن سے زمانۂ آئندہ میں ایمان پر ثابت قدمی مقصود ہے۔ یعنی خواہ یہودی ہو خواہ حقیقی مومن ان میں سے جو ایمان پر قائم رہے گا الخ (تفسیر کبیر) مگر یہاں ایک اور نکتہ ہے اور وہ یہ کہ یہ بات تو سب کے نزدیک مسلّم تھی کہ جو ایمان لا کر عمدہ کام کرے گا اجر پاوے گا۔ لیکن خدا تعالیٰ اس وصف کو علی العموم بلا تعیّن قوم و شخص سب کے لئے ثابت کرتا ہے یعنی خواہ کوئی ہو جو ایسا کرے گا اجر پاوے گا۔ خواہ وہ مسلمان ہو خواہ یہودی یا نصرانی تاکہ مسلمانوں کا راہِ راست پر ہونا برہان سے ثابت ہو جائے۔ ولطفہ لا یخفٰی علی صاحب الذوق السلیم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ
اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے عہد لیا تم سے اور تم پر کوہ طور
الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّةٍ وَّ
بلند کیا۔ (اور کہا) جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس کو
اذْکُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾
مضبوط ہو کر لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو تاکہ تم پرہیزگار ہو۔
ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا
پھر تم اس کے بعد بھی پھر گئے۔ پھر اگر تم پر خدا تعالیٰ
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَکُنْتُمْ
کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم
مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿٦٤﴾
تباہ ہو جاتے۔ ٢٨

## ترکیب

اخذنا فعل نحن فاعل میثاقکم مفعول و حالیہ رفعنا فعل نحن فاعل الطور مفعول فوقکم ظرف متعلق ہے فعل سے قلنا محذوف خذوا ما آتینا کم الخ مقولہ بقوۃ حال ہے ضمیر خذوا سے، ای خذوا عازمین۔ فضل اللہ الخ مبتدا خبر محذوف، ای لولا فضل اللہ حاضر کوفیوں کے نزدیک لولا کے بعد اُس کا اسم ہے۔

## تفسیر

یہ گیارہواں انعام ہے جس کا کسی قدر ذکر قانونِ ہدایت میں بیان فرمانے کے بعد یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ ہم نے اے بنی اسرائیل تم پر یہاں تک عنایت کی تھی کہ جس طرح احمق مریض کو شفیق حکیم زبردستی دوا پلاتا ہے اسی طرح ہم نے تم سے کیا تم میں از خود تو اس قانونِ ہدایت لینے کی تو صلاحیت تھی نہیں۔ ہم نے تم کو زبردستی سے اس عہدِ الٰہی پر تم پر کوہِ طور اُٹھا کر اُس کے لینے اور یاد کرنے پر مامور کیا۔ مگر باوجود اس عہد کے تم نے اس کو بھی توڑ دیا۔ اگر اس کی رحمت اور فضل نہ ہوتا تو اس عہد شکنی پر تم کو ہلاک کر دیا جاتا۔ یہ سفر خروج کے ١٩ باب میں بھی ہے۔ لیکن باوجود اس کے پھر بھی بنی اسرائیل پھر گئے اور طرح طرح کی بدکاری اور بُت پرستی میں مصروف ہوئے۔ جیسا کہ زمانۂ سلاطین اور قضاۃ میں واقع ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ رحیم ہے اُس نے اپنے فضل و رحمت سے پھر وقتاً فوقتاً انبیاء بھیجے کہ جو بنی اسرائیل کو ہر طرح کی ہلاکی اور بربادی سے بچاتے رہے ورنہ نیست و نابود ہو جاتے۔

فائدہ:۔ سورۂ اعراف میں بھی خدائے تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ واذ نتقنا الجبل فوقھم کانہ ظلۃ وظنوا انہ واقع بھم الآیۃ۔ پس ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے پہاڑ کو ان پر اُٹھا کر خوف دلایا تھا۔ وہ قادر ہے۔

اور بعض ماؤل اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ پہاڑ کا اوپر اٹھانا ثابت نہیں بلکہ اس پہاڑ کی جڑ میں یہود کھڑے تھے اور پہاڑ کے لرزنے سے ڈرتے تھے کہ اوپر نہ آ پڑے۔ اس خوف کے وقت ان سے کہا گیا کہ اس عہد یعنی توریت کو لو اور اس کو یاد رکھو اور اس پر عمل کیا کرو۔ اس خوف سے انھوں نے عہد کر لیا مگر پھر توڑ دیا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ

اور بے شک تم کو وہ لوگ بھی معلوم ہیں کہ جنھوں نے تم میں سے سبت کے دن زیادتی

فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً

کی تھی　　پھر ہم نے ان سے کہہ دیا کہ ذلیل پھٹکارے ہوئے بندر

خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ

ہو جاؤ۔　　پس ہم نے اس واقعہ کو اس زمانہ کے لوگوں کے لئے

يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

اور ان سے پچھلوں کے لئے عبرت اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت بنا دیا۔

## ترکیب

علمتم بمعنے عرفتم فعل انتم فاعل الذین اعتدوا الخ جملہ مفعول منکم حال ہے ضمیر اعتدوا سے ای المعتدین کائنین منکم فی السبت متعلق ہے اعتدوا سے خاسئین جو مشتق ہے خسأ، اذا ذل، سے صفت ہے قردۃ کی اور ممکن ہے کہ خبر ثانی ہو یا کونوا کے فاعل سے حال ہو فجعلنا ہا ای العقوبۃ نکالا مفعول ثانی ہے۔

## تفسیر

جب خدائے تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنے انعام یاد دلا چکا تو اس کے بعد جو کچھ نافرمانی اور انعام پر ناشکری کرنے سے برے نتیجے پیدا ہوتے ہیں وہ یاد دلاتا ہے تاکہ لوگوں کو عبرت و نصیحت ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہو کہ اس قسم کے واقعات پر سوائے اس شخص کے (کہ توراۃ کیا بلکہ مجموعہ عہد عتیق کا بڑا حاوی ہو) اور کوئی عادتاً واقف نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص وہ شخص کہ جو اُمی ہو اور جس نے یہود کے ملک میں پرورش بھی نہ پائی ہو چہ جائیکہ ان کی تعلیم و صحبت پھر یہ حالت بیان کرنا صریح اس بات کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ علام الغیوب اس شخص کو خبر دے رہا ہے اور یہ اس کا سچا نبی ہے۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد یہود پر گزرا۔ حضرت داؤدؑ کے عہد میں سمندر کے کنارے پر ملک شام میں کوئی شہر یا قصبہ تھا (جس کو بعض نے ایلہ کہا ہے) ہفتہ کے روز کہ جس کو سبت کہتے ہیں موسیٰ علیہ السلام کے دین میں شکار کھیلنے یا اور کاروبار دنیاوی کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ جیسا کہ توراۃ میں مذکور ہے۔ وہاں کے لوگوں نے حیلہ کیا کہ پانی کی نالیاں حوضوں میں ڈال دیں ہفتہ کے روز ان نالیوں کے ذریعہ سے حوضوں اور تالابوں میں مچھلیاں جمع ہو جاتی تھیں۔ اور وہ نالیوں کو بند کر دیتے تھے۔ پھر اتوار کو پکڑ کر کھاتے تھے۔ جب پشت گزر گئی تو نئی پشت کے لوگ خاص ہفتہ کے روز بھی مچھلیاں پکڑنے لگے۔ ہر چند انبیاءؑ اور صلحاء سمجھاتے تھے مگر وہ نہ مانتے تھے۔ تب خدا تعالیٰ نے ان پر قہر نازل کیا کہ طاعون میں مبتلا ہوئے اور شدت ورم سے اُن کی شکلیں بگڑ کر بندروں کی سی ہو گئیں۔ اور تین روز میں ہزاروں آدمی مر گئے۔ چنانچہ سموئیل کی دوسری کتاب کے ۲۴ باب میں مجملاً اس قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہود میں یہ واقعہ عبرت انگیز ہر شخص کے زبان زد تھا۔ چنانچہ آنحضرت

ف یہود کے معنے تو ظاہر ہیں کہ بنی اسرائیل کو کہتے ہیں مگر وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے قوی یہ ہے کہ یہودا حضرت یعقوبؑ کے بیٹے کا نام ہے انھی کے نام سے یہ قوم نامزد ہو گئی ہے اور نصاریٰ عیسائیوں کو کہتے ہیں اس لئے کہ ناصرہ ۲ شام میں ایک گاؤں ہے وہاں آکر حضرت عیسیٰؑ رہے تھے اور یہ لفظ عیسائیوں میں سے ایک فریق خاص کے لئے بھی بولا جاتا ہے یعنی عیسائی عرب کے لئے۔ منہ

لہ کیونکہ اس باب کے اوّل درس میں ہے۔ بعد اس کے خداوند کا غصہ اسرائیل پر بھڑکا۔ الخ اور یرمیا و باکی بھی تشریح ہے۔ منہ

صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمعصر یہودِ مدینہ بھی اس کو خوب جانتے تھے۔ اس لئے فرمادیا ولقد علمتم۔ اس واقعہ کو سورۂ اعراف میں خدائے تعالیٰ یاد دلاتا ہے۔ وسئلھم عن القریۃ التی کانت حاضرۃ البحر اذ یعدون فی السبت اذ تاتیھم حیتانھم یوم سبتھم شرعا ویوم لا یسبتون لا تاتیھم کذٰلک الاٰیۃ۔ مجاہدؒ نے کہا کہ خدا تعالےٰ نے ان کو سچ مچ بندر ہو جانے کا حکم نہ دیا تھا۔ جس طرح احمق اور بے شرم کو گدھا اور کتا کہتے ہیں اسی طرح ان کو بندر فرمادیا۔ مگر اس کلام کے حقیقی معنے جو ہم نے بیان کئے ہیں صحیح ہو سکتے ہیں تو مجاز کی طرف رجوع ہونے کی کیا ضرورت؟

فائدہ:۔ ان بندروں کو اُن کی نسل سمجھنا بے وقوفی ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ

اور (یاد کرو) جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم کو خدا حکم دیتا ہے کہ

أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا

ایک بیل ذبح کر ڈالو، وہ بولے کیا آپ ہم سے دل لگی

هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ

کرتے ہیں۔ (موسیٰ نے) کہا خدا کی پناہ کہ میں (دل لگی کرکے) جاہلوں میں

مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

شامل ہو جاؤں۔ (بنی اسرائیل نے) کہا اپنے خدا سے پوچھو تا کہ وہ

يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا

ہم کو بتائے کہ وہ کیسا ہو؟ (موسیٰ نے) کہا وہ یہ فرماتا ہے کہ وہ ایک بیل

بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ

ایسا ہو کہ جو نہ بڈھا ہو نہ بچھڑا، اس کے بیچ کی

بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾

راس ہو۔ پھر اب تم کو حکم دیا گیا ہے کرو۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا

وہ بولے اپنے رب سے پوچھو کہ وہ ہم کو بتلائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو!

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ

(موسیٰ نے) کہا وہ (فرماتا ہے کہ وہ ایسے زرد ڈہڈہاتے رنگ کا بیل ہو

فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا

کہ جو دیکھنے والوں کو خوش معلوم ہو۔ وہ بولے کہ اپنے

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ

رب سے پوچھو کہ وہ ہم کو بتائے کہ وہ کیسا ہو؟ اس لئے کہ ہم کو تو

الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَاءَ

بیلوں میں (باہم) امتیاز نہیں معلوم ہوتا، اور اگر خدا نے چاہا تو ہم ٹھیک

اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ

پتہ لگالیں گے۔ (موسیٰ نے) کہا کہ وہ (فرماتا ہے کہ

إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ

وہ ایک ایسا بیل ہو کہ جو نہ ہلوں میں جتتا ہو اور

وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ

نہ لاؤ کھیتی کی ہو، عمدہ ہو اس میں کوئی داغ دھبہ

فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا

بھی نہ ہو۔ وہ بولے اب آپ نے ٹھیک بات بتائی۔ پس اس کو ذبح تو کر دیا

وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾ ۸ ع ۱۰

مگر کرنے والے نہ تھے۔

## ترکیب

قال فعل موسےٰ فاعل لقومہ متعلق ہے ان اللہ یامرکم الخ کے مقولہ۔ ان تذبحوا بقرۃ نزع خافض کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ قالوا فعل ہم فاعل أ استفہامیہ تتخذ فعل انت فاعل نا مفعول اوّل ھزوًا ای ھزوا بہ مفعول ثانی اور جواب استفہام معنی اعوذ باللہ کے ہیں کس لئے کہ ٹھٹھا کرنا جاہلوں کا کام ہے۔ مراد یہ کہ میں دل لگی نہیں کرتا۔ ما مبتدا خبر جملہ مفعول یبین کا قال فعل با فاعل انہ یقول الخ مقولہ انہا میں ھا اسم بقرۃ خبر موصوف لا فارض ولا بکر عوان تینوں اس کی صفت ما موصولہ تؤمرون صلہ جملہ مفعول فافعلوا کا۔ صفراء صفت اوّل بقرۃ کی فاقع اسم فاعل لونہا اس کا فاعل مجموعہ صفت دوم۔ تسر

الناظرین جملہ صفت سوم انشاء اللہ شرط تعدیر ان شاء اللہ ہدایتنا جواب اس کا لمہتدون شرط بیچ میں آگئی اور مبرد کے نزدیک اسکا جواب محذوف ہے۔ بقرۃ موصوف لاذلول صفت تثیر الارض حال ہے ضمیر ذلول سے تعدیرہ لاتذل فی حال اثارتہا اور ممکن ہے کہ صفت بقرۃ کی ہو ولاتسقی الحرث صفت بقرۃ اور مبتدا محذوف کی خبر بھی ہو سکتی ہے۔ اور اسی طرح مسلمۃ اور لاشیۃ فیہا وشی یشی سے مشتق ہے۔ اصل شیۃ کی وشیۃ ہے واو حذف ہوا۔ الآن میں الف لام زائدہ ہے زجاج کے نزدیک مبنی ہے اس لئے کہ اس کے معنی اشارہ کے ہیں جس کے معنی ہیں ہذا الوقت مبتدا جئت الخ خبر بالحق جار ہے کہ مفعول بہ جئت کا ہو والتقدیر ذکرت الحق اور جئت کی ت سے حال بھی ہو سکتا ہے، ای جئت ومعک الحق۔

## تفسیر

یہ نقض عہد اور عدول حکمی اور سرکشی کا دوسرا نتیجہ بیان ہوتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ بار بار انعام اور سرکشیوں پر درگزر کر کے اور عہد موثق کرنے کے بعد بنی اسرائیل خود حضرت موسیٰ سے ایسی ایسی سرتابیاں اور معمولی حکم میں نکتہ چینیاں کر کے خود مشقت میں پڑتے تھے، ایک بیل ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا فوراً کسی بیل یا گائے کو ذبح کر دیتے ہو جاتا مگر بار بار شقیں نکالتے گئے اور پوچھتے گئے کہ اے موسیٰ! اپنے رب سے پوچھ کہ کیسا ہو، رنگت کیا ہو، ویسی ہی قیدیں لگتی گئیں۔ پھر ان قیود کا بیل تلاش کیا گیا تو بڑی گراں قیمت کو مشکل سے ملا۔ جس کا ذبح کرنا ان پر مشکل ہو گیا (وما کادوا یفعلون) اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان لوگوں سے جو احکام میں ایسی ایسی کرید کرتے تھے سخت ناراض ہوتے تھے اس واقعہ سے یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ ان اہل کتاب کی اس پیغمبر سے کہ جس کو مانتے تھے اور جس کے صدہا معجزات دیکھ چکے تھے یہ سرتابی تھی۔ اب اگر نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم سے جس قدر وہ سرتابی کریں اور ایمان لانے میں حیلہ بہانہ پیدا کریں کچھ بھی بعید نہیں۔ ان کی جبلت ہی ایسی ہے۔

حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں کسی شخص نے اپنے مورث مالدار کو قتل کر کے خود ڈال دیا اور خون کا دعوٰی اوروں پر کیا۔ یہ مقدمہ حضرت موسیٰؑ کے روبرو پیش ہوا۔ حضرتؑ نے حکم دیا کہ ایک بیل کو ذبح کر کے اس کا کوئی پارچہ اس میت پر رکھدو، یہ آپ بول اٹھے گا اور اپنے قاتل کو ظاہر کرے گا۔ لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا اور یہ سمجھے کہ موسیٰؑ دل لگی کرتے ہیں۔ آپ نے کہا استغفر اللہ! دل لگی جاہلوں کا کام ہے۔ پھر وہ یہ سمجھے کہ جانے وہ بیل کس قسم کا ہے کہ جس کے پارچہ رکھنے سے مردہ بول اٹھے گا۔ (حالانکہ یہ بات معجزہ سے تھی نہ کہ بیل کی تاثیر سے) اس لئے موسیٰؑ سے نُتے پتے پوچھنے لگے۔ آخر اس صفت کا ایک بیل بڑی گراں قیمت سے خرید کر ذبح کیا اور اس کا ایک ٹکڑا میت پر رکھا اس نے اپنا قاتل بیان کر دیا کہ جو قصاص میں مارا گیا اور حصہ سے بھی محروم رہا۔ اس جگہ صرف بیل ذبح کرنے کا قصہ ہے اور اگلی آیت واذ قتلتم نفسًا میں میت کے بدن پر گوشت ملنے کا ذکر ہے۔ ہرچند یہ دونوں باتیں ایک ہی قصہ سے متعلق ہیں مگر چونکہ دونوں میں ایک جداگانہ نکتہ

ف مفسر نیچری نے بیل کے کسی ٹکڑے کو میت پر مارنے سے زندہ ہو جانے کو خلاف قانونِ قدرت سمجھ کر اس آیت کی تاویل کی اور اس کو جو عربی قاعدہ سے اعتراضات ہونے لگے، آپ ہی ان کا جواب دینا شروع کر دیا۔ ان جوابوں کو اس مفسر نے غلط ثابت کر دیا اور مؤوّل کی تاویل پر اعتراضات قائم رکھے جس سے وہ تاویل غلط ہو گئی اور پھر مؤوّل نے جو جمہور کی مراد پر اعتراض کیا تھا اس کو بھی اس مفسر نے اٹھا دیا، جس سے جمہور کے معنے ہی صحیح ثابت ہوئے۔ حقانی۔

ہے اس لئے دونوں کو جدا جدا بیان کیا۔ اوّل میں یہ نکتہ ہے کہ بنی اسرائیل کو چونکہ نبیؑ کے قول میں تردّد ہوا اور زیادہ نکتہ چینیاں کیں تو وہاں سے قیدیں لگتی گئیں۔ آخر بہ دشواری ان اوصاف کا بیل نہایت گراں قیمت سے دستیاب ہوا۔ چاہیے کہ جس بات کا نبی حکم دے اس کو بے تامل عمل میں لاتے اس لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر جس بیل کو چاہتے بنی اسرائیل ذبح کر دیتے کافی تھا۔ مگر انہوں نے تشدّد کیا تو ان پر تشدّد ہوتا گیا۔ (رواہ مسلم وغیرہ) اس لئے احکام الٰہی میں زیادہ تر استفسار کرنے کو برا سمجھتے تھے، کیونکہ لوگ پوچھیں گے اس پر قید شرعی لگ جاتی ہے گی۔ مطلق قید ہو کر خواہ مخواہ دقّت واقع ہو گی بلکہ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے بھی اس بات کو منع کر دیا لا تسئلوا عن اشیاء فرما دیا اور یہ بھی اس میں اشارہ ہے کہ بنی اسرائیل اولادِ ابراہیم ہونے کا دعویٰ کر کے زبردستی سے جنت اور نجات کے وارث بنتے ہیں اور ان کے بزرگوں کی یہ حالت تھی کہ نبیؑ کے فرمانے سے ایک بیل بھی بمشکل ذبح کیا اور وہ خود ایسے فرمانبردار تھے کہ خواب میں اشارہ پا کر قربانی پر آمادہ ہو گئے۔ پھر جب بزرگوں کی پیروی نہیں تو بزرگ زادہ ہونے سے کیا فائدہ؟

دوسرے قصہ میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے اس مردے کو زندہ کر دیا کہ جس کے بنی اسرائیل مُقِر ہیں تو اے عرب کے مشرکو! تم کو قیامت کے روز مر کر زندہ ہونے میں کیوں شک ہے؟

**فائدہ اوّل:۔** علمائے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بیل ایک ایسے شخص کا تھا کہ جس نے مرتے وقت ایک لڑکا یتیم اور یہ بیل چھوڑا اور خدائے تعالیٰ سے عرض کیا کہ میں آپ کے سپرد کرتا ہوں یہ لڑکا اپنی والدہ کا نہایت فرمانبردار تھا۔ پھر جب بنی اسرائیل میں یہ قصہ پیش آیا تو یہ تمام صفات اسی بیل میں پائی گئیں۔ بنی اسرائیل نے اس سے خریدنا چاہا۔ اس نے اپنی والدہ کی اجازت پر منحصر رکھا۔ اس کی والدہ نے اس قدر قیمت لی کہ جو مدت العمر اس فرزند سعادت مند اور اس بیوہ کو کافی ہو گئی۔ خدا تعالیٰ نے اس نیک مرد کے توکّل کا اور اس فرمانبردار فرزند کی اطاعت کا ثمرہ دکھایا۔

**فائدہ دوم:۔** بیل کے ذبح کرنے میں ایک تو یہی سر تھا اور دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل اس کی پرستش کرنے لگے تھے اس لئے اس کی قربانی سے ان کے دلوں میں اس جانور کی عظمت کا دور کرنا بھی مقصود تھا۔

**فائدہ سوم:۔** علماء نے یہاں بہت کچھ موشگافی کی ہے کہ آیا ابتداءً بیل معیّن تھا یا غیر معیّن۔ پھر ماہی کیوں کہا اور کیف ہی کیوں نہ کہا؟ وغیر ذلک۔ اب خدا تعالیٰ اس دوسری بات کو جداگانہ بیان فرماتا ہے جس سے حشر اور مر کر بار دیگر جینے کے مسئلہ پر شہادت پیش کی جاتی ہے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ط

اور (یاد کرو) جب کہ تم نے ایک شخص کو قتل کر کے اس میں جھگڑنے لگے

وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (۷۲)

اور اللہ تو اس چیز کو جس کو تم چھپاتے تھے ظاہر کرتا تھا۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ

پھر ہم نے حکم دیا کہ اس (میت) پر اس بیل کا کوئی ٹکڑا مار دو، اور اللہ تعالیٰ

يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

یوں ہی مُردوں کو زندہ کر دیا کرتا ہے اور تم کو اپنی نشانیاں

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۷۳)

دکھایا کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

## ترکیب

واو حرف عطف، ایک جملہ کا پہلے جملہ پر عطف ہوتا چلا آتا ہے۔ اذ کو امحذوف عامل اللہ مبتدا مخرج الخ جملہ اس کی خبر ما موضع نصب میں ہے بسبب مخرج کے اور یہ الذی کے معنے میں ہے اور عائد محذوف ہے۔ کذلک کاف موضع نصب میں ہے۔ کس لئے کہ نعت ہے مصدر محذوف کی

تقدیرہ یحیی اللہ الموتی احیاء مثل ذلک ادّٰرءتو کی اصل تدارءتم ہے بروزن تفاعلتم تخفیف کے لئے ت کو د سے بدل کر دال کو دال میں ساکن کرکے ادغام کر دیا۔ چونکہ ابتداء بسکون متعذر تھی ہمزہ وصل اول میں لائے ادّٰرءتم ہو گیا۔

## تفسیر

یہ اسی پہلے قصہ کا باقی ٹکڑا ہے۔ جس میں خدائے تعالیٰ نے نبیؑ کے ہاتھ سے ایک معجزہ دکھایا۔ وہ یہ کہ حکم دیا کہ اس بیل کا پارچہ (بعض کہتے ہیں زبان بعض کہتے ہیں دُم) اس میت پر رکھ دو یہ جی اُٹھے گا۔ چنانچہ ایسا کیا اور اُس نے زندہ ہو کر اپنا قاتل بتا دیا۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مُردوں کو اس طرح زندہ کر دیا کرتے ہیں اور تم کو اپنی نشانیاں دکھایا کرتے ہیں۔ تاکہ تم ایمان لاؤ اور خدا تعالیٰ کو قادرِ مطلق سمجھو۔ یہ تو سرِ مخفی ہے کہ بیل کے ذبح کرنے کی کیوں مشقت ڈالی یوں ہی اس کو کیوں زندہ نہ کر دیا۔ اس کو وہی جانتا ہے۔ مگر دو فائدے اس کے ظاہری ہیں۔ اوّل حشر کا ثبوت۔ دوم ان کی سرکشی پر تازیانہ۔

## واضح ہو کہ

دہریے ایسے خوارق کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ اہلِ ادیان بالخصوص مسلمان بھی منکر ہو جائیں۔ اس لئے بعض نے ان آیات کے معانی کو بدلا اور بے تُک بہت سی باتیں بنائیں اور پھر اپنی توجیہ باطل پر آپ ہی اعتراضات کرکے ان کو اُٹھانا چاہا مگر اُٹھا نہ سکا۔ اوّل شبہ کا جواب یہ دیا کہ اضربوہ کی ضمیر میت کی طرف اور ببعضہا کی ضمیر مؤنث نفس کی طرف پھرتی ہے۔ سو یہ جواب غلط ہے اس لئے کہ نفس کا اطلاق جسم مُردہ پر نہیں ہوتا بلکہ زندہ کو کہتے ہیں۔ اور ٹکڑا بھی نفس کا نہیں ہوتا بلکہ جسم کا۔ پھر اس کی طرف ضمیر کس طرح راجع ہو سکتی ہے۔ دوسرا شبہ موتیٰ اور یحیی کے معنے پر ہے کیونکہ موتیٰ کے معنیٰ نامعلوم اور یحیی کے معنے ظاہر کرنے کے تاؤل نے لئے ہیں۔ اس کا خود جواب دیتے ہیں کہ آیت وکنتم امواتا فاحیاکم میں بھی یہی معنے مراد ہیں اور لفظ مخرج اور تکتمون جو مقابلہ میں پڑا ہے اس معنے کے لئے قرینہ ہے۔ یہ جواب بھی غلط ہے۔ اوّل تو آیت مذکورہ میں یہ معنی مراد نہیں اور جو ہوں تو ایک جگہ مجاز تسلیم کرنے سے ہر جگہ حقیقی معنی متروک نہیں ہو سکتے۔ اور نہ یہ قرائن اس معنی کے لئے ہو سکتے ہیں۔ (دوم) مخرج اور تکتمون تو یہی چاہتا ہے کہ یحیی کے معنے زندہ کرنا اور موتیٰ میت کی جمع کے معنے مُردے کے لئے جائیں تاکہ ان کی خفیہ خیانت کا اظہار پایا جاوے۔ تیسرا شبہ کذلک کے معنی درست نہیں ہوتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فاظہرہ اللہ مقدر مان کر تشبیہ درست ہو جائے گی اور مقدر ماننا نہ خلافِ عقل ہے نہ نقل۔ یہ جواب بھی غلط ہے۔ کیونکہ یریکم آیتہ کہ وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے صریح دلیل ہے کہ یہ فعل خارقِ عادت ہے کہ غیر محسوس خدائے تعالیٰ کے وجود کامل کی دلیل بنایا گیا ہے۔ ورنہ اس طرح کے ٹوٹکے اور شعبدے آیاتِ الٰہی نہیں ہو سکتے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا کہ

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَ

وہ پتھر ہیں یا سختی میں ان سے بھی زیادہ (ہیں) اور

إِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ

بعض پتھر تو ایسے بھی ہیں کہ جن سے نہریں پھوٹ کر

الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ

نکلتی ہیں۔ اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں پھر ان سے

مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ

پانی جھرتا ہے۔ اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کے خوف سے

خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۷۴﴾

نیچے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ تمہارے کام سے بے خبر نہیں ہے۔

## ترکیب

ثم استبعاد قسوۃ کے لئے نہ کہ تراخی کے لئے۔ قست فعل قلوبکم فاعل من بعد ذالک متعلق ہے فعل سے ہی مبتدا کالحجارۃ مستقرۃ کے متعلق ہو کر خبر۔ اور ممکن ہے کہ کاف اسمیہ بمعنی مثل ہو اور متعلق نہ ہو اور بمنزلہ اس او کے ہو کہ جو اوکصیب میں ہے۔ اشد معطوف ہے کاف پر تقدیرہ اوہی اشد۔ قسوۃ تمیز ہے لما میں ل تاکید اور ما موصولہ موضع نصب میں ہے کیونکہ اسم ان ہے۔ اور یتفجر منہ الانہار جملہ فعلیہ اس کا صلہ۔ اور من الحجارۃ خبر ان ہے اور اسی پر وان منہا لما یشقق کو قیاس کرنا چاہیے۔ من خشیۃ اللہ موضع نصب میں ہے یہبط سے کما تقول یہبط بخشیۃ اللہ۔ باقی صاف ہے۔

## تفسیر

خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کو فرماتا ہے کہ ان واقعات اور عجائبات قدرت کے دیکھنے کے بعد تم کو مساواتی ہو گئی اور چکنے گھڑے کی طرح ہو گئے۔ اور گناہ کرتے کرتے تمہارے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے۔ جس طرح پتھر میں اثر نہیں ہوتا اسی طرح تمہارے دلوں میں انبیاء علیہم السلام کی نصیحت اثر نہیں کرتی بلکہ پتھروں سے تو کچھ فائدہ بھی ہے اور وہ کچھ اثر بھی قبول کرتے ہیں۔ کس لئے کہ بعض میں سے تو پانی کے چشمے پھوٹ کر نکلے ہیں کہ جن سے خلق اللہ فیض پاتی ہے۔ اور بعض میں سے پانی جھرتا ہے جب کہ وہ ابخرات کے زور سے پھٹ جاتے ہیں اور بعض پتھر پہاڑ کی چوٹی سے زمین پر گرتے ہیں گویا کہ ہیبت الٰہی سے لرز کر سجدہ میں گرتے ہیں۔ اور تمہارے دلوں میں تو یہ بھی وصف نہیں۔ پس وہ پتھروں سے بھی سخت تر ہیں۔ اگر یہ لوگ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانیں یا ان کے معجزات اور پراثر وعظ پر قہقہہ اڑائیں تو ان سے کچھ تعجب نہیں۔ اس سے کوئی عرب یا اور قوم یہ نہ سمجھے کہ نبی علیہ السلام کی نبوت اور فیض ہدایت کا قصور ہے۔ بلکہ ان کی استعداد میں فتور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہود کی سخت دلی کی مذمت فرمائی اور ان کو سانپوں کے بچے کہا۔

## متعلّقات

قساوۃ۔ غلظت اور سختی کو کہتے ہیں۔ جیسے کہ پتھر میں ہوتی ہے اور دل کی قساوۃ یہ ہے کہ اس میں خوف و عبرت کی جگہ نہ رہے۔ تفجر:۔ کھل جانا۔ پھوٹ پڑنا۔ چونکہ پہاڑوں میں تو بعض جگہ بڑے زور سے پانی نکل کر اس سے دریا اور نہریں بہتی ہیں جیسا کہ دریائے گنگا اور جمنا کا منبع۔ اور بعض پہاڑوں میں ابخرات کی شدت سے پتھر پھٹ کر ان سے تھوڑا تھوڑا پانی رسنے لگتا ہے۔ اس لئے ان دونوں کو جدا جدا بیان فرمایا۔ اور جو دونوں کو ایک سمجھ کر کلام الٰہی پر اعتراض کرتا ہے وہ جاہل ہے۔

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ

(مسلمانو!) کیا تم کو یہ توقع ہے کہ (یہود) تمہیں مانیں گے حالانکہ ان میں

كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ

سے ایک ایسا گروہ بھی ہو گزرا ہے کہ جو کلام خدا سنتا تھا

اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ

پھر اس کو سمجھنے کے بعد دیدہ و دانستہ بدل ڈالتا تھا۔

وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ

اور جب وہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو

آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ج وَإِذَا خَلَا

کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے۔ اور جب ایک دوسرے سے تنہا

بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ

ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا تم مسلمانوں کو وہ بات بتا دیتے ہو کہ جو

بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ

خدا نے تم پر ظاہر کی ہے تاکہ وہ اس سے تم کو تمہارے رب کے روبرو الزام

عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (٧٦) أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ (٧٧)

دینے لگیں، کیا تم نہیں سمجھتے - کیا وہ (یہودی) نہیں جانتے کہ جو کچھ وہ پوشیدہ اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں سب کو اللہ جانتا ہے۔

## ترکیب

ان یؤمنوا میں حرف جر محذوف ہے تقدیرہ فی ان یؤمنوا وقد کان جملہ حالیہ ہے تقدیرہ أفتطمعون فی ایمانہم و شانہم الکذب والتحریف۔ منہم موضع رفع میں ہے صفت ہے فریق کی اور یسمعون الخ جملہ کان کی خبر اور فریق اسم ہے۔ اذا حرف شرط لقوا الخ شرط قالوا آمنا جواب شرط اور اسی طرح اذا خلا بعضہم الخ شرط قالوا الخ جواب شرط بما فتح اللہ میں ما موصولہ ہے اور ممکن ہے کہ موصوفہ اور مصدریہ ہو۔

## تفسیر

خدائے تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی دیتا ہے کہ تم ان یہودیوں سے کیا امید رکھتے ہو کہ وہ دینِ اسلام قبول کریں گے۔ ان سے یہ امید نہ رکھو کس لئے کہ وہ شریر قوم ہے۔ کہ جس میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جو کلام خدا تو سن کر اور خوب سمجھ کر پھر اپنی خواہش نفسانی سے بدل ڈالتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ یہ فعل سخت گناہ ہے۔ پس جس کلام کو یہ برحق سمجھتے تھے اور جس نبیؑ پر یہ ایمان لاتے ہوئے تھے اس کی نسبت ان کی یہ کارروائی تھی تو اور کا کیا ذکر ہے؟

علماء کے اس میں مختلف قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے روبرو یہود یہ حرکت کرتے تھے کہ توراۃ کو سن کر اور سمجھ کر پھر اس کے برخلاف عمل کرتے تھے اور کلامِ الٰہی کو نہ مانتے تھے۔ یہی ان کی تحریف تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ موسیٰؑ کے بعد علماءِ یہود نے اپنے اغراض نفسانیہ سے توراۃ میں تحریف کی چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کی بشارت کو تاویلات اور الفاظ کی کمی زیادتی کر کے بدل دیا۔ اس لئے حواری عہدِ عتیق کے حوالے دیتے ہیں حالانکہ ان میں وہ حوالے نہیں پائے جاتے۔ کسی کتاب عہد عتیق میں نہیں کہ عیسیٰؑ ناصری کہلائیگا حالانکہ حواری کہتے ہیں کہ انبیاءؑ یہ بات فرما گئے ہیں اور بہت سے شواہد ہیں۔ اور اسی طرح جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات میں تصرف بیجا کیا اور یہی قول صحیح ہے اور اس بات کا ثبوت علماءِ اسلام نے کتبِ مناظرہ میں بڑی شد و مد سے کر دیا ہے۔ اب خدا تعالیٰ یہود کی بدخصلتوں سے مطلع کر کے نبی علیہ السلام کو تسلی دیتا ہے۔ فرماتا ہے کہ ان یہود کی بے دینی یہاں تک ہے کہ ایمان اور کفر کو ایک سرسری بات سمجھ رکھا ہے پس جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لائے اور جب آپس میں اکیلے ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو اس بات پر ملامت کرتا ہے کہ تم توراۃ اور دیگر کتبِ انبیاءؑ سے مسلمانوں کے روبرو وہ باتیں کیوں پیش کیا کرتے ہو کہ جن سے ان کے دین کا برحق ہونا پایا جاتا ہے کہ جس طرح وہ تم کو اور باتوں سے الزام دیتے ہیں اسی طرح عند اللہ بھی تم کو ملزم کریں گے اور خدا تعالیٰ کے سامنے تمہارے پاس کوئی حجت اسلام قبول کرنے کی نہ رہے گی۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے کوئی بات مخفی نہیں خواہ وہ ظاہر کریں خواہ چھپا دیں بہرحال وہ ہر بات جانتا ہے وہ خود اپنے نبیؑ کی زبانی اور اس کے علماء کی معرفت ان باتوں کو ظاہر کر دے گا۔ وہ ہر حال میں خدا تعالیٰ کے نزدیک اسلام قبول نہ کرنے پر ملزم ٹھیریں گے۔ کیا وہ اس بات کو نہیں جانتے۔ عند ربکم کے معنی میں علماء کی مختلف توجیہات ہیں۔ مگر قوی اور صاف یہ ہے ای فی حکمہ اس کے بعد خدائے تعالیٰ عام یہود کی بے دینی اور جہالت ظاہر کرتا ہے ؛

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ

اور بعض ان میں سے اَن پڑھ بھی ہیں جن کو اپنے دلی منصوبوں کے سوائے

اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾

کتاب کا علم ہی نہیں اور وہ محض اٹکل پچو باتیں بنایا کرتے ہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ

سو افسوس ہے ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے

بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ

لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف

عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا

سے ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑا سا روپیہ کمائیں۔

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ

پھر تف ہے ان کے ہاتھوں کے لکھنے پر اور

وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْا

تف ہے ان کی کمائی پر۔ اور وہ (یہ بھی) کہا

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً

کرتے ہیں کہ بجز چند گنتی کے دنوں کے ہم کو آگ (دوزخ کی) نہ چھوئیگی۔

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ

(اے نبی ﷺ) ان سے پوچھو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد کرا لیا ہے کہ پھر

يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى

وہ اپنے عہد کے خلاف ہرگز نہ کرے گا یا تم اللہ پر وہ باتیں بناتے ہو

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ

کہ جن کو تم خود بھی نہیں جانتے۔ ہاں جس کسی نے برائی کمائی

سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ

ہو گی اور اس کو گناہوں نے ہر طرف سے گھیر لیا ہو گا

الربع فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا

وہی دوزخی ہیں۔ وہی اس میں ہمیشہ

خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

رہا کریں گے۔ اور جنہوں نے ایمان لا کر اچھے

ع ۹ / ۱۱ / ۹ الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ

کام بھی کئے ہوں گے وہی جنتی ہیں، وہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔

## ترکیب

اُمّیون مبتدا موصوف لا یعلمون الکتاب صفت منھم خبر مقدم الّا امانی استثنا۔ منقطع ہے بمعنی لکن۔ امانی امنیۃ کی جمع ہے۔ جس کے معنی دلی منصوبہ ہیں اور اس لئے اس کا اطلاق جھوٹ اور آرزو اور جو پڑھنے میں آتا ہے اس پر ہوتا ہے۔ اِن بمعنے ما بقرینہ اِلّا والتقدیر ان ہم الا قوم یظنون۔ فویل للذین یکتبون مبتدا و خبر ہیں۔ الکتاب مفعول بہ ہے بمعنی مکتوب اور جس نے مصدر سمجھا ضعیف کو اختیار کیا۔ بایدیہم ید کی جمع ہے جس کی اصل یدی کفلس ہے اور جمع قلت ہے۔ باوجودیکہ ہاتھوں سے لکھتے ہیں کہ پاؤں سے، پھر اس کو جو ذکر کیا تو تاکید کے لئے جیسا کہ بولتے ہیں

ف ویل زبانِ عرب میں ناراضی کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہماری زبان میں تُف اور پھٹے مُنہ بولتے ہیں پس وہ جو امام احمدؒ اور ترمذیؒ اور ابو یعلیٰؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ ویل جہنم میں ایک کنواں ہے۔ اور ابن جریرؒ نے روایت کیا ہے کہ وہ جہنم میں پہاڑ ہے۔ سو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ چیزیں خدا تعالیٰ کے کلمۂ ویل کا مظہر ہے یعنے اس کی ناراضی ان صورتوں میں ظہور کرے گی۔ سو یہ سب سچ ہے۔

ف :۔ اس آیت سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید کی اُجرتِ کتابت اور لکھ کر بیچنا جائز نہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ جائز ہے اور اسی پر علماء کا فتویٰ ہے۔ (تفسیر عزیزی)۔

اپنی آنکھ سے دیکھا۔ لیشتروا میں لام یقولون کے متعلق ہے۔ مما کتبت میں ما بمعنے الذی یا نکرہ موصوفہ یا مصدریہ ہے اور اسی طرح مما یکسبون میں۔ قالوا فعل ہم ضمیر فاعل لن تمسنا الخ جملہ مفعول بہ۔ الا ایام میں ایام کو بوجہ ظرف ہونے کے نصب ہے نہ الا کی وجہ سے کس لئے کہ فعل اس ظرف سے پہلے کسی اور ظرف کی طرف متعدی نہیں ہوا۔ (تبیان) ایام اصل میں ایوام یوم کی جمع تھا واو کو یا بنا لیا اور ی کو ادغام کر دیا۔ اتخذتم ہمزہ واسطے استفہام کے ہے اور ہمزۂ وصل محذوف ہے۔ بلیٰ کلمۂ ایجاب ہے من بمعنے الذی اور ممکن ہے کہ شرطیہ ہو اور دونوں تقدیر پر یہ مبتدا۔ اصحاب النار خبر جملہ جواب شرط یا خبر من۔ ام ہمزۂ استفہام کے معنے میں ہے اسے الامرین کائن یعنی ام متصلہ یا اس کو منقطعہ کہا جاوے بمعنی بل ہے۔

## تفسیر

یعنی ان کے حامیوں کی یہ کیفیت ہے کہ توراۃ یا کسی اور کتاب کو تو جانتے نہیں۔ صرف چند خیالی ڈھکوسلے اپنے دل میں جما رکھے ہیں۔ اول یہ کہ تمام مخلوق سے علاوہ خدا تعالیٰ کو ہم سے ایک اختصاص خاص ہے۔ کیونکہ اس نے ہم کو بیٹا کیا ہے اور محبوب بنایا ہے پس ہمارا ہر گناہ معاف ہے۔ دوم یہ کہ ہمارے باپ دادا انبیاء تھے ان کو قدرت ہے کہ بغیر مرضیٔ خدا تعالیٰ ہم کو دوزخ سے چھڑا لیں گے (جیسے کہ آج کل بعض جاہل پیرزادوں کے خیالات فاسد ہیں) سوم یہ کہ یہود کو اگر عذاب بھی ہوا تو چند روز کا ہوگا۔ چہارم استحقاقِ نبوت ہمارے خاندان کو حاصل ہے اور کسی خاندان کا شخص نبی نہیں ہو سکتا (جیسے ہندوؤں میں برہمنوں کے خیالات فاسدہ ہیں) خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بے اصل خیالات ہیں۔ ان کے علماء کا یہ حال ہے کہ غلط مسائل اور امراء کی خواہش کے موافق روپیہ لینے کے لئے اپنے ہاتھوں سے جھوٹی روایات لکھ کر پیش کر دیا کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، یعنی توراۃ کی عبارت ہے اگر کسی پرانے نوشتے کو حسن ظن سے من اللہ کہہ دیتے تو ایک بات تھی غضب یہ کہ خاص اپنے ہاتھ کے نوشتہ کو من اللہ کہہ دیتے ہیں۔ اس لئے یکتبون بایدیہم کی قید لگائی ورنہ لکھا تو ہاتھوں سے ہی کرتے ہیں آنکھوں اور کانوں سے کون لکھتا ہے۔

فرماتا ہے، تف ہے اس لکھنے پر اور تف ہے اس کمائی پر۔ اس کے بعد وقالوا لن تمسنا النار الخ، ان کے امانی اور خیالی منصوبوں کو بیان فرما کر اس کا رد کرتا ہے کہ کیا خدا تعالیٰ نے تم سے اس کا کوئی عہد کر لیا ہے کہ وہ تمہارے گناہوں پر عذاب بھی دے گا تو چند روز کے لئے۔ ہرگز نہیں جزا و سزا کا عام قاعدہ ہے کوئی ہو جو ہر طرح سے گناہوں میں آلودہ ہوگا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اور جو ایمان لاوے گا نیک کام کرے گا ہمیشہ جنت میں رہے گا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ
اور جب کہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ خدا کے سوا

لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ تعدو وَبِالْوَالِدَيْنِ
اور کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ سے

اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ
اور قرابت داروں اور یتیموں اور بے کسوں

الْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ
سے سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی بات کہنا اور

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ
نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا پھر

تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ
بجز چند آدمیوں کے تم میں سے منہ موڑ کر سب

مُّعْرِضُوْنَ ۝۸۳
پھر گئے۔

## ترکیب

اذ ظرف متعلق ہے اذکر کے اخذنا فعل با فاعل میثاق بمعنے عہد مفعول لاتعبدون الی آخرہ جواب قسم ہے جو اخذنا سے مستفاد ہے ای احلفناہم او قلنا لہم باللہ لاتعبدون۔ دوم یہ کہ ان مراد ہو والتقدیر اخذنا میثاق بنی اسرائیل علے ان لاتعبدوا الا اللہ، پس حرف جر حذف ہوا پھر ان حذف ہو گیا پھر مضارع مرفوع ہو گیا۔ جیسا کہ اس مصرعہ میں ع: الا ایہذا الزاجری احضر الوغی ÷ اور بعض قرات میں ان لاتعبدوا بھی آیا ہے، پس اس تقدیر پر میثاق سے بدل ہو جائے گا، یا بحذف جار اس کا معمول ہو جائے گا۔ نافع اور ابن عامر اور ابو عمرو اور عاصم اور یعقوب نے لاتعبدون ت کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی لوگوں نے ی کے ساتھ۔ اور بالوالدین احسانا متعلق ہے مضمر کے ساتھ ای احسنوا احسانا وذی القربیٰ اس کا عطف الذین پر ہے وقولوا ای قلنا لہم قولوا قولا حسنا بضم الحاء وسکون السین وبفتحہا جیسا کہ حُزن اور حَزَن دونوں درست ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ثانی صورت میں صفت ہے مصدر محذوف کی اور اول میں مضاف محذوف ہے ای ذ حسن۔ وانتم معرضون جملہ حال موکدہ ہے۔ فاعل تولیتم سے ÷

## تفسیر

یہود کو جو خدا تعالیٰ نے بتاکید شدید احکام دیتے تھے جن پر عمل کرنے سے ان کو دنیا کی فضیلت دی گئی تھی اور ان پر کیا منحصر ہے جو کوئی ان احکام پر عمل کرے گا فضیلت اور سیادت کا مرتبہ پائے گا۔ ان احکام کی ۲ دو قسم ہیں۔ اول وہ جو خود عامل کے لئے مکارم اخلاق اور ذاتی خوبی ہو جاتے ہیں۔ دوم وہ جو تمدن کی اصلاح اور قومیت کے قیام کے باعث۔ قسم اول

**ف** بعض علماء۔ لاتعبدون کو خبر بمعنے انشا کہتے ہیں اور خبر کے پیرایہ میں حکم موکد ہوتا ہے

کی بھی ۲ دو قسمیں ہیں خدا تعالیٰ کی تعظیم اس کی مخلوق پر رحم کرنا۔ فقال لاتعبدون الخ اول تو تعظیم الٰہی کا ذکر فرمایا یہ اس لئے کہ تمام حسنات کی بنیاد توحید ہے اور یہ توحید دراصل منعم حقیقی کا شکر بھی ہے اس لئے اس کے ساتھ شکر منعم مجازی بھی تاکیداً ذکر فرمایا۔ وبالوالدین احسانا کہ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، گویا توحید کے بعد ماں باپ کی تعظیم و حرمت دوسرے درجہ کا حکم ہے اور صرف ماں باپ ہی نہیں بلکہ ان کے سبب سے جو رشتہ قرابت پیدا ہوتا ہے ان اہل قرابت کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنا خواہ وہ ماں کے اہل قرابت ہوں یا باپ کے، چچا پھوپی دادا دادی چچا اور پھپیوں کی اولاد خالہ ماموں اور ان کی اولاد یہ قرابت نسبی ہے اکثر علماء فرماتے ہیں کہ قرابت سببی اور رضاعت اور قرابت صحبت و محبت بھی بموجب آیت ملحوظ رکھی جائے۔ اب جس طرح ماں باپ کی تعظیم کا جزء اہل قرابت کی تعظیم تھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا جزء اس کی مخلوق پر رحم کھانا ہے گویا یہ اس کے عیال ہیں، بالخصوص ان میں سے دو گروہ والیتمٰی والمساکین سے سلوک کرنا عام ہے کہ قرابت دار ہوں یا نہ ہوں۔ اگر قرابت دار ہیں تو اور زیادہ قابل ترحم ہیں اور زیادہ ثواب ہو گا۔ یتیم اس نابالغ کو کہتے ہیں کہ جس کا باپ مر جائے۔ مسکین وہ مفلس ہے جو صاحب زکوٰۃ نہ ہو عام ہے کہ تندرست ہو یا بیمار اور عموماً بنی نوع کے لئے عمدہ بات کہنا وقولوا للناس حسنا، عمدہ بات، اچھی صلاح دینا، کوئی دنیاوی و اخروی تعلیم دینا، فحش اور بد کاموں سے بہ نرمی و اخلاق منع کرنا، اور کم سے کم میٹھی بات اخلاق سے بولنا، ترش روئی اور کج ادائی سے پیش نہ آنا اس کے بعد خدا تعالیٰ کی عبادت وطاعت کا حکم فرمایا اقیموا الصلوٰۃ کہ اس کے لئے نماز پڑھنا دعا کرنا، سجدہ کرنا، مصائب میں اسی سے التجا کرنا یہ بھی نماز کا جزء ہے اور دل میں اسی کا تصور کرنا یہ بھی نماز ہے مگر بہ ہیئت مخصوصہ جو نماز جملہ شرائط کے ساتھ ہو ان سب کو

شامل ہے اس لئے وہ فرض ہے مسلمانوں پر رات دن میں
پانچ وقت یہود پر جو نماز جس ہیئت میں فرض تھی اس کی
تشریح ان کی کتابوں میں ہے اب فرائض و نوافل سب اس
میں آ گئے۔ یہ بدنی اور روحانی عبادت تھی اس کے بعد وَ
آتُوا الزَّكٰوةَ مالی عبادت کا حکم صادر فرمایا۔ مال کی جڑ بنی آدم
کے دل پر ہوتی ہے جب تک اس منعم حقیقی کی راہ میں اس کو
صرف نہ کرے گا نماز بھی ایک رسمی بات سمجھی جائے گی اور
اگر زکوٰۃ دے گا تو یتامیٰ اور مساکین کا بھی حق ادا ہوتا
رہے گا ورنہ ماں باپ اور اقارب کے ساتھ سلوک تو شائستہ
انسانوں کا فطری شیوہ ہے۔ اسلام میں زکوٰۃ فرض ہے
مال کی سال بھر کے بعد چالیسواں حصہ اس کے مستحقوں کو دینا
چاہیے اور جو زیادہ دے ثواب ہے۔ یہود میں بھی یہی زکوٰۃ
فرض تھی اس کی مقدار اور دیگر احکام ان کی کتابوں میں ہیں
وہ یہ احکام ہیں جن کی خوبی میں کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا
اور اس لئے یہی احکام اسلام میں بھی ہیں۔ کیونکہ توریت کے
جس قدر احکام قرآن میں نقل کئے گئے ہیں اگر منسوخ ہونا ثابت
نہ ہو تو ان کا حکم باقی ہے۔ مگر بجز چند لوگوں کے یہود نے
ان سے منہ موڑ لیا۔ اس پر یہ دعوٰی کہ ہم خدا تعالیٰ کے
محب ہیں۔ قسم دوم کے احکام اگلی آیت میں بیان فرماتا ہے

ع ۱۰

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ
اور یاد کرو جب کہ ہم نے تم سے عہد لیا کہ آپس میں خونریزی نہ کرنا
وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ
اور نہ اپنے لوگوں کو جلا وطن کرنا
ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾
پھر تم نے اقرار کر لیا اور تم (اس کی) شہادت بھی دیتے ہو۔
ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ
پھر تم ہی تو ہو جو اپنے لوگوں کو آپ قتل کرتے ہو
وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ
اور اپنے ایک گروہ کو ان کے گھروں سے باہر نکالتے ہو
تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط
ان پر گناہ اور زیادتی سے چڑھائی کرتے ہو،
وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ
اور اگر (وہی لوگ غیر قوموں کے) قیدی ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں تو تم
هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ط
ان کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو، حالانکہ ان کا نکال دینا ہی تم پر حرام تھا۔
اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ
پھر کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے
بِبَعْضٍ ج فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ
ہو، پھر جو تم میں سے ایسا کرے اس کی یہی سزا ہے
مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَ
کہ دنیا میں بھی رسوا ہو، اور
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط
قیامت کے روز بھی سخت عذاب میں ڈالا جائے۔
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ
اور اللہ تعالیٰ تمہارے کام سے غافل نہیں، یہی وہ لوگ
الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو
بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
خرید کیا، پس نہ ان کے عذاب میں کمی ہوگی
وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع
اور نہ ان کی مدد کو کوئی پہنچے گا

## ترکیب

وَ عطف کے لئے کہ جو ایک جملہ کا دوسرے جملہ پر چلا آتا ہے
اخذنا فعل با فاعل میثاقکم مفعول لا تسفکون الخ بدل ہے
میثاق سے انتم مبتدا ہٰؤلاء علیٰ حذف مضاف خبر
ای مثل ہٰؤلاء۔ اور تقتلون اور تخرجون حال ہیں اور
عامل ان میں معنی تشبیہ۔ تظاہرون الخ جملہ موضع نصب

میم ہے اس لئے کہ یہ حال ہے فاعل تخرجون سے۔ تظاہرون اصل میں تتظاہرون تھا۔ ایک ت حذف ہوگئی اور بعض ت ثانی کو ظ سے بدل کر ظ کو ظ میں ادغام کرکے مشدد پڑھتے ہیں۔ عدوان مصدر ہے بروزن کفران بمعنے ظلم۔ اساریٰ جمع اسیر ہے فاعل یاتو سے اور بعض نے اس کو اسریٰ بھی پڑھا ہے۔ تفادوہم جواب شرط ہے و ہو ضمیر شان مبتدا محرم خبر اخراجہم مرفوع بسبب محرم کے اور یوں بھی ہوسکتا ہے کہ اخراجہم مبتدا اور محرم خبر مقدم اور جملہ خبر ہوا اور ہو اخراج کی طرف بھی رجوع ہوسکتا ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے ما نافیہ جزاء الخ اسم خزی خبر فی الحیوٰۃ الدنیا صفت و موصوف کا مجموعہ خزیٌ کی صفت ہے اور ممکن ہے کہ ظرف ہو۔

## تفسیر

یہ قسم دوم کے احکام ہیں ان کو بھی بتاکید شدید یہود پر فرض کیا تھا۔ جس کو بلفظ اخذنا میثاقکم اور پہلے بلفظ میثاق بنی اسرائیل ذکر فرمایا تھا۔ اس عنوان کے بدلنے میں نکتہ یہ ہے کہ اول آیت میں اگلے بنی اسرائیل کا ذکر کیا تھا۔ اور اس میں موجودہ یہود کی طرف خطاب ہے اگرچہ یہ دونوں قسم کے احکام فرض تو اگلے ہی بنی اسرائیل کے عہد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت ہوئے تھے جیسا کہ توریت میں ذکر ہے گزشتہ آیت میں قسم اول کے پانچ حکم تھے۔ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ ماں باپ سے، اہل قرابت سے، یتیموں سے، مسکینوں سے سلوک کرنا۔ لوگوں سے عمدہ بات کہنا۔ نماز قائم رکھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ اسی طرح ان آیات میں قسم دوم کے دو حکم ذکر فرماتے۔ آپس میں خونریزی نہ کرنا۔ اپنی قوم کو ناحق باہر نہ نکال دینا، یعنی جلاوطن ظلم و زیادتی سے نہ کرنا۔ کس لئے کہ تمدن خراب ہوجائے گا، قومیت کا قوام باطل ہوجائے گا قوتِ اجتماعیہ زائل ہوجانے سے مخالفوں کو تم پر حملہ کرنے کی جرأت ہوگی۔ وہ تمہارے ملک کے بادشاہ ہوجائیں گے۔ تم کو محکوم اور غلام بنالیں گے۔ تمہارا ناموس، تمہارا مذہب بھی تمہارے ہاتھ میں نہ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ حکم مسلمانوں پر بھی بقاعدۂ مذکورہ فرض ہیں۔ ان پر بھی آپس کی لڑائی کا دھاڑ جلاوطن کردینے سے جو جو مصائب نازل ہوئے اور اب تک ہیں کسی تاریخ دان پر مخفی نہیں۔ ان دونوں حکموں کو بنی اسرائیل نے خیمۂ شہادت کے پاس حاضر ہوکر قبول کیا تھا۔ اب اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود اور ان کے بزرگوں سے خطاب کرکے الزام دیا جاتا ہے۔ بقولہ ثم انتم ہؤلاء کہ پھر تم وہ ہو کہ باوجود اس اقرار کے آپس میں خونریزی بھی کرتے ہو اور ایک گروہ دوسرے کو جلاوطن بھی کرتا ہے اور عجیب تر یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے اگر کوئی دوسری قوم کے ہاتھ میں اسیر ہوجاتے ہیں تو اسرائیلی کا آزاد کرانا کارِ ثواب جان کر مال دے کر انھیں اسیری سے رہا کراتے ہیں۔ حالانکہ جلاوطن کرنا ہی حرام تھا۔ جس کے سبب وہ اسیر ہوئے۔ فرماتا ہے، کیا توریت کے ایک جزپر تو ایمان رکھتے ہو کہ اسیروں کو رہا کراتے ہو اور ایک جز جلاوطن نہ کرنے اور ناحق چڑھائی نہ کرنے کے حکم سے انکار ہے۔ یہ خوب ایمان ہے۔ پھر ایسی نفس پرست قوم کی یہی سزا ہے کہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں اشد عذاب ہو۔ تاریخ بنی اسرائیل میں معلوم ہوا ہوگا کہ بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں میں حضرت سلیمانؑ کے بعد کیسا اختلاف ہوا اور باہم کیا کیا خونریزیاں ہوئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی حکومت برباد ہوگئی۔ لوگوں کے ہاتھوں میں ذلیل رعایا بن کر رہتے ہیں۔ مدینے کے قریب جو یہود کے دو گروہ بنی نضیر و بنی قریظہ رہتے تھے وہ بھی آپس میں اپنے اپنے حلیفوں انصارِ مدینہ کے دو قوموں بنی اوس اور بنی خزرج کے ساتھ ہوکر لڑتے تھے۔ ان انصاری قبیلوں میں سو برس سے شعلۂ جنگ مشتعل تھا، باہم لڑا کرتے تھے۔ یہ شعلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آکر بجھا دیا اور سب کو برادرِ دینی بنا دیا۔ مدینہ کے یہود

آخر اپنی نالائق حرکات سے مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے، جلا وطن کئے گئے، اس سے زیادہ اور کیا دنیا کی رسوائی ہوگی۔ اس آیت میں یہ پیشینگوئی ہے جو بہت جلد صادق ہوئی۔ آخر کار عذاب اور ابدی جہنم تو اُن کے لئے باقی ہے یہ دونوں حکم گویا احکامِ خمسہ کا تتمہ ہیں۔ کس لئے کہ اہلِ قرابت پر چڑھائی کرنا، قتل کرنا، جلا وطن کر دینا، اُس سلوک اور احسان کے منافی ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے آخرت کی کچھ پروا نہ کی۔ اُس جہان کے عیش و آرام کے بدلہ میں دنیاء فانی کو حاصل کرنا مقدم سمجھا۔ سو یہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے نہ اُن کے عذاب میں تخفیف ہوگی نہ کوئی ان کی مدد کر سکے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَقَفَّیْنَا
اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب (توراۃ) دی اور اس کے بعد بھی
مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی
پے درپے رسول بھیجتے رہے، اور ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو
ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ
نشانیاں دیں اور روح القدس سے اُن کی تائید
الْقُدُسِ اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ
کی تھی، کیا (یہی) کرنا تھا کہ جب تمہارے پاس کوئی رسول
بِمَا لَا تَهْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ
وہ حکم لائے کہ جس کو تمہارا دل نہ چاہے تو تم اکڑ جاؤ،
فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾
پس ایک گروہ کو جھٹلانے اور ایک گروہ کو قتل کرنے لگو۔

## ترکیب

آتینا فعل با فاعل موسیٰ مفعول اول الکتاب مفعول ثانی قفینا میں ی واؤ سے بدل گئی، بولتے ہیں قفا یقفو اذا اتبعہ، چونکہ واؤ چوتھے مرتبہ میں واقع ہوا ی سے بدل گیا۔ بالرسل بذریعہ ب مفعولِ قفینا۔ کلما حرف شرط استکبرتم جواب شرط فریقا مفعول مقدم کذبتم اسی طرح تقتلون کا فریقا مفعول مقدم ہے۔

## تفسیر

اب جو کچھ بنی اسرائیل نے رسولوں کے ساتھ سلوک کیا تھا اور کر رہے ہیں، اس کا ذکر ان آیات میں اور اگلی آیات میں بیان فرماتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ نہ صرف قوتِ عملیہ ہی ان کی خراب ہو گئی تھی بلکہ قوتِ نظریہ بھی جاتی رہی تھی۔ اور انسان کی نجات انہیں دو قوتوں کی اصلاح پر موقوف ہے۔ پھر ان خرابیوں پر یہ دعویٰ کہ ہم خدا کے دوست اور اس کے بیٹے ہیں۔ چند روزہ جہنم کے بعد ہماری نجات یقینی ہے۔ اور جب اپنے خاندان کے اس قدر انبیاء کے ساتھ ان کا یہ برتاؤ رہا ہے تو نبی عربی علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ ان کی بدسلوکی ہو متوقع ہے۔ فقال ولقد آتینا موسی الکتاب، کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، اس میں اہلِ اسلام اور اہلِ کتاب کا اتفاق ہے کہ اس کتاب سے مراد توریت ہے گو اہلِ کتاب حضرت موسیٰ کی طرف اور کتابیں بھی منسوب کرتے ہیں جیسا کہ توریت موجودہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس فرمانے سے یہ مطلب ہے کہ موسیٰ کے مرنے سے دینِ موسوی نہیں مر گیا تھا۔ تاکہ بنی اسرائیل کو اپنی بدعہدیوں اور بدعقائد کی نسبت کوئی عذر ہو سکے بلکہ موسیٰ کی کتاب موجود تھی اور اس کتاب کی ترویج اور تعلیم کے لئے قفینا من بعدہ بالرسل ان کے بعد پے درپے رسول بھی بھیجے اور ان سب کے بعد وآتینا عیسی بن مریم البینت وایدناہ بروح القدس، عیسیٰ ابن مریم کو معجزات دے کر بھیجا اور روح القدس کے ساتھ ان کی تائید کی اس لئے وہ مُردوں کو زندہ، بیماروں کو تندرست، اندھوں کو آنکھوں والا کر کے دکھا دیتے تھے۔ جس سے تمام بنی اسرائیل میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ حاصل یہ کہ وہ ہدایت کا مرکز موسیٰ سے لے کر عہدِ عیسیٰ تک قائم رہا۔ بڑے بڑے متکلمین کے

مگر بنی اسرائیل کی ازلی بدبختیوں نے یہ کیا۔ افکلما جاءکم رسول بما لاتھویٰ انفسکم استکبرتم، کہ جب کوئی رسول ان کی خواہش کے برخلاف کوئی حکم لایا تو اس سے اکڑ گئے منہ پھیر لئے، پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ فریقاً کذبتم و فریقاً تقتلون بہت کو تو صاف جھٹلا دیا اور بڑی بے عزتی سے پیش آئے اور بہت کو قتل کر ڈالا۔ پھر ایسے بیمار جو خلاف مرضی نسخہ زبیوں طبیبوں کو جھٹلائیں اور مار ڈالیں شفا پا سکتے ہیں؟ پھر اس روحانی مرض کی سزا موت ابدی یعنی دائمی جہنم نہیں تو اور کیا۔ **ف** موسیٰ ؑ کو توریت دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اب جو کتاب اہلِ کتاب میں نام نہاد توریت موجود ہے جس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی اور شخص نے موسیٰ ؑ کی تاریخ میں لکھی ہے اصل توریت نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل جو انبیاء ؑ کو قتل کیا کرتے تھے انہوں نے توریت کو بھی قتل کر دیا اس کو کھو بیٹھے۔ **ف۲**

روح القدس سے مراد بعض علماء کے نزدیک جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جبرئیل ؑ کے سوا ایک اور فرشتہ ہے جس کو روح الاعظم کہتے ہیں۔ عیسائی روح القدس کو بھی خدا اور مجموعۂ خدائی کا ایک جزء یا رکن کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا ایک اقنوم اس کو باپ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ بیٹا، یعنی عیسیٰ ؑ جس کو یسوع کہتے ہیں دوسرا اقنوم روح القدس تیسرا اقنوم، تینوں خدا، پھر تینوں مل کر ایک خدا نہ کہ تین۔ اس کو وہ تثلیث فی التوحید کہتے ہیں اور اس اعتقادِ باطل پر نجات کا مدار ٹھہراتے ہیں۔ یہ غلط خیال عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ ؑ کے کئی سو برس بعد پیدا ہوا ہے اس کا قرآن اور عقل سلیم نے ابطال کر دیا۔ قدیم اور جدید فلسفہ بھی اس کو ایک جاہلانہ خیال بتلاتا ہے اور در اصل ہے بھی یہی۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ

اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں (نہیں) بلکہ ان پر ان کے کفر کے سبب

اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَ

اللہ نے لعنت کر دی ہے سو بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں، اور

لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

جب کہ ان کے پاس خدا کی طرف سے کتاب ان کے اصول مذہب کی تصدیق

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ

کرتی ہوئی آئی، حالانکہ اس سے پیشتر (اس کی برکت

قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ

سے) کافروں پر فتحیابی بھی چاہا کرتے تھے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ؗ

تو جب پھر ان کے پاس وہ قرآن کہ جس کو پہچان آیا تو اس کے منکر ہوگئے

فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

سو منکروں پر خدا کی مار ہے۔

## ترکیب

قالوا فعل ہم ضمیر فاعل قلوبنا مبتدا غلف بضم لام جمع غلاف اور لام کا سکون بھی ہو سکتا ہے کیونکہ مضموم کو ساکن بعض مواقع میں عرب کر دیتے ہیں (جیسا کہ کُتُب اور کُتْب) خبر جملہ مقولہ ہے۔ بل اضراب کے لئے بکفرہم کی ب لعن سے متعلق ہے۔ فقلیلاً منصوب ہے اس لئے کہ صفت ہے مصدر محذوف کی اور ما زائدہ ہے ای فایماناً قلیلاً یؤمنون۔ لما حرف شرط جاء فعل ہم مفعول کتب موصوف من عند اللہ صفت اول مصدق صفت دوم اور بعض نے مصدقاً بھی پڑھا ہے اس تقدیر پر یہ حال ہے پس یہ مجموعہ فاعل جواب شرط انکروہ محذوف ہے وکانوا فعل ضمیر فاعل من قبل متعلق ہے فعل سے یستفتحون الخ جملہ خبر کانوا۔ یہ سب جملہ حال ہے ضمیر ہم سے یا جملہ معترضہ ہے فلما جاءہم الخ شرط ہے کفروا جواب شرط ہے۔

## تفسیر

اس سے پہلے تک تو بنی اسرائیل کا وہ معاملہ جو اسرائیلی انبیاء ؑ

اور ان پر منزل کتابوں کے ساتھ تھا بیان ہوا۔ اب یہاں سے جو کچھ ان بدبختوں کا معاملہ نبی آخر الزمان علیہ السلام اور قرآن کے ساتھ تھا اس کو بیان فرمایا جاتا ہے۔ وقالوا قلوبنا غلف۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے یہود قرآن مجید اور نبوتِ نبی علیہ السلام کے قبول نہ کرنے کا یہ سبب بیان کرتے تھے کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں یعنی وہ جو کچھ ہم کو اپنے بزرگوں سے پہنچا ہے اسی پر ہم مستحکم ہیں نئی بات قبول نہیں کر سکتے۔ یہ ایک محاورہ ہے نئی بات قبول نہ کرنے کی بابت یعنی ہم جس بات پر ہیں بڑے پکے ہیں۔ اپنی خوبی بیان کرتے ہیں حالانکہ حق کی روشنی قبول نہ کرنا کوئی خوبی اور استحکام نہیں بلکہ دلوں میں زنگ اور آلودگی اس قدر ہے کہ ان پر انوارِ ہدایت کا اثر نمایاں نہیں ہوتا۔ جس طرح زنگ آلود آئینہ پر نورِ آفتاب نہیں نمایاں ہوتا اسی بات کو بطور استعارہ کے خدا تعالیٰ اس جملہ میں بیان فرماتا ہے بل لعنہم اللہ بکفرہم فقلیلا ما یؤمنون کہ ان کے کفر و ضلالت کے سبب جو اُن کے انبیاء اور کتابوں سے سرکشی و انکار سے پیدا ہوتی ہے خدا تعالیٰ نے ان پر لعنت کر دی ہے۔ اس قدیم لعنت کا زنگ چڑھا ہوا ہے اس لئے بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں۔ جس طرح زنگ آلود آئینہ میں بہت ہی کم نور تاباں ہوتا ہے۔ ہاں کبھی کچھ دھندلی سی روشنی کا عکس دکھائی دے جاتا ہے اور جو کچھ انکار اور سرکشی ہے تو عمداً ہے اور جان بوجھ کر ہے کس لئے کہ قرآن اور نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے سے پہلے اُن بشارات کی وجہ سے جو اُن کی کتابوں میں ایک آنے والے اولوالعزم نبی اور ایک نئے قانونِ آسمانی کی بابت تھیں ان کو اشد انتظار تھا اپنے مقاصدِ دینی و دنیاوی اسی پر سمجھے بیٹھے تھے کس لئے کہ بموجب بشاراتِ توراۃ سفر استثناء باب ۱۸ و دیگر کتبِ انبیاء مثل صموئیلؑ و حزقیلؑ و دانیالؑ کے ان کو ایک نبی آخر الزمانؐ کا انتظار تھا جس پر مخالفوں کے مقابلہ میں اپنی ترقی اور فتحمندی کو منحصر جانتے تھے اور مدینہ کے یہود بنی اسد اور بنی غطفان وغیرہ قبائلِ عرب سے جب شکست کھا کر عاجز ہوتے تو اپنے علماء کی تعلیم سے دعا کیا کرتے تھے اللہم ربنا انا نسئلک بحق احمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجہ لنا فی آخر الزمان وبکتابک الذی تنزل علیہ آخر ما ینزل ان تنصرنا علی اعدائنا، کہ الٰہی ہم کو برکتِ نبی آخر الزمان محمدؐ کے اور برکتِ قرآن مجید کے ہمارے دشمنوں پر فتحیاب کر (رواہ الحاکم والبیہقی) امام احمد اور طبرانی نے سلمہ بن قیس سے روایت کی ہے کہ ہمارے محلہ بنی عبدالاشہل میں ایک یہودی رہتا تھا اُس نے ہم سے عالم آخرت کے عذاب و ثواب کا ذکر کیا تو ہم نے اُس سے دلیل پوچھی اُس نے کہا عنقریب مکہ کی طرف سے ایک نبی مبعوث ہوگا وہ اس بات کو ثابت کرے گا ہم نے پوچھا وہ کب ظاہر ہوگا۔ اُس نے میری طرف نظر کر کے کہا اگر یہ لڑکا عمرِ طبعی تک جیتا رہے گا تو دیکھ لے گا۔ سلمہ کہتے ہیں کہ چند روز بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خبر مشہور ہوئی۔ پھر جب ہم مدینہ میں گئے تو ہم نے اُس یہودی سے کہا اب تو ان پر کیوں ایمان نہیں لاتا؟ اُس نے خجل ہو کر کہا یہ وہ شخص نہیں۔ فلما جاءہم کتاب من عند اللہ اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب آئی یعنی قرآن مجید اور کتاب بھی وہ کہ جو مصدق لما معہم ان کے اصول مذہب کی تصدیق کرتی ہوئی تھی کیونکہ جو کچھ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے واقعات فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا ماجرا بعد کے واقعات اور اسی طرح احکام اخلاقی اور روحانی اور دیگر عقائد بابت ذات و صفات اور دوزخ و جنت و انبیاء و ملائکہ بیان کئے اب وہی تو ہیں کہ جن کو مانتے اور ان کے معتقد تھے بجز حذف زوائد و اتمام بعض نقصانات ہو بہو وہی ہیں اور ان کے آنے کے بعد یہود نے جان بھی لیا کہ یہ وہی کتاب اور یہ وہی نبی ہے کہ جس کے ہم منتظر تھے مگر بجائے ایمان لانے کے کیا کیا، کفروا بہ منکر ہو گئے۔ فلعنۃ اللہ علی الکافرین، ان منکروں پر خدا تعالیٰ کی لعنت ہے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا

انھوں نے اپنی جانوں کو بہت ہی بری چیز کے لئے بیچ ڈالا وہ یہ کہ

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ

اللہ کی نازل کی ہوئی چیزوں کا اس ضد میں آکر انکار کرنے لگے کہ وہ اپنے

مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ

فضل (وحی) کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے کیوں نازل کر دیتا ہے؟

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

پس انھوں نے غصہ پر غصہ کمایا اور کافروں کو

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

ذلت کا عذاب ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ

اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ

جو خدا تو نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان

بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا

لاتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس کے سوا سب کے منکر ہیں۔

وَرَآءَهٗ ۤ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا

حالانکہ وہ (جس کے وہ منکر ہیں یعنی قرآن) وہ برحق جو ان کے پاس ہے اس

مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ

کی تصدیق کرتا ہے۔ (اے محمدؐ!) ان سے پوچھو اگر تم ایماندار تھے تو خدا کے رسولوں

مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَ

کو کیوں پہلے قتل کیا کرتے تھے؟ اور

لَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ

بے شک تمہارے پاس موسیٰؑ معجزے لے کر آئے پھر

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ

اس کے بعد بھی تم نے بچھڑا بنا لیا، حالانکہ

اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

تم بڑا ستم کر رہے تھے۔

## ترکیب

بئس فعل ذم ما نکرہ موصوفہ اشتروا بہ انفسہم جملہ اس کی صفت یہ سب اسم بئس۔ ان یکفروا الخ بتاویل مصدر خبر مبتدا محذوف جملہ مخصوص بالذم (یہاں اور بھی احتمالات ہیں) بغیاً مفعول لہٗ ہے یکفروا کا ان ینزل اللہ الخ یہ جملہ بغیاً کا مفعول لہٗ ہے یعنی ان کی ضد اس لئے ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے جس پر چاہتا ہے کیوں نازل کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کا مقید کیوں نہیں رہتا۔ اذا قیل الخ شرط قالوا الخ جواب شرط ویکفرون الخ جملہ حال ہے اُس ضمیر سے جو قالوا میں ہے وراءہ ضمیر ما کی طرف رجوع ہے وراء کی ہمزہ ی سے بدل گئی ہے لانہ یقال توارات اور ابن جنی کے نزدیک ہمزہ اصلی ہے وراء اصل میں مصدر ہے ظرف بنایا گیا۔ مصدقاً حال موکدہ ہے اور عامل اس میں معنی حق ہیں اور اس میں ضمیر مستتر ذوالحال ہے۔ ان کنتم الخ شرط جواب محذوف دلالت کرتا ہے اس پر جملہ ماقبل وانتم ظالمون حال ہے فاعل اتخذتم سے یا الگ جملہ۔

## تفسیر

یہ پہلی آیت کا تتمہ ہے یعنی یہود نے جو قرآن مجید کا انکار کیا ہے تو اس ضد سے کہ خدا تعالیٰ کیوں جس پر چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے وحی نازل کر دیتا ہے، کس واسطے کہ ہمارے ہی خاندان میں سے نبی آخر الزماں مبعوث نہ کیا۔ ان کے اس انکار اور ضد کو تجارت سے تشبیہ دی جاتی ہے کس لئے کہ انسان جو دنیا میں آیا ہے گویا ایک تاجر ہے جس کا راس المال اس کی عمر ہے اور جو کچھ نیک و بد وہ کر رہا ہے یہ وہ مال ہے کہ جن کو عمر گرانمایہ دے کر لے رہا ہے۔ یہود نے جو اپنی جانیں یعنی حیات دنیا کے مال سے جو کچھ خریدا یا کھویا حیاتِ ابدی برباد کر کے جو کچھ کمایا وہ یہی کہ خدا کی منزّل چیزوں کا انکار کیا سو یہ بہت بُرا سودا ہے اور ما انزل اللہ کا انکار اس میں ضد اور عناد سے کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے کیوں وحی نازل کر دیتا ہے۔ کیوں بنی اسمٰعیل یعنی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کر دیا ہم کو خدا نے

کے نازل کیے ہوتے سے انکار نہیں بلکہ اس تعمیم سے حالانکہ ان کا
یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ کس لئے کہ جب خدا تعالیٰ کسی کی
معرفت کوئی چیز نازل کرے تو باوجود حق ہونے کے اس کے
انکار کی کیا وجہ؟ بالخصوص جب وہ منزل ان کے پاس جو کچھ
ہے اس کی تصدیق کر رہا ہو۔ ان کا یہ دعویٰ بھی کہ جو کچھ
ہم پر یعنی ہمارے نبیوں پر نازل ہوا ہے ہم اس پر ایمان رکھتے
ہیں غلط ہے۔ کس لئے کہ انبیاء بنی اسرائیل کا قتل کرنا ان کے
دعوائے ایمانی کے منافی ہے اور خود موسیٰؑ پر توریت میں غیر اللہ
کی پرستش کی ممانعت تھی مگر اس پر بھی بچھڑا بنا کر پوجا۔

ع ۱۱

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ

اور یاد کرو جب کہ ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہ طور اٹھایا

الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ

کہ جو تم کو ہم نے دیا ہے (توراۃ) اس کو مضبوط ہو کر لو اور

اسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَ

سنو، انھوں نے کہا سن تو لیا لیکن مانیں گے نہیں اور

اُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ

اُن کے دلوں میں تو ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑا سرایت کر گیا تھا۔

قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ

(اے نبی ﷺ) کہدو کہ اگر تم ایماندار ہو تو تمہارا ایمان تم کو بہت ہی برا

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۹۳ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ

حکم دے رہا ہے۔ کہدو اگر آخرت کا گھر خدا کے

الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً

کے نزدیک سب کے علاوہ خاص تمہارے ہی لئے ہے

مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

تو موت کی آرزو کرو۔ اگر تم

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۹۴ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ

سچے ہو۔ اور وہ تو اس کی ہرگز

اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ

ہرگز کبھی بھی آرزو نہ کریں گے اپنے اعمال کے سبب جو کہ آگے بھیج چکے ہیں۔ اور اللہ تو

عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۹۵ وَلَتَجِدَنَّهُمْ

ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اور آپ ان کو زندگی کا سب

اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۛۚ وَمِنَ

لوگوں سے زیادہ (خاص کر) مشرکوں سے بھی زیادہ حریص

الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۛۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ

پائیں گے۔ ان میں سے ہر ایک آرزو کرتا ہے کہ کاش

يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ

ہزار برس کی عمر دی جائے اور اگر (اتنی) عمر بھی دی جائے تو بھی

مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ

وہ عذاب سے نہیں بچ سکتا۔ اور جو کچھ بھی وہ کر رہے

بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۶ ع

ہیں اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھ رہا ہے۔

## ترکیب

قالوا فعل با فاعل سمعنا و عصینا مفعول واشربوا فی قلوبہم العجل لے حُبّ العجل بکفرہم لے بسبب کفرہم۔ یہ جملہ بتقدیر قد حال ہے ضمیر قالوا سے۔ قل بئسما یامرکم الخ جواب ہے ان کے قول سمعنا و عصینا کا۔ قل فعل با فاعل ان کانت الخ جملہ شرطیہ مقولہ الدار موصوف الآخرۃ صفت مجموعہ اسم کانت۔ لکم متعلق ہے کانت سے خالصۃ خبر کانت عند اللہ ظرف خالصۃ ہے من دون الناس بسبب خالصۃ کے موضع نصب میں ہے کہتے ہیں خلص کذا من کذا یہ سب جملہ شرط اور فتمنوا الموت شرط اول اور ان کنتم صٰدقین شرط ثانی (دونوں کا جواب ہے) (جلالین) ابدًا ظرف ہے بما قدمت کا۔ ومن الذین اشرکوا میں دو وجہ ہیں ایک یہ کہ یہ بمعنی الناس پر معطوف ہے ای احرص من الناس الذین فی زمانہم، واحرص من الذین اشرکوا یعنی بہ المجوس دوم یہ کہ جملہ مستانفہ مانا جاوے ای من الذین اشرکوا قوم یود احدہم لو یعمر میں لو بمعنی ان ہے۔ ما ہو بمزحزحہ، ما نافیہ ہو ضمیر راجع احد کی طرف اور بمزحزحہ خبر ما ای وما ذلک المتمنی بمزحزحہ

من العذاب متعلق ہے مزحزحہ سے۔ ان یعمر موضع رفع میں ہے بسبب مزحزحہ کے، ای وما الرجل بمزحزحہ تعمیرہ۔ سنۃ کی اصل سنو ہے بدلیل سنوات جس کے معنے سال اور برس کے ہیں۔ الزحزحۃ دور کرنا۔

## تفسیر

اب یہاں یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ تمہارا دعویٰ نؤمن بما انزل علینا بھی صریح غلط ہے۔ اول تو تم نے خود موسیٰ علیہ السلام کے معجزاتِ بینات کا انکار کیا اور انبیاء کو قتل کیا۔ دوم جس کتاب کو تم اپنا سمجھتے ہو اس کو بھی تو تم نے نہ مانا۔ حالانکہ جب وہ تم کو دی گئی تھی تو اس وقت کوہ طور کو تم پر بلند کیا تھا، اور تم نے یہ جان لیا تھا کہ اگر اب اس کو نہیں لیتے ہیں تو ہم پر پہاڑ آپڑتا ہے۔ اس وقت بھی تمہارا یہ حال تھا زبان سے تو تم نے سمعنا کہا یعنی مان لیا اور دل میں عصینا یعنے نہیں مانا۔ اس کا باعث یہ تھا کہ باوجود معجزات و کرامات بے شمار دیکھنے کے تم نے بچھڑا بنا کے پوجا وہ خباثت تمہارے دلوں میں اس طرح رچ گئی تھی کہ جس طرح زمین پانی کو پی لیتی ہے پھر حسب استعداد نبات اُگاتی ہے۔ اسی طرح تمہارے دل کی زمین میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور انبیاء کا قتل کرنا اور دل میں عصینا کہنا اور خدا کی منزل کتابوں کا انکار کرنا اور نبی آخر الزماں اور قرآن کو حق جان کر معاندانہ انکار کرنا اور خدا کی عبادت و صلہ رحمی کو توڑنا وغیرہ وغیرہ خبیث اور ناپاک خاردار اور پُرزہر جڑی بوٹیاں اُگی ہیں جن کے کڑوے پھل تم کو دنیا اور آخرت میں اُٹھانا پڑے گا۔ اور اگر تمہارا ایمان کا یہی فتویٰ ہے۔ کہ تم ایسی باتیں کرو، تو اے نبی! ان سے کہدو کہ یہ بہت بُرا فتویٰ ہے۔

منجملہ اور امانی باطلہ کے یہود کو ایک یہ بھی سودائے خام تھا کہ جنت خاص ہمارے لئے ہے۔ بہر حال ہم اس میں جائیں گے۔ اس کے رد میں فرماتا ہے کہ اگر دارِ آخرت تمہارے لئے ہے تو موت کی آرزو کرو کہ اس کے وسیلہ سے دارِ آخرت میں اپنے درجات حاصل کرو۔ کس لئے کہ جن کو وہاں کے ثواب اور نعماء کا یقین کامل یا روحانی مشاہدہ ہوجاتا ہے تو وہ اس عالم کا ازبس مشتاق ہو کر آرزو کیا کرتا ہے۔ مگر یہود اپنے اعمالِ بد کی سزا سے ڈر کر موت سے بھاگتے ہیں۔ اور ہزار برس کی عمر چاہتے ہیں کہ اعمالِ بد کا نتیجہ پیش نہ آئے اور وہ ضرور آتا ہے معلوم ہوا کہ ان کا دعویٰ غلط ہے۔

## فائدہ

بما قدمت ایدیھم کے لفظی معنے یہ ہیں، بسبب اُس چیز کے کہ جو اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجی۔ مگر مراد یہ ہے کہ جو کچھ اعمال انھوں نے کئے اُس کے سبب سے زبانِ عرب میں انسان کے افعال کو اس کے ہاتھوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ کس لئے کہ غالباً اعمال و افعال کا ذریعہ انسان کے ہاتھ ہیں۔ اور اسی طرح انسان کو اُس کے جزو اعظم سے بھی تعبیر کیا کرتے ہیں۔ رقبہ یعنی گردن بول کر انسان مراد رکھتے ہیں۔

یہاں اس بات سے یہ بھی بتلا دیا کہ انسان پر آخرت میں جو کچھ مصیبتیں نازل ہوں گی، طوق و زنجیر اور گرزِ آتشین، آگ میں جلنا، یہ سب اس کے اعمالِ بد ہیں کہ جو اپنی مناسب صورتوں میں ظہور کریں گے اور متشکل ہو کر ایذا پہنچائیں گے جس طرح کہ عالمِ خواب میں انسان کے خیالات اور دیگر معانی اپنی مناسب صورتوں میں متشکل ہو کر دکھائی دیتے ہیں۔ اور یہ کچھ تعجب نہیں

ف حیاتِ دنیا ہر چند انسان کو طبعًا مرغوب ہے موت کے نام سے کوسوں دور بھاگتا ہے مگر ایک وقت یہی موت مرغوب ہوجاتی ہے کبھی دنیاوی مصائب سے، عام ہے کہ امراض شدیدہ ہوں یا اقارب کی موت ہو یا افلاس ہو یا عزت و آبرو جانے کا غم ہو اس لئے اکثر نادان خودکشی کر لیا کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ مر کر اس مصیبت سے چھوٹ جائیں گے مگر یہ معلوم نہیں کہ روح نہیں مرتی۔ یہاں اس پر اس سے بھی زیادہ مصائب ہیں اور پھر وہاں موت بھی نہیں، اور کبھی اعضائے جسمانی کبر سنی کی وجہ سے بیکار ہوجانے سے موت کی آرزو کیا کرتے ہیں۔ یہ بھی نادانی ہے۔ اس لئے ہادی برحق (باقی ص ۲۳۰)

اس عالم حستی میں کس درجہ کے انقلابات واستحالات ہوتے ہیں کہ بیان سے باہر ہیں ؎

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ

کہہ دیجئے جو کوئی جبرئیلؑ کا دشمن ہے (تو وہ خدا کا دشمن ہے) کس لئے

نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا

کہ اسی نے تو اس (قرآن) کو آپ کے دل پر خدا کے حکم سے اتارا ہے وہ اپنی سے پہلی

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى

باتوں کی تصدیق کر رہا ہے اور وہ مومنوں کو ہدایت اور خوشخبری

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ

دے رہا ہے۔ اور جو کوئی خدا کا اور اس کے فرشتوں کا

وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ

اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیلؑ کا اور میکائیلؑ کا دشمن ہے تو

فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ

اللہ تعالیٰ بھی کافروں کا دشمن ہے۔ اور بے شک

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ

ہم نے آپ کے پاس کھلی ہوئی آیتیں بھیجی ہیں۔ اور ان کا بدکار

بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

لوگ ہی انکار کیا کرتے ہیں۔

## ترکیب

قل من کان مَن شرطیہ اور جواب اس کا فہو عدو اللہ وغیرہ محذوف باذن اللہ موضع حال میں ہے ضمیر فاعل نزل سے جو جبرئیل کی طرف پھرتی ہے والتقدیر نزولہ ومعہ الاذن او ماذونا بہ۔ مصدقًا حال ہے نزلہ کے ہا سے اور اسی طرح ہدی وبشری۔

## تفسیر

منجملہ یہود کے قبائح کے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کہتے تھے قرآن بہت ٹھیک اس میں جو کچھ ہے وہ بھی صحیح مگر جو اس کو لے کر آتا ہے یعنی جبرئیلؑ ہم کو اس سے عداوت ہے، عداوت کی وجہ غالبًا یہ ہوگی کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے یہود کو بے حد عداوت تھی اور روح القدس سے موید تھے۔ حق سبحانہ ان کے ایمان کی بے وقعتی بیان فرماتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا، کتب منزلہ جو عہد موثق کے ساتھ دی گئی تھیں ان کو پس پشت ڈال دیا، ان کے احکام کو چھوڑ دیا، ان میں اپنی طرف سے ملا کر لوگوں کو دنیا کمانے کے لئے دھوکے دیئے۔ اب رہے ملائکہ مقدسین جن پر ایمان لانا ضروری ہے، ان سے دشمنی۔ اب یہ کیا ایمان ہے اس پر دارِ آخرت کا استحقاق ہے۔ بعض مفسرین نے ان آیات کی بابت یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ میں تشریف لائے اور یہود کو ہدایت کرنی شروع کی تو یہودیوں نے اپنے چند علماء کو (جن کا سرغنہ عبداللہ بن صوریا ساکن فدک تھا) آپؐ کے پاس بھیجا۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم آپؐ سے چند باتیں پوچھتے ہیں کہ جن کو سوائے انبیاءؑ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اگر آپؐ نے صحیح جواب دیا تو آپ قطعی وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۹) معلم روحانی حضرت نبی آخرالزمان صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سب صورتوں میں موت کی آرزو اور دعا مانگنے سے بھی منع فرمایا ہے چہ جائے کہ خودکشی، لا یتمنین احدکم الموت بضرر نزل بہ۔ اور کبھی موت کی آرزو آخرت کے نعیم اور عالم روحانی کے شوق میں کیا کرتے ہیں چاہتے ہیں کہ یہ بند قفس ٹوٹ جائے اور یہ طائر قدس اس عالم روحانی کے باغ بے خزاں میں چلا جائے اس کو وہاں کے طائران خوش الحان کی صدائیں بھی کبھی سنائی دیتی ہیں اور وہاں کے نعیم اس کو دکھائے جاتے ہیں یہ آرزو ابرار و صلحاء کی آرزو ہے۔ چونکہ یہود ابرار نہ تھے اس لئے وہ اس کی آرزو نہ کرتے تھے۔ منہ ف۲ ومن الذین اشرکوا کے دو معنی ہیں۔ اول یہ جو تفسیر میں بیان ہیں۔ دوم یہ کہ اے نبی تم ان کو سب سے زیادہ حیات دنیا کا حریص پاؤ گے حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی زیادہ۔ منہ

نبی ہیں کہ جن کی خبر موسیٰؑ نے دی ہے چنانچہ انھوں نے سوال کئے اور آپؐ نے صحیح جواب دیئے اور اُن علماء یہود نے وہ جواب تسلیم بھی کرلئے تب آپؐ نے پوچھا کہ اب کیوں مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ اُنھوں نے کہا ایک وجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ کے پاس جو وحی لاتا ہے وہ جبرئیلؑ فرشتہ ہے۔ اُس سے ہم کو سخت دشمنی ہے کیونکہ اس نے کئی بار ہم پر عذابِ الٰہی پہنچایا ہے۔ (رواہ ابن جریر و حاکم و طبرانی و احمد وغیرہم) خدائے تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ جبرئیلؑ جو کچھ کرتا ہے حکم الٰہی سے کرتا ہے۔ اُس نے یہ قرآن جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل کیا ہے تو ہمارے حکم سے اب جو اس کا دشمن ہے وہ خدا تعالیٰ کا دشمن ہے۔ دوم تم خود اس قرآن میں غور کرو کہ یہ کیسا ہے؟ اس سے کوئی صاحب عقلِ سلیم انکار نہیں کرسکتا۔ کس لئے کہ جو لوگ اگلے انبیاءؑ کے معتقد ہیں تو یہ مصدقاً لما بین یدیہ ہے کہ سب اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اس کے اصول اور عمدہ مطالب حرف بحرف ان کے مطابق ہیں اس صورت میں اس کا انکار اُن کا انکار ہے اور جو کسی سابق نبی یا کتاب کا معتقد نہیں بلکہ جو کتاب دلائلِ عقلِ سلیم کے موافق ہو اور جس میں تمام باتیں مصالحِ دین و دنیا ہوں اس کو مانتے ہیں تو اُن کو بھی اس سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ یہ ہُدیٰ یعنی ہدایت ہے۔ (۳) اور جو صاحبانِ قلب سلیم ہیں خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں اور اُس کے شوق اور تسلی بخش باتوں کے طالب ہیں اُن کو بھی اس کا ماننا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ بشریٰ للمومنین ہے کہ اہلِ ایمان کو تسلی اور خوشخبری اس سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ تین اوصاف جب اس قرآن میں ہیں تو پھر اس وجہ سے انکار کرنا کہ اس کو جبرئیل علیہ السلام لائے ہیں محض حماقت ہے۔ یہ بات کہ جبرئیل علیہ السلام ہمارے دشمن ہیں، کُل یہود کا مقولہ نہ تھا بلکہ اُن کا کہ جو مدینہ اور اُس کے اطراف میں رہتے تھے۔ فانہ نزلہ علیٰ قلبک ۔ ہم مقدمہ کتاب ہذا میں بیان کرچکے ہیں کہ بندہ کو علاقہ جسمانی کی وجہ سے ہر وقت خدا تعالیٰ سے وہ اتصالِ روحانی نہیں رہتا

کہ جو بسبب تجرد کے ملائکہ بالخصوص اخص المقربین حضرت جبرئیلؑ کو ہے اس لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے الفاظِ مخصوصہ میں جبرئیلؑ حضرت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب پر وحی القا کرنے کے لئے مامور تھے۔ عام دستور تو یہ ہے کہ بیشتر کوئی مضمون کان تک پہنچتا ہے پھر اُس کے بعد قلب میں جاتا ہے۔ مگر خاصانِ خدا کے قلب میں بلا ذریعہ سماعت کلام کی رسائی ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑی بڑی سورتوں کو جبرئیلؑ سے سُن کر نہ بھولتے تھے۔ باقی وحی کے اقسام اور اُس کے اسرار ہم مقدمہ میں بیان کرچکے ہیں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ یہود کو الزام دیتا ہے کہ جو شخص اللہ اور اُس کے رسولوں اور ملائکہ بالخصوص جبرئیل و میکائیل علیہم السلام کا دشمن ہے وہ خدا تعالیٰ کا دشمن ہے۔ یہ بات علماءِ یہود بھی مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں کہ ملائکہ پر ایمان لانا ضروری ہے اس بنا پر جو ملائکہ بالخصوص اعظمِ ملائکہ جبرئیلؑ یا میکائیل کا دشمن ہے قطعی کافر ہے۔ یہود کے اقرار سے ان کا کفر ثابت ہوگیا۔ ملائکہ کے بعد جبرئیلؑ و میکائیل کا نام لینا تخصیص بعد تعمیم ہے کہ جو اُن کے شرف و فضل کی دلیل ہے اور یہ تخصیص فصحاء و بلغاء کے کلام میں بلکہ ہر زبان میں بکثرت مستعمل ہے۔ پس وہ بعض ناسمجھ پادریوں نے اس پر اعتراض کرکے قرآنِ مجید کی فصاحت و بلاغت پر عیب لگایا ہے یہ ان کی نادانی ہے ؛

## فائدہ

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہود سے اس بارہ میں کچھ کلام ہوا جس پر حضرت عمرؓ نے یہود سے کہا کہ جبرئیلؑ جو کچھ کرتے ہیں خدا تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں۔ پھر جو اُن کا دشمن ہے وہ خدا تعالیٰ کا دشمن ہے۔ پھر جب حضرت عمرؓ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوتے تو اسی مضمون کی یہ آیت نازل ہوئی اس پر بعض ناسمجھ پادری یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے

سُن کر قرآن میں درج کیا۔ اوّل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے سُنکر یہ جملہ نہیں پڑھا۔ دوم اگر کسی جملہ میں اتفاقاً چند لفظوں میں موافقت ہو جاتے تو اس سے کیا شاگردی یا مساوات ثابت ہوسکتی ہے۔ سوم مقدمہ میں ہم بیان کرچکے ہیں کہ کبھی مُرشد کا فیضِ صحبت شاگردوں میں اثر کرجاتا ہے کہ جو بات اُستاد کہنی چاہتا ہے وہی شاگرد کے مُنہ سے پیشتر نکل جاتی ہے۔

أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ

اور کیا دیر نہیں کیا۔ کہ جب انھوں نے کوئی عہد باندھا تو انھیں میں سے

مِّنْهُم ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۰﴾

ایک فریق نے اسکو (توڑ کر) پھینک دیا بلکہ ان میں سے اکثر تو اس کا اعتبار ہی نہیں کرتے تھے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ

اور جب کہ ان کے پاس خدا کی طرف سے وہ رسول آیا کہ جو ان کے پاس

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ

ہے اس کی تصدیق کرتا ہے تو اہلِ کتاب کے ایک فریق نے

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ

خدا کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ایسا

وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾

پھینکا کہ گویا اس کو جانتے ہی نہیں۔

## ترکیب

اَوَ واو عطف کے لئے اور ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے اور یہ عطف کلام مقدم کے لئے ہے یعنی افکلما جاء کم بعض کہتے ہیں واو زائدہ ہے بعض کہتے ہیں یہ اَوْ ہے، واو کو متحرک کردیا۔ عہداً مفعول مطلق من غیر لفظہٖ مذکور اور ممکن ہے کہ مفعول بہ ہو نبذہ الخ جملہ جواب کلما اسی طرح لما جاء جملہ شرط مصدق صفت رسول نبذ فعل فریق الخ فاعل کتٰب اللہ مفعول وراء ظرف، یہ سب جملہ جواب شرط۔ کانّھم الخ موضع حال میں ہے۔

## تفسیر

یعنی یہ عذر کہ اس قرآن کو جبرئیلؑ لائے ہیں اس لئے ہم اس پر ایمان نہیں لاتے، بیہودہ عذر ہے۔ کس لئے کہ فی نفسہٖ اس کی آیات واضح اور روشن ہیں ان میں کوئی ایسی بات نہیں کہ جس کو عقلِ سلیم نہ مانے پس اس کا انکار کرنا نافرمانوں کا کام ہے کہ جن کی عادت ہمیشہ سے نافرمانی چلی آتی ہے کس لئے کہ ان یہود نے جب کوئی عہد خدا تعالیٰ سے رسولؑ کی معرفت باندھا یا لوگوں سے عہد کیا ہے تو ان میں سے ایک فریق نے جھٹ اس کو توڑ دیا اور ہلکا سمجھ کر پھینک دیا۔ اور ایک فریق کی کیا خصوصیت ہے بلکہ ان میں سے اکثر کا تو اس پر اعتبار ہی نہ تھا نہ اس پر ایمان تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اب جو ان کے پاس خدا تعالیٰ کا وہ رسولؐ آیا (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کہ جو توراۃ و زبور و انجیل کی تصدیق کرتا ہے اور جس کی خبر توراۃ میں ہے تو ان اہلِ کتاب نے اس کتاب پر بھی عمل نہ کیا بلکہ اس کو پسِ پشت ڈال دیا کہ گویا اس سے خبر ہی نہیں ہے۔ وراء ظھورھم سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہلِ کتاب نے کتابِ الٰہی یعنی توریت کو سچ مچ پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا تھا۔ بلکہ اس سے مراد بے التفاتی ہے۔ یہ عرب کا محاورہ ہے کہ جس چیز کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوتا تو کہتے ہیں اس نے اس کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا۔

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ

اور یہود اس چیز کے پیچھے پڑ گئے کہ جس کو شیاطین سلیمانؑ کے عہد میں پڑھا

سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ

کرتے تھے۔[1] اور سلیمانؑ تو کافر نہیں ہوئے تھے بلکہ خود وہ

الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ

شیاطین ہی کافر تھے جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔

وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ

اور اس کے بھی (پیچھے پڑ گئے) کہ جو شہر بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر

وَمَارُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ

اتارا گیا تھا۔ اور وہ کسی کو سکھاتے نہ تھے جب تک کہ

[1] یعنی صرف سلیمانؑ کے عہد میں جو شیاطین پڑھا کرتے تھے اسی کے تابع نہ ہوئے تھے بلکہ شہر بابل میں جو کچھ ہاروت ماروت دو فرشتوں پر اُترا تھا۔ اُس کے بھی تابع ہو گئے تھے منہ

يَقُولَآ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ

یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف آزمائش کے لئے ہیں تو کافر نہ بن۔ پھر ان سے

مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ

لوگ وہ بات سیکھتے تھے کہ جس سے خاوند اور بیوی میں

زَوْجِهِ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ

جدائی ڈالیں۔ حالانکہ وہ اس سے کسی کو بجز حکم خدا کے کچھ بھی

إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ

ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اور (یہود) سیکھتے تھے کہ جو ان کو ضرر دیتی

وَلَا يَنفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ

تھی نہ کہ نفع۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جس نے جادو خریدا

مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ

اس کے لئے آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں۔ اور جس کو انھوں نے

مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۲﴾

اپنی جانوں سے خریدا وہ بہت ہی بد تھا۔ کاش وہ جانتے بھی ہوتے۔

## ترکیب

واتبعوا عطف ہے اشربوا پر یا نبذہ پر علٰی ملک ای علی زمن ملک فحذف المضاف والمعنی فی زمن ولکن مشدّد شیاطین اس کا اسم کفروا خبر بعض نے مخفف پڑھا ہے اس تقدیر پر اسم مرفوع ہوگا علی الابتداء یعلمون الخ جملہ موضع نصب میں ہے کس لئے کہ یہ حال ہے ضمیر کفروا سے وما انزل معطوف ہے ماتتلوا پر۔ بعض کہتے ہیں السحر پر ان صورتوں میں ما موضع نصب میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ما نافیہ معطوف ہے ما کفر پر (اس تقدیر پر یہ معنے ہوئے کہ نہ سلیمانؑ کافر ہوئے نہ بابل میں کچھ سحر ہاروت و ماروت پر نازل ہوا جیسا کہ یہود گمان کرتے ہیں) ملکین کو جمہور نے بفتح لام پڑھا ہے، اور بعض نے بکسر لام جس کے معنے بادشاہ کے ہیں۔ ببابل ظرف ہے انزل کا۔ ہاروت و ماروت عطف بیان ہے ملکین سے۔ حتی بمعنے الی ان۔ فیتعلمون معطوف ہے یعلمان پر اور نفی میں شامل نہیں منہما کی ضمیر ملکین کی طرف پھرتی ہے لمن اشتراہ الخ جملہ مفعول علموا لبئس جملہ جواب قسم محذوف لو کانوا کا جواب محذوف ہے ما علموہ وغیرہ اگرچہ وہ جانتے تھے مگر جب کہ انھوں نے اپنے علم پر عمل نہ کیا تو اُن کو جاہل بنا کر لو کانوا یعلمون سے خطاب کیا۔ یہ کمال بلاغت ہے اس میں مقتضی حال کی پوری رعایت ہے۔

## تفسیر

ان آیات میں کتاب اللہ کو پس پُشت پھینک دینے کی مزید توضیح ہے کہ کتاب اللہ کو چھوڑ کر واہیات کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ یعنی وہ جو شیاطین سلیمانؑ کے عہد حکومت میں جادو سکھایا کرتے تھے اور اس کو سلیمانؑ کی طرف منسوب کرتے تھے (اور دراصل سلیمانؑ اس کفر کے مرتکب نہ ہوئے تھے بلکہ وہی شیاطین اس کفر کے مرتکب ہوئے کہ جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے) یہ لوگ اس کے تابع اور معتقد ہوگئے اور اس پر بھی بس نہ کی بلکہ جب بخت نصر کے عہد میں یہ لوگ شہر بابل میں گئے تو وہاں بجائے اس کے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے نادم ہوتے شریعت کو یاد کرتے اُلٹے وہاں کی شعبدہ بازیوں میں مصروف ہوگئے۔ یعنی وہ جو وہاں ہاروت و ماروت دو شخصوں کو سحر معلوم تھا اس کے سر ہوگئے اور اسی کو سیکھ کر اپنی دینی و دنیوی ترقی کا باعث سمجھنے لگے۔ حالانکہ وہ جس کو سکھاتے تھے پیشتر یہ کہہ دیتے تھے کہ کفر کا کام ہے اس کو سیکھ کر کافر نہ ہو۔ اس پر بھی وہ اس کو سیکھتے تھے۔ اور اس سے سوا اس کے کہ میاں بیوی میں مخالفت پیدا ہو اور کوئی بڑی بات حاصل نہ ہوتی تھی۔ اور جادوگر بغیر حکم الٰہی کسی کو کیا ضرر دے سکتے ہیں؟ (اور لطف یہ کہ یہود یہ بھی جانتے تھے کہ جو کوئی اس جادو کو سیکھے گا آخرت کی نعمتوں سے محروم رہے گا۔ کیونکہ (توراۃ میں جادو کی ممانعت مذکور تھی) باوجود اس کے ایک مضر چیز کو سیکھتے تھے کہ جس کا کچھ بھی نفع نہ تھا سوا اس سحر کو جو انھوں نے

اپنی جان کو دے کر (یعنی حیات ابدی کے بالعوض) خریدا تھا، بہت ہی بُری چیز تھی۔ کاش اُن کو علم ہوتا۔ یعنی علم پر عمل نہ تھا۔ وہ علم علم ہی نہ رہا۔

## ابحاث

(۱) سحر کیا چیز ہے؟ اس کا اثر بھی ہے کہ نہیں؟ سحر اسباب خفیہ سے بے توسل جناب الٰہی افعالِ عجیبہ پر قدرت حاصل کرنے کو کہتے ہیں اور وہ اسباب خفیہ یا تاثیر روحانیات ہے یا تاثیر جسمانیات۔ پھر روحانیات یا کلیہ مطلقہ ہیں جیسا کہ کواکب وافلاک وعناصر کے روحانیات یا جزئیہ خاصہ جیسا کہ امراض وجن وشیاطین ونفوس مفارقۂ بنی آدم کہ جن کو ہندی میں بیر کہتے ہیں۔ پھر جسمانیات کی تاثیر بسبب ترکیب واجتماع کیفیات کے ہے کہ جس سے عجیب وغریب باتیں ظہور کرتی ہیں جیسا کہ خصوصیت صورت نوعیہ سے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔ پھر ان روحانیات کی تاثیر حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ بعض شرائط کو ملحوظ رکھ کر اُن کے نام پڑھتے ہیں بعض ان کی تصویریں بنا کر ان کے سامنے نذر بھینٹ ان کے مرغوب کام کرتے ہیں، شراب چڑھاتے ہیں، مینڈھا بکرا ذبح کرتے ہیں۔ یا کوئی کلام الیسا مع شرائط پڑھتے ہیں کہ جن میں اُن روحانیات کی از حد ثنا وصفت مذکور ہوتی ہے۔ جیسا کہ رگوید کے منتر آندر وغیرہ کی مدح میں ہیں اسی لئے قدماءِ ہنود مصائب کے وقت پنڈتوں کو بٹھا کر جگ اور پاٹ کراتے تھے در اصل رگوید کی سنتھا کو جادو کے لئے جمع کیا گیا تھا ورنہ اس میں کوئی ہدایت اور تلقین کی بات نہیں۔

اب رہی یہ بحث کہ اس میں فی نفسہ کچھ تاثیر بھی ہے یا محض توہمات فاسدہ اور خیالات باطلہ ہیں اور جو کچھ اثر محسوس ہوتا ہے تو وہ قوتِ وہمیہ کا مغلوب ہو جانا ہے جو رسّی کا سانپ بنا کر دکھا اور گُوہیلے کے گزند سے سانپ کا اثر پہنچاتی ہے (۱) متکلمین کی ایک جماعت کا یہی عقیدہ ہے مگر دیگر علماء یہ کہتے ہیں کہ بلکہ فی نفسہ ان اسباب خفیہ سے ایک تاثیر پیدا ہوتی ہے اور اس کا انکار بدیہیات کا انکار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی مدینہ میں ایک یہودی نے جادو کیا تھا۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی قدر علیل (۲) ہو گئے تھے جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ کتب میں مذکور ہے۔ توراۃ سفر خروج کے ساتویں باب میں جادوگروں کی لاٹھیوں کا سانپ بن جانا مذکور ہے (چنانچہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادوؤں سے ایسا ہی کیا کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنا عصا پھینکا اور وہ سانپ ہو گیا الخ) اس کا جواب بھی اول گروہ کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن نے اس راز کو کھول دیا یخیل الیہم کا لفظ بتلا رہا ہے کہ وہ بھی ڈھعڈبندی تھی۔ (۲) سحر کرنا شرع میں حرام بلکہ کفر ہے۔ جیسا کہ ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحر سے مفہوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں غیر اللہ سے استمداد اور اس کی نذر ونیاز پائی جاتی ہے کہ جو ایاک نعبد وایاک نستعین کے منافی ہے۔ علاوہ اس کے یہ فعل عبث ہے نہ اس سے سلطنت کے کاموں میں خلل واقع ہوتا ہے نہ انسان کے لئے معاد ومعاش کی کوئی بھلائی پیدا کرتی ہے اور نہ کسی کی ذات کے لئے کوئی ضرر یا نفع ہے اور کبھی کسی پر کوئی اثر نمایاں بھی ہوا تو وہ ہر وقت جادو کے بس میں

(۱) یعنی سحر کا فی نفسہ کوئی بھی اثر نہیں۔ صرف یہ ہے کہ مسحور کی قوتِ وہمیہ مغلوب ہو جاتی ہے اور جو خیال ساحر اس میں نقش کرنا چاہتا ہے وہ اس کو قبول کر لیتی ہے۔ منہ (۲) گروہ اول اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ اگر یہ خبر احاد صحیح بھی مان لی جائے تو اس یہودی کے سحر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیمار ہونا ثابت نہیں ہوا بلکہ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ آپ کسی کام کو کر کے بھول جایا کرتے تھے گویا نہیں کیا اس کو خیال کرتے تھے کہ کر چکا ہوں۔ یہی تو وہ قوتِ موہومہ پر اثر ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں اور یہ بھی تو ہوتا ہے کہ کبھی انسان کسی خیال کو پکا لیتا ہے تو اس کا اثر جسم پر بھی نمایاں ہونے لگتا ہے اور اگر اس سبب سے مرض پیدا ہو جائے تو ممکن ہے۔ منہ

نہیں۔ بغیر اذنِ الٰہی پتا بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ اب اس آیت کے متعلق دو اور بحث باقی ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت سلیمانؑ کے عہد میں شیاطین جادو پڑھتے اور لوگوں کو سکھلاتے تھے۔ دوم یہ کہ ہاروت و ماروت کون تھے؟ اور اُن پر سحر نازل ہونے کے کیا معنے (۱) شیاطین سے مراد جنوں کے بدلوگ ہیں۔ جنوں کی عادت تھی کہ اِدھر اُدھر کی خبریں لا کر کاہنوں کو دیا کرتے تھے وہ ان باتوں کو کتابوں میں جمع کر لیتے تھے اور پھر لوگوں کو سکھایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا عہد عروجِ سلطنت آیا تو یہود ان کو نبی تو مانتے نہ تھے اپنے اس فن کے رواج دینے کے لئے ان لوگوں نے یہ مشہور کیا کہ سلیمانؑ کی دولت و حشمت کا یہی علم باعث ہے اور ان کے پاس ایک انگشتری ایسی ہے کہ جس کی وجہ سے تمام جن و انس ان کے تابع ہیں (اور نقشِ سلیمانی بھی آج تک اسی بنا پر مشہور ہے) اسی طمع میں آکر یہود نے توراۃ کو پس پشت ڈال دیا اور اس کفریات کی تعلیم و تعلّم میں سرگرم ہو گئے پھر سلیمانؑ کے بعد شہرت کے لئے ہر سحر و ہر عمل سلیمانؑ کی طرف منسوب ہونے لگا۔ جس پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ سلیمانؑ ساحر و کافر نہ تھا بلکہ وہ شیاطین جو جادو لوگوں کو سکھاتے تھے۔ اور اس تقریر پر شیاطین سے شیاطین الانس یعنی معلّمین سحر بھی مراد لئے جائیں تو ممکن ہے۔ ایک زمانہ تو تعلیم سحر کا یہ تھا دوسرا وہ کہ جو ہاروت و ماروت کے عہد میں واقع ہوا۔ (۲) ہاروت و ماروت شہر بابل میں دو شخص تھے کہ جن کو ان کے عجائب افعال اور نیک چلنی کی وجہ سے فرشتہ کہتے تھے اور اُن کا یہ لقب مشہور ہو گیا تھا اور اس بات کی وہ قراءۃ مؤید ہے کہ جس میں مَلِکَین کو بکسرِ لام پڑھا ہے اور حسن بصریؒ کا بھی یہی قول ہے)۔ (بیضاوی و تفسیر کبیر)۔ یہ شخص اس فن سے واقف تھے مگر اس کو بُرا سمجھتے تھے یہاں تک کہ جو اُن کے پاس سیکھنے آتا اس سے یہ کہہ دیتے تھے کہ بھائی خدا تعالیٰ نے یہ علم ہم کو تمہاری آزمائش کے لئے دیا ہے کہ تم ایمان پر ثابت قدم رہتے ہو یا نہیں۔ اس کو نہ سیکھو ورنہ ایمان جاتا رہے گا۔ مگر یہود ایمان کی کیا پروا کرتے تھے، سیکھنے سے باز نہ آتے تھے۔ پس ان پر نازل ہونے سے یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اس فن میں ماہر و عالم ہونے کی قدرت عطا کی تھی۔ نہ یہ کہ کتابِ آسمانی کی طرح اُن پر خدا تعالیٰ نے جادو نازل کیا تھا کہ وہ اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ بعض مفسرین نے لفظ اِنزال سے یہ سمجھ لیا کہ وہ دو فرشتے تھے جو حضرت ادریسؑ کے عہد میں زمینِ شہر بابل میں آئے تھے پھر ایک حسین عورت زہرہ پر عاشق ہو گئے تھے۔ اس کے کہنے سے شراب پی کر اس کے خاوند کو قتل کیا اور بُت کو سجدہ کیا اور زہرہ نے اسمِ اعظم ان سے سیکھ لیا جس سے وہ تو آسمان پر چلی گئی اور یہ بابل کے کنوئیں میں اُلٹے لٹکتے ہیں۔ اور وہاں آگ سے اُن کو عذاب ہوتا ہے پھر جو کوئی ان کے پاس جادو سیکھنے جاتا ہے پہلے اس کو سمجھا دیتے ہیں پھر سکھا دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص عبدالملک بن مروان کے پاس اُن سے مل کر آیا تھا الخ۔ یہ بے اصل کہانیاں ہیں؛

لہ جب کہ ما انزل میں لفظ ما کو نفی کے لئے تسلیم کر لیا جاوے جیسا کہ بعض مفسرین کا قول ہے تو معنی ہی اُلٹ جاویں گے کس لئے کہ اس تقدیر پر یہ معنے ہوں گے کہ وہ جو یہود کو یہ خیال تھا کہ بابل میں ہاروت و ماروت سے جادو سیکھ کر آئے ہیں اور ان پر جادو نازل ہوا تھا یہ خیال غلط ہے کس لئے کہ ما انزل علی الملکین ببابل ہاروت و ماروت۔ بابل میں ہاروت و ماروت فرشتہ خصال دو شخصوں پر جادو والا نازل ہی نہیں ہوا تھا اور خود ان کو جو اس علم میں دخل تھا تو وہ بھی کسی کو بغیر انجام بتائے نہ سکھاتے تھے کہ اس سے انسان کافر ہو جاتا ہے اس کو قضا و قدر کے مقابلہ میں اپنے کام پر اعتماد ہو جاتا ہے اور وہ جاننے لگتا ہے کہ میں بھی ایک فاعل مستقل ہوں یہ کفر ہے مگر یہود پر ادبار کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں بابل کی اسیری میں سوجھا تو یہ سوجھا نہ تو بہ نہ توسل الی اللہ اور جس قدر جاہل اور گمراہ قومیں ہیں ان میں بجائے ترقی علوم و فنون کے اسی جادو کا بڑا زور شور ہے اور ان کے مدبّر فرمان روا آج تک بجائے تدبیر مناسب کے ان ہی جادوؤں پر تکیہ کئے بیٹھے رہتے ہیں۔ وقت پر ندامت اٹھاتے ہیں۔ مسلمانوں کو خدا تعالیٰ بہبود کا حال بیان کر کے متنبہ فرماتا ہے مگر وہ جادو اور بابل اور ہاروت اور ماروت کا لفظ سن کر منہ میں پانی بھر لاتے ہیں۔ افسوس یہ کتاب و سنت سے جہل کا سبب ہے جہاں علم آیا یہ جاہلانہ خیال کافور ہوئے۔ اب بھی ہندوستان میں بعض جاہل اور کمینہ اقوام میں اس کا بڑا رواج ہے۔ حقانی

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ
اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو البتہ
عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾
خدا کے ہاں کا جو ان کے لئے بہتر تھا۔ کاش ان کو علم بھی ہوتا۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا ع ۱۲
مسلمانو! (نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے لفظ) راعنا نہ کہا کرو۔ بلکہ
وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ
انظرنا کہا کرو اور سُنا کرو۔ اور کافروں کو تو دکھ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٠٤﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ
دینے والا عذاب ہے۔ اہل کتاب کے کافر اور مشرکین
كَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ
نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی
اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ
بھی اچھی بات نازل ہو۔
وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَ
اور اللہ تو جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور
اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿١٠٥﴾ مَا نَنْسَخْ
اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والا ہے۔ ہم جو کسی آیت
مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ
کو منسوخ کرتے یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر
مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٦﴾
لے آتے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔
اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
کیا آپ نہیں جانتے کہ خدا ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی
وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
بادشاہت ہے۔ اور تمہارے لئے خدا تعالیٰ کے سوا
مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٠٧﴾
نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار۔

## ترکیب

لو کلمہ شرط انہم آمنوا اور جس میں کہ اُس نے عمل کیا مصدر ہے موضع رفع میں بسبب فعل محذوف کے کس لئے کہ لو کے بعد فعل آتا ہے تو تقدیرہ لو وقع منہم انہم آمنوا سب جملہ شرط۔ لمثوبۃ مبتدا موصوف من عند اللہ صفت خیر خبر جملہ جواب لو۔ راعنا فعل امر ہے لیکن موضع نصب میں ہے کس لئے کہ یہ مفعول ہے لاتقولوا کا۔ یود فعل الذین الخ فاعل ولا المشرکین موضع جر میں ہے کس لئے کہ معطوف ہے لفظ اہل پر ان ینزل جملہ مفعول یود من خیر میں من زائدہ ہے من ربکم میں من ابتدائیہ ہے۔ ما ننسخ میں ما شرطیہ جازمہ مگر محلاً منصوب ہے نات بخیر الخ جملہ جواب شرط ننسہا معطوف ہے ننسخ پر لہ ملک السموات مبتدا و خبر جملہ خبر ہے ان کی من ولی میں من زائدہ ہے اور ولی موضع رفع میں ہے بسبب مبتدا ہونے کے اور لکم خبر اور نصیر معطوف ہے لفظ ولی پر اور من دون اللہ بسبب حال ہونے کے ولی سے محل نصب میں ہے، والتقدیر من ولی دون اللہ۔

## تفسیر

خدائے تعالیٰ یہود کے افعال ذمیمہ بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ اب بھی اُن کے لئے وقت باقی ہے اگر وہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور اچھے کام کریں تو آخرت میں بہت کچھ اجر ملے۔ (۲) اس کے بعد مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ یہود کی یہ حالت ہوگئی تم اُن کی صحبت اور اُن کے رویہ سے پُرحذر رہا کرو۔ منجملہ اور باتوں کے ایک یہ کہ یہود جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اپنی جبلت شرارت اثنائے کلام میں آنحضرت سے راعنا کہتے، جیساکہ ہماری بول چال میں کہتے ہیں ذرا ادھر متوجہ ہوجئے، یا ادھر خیال فرمایئے۔ اور اس کلمہ میں اپنے نزدیک وہ یہ مراد رکھتے کہ ہم آنحضرت کو

احمق اور چرواہا کہہ آتے ہیں۔ کس لئے کہ راعنا ظاہر میں تو مراعات سے مشتق ہے اور وہ اس کو رعونت سے لحاظ کر کے یا راعی بمعنے چرواہے سے خیال کر کے حضرت ؐ کو گالی دے جاتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع کر دیا کہ تقلید کر کے تم یہ کلمہ کہا کرو اگر ضرورت پڑے تو اس کی جگہ اُنظرنا کہہ دیا کرو کہ ہماری طرف خیال کیجئے۔ کیونکہ یہ کلمہ ذو معنیین نہیں ہے اور اس کی بھی کیا ضرورت ہے۔ تم اوّل سے ہی حضرت ؐ کی بات کان لگا کر سُنا کرو۔ (۳) اس کے بعد اُن کے اتباع نہ کرنے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ یہود اور مشرکین تمہارے دلی دشمن ہیں وہ یہ نہیں چاہتے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت (وحی) تم پر نازل ہو۔ مگر خدا تعالیٰ کا چاہا ہوتا ہے۔ جس پر وہ چاہتا ہے اپنی رحمت خاصہ کو نازل کرتا ہے۔ اُس کا فضل بے نہایت ہے اس کو کسی خاندان اور قوم کی پابندی نہیں کہ خواہ مخواہ ہمیشہ سلطنت یا نبوت اسی خاندان میں رکھے اس کے بعد خدا تعالیٰ یہود کے شکوک و شبہات کا جواب دیتا ہے جو وہ اہل اسلام پر پیش کر کے اُن کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر تم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ... خیر یعنی (وحی) اور شریعت نازل ہوتی ہے تو خیر کے منسوخ کرنے کے کیا معنے؟ خدا تعالیٰ کے احکام اور شریعت ہمیشہ یکساں رہتے ہیں ان میں سے ایک شوشہ بھی بدل نہیں سکتا۔ پھر اگر یہ قرآن اور شریعت منجانب اللہ ہے تو احکام توراۃ کو کیوں منسوخ کیا اور پھر خود اس شریعت ہی میں بعض احکام کو ایک وقت قائم رکھ کر موقوف (منسوخ) کر دیا۔ کیا خدا تعالیٰ کو پیشتر اس حکم کی قباحت کا علم نہ تھا۔ آج کل کے پادری بھی ان یہود کے مقلد ہو کر مسلمانوں سے یہی شبہ پیش کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض نے تو اس بارے میں رسالے اور کتابیں لکھ ڈالیں۔ اس شبہ کا جواب خدا تعالیٰ نے اشارتاً تو مایودّ الذین کفروا میں دے دیا تھا کہ یہ لوگ یہ سب باتیں رشک و حسد سے کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے خاندان میں نبوت کو کیوں ختم نہیں کر دیا۔ اس لئے تم کو شبہات میں ڈالتے ہیں تاکہ تم اس فیض نبوت سے محروم رہو مگر اس جگہ اس شبہ کو خوب کھول کر ردّ کر دیا کہ اگر ہم کسی حکم کو کسی مصلحت سے موقوف کرتے ہیں یا موخر کرتے ہیں تو اس میں بندوں کے لئے سراسر بہتری ہوتی ہے۔ ہم اس سے بہتر یا اس کے مانند اور سہل العمل اور کوئی حکم دیتے ہیں۔

**واضح** ہو کہ نسخ لغت میں ایک شے کے مٹانے پر یا نقل و تحویل پر (عند القفال) اطلاق ہوتا ہے۔ بولتے ہیں نسخت الریح آثار القوم کہ ہوا نے لوگوں کے پاؤں کے نشان مٹا دیئے اور اسی طرح بولتے ہیں نسخ الکتاب الی کتاب آخر کہ ایک جگہ سے کتاب کو دوسری طرف کو نقل کیا۔ اور **اصطلاح** علماء میں نسخ ایک ایسے حکم شرعی کا قائم کرنا ہے کہ جس نے بعد

**ف** بعض مفسرین آیت ما ننسخ من آیۃ او ننسہا کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ یہ آیت کلام سابق کا تتمہ ہے اس سے پہلی آیات میں یہود کے خصائل بد کی تشریح تھی جو ان کی تنزل کا باعث ہوئیں۔ آخیر پر مرض کا موت ہے۔ ان کا اقبال ان کی آئندہ ترقی سب کا خاتمہ ہوا۔ ایک نئی قوم اور نئے ملک میں ایک خاتم الانبیاء پیدا ہوا۔ جس پر یہود کو رشک و حسد ہونا ایک معمولی بات تھی۔ جس کا جواب دیا گیا کہ خدا کی رحمت کسی قوم کے لئے مخصوص نہیں۔ اس پر خیال پیدا ہوتا کہ خدا تعالیٰ ایک قوم کو رفعت میں آسمان تک پہنچا کر پھر جلد یا دیر میں کیوں ذلت و ادبار کے عمیق گڑھے میں پھینک دیا کرتا ہے۔ اس خیال کا دفعیہ اس آیت ما ننسخ میں کر دیا گیا۔ لفظ آیت سے قرآن مراد نہیں نہ اس کا کوئی محل و توجہ ہے نہ سیاق نہ سباق مقتضی ہے۔ جب آیات قرآن مراد نہیں بلکہ آیات قدرت قوموں کی بلندی و پستی کسی کا طلوع کسی کا غروب تو نسخ سے مراد بھی نسخ اصطلاحی نہیں بلکہ یہ معنی کہ اگر عالم میں ہم کوئی اپنا آثار قدرت (جیسا کہ کسی رفیع قوم کی پستی) مٹا ڈالتے یا اس کو نسیاً منسیاً کر دیتے ہیں کہ صفحہ ہستی پر اس کا کوئی نشان باقی نہیں چھوڑتے تو ایسی ہی یا اس سے بہتر کوئی اور آیت قدرت ظاہر کر دیتے ہیں۔ مخاطب کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہمارے لئے ہے اور ہم ہر چیز پر قادر ہیں۔ بنی اسرائیل کو مٹایا جو اس کی ایک بڑی آیت قدرت تھی تو اس سے بڑھ کر قوم عرب کو جو ؎ ایک بڑی آیت قدرت ہے ظاہر کر دیا جن میں صدہا ملوک اور لاکھوں حکیم پیدا ہوئے۔ منہ

اس سے پیشتر کا حکمِ شرعی جو موقت تھا اٹھ جاتے اوّل حکم کو منسوخ دوسرے کو ناسخ کہتے ہیں۔ یہود اور عیسائی نسخ کے مطلقاً منکر ہیں اور یہ انکار صرف اس لئے ہے کہ قرآن مجید کا حکم نہ ماننا پڑے اور دینِ اسلام پر اعتراض کی گنجائش رہے۔ مگر ان کا یہ انکار بالکل بے جا ہے (۱) اس لئے کہ توراۃ میں بہت سے احکام ایسے ہیں کہ جن میں نسخ پایا جاتا ہے اور عیسائیوں نے ختنہ اور سبت اور دیگر احکامِ مؤکدہ توراۃ کو منسوخ کر دیا بلکہ بقولِ مقدس پولوس تمام شریعتِ موسوی کو بالائے طاق رکھ دیا اور اس پر عمل کرنے کو موجبِ لعنت قرار دیا۔ چنانچہ اس کی تشریح معہ حوالہ فصل و باب مقدمہ میں ہو چکی ہے۔ اب اس سے بڑھ کر کیا نسخ ہوگا۔ (۲) اس لئے بھی کہ عقلاً بھی اس قسم کے نسخ میں کوئی قباحت یا جنابِ باری تعالیٰ کی نسبت کوئی عیب نہیں کیونکہ اعتقادیات اور اخبار کی نسبت تو کوئی مسلمان بھی نسخ کا قائل نہیں۔ توراۃ و انجیل و دیگر کتبِ انبیاءؑ کو اس بارے میں کوئی منسوخ نہیں کہتا۔ باقی رہے احکام سو ان کی بھی دو قسم ہیں۔ ایک اصولِ شرائع جیسا کہ عبادت، بت پرستی کی ممانعت، صلہ رحمی و عدل و انصاف، ظلم و تکبر اور بد خصائل کی حرمت وغیرہا سو اس قسم کے احکام میں بھی ہم نسخ کے قائل نہیں۔ تمام شریعتوں اور کل انبیاءؑ کے احکام ابدی ہیں۔ دوم فروعاتِ شرعیہ کہ چور کی یہ سزا اور زانی پر اس قدر تہدید اور پاکی اور ناپاکی کی طہارت اس طور پر نماز اور اس کی عبادت اس مکان میں اور اس طرف منہ کر کے وغیر ذالک سو اس قسم کے احکام میں نسخ واقع ہوا ہے اور ضرور ہونا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ علام الغیوب کا مقصد شریعت سے اپنے بندوں کی بھلائی اور ان کے حال پر رحمت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ زمانہ میں اقوام اور بلاد کا ہمیشہ ایک طور نہیں۔ وقتاً فوقتاً مصلحتوں میں انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً جب قوم شراب کی عادی ہو تو اس کی رسم مٹانے کے لئے نہ تنہا شراب کو حرام کیا جاوے بلکہ اس کی دواعی اور یاد دلانے والی باتوں کو منع کر دیا جائے اور شراب کے برتنوں کا مطلقاً استعمال ہی ناجائز کر دیا جائے۔ پھر جب ان کی عادت جاتی رہے تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے کر ان پر سہولت کر دینی ضروری ہے۔ اب اس میں خدا کے علم میں کیا قصور لازم آتا ہے۔ اس پر بھی اعتراض کرنا اور پھر مواقع استدلال میں اوّل قسم کے احکام کو پیش کرنا یا اعتقادیات کو لانا انصاف کی گردن پر چھری پھیرنا ہے، معاذ اللہ من ذالک۔ اب رہا **نسخِ قرآنی** کہ آیا اس کی آیات میں نسخ تلاوت یا نسخِ حکم یا دونوں کا نسخ خواہ دوسری آیت یا کسی حدیث سے واقع ہوا ہے یا نہیں۔ ابو مسلم بن بحر وغیرہ اس کا مطلقاً انکار کرتے ہیں۔ اور اکثر علماء اس کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض آیات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف حکم منسوخ ہوا جیسا کہ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا۔ اس آیت میں سال بھر کی عدتِ وفات تھی۔ پھر چار مہینے دس روز رہ گئی، وغیرہا من الآیات۔ اس کو منسوخ الحکم کہتے ہیں۔ اور بعض ایسی ہیں کہ جن کے الفاظ منسوخ التلاوۃ اور حکم باقی ہے۔ جیسا کہ الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ، وغیر ذالک۔ یہ تنسیخ میں داخل ہیں اور بعض آیات ایسی بھی تھیں کہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہؓ کے دل سے بھلا دی گئیں۔ چنانچہ بیہقی اور ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ ایک صحابیؓ شب کو تہجد پڑھنے کھڑے ہوئے اور ایک سورۃ کو پڑھنا چاہا ہر چند یاد کیا مگر ایک حرف بھی یاد نہ رہا۔ صبح کو خود حضرتؐ سے اور دیگر اشخاص سے بیان کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ منسوخ التلاوۃ ہو گئی ہے۔ سب کے دلوں سے بھلا دی گئی اور اس کے نقوش بھی مٹا دیئے گئے۔ اور اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت "عشر رضعات معلومات یحرمن" قرآن میں پڑھی جاتی تھی مگر اس کا ماقبل اور مابعد اور اس کا محل بالکل نسیاً منسیاً کر دیا۔ اور اسی طرح

کی بہت سی روایات ہیں۔ یہ سب ننسہا کا مصداق ہیں۔ مگر اس سے قرآن میں کوئی تحریف و تغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سب باتیں مصلحتِ الٰہیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہو چکی تھیں۔ آپ کے بعد پھر ایک حرف کی کمی زیادتی ظہور میں نہ آئی۔ اور دلیل اس مذہب جمہور پر آیت ماننسخ الآیۃ و دیگر آیات ہیں۔ ابو مسلم کہتے ہیں کہ نہ احکام میں نسخ ہوا ہے، کس لئے کہ جس کو تم منسوخ کہتے ہو وہ اور جہت سے تھا اور یہ جو ناسخ ہے اور جہت سے ہے اور نسخ میں اتحادِ جہت شرط ہے، اور نہ تلاوتِ آیات میں۔ جن آیات کو تم منسوخ التلاوۃ کہتے ہو یہ دراصل قرآن مجید کی آیات نہ تھیں۔ کیونکہ قرآن منقول بہ نقلِ متواتر ہے۔ اور یہ روایات خبر احاد ہیں اور بعض تو موضوع یا ضعیف اور وجہِ اشتباہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر کے طور پر یہ جملے کہ جن کو لوگ منسوخ التلاوۃ سمجھ گئے ہیں، اثنائے تلاوت میں پڑھے اور حاضرین نے ان کو آیت سمجھ لیا۔ مقدس سمجھ کر اپنے مصاحف میں لکھ لیا۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قرآن شریف حفاظ کو یاد کرایا اور متفرق اجزاء میں کاتبوں سے لکھوایا اور ان راویوں نے ان جملوں کو قرآن میں نہ پایا تو منسوخ التلاوۃ سمجھ لیا۔ اور اس آیت سے استدلال صحیح نہیں۔ کس لئے کہ اس سے مراد توریت و انجیل کے احکام ہیں اور لفظ آیت کچھ آیاتِ قرآنیہ کے لئے ہی مخصوص نہیں بلکہ احکام پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح اور آیات سے بھی استدلال صحیح نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ

کیا تم بھی (اے مسلمانو!) یہ چاہتے ہو کہ اپنے پیغمبر سے ویسے ہی

كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ

سوال کیا کرو جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کئے گئے تھے۔ اور جس نے

يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ

کفر کو ایمان سے بدلا تو وہ سیدھے

ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٠٨﴾ وَدَّ كَثِيرٌ

رستے سے بہکا۔ اکثر اہلِ کتاب تو

مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ

اپنے حسد سے حق ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ

مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا

چاہتے ہیں کہ کسی طرح سے تم کو بھی ایمان

مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

لانے کے بعد (بھی) پھر کفر کی طرف لوٹا کر

لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ

لے جائیں۔ پس تم اس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ

يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ

اپنا حکم لائے معاف کرو اور درگزر کرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾

پر قادر ہے۔

## ترکیب

ام اس جگہ منقطع ہے، والتقدیر بل اتریدون ان تسألوا کما سئل، کاف موضع نصب میں ہے مصدر محذوف کی صفت ہے، ای سوالاً کما۔ اور ما مصدریہ ہے۔ سواء السبیل بمعنی وسط السبیل ظرف ہے ضل کا ود فعل کثیر من اہل الکتاب فاعل لو مصدریہ یردونکم جملہ بتاویل مصدر مفعول۔ کفاراً حال ہے کم سے جو یردونکم میں ہے اور ممکن ہے کہ مفعول ثانی ہو کس لئے کہ یرد بمعنے یصیر ہے۔ حسداً مفعول لہ ہے فاعل ود سے یا یردونکم سے۔ من عند انفسہم کائن کے متعلق ہو کر صفت ہوا حسداً کی۔

## تفسیر

یہودی اہلِ اسلام کو طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا کیا کرتے تھے، تاکہ یہ لوگ دین سے برگشتہ ہو جائیں۔ اور

باوجودیکہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بشارات کتب انبیاءؑ و معجزات سے یقین ہو چکا تھا۔ مگر حسد کے مارے پھر بھی یہ باتیں کرتے تھے۔ جس پر بعض سیدھے سادھے مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الٹے سیدھے سوالات کیا کرتے تھے۔ کوئی یہ سمجھ کر کہ نسخ احکام تو ہوتا ہی ہے، یہ سوال کرتا تھا کہ فلاں احکام قائم ہونے چاہئیں۔ بعض پوچھتے تھے کہ اس حاملہ کے پیٹ میں بیٹا ہے یا بیٹی۔ اور اسی قسم کے لغو اور محال باتوں کو پیش کرتے تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ کر دیا کہ کیا تم بھی اپنے رسولؐ سے ایسے ہی سوالات کیا چاہتے ہو کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام سے ان یہود کے بزرگوں نے کر کے غضب الٰہی اپنے اوپر ڈھایا تھا۔ سو تم ایسا نہ کرو۔ کیونکہ یہ کفر ہے۔ اور جو ایمان چھوڑ کر کفر میں پڑتا ہے وہ نجات اور حیات ابدی کے سیدھے رستے سے بہکتا ہے۔ اور یہ یہودی تو اپنے جبلی حسد سے تم کو پھر کفر میں لانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کا حق ہونا ان پر ظاہر ہو چکا ہے۔ اس حسد کے مقابلہ میں تم ان سے حتی المقدور درگزر کرو یہاں تک کہ دنیا یا آخرت میں جو کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان پر عذاب مقرر ہے وہ نازل ہو جائے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو۔

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ

اور جو کچھ نیکی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے تو اس کو خدا کے

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا

کے پاس موجود پاؤ گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۱۱۰)

کام دیکھ رہا ہے۔

## ترکیب

واقیموا الخ جملہ انشائیہ معطوف ہے فاعفوا پر ماتقدموا میں ما شرطیہ من خیر بیان ہے۔ ما کا یہ سب جملہ شرط تجدوہ الخ جواب شرط۔

## تفسیر

یہ کلام سابق کا تتمہ ہے یعنی تم کسی مشکک اور مغوی کے بہکانے میں نہ آؤ۔ ایمان پر ثابت قدم رہ کر عالم آخرت کے لئے کہ جہاں تم کو ہمیشہ رہنا ہے روح کو منور کرو۔ بدنی عبادتوں میں سب سے اعلیٰ نماز ہے اس کو ادا کرتے رہو۔ اور مالی عبادت سے بھی غافل نہ رہو زکوٰۃ دو اور علاوہ زکوٰۃ کے ہر قسم کی نیکی کرو۔ خلق خدا سے بھلائی اور اپنے بیگانوں کے ساتھ نیک سلوک سے پیش آؤ۔ جو کچھ کرو گے وہ ضائع نہ جائے گا۔ انسان کے سب اعمال عالم مثال میں موجود رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد سب کو وہاں جا کر ضرور پائے گا۔ کسی عمل کی جزا سے خدا تعالیٰ غافل نہیں۔ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ سب دیکھ رہا ہے۔

## فوائد

(۱) ام تریدون سے لے کر ان اللہ بما تعملون بصیر تک ایک مضمون متصل تھا۔ اس کا اصل شان نزول تو وہی ہے کہ جو ہم نے بیان کیا کہ لوگ یہودیوں کے بہکانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیجا سوالات کرتے تھے۔ جن میں نہ نفع دنیا نہ نفع آخرت بلکہ ضرر ایمان تھا اس لئے منع کر دیا گیا۔ مگر بعض مفسرین نے ان تسئلوا کے متعلق مختلف روایتیں بیان کی ہیں۔

ابن عباسؓ اور مجاہدؒ بیان فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن امیہ مخزومی نے مع چند قریش حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ کہا کہ ہم آپ پر جب ایمان لائیں گے کہ آپ ہمارے لئے مکہ کے خشک پہاڑوں میں سے چشمہ جاری کر دیں یا کوئی وہاں انگور یا کھجور کا باغ پیدا کر دیں یا کوئی سونے کا گھر بنا دیں یا آپ سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں۔ یا ہم پر کوئی خدا کی کتاب اترے کہ جس میں یوں لکھا ہو کہ عبداللہ

تو محمدؐ پر ایمان لا۔ اصم اور جبائی اور ابو مسلم کہتے ہیں کہ یہ خطاب اہلِ اسلام کے ان لوگوں سے ہے کہ جو بیجا سوالات کرتے تھے۔ اور یہی صحیح ہے۔

(۲) حسد۔ کسی کی نعمت خداداد کا زوال چاہنا خواہ وہ نعمت اپنے لئے چاہے جیسا کہ کسی کا باغ یا مکان یا روپیہ یا عورت اپنے لئے چاہے یا اپنے لئے نہ چاہے، یہ حسد حرام ہے اس آیت و دیگر آیات و احادیث سے یہ وہ مرضِ بد ہے کہ جو انسان کی تمام برائیوں کا سرچشمہ اور نیکیوں کا جلانے والا شعلہ ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے کہ جس طرح آگ لکڑیوں کو۔ ابلیس کو اسی مرض نے ہلاک کیا تھا۔ اور غبطہ حلال ہے۔ وہ یہ کہ کسی کی برائی تو نہ چاہے مگر خدا تعالیٰ سے اس طرح کی نعمت اپنے لئے بھی مانگے اور اسی کو منافسہ بھی کہتے ہیں۔ اور اس پر بھی مجازاً کبھی اطلاقِ حسد ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے، لاحسد الا فی الاثنین رجل آتاہ اللہ مالاً الحدیث۔

(۳) یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ جن باتوں سے مسلمانوں کے عقائد میں شبہ پڑے اُن کا سُننا بھی حرام ہے۔ اس بنا پر مستورات کا پادریوں کے مدارس میں تعلیم کے لئے جانا اور ان مدارس کی ملازمت کرنا یا ان کی ان امور میں اعانت کرنا حرام ہے بلکہ تبدیل کفر بالایمان۔ اور یہی حال دیگر مذاہب کا ہے، نعوذ باللہ منہ ؁

وَقَالُوا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ
اور (اہلِ کتاب) کہتے ہیں کہ بجز یہود یا نصاریٰ کے اور
كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ
کوئی ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا۔ یہ تو ان کے ڈھکوسلے ہیں۔
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
(اے محمدؐ! ان سے) کہدو کہ تم (اس بات پر) اپنی دلیل تو لاؤ

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ
اگر تم سچے ہو۔ ہاں جس کسی نے اللہ کے سامنے اپنا منہ
لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ
جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا بھی ہو تو اس کے لئے اس کا بدلہ اس کے رب کے
رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
پاس ہے، اور نہ ان پر کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین
يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ
ع ۹ / ۱۳
ہوں گے۔ اور یہود کہتے ہیں کہ عیسائی ٹھیک
النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى
راہ پر نہیں، اور عیسائی کہتے ہیں کہ
لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ
یہودی راہِ حق پر نہیں حالانکہ وہ سب کتاب
يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ
بھی پڑھتے ہیں۔ ایسی ہی باتیں وہ لوگ بھی
لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ
کہتے ہیں جو بے علم ہیں (بعض مشرکین عرب)۔ پھر اللہ تعالیٰ
يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا
قیامت کے دن ان باتوں کا کہ جن میں وہ جھگڑ رہے ہیں
فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾
خود فیصلہ کر دے گا۔

## ترکیب

قالوا فعل با فاعل لن یدخل الجنۃ الخ جملہ مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ تامہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا ودّ پر۔ الا محل رفع میں ہے بسبب یدخل کے ہود جمع ہائد کی ہے جیسا کہ عائذ کی عُوذ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس جمع کا مفرد نہیں وفیہ مافیہ۔ نصاریٰ جمع نصران کی ہے جیسا کہ سکاریٰ جمع سکران کی۔ تلک مبتدا امانیہم خبر قل فعل انت ضمیر فاعل ہاتوا امر حاضر معروف معتل اللام تعریفہ

ف :۔ پادریوں کے مدرسہ میں مسلمانوں کی عورات و اطفال کا جانا حرام ہے ۱۲ منہ

ہا نا یہاتی یہاتاۃ مثل رامی یرامی مراماۃ وہانوا مثل راموا اور اصل اس کی ہاتیوا تھی تعلیل ہوگئی۔ برہان مضاف کم مضاف الیہ مجموعہ مفعول ہوا ہاتوا کا پھر یہ سب جملہ مقولہ ہوا قل کا من شرطیہ اسلم فعل ضمیر راجع من کی طرف وہ فاعل ذی الحال وجہہ مفعول للہ متعلق فعل وہو محسن جملہ اسمیہ حال یہ تمام جملہ شرط فلہ اجرہ الخ تمام جملہ اسمیہ جواب شرط وقالت فعل الیہود فاعل لیست النصاریٰ الخ جملہ اس کا مقولہ ولیس علیہ وہم یتلون الخ جملہ خبریہ حال ہے قالت سے کذٰلک کاف موضع نصب میں ہے کیونکہ صفت ہے مصدر محذوف کی۔ مثل قولہم یا بدل ہے محل کاف سے یا مفعول ہے لا یعلمون کا۔

## تفسیر

پہلی آیتوں میں مذکور تھا کہ اہل کتاب دلی آرزو کرتے ہیں کہ کسی طرح پھر تم کو کفر میں مبتلا کردیں اور اسی لئے تمہارے دل میں شکوک و شبہات ڈالتے ہیں۔ یہاں تک تو یہود کی کجرویوں کا بیان ہے اس کے بعد یہود و نصاریٰ دونوں کی کج رویوں کا بیان ہوتا ہے کہ وہ کسی کو جنت کا مستحق نہیں سمجھتے۔ یہود کو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہونے کا تفاخر تھا اور سمجھتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام اور اس کی نسل کے لئے مغفرت کا وعدہ ہوچکا ہے آتشِ جہنم اُن پر حرام ہے خواہ وہ کچھ ہی کریں۔ عیسائی کہتے تھے کہ ہمارے اگلے پچھلے سب گناہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے اوپر لئے اور ہماری طرف سے وہ کفارہ ہوگئے۔ اب ہم پر آتشِ جہنم حرام ہے اور جنت ہمارا مقام ہے۔ مسلمانوں کے روبرو ایسی باتیں اس لئے کرتے تھے کہ وہ اسلام کو باعثِ نجات اور تسلی بخش نہ سمجھ کر اسلام میں داخل ہونے سے احتراز کریں۔ یہ نادان عربوں کے خیالات میں لغزش پیدا کرنے والا شبہ

تھا۔ اس کو خدا تعالےٰ رد کرتا ہے۔ تلک امانیہم کہ یہ ان کے دلی منصوبے یعنی بے اصل خیالات ہیں اور اگر کوئی اصل ہے تو قل ہاتوا برہانکم اے نبیؐ! ان سے کہدو کہ ان پر کوئی دلیل تو پیش کرو، عقلی یا نقلی۔ حالانکہ کوئی بھی دلیل نہیں۔ کہیں توریت یا انجیل میں یہ بات نہیں اور عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ خداوند عالم جملہ بنی آدم کا خدا ہے ہرایک قوم اور ہر ایک ملک سے اس کی یکساں نسبت ہے بلکہ معیار نجات جس کو عقل سلیم تسلیم کرتی ہے یہ ہے بلیٰ من اسلم وجہہ للہ کہ جو کوئی یہودی نصرانی عرب عجم ہندی حبشی جس نے اپنا سر خدا کے آگے جھکا دیا ہو جن چیزوں پر اس نے ایمان لانے کو فرمایا ہو بے چون و چرا ان چیزوں کو مان لیا ہو اُن پر ایمان لے آیا ہو (اس میں تکمیل قوت نظریہ ہوگئی) مگر اس کے ساتھ وہو محسن وہ نیکوکار بھی ہو۔ جن چیزوں کا اس نے حکم دیا ہو ان کو بجالاتا ہو اور جن سے اس نے منع کیا ہو اُن سے دُور رہتا ہو (یہ تکمیل قوت عملیہ ہے) فلہ اجرہ اس کا بدلہ اس کو ضرور ملے گا۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ دنیا میں افزائش مال و اولاد و تندرستی و اقبال اس کا بدلہ ہے جس کو یہ حاصل نہ ہو بداعتقاد ہو جائے کیونکہ یہ سب چیزیں فانی ہیں ایسا بدلہ پورا بدلہ نہیں۔ بلکہ عند ربہ اس کے خدا کے پاس عالم باقی میں مرنے کے بعد جہاں سدا رہنا ہے وہ کیا ہے جنت اور وہاں کے نعیم باقیہ جن میں سے ایک بات یہ ہے ولا خوف علیہم کہ وہاں اُن کو کسی آنے والی مصیبت کا خوف ہی نہ رہے گا نہ اپنے مرنے کا نہ اپنے دنیاوی اقارب واحباب مغفور کے مرنے کا نہ ان کی جُدائی کا نہ اُن کے بڑھاپے کا اور نہ امراض کا نہ کسی قسم کے افلاس کا نہ جنت سے باہر نکالے جانے کا نہ کسی دشمن یا بادشاہ کا خود خدا تعالےٰ کی ناراضی کا۔ ولاہم یحزنون نہ ان کو دنیا میں عمر رائیگاں کرنے کا غم ہوگا کہ ہائے کچھ نہ کیا۔ لذات و شہوات فانیہ میں عمر گنوائی جو آب خواب و خیال ہیں۔ ہائے رات دن لہو و لعب

جمع کرنے میں عمدہ مکان اور باغ بنانے میں سرگردان رہا، وجاہت و عزت کا طالب رہا، جن میں سے اب کچھ بھی ساتھ نہیں۔ نہ اس کا کہ غلط مذاہب کی پابندی سے کیا کیا محنتیں اٹھائیں، خدا کی حلال نعمتیں چھوڑ دیں، گنگا جمنا میں سالہائے دراز غسل کرتا رہا، دھونی رمائی، بتوں کو سجدہ کیا، کسی قبر اور معابد کو نہ چھوڑا کہ جن پر سجدہ نہ کیا ہو، ہزاروں روپیہ تقرب الی اللہ سمجھ کر برباد کئے جن کا نتیجہ برعکس پایا۔ ثواب کے بدلے عذاب۔ الغرض اس کا ان کو کوئی غم بھی وہاں نہ ہوگا۔ یہ ہے وہ نجات اور یہ ہے وہ تسلی بخش مذہب۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے قول کو ایک عجیب برہان سے باطل کیا جاتا ہے۔ فقال وقالت الیہود الخ کہ اہل کتاب کے بڑے بھائی یہود کہتے ہیں، نصاریٰ کا کوئی بھی دین و مذہب نہیں چند ڈھکوسلے ہیں جو ان کے پیشواؤں کے بنائے ہوئے ہیں توریت میں خدا تعالیٰ کو واحد لاشریک لہٗ بتایا ہے یہ خدا کی تجزی کرتے ہیں تین اجزاء سے ملا کر معجون مرکب کی طرح ایک خدا کہتے ہیں اور اس کو تفاخر میں آکر سرّ روحانی اور باعث حیات جاودانی بتلاتے ہیں حالانکہ (حضرت) مسیح سے پہلے صدہا رسول آئے کسی نے بھی اس کی تعلیم تو کیا اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔ یہ ان کی تثلیث ہے۔ اور اسی طرح کفارۂ مسیح بھی ایک جاہلانہ خیال ہے توریت اور صحف انبیاء میں صدہا آنے والی چیزوں کی خبریں دی گئی ہیں مگر اس کا کہیں ذکر تک نہیں اور بھلا خدا کے ہاں یہ کیا اندھیر ہے کہ گناہ تو کرے کوئی اور اس کے عوض میں عذاب پائے اور لعنت اٹھائے کوئی۔ یہ دوسرا عقیدہ تھا اب رہا مسیح کا خدا کا بیٹا ہونا، خدا کا تقدس اس سے بری ہے کہ وہ کسی کو جورو بنائے اور بیٹا جنائے اور پھر وہ بیٹا ہمارے ہاتھ سے بے کسی سے صلیب پر چڑھا دیا جائے اور اس سے کچھ بھی نہ ہو سکے اگر بیٹے کا لفظ محبت اور تعظیم کی راہ سے ان پر اطلاق کرتے تو عہد نامۂ قدیم میں بہت لوگوں پر اس کا

اطلاق ہوا ہے معلوم ہوا کہ یہ مذہب باطل ہے۔ نصاریٰ کہتے ہیں یہود نے پچھلے آنے والے نبی کو نہیں مانا اور توریت میں دھرا کیا ہے احکام عشرہ اور دیگر رسمی احکام کے سوا روحانی کوئی بھی حکم نہیں۔ بقول پولوس مقدس توریت ظلمت کا پردہ ہے اور موسیٰ جلادوں کا استاد تھا ہم کو اس سے کوئی کام نہیں، یہ رسمی مذہب مسیح کے آنے سے بیکار ہوگیا وغیرہ۔ الغرض یہود کے نزدیک نصاریٰ کا مذہب باطل اور نصاریٰ کے نزدیک یہود کا مذہب غلط دونوں سچے، اذا تعارضا تساقطا، دونوں غلط اور باطل۔ اور عجیب تریہ کہ ہم یتلون الکتٰب دونوں گروہ توراۃ اور صحف انبیاء کو پڑھتے ہیں اور مانتے ہیں، پھر ان کی کس بات کا اعتبار کیا جائے۔ ذرا ٹھہریں قیامت کے دن خدا تعالیٰ اپنی عدالت میں ان کے مقدمہ کا فیصلہ کرے گا۔ ہر ایک گروہ کو حقیقت معلوم ہو جائے گی ؎ باش تا بند روی بکشایند + باش تا با تو در حدیث آیند + تا کیان را نشاندہ در بر + تا کیان را گرفتہ در بر + پھر بھی یہ فرمایا کہ ان پر کیا موقوف اس قسم کی باتیں ان سے پہلے کے جاہل بھی کہا کرتے تھے۔ مذہب صابی کے لوگوں کا یہی دعویٰ تھا۔ ہنود جو اپنا زمانہ لاکھوں کروڑوں برس کا بتاتے ہیں وہ بھی چار برن۔ برہمن، چھتری، بیش، شودر کے سوا سب مخلوق کو ملکش اور ناپاک کہتے تھے اب بھی آریہ فریق کے نزدیک نجات کا مدار ایک تقویم پارینہ ہے یعنی وید پر ہے اور دنیا بھر کی ہدایت و تعلیم اس میں بھری ہوئی ہے حتیٰ کہ دنیاوی صنائع اور علوم کا بھی یہی مخزن ہے حالانکہ چند لوگوں کے پرانی زبان میں مختلف مضامین کے اشعار ہیں جن کا وزن بھی ان کے مضامین کی طرح وہی جاہلانہ کہ جہاں تمدن نے جنم بھی نہ لیا ہو اور بیشتر تو ازل غیر مرتبہ دیوتاؤں اور عناصر کی مدح میں ہیں جو ان کے مصنفوں نے ان کی تسخیر کے لئے بنائے تھے اور جھوجنتر میں کام آتے تھے جن کی آج کھینچ تان کر آریہ تلاوت کرتے ہیں مگر چول جب بھی ٹھیک نہیں بیٹھتی۔

۲۰

## متعلّقات

(۱) خدا تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کے جھوٹے دعوے کو رد کر دیا اور اُس کے بعد معیارِ نجات بتلا دیا اور یہ نہ کہا کہ خاص مسلمان جنت میں جائیں گے کیونکہ اس کے مقابلہ میں دوسرا شخص کہہ سکتا تھا کہ تمہارا بھی یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ ہر شخص اپنے مذہب و ملت کے مقابلہ میں دوسرے مذاہب کو غلط سمجھا کرتا ہے بلکہ ایک ایسی بات کہی کہ جس کا کوئی بھی اہلِ عقل انکار نہیں کر سکتا اور جس کو ہر ملک اور ہر مذہب کے لوگ بالاتفاق مانتے ہوں وہ یہ کہ نجات خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اور نیکوکاری پر منحصر ہے اور اسی کو اسلام کہتے ہیں۔ اس قسم کے کلام کو کہ مخالف کا دعویٰ رد کر کے اپنا دعوےٰ مسلّمہ مقدّماتِ خصم سے ثابت کر دے کلام مدلّل کہتے ہیں جو نہایت بلاغت کا کلام ہے۔

(۲) اسلام لغت میں جھکنے اور مطیع ہونے کو کہتے ہیں اور جہاں زیادہ اطاعت اور فرمانبرداری مطلوب ہوتی ہے تو منہ جھکانا اور سر جھکانا بولتے ہیں اور چونکہ مذہب اسلام میں خدائے تعالیٰ کی بیحد فرمانبرداری ہے جان سے مال سے تو اس لئے اس مذہب کا نام بھی اسلام قرار پایا۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا کہ جس نے اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام

أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي

لینے کی بھی ممانعت کر دی　اور　اس کے　اجاڑ دینے کی کوشش

خَرَابِهَا ۚ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَن

کی ہو۔　ان کو تو یہی لائق تھا کہ ان میں　ڈر تے

يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي

ہوئے　جاتے۔　ان کے لئے دنیا

الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ

میں بھی رسوائی ہے　اور ان کو آخرت　میں بھی بڑا عذاب

عَظِيمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ

ہے۔　اور مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔

فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

پھر جدھر پھر جاؤ ادھر اللہ تعالیٰ کا رُخ ہے؛　خدا تعالیٰ

وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾

وسعت والا دانا　ہے۔

## ترکیب

من استفہامیہ انکاریہ محل رفع میں ہے بسبب مبتدا ہونے کے اور اظلم اس کی خبر ہے یعنی اُس سے کوئی زیادہ ظالم نہیں ممّن میں مَن نکرہ موصوفہ یا بمعنی الّذی ہے ان یذکر موضع نصب میں ہے اس لئے کہ یہ مساجد مفعول منع ہے بدل الاشتمال ہے تقدیرہ ذکر اسمہ فیہا۔ خراب بمعنے تخریب اولٰئک مبتدا ماکان لہم آلخ جملہ اس کی خبر الّا خائفین حال ہے ضمیر یدخلوہا سے لِلّٰہ خبر مقدّم المشرق والمغرب مبتدا مؤخر جملہ مستانفہ فاینما کلمۂ شرط تولّوا مجزوم بشرط فثمّ وجہ اللہ جملۂ خبریہ جواب شرط۔

## تفسیر

عرب میں یہود و نصاریٰ پڑھے ہوئے اور باعلم خیال کئے جاتے تھے قریشِ مکہ اور دیگر بُت پرست قومیں اسلام کے مقابلہ میں انھیں سے مدد لیتی تھیں۔ یہ بزرگوار بھی اُن کے ورغلانے اور نکتہ چینیاں سکھانے میں کوئی کمی نہ کرتے تھے اور لطف یہ کہ اسلام کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے ان کے مذہب بُت پرستی کو صحیح کہہ دیا کرتے اور ان کو ان ظلم و زیادتیوں کی وجہ سے جو وقتاً فوقتاً غریب ایمانداروں پر کیا کرتے تھے جنت اور نجات کا مستحق بھی بنا دیا کرتے تھے۔ اس لئے یہود و نصاریٰ کی گمراہیاں بیان کر کے ان آیات میں روئے سخن ان جاہل اور بُت پرست عربوں کی طرف کیا جاتا ہے اور ان کو

بھی انھیں کے مسلمات سے الزام دیا جاتا ہے۔

قریش مکہ خانۂ کعبہ کی ایام جاہلیت میں بڑی تعظیم کیا کرتے تھے اور قبائل عرب بھی کعبہ کا احترام بجالاتے تھے مگر جب اسلام کا نور کوہ فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا تو ان کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ اسلامیوں کو کعبہ میں جاکر خداپرستی اور اس کے نام لینے سے منع کردیا جو اُن کے اصولِ مسلّمہ کے نزدیک بھی بہت ہی بُرا کام تھا۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ بھی بڑے ظالم اور بدکار ہیں۔ فقال ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ کہ تمھیں بتاؤ اے قریش مکہ جو اپنے مذہب بت پرستی کو حق سمجھتے ہو کہ اس سے بڑھ کر کوئی ظالم ہے کہ جو خدا کی مسجدوں میں اس کے نام لینے سے منع کرے؟ بظاہر نزولِ آیت کے وقت عرب بالخصوص مکہ میں ایک ہی مسجد ابراہیمی یعنی کعبہ تھا پھر جمع کا صیغہ لانے سے یا تو یہ غرض ہے کہ جس نے کعبہ میں یادِ الٰہی کرنے سے منع کیا تو اس کو اور مسجدوں میں منع کرنے سے کیا تامل ہوگا گویا وہ ایک مسجد سے منع نہیں کرتا بلکہ بہت سی مسجدوں سے روکتا ہے اگر وہ پائی جائیں۔ یا کعبہ سے ممنوع ہونے کے بعد ایمانداروں نے اپنے گھروں میں نماز کے لئے چبوترے بنالئے تھے یہ کمبخت وہاں بھی یادِ الٰہی کرنے سے روکتے تھے وہ بھی مساجد اللہ ہی تھیں۔ مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کے قریب نماز کے لئے ایک چبوترا بنالیا تھا وہیں نماز اداکرتے اور پُرسوز لب ولہجہ میں قرآن کی وہ آیات پڑھتے تھے کہ جو ذی رُوح بشرطیکہ اس میں حیات کا کوئی حصہ باقی ہو کو ڈسے مارتی تھیں۔ وہی آنے جانے والوں کا راستہ تھا۔ جانے آنے والے کھڑے ہوجاتے تھے اور سُن کر سر دُھنتے تھے جس سے مکہ میں ایک نیا جوش برپا ہوگیا۔ اس لئے قریش مکہ نے ابوبکرؓ کو وہاں بھی نماز اور قرآن پڑھنے سے روک دیا۔ کعبہ کی تعمیر اور مرمت کو قریش بڑا کارِ خیر سمجھتے تھے۔ وسعیٰ فی خرابہا، حالانکہ مساجد کی آبادی میں نمازیوں کا جمع ہونا ہے۔ اُن کو منع کرنا مساجد کا برباد کرنا ہے۔ مسجد گو چونہ پتھر سے لاکھ آراستہ ہو مگر جب نمازی نہیں تو اس کو اُجاڑ ہی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک فعل قریش کا کعبہ کی نسبت تھا۔ دوسرا یہ تھا کہ خود جو وہاں جاتے بجائے نماز کے تالیاں اور سیٹیاں بجاکے بُتوں کے آگے ناچتے کودتے، یہ بھی مسجد کی بڑی بے ادبی ہے بلکہ ماکان لہم ان یدخلوہا الا خائفین، وہاں خدا تعالیٰ سے ڈر کر ادب سے جانا چاہیے۔ جب یہاں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نمازیوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرنا حرام ہے، اسی طرح مساجد میں عبادت کے سوا اور لہو ولعب کے اشغال بھی حرام ہیں۔ جو مساجد اللہ کے ساتھ ایسی بے ادبی کرے گا لہم فی الدنیا خزی ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی اور ذلت ہے جیسا کہ قریش کو بدر وغیرہ معارک میں ہوئی اور آخرت میں بھی ایسے لوگوں کے لئے عذابِ عظیم ہے۔ اب اس پر قریش مکہ اپنے آپ کو حق پرست اور مستحقِ نجات سمجھتے ہیں، ہرگز نہیں۔ ان دنوں میں مسلمانوں کو کعبہ سے روکے جانے سے غم تھا کس لئے کہ جہت عبادت اور محل عبادت کعبہ ہی کو سمجھتے تھے۔ اس کی بابت تسلی کردی کہ مشرق ومغرب سب خدا تعالیٰ کا ہے، وہ کافر تمھاری عبادت نہیں روک سکتے جدھر جا ہو اُدھر مُنہ کرکے نماز پڑھا کرو وہیں وجہ اللہ خدا حافظ و ناظر ہے ہر سُو اسی کی ذات کا جلوہ ہے۔ ف اس وقت کعبہ کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھنا ضروری نہ رہا تھا اور اب بھی اگر کعبہ کا رُخ معلوم نہ ہو یا کسی عذر سے اس طرف مُنہ کرکے نماز نہ پڑھ سکے تو تکبیر کے وقت اُدھر مُنہ کرلے اگر ہوسکے باقی نماز فرض ونوافل جس طرف چاہے پڑھے کس لئے کہ اسلام میں کعبہ پرستی نہیں ہے بلکہ خدا پرستی ہے۔ اس آیت کے بعد کعبہ کی طرف منہ کرنا بشرط قدرت واجب ہوگیا کس لئے کہ یہ مسجد محلِ قبولیت ہے اگر وہاں جا نہ سکے تو اس طرف منہ کرکے ہی نماز پڑھا کرے۔

مفسرین کے اس کے شانِ نزول میں متعدد اقوال ہیں۔

عبداللہ بن عامرؓ نے روایت کیاہے کہ ہم جہاد میں ایک اندھیری رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں مشغول ہوئے اندھیرے کی وجہ سے قبلہ نہ معلوم ہوا۔ کسی نے کسی طرف کسی نے کسی طرف منہ کرکے نماز پڑھی پھر صبح کو معلوم ہوا کہ قبلہ رُخ نماز نہ پڑھی گئی۔ اور ہم نے یہ بات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ مشرق و مغرب سب خدا تعالےٰ کے لئے ہے ہر طرف میں اُس کا جلوہ ہے ایسے عوارض میں تعلق جہت کچھ شرط نہیں (تفسیر کبیر)۔ ترمذی و ابن ماجہ نے بھی ایسا ہی مضمون نقل کیاہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نماز سفر کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ سفر میں جو شخص سواری میں بیٹھ کر نوافل پڑھنا چاہے اور اُس کی سواری کا مُنہ قبلہ کی طرف نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اسی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھ لے اس کو بھی ترمذی اور نسائی اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ اور حسنؒ اور قتادہؒ وغیرہم فرماتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کا یہ سبب ہوا تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی طرف سے خانہ کعبہ کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو یہود نے طعن کیا اُس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہر طرف اسی کا جلوہ ہے اور مشرق و مغرب اُسی کا ہے کچھ وہ مجسم نہیں کہ مشرق کی طرف ہے یا مغرب کی طرف یا جنوب یا شمال کی طرف اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آیت تحویل قبلہ کے لئے تمہید ہے جس کا بیان آگے آتاہے۔ ف:۔ ثَمَّ وجہ اللہ کے یہ معنے نہیں کہ وہاں خدا تعالےٰ مُنہ مصلے کی طرف کئے بیٹھا ہے بلکہ اُدھر سے اُس کی ذات اور اُس کی توجہ اور تجلی ہے وہ مکان بھی پاک ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ

اور کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنایا ہے حالانکہ وہ پاک ہے۔

بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

بلکہ جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ

سب اُسی کے فرمانبردار ہیں (وہ) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے

وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا

والا ہے، اور جب کوئی چیز کرنا چاہتا ہے تو صرف

يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

یہی کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتی ہے۔

## ترکیب

وقالوا فعل ہم ضمیر فاعل اتخذ فعل اللہ فاعل ولدًا مفعول بہ جملہ مل کر مقولہ ہوا۔ سبحانہٗ جملہ معترضہ بدیع بمعنی مبدع مضاف السموٰت والارض مضاف الیہ مجموعہ خبر بتدا محذوف کی ای ہو بدیع واذا قضے الخ شرط فانما یقول الخ جواب شرط۔

## تفسیر

یہاں سے عیسائیوں کے خیالاتِ فاسدہ کا ردّ شروع ہوتا ہے۔ عیسائیوں کا اوّل عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے فرزند ہیں۔ یہ خیال حضرت عیسیٰؑ کے روبرو حواریوں میں نہ تھا بلکہ بعد میں پیدا ہوا۔ قدیم عہد نامہ میں یہ لفظ محبّت اور پیار کی راہ سے بعض اور بندوں پر بھی اطلاق ہواہے۔ حضرت مسیحؑ نے جو کبھی خدا تعالےٰ کو محبّت میں باپ کہاہے تو نادان عیسائیوں نے ان کے ظاہری باپ نہ ہونے سے ان کو سچ مچ خدا کا بیٹا ہی سمجھ لیا۔ اس بات کو خدا تعالےٰ کس دل پسند تقریر سے رد کرتاہے۔ اوّل تو یوں کہ سبحانہٗ وہ توالد و تناسل سے جو ممکنات اور حیوانات و نباتات کی صفت ہے پاک ہے۔ دوم بیٹا بنانے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ وقت پر کام آوے سو نہیں یہ بھی نہیں۔ کس لئے کہ لہٗ ما فی السموٰت والارض آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اُس کی مِلک ہے۔ سب اُس کے آگے

سرنگوں ہیں۔ اس کو کسی کی حاجت کیا ہے۔ اس میں اس دلیل کی طرف بھی اشارہ ہے کہ بیٹا باپ کا ہم جنس ہوتا ہے اور جملہ کائنات کہ جس میں عیسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں اس کے مملوک ہیں نہ کہ مالک پھر مخالفت کہاں رہی۔ تیسرے وہ بدیع السموٰت والارض، آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔ بتاؤ عیسیٰ علیہ السلام نے اس مخلوق میں سے کونسی چیز بنائی ہے۔ باپ سے زائد نہیں تو برابر ہی بناتا۔ چہارم اذا قضٰی امرًا الخ جس کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف اس کہنے سے کہ "ہوجا" ہوجاتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام میں یہ قدرت کہاں تھی وہ تو اپنی جان بھی یہود کے ہاتھ سے نہ بچاسکے۔ دشمنوں پر غلبہ نہ پاسکے۔ الغرض عیسیٰ علیہ السلام میں امکان محض اور خدا تعالیٰ سراسر واجب الوجود جس کے لئے یہ جملے بیان کئے گئے۔ واجب الوجود اور ممکن الوجود میں کونسی شرکت ہے، کوئی بھی نہیں۔ پھر جب بیٹا باپ کے کسی وصف میں بھی شریک نہیں تو بیٹا کیسا؟ اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معمولی توالد ہوا، نو مہینے پیٹ میں رہے پھر دودھ پیتے رہے رفتہ رفتہ جوان ہوئے۔ خدائے قادر کو ان باتوں کی کیا حاجت؟ وہ تو فی الفور کرتا ہے۔ کُن کہتے ہی ہر چیز ہوجاتی ہے۔ پھر اور بھی ان مدعیوں کے لغو اعتقاد بیان فرما کر اُن کو شرماتا ہے کہ ان مدعیوں نے یہ بھی اعتقاد کر رکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے بیٹا جنا ہے۔ اگرچہ تمام یہود اس کے قائل نہیں اور نہ تھے مگر مدینہ کے یہود میں سے کعب بن اشرف اور کعب بن اسد اور وہب ابن یہودا یہ کہتے تھے کہ عُزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ (وقالت الیہود عزیر ابن اللہ)۔ اور نصاریٰ تو باستثناء چند فریق تمام کلیسیا حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے اور اب بھی اس نجس اعتقاد کو موجب نجات جانتے ہیں اور پولوس نے اس کا رواج دیا ہے اس پولوس اور اس کے شاگردوں کی کتابوں میں کہ جن کو عیسائی انجیل اور کلام خدا کہہ کر دل خوش کرتے ہیں، یہ کفر اب تک موجود ہے۔ اور عرب کے مشرک فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے (الکم الذکر ولہ الانثیٰ)۔

(۱) باپ بیٹے میں مجانست اور مماثلت تو ضروری ہے۔ لائق بیٹے تو باپ کے کمالات و صفات میں برابر حصہ دار ہوتے ہیں اور نالائق کم۔ اور خدا تعالیٰ میں تین باتیں سب کے نزدیک مسلّم الثبوت ہیں۔ اوّل آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا جو بدیع السموٰت والارض میں مذکور ہے۔ دوم اُس کے احکام تکوینی کا ہر چیز پر نافذ ہونا ہر بات پر قادر مستقل ہونا جو اذا قضٰی امرًا فانما یقول لہٗ کن فیکون سے سمجھا جاتا ہے۔ سوم مخلوقات میں سے ہر ایک چیز کا اس کے لئے مسخر ہونا جو کُلٌّ لہٗ قانتون میں مذکور ہے۔ حالانکہ یہ تینوں باتیں اُس کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ حضرت مسیحؑ اور حضرت عزیرؑ اور فرشتوں نے آسمان و زمین تو کیا ایک پہاڑ کے پتھر کو بھی پیدا نہیں کیا اور ہر بات پر ان کی قدرت نہ تھی، خود حضرت مسیحؑ بقول نصاریٰ دار پر کھینچے جانے کے وقت کس آہ و زاری کے ساتھ چلاتے رہے مگر مخالفوں سے نجات نہ پاسکے اسی طرح عزیرؑ بخت نصر کا کچھ نہ کرسکے، اور ایران کے بادشاہوں کی مدد و حکم کے بغیر بیت المقدس کی مرمت نہ کرسکے۔ یہی حال فرشتوں کا ہے اور اسی طرح عالم کی ہر چیز ان کے آگے مسخر نہیں۔ وہ خود اپنے ہی وجود و عدم اور صحت و مرض پر حکمراں نہیں۔ یا یوں کہو (۲) عالم میں دو قسم کے تصرفات ہیں ایک یہ کہ ابتداءً کسی چیز کا پیدا کرنا سو یہ کامل تصرف ہے، یا پیدا کی ہوئی چیز میں اُلٹ پھیر کرکے ایک نئی صورت پیدا کردینا یہ تصرف ناقص ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو یہ دونوں تصرف خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہیں۔ اوّل میں کسی کو کچھ بھی حصہ نہیں مگر دوسری قسم میں کسی قدر مشابہت سی پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ معمار اور بڑھئی اینٹوں اور لکڑیوں میں تصرف کرکے ایک مکان

یا تخت بنا دیتا ہے یا کمہار مٹی اور گارے میں تصرف کر کے عمدہ عمدہ برتن اور مورتیں بناتا ہے۔ اور باپ اور بیٹے میں جو کچھ تصرف ہے تو از قسم ثانی ہے بلکہ وہ بھی از حد ناقص کس لئے کہ باپ کا صرف یہی کام ہے کہ وہ بچے کی ماں کے رحم میں منی ڈالتا ہے جس سے پھر بتدریج بچہ پیدا ہوتا ہے۔ سو جس کو اول اور دوم قسم کی قدرت کاملہ حاصل ہو وہ اس تیسری قسم ارذل کی طرف کیوں محتاج ہونے لگا وہ بدیع السمٰوٰت والارض ہے کہ ہر ایک آسمان و زمین کو ابتدائً پیدا کر دیا۔ (۳) علاوہ اس کے جو کوئی بیٹے کا خواستگار ہوتا ہے تو دو بات کے لئے ایک یہ کہ کوئی اس کا اپنا اور حکم بردار ہو سو لہ ما فی السمٰوٰت والارض کل لہ قانتون آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اُس کی مخلوق و مملوک ہے۔ بیٹا تو مخلوق و مملوک بھی نہیں ہو سکتا۔ اور ہر چیز اس کی فرمانبردار اور اس کے آگے مسخر ہے۔ پھر ایک یا دو یا دس پانچ کو بیٹا بنا کر فرمانبردار کرنا کیا فائدہ؟ دوم یہ کہ بوقت ضرورت کام آوے اور اس کی پیری میں اس کا نائب بن کر کام کرے سو یہ بھی نہیں کس لئے کہ وہ بدیع السمٰوٰت والارض ہے ایسا قادر قدیم ہے کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کر دیا اس کو ضرورت اور پیری کب لاحق ہو سکتی ہے۔ وہ ازلی ابدی ہے اس پر ضعف اور ناتوانی کا کیا دخل ہے اور نائب بنا کر اس کو کام لینے کی کیا حاجت ہے۔ اذا قضیٰ امراً فانما یقول لہ کن فیکون۔ اس کے حکم سے فوراً ہر چیز موجود ہو جاتی ہے۔ اور ایک دلیل بیٹا نہ ہونے کی یہ بھی ہے کہ ولد اور والد میں مجانست ضروری ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے لئے اگر کوئی ولد ہو تو مجانست لازم آوے اور یہ محال ہے تو ولد کا ہونا بھی محال ہے۔ مجانست کا محال ہونا اس طرح پر ہے کہ جب دو چیز باہم ہمجنس ہوتی ہیں تو اُن میں ایک فصل ممیز بھی ضرور ہوتی ہے۔ تو ہر ایک کے لئے دو جز حقیقت قرار پائیں گے ایک جنس اور دوسری فصل اور جو مرکب ہوتا ہے تو حادث ہوتا ہے۔ پس خداوند تعالیٰ کا حادث ہونا ثابت ہو جائے گا، اور یہ محال ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس دلیل کے دوسرے مقدمہ کے بطلان پر (یعنی مجانست کے بطلان پر) اس آیت میں اشارہ کر دیا، لہ ما فی السمٰوٰت والارض کل لہ قانتون کہ خدا تعالیٰ کی ہر چیز مملوک و مخلوق و مسخر ہے۔ پھر اس کا ہمجنس کون ہے، پھر اس آیت بدیع السمٰوٰت والارض میں اور بھی مباینت کلی بیان کر دی کہ کوئی ما فی السمٰوٰت والارض سے یہ نہ سمجھ لے کہ خود آسمان و زمین قدیم اور واجب الوجود ہوں بلکہ یہ آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے اندر ہے سب حادث اور ممکن ہے۔ سب کا وہ خالق ہے۔ پس ولدیت کیسی اور مجانست کیسی! اس کے بعد صفات میں بھی تفاوت صریحہ بیان کر دیا ہے وہ یہ کہ اذا قضیٰ امراً فانما یقول لہ کن فیکون کہ اس کو یہ قدرت ہے کہ جو کسی دوسرے میں نہیں یعنی جب وہ کن کہتا ہے اُسی وقت وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص اس آیت سے اور بھی دلائل نفی ولدیت پر مستنبط ہو سکتے ہیں۔

## فوائد

(۱) بعض عیسائی جب ان دلائل سے عاجز ہو جاتے ہیں تو لاچار ہو کر یہ کہتے ہیں کہ ہماری مراد بیٹے ہونے سے اس قسم کا بیٹا نہیں یعنی اُس کے حقیقی معنے مراد نہیں مسلمان حقیقی معنی خیال کر کے اعتراضات کرتے ہیں۔ مگر جب اُن سے دریافت کیا جاتا ہے کہ آیا مجازی معنی لیتے ہو یا کچھ اور۔ اول شق میں تو اس کے معنی محبوب اور معزز کے ہیں پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت اور بھی انبیاء پر بائبل میں لفظ ابن اس معنی سے بولا گیا ہے، مگر ادباً شریعت محمدیہ میں اس کی ممانعت ہو گئی ہے اور اگر کچھ اور مراد ہے تو اس کو بیان کرو، مگر اُلوہیت میں شریک کرو گے تو پھر انہیں

دلائل سے رد کیا جائے گا کس لئے کہ دو الٰہ نہیں ہو سکتے۔
بعض پادری لاچار ہو کر یہ کہدیتے ہیں کہ یہ سرِ الٰہی ہے ہم اس کو بیان نہیں کر سکتے جیسا کہ آیات متشابہات مگر یہ عذر بدتر از گناہ ہے کس لئے کہ ہم آیات متشابہات کے ایک خاص معنی تجویز کر کے اُس کے ماننے کو باعثِ نجات تو نہیں کہتے بلکہ مجملاً تسلیم کرنے پر بس کرتے ہیں۔ اور تم لفظ ابن اور اب کی نسبت ایسا نہیں کرتے بلکہ اس کے معنی باپ اور بیٹا قرار دے کر سب کو سمجھاتے اور اسی کو موجب نجات ٹھہراتے ہو پھر اس پر قیاس کرنا بڑی غلطی ہے۔
**فی الحقیقت** یہ ایسا لغو اور غلط عقیدہ ہے کہ جس سے ہر دانشمند کو تنفرِ طبعی ہے اس لئے آج کل یورپ میں لاکھو آدمی اس عقیدے سے بلکہ مذہبِ عیسوی سے نفرت کر کے کچھ اسلام کی طرف اور کچھ الحاد کی طرف مائل ہوئے چلے جاتے ہیں۔ صرف پادری اور مشن کے ملازم یا چند سادہ لوح عیسائی باقی ہیں جو ان باتوں کو مانتے ہیں، واللہ الهادی وبیدہٖ ازمة المقاصد والمبادی۔

(۲) ابداع۔ لغت میں ایسی چیز پیدا کرنے کو کہتے ہیں جو نئی ہو اور اسی سے بدعت ہے۔ یعنی دین میں کوئی نئی بات نکالنا، اور اسی لئے قرآن میں ماکنت بدعا من الرسل آیا کہ میں انوکھا رسول نہیں ہوں۔ اس جگہ جو بدیع السموات الخ کہا موجد السموات نہ کہا اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے اور آدمؑ کو بے ماں باپ کے اس نے پیدا کیا تو اس وجہ سے وہ خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے۔ ہمیشہ سے خدا تعالیٰ نئی نئی اور طرح طرح کی چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا
اور بے علم (مشرکین عرب) کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کیوں
يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ
کلام نہیں کرتا؟ یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ ان سے پہلے
قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ
لوگ بھی ایسی ہی باتیں کہہ چکے ہیں۔
تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ
ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے ہیں۔ یقین کرنے والوں کے لئے
لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ
تو ہم آیتیں بیان کر چکے ہیں۔ ہم نے تم کو (اے نبیؐ!) دین حق
بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ
دے کر خوشی اور ڈر سنانے کو بھیجا ہے، اور تم سے (اے نبیؐ!)
عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾
جہنمیوں کی کوئی پرسش نہ ہو گی۔

## ترکیب

قال فعل الذین موصول لایعلمون صلہ مجموعہ فاعل لولا کلمۂ تحضیض یکلمنا اللہ جملہ معطوف علیہ اور تاتینا آیۃ معطوف مجموعہ مقولہ ہوا قال فعل الذین من قبلہم صلہ و موصول فاعل کذٰلک مفعول مقدم مثل مضاف قولہم مضاف الیہ مجموعہ بدل یا بیان ہے کذٰلک سے تشابہت فعل قلوبہم فاعل جملہ محل حال میں ہے بحذفِ قد الذین سے بالحق جار مجرور موضع حال میں ہے تقدیرہٗ ارسلناک و معک الحق۔ بشیراً و نذیراً دونوں حال ہیں کافِ ارسلناک سے

## تفسیر

عیسائیوں کا جاہلانہ اعتقاد بیان کر کے عرب کے جاہلوں کے اقوال نقل کرتا ہے جو اُن کی تعلیم سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ مجید کے بارے میں کیا کرتے تھے تاکہ معلوم ہو کہ پیر اور مُرید دونوں ہدایت اور علم سے کس قدر دُور پڑے ہوئے تھے اور دنیا میں کس قدر جہل اور گمراہی کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اہلِ کتاب جو اہلِ علم و کمال تھے جن کو اگلے انبیاؑ کت اور ان کی کتابوں کا خزانہ دار سمجھا جاتا تھا اُن کی تو یہ حا

اور عرب کے جاہلوں کی یہ کیفیت تھی۔ قریش مکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں دو اعتراض کیا کرتے تھے۔

ایک یہ کہ خود ہم سے اللہ تو کیوں کلام نہیں کرتا۔ اور کیوں بالمشافہ نہیں کہہ دیتا کہ ہم نے فلاں کو رسول بنا کر بھیجا ہے، لولا یکلمنا اللہ۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اگر ایسا نہیں کرتا تو کیوں کوئی آیت یعنی ایسی نشانی ہمارے پاس نہیں بھیجدیتا جس سے رسالت کی صداقت ہوجاتی، او تاتینا آیۃ۔ پہلے اعتراض کا جواب بلکہ دوسرے کا بھی یہ دیتا ہے، کذلک قال الذین من قبلہم الخ کہ یہ ان کی نادانی ہے۔ اگر ہر شخص میں خدائے تعالیٰ سے کلام کرنے کی صلاحیت و قابلیت ہوتی تو دنیا میں انبیاءؑ بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہر شخص خدا تعالےٰ سے پوچھ کر حرام و حلال عبادت و ریاضت کے امور طے کرلیا کرتا۔ خدا تعالےٰ نور ہے جہاں مادہ کا ذکر بھی نہیں ہے۔ انسان مادی ہے جس کی ہیولانیت کے ظلمات اس پر ہر طرف سے محیط ہیں۔ ہاں انھیں انسانوں میں سے وہ جس کو چاہتا ہے ان ظلمات سے نورانی عالم میں لاتا اور اس سے بواسطۂ ملائکہ یا بلا واسطہ ہزاروں نورانی پردوں کے اندر سے کلام کرتا ہے۔ دنیاوی معاملات میں کیا ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ مجھے حکیم کی کیا ضرورت، ہر ایک کیوں نہیں حکیم ہوجاتا یا بادشاہ اور حکمران کی کیا ضرورت ؟ ہر شخص بادشاہ یا حکمران کیوں نہیں بن جاتا۔ یہ نادانی اور جہل ہے۔ پہلے جاہل بھی انبیاءؑ کے مقابلہ میں ایسی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان کے اور اُن کے دل جہل میں یکساں ہیں۔ دوسرے اعتراض کا جواب دیتا ہے، قد بینا الآیات کہ ایک نشانی نہیں ہم بہت سی نشانیاں بیان کرچکے ہیں۔ مگر کس کے لئے لقوم یوقنون یقین کرنے والوں کے لئے۔ جن میں قضا و قدر نے یقین کا مادہ ہی نہیں رکھا اُن کے روبرو ہزاروں معجزات دکھاؤ، سینکڑوں نشانِ قدرت رات دن اُن کے سامنے پیش آئیں اور آتے ہیں مگر ان کو ان سے کوئی بھی نفع نہیں۔ بہرے کے سامنے ہزاروں نغماتِ دلکش گائے جائیں مگر اس کو کیا۔

## ف

لفظ آیت سے اس مقام پر آیتِ قرآنی مراد نہیں۔ کس لئے کہ ایک آیتِ قرآنی کیا بہت سی ان کے پاس آچکی تھیں پھر کسی ایک آیت کی کیا درخواست کیا کرتے۔ بلکہ آیت سے نشانِ قدرت یعنی معجزات وغیرہا مراد ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرات انبیاءؑ کی روحانی طاقت سے اس قسم کے سینکڑوں حیرت خیز کام ظہور میں آئے جن کا فلسفہ انکار کرتا ہے۔ یہ اس لئے کہ ہنوز فلسفہ کی تکمیل نہیں ہوئی ہے۔ وجدانی خوارق و معجزات تو ایسے روحانی بزرگوں سے سینکڑوں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ دل کی کشش، قلبی لذت جس کا انکار نہیں ہوسکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ تھی اور اب بھی ہے، جس کے مقابلہ میں لوگوں نے جان و مال فدا کردی، شہوات لذّات ترک کردیئے۔ مگر اس کا احساس تو قوم یوقنون ہی کو تھا اور اب ہے۔

اس کے بعد ان کے شبہات کو لاشے بنا کر ارشاد ہوتا ہے، انا ارسلناک بالحق بشیراً و نذیراً، کہ خود ہم نے، نہ کسی اور نے آپ کو دینِ حق دے کر بھیجا ہے تاکہ ماننے والوں کو بشارت دے اور منکروں کو آنے والی مصیبت سے خوف دلائے۔ اور اے نبیؐ! اگر کسی بدبخت بدنصیب نے تمھاری بات کو نہ مانا تو آپؐ کے فرضِ منصبی میں کوئی قصور نہیں۔ آپؐ سے ان جہنمیوں کی بابت کوئی پرسش نہ ہوگی ؛

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی

اور یہود آپ سے ہرگز خوش نہ ہوں گے اور نہ نصاریٰ ہی راضی ہوں گے

حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَی

تاوقتیکہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہوں گے، کہدو ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت

اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ

ہے، اور اگر آپ اس کے بعد بھی کہ

اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ

آپ کے پاس علم آچکا ہے ان کی خواہشوں پر چلے

الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ

تو آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں نہ کوئی حمایتی ہوگا

لَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

نہ مددگار ۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (قرآن)

یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ

وہ تو اس کو جیسا کہ اسکے پڑھنے کا حق ہے ویسا ہی پڑھتے ہیں۔ وہی اس پر ایمان بھی

بِهٖ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

رکھتے ہیں، اور جو اس کے منکر ہیں سو وہی نقصان

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

پانے والے ہیں۔

## ترکیب

ولن ترضیٰ فعل عنک اس کے متعلق الیہود والنصاریٰ فاعل حتےٰ تتبع فعل انت فاعل ملتہم مفعول جملہ غایتہ قل فعل انت فاعل ان ہدی اللہ اسم ان ہو ضمیر فصل الہدےٰ خبر جملہ مقولہ ولئن میں لام تاکید ان شرطیہ اتبعت الخ شرط مالک الخ جواب شرط الذین موصول آتینٰہم الکتاب جملہ خبریہ صلہ یتلونہٗ حق تلاوتہٖ حال مقدرہ ہم سے یا کتاب سے حق منصوب بوجہ مفعول مطلق ہونے کے تقدیرہٗ یتلونہ تلاوۃ حقا۔ اولٰئک مبتدا یؤمنون بہ جملہ خبریہ مجموعہ خبر الذین ومن شرطیہ یکفربہ جملہ شرط فاولئک ہم الخاسرون جواب شرط۔

## تفسیر

اس جگہ خدا تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتلاتا ہے کہ گو یہ دین حق ہے اور اس کی اندرونی و بیرونی خوبیاں اس کی حقانیت کی روشن دلیلیں ہیں جن سے دل میں مخالف بھی قائل ہیں اگر اور تعصب سے یہود و نصاریٰ آپ سے اس وقت تک کہ آپ خود ان کی جہالت و ضلالت کے جس کو انھوں نے مذہب و ملت بنا رکھا ہے تابع نہ ہوجائیں گے، دین حق ماننا تو درکنار آپ سے خوش بھی نہ ہوں گے آپ ان ازلی بے نصیبوں سے کوئی طمع ہدایت پر آنے کی نہ رکھیں اور اُن کی ملمع کاریوں کو ہدایت نہ سمجھیں کس لئے کہ ہدایت تو وہی ہے جو منجانب اللہ ہے نہ کہ اُن کے تراشیدہ خیالات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے مشائخ و علماء نے پیدا کئے ہیں۔ آپ ہرگز ان کی خواہشوں پر نہ چلیں آپ

۱۴ ع ۹ ۱۴ سے یہود درخواستیں کیا کرتے تھے کہ اگر آپ فلاں امر میں ہمارا کہنا مان لیں تو ہمارا آپ کا اختلاف جاتا رہے۔ کبھی تحویل قبلہ کی درخواست ہوتی تھی، کبھی جانوروں کی حلت و حرمت میں اتفاق چاہتے تھے، کبھی اور احکام میں تبدل و تغیر کی درخواست کرتے تھے۔ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو گمراہوں کی ہدایت پر آنے کی از حد حرص تھی ممکن تھا کہ آپ مصلحت وقت کا لحاظ کر کے جزئیات احکام میں ان کا کہنا مان لیتے کہ وہ اصول مذہب میں آپ کی پیروی کرتے مگر اس بات سے بھی خدا تعالیٰ نے بہت مؤکد پیرایہ میں آپ کو منع کر دیا کہ آپ ہرگز ایسا نہ کریں کیونکہ آپ کے پاس علم آچکا، حقائق الامور منکشف ہوگئے، اگر ایسا کرو گے تو تم پر سے سایۂ فضل الٰہی اٹھ جائے گا۔ وہی زہر تم میں بھی سرایت کر جائے گا پھر تمہارے لئے جو ولایت اور حمایت الٰہی غیب سے مقرر ہو چکی ہے باقی نہ رہے گی۔ حقیقت میں بدبخت

قوموں کے ساتھ اختلاط اور ان کی رسوم میں شرکت زوالِ برکات اور عتابِ الٰہی کا سبب ہوتی ہے۔ اسی لئے سیدنا عمر رضؓ نے جب کہ لشکرِ اسلام ممالکِ عجم پر غالب آیا ایک نامہ لکھا جس میں مفتوح قوموں سے اختلاط کرنے اور اپنے عربی خواص چھوڑنے سے سخت ممانعت کی۔ جب تک مسلمانوں میں یہ بات رہی فتح و نصرت، ہیبت و شوکت، اقبال و دولت بھی ان کے قدموں کے ساتھ لگی رہی اور جب سے یہ بات باقی نہ رہی ان کا اقبال بلکہ مذہب بھی دیگر قوموں کے ساتھ پامال ہو گیا۔ اس کے بعد اہلِ کتاب کی طرف روئے سخن متوجہ کر کے فرمایا جاتا ہے کہ جو اپنے آپ کو اہلِ کتاب کہتے ہیں اور تفاخر کرتے ہیں، یعنی موجودہ یہود و نصاریٰ، وہ کیا اہلِ کتاب ہیں ان کا نہ اپنی کتاب پر ایمان ہے نہ اس کو پڑھتے ہیں پس پشت ڈال رکھا ہے اگر اپنی کتاب کو پڑھتے ہوتے اور اس پر ایمان رکھتے تو نبیٔ آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور ان کی ہدایت قبول کرتے جیسا کہ عبداللہ بن سلامؓ اور نجاشیؓ وغیرہا با انصاف یہود و نصاریٰ نے کیا کیونکہ ان کی کتابوں میں بہت سی بشارات نبیٔ آخر الزمان علیہ السلام کی بابت موجود ہیں گویا یہ اہلِ کتاب نہیں اگر ہوتے تو اس کو حقِ تلاوت اس طرح پڑھتے معانی میں غور کرتے اس پر عمل کرتے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یکفر بہ کی ضمیریں الکتاب کی طرف پھرتی ہیں، جس سے مراد قرآن مجید ہے۔ اب آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جن کو ہم نے کتاب یعنی قرآن دیا ہے (یعنی مومن) وہی اس کو خوب پڑھتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ سعادت انہی کو نصیب ہے، اور جو اس کے منکر ہیں، جیسا کہ یہود و نصاریٰ وہ زیان کار دنیا و آخرت میں بے نصیب ہیں۔ گویا اہلِ کتاب کے خطاب کے مسلمان مستحق ہیں نہ کہ وہ۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ الکتب سے مراد توریت وغیرہا ہی ہیں۔ مگر یؤمنون بہ کی ضمیر بطور صفت استخدام قرآن کی طرف پھرتی ہے کیونکہ اس پر بھی شروع الٓمٓ میں کتاب کا اطلاق ہوا ہے یعنی اصلی اور سچے اہلِ کتاب قرآن پر ایمان لاتے ہیں اس کے مطالبِ عالیہ کو موافق پا کر، مگر بدبخت نام کے اہلِ کتاب رہبان اور قسیسوں کے بندے، وہ منکر ہیں اس لئے زیان کار ہیں، واللہ اعلم بمرادہ۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ

اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو تو یاد کرو کہ جو میں نے

اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى

تم کو دی تھی　اور یہ بھی کہ میں نے تم کو جہان پر

الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٢﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ

فضیلت دی تھی۔　اور اس دن سے ڈرو کہ جس دن کوئی

نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا

بھی کسی کے کچھ کام نہ آئے گا　اور نہ اس کی طرف سے

عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ

بدلہ قبول ہوگا　اور نہ سفارش فائدہ دے گی اور نہ ان کو

يُنْصَرُوْنَ ﴿١٢٣﴾

مدد کی جائے گی۔

## ترکیب

یا حرف ندا بنی مضاف اصل میں بنین جمع ابن بمعنی پسر تھا نؔ اضافت سے ساقط ہو گیا اسرائیل مضاف الیہ مجموعہ منادی اذکروا فعل امر حاضر معروف ضمیر انتم فاعل نعمتی موصوف التی موصول انعمت علیکم جملہ صلہ عائد محذوف مجموعہ معطوف علیہ وانی فضلتکم علی العالمین جملہ معطوف پھر سب مل کر مفعول ہوا اذکروا کا اذکروا اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ ندائیہ ہوا۔ واتقوا الخ اس کی ترکیب بیان ہو چکی وہاں دیکھ لو۔

## تفسیر

اس سورۃ میں خداتعالیٰ نے جب بنی اسرائیل سے کلام شروع کیا تھا تو وہاں بھی یہی فرمایا تھا کہ یابنی اسرائیل اذکروا النعمۃ الآیہ۔ اور پھر جب ان کی نصیحت اور ان کے مکائد پر فضیحت سے فراغت پائی تو پھر کلام کو تمام کرتے وقت بھی یہی فرمایا کہ اے بنی اسرائیل تم احسانات کو یاد کرو کہ میں نے تمہارے ساتھ مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں کیا کیا احسان کئے۔ یہاں تک کہ تمہارے خاندان کو ایک وقت میں دنیا کے تمام خاندانوں سے افضل اور اشرف کر دیا تھا۔ اور تم نے پھر جس قدر نافرمانیاں کیں ان کے برے نتائج دنیا میں بھگتے۔ اب اگر تم اپنی نافرمانی اور سرکشی سے باز نہیں آتے تو یہ بھی یاد رہے کہ میں جس طرح کریم و رحیم غصہ کا دھیما ہوں اسی طرح قہار و جبار بھی ہوں۔ پھر تم روز قیامت سے ڈرتے رہو کہ جہاں نہ کسی کی سفارش کام آتی ہے نہ کچھ معاوضہ لیا جاتا ہے نہ کوئی مددگار مدد کر کے چھڑا سکتا ہے۔ یہ کمال بلاغت ہے کہ اول میں موردِ نزاع کو قائم کر کے اس پر بہت کچھ دلائل لائے جائیں اور پھر نتیجہ میں وہی دعوے ذکر کیا جائے اور نیز نصیحت قبول کرنے کے حق میں یہ بات کہ منافع اور رحمت سے امید دلائی جائے اور پھر انجام کا خوف بھی دلایا جائے اکسیر کا اثر رکھتی ہے۔

## اس کے بعد

خداتعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کسی قدر حالات بیان فرماتا ہے کہ جن کی نسل سے ہونے پر یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کو بڑا ناز تھا کہ خود ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کی کیفیت معلوم ہو جاوے اور انہیں کے بیان سے نبی آخرالزمان ﷺ کا برحق ہونا ثابت ہو جاوے۔ اور خود ان کا ابراہیم علیہ السلام کے عہدۂ نبوت سے محروم ہونا معلوم ہو جاوے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ

اور (یاد کرو) جب کہ ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو اس نے

فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ

ان کو پورا کر دیا (خدا نے) کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا کیا چاہتا ہوں

اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ

(وہ) بولے اور میری اولاد میں سے بھی (خدا نے) فرمایا میرا

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (۱۲۴)

اقرار ظالموں تک نہیں پہنچتا

## ترکیب

واذ محل نصب میں ہے اذکر محذوف سے ابتلیٰ فعل ابراہیم مفعول ربہ فاعل بکلمات متعلق ہے ابتلیٰ کے فاتمہن فعل ضمیر ہو راجع ابراہیم کی طرف فاعل ہن مفعول راجع کلمات کی طرف قال فعل ضمیر ہو راجع رب کی طرف فاعل انی الخ جملہ مقولہ انی میں ی اسم ان جاعلک الخ جملہ خبر ک مفعول اول جاعل کا اماماً مفعول ثانی للناس متعلق جاعل کے یہ تمام جملہ ابتلیٰ کا بیان ہے یا جملہ مستانفہ ہے ومن ذریتی اس کا عطف کاف ہے ای وبعض ذریتی کما تقول و زیداً فی جواب ساکرمک اے واجعل فریقاً من ذریتی اما لاینال فعل عہدی فاعل الظالمین مفعول سب جملہ مقولہ ہوا قال کا جو جواب ہے سوال ابراہیم کا۔

## تفسیر

کیونکہ تمام عرب کے لوگ اور یہود و نصاریٰ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے (بلکہ اب بھی مانتے ہیں)۔ ہر فریق کو اس بات پر بڑا غرور تھا کہ ہم ابراہیم کی نسل ہیں

اوران کے طریقے کے پیرو۔ خدا تعالیٰ نے اُن کے لئے اور اُن کی اولاد کے لئے برکت کا وعدہ کرلیا ہے سو وہ ہم کو ہر حال میں کافی ہے۔ خدا تعالیٰ اُس کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم ابراہیمؑ کے طریق پر نہیں وہ ہمارا نہایت فرمانبردار بندہ تھا۔ ہم نے اُس کو کئی باتوں میں آزمایا وہ سچے نکلے۔ بیٹے کی قربانی کا حکم دیا وہ ہمہ تن آمادہ ہوگئے۔ اور ستارہ پرستوں کی محبت اور برادری بلکہ وطن چھوڑنے کو کہا انھوں نے ویسا ہی کیا سب کو چھوڑ کر ملکِ شام میں آرہے۔ ریگستانِ عرب میں خدا تعالیٰ کے لئے عبادت خانہ بنانے اوراس کی محافظت کے لئے اپنی اولاد بسانے کو کہا اُس نے اپنے پیارے بیٹے اسمٰعیل علیہ السّلام کو وہاں پر بسایا اور خانہ کعبہ بنایا۔ نمرود نے آگ میں ڈالا ایمان پر قائم رہ کراُس میں گرنا منظور کیا۔ یہ تھیں وہ باتیں کہ جن میں خدا تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السّلام کی آزمائش کی تھی۔ حسنؒ کہتے ہیں کہ وہ باتیں توحید پر قائم رہنا، نماز و زکوٰۃ و طہارتِ ظاہرہ و باطنیہ و ختنہ وغیرہ دس باتیں تھیں۔ اس کے بدلہ میں ہم نے اُن سے کہا کہ ہم تم کو عالم کا پیشوا یعنی نبی بنانا چاہتے ہیں اُس نے کہا الٰہی! میری اولاد میں سے بھی انبیاءؑ اور بابرکت لوگ پیدا کیجیو تاکہ تیری خدمت گزاری اور فرمانبرداری ہمیشہ میرے خاندان میں رہے۔ کہا البتہ ایک گروہ تیری اولاد میں ایسا ہوگا جو بدکار ہوں گے، اُن کے لئے میرا اقرار نہیں۔ اُن کو یہ برکت نصیب نہ ہوگی۔ پس اے بنی اسرائیل اور اے عرب کے مشرکو! تم کو لازم ہے کہ اپنے مسلّم الثبوت بزرگ کی پیروی کرو۔ خدا تعالیٰ کی اور اُس کے نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بجالاؤ جس کے لئے خود ابراہیم علیہ السّلام نے دُعا کی ومن ذریتی۔ اگر تم دل سے دینِ ابراہیمی کے مطیع ہو تو تم کو لازم ہے کہ اس نبیِّ ابراہیمی کا اتباع کرو۔ اور اے اہلِ کتاب! تم اس بات کا خیال نہ کرو کہ نبی ہمارے خاندان سے کیوں نہیں۔ کس لئے کہ ابراہیمؑ نے صرف اپنے بیٹے اسحٰقؑ ہی کے خاندان کے لئے برکت نہ چاہی تھی بلکہ اسمٰعیلؑ کے لئے بھی۔ چنانچہ سفر پیدائش کے سترہویں باب میں ہے، اور اسمٰعیلؑ کے حق میں میں نے تیری سُنی دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اُسے آبرو مند کروں گا اور میں اُسے بڑی قوم بناؤں گا۔ اگر تم اطاعت نہ کرو گے تو تم کو ابراہیمؑ کی برکت سے کچھ حصّہ نہ ملے گا۔

## فوائد

(۱) بکلمات کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ قوی وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ مگر کلمات سے عجائب صنعِ باری اس جگہ مراد لینا خلافِ عقل و نقل ہے (۲) امام کے معنے پیشوا کے ہیں جس کا فردِ کامل نبی ہے، اور خلیفہ اور قاضی اور جماعت کے امام پر بھی صادق آتا ہے مگر یہاں مراد نبی ہے توراۃ سفر پیدائش کے بارہویں باب میں بھی اس کا ذکر ہے، اور خداوند تعالےٰ نے ابرام کو کہا تھا کہ تُو اپنے ملک اور اپنے قرابتیوں کے درمیان سے اور اپنے باپ کے گھر سے اُس ملک میں جو میں تجھے دکھاؤں گا نکل چل اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا اور تُو ایک بابرکت ہوگا اوران کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا اور اُس کو جو تجھ پر لعنت کرتے ہیں لعنتی کروں گا اور دنیا کے سب گھرانے تجھ سے برکت پاویں گے۔" بلاشک یہود اور عیسائی اور مسلمان اور مجوس حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو پیشوا جانتے ہیں۔ (۳) ذرّیت بمعنی نسل بوزن فعّلہ ذر بمعنے خلق سے مشتق ہے اور ممکن ہے کہ ذرّ بمعنے تفریق سے مشتق ہو کیونکہ انسان کی نسل مخلوق ہے اور پھیلتی بھی ہے (۴) لاینال عہدی الظالمین سے انبیاء علیہم السّلام کا فسق و فجور سے بری ہونا ثابت ہوتا ہے دو وجہ سے **وجہ اوّل** یہ کہ عہد سے مراد امامت ہے اور ہر نبی امام ہے اور امام

فاسق نہیں ہوتا جیسا کہ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ پس نبی بھی فاسق نہ ہوگا۔ **وجہ دوم** اگر عہد سے مراد نبوت ہے تو کوئی ظالم یا فاسق نبی نہ ہونا چاہیے اور اگر امامت ہے تو ہر نبی امام ہے اور امامت فاسق کو پہنچتی نہیں۔ رہی یہ بات کہ فاسق کیوں ظالم ہے سو اس کا ثبوت یہ ہے کہ ظلم وضع الشیٔ فی غیر محلہ یعنی بیجا کرنا سو وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے کہ جو گناہوں کی وجہ سے اس کو سعادتِ اخروی سے محروم رکھتا ہے اس بیجا حرکت سے وہ ظالم ہے۔ خلاصہ یہ کہ کچھ حقوق العبادہی میں تعدی کرنے کا نام ظلم نہیں بلکہ حقوقِ الٰہی میں تعدی کرنا بھی ظلم ہے اس جگہ یہ **شبہ** پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ نہیں تو پھر انبیاء علیہم السلام نے کیوں اپنے آپ کو ظالم کہا جیسا کہ حضرت یونسؑ نے کہا انی کنت من الظالمین اور حضرت آدمؑ کہتے ہیں ربنا ظلمنا انفسنا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس ظلم سے مراد وہ معصیت ہے کہ جو منافی عصمتِ انبیاءؑ ہے اور کبھی اچھے لوگ ذرا سی لغزش اور بھول چوک کو بھی عاجزی اور استغفار کے موقع میں ظلم سے تعبیر کرتے ہیں اس مقام پر انبیاءؑ اس زلت کو ظلم کہہ رہے ہیں یہ وہ ظلم نہیں کہ جو منافی عصمت ہو۔ **شیعہ** اس آیت سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی امامت یا خلافت کا ابطال اس طرح پر کیا کرتے ہیں کہ بقولِ اہلِ سنت بھی یہ لوگ معصوم نہ تھے پس فاسق ہوئے اور فاسق کے لئے امامت پہنچتی نہیں۔ اس کا **جواب** یہ ہے کہ عصمت شرط ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ فاسق یا ظالم ہو صدہا مؤمن صالح ہیں کہ جو فاسق اور ظالم نہیں حالانکہ ان کے معصوم ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اسی طرح یہ بزرگوار تھے اور جن روایتوں میں ان کی نسبت معصیت مذکور ہے وہ سب غلط اور متعصب لوگوں کی بندش ہیں۔ ایسے بے بنیاد شبہ پر شیعہ نے حضرت امام حسینؓ کی اولاد میں سے بعض لوگوں کو معصوم مان کر نبوت بلکہ خدائی کے درجہ پر پہنچا دیا ہے جس پر محققینِ شیعہ سخت تاسف کرتے ہیں۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ

اور جب کہ ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کے لئے مرجع اور امن کی جگہ بنایا

اَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ

اور (حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ

مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ

بناؤ۔ اور ہم نے ابراہیمؑ اور

اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ

اسمٰعیلؑ سے عہد لیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور

وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھیں۔

## ترکیب

واذ معمول ہے عامل محذوف کا البیت مفعولِ اوّل جعلنا کا مثابۃ مفعول ثانی و امنا اس پر معطوف اتخذوا امر حاضر معروف انتم فاعل من بمعنی فی و یجوز ان یکون للتبعیض و یجوز ان یکون زائدۃ مصلے ظرف مفعول ہے اتخذوا کا و عہدنا فعل با فاعل الیٰ ابراہیم و اسمٰعیل متعلق ہے عہدنا سے ان طہرا الخ میں ان مفسرہ ہے بمعنی ای اس تقدیر پر یہ عہدنا کی تفسیر ہے اور ممکن ہے کہ مصدریہ ہو اے بان رکع راکع کی جمع اور السجود ساجد کی۔

## تفسیر

پہلی آیت میں اس بات کا ذکر تھا کہ ہم نے ابراہیمؑ کو کئی باتوں میں آزمایا تو پورا پایا چونکہ اور باتوں کو اہلِ کتاب بھی تسلیم کرتے تھے مگر منجملہ ان کے ایک بڑی بھاری بات کعبہ کی تعمیر اور اس کا حج مقرر کرنا تھا اس کے اہلِ کتاب

منکر تھے اور حج کو ایک لغو حرکت جانتے تھے کہ یہ صرف عرب کے جاہلوں کا طریقہ ہے حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ نہیں اور نہ اس کعبہ کو ابراہیمؑ نے بنایا ہے نہ حاجیوں اور طواف کرنے والوں کے لئے مقرر کیا ہے سو اس کو جہت عبادت اور قبلہ بنانا بھی رسم مشرکین ہے محمدؐ مشرکین کی رسم کو حُبِّ ملک اور حُبِّ قوم سے نباہ رہے ہیں اور اس لئے دل سے چاہ رہے ہیں **پس** ان آیات میں خدا تعالیٰ ان کے اس خیالِ باطل کو رد کرتا ہے کہ خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے ثواب حاصل ہونے کی جگہ اور مرجع اور امن کی جگہ ہم ہی نے بنایا ہے ہم حکم دیتے ہیں کہ سب لوگ مقامِ ابراہیم کو مصلےٰ بنائیں یعنی وہاں نماز پڑھیں اور ہم ہی نے ابراہیمؑ اور اس کے پہلوٹھے بیٹے اسمٰعیلؑ کو بڑی تاکید سے یہ کہا تھا کہ تم میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور نمازیوں کے لئے پاک اور صاف رکھیو۔ یعنی یہ بھی منجملہ اُن باتوں کے ہے کہ جن میں ابراہیم آزمائے گئے تھے اس میں مشرکین عرب پر بھی تعریض ہے کہ تم باوجودے کہ ملّتِ ابراہیمی کی پابندی کا دعوےٰ کرتے ہو اور خانہ کعبہ کی تعظیم بھی کرتے ہو مگر تم ملّتِ ابراہیمی کے برخلاف ہو کس لئے کہ ہم نے جو اس گھر کے بنانے کا حکم دیا تھا تو نماز و طواف و اعتکاف و عبادتِ الٰہی کے لئے حکم دیا تھا نہ یہ کہ اس میں بُت رکھ کر اُن کی پرستش کی جائے اور تعظیم میں بھی تم پورے نہیں کیونکہ یہ جگہ جائے امن ہے تم مسلمانوں کو یہاں امن سے آنے نہیں دیتے اور نیز پاک رکھنے کا حکم دیا تھا تم نے بُت رکھ کر ناپاک بنا رکھا ہے اس مقام پر چند تحقیقات قابل غور ہیں (**تحقیق اوّل**) مثابۃً ثاب یثوب مثابۃ سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع کرنا یا رجوع کی جگہ عرب بولتے ہیں ثاب الماء جب کہ وہ پھر نہر میں آکر مجتمع ہو جائے اور اسی سے **ثواب** ہے یعنی نیکی کرنے والے کی نیکی لوٹ کر آتی ہے کیونکہ وہ اس کا اجر پاتا ہے اس مقام پر مثابۃً ظرف ہے تا زائدہ ہے جیسا کہ مقامۃ و مقامۃ میں۔ یہ قول فرّاء اور زجاج کا ہے اور قفال کہتا ہے کہ تا مبالغہ کے لئے ہے جیسا کہ نسابۃ اور علامۃ میں۔ مثابۃ کے معنے مرجع کے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے دل میں خانہ کعبہ کا شوق جذبِ مقناطیسی کی طرح ڈال دیا ہے اس لئے لاکھوں آدمی دُور دراز سے وہاں آتے ہیں۔ اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا اثر ہے فاجعل افئدۃ الناس تہوی الیہم مگر یہاں آکر ثواب آخرت نصیب ہوتا ہے اس لئے اس لفظ کے معنے ثواب پانے کی جگہ کے ہیں۔ البیت سے مراد خانہ کعبہ ہے (۲) واتخذوا کو نافعؒ اور ابن عامرؒ نے بفتح خا بلفظِ ماضی پڑھا ہے اس کا عطف جعلنا پر قرار دیا ہے یعنے لوگوں نے مقامِ ابراہیمؑ کو مصلےٰ بنایا اور جمہور بلفظِ امر پڑھتے ہیں مقام ظرف کا صیغہ ہے یعنی کھڑے ہونے کی جگہ۔ مقامِ ابراہیم بقولِ ابن عباسؓ وہ پتھر ہے کہ جس پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں چُنتے تھے اور جوں جوں دیواریں بلند ہوتی جاتی تھیں وہ پتھر بھی بلند ہوتا جاتا تھا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نیچے سے پتھر اور گارا دیتے اور یہ دُعا کرتے جاتے تھے ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم (تفسیر کبیر) اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کا نشان بھی تھا جو لوگوں کے کثرت سے ہاتھ پھیرنے سے اب بخوبی معلوم نہیں ہوتا۔ بیہقی نے اپنی سُنن میں روایت کیا ہے کہ یہ پتھر جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں کعبہ سے متصل تھا حضرت عمرؓ کے عہد میں جو سیلاب آیا کہ جس کو امّ نہشل کہتے ہیں یہ پتھر بہہ گیا اور حضرت عمرؓ نے اس کو منگا کر کعبہ کے پاس ایک جگہ رکھ دیا اور اس کے ارد گرد پتھروں کی دیوار چُن دی چنانچہ اب تک وہ پتھر وہیں ہے اور اُس کے گرداگرد جالیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس تقدیر پر آیت کے یہ معنی ہیں کہ اس پتھر کو

نماز کی جگہ بناؤ۔ اس لئے امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ وغیرہما علماء یہ فرماتے ہیں کہ طواف کعبہ کے بعد دو رکعت نماز اس پتھر کے سامنے پڑھنی چاہئیں کہ یہ بمنزلہ امام کے آگے ہو اور جو اژدحام ہو تو اس کے متصل پڑھ لے چنانچہ صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کا طواف کرکے مقام ابراہیم کی طرف قصد کیا اور اس کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھ کر یہ آیت پڑھی واتخذوا من مقام ابراہیم مصلے۔ اور کتب صحاح ستہ میں یہ بھی ہے کہ اس امر پر حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کی تھی سو یہ آیت نازل ہوئی چونکہ یہ پتھر متبرک ہے اس لئے ایسے مقامات پر یا اس کے متصل عبادت الٰہی کرنا باعث قبولیت ہے یہ دو رکعت امام اعظمؒ کے نزدیک واجب ہیں اور امام شافعیؒ سنت یا فرض کہتے ہیں مگر استحباب مؤکد میں سب کا اجماع ہے (تفسیر عزیزی) مجاہد وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ مقام ابراہیم سے مراد کل حرم ہے اور مصلے بنانے سے مراد دعا کرنا ہے کچھ اس پتھر کی خصوصیت نہیں (٣) یہ جگہ خدا تعالےٰ کی تجلیات اور برکات کا مظہر ہے ایسے مقامات کی محبت اور عظمت اسی کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں پڑجاتی ہے۔ علاوہ اس کے کبھی غیرت الٰہی ایسے مقامات مقدسہ کی گستاخی کرنے والے کو سزا بھی دیدیتی ہے کہ جس سے لوگوں کے دلوں میں ہیبت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے عہد سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک بلکہ اب تک لوگوں نے بارہا ان باتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ اساف اور نائلہ دو مرد و عورت تھے انہوں نے اس جگہ حرکت بیجا کی اس کی شامت سے پتھر ہوگئے۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں ان کی صورت مسخ شدہ کعبہ کے دروازہ پر عبرت کے لئے کھڑی کر رکھی تھی۔ اسی طرح ابرہہ ہاتھی لے کر کعبہ کو گرانے آیا مع لشکر ہلاک ہوا۔ ان وجوہ سے عرب مشرکین بھی اس گھر کی نہایت تعظیم کرتے تھے اور ایام حج میں کوئی کسی کو مارتا کوٹتا نہ تھا بلکہ شہر مکہ کی بھی عزت و حرمت کرتے تھے اس لئے اس جگہ کو خدا تعالےٰ نے امن کی جگہ فرمایا اور مثابۃ کے بعد امنا کا لفظ آیا۔ کیونکہ جو زیارت گاہ ہے تو وہاں امن بھی ضرور ہے (٤) اگرچہ دنیا کے سب گھر خدا تعالےٰ کی ملک ہیں اور وہ گھر اور مکان سے پاک ہے مگر اس وجہ سے کہ یہ گھر خاص اس کی عبادت کے لئے بنایا گیا اور اس کے حکم سے اس کا دربار اور محل تجلیات قرار پایا تو اپنی طرف مضاف کرکے بیتی یعنے میرا گھر فرمایا۔

**واضح** ہو کہ خدا تعالیٰ نے انسان میں دو قوتیں ودیعت رکھی ہیں ایک عقل دوسرے شوق و محبت۔ یہ دونوں قوتیں اس کے لئے بمنزلہ دو پاؤں کے ہیں جو اس کو منزل مقصود تک پہنچاتی ہیں۔ نہ تنہا عقل کافی ہے نہ تنہا شوق۔ طریق انبیاءؑ اور طریق حکماء میں یہی فرق تو ہے کہ حکماء صرف عقل کے پابند ہیں انبیاءؑ عقل کے ساتھ شوق سے بھی کام لیتے ہیں۔ جو منازل عقل سے سالہا سال میں طے نہیں ہوتے ان کو شوق یا عشق دم بھر میں طے کرا دیتا ہے۔ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مذہب میں جس قدر عقل کو معتبر رکھا ہے (اس لئے کوئی حکم شرعی خلاف عقل نہیں بخلاف اور ادیان کے) اسی طرح عشق پر بھی مدار رکھا ہے اگر آپ بغور دیکھیں گے تو ہر عبادت اسلامیہ کو دونوں جزوں سے مرکب پائیں گے۔ نماز میں اس کی ثنا و صفت سوال استعانت عقل کے متعلق ہیں اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا دست بستہ کھڑا ہونا شوق کے متعلق ہے۔ اسی طرح حج میں اس کی ثناء وصفت و استغفار عقل کے متعلق ہے عاشقانہ ہیئت بنا کر جس کو احرام کہتے ہیں اسکے گھر کے ارد گرد قربان ہونا منیٰ اور عرفات وغیرہا مقامات میں بآواز بلند لبیک پکارنا سب حضرت عشق کا جلوہ ہے۔ مگر کلام اس میں ہے کہ اس مکان کو حج و جہت نماز کے لئے

کیوں مخصوص کیا سو اس کی چند وجوہ ہیں (وجہ اوّل) یہ ہے کہ یہ مسجد اُن بزرگوں کے ہاتھ سے خدا تعالےٰ نے تعمیر کرائی ہے جو تمام بنی آدم اور کل موحّدین کے پیشوا ہیں یعنی حضرت آدم ؑ اور حضرت ابراہیم ؑ۔ پس جو یہاں آ سکے اس کو ضرور ہے کہ اگر خدا تعالےٰ کی عبادت اور اس سے دُعاء و استغفار کرے کیونکہ ایسے معابد کا مشاہدہ اُن بزرگوں کے وقائع گزشتہ کی یادگاری کے لئے بڑا بھاری وسیلہ ہے اور اُن واقعات کا دل پر نقش حجر ہونا ان کی پیروی کرنے کا سبب ہے بالخصوص جب کہ ہزارہا آدمیوں کا مجمع ہو اور اگر وہاں نہیں آسکے تو حتے المقدور اس طرف مُنہ کر کے ہی عبادت کرے کیونکہ عبادت کے وقت اس طرف مُنہ کرنا بھی اُس معبد اور اُن بزرگوں کے خلوص کو یاد دلاتا ہے جس سے نفس کو عبادت کی طرف کامل توجہ ہوتی ہے (وجہ دوم) ہر جگہ کی ایک خاصیت ہوتی ہے دیکھئے جس جگہ خدا تعالےٰ کے نافرمانوں کا مجمع ہوتا ہے وہاں مدتوں تک قہر کے آثار نمایاں رہتے ہیں اور فرمانبرداروں کی جگہ میں آثارِ رحمت نمایاں رہتے ہیں۔ اسی لئے جنگِ تبوک میں جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ؓ کا اُن بستیوں کے پاس گزر ہوا کہ جن کو خدا تعالےٰ نے برباد کر دیا تھا تو فرمایا کہ یہاں سے جلدی نکل چلو۔ پس جس جگہ اس کے مقدس لوگوں نے اس پر جانِ فدا کی ہو اور وہاں اس کی تجلیات اور نزولِ برکات کا بھی ازحد ظہور ہو۔ چنانچہ توراۃ سفر استثنار کے ۳۳ باب میں یہ ہے "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا" اور فاران مکہ معظمہ کو کہتے ہیں جیسا کہ توراۃ سفر پیدائش کے اکیسویں باب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسبت یہ لکھا ہے "اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیر انداز ہو گیا اور وہ فاران کے بیابان میں رہا" اور یہ متفق علیہ ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام مکہ مکرمہ میں رہتے تھے (پس جب فاران مکہ ہے اور وہاں خداوند تعالیٰ جلوہ گر ہوا) تو خدا تعالیٰ کے طالبوں اور اس کے عاشق صادقوں پر لازم ہے کہ ایک بار تو ہیئت عاشقانہ بنا کر اس کے دربار میں باریاب ہوں اور جو وہاں نہ جا سکیں تو وہ اپنا شوق ظاہر کریں، اس تجلی گاہ کی طرف بوقتِ عبادت مُنہ کریں تاکہ انوار و برکات کا حصہ پا دیں۔ (وجہ سوم) کعبہ چونکہ اسلام کا مبدا ہے اور ملّتِ اسلامیہ کا حیزِ طبعی اور ہر چیز کا اپنے مبدا اور حیزِ طبعی کی طرف میلان طبعی امر ہے (ارضی چیزیں خود بخود اوپر سے نیچے آیا کرتی ہیں) پس اسلام کو ادھر رجوع کرنا ضروری ہوا۔ منجملہ اور دینیات کے حج اور نماز اسلام کے رُکن ظاہر ہیں، بخلاف روزہ اور کلمہ کہنے اور زکوٰۃ دینے کے۔ اور زیادہ تر ہر مذہب سے امتیاز انہیں دو باتوں سے ہوتا ہے اسی لئے ان دونوں چیزوں کا کعبہ کی طرف رجوع ہونا ضروری ہوا مگر چونکہ پانچ وقت نماز کعبہ کے پاس پڑھنا نہایت مشکل امر تھا اس لئے اس میں حتے المقدور اس کی طرف مُنہ کرنا ہی کافی سمجھا گیا۔ اور حج چونکہ عمر میں ایک بار ہوتا ہے تو یہ بغیر کعبہ کے جائز قرار نہ دیا گیا۔

**تحقیق پانچویں کعبہ کی تاریخ میں۔** بیہقی نے شعب الایمان میں اور ازرقی نے وہب بن منبہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم ؑ جنت سے زمین پر آئے تو وحشتِ تنہائی سے گھبرا کر عرض کی کہ یا رخدایا اس جگہ نہ کوئی مسقف مکان ہے نہ مل کر عبادت کرنے کا سامان سو وہاں سے حکم ہوا تو ہماری عبادت کے لئے ایک گھر بنا کہ یہ سب گھروں سے اوّل گھر ہو کس لئے کہ اس کے بعد تو تیری اولاد بہت سے مکانات بنائے گی۔ آدم ؑ نے عرض کیا کس جگہ؟ جبرئیل ؑ نے کعبہ کی جگہ بتائی۔ آدم ؑ نے پتھروں کی بنیاد زمین تک جمی۔ اس پر ایک خیمہ نورانی (جو ملأ اعلیٰ میں ملائکہ کا طواف گاہ ہے اور جس کو بیت المعمور کہتے ہیں) رکھا۔ پس آدم ؑ وہاں طواف کرتے اور اس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ طوفانِ نوح ؑ میں وہ سب مفقود

ہوگیا اور ایک سُرخ ٹیلہ سا بعد طوفان کے باقی رہا لیکن اچھے
لوگ وہاں آکر اکثر عبادت اور دعا کرتے تھے تو آثار قبولیت
پاتے تھے جب حضرت ابراہیمؑ عرب میں حضرت اسمٰعیلؑ
سے ملنے آئے تو انہوں نے اسی بنیاد پر بحکم الٰہی اس مکان
کو بنایا۔ اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ طوفانِ نوحؑ کے بعد جب
حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد پھیلی تو مسیحؑ سے تخمیناً
دو ہزار دو سو ۴۷ برس پیشتر شہر **بابل** اور اس کے برج
کی بنیاد ڈالی گئی یہ شہر ملک عراق میں دریائے دجلہ اور
فرات کے درمیان دوآب میں بلکہ بقول بعض فرات کے
کنارہ پر تھا اور اس کے قریب دریائے دجلہ کے کنارہ پر شہر
**نینوا** تھا جہاں حضرت یونسؑ پیدا ہوئے تھے اس شہر کو نینوس
بادشاہ نے آباد کیا تھا یہ بھی بابل کی طرح بڑا شہر تھا
۲۵ پچیس فرسخ کے دَور میں اس کی شہر پناہ تھی۔ اسی طرح
بابل تھا اس کی شہر پناہ تمیس گز چوڑی اور سو گز بلند
تھی۔ بخت نصر بھی اسی شہر کا بادشاہ تھا ان لوگوں کو
کلدانی اور کسدی بھی کہتے ہیں طوفان کے بعد یہیں سے
مختلف زبانیں پیدا ہوئی ہیں اور یہاں کے لوگوں میں بڑے
علوم و فنون تھے مگر اب یہ شہر بالکل اُجاڑ ہے سیاحوں کو
بجز ٹیلوں کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ آج کل یورپ کی
کمپنیوں نے باجازت حضرت سلطان کھود کر عجائب آثار
قدیمہ برآمد کئے ہیں جو یورپ کے عجائب خانوں میں رکھے
جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ تارخ کے بیٹے ہیں جن کو **آزر**
بھی کہتے ہیں اور آزر **ناحور** کے بیٹے ہیں اور ناحور **ساروغ**
کے جن کو سروج بھی کہتے ہیں اور سروج **رعو** کے بیٹے ہیں
اور رعو **فالغ** جن کو فلج بھی کہتے ہیں اور فلج **عابر** (عبر) کے
اور عابر **شالح** (سلح) کے اور شالح **ارفخشذ** (ارفکسد)
کے اور یہ سام کے بیٹے ہیں اور سام حضرت **نوحؑ** کے بیٹے
ہیں (توراۃ سفر پیدائش باب ۱۱) مگر صحیح یہ ہے کہ شالح
کا باپ قینان اور قینان کا باپ ارفخشذ ہے۔ ابراہیمؑ قصبہ　۱۳۱

اہواز میں پیدا ہوئے تھے جو عراق میں ہے بعض کہتے ہیں کہ خاص
بابل میں پیدا ہوئے تھے، والعلم عنداللہ۔ کلدانی لوگ عموماً
مذہب صابی رکھتے تھے بُت پرست تھے وہ لوگ آفتاب و
ماہتاب اور ستاروں کو بھی پوجتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ابتدائے
عمر سے ابراہیمؑ کو نورِ نبوّت سے منور کیا تھا انہوں نے بُت
پرستی اور ستارہ پرستی سے انکار کیا کہ یہ نہ کسی کو نفع دے
سکتے ہیں نہ نقصان، یہ قابل پرستش نہیں۔ اسی طرح ستارے
طلوع و غروب کرتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ متغیر اور
مخلوق ہیں نہ کہ خالق۔ اس امر میں بہت کچھ جھگڑے ہوتے
رہے۔ آخر الامر **نمرود** نے، جو شاہ **ضحاک** کی طرف سے
عراق کا حاکم تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مستقل بادشاہ تھا حضرت
ابراہیمؑ کو جلتی آگ میں ڈال دیا لیکن وہ فضلِ خدا سے صحیح
و سلامت آگ سے نکل آئے۔ پھر تو چند آدمی حضرت
ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے اور خدا تعالیٰ نے حضرت
ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ
حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بی بی سارہ اور اپنے بھتیجے
**لوط** بن حاران کو لے کر ملک فلسطین میں آئے اور حرّان میں
ٹھیرے پھر جب قحط پڑا تو وہاں سے مصر گئے۔ مصر کے بادشاہ
نے جو سارہ کے حُسن و جمال کا شہرہ سنا اُس کو اپنے پاس
بُلایا مگر جب قصد کیا تو خدا تعالیٰ نے اس کو شل کر دیا۔ آخر
اس نے سارہ کو مع ساز و سامان حضرت ابراہیم علیہ السلام
کے پاس بھیج دیا اور ان کے ساتھ اپنے خواصوں میں سے
ایک نوجوان عورت **ہاجرہ** بھی دی۔ ابراہیم علیہ السلام
وہاں سے لوٹ کر پھر ملک فلسطین میں آئے **حبرون** کے
پاس مقام کیا۔ سارہ کے اولاد نہ ہوتی تھی۔ اس نے ابراہیمؑ
سے کہا کہ تم ہاجرہ کے پاس جاؤ شاید اُس سے میرا گھر آباد
ہو۔ پس جب ہاجرہ حاملہ ہوئیں تو رشک سے سارہ نے
اُس پر سختی کی۔ ہاجرہ بھاگ کر اور جگہ چلی گئیں وہاں فرشتے
نے ظاہر ہو کر اس کو بشارت دی کہ غم نہ کر تو ایک بیٹا جنے گی

اس کا نام اسمٰعیل رکھنا۔ سو ہاجرہ نے اسمٰعیل کو جنا اور ابراہیم
کی عمر اس وقت چھیاسی [۸۶] برس کی تھی۔ پھر ننانوے برس کی
عمر میں ابراہیم علیہ السلام نے بحکم الٰہی اپنا اور اپنے تمام نوکروں
کا اور اسمٰعیل کا کہ اس وقت ان کی تیرہ [۱۳] برس کی عمر تھی
ختنہ کیا۔ اور سو برس کی عمر میں خود سارہ کے پیٹ سے بھی
ایک لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام اسحٰق رکھا۔ اور ان کے
دودھ بڑھنے کی شادی میں کسی بات پر خفا ہو کر سارہ نے
ابراہیم سے کہا کہ لونڈی اور اس کا بیٹا میرے بیٹے کے ساتھ
ہرگز وارث نہ ہوگا۔ اس کو اور اس کی ماں کو کسی جنگل میں
چھوڑ آ۔ مگر یہ بات ابراہیم علیہ السلام کو نہایت بری
معلوم ہوئی۔ خدا تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ تو اس
بات سے برا نہ مان۔ آخرالامر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو لے کر
منزل بمنزل اس جگہ پہنچے کہ جہاں اب کعبہ ہے جس جگہ اب
چاہِ زمزم ہے وہاں ایک درخت تھا وہاں ہاجرہ اور
اسمٰعیل کو بٹھا دیا اور ایک مشک پانی کی بھر کر اور کچھ کھجوریں
اور روٹیاں ان کے پاس رکھ کر چلے۔ مگر دل اس صدمہ سے چور
چور تھا مجبور آنکھوں میں آنسو اور دل میں آہ و نالے کر
واپس پھرے اور جب ان کی نظر سے غائب ہوگئے تو ایک
جگہ ٹھیر کر گریہ وزاری کے ساتھ خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی رَبَّنَا
اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ
بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ الخ کہ اے الٰہی! میں نے تیرے گھر کے پاس
کہ جہاں کھیتی نہیں اپنی اولاد کو آباد کیا تاکہ تیری عبادت
کریں پس تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر اور ان کو
ہر طرح کے سامان خور و نوش بہم پہنچا۔ اور اب جو کچھ
میرے دل کا حال ہے تجھ کو خوب معلوم ہے اس وقت وہاں
نہ آبادی تھی نہ پانی نہ کوئی سبزہ و ترکاری بلکہ خشک خشک
پہاڑوں میں چٹیل میدان تھا۔ حضرت ہاجرہ آسمان کی
طرف دیکھ کر کہتی تھیں کہ الٰہی اگر تیرے حکم سے میں اس بیابان
میں ڈالی گئی ہوں تو مجھ ضعیفہ اور بےکس کا تو ہی والی ہے

(روایاتِ صحیحہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل اس وقت
شیرخوار بچہ تھے) پس ابراہیم علیہ السلام تو چلے آئے ادھر
جب تک مشک میں پانی رہا تو یہ ہاجرہ اس کو پی کر اسمٰعیل
کو دودھ پلاتی رہیں۔ پس جب پانی ہو چکا اور پیاس کا
سخت غلبہ ہوا اور بچہ بھی پیاس کے مارے زمین پر مرغ
بسمل کی طرح تڑپنے لگا تو ہاجرہ بے قرار ہو کر پانی کی
تلاش میں اٹھیں اور قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی
کہ جس کو **صفا** کہتے ہیں اس پر پانی دیکھنے کو چڑھیں کہ
کہیں کوئی آدمی دکھائی دے تو اس سے پانی مانگیں۔
پہاڑی پر اس قدر چڑھیں کہ لڑکا نظر سے غائب نہ ہو۔
وہاں ادھر ادھر بہت کچھ دیکھا کچھ نظر نہ آیا۔ مایوس
ہو کر وہاں سے اتریں اور اس کے محاذی دوسری پہاڑی
**مروہ** کی طرف متوجہ ہوئیں اور راستہ میں یہ خیال آیا کہ
مبادا کوئی درندہ آ کر میرے بچے کو نہ لے جائے اس خیال سے
اس میدان کے نشیب میں کہ جس کو **بطن الوادی** کہتے ہیں،
جلدی جلدی دوڑنا شروع کیا اور دامن اٹھا کر تیزی سے
چلیں جب کہ نشیب سے کہ جو اس پہاڑی کے نیچے تھا نکل کر
ہموار جگہ پر آئیں تو دوڑنا موقوف کیا کس لئے کہ اس جگہ سے
لڑکا نظر آتا تھا۔ پس جب مروہ پہاڑی پر پہنچیں تو اسی
قدر بلندی پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا مگر کچھ نظر نہ
آیا۔ پھر صفا کی طرف متوجہ ہوئیں اور اسی نشیب میں پہلی
طرح دوڑ کر چلیں اسی طرح صفا سے مروہ تک سات بار اس
بیقراری کے ساتھ آمد و رفت کا اتفاق ہوا اس مقام پر حضرت
**ابن عباس** رضی کہتے ہیں کہ حج میں جو صفا مروہ پر سات بار سعی
کرنے کا حکم ہے اس لئے ہے کہ لوگ ہاجرہ کی بےکسی اور اضطرار
اور خدا تعالیٰ کی فریاد رسی کو یاد کریں اور اپنے تئیں خدا تعالیٰ
کے آگے ایسی حالتِ بیچارگی میں پیش کریں کہ رحمت نازل
ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ بیکسوں کی صورت بنانی اور ان کی طرح گریہ
وزاری کرنی بھی نزولِ رحمت کا باعث ہے اس لئے یہ وقت

مصائب، استسقاء وغیرہ میں اُمراء اور بادشاہوں کا فقیرانہ حالت بنا کر دعاء کرنا باعثِ حلِ مشکلات ہوتا ہے اور یہ تمام خدا پرست قوموں کا دستور ہے اس پر طعن کرنا عقل کا قصور ہے آخر جب مروہ پر آواز آئی کہ کچھ اندیشہ نہ کر پھر یہی آواز سنی تو لوٹ کر بچے کے پاس آئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ بچے کے پاس ایک پانی کا چشمہ جاری ہے زمین میں سے پانی خود بخود نکل رہا ہے۔ ہاجرہؑ دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور اس پانی کے اردگرد مٹی اور پتھروں سے آڑ بنا کر حوض کی طرح اس کو جمع کرلیا اور اپنی مشک کو بھر لیا کہ مبادا یہ پانی تمام نہ ہو جائے اور ہم پھر پیاسے مرنے لگیں (آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہاجرہ پر رحم کرے اگر وہ اُس وقت بند نہ لگاتیں تو زمزم جاری چشمہ ہو جاتا) اس کے بعد فرشتے نے ان کو تسلی دی کہ تم خاطر جمع رکھو یہاں خانۂ خدا ہے اس کو یہ لڑکا جوان ہو کر باپ کے ساتھ تعمیر کرے گا اور اس جگہ رہنے والوں کو خدا تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اس جگہ ایک ٹیلا تھا اس کے آس پاس برساتی پانی کے نالے بہا کرتے تھے۔ اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ تنہا وہاں رہنے لگے۔ اتفاقاً قوم جرہم کا ایک قافلہ ملکِ یمن سے اُدھر آنکلا دُور سے دیکھتا ہے کہ ایک جگہ بہت سے پرندے اُڑ رہے ہیں آپس میں کہنے لگے کہ جہاں یہ جانور اُڑ رہے ہیں یہاں ضرور پانی ہوگا۔ ہم کئی بار اُدھر سے آتے گئے ہیں پہلے تو کبھی یہ بات دیکھی نہ تھی۔ ایک شخص کو بھیجا دیکھتا ہے کہ ایک عورت اور اس کا بچہ بیٹھا ہے اور پانی کا چشمہ زمین سے جاری ہے۔ قافلہ وہاں آیا اور ہاجرہ سے وہاں رہنے کی اجازت مانگی۔ انھوں نے تنہائی سے بچنے کے لئے ان کے رہنے کو غنیمت جانا مگر یہ شرط کی کہ اس پانی میں تمہارا کوئی حق اور حصہ نہ ہوگا۔ انھوں نے اس شرط کو تسلیم کر لیا اور وہیں رہنے لگے اور اب ایک چھوٹا سا گاؤں بس گیا اور کچھ لوگ اور بھی آ رہے۔ اسمٰعیلؑ نے ان لوگوں سے عربی زبان سیکھی اور نو عمری میں اپنی لیاقت اور کرامتِ موروثی کو لوگوں کے دلوں میں ذہن نشین کر دیا کہ جس سے وہاں کے سردار نے نہایت آرزو سے اپنی بیٹی کا نکاح اُن سے کیا اس عرصہ میں ہاجرہ کا انتقال ہو گیا اس زمانہ میں سارہ کے ہاں اسحٰقؑ جو پیدا ہوئے تھے بڑے ہوئے تو ان کا کچھ رشک کم ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی اجازت سے اسمٰعیل کے دیکھنے کو عرب میں آئے اور شرط یہ تھی کہ اسمٰعیلؑ کے گھر میں شب باش نہ ہوں پس جب آئے اور پوچھا تو معلوم ہوا کہ ان کی والدہ انتقال کر گئیں اور وہ باہر شکار کو گئے ہیں کیونکہ ان کی یہی گزراوقات تھی۔ حضرت ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ کے گھر پر آئے اُن کی بیوی سے حال پوچھا۔ اس نے اثنائے کلام میں تنگیٔ معاش کا بھی ذکر کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سمجھ کر کہ اب اور ٹھیرتا ہوں تو شب باش ہونا پڑے گا، وہاں سے واپس آئے اور چلتے ہوئے یہ کہہ آئے کہ اپنے خاوند سے میرا سلام کہہ دیجیو اور کہنا کہ تمہارے گھر کا سر دالا اچھا نہیں اس کو بدل دو۔ جب شام کو حضرت اسمٰعیلؑ آئے تو حال معلوم ہوا سمجھ گئے کہ میرے والد ابراہیمؑ تھے عورت نے پیغام ادا کیا۔ انھوں نے فی الفور اس عورت کو چھوڑ دیا اور دوسری عورت سے نکاح کیا۔ دوبارہ پھر اسی شرط پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن کے ملنے کو آئے۔ دوسری بیوی نے نہایت خاطر تواضع کی، معاش کے بارے میں شکرگزاری کی اور اُن سے کہا کہ حضرت آپ ٹھیریئے۔ انھوں نے عذر کیا اور چلتے وقت یہ کہا کہ اپنے خاوند سے میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ یہ سر دالا اچھا ہے اس کو رہنے دو۔ شام کو اسمٰعیلؑ آئے تو معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ تھے اور اس معمہ کے معنے بتلائے کہ تجھ کو میں ہمیشہ رکھوں گا۔ تیسری بار کچھ عرصہ تک رہنے کی اجازت لے کر پھر حضرت ابراہیمؑ آئے اور گھر میں ٹھیرے اور اسمٰعیلؑ سے ملاقات ہوئی۔ باپ بیٹے گلے مل کر بڑی دیر تک روتے رہے۔ ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ سے کہا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا اگر تو مجھ کو مدد دے تو بہتر۔ انھوں نے عرض کیا بسر و چشم۔ پس ابراہیم علیہ السلام کو تعیین اس جگہ

کی معلوم نہ تھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ابر اسی مقدار کا کر جس قدر تعمیر کعبہ مقصود الٰہی تھی نمودار ہوا اور وہ ایک جگہ پر ٹھیر گیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اسی مقدار پر کعبہ بنایا یعنی ایک لمبا چوکھونٹا مکان بنایا جس کا چوڑان مشرقی جانب ہے یعنی حجر اسود سے رکن یمانی تک بیس گز تھا اور مغربی جانب رکن یمانی سے لے کر رکن غربی تک بائیس گز اور طول میں شمالی دیوار حجر اسود سے رکن شامی تک تینتیس ۳۳ گز لمبی اور جنوبی دیوار رکن غربی سے لے کر رکن یمانی تک اکتیس ۳۱ گز تھی سب ہیئت مجموعی بشکل مستطیل مگر نہ عرض کے دونوں سرے برابر نہ طول کی دونوں دیواریں برابر تھیں اور بلندی اس مکان کی نو گز تھی اور دروازے کی کچھ کرسی نہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے تھے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر اور گارا دیتے جاتے تھے اور یہ پتھر کہ جس کو مقام ابراہیم کہتے ہیں بطور پاڑ کے تھا اس پر چڑھ کے چنتے تھے اور یہ شکل تھی۔

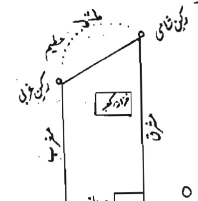


واضح ہو کہ رکن خانہ کعبہ کے گوشوں کا نام ہے اس چوکھونٹے مکان کے چار گوشے ہیں اور ہر ایک گوشہ یا گوشے یا کونہ کا ایک نام ہے۔ جنوب و مشرقی کے رخ باہر کی جانب دو ڈیڑھ گز بلندی پر کونہ میں ایک سیاہ پتھر مدور توے کے برابر لگا ہوا ہے اس کو حجر اسود کہتے ہیں اور جنوب و غرب میں بلندی قد آدم پر ایک سرخی نما پتھر کا ٹکڑا ہے اس کو رکن یمانی کہتے ہیں اور مشرقی و شمالی کونہ کا نام رکن شامی ہے اس لئے کہ بجانب ملک شام ہے اور دوسرے کو غربی کہتے ہیں۔ جب ایک مدت بعد حضرت ابراہیم کا بنایا ہوا مکان پہاڑی نالہ کے سبب سے گر گیا تو بنی جرہم نے پھر اس کو اسی طور سے تعمیر کیا پھر ایک عرصہ کے بعد یہ عمارت گر گئی تو **عمالیق** نے اس کو پھر تعمیر کیا (عمالیق بنی حمیر کا ایک قبیلہ تھا) اس کے بعد جب یہ عمارت بھی ٹوٹ پھوٹ گئی تو **قصی بن کلاب** نے اس کو بنایا اور اس کی چھت لکڑیوں سے پاٹ دی اور اس پر غلاف سیاہ ڈال دیا۔ یہ عمارت مدت تک رہی یہاں تک کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر دس بارہ برس کی ہوگی کہ ایک عورت نے پردہ کعبہ کے پاس بخور روشن کرنا چاہا تو پردہ میں آگ لگ گئی اور تمام عمارت جل گئی۔ پھر **قریش** نے چاہا کہ اس عمارت کو پھر تعمیر کریں۔ ان دنوں میں قحط سالی تھی۔ قریش نے کعبہ تو بنایا مگر کئی تصرف اس میں کر دیئے **اول** یہ کہ حطیم کی جانب سے کئی گز زمین چھوڑ کر کعبہ کی دیوار غربی اٹھائی۔ **دوم** یہ کہ دروازہ کی چوکھٹ تخمیناً دو گز اونچی کر کے لگائی تاکہ ان کی مرضی کے بغیر ہر شخص اچھی طرح نہ داخل ہو سکے۔ **سوم** یہ کہ کعبہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی دو صف قائم کیں ہر صف میں تین تین ستون تھے۔ چنانچہ جب مکہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کیا اور کعبہ کے اندر جا کر نماز پڑھی تو انہیں ستونوں کے بیچ میں پڑھی تھی۔ **چہارم** یہ کہ دیواروں کو دوچند بلند کر دیا۔ **پنجم** یہ کہ رکن شامی کے قریب کعبہ کی چھت پر چڑھنے کے لئے زینہ بھی بنایا۔ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ میں غلبہ و شوکت کے ساتھ تشریف لائے تو جس قدر اہل مکہ نے کعبہ کے اندر اور اس کے آس پاس ابراہیم اور اسمٰعیل اور دیگر اشخاص کی مورتیں رکھ چھوڑی

مہ بر مصنف کا سہو ہے صحیح دیوار شمالی ہے۔ مصحح

تھیں سب کو نکال کر پھینک دیا اور توڑ دیا یہ بت ہمیشہ سے نہ تھے بلکہ عمرو بن لحی کے عہد سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تخمیناً تین سو سال پیشتر تھا اور اس وقت کعبہ بنائے قریش پر قائم تھا ایک بات رہ گئی وہ یہ کہ جب قریش کعبہ کی تعمیر کر چکے اور حجر اسود کو لگانا چاہا تو باہم اختلاف ہوا۔ ہر شخص کہتا تھا کہ میں اس کو اپنے ہاتھ سے قائم کر دوں۔ سب نے متفق ہو کر یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا۔ آپؐ نے کہا کہ اس کو ایک چادر پر رکھ لو اور اس کو ہر رئیس ہاتھ سے اٹھا دے۔ چنانچہ سب اس بات پر بڑے راضی ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار عائشہ رضؓ سے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں کعبہ کو پھر قدیم بنیادِ ابراہیمؑ پر بناؤں اور دروازہ زمین سے ملا دوں اور دو دروازے رکھوں ایک سے لوگ داخل ہوا کریں دوسرے سے خارج۔ اس عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔ پھر عبداللہ بن زبیرؓ خلیفہ ہوئے اور انھوں نے یہ حدیث اپنی خالہ حضرت عائشہ رضؓ سے سنی تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ کو پورا کر دیا۔ یعنی بدستورِ قدیم کعبہ کو از سر نو بنایا اور دو دروازے رکھے۔ ستائیسویں رجب سنہ چونسٹھ ہجری میں اس تعمیر سے فراغت پائی۔ اس کے تھوڑے دنوں کے بعد بنی امیہ کا دور دورہ ہو گیا۔ **حجاج** بن یوسف نائب عبدالملک بن مروان کو تعمیرِ عبداللہ بن زبیر رضؓ ناپسند ہوئی کعبہ کو گرا کر پھر بنیادِ قریش پر بنایا اور صرف ایک دروازہ مشرقی جانب میں رکھا اور اندر سے قدِ آدم بھرت کر کے اونچا دروازہ لگایا اور ایک ٹکڑا طولانی جانب میں اسی طرح باہر رکھا کہ جس کو حطیم کہتے ہیں۔ یہ تعمیر سنہ ۷۴ ہجری میں ہوئی (بعضے کہتے ہیں کہ حجاج نے کل کو نہیں گرایا بلکہ عبداللہ بن زبیر رضؓ کے تصرفات میں تصرف کیا تھا)۔ پھر بنی عباس کے عہد میں ہارون رشید نے قصد کیا کہ بنائے عبداللہ بن زبیر رضؓ پر کعبہ کو بنائے مگر علماء نے منع کیا کہ بار بار بنانا اور گرانا کھیل

ہو جائے گا۔ بنائے حجاج **سلطان مراد بن احمد خان** سلطانِ قسطنطنیہ کے عہد تک قائم رہی اور شاہانِ اسلام اسی عمارت کی مرمت کراتے رہے مگر یہ عمارت جب بہت کہنہ ہو گئی تو سنہ ۱۰۴۰ ہجری میں سلطان مراد نے کعبہ کی تعمیر کا ارادہ کیا اور سوا اس کونہ کے جس میں حجر اسود لگا ہوا ہے سب کو گرا کر پھر نئے سرے سے بنیادِ حجاج کے موافق اسی طور سے کعبہ کو بنایا اور اندر سنگِ مرمر کا فرش بچھایا اور اندر کی دیواروں میں بھی اکثر سنگِ مرمر لگا ہوا ہے اور کسی عمدہ لکڑی کے دو صف ستونوں کے ہیں ایک ایک صف میں تین تین ستون ہیں اور اندر سے چھت پر نفیس مخملی چھت گیری ہے اور اوپر سے گچ ہے اور باہر کی دیواریں سنگِ خارا سے چونے میں چنی ہوئی ہیں ان کی لپائی نہیں ہوتی ہے مگر نہایت نفیس ریشمی سیاہ پردہ تمام کعبہ پر پڑا رہتا ہے جس پر بخطِ ثلث کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہوتا ہے اور نصف طول سے اوپر کئی بالشت چوڑا پٹکا کار چوبی حرف سے لکھا ہوا ہے اس میں سلطانِ وقت کا نام بھی ہوتا ہے۔ یہ پردہ ہزار ہا روپیہ کی تیاری سے مصر میں بنتا ہے اور ہر سال بڑے تجمل کے ساتھ آتا ہے جو دیکھنے سے متعلق ہے اور سال گزشتہ کا پردہ شریفِ مکہ اور دیگر ارکین کو مل جاتا ہے ان سے اہلِ اسلام تبرک کو لاتے ہیں۔ کعبہ کا وہ ٹکڑا کہ جو تعمیر میں قریش نے چھوڑ دیا تھا اب تک چھٹا ہوا ہے اور ایک قوسی شکل سے سنگِ مرمر کی دیوار تخمیناً گز بھر اونچی بطور نمونہ بنیادِ قدیم پر بنی ہوئی ہے اور اس کو لوگ **حطیم** کہتے ہیں یہ تھوڑی سی جگہ ہے اسی طرف کعبہ کا سنہری پرنالہ پڑتا ہے کہ جس کو **میزاب** کہتے ہیں یہاں انسان کی دعا اکثر قبول ہوتی ہے اور اس میں ایک سر ہے کہ جس کے بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں چونکہ زمین اکثر بلند ہو جایا کرتی ہے بالخصوص آبادیوں میں جس لئے سو دو سو سال بعد بہت سی کرسی دینے کی ضرورت پڑتی ہے مگر کعبہ کو اب تک اسی قدیم زمانہ

شمال

# نقشہ شہر مکہ مکرمہ اور حرم شریف اور اُن پہاڑوں کا کہ جہاں سے حج کرنے کو منیٰ اور عرفات میں جایا کرتے ہیں

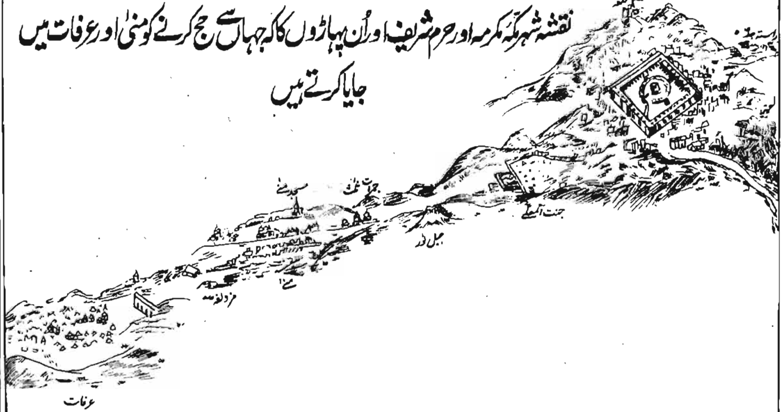


مشرق

مغرب ١٨٧٨

جنوب

مكة معظمة
باب ابراهيم
باب السلام

کی زمین پر قائم رکھا ہے۔ کعبہ کے آس پاس دس بارہ قدم کے فاصلہ تک ہموار زمین ہے اس پر بھی سنگِ مرمر کا فرش ہے اس کو **مطاف** کہتے ہیں یعنی اس فرش پر لوگ کعبہ کے اردگرد طواف کرتے ہیں اور اس کے اخیر میں بے شمار ہانڈیوں کا حلقہ ہے وہ رات کو روشن کی جاتی ہیں اس کے بعد چو طرفہ بڑا صحن کشادہ ہے اور اس میں سیاہ کنکریوں کا فرش ہے مگر یہ زمین گاؤدم ہے یعنی جوں جوں یہ صحن پھیلتا جاتا ہے اتنا ہی اونچا ہوتا جاتا ہے پھر اس کے اخیر میں چوطرفہ کئی کئی درجہ کے دالان بنے ہوتے ہیں جن کے سنگِ مرمر کے ستون ہیں اور اوپر چھوٹے چھوٹے قبّے بنے ہوتے ہیں پھر ان دالانوں کے باہر کی دیواریں اور دروازے بازار کی طرف بھی ہیں مگر باہر کے دروازے سے جو اندر کی طرف دیکھو تو تمام حرم ایک حوض یا تالاب سا پستی میں معلوم ہوتا ہے اس تمام عمارت کو **حرم کعبہ** کہتے ہیں۔ یہ لاکھوں روپیہ کی عمارت سب سلطان مراد کی بنائی ہوئی ہے مع خانہ کعبہ کے جو لوگ اس عمارت کعبہ کو عمارتِ حجاج سمجھے گئے ہیں وہ تاریخ کعبہ سے بے خبر ہیں۔ اب ہم کعبہ کے ان مقاماتِ مشہورہ کو بیان کرتے ہیں کہ جن کے جاننے پر بہت سے مسائلِ شرعیہ موقوف ہیں۔

(۱) **میقات** وہ مقامات ہیں کہ جب کوئی باہر سے وہاں آوے اور مکہ میں حج وغیرہ کے لئے آنا چاہے (شافعیؒ) یا اسکی بھی قید نہیں بلکہ کسی کام کے لئے آوے (ابو حنیفہؒ) تو بغیر احرام باندھے نہ آوے یہ اس لئے کہ بیت اللہ کی تعظیم و عظمت مدِنظر رہے کیونکہ جب دنیا کے بادشاہوں کے دربار میں بغیر عجز و انکسار و آداب نہیں آسکتا تو وہ تو اللہ جل جلالہٗ کا دربارِ عام ہے وہاں کے آداب ضرور ملحوظ ہونے چاہئیں اور وہ مقامات یہ ہیں: **ذوالحلیفہ** اُن کے لئے جو مدینہ کی طرف سے مکہ معظمہ میں آنا چاہیں عام ہے کہ اہلِ مدینہ ہوں یا نہ ہوں یہ مقام مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف دو فرسخ پر ہے۔ **جحفہ** (کہ جو ذوالحلیفہ کے محاذی ہے) اُن کے لئے جو شام کے رستہ سے آنا چاہیں۔ **قرن** نجد کے رستہ پر ہے اُن کے لئے کہ جو اُس رستہ سے آنا چاہیں۔ **یلملم** یمن کے رستہ پر ہے یہ سمندر کے قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جو لوگ کہ ہندوستان یا ایران سے عدن ہوکر جدّہ میں جاتے ہیں تو جدّہ یا عدن کے بیچ میں یہ پہاڑی مشرقی کنارہ پر دکھائی دیتی ہے ان کو بھی وہیں سے احرام باندھنا پڑتا ہے جیسا کہ اہلِ یمن کے لئے۔ **ذاتِ عرق** یہ ایک جگہ مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے یہ اہلِ عراق کے لئے ہے اور جو اس راستہ سے آویں۔ ان مقامات کی تصریح نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بالہامِ الٰہی فرمائی ہے۔ عن جابر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مھل اھل المدینۃ من ذی الحلیفۃ والطریق الآخر الجحفۃ و لاھل الشام الجحفۃ (بخاری) و مھل اھل العراق من ذات عرق و مھل اھل النجد قرن و مھل اھل الیمن یلملم رواہ مسلم۔ مُہل یعنی تلبیہ کہنے اور احرام باندھنے کی جگہ۔ (۲) **حرم مکہ**۔ شہر مکہ کے چو طرفہ کئی کئی میل تک کی جگہ کا نام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف ٹیلوں کے نشان تھے اب سلاطین نے اسکے ہر حدود پر مینار اور دروازے بنا دیئے ہیں۔ جدّہ کی طرف بھی مکہ سے کئی میل کے فاصلہ پر ایک بڑا دروازہ بنا ہوا ہے اسی طرح مدینہ کے رستہ میں بمقام **تنعیم** دروازے بنے ہوئے ہیں ان حدود کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقرر کیا ہے کہ ان کے اندر نہ کوئی شکار کھیلے نہ کوئی کسی کو قتل کرے

ف امام شافعیؒ کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباسؓ قال وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لاہل المدینۃ۔ ذوالحلیفۃ۔ الخ فھن لھن ولمن اتے علیھن لمن کان یرید الحج والعمرۃ رواہ البخاری ومسلم کہ جو ان مقامات سے گزر کر مکہ میں حج وعمرہ کے لئے جاوے۔ امام اعظمؒ کی دلیل یہ حدیث ہے لا یجاوز احد المیقات الا محرما کہ ان مقامات سے بغیر احرام باندھے کوئی تجاوز نہ کرے اس میں حج وغیرہ کی قید نہیں۔ لمعات ۱۲ منہ

ذ لکڑی کاٹے نہ گھاس اُکھاڑے۔ یہ امور تعظیم بیت اللہ کے لئے ہیں ایام جاہلیت میں بھی عرب ادب کرتے تھے ان حدود کے باہر جو زمین ہے اس کو **حِل** کہتے ہیں کہ یہاں یہ امور حلال ہیں اور کعبہ اور اس کے ارد گرد جتنے مکانات ہیں ان کو حرم کعبہ کہتے ہیں جو مسجد کا حکم رکھتا ہے یعنی ناپاک مرد اور عورت کو اس میں داخل نہ ہونا چاہیئے نہ اس حالت میں خانۂ کعبہ کا طواف کرے (۳) **حجر اسود** یعنی سیاہ پتھر۔ یہ گول پتھر تخمیناً دو ڈیڑھ فٹ کے دَور میں ہے اس کا رنگ نہایت سیاہ ہے اس کو عقیق سیاہ تصور کرنا چاہیئے یہ کعبہ کے شرقی و جنوبی گوشہ میں باہر کی جانب گز بھر کی بلندی سے چاندی کے حلقہ میں جڑا ہوا ہے۔ خدا جانے کسی صدمہ سے اس کے کئی ٹکڑے ہوگئے تھے جن کو ملا کر ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اس پتھر کو نہ کوئی مسلمان پوجتا ہے نہ اس کو حاجت روا سمجھتا ہے، مگر اس لئے کہ یہ پتھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قایم کیا ہوا ہے اس لئے اس کو مقدس سمجھتے ہیں اور چونکہ جناب خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان بزرگوں کی یادگار سمجھ کر محبت سے بوسہ دیا تھا (جیسا کہ ہم جب اپنے محبوب کی کسی چیز کو پاتے ہیں تو چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں) اور یہ چومنا اور آنکھوں سے لگانا دراصل اس شخص کی محبت و عظمت کا اظہار ہے کہ جس کی یہ نشانی ہے بالخصوص طواف کے وقت حج و عمرہ میں کہ جو نہایت دنیا سے نفرت اور خدا تعالیٰ اور اس کے برگزیدوں سے محبت کا وقت ہوتا ہے اس لئے تمام اہل اسلام میں اسی غرض سے طواف کے وقت بالخصوص ایام حج میں اس کا بوسہ دینا دستور ہوگیا اور اژدحام کی وجہ سے بوسہ نہ دے تو اشارہ ہی کرے یہ **دستور** ایک عمدہ طریقہ اور اچھی **سنت** ہے کیونکہ اس میں نبی علیہ السلام کا اتباع اور اس کے بزرگوں کے ساتھ محبت اور اس کے طریقہ کو دل سے پسند کرنے پر دلالت کرتا ہے ایسی حالت میں خدا تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی کی امید بھی بجا ہے جس کا ثمرہ بندے کے گناہوں کی معافی ہے۔ وہ جو اس بارے میں احادیث صحیحہ وارد ہیں وہ سب برحق ہیں۔ اُن پر اعتراض کرنا حماقت اور تعصب جاہلانہ ہے عقل سلیم کے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں یہ اور بات ہے کہ کوئی بیوقوف اس کو بُت پرستی سمجھے۔ یا خدائے غیر محسوس کا اس کو نشانِ حسّی قرار دے کر برگزیدوں پر اعتراض کرے۔

(۴) **زمزم** یہ وہی چشمہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے اپنی قدرت کاملہ سے ظاہر کیا تھا۔ یہ چشمہ چند مدت کے بعد خشک ہوگیا۔ لیکن اس کے انعام کی یادگاری اور تبرک کے لئے پھر اسی مقام پر کنواں کھودا گیا۔ یہ کنواں حوادث دہر سے کئی بار کھلا بند ہوا مگر اب اس زمانہ میں نہایت عمدہ کنواں کعبہ کے متصل حرم میں بنا ہوا ہے اس پر سنگ مرمر کا قبہ ہے اور ارد گرد جالیاں ہیں۔ ایک دروازہ ہے۔ اس میں جا کر لوگ پانی بھرتے ہیں۔ شب و روز پانی کھنچتا ہے مگر ٹوٹتا نہیں۔ یہ پانی ذرا کھاری ہے مگر شہر مکہ میں عام استعمال کے لئے **نہر زبیدہ** کا پانی استعمال میں آتا ہے۔ یہ نہر زبیدہ ہارون رشید کی بیوی نے بنائی تھی۔ کہیں دور سے اس کا پانی آکر مکہ میں بڑے بڑے حوضوں کو بھرتا اور ایک عالم کو سیراب کرتا ہے۔ یہ بہت چھوٹی نہر ہے۔ ہمیشہ جاری ہے۔ اہل اسلام زمزم کے پانی کو اسی علاقہ سے متبرک سمجھتے ہیں۔ بخلاف عیسائیوں اور ہنود کے کہ وہ دریائے گنگ و جمن و یردن میں غوطہ لگانے اور بپتسمہ پانے کو معافی گناہ کے لئے صابن سمجھتے ہیں۔

(۵) **مقام ابراہیم**۔ بقول جمہور وہ پتھر ہے کہ جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر کعبہ چنا تھا اس پر نشانِ قدم بھی ہیں اور بقول بعض تمام حرم مسجد ہے۔

(۶) **صفا**۔ حرم کے متصل جنوب و شرق میں ایک پہاڑی ہے اب اس کے اوپر اور ارد گرد آبادی ہوگئی ہے۔ اور چند سیڑھیاں بنا دی گئی ہیں۔

(۷) مروہ۔ یہ اُس کے مقابلہ میں حرم سے شرق و شمال کی جانب چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ اب یہاں بھی آبادی ہے اور ان دونوں پہاڑیوں کے بیچ میں جس جگہ کہ حضرت ہاجرہؑ دوڑ کر چلی تھیں اور پہلے وہاں جنگل اور کنکر تھے اب نہایت عمدہ بازار ہے اور اس دوڑ کر چلنے کی جگہ دو منارہ سبز بنا دیئے گئے ہیں۔ جن کو **میلین اخضرین** کہتے ہیں۔

(۸) **منیٰ** شہر مکہ کے دو پہاڑیوں کے بیچ میں بسا ہے پھر یہی سلسلہ پہاڑوں کا مشرق و شمال کی طرف دُور تک چلا گیا ہے۔ مکہ معظمہ سے تین میل پر اسی سلسلہ کے میدان میں یہ مقام ہے یہاں اب بہت سے مکانات تعمیر ہو گئے ہیں۔ ایام حج میں تین روز تمام لوگ یہیں رہتے ہیں اسی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا قصد کیا تھا اور یہیں شیطان نے مجسم دکھائی دے کر اُن کو تین جگہ بہکانا چاہا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر کنکریاں ماریں تھیں اب تینوں مقامات پر نشان کے لئے تین چھوٹے چھوٹے منارے بنا دیئے ہیں ان کو **جمرات** کہتے ہیں، ایک کو **جمرہ اُولےٰ** دوسرے کو **جمرہ وسطیٰ** تیسرے کو **جمرہ عقبےٰ**۔ اب ایام حج میں مسلمان بھی دستورِ ابراہیمؑ کو جاری رکھنے کے لئے ان کو سات سات کنکریاں مارتے ہیں تاکہ اس حالت کو یاد کر کے ہمیشہ نفس کے مقہور کرنے کا عہد کیا جائے اور اسی مقام پر لوگ حج میں عرفات سے لوٹ کر دسویں تاریخ احرام کھولتے اور قربانیاں کرتے ہیں۔

(۹) **مزدلفہ** یہ اُسی مشرقی و شمالی سمت میں منیٰ سے دو تین میل آگے بڑھ کر ایک میدان ہے پھر اُس سے دو تین میل آگے عرفات ہے۔ عرفات سے لوٹتے وقت شب کو یہاں ٹھیرتے ہیں۔

(۱۰) **عرفات**۔ اسی سمت میں آگے بڑھ کر ایک بڑا لمبا چوڑا پہاڑوں کے بیچ میں میدان ہے نویں ذی الحجہ کو یہاں سب حاجی آتے ہیں اور غروب آفتاب تک اسی میدان میں خیموں اور غیر خیموں میں رہتے ہیں۔ یہاں دُعاء مانگتے ہیں اور شام کے وقت امام ایک پہاڑی پر چڑھ کر خطبہ پڑھتا ہے۔ جس میں خدا تعالےٰ کی توحید و تقدیس اور گناہوں سے معافی اور اس کی حمد و ثنا اور احکام حج کا بیان ہوتا ہے۔ دن غروب ہوتے ہی یہاں سے تمام خلق خدا چل پڑتی ہے اور مغرب و عشاء کی نماز لوٹ کر مزدلفہ میں پڑھتے ہیں اور پھر صبح کو یہاں سے اُٹھ کر منیٰ میں آکر قربانی کرتے ہیں۔ شیعہ دسویں کو بھی عرفات میں رہتے ہیں۔

## آگے چل کر

ہم اسرار و احکام حج بیان کریں گے۔ اب ان آیات کی تفسیر کرتے ہیں کہ جن میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کا تعمیر کعبہ کرنا مذکور ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا
اور جب کہ ابراہیمؑ نے کہا اے رب! اس کو امن کا شہر
بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ
کر دے اور یہاں کے باشندوں کو میووں کی روزی دیجیو
مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
(اور) اس کو کہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان لائے۔
قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ
(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ جو کافر ہوگا اس کو بھی میں کسی قدر فائدہ مند
اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ
کروں گا پھر اس کو کھینچ کر آگ کے عذاب میں ڈالوں گا۔ اور وہ بہت
الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾
بُری جگہ ہے۔

## ترکیب

و عطف جملہ بر کلام سابق قال فعل ابراہیم فاعل رب اجعل الخ جملہ مقولہ اجعل بمعنے صیّر ہذا مفعول اوّل

بلدًا مفعول ثانی موصوف آمنا صفت جملہ معطوف علیہ وارزق معطوف براجعل انت اس کا فاعل اہلہ مفعول من الثمرات متعلق ہے ارزق سے من آمن الخ اہلہ سے بدل بعض ہے من موصول آمن منہم باللہ والیوم الآخر جملہ اس کا صلہ قال فعل اللہ اس کا فاعل ومن کفر الخ جملہ اس کا مقولہ من بمعنے الذی کفر اے یکفر اس کا یہ صلہ محلاً منصوب ہے تقدیرہ قال وارزق من کفر پس ارزق فعل محذوف ہے۔ اس پر فامتعہ دلالت کرتا ہے۔

## تفسیر

خداتعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ خیر و برکات اور یہ امن و عافیت چونکہ کافروں کو بھی حاصل ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے۔ جب کہ ابراہیمؑ بنائے کعبہ سے فارغ ہوئے تو ہم سے دعا کی کہ الٰہی تو نے کعبہ کو مثابہ اور امن بنایا ہے تو اس جگہ ایک شہر دارالامن بھی بنا (تاکہ آنے والوں کے لئے ہر قسم کا آرام رہے اور یہ لوگ ہمیشہ اس گھر کی خبرگیری کیا کریں) اور یہاں کے رہنے والوں کو جو کہ اللہ تعالےٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لاویں میوے بھی کھلانا۔ کیونکہ یہ خشک پہاڑ ہے اگر ایسا نہ ہوگا تو یہاں قیام مشکل ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اوّل عہدہ امامت کے بارے میں اپنی ذریت کے لئے دعا کی تھی بلا لحاظ مومن و کافر۔ اس پر خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ کافر اس کے مستحق نہیں۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خیال سے رزق و روزی کے بارے میں سرے سے ایمانداروں کو دعا میں مخصوص کیا۔ مگر امامت جو اعلیٰ کرامت ہے اس میں اور روزی میں فرق ہے اہلِ بیت کا ہر شخص سزاوار نہیں بخلاف رزق و روزی کے کہ وہ سب نیک و بد کو ملتی ہے۔ اسی لئے خداتعالیٰ نے فرمایا کہ چندروز کافروں کو بھی دنیا سے بہرہ مند کروں گا، یعنی تاحیاتِ دنیا۔ پھر اس کے بعد تو وہ کھینچ کر عذابِ جہنم میں ڈالے جائیں گے کہ جو نہایت بُری جگہ ہے۔

**ف** ۔ خداتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول کرلی کہ شہر کو دارالامن بھی کردیا۔ ہمیشہ یہاں کا ہر کوئی ادب کرتا تھا۔ اور اب بھی کرتا ہے۔ جس طرح بیت المقدس پر بادشاہوں کے ہاتھ سے مصائب پیش آتے۔ یہاں نہیں آتے۔ حربِ صلیب اور چنگیز خانیوں کے جہاں سوز حملوں میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ مخالفوں کے ہاتھ سے محفوظ و مامون رہا اور انشاء اللہ ہمیشہ رہے گا۔ اور ثمرات کی یہ تدبیر کی کہ طائف میں جو مکہ سے قریب ہے وہ وہ میوے اور ترکاریاں پیدا کیں جو اور جگہ کمتر ملتی ہیں۔ اس ذکر سے قریشِ مکہ کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے فائدہ اُٹھا رہے ہو، اور اس مسجد کے طفیل عزت پا رہے ہو۔ اس پر مذہب ابراہیمؑ کی مخالفت اور اس مسجد میں آنے والوں پر یہ تشدد۔ مگر یہ راحت و برکت تو چندروزہ ہے۔ دائمی برکت تو خاص ایمان داروں کا حصہ ہے۔ اولادِ ابراہیمؑ ہونے کا پھل تمہارے لئے یہی چندروزہ فائدہ ہے۔

---

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ
اور (یاد کرو) جبکہ ابراہیمؑ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور
الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ
اسمٰعیلؑ بھی، (اور وہ یہ کہتے جاتے تھے) اے رب ہم سے یہ خدمت قبول کر۔
اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَ
بے شک تو ہی سنتا جانتا ہے۔ اے ہمارے رب ہم
اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ
دونوں کو اپنا فرمانبردار رکھیو۔ اور ہماری اولاد میں سے
اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ص وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا
بھی ایک گروہ کو اپنا فرمانبردار رکھنا، اور ہم کو عبادت کرنے کے دستور
وَتُبْ عَلَيْنَا ج اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ
بتا اور ہم پر مہربانی رکھ، تو ہی معاف کرنے والا

الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا

مہربان ہے۔ اے ہمارے رب! اور ان کے لئے انھیں میں سے ایک

مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ

رسول بھی مبعوث کیجیو کہ ان کو تیری آیتیں سُنائے اور ان کو

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ

کتاب اور حکمت سکھائے اور پاک بنائے، تو ہی

أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ ع

زبردست حکمت والا ہے۔

١٥ ع ٨ ١٥

## ترکیب

یرفع فعل ابراہیم فاعل القواعد جمع قاعدۃ بمعنے بنیاد مفعول من البیت کائنۃ کے متعلق ہوکر حال ہے قواعد سے واسمٰعیل معطوف ہے ابراہیم پر یہ دونوں ذی الحال اور یقولان محذوف فعل با فاعل ربنا تقبل منا الخ اس کا مفعول یرفع اپنے فاعلوں اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا اجعلنا میں نا مفعول اوّل مسلمین مفعول ثانی لک متعلق مسلمین سے و حرف عطف ذریتنا مفعولِ اوّل امۃ موصوف مسلمۃ صفت لک متعلق مسلمۃ سے یہ سب مفعول ثانی یتلوا اور یعلمہم اور یزکیہم سب رسولاً کی صفت واقع ہوئے ہیں۔

## تفسیر

اس جگہ خدائے تعالیٰ حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے خلوص اور ان کی دعاء کا ذکر کرتا ہے کہ جس میں حج کے احکام کی طرف اور نبیٔ آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوّت کی طرف مجملاً اشارہ ہے۔ فرماتا ہے کہ اُس وقت کو یاد کرو جب ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کعبہ کی دیواریں چُنتے جاتے اور نہایت عجز و انکسار سے یہ دُعاء کرتے جاتے تھے

کہ الٰہی ہماری اس سعی کو قبول کیجیو کیونکہ جو کچھ ہم زبان سے دُعاء کرتے ہیں تو خوب سُنتا ہے اور دل کے حال سے بھی خوب واقف ہے اے خدا تعالیٰ! ہم کو ہمیشہ اپنی فرمانبرداری میں رکھیو کبھی کوئی کام تیری مرضی کے خلاف ہم سے سرزد نہ ہو اور ہمارے بعد بھی ہماری اولاد میں سے اپنے فرمانبردار لوگ پیدا کیجیو تاکہ تیری غلامی ہم میں ہمیشہ پائی جائے اور اس گھر کی خدمتگاری میری نسل میں رہے اور ہم کو ہمارے لئے جو کچھ آپ نے عبادت اور حج کے دستور قائم کئے ہیں وہ بھی تعلیم کردے کہ اس کے مطابق ہم کریں۔ اور جو کچھ بمقتضائے بشریت ہم سے اس میں فروگذاشت ہو جائے تو معاف کردیجیو اور ہمیشہ مہربانی رکھیو۔ کس لئے کہ تو ہی بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے اور اے ربّ! ہماری نسل سے ایک ایسا رسول مبعوث کرنا جو لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ کر سُنایا کرے اور اس پر بس نہ کرے بلکہ اس سلسلہ کے جاری رکھنے کے لئے لوگوں کو تیری کتاب تعلیم بھی کرے اور تعلیم کے بعد حکمت یعنی اسرارِ شریعت اور رموزِ احکام بھی بتلا دے تاکہ لوگوں پر جبر معلوم نہ ہو۔ اور وہ اپنے فیضِ نبوّت اور انوارِ معرفت سے لوگوں کو آراستہ بھی کرے کہ پھر وہ باطنی برکتوں کے لئے نبی کا نمونہ اور ہدایت کا سرچشمہ رہیں کیونکہ اس کی مصلحت اور فوائد کو تو ہی جانتا اور ہر چیز پر تو ہی قادر بھی ہے ؛

## فوائد

(۱) مناسک منسک کی جمع ہے اور منسک بفتح سین بمعنے فعل اور بکسر سین بمعنے موضع کے ہے نسک کے معنی عبادت کرنا اور اسی لئے عابد کو ناسک کہتے ہیں۔ پھر خدا تعالیٰ کے نام پر قربانی کرنے کو بھی عبادت ہونے کی وجہ سے نسک کہنے لگے اور ذبیحہ کو نسیکہ اور اسی وجہ سے افعالِ حج کو بھی مناسک کہتے ہیں چنانچہ نبی صلے اللہ

علیہ وسلم فرماتے ہیں خذوا عنی مناسککم لعلی لا القاکم بعد عامی ہذا
اور اسی لئے جہاں اور جن مقامات میں افعالِ حج ادا کئے جاتے
ہیں ان کو مناسک بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
ولکل امۃ جعلنا منسکا ہم ناسکوہ۔ **اس جگہ** بعض مفسرین
مناسک سے شرائع حج مراد رکھتے ہیں اور بعض عموماً عبادات مراد
رکھتے ہیں، والعلم عند اللہ۔

(۲) اس آیت میں خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما
السلام کی دعاء کو یاد دلایا تاکہ یہ بات معلوم ہو (۱) یہ کہ
کعبہ کی تعمیر کوئی معمولی کام یا کارِ دنیا نہ تھا بلکہ نہایت دینی
کام تھا کہ جس کے بعد وہ اپنی سعی کے مقبول ہونے کی دعاء کرتے
تھے (۲) یہ کہ وہ خود اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے خدا تعالیٰ
کا فرمانبردار اور اس گھر کا خدمت گزار ہونا اور شرائع حج
و اسلام کا برپا اور قائم رکھنا دل سے چاہتے اور واجعلنا
مسلمین، وارنا مناسکنا کہہ کے دعاء کرتے تھے (۳) ان کی
دلی آرزو اور خدا تعالیٰ سے بڑی دعاء یہ تھی کہ وہ ان کی
نسل میں سے ایک رسول نہایت اولوالعزم پیدا کرے جس کا
مصداق سوائے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں کیونکہ
کہ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کی نسل میں سے اور کوئی ایسا
شخص نہیں ہوا ہے کہ جو تعلیم کتاب اور حکمت کرتا اور تزکیہ
کرتا ہو اور آیاتِ الٰہی پڑھ کر سناتا ہو۔ تورات میں جو اسمٰعیل
علیہ السلام کی نسل میں برکت کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور
فاران سے خدا تعالیٰ کا جلوہ گر ہونا فرمایا ہے اس کا مصداق بھی
بجز ذات بابرکات کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ ظاہر ہے
کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر کیسی بت پرستی اور
ظلم و جہل کی تاریکیاں عرب پر عموماً محیط تھیں اور نسلِ
اسمٰعیلؑ میں کوئی یا اس کے اطراف میں ایسا کوئی نہیں گزرا کہ
جس کی بدولت لوگوں نے علم و حکمت و تزکیہ حاصل کیا ہو۔
اس لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انی عند اللہ فی
ام الکتاب لخاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ و
سا خبرکم عن بدء امری انا دعوۃ ابراھیم وھو یرفع
القواعد من البیت ربنا وابعث فیھم رسولا منھم
وبشری عیسیٰ ورؤیا امی التی رأت حین وضعتنی
رأت انہ یخرج منھا نور اضاءت لہ قصور الشام
ببصرہ رواہ احمد والبیھقی عن کثیر من الصحابۃ۔

ترجمہ:۔ کہ میں علمِ الٰہی میں اس وقت خاتم النبیین تھا کہ
جب آدم علیہ السلام کی سرشت بھی نہ ہوئی تھی اور میں
تم کو اپنی ابتداءِ حالت سے مطلع کرتا ہوں وہ یہ کہ میرے
لئے ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت دعاء کی تھی کہ جب
وہ کعبہ چن رہے تھے اور میرے لئے عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت
دی ہے اور میرے حق میں میری والدہ ماجدہ نے بوقتِ ولادت
یہ دیکھا تھا کہ ان سے ایک ایسا نور پھیلا ہے کہ جس سے شام
کے محل روشن ہو گئے۔ پس جو شخص کعبہ اور حج اور اس کے
شرائع کا انکار کرتا ہے اور وہ جو خاتم النبیین کو نہیں
مانتا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے برگشتہ ہے گو ان کی نسل
میں سے ہی کیوں نہ ہو اس میں یہود و عرب بلکہ عیسائیوں
پر ایک لطیف انداز سے تعریض ہے۔

(۳) جس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین دعائیں
کعبہ کے بناتے وقت کی تھیں ربنا تقبل الخ ربنا واجعلنا
مسلمین لک الخ ربنا وابعث فیھم رسولا اسی طرح تیسری
دعاء میں رسول کے لئے تین اوصاف کی بھی استدعاء کی
یتلوا علیھم آیاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم اور اس کا
بھید یہ ہے کہ رسول کی امت میں مختلف استعداد کے لوگ ہوتے
ہیں جن کے چار مرتبے ہیں (۱) عام لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ
کی آیات اور اس کا کلام مقدس پڑھ کر سنایا جاتا ہے اسی
یتلوا علیھم آیاتک کہا (۲) مرتبہ خاص لوگوں کا ہے کہ ان کو
وہ کتاب سکھائی جاتی ہے یہ عام علماء کا مرتبہ ہے۔ (۳)
اور بعض کو حکمت یعنی شریعت کے اسرار بتائے جاتے ہیں۔
یہ مرتبہ علماء مجتہدین کا ہے ان دونوں گروہوں کے لئے

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ فرمایا اور یہ اس لئے کہ نبی کی امت میں
یہ دو گروہ نہ ہوں تو اس کی ہدایت کا سلسلہ بعد اس کے
منقطع ہو جائے اور چونکہ جس رسول کے لئے حضرت ابراہیم
علیہ السلام دعا کرتے ہیں وہ خاتم النبیین ہے اس کے بعد
اور نبی کے آنے کی حاجت نہیں اس لئے اس کے علوم کے
وارث علماء اور ائمہ مجتہدین ہونے چاہئیں کہ آپ کے
بعد اس سلسلہ ہدایت کو قائم رکھیں اور اسی لئے آنحضرت
علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل
ف یہاں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر الفاظ قرآن کے
معانی کے علاوہ اور بھی کچھ اسرار قرآن میں ہیں کہ جو خاص
لوگوں کا حصہ ہے اور یہ امر بدیہی ہے اس لئے نبی صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے اس دین کے حاصل کرنے
میں مختلف حالات ہیں الخ (رواہ البخاری) پس وہ جو بعض
جہلاء صرف ظاہری مطالب پر انحصار کر کے ان لوگوں کی
فضیلت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کے سمجھنے
کے لئے کیا چاہئے الخ وہ بے خبر ہیں۔ (۴) مرتبہ اخص
الخواص لوگوں کا ہے کہ جن کا جوہر روح آئینہ کی طرح ہر
نبی علیہ السلام سے پاک اور صاف ہے اور اس میں پورا پورا
انوار نبوت کا انعکاس ہوتا ہے جس طرح کہ آئینہ میں ہو بہو
باہر کی چیز دکھائی دیتی ہے یہ لوگ نبی کے قائم مقام ہوتے
ہیں ان کو اولیاء اللہ کہتے ہیں سو ان کے لئے یزکیھم کہا۔
اس مرتبہ میں صحابہؓ تو اکثر تھے شام کے یہود و نصاریٰ نے
سینکڑوں کرامات ان لوگوں کی مشاہدہ کی ہیں اگر میں ایک
ایک صحابیؓ اور تابعینؒ کا حال لکھوں تو کتاب دراز ہو جائے
شواہد النبوۃ اور حلیۃ الاولیاء وغیرہما کتب محققین عیسائیو
ں کی کتاب اعمال حواریین سے بدرجہا فوقیت رکھتے ہیں مگر
اتنا فرق ہے کہ وہ اس کو انجیل مسیح کہہ کر لوگوں کو دھوکے
میں ڈالتے ہیں ہم ان کو قرآن نہیں کہتے، مگر بعد میں بھی بہت
سے پائے گئے اور پائے جائیں گے۔ پس جو شخص کعبہ اور

اس کے حج و شرائع اور خاتم النبیین کا منکر ہے تو وہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام کا منکر اور ان کے دین سے برگشتہ ہے اس لئے
خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ
اور کون ملت ابراہیم سے منہ پھیر سکتا ہے مگر وہ جو احمق
سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ
بن گیا ہو ، اور ہم نے تو ان کو دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا
وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٣٠﴾
اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں سے ہوں گے۔
اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ
جب ان کو ان کے رب نے کہا کہ فرمانبردار ہو جاؤ۔ (تو ابراہیمؑ نے) عرض کیا کہ
لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٣١﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ
میں تمام جہان کے پروردگار کے آگے سر نیاز خم کر چکا اور اسی کی ابراہیمؑ اور یعقوبؑ
بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى
نے اپنی اولاد کو وصیت بھی کی تھی کہ اللہ نے تمہارے لئے لے لڑکو! یہ
لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ
دین پسند کر لیا ہے پھر تم مرو تو مسلمان ہی
مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٣٢﴾
ہو کر مرنا۔

## ترکیب

ومن استفہام انکاری مبتدا یرغب عن ملۃ ابراہیم
جملہ اس کی خبر الا من میں من محلاً منصوب ہے بجہت استثناء
کے اور ممکن ہے کہ مرفوع ہو ضمیر یرغب سے بدل ہو کر
پس یہ موصولہ ہے اور سفہ فعل ضمیر ہو مستتر اس کا فاعل
نفسہ مفعول یہ جملہ صلہ فی الآخرۃ متعلق ہے صالحین
سے اذ ظرف ہے اصطفینا کا اور اس کی علت ہے یا
منصوب ہے باضمار اذکر وصّٰی فعل بہا سے بالملۃ ابراہیم
فاعل بنیہ مفعول ویعقوب معطوف ہے ابراہیم پر لے

ولوصٰی یعقوب بنیہ یا بنی الخ یہ جملہ بیان ہے اس وصیت کا وانتم مسلمون حال ہے فلاتموتن سے والتقدیر لاتفارقوا الاسلام حتے تموتوا وانتم مسلمون۔

## تفسیر

یعنے تم جو امور مذکورۂ بالا کا انکار کرتے ہو تو درحقیقت ملتِ ابراہیمیہ کا انکار کرتے ہو (کس لئے کہ یہ امور جو اسلام کے اصول قرار دیئے گئے ہیں ملتِ ابراہیمیہ کی اصل ہیں) اور ملتِ ابراہیم ؑ کا بجز اس شخص کے کہ جو از خود نادان اور احمق ہو جائے اور کون انکار کر سکتا ہے۔ کس لئے کہ ابراہیم ؑ وہ شخص ہیں کہ جن کو خدا تعالےٰ نے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا ہے سب موحدین ان کو پیشوا مانتے ہیں اور ہر جگہ ذکرِ خیر ان کا جاری ہے اور آخرت میں بھی خدائے تعالیٰ کے پاس ان کے مراتب بلند ہیں اور ان کی یہ بزرگی اس لئے ہے کہ جب خدا تعالےٰ نے ان سے یہ فرمایا کہ ہمارے حکم بردار ہو جاؤ، تو انھوں نے فوراً عرض کیا کہ میں اپنے جان اور دل سے تابعدار ہوں۔ پھر اے یہود اور اے عرب اور اے نصاریٰ! تم کیوں ملتِ ابراہیمیہ ؑ سے انکار کرتے ہو؟ حالانکہ خود ابراہیم ؑ نے پھر ان کے بعد یعقوب علیہ السلام نے بھی بوقتِ وفات اپنی اولاد کو یہ وصیت کی تھی کہ ہمیشہ اس دین پر قائم رہنا، ایسا نہ ہو کہ اس کے برخلاف ہو کر مرو۔

(۱) رغب کے بعد جب لفظ عن آتا ہے تو اس کے معنے نفرت اور کراہت کے ہو جاتے ہیں اور جب اس کے بعد فی یا الیٰ آتا ہے تو اس کے معنے رغبت کے ہوتے ہیں۔ (۲) سفہ کہ جس کو سفاہت بھی کہتے ہیں، لغت میں ہلکا پن اور خفت کا نام ہے چونکہ احمق خفیف الحرکات ہوتا ہے اس لئے اس کو سفیہ کہتے ہیں یہ لفظ لازمی اور متعدی دونوں طرح سے مستعمل ہوتا ہے اور از خود بیوقوف ہونے سے یہ مراد ہے کہ سب باتیں جان کر پھر غور نہ کرے اور عقلِ سلیم کے برخلاف عمل میں لائے۔ **عقلِ سلیم** حکم کرتی ہے کہ ضرور اس گوناگوں عالم کا کوئی خالق و مالک ہے اور اسی لئے جہان بھر کے شائستہ اور غیر شائستہ انسان خدا تعالےٰ کے وجود کو بغیر آنکھ کے دیکھے تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ بھی **عقل** کا فتویٰ ہے کہ خدا تعالےٰ نے جس طرح انسان کو امورِ دنیا میں سب حیوانات سے اشرف پیدا کیا اور اس کے تمام مہماتِ دنیویہ کا سر انجام فرمایا اسی طرح اس نے ان کے لئے **آخرت** کے رہنما بھی بھیجے ہیں کہ جنھوں نے دنیا کے وہ عقائد اور وہ اعمال جو اس کے مرنے کے بعد نفع دیتے ہیں یا ضرر پہنچاتے ہیں بیان کر دیئے اور اس کے لئے ایک دستور العمل دے گئے جس کو **ملت** کہتے ہیں اس کے بعد جب **عقل** چاروں طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتی ہے کہ وہ کون کون سے لوگ ہیں کہ جن کو معرفتِ خدا تعالےٰ نے اس مہم کا اہتمام کیا ہے تو ان سب سے پہلے حضرت **ابراہیم علیہ السلام** پر نظر پڑتی ہے کس لئے کہ باستثناء چند اقوام غیر مہذب تمام روئے زمین کے خدا پرست ان کو دینی بزرگ بلکہ تمام دینی بزرگوں اور مقدسوں کا جدِّ امجد جانتے ہیں (ولقد اصطفینٰہ فی الدنیا کا یہ محصل ہے) اور ان کو عالمِ آخرت میں ہر طرح سے فائز المرام بھی مانتے ہیں (وانہ فی الاخرۃ لمن الصّٰلحین کا بھی مطلب ہے) پس جو شخص باوجود علم ان امور کے پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے سے روگردانی کرتا ہے تو از خود احمق بنتا ہے اور یہ بات پیشتر بیان ہو چکی ہے کہ اس نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کی اور ملتِ ابراہیم ؑ کے مہتمم ہونے کی خود ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے دعا کی تھی کہ جس کے ظہور کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی توراۃ میں خبر دی ہے۔ پھر جو ان کا انکار کرتا ہے وہ ملتِ ابراہیمیہ کا منکر ہے۔ (۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ بیٹے تھے بڑے اسمٰعیل ؑ ان سے چھوٹے اسحٰق ؑ یہ نبی ہیں، اور قتورہ کنعانیہ کے پیٹ سے زمران، یقسان، مدان، مدیان، اسباق، سوخ پیدا

ہوئے بدیان کی اولاد میں سے حضرت شیب علیہ السلام تھے اور یقسان سے صبا اور ددان پیدا ہوئے تھے۔ اسمٰعیل علیہ السلام مکہ میں اور اسحٰق علیہ السلام شام میں رہے اور بیٹے دیگر اطراف و جوانب میں آباد ہوئے۔ پھر اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ۱۲ بیٹے تھے جن میں سے بڑے سے چھوٹے قیدار تھے کہ جن کی نسل سے جناب سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اسحٰق علیہ السلام کے بڑے بیٹے عیص اور جو ان کے عقب میں پیدا ہوئے یعقوب علیہ السلام ہیں ان کو اسرائیل بھی کہتے ہیں۔ یہ تمام انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل کے جدِ امجد ہیں ان کے بارہ۱۲ بیٹے تھے لیاہ کے پیٹ سے روبن، شمعون، لاوی، یہودا پیدا ہوئے اس کے بعد اشکار اور زبلون پیدا ہوئے۔ پھر بلہ راحیل کی لونڈی سے دان، نفتالی ہوئے پھر لیاہ کی لونڈی زلفہ سے جد، آشر پیدا ہوئے پھر خود راحیل کے پیٹ سے جو لیاہ کی چھوٹی بہن تھی یوسف، بنیامین پیدا ہوئے۔ خاتمہ کلام میں خدا تعالیٰ عرب اور تمام اہلِ کتاب کو فرماتا ہے کہ اگر تم ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کو مانتے ہو تو انھوں نے مرنے کے قریب بڑی تاکید سے اس ملت پر قائم رہنے کی اپنی اولاد کو وصیت کی تھی اب تم ان کی وصیت سے کیوں اعراض کرتے ہو؟۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ

(اے بنی اسرائیل) کیا تم اس وقت موجود تھے کہ جب یعقوبؑ کا وقت آخر

الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ

آیا۔ جب کہ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی

مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ

عبادت کرو گے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہم خدا کی عبادت

اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ

کریں گے جو آپؑ کا خدا اور آپؑ کے بزرگوں ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور

اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحْنُ لَهٗ

اسحٰقؑ کا خدائے واحد ہے اور ہم تو اسی کے

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا

فرمانبردار ہیں یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی وہ جو کچھ کر گئے

مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا

تو اپنے لئے اور تم نے جو کچھ کیا تو اپنے لئے اور ان کے

تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

عمل کی تم سے کچھ پرسش نہ ہوگی۔

## ترکیب

ام منقطعہ اے بل اکنتم علی جہۃ التوبیخ شہداء خبر کان اذ ظرف شہداء کا حضر فعل یعقوب مفعول الموت فاعل و قرئی بالعکس اذ بدل ہے اذ سابق سے قال فعل ضمیر ہو راجع یعقوب کی طرف فاعل لبنیہ متعلق قال سے ما بمعنے من استفہامیہ معمول تعبدون۔ قالوا کا فاعل بنین۔ الٰہک والٰہ آبائک مفعول۔ ابراہیم الخ بدل آباء سے الٰہا واحدا صفت و موصوف بدل ہے الٰہ اول سے اور ممکن ہے کہ حال موطئہ ہو کقولک رأیت زیدا رجلا صالحا یہ سب جملہ جواب ہوا اذ قال لبنیہ کا یہ اذ اپنے جواب سے مل کر بدل ہوا آذ اول کا اور پھر تمام جملہ استفہام توبیخی ہوا۔ ونحن لہ مسلمون جملہ حالی ہے فاعل نعبد سے یا معطوف ہے نعبد پر۔ تلک مبتدا امۃ موصوف قد خلت صفت لہا ماکسبت صفتِ ثانیہ مجموعہ خبر ولا تسئلون الخ جملہ مستانفہ۔

## تفسیر

پہلی آیت میں ذکر تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے اس ملت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔ اس پر یہود نے یہ کہا کہ ہرگز یعقوبؑ نے یہ وصیت نہ کی تھی بلکہ یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔ اس پر خدا تعالےٰ ان سے بطور توبیخ کے پوچھتا ہے کہ تم یہ جھوٹا دعویٰ کرتے ہو۔

کیا وصیت کے وقت، کہ موت کا قریب زمانہ ہوتا ہے تم حاضر تھے، جب کہ یعقوبؑ نے مصر میں جا کر لوگوں کو بت اور ستارے اور بیل اور بلی وغیرہ اشیاء کو پوجتے دیکھا اور اس کا خوف پیدا ہوا کہ مبادا میرے بعد یہ بھی کہیں ان کی صحبت میں بت پرست نہ ہو جائیں، تو سب اولاد کو بلا کر پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انھوں نے کہا کہ آپؑ کے خدا تعالیٰ کی جو آپؑ کے باپ دادا ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ کا خدا واحد ہے اور ہم ہمیشہ سے اسی کے فرمانبردار ہیں اور رہیں گے۔ یہ ظاہر ہے کہ تم اس وقت موجود نہ تھے پھر کس لئے انکار کرتے ہو؟ اور اس بات پر ناحق مغرور ہو کہ ہم ان بزرگوں کی اولاد ہیں۔ ہم پورے پورے ان کے متبع ہیں، ہمارے اعمال سے بازپرس ہوگی تو ہم ان کے اعمال کو پیش کر دیں گے۔ اس پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے، تم کو ان سے کیا علاقہ وہ پاکباز لوگ تھے گزر گئے۔ ان کے اعمال سے ان کو نفع ہوگا۔ اور تم کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔ ان کے اعمال کے تم جوابدہ نہ ہو گے۔

## فوائد

(۱) اس مقام پر بعض ناسمجھ ایک سوال کیا کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا وقتِ موت آیا تو اس وقت وہ ملک کنعان میں تھے۔ کیونکہ مرنے سے پیشتر ان کو حکم ہوا تھا کہ اس ناپاک جگہ سے چل دے۔ اور تیری وفات کا وقت قریب آگیا ہے تو اپنے باپ دادا کے ملک میں جا اور ان میں جا کر مل جانا۔ چنانچہ وہ تمام اولاد سے رخصت ہو کر ملک کنعان میں آئے اور وہیں جان بحق ہو گئے۔ پس وہاں اولاد کہاں تھی کہ جو ان سے وصیت کرتے وہ تو ملک مصر میں تھی۔ اس کا جواب بہت آسان ہے وہ یہ کہ جب فرشتے نے مصر میں ان سے پیامِ موت دیا تھا جب ہی موت کے حاضر ہونے کا زمانہ سمجھا گیا۔ ۳۲

سو اس وقت ان کی تمام اولاد موجود تھی۔ ان سے وصیت کی اور ممکن ہے کہ کچھ لوگ ان کے ساتھ بھی آئے ہوں۔

(۲) جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو ان کو مناسب تھا کہ یوں کہتے اللہ تعالیٰ کی یا جس نے آسمان زمین پیدا کیا ہے اس کی یہ کیوں کہا کہ تیرے خدا اور تیرے بزرگوں ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ کے خدا کی عبادت کریں گے اس میں یہ نکتہ ہے (۱) یہ کہ وہاں کے لوگ عناصر اور ستاروں کو خالق جانتے اور ان کو الٰہ کہتے تھے اگر یہ بھی الٰہ یا آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا کہتے تو صاف معلوم نہ ہوتا کہ ان کی اس سے کون شخص مراد ہے۔ جب کہا تیرا اور تیرے باپ دادوں کا خدا تو وہ احتمال جاتا رہا۔

(۳) اس سے دینی بزرگوں کی پیروی اور ان کی تقلید کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ہم بے چون و چرا ان بزرگوں کے طریقہ پر چلیں گے۔ بلا شک از خود ٹکریں مارنے سے کسی کامل اور رسیدہ کا دامن پکڑ لینا اور اس کی تقلید کرنا باعث امن ہے۔ اسی طرح جزئیات مسائل میں ائمہ مجتہدین کی پیروی اور تقلید کرنا خود شتر بے مہار ہونے سے بہتر ہے۔ تقلیدِ مشرکین و جاہلین پر (کہ جس کی مذمت قرآن و حدیث میں ہے) اس تقلید کو محمول کرنا سخت بے انصافی ہے۔

(۴) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گو حضرت یعقوب علیہ السلام کے باپ نہ تھے، مگر چونکہ حقیقی چچا تھے اور اس کو عرف میں باپ کہتے ہیں، اس لئے آباء میں ان کا بھی ذکر کیا۔ یا یوں کہو کہ آباء کے معنے حقیقی باپ مراد نہیں بلکہ بزرگ، سو اس میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بدرجہ اولیٰ ہیں۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ

اور وہ کہتے ہیں کہ یہودی یا نصاریٰ ہو جاؤ تب راہ پاؤ گے۔

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ

کہہ دو نہیں بلکہ ہم ملت ابراہیم کے پابند ہیں جو خالص اللہ کے ہو رہے

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

تھے اور وہ مشرک نہ تھے۔ کہہ دو ہم اللہ تعالیٰ پر اور

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ

جو ہماری طرف نازل کیا گیا (قرآن) اور جو ابراہیم اور

اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَ

اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور

الْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى

اس کی اولاد پر نازل ہوا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا

وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا

اور جو کچھ نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا سب پر ایمان

نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ

لائے ہم ان میں سے کسی میں بھی کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

فرمانبردار ہیں۔

## ترکیب

قالوا فعل ضمیر ہم راجع یہود و نصاریٰ کی طرف فاعل کونوا فعل انتم فاعل ہودا او نصاریٰ خبر جملہ مفعول قالوا ای قال الیہود کونوا ہودًا وقالت النصاریٰ کونوا نصاریٰ۔ تہتدوا جواب امر ملۃ منصوب ہے بتقدیر نتبع حنیفًا حال ہے ابراہیم سے اور ممکن ہے کہ فاعل نتبع سے ہو وما کان من المشرکین جملہ مستانفہ قولوا فعل با فاعل آمنا باللہ الخ جملہ مفعول وما انزل معطوف ہے اللہ پر و قس علیہ احد چونکہ حیز نفی میں ہے اس لئے جمع کے معنے دیتا ہے اس لئے

لفظ بین کی اضافت احد کی طرف درست ہوئی اور بعض کہتے ہیں احد بمعنے فریق ہے اور بین ہمیشہ غیر واحد کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

## تفسیر

پہلے انبیاء کا طریقۂ ہدایت چھوڑ کر یہود و نصاریٰ نے نیا مذہب بنا رکھا تھا۔ اس پر ان کو بڑا ناز تھا۔ اسی کو نجات کا راستہ جان کر یہودی کہتے تھے قدیم مذہب ہمارا ہے، بے اس کے ہدایت ممکن نہیں۔ اسی طرح عیسائی کہتے تھے نجات ہمارے مذہب بغیر ممکن نہیں۔ خدا تعالیٰ ان کے جواب میں تعلیم فرماتا ہے کہ ان بزرگوں میں سب کے پیشرو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ کہہ دو کہ ہم خالص ملت ابراہیم پر ہیں اور وہ مشرک نہ تھے۔ تمہارے مذہب میں شرک کی آلائش ہے۔ اور اس بزرگ کا طریقہ اسلام تھا۔ اسلمت لرب العالمین ان کا شیوہ تھا۔ اس سے قطع نظر صحیح اور ٹھیک راستہ ہدایت کا یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ پر اور بلا تفریق سب انبیاء پر ایمان لاوے یہی اسلام ہے جس میں بنی اسرائیل اور غیر بنی اسرائیل کی کوئی بھی تفریق نہیں۔ برخلاف ملت یہود و نصاریٰ و دیگر مذاہب کے کہ وہ اور انبیاء کو نہیں مانتے، پھر بتاؤ کہ قدیم اور حق مذہب اسلام ہے یا کہ تمہارے مذاہب جن پر نجات و ہدایت کا تم انحصار کرتے ہو اور لوگوں کو ان پر چلنے کا حکم دیتے ہو۔

## متعلقات

حنیفًا، حنیف بمعنی مستقیم۔ جس طرح تفاؤلاً اندھے کو بصیر اور سانپ بچھو کے ڈسے کو سلیم کہتے ہیں اسی طرح لنگڑے کو حنیف کہتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مستقیم ہو اور مراد مرد نہ بھٹکے وہ **حنیف** ہے۔ بعض کہتے ہیں حنیف لغت میں میلان کرنے والے کو کہتے ہیں اور چونکہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے جمیع ادیان سے خدا تعالیٰ کی طرف میلان
کیا تھا اس لئے ان کا لقب حنیف ہوا اور اسی لئے ہر موحد
کا یہ لقب ہے (تفسیر کبیر)۔
(الاسباط) سبط کی جمع ہے۔ لغت میں سبط شاخ دار
درخت کو کہتے ہیں۔ اس مناسبت سے اس کا اطلاق خاندان
اور قبیلہ پر ہوا۔ (سبط پوتے اور اس کی اولاد کو کہتے
ہیں۔ اور چونکہ امام حسنؓ و حسینؓ قبیلہ سادات حسنی و حسینی
کا سرمنشاء ہیں اس لئے ان کو سبط رسول اللہ کہتے ہیں۔
کبیر) جس طرح عرب میں لفظ قبیلہ کا استعمال تھا اسی طرح
بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو اسباط کہتے تھے سبط فلاں
سبط فلاں۔ اس جگہ مراد وہ انبیاء ہیں کہ جو ان بارہ قبیلوں
میں گزرے ہیں۔ جیسا کہ عزیر اور شعیاہ اور یرمیاہ اور
حزقیل علیہم السلام۔

## واضح ہو کہ

ہر دین میں تین باتیں ہوتی ہیں۔ اوّل اصول عقائد جیسا
کہ خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک جاننا اور اس کی تمام صفات
کمالیہ پر ایمان لانا اس کے انبیاء کو برحق سمجھنا قیامت
کا اعتقاد کرنا وغیرہ۔

**دوم** قواعد کلیہ شریعت کہ جن کی طرف جزئیات احکام اور
فروع مسائل رجوع کرتے ہیں اور ہر حکم میں ان کلیات کا ضرور
لحاظ ہوتا ہے گویا کہ وہ کلیات مقصود اصلی ہوتے ہیں اور
یہ فرعیات اس کے محافظ۔ مثلاً نماز اور زکوٰۃ ایک حکم اصلی
ہے کیونکہ یہ بدنی اور مالی عبادت ہے۔ مگر نماز کی یہ صورت کہ
پہلے اس طرح سے وضو کرے اور اتنی رکعت پڑھے اور ان میں
یہ اذکار ہوں یہ سب باتیں اس حکم اصلی کی محافظ ہیں اس
پر اور سب باتوں کو قیاس کر لیجئے۔ اگرچہ شارع کا حکم دونوں
کے بجا لانے کا برابر ہے۔ مگر اصل شریعت انہیں قواعد اصلیہ
کا نام ہے اور ان کے محافظات کے تغیر کا بھی نبی کے سوا اور
کسی کو اختیار نہیں۔

**سوم** یہ احکام جزئیہ کہ جن کو محافظ شریعت کہتے ہیں۔ اوّل
قسم میں تمام انبیاء علیہم السلام اور کل خدا تعالیٰ کے برگزیدہ
متفق ہیں بلکہ جس قدر مذاہب دنیا میں پائے جاتے ہیں اگرچہ
ان کے بانی انبیاء تھے۔ لوگوں کی افراط و تفریط سے اس
دین کی شکل بالکل بگڑ گئی ہو۔ مگر جب اس افراط و تفریط
کے تودے کو کھود کر دیکھو گے تو بلاشک اس کے نیچے سے
بھی وہ جواہرات دبے ہوئے ملیں گے۔ یہ احکام نہ کبھی منسوخ
ہوتے ہیں نہ زمانہ کی رفتار سے بدلتے ہیں۔ ان میں ایک پچھلا
نبی پہلے انبیاء کا متبع سمجھا جائے گا۔ اسی لئے نبی صلے اللہ
علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فبھدٰھم اقتدہ کہ اگلے
انبیاء کی ہدایت کا اقتدا کرو۔ اور اسی لئے فرمایا قولوا
آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم و
اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط الخ تمام
برگزیدوں کا ماننا دین اسلام میں فرض ہے یہ اس کی صداقت
کی دلیل ہے۔ قسم دوم کو ملت کہتے ہیں۔ ان میں بھی تفاوت
اور اختلاف بہت کم ہوتا ہے مگر بعض امور کسی قوم اور کسی
زمانہ کے لائق نہیں ہوتے ان میں تغیر و تبدل ہوتا ہے۔
مثلاً حج کہ شریعت موسوی میں فرض نہ تھا کس لئے کہ
یہود کی استعداد میں قصور تھا وہ صرف اہل ظاہر تھے۔
اسرار باطنیہ سے بے بہرہ بالخصوص محبت و فنا کے رستے سے
ناواقف تھے سوا خوف و طمع کے اور کچھ نہ جانتے تھے اس لئے
ان کے لئے اسی قسم کے احکام صادر ہوئے۔ پھر جب اہل کمال
پیدا ہوئے جو ظاہر و باطن میں منور تھے اور ان کے قلوب
میں محبت و وجد و شوق کی استعداد تھی تو پھر وہی احکام
کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں تھے قائم ہوئے۔
منجملہ ان کے حج ہے۔ چونکہ ان امور میں حضرت ابراہیمؑ اور
جناب خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم نہایت تشابہ ہے اس لئے
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ ابراہیم حنیفاً کی ملت

ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرو۔ قسم سوم۔ ہر زمانے میں یکساں نہیں رہتی۔ ان کو ہمیشہ قائم رکھنا حکیم مطلق کی شان سے نہایت بعید ہے اس قسم کو شریعت کہتے ہیں۔ موسیٰؑ کے بعد جس قدر انبیاء بنی اسرائیل تھے شریعت موسیٰؑ کے تابع تھے مگر جناب خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم اس امر میں کسی شریعت کے تبع نہ تھے بلکہ آپ کی شریعت اس جلوۂ کمال کے زمانہ میں مستقل تھی، فاحفظ ہذا التحقیق۔ اس کے بعد بھی جو کوئی بے سمجھ پادری یا کوئی اور مخالف اسلام نسخ شریعت پر اعتراض کرے تو استعدادِ فہم کا قصور ہے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ

پھر اگر وہ بھی اسی طرح سے ایمان لے آئیں جس طرح کہ تم

اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ

لائے ہو تو انھوں نے بھی ہدایت پائی اور اگر وہ نہ مانیں تو ضد میں پڑے

شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ

ہوئے ہیں۔ پھر تم کو خدا تعالیٰ (ان کے شر سے بچانے میں) کافی ہے اور وہ

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣٧﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ

سننے والا جاننے والا ہے۔ اللہ کے رنگ (میں رنگو) اور اللہ تعالیٰ

اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ

کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہو سکتا ہے! اور (کہو) ہم تو

عٰبِدُوْنَ ﴿١٣٨﴾

اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

## ترکیب

فان شرطیہ آمنوا فعل با فاعل بمثل میں ب زائدہ ہے مثل صفت ہے مصدر محذوف کی ما مصدریہ ہے تقدیرہ ان آمنوا ایمانا مثل ایمانکم پس یہ جملہ شرط ہے۔ اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ مثل زائد ہو۔ جیساکہ لیس کمثلہ شئ میں ک زائد ہے، جس سے مراد قرآن اور نبی ہے اور بہ کی ضمیر اس کی طرف پھرتی ہے، تقدیرہ ان آمنوا بما آمنتم بہٖ یعنی جس چیز پر تم ایمان لائے ہو اگر اس پر یہ لوگ بھی ایمان لائے تو راہ پالیں گے۔ فقد اهتدوا جواب شرط اور اسی طرح وان تولوا صبغة اللہ منصوب ہے فعل محذوف سے ای الزموا صبغة اللہ ومن استفہام انکاری کے لئے مبتدا احسن ممیز صبغة تمیز مجموعہ خبر۔

## تفسیر

یہود اور نصاریٰ کے دعوے کا الزامی اور تحقیقی جواب دے کر خدا تعالیٰ یہ ثابت کرتا ہے کہ ہدایت اسلام میں ہے، جیساکہ اوپر کی آیت میں بیان ہوا۔ پس اگر یہ لوگ مسلمانوں کی طرح ایمان لائیں گے تو ہدایت پاویں گے ورنہ ضدی ہیں۔ سو اب اے مسلمانو! ان کی ضد اور دشمنی سے امر حق کے ظاہر کرنے میں کچھ تردد نہ کرو۔ خدا تعالیٰ تم کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ وہ دانا بینا ہے (چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ مسلمانوں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ یہ پیشین گوئی صادق ہوئی)۔ عیسائیوں میں قدیم دستور ہے کہ جب کسی کو اپنے مذہب میں داخل کرتے ہیں یا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو حوض میں غوطہ دیتے ہیں۔ بعض عیسائی، جیساکہ کلیسائے عرب، اس پانی میں کچھ زردی وغیرہ رنگ کا بھی استعمال کرتے ہیں اور بجائے غوطہ کے صرف رنگین کرنے ہی پر بس کرتے تھے۔ اس کو اصطباغ یعنی بپتسمہ کہتے ہیں۔

اس ظاہری رنگ پر ان کو بڑا اعتماد تھا اور اس کو نجات کی کنجی سمجھتے تھے۔ اس کے حق میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ

لہ ایک ناواقف پادری نے غلط فہمی سے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے جس سے لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ کے مثل پر ایمان لانا چاہیئے حالانکہ اس کا کوئی مثل نہیں۔ یہ پادری اگر کچھ بھی صرف و نحو پڑھ لیتا تو کبھی اس قسم کا بیجا اعتراض نہ کرتا۔ ۱۲ منہ

اس ظاہری رنگ سے کیا دل رنگین ہو سکتا ہے؟ کوئی کسی حوض میں ہزار غوطے لگائے اور سر سے پاؤں تک رنگ میں رنگا جائے مگر کیا فائدہ؟ رنگ تو خدائی رنگ ہے یعنی کلمۂ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جو انسان کی روح اور دل کو رنگین کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے اس رنگ باطنی سے کونسا رنگ اچھا ہو سکتا ہے۔ انسان اس رنگ میں رنگین ہو کر ہمیشہ اسی کی عبادت میں مستغرق رہتا ہے۔

## ف

یہودیوں اور عیسائیوں کے دعوے کا براہین مسلّمہ سے ابطال کر کے اس کے برخلاف دعوے کو ذکر کہ نجات اور حقیقی ہدایت دینِ اسلام میں ہے) نہایت پُر اثر اور عمدہ دلائل سے ثابت کر دیا اور بات جتلادی کہ اسلام کے مقابلہ میں اصطباغ وغیرہ رسوم ظاہریہ کچھ فائدہ مند نہیں۔

قُلْ اَتُحَاجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا
(اے نبی ﷺ ان سے) کہو کیا اللہ کے معاملہ میں جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا بھی

وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ
رب ہے اور تمہارا بھی اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے

اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ (۱۳۹)
تمہارے اعمال اور ہم تو اسی کے مخلص بھی ہیں۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
کیا اب یہ کہو گے کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ
اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اسباط (قبائل)

كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَ
یہودی یا نصرانی تھے، ان سے پوچھو

اَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ اَظْلَمُ
کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس سے زیادہ

مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ
ظالم کون ہے کہ جس کے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے شہادۃ بھی ہو اور وہ اس

اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۱۴۰)
کو چھپائے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کام سے بے خبر نہیں۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ
یہ ایک امت تھی جو گزر گئی وہ جو کچھ کر گئے ان کے لئے

وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ
اور جو کچھ تم نے کیا تمہارے لئے، اور تم سے ان کے

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۴۱)
اعمال کی پرسش نہ ہوگی۔

ع ۱۶ ۱۲ ۱۷

## ترکیب

قل فعل با فاعل اَ ہمزہ استفہام انکاری اتحاجوننا الخ جملہ استفہامیہ اس کا مقولہ اَم معادلۃ للہمزۃ فی قولہ تعالیٰ اتحاجوننا یعنی ان دونوں باتوں میں سے کونسی کرتے ہو۔ ہم سے خدا میں جھگڑا کرتے ہو کہ وہ خاص ہمارا ہی خدا ہے بغیر یہودی یا نصرانی ہونے کے نجات ممکن نہیں۔ اس پر کوئی دلیل یا برہان بھی رکھتے ہو یا محض تقلید اور افتراء سے کام لیتے ہو یا یہ کہو کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ و اسباط یہودی و نصرانی تھے اور ہم ان کے پیرو ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ ام اللہ مبتدا والخبر محذوف ای ام اللہ اعلم ام متصلہ ہے ای ایکم اعلم استفہام انکاری ہے۔ شہادۃ موصوف عندہٗ ثابت کے متعلق ہو کر صفتِ اوّل من اللہ کائنۃ کے متعلق ہو کر صفت ثانی ہوئی، ای لا احد اظلم ممن فعل کذا۔

## تفسیر

یعنی یہود جو کہتے ہیں کہ ہدایت کا مدار یہودیت پر ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مدارِ ہدایت عیسائیت پر ہے اور کبھی کہتے

ہیں کہ جنت میں یہودی ہی جائیں گے۔ نصرانی کہتے ہیں ہم ہی اُس کے مستحق ہیں۔ تو اے نبیؐ! ان سے یہ کہو کہ کیا تمہارا ہی خدا ہے کہ جس میں تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو اور اُس سے اپنی جداگانہ خصوصیت جتلاتے ہو۔ حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا سب کا رب ہے اور ہر شخص اپنے اعمال کی جزا و سزا پاتا ہے۔ باوجود اس کے کہ تم اس سے ناز و تکبر سے پیش آتے ہو اور ہم سراسر اس سے عجز و نیاز اور دلی اخلاص بھی رکھتے ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ تمہارے خانہ ساز ڈھکوسلوں پر (کہ جن کو نہ عقل سلیم تسلیم کرتی ہے نہ نقل) نجات اور رضامندیت کا انحصار ہو اور اگر وہ اپنے دعوے کی دلیل سے عاجز ہو کر یہ کہیں کہ اس لئے یہودیت یا عیسائیت پر مدار نجات ہے کہ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ و اسباط بزرگان دین یہودی یا عیسائی تھے تو یہ بھی غلط ہے۔ صدہا ہزار سال کی بات وہ جانتے ہیں یا خدا تو خوب جانتا ہے حالانکہ وہی خوب جانتا ہے بلکہ یہ لوگ خود بھی واقف ہیں کہ ان بزرگوں سے صدہا بلکہ ہزارہا سال بعد یہ مذہب قرار پائے ہیں۔ بھلا ان بزرگوں کے عہد میں سبت وغیرہ رسوم اور عقیدہ تجسّم و تشکّل الٰہی کا کہ جو مذہب یہود میں ہے کہاں تھا۔ اسی طرح الوہیت مسیحؑ اور تثلیث اور کفارہ اور عشاء ربانی اور بپتسمہ کو کہ جو مذہب عیسوی کے اصول ہیں کون جانتا تھا اور ان بزرگوں میں سے کس کا عقیدہ ایسا تھا۔ پھر اس پر یہ لطف ہے کہ یہ لوگ اس بات کا بھی یقین رکھتے ہیں اور ان کی کتابوں اور روایتوں میں بھی ہے کہ ان بزرگوں نے نجات حاصل کی تھی اور وہ راہ ہدایت پر تھے پھر کس طرح اس شہادت کو چھپا کر کہتے ہیں کہ مدار نجات اور انحصار ہدایت یہودیت یا نصرانیت میں ہے۔ اس پر اس شہادت کو جو چھپائے اُس سے کون زیادہ ظالم ہے؟ خداتعالےٰ اُن کے تعصب و عناد اور شر و فساد سے بے خبر نہیں، اُن کو سزا دے گا۔ ان بزرگوں کا نام یہ لوگ عبث لیتے ہیں وہ اچھے لوگ تھے گزر گئے اُن کے لئے اُن کے اعمال ہیں اِن کے لئے اِن کے اعمال ✤

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ
بے وقوف ابھی کہتے کہیں گے کہ مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے کہ جس پر
عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ؕ قُلْ
وہ تھے کس نے پھیر دیا۔ (سوائے نبی ۱۲ ان سے) کہدو کہ
لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ یَهْدِیْ مَنْ
مشرق اور مغرب (سب) اللہ ہی کا ہے، وہ جس کو
یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۴۲﴾
چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

## ترکیب

سیقول فعل السفہاء فاعل من الناس اس کا بیان ما ولٰہم مبتدا و خبر مل کر موضع نصب میں ہے بسبب قول کے عن جار قبلۃ مجرور مضاف ہم مضاف الیہ سب موصوف التی کانوا علیہا ای علی توجہہا او علی اعتقادہا جملہ صفت عن متعلق ولّی کے ہے۔

## تفسیر

اس سے پہلی آیات میں خدا تعالےٰ نے یہود اور ان کے متعلقہ منافقین کی اُن نکتہ چینیوں کو ذکر (وہ جو اسلام اور نبی علیہ السلام کی شان میں کرتے تھے) ذکر فرما کر جواب دیا تھا۔ منجملہ اُن نکتہ چینیوں کے ایک بڑا بھاری اعتراض اسلام پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تحویل قبلہ کے بارہ میں کرتے تھے سو خدا تعالےٰ اُس کا جواب اس آیت میں دیتا ہے۔

جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھا کرتے اور اسی کو قبلہ بناتے تھے۔ مورخین کی روایات میں تفاوت ہے کہ کوئی کہتا ہے نو یا دس مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی کوئی سولہ یا سترہ مہینے تک کہتا ہے۔ واقدی وغیرہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاوّل کی اوّل تاریخوں میں مدینہ میں تشریف لائے پھر دوسرے سال کے رجب میں پندرہویں تاریخ پیر کے روز کعبہ کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ہوا اس تقدیر پر یہ مدت تخمیناً سترہ مہینے کی ہوتی ہے، اور یہی ٹھیک ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مکہ میں تھے جب بھی بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھتے تھے اور کعبہ کو سامنے رکھتے تھے جیسا کہ بیہقی نے سُنن میں اور ابوداؤد نے

ناسخ و منسوخ میں اور ابن ابی شیبہ نے عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلی وھو بمکۃ نحو بیت المقدس والکعبۃ بین یدیہ وبعد ماتحول الی المدینۃ ستۃ عشر شہرا ثم صرف الی الکعبۃ: اور اسی لئے بعض مؤرخین کو شبہ ہو گیا کہ تحویلِ قبلہ دُو بار واقع ہوئی، حالانکہ یہ غلط ہے۔ قصّہ مختصر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک سرِّ الٰہی کی وجہ سے چند مدّت بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھی اور پھر حکمتِ الٰہی کا مقتضی ہوا کہ کعبہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھیں اور اسی کا شوق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈالا گیا کہ جس کے حکم کی آرزو میں باربار آسمان کی طرف مُنہ کر کے دیکھا کرتے تھے پس خدا تعالیٰ قبل اس کے کہ کعبہ کی طرف مُنہ کرنے کا حکم دے مخالفو کے طعن کو بیان کر کے اُس کا جواب دیتا ہے کہ عنقریب بیوقوف لوگ کہ جو نہ سرِّ الٰہی سے واقف ہیں نہ خاصانِ خدا پر اُن کا اعتقاد ہے کعبہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنے کے حکم پر یہ اعتراض کریں گے کہ ان مسلمانوں کو کس چیز نے اُن کے قبلہ بیت المقدس سے پھیر دیا جس کی طرف وہ مدّت تک مُنہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ یہ طعن یہودِ مدینہ اور منافقین اور مشرکینِ عرب کی طرف سے ہوا تھا۔ یہود نے تو اس بنا پر کیا کہ خدا تعالیٰ اپنے احکام کو کیوں منسوخ کرتا ہے کیا اس کو پیشتر مصلحت معلوم نہ تھی بعد میں سوجھی خدا تعالیٰ ایسا نہیں کر سکتا اور نیز اُن کو یہ امر ناگوار گزرا کہ باوجود اتباعِ سلسلۂ انبیاء علیہم السلام کے یہ نبیؐ عربیؐ اُس کعبۂ انبیاءؑ کو چھوڑ کر جاہلوں کے کعبہ کی طرف مُنہ کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ نبی نہیں کہ جس کی توراۃ میں موسٰی علیہ السّلام نے خبر دی ہے (آج کل کے پادری اور اُن کے مقلد بھی یہودِ مدینہ کے پَیرو بن کر اسلام پر اس لغو اعتراض کو وارد کیا کرتے ہیں) اور منافقین کے نزدیک کوئی جہت مرجح نہ تھی وہ اس کو سرے سے لغو سمجھتے تھے اور مشرکین کہتے تھے کہ دیکھو آخر کار ہمارے کعبہ کی طرف مُنہ کیا۔ خدا تعالیٰ اِس شبہ کا جواب دیتا ہے کہ اے نبیؐ! اُن سے کہدو کہ مشرق اور مغرب یعنی ہر جانب اور ہر سمت خدا تعالیٰ کے نزدیک یکساں ہے ہر جگہ اُس کا ظہور ہے مگر وہ کسی سرّ کی وجہ سے ایک جہت کو عبادت کرنے والوں کے لئے مخصوص کر دیتا ہے اور اس سرّ کو ہر شخص نہیں سمجھتا ہاں وہ جس کو چاہتا ہے اُس کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

## متعلّقات

قبلہ، بروزن فِعلہ، سامنے کی جہت کو کہتے ہیں یا اُس حالت کو جو کسی چیز کے سامنے ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ مقابلہ سے مشتق ہے، اور من الاستقبال۔ اور قبلہ کو اِسی لئے قبلہ کہتے ہیں کہ وہ نمازی کے سامنے ہوتا ہے (تفسیر کبیر وغیرہ) سو یہ قبلہ کبھی بیت المقدس اور پھر خانہ کعبہ قرار پایا: اس مقام پر دُو باتیں قابلِ غور ہیں **اوّل** یہ کہ نماز کے لئے قبلہ معیّن کرنے میں کیا سرِّ الٰہی ہے؟ اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس میں چند حکمتیں ہیں (۱) **مقدّمہ** خدا تعالیٰ نے انسان کو دُو قوتیں عطا فرمائی ہیں ایک **قوّتِ عقلیہ** کہ جو مجردات کا ادراک کرتی ہے دوسری **قوتِ خیالیہ** کہ جو محسوسات میں تصرّف کرتی ہے بسا اوقات یہ قوت قوتِ عقلیہ کو معانی مجردہ کے ادراک میں مدد دیا کرتی ہے اور اسی لئے آپ نے دیکھا ہوگا کہ مہندس جب مقادیر کا کوئی حکم کلّی دریافت کرنا چاہتے ہیں تو اُس کے لئے کوئی صورتِ معیّنہ اور شکل معیّن فرض کر لیتے ہیں تاکہ حس اور خیال اس کی اس ادراک میں اعانت کرے: پس جب بندہ کو خدا تعالیٰ کے حضور میں بوقتِ عبادت حاضر ہونا پڑا تو اُس ذاتِ مقدّسہ کے لئے کہ جو جسم اور اُس کے تمام عوارض سے پاک اور احاطہ حس و خیال سے باہر ہے کوئی آلہ حسّیہ[1] ضرور تھا کہ جو اُس کی تجلیات کا مظہر اور اس کے جمال باکمال کا آئینہ ہو اور یہ بھی ضرور تھا کہ اِس آئینہ

[1] یعنے اُس کی مشق کے لئے خاکہ ۱۲

میں کوئی صنمیت[1] وغیرہ کا رنگ نہ ہو (یعنی وہ جگہ کسی کی تصویر نہ ہو ورنہ پھر توجہ عبودیت اُس صاحبِ تصویر کی طرف رجوع کرے گی) تاکہ عمدہ طرح سے نظر آوے اور یہ جگہ خانۂ کعبہ ہے کہ جو عالمِ ملکوت میں بیت المعمور کا نمونہ اور عالمِ ناسوت میں ابُ الانبیاء اور رئیس الموحدین حضرت آدم و حضرت ابراہیم علیہما السّلام کا معبد اور خداوند تعالےٰ کے جلوہ کی کرسی ہے (جیساکہ توراۃ سفرِ استثنا میں ہے کہ خدا فاران یعنی مکہ کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا) اور آفتابِ دینِ محمدیؐ کا مطلع اور اہلِ اسلام کی دولت و حشمت کا منبع ہے اور اس کے بعد دوم درجہ میں بیت المقدس ہے جہاں سے نبوّت بنی اسرائیل کا دریا بہا ہے ؛ (۲) یہ امر تو ظاہر ہے کہ حالتِ اجتماعیہ حالتِ وحدانیہ سے قوی ہوتی ہے دیکھئے ایک یا دو بال میں وہ قوت نہیں کہ جو دس بیس پچاس ملا کر رسی بٹنے سے ہوتی ہے پس حب نباتات و جمادات کا یہ حال ہے تو پھر انسان بالخصوص اہلِ ایمان کی حالتِ اجتماعیہ کا انعکاس انوار و ظہورِ تجلیات میں بوقتِ عبادت کیا کہنا ہے ؛ اسی اتفاق کی بدولت اسلام شرقاً غرباً تھوڑے سے دنوں میں ابرِ رحمت کی طرح دنیا میں پھیل گیا اسی کی برکت سے خدا تعالےٰ کے نافرمان بادشاہوں کی سرسبز سلطنتیں دینداروں کے ہاتھ میں آگئیں۔ اسی لئے نمازِ جماعت مقرر ہوئی کہ اہلِ محلّہ میں اتفاق پیدا کرے اور جمعہ اور حج اس لئے مقرر ہوا کہ اہلِ شہر اور رُوئے زمین کے اہلِ اسلام کا باہمی میل جول ہو پس جب نماز میں حالتِ اتفاقیہ شریعت کے نزدیک ایک امرِ ضروری تھا تو اُس کے لئے ایک جہت کا مقرر ہونا بھی ضروری تھا کیونکہ اختلافِ ظاہری اختلافِ باطنی کی دلیل ہے اور وہ جہت خانۂ کعبہ ہونی چاہیئے کیونکہ اسلام اور توحید کا یہی منبع ہے اور اکیلے کی نماز جماعت کے تابع ہے اس لئے ضرور ہے کہ اس کو بھی ضروری ہے۔ اور بھی اسرار ہیں اختصاراً اسی قدر پر بس کرتا ہوں ؛ **دوسری بات** قابلِ غور یہ ہے کہ دو قبلہ کیوں ہوئے چند روز بیت المقدس کی طرف مُنہ کرنے کے بعد پھر خانۂ کعبہ کی طرف مُنہ کرنے کا کیوں حکم ہوا ؛ اس میں بھی چند اسرار ہیں (۱) یہ کہ جنابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دین تمام انبیاء علیہم السلام کے اصولِ دین پر مبنی ہے اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننا موسیٰؑ و عیسیٰؑ و دیگر انبیاءؑ کا ماننا اور قرآنِ مجید پر ایمان لانا تمام کتبِ الٰہیہ پر ایمان لانا ہے۔ گویا اخیر زمانہ میں خدا تعالےٰ نے اختلافِ جزئیات کو (کہ جو مصالحِ قوم اور زمانہ کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں تھا) حذف کرکے ایک اصلی مذہب بنا دیا۔ یا یوں کہو کہ تمام پھولوں کا عطر کھینچ کر ایکجا جمع کر دیا۔ اور انبیاء علیہم السلام کے دو معبد رُوئے زمین پر ایسے معظم و مکرم تھے کہ جن کی عزت و عظمت تمام خدا پرست قوموں کے دلوں میں مرسوخ تھی ایک کعبہ دوسرا بیت المقدس پس ضروری ہوا کہ ان دونوں گھروں کو قبلہ نما بنایا جاوے تاکہ مرتبۂ جامعیت پایا جاوے۔ مگر چونکہ نورِ نبوت اوّلاً کعبہ ہی سے چمکا ہے تو بیشتر صرف اس کی رعایت یا اس کے ساتھ دوسرے گھر کی بھی رعایت کرنا مناسب ہوا جیساکہ بیہقی وغیرہ کی روایت سے ثابت ہے پھر جب اس آفتابِ نبوت نے مدینہ میں جاکر عروج پایا اور آنِ واحد میں دونوں قبلوں کی طرف متوجہ ہونا مشکل پڑ گیا تو اس رتبہ عرفی کے موافق بیت المقدس کی طرف نماز میں مُنہ کرنا پڑا مگر جب تھوڑے سے ہی دنوں کے بعد دائرہ کمالاتِ نبوت نہایت وسیع ہوا تو جس نقطہ سے شروع ہوا تھا وہیں آرہا یعنی پھر خانۂ کعبہ کی طرف مُنہ کرنے کا حکم ہوا (۲) یہ کہ

[1] بُت پرستوں اور عناصر پرستوں کی سمجھ میں جب کہ یہ نکتہ نہ آیا اور سونے اور پیتل میں تمیز نہ رہی تو ان چیزوں کو جہتِ عبادت کی آڑ بنا کر پوجا ۱۲ منہ

مکہ سے مدینہ کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کرکے آنا اس طرف اشارہ تھا کہ آپ انبیائے بنی اسرائیل کی طرف ملتفت ہیں کیونکہ مدینہ مکہ سے شام کی جانب ہے جو انبیاء بنی اسرائیل کا مرکز ہے تاکہ انبیائے بنی اسرائیل کے پیروؤں، اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ یہ نبیِ عربی سلسلہ انبیاء بنی اسرائیل موسیٰ و عیسیٰ و داؤد علیہم السلام کے برخلاف نہیں بلکہ انہیں کا مذہب و ملت کا مہتمم و مصلح ہے جیسا کہ توریت وغیرہ کتب انبیاء میں خبر دی گئی تھی اور جس لئے اہلِ کتاب ایک ایسے مصلح و مجدد کے آنے کے منتظر بیٹھے تھے۔ اس لئے مدینہ میں تشریف لاکر ضروری ہوا کہ اتحادِ انبیائے بنی اسرائیل کا اظہار کیا جائے تاکہ اہلِ کتاب کو نفرت نہ ہو (اسی بات کو بعض مفسرین نے بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کی وجہ تالیفاً للیہود بتائی ہے۔ اور اظہارِ اتحادِ دلی کے لئے بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے سے زیادہ اور کوئی بات ہو نہیں سکتی تھی اس لئے اُس طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ہوا مگر بیت المقدس اور اُس کے بانی اور اُس کے انبیاء علیہم السلام دراصل ملتِ ابراہیمی کے تابع ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ملتِ ابراہیمیہ کے اصلی مہتمم و مصلح کرکے بھیجے گئے ہیں اس لئے مسجدِ ابراہیمی یعنی خانہ کعبہ کی طرف ہمیشہ کے لئے منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دینا اس بات کا اظہار ہے کہ آپ کو اصلی و دائمی خصوصیت حضرت ابراہیم سے ہے کیونکہ اُن کے بڑے فرزند اسمٰعیلؑ کی اولاد کو اپنے جدِ امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے خصوصیتِ خاصہ اور حقِ اکبریت فوقیت کے ساتھ حاصل ہے اور نیز اسلام کا ظہور بھی مکہ سے ہوا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معبد کعبہ کا شہر ہے اور اسلام کی اشاعت اور جہان بھر میں پھیلنے کا ذریعہ بھی عرب کی قوم میں نوشتۂ ازلی میں قرار پاچکی تھیں اور ان سب کا عبادت گاہ کعبہ تھا اور اسی کی عظمت ان کے دلوں پر جاگزیں تھی اور اسی کی طرف منسوب ہونے کو وہ ابراہیمیت کی علامتِ خاص جانتے تھے اس لئے ہمیشہ کیلئے کعبہ ہی جہتِ نماز قرار پایا۔ (۳) اور اس میں یہ بھی سر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وصفِ جامعیت حاصل ہو جائے، امام القبلتین کا مرتبہ ملے (۴) نیز اس میں مخلصین و غیر مخلصین کا امتحان بھی ہے۔ رسم پرست ہمیشہ اپنے رسوم و مالوفات ہی پر چلتے ہیں مخلصین فوراً حکم کی تعمیل کرتے ہیں جدھر ہادی نے موڑ دیا مڑ جاتے ہیں اور اسی کا نام اتباعِ حقیقی ہے اور یہی محمدی ہونے کی سچی علامت اور محبتِ صادق کا خاص نشان ہے ورنہ دراصل مشرق و مغرب یعنی ہر سمت خدا تعالیٰ کی ہے اس کا ہر سمت جلوہ ہے ؎ کافراں سجدہ کہ درپیش بتاں می کردند ٭ ہمہ رُو سوئے تو بود و ہمہ سوئے تو بُود ٭ نہ کعبہ ہی میں خدا تعالیٰ رہتا ہے نہ بیت المقدس میں ہی بستا ہے وہ ہر مکان و ہر زمان سے پاک ہے۔ واضح ہو کہ بعض خبطیوں نے اس مقام پر وہ بے سر و پا اعتراض کئے ہیں کہ جن کو قرآن سے کچھ بھی علاقہ نہیں۔ منجملہ اُن کے یہ کہ اہلِ کتاب کے لئے کوئی جہت قبلہ ہی نہیں پھر اُن کے لئے مشرق و مغرب کو کیوں جہت کہا۔ ازانجملہ یہ کہ کعبہ دیوارِ دل کا نام ہے اور جب دیواریں نہ رہیں گی تو کیا ہوگا، وغیر ذالک من الخرافات۔ اس لئے اس کے بعد خدا تعالیٰ نے یہدی من یشآء الیٰ صراط مستقیم فرمایا کہ یہ اسرار جس کو ہم چاہتے ہیں تلقین کرتے ہیں ورنہ بعض تو وادیٔ ضلالت و جہالت میں سر ٹکراتے ہی مر جاتے ہیں۔ اس آیت سے جس طرح یہ بات ثابت ہوئی کہ احکامِ الٰہی کا چھپانا حرام ہے اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ کفار ہمیشہ جہنم میں رہیں گے یہاں تک حکم تحویلِ قبلہ کی تمہید تھی، اگلی آیات میں حکم دیا جاتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا

اور جس طرح ہم نے قبلے کے امر میں ہدایت کی، اسی طرح تم کو امت وسط بنایا

شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ
تم لوگوں پر　گواہ بنو　اور رسول ؐ　تم پر

عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ
گواہ　بنے　اور وہ قبلہ کہ جس پر (سابے نبی ؐ!) تم

الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ
تھے (بیت المقدس) ہم نے اس لئے بنایا تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ

الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ
کون (تحویل قبلہ کے وقت) رسول ؐ کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے

وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ
اور قبلہ کا بدلنا بیشک بہت شاق تھا مگر جن کو خدا نے ہدایت دی (ان پر کچھ

هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ
بھی شاق نہیں)　اور خدا ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان ضائع کر دیتا

إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ
بیشک اللہ تعالیٰ (ان) لوگوں کے ساتھ　شفیق اور

رَّحِيمٌ ﴿۱۴۳﴾
مہربان　ہے۔

## ترکیب

وکذلک میں کاف موضع نصب میں ہے صفت ہے مصدر محذوف کی تقدیرہ ومثل ہدایتنا من نشاء جعلناکم اور جعلنا بمنزلہ صیرنا علی الناس متعلق ہے شہداء سے قبلۃ مفعول اول ہے جعلنا کا اور مفعول ثانی محذوف ہے اور التی مع صلہ اس محذوف کی صفت ہے تقدیرہ وما جعلنا القبلۃ القبلۃ الخ من یتبع میں من بمعنی الذی موضع نصب میں ہے نعلم سے ممن ینقلب میں من متعلق ہے نعلم سے ای لیفصل المتبع من المنقلب علی عقبیہ موضع نصب میں ہے بوجہ حال ہونے کے ای راجعًا۔ وان کانت میں ان مخففہ ہے مثقلہ سے اور اسم اس کا محذوف ہے اس پر سیاق دلالت کرتا ہے

ای وان کانت التولیۃ۔ الا علی الذین میں علی کبیرۃ سے متعلق ہے اور الا نے صرف معنی میں عمل کیا ہے۔ وماکان اللہ لیضیع خبر کان محذوف اور لام اس کا محذوف کے ساتھ متعلق ہے تقدیرہ وماکان اللہ مریدا لان یضیع ایمانکم کوفیوں کے نزدیک لیضیع خبر ہے اور لام تاکیدی اس پر داخل ہو گیا وفیہ نظر لان اللام لام الجر وان بعدہا مرادۃ؛

## تفسیر

یعنی جس طرح ہم نے اے امت محمد ؐ! تم کو اور باتوں میں برگزیدہ کیا (ازانجملہ یہ کہ یہود اور نصاریٰ کسی نبی کو مانتے کسی کو نہیں اور تم سب کو مانتے ہو اور یہ کہ تم اپنے نبی ؐ کے سچے اور حقیقی فرمانبردار ہو جس چیز کا حکم ہوتا ہے بلا چون وچرا اس کو تسلیم کرتے ہو اور نیز یہ کہ تمہارا قبلہ کعبہ قرار دیا گیا کہ جو ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے ہے بخلاف یہود اور نصاریٰ کے قبلہ کے کہ وہ بعد میں بنا ہے) اسی طرح ہر بات میں تم کو امت وسط یعنی پورا اور کامل بنایا تاکہ سب لوگوں کے لئے تم شہید یعنی ہر امر خیر میں ہادی بنو کہ جس بات کو تم اچھا یا برا کہو اس میں تم خداوند کے گواہ مانے جاؤ اور رسول ؐ تمہارا ہادی اور گواہ بنے یعنی جو کچھ خدا تعالیٰ اپنے نبی ؐ کے دل پر القاء کرے اس کو تم اوروں کو تعلیم کرو۔ اور تحویل قبلہ کے بارے میں جو لوگ تم سے جھگڑتے اور طرح طرح کے شکوک پیش کرتے ہیں وہ بے وقوف اس رمز سے (کہ جس کا پہلے بیان ہوا) ناواقف ہیں۔ منجملہ اور اسرار کے چند روز بیت المقدس کی طرف منہ کرنے میں ایک یہ بھی سر تھا کہ پیغمبر ؐ کے سچے فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں باہم امتیاز ہو جائے کس لئے کہ جو اپنے معبود حقیقی اور اس کے رسول ؐ پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو (جس طرح دانشمند مریض اس حکیم حاذق کے نسخہ کی تبدیل کو بلا حجت وتکرار قبول کر کے اس کی دوا کو پی لیتا ہے کہ جس کو دل سے حکیم حاذق مفید جانتا ہے) بے کھٹکے رسول ؐ کے حکم کو قبول

کرلیتے ہیں خواہ اُن کی رسم و حمیت ملکی کے خلاف ہو خواہ موافق
وہ ہر وقت یہی کہتے ہیں ؎ رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست ؛ اور جو رسم اور مذہب و
ملتِ آبائی اور حبِ جاہ و مال کے جال میں گرفتار ہیں وہ
سینکڑوں نکتہ چینیاں کرکے اس سعادت سے محروم رہتے
ہیں ۔ اور ہر چند یہ بڑی بھاری بات ہے کہ کسی کے کہنے سے
اپنے شعائرِ مذہبیہ کو چھوڑ دے اور جن کو وہ شعائر بتائے
اُن کو یہ تسلیم کرے مگر جن کو خدا تعالیٰ ہدایت کرتا ہے
اور اُن کے دلوں سے حجاب اُٹھالیتا ہے وہ رسولؐ کے
حکم کو سب پر مقدم رکھتے ہیں اور اگر خدا تعالیٰ مسلمانوں
کو یہ توفیق عطا نہ کرتا تو وہ نافرمانی اور سرکشی سے
بالخصوص اس تحویلِ قبلہ کے امر میں نکتہ چینی کرنے سے ایمان
زائل کر دیتے ۔ مگر خدا تعالیٰ چونکہ بڑا مہربان اور شفیق ہے
وہ کاہے کو مسلمانوں کے ایمان کو ضائع ہونے دیتا تھا
لہٰذا اُس نے ان کو توفیق عطا فرمائی ۔

## متعلقات

اُمّت وسط ۔ وسط کے معنے عدل کے ہیں اور بعض کہتے
ہیں اس کے معنی بہتر کے ہیں جیسا کہ آیا ہے کنتم خیر امۃ
لتکونوا شہداء ۔ شہادت سے مراد گواہی ہے ۔ خواہ یہ گواہی
دنیا میں ہو خواہ آخرت میں ۔ چنانچہ ایک بار آنحضرت علیہ
السلام کے سامنے سے ایک جنازہ گیا لوگوں نے اس کی مذمت
کی تو آپ نے فرمایا وَجَبَتْ وجبت ۔ پھر دوسرا جنازہ آیا ۔
لوگوں نے اس کی مدح کی تو آپ نے فرمایا وجبت وجبت ۔
صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ نے دونوں کے لئے ایک ہی کلمہ
فرمایا ۔ آپ نے جواب دیا کہ جس کی تم نے مذمت کی اُس
کے لئے آتش دوزخ واجب ہوئی اور جس کی تم نے مدح
کی اُس کے لئے جنّت واجب ہوئی ۔ تم خدا تعالیٰ کے دنیا میں
گواہ ہو جس کو تم اچھا کہو وہ اچھا ہے اور جس کو تم بُرا کہو وہ
بُرا ہے (ترمذی وغیرہ) خلاصہ یہ کہ اُمّتِ مرحومہ بحیثیت
اجتماعیہ نبی علیہ السلام کے کمالات کا آئینہ ہے اس لئے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لن تجتمع امتی علی الضلالۃ
کہ امتِ محمدیہ گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی ۔ یہاں سے اجتماعِ اُمّت
کا برحق ہونا پایا گیا ۔ اور اسی لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا وَیَتَّبِعْ
غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَہَنَّمَ
وَسَاءَتْ مَصِیْرًا ۔ کہ جو مسلمانوں سے علیحدہ راہ
اختیار کرے گا جہنم میں جائے گا ۔ واضح ہو کہ گواہ میں دو
باتیں ضروری ہیں اوّل یہ کہ وہ عادل ہو کیونکہ جھوٹے بدکار
کی گواہی کا کیا اعتبار ۔ دوم اس کو علم بھی ہو کیونکہ جس
چیز کو جب تک نہ جانے گا اُس کی بابت کیا گواہی دے گا ۔
پس جب اُمّتِ محمدیہ کا شاہد ہونا ثابت ہوا تو نیک
اور ذی علم ہونا بھی پایا گیا اسی لئے لفظ وسط امت کی
صفت میں لایا گیا ۔

پہلے جو خدا تعالیٰ نے یہدی من یشاء الی صراط مستقیم
فرمایا تھا تو وہ ایک عام بات تھی اب اس آیت میں اُس
کی تشریح کر دی کہ جن کو خدا تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی
ہدایت کی ہے اُن میں سے اُمّتِ محمدیہ اور خود حضرت محمد
علیہ السلام ہیں ۔ اس میں اشارہ کر دیا کہ اے مسلمانو! تم کو
ان یہود و نصاریٰ و دیگر اقوام کی طعن و طنز کی طرف التفات
بھی نہ کرنا چاہیے کیونکہ تم خدا تعالیٰ کے شاہد ہو ۔ ہر امر میں
ان لوگوں کو تمہارا اقتدار کرنا چاہیے نہ کہ تم اُن کا اقتدار کرو
تمہیں صرف اپنے رسولؐ کا اتباع کافی ہے ؛

## فائدہ

ماکان اللہ لیضیع ایمانکم کی تفسیر میں بعض محدثین نے
یوں نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہؓ
جیسے کہ ابو امامہ اور سعد بن زرارہ اور براء بن عازب اور
براء بن معرور وغیرہم کا انتقال اُس زمانہ میں ہوا جب کہ

۱؎ واجب ہوئی ۱۲ منہ

آنحضرت علیہ السلام بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے پس جب کہ قبلہ کعبہ بنایا گیا تو اُن کے وارثوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ لوگ تو اس حالت میں مرے کہ جو منسوخ ہو گئی اب اُن کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ تو اس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

---

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ

تمہارا (انتظارِ حکم میں) آسمان کی طرف پھر پھر کر منہ کرنا ہم دیکھ رہے ہیں (ہم

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ

تو) جس قبلہ کو تم پسند کرتے ہو اسی کی طرف منہ کرنے کا حکم دیئے دیتے ہیں۔ پس (نماز میں)

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ

مسجد الحرام (کعبہ) کی طرف منہ کر لیا کرو، اور (اے مسلمانو!)

حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ

تم جہاں کہیں ہو کرو (نماز میں) اُسی کی طرف اپنا منہ کر لیا کرو،

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ

اور بے شک جن کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ اُن کے

اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ

رب کی طرف سے برحق ہے، اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں

بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ

اللہ اُس سے بے خبر نہیں ہے، اور اگر آپ لا کر کتاب کے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا

لئے سب نشانیاں بھی لے آویں تو بھی وہ آپ کے قبلہ

تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ

کو نہ مانیں گے، اور آپ بھی اُن کے قبلہ کی پیروی کرنے

قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ

والے نہیں، اور اُن میں سے کوئی بھی کسی کے قبلہ کو نہیں

بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ

مانتا ہے۔ اور اگر آپ نے علم حاصل ہو جانے کے بعد بھی اُن کی

مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ

خواہشوں کی پیروی کی (یا اُن کے کہنے پر چلے) تو بیشک

اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ

اُس وقت آپ بھی ستمگاروں میں سے ہوں گے۔ جن کو ہم نے کتاب

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا

دی ہے وہ تو اُس[1] کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح اپنی

يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا

اولاد کو پہچانتے ہیں، اور اُن میں سے ایک

مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ

فریق ایسا بھی ہے کہ جو جان کر حق کو

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا

چھپاتے ہیں، حق تو آپ کے رب ہی کی طرف سے ہے

تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

پس آپ شک میں نہ پڑیں!

وقف لازم

وقف غفران

ع ۱۷

## ترکیب

نرٰی فعل مضارع ضمیر نحن اس کا فاعل تقلب الخ مفعول فی السمآء متعلق ہے تقلب کے نولینّ فعل با فاعل ک مفعولِ اوّل قبلۃ موصوف ترضٰہا صفت مجموعہ مفعول ثانی ولّ فعل انت ضمیر فاعل کی اس میں مستتر اس کا فاعل وجہک مفعولِ اوّل شطر الخ مفعولِ ثانی حیث ظرف ہے فولّوا الخ کا من ربہم موضعِ نصب میں بوجہ حال ہونے کے؛

## تفسیر

جب خدا تعالیٰ قبلہ کے بارے میں مخالفوں کے شکوک و شبہات رد کر چکا اور یہ بات بھی بتلا چکا کہ چند روز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ایک امتحان اور سرِ باطنی کے لئے تھا اور اصل ہمیشہ کے لئے قبلہ کعبہ ہی ہونا چاہیے تھا اور ان

[1] یعنی نبی آخر الزمان علیہ السلام کو۔ منہ

اسرار کی وجہ سے کہ جن کا ذکر اوپر ہوا) تو اب اس آیت سے پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس رغبت کا اظہار کرتا ہے کہ جو بوجہ ترقی مراتب کعبہ کے قبلہ بنانے میں تھے اس کے بعد آپ سے وعدہ کرتا ہے کہ ہم تم کو اُس قبلہ کا حکم دیں گے کہ جس کو آپ کا دل چاہتا ہے۔ پھر آپ کو اور آپ کے ساتھ آپ کی اُمت کو عام حکم دیتا ہے کہ کچھ مکہ اور اُس کے نواح کی خصوصیت نہیں بلکہ تم جہاں کہیں ہو اور نماز پڑھنا چاہو تو کعبہ کی طرف کہ جس کو مسجد الحرام کہتے ہیں مُنہ کر لیا کرو۔ پھر اس کے بعد اہلِ کتاب کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ اب جو کچھ اس بارہ میں تم پر اعتراض کرتے ہیں یا کریں گے یہ اُن کی محض حق سے چشم پوشی ہے کیونکہ وہ اپنی اُن روایات سے کہ جو بطورِ تواتر نسل در نسل اُن میں چلی آتی ہیں کعبہ کی بزرگی اور اُس کا برحق ہونا خوب جانتے تھے۔ اس کے بعد اُن کو متنبہ کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ تمہاری اس مکاری اور حق پوشی سے غافل نہیں وہ ضرور تم کو اس کا بدلہ دے گا۔

## فوائد

(۱) قد نریٰ تقلب وجہک فی السمآء مراد دلی آرزو ہے عام ہے کہ سچ مچ آسمان کی طرف مُنہ اٹھا اٹھا کے آپ دیکھتے تھے جیسا کہ اہل اللہ حالت انتظار میں دیکھا کرتے ہیں یا نہ دیکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دلی آرزو کہ قبلہ کعبہ ہو حُبِ وطن یا مشرکین مکہ کی خوشی کے لئے نہ تھی بلکہ اُن اسرار کی وجہ سے کہ جن کا ذکر ہم پہلے کہہ آئے ہیں۔ اور جو نفوسِ کاملہ ہوتے ہیں اُن کو ہمیشہ کمالات کی طرف ازحد شوق ہوا کرتا ہے اور کعبہ کا قبلہ ہونا آپ کے لئے اور آپ کی اُمت کے لئے بڑا کمال تھا۔[1]

(۲) مسجد الحرام کعبے کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی حُرمت خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے یا اس لئے کہ یہاں معاصی اور قتل و ظلم کی اشد حُرمت اور ممانعت ہے۔ جو کعبہ کو مسجد الحرام کے ساتھ بیان کیا تو اس میں یہ نکتہ ہے کہ یہود جو حق پوشی کر کے اعتراض کرتے تھے "کہ کعبہ میں کیا فضیلت ہے یہ مشرکین عرب کا معبد ہے" اِس سے باز آدیں اور کعبہ کی حُرمت و عظمت کی طرف خیال کریں کہ جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا معبد ہے۔ کعبہ کے کہنے میں یہ بات حاصل تھی۔

(۳) شطر المسجد الحرام شطر کے معنے یہاں جانب اور طرف کے ہیں گو جز کے بھی ہیں مگر کعبہ کی طرف مُنہ کرنے سے مراد یہاں نماز میں مُنہ کرنا ہے اور یہ طرف اور سمتِ حقیقی کچھ ضروری نہیں بلکہ تخمینی بھی کافی ہے یہاں تک کہ اگر ایک خط جنوب و شمال میں کعبہ سے نکالا جاوے اور دوسرا نمازی کے سامنے سے کھینچا جاوے جب کہ وہ کعبہ سے مغربی یا مشرقی جہت میں ہو اور پھر دونوں خطوں میں تقاطع ہو جاوے تو کافی ہے۔ اور جو اندھیری رات میں یا کسی اور وجہ سے قبلہ معلوم نہ ہو تو نمازی غور کرے اور جدھر ظن غالب قبلہ کا ہو اُسی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھ لے گو بعد میں غلطی معلوم ہو کیونکہ یہ امر سہولت پر مبنی ہے ورنہ دِقت ہو جاوے۔

## ترکیب

ولئن میں لام موطئہ ہے قسم کیلئے پھر تمام جملہ شرط ہے اور ما تبعوا قبلتک جواب ما بلحاظ لفظ ماضی داخل ہے ورنہ تبعوا بمعنے مستقبل ہے اور ما بمعنی لا اور اسی لئے جواب میں فا نہیں آیا۔ اور اسی طرح ولئن اتبعت الخ شرط انک جواب اذا حرف ہے اور نون اس میں اصل ہے اور یہ خاص جواب میں مستعمل ہوتا ہے الذین الخ مبتدا یعرفونہ الخ اس کی خبر کما صفت ہے مصدر محذوف کی اور ما مصدریہ الحق مبتدا من ربک خبر۔

[1] آئندہ کی ترقیاں اسی پر مبنی تھیں۔ منہ

## تفسیر

چونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مخالفین کے حق پر آنے کی نہایت آرزو تھی کہ یہ کسی طرح وادیٔ ضلالت سے نجات پاویں اور کاش آیات و معجزات ہی سے راہ پر آویں بالخصوص تحویلِ قبلہ کے بارہ میں۔ مگر اُن کا انکار اُن کی شقاوتِ ازلی کی وجہ سے حد سے تجاوز کر گیا تھا اسی لئے اپنے نبیؐ کو فرماتا ہے کہ اگر آپؐ ان اہلِ کتاب کو سینکڑوں معجزات و آیات بھی دکھاویں گے تب بھی یہ آپؐ کے قبلہ کو نہ مانیں گے۔ اور اس پر کیا منحصر ہے اُن کی باہم بھی یہاں تک ضد و کد ہے کہ ایک دوسرے کے قبلہ کو نہیں تسلیم کرتا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے سینکڑوں معجزے دکھائے مگر یہود نے اُن کو نہ مانا۔ پھر نصاریٰ میں پولوس نے حق پوشی کے لئے اور نصاریٰ کو ابدًا حق سے محروم کرنے کے لئے یہ کہدیا کہ میرے خلاف اگر کوئی آسمان کا فرشتہ بھی کہے تب بھی نہ ماننا۔ پھر اگر آپ باوجود امرِ حق ظاہر ہونے کے بفرضِ محال اُن کے خواہشوں کے تابع ہوں گے تو بُرا کریں گے (جیسا کہ حق سے انکار میں اُن کا اصرار تھا اُتنا ہی آپؐ کے لئے اُن کے اتباع سے منع کرنے میں اصرار کر دیا) اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو کنایۃً متنبہ کر دیا ۔

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں ÷ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

اور ان کا یہ انکار عمدًا ہے کیونکہ وہ آپؐ کو نبیٔ برحق ان علامات سے کہ جو اُن کی کتابوں میں ہیں اور سینہ بسینہ اُن کے احبار اور رہبان میں چلے آتے ہیں اسی طرح سے جانتے ہیں کہ جس طرح اپنی اولاد کو سینکڑوں لڑکوں میں دیکھ کر پہچان لیتے ہیں اور بالکل اشتباہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ اُن کے عوام نہ جانتے ہوں مگر ایک فریق یعنی علماء تو عمدًا جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔ مگر اُن کے اس خلافِ حق ظاہر کرنے سے کیا ہوتا ہے حق تو وہی ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ ظاہر کرتا ہے۔ پس اب اے مخاطب تو کسی شک و شبہ میں نہ پڑنا۔

## فوائد

(۱) وما بعضھم بتابع قبلۃ بعض، گو تمام عیسائیوں اور یہود کے لئے نماز میں کوئی جہتِ خاص قبلہ نہ ہو مگر عرب کے یہود عمومًا بیت المقدس کو نماز میں قبلہ بناتے تھے اور نصاریٰ جہتِ شرق کو اس لئے کہ حضرت مسیحؑ بیت لحم میں پیدا ہوئے تھے کہ جو یروشلم سے بجہتِ شرق واقع تھا اور ممکن ہے کہ قبلہ سے ہر مذہب کے رسوم و شعار مراد ہوں۔ اور ہر ایک دوسرے کے رسوم کو نہیں مانتا یہ طبعی بات ہے۔

(۲) فلا تکونن من الممترین سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کچھ شک تھا بلکہ اوروں کے سنانے کو حضرتؐ سے یہ اور لئن اتبعت اھواءھم فرمایا۔

(۳) ہم نے قیود کی رعایت رکھ کر تفسیر کی ہے اس تقریر پر وہ سوال وجواب جو خلافِ معنیٰ لے کر بعض مفسّر کرتے ہیں تضیعِ اوقات ہے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا

اور ہر ایک کے لئے ایک طرف ہے کہ وہ ادھر ہی جھکتا ہے پس تم تو نیکیوں کی

الْخَيْرَاتِ ۗ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ

طرف دوڑا کرو، تم جہاں کہیں بھی ہو گے تم سب کو اللہ تعالیٰ

اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

سمیٹ کر لے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر

قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

ہے، اور آپ کہیں سے بھی نکلیں تو اپنا منہ نماز میں

لہ چنانچہ پولوس اس خط میں جو گلتیوں کو لکھا ہے اُس کے پہلے باب کے درس ۸ میں یہ لکھتا ہے "لیکن اگر ہم یا آسمان سے کوئی فرشتہ بھی سوائے اُس انجیل کے جو ہم نے تمہیں سنائی دوسری انجیل تمہیں سنائے سو ملعون ہووے۔" منہ

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ

مسجد حرام کی طرف کیا کریں، اور یہی حق

لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ

بھی ہے آپ کے رب کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کام سے

عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

غافل نہیں، اور آپ جہاں کہیں سے نکلیں تو

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَ

اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کریں، اور

حَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ

(مسلمانو!) تم بھی جہاں کہیں ہوا کرو تو اپنا منہ (نماز میں) اس کی طرف

شَطْرَهُ ۙ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ

کیا کرو، (بار بار اسی لئے حکم دیا گیا) کہ لوگوں کو کوئی الزام نہ

حُجَّةٌ ۖ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ

رہے مگر ان میں سے جو ہٹ دھرم ہیں تو تم بھی ان سے

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلِأُتِمَّ

نہ ڈرو اور ہم سے ڈرتے رہا کرو، اور اس لئے بھی کہ

نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾

ہم اپنی نعمت تم پر پوری کر دیں اور اس لئے بھی کہ تم سیدھے رستہ پر آجاؤ۔

## ترکیب

وجہۃ مبتدا لکل اُس کی خبر لفظ وجہۃ میں قیاس چاہتا تھا کہ جہۃ ہو مثل عدۃ اور زنۃ کے۔ ہو (لے اللہ) مبتدا مولیہا بکسر اللام اس کی خبر تقدیرہٗ اللہ مولی تلک الجہۃ ذٰلک الفریق، اے یامرہ بہا امرا تکوینیا فحذف المفعول الثانی اور احتمال ہے کہ ضمیر ہو کل کی طرف رجوع کرے اے

ف ہو مبتدا. راجع لکل مولیہا خبر ضمیر ہا راجع وجہۃ کی طرف یا ضمیر ہو راجع الی اللہ کریں پس تقدیر عبارت یوں ہے اللہ مولیہا ایاہ ہو مولہا اے اللہ مولی ملک الجہۃ قدولیہا بہر حال معنی یہ ہیں ولکل امۃ قبلۃ یتوجہ الیہا منکم د

ذٰلک الفریق مولے الوجہۃ نفسہ ؛ یہ تمام جملہ صفت وجہۃ کی ہوگا. اینما ظرف ہے تکونوا کا ومن حیث خرجت اس جگہ شرط کے لئے نہیں پس من متعلق فول کے ساتھ ہے وحیث ماکنتم میں دونوں احتمال ہیں لئلا میں لام محذوف کے ساتھ متعلق ہے تقدیرہٗ فعلنا ذٰلک لئلا الخ حجۃ اسم کان اور للناس اُس کی خبر اور علیکم صفت حجۃ اصل میں موخر تھی مگر چونکہ مقدم ہوگئی تو حال ہونے کی وجہ سے منصوب المحل ہوئی اور یہ جائز نہیں کہ اس کو حجۃ کے متعلق کیا جاوے، لئلا تتقدم صلۃ للمصدر علیہ الا الذین ظلموا استثناء ہے الناس سے اے لئلا یکون لاحد من الناس حجۃ الا للمعاندین منہم۔ اور ممکن ہے کہ استثناء مبالغہ کے لئے ہو جیسا کہ اس شعر میں ہے ولاعیب فیہم غیران سیوفہم ؛ بہن فلول من قراع الکتائب ؛ ولاتم معطوف ہے لام سابق پر علیکم متعلق ہے لاتم سے ؛

## تفسیر

خدا تعالیٰ اس آیت میں یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ جب امر حق دلائل قطعیہ سے ثابت ہو جاوے تو پھر اُس کے اختیار کرنے میں کسی کی مخالفت و موافقت کا کچھ بھی پاس نہ کرنا چاہیے اور کیونکر انسان ہر ایک کو بالخصوص دینی امور میں موافق کر سکتا ہے حالانکہ ہر ایک شخص کی رائے اور عقیدت اور میل قلبی جدا گانہ ہے ع ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے ؛ خلاصہ یہ کہ ہر ایک شخص اور قوم اور ملک کا ایک بات کی طرف رجحان ہوتا ہے پس تم اس خیالِ موافقت کو دل سے نکال دو اور جو نیک باتیں کہ مقصود بالذات ہوں جیسا کہ نماز اور روزہ و ذکر اور خلقِ خدا کے ساتھ نیکی کرنا اور خواہش نفسانی اور مقتضیاتِ ہیولانیہ سے بری رہنا ان میں سرگرم رہو اور استقبالِ کعبہ تو امر مقصود بالذات نہیں بلکہ نماز میں متبع ملتِ ابراہیمیہ کا غیر متبع سے امتیاز ہونے کے لئے حجت

قرار دی گئی ہے۔ اور یہ اختلاف جہات اور باہمی تباعد اسی عالم میں ہے ورنہ آخرت میں تو سب کو اللہ تعالیٰ ایک ہی جہت اور ایک ہی روش پر جمع کر کے ہر کہیں سے لے آئیگا ہر حالت خوف ورجا میں دربار الٰہی میں سب اُسی کی طرف متوجہ اور اُسی کے تخت کو قبلہ بنائے کھڑے ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور ممکن ہے کہ اینما تکونوا الخ کا خطاب خاص اہل اسلام سے ہو اس تقدیر پر یہ معنے ہوں گے کہ اے مسلمانو! ہر قوم کے لئے ایک جہت خاص ہے اور تمہارے لئے حصول قرب وسعادت کے لئے ہر جہت ہے تمہارے لئے میدان سعادت بڑا وسیع ہے پس تم اُس میدان میں دوڑو اور یہ خیال نہ کرو کہ تم اس میدان میں ادھر ادھر مٹے جاؤ گے باہمی اتفاق وتعاکس انوار ہوگا۔ کیونکہ وہ تم کو بارگاہ قُرب میں جمع کرے گا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ان اسرار ورموز کے بعد پھر اُسی حکم کی تاکید کرتا ہے کہ بلاشبہ تم نماز میں منہ کعبہ کی طرف کیا کرو تاکہ پھر کسی کا اعتراض باقی نہ رہے کہ باوجود اتباع ملت ابراہیمیہ کے اس نبی نے مسجد الحرام کو کیوں قبلہ بنایا اور نیز اس میں تمہارے لئے اہل اسلام خدا تعالیٰ کی پوری نعمت ہے (کیونکہ اس میں وہ خوبیاں ہیں کہ جن کا بیان نہیں ہو سکتا چنانچہ کسی قدر ہم نے بیان کی ہیں) اور نیز اس میں تمہارے لئے راہ راست کی رہنمائی بھی ہے اس کے بعد جو کوئی تم پر اعتراض کرے تو وہ ناانصاف ہے اُس کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیئے بلکہ خاص خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے ؛

## فائدہ

اس حکم کو ایک بار تو خدا تعالیٰ ذکر کر چکا تھا مگر پھر تین بار اس آیت میں کیوں اس کو ذکر کیا بظاہر یہ تو بلاغت وفصاحت کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل بار تعمیم احوال کے لئے ہے اور دوم تعمیم الامکنہ کے لئے اور سوم تعمیم ۳۲

الازمنہ کے لئے تاکہ اس حکم میں کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے اور یہ بھی ہے کہ جب بلیغ کسی دعوےٰ کو کسی دلیل سے ثابت کیا کرتے ہیں تو دوبارہ جب اُس پر اور دلیل لاتے ہیں تو پھر اُس دعوےٰ کو دلیل کے ساتھ ربط دینے کے لئے ذکر کر دیتے ہیں اور یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے اور یہ بھی ہے کہ جب کسی امر اہم کو بیان کرتے ہیں تو اُس کی تاکید بھی ضرور کرتے ہیں اور تاکید تین بار کہنے سے حاصل ہوتی ہے مگر لطف یہ ہے کہ نیا عنوان مدنظر رکھا ہے ؛

كَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ
جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تمہیں میں سے بھیجا جو تم کو
يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ
ہماری آیتیں سناتا اور تم کو پاک کرتا اور تم کو
الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ
کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور (نیز) تم کو وہ باتیں سکھاتا
تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذۡكُرُوۡنِىۡٓ اَذۡكُرۡكُمۡ
ہے جو تم نہیں جانتے تھے، پس مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا
۱۸ ع ۵ ۲ وَاشۡكُرُوۡا لِىۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ ﴿۱۵۲﴾
اور میرا شکر بجا لاتے رہو اور ناشکری نہ کیا کرو۔

## ترکیب

کما میں کاف موضع نصب میں ہے صفت ہے مصدر محذوف کی تقدیرہ تہتدون ہدایۃ کما رسلنا او اتماما کما رسلنا اور بعض محققین کہتے ہیں کہ فاذکرونی کما ارسلنا فعلی ہذا یکون منصوبا صفۃ للذکر لے ذکرا مثل ارسالی اور ما مصدریہ ہے۔ منکم رسول کی صفت اور یتلوا ویزکیکم ویعلمکم حال ہے۔

ف لے یعنی قبلہ کی رہنمائی بھی ہمارا ایک ایسا ہی احسان ہے جیسا کہ رسول کا بھیجنا احسان تھا منہ

# تفسیر

خداتعالےٰ نے دینِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونے پر چند وجوہ بیان فرمائیں بعض اُن میں سے الزامیہ ہیں کہ یہ دین ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے پس اس کا قبول کرنا ضروری ہے چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ تھا ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ الخ۔ اور بعض ان میں سے برہانیہ ہیں اور وہ یہ آیت ہے قولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الٰی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط۔ اس کے بعد خداتعالےٰ نے مخالفین کے دو شبہے ذکر فرما کر اُن کا جوابِ شافی دیا اول وقالوا کونوا ھودًا او نصارٰی تھتدوا دوسرا نسخ کے بارہ میں تھا کہ شریعت محمدیہ میں نسخ ہوتا ہے بالخصوص قبلہ کی بابت ہوا جس سے معلوم ہوا کہ یہ شریعت منجانب اللہ نہیں سو یہ شبہ اُن کا قوی تھا اِس لئے اس کا جواب سیقول السفہاء الخ سے شروع کرکے ولاتم نعمتی ولعلکم تھتدون پر ختم کردیا اور چونکہ تحویلِ قبلہ کو اتمام نعمت فرمایا تو اُس کے ساتھ دوسری نعمت کو بھی یاد دلایا کہ ہم نے جس طرح کعبہ کو قبلہ بنانے میں تمہارے حال پر نعمت نازل کی ہے اور مخالف اس کی حقیقت سے ناواقف اعتراض کرتے ہیں اسی طرح ہم نے تم کو بڑی نعمت یہ دی کہ تمہارے پاس تمہیں میں کا ایک ایسا رسول بھیجا کہ جس نے نہ صرف کلام الٰہی لوگوں کو پڑھ کر سنایا بلکہ اُس نے تزکیۂ نفوس اور تہذیب ارواح کی اور حکمتِ نظریہ اور عملیہ اور کتاب سکھائی اور بہت سی باتیں تم کو بتائیں جس کا اثر تم نے دیکھ لیا۔ عرب کی کیسی حالت خراب تھی پھر کیسی درست ہوئی۔ پس

اقسام ذکر

جس طرح اُس پر مخالفوں کے شبہات بے جا تھے اسی طرح اس امر میں بھی شبہات بے جا ہیں اب تم میری طرف اپنا دھیان دھرو اور مجھے یاد کرو میں بھی تم پر اپنی رحمت کروں گا اور میری ان نعمتوں کو مدِنظر رکھ کر شکر یہ کرتے رہو کبھی ناشکری نہ کرنا اور کسی کے بہکانے میں آکر نافرمانی نہ کرنا۔ **فائدہ** ذکر کی تین قسمیں ہیں اوّل یہ کہ زبان سے اس کی حمد اور تسبیح اور تمجید اور تہلیل و تکبیر پڑھی جاوے اور اُس کی کتاب پڑھی جاوے۔ دوم ذکرِ قلبی اور وہ یہ کہ اپنے لطائفِ باطنیہ کو اور اپنے جمیع قوای ادراکیہ کو اُس کی طرف متوجہ کردے اور یہاں تک محویت حاصل ہو کہ اپنے تئیں بھی بھول جائے خواہ نفی و اثبات کرکے خواہ مراقبہ سے خواہ توجہ اور ہمتِ شیخ سے یہ بات حاصل ہو۔ جب انسان کو یہ حالت نصیب ہوتی ہے تو جس طرح ممکنات میں ایک دوسرے کے اثر سے حال بدلتا ہے مٹی پھول کی صحبت سے معطر اور لوہا آگ میں رہنے سے انگر ہوجاتا ہے اسی طرح انسان پر آثارِ تقدس فائض ہوتے ہیں پھر تو اس کی زبان اور اس کی آنکھ خداتعالیٰ کی زبان اور اس کی آنکھ اور اس کے ہاتھ پاؤں اُس کے ہاتھ پاؤں ہوجاتے ہیں (حالانکہ وہ ان چیزوں سے پاک ہے) جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہوا ہے اور پھر اس بندہ سے آثارِ عجیبہ بھی سرزد ہونے لگتے ہیں کہ جن کو معجزات وکرامات کہتے ہیں اور یہ بھی ذکرِ قلبی کی شاخ ہے کہ اُس کی مخلوقات میں جو کچھ اسرار رکھے ہیں اُن میں غور و فکر کرے تاکہ اس عالم کا ہر ذرہ اُس کے جمالِ جہاں آرا کے لئے آئینہ ہوجاوے اس لئے ایک **عارف** نے فرمایا ہے (مارأیت شیئًا الا رأیت اللہ فیہ) کہ میں جب کسی چیز کو دیکھتا ہوں تو اُس میں خداتعالیٰ ہی نظر آتا ہے ہر چیز اُس کی

**ف**:۔ ہرگز اس شخص کا قلب قابل انعکاس تجلیاتِ الٰہی و تنویر ضیاء نامتناہی نہیں ہوسکتا ہے تاوقتیکہ اس کا قلب لذائذِ دنیوی و حظوظِ نفسانی سے پاک و صاف نہ ہو اسی لئے ہمت و توجہ شیخ کی ضرورت لاحق ہے تاکہ ذکرِ قلبی سے سالک کے لطائفِ باطنیہ کو اس کی طرف متوجہ کرے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلم کی جڑ اول اسلام دوم ایمان سوم احسان ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ احسان کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کو حاضر جان اور خیال کر کہ میں اسکو دیکھتا ہوں اور اگر یہ تجھے حاصل نہیں تو خیال کر کہ اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے علیٰ ہذا ہر عبادت اور ذکر الٰہی میں خواہ لسانی ہو یا قلبی ۱۲م

۲ غرض کہ اپنی ہستی کو ذاتِ باری میں فنا کردے اسی کا نام عارف ہے ۱۲ حقانی

وحدانیت اور صفاتِ کمالیہ کے لئے شاہدِ عدل بن کر سامنے کھڑی ہو جاتی ہے اس لئے قرآن اور احادیث صحیحہ میں اس ذکر کی بڑی تاکید آئی ہے اور ایک جگہ لعلکم تفلحون فرمایا ہے قبل اس کے کہ اس ذاکر کی روح اس خاک کے پتلے سے مفارقت کرے اسی عالم میں یہ شخص عالم قدس کے لوگوں میں شریک ہو جاتا ہے۔ سوم قسم ذکر جوارح یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ ان اعضاء کا ذکر سو وہ ان اعضاء کو اس کے حکم میں مستعمل کرنا اور منہیات سے روکنا ہے اور اس لئے اس آیت میں نماز کو بھی ذکر کہا ہے فاسعوا الیٰ ذکر اللہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے (ہر ایک سختی میں) مدد

وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾

لیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کو مرا ہوا

أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا

نہ کہا کرو، بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم نہیں

تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ

دیکھتے۔ اور ضرور ہم تم کو کسی قدر خوف

الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ

اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں سے اور

وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ

پیداوار کے نقصان سے آزمائیں گے، اور (اے نبی ﷺ) ان

الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ

صبر کرنے والوں کو مژدہ دے دو کہ جن پر جب کوئی مصیبت پڑتی

مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ

ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں اور ہم کو اسی کے پاس

رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ

جانا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن پر خدا تعالیٰ کی طرف سے

مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ

(مدد) آئیں اور رحمت ہے، اور یہی

هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾

ہدایت پائے ہوئے ہیں۔

## ترکیب

بالصبر متعلق ہے استعینوا سے لاتقولوا فعل انتم اس کا فاعل لمن یقتل الخ جملہ مفعول من چونکہ معنے جمع ہے اس لئے اموات میت کی جمع خبر میں لانا مناسب ہوا احیاء خبر مبتدا محذوف کی اے ہم احیاء ولنبلونکم جواب ہے قسم محذوف کا من الخوف موضع جر میں ہے کس لئے کہ یہ صفت ہے شیٔ کی من الاموال موضع نصب میں ہے کس لئے کہ یہ صفت ہے محذوف کی تقدیرہ ونقص شیئاً من الاموال لان النقص مصدر ہو متعد لہ مفعول وقد حذف المفعول۔ الذین اذا اصابتہم موضع نصب میں ہے کس لئے کہ یہ صفت ہے صابرین کی قالوا انا للہ جواب ہے شرط کا اولئک مبتدا اول وصلوات مبتدا ثانی اور علیہم اس کی خبر پھر یہ مجموعہ خبر ہے مبتدا اول کی اولئک مبتدا ہم المہتدون جملہ اس کی خبر اور ممکن ہے کہ ہم ضمیر فصل ہو اور المہتدون تنہا خبر ہو۔

## تفسیر

خداتعالیٰ نے پہلی آیت میں اپنے ذکر اور شکر اور عدم کفران کا حکم دیا تھا کہ جو تمام عبادتوں اور ہر قسم کی اوامر و نواہی کا لب لباب تھا اور اس قسم کے بارِ گراں کے تحمل کے لئے کوئی سہارا بھی ضروری ہے کہ جس کی اعانت اور وجہ سے یہ بارِ گراں آسان ہو جاوے۔ اور نیز اگلی آیات میں جہاد اور اشاعتِ خیر کا بھی حکم دینا منظور تھا کہ جس پر قوم اور ملت کی عزت و آبرو کا مدارِ کار ہے اسی لئے اس نے بطورِ تمہید کے

اس جگہ وہ آیت نازل فرمائی کہ جو دونوں مقصدوں کو خوب پورا کرشے اور جس کو دونوں سے کامل درجہ کا ارتباط ہو۔ پس فرمایا کہ اے ایمان والو! اس بارگران کی سہولت کے لئے صبر اور نماز پڑھنے سے کام لو کس لئے کہ صبر اور نماز ایسے آلے ہیں کہ جس سے یہ کام بلکہ جہاد فی سبیل اللہ دونوں سہل ہو جاتے ہیں اور یہ اس لئے کہ صبر عقل کا اتباع کر کے نفس کو غضب اور شہوت سے روکنے کو کہتے ہیں اس لئے جس میں یہ دونوں چیزیں ہوں گی صبر اسی کو نصیب ہو گا۔ ملائکہ میں چونکہ غضب اور شہوت نہیں بلکہ عقل صرف ہے تو اس لئے اُن کو بھی یہ نعمت نصیب نہیں۔ اور دیگر حیوانات میں عقل نہیں غضب اور شہوت ہے اسی لئے وہ بھی اس سعادت سے فیضیاب نہیں اُنکی قوت بہیمیہ جس جانور سے چاہتی جماع کرنے کا حکم دیتی ہے اور جس چیز کے کھانے پینے کو چاہتی ہے حکم دیتی ہے جس پر چاہتی ہے حملہ کرنے کے لئے آمادہ کر دیتی ہے سو وہ اُس کے کہنے سے ویسا ہی کرتا ہے **عقل** اُس کا ہاتھ نہیں پکڑتی کہ ارے ظالم کیا کرتا ہے بخلاف انسان کے کہ اُس کو عقل مانع آتی ہے، اور اُس کے کہنے سے نفس کو روکتا ہے تو نفس پر پژمردگی اور روح پر تازگی اور نورانیت طاری ہوتی ہے اور جب روح پر نورانیت آئی تو اس آئینہ میں جمال جہاں آرا کا جلوہ ہوا خدا تعالیٰ کا قرب نصیب ہو گیا اسی لئے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ اور جب کہ قرب مبدأ فیاض نصیب ہوا تو اُس کے اثر صحبت سے تمام کام دنیا و آخرت کے انجام پا گئے۔ اس لئے کسی نے فرمایا **الصبر مفتاح الفرج** کہ صبر فتوحات کی کنجی ہے دیکھئے جنگ و قتال میں جب ہر طرح کی تکلیف پر آدمی صبر کرتا ہے تو اپنے دشمن پر فتح پاتا ہے اور عزت و دولت و راحت اُس کو آ کر سلام کرتی ہے۔ کاشتکار جب گرمی اور بھوک و پیاس کی تکلیف اٹھا کر محنت کرتا ہے تو غلہ کاٹتا ہے الغرض دنیا و آخرت کے تمام کاروبار کا صبر پر مدار ہے **واضح** ہو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں بدنی اور نفسانی، پھر بدنی کی بھی دو قسمیں ہیں فعلی جیسا کہ بڑے بھاری اور مشقت کے کاموں کو کرنا۔ انفعالی درد اور تکلیف کی برداشت کرنا گو اُس تکلیف کے آثار بے خود مقتضی طبعی سے ظاہر ہو جائیں مگر یہ شخص اسی حالت میں خلاف قانون عقل و شرع کوئی حرکت نہ کرے۔ اور صبر نفسانی یہ ہے کہ نفس کو اس کی خواہشوں سے روکے اگر خواہشِ شکم و آلت تناسل کو روکے گا تو اُس کو عفت کہیں گے اور اگر فضول چیزوں کی خواہش سے روکے گا تو اُس کو زہد و قناعت کہیں گے اگر غصہ کی حالت میں اپنے دشمن سے درگزر کرے گا اور نفس کو انتقام لینے سے روکے گا تو اُس کو حلم کہیں گے اگر کسی کے راز افشاء کرنے سے زبان کو بند کرے گا تو اُس کو رازداری کہیں گے اور جو زبان کو بیہودہ بکواس سے اور اپنے اعضاء کو بے جا حرکات سے بند کرے گا تو اس کو متانت کہیں گے۔ صبر کے فضائل قرآن و احادیث میں بکثرت ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا مِنْھُمْ اَئِمَّةً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا۔ وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا۔ جس کسی نے ترقی حاصل کی ہے اس صبر ہی کی بدولت کی ہے۔ اور اسلام نے امت مرحومہ کے لئے صبر کی ایک شاخ روزہ کو بھی فرض کر دیا تاکہ نفس کو بھوک اور پیاس کی تکلیف اٹھانے کی عادت پڑے اور جماع جیسی مرغوب چیز کو باوجود سامان مہیا ہونے کے ترک کرنے کا خوگر ہو۔



اور نماز تو ایک عجیب تریاق مجرب ہے اس میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا اور دعاء اور اُس کے آگے سر کے بل جھکنا ہے اس میں خواہ مخواہ بندے کو اللہ تعالیٰ سے تقرب حاصل ہوتا ہے اور یہ روح کو منور کرنے کا اعلیٰ طریقہ ہے اور اسی لئے اس کی نسبت وارد ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ[1]۔ پس جب بندے کو مولیٰ سے تقرب و توسل ہوا تو اُس کے سب کام انجام کو پہنچے اور چونکہ خدا تعالیٰ تمام کائنات کی اصل ہے تو ہر چیز جب اُس کو موانع پیش نہیں آتے تو اپنی اصل کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتی ہے چنانچہ اس حدیث کے یہی معنے ہیں، کان النبی صلعم اذا حزبه امر فزع الی الصلوٰۃ (جامع الاصول)

[1] نماز بیشک بُری اور بے حیائی کی باتوں سے روکتی ہے ۱۲

اور جب کہ خدا تعالیٰ نے صبر کی فضیلت میں یہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ صابرین کو معیت اور تقرب نصیب ہوتا ہے اور صبر کا اعلیٰ موقع قتل فی سبیل اللہ تھا کس لئے کہ جان کے آگے مال یا کسی اور منفعت کی کچھ بھی وقعت نہیں۔ نقل مشہور ہے "گر جان ہے تو جہان ہے"۔ پس جس قدر صبر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کرنے میں ہے اُس قدر اور چیز کے صرف کرنے میں نہیں اور نیز اگلی آیات میں جہاد اور قتل فی سبیل اللہ کا حکم ہونے والا تھا اسی لئے اِس صبر کا اور بھی ذکر کرنا مناسب ہوا اور سب اجروں میں بڑا اجر یہ ہے کہ اس کے عوض میں بندے کو حیاتِ ابدی عطا ہو۔ پس فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاتے ہیں تم اُن کو مُردے نہ کہو کیونکہ ؎ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ؛ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما ؛ بلکہ وہ زندہ ہیں کس لئے کہ ؎ کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را ؛ ہر زمان از غیب جانِ دیگر است ؛ صرف یہ بات ہے کہ وہ تم کو نظر نہیں آتے۔ **واضح** ہو کہ انسان روح یا نفسِ ناطقہ ہے اور یہ جسمِ خاکی کہ جو ہم کو دکھائی دیتا ہے اُس نفس ناطقہ یعنی روح ہوائی کا (کہ جس کو نسمہ کہتے ہیں) مرکب ہے اعنی نفسِ ناطقہ کا تعلق روح ہوائی سے ہے کہ جو لطیف خون کے ابخرات سے پیدا ہوتی ہے اور رُوح ہوائی کا مرکب یہ جسم ہے ؛ جب کسی سبب سے اس جسمِ خاکی سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے (اور اس ترکِ تعلق کا نام موت عرفی ہے) تو نفسِ ناطقہ کو جو جوہر نورانی ہے باقی رہتا ہے اور نہایت عمدہ طرح سے حس و ادراک اور شعور و تمیز بھی باقی رہتے ہیں اس میں کافر و مؤمن شہید غیر شہید سب برابر ہیں پس اس معنے سے موت ہے تو جسم کو اور حیات ہے تو نفسِ ناطقہ کو لیکن کبھی پاک روحوں کا اثر جسمِ خاکی تک بھی پہنچتا ہے اور یہ جسم سڑتا گلتا نہیں جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اور شہدائے عظام کے اجساد سے ظاہر ہوا ہے۔ اسی طرح اس موتِ عرفی میں بھی سب انسان شریک ہیں اس معنی سے شہید اور غیر شہید انبیاء و غیر انبیاء سب کو موت ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ[1]۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ[2] اور اس لئے اُن کے بعد اُن پر احکامِ موت جاری ہوتے ہیں مال میں حصے لگ جاتے ہیں۔ اب حیاتِ شہداء و انبیاء کے یہ معنے ہیں اور آیت میں وہی مراد بھی ہیں کہ جسم سے روح جدا ہو جانے کے بعد روح کو اُس عالم قدس میں ہر قسم کا آرام اور عزت نصیب ہو اور چونکہ روح بھی ایک جسم لطیف ہے اس جسمانی خول کے آثار بھی اس میں منطبع ہوتے ہیں اور اس کی نورانی صورت کو اس جسمانی صورت سے بھی ایک ایسی مناسبت ہوتی ہے کہ رُوح کو وہی شخص روحانی عالم میں کہہ سکتے ہیں اس لئے اُس عالم میں کہ جس کو اِس عالم سے وہی نسبت ہے جو عالمِ خواب کو عالم بیداری سے ہے ہر قسم کی لذات میوے اور عمدہ مکان انہار و حور و قصور میسر آتے اور ان سے لذت پاتے ہیں بالخصوص شہداء کو اُن کو نسمۂ سابق سے ایک عجیب تعلق باقی رہتا ہے جس لئے عالمِ برزخی میں اُن کے لئے ایک نہایت عمدہ پیکر عطا ہوتا ہے اور وہ اس پیکرِ نورانی سے بارگاہِ قدس میں جہاں تک چاہتے ہیں طیران کرکے ترقی کرتے ہیں اور اقسام و انواع کے لذات سے مستفید ہوتے ہیں جس کی طرف آیت میں اشارہ ہے اور اس حدیث میں بھی کہ جس کو شیخین رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ شہداء سبز طیور کے قوالب میں آکر آشیانۂ عرش میں رہتے ہیں اور جہاں سے جی چاہتا کھاتے ہیں اسی طرف ایماء ہے[3] اسی طرح وہ جب چاہتے ہیں اس عالم کی طرف بھی نزول کرتے ہیں کبھی لوگوں کو عیاناً بھی دکھائی دے جاتے ہیں مگر اُن کے اس حیاتِ جاودانی کو یہ آنکھیں اور یہ حواس نہیں محسوس کرسکتے کہ جو اجسامِ کثیفہ کے

---

[1] آپ بھی ایک روز مرنے والے اور وہ بھی مرنے والے ہیں ۱۲ [2] ہر شخص کو موت کا مزہ دیکھنا ہے ۱۲ [3] اس حدیث کے یہ معنے سمجھ کر (کہ شہید طیلے یعنی حیوان بن کر درختوں پر آڑاتیاں مارتے پھریں گے انسانیت سے حیوانیت میں آجائیں گے) اعتراض کرنا اور قہقہہ اڑانا ایک سخت کور مغزی ہے ۱۲ منہ

احساس کے لئے مخصوص ہیں اور اسی سے ایک اپج آگے بھی ان کا ادراک نہیں یہ کامرانی دراصل وہ حیات ابدی ہے کہ جس کا آیت میں ذکر ہے اس کے برخلاف کفار و فجار کا اُس عالم میں معذب ہونا موت ہے۔ ایک شخص طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہے دوسرا قسم قسم کی نعمتوں میں ہے گو دونوں زندہ ہیں مگر اوّل الذکر کی زندگی کیا زندگی ہے وہ تو موت سے بھی بدتر ہے زندگی تو دوسرے شخص کی ہی ہے اس لئے شہیدوں کو زندہ کہا جاتا ہے اور اسی تعلق خاص کے سبب ان کے[1] اعمال حسنہ کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور لوگوں کی طرح منقطع نہیں ہو جاتا جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے کل ابن آدم یختم علی عملہ اذامات الا المجاھد فی سبیل اللہ فانہ ینمی لہ عملہ الی یوم القیمۃ۔

لیکن اس حیات میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بھی شریک ہیں اور اس کے درجات بھی متفاوت ہیں مگر شہیدوں کو تلذذات حاصل کرنے میں ایک خصوصیت خاصہ ہے اور اسی لئے جناب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی آرزو کی ہے۔ اور کیوں نہ ہو جو خدا تعالےٰ کو اپنی حیات مستعار سپرد کرتا ہے وہ اُس کے بالعوض اس کو حیات ابدی[2] عطا کرتا ہے گو وہ لوگ ہم کو نظر نہیں آتے اور اسی لئے خدا تعالےٰ نے لاتشعرون فرمایا لاتعلمون نہ فرمایا۔

جب خدا تعالےٰ نتائج صبر اور اُس کے فوائد بیان فرما چکا تو اس کے بعد مطلع کرتا ہے کہ ضرور تم کو دولت صبر سے بہرہ ور کریں گے جس لئے تم پر گوناگوں مصائب پیش آویں گے مخالفوں کا خوف اور بھوک اور نقصانِ مالی و جانی اور نقصان ثمرات یعنی مرگِ اولاد اور باغ اور کھیت سے بے بہرہ رہنا اور اپنی کوششوں میں ناکامیاب ہونا ان بُرائیوں میں سے تم کو آزمائیں گے پھر جو اس تپاؤ کے کھرا نکلا اس کو حیات جاودانی اور دنیا میں بھی ہر طرح کی کامیابی فتح و ظفر نیکو نامی نصیب ہے ان آیات میں ایمانداروں کو ثابت قدمی اور استقامت فی الدین اور ہر قسم کی تکالیف برداشت کرکے دین پر قائم رہنے کی تعلیم ہے اور دراصل انسان کی ترقی دنیا و دین کی یہی برداشت و استقبال اور جان کاہی عمدہ سیڑھی ہے جس نے اس پر چڑھنے سے انکار کیا وہ ہر طرح سے محروم رہا اور جو اس پر چڑھ گیا وہ مراد کو پہنچا۔ اس آیت کے بعد صحابہؓ بلکہ خود حضرت رسالت مآب علیہ السلام پر طرح طرح کے مصائب پیش آئے جن کے ذکر کرنے سے کلیجہ کانپ اُٹھتا ہے مگر صد آفرین ہے ان صادقوں پر کہ انہوں نے اس تلخ جام کو کس استقلال سے پیا اور دم نہ مارا۔ یہ کوچہ عشق ہے اس کی جانباز ہی سیر کرتے ہیں ؎ سرِ غمِ عشق بوالہوس را نہ دہند ؎ سوزِ دلِ پروانہ مگس را نہ دہند ؎ ابتداء اسلام میں یہ صبر و استقلال اور اس کے ذریعہ سے بے حد کامیابی نبوت کا صریح معجزہ ہے آخر وہ کیا لذتِ روحانی تھی کہ جس کے لئے لوگوں نے یہ مصائب اُٹھائے۔

| | |
|---|---|
| إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ | |
| البتہ صفا اور مروہ خدا تعالیٰ کی نشانیوں میں سے | |
| اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا | |
| ہیں، پس جو کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اُس پر | |
| جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن | |
| کچھ گناہ نہیں کہ اُن کے درمیان طواف کرے، اور جو کوئی | |
| تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ (۱۵۸) | |
| اپنی خوشی سے نیکی کرے تو خدا قدردان ہے جاننے والا۔ | |

## ترکیب

صفا اور مروۃ دونوں اسم اِنَّ۔ من شعائر اللہ اسکی خبر۔ فمن حج البیت الخ شرط فلاجناح الخ جوابِ شرط اسی طرح

[1] ہر انسان جب مرجاتا ہے تو اُس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر مجاہد فی سبیل اللہ کے اعمال ہمیشہ جاری رہتے ہیں ۱۲ منہ۔ حقانی

[2] مفسر نیچر نے جو اپنی تفسیر میں اس مقام پر معتزلہ کی تقلید کرکے حیات کے معنی حیات فی الدین لئے ہیں اور کبھی آئندہ زندہ ہو جانا مراد رکھا ہے سو یہ محض انکی کم فہمی ہے ۱۲ منہ

من تطوع الخ شرط فان اللہ الخ جواب۔

## تفسیر

اول آیت میں صابرین کی مدح اور صبر کے فضائل تھے (جس طرح کہ اس سے پہلی آیت میں ذکر اور شکر کا ذکر تھا۔ کس لئے کہ انسان کی دو حالت ہیں نعمت و مصیبت، اول میں شکر اور دوسرے میں صبر کرنا مقتضی ایمان ہے۔ یہاں خدا تعالےٰ صابرین کے صبر کا نتیجہ ذکر کرتا ہے کہ صفا اور مروہ جو خانۂ کعبہ کی متصل دو چھوٹی سی پہاڑیاں ہیں وہ ہاجرہ والدۂ حضرت اسمٰعیل کے صبر کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی نشانیاں اور مقدس و متبرک جگہ ہو گئیں۔ جب ہاجرہ اپنے معصوم بچے حضرت اسمٰعیلؑ کو لے کر اس خشک میدان میں آرہیں اور مشک کا پانی ختم ہو چکا اور دھوپ کی گرمی اور پیاس کی شدت اور بچے کے تڑپنے میں بے قرار ہو کر خدا تعالےٰ کی طرف ملتجی ہوئیں اور اس حالت میں کبھی اس پہاڑی پر اور کبھی اُس پہاڑی پر ظہور رحمتِ الٰہی کی امید میں آئیں گئیں تو خدا تعالےٰ نے انہیں پہاڑیوں پر سے تجلی رحمت فرمائی اور ہاجرہ کی دعاء قبول کی اور خدا تعالیٰ کے فرشتہ نے آواز دی کہ دیکھ خدا تعالےٰ نے تیرے اور تیرے بچے کے لئے چشمہ جاری کر دیا۔ سو جب سے یہ جگہ محلِ اجابتِ دعاء قرار پا گئی۔ پس جو کوئی حج یا عمرہ کے لئے جاوے تو اس عارضی وجہ سے کہ ایام جاہلیت میں اساف اور نائلہ کے بُت (جو دو مرد و عورت تھے اور انھوں نے خانۂ کعبہ کے پاس عین طواف میں زنا کا ارادہ کیا تھا جس سے اُن کی صورت مسخ ہو گئی تھی) مشرکین نے رکھ لئے تھے اور اُن کے اِرد گرد طواف کرتے تھے، ان مقاماتِ مقدسہ کی بزرگی میں کوئی فرق نہ خیال کرے۔ اگر ان پہاڑیوں کے میدان میں اُسی طرح سے کہ جس طرح ہاجرہ اجابتِ دعاء کے لئے طواف کرتی پھریں تھیں کوئی طواف کرے تو اُس پر کچھ گناہ نہیں بلکہ اُس کے لئے درِ اجابت مفتوح ہوتا ہے یہ نیک بات ہے اور جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرتا ہے تو خدا تعالےٰ بھی اس کو رائگاں نہیں کرتا بلکہ اُس کی قدر دانی کرتا ہے کیونکہ وہ شکور بھی ہے یعنی قدردان اور واقف بھی۔ دنیا کے امراء اور سلاطین کی طرح غافل نہیں کہ مخلصوں کی خیر خواہی اور خدمت گزاری اُن تک نہیں پہنچتی۔

**صفا** اور **مروہ** خانۂ کعبہ سے شرقی جانب دو پہاڑیاں ہیں۔ صفا تو جنوبی جانب ہے اور مروہ شمالی جانب میں ان کے بیچ میں تخمیناً سات سو ستر گز کی مسافت ہے صفا تو کوہ ابو قبیس کی جڑ میں ہے اور مروہ کوہ قعیقعان کے آگے ناک کی طرح سے ہے اب ان دونوں پہاڑیوں پر آبادی ہے بلکہ کسی قدر اُن پہاڑوں پر بھی اور صفا و مروہ پر صرف سیڑھیوں کے نشان بنا دیتے ہیں اور اُن کے درمیان جو فاصلہ ہے پہلے وہاں نشیب اور ناہموار زمین تھی اب تو حرم کی دیوار سے ملا ہوا ایک بازار وسط شہر میں ہے وہیں حاجی سعی کرتے ہیں اور طواف بھی۔

**شعائر** شعیرہ یا شعارہ کی جمع ہے جس کے معنے علامت اور نشانی کے ہیں اور شعائر اللہ عُرفِ شریعت میں عبادت کے مکانات اور زمانوں اور علامات کو کہتے ہیں۔ مکاناتِ عبادت جیسا کہ کعبہ اور عرفہ اور مزدلفہ و جمراتِ ثلث و صفا و مروہ و منیٰ و جمیع مساجد۔ اور اوقات جیسا کہ رمضان اور اشہرِ حج و عیدین و جمعہ۔ اور علامات جیسا کہ اذان و اقامت و نماز بجماعت اور اسی طرح دینی بزرگوں کے وہ مقامات کہ جہاں اُن پر افضال الٰہی نے ظہور کیا تھا حج کے شعائر کہلاتے ہیں۔

**حج** کے لغوی معنے قصد وغیرہ کے ہیں مگر شرع میں ارکان مخصوصہ کا نام ہے۔ اور حج و عمرہ میں یہ فرق ہے کہ حج میں نویں ذی الحجہ کو عرفات میں جانا اور پھر وہاں سے آکر طوافِ کعبہ کرنا ہوتا ہے اور عمرہ میں یہ نہیں۔ باقی احرام باندھنے اور طواف اور سعی صفا اور مروہ میں دونوں شریک ہیں اور عمرہ کے لئے کوئی مہینہ اور دن خاص نہیں۔

ہر چند لفظ لاجناح سے صفا و مروہ کی سعی واجب یا فرض

نہیں معلوم ہوتی بلکہ یہ بات کہ جو سعی کرے تو اُس پر کچھ
گناہ نہیں لیکن دلائلِ شرعیہ سے اِس کا کرنا ضروری معلوم
ہوتا ہے۔ پھر امام **شافعیؒ** فرض کہتے ہیں کہ بغیر اس کے حج
وعمرہ نہیں ہوتا نہ کوئی قربانی اِس کے قائم مقام ہوتی ہے اور
امام **ابوحنیفہؒ** واجب کہتے ہیں کہ اس کے نہ کرنے سے حج
وعمرہ فوت نہیں ہوتا بلکہ قربانی سے بدل مافات ہو سکتا ہے۔
یہ ایک باریک سا فرق ہے اور دلائل ہر فریق کے اُنکی
کتابوں میں مذکور ہیں۔ مگر جو لوگ اس کو ضروری نہیں کہتے
جیسا کہ **مجاہدؒ** اور **عطاءؒ** تو اُن کا قول صحیح نہیں کس لئے کہ
بہت سی احادیثِ صحیحہ اس کے وجوب کو ثابت کر رہی ہیں۔ منجملہ
حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث کہ جس کو امام بخاریؒ و مسلمؒ
و مالکؒ نے روایت کیا ہے کہ عروۃ بن زبیرؓ نے حضرت عائشہ
صدیقہؓ سے عرض کیا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو صفا و
مروہ کے درمیان طواف نہ کرے تو اُس پر کچھ حرج نہیں۔ اُم
المومنینؓ نے فرمایا تو سمجھا نہیں اگر یوں ہوتا تو ان لایطوف
بہما فرماتا۔

---

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ

بے شک جو لوگ ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو کہ جس کو

الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ

ہم نے نازل کر دیا ہے اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے اس کو لوگوں

لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ

کے لئے کتاب میں بھی بیان کر دیا (سو) انہیں پر خدا تعالیٰ

اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی مگر وہ کہ جنہوں نے

تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ

توبہ کی اور نیکی اختیار کی اور صاف ظاہر کر دیا تو ہم بھی ان کو

اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ

معاف کر دیتے ہیں، اور ہم تو بڑے ہی معاف کرنے والے

الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ

مہربان ہیں۔ بے شک جو منکر ہو گئے اور

مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ

انکار ہی کی حالت میں مر بھی گئے تو انہیں پر خدا تعالیٰ

لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ

کی لعنت ہے اور فرشتوں اور سب لوگوں

اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ

کی بھی۔ وہ سدا اسی میں رہیں گے، نہ تو ان کے عذاب

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

میں کمی کی جاوے گی اور نہ ان کو چھٹکارا ہی ہو گا۔

## ترکیب

الذین موصول یکتمون فعل با فاعل ما انزلنا اس کا مفعول
من البینٰت والہدیٰ بیانِ ما من بعد ما متعلق ہے
یکتمون سے فی الکتاب متعلق ہے بیّنّاہ سے یہ سب مجموعہ
صلہ ہوا۔ پھر موصول و صلہ اسمِ ان اور اولٰئک مبتدا
یلعنہم الخ جملہ اِس کی خبر پھر یہ مجموعہ خبر ہے ان کی الا
الذین الخ استثناء متصل موضعِ نصب میں ہے اور مستثنیٰ منہ
ضمیر ہے یلعنہم میں۔ الذین کفروا الخ اسمِ ان۔ اولٰئک مبتدا
علیہم لعنۃ اللہ الخ خبر جملہ خبرِ ان۔ خالدین حال ہے ضمیر
علیہم سے اور لا یخفف حال ہے ضمیرِ خالدین سے۔

## تفسیر

اول تحویلِ قبلہ کے بارے میں گفتگو تھی اور اُس کے ضمن
میں کعبہ کی فضیلت اور یہود و نصاریٰ کے شکوک و شبہات
کا جواب تھا کیونکہ وہ کعبہ اور حج وغیرہ امور کی نسبت یہ
کہتے تھے کہ یہ جاہلیت کی باتیں ہیں یہ پیغمبر برحق ہوتے تو ان
باتوں کو نہ کرتے۔ پھر اس کلام کو عمدہ نصیحت اور یادِ الٰہی اور
شکر اور صبر کی تاکید اور اُس کے عمدہ نتائج پر ختم کر کے اصل مدعا

کی طرف رجوع کرتا ہے کہ ہمارے پیغمبرؐ کی شریعت اور جس قدر اس کے اصول ہیں وہ سب کتب انبیاءؑ توراۃ وغیرہا میں مذکور ہیں اور نیز اس نبیؐ کی بشارتیں اور فاران سے خدا کا جلوہ گر ہونا اور بنی قیدار میں خدا تعالےٰ کا فضل و رحمت کا وعدہ سب کچھ ان کتب میں خدا تعالےٰ نے بیان کر دیا ہے مگر تعصب و عناد سے اہلِ کتاب ان باتوں کو چھپاتے اور عرب کے جاہلوں اور اپنے عامیوں کو شبہات میں ڈال کر گمراہ کرتے ہیں اس لئے جو لوگ ان چیزوں کو کہ جن کو ہم نے لوگوں کے لئے کتاب میں بیان کر دیا ہے چھپاتے ہیں اور ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت پر پردہ ڈالتے ہیں اور عالم کی روشنی کو بجھاتے ہیں تو ان پر خدا تعالےٰ کی طرف سے اور تمام عالم کی طرف سے لعنت برستی ہے جس کا نتیجہ دنیا کی رسوائی اور بے برکتی اور عالمِ آخرت کا عذاب ہے۔ مگر جو لوگ اس فعل سے توبہ کر کے نیک بختی اور خدا تعالےٰ کی امانت کا اظہار اختیار کرتے ہیں تو ہم بھی ان کو معاف کر دیتے ہیں۔ ہاں جو اسی کفر میں دمِ اخیر تک رہتے ہیں اور اسی حالت میں اس عالم سے جاتے ہیں تو ان پر ہمیشہ خدا تعالےٰ کی طرف سے اور ملاءِ اعلیٰ کی طرف سے بلکہ عالمِ سفلی کی طرف سے لعنت برستی ہے کہ جس سے وہ اُس عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں کہ کبھی ان سے کم نہیں ہوگا اور نہ کوئی ان کو اس سے مہلت دلا سکے گا۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

اور تمہارا خدا تو خدائے واحد ہے جس کے سوائے کوئی معبود نہیں

الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٣﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ

وہ بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے بیشک آسمانوں اور زمین کے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ

پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے

وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي

بدلنے میں اور جہازوں میں جو دریا میں لوگوں کی

الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

نفع دینے والی چیزیں لے کر چلتے ہیں اور اس پانی میں کہ

مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ

جس کو خدا آسمان سے برساتا ہے پھر اس سے مرگئی ہوئی

بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ

زمین کو زندہ کرتا ہے اور اس میں ہر قسم کے چلنے والے جانور پھیلاتا ہے

وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ

اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادلوں میں کہ جو آسمان

بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

اور زمین میں ادھر رکے گئے ہیں البتہ عقلمندوں کے لئے بہت سے

يَّعْقِلُوْنَ ﴿١٦٤﴾

نشان (قدرت) ہیں۔

## ترکیب

الٰہکم مبتدا الٰہ واحد موصوف و صفت خبر الا ہو مستثنےٰ کہ موضع رفع میں ہے کس لئے کہ یہ بدل ہے موضع لا الٰہ سے کیونکہ محل لا کا اور جس میں کہ یہ عمل کرتا ہے رفع ہے بسبب مبتدا ہونے کے اور اگر مستثنےٰ موضع نصب میں ہوتا تو الا ایاہ ہوتا الرحمن بدل ہے ہو سے یا خبر مبتدا ہے اور یہ جائز نہیں کہ ہو کی صفت ہو لان الضمیر لا یوصف اور نہ یہ کہ ہو کی خبر ہو لان المستثنےٰ ہنا لیس بجملۃ ان فی خلق السمٰوٰت الخ سب جملہ یکے بعد دیگرے خبر ہیں انّ کی اور لاٰیات الخ اسم ہے انّ کا۔

ع ۱۹

## تفسیر

جب کہ خدا تعالیٰ کے نافرمانوں اور اُس کے احکام کے چھپانیوالوں

---

ل یعنی خشک زمین کو جو مُردہ کے مشابہ ہے زندہ یعنی ہرا کرتا ہے خشک ہونے کو بیکار رہنے کے سبب مُردگی سے اور تازہ ہونے اور نباتات اُگانے کو کارآمد ہونے کے سبب اسکی زندگی سے بطور استعارہ کے تعبیر کیا اور یہ کلام عرب میں بڑی فصاحت ہے ۱۲ منہ

اور کفر پر مرنے والوں کو یہ حکم سنایا گیا کہ ان پر خدا تعالیٰ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے تو اس جگہ یہ خطرۂ شیطانی پیدا ہوتا تھا کہ یہ دعویٰ سرے سے غلط ہے کس لئے کہ اور بھی شخص ایسے ہیں کہ جن کو خدائی اختیارات ہیں یا وہ خدائی کے حصہ دار ہیں اگر ایک نے نکالا تو دوسرے کی طرف ملتجی ہو جاویں گے۔ چنانچہ عموماً عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی کا حصہ دار جانتے ہیں اور ان کو بیٹا کہتے ہیں اور مشرکینِ قدیم وحال تو عناصر و آسمان وارواحِ وغیرہ سینکڑوں چیزوں کو خدائی میں شریک جانتے تھے اور جانتے ہیں اور مدینہ کے بعض بیوقوف یہود بھی عزیر علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے وسوسۂ شیطانی کو باطل کر دیا۔ اے بنی آدم! تم سب کا ایک ہی معبود ہے پس؎
عزیزے کہ از درگہش سر بتافت ؛ بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت
اور یہ اس لیے کہ اس کے سوائے عرصۂ وجود میں اور کوئی معبود ہی نہیں۔ پھر اس دعویٰ کے ثبوت میں خدا تعالیٰ نے آٹھ وہ دلیلیں بیان فرمائیں کہ جن سے خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور دیگر صفاتِ کمالیہ اور نیز اس کا وجود معلوم ہو جاتا ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ دلیلیں اس کی انعام اور بخشش کے لئے آئینہ بھی ہیں اور یہ آٹھوں چیزیں امور مذکورہ پر ایک وجہ سے نہیں بلکہ مختلف وجوہ سے دلالت کرتی ہیں؛ وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں (۱) آسمان و زمین کی پیدائش۔ سو یہ چند طور پر دلالت کرتی ہے۔ ازانجملہ یہ کہ افلاک متعدد ہیں اور ان میں ستارے بھی متعدد ہیں اور باوجودیکہ طبیعت جرم علوی سب میں مشترک ہے مگر ہر ایک مختلف ہے کوئی آسمان بڑا کوئی چھوٹا ہے اسی طرح کوئی ستارہ بڑا کوئی چھوٹا ہے اور کسی کا رنگ مائل بسرخی ہے کسی کا مائل بسفیدی اور کسی کی حرکت کسی طرف ہے اور کسی کی کسی طرف کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ

سب کسی قادرِ مختار کے قبضۂ قدرت میں ہیں کہ وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے جو چاہتا ہے کرتا ہے اگر یہ چیزیں از خود ہوتیں تو پھر باوجود اتحاد مقتضٰے کے یہ اختلافات کیسے! ازانجملہ یہ کہ افلاک اور ستارے اجسام ہیں اور ہر جسم مرکب ہے اور ہر مرکب حادث ہے یعنی پہلے نہ تھا پھر ہوا اور ہر حادث کے لئے ایک محدثِ قدیم و قدیر ضرور ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور زمین کے مختلف حالات سے تو زیادہ تر یہ بات ثابت ہے کہ یہ کسی قادرِ مختار کے قبضۂ قدرت میں ہے (۲) دنوں اور راتوں کا اختلاف کہ رات جاتی اور دن آتا ہے اور کبھی راتیں چھوٹی اور کبھی بڑی ہوتی ہیں اور اسی طرح دنوں کا حال ہے اور ایک ہی وقت میں کہیں رات ہے کہیں دن ہے آج جو ہماری رات دس یا بارہ گھنٹہ کی ہے وہی بلادِ شمالیہ میں دو مہینے کی بلکہ قطب کے نیچے رہنے والوں کے لئے چھ مہینے کے برابر پس یہ عجائب از خود نہیں بلکہ اس کے ہاتھ میں ہیں کہ جس کے ہاتھ میں آسمان اور آفتاب کی ڈوری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ (۳) کشتی اور جہاز اور آگنبوٹ کی روانگی ہے تمام زمین پر کرۂ ماء محیط ہے یعنی ہر طرف پانی ہے جس کو عربی میں بحر اور اردو میں سمندر کہتے ہیں اور پانی کی بارش اور زمین کے چشموں یا برف کے پگھلنے سے بہتے ہیں تو ان کو عربی میں نہر کہتے ہیں پس اس سمندر میں سے بقدر چوتھائی زمین اٹھی ہوئی ہے کہ جس پر یہ تمام ممالک یورپ افریقہ ایشیا وغیرہ آباد ہیں اور کہیں کہیں اور بھی بڑے بڑے جزیرے یعنی ٹاپو ہیں کہ جن میں ملک بستے ہیں جیسا کہ امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ اور کہیں کہیں سینکڑوں کوسوں تک زمین میں سمندر کی کوئی شاخ چلی گئی ہے جس کو خلیج کہتے ہیں پس ان دور دراز ملکوں میں جو لوگ جاتے اور تجارت کے عمدہ عمدہ کارآمد اسباب لے جاتے ہیں تو بذریعۂ ہوائی اور دخانی کشتیوں کے لے جاتے ہیں اب اس بے انتہا دریا میں اس طرح سے کشتی کا چلنا اور اس کے متعلق انسان کو

عمدہ عمدہ علوم اور آلات تعلیم کرنا خاص اُسی خداوند تعالیٰ وتقدس کا کام ہے اور پھر اُس کو پہاڑ سی موجوں سے بچانا اور ہوا کا موافق رکھنا سب اُس کے ید قدرت میں ہے۔

(۴) آسمانوں میں سے مینہ کا اُتارنا یعنی بادلوں سے بارش کا نازل کرنا یہ بھی اُس کے وجود قدرتِ کاملہ کی دلیل ہے۔ ہزاروں من پانی بادلوں میں بھرا ہوا ہُوا کی گاڑی پر لدا ہوا ہے اس کو فرشتے اِدھر اُدھر لئے پھرتے ہیں جہاں جس قدر ضرورت ہوتی ہے اسی قدر اُس کے حکم سے نہایت سہولت سے برساتے ہیں۔

(۵) اِس پانی سے زمینِ مُردہ کو زندہ کرنا یعنی اس سے ہزارہا جڑی بوٹیاں اناج گھاس عمدہ عمدہ پھل پھول کے درخت اُگاتا یہ اُسی کا کام ہے باوجودیکہ ایک زمین ہے اور وہی پانی اُوپر سے برستا ہے مگر ایک درخت شیریں ہے تو دوسرا تلخ بلکہ ایک ہی درخت میں کہیں سُرخ پھول ہیں تو کہیں سفید۔ پھر نباتات میں جو کچھ ید قدرت نے گُل کاریاں کیں ہیں اُس کی تو نقل کرنے میں بھی بڑے بڑے نقاش حیران دسرگرداں ہیں باوجودیکہ ایک مادہ ایک پانی ایک ہوا ایک آفتاب و ماہتاب کی شعاع اُس پر نباتات میں یہ کچھ اختلافات پس اگر یہ سب نیرنگیاں اُس قادرِ مطلق کے ید قدرت کی نہیں ہیں کہ جو پردۂ حس کے پیچھے جلوہ گر ہے تو اور کیا ہے؟ سچ تو یوں ہے کہ ہر ہر شجر بلکہ ہر برگ وبر اُسی کی خداوندی کا اقرار کر رہا ہے ؎ ہر گیاہے کہ از زمین روید؛ وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید؛

(۶) زمین پر حیوانات کا پھیلانا۔ حیوان کی ہزارہا انواع واقسام ہیں اُن کی گنتی اور شمار بشر کی قدرت سے باہر ہے اُن کے دو قسم عام ہیں ایک قسم تو وہ ہیں کہ جو توالد اور تناسل کے طریق پر پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ آدمی گھوڑا وغیرہ۔ دوسری قسم وہ ہیں کہ جو بطریقِ تولید پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ برساتی پانی سے سینکڑوں مینڈک اور ہزارہا جھینگر اور دیگر حشرات الارض مٹی سے پیدا ہوجاتے ہیں۔ اب ان میں جو اعلیٰ اور اشرف حضرتِ انسان ہیں اُنھیں ملاحظہ فرمائیں نطفہ جو اِس کی اصل ہے اُسی کو غور کیجئے کہ وہ ایک متشابہ الاجزاء چیز ہے پھر کون ہے جو اس نطفہ کی تقسیم کرتا ہے کسی قدر کا قلب اور کسی قدر کی ہڈی وغیرہ اعضاء بناتا ہے اگر کہے کہ یہ خود اس انسان کا فعل ہے تو یہ ہنوز بنا ہی نہیں فعل کیا کرے گا اور جب یہ کامل بن کر باہر آتے اور پھر علوم وفنون میں اُستاد ہوجاتے ہیں تب تو اُن سے ایک بال بھی بن نہیں سکتا نہ ہڈی نہ چمڑا بنا سکتے ہیں تو اس حالت میں کیا کر سکتے تھے اگر کہو کہ یہ طبیعتِ نطفہ کا فعل ہے تو وہ ہر جزو میں مساوی ہے اُس کا فعل بھی ہر جزو میں مساوی ہونا چاہیے تھا غایۃ الامر اُس کی شکل گول مول ہوتی ہے جیسا کہ بسائط کی شکل کُروی ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ یہ کاریگری اُسی قادرِ مطلق کی ہے کہ جو پانی پر تصویر کھینچتا ہے۔ اب اس کی پرورش اور قویٰ ظاہریّہ وباطنیہ کو جو لحاظ کیجئے گا تو اُس کو اسرارِ الٰہی کا مجموعہ اور اُس کے جمال باکمال کا آئینہ کہیے گا۔

(۷) ہواؤں کا بدلنا کہ جس پر اہل دنیا کی زندگانی کا مدار ہے۔ (۸) ہزارہا من پانی کے بادلوں کو زمین وآسمان میں معلق کر کے رکھنا باوجودیکہ پانی کا مقتضٰے طبعی نیچے آنا ہے مگر اُس کے حکم سے معلّق ہے۔ پھر ان دلائل میں ایک عجیب ترتیب طبعی ہے۔ اوّل آسمانوں اور زمین کو ذکر کیا اُس کے بعد رات دن کے اختلافات کو کہ جو علویات سے متعلق ہے اسکے بعد عناصر، دریا اور ہوا اور بادلوں میں جو کچھ اُس کی صنعت ہے اُس کا اظہار کیا اُس کے بعد موالید ثلٰثہ نباتات، حیوانات، جمادات کی طرف اشارہ کیا سبحان اللہ عجب کلام ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ

اور ایسے بھی لوگ ہیں کہ جنھوں نے خدا تعالےٰ کے سوا

اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَہُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ ؕ
اور شریک بنا رکھے ہیں جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ خدا سے رکھنی چاہئے
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ وَ
اور ایمان والوں کو تو خدا تو ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے ، اور
لَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ
کاش ظالموں کو (آج) معلوم ہو جاتے (جیسا کہ جب معلوم ہو گا) جب کہ
الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا وَّ
عذاب دیکھیں گے کہ سب قوت اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ
اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ (۱۶۵) اِذْ
اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت تر ہے ، جب کہ
تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ
پیشوا اپنے پیرؤں سے بیزاری ظاہر کریں گے
اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ
اور عذاب دیکھیں گے اور آپس کے علاقے
بِہِمُ الْاَسْبَابُ (۱۶۶) وَقَالَ الَّذِیْنَ
ٹوٹ جائیں گے ، اور پیرو کہیں گے
اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَتَبَرَّاَ مِنْہُمْ
اے کاش پھر ایک بار ہم کو (دنیا میں) جانا ملے تو ہم بھی
کَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ کَذٰلِکَ یُرِیْہِمُ
ان سے اسی طرح دست برداری کریں جیسی کہ انہوں نے ہم سے کی ہے۔ خدا یوں ان کے
اللّٰہُ اَعْمَالَہُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْہِمْ ؕ وَمَا
اعمال کو ان پر حسرتیں بنا کر دکھائے گا حالانکہ (اس پر بھی) ان کو ۲۰ ع
ہُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ (۱۶۷)
جہنم سے خلاصی نہیں ہو سکنے کی !

## ترکیب

من یتخذ من نکرہ موصوفہ اور جائز ہے کہ بمعنی الذی ہو۔ یحبونہم موضع نصب میں ہے صفت ہے انداداً کی اور جائز ہے کہ موضع رفع میں ہو صفت من کی۔ کحب اللہ کاف موضع نصب میں ہے صفت ہے مصدر محذوف کی ای حباً کحب اللہ اشد کا متعلق محذوف ہے تقدیرہ اشد حبا للہ من حب ہؤلاء للانداد لو حرف شرط یری فعل اور اس کا فاعل محذوف اور ممکن ہے کہ الذین الخ فاعل قرار دیا جاوے اور یری بمعنے علم ہو ای لو عرف الذین ظلموا اور ممکن ہے کہ الذین الخ فاعل ہو اور یری بمعنے ابصار کو شاہد الذین ظلموا ان القوۃ الخ مفعول ہے یری کا اذ یرون العذاب اس کا ظرف ہے اور اذ تبرأ الذین میں جو اذ ہے وہ بدل ہے اس پہلے اذ سے وراوا العذاب وتقطعت وقال الذین یکے بعد دیگرے معطوف ہیں تبرأ پر پس مجموعہ شرط اور جواب اس کا لما اتخذوا من دونہ انداداً محذوف۔ کذلک موضع رفع میں ہے ای الامر کذلک اور جائز ہے کہ موضع نصب میں ہو صفت مصدر محذوف کی ای یریہم رویۃ کذلک۔ یریہم رؤیۃ العین سے ہے ہم مفعول اول اعمالہم مفعول ثانی حسرات حال ہے اور ممکن ہے کہ بمعنی یعلمہم ہو اور حسرات مفعول ثالث ہو۔

## تفسیر

یعنی باوجودیکہ ہم (خدا) اپنے وجود اور وحدہٗ لاشریک ہونے پر اور اپنے صفات کمالیہ پر آٹھ دہ دلائل بیان کر چکے ہیں کہ جن سے نعمتوں اور کل بھلائیوں کا خدا تعالیٰ کی طرف سے پہنچنا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ مینہہ برسانا اس سے اناج اُگانا وغیرہ وغیرہ مگر بعض ایسے بھی بیوقوف ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا اُس کی مخلوق میں سے عناصر اور فلکیات اور ارواح و ملائکہ وغیرہم کو بھی اُسی کی خدائی میں شریک اور نفع اور ضرر کا مبدأ تصور کر کے اُن سے بھی ویسی ہی محبت کرتے ہیں کہ جیسی خدا تعالیٰ سے کرنی چاہیے تھی۔ سو یہ انہیں لوگوں کا کام ہے کہ جنہوں نے خدا تعالیٰ کو خدا ہی نہیں جانا اور سچے دل سے اُس پر ایمان نہیں لائے اور اُن پر

نور ایمان کا آفتاب نہیں چمکا ورنہ جو اُس پر ایمان لاچکے ہیں وہ تو اس پر فدا ہیں اپنی جان اور مال بلکہ اگر تمام عالم میسر آئے تو اس کو بھی اس پر قربان کرنے میں تامل نہ کریں ؎

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ ؛ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

پس وہ خاص اُسی کی عبادت کرتے ہیں اور اُس کے حکم کے مقابلہ میں کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور یہ بیوقوف جو غیراللہ سے جس امید پر محبت کرتے ہیں اُن کو اصل حال معلوم نہیں کیونکہ اس امید کا انتظار شدت کے وقت ہوتا ہے اور شدت اور تکلیف کا وقت قیامت سے زیادہ کوئی نہیں پس اگر ان کو وہاں کا حال معلوم ہو اور پھر اُن کے خیالی معبودوں کا ان سے بیزار ہونا اور تبرّا کرنا اور پھر اُن کا یہ حسرت کرنا کہ اگر ہم پھر دنیا میں جاویں تو کبھی ان سے ایسی محبت نہ کریں بلکہ کنارہ کریں اور پھر وہاں ہر طرح کی اُمید وار باہمی علاقہ کا منقطع ہو جانا معلوم ہو تو کبھی بھی یہ کام نہ کریں۔ محبت علمائے ظاہر کے نزدیک ایک قسم کا ارادہ اور خواہش ہے جو ممکن الوجود چیز کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ چونکہ ممکن نہیں بلکہ واجب ہے تو اُس کی محبت کے یہ معنے ہیں کہ اُس کی عبادت وطاعت یا ثواب و رضا کو محبوب جانے۔ مگر محققین کے نزدیک یہ ایک کیفیت اضطراری ہے یعنی روح کا میلان از خود خواہ کوئی غرض ہو یا نہ ہو۔ اور یہ کیفیت ارادے کے علاوہ ہے اور سر اس میں یہ ہے کہ روح کو جمال و کمال کے ساتھ میل طبعی ہے جس طرح کہ لوہے کو مقناطیس سے اور یہ میل عالم کے ہر جزو میں رکھا ہوا ہے اس لئے کواکب و افلاک سرگرداں ہیں پس جس قدر جمال و کمال ہوتا ہے اتنا ہی دل اُسی کی طرف از خود کھچتا ہے۔ جسمانی چیزوں میں جب کوئی حسین صورت نظر پڑتی ہے از خود اُسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور آواز میں جب ایک اعتدال طبعی پیدا ہو کر حسن آتا ہے تو دل اُسی کی طرف کھنچتا ہے۔ جب حسن اور جمال ظاہری کی یہ کیفیت ہے تو جمال و کمال حقیقی کہ جس کے جمال و کمال کا ایک ادنیٰ ظل یہ تمام جمال و کمال ہیں اعنی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا جمال تو اُس کی طرف روح کو جس قدر میل طبعی ہو کم ہے اور جب اجسام کا یہ حال ہے کہ ہر شئے اپنی اصل اور حیز طبعی کی طرف بغیر ارادہ بے قرار ہو کر آتی ہے تو اُس اصل کل کی طرف روح کیونکر بیقرار نہ ہووے۔ ہاں جب کفر و الحاد و معصیت کے حجاب درمیان آجاتے ہیں تو جمال حقیقی دکھائی نہیں دیتا اسی لئے ان لوگوں کو اُس کی محبت کم ہوتی ہے اور چونکہ مومنوں کے دل سے یہ حجاب مرتفع ہیں اس لئے وہ اُس پر فدا ہیں اور پھر ان میں بھی درجات متفاوت ہیں۔ اولیاء انبیاء سب کے پیشرو ہیں۔ جب محبت میں محویت ہو جاتی ہے تو پھر فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔ اور عشق بھی محبت کے ایک مرتبہ کا نام ہے۔

**جناب** سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دینی و دنیاوی خوبیوں کی تعلیم فرمائی اسی طرح بنی آدم میں سب سے پیشتر عشق الٰہی کا مدرسہ بھی جاری کیا اس لئے اولیاء اللہ جس قدر اس امت میں گزرے کسی امت میں نہیں۔ پس بعض شوخ چشم عیسائیوں کا یہ کہنا کہ قرآن میں محبت الٰہی نہیں نہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ثابت ہے بڑی ہٹ دھرمی ہے۔ بلکہ محبت الٰہی کا جس قدر وجود اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے دیرپا اثر کے ساتھ پایا جاتا ہے اس کا کسی قوم بلکہ کسی مذہب میں نظیر بھی نہیں پایا جاتا جس کا نمونہ بدر کی لڑائی ہے اس بات کو دیکھ کر ایک عیسائی مورخ کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں تو بہت بہتر ہو کہ عیسیٰؑ کے حواری جو بہت سے معجزات دیکھ چکے تھے جس وقت کہ اُن کے ہادی کو یہودی پکڑ کر پھانسی دینے لائے تو وہ سب تتر بتر ہو گئے ان کا دینی نشہ اُتر گیا بلکہ شمعون پطرس نے تو شناسائی کا بھی بلفظ لعنت انکار کر دیا برخلاف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرووں کے کہ انھوں نے اپنی

جان کو اپنے مظلوم پیغمبر کے سے تہلکہ میں ڈال دیا جو نشہ کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ان پر چڑھایا تھا اُس کو زمانہ کی کوئی ترشی بھی آخر عمر تک نہ اُتار سکی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ
لوگو! زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ چیزوں کو

حَلٰلًا طَيِّبًا ۡوَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم

الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٦٨﴾
نہ چلو۔ کیونکہ وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ
وہ تو تم کو بُری اور بے حیائی کی باتیں ہی بتایا کرتا ہے

وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦٩﴾
اور یہ بھی کہ تم خدا تعالیٰ پر نادانستہ باتیں بناؤ۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ
اور جب ان (کفار) سے کہا جاتا ہے کہ جو خدا تعالیٰ نے نازل

اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِـعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ
کیا ہے اُس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم اُسکی پیروی نہ کریں گے بلکہ ہم تو اُس کی

اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ
چلیں گے کہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، بھلا اگرچہ اُن کے باپ دادا کچھ

شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٧٠﴾ وَمَثَلُ
بے عقل اور گمراہ ہوں تو بھی (انکی راہ) چلیں گے۔ اور کافروں کی مثال ایسی

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ
ہے کہ جیسا کوئی ان جانوروں کو پکارے کہ جو بجز پکار اور آواز

بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّ
کے اور کچھ نہیں سنتے وہ بہرے اندھے گونگے ہیں

بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٧١﴾
اس لئے سمجھتے نہیں۔

ف نعق نعیق چرواہے کا بکریوں کو پکارنا۔ اسی طرح نعقاً بالفتح و نعاق بالضم ۱۲ حقانی

## ترکیب

حلالاً مفعول ہے کلوا کا اور من متعلق ہے کلوا سے اور یہ ابتدار غایۃ کے لئے ہے اور ممکن ہے کہ من محذوف سے متعلق ہو اور حلالاً سے حال ہو اور طیباً صفت ہے حلالاً کی خطوات خطوۃ کی جمع ہے اور خطوۃ کی ح کو بالفتح پڑھیں تو اُس کے معنے مصدر کے ہیں اور جو ضمہ سے تو فاصلہ بین القدمین کے وان تقولوا موضع جر میں ہے کس لئے کہ اس کا عطف بالسوء پر ہے بل اس جگہ اضراب کے لئے ہے۔ اَوْ عطف کے لئے اور ہمزہ استفہام کے لئے بمعنے توبیخ اور جواب لو محذوف ہے تقدیرہ افکانوا یتبعونہم مثل الذین الخ مبتدا کمثل الذی ینعق خبر وفی الکلام حذف تقدیرہ مثل داعی الذین کفروا ای مثل داعیھم کمثل الناعق بالغنم۔ الا دعاء منصوب ہے یسمع سے۔

## تفسیر

عرب کی قوموں نے بہت سے خیالی معبود اور تقرب الٰہی اور قضاء حاجات کے لئے بُتوں اور دیگر چیزوں کو وسائل بنا رکھا تھا جن سے وہ محبت زائد رکھتے تھے (انداد سے یہی چیزیں مراد ہیں) اور پھر جس طرح ہنود کی قومیں کہیں کسی چیز کا کھانا پینا کہیں کسی چیز کا استعمال کرنا اپنے معبودوں کے لئے ترک کر دیتے ہیں اسی طرح اُنہوں نے بھی کیا تھا۔ پس خدا تعالیٰ اپنی وحدانیت اور خاص اپنی ذات سے محبت ذاتیہ رکھنے کے دلائل بیان فرما کر اور اُن کی ان خیالی اُمیدوں کو جو ان کو اپنے معبودوں سے تھیں باطل کر کے فرماتا ہے کہ جس طرح تمہاری ان سے محبت باطل ہے اسی طرح اُس محبت کے وسائل کہ ناحق خدا تعالیٰ کی پاک چیزوں کو حرام کر رکھا ہے بے سود ہیں۔ تم خدا تعالیٰ کی پاک اور حلال چیزیں کھاؤ اور شیطانی دھوکے میں نہ آؤ وہ تو بے سود اور بُری باتیں

دل میں ڈالا کرتا ہے کس لئے کہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔
اس کے بعد اُن کی بلادت اور نُورِ فطرت کے زائل ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب اُن سے کوئی تمام حجتیں ختم کر کے احکامِ الٰہی کے اتباع کو کہتا ہے تو اُس کو جہالت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے طریق پر چلیں گے۔ فرماتا ہے کہ کیا باپ دادا احمق اور گمراہ ہوں جب بھی اُن کے طریق پر چلیں گے۔ پھر اُن کی اس تاریکیِ باطن کی مثال دیتا ہے کہ ان کو ہدایت کی طرف بلانے کی مثال ویسی ہے کہ جیسا کوئی بھیڑ بکریوں کو پکارتا ہے کہ وہ اس کی آواز تو سُنتے ہیں مگر کچھ سمجھتے نہیں۔ اسی طرح یہ لوگ چارپایوں کے مانند ہیں کہ کلام کو سُنتے ہیں مگر کلامِ الٰہی اُن کے دلوں میں نہیں اُترتا یہ اس لئے کہ جو مبدأ فیض سے قوئی باطنیہ عطا ہوئے تھے اُن کو انہوں نے معطل کر دیا اب گویا بہرے اور گونگے ہیں اس لئے ہدایت پر نہیں آتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ
ایمان والو ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں کھاؤ (پیو)
مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرو اگر تم اسی کی
اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (۱۷۲) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ
عبادت کرتے ہو۔ خدا تعالیٰ نے تو تم پر صرف مُردار اور
الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ
خون اور سور کا گوشت اور اس چیز کو کہ جو اللہ کے سوائے اور کے نام سے پکاری گئی
اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ
ہو حرام کیا ہے۔ پس جو کوئی ناچار ہی ہو جاوے عدول حکمی کرنے
غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ
والا حد سے بڑھنے والا بھی نہ ہو تو اُس پر ان چیزوں کے کھانے میں (بھی) کچھ گناہ نہیں۔
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۷۳)
بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

## ترکیب

یا حرف ندا۔ ایہا الذین منادیٰ۔ کلوا کا مفعول محذوف ہے ای کلوا رزقکم اور مِن اخفش کے نزدیک زائدہ ہے انما کلمۂ حصر حرم فعل ضمیر راجع طرف اللہ کے اس کا فاعل المیتۃ والدم ولحم الخنزیر۔ وما اہل بہ لغیر اللہ معطوف یکے بعد دیگرے اس کا مفعول فمن شرطیہ غیر باغ حال ولا عاد اس پر معطوف فلا اثم علیہ جواب شرط۔

## تفسیر

اوّل آیت میں خدا تعالیٰ نے عام لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ہماری پاک اور حلال چیزیں کھاؤ۔ یہاں خاص مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ تم ان احمقوں کی باتوں میں نہ آؤ۔ ہماری پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے پاک چیزیں شوق سے کھاؤ پیو اور ہماری نعمت کا شکر کرو کہ ہم نے ان چیزوں کو تمہارے لئے پیدا کیا ہے مگر جن چیزوں کو وہ لوگ پاک سمجھتے ہیں اُن میں سے صرف یہ چار چیزیں حرام و ناپاک ہیں ان کو نہ کھانا اوّل مُردار دوم خون سوم سور کا گوشت چہارم وہ جو غیر اللہ یعنی بُتوں کے نام زد ہو جاوے یا اُن کے نام سے ذبح کیا جاوے اور جب کوئی اس طرح بھوک کے مارے ناچار ہو جاوے تو اُس وقت اُن چیزوں کے کھانے میں بھی گناہ نہیں بشرطیکہ سدرمق ہو حد سے متجاوز نہ ہو۔ اور خدا تعالیٰ کی عدول حکمی اور سرکشی بھی مقصود نہ ہو۔ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے اگر تم سے کھانے میں بشریت سے کچھ زیادتی ہو گئی تو معاف کر دے گا اب ہم آیت کا مطلب بیان کر کے چند ابحاث بیان کرتے ہیں کہ جو الفاظِ قرآن سے متعلق ہیں اور جن پر بہت سے مسائل فقہیہ متفرع ہیں۔

بحث اوّل۔ کلوا یعنی کھاؤ یہ امر اباحت کے لئے ہے یعنی طیبات کا کھانا جو فرمایا تو اس سے مقصود اجازت اور پروانگی

بحث اول

ہے فرض نہیں ہے لیکن کھانا اس وقت میں کہ خوف ہلاک ہو حفظِ جان کے لئے واجب ہو جاتا ہے اور کبھی نمازِ الٰہی کا کھانا مہمانوں کا ساتھ دینے کے لئے مستحب ہوتا ہے اور اسی طرح افطاری اور ولیمہ اور مریض وغیرہ کے لئے اگر کوئی تکلف کا کھانا پکا دے تو مستحب ہے جیسا کہ حضرت زید ابن علی بن حسین علیہم السلام سے منقول ہے البتہ نفس تازہ کرنے کے لئے ایسے امور کا ہونا مذموم ہے اسی لئے صحابہؓ اور تابعینؒ ان لذائذ سے حتی المقدور دور رہتے تھے۔

(۲) طیبات طیبہ کی جمع ہے اور طیب کے معنے پاک اور مزہ دار کے ہیں کہ جس میں کچھ مضرت نہ ہو اور حلال وہ کہ جس کو شرع نے ممنوع نہ کیا ہو۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ شریعت نے اُن ہی چیزوں کو حرام و ممنوع کیا ہے کہ جن میں انسان کے لئے مضرت ہے خواہ یہ مضرت اُس کے بدمزہ اور ردی الکیفیت ہونے کی وجہ سے ہو کہ جس کو طبیعت قبول نہیں کرتی جیسا کہ مُردار وغیرہ اشیاء۔ یا اس وجہ سے کہ اس کے اخلاق اور عادات میں نقصان اور بُرائی پیدا کرتے ہیں جیسا کہ سؤر اور دیگر درندوں اور شکاری جانوروں کا گوشت۔ کیونکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایسی چیزوں کے کھانے سے بیحیائی اور سخت دلی پیدا ہوتی ہے اور یہ اس لئے کہ غذا جزو بدن ہوتی ہے اور اپنا اثر کھانے والے میں پورا پورا پیدا کرتی ہے۔ اور اسی وجہ سے سُود اور چوری اور غصب اور دیگر ناجائز پیشوں کی کمائی حرام کی گئی کہ ان سے اخلاقِ انسانی میں فتور پڑتا ہے۔ دیکھئے سُود خوار کس درجہ کے بے رحم ہوتے ہیں کہ مفلس بھائی سے ایک کے سَو لے کر بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ یا اس وجہ سے کہ اس کے حواسِ سلیمہ اور عقل میں فتور برپا کرتے ہیں جیسا کہ شراب وغیرہ مسکرات۔ اور جب طیب کے یہ معنی ہوئے تو اس لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی ہر ایک صورت کی مختلف عبارتوں سے تفسیر فرمائی ہے کبھی طیب اس کے کسب حلال کو قرار دیا اور کہیں اشیاء غیر مضرہ کو فرمایا۔

یہ باتیں ظاہر ہے کہ طیب کے معنی میں ہر قوم اور ہر ملک بلکہ ہر شخص کا جُداگانہ خیال ہے جن چیزوں کو بہت سے اہلِ عقل سلیم ناپاک اور مضر اور نفرت کے قابل جانتے ہیں سیکڑوں اُن کو اچھا سمجھتے ہیں۔ بعض کو یہ افراط ہے کہ کوئی بھی نہیں چھوڑتے حتےٰ کہ مُردار کے کیڑے بھی بڑے مزے سے کھاتے ہیں چہ جائیکہ برانڈی شراب اور موٹے تازے سُؤر اور اسی طرح سُود اور زناکاری کی کمائی کو بھی رفاہِ قوم اور ترقیِ دولت اور لوگوں کی حاجت براری کا باعث جان کر نہایت اچھی کمائی جانتے ہیں۔ اور بعض کو اس تفریط نے گھیر کر صدہا پاک اور عمدہ چیزیں بھی حرام کر رکھی ہیں جیسا کہ گوشت بالخصوص گائے کا گوشت اور اُن کے پیشواؤں نے تو عمدہ کھانے اور سرد پانی اور اچھا کپڑا اور بیوی کے پاس جانا بھی حرام کر دیا۔ پس جب یہ حال تھا تو خدا تعالیٰ نے طیب کی تشریح بھی الہامِ ربانی کے اختیار میں رکھ کر پہلی آیت میں طیب کو حلال کے ساتھ مقید کیا اور یہاں مِن تبعیضیہ لا کر آگاہ کر دیا جن کو عوام کالانعام طیب سمجھتے ہیں وہ سب نہیں بلکہ اُس میں سے وہ کہ جو دراصل طیب ہے۔ اور میں نے اس کو تمہارے کھانے کے لئے پیدا کیا ہے۔ مارزقنٰکم (اس پر دال ہے) اور اس سے پہلے آیت میں جس طرح اُس قومِ اہلِ تفریط کا رد ہے کہ جس نے اپنے اوپر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو از خود حرام کر رکھا تھا اسی طرح اس آیت میں اُس اہلِ افراط کا رد ہے کہ جو شترِ بے مہار ہو گئے تھے اور جو لوگ پاک چیزوں کو عبادت سمجھ کر نہ کھاتے تھے ان کی یوں تسلی کی کہ تم اُن نعمتوں کو کھا کر میرا شکر کرو ایسے مزے کے وقت خدا تعالیٰ کو یاد کرنا اور اس کا تہ دل سے شکریہ بجا لانا بڑی عبادت ہے، واشکروا للّٰہ ان کنتم ایاہ تعبدون۔

(۳) انما حرم علیکم المیتۃ الخ لفظ انما حصر کے لئے آتا ہے

جس کے معنی 'صرف' یا 'فقط' کے ہیں۔ اب یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں اور نیز سورۂ انعام (قل لا اجد فیما اوحی الیّ محرمًا علیٰ طاعمٍ یطعمه الا ان یکون میتة اودمًا مسفوحًا اولحم خنزیر) انہیں چند چیزوں کا ذکر ہوا ہے یعنی مُردار، خون، سور کا گوشت اور جو کہ غیر اللہ کے نام سے ذبح کی جاوے یا اُن کے نام سے پکاری جاوے حالانکہ ان کے سوا اور بھی چیزیں حرام ہیں جیسا شیر، بھیڑیا، ریچھ، کُتا، وغیرہ درندے اور باز، چیل، کوا، وغیرہ شکاری پرندے اور اسی طرح حشرات الارض سانپ، بچھو، نیولا، چوہا وغیرہ اور اسی طرح مردار خوار اور نجاست کھانے والے جانور جیسا کہ گدھ اور لم ڈھینک وغیرہ اور اسی طرح قرآن میں بھی ان چار چیزوں کے علاوہ اور حرام چیزیں مذکور ہیں جیسا کہ خمر یعنی شراب، اس کا **جواب** بعض کے نزدیک یہ ہے کہ کلمۂ انما اس جگہ حصر کے لئے نہیں آیا اور ایسا اکثر زبان عرب میں مستعمل ہوا ہے **محققین** یہ جواب دیتے ہیں کہ حصر اضافی ہے نہ کہ مطلق یعنی ان چیزوں میں سے کہ جن کو تم نے از خود اپنے لئے حرام کر رکھا ہے صرف یہ چیزیں حرام ہیں المیتة بروزنِ فیعلة اور اس کی اصل میوتة ہے پس جب کہ و اور ی جمع ہوئی اور اوّل ساکن تھا تو و کو ی سے بدل لیا پھر ی کو ی میں ادغام کر دیا لیکن کثرت استعمال سے اس کو بالتخفیف پڑھنے لگے ورنہ در اصل مشدّد ہے جیسا کہ سیّد اور ہیّن۔

**لُغت** میں میتة اُس جانور کو کہتے ہیں جو بغیر ذبح مر جاوے جس کو مُردار کہتے ہیں اور اسی لئے عرب مقتول اور میّت کے معنے میں فرق کرتے ہیں اور **شرع** میں عام معنی مراد لئے گئے ہیں یعنی جو کہ بطورِ معمولی ذبح نہ کیا جاوے خواہ خود بخود مر جاوے خواہ ذبح معمولی نہ ہو یعنی غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو یا حلقوم نہ کاٹا گیا یا حلقوم بغیر نام اللہ کے کاٹا ہو یا مشرک نے کاٹا ہو یا پہاڑ یا دیوار پر سے گر کر مر گیا ہو یا ٣

اُس کو کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو یا اُس کا گلا گھونٹ کر مارا ہوا ان سب کو عرفِ شرع میں میتة یعنی مُردار کہتے ہیں۔ اور اس لئے سورۂ مائدہ میں بعد لفظ میتة کے اور چیزیں بھی جو اس کا مصداق تھیں بطور تفسیر مذکور ہوئی ہیں قال تعالےٰ حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اہل لغیر اللّٰہ بہ والمنخنقة والموقوذة والمتردیة والنطیحة وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب الآیة۔ اور دلیل اس پر سورۂ انعام کی یہ آیت ہے ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ وانہ لفسق الآیة۔ کہ جو خدا تعالےٰ کے نام سے ذبح نہ کیا جاوے اُس کو مت کھاؤ کس لئے کہ اس کا کھانا بدکاری ہے یہاں کچھ استثنا نہیں کہ اہلِ کتاب کا گلا گھونٹا جانور یا ان کا جھٹکا کیا ہوا یا یوں ہی بندوق سے مارا درست ہے بلکہ وہ سب مما لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ میں داخل ہے اور مُردار ہے۔ پس جو اُس کو درست کہتا ہے وہ غلطی پر ہے اور اجماعِ جمہور کے بھی سراسر برخلاف ہے۔ حکمت مُردار کے حرام کرنے میں یہ ہے کہ اس میں ایک قسم کی سمّیت پیدا ہو جاتی ہے گو وہ سمیت فی الفور اپنا اثر نہیں دکھاتی مگر بارہا تجربہ میں آیا ہے اور اسی لئے ایسا گوشت بدمزہ ہوتا ہے اور بالخاصیت روح کی تاریکی میں بھی ایسی چیزوں کو اثر ہے اس لئے دونوں کے لئے دو باتیں مقرر ہوئیں ذبح باسم اللّٰہ جو حمقا اس سِر سے واقف نہیں وہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی ماری حرام اور بندے کی ماری حلال یہ عجیب مسئلہ ہے۔

## فوائد

(اوّل) نصِ قرآن سے میتة کی حُرمت ثابت ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ اس کے متعلق اور بہت سے مسائل ہیں کہ جو عُلمائے دین نے احادیث یا اجتہاد سے پیدا کئے ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ مچھلی اور ٹڈی اس حکم سے بحکمِ حدیث صحیح مستثنےٰ ہیں، احلت لنا میتتان

ودمان اما المیتتان فالسمک والجراد واما الدمان فالکبد والطحال[۱]
اور رہزؔ اس کا یہ ہے کہ مچھلی کا بیشتر مادہ پانی ہے کہ جو بالطبع
پاک ہے اور نیز اسی لئے اس میں خون نہیں کہ جس کے نکالنے
کی ضرورت ہو اور ٹڈی بے توالد و تناسل خود بخود پیدا ہوتی
ہے اور نہ اس میں خون رواں ہے باوجودیکہ ان میں وہ مضرتیں
بھی نہیں کہ جو اور جانوروں میں ہیں اسی لئے ان کا ذبح کرنا
ضروری نہ ہوا مگر جو مچھلی کہ پانی میں خود مر کر اوپر تیر آئے
کہ جس کو **طافی** کہتے ہیں امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک مکروہ
ہے، ابن عدی رح نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ **ازانجملہ**
یہ کہ مُردار کا صرف کھانا حرام ہے باقی اس کی کھال اور بالوں
اور ہڈیوں سے نفع لینا درست ہے اسی طرح مُردار کو کتّے
وغیرہ جانوروں کو کھلانا درست ہے۔ ہاتھی دانت کی چیزیں
اور سمور وغیرہ پوستین اور مُردار جانوروں کے چمڑے بعد
دباغت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مستعمل ہوتے
تھے آپؐ نے منع نہ فرمایا۔ **ازانجملہ** یہ کہ جب کوئی جانور ذبح
کیا جاوے اور اس کے شکم سے مُردہ نکلے تو اس میں اختلاف ہے
امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ یہ میتہ ہے اس کا کھانا درست
نہیں ہاں اگر زندہ نکلتا اور ذبح کیا جاتا تو درست ہوتا۔ امام
شافعی رح اور امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح کہتے ہیں کہ اس کا
کھانا درست ہے کس لئے کہ اس کی ماں کا ذبح کرنا اس کا ذبح
کرنا ہے، تفسیر کبیر۔ (دَم) سے مراد ابو حنیفہ رح کے نزدیک
دَمِ مسفوح ہے یعنی خونِ رواں اور امام شافعی رح کے نزدیک
مطلق ہے، کس لئے کہ اس آیت میں کوئی قید نہیں۔ پس
ان کے نزدیک جو خون گوشت پر جما ہو وہ بھی اور جو بہتا ہو
وہ بھی سب حرام ہیں۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں چونکہ دوسری
جگہ دَم مقیّد ہے بقیدِ مسفوح (اودَماً مسفوحًا) تو اس جگہ
وہی مراد ہے۔

**عرب** خون کو جما لیتے تھے پھر اُس کو توے وغیرہ پر بھون کر
کھاتے تھے اور یہ اخلاقِ انسانی کو فاسد کرتا ہے۔ علاوہ جسمانی
امراض کے یہ نجس چیز کہ جس کی نجاست بالذّات انسان کو
سخت دل کرتی ہے اس لئے طبائعِ سلیمہ اس سے نفرت کُلّی
رکھتے ہیں۔ مگر کلیجی اور تلی اگرچہ بظاہر خونِ بستہ ہیں مگر
بحکمِ حدیث مذکور مستثنیٰ ہیں اس لئے ان کا کھانا درست
ہے۔ (لحم الخنزیر) تمام اُمّتِ محمدیہ ؐ کا اس بات پر اتفاق ہے
کہ سُور کی کُل چیزیں گوشت چربی وغیرہ حرام ہیں ان کا کھانا
درست نہیں مگر اس آیت میں گوشت جو ذکر کیا تو اس لئے کہ
بیشتر اسی کو کھایا کرتے ہیں (کُل کو بعض اجزاء کے ساتھ
تعبیر کرنا عرب کی زبان میں مروّج ہے، نماز کو رکوع کے ساتھ
تعبیر کیا کرتے ہیں) نہ اس لئے کہ خاص گوشت حرام اور چیزیں
حلال ہیں۔ اس جانور کے گوشت میں جس قدر کیڑے خوردبینوں
سے حکمائے حال نے معلوم کئے ہیں اُن کے بیان کی کچھ ضرورت
نہیں اور نیز بعد تحقیقات اس کے گوشت میں بیشمار مضرتیں
ثابت ہوئی ہیں ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس جانور میں بےحیائی
اور حرص اور نجاست خوری از حد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ غذا کا
اثر انسان کے اخلاق تک ضرور پہنچتا ہے چنانچہ حکماء نے اس
مسئلہ کو خوب ثابت کر دیا ہے پس ان چیزوں کا حرام کرنا عین
مصلحت اور اُس حکیمِ مطلق کی رحمت و حکمت کا مقتضی
ہے۔ (وما اُہل بہ لغیر اللہ) اہلال آواز کا بلند کرنا پس ہر پکارنے
والے کو مہل کہتے ہیں اور مُحرِم چونکہ احرام باندھتے وقت پکار کر
تکبیر کہتا ہے اسی لئے اس کو بھی مہل کہتے ہیں اور اسی لئے
ذبح کرنے والے کو مہل کہتے تھے۔ کیونکہ عرب جب جانور ذبح
کرتے تھے تو اپنے بتوں کا نام پکار لیتے تھے اور اسی سے ہے
استہل الصبی کیونکہ وہ بوقتِ ولادت چلّاتا ہے اور اسی لئے
چاند دیکھنے والے کو مستہل کہتے ہیں۔ اب گفتگو اس میں ہے کہ
اس جگہ پکارنے سے کیا مُراد ہے؟ ضحاک رض اور مجاہد رض اور قتادہ رض

[۱] ہمارے لئے دو غیر مذبوح اور دو خون حلال کئے گئے ہیں دو
غیر مذبوح مچھلی اور ٹڈی اور دو خون کلیجی اور تلی ہے ۱۲

کہتے ہیں کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارنا مراد ہے اور جمہور مفسرین کا اسی طرف میلان ہے اور اسی لئے وہ عند الذبح کی قید لگاتے ہیں اس تقدیر پر آیت کے یہ معنے ہوئے کہ جو چیز غیر اللہ کے نام سے ذبح کی جاوے وہ حرام ہے جیسا کہ دوسری آیت میں مفصلاً مذکور ہے۔ لیکن ربیع رحمہ اللہ وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ کوئی قید آیت میں نہیں بلکہ غیر اللہ کے نام سے کسی جانور کا نامزد کر دینا یہی حرمت کے لئے کافی ہے جیسا کہ ہندوستان میں شیخ سدو کا بکرا اور سید احمد کبیر کے نام سے گائے پکاری جاتی ہے اور ہندوؤں میں دستور ہے کہ کالی، بھوانی وغیرہ کے نام سے سانڈ چھوڑے جاتے ہیں۔ عرب میں بتوں کے نام سے چھوڑتے تھے پس جب یہ جانور غیر اللہ کے لئے نامزد ہو گئے یعنی بطورِ تقرب ان کو ان کے نام سے پکارا گیا تو ان میں شرک کی خباثت سرایت کر گئی اور یہ خبث باطنی اس جانور کے رگ و پے میں دوڑ گیا پس جس طرح کہ سور وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کرنا کچھ فائدہ نہیں بخشتا بلکہ حرام ہی رہتا ہے اسی طرح ان جانوروں کو بھی خدا تعالیٰ کے نام سے ذبح کرنا کچھ فائدہ نہیں دیتا بلکہ حرام ہی رہتا ہے۔ مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہٗ اپنی تفسیر میں اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ احتیاط بھی اسی میں ہے اور قطع شرک کے لئے یہی قول مناسب مقام ہے۔

**ف** بعض پادری پولوس کے فتوے کے بموجب کہ پاکوں کو ہر چیز پاک ہے الخ، قرآن مجید پر اس قسم کے احکام سے جو حلت و حرمت اشیاء کے متعلق ہیں اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ باتیں جسمانی شریعت کی ہیں اور ہیچ۔ حالانکہ خود توراۃ کی کتاب احبار وغیرہ میں اس سے کہیں زیادہ چیزیں ہیں کہ جن کو حرام بتایا ہے بالخصوص سور و مردار و شراب کو اور پھر تمام انبیاء بنی اسرائیل سے لے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان حرام چیزوں سے جو ہمیشہ پرہیز کرتے چلے آتے ہیں، پھر کیا وہ پاک نہ تھے ان کے لئے یہ چیزیں کیوں پاک نہ ہو گئیں؟ دراصل یہ شیطانی وسوسہ ہے پھر نفس پرست لوگوں نے اس کو اور بھی جلا دیدی ہے ورنہ حقائق الاشیاء کبھی نہیں بدلتیں۔

(۳) فمن اضطر، اضطرار بے بسی اور ناچاری کو کہتے ہیں۔ یہ ناچاری کئی طور سے ہوتی ہے۔

**اوّل** کوئی حلال چیز اس کے پاس (بسبب بے مقدوری کے یا بسبب نایاب ہو جانے کے جیسا کہ بیابانوں اور ایام قحط اور سفرِ دریا میں ہوتا ہے) نہ رہے اور یہ شخص بھوک کے مارے چل پھر نہ سکے۔

**دوم** ۔ کسی مرض شدید میں گرفتار ہو جاوے اور سوائے ان چیزوں کے نہ پاوے یا طبیبِ متدین اس کے لئے خاص انہیں چیزوں میں سے کوئی چیز بتلاوے۔

**سوم** کوئی ظالم ان چیزوں کے کھانے پر مجبور کرے اور یہ کہے کہ اگر تو نہیں کھاتا تو میں تجھ کو مار ڈالتا ہوں یا تیرے کسی عزیز بیٹے بھائی وغیرہ کو مار ڈالتا ہوں یا ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالتا ہوں اور اس شخص کو یقینِ کامل ہو جائے کہ اگر میں نہ کھاؤں گا تو یہ شخص ایسا کرے گا۔

**پس** ان سب صورتوں میں خدا تعالیٰ اپنی مہربانی سے بندہ کو ان چیزوں کے کھانے کی بھی اجازت دیتا ہے سو ایسی صورت میں اس کے لئے مردار اور سور، خون اور مذبوح لغیر اللہ بلکہ شراب مباح ہے بقدرِ رفع ضرورت۔ مگر یہ شرط ہے کہ یہ شخص باغی اور عادی نہ ہو یعنی اس کے کھانے میں نہ اس کو لذت مطلوب ہو نہ حد سے زیادہ تجاوز کرے۔ ایسے وقت میں بھی یہ چیزیں ناپاک اور گندہ ہیں اور ان کی حرمت بدستور ہے مگر اس مخمصہ کی وجہ سے اجازت ہے کھانے والے پر کچھ گناہ نہیں اور جو کچھ کھانے میں اس سے کسی قدر بے اعتدالی ہو جاوے تو خدا تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

**امام شافعی** رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ غیر باغٍ ولا عادٍ سے مراد یہ ہے کہ

الربع

یہ شخص سرکش اور باغی نہ ہو جب اس کے لئے یہ چیزیں حالتِ مخمصہ میں مباح ہیں ورنہ غیر مباح۔ اس پر یہ بات متفرع ہوئی کہ جو شخص امام سے باغی ہو اس کے لئے امام شافعیؒ کے نزدیک یہ اجازت نہ ہوگی اور امام اعظمؒ کے نزدیک ہوگی۔ پس جو امام المسلمین یعنی شاہِ اسلام سے بغاوت کرکے کہیں جاوے یا قزاقی اور راہ زنی کے لئے سفر کرے یا کسی کو ناحق قتل کرنے کے لئے سفر کرے یا چوری کے لئے جاوے اور اس کو حالتِ مخمصہ پیش آوے تو اس کے لئے شافعیؒ کے نزدیک یہ رخصت نہیں۔ اور نہ ہر ایک کی کتابوں میں مشرحاً مذکور ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ

بیشک جو لوگ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے اور

مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا

اس کے بدلہ میں کچھ تھوڑی سی دنیا لیتے ہیں

قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ

تو یہی وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے پیٹوں میں

بُطُوْنِھِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ

اور کچھ نہیں مگر انگارے بھرتے ہیں اور ان سے قیامت کے روز

اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَ

اللہ تعالیٰ کلام بھی نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور

لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۱۷۴) اُولٰٓئِکَ

ان کے لئے عذاب الیم (تیار) ہے، یہ وہی لوگ تو

الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی

ہیں کہ جنھوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی مول لی

وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَۃِ فَمَآ اَصْبَرَھُمْ

اور بخشش کے بدلہ میں عذاب سو ان کو دوزخ کی کیا ہی برداشت

عَلَی النَّارِ (۱۷۵) ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ

برداشت ہے، یہ اسی لئے کہ خدا ہی نے کتاب برحق نازل

الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا

کی تھی ، اور جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا

فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ (۱۷۶)

البتہ وہ بڑی ضد میں پڑے ہوئے ہیں ؎

## ترکیب

الذین موصول یکتمون الخ جملہ صلہ مجموعہ اسم ان۔ اولٰئک مبتدا یاکلون الخ خبر مجموعہ خبر ان۔ اولٰئک مبتدا الذین الخ موصول و صلہ خبر فما موضع رفع میں ہے اور یہ کلام تعجب ہے جس سے خدا تعالیٰ مسلمانوں کو تعجب دلاتا ہے۔ اصبر میں ضمیر عائد ہے طرف ما کے وہ فاعل ہے۔ ذٰلک مبتدا بان اللہ الخ خبر والتقدیر ذٰلک العذاب مستحق بما نزل اللہ فی القرآن من استحقاق عقوبۃ الکافر فالباء متعلقۃ بمحذوف۔

## تفسیر

مدینہ کے یہود جانوروں کی حلت و حرمت اور ان کے کھانے یا نہ کھانے میں بڑی پرہیزگاری جتلایا کرتے اور مسلمانوں پر منہ آیا کرتے تھے حالانکہ خود ایسے حرام کھانے میں بڑے مشاق تھے کہ جو کسی حالتِ مخمصہ میں بھی مباح نہیں وہ یہ کہ احکامِ الٰہی کو چھپاتے اور کچھ روپیہ پیسہ لے کر سائل کے حسب مرضی فتویٰ دیدیتے تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ وہ احکام کہ جن کو ہم نے نازل کیا چھپاتے اور اس کے کچھ قیمت لے کر کھاتے ہیں سو یہ کھانا ان کے لئے جہنم کی آگ ہو جاوے گا اور قیامت کے دن خدا تعالیٰ مہربانی کے ساتھ ان سے کلام بھی نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک اور بری کرے گا اور ان کے لئے عذاب الیم ہوگا یہ وہ لوگ ہیں کہ جنھوں نے ہدایتِ فطری کھو کے گمراہی خریدی اور مغفرتِ الٰہی جو بندوں کے لئے موعود ہے زائل کرکے عذاب مول لیا۔

جب انہوں نے عمداً اس قدر اسبابِ دوزخ کو اختیار کیا تو گویا عمداً دوزخ کو اختیار کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس آتش جہنم کی بڑی برداشت ہے حالانکہ اس کی کسی کو بھی برداشت نہیں۔ اس لئے خدا تعالےٰ بطور تعجب کے فرماتا ہے کہ ان کو اس کی کیا ہی برداشت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ باتیں محض ڈرانے کے لئے نہیں بلکہ دراصل یوں ہی ہیں کس لئے کہ ہم نے کتاب برحق بھیجدی اور اس میں جو کچھ موعود ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا اور جو لوگ اس کتاب میں اختلاف کرتے ہیں اور اٹکل پچو تاویلیں کرتے ہیں وہ راہِ راست سے کوسوں دور جا پڑے ہیں۔

## فوائد

(۱) ہر چیز پیٹ ہی میں کھاتے ہیں پھر یہاں پیٹ کا ذکر کیا فائدہ دیتا ہے؟ جواب۔ کبھی کھانا مجازی معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ سردی کھانا، گرمی کھانا اس لئے اس توہم کے دفع کے لئے فی بطونہم فرمایا (۲) قرآن میں یوں بھی آیا ہے کہ سب سے سوال ہوگا فوربک لنسئلنہم اجمعین اور یہاں کہا ان سے کلام نہ ہوگا۔ جواب وہاں جو سب کفار سے کلام کرنا فرمایا ہے تو اس کے معنے ہیں باز پرس کے اور جو یہاں نفی کی ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ مہربانی کے طور سے کلام نہ کیا جائے گا اور ہمکلامی کا شرف عطا نہ ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ علم دین چھپانا اور کتاب اللہ میں تاویلات کے اڑنگے لگانا حرام ہے جس کی سزا جہنم ہے۔

لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ

نیکی یہ نہیں کہ اپنے منہ مشرق و مغرب

الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰـكِنَّ الۡبِرَّ

کی طرف کر لیا کرو بلکہ نیکی وہ ہے کہ جو اللہ

مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ

تعالےٰ پر اور پچھلے دن پر اور

الۡمَلٰٓئِکَةِ وَالۡكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ‌ۚ وَاٰتَى

فرشتوں پر اور کتاب اور (سب) نبیوں پر ایمان لائے اور اس کی

الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى

محبت میں مال کو قرابت داروں اور یتیموں

وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِۙ وَالسَّآئِلِيۡنَ

اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں کو

وَفِى الرِّقَابِ‌ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ

اور غلاموں کے آزاد کرانے میں دے۔ اور نماز پڑھے

وَاٰتَى الزَّکٰوةَ‌ ۚ وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ

اور زکوٰۃ دیا کرے۔ اور جب کوئی عہد کریں تو

اِذَا عٰهَدُوۡا ‌ۚ وَالصّٰبِرِيۡنَ فِى الۡبَاۡسَآءِ

اس کو پورا کریں۔ اور تنگ دستی اور تکلیف اور

وَالضَّرَّآءِ وَحِيۡنَ الۡبَاۡسِ‌ؕ اُولٰٓئِكَ

جنگ میں ثابت قدم رہیں۔ یہی

الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا ‌ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

راستباز ہیں، اور یہی سچے پرہیزگار

الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۷﴾

بھی ہیں۔

## ترکیب

البرّ منصوب ہے کس لئے کہ یہ خبر ہے لیس کی اور ان تولوا آخر جملہ چونکہ اس سے اعرف ہے کس لئے کہ مضمر کسی طرح وصف کیا نہیں جاتا بخلاف البرّ کے یہ اسم ہے لیس کا اور بعض نے البرّ کو مرفوع پڑھا ہے فاعل لیس کا مان کر ولکن مشدد و مشبّہ بفعل البرّ اسم فاعل من بر یبر و یجوز ان یکون مصدراً وصف بہ مثل عدل یہ اسم لکن من اٰمن الخ اس کی خبر علٰے حبہ فی موضع نصب علی الحال اٰتی المال محباً والضمیر یرجع الی اللہ و یمکن ان یرجع الی المال۔ والموفون معطوف ہے من اٰمن پر والتقدیر ولکن البر المؤمنون والموفون۔

والصابرین منصوب علی المدح ہے معطوف ہے ماقبل پر۔

# تفسیر

پہلی آیت میں تھا یاایہاالناس کلوا مما فی الارض الخ ولاتتبعوا خطوات الشیطان کہ خدا تعالیٰ کی پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شکر بجالاؤ مگر شیطان کی پیروی نہ کرو کہ بعض چیزوں کو از خود حرام ٹھہرا کر اُن سے پرہیز کرنے کو باعثِ تقرب الٰہی سمجھو بلکہ بڑھ کر حرام خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور اُس کے احکام کا چھپانا ہے اب یہاں یہ بتلایا جاتا ہے کہ جس طرح عوام کا خیال خام ہے کہ بعض مباحات کو ممنوع سمجھ کر اُن کے ترک کو خدا تعالیٰ کی رضامندی کا باعث سمجھا جاوے اسی طرح عوام کا یہ خیال بھی باطل ہے کہ بعض رسوم کو جو اصولِ مذہب و ملت نہیں اصولِ حسنات اور باعثِ نیکوکاری سمجھا جائے۔ عیسائی اور یہودیوں میں صرف رسوم کی پابندی باقی رہ گئی تھی اصولِ حسنات چھوڑ بیٹھے تھے۔ اُن کے سوا اور مذہب میں بھی صدہا خیالاتِ باطلہ ہیں کہ جن کی پابندی کو اصولِ حسنات و باعثِ نجات و موجبِ رفعتِ درجات خیال کئے بیٹھے ہیں اور بعض مباحات کے ترک کو باعثِ رضاء الٰہی و موجبِ نجات سمجھ کر اُن کے ترک کرنے میں بڑی بڑی مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ ایک جہان اس بادیۂ ضلالت میں سرگرداں ہے۔ اس کا تصفیہ کہ دراصل کون کون امور باعثِ نجات و موجبِ ترقیٔ درجات ہیں اور کون کون سے افعال باعثِ ہلاکت ہیں ان سے اجتناب کرنا لازم ہے نبوت اور الہام انبیاء ہی کا کام ہے جن کے ادراک میں کسی قسم کی غلطی بھی راہ نہیں پاتی۔ اس لئے ان آیات میں اس اہم مسئلہ کا حل کر دیا۔ واضح ہو کہ انسان کو دو قوتیں عطا ہوئی ہیں جو اس کے کمالات تک اُڑ کر جانے کے دو بازو ہیں اول قوتِ نظریہ یعنی تصحیح عقائد جس کو معرفت و علم اور ہندی میں گیان کہتے ہیں یہ سب میں اعلیٰ و اشرف ہے زیادہ تر نجات و حیاتِ ابدی کا اسی پر مدار ہے اس لئے اول اسی کو بیان فرمایا۔ اس میں مقدم مبدء یعنی ذاتِ باری اور اس کے انعاماتِ حمیدہ کا جاننا اور جازم اعتقاد رکھنا ہے اسی کو شرع میں ایمان کہتے ہیں اس لئے فرمایا من اٰمن باللہ کہ جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاوے۔ دوم معاد یعنی اس تمام کائنات کا فنا ہو جانا جس طرح وہ اپنے وجود ابتدائی طرف میں یکتا ہے جس سے اس کا خالق و مالک ہونا اور جملہ موجودات کا مخلوق و مملوک ہونا عیاں ہوتا ہے اسی طرح وہ انتہائی جانب بھی یکتا ہے ایک روز سب کا وجود ظلی سلب ہو جائے گا وہی رہے گا اسی لئے فرمایا والیوم الاٰخر کہ پچھلے دن پر ایمان لائے۔ مگر خدا تعالیٰ اور اُس کے صفات غیر محسوس ہیں اُن کے ادراک میں نہ حواسِ خمسہ مدد دیتے ہیں نہ آلاتِ جدیدہ کارآمد ہو سکتے ہیں اس لئے ان کے بتانے کے لئے روحانی لوگ درکار ہیں اور خدائے مجرد اور انسان مادی میں ایسے واسطہ کی ضرورت ہے اور وہ لوگ نورانی و روحانی ملائکہ ہیں یعنی فرشتے اسی لئے اس کے بعد فرمایا والملٰئکۃ۔ فرشتوں پر بھی ایمان لائے اور فرشتے چونکہ روحانی ہیں وہ ہر ایک انسان کو جو آلائش جسمانی میں آلودہ ہے نہ نظر ہی آتے ہیں نہ ان کو عالم غیب کے اسرار و حالات ہی بتاتے ہیں بلکہ وہ مخصوص بندوں کے پاس آتے ہیں جو اپنی قوتِ روحانی کے سبب وہ بھی فرشتوں جیسا تجرد رکھتے ہوں اور اس گروہِ خاص کو انبیاء کہتے ہیں اسی لئے وہ ان کے پاس وہاں کے علوم لاتے ہیں جس کو الہام اور وحی کہتے ہیں اور جب یہ الہامات ایک جا مرتب کرلئے جاتے ہیں تو اُن کو آسمانی کتاب کہتے ہیں اور دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد انبیاء کا یہ فیض باقی رہتا ہے اسی لئے ان دونوں میں اسی کو مقدم کر کے فرمایا والکتاب والنبیین کہ وہ آسمانی کتابوں پر اور نبیوں پر بھی ایمان لائے۔ اگرچہ انبیاء پر متعدد کتابیں مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں نازل ہوئی ہیں چونکہ وہ علوم نظریہ ہیں سب ایک ہی ہیں اس لئے کتب

جمع کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ کتاب مفرد لفظ کا جو بوجہ اسم جنس ہونے کے سب کو شامل ہے اور اس قدر میں اجمالاً ان سب چیزوں پر ایمان لانے کی طرف اشارہ بھی ہو گیا جو ان برگزیدہ لوگوں نے بیان فرمائی ہیں۔ دوسری قوت عملیہ ہے جو اعمالِ صالحہ اور "کرم" کے نام سے موسوم ہے۔ ایمان لانے کے بعد اس کے مقتضی اور ہدایات کو عمل میں نہ لانا گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس شخص کو بات کا یقین ہی نہیں جو اس کو عمل میں نہیں لاتا۔ نیک کاموں میں بڑا نیک کام خدا تعالیٰ کی مخلوق پر رحم کھانا اُن کے ساتھ سلوک کرنا ہے۔ زبانی اور بدنی سلوک میں سے خاص بڑے بھاری مالی سلوک کو لے لیا اور مخلوق میں سے بھی بنی نوع کو اور بنی نوع میں سے اہلِ قرابت کو اور ان کے بعد درجہ بدرجہ دیگر اہلِ حاجات کو مخصوص کیا اس لئے فرماتا ہے وآتی المال کہ اس نے مال بھی دیا ہو مگر نہ ریاکاری اور نمود و شہرت کے لئے کس لئے کہ ایسی ہمدردی دیرپا نہیں ہوا کرتی بلکہ علیٰ حبہٖ بلکہ خدا تعالیٰ کی محبت میں اور نیز حبہٖ کی ضمیر مال کی طرف بھی رجوع کر سکتے ہیں تب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مال کی خواہش خود کو بھی ہو اس پر اوروں کو دے اور یہ حقیقت میں ایک بڑا مردانہ کام ہے ورنہ جب اپنے آپ کو کسی وجہ سے مال کی خواہش نہ رہے تب اس کا دینا کوئی بڑی بات نہیں اور مال دینے کے بڑے عمدہ یہ چھ مواقع ہیں۔ اوّل ذوالقربیٰ اہلِ قرابت ہیں درجہ بدرجہ قرابتِ نسبی قرابت سببی اور قرابت صحبت سے مقدم ہے (۲) الیتامیٰ یتیموں کو دے یتیم اُس نابالغ کو کہتے ہیں جس کا باپ مر جائے اہلِ قرابت کے یتیم غیر یتیموں سے مستحق تر ہیں۔ (۳) اور مسکینوں یعنی فقیروں کو دے جو کمانے سے بسبب پیری یا بیماری سے معذور ہوں یا مصیبت پڑ جانے سے نانِ شبینہ کو بھی محتاج ہو گئے ہوں۔ اور جو تندرست و جوان ایسے ہوں کہ انھوں نے بھیک مانگنا پیشہ بنا لیا ہو وہ مساکین نہیں مگر افسوس خیرات کا

زیادہ حصہ یہی گروہ زبردستی سے جھپٹ کر لے جاتا ہے کیونکہ نہ مانگنے میں ان کو شرم مانع ہے نہ غیرت دینی۔ (۴) ابن السبیل، مسافر کو دے بشرطیکہ وہ محتاج ہو کس لئے کہ وہ سفر میں بعض اوقات گھر کے بھی پیسے تک کے مالک نہیں رہتے۔ (۵) السائلین سائلوں کو دے مگر وہی سائل جو بوقت ضرورت مانگتے ہوں خواہ اپنے لئے خواہ قومی کاموں کے لئے (۶) وفی الرقاب غلاموں کی آزادی میں صرف کرے یہ بھی ایک بڑی نیکی ہے کہ بنی نوع کو بنی نوع کی دائمی قید سے رہا کرایا جائے۔ مخلوق کے ساتھ رحم کرنے کے ساتھ خالق کے نعمائر کا بھی جان سے مال سے شکرگزار عبادت کنا رہنا اصولِ حسنات سے ہے اس لئے اس کا بھی ذکر فرمایا واقام الصلوٰۃ کہ وہ نماز بھی ادا کرتا رہا ہے۔ یہ عبادت اسلام میں روح اور جسم دونوں سے مرکب ہے زبان سے وہ آیات پڑھے جاتے ہیں جن میں خدا تعالیٰ کی ثنا و صفت اور اس کی نعمتوں کا شکریہ اور اس سے دعاء وغیرہ سے سر جھکایا جاتا ہے روح سے اس کا حضور تصور کر کے دلی نیازمندی و انکساری ادا کی جاتی ہے۔ واٰتی الزکوٰۃ یہ مالی عبادت ہے ایک میں حصہ مال کا سال بھر میں للہ دینا اسلام کا فرض ہے۔ ان سب باتوں کے ساتھ معاملات میں لوگوں کے ساتھ پورا رہنا بھی اصولِ حسنات سے ہے اس لئے یہ فرمایا والموفون بعہدہم اذا عاہدوا کہ حقیقی نیک وہ لوگ ہیں جو عہد باندھ کر اس کو پورا بھی کرتے ہیں، یہ ایک ایسا جامع جملہ ہے کہ جو جملہ معاملات کو حاوی ہے۔ بیع، لین دین، امانت، اجارہ وغیرہ کوئی ایسا معاملہ نہیں کہ جس میں گونہ معاہدہ نہ ہو اور نیز جملہ شریعت کی پابندی کا بھی اسلام لانے کے ساتھ ضمناً معاہدہ خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ ان تمام حسنات کے بعد انسان کا اپنے آپ کو اپنے قوای غضبانیہ و شہوانیہ و نفسانیہ کو قابو میں رکھنا بھی بڑی نیکی ہے، ذرا سی بات سے آپے سے باہر ہو جانا بڑی ذلیل حالت اور اکتسابِ سعادت سے مانع ہے اس کو شرع میں صبر

کہتے ہیں۔ صبر کے مواقع میں سے تین مواقع کا ذکر کرکے جملہ
مواقع کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ اور وہ تین موقعہ یہ ہیں اوّل
تنگدستی، دوم مرض وغیرہ کی تکلیف، سوم دشمنوں کی جنگ،
ان مواقع میں بڑے بڑے مستقل مزاج بھی بے اختیار ہو جاتے
ہیں اس لئے صبر کو بھی اصولِ حسنات میں داخل کیا۔ والصابرین
فی البأساء والضراء وحین البأس کہ نیکوکار وہ ہیں جو ان
تینوں حالتوں میں بھی صبر کرتے ہیں۔ اصولِ حسنات بیان
فرما کر ان کی پابندی کرنے والوں کی مدح فرماتا ہے اولٰئک
الذین صدقوا کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کو صادق کہتے ہیں
اس میں امورِ نظریہ کی طرف اشارہ ہے۔ اولٰئک ہم المتقون
اور یہی حقیقی پرہیزگار بھی ہیں یہ عملیات کی طرف اشارہ
ہے یعنی قوتِ نظریہ کی اصلاح سے صادق ہوتا ہے اور قوتِ
عملیہ کی اصلاح تہذیب سے متقی ہوتا ہے یہ ہیں اصولِ حسنات.
صرف رسومِ مذہب و ملت کی پابندی میں کیا دھرا ہے نہ
مشرق کی طرف منہ کرنے سے صادق بن جاتا ہے نہ مغرب کی
طرف منہ کرنے سے متقی ہو جاتا ہے۔ کیا جامع کلام ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
مسلمانو! (یہ) مقتولوں کے بارے میں تم پر بدلہ لینا

الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ
مقرر کیا گیا، آزاد کے بدلے میں آزاد اور

الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ
غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت،

فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌ
پھر جس کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کیا جائے تو

بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ
دستور کے موافق مطالبہ کرنا چاہیے اور عمدگی سے اسکے پاس (خونبہا) پہنچانا چاہیے۔

ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ
یہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر آسانی اور مہربانی ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ
پھر اس کے بعد جو کوئی زیادتی کرے تو اس کے لئے عذاب

اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ
دردناک ہے۔ اور تمہارے لئے قصاص میں (بڑی) زندگی ہے

يّٰاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾
اے عقل والو! تاکہ تم (خونریزی سے) بچو!

## ترکیب

یا حرفِ ندا الذین آمنوا منادی کتب فعل مجہول
القصاص مفعول مالم یسم فاعلہ علیکم متعلق ہے کتب
سے یہ جملہ مفسّر اور الحر مبتدا بالحر خبر، ای الحر ماخوذ
بالحر یہ اس کی تفسیر پھر مجموعہ ندا۔ من موضع رفع
میں ہے بسبب مبتدا ہونے کے اور جائز ہے کہ شرطیہ ہو
اور فاتباع اس کی خبر والتقدیر فعلیہ اتباع۔ باحسان
موضع نصب میں ہے بسبب ادا کے۔ اور یہی حال ہے بالمعروف
کا اور جائز ہے کہ حال ہو ہر دو سے ای فعلیہ اتباعہ عادلا ومحسنا اور
عامل اس میں معنی استقرار ہیں۔ فمن اعتدٰی شرط

کوئی اپنی مہربانی سے اپنے بھائی مسلمان قاتل کی جان لینا معاف کردے
اور خون بہا پر کفایت کرے اور قتلِ شبہ بالعمد یا خطا میں اپنی مہربانی
سے رقم کا بھی کوئی حصہ معاف کردے تو بعد میں سختی سے مطالبہ نہ کرنا چاہیے۔
بلکہ رواج و دستور کے موافق۔ اور قاتل کو بھی اس کی رقم خوشی معاملگی
سے ادا کر دینی چاہیے خون کے بدلہ خون بہا لینے کا اور خون بہا میں سے بھی رقم
کم کردینے کا مسئلہ خدا کی بڑی مہربانی اور آسانی ہے کہ ایک جان تو ضائع ہوئی تھی
اب دوسری بھی ضائع ہو جاتی۔ اور قصاص میں بڑی زندگی ہے قتل کرنیوالے
کی زندگی اس لئے کہ وہ اس قانون کے خوف سے قصدِ قتل نہ کرکے اپنی جان بھی [۳]

[۱] خدا پاک نے اول حر کو ذکر کیا اس لئے کہ حر تمام ان دقتوں سے بری ہے کہ
جو عبد کے ساتھ متعلق ہوتی ہیں۔ پھر عبد کو بیان کیا جو حر سے درجہ میں کم ہے
مگر انثیٰ سے باعتبار الرجال قوامون علی النساء فائق ہے عبد کے بعد پھر انثیٰ
کو ذکر کیا جو لائق تاخیر ہے ۱۲ منہ [۲] قصاص یعنی بدلہ لینے کا حکم مسلمانوں
کو دیا جاتا ہے جان کے بدلہ قتلِ عمد میں جان ہے پھر مقتول کے وارثوں میں سے

[۳] اور مقتول کی جان بھی بچائے گا اور نیز بدلہ لینے سے قوموں کا فتنہ فرو ہو جاویگا یہ نہیں ہوگا کہ طرفین سے چڑھائی ہو کر طرفین سے بہت سے مارے جائیں ۱۲ منہ

فلہٗ عذاب الیم اس کی جزا ہے۔

# تفسیر

اس سے پہلی آیت میں صبر کی ترغیب تھی اور تنگ دستی اور مرض اور جنگ میں صبر کرنے والوں کی خوبی مذکور تھی۔ اب منجملہ مواقع صبر کے ایک بڑا موقع بیان فرمایا جاتا ہے کہ جہاں صبر نہ کرنے سے ایک فسادِ عظیم اور سخت خونریزی پیدا ہونے کا احتمال ہے اور وہ قتل کا موقع ہے۔ جاہل قوموں میں جب کوئی ان کی قوم کے آدمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو جوش اور غصہ میں آکر نہ صرف قاتل ہی پر بس کرتے تھے بلکہ جو کوئی اس کی قوم کا ملتا تھا خواہ قصوروار ہو یا نہ ہو سب کو قتل کر ڈالتے تھے اور نیز بڑے آدمی کے معاوضہ میں صرف قاتل کا مارنا اس کی شان کے خلاف جانتے تھے بلکہ اس کے بدلہ میں دس بیس پر بھی بس نہ کرتے تھے۔ اسی لئے ان آیات میں صبر کے مسئلہ کے بعد قتل کے احکام بیان کر دینا اس مسئلہ سے نتیجہ حاصل کرنا ہے کہ ایسے وقت جوش میں نہ آؤ بلکہ جو کچھ انسانیت کے حقوق ملحوظ کرکے ہم نے حکم دیا ہے اس کی پابندی کرو۔ اور فرمایا کہ اے مومنو! تمہارے لئے ہم نے مقتولوں کے بارہ میں قصاص مقرر کر دیا ہے یعنی برابری کا حکم دیا ہے۔ تم کو لازم ہے کہ ایسے وقت بھی صبر کرو اور عدالت کو ہاتھ سے جانے نہ دو جو کوئی کسی کو قتل کرے اس کے بدلے میں اسی کو قتل کرو اور اگر حُر کو قتل کرے تو اس کے بدلے میں اس حُر یعنی آزاد کو قتل کرو اس کی شرافت حسب و نسب و حسن و مالداری پر لحاظ نہ کرو کس لئے کہ حریت میں دونوں برابر ہیں۔ اور جو غلام کسی کو قتل کرے تو اس کے عوض میں اسی غلام کو قتل کرو اس کے ساتھ اس کے آقا کو نہ مارو۔ اور جو عورت قتل کرے تو خاص اسی کو قتل کرو اس کے شوہر اور فرزند اور بھائی بندوں سے کچھ سروکار نہ رکھو۔ اور جو مقتول کے وارث اپنے مسلمان بھائی قاتل کو قصاص معاف کر دیں اور کسی قدر مال پر راضی ہو جاویں اور دیت لینا قبول کر لیں تو چاہیے کہ سہولت اور دستور کو ملحوظ رکھیں یہ نہ ہو کہ اس پر باوجود تنگ دستی کے فی الفور ادا کرنے کا تقاضا کریں بلکہ مہلت دلویں اور نہ کہ سخت زیادتی سے پیش آویں اور نہ یہ کہ خلاف شریعت اس کے معاوضہ میں کوئی بات طلب کریں کہ ہم کو شراب دے یا اپنی جورو بیٹی کو حوالہ کر دے یا تو اپنے بیٹے کو ہماری غلامی میں دے یا تو ہمیشہ کو ہمارا غلام ہو کر رہ۔ اور اسی طرح قاتل کو بھی لازم ہے کہ ان کے احسانوں کو فراموش نہ کرے جو رقم قرار پا گئی ہو اس کو بلا حیلہ و بہانہ عمدہ طور سے ادا کرے۔ اور جو کوئی اس قرارداد کے بعد پھر تعدّی کرے کہ دیت لے کر قاتل کو مار ڈالے تو اس کے لئے عذاب الیم ہے اور اس قصاص میں اے مومنو! تمہارے لئے زندگی ہے کیونکہ جب رسم قصاص جاری ہوگی تو وہ سفا کی جو ایام جاہلیت میں تھی جاتی رہے گی اور نیز لوگوں کو عبرت ہوگی پھر آیندہ ہر ایک قتل سے ہاتھ روکے گا۔

# ابحاث

(۱) **قصاص** کے معنے پورا پورا بدلہ لینا یعنی جیسا کہ اس نے کیا ویسا ہی اس کے ساتھ کیا جاوے۔ عرب بولتے ہیں اقتص فلان اثر فلان اذا فعل مثل فعل۔ قال تعالیٰ فارتدا علیٰ آثارہما قصصا۔ وقال وقالت لاختہ قصیہ لے اتبعی اثرہ اور قصہ کو بھی اسی لئے قصہ کہتے ہیں کہ حکایت محکی عنہ کے مساوی ہوتی ہے یہاں مراد مساوات ہے۔ پھر اس مماثلت اور مساوات میں اختلاف ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جہت قتل میں بھی مساوات کرنی چاہیے پس اگر کسی نے پانی میں ڈبو کر مارا ہے تو اس کو بھی ڈبو کر مارنا چاہیے اور جس نے جلا کر مارا ہے اس کو بھی اسی طرح مارنا چاہیے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مساوات سے مراد دم نکالنا ہے جس سے عادتاً جلدی

سے دَم نکلتا ہو اور وہ خالص تلوار سے مارنا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے لاقود الا بالسیف اخرجہٗ ابن ماجہ فی سننہٖ پس یہ جو نصرانیوں میں پھانسی دینا مروّج ہے نہایت غیر مہذب طریق ہے کچھ عجب نہیں کہ اِس قوم کے عقلاء اس کی اصلاح کریں فوائد

(۲) الحرّ بالحرّ والعبد بالعبد والانثٰی بالانثٰی سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ حُرحُر کے بدلے میں مارا جاوے نہ کہ غلام کے بدلے میں اور اسی طرح ظاہر آیت یہ چاہتی ہے کہ غلام کو خاص غلام کے بدلہ میں قتل کرنا چاہیئے نہ کہ حُر کے اور عورت کو بھی خاص عورت ہی کے مقابلہ میں قتل کرنا چاہیئے نہ کہ مرد کے اور عورت کو بھی خاص عورت ہی کے مقابلہ میں قتل کرنا چاہیئے نہ کہ مرد کے یعنی عورت اگر مرد کو قتل کرے یا مرد عورت کو قتل کرے تو باہم قصاص جاری نہ ہو لیکن ان سب صورتوں میں قصاص جاری ہوگا اور اس پر اُمّت کا اتفاق ہے کس لئے کہ کُتب علیکم القصاص ایک مستقل جملہ ہے اور پھر اس کے بعد اس عام حکم کے بعض جزئیات کو الحرّ بالحرّ والعبد بالعبد والانثٰی بالانثٰی میں ذکر کر دیا ہے اس سے اور صورتوں کی نفی نہ سمجھی گئی۔ پس ان نصوص کے عموم پر لحاظ کر کے عام حکم دیا جائے گا یعنی حُر حُر کے بدلے میں بھی اور غلام اور کافر ذمّی کے اور عورت اور لڑکے اور بیمار اور مقطوع الاعضاء کے بدلے میں بھی قتل کیا جاوے گا اور اسی طرح غلام اور عورت اور کافر کے بدلے میں بھی۔ کس لئے کہ مماثلت اور مساوات عصمت میں ملحوظ ہونی چاہیئے یعنی معصوم الدم ہونے میں اور یہ بات دین یلدار سے ثابت ہو جاتی ہے باقی اور تفاوتوں پر نظر نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو قصاص کا دروازہ بند ہو جاوے اور فساد کا دروازہ کھُل جاوے جیسا کہ ایام جاہلیت میں تھا اور یہی امام اعظمؒ کا قول ہے۔

**واضح** ہو کہ یہ قصاص لینا حاکم کے اختیار میں ہے نہ یہ کہ ہر شخص بطورِ خود آپ اس پر عمل کرے جس سے فتنہ اور فساد زیادہ قائم ہو جانے کا اندیشہ ہے اور یہ قصاص اُس صورت میں ہے جب کہ قاتل نے عمداً قتل کیا ہو اور جو خطأً یا شبہ بالعمد وغیرہ سے گولی شکار پر لگاتا تھا اتفاقاً کسی آدمی کو جا لگی یہ قتل عمداً نہیں بلکہ خطأً ہے اس صورت میں قصاص نہیں مگر خون بہا کہ جس کو دیت کہتے ہیں ضرور دینی پڑتی ہے جس کی تعداد کی پوری تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

اس آیت میں دو حکم ہیں اوّل قصاص کہ برابر بدلہ لیا جاوے۔ ایام جاہلیت کی طرح ایک کے عوض دو چار یا زیادہ کو قتل نہ کیا جاوے۔ نہ غلام سمجھ کر اُس کا بدلہ کسی اشراف سے ترک کرنا چاہیئے نہ امیر و غریب شریف و رذیل کی کچھ رعایت کرنی چاہیئے۔ زمانۂ جاہلیت میں اگر شریف قوم کا غلام رذیل قوم کے غلام سے مارا جاتا تھا تو اس کے بدلے میں اُن کے حُر کو قتل کرتے تھے اِسی طرح شریف اور وضیع میں بھی باہم مساوات نہ سمجھتے تھے نہ عورت مرد میں۔ آیت نے ان سب میں انصافی مساوات قصاص میں قائم کر دی۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر قاتل کو وارثانِ مقتول بالکل معاف کر دیں یا چند وارثوں میں سے بعض بالکل معاف کر دے یا کُل یا بعض کسی قدر روپیہ یا پوری دیت لے کر اُس کے قصاص سے درگزر کرے تو قصاص ساقط ہے مگر سختی اور خلاف دستور کوئی بات نہ کرنی چاہیئے بلکہ اتباع بالمعروف اور اس قاتل کو

---

لہ حُر اس مردِ آزاد کو کہتے ہیں کہ جو کسی کا غلامِ شرعی نہ ہو ۱۲ منہ
ذِمّی وہ کہ جو مسلمانوں کے ذمہ میں رعیت بن کر رہتا ہو کس لئے کہ جو قومیں ذمی نہیں ہیں اور ان میں باہمی جنگ و جدال کا دروازہ کشادہ ہے تو وہاں قصاص نہیں مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ کافروں کے ملک میں امن لے کر جاوے یا کوئی کافر دار اسلام میں امن لے کر آوے یا جس قوم سے باہمی معاہدہ یا مصالحت تجارت وغیرہ جاری ہو وہاں کسی کافر کو قتل کر دے اور اس فعل شنیع سے جنت کا مستحق بنے یہ بھی حرام اور سخت گناہ ہے اسلام اس کو ہرگز جائز نہیں کہتا۔ ہاں حالتِ جنگ میں جو باہم قتال کی رخصت تمت اور قوم کی بھلائی اور فساد کے بند کرنے کیلئے ہے تو وہ جائز ہے سو وہ اور بات ہے ۱۲ عبدالحق عفرلہٗ حقانی۔

بھی چاہیے کہ اُن کا شکریہ ادا کرے اور جو کچھ مقرر کیا گیا ہے اُس کو بخوشیٔ خاطر ادا کرے، اداءٌ الیہ باحسان۔ پہلا حکم کتب علیکم القصاص الخ میں مذکور ہے اور دوسرا فمن عفی لہ من اخیہ شئی فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان میں مذکور ہے۔

نیچری مفسر نے دیکھا کہ آج کل عیسائیوں میں اولیائے مقتول کے معاف کرنے سے بھی قصاص معاف نہیں ہوتا ضرور اُس کو پھانسی ہوتی ہے اور اس بات کو اُن کی اور سب باتوں کی طرح از حد پسند کیا اور موافق عقل سلیم جانا تو اس آیت کی توجیہ کر دی کہ یہ بات ایام جاہلیت کے خونوں کی بابت ہے اور لطف یہ کہ اس کے برخلاف آیت کا سیاق اور نیز قرینہ ذٰلک تخفیف من ربک ورحمۃ موجود ہے اور امت کا اجماع بھی ہے اور بے شمار احادیثِ صحیحہ بھی ہیں مگر اُس نے بلا دلیل اتنا بڑا دعویٰ کر لیا۔ شاید شرط میں عفی ماضی کا صیغہ ہے اور اس کو ایام جاہلیت پر محمول کیا ہو جو خلاف قانونِ نحو ہے۔ قتل کا گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا اور قصاص محض سیاستِ دنیا کے لئے ہے اور نیز ورثاء کے معاف کرنے سے بھی دنیاوی حق معاف ہوتا ہے نہ کہ حقِ آخرت۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آئے (علامات موت معلوم

إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ

ہوں) تو اگر کچھ مال چھوڑے تو ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے دستور کے

وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى

موافق وصیت کرنی چاہیے (خدا ترسوں پر لازمی

الْمُتَّقِينَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا

بات ہے۔ پھر جس نے اس وصیت کو سن کر بدل دیا تو

سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ

اس کا گناہ اسی پر ہے کہ جو

يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۱۸۱)

اس کو بدلتے ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ تو (خوب) سنتا جانتا ہے۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا

پھر جس کو وصیت کرنے والے کی طرفداری یا ناانصافی کا اندیشہ ہو

فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ

سو اس نے ان میں صلح کرا دی تو اس پر کچھ بھی گناہ نہیں؛ بے شک

۲۲ ع ۶ ۲

اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۱۸۲)

اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

## ترکیب

کتب فعل مجہول الوصیۃ للوالدین الخ جملہ مفعول مالم یسم فاعلہ، اذا حضر متعلق ہے الوصیۃ سے، حضور موت سے مراد حضورِ اسبابِ موت ہے ان ترک خیرا شرط اس کا جواب جملۂ اولیٰ سے سمجھا جاتا ہے ای فلیوص حقاً مفعول مطلق ہے ای حق ذٰلک حقاً اور ممکن ہے کہ صفت ہو مصدر محذوف کی ای ایصاءً حقاً فمن بدلہ ای الایصاء من شرطیہ ہے مبتدا کی جگہ فانما اثمہ الخ اس کی خبر فمن خاف فعل با فاعل من موص متعلق ہے خاف سے شرط فلا اثم علیہ جواب شرط۔

## تفسیر

پہلے سے اصولِ حسنات کا ذکر چلا آتا ہے اس کے ضمن میں اشدّ منہیات قتل اور کتمانِ حق کا بھی ذکر آ گیا تھا گویا کہ نیکی انسان کو جب نصیب ہوتی ہے کہ جب وہ ایسی ایسی بری باتوں سے بھی بچے اور چونکہ قصاص انسان کی زندگی باقی

**ف**۔ جب تک آیت میراث نازل نہیں ہوئی تھی والدین واقارب کے لئے صاحبِ مال پر وصیت فرض تھی آیت میراث کے بعد یہ حکم غیر وارث کیلئے ثلث میں مستحب ہے۔ وصیت کے بعد جو لوگ اس میں کمی زیادتی کرینگے وہ گناہگار ہونگے ہاں میت پر اگر موصی سے کسی کی طرفداری یا کسی کے محروم کر دینے کا اندیشہ ہو تو باہم مصالحت کرا دینا کوئی گناہ نہیں ۱۲ منہ

رہنے کا باعث تھا اور قتل کو بند کرتا تھا جیساکہ فرمایا
ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب۔ اس کے بعد وصیت
کا مسئلہ ذکر کیا کس لئے کہ باوجود مال و اسباب ہونے کے
اپنے اقارب کو محروم رکھنا گویا اُن کو قتل کر دینا ہے جس طرح
قصاص حقیقی قتل کی دوا ہے اسی طرح وصیت اس مجازی
قتل کی دوا ہے اس لئے فرماتا ہے کہ ہم نے تمہارے لئے
وصیت مقرر کر دی ہے پس جب علاماتِ موت نظر آئیں
اور مال موجود ہو تو متقی پر یہ حق ضروری ہے کہ ماں باپ
اور دیگر اقارب کے لئے وصیت کر دے ہاں اب جو کوئی قابضِ
مال یا گواہ خبردار ہونے کے بعد اس کو بدلے گا تو یہ گناہ
اُس کی گردن پر رہے گا خدا تعالےٰ سے کوئی بات مخفی نہیں۔
اور جو کسی کو یہ معلوم ہو کہ موصی انصاف کے طور پر وصیت
نہ کرے گا یا وہ وصیت میں بے انصافی کر کے مر گیا تو
اُس نے محض نیک نیتی سے موصی کو وصیت کے بدلنے کی صلاح
دی یا اُس کے وارثوں میں جن کے لئے وصیت خلافِ انصاف
کر کے مر گیا ہے اور جھگڑا پیدا ہو گیا ہو وصیت میں کچھ کمی
زیادتی کر کے باہم صلاح کرا دی تو اس تبدیل و تغیر میں بھی
کچھ گناہ نہیں۔ اور اس اصلاح میں کچھ خلاف وصیت اس سے
سرزد ہو گئی ہے تو خدا تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا وہ غفور
رحیم ہے۔

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے یعنی وصیت
کرنے کا حکم والدین اور اقارب کے لئے جب تک ضروری تھا
کہ جب تک آیتِ میراث نازل نہیں ہوئی تھی اور اسی لئے
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا کہ مسلمان کو لائق نہیں
کہ اُس پر تین شب گزریں اور اُس کے پاس وصیت نامہ لکھا ہوا
نہ ہو۔ (صحیحین) کس لئے کہ تمام مال کے وارث میت کے زن
و فرزند ہو جایا کرتے تھے، ماں باپ اور دیگر اقارب محروم رہ
جاتے تھے جب آیتِ میراث نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا
اس لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ہر حقدار کا
حق مقرر کر دیا اب کسی وارث کے لئے وصیت نہیں (صحیحین)۔
مگر حسن بصری رحمہ اللہ تعالےٰ نے اور علاء بن زیاد اور مسروق
اور مسلم بن یسار وغیرہ علماء کبار یہ فرماتے ہیں کہ آیت منسوخ
نہیں کس لئے کہ آیتِ میراث میں جن قرابتیوں کا حق اور حصہ
ہے البتہ اُن کے لئے وصیت نہیں اور جو محروم الارث ہیں جیساکہ
بیٹوں کی موجودگی میں یتیم پوتا یا چچازاد بھائیوں کی موجودگی
میں نواسہ، یا اور مساکین و فقراء تو ان کے لئے بدستور
وصیت مستحب ہے مگر تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہ ہو جیساکہ
حدیث سے مفہوم ہوتا ہے اور یہی قول صحیح ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا
الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن
جیساکہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا
قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾ أَيَّامًا
تھا تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ، گنتی کے
مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا
چند روزوں تک، (اس پر بھی) جو کوئی تم میں سے بیمار ہو جائے
أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَ
یا سفر میں ہو تو اور دنوں سے گنتی پوری کر دے، اور
عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ
جن کو اس کی طاقت ہو تو اس کے بدلے میں ایک محتاج کو
مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ
کھانا دینا چاہیئے، پھر جو (اپنی امنگ سے) نیکی کرے تو اس کے لئے
خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ
بہتر ہے، اور روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے
إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۴﴾
اگر تم جانتے ہو۔

## ترکیب

یا حرف ندا الذین آمنوا صلہ و موصول منادیٰ کتب

فعل مجہول الصیام مفعول مالم یسم فاعلہٗ کما موضع نصب میں ہے صفت ہے کتب کی ای کتبا کما کتب ایاما موصوف معدودات صفت یہ منصوب ہے صوموا مقدر سے یا الصیام سے فمن شرطیہ کان کا اسم ضمیر ہے جو من کی طرف پھرتی ہے اور مریضا اُس کی خبر معطوف علیہ او علٰی سفر معطوف موضع نصب میں اے او کان مسافرا فعدۃ مبتدا والخبر محذوف ای فعلیہ عدۃ من ایام اُخر صفت ہے عدۃ کی پس یہ مجموعہ جواب شرط ہے علی الذین یطیقونہ جملہ خبر فدیۃ مبدل منہ طعام مسکین بدل مجموعہ مبتدا جملہ معطوف بر جملہ سابقہ ؛

## تفسیر

قصاص اور وصیت حیاتِ دنیاوی کا سبب تھا اور کلام الٰہی میں جس طرح حیاتِ دنیا کی اصلاح فرمائی گئی اسی طرح حیاتِ ابدی کی بھی ضرور رعایت ہونی چاہیئے اس لئے یہاں اُس چیز کا حکم دیا کہ جو حیاتِ ابدی کا عمدہ ذریعہ ہے یعنی روزہ کس لئے کہ انسان جب صبح سے شام تک نفس کی تینوں خواہشوں کھانے، پینے، جماع سے رُکے گا (اور اسی کو صوم شرعی کہتے ہیں) اور پھر اس کے ساتھ اپنے دل کو ذکرِ الٰہی تلاوت اور نماز اور مراقبہ اور اعتکاف میں لگا دے گا تو بیشک اس کی روح کو قوت ہوگی اور اس جسم کو چھوڑنے کے بعد بھی حیاتِ ابدی اور عالمِ قدس میں زندہ رہنے کا سبب ہوگا۔ اور نیز احکام مذکورہ بالا کی تعمیل جسمانی خواہشوں کے خلاف ہے اور جب تک انسان اپنی نفسانی خواہشوں سے مقابلہ کرنے کا خوگر نہیں ہوتا تو اصُولِ حسنات اور صبر پر بھی قادر نہیں ہوتا بلکہ دنیاوی ترقی کے لئے بھی مصائب برداشت نہیں کر سکتا اس لئے روزہ کا حکم دیا تاکہ روح قوی ہو جائے جسم کی خواہش اور تیزی توڑنے کے لئے آسمانی ہدایت میں قدیم سے ریاضت کا حکم ہے اسی لئے فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تم پر روزے فرض ہوئے جس طرح کہ تم سے پہلی اُمتوں پر فرض ہوئے تھے تاکہ تم نفس کُشی کے عادی ہو کر متقی ہو جاؤ۔ اور یہ روزہ تم پر ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ چند روز۔ اور اس پر بھی تمہارے لئے یہ آسانی ہے کہ کوئی بیمار یا مسافر ہو اور روزہ کی طاقت نہ رکھے تو اُس کے بدلہ میں اور دنوں میں گن کر روزہ رکھ لے اور اس پر بھی تمہارے لئے یہ رخصت ہے کہ جو لوگ تم میں سے بڑی مشقت کے ساتھ روزہ رکھ سکتے ہوں جیسا کہ بڈھا تو وہ ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کا کھانا کہ جو اُس کو دو وقت کافی ہو دیوے اور جو اپنی طرف سے زیادہ دے تو بہتر ہے اور جو تکلیف اُٹھا کر بھی روزہ رکھ لو تو بہتر ہے ؛

## فوائد

(ا) کتب علیکم الصّیام سے کیا مراد ہے؟ رمضان کے روزے یا اور روزے۔ معاذ اور قتادہ اور عطاء وغیرہم علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس سے مراد علاوہ رمضان کے اور روزے ہیں جو رمضان کی فرضیت سے بیشتر فرض تھے پھر رمضان کے فرض ہونے سے جیسا کہ آیت آئندہ میں ہے اُن کی فرضیت جاتی رہی اور وہ ہر مہینہ میں تین روزے تھے بعض کہتے ہیں کہ اُن میں محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ بھی تھا۔ اور دلیل اُن کی یہ ہے کہ اس آیت میں جس کو طاقت روزہ رکھنے کی ہے اُس کو فدیہ دینے کی رخصت ہے حالانکہ رمضان کے روزوں کی نسبت یہ حکم نہیں کہ فدیہ دے کر روزہ نہ رکھے اور نیز اس آیت میں مسافر اور مریض کا حکم ہے اور اس سے پچھلی آیت میں بھی کہ جس میں رمضان کے روزے میں مسافر اور مریض کا حکم مذکور ہے پس اگر یہاں صیام سے مراد رمضان ہو تو بے فائدہ عبارت مکرر ہو جاوے۔ جمہور محققین کہ جن میں ابنِ عباسؓ بھی ہیں یہ کہتے ہیں کہ اس جگہ صیام سے مراد رمضان ہی کے روزے ہیں مگر اوّلاً خدا تعالےٰ نے کتب

علیکم الصیام فرمایا۔ پھر اس کے بعد ایاما معدودات اس کی تشریح کی پھر اگلی آیت شہر رمضان الذی اُنزل فیہ القرآن میں تو خوب تعیین کر دی جس طرح کہ اُس نے اولاً کما کتب علی الذین من قبلکم کہہ کر اطمینان دلایا تھا کہ یہ سلفِ صالحین کا قدیم دستور ہے ایاماً معدودات کہہ کر یہ تسلّی کر دی کہ ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ چند روز کے لئے پھر مسافر اور مریض کو رخصت دی اور جس سے نہایت مشقت سے ادا ہوتے ہوں اُس کو فدیہ کی اجازت دی۔

اور اُن کی دلیل کا یہ جواب ہے کہ یطیقونہ کے یہ معنے ہیں کہ بہ تکلّف و بمشقّت روزہ رکھ سکتے ہوں چنانچہ عکرمہ اور ایوب اور عطاء کی قراءت میں یطوّقونہ آیا ہے اے یجشمونہ یعنی یکلّفونہ اور یہ اس لئے کہ وسعت طاقت کے اُوپر ایک اور شئے ہے اس صورت میں اب بھی رمضان کے روزوں کی نسبت اُس شخص کے لئے کہ جو مشقت سے روزہ رکھ سکے یہی حکم ہے کہ وہ ہر روزے کے بدلے میں فدیہ دیوے یہ شیخ فانی کے لئے ہے امام شافعی رح کہتے ہیں کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی جب روزہ رکھنے میں عاجز ہووے تو اُن کا بھی یہی حکم ہے امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ دودھ پلانے والی اور حاملہ کے لئے فدیہ دینے کا حکم اس لئے نہیں کہ یہ پھر قضاء کے روزے رکھ سکتے ہیں بخلاف شیخ فانی کے یہ فدیہ کا حکم خاص اُسی کے لئے ہے پس آیت یطیقونہ کو آیت فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ سے منسوخ قرار دینا بے فائدہ ہے اور اسی طرح لا مقدر ماننا اور ہمزہ کو سلب کے لئے کہنا بھی لاحاصل ہے۔

دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الذین یطیقونہ سے مراد مسافر اور بیمار ہیں اور اُن کی دو حالت ہیں ایک یہ کہ روزے کی طاقت نہیں رکھتے اس کا حکم تو خدا تعالیٰ نے فعدۃ من ایام اُخر میں ظاہر کر دیا کہ اور دنوں میں روزہ رمضان کی ...... قضا ادا کر لیں۔ دوسری حالت طاقت کی ہے سو اس میں اُن کے لئے یہ حکم ہے فدیۃ طعام مسکین کہ فدیہ دے کر چاہیں روزہ نہ رکھیں یعنی دونوں باتوں میں اختیار ہے (کبیر)۔

تیسرا ایک اور جواب ہے کہ رمضان میں ابتداءِ اسلام میں مقیم صحیح کو بھی کہ روزے کی طاقت رکھتے تھے اختیار تھا خواہ روزہ رکھیں خواہ فدیہ دیدیں مگر اگلی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور مکرر ہونے کا یہ جواب ہے کہ ابتداء میں چونکہ تندرست مقیم کے لئے فدیہ اور روزے کا اختیار تھا اور مسافر اور مریض کے لئے افطار کی رخصت تھی تو یہاں سے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ مسافر و مریض پر قضاء اور فدیہ نہیں کیونکہ یہ مشقت میں ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے مسافر اور مریض کا حال بھی بیان فرمادیا کہ ان پر قضاء واجب ہے۔

(۲) کما کتب علی الذین من قبلکم میں تشبیہ نہ عدد میں ہے نہ وقت میں بلکہ صرف ایجاب میں یعنی جس طرح تم پر روزے واجب ہوئے اسی طرح تم سے پہلے لوگوں پر بھی واجب ہوئے تھے نہ یہ کہ جس طرح تم پر تیس روزے رمضان کے واجب ہوئے اُن پر بھی تیس ۳۰ رمضان کے واجب تھے۔ اور من قبلکم سے اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہلِ کتاب کے ہاں بھی روزے واجب تھے چنانچہ توراۃ کی تیسری کتاب کے ۱۶ باب ورس ۲۹ اور باب ۲۳ ورس ۲۷ و ۲۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں پر ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو کفارہ کا روزہ رکھنا واجب تھا کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ جو کوئی اس روز روزہ نہ رکھے گا اپنی قوم سے منقطع ہو جاوے گا۔ اور اعمال حواریان کے ۹ باب ورس ۹ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی بھی یہ روزے رکھا کرتے تھے۔ علاوہ اس کے چالیس روز تک کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزے رکھے جیسا کہ کتاب خروج کے ۳۴ باب سے معلوم ہوتا ہے اور کتاب دانیال کے باب ۱۰ ورس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت دانیال نے تین ہفتے کے روزے رکھے تھے اور اوّل کتاب السلاطین کے ۱۹ باب ۸ ورس سے

معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت الیاس کوہ حوریب کو گئے تھے تو انھوں نے چالیس دن رات روزے رکھے تھے۔

اور انجیل متی کے ۴ باب اور انجیل لوقا کے ۴ باب درس ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے بھی جب کہ وہ بیابان میں تھے چالیس دن رات کے روزے رکھے تھے۔ علاوہ اس کے بائبل کے مختلف مقامات سے اور بھی روزے رکھنا اہل کتاب کا ثابت ہے اور اسی لئے اب بھی یہود اور متدین نصاریٰ میں روزہ رکھنے کا دستور ہے۔

ہاں اب جو یورپ کا الحاد جوش زن ہے البتہ اس کی وجہ سے رسم روزہ و نماز عیسائیوں میں سے اُٹھ گئی اور یوماً فیوماً اُٹھتی جاتی ہے۔ بلکہ اُن کی تقلید میں نیچری مفسر بھی اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۱ میں روزے کی نہایت اہانت کر رہے ہیں جس کا ایک فقرہ یہ ہے "عرب کے لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھتے تھے کہ خدا کے خوش کرنے کے خیال سے اور اپنے پیغمبر کی پیروی کی نظر سے روزہ رکھتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کو جاری رکھنے کی اجازت دی"، انتہےٰ ملخصاً۔ اور اس سے پیشتر اس صفحہ میں روزے کو بدنی ریاضت کہہ آئے ہیں اور جملہ بدنی ریاضتوں کی نسبت صفحہ ۲۳۰ میں یہ کہتے ہیں قولہٗ غرض کہ تمام جسمانی ریاضتوں کا اسی غلط خیال پر رواج ہوا ہے وہ یہ کہ انسان کی زندگی آسائش سے بسر کرنی خدا کو پسند نہیں اور یہ ایک عجیب خیال تھا، انتہےٰ ملخصاً۔

(۳) فمن کان منکم مریضًا او علٰی سفر فعدۃ من ایام اُخر جس مرض سے روزہ کا افطار کرنا درست ہے جمہور محققین کے نزدیک وہ ہے کہ جس میں روزہ رکھنے سے ضررِ جان یا زیادتیِ مرض متصور ہو نہ کہ ہر مرض کیونکہ اس مقام پر جو لفظ مریض بولا گیا ہے تو اہل زبان اپنے قرائن سے اس سے وہی مرض سمجھتے ہیں کہ جس کا ہم نے ذکر کیا نہ کہ عام مرض: سفر کے معنے لغت میں کشف کے ہیں یعنی کھل جانا اور چونکہ سفر سے لوگوں اور ملکوں اور زمین کا حال کھلتا ہے اس لئے اس کو سفر کہتے ہیں اور سفیر چونکہ دو شخصوں کی بھید کی کھول دیتا ہے اس لئے بھی اس کو سفیر کہتے ہیں اور اسی لئے بولتے ہیں اسفر الصبح اور کتاب چونکہ معانی کھول دیتی ہے اس لئے اس کو سفر کہتے ہیں اور اسی لئے کہتے ہیں اسفار صبح کی روشنی میں آنا۔

مگر شرع میں اس جگہ سفر سے مراد اقل مرتبہ تین منزل کا سفر ہے کس لئے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مسح کے بارے میں فرمایا ہے کہ مقیم ایک رات دن مسح کرے اور مسافر تین رات دن۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر اقل تین مرتبہ تین رات دن کے فاصلہ سے ہوتا ہے اس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر کو علتِ مسح قرار دیا اور مسح کو معلول بنایا اور معلول علت سے زیادہ نہیں ہوتا۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ سولہ فرسخ کا فاصلہ ضروری ہے اور ہر فرسخ تین میل کا اور ہر میل بارہ ہزار قدم کا ہے کیونکہ ہاشم جدِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب جنگل ناپا تو میل کو بارہ ہزار قدم قرار دیا۔ اور امام مالکؒ و احمدؒ و اسحاقؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

مگر داؤد ظاہریؒ نے مطلق سفر مراد رکھا ہے اور اُسکی تقلید سے قاضی شوکانیؒ نے درر بہیہ میں یہی فتویٰ دیا ہے۔ پس ان کے مذہب میں تو کوس کیا آدھے کوس تک جانے میں بھی روزہ نہ رکھے، اور یہ بالکل غلط ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ

رمضان کا وہ مہینہ کہ جس میں قرآن لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل کیا گیا ہے اور

الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ

جس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور وہ حق و باطل میں

الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ

فرق کر دیتا ہے پھر جو تم میں سے کوئی اس مہینے کو

الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا

پائے تو چاہیے اس میں روزہ رکھے، اور بیمار یا مسافر ہو تو　اور

أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ

دنوں میں　گنتی　پوری　کر دے،

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ

اللہ تعالیٰ تو تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے　اور تم کو　مشکل میں

بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ

ڈالنا　نہیں چاہتا،　اور (یہ اس لئے) تاکہ تم گنتی پوری کر لو　اور

لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَ

تاکہ تم کو جو خدا نے رہنمائی کی ہے اس پر اس کی بڑائی بیان کرو　اور

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٨٥﴾

تاکہ تم　(اس کی نعمت کا)　شکر　کرو۔

## ترکیب

شہر رمضان مبتدا انزل فیہ القرآن خبر اور ممکن ہے کہ فمن شہد جملہ شرطیہ اس کی خبر اور ممکن ہے کہ شہر رمضان مبتدا محذوف کی خبر ہو یعنی ہی شہر یعنی الایام المعدودات اور بعض نے شہر کو بالنصب پڑھا ہے بدل بنایا ہے ایام معدودات سے ہدی حال ہے قرآن سے اور بعض نے کہا ہے کہ مفعول لہٗ انزل کا و بینت ای آیات واضحات معطوف ہے ہدی پر اور والفرقان معطوف ہے الہدیٰ پر ای حال کونہ ہدیًا للناس وحال کونہ بینات من الہدایۃ والفرقان لئے مما یفرق بین الحق والباطل فمن شرطیہ مبتدا اور اس کے بعد اس کی خبر منکم حال ہے ضمیر فاعل سے اور مفعول شہد کا محذوف ہے ای شہد المصر اور الشہر ظرف ہے فلیصمہ جواب شرط ولتکملوا معطوف ہے الیسر پر اور لام زائدہ ہے ÷

## تفسیر

یہ آیت پہلی آیت کا تتمہ ہے۔ اوّل فرمایا تھا کہ تم پر چند روز کے روزے فرض ہوئے۔ اب اس آیت میں اُن چند روزوں کی تشریح کر دی کہ وہ چند دن کہ جن میں تم پر روزے فرض ہوئے رمضان کا مہینہ ہے یہ وہ مبارک مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل ہوا ہے کہ جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور حق و باطل میں تمیز کرنے کے بارے میں کھلی نشانی بھی ہے پس جو اس مہینے کو پاوے تو چاہیے کہ روزہ رکھے اور جو مسافر اور بیمار ہو تو اور دنوں میں اتنے ہی رکھ لے اس سے خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے آسانی کر دی اور نیز تعداد رمضان کی بھی پوری ہو جاتی ہے۔ اور اس لئے کہ تم خدا تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے ہم کو ہدایت کی اور ہمیشہ اس کی شکر گزاری کرتے رہو انزل فیہ القرآن[1] اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ انوارِ الٰہی ہمیشہ چمکتے رہتے ہیں مگر علائق بشریہ اُن کو اروائح بشریہ پر ظاہر ہونے میں حجاب ہو جاتے ہیں اور ان علائق بشریہ کے دور کرنے میں روزہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں اور نزولِ قرآن بھی انوارِ الٰہی کا کامل ظہور رہے سو اس لئے اس کا نزول ماہِ رمضان میں قرار پایا اور یہی حکمت تھی کہ حضرت موسیٰؑ نے جب کہ کوہِ طور پر ان کو توراۃ ملی اور خداوند تبارک و تعالیٰ نے ان سے کلام کیا تو اوّل اُن سے چالیس روزے رکھوائے اور اسی لئے حضرت عیسیٰؑ نے بیابان میں چالیس روزے رکھے غالباً ان کو اُسی وقت انجیل عطا ہوئی، اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی غارِ حرا میں روزے رکھے اُن پر وہاں قرآن نازل ہوا۔ رمضان کے مہینہ میں شبِ قدر میں جو تجلّی الٰہی کا وقت ہے قرآنِ مجید تمام کمال لوح محفوظ سے نقل ہو کر آسمانِ دنیا میں بیت المعمور ایک جگہ ہے وہاں نازل ہوا اور پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا دنیا میں

---

[1] امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عیدین کے روز تکبیر کہنا ہے ۱۲ ف
بعض کہتے ہیں انزل فیہ القرآن سے مراد یہ نہیں کہ رمضان میں قرآن اترا بلکہ رمضان کی شان میں قرآن اترنا مراد ہے جیسا کہ کہتے ہیں انزل فی علی وانزل فی عمر ۱۲ منہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا کیا۔ پس اب اس آیت میں اور اس میں انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ انا انزلناہ فی لیلۃ[1] مبارکۃ کچھ بھی تعارض نہ رہا۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ
(اور جب آپ سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو (کہدو کہ) میں تو پاس ہی ہوں)

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ
جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں جواب دیتا ہوں

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ
پھر لوگوں کو بھی ہمارا حکم ماننا چاہیے اور مجھ پر ایمان لانا چاہیے

لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾
تاکہ وہ ہدایت پاویں۔

## ترکیب

واذا سالک فعل عبادی فاعل ک مفعول عنی متعلق ہے فعل سے یہ تمام جملہ شرط فانی قریب لے فقل لہم انی قریب جواب شرط اجیب خبر ثانی۔

## تفسیر

پہلی آیت میں تکبیر اور یادِ الٰہی اور اس کی شکرگزاری کا حکم تھا جس سے احتمال تھا کہ ہم تو اس کو یاد اور اس کی شکرگزاری کرتے ہیں آیا وہ بھی ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے یا کہ دنیا کے اُمراء اور شاہنشاہوں کی طرح وہاں تک رسائی اور کسی کی شنوائی ہی نہیں ہوتی! قطعہ:-

روئے برخاک عجز مے مالم + ہر سحر گہ کہ باد مے آید
اے کہ ہرگز فرامُشت نہ کُنم + ہیچت از بندہ یاد مے آید

اس آیت میں اس شبہ کو زائل کر دیا کہ جب میرے بندے اے نبیؐ! میرا حال آپ سے پوچھیں تو کہدو کہ میں تو ان سے بہت ہی قریب ہوں جو کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں اُس کو سنتا اور جواب دیتا ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے قبول کرتا ہوں۔ پس میرے بندوں کو بھی لازم ہے کہ میری اطاعت کریں گو میں اُن کی نظر سے غائب ہوں لیکن وہ مجھ پر ایمان لاویں تاکہ مجھ تک پہنچنے کا رستہ پاویں۔

اس آیت کے شانِ نزول میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک بدوی نے آکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ ہمارا رب قریب ہو تو ہم اُس سے آہستہ مناجات کریں اور اگر بعید ہو تو پکاریں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد میں تشریف لے گئے تھے صحابہؓ نے بلند آواز سے تکبیر و تہلیل پکارنی شروع کی آپؐ نے فرمایا تمھارا رب بہرا اور دور نہیں تب یہ آیت نازل ہوئی ÷ خدا تعالے کا قُرب اپنے بندوں سے قُربِ جسمانی نہیں کیونکہ وہ جسم سے پاک ہے علاوہ اس کے جسمانی چیز سب سے مساوی درجہ پر قریب نہیں ہوتی بلکہ ان ۲ شخصوں میں سے (جو فاصلہ پر ہیں) جس سے جس قدر قربت ہوگی دوسرے سے اُتنی ہی دُوری ہوگی بلکہ یہ قُرب علاوہ اس کے اور قُرب ہے کہ جس کو کہیں وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ اور کہیں هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ سے تعبیر کیا ہے اِس کو اہلِ ظاہر قُربِ علمی کہتے ہیں وہ ہم سے شہ رگ تو کیا ہماری ذات اور ہمارے وجود سے بھی تو زیادہ قریب ہے مگر اس حجابِ جسمانی کی وجہ سے وہ ہم کو دکھائی نہیں دیتا۔

اُجیب دعوۃ الداع کے معنے ہم بیان کر چکے ہیں۔ کبھی جو دعا کا اثر ظاہر نہیں ہوتا تو اُس میں کوئی حکمتِ الٰہی ہوتی ہے، لہٰذا نیچر خیال کے لوگ دعا اور اُس کے اثر کے منکر ہیں جس سے تمرد پایا جاتا ہے۔ بندہ کو لازم ہے کہ ہر حاجت میں اُسی کی طرف

[1] کس لئے لیلۃ مبارکہ بھی رمضان ہی میں تھی اور نہ اس قول مشہور میں کہ قرآن شوال کے مہینے میں نازل ہونا شروع ہوا اور نہ اس آیت میں کچھ تعارض باقی رہا ۱۲ [2] اور ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں ۱۲ ÷ ÷

رجوع کرے۔ دعاء کے فضائل بے شمار ہیں۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ
روزوں کی راتوں میں اپنی بیبیوں سے اختلاط کرنا تمہارے لئے حلال

نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ
کردیا گیا ہے۔ وہ تمہاری پوشش اور تم ان کی پوشش

لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ
ہو۔ خداتعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم آپس میں

تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا
مخفی طور سے ملتے تھے سو تمہارا قصور معاف کردیا اور تم سے درگذر

عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا
کی پس (اب رات میں) ان سے ہم بستر ہو لیا کرو اور جو کچھ تمہارے

كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا
لئے (اس ہم بستری سے) خدا نے مقدر کر رکھا ہے (اولاد) اس کو حاصل کرو اور

حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ
جب تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے

مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ
ممیز نہ ہو اس وقت تک کھاؤ پیا کرو۔ پھر

أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ
روزہ کو رات تک پورا کرو۔ اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف

وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ
کئے بیٹھے ہو تو اپنی بیبیوں سے اختلاط نہ کرو (یعنی رات میں بھی اختلاط نہ کرو)

حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ
یہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں سو ان کے پاس بھی نہ جانا۔ یوں خداتعالیٰ لوگوں کے

يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
لئے اپنے احکام کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ

يَتَّقُونَ (١٨٧)
پرہیزگار ہو جائیں۔

## ترکیب

احل فعل مجہول الرفث الخ مفعول مالم یسم فاعلہ لیلۃ الصیام ظرف ہے الرفث کا اور بعض کہتے ہیں احل کا و فیہ نظر۔ چونکہ رفث میں افضاء کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے اس کے صلہ میں الیٰ آیا ب نہیں آئی۔ علم فعل اللہ فاعل انکم الخ جملہ مفعول۔ باشروا امر ضمیر انتم اس کا فاعل ھن مفعول اور پھر وابتغوا اور کلوا واشربوا جملہ اس پر معطوف الآن ان سب کا ظرف من الفجر الخیط کا بیان ہے وانتم عاکفون الخ حال ہے لاتباشروھن سے۔

## تفسیر

یہ آیت احکام صیام کا تتمہ ہے۔ اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں روزہ دار کو افطار کے بعد جب تک کہ عشاء نہ پڑھے اور نہ سوئے کھانا پینا جماع کرنا درست تھا اور جب وہ عشاء پڑھ چکے یا افطار کرکے سو جاوے تو پھر اس کے لئے یہ چیزیں ممنوع ہو جاتی تھیں جس طرح کہ اب صبح صادق سے ممنوع ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس آیت کی شان نزول میں مروی ہے کہ ایک انصاری (کہ جس کے نام میں اختلاف ہے معاذ کہتے ہیں ابو صرمہ اور براء کہتے ہیں قیس بن صرمہ) دن کے کام سے ہارا تھکا شام کو گھر میں آیا افطار کرکے کھانا کھانے میں کچھ دیر تھی سو گیا پھر اس کو بیدار کیا تو اس نے اس لئے کہ بعد خواب کے کھانا منع تھا نہ کھایا اسی طرح روزہ پر روزہ رکھ لیا جس سے اگلے روز ضعف کے مارے اس کا حال تباہ ہوا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی اور اس عرصہ میں حضرت عمرؓ نے بھی عرض کیا کہ یا حضرتؐ! میں نے عشاء کے بعد اپنی بیوی سے صحبت کی اسی طرح اور لوگوں نے بھی ایسے ایسے واقعات بیان کئے تب یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر کبیر)۔ اس آیت میں

خدا تعالٰی نے وسعت دے کر صبح صادق تک کھانے پینے جماع کرنے کی اجازت دیدی خواہ نماز عشار پڑھ کر یا سو کر ان چیزوں کو استعمال میں لاوے۔ اس آیت میں خدا تعالٰی فرماتا ہے کہ روزہ کی شب میں تمہارے لئے اپنی بیویوں کے پاس جانا مباح ہے کس لئے کہ اُن سے تم سے باہم نہایت رغبتِ طبعی ہے اور ہم کو اپنے علم ازلی سے یہ بات معلوم تھی کہ تم سے صبر نہ ہو سکے گا پس ہم نے تم کو اجازت دیدی کہ تم اُن سے صبح صادق تک مباشرت کر سکتے اور کھا پی سکتے ہو مگر جب اعتکاف کے لئے مسجدوں میں بیٹھو تب اُن سے رات میں بھی مباشرت نہ کرو۔

رفث لُغت میں فحش باتوں کو کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج پھر اس سے مراد وہ باتیں ہیں جو بوقتِ جماع کی جاتی ہیں، یہاں جماع مُراد ہے۔

ھن لباس لکم عورت کو مرد کا اور مرد کو عورت کا لباس کہا اس وجہ سے کہ یہ باہم اس طرح لپیٹے اور چمٹے ہیں کہ جس طرح لباس بدن سے لپٹا ہوتا ہے یا اس وجہ سے کہ ایک دوسرے کو ناجائز باتوں کے روکنے میں لباس کی طرح ستر ہو جاتا ہے یا اس لئے کہ جس طرح لباس مخصوص ہوتا ہے اسی طرح ان میں خصوصیت ہوتی ہے یا اس لئے کہ لباس کی طرف انسان کو رغبتِ طبعی ہوتی ہے اور وہ باعث زیب وزینت ہوتا ہے ایسا ہی معاملہ عورت کا ہے۔ انکم کنتم تختانون۔ خیانت سے مراد وہ افعال ہیں کہ جو اس آیت کے نازل ہونے سے پیشتر بعض صحابہ رض سے ظہور میں آئے کہ کسی نے رات کو جماع کیا کسی نے کھایا پیا۔ وابتغوا الخ سے بعض نے یہ مراد لی ہے کہ جماع سے غرض اولاد ہے سو اس کو طلب کرو محض قضاءِ شہوت مقصود نہ رکھو بعض کہتے ہیں اس سے مراد ہے کہ جو چیز جماع میں تمہارے لئے جائز کی گئی ہے وہ لو یعنی دُبر سے جماع نہ کرو اور خاص بیوی یا لونڈی سے یہ نفع لو۔ معاذ بن جبل رض و ابن عباس رض وغیرہ فرماتے ہیں

کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اسی فعل میں شب کو تیر نہ کرو بلکہ بقدر ضرورت فارغ ہو کر لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ الخیط الابیض اور الخیط الاسود سے مراد رات اور صبح صادق۔ صبح صادق سے پہلے سفید ستون سا آسمان کے کنارہ سے مشرق کی جانب نمودار ہوتا ہے اس کے بعد سیاہی چھا جاتی ہے اس کو صبح کاذب کہتے ہیں اس وقت تک کھانا پینا درست ہے اسکے بعد اسی سیاہی میں سے ایک سفید دھاری اُٹھ کر اوپر تک پھیل جاتی ہے یہاں تک کہ پھر آفتاب طلوع کرتا ہے اس سفید دھاری کو صبح صادق کہتے ہیں پس جب یہ دونوں دھاریاں باہم ممتاز ہو جائیں جب سے کھانا پینا جماع ممنوع ہے کیونکہ صبح صادق سے دن شمار ہوتا ہے اور یہ ممانعت بموجب اتموا الصیام الی اللیل۔ غروب آفتاب تک ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب تک سُرخی غائب نہ ہو جائے تب تک بعض کہتے ہیں کہ ستاروں کے برآمد ہونے تک ممانعت ہے جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں مگر جب کہ لیل عرفِ عرب میں غروب آفتاب سے گنی جاتی ہے اور نیز احادیث صحیحہ میں بھی بعد غروب کے متصلاً آنحضرت علیہ السلام کا افطار کرنا ثابت ہو گیا ہے تو پھر دیر کرنا تکلیف بے فائدہ ہے۔

ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد، اعتکاف لُغت میں کسی شئے پر اپنے آپ کو مقید کرنا خواہ بھلی ہو یا بُری بات پر جیسا کہ یعکفون علٰے اصنام لھم میں وارد ہے لیکن شرع میں اعتکاف مسجد میں بہ نیت تقربِ الٰہی بیٹھنے کا نام ہے۔ امام ابو حنیفہ رح اس میں دو قیدیں ٹھہراتے ہیں ایک یہ کہ مسجد میں روزہ کے ساتھ بیٹھنا۔ دوسری یہ کہ کم سے کم پورے ایک دن تک بیٹھے۔ پس بغیر روزہ کے مسجد میں بیٹھنا اسی طرح

[1] جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم نے ڈورے سیاہ اور سفید لے کر اپنے تکیہ کے نیچے رکھ چھوڑے پس جب تک اُن میں فرق نہ معلوم ہوتا تب تک کھاتے پیتے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز آنحضرت سے اطلاع کی آپ ہنسے اور فرمایا کہ تیرے پاس بڑے لمبے چوڑے ڈورے ہیں اے صاحب ان سے مراد رات دن کے ڈورے ہیں۔ کذا فی صحیح البخاری ۱۲ منہ

روزہ بھی ہو تو دن بھر سے کم بیٹھنا اعتکافِ شرعی نہ سمجھا جائے گا کس لئے کہ احادیث اور فعل صحابہؓ سے اعتکاف اسی طور سے پایا گیا ہے۔ مگر امام شافعیؒ ان دونوں قیدوں کو شرط نہیں خیال کرتے کہ ان کے بغیر اعتکاف نہ سمجھا جائے گا ہاں جو ان قیود کو مرعی رکھے تو اَولیٰ ہے۔

دلائل فریقین کے ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اعتکاف میں بھی اپنی بیوی سے جماع کرنا درست نہیں بغیر شہوت کے اگر ہاتھ لگ جاوے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ معتکف سوائے حاجتِ ضروری پیشاب پاخانہ یا نماز جمعہ کے مسجد سے باہر نہ نکلے۔ رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کرنا مسنون ہے۔

**ابومسلم** اس آیت کے معنے میں یہ کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں روزہ کی کوئی تشریح نہ تھی کہ کب تک کھاوے پیوے اور یہود بلکہ عیسائی اس سبب سے (کہ جہاں کہیں انکی کتابوں میں روزہ کا حکم ہے وہاں دن رات کا روزہ سمجھا جاتا ہے) دن رات کا روزہ رکھتے تھے ان کے ردیہ سے ۲۳ ع ۶ ۷
مسلمان بھی یہی کرنے لگے تھے کہ رات کو بھی کچھ کھاتے پیتے نہ تھے مگر اس میں مشقت تھی اور نیز وہ آسانی کہ جو اس شریعت میں رکھی گئی ہے اس کے بھی منافی تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے صریح اجازت دیدی کہ صبح صادق تک شوق سے کھاؤ پیو یعنی رات کا روزہ نہیں۔ سو یہ سمجھنا کہ یہ آیت پہلے حکم کے لئے ناسخ ہے غلط ہے۔ درحقیقت روزہ روح کی تازگی اور جسم کی پژمردگی کے لئے ایک عجیب نسخہ ہے اور نیز مشقت کشی کے عادی ہونے کے لئے اور تنقیہ جسمیہ کے لئے بھی اس کے فوائد بیشمار ہیں اور اس لئے ہر ملت و مذہب میں اس کا دستور قدیم ہے۔ اور ریاضتِ جسمانی کا مسئلہ اسلام میں ایک تہذیب طریقہ پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اخیر نبی علیہ السلام کو متوسط طریق پر مبعوث کیا ہے اس لئے سحر تک کھانے پینے سے جسم کو پژمردگی سے محفوظ رکھا کس لئے کہ افراط میں آکر بالکل جسم کو ہلاک کرنا روح کو اس کے کمالات حاصل کرنے سے محروم کر دینا ہے اور لیکن پہلی امتوں کے نفوس چونکہ زیادہ سرکش تھے اور ان کے قوائے بہیمیہ بھی تیز تھے اس لئے بقاعدہ "دوا بقدر مرض" ان کو دن رات کے روزے کی ضرورت تھی اسی طرح شترِ بے مہار ہو کر ہر طرح کی لذات میں مستغرق رہنے سے بھی منع کر دیا۔ اسی لئے اسلام میں سحری کھانا مسنون قرار پایا۔ تسحروا فان فی السحور برکۃ، کہ سحری کھاؤ اس میں برکت ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طور پر نہ کھاجایا کرو اور

وَتُدْلُوا۟ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا۟

نہ اس کو حکام رسی کا ذریعہ بناؤ (رشوت میں دے کر) تاکہ

فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَ

لوگوں کے مال کا کوئی حصہ ناجائز طور پر جان بوجھ کر

أَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾

کھا لیا کرو۔

## ترکیب

لا تأکلوا فعل انتم فاعل اموالکم مفعول بینکم ظرف ہے تأکلوا کا لان المعنی لاتتناولوا بینکم بالباطل موضع نصب میں ہے بسبب تأکلوا کے وتدلوا مجزوم ہے بسبب معطوف ہونے کے تأکلوا پر لتاکلوا کا لام تدلوا سے متعلق ہے

**ف** اموالکم کے لفظ سے ظاہر ہے اپنا مال ہو۔ پھر اپنے مال کو بینکم بالباطل سے کھانے کے کیا معنے؟ اسکے دو جواب ہیں اوّل یہ کہ اموالکم سے مراد اپنے لوگوں کا مال ہے جو ایک معنی سے اپنے بھائیوں کا مال اپنا ہی سمجھا جاتا ہے اموالکم کے ساتھ تعبیر کرنے میں شفقت دلانا مقصود ہے کہ یہ بھی تمہارا ہی مال ہے اسکو بے دریغ ناجائز حیلوں سے نہ کھا جایا کرو۔ دوم اپنا مال بھی باطل طریقوں سے کھانا درست نہیں۔ اسراف فضول خرچی عیاشی کھیل تماشے لہو و لعب میں خرچ کرنا ناجائز طریقوں سے کھانا ہے۔

(باقی صفحہ ۳ پر)

فریقاً مفعول تاکلوا کا من اموال الناس اس کا بیان وانتم تعلمون جملہ حال ہے تاکلوا کے فاعل سے۔

## تفسیر

گزشتہ آیات میں روزہ کا حکم اور اس میں مباح چیزوں کے بھی وقت معین تک کھانے پینے کی ممانعت تھی جو نفس سرکش کے زیر کرنے کے لئے بڑی عمدہ ریاضت ہے ان آیات میں معنوی روزہ کا حکم دیا جاتا ہے کہ لوگوں کے ناجائز طور پر مال نہ کھاجایا کرو وہ گناہ جو حقوق العباد سے متعلق ہیں کسی کا غصب، رشوت، چوری، دغابازی، خیانت، حیلہ سازی یا معصیت کی ذرائع سے پیدا کردہ مال کھانا اور مال کو حکام رسی کا رشوت دے کر ذریعہ بنا کر لوگوں کے مال اڑا جانا مخل تمدن اور روسیاہی کا باعث ہے۔ ان گناہوں سے خصوصاً پرہیز کرنا بھی ایک قسم کا روزہ ہے اور نیز روزوں کی راتوں میں کھانے کی اجازت تھی اس جگہ بتادیا کہ کھاؤ تو مال حرام نہ کھایا کرو۔ اس مناسبت سے اس مسئلہ کا بھی ذکر ہوا اور اس کے بعد اور بھی ممنوع چیزوں کا ذکر ہوتا ہے اور مفید اعمال کی تاکید فرمائی جاتی ہے تاکہ معنوی روزہ کی تکمیل ہو جائے۔

تدلوا ادلاء سے مشتق ہے جس کے معنے ہیں کنوئیں میں ڈول ڈالنا، قال تعالیٰ فادلیٰ دلوہ مگر اس سے مراد بذریعہ رشوت حکام سے ربط پیدا کرنا تاکہ لوگوں کے مال ناحق مارے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِيَ

(اے نبی ؐ) آپ سے ہلالوں (چاندوں) کی حقیقت پوچھتے ہیں (کہ گھٹنے بڑھنے میں کیا ہے) کہہ دو کہ لوگوں کے

مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ

معاملات اور حج کے اوقات بتلانے کیلئے ہیں، اور یہ تو کچھ

الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا

بھی نیکی نہیں کہ گھروں میں ان کے پیچھے سے آیا کرو

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ

لیکن نیکی تو اس کی ہے کہ جو پرہیزگاری کرتا ہے اور گھروں میں ان کے

مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

دروازوں سے آیا کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو تاکہ تم

تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

فلاح پاؤ۔

## ترکیب

یسئلون فعل با فاعل ک مفعول عن الاہلۃ متعلق ہے یسئلون سے ہی مبتدا مواقیت للناس معطوف علیہ والحج معطوف مجموعہ خبر البر اسم لیس، بان تاتوا البیوت اس کی خبر۔

## تفسیر

جب کہ رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو چاند کے حساب سے رمضان اور شوال کا اور نیز حج کے مہینوں کا حساب و شمار عرب کے قدیم عادت کے موافق ایک ضروری بات ہوگئی اس لئے بعض لوگوں نے رسول کریم ؐ سے ہلالوں کے متعلق سوال کیا کہ اس میں کیا سِر ہے؟ کہ اول راتوں میں چاند باریک خم دار ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے بڑھ جاتا اور پورا ہو جاتا ہے اور پھر گھٹنے لگتا ہے آخر وہی باریک خم دار رہ جاتا ہے۔ چونکہ مسئلہ علم ہیئت سے متعلق تھا جس کے سمجھنے کی ان ان پڑھ لوگوں کو لیاقت نہ تھی مفت الجھن میں پڑ جاتے اس لئے اس سے اعراض کر کے جو فائدہ تھا وہ بتا دیا کہ یہ لوگوں کے معاملات اور اوقات بتلاتے ہیں، چاندوں سے مہینے اور مہینوں سے سال و برس بنتے ہیں۔ عرب کے نزدیک صاف اور موٹا حساب جس کو ہر ایک سمجھ سکے چاند ہی سے تھا

(بقیہ حاشیہ ۲۶) پہلی صورت میں ناجائز طریقہ سے کھانے کی یہ صورتیں ہیں زبردستی کر کھانا، رشوت اور سود میں دینا لینا، رمل جفر نجوم وغیرہ شعبدوں سے مال لینا، جھوٹے ٹوٹکے فال وغیرہ سے حاصل کر لینا، فتووں میں رشوت لینا، حکام اور اہل عدالت کا رشوت لینا سب باطل نا حق کھانا ہے جو اس آیت سے حرام ہے۔

اوراب بھی ہے۔ اس جواب سے دو باتوں کی تعلیم ہوگئی اول یہ کہ جن اشیاء کے حقائق واسرار سمجھنے کی لیاقت نہ ہو اُن کی بابت سوال کر کے اپنا اور مجیب کا وقت ضائع نہ کرنا چاہیے بے کار باتوں میں مصروف ہونا تضیع اوقات ہے۔ دوم یہ کہ اگر کوئی اس قسم کا سوال کرے بھی تو جہاں تک اُس کے مفید مدعا ہو بتلا دینا چاہیے زجر و توبیخ کرنا خلاف اخلاق ہے۔

ہلال اوّل رات کے چاند کو کہتے ہیں اس کی جمع اہلّہ آتی ہے۔ چونکہ یہ ذکر جواب میں آچکا کہ حج کا وقت بھی بتلاتے ہیں اس مناسبت سے حج جیسی عمدہ عبادت میں جو کچھ عرب کے جاہلوں نے تحریف کر رکھی تھی اور لطف یہ کہ اس کو نیکی سمجھے ہوئے تھے اور اصلی نیکی سے بے خبر تھے اس لئے اُس کی تعریف اور جملہ نیکیوں کے اصل الاصول کو بتا دیا۔ احرام باندھنے کے بعد جو عرب کے لوگوں کو گھر میں آنے کی ضرورت پڑتی تھی تو پسِ پُشت سے آتے تھے تاکہ دروازہ سے آنے میں حج سے اعراض نہ پایا جاوے، فرما دیا یہ کچھ بھی نیکی نہیں آؤ تو دروازوں سے آیا کرو واتوا البیوت من ابوابہا حکمت کا ایک بیش بہا گوہر ہے جس میں اشارہ ہے کہ جس کام کو کرو اس کے رستے سے کرو اسباب عادی کو اور اس کے مناسب تدابیر کو عمل میں لاؤ یہ دنیا و دین کے سب کاموں کو حاوی ہے۔ اصلی نیکی کیا ہے اتقوا اللّٰہ خدا تعالیٰ سے ڈرنا اور پرہیزگاری کرنا جملہ ممنوع امور سے الگ رہنا خواہ از قسم عقائد ہوں یا از قسم اعمال ہوں اور اسی پر فلاح دارین وابستہ ہے۔ لعلکم تفلحون سعادت کے گھر کا یہی دروازہ ہے۔ یہ بھی معنوی روزہ کا تتمہ بیان تھا۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ

اور (اے مسلمانو!) جو تم سے لڑتے ہیں تم بھی اُن سے اللہ کی راہ میں

وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾

لڑو اور زیادتی نہ کرو، خدا تعالیٰ ہرگز زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَ

اور اُن کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو اور

اَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ

ان کو وہاں سے نکال دو کہ جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے (مکہ سے)

وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا

اور[1] فساد تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے، اور

تُقٰتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اِن سے خانۂ کعبہ کے پاس نہ لڑو

حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْہِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ

جب تک کہ وہ تم سے یہاں نہ لڑیں، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم

فَاقْتُلُوْھُمْ ؕ کَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۹۱﴾

بھی اُن کو قتل کرو، کافروں کی ایسی ہی سزا ہے۔

فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۹۲﴾

پھر اگر وہ باز آجائیں تو خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ

اور ان سے یہاں تک لڑو کہ فتنہ (و فساد) باقی نہ رہے، اور سب[2] اللہ کا

الدِّیْنُ لِلّٰہِ ؕ فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ

دین ہو جاوے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو سوائے ظالموں کے

اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹۳﴾

کسی پر زیادتی جائز نہیں؛

[1] یعنی اگر وہ تم پر مسجد الحرام کے پاس قتال کرنیکا الزام لگا کر بے ادبی کعبہ کا طعنہ دیں تو وہ خود اسکے مرتکب ہیں کیونکہ مسجد الحرام میں فتنہ اُٹھا رکھا ہے جو قتل سے بھی بڑھ کر ہے

ف واتوا البیوت من ابوابہا کلام حکمت ہے جو بہت سے معانیٔ جلیلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے از انجملہ یہ کہ جو کام کرو اس کے قاعدہ اور دستور سے کرو خلاف قاعدہ کام کرنا گھر میں پسِ پشت سے آنا ہے۔ گھر سے مقصود کی طرف اور دروازہ سے اُس کے رستہ اور قاعدہ کی طرف استعارہ ہے ۱۲ حقانی۔

[2] یعنی دنیا پر سب احکام الٰہی چلنے لگیں رکاوٹ اُٹھ جائے سرکشوں کے قتل اور مغلوب کرنے سے ۱۲ منہ

## ترکیب

قاتلوا فعل انتم اس کا فاعل فی سبیل اللہ اس کے متعلق الذین یقاتلونکم جملہ مفعول ولا تعتدوا معطوف ہے قاتلوا پر اللہ اسم ان لا یحب الخ خبر واقتلوا فعل انتم فاعل ہم مفعول حیث متعلق ہے اقتلوا سے وقس علیہ اخرجوہم۔ والفتنۃ مبتدا اشد الخ خبر حتے بمعنی کے اور ممکن ہے کہ بمعنے لئے ان ہو لا تکون کان تامہ اور یکون میں بھی کان تامہ اور جو دونوں کو ناقصہ کیا جاوے تو للہ خبر عدوان اسم لا۔ الا علی الظالمین خبر لا۔

## تفسیر

پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ نیکی گھروں میں پیچھے سے آنے میں نہیں بلکہ نیکی تقوی ہے۔ اور تقوی کی بڑی شاخ اللہ تعالے کے دشمنوں سے لڑکر زمین کو کفر و معاصی اور دیگر فساد سے پاک کرنا ہے جس کی بھلائی اور جس کا عام فائدہ آئندہ نسلوں تک باقی رہتا ہے اس لئے اس آیت میں اللہ تعالے نے قتل فی سبیل اللہ یعنی جہاد کا حکم دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کبار کے ساتھ بارادہ حج مدینہ منورہ سے کوچ کرکے مکہ معظمہ کی طرف چلے اور جب مقام حدیبیہ* آئے تو کفار قریش نے آپ کو روک دیا اور کئی روز تک آپؐ وہاں ٹھہرے رہے اور آخر واپس چلے آئے۔ پھر اگلے سال حج کی تیاری کی اور صحابہؓ کو خوف ہوا کہ قریش بجنگ پیش آئیں گے اور ان مہینوں میں صحابہؓ جنگ کرنے کو نہایت مکروہ جانتے تھے اس کشمکش میں تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی جس میں خدا تعالیٰ نے ان سے جنگ کرنے کی رخصت دی اور بوقت ضرورت تلوار اٹھانے کی اجازت دی کہ اے مسلمانو! خدا کی راہ میں جنگ کرو مگر زیادتی نہ کرو بچوں اور عورتوں اور بڈھوں کو نہ مارو سبز درختوں کو نہ کاٹو عہد شکنی نہ کرو کس لئے کہ خدا تعالے کو زیادتی کرنے والے پسند نہیں۔ اور جب تم میں اور ان میں کوئی عہد قائم نہ ہو تو ان کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور جس طرح انھوں نے تم کو مکہ معظمہ سے باہر نکال دیا ہے تم بھی ان کو وہاں سے نکال دو اور یہ خیال نہ کرو کہ ہم نے ان کو مقام مقدس میں قتل کیا اور وہاں سے نکالا کیونکہ وہ وہاں فتنہ اور فساد کرتے ہیں اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے جس کا نتیجہ خرابی بلاد اور پریشانی عباد ہے۔ مگر مسجد الحرام کے پاس ان سے جنگ نہ کرو جب تک کہ وہ وہاں تم سے جنگ نہ کریں اور اگر وہ وہاں حرمت خانہ کعبہ کو ملحوظ نہ رکھیں اور تم سے جنگ کریں تو تم وہیں ان کو قتل کرو کس لئے کہ خدا تعالے کے دشمنوں کی یہی سزا ہے۔

اور جو وہ باز آجاویں اور توبہ کرلیں تو خدا تعالے بھی غفور رحیم ہے۔ اور کفار سے لڑتے رہو جب تک کہ دنیا میں فتنہ و فساد باقی نہ رہے اور احکام الٰہی پر بے روک ٹوک عمل درآمد ہونے لگے۔

## متعلقات

فتنہ کے لغوی معنے امتحان اور آزمائش کے ہیں اسی لئے نعمت اور مصیبت کو بھی فتنہ کہتے ہیں کہ اس حالت میں صبر و شکر کے بارہ میں آزمائش ہوتی ہے۔ مگر اس جگہ مراد ابن عباسؓ کے نزدیک کفر و شرک ہے کیونکہ اس سے زمین پر فساد اور خرابی پھیلتی ہے جس سے ظلم اور باہمی قتال و جدال پیدا ہوتا ہے جو موضع آزمائش ہے اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فساد اور ظلم وغیرہ قبائح ہیں اور شرک و کفر بھی اس میں شامل ہے۔

اس آیت میں خدا تعالے نے اولاً یوں فرمایا کہ جو تم سے لڑے تو تم بھی اس سے لڑو اور مسجد الحرام کے پاس حتی المقدور جنگ سے ادباً باز رہو گویا یہ جنگ بحالت مدافعت ہے مگر زمین کا ہر قسم کی برائی اور جور و ظلم سے پاک کرنا عالم بالا کا اصل منشا

* مکہ کے قریب ایک جگہ ہے ۱۲ منہ

تھا اور اس لئے خداتعالیٰ نے عرب کے ملک میں وہ نبی برپا کیا کہ جس کی اجمالی خبر کتب مقدسہ بالخصوص ۵۰ زبور[1] میں ہے اور جس کی معرفت زمین پر آسمانی سلطنت کا ظاہر ہونا مقدر تھا اور ان شریر لوگوں کی گوشمالی اور سزا علم الٰہی میں ٹھہر چکی تھی کہ جن سے توراۃ و دیگر صحائف[2] میں خطاب کرکے فرمایا گیا تھا کہ وہ بدوں کو بھوسی[3] کی طرح چھانٹے گا اور آتشی شریعت سے بت پرستی اور شرارت کو مٹا دے گا۔ اور یہ کام بعد موسیٰ علیہ السلام کے پورا پورا سرانجام پانا آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر مقدر تھا کہ آپ خداتعالیٰ کے نائب بن کر زمین پر ہر قسم کی نیکی پھیلا دیں۔

اسی لئے حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین للّٰہ فرما کر حکم دے دیا واقتلوھم حیث ثقفتموھم قرآن مجید میں یہ اول آیت ہے کہ جس میں جہاد و قتال کا حکم دیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے تو کفار قریش نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت ظلم و ستم کئے تھے یہاں تک کہ مکہ سے نکال دیا اور بہت لوگ ملکِ حبش میں چلے گئے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مسلمانوں کو ادائے فرض اور عبادتِ الٰہی سے روک دیا تھا ایسے وقت میں خداتعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد و قتال کی اجازت دی۔ مخالفین اسلام تعصب و عناد سے جہاد کے بارے میں یہ اعتراض کرکے اسلام پر دھبہ لگایا کرتے ہیں۔

مخالفین اسلام کے جہاد پر اعتراضات

(۱) یہ کہ بردباری اور فروتنی اور باہمی محبت اور عفو کا مسئلہ جو اور کتب انبیاء بالخصوص انجیل میں ہے (کہ جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو اس کی طرف دوسرا گال کر دے اور جو تیرے لئے برا چاہے تو اس کی بھلائی چاہ) قرآن و اسلام اس سے خالی ہے بلکہ برخلاف ہے۔

(۲) برخلاف تمام انبیاء سابقین کے لوگوں پر بزورِ شمشیر اسلام میں لانے کی تاکید ہے اور جو اسلام نہ لاوے اس کو بے رحمی سے قتل کرنا اور اس کی جورو اور معصوم بچوں کو لونڈی و غلام بنانا اور اس کے گھر بار کو لوٹنا عام دستور اہلِ اسلام کا ہے۔

(۳) اس جہاد کے مسئلہ نے مسلمانوں کو ہر ایک قسم کے ظلم و زیادتی کی غیر مذہب والوں کے ساتھ اجازت دیدی یہاں تک کہ جو مسلمان غیر مذہب بادشاہوں کے ملک میں امن پاکر رہتے اور ان کے سایۂ حفاظت میں پرورش پاتے ہیں ان کے ساتھ بدعہدی کرنا اور جس غیر مذہب والے پر قابو پانا اس کو مار ڈالنا اور بادشاہ کے ساتھ بغاوت کرنا بدخواہی کرنا اسلام میں باعثِ ثواب ہے حالانکہ یہ وہ باتیں ہیں کہ جن کو نہ الہام قبول کرتا ہے نہ عقل تسلیم کرتی ہے بلکہ یہ امور تمدن کے بھی صریح برخلاف ہیں پھر ایسی باتوں کے مروج کو کیونکر نبی کہا جاوے؟ اور اسی لئے اس وقت کے جس قدر روشن دماغ ہیں وہ بھی انتظام مملکت میں شریعت کو دخل نہیں دیتے اور جو اس پرانے وحشیانہ قانون پر چلتے ہیں تو ان کے ملک بھی برباد اور تنزل پذیر ہیں۔

مخالفین بالخصوص یورپ کے ملحد اور ان کے مرید مشنری ان اعتراضات پر بڑے نازاں ہیں (۱) واضح ہو کہ علم اخلاق کے احکام دو قسم ہیں ایک وہ کہ جن کی پابندی ہر شخص کے لئے

[1] ۵۰ زبور میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرکے لکھا ہے کہ اے پہلوان تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت اور بزرگواری ہے حمائل کرکے اپنی ران پر لٹکا ۱۲

[2] ہمارا بادشاہ آویگا اور چپ چاپ نہ رہیگا آگ اسکے آگے آگے فنا کرتی جائیگی اور اسکے گرداگرد شدت سے طوفان ہوگا وہ اوپر آسمان کو طلب کرتا اور زمین کو بھی تاکہ اپنے لوگوں کی عدالت کرے ۱۲ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسکے مطابق ہیبت اور شوکت سے ظہور ہوا اور دنیا میں کامل عدالت بھی کی ۱۲

[3] انجیل متی کے سوباب میں ہے کہ توبہ کرو کیونکہ آسمانی بادشاہت نزدیک ہے۔ (۱۱) وہ جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے زور آور ہے کہ میں اسکی جوتیاں اٹھانے کے قابل نہیں۔ اس کا چھاج اسکے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کریگا اور اپنے گیہوں کو کھتے میں جمع کریگا پھر بھوسی کو اس آگ میں جو کبھی نہیں بجھتی (دوزخ) میں جلا دیگا ۱۲ منہ

ضروری ہے دوسرے وہ کہ جن کی پابندی کے مستحق خاص خاص لوگ بوجہ حصول مزید درجات ہیں۔ عام لوگوں سے اُن پر عمل ہو نہیں سکتا۔ مثلاً جو کوئی کسی کو قتل کرے یا چوری یا غصب سے کسی کا مال لے لیوے یا اور کسی قسم کی تعدی کرے اس کا معاف کر دینا خاص لوگوں کا کام ہے لیکن کوئی شریعت اور کوئی نبی اس حکم کو عام نہیں کر سکتا کیونکہ اگر ایسا ہو تو دنیا میں ظلم و ستم کا دروازہ کھل جائے۔ کبھی ایسی باتوں پر عمل کیا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ مکارم اخلاق خاص لوگوں کا خاص وقت میں دستور العمل ہو سکتا ہے قانون عام نہیں ہو سکتا۔

**ہندو** اپنے مذہب کو بڑا ہی رحیم کہتے ہیں، آدمی تو کیا کسی جاندار کا قتل کرنا بھی روا نہیں رکھتے پھر کوئی دھرماتما ہندو یہ بتلا سکتا ہے کہ اس قانون کا فائدہ اور اقرار سوا اس کے کہ صرف زبانی جمع خرچ ہوا اور بھی کچھ کسی زمانہ میں ہوا ہے؟ جن زمانوں کو یہ ست جگ اور دواپر کہہ کے اُن کے متبرک ہونے پر بڑی خوشی ظاہر کرتے ہیں کیا اُن میں ان کے انہیں بزرگوں کے ہاتھوں سے کہ جن کے یہ معتقد ہیں سینکڑوں آدمیوں کی جانیں تلف نہیں ہوئیں؟ مہابھارت سے کوئی ہندو ناآشنا نہیں۔ اس سے بخوبی ثابت ہوا کہ ایسی عفو اور رحم دلی اور بُردباری کی باتیں جس مذہب میں ہیں وہ خاص لوگوں کے لئے ہیں نہ یہ کہ عموماً قوم کے لئے۔ **قرآن مجید** میں بھی یہ مکارم اخلاق بہت کچھ مذکور ہیں سورۂ حم سجدہ میں فرماتا ہے ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ۔ ادفع بالتی ہی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم وما یلقہا الا الذین صبروا وما یلقہا الا ذو حظ عظیم۔ بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں تو برائی کے جواب میں بھلائی کر پھر جو تیرا دشمن بھی ہے وہ بھی نہایت دوست ہو جائے گا یہ خصلت صابرین اور بڑے نصیبے والے کو نصیب ہوتی ہے۔ اب دیکھئے اس میں بلا لحاظ مومن و کافر ہم قوم و غیر قوم و بلا قید یگانہ و بیگانہ کس قدر رحم دلی و بُردباری اور عفو کی تعلیم ہے کہ جو دوسرے گال پھیر دینے کے اندر نہیں کیونکہ اس میں تو دشمن کے ساتھ بجائے صبر کے نیک سلوک کی بھی تعلیم ہے ایک جگہ فرماتا ہے ان اللہ یامر بالعدل والاحسان الآیۃ۔ خدا تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم عدل و انصاف کرو اور اسی پر بس نہ کرو بلکہ بلا قید مومن و کافر یگانہ و بیگانہ سب کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ پھر نیک سلوک میں کوئی قید نہیں بلکہ عام رکھا ہے ایک جگہ فرمایا ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملئکۃ والکتب والنبیین وآتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب۔ اس آیت میں بلا قید مومن و کافر اپنے بیگانوں سب کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم ہے ایک جگہ فرماتا ہے ولمن صبر وغفر ان ذلک لمن عزم الامور۔ اور اسی طرح بے شمار آیات ہیں اور احادیث صحیحہ اس بارے میں بکثرت ہیں علاوہ اس کے جناب پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحم دلی اور فروتنی اور بُردباری اور مخالفوں کے ساتھ قدرت پاکر نیک سلوک کرنا ضرب المثل ہو گیا ہے۔ ایسے صدہا واقعات فن سیرت میں موجود ہیں کہ جن سے ثابت ہے کہ اسلامی رحم دلی اور خود پیغمبر علیہ السلام کی نرم دلی بُردباری تواضع عفو کا کچھ انتہا نہ تھا۔ آپ کے جانشینوں کے اخلاق و عادات بھی باوجودیکہ وہ بڑی بڑی سرسبز اور عالیشان سلطنتوں کے مالک ہو گئے تھے نہایت رحیمانہ عفو و حلم کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی بے نظیر فتوحات کا جوان کو قرن اول میں نصیب ہوئیں یہ بھی ایک بڑا سبب تھا۔ الحاصل جس نے قرآن و احادیث کو پڑھا ہے وہ مکارم اخلاق سے جو اعلیٰ سے اعلیٰ پایہ پر ہو قرآن اور اسلام کو خالی رہنے کا الزام نہیں لگا سکتا مگر اس کے ساتھ قوانین معدلت اور سرکشوں اور گمراہوں اور گمراہ کنندوں کے سرنگوں کرنے کا مسئلہ بھی ضرور قرآن میں ہے جس کا سلسلہ انبیاء ہمیشہ سے خوشخبری دیتا آیا ہے اور جس کی بلحاظ ادا کرنے فرض منصبی مذہب کو از حد ضرورت ہے۔

(۲) اسلام میں کہیں بزور شمشیر مسلمان کرنے کا حکم بھی

نہیں چہ جائیکہ تاکید بلکہ اس کے برعکس حکم ہے تاکید نہیں بلکہ علانیہ لااکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ یعنی دین میں کسی پر کچھ زبردستی نہیں گمراہی اور ہدایت میں فرق ظاہر ہو گیا۔ اسلام کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ زبردستی مسلمان ہو جاوے۔ زنا شراب خواری قمار بازی وغیرہ رسوم کو کیوں بزور مٹایا اور کیوں بت پرستی کو جرم قرار دیا تو یہ محض بیہودہ اعتراض ہے کیا اس وقت کے روشن دماغ جرائم کو بزور نہیں مٹاتے ؟ اور بعد جنگ کے مخالفوں کے مال واسباب ضبط نہیں کرتے ان کو قید میں نہیں ڈالتے ؟ اسی طرح اسلام آسمانی باغیوں کے ساتھ کرتا ہے اور ان کو قید غلامی کی سزا دیتا ہے اگر اس پر اعتراض ہے تو پھر دیندار عیسائی انبیائے بنی اسرائیل پر بھی اعتراض کریں کہ جنہوں نے زن و بچہ بلکہ جانوروں تک بھی مخالفوں کا زندہ نہ چھوڑا تورات اور کتاب یوشع وغیرہ کو ملاحظہ فرمائے۔

(۳) اسلام نے غیر مذہب والوں کے ساتھ ظلم وزیادتی قتل و بدعہدی کی ہرگز اجازت نہیں دی نہ جس بادشاہ کے امن میں آرام پائیں اور فرائض مذہبی کو بہ آزادی ادا کریں اس کے ساتھ بدعہدی اور بدخواہی کی رخصت دی ہے بلکہ عہد پورا کرنے کی نہایت تاکید ہے والموفون بعہدہم ابھی آیت سابقہ میں آچکا ہے اور متعدد مواضع میں آیا ہے اور احادیث میں بکثرت وارد ہے۔ ہرقل شاہ روم اور دیگر مخالفین اسلام شاہوں کے ملک میں جب صحابہ تجارت یا کسی کام کو گئے انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا اور جو یہ اعتراض کرتا ہے وہ اسلام اور قرآن پر بہتان باندھتا ہے یا ناواقف ہے۔

اسلام صرف ان چند صورتوں میں جہاد کی اجازت دیتا ہے اور حسب ضرورت تاکید بھی فرماتا ہے۔ اول یہ کہ مخالفین اسلام مسلمانوں کے ملک اور معابد پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے حملہ آور ہوں اور مسلمانوں پر چڑھائی کریں جیسا کہ احزاب کا واقعہ۔ دوسرے یہ کہ کسی جگہ مسلمان اور کافر قدیم سے ملے جلے رہتے ہیں اور پھر کفار ان کو ادائے مراسم مذہبیہ سے منع کریں اور جلاوطنی پر مجبور کریں اور محض اسلام کی وجہ سے ظلم وتعدی کرنا شروع کریں جیسا کہ کفار قریش نے مکہ میں مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔ اس صورت میں اگر وہاں کے لوگوں کو مقابلہ کی طاقت نہیں تو اسلام کو مخفی نہ کریں اور مراسم اسلامیہ سے باز رہنا اختیار نہ کریں بلکہ وطن چھوڑ کر کسی دار اسلام میں چلے جاویں اور اس کو ہجرت کہتے ہیں یہ ایسی حالت میں فرض ہے جیسا کہ صحابہ رض اور خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا اس صورت میں باہر جا کر جمعیت بہم پہنچا کر ضرور مخالفین کو مغلوب کریں جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے آکر مکہ مکرمہ فتح کیا۔

**تیسری صورت** یہ ہے کہ مسلمان اپنی قوت وشوکت اور سامان حرب وقتال بہم پہنچا کر اپنے آس پاس کے بادشاہوں اور قریب وبعید کے ملکوں کو دین حق کی منادی کریں اور بت پرستی اور دیگر رسوم قبیحہ ترک کرنے اور امور فطرت کے اختیار کرنے کا حکم دیویں (کس لئے کہ دنیا میں خدا تعالیٰ نے راستی اور آسمانی سلطنت قائم کرنے کے لئے جناب نبی علیہ السلام کو بھیجا ہے جیسا کہ کتب مقدسہ سے بھی ثابت ہے اور آپ کے بعد الی یوم القیامۃ آپ کے جانشین اس کام پر مامور ہیں) اگر وہ لوگ امر حق اختیار کرلیں اور فساد سے باز آویں تو ان سے کچھ نہ کہیں ورنہ ان کو ماتحتی اسلام پر مجبور کریں اور اگر یہ بھی نہ مانیں تو اخیر درجہ جس طرح آج کل مہذب گورنمنٹیں دفع فساد کیلئے فوج کشی کرتی ہیں شاہ اسلام لشکر کشی کرے

۵ پیغمبر علیہ السلام اور اُن کے جانشینوں نے مصلحت ملکی و مذہبی کے لحاظ سے اس بات کی ضرور کوشش کی کہ غیر مذہب ہر عرب میں رہنے نہ پائے باہر چلا جائے اسکے سوا اور ممالک میں مسلمان اور مشرک وغیر مذاہب کے لوگ سلطنت کے مطیع ہو مساوی درجوں پر بود و باش کے مجاز تھے پر عرب سے باہر کرنے کو اگر کسی نے بزور شمشیر اسلام لانے پر مجبور کرنا سمجھ لیا ہے تو یہ اُس کی خوش فہمی ہے اسلام بے قصور ہے ۱۲ حقانی

جیساکہ شام و ایران وغیرہ بلاد پر صحابہؓ نے لشکرکشی کی
مگر لڑکے عورتوں بڈھوں کو نہ مارا کھیتیاں نہ اُجاڑیں۔
پس ان صورتوں میں جب کہ طرفین سے جنگ قائم ہوئی
ہے تو سوائے واغلظ علیہم اور واقتلوہم حیث وجدتموہم
کے اور کیا ہوتا ہے؟ جس قدر کفار پر سختی اور قتل میں سعی
کرنے اور ثابت قدم رہنے کی تاکید ہے سو وہ خاص ان صورتوں
میں ہے اور انھیں کے لئے قرآن میں جابجا تاکید ہے اور
انھیں میں مارے جانے سے شہادت ملتی ہے اور انھیں کے
اجر و ثواب قرآن مجید میں جابجا مذکور ہیں۔ باقی اور سب صورتوں
میں وہی رحم دلی اور عفو ورنہ عدل و انصاف۔ اب فرمایئے
کونسا اعتراض ہے؟

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ

حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا ہے، اور

الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰى

سب قابل تعظیم باتوں کا بدلہ ہے، پھر جو کوئی تم پر زیادتی کرے

عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى

تو تم بھی اس پر (اسی قدر) زیادتی کرو جس قدر کہ اس نے

عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

تم پر کی، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ خدا تعالیٰ

اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ

پرہیزگاروں کا ساتھی ہے، اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو

اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ

اور خود کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔

وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾ مع

اور نیکی سے پیش آؤ بیشک خدا تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

## ترکیب

الشہر الحرام مبتدا بالشہر الحرام ای مقابل بالشہر الحرام خبر والحرمات جمع حرمۃ ما منع من انتہا کہ والقصاص المساوات فمن اعتدٰی شرط فاعتدوا الخ جواب بمثل میں بعض

لہ اور جو نا انصاف یہود و نصاریٰ اب بھی اعتراض سے باز نہ آئیں اور مخالفانہ طور سے کہیں کہ قرآن نے ریلجس لبرٹی اور کانشنس کا ستیاناس کردیا اور مذہبی آزادی کو باقی نہ رکھا اور آسمانی حقوق کے لئے کیوں تلوار اُٹھائی اور کیوں کافروں پر قہر و غضب ظاہر کیا؟ تو اس سے پیشتر وہ بائبل اور اپنے دینی پیشواؤں پر بھی اعتراض جما دیں کہ جنھوں نے مذہبی جنگ قائم کی اور جنھوں نے کفار سے عہد باندھنے کی بھی سخت ممانعت کردی۔ چنانچہ توراۃ سفر خروج کے ۲۲ باب ۱۸ ودس میں ہے تو جادوگرنی کو جینے مت دے جو کوئی چارپائے سے مباشرت کرے مارا جائے جو کوئی خدا کے سوا اور معبود کے لئے قربانی کرے مارا جائے عذاب دے کر۔ پھر ۱۷ باب میں قوم عمالیق سے جنگ کی اور نسل در نسل ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ پھر ۲۳ باب میں خدا کا کفار سے دشمنی رکھنا اور تمام کفار کی ہلاکت کا وعدہ کرنا۔ اور ان سے معاہدہ کرنے کی سخت ممانعت مذکور ہے۔ پھر ۳۲ باب میں بسبب گوسالہ پرستی کے بھائی کو بھائی اور دوست کو دوست کے ہاتھ سے قتل کرنے کا حکم اور نیز ہزاروں کا قتل ہونا بھی مندرج ہے پھر کتاب استثنا کے باب ۲ میں حسبون کے بادشاہ اموری سے جنگ کرنے کا حکم ہے۔ پھر ۳ باب میں عوج کو اس کی تمام قوم سمیت قتل کرنا مذکور ہے جس میں ان کی عورتیں اور معصوم بچے بھی بحکم خدا قتل کئے گئے۔ اسی طرح سینکڑوں مقامات ہیں۔ پھر کتاب یشوع کو دیکھئے کہ اس میں کافروں کے ساتھ کیا بے رحمانہ برتاؤ لکھا ہے اور زن و مرد جانداروں تک کو نبی نے تہ تیغ بے دریغ کیا ہے۔ اب عیسائیوں کے بزرگوں کی طرف آیئے قسطنطین اعظم نے عیسوی چوتھی صدی میں مذہبی قتل عام کیا پھر ایرین چرچ نے مقلدین اتنانسیس کو کس بے رحمی سے افریقہ میں قتل کیا اور روسی چرچ نے جرمن و برطانیہ و فرانس میں اور اٹلی کے شمال میں الپس کے پہاڑوں میں دریائے خون خاص مذہب کے لئے بہائے آسٹریا میں تیس برس تک مذہبی جنگ رہی بلکہ فرانس میں چارلس نہم عیسائی نے تین لاکھ پراٹسٹنٹ کو بے رحمی سے قتل کیا بلکہ کوئن میری اور لوئیس چہار دہم نے کیسا قتل عام مذہب کے لئے کیا اور ہنری ششم شاہ انگلستان نے کاتھولک لوگوں کو قتل کرکے پراٹسٹنٹ مذہب پھیلایا پھر انگلستان میں ایک سو تیس برس تک پراٹسٹنٹوں نے اپنا مذہب جاری کرنے کے لئے کیسے کیسے ظلم و ستم کئے۔ پھر جان کالون نے شاہ سرویٹس کو ترغیب دی کہ جو ہمارے مذہب کو نہ مانے قتل کیا جاوے۔ پھر اسپین میں مسلمانوں پر پادریوں نے کیا کچھ جور و ستم نہ کئے۔ ہندوؤں میں ویدیوں اور بدھ مذہب والوں میں (باقی صفحہ ۵۵۴ پر)

کہتے ہیں ب زائد ہے بعض کہتے ہیں بلکہ فعل سے متعلق ہے تہلکۃ۔ تفعلۃ من الہلاک۔

## تفسیر

عرب میں قدیم سے دستور تھا کہ ذی القعدہ اور ذی الحجہ وغیرہا چند مہینوں کی نہایت تعظیم و حرمت کرتے تھے ان مہینوں میں باہمی قتال وجدال کو بھی سخت مکروہ جان کر ترک کرتے تھے اور اسی لئے ان مہینوں کو اشہر الحرام کہتے تھے پس جب کہ مسلمانوں کو کفار سے لڑنے کی اجازت ہوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مع لشکر ہجرت کے ساتویں سال ذی القعدہ میں مکہ مکرمہ حج وغیرہ کے لئے چلے اور سال گزشتہ میں بمقام حدیبیہ کفار نے روک دیا تھا تو صحابہ رضؓ کو جنگ کا یقین ہوگیا مگر شہر حرام کی وجہ سے دل میں خیال پیدا ہوا اس لئے اس آیت کو خدا تعالےٰ نے نازل فرما کر شبہ حل کر دیا کہ جس طرح انھوں نے شہر حرام میں اگلے سال تم کو روک دیا تھا اسی طرح تم بھی اس سال شہر حرام میں ان پر چڑھے دونوں برابر ہو گئے۔ (ابن عباس رضؓ)

یا یوں کہو اگر وہ شہر حرام کا اور حُرمات یعنی تعظیم کی چیزوں کا (جیسا کہ مہینہ حج اور شہر مکہ اور مسجد حرام) لحاظ اور ادب کریں اور تم سے نہ لڑیں تو تم بھی لحاظ و ادب کر کے اُن سے نہ لڑو۔ خلاصہ یہ کہ ان دنوں میں اور ان مقامات میں تم پیش دستی نہ کرو ہاں اگر وہ ابتدا کریں تو تم بھی اُن پر اسی قدر تعدی کرو لیکن حد سے زیادہ نہ کرو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کو خوب سمجھ رکھو کہ خدا تعالےٰ پرہیزگاروں کا ساتھی ہے اگر تم پرہیزگاری کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوگا تم فتح پاؤ گے۔ پھر دفع شر و فساد کے لئے جہاد کا حکم دیا تو اُس کے ساز و سامان بہم پہنچانے کا بھی حکم دیا کہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں مال صرف کرو اور اگر ایسا نہ کرو گے تو تمہارے دشمن تم پر غالب آجاویں گے اس صورت میں گویا تم نے آپ اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالا سو ایسا نہ کرو۔ یا یہ معنی کہ خدا تعالےٰ کی راہ میں صرف کرو نہ ایسا کہ بالکل محتاج ہو جاؤ اور ہلاکت میں پڑ جاؤ یا یہ معنی کہ گو ہم نے جہاد کا حکم دیا ہے مگر بغیر ساز و سامان یوں ہی اپنے سے قوی تر لوگوں سے لڑ کر نہ مر جاؤ کیونکہ اس سے مقصودِ شرع جو دفع فساد ہے حاصل نہیں ہوتا۔ ایک سور ما کیا کر سکتا ہے! جہاد کے حکم کو احسان کے ساتھ ختم کیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ قتال و جہاد اپنے موقع پر ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ ہمہ وقت خونخوار بنے رہو بلکہ نیکی اور احسان کی عادت پیدا کرو۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ

اور حج اور عمرہ اللہ تعالےٰ کے لئے پورا کرو۔ پس اگر تم روکے

أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ

جاؤ (راستہ میں) تو جو کچھ قربانی میسر آئے (ذبح کردو)

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ

اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ

(بقیہ حاشیہ ۵۵۵) سالہا سال تک کیسے کیسے قتل عام ہوتے؛ پس اگر مذہبی آزادی خدائی حکم ہے تو یہ ان رحم دل لوگوں نے کیوں کیا؟ اور اب روشن دماغ گورنمنٹیں دنیاوی حقوق کے لئے اور محض انسانی آزادی مٹانے اور بنی نوع کو غلامی کی قید میں لانے کے لئے کیسی کیسی خونریزی کیا کرتی ہیں اور کیسے کیسے مکر و فریب اور بدعہدی و بے رحمی کا استعمال کرتی ہیں جو انسانی سیرت کے لئے بڑا بدنما دھبہ ہے ۱۲ حقانی

۵ یعنی اگر وہ حرمت والے قابلِ تعظیم مہینے کا لحاظ اور پاس کریں تو اسلام کی طرف سے بھی ادب اور لحاظ ہے قتال ممنوع ہے اسی طرح اور جس قدر قابلِ تعظیم چیزیں ہیں جیسا کہ حرم اور مسجد الحرام ان کا بھی اگر وہ ادب ملحوظ رکھیں اور قتال وجدال نہ کریں تو مسلمانوں کو بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے اور اگر وہ ادب نہ کریں تو اس مہینے اور ان قابلِ تعظیم چیزوں کو آڑ بنا کر مسلمانوں پر ظلم اور قتال کا وہ موقعہ حاصل نہیں کر سکتے ۱۲ منہ۔ حُرمت والا مہینہ حج کا مہینہ ہے اس کی تعظیم ایام جاہلیت میں بھی عرب کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دین کی یہ بات ان میں باقی تھی ۱۲ منہ

الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ

بر پہنچ جائے　　پس جو کوئی تم میں سے بیمار

مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ

ہو جائے　یا اس کے سر میں کوئی بیماری ہو (اور وہ سر منڈا دے)

فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ

تو اس کے بدلہ میں روزے　یا صدقہ　یا قربانی　لازم

نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۟ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ

ہے　پھر جب تم امن کی حالت میں ہو جاؤ تو جو کوئی عمرہ کو

اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

حج سے ملا کر فائدہ اٹھائے تو اس کو جو کچھ میسر ہو قربانی کرنی چاہیئے

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي

اور جو (قربانی) نہ پائے تو اس کو تین روزے ایام حج میں رکھنے چاہئیں

الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ

اور سات جبکہ (وطن میں) واپس آؤ　یہ پورے

عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ

دس　ہو گئے　یہ اس کے لئے ہے کہ جس کا

اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَ

گھر بار　مکہ　میں　نہ ہو　اور

اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ سخت　عذاب کرنے

الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

والا　بھی　ہے۔

۲۴ ع ۸ ۸

## ترکیب

اتموا امر انتم اس کا فاعل الحج والعمرة مفعول للّٰہ کا لام متعلق ہے اتموا سے فان احصرتم شرط فما استیسر موضع رفع میں ہے بسبب ابتدا کے اور خبر محذوف ہے ای فعلیکم یہ تمام جملہ جواب شرط ہے محلہ ظرف مکان اور زمان دونوں ہو سکتا ہے۔ فمن کان الخ شرط ففدیة الخ جملہ جواب فاذا موضع نصب میں ہے فمن تمتع شرط موضع ابتدا میں فما استیسر جواب پس فمن اور اس کا جواب جملہ شرطیہ جواب ہے اذا کا فمن شرط فصیام الخ جملہ جواب۔

## تفسیر

اگلی آیت میں جہاد و قتال کا حکم نازل ہوا تھا تو اس کی شان نزول میں آپ جان چکے ہیں کہ یہ حکم جب نازل ہوا تھا کہ جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام حج و عمرہ کے لئے مکہ میں آنا چاہتے تھے کفار نے بمقام حدیبیہ آپؐ کو روک دیا تھا۔ پھر اگلے سال آپؐ نے عمرہ ادا کیا پس چونکہ حج و عمرہ کا بیان تھا تو اس کے مانع کو دفع کرنے کے بعد احکام حج و عمرہ کا بیان شروع فرمایا کس لئے کہ یہ بھی ایک بڑی عمدہ عبادت ہے چنانچہ اس کے اسرار اور فوائد ہم آگے چل کر بیان کرتے ہیں انشاء اللہ حج و عمرہ کے بارے میں یہ سب سے اول آیت ہے اور پھر دیگر مقامات میں بھی اس کے احکام بیان ہوئے ہیں چنانچہ اس سورۃ میں اسی مقام پر اور پھر آل عمران میں ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین فیہ آیت بینت مقام ابراہیم۔ ومن دخلہ کان آمنا وللّٰہ علی الناس حج الخ اس آیت میں حج کی فرضیت ہے۔ پھر سورۃ مائدہ کے اول میں فرماتا ہے احلت لکم بھیمۃ الانعام الآیۃ کہ تمہارے لئے وہ مواشی حلال کئے گئے کہ جو حرام ہونے سے مستثنیٰ ہیں مگر حالت احرام میں شکار نہ کرو اور خدا تعالیٰ کی نشانیوں اور ہدی اور قلادہ پڑی ہوئی قربانیوں کو اور حج کرنے والوں کو بے حرمت نہ کرو۔ پھر سورۃ مائدہ کے تیرھویں رکوع میں یہ فرماتا ہے یا ایھا الذین آمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم ؕ ومن قتلہ منکم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم بہ ذوا عدل منکم ھدیا بالغ الکعبۃ او کفارۃ طعام مسٰکین او عدل ذٰلک صیاما لیذوق وبال امرہ ؕ عفا اللّٰہ عما سلف ؕ ومن عاد فینتقم اللّٰہ منہ ؕ واللّٰہ عزیز ذو انتقام ۝ احل لکم صید البحر وطعامہ متاعا لکم وللسیارۃ ۚ وحرم علیکم صید البر ما دمتم حرما ؕ

والتقوا اللہ الذی الیہ تحشرون ○ جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس والشہر الحرام والہدی والقلائد الآیۃ۔ اس آیت میں احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت ہے اور جو کوئی شکار کرے تو اس کے بالعوض اور جانور ویسا ہی کعبہ کو قربانی کے لئے بھیجے یا مسکین کو کھانا کھلاوے ورنہ روزہ رکھے۔ اور دریائی جانوروں کے شکار کی اجازت دیتا ہے۔ اور یہ بتلاتا ہے کہ کعبہ بیت الحرام ہمیں نے بنایا ہے اور ہدی اور قلادہ پڑی ہوئی قربانیاں جو کعبہ جاکر ذبح ہوتی ہیں اور حرمت کا مہینہ ہمارے حکم سے مقرر ہوا ہے۔ پھر سورۂ حج کے ستر ہویں پارہ کو حج میں حج اور قربانی اور خانۂ کعبہ کی نسبت یہ ارشاد ہے۔ واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالاً وعلیٰ کل ضامر یاتین من کل فج عمیق ○ لیشہدوا منافع لہم ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علیٰ ما رزقہم من بہیمۃ الانعام فکلوا منہا واطعموا البائس الفقیر ○ ثم لیقضوا تفثہم ولیوفوا نذورہم ولیطوفوا بالبیت العتیق ○ ذٰلک ومن یعظم حرمات اللہ فہو خیر لہ عند ربہ واحلت لکم الانعام الا ما یتلیٰ علیکم الآیۃ۔ لکم فیہا منافع الیٰ اجل مسمیٰ ثم محلہا الیٰ البیت العتیق ○ والبدن جعلنٰہا لکم من شعائر اللہ لکم فیہا خیر فاذکروا اسم اللہ علیہا صواف ج فاذا وجبت جنوبہا فکلوا منہا واطعموا القانع والمعتر۔ کذٰلک سخرنٰہا لکم لعلکم تشکرون ○ لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤہا ولٰکن ینالہ التقویٰ منکم۔ کذٰلک سخرہا لکم لتکبروا اللہ علیٰ ما ہدٰکم وبشر المحسنین ○ ان آیات میں خدا تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا کہ لوگوں میں حج کا اعلان دیدو پھر تمہارے پاس ہر جانب سے لوگ حاضر ہوں گے۔ (چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے عرفات کی ایک پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی) تاکہ وہ اپنے منافع دنیا و آخرت دیکھیں اور ایام تشریق تک خدا تعالیٰ کے لئے تکبیر کہیں کہ اس نے ان کے لئے چارپائے بنائے۔ ان چارپایوں کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی دو پھر اس قربانی کے بعد (جو دسویں تاریخ منیٰ میں ہوتی ہے) اپنا احرام کھول کر میل کچیل دور کرو اور اپنی نذریں پوری کرو (قربانی مانی ہو تو جانور قربانی کرو) اور کعبہ کا طواف کرو (اس کو طواف زیارت کہتے ہیں) الخ۔ ہم نے تمہارے لئے مواشی میں منافع رکھے ہیں ان سے ہر طرح کا کام لو پھر اخیر یہ کہ اس کو کعبہ کی قربانی کے لئے بھیجتے ہیں الخ۔ اور اونٹوں میں ہم نے تمہارے لئے بہتیرے اور فوائد رکھے ہیں وہ ہماری قدرت کا نمونہ ہیں اس کے پاؤں باندھ کر تکبیر کہو پھر جب وہ زمین پر گر پڑے تو اس کو خود بھی کھاؤ اور محتاج بے سوال کو اور سوالی کو بھی دو الخ۔ اور خدا تعالیٰ کے پاس نہ اس کا خون جاتا ہے نہ گوشت بلکہ صرف تمہارا التقویٰ۔

اب ہم آپ کو سورۂ بقرہ کی اس آیت کا جس کی ہم تفسیر لکھ رہے ہیں بیشتر صاف صاف مطلب سمجھاتے ہیں پھر اور ابحاث شروع کرتے ہیں، فرماتا ہے اے مسلمانو! خدا تعالیٰ کے لئے حج و عمرہ پورا کرو یعنی شروع کرکے ناتمام نہ چھوڑو اور ان کے شروط وارکان میں بھی کچھ کمی نہ کرو اور نیت بھی اسی کے لئے کرو اور جو احرام باندھنے کے بعد راستہ میں روکے جاؤ خواہ بسبب مرض کے یا بسبب دشمن کے جیسا کہ اس زمانہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو بمقام حدیبیہ قریش نے روک دیا تھا یا کوئی اور سبب پیش آوے جیسا کہ دریائی سفر میں جہاز والوں کو پیش آتا ہے ان صورتوں میں ایک قربانی خواہ بکری خواہ اونٹ جو میسر آوے کعبہ کو بھیج دو۔ جب جانور کہ وہاں ذبح ہوگیا تو احرام کھول دو اور سر منڈالو اس حج و عمرہ کو آئندہ برسوں میں ادا کر دو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قربانی کو ذبح وہیں کرے جہاں وہ روکا گیا ہے اور احرام کھول دے کیونکہ محل کے معنی ان کے نزدیک یہی ہیں۔ اور جو بعد احرام کے کوئی مرض لاحق ہو یا سر میں جوئیں اس طرح سے پڑ جائیں کہ بہت تکلیف ہو یا اور کوئی وجہ ایسی پیش آوے کہ جس میں سر منڈانے کی ضرورت پڑے تو سر منڈا دے لیکن اس کے بدلہ میں قربانی کرے[1] ورنہ مساکین کو کھانا کھلاوے اور جو مقدور نہ ہو

[1] اگرچہ آیت میں روزہ اور طعام مساکین کی کچھ تشریح نہیں مگر حدیث (باقی صفحہ آیندہ)

تو روزہ رکھ لے اور جو کوئی حج کو عمرہ کے ساتھ ملائے تو اُس کو جو قربانی میسر آئے ذبح کرنی چاہیئے اور جس کو مقدور نہ ہو تو وہ اُس کے بدلہ میں دس روزے رکھ لے تین تو ایام حج میں دسویں تاریخ تک اور سات حج سے فارغ ہو کر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سات روزے اپنے گھر جاکر رکھے اذا رجعتم کے اُن کے نزدیک یہی معنی ہیں۔ یہ یعنی حج کا عمرہ سے ملانا اُس کو درست ہے کہ جو مکہ مکرمہ یا میقات کے اندر کا رہنے والا نہ ہو بلکہ باہر کا رہنے والا ہو کس لئے کہ اہلِ مکہ یا جو اُس کے آس پاس رہتے ہیں پھر جب چاہیں عمرہ جداگانہ کر سکتے ہیں ایام حج میں اُس کو ساتھ ملانے کی کیا ضرورت ؟ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ذٰلک یعنی یہ قربانی یا اُس کے بدلہ میں روزہ رکھنے کا حکم اُس کے لئے ہے کہ جو اہلِ مکہ نہ ہو یا اُس کے آس پاس کا نہ ہو کیونکہ یہاں کے لوگوں پر تمتع میں نہ قربانی لازم ہے نہ روزہ پس ذٰلک کا اشارہ اس کی طرف ہوا۔ یہ آیت کا خلاصہ مطلب ہوا اس میں یہ چار حکم تھے۔

## متعلّقات

واتموا الحج والعمرۃ حج لغت میں قصد کرنے کو کہتے ہیں اور حجۃ بالکسر برس کو ثمانیۃ حجج، اور شرع میں افعالِ مخصوصہ کو کہتے ہیں جس میں ارکان اور واجبات اور مستحبات ہیں جن کی تشریح ہم سب آیاتِ حج کے بعد کریں گے۔

عمرہ صرف طوافِ کعبہ اور سعی بین الصفا والمروہ کا نام ہے یعنی حل سے احرام باندھ کر طواف اور سعی کرنا پھر سر منڈا کر احرام کھولنا۔ اور عمرہ میں یہ قید نہیں کہ حج کے ایام میں ہو بلکہ تمام سال عمرہ جائز ہے البتہ عرفہ کے دن اور دسویں تاریخ اور ایام تشریق میں مکروہ ہے۔ اتموا کے معنے یہ ہیں کہ جس نے حج و عمرہ شروع کیا ہو تو اُس کو پورا کرنا چاہیئے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ابتداءً حج و عمرہ کرنا مراد ہے۔ دلائل فریقین اُن کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ثمرۂ اختلاف یہ ہوا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک حج و عمرہ دونوں واجب ہیں۔ حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک حج واجب ہے وللہ علی الناس حج البیت الآیۃ سے، اور عمرہ سنت ہے فان احصرتم فما استیسر من الہدی۔ حصر کے معنے رُکنے اور بند ہو جانے کے ہیں عام ہے کہ مرض کی وجہ سے راستہ میں حاجی احرام باندھنے کے بعد رُک جائے جیساکہ ابو عبیدہ اور ابن السکیت اور زجاج وغیرہم اہلِ لغت کہتے ہیں اور خواہ کسی دشمن نے روک دیا ہو امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ دشمن نے اُس کو روکا ہو کیونکہ احصار سے مراد یہاں یہی ہے۔ الہدی جمع ہدیۃ کما تقول تمر و تمرۃ لیکن اہلِ حجاز اس کو بغیر تشدید اور بنو تمیم بالتشدید پڑھتے ہیں۔ ہدی میں اعلیٰ اونٹ اور ادنیٰ درجہ میں بکری ہے۔ حتی یبلغ الہدی محلّہٗ محل ظرف زمان و مکان دونوں کے لئے آتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں یہاں مراد مکان ہے یعنی حرم اور امام شافعیؒ کہتے ہیں زمان، خواہ حرم میں ذبح کی جائے خواہ حلّ[1] میں۔

پس آیت کا مطلب امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ ہوا کہ جو کوئی احرام باندھنے کے بعد دشمن یا مرض سے راستہ میں رُک جاوے اور حج کو نہ آسکے تو اُس کو لازم ہے کہ ایک قربانی (ہدی) مکہ کو روانہ کر دے جب جانے کہ وہاں پہنچ گئی اور ذبح ہو گئی تو سر منڈا کر احرام کھول دے اس کی قضا پھر ادا کرے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس کو دشمن کی وجہ سے یہ حالت پیش

(بقیہ حاشیہ ۵۵۸) کعب بن عجرہ میں کہ جس کو اہلِ صحاح ستہ نے روایت کیا ہے تصریح آگئی ہے وہ یہ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کعب کے پاس سے گزرے اور وہ احرام باندھے ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہا تھا اور سر میں سے جوئیں گر رہی تھیں آپ نے فرمایا کیا تجھ کو یہ تکلیف دے رہی ہیں؟ عرض کیا ہاں، فرمایا اچھا تو سر منڈا دے اور تین روزے رکھ لے ورنہ تین صاع کا ایک فرق یعنی ٹوکرا چھواروں کا چھ مسکینوں کو دے ورنہ ایک بکری ذبح کر دے۔ ان تینوں میں اختیار ہے جو چاہے کرے۔ منہ

[1] مکہ مکرمہ کے آس پاس کو حرم کہتے ہیں کہ وہاں شکار کھیلنا درخت کاٹنا حرام ہے اور اُس کے علاوہ سب کو حل کہتے ہیں اور کبھی حرم سے خاص خانۂ کعبہ اور اُس کے مکانات مراد ہوتے ہیں یعنی مسجد الحرام ۱۲ منہ

آئے تو جہاں رُک گیا ہے وہیں قربانی ذبح کر کے احرام کھول دے اور آیندہ قضا پوری کرے۔ ہدی کو حرم میں بھیجنا کچھ ضروری نہیں۔ اور جو وقت پر ہدی میسّر نہ آوے تو قیمت ہدی مساکین کو دینا کافی ہے جیساکہ امام احمدؒ وغیرہ فرما ہیں۔ فمن کان منکم مریضاً جمہور مفسّرین کے نزدیک یہ جُدا جملہ ہے جس کا حکم محصر وغیرہ سب کو شامل ہے اسی طرح بعد احرام کے جو کسی کو مرض کی وجہ سے خوشبو لگانے یا احرام کے برخلاف کپڑوں کے پہننے کی ضرورت پڑے اُس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کے فدیہ میں قربانی کرے یا کھانا کھلاوے یا تین روزہ رکھے۔ سر میں جوئیں یا مرض کی صورت میں سر مُنڈانے کا فدیہ دینے کی اجازت پر یہ بھی قیاس کئے گئے ہیں۔ فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج۔ واضح ہو کہ حج کی تین قسم ہیں۔

اوّل افراد یعنی ایام حج میں مواقیت یا حل سے صرف حج کی نیت کر کے احرام باندھے اور مکہ میں پہنچ کر پہلے طواف قدوم کرے یعنی سات بار کعبہ کے گرد پھرے اور فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے متصل دو رکعت نماز پڑھ کر صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے اور پھر احرام نہ کھولے یہاں تک کہ آٹھویں تاریخ ذی الحجہ کو مقام منیٰ میں شب باش ہووے اور پھر نویں کی صبح کو مقام عرفات جاوے اور شام تک وہاں رہے اور بعد غروب کے وہاں سے چل کر مزدلفہ میں آرہے اور بڑے تڑکے اٹھ کر دسویں کو پھر منیٰ میں آوے اور تینوں جمروں میں سے پہلے اُس جمرہ کو کہ جو مکہ مکرمہ کی طرف ہے سات کنکریاں مار کر قربانی کرے اور سر منڈا کر احرام کھول دے اور عورتیں کسی قدر سر کی لٹ کتریں اس کے بعد سوائے جماع کے سب باتیں حلال ہوگئیں۔ پھر اُس روز یا اگلے روز یا تیسرے روز کعبہ کا جا کر طواف کرے اور اُس کو طواف زیارت کہتے ہیں اب اس کو جماع بھی حلال ہوگیا اگر اُسی روز طواف زیارت کو گیا تھا تو لوٹ کر پھر منیٰ جاوے اور اوّل مرتبہ دو روز تک بعد زوال آفتاب تینوں جمروں کو سات سات کنکریاں مارے اور اب شروع اُس سے کرے کہ جو عرفات کی جانب ہے،

بس حج تمام ہوگیا۔

دوئم قران یہ کہ حج و عمرہ دونوں کی نیت کرے اور مکہ میں آکر پیشتر عمرہ کرلے مگر احرام نہ کھولے اور پھر آٹھویں تاریخ حج کے افعال شروع کرے باقی سب باتیں وہی ہیں مگر اس پر نویں تاریخ قربانی واجب ہے اور اس قربانی کو دم قران کہتے ہیں اور جو مقدور نہ ہو تو دس روزے رکھے تین نویں تک اور سات حج سے فارغ ہو کر۔

سوم تمتع کہ حج و عمرہ دونوں کی جداگانہ نیت کرے اور پہلے عمرہ تمام کر کے احرام کھول دے پھر آٹھویں تاریخ کو کہ جس کو یوم الترویہ کہتے ہیں مسجد الحرام یا حرم کی عام جگہ سے احرام باندھ کے حج کے تمام افعال ادا کرے اور اس کو بھی نویں تاریخ قربانی کرنی واجب ہے اور جو مقدور نہ ہو تو دس روزے رکھے۔ فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ حج اور عمرہ دونوں سے ثواب حاصل کرنے والوں کو قربانی اور روزے کا حکم دیتا ہے یہ قران اور تمتع دونوں کو شامل ہے اونٹ سے لے کر گائے بیل دُنبہ بکری جو میسّر آئے اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کرے بمقام منیٰ۔ حاضری المسجد الحرام سے مراد امام مالکؒ کے نزدیک خاص اہل مکہ ہیں اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جو مسافت قصر نماز کے اندر ہیں وہ بھی مسجد الحرام کے حاضرین میں شمار ہیں اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں بلکہ وہ لوگ کہ جو مواقیت کے اندر رہتے ہیں واللہ اعلم۔ تلک عشرۃ کاملۃ اس لئے فرمایا کہ وسبعۃ اذا رجعتم سے یہ نہ سمجھ لے کہ و جمع کے لئے نہیں بلکہ تخییر کے لئے جیساکہ مثنیٰ و ثلث و رباع میں ہے کہ خواہ کوئی تین روز ایام حج میں روزہ رکھ لے یا سات بعد حج کے رکھ لے پس جب تلک عشرۃ کاملۃ کہا کہ یہ پورے دس ہوتے تو یہ احتمال جاتا رہا کس لئے کہ جب تک سات کو تین کے ساتھ ملایا نہ جاوے گنتی میں دس پورے نہیں ہوتے اس کے علاوہ اور بھی اس میں حکمتیں ہیں اب ہم دوسری آیت حج کی تفسیر کرتے ہیں تاکہ پھر سب کے بعد مجموعہ حج کی صورت بیان کر کے اسرار بیان کریں۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ

حج کے معلوم مہینے ہیں، پس جو کوئی ان میں حج

فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ

کا قصد کرے تو (احرام باندھنے کے بعد سے اخیر حج تک) نہ اس کو فحش

وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ

بات کرنی چاہیے نہ بدکاری نہ حج میں لڑائی کرنی چاہیے، اور جو کچھ نیکی کروگے تو

خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ

خدا تعالیٰ کو معلوم ہو جائے گی، اور (حج میں) توشہ بھی ساتھ لیا کرو کہ بہتر

خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي

توشہ تو پرہیزگاری ہے، اور اے عقلمندو! مجھ ہی سے ڈرا کرو (دیگر

الْاَلْبَابِ ۱۹۷ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ

پرہیزگاری اور عمدہ توشہ ہے) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ (ایام حج میں) اپنے

تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَاۤ

پروردگار کا فضل (یعنی روزی) تلاش کرو، پھر جب تم

اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

عرفات سے پھرو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ص وَاذْكُرُوْهُ

مشعر الحرام کے پاس، اور اس کی یاد اس طرح کرو

كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ

کہ جس طرح اس نے تم کو بتائی ہے، اور اس سے پہلے تو تم گمراہوں

لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۱۹۸ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ

میں سے تھے، پھر تم بھی وہیں سے لوٹ کر آیا کرو کہ

حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا

جہاں سے سب لوٹ کر آتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے بخشش مانگو

اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۱۹۹

بے شک وہ غفور رحیم ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا

پھر جب تم ارکان حج سے فارغ ہو چکو تو اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد

اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ط

کرو کہ جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے ہو یا اس سے بھی بڑھ کر،

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا

پھر بعض تو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو تو جو کچھ

فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ

دینا ہے دنیا ہی میں دے چک حالانکہ ان کے لئے آخرت میں

خَلَاقٍ ۲۰۰ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا

کچھ بھی حصہ نہیں، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو

فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً

دنیا میں بھی بہتری دے اور آخرت میں بھی نعمت عطا کر

وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۲۰۱ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

اور ہم کو آتش دوزخ کے عذاب سے بچا، یہی ہیں وہ لوگ کہ جن کو

نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ

ان کی کمائی کا حصہ ملنا ہے، اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے

الْحِسَابِ ۲۰۲ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْۤ اَيَّامٍ

والا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو گنتی کے دنوں میں یاد کیا کرو (ایام تشریق)

مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ

تکبیر کہا کرو، پھر جس نے کوچ کرنے میں جلدی کی دو دن کے اندر

فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثْمَ

تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں، اور جس نے تاخیر کی تو اس پر بھی کچھ گناہ

عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا

نہیں، یہ خدا تعالیٰ سے ڈرنے والے کے لئے ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو

اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۲۰۳

کہ تم سب اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے،

النصف

۳۶

لہ کہ سے عرفات کا میدان جہاں کہ نویں ذی الحجہ میں جانا اور دعا کرنا حج میں فرض ہے تقریباً سات میل شمال مشرق کے رخ ہے ایام جاہلیت میں قریش اس خیال سے کہ ہم کعبہ کے خادم ہیں وہاں تک نہیں جاتے تھے رستہ ہی سے واپس آجاتے تھے اس بات کو اس آیت میں منع کر کے حکم دیتا ہے کہ شب کو عرفات میں ٹھہر کر وہاں سے مزدلفہ اور منیٰ اور مکہ کی طرف واپس آنا چاہیے ۱۲ منہ

# ترکیب

الحج مبتدا اشہر معلومات خبر والتقدیر الحج اشہر ویکن ان یقال اشہر الحج اشہر۔ فمن فرض مبتدا متضمن شرط فلارفث والعائد محذوف ای فلارفث ولافسوق بعدہ وماتفعلوا الخ قدمرترکیبہ فی ماننسخ من آیۃ الخ۔ ان تبتغوا موضع نصب میں ہے علی تقدیر فی ان تبتغوا اور ممکن ہے کہ موضع رفع میں ہو جناح کی صفت ہوکر۔ من ربکم متعلق ہے تبتغوا سے پس مفعول بہ ہوگا اور فضل کی صفت بھی ہوسکتا ہے فاذا شرط فاذکروا اللہ الخ جملہ جواب عند المشعر الحرام ظرف ہے اذکروا کا کما ہدٰکم کا کاف موضع نصب میں ہے نعت ہے مصدر محذوف کی اور ممکن ہے کہ کاف بمعنی علیٰ ہو تقدیرہٗ فاذکروا اللہ علےٰ ماہدٰکم۔ وان کنتم میں ان مخففہ ہے مثقلہ سے والتقدیر انہ کنتم من قبلہ ضالین۔ او اس جگہ تخییر یا اباحت کے لئے ہے۔ اشد ذکرًا میں اگرچہ لوگوں نے بہت قیل وقال کی ہے مگر صاف قول یہ ہے کہ اشد منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے اور یہ حال ذکرًا سے ہے اور ممکن ہے کہ اس کی صفت ہو اور ذکرًا تمیز ہے اشد کی۔ یہاں ایک اشکال ہے اور اس کا جواب ہے جس کا ذکر باعث تکدر فہم سامع ہے۔

# تفسیر

یعنی حج کے چند مہینے مقرر ہیں شوال، ذی القعدہ، دس دن ذی الحجہ کے پس جو کوئی ان دنوں میں حج کرنے کے لئے احرام باندھے تو اس کے بعد نہ اپنی بیوی سے اختلاط کرے اور نہ کوئی بات فحش اور نہ شہوت انگیز کام کرے اور نہ کسی سے لڑائی تکرار کرے اور جو کچھ نیکی ہوسکے نہایت کوشش کرکے عمل میں لاوے کس لئے کہ ایام تقرب ہیں۔ ملأ اعلےٰ کو ان ایام میں بندہ کی طرف نہایت التفات ہوتا ہے یعلمہ اللہ اس کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ حج میں جس طرح سفر ظاہری اور ایک دن ایک جگہ اجتماع عام ہوتا ہے اس سے سفر آخرت اور وہاں قیامت کے روز خدا تعالیٰ کے پاس جمع ہونے کی طرف اشارہ ہے[1] پس اس سفر کے لئے بھی توشہ لو اور عمدہ توشہ پرہیزگاری ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ سفر حج کے لئے کچھ زادراہ لے کر چلا کرو اور اس قدر زادراہ بہتر ہے کہ جس سے سوال سے بچو۔ چنانچہ اس کے شان نزول میں منقول ہے کہ یمن کے لوگ بغیر زادراہ سفر حج کرتے تھے اور خرچ ساتھ لینا مکروہ جانتے تھے پھر لوگوں سے سوال کرکے حاجیوں کو دق کرتے تھے جیسا کہ ہندوؤں میں دستور ہے کہ بعض قومیں تیرتھ بھیک مانگ کر کرنا ثواب جانتے ہیں۔ اس لئے اس کو خدا تعالےٰ نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو ان دونوں مطلبوں کے لئے واتقون یااولی الالباب نہایت چسپاں ہے۔ توشۂ آخرت میں بھی خدا تعالےٰ کا خوف بڑی پونجی ہے اور سوال بندوں سے کرنا اور اس پر توکل نہ کرنا یا توشۂ راہ ناجائز کمائی کا لینا بھی محل خوف خدا ہے۔

عرب کی قومیں ایام حج میں تجارت کو برا سمجھتی تھیں حالانکہ یہ کچھ برائی نہیں بلکہ ایسے مجامع میں کاروبار خرید و فروخت بند ہونا ایک طرح کی مسافران با خدا کے لئے تکلیف ہے اور نیز بقول شخصے 'دست بکار دل بہ یار' اسلام کا شیوۂ خاص ہے اس لئے فرمایا کہ اگر تم ان ایام میں روزی کہ فضل ربی ہے تلاش کرو یعنی تجارت کے لئے کچھ مال لاؤ تو کچھ مضائقہ نہیں اور یہ توشہ سفر حج کا ایک عمدہ ذریعہ ہے اس لئے اس کو بھی اس کے ساتھ بیان فرمادیا۔ محققین کہتے ہیں کہ اس سے فضائل و محامد حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ جو ایسے پاکبازوں کے مجمع سے حاصل ہوسکتے[2]

---

[1] الیہ تحشرون میں اسی طرف اشارہ ہے ۱۲ منہ [2] مسلمانوں کی اصلاح دنیا کا بھی حج ایک ایسا ذریعہ ہے کہ جس سے دنیا بھر کے مسلمان باہمی اتفاق اور خاص خاص تجاویز پر عمل کرنے کا باہمی معاہدہ کرسکتے ہیں دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی انجمن ہو نہیں سکتی جہاں مشرق و مغرب کے مسلمان ہر طبقہ کے موجود ہوتے ہیں اور دینی برادری کا کمال ظاہر ہوتا ہے مگر مسلمانوں نے اس قوی آلہ کو بے کار کر رکھا ہے صرف ادائے فریضہ کا کام لیتے ہیں ۱۲ منہ

ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اہلِ اسلام کے باہمی میل جول اور ترقی علوم و فنون اور برکاتِ باطنیہ حاصل ہونے کا یہ عمدہ سبب ہے۔ اس کے بعد پھر بترتیب حج کو بیان فرماتا ہے کہ جب تم عرفات سے لوٹ کر مزدلفہ میں آکر شب کو رہو اور صبح کو منیٰ جانے لگو تو مشعر الحرام کے پاس کو جو مزدلفہ میں ایک مقدس پہاڑ ہے کہ جس کو قزح بھی کہتے ہیں تکبیر و تہلیل کے ساتھ خدا تعالےٰ کو یاد کرو کیونکہ مقاماتِ متبرکہ میں یادِ الٰہی باعث نورانیت روح ہے (اور اس میں ایک سرِ روحانی ہے کہ جس کو ہم اکثر جگہ بیان کر آئے ہیں)۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کھڑے ہو کر بڑی دیر تک ذکرِ الٰہی کیا اور دعا مانگی یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اس کے بعد قریش کی اُس تحریف کو مٹاتا ہے کہ جو انھوں نے ملتِ ابراہیمیہ میں کر رکھی تھی، وہ یہ کہ یہ لوگ اور بعض دیگر قبائل کہ جن کو حمس کہتے تھے اس خیال سے کہ ہم تو کعبہ کے زیرِ سایہ رہتے ہیں ہم کو عرفات جانا کیا ضروری ہے؟ مزدلفہ ہی تک آیا کرتے تھے اور پھر وہاں سے لوٹ کر کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے، اور ان کو فرماتا ہے کہ جہاں سے اور لوگ لوٹ کر آتے ہیں یعنی عرفات سے تم بھی وہیں جا کر آیا کرو اور اپنے گناہوں کی خدا تعالےٰ سے معافی مانگو کیونکہ وہ غفور و رحیم ہے اور یہ تحریف ایک گناہ ہے۔

پھر اصل مطلب کو ذکر کرتا ہے کہ تم جب منیٰ میں آکر اپنے تمام ارکانِ حج پورے کر چکو تو جس طرح کہ ایامِ جاہلیت میں تین روز تک منیٰ میں عرب کی قومیں بعد فراغِ حج اپنے باپ دادا کے محامد اور بہادریوں کے شعر پڑھتے اور فخر کیا کرتے تھے اور مجمعوں میں بڑے زور کے قصائد پڑھتے تھے اسی طرح تم اے مسلمانو! اپنے خدا کی یاد کرو بلکہ اُس سے بھی زیادہ کیونکہ تم اُس کی خاص جماعت ہو۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ ایسے مواضع میں بعض لوگ کوتاہ نظر خاص دنیا ہی کے لئے دعا کرتے ہیں اور اسی کو مدِّنظر رکھتے ہیں دارِ آخرت پر اُن کا یقین نہیں لیکن جن پاکبازوں کے سامنے آخرت کھڑی ہے وہ جس طرح اپنے حوائج دنیا کے لئے دعا کرتے ہیں اسی طرح اُس جہان کی خوبیاں بھی اپنے پروردگار سے مانگتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں کی کوشش اور سعی کارگر ہوتی ہے اور ان کو دونوں جہان میں بھلائی کا حصہ پہنچتا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ منیٰ میں جس نے دو ہی روز تک رمی جمار کی تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں جو تین روز تک ٹھہرے تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں جیسا کہ ایامِ جاہلیت میں سمجھتے تھے۔

## متعلّقات

الحج اشھر معلومات۔ اس آیت کے ظاہر معنے یہ ہیں کہ حج کے کے لئے چند مہینے معلوم ہیں۔ مگر اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ ان مہینوں میں جب چاہے حج کے تمام ارکان ادا کرے خواہ شوال میں خواہ ذی القعدہ میں خواہ چوتھی یا پانچویں ذی الحجہ ہی کو فارغ ہو جاوے بلکہ یہ مراد ہے کہ جن مہینوں میں کہ حج شروع کیا جاوے اور پھر وہ تمام کیا جاوے اُس کے لئے ایک موسم اور وقت مقرر ہے کہ اُس سے پہلے اور پیچھے کوئی کام حج کا نہ کرنا چاہیے جیسا کہ ہمارے محاورہ میں بولتے ہیں 'آنب کے چار مہینے ہیں' یعنی ان کا موسم یہ ہے کہ مور آنے سے لے کر انتہار تک یہ دن ہیں نہ یہ کہ ان چار مہینوں میں سے اوّل مہینے کے اوّل ہی روز آنب موجود ہو جاتے ہیں۔ پس حج کا احرام باندھ کر جب تک کہ اس کو ختم کیا جاوے اُس کے لئے شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ کے دس روز ہیں پس اوّل تاریخ شوال سے افعالِ حج شروع ہوتے ہیں اور دسویں ذی الحجہ کو تمام ہو جاتے ہیں۔

اشہرِ معلومات میں باتفاقِ جمہور مفسرین شوال اور ذی القعدہ تو پورے پورے داخل ہیں مگر ذی الحجہ میں اختلاف ہے عروۃ بن زبیر رض کہتے ہیں کہ سارا مہینہ اشہرِ حج میں شمار ہے اور یہی امام مالک رح کا مذہب ہے اُن کے قول پر اگر کوئی طوافِ زیارت کو اخیر مہینے ذی الحجہ میں بھی کریگا تو درست ہوگا۔ اور دلیل اُن کی

یہ ہے کہ لفظ اشہر جمع ہے اور عرب کی زبان میں جمع کے لئے کم سے کم تین ہونے چاہئیں۔ ابن عباس رض اور ابن عمر رض اور نخعی رح اور شعبی رح اوّل عشرہ یعنی دس روز لیتے ہیں اور یہی مذہب امام ابو حنیفہ رح کا ہے کس لئے کہ تمام ارکان حج طواف زیارت وغیرہ آج ہی تمام ہو چکتے ہیں اور عرب میں جزو کو کل سے تعبیر کرتے ہیں اس تقدیر پر دس روز کو مہینہ قرار دے کر لفظ جمع بولا گیا۔ امام شافعی رح کہتے ہیں کہ نو دن اور دسویں تاریخ کی رات نہ کہ دسواں دن مراد ہے کس لئے کہ عرفات میں ٹھہرنا جو بڑا رکنِ اعظم ہے اسی دن ہوتا ہے۔ مگر ہنوز آیت کے معنے میں ایک اشکال باقی رہ گیا وہ یہ کہ اس آیت سے تو مدّتِ حج دو مہینے دس روز مراد لئے گئے حالانکہ خدا تعالیٰ چاندوں کو فرماتا ہے قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ اور نیز صحابہ رض میں مشہور تھا کہ عمدہ حج وہ ہے کہ جس کے لئے گھر سے احرام باندھ کر چلے اور بعض لوگوں کے گھر چار یا چھ مہینے کی راہ ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہی مواقیت للناس والحج کے معنے نہیں کہ ہر چاند میں حج کے افعال درست ہیں بلکہ یہ کہ ہر چاند کو سلسلہ وار حساب میں دخل ہے اور صحابہ رض کا قول غالباً ان عرب کی نسبت ہے کہ جن کے گھر دو مہینوں کی راہ سے کم ہیں۔ امام ابو حنیفہ رح اور امام مالک رح اور سفیان ثوری رح جو اشہر حج سے پیشتر احرام باندھنے کو ان وجوہ اشکال کو تسلیم کر کے جائز قرار دیتے ہیں یہ جواب دیتے ہیں کہ احرام تو صرف التزام حج ہے جیسا کہ نیت پس جس طرح نیت حج کی اشہر حج سے پیشتر کرنی درست ہے اسی طرح احرام کا بھی کچھ مضائقہ نہیں ہاں جو امور مہتم[1] بالشان حج کے ہیں وہ اشہر حج ہی میں ادا ہونے چاہئیں اور گو موسم حج یہی ہے مگر بعض باتیں بغرضِ شوق قبل موسم ہو گئیں تو مضائقہ نہیں وفیہ نظر۔ اب ہم پیشتر حج کے ارکان و ہیئت بیان کر کے پھر اس کے اسرار اور مخالفوں کے طعن کا جواب ذکر کرتے ہیں۔ احرام میقات سے باندھنا پھر مکہ میں آ کر طوافِ قدوم

کرنا پھر سعی بین الصفا والمروہ پھر اس کے بعد آٹھویں تاریخ کو منیٰ میں جانا پھر نویں[5] کو عرفات میں ٹھہرنا پھر شام کو وہاں سے لوٹ کر شب کو مزدلفہ میں رہنا پھر صبح کو وہاں سے اٹھ کر دسویں کو منیٰ میں واپس آ کر رمی جمار یعنی منارہ کو کنکریاں مارنا قربانی کر کے سر منڈانا یا بال کتروانا پھر خانہ کعبہ کا جا کر طواف کرنا کہ جس کو طوافِ زیارت[2] کہتے ہیں پھر وہاں سے منیٰ میں آ کر دو روز یا تین روز تک رمی جمار کرنا۔ ان چیزوں میں سے بعض رکن ہیں اور بعض واجب اور باقی سنت ہیں۔ احرام اور عرفات میں ٹھہرنا (دعا کے لئے) اور طوافِ زیارت بالاتفاق رکن ہیں ان کے فوت ہونے سے حج نہیں ہوتا اور سعی بین الصفا والمروہ اور حلق و قصر یعنی سر منڈانا یا کتروانا اور رمی جمار اور مزدلفہ میں شب کو دعا کے لئے قیام کرنا اور ایامِ تشریق تک منیٰ میں رہنا اور رمی جمار کرنا اور ان ارکان کی ترتیب کو ملحوظ رکھنا واجب ہے باقی چیزیں سنت ہیں یا کفا۔ ہیں احرام اور طواف اور دیگر امورِ حج کی تشریح پھر ان کے کفارات کی تشریح کتب فقہ میں مذکور ہے۔ کعبہ کے ہر طرف چند مقامات مقرر ہیں کہ جو ادھر سے اندر آوے تو کعبہ کی تعظیم کے لئے احرام باندھ کر آوے خواہ نیتِ حج و عمرہ سے آوے خواہ تجارت یا کسی اور ضروری کام کے لئے آوے یہ صرف امام ابو حنیفہ رح کا قول ہے اس حدیث سے لا یجاوز حد المیقات الا محرما رواہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی۔ اور امام شافعی رح وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ احرام خاص اس وقت باندھنا لازم ہے کہ جب حج و عمرہ کی نیت سے آتا ہے ورنہ نہیں جیسا کہ ان مقامات کے رہنے والوں کے لئے بالاتفاق اس صورت میں احرام کی کچھ ضرورت نہیں۔ میقات کہ جہاں سے احرام باندھنا ضروری ہے یہ ہیں۔ اہلِ مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ اور اہلِ عراق کے لئے ذاتِ عرق اور اہلِ شام کے لئے جحفہ۔ اور نجد کی طرف سے آنے والوں کے لئے قرن سے اور یمن والوں کے لئے اور

[1] کہ جن کے فوت ہونے سے دم یعنی قربانی کرنی پڑتی ہے ۱۲

[2] اور طوافِ افاضہ بھی کہتے ہیں ۱۲ منہ

جو اس راستے سے آویں جیسا کہ ہندوستان کے لوگ تو ان کے لئے یلملم ہے۔ احرام یہ ہے کہ جب ان مقامات کی حد پر پہنچے تو غسل یا صرف وضو کر کے دو کپڑے ایک تہبند اور دوسری چادر بے سلی پہنے اور دو رکعت نفل پڑھ کر یہ کہے اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی بعد اس کے لبیک پکار کر پڑھے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔ اس کے بعد سے یہ محرم ہو گیا اس کے لئے شکار کرنا اور لڑنا جھگڑنا عورتوں سے مخالطت کرنا سب ممنوع ہو گیا کما مر۔ یہ احرام قرآن سے ثابت ہے فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ الآیۃ وَلَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ۔ اور ان مقامات کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اور اس کی ہیئت اور سلا کپڑا نہ پہننا اور سر نہ ڈھانکنا پستی و بلندی پر تہلیل و تکبیر کہنا، تلبیہ پکارنا سب باتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں گو ان میں سے کوئی کوئی بات ایام جاہلیت میں بھی رہ گئی ہو گو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سنت ابراہیمیہ کو از سر نو زندہ کیا اور اس میں جو تحریفات ہو گئیں تھیں سب کو دور کر دیا۔ احرام میں سر منڈانے کی ممانعت بھی قرآن سے ثابت ہے وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ۔ طواف بھی قرآن سے ثابت ہے وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ۔ سات بار پھرنا اور حجر اسود کو بوسہ دینا اور اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا سب احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ سعی بین الصفا والمروہ بھی قرآن مجید سے سمجھی جاتی ہے اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا۔ عرفات میں جانا اور وہاں سے لوٹ کر شب کو مزدلفہ میں رہنا اور مشعر الحرام کے پاس یاد الٰہی کرنا بھی قرآن سے ثابت ہے فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام۔ منیٰ میں رہنا بھی قرآن سے ثابت ہے واذکروا اللہ فی ایام معدودات فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تاخر فلا اثم علیہ۔ رمی جمار احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ حج میں جو قربانی کی جاتی ہے وہ تین طرح کی ہے ایک حج و عمرہ ملانے پر ہوتی ہے اس کا ذکر اس آیت میں ہے فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الہدی، یہ واجب ہے۔ دوسری وہ کہ جب حج کو چلتے ہیں تو قربانی کو ساتھ لے جایا کرتے ہیں کہ وہاں جا کر ذبح کریں گے اس قسم کی قربانیوں کو ہدی اور قلائد کہتے ہیں۔ ان کے گلے میں کچھ ڈالتے تھے کہ راستہ میں کوئی تعرض نہ کرے یا کچھ خفیف خراش سا اس کے کوہان پر کر دیتے تھے اور وہیں سے خرید کر بھی بہ نیت تقرب ذبح کرتے تھے اس کا ذکر بھی قرآن میں ہے والبدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ لکم فیہا خیر فاذکروا اسم اللہ علیہا صواف فاذا وجبت جنوبہا فکلوا منہا الآیۃ۔ تیسری قسم وہ کہ جو کفارات میں ذبح ہوتی ہیں جن کو دم جنایات کہتے ہیں ان کا ذکر احادیث میں ہے۔ مخالفین اسلام یہود اور عیسائی اور ہندو حج کے بارے میں اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ عرب کے جاہلوں کا میلہ ہے جو بغرض تجارت قائم ہوا تھا چنانچہ نیچری مفسر بھی ص ۲۴۹ میں کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے بغرض آبادی مکہ اور ترقی تجارت کے لئے لوگوں کو جمع کی ترغیب دی۔ پس نبی علیہ السلام نے انہیں رسمیات کو کہ جو بعید از عقل ہیں اور صرف جسمانی باتیں ہیں کہ ننگا سر کر کے ایک چوکھونٹے مکان کے گرد گھومو اور وحشیانہ وضع بناؤ تہبند باندھو پھر دو پہاڑیوں کے درمیان دیوانوں کی طرح پھیرے پھیرے کرو بے فائدہ منیٰ اور عرفات میں ڈھو پتھر کے منارون کو کنکریاں مارو سر منڈاؤ۔ ناحق جانوروں کو ذبح کر کے جنگل کو سڑاؤ) فرض واجب بنا دیا ہے۔[1] اس کا جواب بہت سہل ہے۔ اہل کتاب کہ جو توراۃ کو مانتے ہیں ان کے لئے تو یہ اعتراض کرنا

[1] نیچری مفسر کا یہ کہنا (ص ۲۵۵ حج میں قربانی کی کوئی مذہبی اصل قرآن مجید سے نہیں پائی جاتی خشک بیابان تھا اناج غلہ کم تھا اس لئے خوراک کیلئے لوگ جانور ساتھ لے جاتے تھے الخ) قرآن سے ناواقفیت پر دلیل صریح ہے ۱۲ منہ

شیشہ کے گھر میں بیٹھ کر مخالف پر پتھر پھینکنا ہے کیونکر بائبل بالخصوص توراۃ سفرِ احبار میں متعدد مقامات پر بنی اسرائیل کے لئے خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی معرفت وہ احکام فرض کئے ہیں کہ جو خداوند کے لئے سونا اور چاندی اور رنگ برنگ کی چیزیں لاویں جس سے بضلی ایل اور اہلیاب جو بڑے کاریگر تھے خداوند کے لئے (۱۱) مسکن اور خیمہ اُس کا گھٹا ٹوپ اُس کا اور آنکڑے اُس کے اور تختے اُس کے اور ستون اُس کے اور پاؤں اُس کے صندوق اور چوبیں اُس کی اور سرپوش اُس کا اور پردہ اُس کا میز اور چوبیں اُس کی اور سب برتن اُس کے اور نذر کی روٹیاں شمعدان روشنی کے لئے اور اُس کے سرانجام اور اُس کے چراغ اور جلانے کا تیل اور قربان گاہ بخور کے لئے اور چوبیں اُس کی اور ملنے کا تیل اور بخور خوشبو مصالح کا اور پردہ مسکن کے دروازہ کا اور مذبح سوختنی قربانی کا اور اس کے لئے پیتل کا آتش دان اور چوبیں اُس کی اور حوض و کرسی اور پردہ صحن کے دروازہ کا اور میخیں مسکن کی اور صحن کی میخیں اور ڈوریاں ان دونوں کی اور خدمت کا لباس مقدِس میں عبادت کے لئے اور مقدس لباس ہارون کاہن کے لئے اور لباس اُنکے بیٹوں کا کاہنوں کے لئے بنایا۔ اور پھر ہر ایک کے اندر جو قیدیں لگیں کہ ایسا رنگ ہو اور اتنا طویل اور اتنا عرض اور ایسا خیمہ اور ایسا کروبیوں کی تصویریں پیتل کی اور کاہن کا لباس ایسا اور ایسا اور چناں اور چنیں پھر ان احکام کی ایسی سخت تاکید کہ جو کوئی ذرا بھی سرتابی یا خلاف کرے تو بیچارا مارا جائے۔ اب اگر حج کے ارکان کہ جن کی وجہ ہم ابھی بیان کرتے ہیں فضول ہیں تو یہ بکھیڑا کیا معقول ہے؟ پھر اگر اس سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوّت اور توراۃ کے کتاب الٰہی ہونے میں کچھ فرق نہیں آیا تو قرآن اور نبیٔ آخر الزّمان علیہ السلام کی نبوّت میں کیوں نکتہ چینیاں ہوتی ہیں؟ لطف یہ کہ ارکانِ حج میں تو سراسر روحانیت ہے اور ان میں محض جسمانیت پھر ان سے اعراض کرکے ان پر منہ مارنا عجیب بات ہے۔ علاوہ اس کے اور جو کچھ سوختنی قربانی اور اس کا خون چھڑکنا اور تیل کا پکوان پکانا وغیرہ احکام مندرج توراۃ عجیب حیرت انگیز ہیں۔ طرفہ یہ کہ عیسائیوں کے ہاں باوجود یکہ شریعت سے مطلقاً آزادی ہے مگر عشاءِ ربانی کہ جس میں خمیری روٹیاں مسیح کا گوشت تصوّر کرکے کھائی جاتی ہیں اور پھر بپتسمہ کہ حوض میں تمام گناہوں سے پاک ہونے کے لئے غوطہ دلایا جاتا ہے، کیا نامعقول چیز ہے اور پھر اس کو دین کا اصول قرار دینا کیا امر فضول ہے۔

پادری صاحب ان باتوں کی کوئی معقول وجہ بیان فرمائیں ورنہ غیروں پر طعن کرنا تو کچھ بڑی بات نہیں۔ اور وید اور شاستر اور پوران تو پوجاپاٹ سے بھرے پڑے ہیں جن میں عناصر آفتاب و ماہتاب اور اندر دیوتا اور دیگر لوگوں کی پرستش کے عجائب طریقے لکھے ہیں اور بلدان اور یگ کا دستور کہ یوں آگ جلاویں اور کڑھی میں فلاں چیز کا عرق چوا دیں اور صبح و شام یوں کریں اور سینکڑوں باتیں بعید از عقلِ سلیم ان کی کُتبِ مسلّمہ میں موجود ہیں۔ اور عام دستور گنگا جمنا کا اشنان اور ایک تھیلے میں پوجا کے آلات کہیں چھوٹی چھوٹی بیالیاں اور صندل گھسنے کا پتھر اور بتوں کو پانی پلانے کے چھوٹے پیتل اور تانبے کے چمچے اور بجانے کا سنکھ ہر مہاراج کی بغل میں بھان متی کا پٹارا دبا ہوا ہوتا ہے۔ آریہ جو آج کل نئے محقق نکلے ہیں اور اپنے پوچ مذہب کو عقل کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اور جو نہیں مطابق ہوتا تو اس کا انکار کرتے ہیں یا ہیں معنی تاویل کرتے ہیں۔ وہ اپنی وید اور اُس کے اپنشدوں اور شاستروں کی تو خبر لیں مگر بیچارے ناواقف ہیں کسی قدر انگریزی پڑھ لی چلو شوامی جی مہاراج کی تقریر سُنکر وید اور شاستروں کو عام خیال میں کچھ اور ہی سمجھ بیٹھے ڈھٹائی کے زور سے مقدس لوگ اور پاک مذہب پر منہ آنے لگے۔ اب ہم ملحدوں کے مقابلہ میں اسرار ارکانِ حج بیان کرتے ہیں اگر عقلِ سلیم کے تابع ہیں تو ضرور ہمارے قول کی تصدیق کریں گے ورنہ تعصب کا کچھ علاج نہیں:

* جو بظاہر عقل میں نہیں آتے بلکہ صریح فضول معلوم ہوتے ہیں پھر جو ان پر اعتراض کرے حج کے بارے میں بھی منہ کھولے۔ دیکھئے کتاب خروج کے ۳۵ باب میں موسیٰ نے لوگوں کو حکم دیا کہ *

# اسرارِ حج

ہم اوّل بیان کر چکے ہیں کہ خانۂ کعبہ اُس خدائے پاک کی تجلّی اور ظہور انوار کی جگہ ہے کہ جو جسم اور مکان سے پاک ہے نہ وہاں کسی کی صورت ہے نہ کسی دیوی دیوتا کا استہان ہے بلکہ ایک چو کھونٹا اونچا سا مکان ہے گویا اُس کے نشان سلنے اپنے عاشقوں کے لئے دنیا میں اپنا ایک نشان قائم کر دیا ہے اور اُس کو اپنے دیدار فیض آثار کی کھڑکی قرار دیا ہے اور جمال باکمال کا آئینہ بنایا ہے (اور ثبوت اس کا پہلے بدلائل ہو چکا ہے) اور نیز اس معبد کو رئیس الموحّدین حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی عبادتِ خاص کے لئے اپنے ہاتھ سے تعمیر کیا ہے (جیسا کہ تواریخ مخالفین سے بھی ثابت ہے) اور تمام روئے زمین پر اکثر اسی بابرکت کی نسل سے انبیاءؑ پھیلے ہیں اس وقت کیا بلکہ ہر زمانہ کی خدا پرست قومیں انھیں کو سر دفتر توحید تسلیم کرتی چلی آئی ہیں بالخصوص اخیر زمانہ میں جناب محمد علیہ السلام انھیں کی نسل سے ہیں جو تمام بنی آدم کے ہادی اور سب کے رہنما ہو کر اس باخدا کے اصولِ مذہب کو از سرِ نو زندہ کرنے کو دنیا میں تشریف لائے۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے بمقام عرفات خدا پرست لوگوں کو توحید کا جلوہ دکھانے کے لئے آواز دے کر بُلایا۔ اس لئے تمام خدا پرستوں پر فرض ہوا کہ عمر بھر میں بشرطِ استطاعت فرمانِ والاشان کو قبول کر کے دربارِ خاص میں آویں اور ایک مجمع خدا پرستوں کا ایک خاص دن میں (کہ جس روز اس نے تجلّیٔ باطنی اور برکت و مغفرت کا وعدہ کیا ہے) اس معبد میں حاضر ہو کر اپنی فرماں برداری اور ملّتِ ابراہیمیہ کی پابندی کا اظہار کریں اور حسب استعدادِ باطنی اُس کے جمالِ باکمال سے بہرہ یاب بھی ہوں اور اُس معشوقِ حقیقی کے انوار اور عجائباتِ قدرت کا مشاہدہ کریں۔ اور یہ بھی ہے کہ جس طرح دنیا میں بُت پرستوں کے میلے اور غیر اللہ کے لئے مجمع اُن کی عظمتِ شان کے لئے ہوتے ہیں جس سے اُن کی عظمت و عزّت لوگوں کے دلوں میں مرتسخ ہو جاتی ہے اور اُن کی پرستش و نذر و نیاز کا بازار گرم ہوتا ہے، اسی طرح حکمتِ الٰہی میں (جب کہ خدا پرستی اور نورِ توحید عالم پر ظاہر کرنے کا منشاء تھا) ضروری ہوا کہ خاص موحّدین کا بھی ایک مجمع عام روئے زمین کے اژدحام خاص خدا کے لئے اور اُس کے لئے اس کی تہلیل و تکبیر و تقدیس و نیز یہ ظاہر کرنے کے لئے ہو تاکہ لوگوں میں خدا پرستی کی شوکت ظاہر ہو اور ہر ایک خدا پرست دوسرے سے مل کر اکتساب خیر و برکت بھی کرے اور روئے زمین کے خدا پرستوں میں ایک میل جول اور اتحادِ قلبی قائم ہو جاوے اور اُس کے ضمن میں علوم و فنون و تجارت و صنعت کے متعلق فوائد اور تبادلۂ خیالات بھی ہو چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے لیشھدوا منافع لھم الآیۃ۔ اور یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ دنیا میں توحید پھیلانے والے اور موحّدین کے بزرگ مانے گئے ہیں پس اس بزرگ کی یادگاری پر کوئی مجمع توحید کی ترقی کے لئے ہونا بالخصوص اُس مقام پر کہ جہاں اُس کی بیوی اور معصوم بچّے کے ہاتھ سے بھی اس خدا پرستی کی بدولت خرقِ عادات کا ظہور ہوا ہو اور جہاں اس کا پوتا اخیر نبیؐ پیدا ہوا خصوصاً ان مقامات پر کہ جہاں حضرت آدمؑ نے بھی سب سے پیشتر خدا تعالیٰ کی یاد کی ہو اور جن پہاڑوں اور میدانوں میں اس کی قدرت کے عجائب ظاہر ہوئے ہوں اور جس جگہ سے کہ اسلام کی روشنی نکل کر دنیا کے پرے کناروں تک پھیلی ہو ضرور اور پر ضرور ہے اور یہی حج ہے۔ اسی لئے ان دنوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لباس پہن کر کہ جو احرام ہے اور نیز تکلّفات و تزیّنات دور کر کے اُس کے دربار میں فطرتی حالت اور عاشقانہ ہیئت بنا کر حاضر ہونا اور ایک فاصلہ معیّن سے اس گھر کا ادب ملحوظ رکھ کر ہیئت بنانا اور اُسی وقت سے اُس کی تہلیل و تکبیر و لبیک پکارنا اور اس

گھر کا ادب اور اس حالت کا لحاظ رکھنا شکار نہ کرنا نحش اور لڑائی جھگڑوں سے باز رہنا پھر جب خاص اُس مسجد کے پاس آویں تو اُس کے شوق میں اُس کے گرد قربان ہونا کیونکہ اس سے دل پر ایک عجیب اثر پیدا ہوتا ہے پھر جس طرح کہ ہاجرہؓ دو پہاڑیوں میں دوڑتی پھری تھیں اس حالت کے یاد کرنے کے لئے ویسا ہی کرنا اور پھر عرفات میں جس میدان میں کہ حضرت آدمؑ پر خداتعالےٰ کی تجلی ہوئی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو وہاں سے بُلایا تھا جاکر دن بھر خداتعالیٰ کی تکبیر و تہلیل کرنا پھر منیٰ میں آکر جہاں کہ حضرت ابراہیمؑ نے خداتعالیٰ کے لئے اپنے پیارے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا چاہا تھا قربانی کرنا اور جس طرح تین بار شیطان نے نمودار ہوکر انھیں بہکانا چاہا تھا اور آنھوں نے اُس کو کنکریاں مار کر بھگایا تھا اسی طرح اُن مقامات پر جو منارے ہیں اُن پر کنکریاں مارنا جس سے نفس پر تین بار خاک ڈالنے کی طرف اشارہ ہے۔ پھر وہاں سے آکر اُس مقدس مسجد میں وہی نمازِ عاشقانہ یعنی طواف کرنا سراسر معقول اور اسلام میں رئیس الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عاشقانہ جذبات کا اظہار ہے جس میں کوئی بات بھی خلافِ عقل نہیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ قوم کو برّی و بحری سفر کا تجربہ کرانا اور محنت کش اور پختہ کار بنانا اور ایسے متبرک مقام کا دکھانا جو ہمیشہ سے توحید و حق پرستی کا سرچشمہ رہا ہے اور نیز ان خدا پرستوں کی عظمت بھی دلوں میں راسخ کرانا اور اس ملک کے باشندوں کو مالی فائدہ پہنچانا بھی مقصود ہے جس کی وہ سلفِ صالحین کی یادگار و متوکل قوم ہر طرح سے مستحق بھی ہے اور بھی بیشمار اسرار ہیں ؛

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي

اور بعض ایسے بھی ہیں جن کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ

بھلی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنی دل کی باتوں پر خدا کو گواہ بھی کرتا رہتا

قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (٢٠٤) وَاِذَا

ہے حالانکہ وہ (سخت دشمن) سخت جھگڑالو ہے، اور جب

تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ

پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو ملک میں فساد ڈالنے اور کھیتی اور

يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

مواشی کو برباد کرنے کے لئے کوشش کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو فساد

الْفَسَادَ (٢٠٥) وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ

پسند نہیں آتا۔ اور جب اُس کو کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈر تو

اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ

شیخی میں آکر اور بھی گناہ کرتا ہے سو اُس کو جہنم کافی ہے،

وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ (٢٠٦) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ

اور وہ بہت بُری جگہ ہے، اور بعض ایسے بھی ہیں۔ جو خداتعالےٰ

يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ

کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان بھی بیچ دیتے ہیں۔

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ (٢٠٧) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت رکھتا ہے۔ مسلمانو! اسلام

اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا

میں پورے پورے آجاؤ، اور

تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ

شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، کیونکہ وہ تمھارا

ل یہ کہنا تو لا دمثلا ؁ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اُس پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر میں ایک ایسی متعدی برکت ہے کہ جہاں سات دفعہ اس کے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے یہ نِکی خام خیالی ہے الخ، اس چوکھونٹے گھر کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے اُس کے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں تو وہ کبھی حاجی نہیں ہوتے انتہیٰ، صریح زندقہ ہے اور نیز قرآن و حدیث بلکہ حقیقتِ حج سے ناواقفیت کی دلیل ہے بیچارے اپنی خو سے ناچار ہیں جبلّی اور ابتدائے عمر کا الحاد اور بے دینی اور دنیا پرستی نخوت و غرور دل میں بھرا ہوا ہے وہ بے ساختہ مُنہ سے اُبل پڑتا ہے۔ سیکڑوں رِندوں کو ہم نے دیکھا ہے وہ خدا اور رسولؐ اور ہر امرِ دین سے تمسخر کرتے ہیں اور زبان میں لگام نہیں کھتے بعد مُردن حقیقت معلوم ہو جائیگی نعوذ باللہ منہ ١٢ حقانی

ک منافق ١٢

عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٠٨﴾ فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ
صریح دشمن ہے۔　پھر اگر تم میں کھلی نشانیاں آچکنے کے
مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
بعد بھی پھسل گئے تو جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بھی زبردست
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٠٩﴾ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن
حکمت والا ہے۔　کیا وہ اسی کے منتظر ہیں کہ ان کے سامنے
يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ
خدا تعالیٰ بدلیوں کے سایہ میں آموجود ہو　اور
الْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ
فرشتے بھی آجاویں اور کام پورا ہوجائے (یعنی کیا قیامت برپا ہونے کے منتظر ہیں) اور سب
تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٢١٠﴾ سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ
باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔　بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھو کہ
كَمْ آتَيْنَاهُم مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَن
ہم نے ان کو کس قدر کھلے کھلے معجزات دیے تھے،　اور جو کوئی
يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ
خدا کی نعمت[1] پاکر اس کو بدل ڈالے تو اللہ تعالیٰ بھی سخت
فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾
عذاب دیتا ہے۔

## ترکیب

من یعجبک میں من نکرہ موصوفہ ہے فی الحیوٰۃ الدنیا متعلق ہے قول سے والتقدیر فی امور الدنیا اور ممکن ہے کہ یعجبک کے ساتھ متعلق ہو ویشہد اللہ جملہ حال ہے ضمیر یعجبک سے الخصام جمع خصم ہے اور ممکن ہے کہ مصدر ہو بمعنی اسم فاعل اور افعل اس جگہ مفاضلہ کے لئے ہے تقدیرہ وہو شدید الخصومۃ لیفسد لام متعلق سعیٰ سے

[1] نعمت سے مراد یا توریت اور صحف انبیاء علیہم السلام ہیں کہ اہل کتاب نے انکو حاصل کرنے کے بعد بدل دیا یا ہر ایک نعمت الٰہی مراد ہے کہ ناشکر بندے اس کی قدر نہیں کرتے اور اس کو ناشکری سے بدلتے ہیں ۱۲ منہ

ہے اخذتہ فعل ہ مفعول العزۃ فاعل بالاثم میں ب سببیہ ہے ای اخذتہ العزۃ بسبب الاثم فحسبہ مبتدا جہنم حسب کا فاعل۔

## تفسیر

اوّل آیت میں ذکر تھا کہ بعض ایسے بھی ہیں کہ جو حج کے ایام اور ایسے مواضع میں صرف دنیا خدا تعالیٰ سے مانگتے ہیں کس لئے کہ آخرت اور وہاں کی نعمتوں کا ان کو یقین ہی نہیں اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو دنیا و آخرت دونوں کا سوال کرتے ہیں اب یہاں ان دونوں گروہوں کی تشریح فرماتا ہے کہ وہ جو
٢٥ ع ١٤ ٩
دنیا ہی مانگتے ہیں وہ لوگ ہیں کہ جو بڑے شیریں کلام خوش گو بڑی باتیں بناتے، بات بات پر خدا کی قسم کھاتے ہیں اور باطن ان کا خراب ہے قابو پاویں تو فساد مچاویں اور جو کوئی منع کرے تو غرور اور تکبر میں آکر اور بھی گناہ میں اڑ جاویں سو ان کے لئے جہنم کافی ہے۔ اور جو دنیا و آخرت کو مانگتے ہیں کہ جنہوں نے اپنی جان کو خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے فروخت کردیا ہے سو ان پر خدا تعالیٰ بھی مہربانی کرتا ہے۔ بعض مفسرین قرآن کے ایسے عام الفاظ سے اشخاص خاص مراد لیا کرتے ہیں اور پھر ان کے حال بیان کرنے کو شانِ نزول کہتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کی عبارت مربوط ہے اس میں قصداً اس طرح سے ٹکڑے کرنا بے ضرورت بات ہے مگر اس میں بھی کوئی تعجب نہیں کہ ان عبارات کا مصداق اس وقت میں پایا گیا ہے چنانچہ ومن الناس من یعجبک کی تفسیر میں چند اقوال منقول ہیں۔ از انجملہ یہ کہ اس سے مراد اخنس ابن شریق منافق ہے کہ جو آنحضرت علیہ السلام کے پاس آکر بڑی باتیں بناتا تھا کہ واللہ میں سچا مسلمان خدا ترس آپ سے دلی محبت رکھنے والا ہوں اور ایک روز جو آپ کے پاس سے گیا تو باہر جاکر غریب دینداروں کی کھیتی جلادی اور ضد اور تکبر میں آکر مویشی ہلاک کردیئے۔ اور من یشری نفسہ سے مراد صہیب

ہیں سنان اور عمار بن یاسرؓ اور بلالؓ اور خبابؓ بن ارتؓ اور ابوذرؓ وغیرہم مہاجرین ہیں۔ ان لوگوں کو مشرکین نے قید کر لیا تھا اور ان سے کفر اور بے دینی کرانا چاہتے تھے کہ تم اسلام سے نہ پھرو گے تو ہم قتل کر دیں گے اور عذاب دے کر ماریں گے لیکن ان حضرات نے نہ مانا سب مصیبتیں سہیں جو کچھ اپنے پاس تھا دیا مار کھائی ، فاقے کھینچے مگر اسلام پر قائم رہے اور اُن کے ہاتھ سے خلاصی پا کر مدینہ میں آئے۔ پس ان کے حق میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی جان کو رضائے الٰہی کے لئے فروخت کر دیا ہے یہ اس کے انعام و فضل کے مستحق ہیں۔ الغرض بُروں اور نیکوں کی معہ نتیجہ تصویر کھینچ دی۔

## ترکیب (متعلقہ ۶۴)

کافۃ۔ من الکف کانہم کفوا ان یخرج منہم احد باجتماعہم، حال ہے فاعل ادخلوا فی السلم سے ای فی السلم من جمیع وجوہ۔ فان زللتم شرط فاعلموا الخ جملہ جواب فی ظلل جمع ظلۃ یہ ظرف ہے اور ممکن ہے کہ حال ہو۔ من الغمام صفت ہے ظلل کی۔ سل فعل انت اس کا فاعل بنی اسرائیل مفعولِ اوّل کم استفہامیہ اٰتینا فعل با فاعل ہم مفعولِ اوّل اور کم من اٰیۃ بینۃ اس کی تمیز مجموعہ مفعول ثانی۔ پھر یہ تمام جملہ مفعول ثانی ہوا سل کا محلاً یہ جملہ منصوب ہے۔ اور یہ سوال بطورِ تہدید کے ہے۔ یہ خطاب صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بلکہ ہر مخاطب کو ۔

## تفسیر

اگلی آیت میں ذکر تھا کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن کا ظاہر حال اچھا معلوم ہوتا ہے مگر در پردہ بُرے ہیں۔ اب اس آیت میں خدا تعالےٰ خطاب تو مومنوں سے کر رہا ہے مگر سب کو سنا رہا ہے کہ یہ دُورنگی کچھ نہیں ہماری اطاعت میں پورے پورے

آؤ ظاہراً و باطناً خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرو یہ نہیں کہ جس کو دل نے چاہا مانا ورنہ نہیں کیونکہ یہ شیطان کی پیروی ہے تم اُس دشمن کی پیروی نہ کرو۔ اس کے بعد امرِ حق پر ثابت رہنے کی تاکید فرماتا ہے کہ ہماری آیاتِ عقلیہ و معجزاتِ نبویہ اور دیگر آثارِ قدرت کے دیکھنے اور غور کرنے کے بعد بھی اگر تم پھسل گئے تو ہمارا کچھ نقصان نہ کرو گے ہم تم کو تمہارے افعال کی سزا دے سکتے ہیں، زبردست ہیں اور اگر عذاب میں دیر ہو تو دلیر مت بنو اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے کیونکہ ہم حکیم ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اے کفارو! اے مشرکین! والے سخت دل یہود و نصاریٰ! باوجودیکہ تم سب کچھ آیات دیکھ چکے ہو اور پھر ہماری طرف رجوع کرنے میں حیلہ و بہانہ کرتے ہو سو اب اور کیا باقی ہے مگر یہ کہ خدا تعالےٰ اور اس کے فرشتے تمہارے اعتقاد کے موافق تمہارے روبرو آویں تب تم مانو جیسا کہ کوہِ طور پر موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بادلوں میں سے دھواں اور کڑک اور شعلہ معلوم ہوا اور خدا تعالیٰ کا جلوہ دکھائی دیا سو تم اسی بات کے . . . . منتظر ہو؟ ہم قادرِ مطلق ہیں۔ بنی اسرائیل کے علماء سے پوچھو کہ ہم نے کیا کچھ نشانیاں دکھائی ہیں مگر اُنھوں نے اُن کے بعد اس نعمتِ الٰہی کی ناشکری کی ہے جس پر ہم نے ان کو ہلاک کیا اور جو ہماری نعمتوں کی قدر دانی نہیں کرتا ہم اس کو سخت عذاب دیتے ہیں ؛

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ

کافر دنیا کی زندگانی پر ریجھ گئے ہیں اور

يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ

وہ ایمانداروں سے تمسخر کیا کرتے ہیں حالانکہ قیامت

اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ

کے دن پرہیزگار اُن سے بالا تر ہوں گے ، اور اللہ تعالےٰ

يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے ؛

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ
(ابتدا میں) سب لوگ ایک ہی گروہ کے تھے (پھر جب اختلاف ہوا) تو خدا
اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ
نے نبی بھیجے جو خوشخبری دیتے اور ڈراتے تھے۔
وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ
اور ان کے ساتھ کتاب برحق بھی نازل کی تاکہ اختلافی
بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا
باتوں میں لوگوں کے لئے فیصلہ کردیا کرے (پھر) جن کو
اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ
کتاب دی گئی تھی وہی لگے اس کھلے کھلے احکام آنے
بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ
کے بعد آپس کی ضد سے اس میں اختلاف کر بیٹھے
فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا
پھر دین حق کی کہ جس میں وہ اختلاف کرچکے ہیں خدا تعالے
فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ
نے اپنی عنایت سے مسلمانوں کو رہنمائی کردی، اور اللہ تعالے
مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾
جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

## ترکیب

زین فعل مجہول للذین کفروا متعلق ہے زین کے الحیوۃ الدنیا صفت وموصوف مفعول مالم یسم فاعلہٗ اور زین کہا زینت نہ کہا کس لئے کہ زین اور الحیوۃ الخ میں فاصلہ آگیا دوم یہ مؤنث حقیقی نہیں ہے ویسخرون معطوف ہے زین پر والذین اتقوا مبتدا فوقہم خبر یوم القیامۃ ظرف مبشرین ومنذرین حال ہے النبیین سے وانزل معہم موضع حال میں ہے الکتاب سے بالحق بھی ہے ای مشتملاً علی الحق لیحکم ای الکتاب اور لام متعلق ہے انزل سے فیہ ای الحق اوتوہ ای الکتاب من بعد الخ جملہ متعلقہ ہے اختلف سے بغیًا مفعول لہٗ ہے اختلف کا۔ من الحق حال ہے ضمیر فیہ یا ما سے باذنہ حال ہے الذین آمنوا سے ای ماذونًا لہم؛

## تفسیر

پہلی آیت میں اشارہ تھا کہ کفار دلائل ومعجزات پر بھی ایمان نہیں لاتے بلکہ عیاناً خدا اور فرشتوں کو دیکھنا چاہتے ہیں پھر اس کے سبب کی طرف اشارہ تھا کہ یہ ساری باتیں دنیا اور دیگر نعماء کے نشے کی وجہ سے ہیں۔ انھوں نے نعمتوں کو بدلا شکر کی جگہ کفر کیا۔ اب یہاں دنیا اور اس کی نعمتوں کی بے وقعتی اہل ایمان کے سامنے دکھاتا ہے کہ دنیا اور اس کی نعمتیں بے ثبات ہیں اُن پر کافر ہی ریجھتے ہیں اور انہی کی آزمائش کے لئے خدا تعالےٰ نے بے حد سامان دیئے کہ جن کا عالم آخرت پر یقین نہیں اور دنیا کو مدِ نظر رکھتے ہیں اس لئے وہ ایمان والوں پر کہ عالم آخرت کی وجہ سے دنیا پوری حاصل نہیں کرتے اور یادِ الٰہی میں رہتے ہیں اُن کو بیوقوف اور مفلس سمجھ کر قہقہے مارتے ہیں حالانکہ یہ اہل اللہ قیامت کے روز ان سے بالاتر ہوں گے اور اس فراخ دستی پر ان کا غرور بیجا ہے خدا تعالےٰ اپنی حکمت سے جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق وروزی عطا کرتا ہے اس میں کافر ومؤمن ہونے کو کچھ دخل نہیں پھر دنیا کی افزودگی سے یہ سمجھنا کہ ہم خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب ہیں محض غلط ہے اور یہ کفر حُبِّ دنیا کی وجہ سے انسان کے لئے ایک عارضی بات ہے کس نے کہ یہ سب لوگ بدء الخلقت میں فطری طور پر خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کے لاشریک ہونے کے قائل تھے پھر جب نوعِ انسانی پھیلی اور ان پر طبیعت ولذات کے حجاب پڑتے گئے حقیقی نور کم ہوتا گیا اس لئے گمراہی کے رستہ پر بھی چلنے لگے ان کے وہم وخیال نے ان کی کمزور عقل کو ڈگمگانا شروع کردیا اوہام پرستی وشہوت رانی شروع ہوگئی تو رحیم وکریم نے انبیاء بھیجنے شروع کردیئے وہ حقائق الاشیاء کے

واقف تھے ہر ایک نیک و بد کے نتیجہ کی خوشخبری اور ڈر سنایا کرتے اور ان کے ساتھ کتاب بھی اُتاری کہ ہر اختلافی بات میں وہ کتاب آسمانی فیصلہ کر دیا کرے لیکن جن پر گمراہی اور نفسانیت کا رنگ غالب تھا۔ اس کتاب میں بھی آیات و بینات دیکھنے کے بعد بھی مخالف ہوئے اور اختلاف کرتے رہے مگر اس نے اپنے فضل و کرم سے ایمانداروں کو اختلافی باتوں میں امر حق کی ہدایت کر دی اور وہ مختار ہے جس کو چاہے ہدایت کرے اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ پس کفار یہ سمجھ کر خوش نہ ہوں کہ ہمارا طریق قدیم ہے اور پیغمبروں کی باتیں باہم مختلف اور نئی ہیں :

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا

(مسلمانو!) کیا تم خیال کر بیٹھے کہ (مفت) بہشت میں چلے جاؤ گے

يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

حالانکہ (ابھی تک) تم پر ان لوگوں کی سی حالت نہیں (گزری) جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں

مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَ

ان پر ایسی سختیاں اور مصیبت پڑی تھیں کہ وہ

زُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ

ہلا دیئے گئے تھے یہاں تک کہ خود رسول اور جو اس کے ساتھ

آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ

ایمان لائے تھے کہہ اٹھے کہ خدا تعالیٰ کی مدد کا کونسا وقت ہے؟ (جس پر ہم نے تسلی دی)

نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ (۲۱۴)

کہ (مسلمانو) خدا تعالیٰ کی مدد بہت ہی قریب ہے۔

## ترکیب

ام بمنزلہ بل اور ہمزہ استفہام یعنی منقطعہ حسبتم فعل با فاعل ان تدخلوا الجنۃ سارا جملہ قائم مقام دو مفعولوں کے ولما الخ جملہ مستانفہ ہے شرح احوال کے لئے اور ممکن ہے کہ قد مضمر مان کر حال قرار دیا جاوے الرسول فاعل یقول والذین آمنوا اس پر معطوف معہ متعلق ہے یقول کے اور ممکن ہے کہ آمنوا کے ہو متی نصر اللہ جملہ مقولہ۔

## تفسیر

پہلی آیت میں اس بات کا ذکر تھا کہ دنیا اور اس کی زینت کفار کو دی گئی اور وہ مسلمانوں سے ہنسی اور تمسخر کرتے ہیں یہاں مسلمانوں کو صبر اور توکل اور ثابت قدمی کی ترغیب دیتا ہے تاکہ اسلام میں جس قدر مصیبتیں اور تکالیف اور تنگدستی اور نا امیدی اور دنیا کی ناکامی اور دشمنوں سے ہر قسم کی تکلیفیں پیش آویں ان پر ثابت قدم رہیں کس لئے کہ امر حق اور طلب مولیٰ اور استحقاق دار آخرت بغیر برداشت کرنے شدائد کے نصیب نہیں ہوتا اور بالخصوص صحابہؓ کو ہمت بندھاتا ہے جب کہ وہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ میں آرہے اور ان کو طرح طرح کی مشکلیں پیش آئیں خصوصاً جنگ اُحد میں کہ جس کی نسبت فرماتا ہے وبلغت القلوب الحناجر کہ اے مسلمانو صرف ایمان لانا ہی بس نہیں کرتا بلکہ تم کو ہر قسم کی مصیبتوں کی برداشت کرنا چاہیے اور تم سے پہلے انبیاء اور ان کے مطیع ایماندار کیا کچھ مصیبتیں نہ اٹھا چکے ہیں آروں سے چیرے گئے جلتی آگ میں ڈالے گئے ان کے گھر بار لوٹ لئے گئے ہیں مگر تب بھی وہ دین حق پر ثابت قدم رہے ہیں بلکہ ان پر یہاں تک مصیبت پڑی ہے کہ رسول اور مومنوں کو باوجودیکہ مدد غیبی کے آنے کا یقین کامل تھا مگر بے قرار ہو کر پکار اٹھے کہ وہ کب آئے گی جس پر غیب سے ان کو مژدہ دیا گیا کہ مدد الٰہی عنقریب آتی ہے۔

انسان کا مقتضیٰ طبعی ہے کہ وہ نہایت سختی کے وقت بیقرار ہو جاتا ہے اور باوجودیکہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ مشکل کشائی ہوگی مگر پھر بھی ایک قسم کی مایوسی طاری ہو جاتی ہے کما قال اللہ تعالیٰ حتیٰ اذا استیئس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جاء ھم نصرنا الآیۃ مگر اس سے یہ سمجھنا کہ رسول کو وعدہ

الٰہی میں شک ہو گیا غلطی ہے کیونکہ اگر یہ ہوتا تو مدد الٰہی کا وقت دریافت نہ کرتے بلکہ یوں کہتے کہ آیا مدد آوے گی یا نہیں ؟ ؛

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلْ مَآ
آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کے لئے) کیا دیا کریں؟ کہدو کہ جو کچھ
اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ
بہتر چیز خرچ کرو تو ماں باپ اور
الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَ
قرابت داروں اور یتیموں اور فقیروں اور
ابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ
مسافر کو دیا کرو، اور جو کچھ نیکی کرو گے سو
فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾
وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے!

## ترکیب

یسئلون فعل با فاعل ک مفعول ینفقون فعل با فاعل ماذا اس کا مفعول اور ممکن ہے کہ ما استفہام کے لئے ہو بمعنی ای شیٔ اور ذا بمعنے الذی اور ینفقون اس کا صلہ اور عائد محذوف پس ما مبتدا اور ذا مع صلہ کے اس کی خبر پھر یہ تمام جملہ مفعول ثانی ہوگا یسئلون کا وقیل تفسیرہ۔ ما شرطیہ انفقتم الخ شرط فللوالدین الخ جواب شرط پھر یہ تمام جملہ محلاً منصوب ہے قل کا مفعول ہوکر۔ اور ممکن ہے ما بمعنے الذی ہو اور مبتدا قرار دیا جاوے اور من خیر حال ہو محذوف سے فللوالدین خبر ؛

## تفسیر

جب کہ خدا تعالیٰ مؤمنوں کو دنیا کی بے ثباتی بتا چکا اور آخرت کے لئے صبر اور استقلال کی تاکید فرما چکا کہ اس کے لئے جان و مال سے بھی دریغ نہ کرنا چاہیئے پھر اس کے بعد چند احکام بیان فرماتا ہے اس آیت سے لے کر اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ تک کس لئے کہ قرآن مجید کی عادت ہے کہ وہ توحید کے ساتھ پند و نصائح اور احکام ملا کر بیان فرماتا ہے تاکہ مخاطب کے دل پر ملال نہ آئے اور ایک کو دوسرے سے تقویت ہو جائے۔ لیکن ان احکام میں بھی باہم ایک عجیب ربط ہے۔

پہلا حکم اس آیت میں ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کا شان نزول یہ ہے کہ عمرو بن جموحؓ کو جو اُحد کی لڑائی میں مقتول ہوا ایک نہایت عمر رسیدہ اور بڑا مالدار شخص تھا اس نے آکر آنحضرت علیہ السلام سے پوچھا کہ یا حضرتؐ ہم اپنا مال کس کو للہ دیں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ سب سے اوّل ماں باپ کا حق ہے پھر اور اقارب پھر یتیم اور فقیر اور مسافر کو للہ دینا اور ان کے ساتھ سلوک کرنا چاہیے۔ ماذا ینفقون کے معنی بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ کونسا مال خرچ کریں؟ یہ سوال تھا۔ خدا پاک نے اس کا جواب بھی ضمناً من خیر کے ساتھ دیدیا کہ فائدہ کی چیز ہو خواہ کپڑا ہو خواہ اناج ہو خواہ نقد ہو اور اس کے ساتھ مال کے مصارف (یعنی وہ لوگ کہ جن کو دینا چاہیے) اور جن کا پوچھنا سائل کو ضروری تھا بیان کر دیئے اور اخیر میں عموماً ہر کسی کے ساتھ بھلائی کرنے کے لئے ایک جملہ وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم ایسا کہہ دیا کہ جو سب کو شامل ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس آیت کا حکم آیت میراث سے کہ جو آگے آتی ہے منسوخ ہو گیا یعنی یہ حکم والدین اور اقارب کے دینے کا جب تک تھا جب تک ان کے حصے لوازم میراث قائم نہ ہوئے تھے۔

جمہور محققینؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول غلط ہے کس لئے کہ یہ حکم اپنی زندگی میں بطورِ خیرات کے دینے کے ہے اس کو میراث سے کیا علاقہ؟ اور نیز جس طرح مسافروں اور یتیموں کو ترکہ غالب دینے کا حکم ہے اسی طرح اپنی زندگی میں ماں باپ اور اقارب کے ساتھ ہر ایک قسم کے سلوک کرنے کا حکم بھی ہنوز باقی ہے ؛

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ

(مسلمانو!) تم پر جہاد فرض کیا گیا اور وہ تم کو برا معلوم ہوتا ہے

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ

اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم کو بری معلوم ہو اور وہ تمہارے لیے

لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ

بہتر ہو، اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم کو پسند ہو اور وہ

شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا

تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ تعالیٰ ہی (ہر چیز کا انجام) جانتا ہے اور تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ ع ۲۶

نہیں جانتے۔ (اے نبی!) آپ سے حرمت کے مہینے میں لڑائی کرنے کو

الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ

پوچھتے ہیں۔ کہہ دو اس میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے

وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَ

اور خدا تعالیٰ کی راہ سے روک دینا اور اس کا انکار کرنا اور

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ

مسجد حرام سے باز رکھنا اور وہاں کے لوگوں کو وہاں سے نکال دینا تو خدا

اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ

تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے، اور فتنہ برپا کرنا تو قتل سے بھی

مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

بڑھ کر ہے، اور (وہ کفار) تو تم سے سدا لڑتے ہی رہیں گے

حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ

تاوقتیکہ اگر قابو پا جائیں تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ

اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ

کر کے رہیں۔ اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہو

عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ

اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرے گا تو ان کے اعمال

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

دنیا اور آخرت میں اکارت جائیں گے،

وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا

اور وہ دوزخی ہوں گے، اس میں سدا

خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

رہا کریں گے، البتہ جو لوگ ایمان لائے اور

الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا

ہجرت بھی کر گئے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ

لڑتے بھی رہے، سو وہی اللہ تعالیٰ کی رحمت

رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

## ترکیب

کتب فعل مجہول القتال ذی الحال وہو کرہ لکم جملہ حال مجموعہ مفعول مالم یسم فاعلہ عسی فعل ان تکرہوا جملہ بتاویل مصدر اس کا فاعل وہو خیر لکم صفت شیئا اور ممکن ہے کہ حال ہو قتال فیہ بدل ہے الشہر سے بدل الاشتمال لان القتال یقع فیہ اور فیہ قتال کے متعلق ہے اور جائز ہے کہ اس کی صفت ہو قتال فیہ مبتدا کبیر خبر صدٌّ مبتدا عن سبیل اللہ اس کے متعلق یا صفت وکفر بہ صدٌّ پر عطف والمسجد الحرام مجرور معطوف ہے سبیل اللہ پر مدخول ہے عن کا ای یصدون عن المسجد الحرام واخراج اہلہ منہ معطوف ہے صد پر ان تینوں کی خبر اکبر عند اللہ۔ ان استطاعوا شرط ولا یزالون دال بر جزار ومن یرتدد شرط منکم موضع حال میں ہے من سے فیمت معطوف ہے یرتدد پر فاولئک جزار۔

## تفسیر

خرچ کرنے کا حکم تھا مگر مال کے خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ

کی راہ میں جان خرچ کرنے کا بڑا درجہ ہے اور نیز قوامِ ملت و قوم کے لئے ان دونوں عزیز چیزوں کا خرچ کرنا اصل الاصول ہے اس لئے موجب رضائے الٰہی بھی ہے اس لئے اس کا بھی حکم دیا گیا۔ آنحضرت علیہ السلام کو مکہ معظمہ میں صرف صبر و برداشت کا حکم تھا پھر جب کفار کے ظلم سے مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو اجازت ہوئی کہ جو تم سے لڑے اور تم پر ظلم کرے تو تم اس سے بدلہ لو پھر اس پر بھی مخالفین جور و ظلم سے باز نہ آئے اور ایمان والوں کو ہر جگہ ستانا شروع کیا تو بموجب انہیں بشارات کتب مقدسہ کے اس فتنہ و فساد اور شر و الحاد کے دفع کرنے کو عموماً جنگ کی اجازت دی بلکہ حکم دیا کہ یہ تم پر فرض ہو گیا۔ اور چونکہ اپنی جان کو ہاتھ پر رکھنا اور اپنے بیگانہ کا کچھ لحاظ نہ رکھنا البتہ انسان کی طبیعت کو ناگوار اور شاق معلوم ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ اس کی مصلحتیں تم نہیں جانتے خدا ہی جانتا ہے تم بعض باتوں کو شاق اور مکروہ جانتے ہو مگر اس کے نتائج اچھے ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو طبع شریر لوگوں کو کتنا ہی وعظ و پند کرو کتنی ہی خرق عادات اور معجزات دکھاؤ مگر وہ کبھی فساد اور فتنہ سے باز نہیں آتے جب تک کہ سیاست سے کام نہ لیا جاوے۔ دنیاوی سلطنتوں کی بھی یہی سیاست باعث تعلق سلطنت ہے ہر چند آدمیوں کو گھر میں بیٹھا رہنا، عورتوں سے مخالطت کرنا ہر قسم کا عیش کرنا، سفر اور جنگ کی مصیبتوں سے بچنا بھلا معلوم ہوتا ہے مگر اس کے نتائج بربادی ملک و دولت، دشمنوں کا غالب آکر مقہور کرنا، دین و ملت کو خراب کرنا وغیرہ برے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح جفاکشی اور مخالفوں کی مصائب پر برداشت کرنے کے بھی نتائج بہت عمدہ تجربہ میں آتے ہیں اس کے بعد پھر ایک قسم کی راحت و عزت نصیب ہوتی ہے۔ آج کل جو اہل اسلام کا تنزل اور یورپ کے لوگوں کا عروج دنیاوی ہے تو اسی وجہ سے ہے۔

باقی علم و ہنر سب اقبال کے تابع ہیں؛ صحابہؓ کی بے نظیر فتوحات کا یہی سبب تھا۔

عرب کا قدیم دستور تھا کہ وہ رجب اور ذی قعدہ اور ذی الحجہ اور محرم میں باہم جنگ و جدال نہ کرتے تھے اور ان میں کوئی کسی پر چڑھائی نہ کرتا تھا[1] بلکہ اس کو سخت معیوب جانتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے یہ دستور چلا آتا تھا اس لئے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا ان مہینوں میں بھی قتال و جہاد جائز ہے؟ جواب آیا کہ ہر چند ان مہینوں میں لڑائی سخت اور بری بات ہے مگر ان مہینوں میں لوگوں کو خدا تعالیٰ کی راہ سے روکنا جیسا کہ کفار کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے انکار کرنا اور مسجد الحرام سے روکنا اور وہاں کے باشندوں کو ناحق نکال دینا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کو نکال دیا تھا اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے اور ان کا فتنہ کہ وہ ہر جگہ ایمان والوں کو ستاتے پھرتے ہیں قتل سے بھی بڑھ کر ہے پس جب انہوں نے ان مہینوں کی رعایت نہ کی تو تم پر بدلہ لینے میں کیا گناہ ہے؟ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے جنگ بدر سے دو مہینے پہلے عبداللہ بن جحشؓ کو چند آدمیوں کے ساتھ بمقام بطن نخل کہ جو طائف کے قریب ہے کفارِ قریش کے قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا سو انہوں نے جا کر ان کو گرفتار کر لیا لیکن اسی روز جمادی الثانی کی تیسویں تاریخ تھی مگر اکتیسویں کا چاند ہو گیا تھا پر صحابہؓ کو معلوم نہ تھا۔ اس پر کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کو طعنہ دینا شروع کیا کہ یہ لوگ شہرِ حرام میں بھی لڑتے ہیں اس کا جواب بھی اس آیت میں دیا گیا۔ (کبیر)۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ شہرِ حرام کا حکم اس آیت واقتلوہم حیث ثقفتموہم سے منسوخ ہو گیا اسلام نے ہر زمانہ میں

[1] اس لئے ان کو شہر حرام کہتے تھے ۱۲ منہ

شراب اور جوئے کی ممانعت

دفع فساد کے لئے کفار سے جنگ کی اجازت دیدی۔ بعض کہتے ہیں ابتدار نہ کرے اور جو کفار چڑھ کر آدیں تو مدافعت ضروری ہے کس لئے کہ ظلم ہر مہینہ میں ممنوع ہے اور بدلا لینا ہر وقت درست ہے خواہ شہر حرام میں خواہ مسجد الحرام کے پاس۔ یہ دوسرا سوال اور دوسرا حکم تھا؛

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ

(اے پیغمبر!) آپ سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں، کہد یجئے

فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ

ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدہ بھی ہے

وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَ

اور ان کا گناہ ان کے فائدہ سے بڑھ کر ہے، اور

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ

آپ سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کس قدر دیا کریں؟ کہد یجئے جو تمہاری ضرورت

الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

سے زیادہ ہو، خدا تعالیٰ یوں احکام تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے،

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِى الدُّنْيَا

تاکہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں غور

وَالْاٰخِرَةِ ۭ

(و فکر) کرو؛

## ترکیب

یسئلون فعل با فاعل ک مفعول عن الخمر والمیسر متعلق فعل سے اثم کبیر مبتدا فیہما خبر ومنافع للناس معطوف ہے اثم پر اے فیہما منافع للناس العفو منصوب ہے بفعل مضمر تقدیرہٗ انفقوا العفو کذلک موضع نصب میں ہے نعت ہے مصدر محذوف کی اے یبین مثل ہذا التبیین؛

## تفسیر

قوام ملت و قومیت بیان فرماکر قوم و مذہب کو برباد کرنے والے کام بھی جواب سوال کے پیرایہ میں بیان کئے جاتے ہیں تاکہ قانون سعادت کی تکمیل ہو جائے۔ ازانجملہ جوا اور شراب ہے۔ عرب میں شراب نوشی کا مدت سے دستور تھا جس چیز کو شریعت نے منع کیا تھا صحابہؓ اس کو اپنے دستور کے موافق استعمال میں لاتے تھے چنانچہ مکہ میں اس کا استعمال ہوتا رہا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو بتدریج[1] شراب اور قمار کو حرام کردیا بلکہ ایک مدت تک شراب کے برتنوں کا بھی استعمال منع رہا۔ الخمر یعنی شراب اس کی ماہیت میں علماء کا اختلاف ہے امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جو چیز نشہ پیدا کرے وہ خمر ہے مسکر اور خمر دونوں لفظ ایک ہی معنے لئے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زبان عرب میں خمر اس شراب کو کہتے ہیں جو انگور سے بنتی تھی یعنی انگور کا شیرہ جب گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ اٹھنے لگیں۔ دلائل دونوں کے ان کی کتابوں میں مندرج ہیں اس اختلاف کا یہ ثمرہ ہوگا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک ہر ایک مسکر کو حرام قطعی کہا جائے گا اور اس کے تھوڑے بہت کا استعمال کرنا ممنوع ہوگا۔ امام اعظمؒ کے نزدیک وہ خاص شراب تو قطعی حرام ہوگی اور اس کا ایک قطرہ بھی۔ مگر اور مسکرات کو جو حرام کہا جائے گا تو اُس پر قیاس کرکے اور ان مسکرات کا اس حد میں استعمال منع ہوگا کہ جس قدر سے نشہ

[1] یہ چار آیتیں اس کی تحریم میں نازل ہوئی ہیں اول میں ذرا سا ممانعت کی طرف اشارہ ہوا پھر دوسری میں کچھ اور اور تیسری میں کچھ اور چوتھی میں صاف ممانعت کردی اول آیت ومن ثمرات النخیل والاعناب الآیۃ۔ دوسری فیہما اثم کبیر ومنافع للناس۔ تیسری لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکارٰی۔ چوتھی انما الخمر والمیسر الآیۃ ۱۲ منہ رحمہ۔

نشہ پیدا ہو۔ المیسر یعنے قمار یا جوا یہ یسر کا مصدر ہے جیساکہ موعد اور مرجع اور اس کا ماخذ یُسر ہے یعنی جوئے میں چونکہ آسانی سے مال حاصل ہوتا ہے اس لئے اس کو میسر کہنے لگے (کبیر) بعض کہتے ہیں کہ حصہ مقرر کرنے کے معنے اس میں ملحوظ ہیں۔ ایام جاہلیت میں دستور تھا کہ کسی جانور کو بالاشتراک لے کر ذبح کرتے اور اس کا گوشت یوں تقسیم کرتے تھے۔ دس تیر لے رکھے تھے اور ان کے نام مقرر کر رکھے تھے ان کو ازلام اور اقلام بھی کہتے تھے مسبل، معلی، نافس، منیح، سفیح، وغد، فذ، توام، رقیب، حلس۔ ہر ایک کے متفاوت حصہ لگے ہوئے تھے بعض میں خالی لکھا ہوا ہوتا تھا سب کو جمع کر کے ایک تھیلی میں بند کر دیتے اور ہاتھ ڈال کر نکالتے جس کے نام سے جو نکل آتا اور جو جیت جاتا تو وہ گوشت فقیروں کو دیتا اور بڑا خوش ہوتا تھا۔ شراب اور جوئے کا نفع تو یہی ہے کہ مفت مال ہاتھ آتا ہے اور بدن فربہ ہوتا ہے مگر نقصانِ عقل جو جوہر لطیف ہے اور باہمی عداوت زیادہ تر ہے اس لئے ان کو منع کیا۔ اور پھر مال خرچ کرنے کا لوگوں نے سوال کیا کہ کس قدر دیں؟ فرمایا جو حاجت سے زیادہ ہو دو۔ اس سے صدقہ نافلہ مراد ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ

اور (پھر) آپ سے یتیموں کی بابت سوال کرتے ہیں، کہہ دو کہ جس میں ان کی اصلاح

لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ

ہو وہ بہتر ہے، اور اگر ان کو اپنے شریک رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں،

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ

اور اللہ تعالیٰ تو مفسد کو مصلح سے الگ جانتا ہے۔

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر دشواری ڈال دیتا، اللہ تعالیٰ غالب تدبیر

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ

والا ہے، اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں

حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ

ان سے نکاح نہ کرو، اور مشرک عورتوں سے تو ایماندار

مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا

لونڈی بہتر ہے گو تم کو بھلی معلوم ہوا کرے، اور مشرک مردوں کے

تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَ

نکاح میں (مسلمان عورتیں) نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، اور

لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ

ایماندار غلام بہتر ہے مشرک سے گرچہ وہ تم کو بھلا

لَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى

ہی معلوم ہو، یہ (مشرک) تو تم کو جہنم کی طرف

النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ

بلاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے تم کو بہشت اور

الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ

مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ اور اپنا حکم لوگوں کو کھول کھول کر

۲۷ ع ۵ ۱۱ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

بیان کرتا ہے تاکہ وہ یاد رکھیں۔

## ترکیب

اصلاح مبتدا لہم اس کی صفت خیر خبر وان تخالطوہم شرط فہم اخوانکم جزاء ولو شرط شاء فعل اللہ فاعل مفعول اعنتکم محذوف لاعنتکم جواب شرط ولو بمعنے ان۔

## تفسیر

ازانجملہ یتیموں کی حق تلفی ہے۔ اس کے متعلق اوّل آیت

ـــه شرع میں انھیں پر منحصر نہیں رکھا بلکہ جس میں دو طرفہ شرط ہو جیساکہ نرد اور کعبتین وغیرہ سب کو حرام کر دیا ۱۲ منہ

میں بیان ہے۔ ازانجملہ مشرکوں سے مناکحت ہے کیونکہ اس سے زہر آلود اختلاط ہوتا ہے۔ مشرکوں کی عادت اور خصائل رواج پا کر نہ قومیت باقی رہتی ہے نہ دین خالص جس کی نظیر ہندوستان کے مسلمان ہیں۔ دوسری آیت میں اس کی ممانعت کی گئی جب خدا تعالیٰ نے یتیموں کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ تو لوگوں نے احتیاطاً یتیموں کا کھانا پانی گھر میں الگ رکھنا شروع کیا اور ان کے مال کو تجارت وغیرہ منافع میں بھی لگانے سے دست کشی کی یہاں تک کہ جو کھانا یتیم کا بچ رہتا تو وہ سڑ بس کر خراب ہو جاتا۔ اس میں یتیموں کا حرج تھا اور یتیموں کی پرورش کرنے والوں کو بھی دقت تھی۔ اس لئے یہ آیت نازل فرمائی اور چند کلمات جامع کہہ کر تمام باتیں ختم کر دیں فرمایا کہ یتیموں کی اصلاح خواہ مال کے معاملہ میں خواہ انکی تعلیم و تربیت کے معاملہ میں بہتر ہے ان کے لئے بھی اور دنیا و آخرت میں تمہارے لئے بھی۔ پھر فرمایا اگر ان کو ملا لو خواہ ان کا کھانا پینا خواہ تجارت میں مال خواہ ان سے نکاح بیاہ کر کے تو وہ تمہارے بھائی واجب الرحم ہیں۔ اس کے بعد ظاہراً و باطناً خدا ترسی اور دلی نیک نیتی کی طرف اشارہ کیا کہ خدا تعالیٰ کو بھلائی چاہنے والا اور برائی کرنے والا معلوم ہے۔ پھر نعمت جتلاتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو سخت احکام کی مشقت میں تم کو ڈال دیتے مگر نہ ڈالا اور آسانی ملحوظ رکھی۔ یتیموں کی پرورش اور اصلاح اور خدا ترسی زیادہ گھر کی بیویوں سے متعلق ہے کیونکہ مرد اپنے کاروبار میں اندر باہر آتا جاتا رہتا ہے اور نیز جزئیات امور پر اس کی نظر بھی نہیں رہتی اس لئے خانہ داری کی اصلاح بھی ضروری ہوئی۔ پس فرمایا کہ مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو کس لئے کہ اس میں دیانت نہیں۔ پھر خدا ترسی اور حقوق پر نظر کیا؟ اور نیز تمہاری معاش و معاد میں بھی خلل پڑے گا، زن و شوہر کا

ایک نازک معاملہ ہے جو باہمی محبت پر مبنی ہے اگر اختلاف مذہب کی وجہ سے محبت نہ ہوتی تو روز کے جھگڑے پیدا ہوتے اور جو محبت ہوتی تو اس کی رسوم شرک و کفر پر چشم پوشی کرنی پڑتی جس سے دین برباد ہوا۔ اور اسی طرح سے مسلمان عورتوں کے مشرک مردوں سے نکاح کی ممانعت کر دی۔ اور فرمایا کہ مشرک سے غلام بہتر ہے اور مشرکہ سے لونڈی افضل ہے۔ نکاح سے یہاں مراد عقد ہے مگر اس لفظ کے معنے میں اختلاف ہے۔ امام اعظمؒ کہتے ہیں کہ اس کے اصلی معنے وطی[2] کے ہیں اور مجازاً عقد پر اطلاق ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ اس کے برعکس کہتے ہیں المشرکات سے مراد سوائے اہل کتاب کے اور بت پرست عورتیں ہیں یا جو خدا تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی اور کو حصہ دار سمجھتے ہیں اور اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح بحکم آیت سورۂ مائدہ والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب[1] حلال ہے مگر المشرکین سے بالاجماع اہل کتاب وغیرہ سب کافر مراد ہیں۔ پس مسلمان عورتوں کا کسی کافر سے نکاح درست نہیں۔ اس آیت سے پہلے مسلمانوں اور کافروں میں بیاہ شادی کا عام دستور تھا اس کے بعد ممانعت ہو گئی۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ

اور (اے رسولؐ) وہ آپ سے حیض کی بابت سوال کرتے ہیں کہدو وہ نجاست

اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ

ہے پس عورتوں سے حیض میں الگ رہو۔

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا

اور ان کے پاس نہ جاؤ جب تک کہ وہ پاک نہ ہولیں پھر جب وہ

تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ

خوب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جس جگہ سے خدا تعالیٰ نے تم کو

[1] اولئک یدعون الی النار سے اسی طرف اشارہ ہے ۱۲ منہ

[2] جماع یعنی صحبت کرنا ۱۲ منہ

اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ

حکم دیا ہے۔ ضرور خدا تعالیٰ پسند رکھتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور

يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ

پسند کرتا ہے ستھرائی والوں کو، تمہاری بیویاں تمہاری

حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَ

کھیتی ہیں پھر اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ

قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اور اپنے لئے آگے (یعنی عاقبت) کی بھی تیاری کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ

اور جان رکھو کہ تم کو اس کے پاس حاضر ہونا ہے۔ اور خوشخبری

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

سنادو ایمانداروں کو۔

## ترکیب

المحیض موضع الحیض و یحتمل ان یکون نفس الحیض و التقدیر یسئلونک عن الوطیٔ فی زمن الحیض من حیث امرکم من اس جگہ ابتدائے غایۃ کے لئے ہے اور ممکن ہے بمعنی فی ہو۔ پس یسئلون فعل ہم خبر فاعل ک مفعول عن المحیض فعل کے متعلق ہو کر جملہ خبریہ ہوا ہو مبتدا اذی خبر جملہ مقولہ ہوا قل کا فاعتزلوا امر حاضر معروف انتم اس کا فاعل النساء مفعول بہ فی المحیض متعلق ہے فعل سے جملہ انشائیہ معطوف علیہ ولا تقربوا الخ اس پر معطوف فاذا حرف شرط تطہرن مخفف اور مثقل دونوں طرح پڑھے اس کی اصل تتطہرن تھا ت کو ساکن کرکے ط سے بدلا اور دوسری ط میں ادغام کر دیا یہ جملہ شرط فاتوہن جواب شرط من حیث متعلق ہے فاتوہن سے نساؤکم مبتدا حرث لکم خبر انی شئتم ای کیف شئتم ۔

## تفسیر

ازانجملہ معاشرت کے طریقوں میں خرابی ہے اور اس میں اپنی عورت سے خلافِ فطرت پیش آنا یعنی حیض میں صحبت کرنا جو طرفین کی تندرستی کو بھی مضر ہے اور انسانی پاکیزگی کے بھی ان آیات میں اس مسئلہ کا بیان ہے اس مسئلہ میں بعض اقوام افراط بعض تفریط کرتی ہیں اسلام نے درمیانی طریقہ ارشاد فرمایا۔ یہود یوں میں دستور تھا کہ وہ حیض والی عورت کو جدا مکان میں رکھتے تھے نہ اس کے ہاتھ کا پکا کھاتے تھے نہ کسی چیز کو ہاتھ لگانے دیتے برخلاف اس کے عیسائیوں میں کوئی بھی قید نہ تھی۔ مجامعت سے بھی چنداں حذر نہ کرتے تھے۔ مدینہ طیبہ میں ہر ایک قوم کے لوگ آنحضرت علیہ السلام کے پاس مجتمع تھے وہ اپنی اپنی عادت کے موافق کیا کرتے تھے پاس لئے اس مسئلہ میں لوگوں کو خلجان پیدا ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ فرمایا حیض ایک ناپاکی ہے اس لئے عورتوں کے پاس نہ جاؤ یعنی ان سے جماع نہ کرو جب تک کہ وہ خوب پاک نہ ہو جاویں ان سے صحبت نہ کرو پاک ہو جانے کے بعد تمہیں ہر طرح سے فائدہ حاصل کرنیکا اختیار ہے اس کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ لذتوں ہی میں مستغرق نہ رہو کچھ آگے کی بھی فکر کرو کیونکہ تم کو خدا تعالیٰ سے ملنا ہے سو تقویٰ اور پرہیزگاری کرو خدا تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرا کرو۔ حیض کے لغوی معنی سیلان کے ہیں اور حوض میں چونکہ پانی اِدھر اُدھر سے بہہ کر آتا ہے اس لئے اس کو حوض کہتے ہیں اور واو۔ ی ایک دوسرے کی جگہ کلام عرب میں آیا کرتا ہے۔ لفظ محیض مصدر بھی ہے اور اس سے ظرف بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی حیض کی جگہ۔ حیض عورتوں کے رحم سے ہر مہینے میں خونِ فاسد برآمد ہونے کو کہتے ہیں اس کی رنگت سیاہی مائل ہوتی ہے اور بدبو دار اور گاڑھا سا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے حیض میں عورتوں کے پاس نہ جانے کی

ملت ناپاکی بیان کی ہے سو یہ اُس خون میں نہیں پائی جاتی
کہ جو بیماری سے عورتوں کو آیا کرتا ہے جس کو استحاضہ
کہتے ہیں اس لئے اُس میں جماع منع نہیں۔ قرآن میں حیض
کی کوئی مدت بیان نہیں کی کہ کب سے کب تک رہتا ہے
عُرفِ عام پر چھوڑ دیا۔ لیکن علماء نے احادیث، اقوالِ صحابہ
اور دیگر دلائل اور قرائن سے مدت مقرر کی ہے۔ سو وہ امام
ابو حنیفہ رح کے نزدیک کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ
دس روز ہیں۔ اور امام شافعی رح کے نزدیک کم از کم ایک رات
دن زیادہ سے زیادہ پندرہ روز ہیں۔ امام مالک رح کہتے
ہیں کوئی حد مقرر نہیں۔ قرآن مجید میں حیض کے ایام میں
صرف جماع کی ممانعت ہے باقی اور احکام کہ حیض میں
نماز نہ پڑھے، روزہ نہ رکھے، مسجد میں نہ جائے، قرآن مجید
کو نہ چھوئے، طواف نہ کرے اور نیز نفاس کے احکام اور
اس کی مدت اور یہ کہ نماز کی قضاء لازم نہیں روزہ کی ہے
احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں۔ تطہرن کو جو تشدید سے
پڑھا جاوے تو اُس کے معنی نہا دھو کر پاک ہونا اور جو بغیر
تشدید پڑھا جاوے تو صرف حیض سے پاک ہونا۔ اس پر امام
ابو حنیفہ رح نے یہ حکم دیا کہ اگر دس روز سے پہلے حیض منقطع
ہوا ہے تو جب تک وہ غسل نہ کر لے یا اتنا عرصہ نہ گزر جاوے
کہ جس میں غسل کر سکے اُس سے صحبت نہ کرے اور جو دس روز بعد
کے خون بند ہوا ہے تو اسی وقت جائز ہے۔ امام شافعی رح اور
اوزاعی رح اور مالک رح اور ثوری رح کہتے ہیں کہ ہر حال میں بغیر
غسل کے صحبت درست نہیں بلحاظ قرارت تشدید اس کے

بعد خدا تعالیٰ نے عورت کے پاس جانے کی اجازت دی اور
عورت کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی کہ جس طرح زمین میں تخم
ڈالتے ہیں اور اُس سے کوئی چیز اُگتی ہے اسی طرح عورت
کا رحم بمنزلہ زمین کے اور منی بمنزلہ تخم کے ہے اور اولاد
درخت ہے اس سے نہایت تہذیب کے ساتھ اس طرف اشارہ

کر دیا کہ پاخانہ کی راہ سے جماع نہ کرو اور اس لئے من حیث
امرکم اللہ کہا اور یحب التوابین اور یحب المتطہرین
فرمایا۔ بعض شیعہ کہتے ہیں درست ہے کیونکہ عام اجازت ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ
اور اللہ کے نام کو اپنی قسموں میں آڑ نہ بناؤ (کہ اللہ کے نام کی قسم کا بہانہ کر کے)
تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ
نیکی اور پرہیزگاری اور لوگوں میں اصلاح نہ کرو،
وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ
اور اللہ (خوب) سنتا جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری قسموں
اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ
میں بیہودہ گوئی پر نہیں پکڑتا ہے لیکن
يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَ
تم سے اُن قسموں پر مواخذہ کرتا ہے کہ جو تمہارے دل سے سرزد ہوئی ہیں (یعنی ارادہ کر کے)
اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ
کی ہوں اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔ جو لوگ اپنی بیبیوں کے پاس جانے سے
مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ
قسم کھا بیٹھے ہیں ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔
فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾
(اسی عرصہ میں) اگر وہ ملاپ کر لیں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔
وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ
اور اگر طلاق کا ارادہ کر لیا ہے تو بے شک خدا (خوب)
سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾
سنتا جانتا ہے۔

## ترکیب

ان تبروا موضع نصب میں ہے ای مخافۃ ان تبروا۔ اور
اہل کوفہ کہتے ہیں لئلا تبروا تقدیرہ ان تبروا فی ایمانکم متعلق
ہے باللغو سے اور جائز ہے کہ حال ہو اُس سے تقدیرہ باللغو
کائنا فی ایمانکم بما کسبت ما مصدریہ ہے للذین صلہ و

لہ بچہ جننے کی حالت ہے۔

موصول ثابت کے متعلق ہو کر خبر ہے تربص الخ کی فان
فاؤ اے رجعوا شرط فان اللہ الخ جواب وقس علیہ ۔

## تفسیر

ازانجملہ بے موقع قسم کھانا ہے اور قسم کو نیکی سے باز
رہنے کے لئے آڑ بنانا اور بیوی جیسی جلیس سے جس پر معاشرت
و تمدن مربوط ہے کسی بات پر خفا ہو کر اس کے پاس جانے
کی قسم کھا بیٹھنا بہت مروج ہے اس لئے اس مسئلہ کو بھی
مسئلۂ مناکحت کے بعد طے کر دیا۔ لوگوں میں بات مشہور
تھی کہ جب کسی بات پر خدا تعالے کی قسم کھائی جائے خواہ
وہ اچھی ہو یا بری یا کسی چیز کے ترک پر خواہ اچھی ہو یا
بری تو ضرور اس پر قائم رہنا چاہیے۔ چنانچہ صدیق اکبرؓ
ایک قسم کھا بیٹھے تھے کہ میں اپنے بھانجے مسطح کو اب
کچھ نہ دیا کروں گا اس نے حضرت عائشہ رضؓ پر بہتان باندھا
اور اسی طرح اور لوگ بھی قسم کھا بیٹھے تھے کہ میں اپنے باپ
سے یا ماں سے نہ بولوں گا یا فلاں شخص میں صلاح نہ کروں گا
اس بات سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا کہ میرے نام کو کیوں آڑ
بناتے ہو؟ اس کے ساتھ سمیع فرمایا یعنی اگر قسم کھا کے
تو وہ سنتا ہے اور جو اس کے نام کی عزت کر کے ترک کر دے
تو وہ علیم یعنی جانتا ہے۔ اس کے بعد قسم کا مسئلہ بیان فرمایا
کہ تم سے لغو قسموں پر کچھ مواخذہ نہ کرے گا۔ عرضۃ بروزن
فعلۃ بمعنے للمفعول کالقبضۃ والغرفۃ۔ پس یہ اس چیز کا
اسم ہے کہ جو روکنے والی ہو جس کو ہندی میں آڑ اور اوٹ
کہتے ہیں۔ ایمان یمین کی جمع ہے جس کے معنے قوت اور
مضبوطی کے ہیں اور عرف شرع میں اس قسم کو کہتے ہیں کہ
جو اللہ تعالیٰ کے نام سے یا اس کی کسی صفت سے کھائی جاوے
جیسا کہ واللہ باللہ تاللہ عربی میں اور اللہ کی قسم یا بخدا
اردو میں اور اسی کو حلف کہتے ہیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ کے نام
سے قسم میں قوت اور تاکید ہو جاتی ہے اس لئے اس کو یمین
کہتے ہیں۔ یمین تین طرح پر ہوتی ہے ایک غموس[۱] یہ وہ کہ
کسی گزری ہوئی بات پر عمداً جھوٹی قسم کھائی جائے جیسا کہ
واللہ فلاں شخص آیا تھا اور جانتا ہے کہ وہ نہیں آیا۔ اس
میں بڑا گناہ ہے اس پر بحکم ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم
آخرت کا مواخذہ ہے دنیا میں اس کا علاج توبہ و استغفار
ہے یہی قول امام ابو حنیفہ رح کا بھی ہے۔ مگر امام شافعی رح
کہتے ہیں کہ یہ بما کسبت قلوبکم میں داخل ہے اور پھر سورۂ
مائدہ میں اس کو بما عقدتم الایمان سے تعبیر کیا ہے اور وہاں
اس مواخذہ کی تشریح ہے کہ کفارہ دینا ہوگا۔ دوسری
منعقدہ وہ یہ کہ آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر خدا
تعالیٰ کی قسم کھائے کہ واللہ میں فلاں کام کروں گا یا خدا کی
قسم اس کے گھر نہ جاؤں گا۔ پس جو کسی گناہ کی بات پر قسم
کھا بیٹھے کہ واللہ میں نماز نہ پڑھوں گا یا فلاں شخص کو قتل
کروں گا یا للہ نہ دوں گا یا اپنے باپ سے کلام نہ کروں گا تو
اس پر لازم ہے کہ قسم کو توڑ دے اور کفارہ دیدے۔ نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من حلف علی یمین ورای غیرہا
خیرا منہا فلیات بالذی ہو خیر ثم لیکفر عن یمینہ رواہ البخاری
کہ جو کسی بات پر قسم کھا بیٹھے اور اس کے خلاف کرنے میں بہتری
جانے تو اس کام کو کرلے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے اور
اس آیت میں بھی اسی قسم کا ذکر ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے نام کو
نیکی سے باز رہنے میں آڑ نہ بناؤ۔ اور جو ایسی باتوں پر قسم
نہیں تو اس کو پورا کرنا چاہیے اور اگر خلاف کرے گا پھر عام ہے
کہ اچھی بات پر قسم تھی یا بری بات پر تو اس کو بالاتفاق کفارہ
دینا ہوگا جس کا اشارہ یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم میں ہے
اور تشریح سورۂ مائدہ میں ہے ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان
فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ما تطعمون اہلیکم او کسوتہم
او تحریر رقبۃ فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام الآیۃ۔ کہ خدا تعالیٰ

[۱] غموس کہتے ہیں ڈوبنے کو چونکہ ایسی قسم کھانے والا گناہ میں ڈوب جاتا ہے
اس لئے اس کو غموس کہتے ہیں ۱۲ منہ

تم سے اُن قسموں پر کہ جن کو تم نے منعقد کیا ہے مواخذہ کرتا ہے سو اُس کا کفارہ دسؔ مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا[1] کھلانا یا کپڑا پہنانا[2] یا غلام آزاد کرنا ہے اور اگر مقدور نہ ہو تو تین روزے[3] رکھنا۔

تیسرے یمین لغو۔ اس کی تفسیر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ اور حسن بصریؒ اور مجاہدؒ اور نخعیؒ اور زہریؒ اور سلیمان بن یسارؒ اور قتادہؒ اور سدیؒ اور مکحولؒ اور امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ یمین لغو یہ ہے کہ کسی گزشتہ بات پر یہ جان کر کہ یوں ہے قسم کھاوے اور در اصل وہ یوں نہ ہو جیسا کہ کوئی کہے واللہ بارش ہوئی تھی اور اس کو گمان غالب ہے کہ ہوئی تھی اور در اصل یہ غلطی پر تھا یا کہے کہ واللہ یہ فلاں چیز ہے اور در اصل اس کا خیال غلط ہے چونکہ اس نے عمداً جھوٹ نہیں بولا یہ معاف ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ؛ اور عائشہ صدیقہؓ اور شعبیؒ اور عکرمہؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ یہ یمین لغو نہیں کیونکہ اس میں قصد پایا گیا اس پر کفارہ لازم ہوگا بلکہ لغو یہ ہے کہ بلا قصد یوں ہی بات بات پر واللہ باللہ کا استعمال کیا جائے چونکہ اس میں قصد نہیں یہ لغویت معاف ہے خدا دل کو دیکھتا ہے۔

عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ بیوی سے خفا ہو کر قسم کھا بیٹھتے تھے کہ اب تیرے پاس نہ آؤں گا سو وہ قسم کے مارے نہ اُس کے پاس آتے تھے نہ طلاق دیتے تھے اس میں عورت کو بڑی دقت پیش آتی تھی۔ اس قسم کی قسم کو شرع میں ایلاء کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ایلاء کے لئے مدت چار مہینے کی مقرر کر دی پس اگر چار مہینے کے اندر اندر پھر ملاپ ہو گیا تو صرف اس قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ مگر بعض علماء کہتے ہیں کہ کفارہ بھی نہ دینا پڑے گا کس لئے کہ اللہ غفور رحیم آیا ہے، مگر یہ قول ٹھیک نہیں کیونکہ ہر قسم میں جو اللہ کے نام سے کھائی جائے حانث ہونے پر یعنی پورا نہ کرنے پر کفارہ لازم ہوتا ہے اور یہ بھی ایک قسم ہے۔ دوم غفور رحیم باعتبار عذاب آخرت کے ہے۔ اور جو چار مہینے گزر گئے اور باہم ملاپ نہ ہوا تو ایک طلاق بائن پڑ جاوے گی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں خود بخود طلاق مدت گزرنے پر نہ ہوگی بلکہ عورت کو مجاز ہوگا کہ حاکم کی طرف رجوع کرے اور حاکم ملاپ کرا دے یا طلاق دلا دے۔ محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایلاء جب پایا جاوے گا کہ جب شوہر چار مہینے یا زیادہ مدت لگا کر قسم کھاوے گا یا مطلق کہے گا یا ہمیشہ کا لفظ بولے گا مگر چار مہینے سے کم کی مدت پر قسم کھانے میں ایلاء نہ ہوگا ؛



وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ

اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ اپنے نفس کو تین حیض[4]

ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ

تک روکے رکھیں، اور ان کو حلال نہیں کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے

يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ

ان کے پیٹ میں پیدا کر رکھا ہے (حمل) اس کو چھپائیں

اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ

بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتیں ہوں۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور ان کے خاوند اگر اچھی طرح رکھنا چاہیں تو وہ اس عرصہ میں ان کو

اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ

واپس لے لینے کے زیادہ مستحق ہیں، اور عورتوں کے بھی ویسے ہی

[1] دو وقت ورنہ ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں دے اور ایک صاع جو وغیرہ اور صاع کا وزن تقریباً ساڑھے چار سیر ہے ۱۲

[2] کہ ہر شخص کو ادنیٰ مرتبہ اس قدر پہنادے کہ جس سے نماز ادا کر سکے اور زیادہ کا اختیار ہے ۱۲

[3] روزہ امام اعظمؒ کے نزدیک پے در پے رکھے اور ائمہ کے نزدیک یہ قید نہیں ہے ۱۲ منہ

[4] یعنی تین حیض تک عدت طلاق ہے اگر کسی سے نکاح کریں تو اس کے بعد کریں ۱۲ منہ

۲۸ ع ۱۲

الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ

حقوق ہیں جیسا کہ دستور کے موافق مردوں کے حق اُن پر ہیں۔ اور مردوں کو

عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝

عورتوں پر فوقیت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔

## ترکیب

والمطلقات مبتدا یتربصن خبر معنیٰ امر ہے۔ ثلٰثة قروء ظرف ہے یتربصن کا۔ لایحل فعل لہن اس کے متعلق ان یکتمن جملہ بتاویل مصدر فاعل ان کن شرط جملہ لایحل دال برجزاء بعولتہن مبتدا احق الخ خبر بردہن متعلق ہے احق کے فی ذٰلک ای وقت التربص ؛

## تفسیر

چونکہ ایلاء کا حکم آچکا تھا جو ایک قسم کی طلاق یا طلاق کے مبادی میں سے ہے اور معاملات کے مسائل کا بیان فرمانا سعادتِ انسانی کی تکمیل ہے اس لئے طلاق کا مسئلہ ان آیات اور اگلی آیات میں بیان فرمایا۔ ایامِ جاہلیت میں عدّة کے بارے میں بھی بڑا جھمیلا تھا کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی شخص طلاق دے کر برس چھ مہینے کے بعد بھی پھر اُس عورت پر دعویدار ہوجاتا تھا اس لئے اُس سے اور شخص نکاح نہ کرتا تھا نہ وہ خود اُس کے نان و نفقہ کی خبرگیری کرتا تھا اُس میں عورت پر بڑا ظلم ہوتا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے طلاق کی عدّت بیان کی اور اُس عدّت میں مرد کو پھر اُس عورت سے ملاپ کرنے کی اجازت دی بشرطِ نیّتِ اصلاح اور عورتوں کو بھی تاکید کردی کہ عدّت میں کمی زیادتی کرنے کی غرض سے یا اوّل خاوند سے ناراض ہوکر اپنا حمل یا حیض نہ چھپائیں کس لئے کہ اس میں بڑی خرابی ہے اور ایک کی اولاد دوسرے کے پاس جاتی اور نسب میں فرق پڑتا ہے۔ اور یہ بھی جتلادیا کہ عورت و مرد کے ایک دوسرے پر حقوق مساوی

ہیں البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت اور بزرگی ہے ؛

## تحقیقات

(۱) مطلقہ عرفِ شرع میں اُس عورت کو کہتے ہیں جو کسی کے نکاح میں ہو اور پھر اس کو طلاق دی گئی ہو۔ اگر یہ عورت ایسی ہے کہ صرف نکاح ہوا ہے مگر اس سے صحبت کا اتفاق نہیں ہوا تو اس کے لئے عدّت نہیں کما قال تعالیٰ اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا الاٰیة۔ اور اگر اُس سے صحبت ہوچکی ہے تو وہ یا حاملہ ہے یا غیر حاملہ اگر اس کو حمل ہے تو اُس کی عدّت وضعِ حمل ہے یعنی جب تک حمل ہے عدّت باقی ہے اور شخص اُس سے نکاح نہیں کرسکتا وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ الاٰیة۔ اور اگر حمل نہیں اور صغرسنی کی وجہ سے اُس کو حیض نہیں آتا ہے تو اُس کی عدّت صرف تین مہینے ہیں وَاللَّائِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَائِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ الاٰیة۔ اور جو اُس کو حیض بھی آتا ہے لیکن وہ لونڈی ہے تو اُس کی عدّت دو حیض ہیں۔ احادیثِ صحیحہ و آثارِ قویہ سے، اور جو لونڈی نہیں تو اُس کی عدّت اس آیت میں ہے یعنی تین حیض یا تین طہر (۲) قروء قرء کی جمع ہے جس کے معنے حیض اور طہر دونوں کے ہیں امام ابو حنیفہ حیض لیتے ہیں امام شافعیؒ طہر؛

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ

وہ طلاق (کہ جس کے بعد رجوع کرسکتے ہو) دو ہی ہیں (اس میں) یا تو

اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ

دستور کے موافق زوجیت میں رکھے یا اچھی طرح سے چھوڑ دے، اور جو کچھ اُن کو دے

اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْئًا

چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس لینا تم کو حلال نہیں

إِلَّآ أَن يَخَافَآ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ

مگر جب کہ دونوں کو ڈر ہو کہ ہم احکامِ الٰہی پر قائم نہ رہ سکیں گے

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ

سو اگر تم کو (اے حکام) یہ خوف ہو کہ وہ دونوں خدا تعالیٰ کے حکموں پر قائم نہ رہیں گے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا ٱفْتَدَتْ بِهِۦ

تو اس بات میں ان پر بھی گناہ نہیں کہ عورت مرد کو کچھ واپس دے کر پیچھا چھڑالے۔

تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا

یہ خدا تعالیٰ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سو ان سے تجاوز نہ کرو۔

وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ

اور جو خدا تعالیٰ کی حدوں سے آگے بڑھتے ہیں

هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ (۲۲۹)

سو وہی ظالم ہیں ؎

## ترکیب

الطلاق ای عدد الطلاق (الذی یجوز معہ الرجعۃ) مبتدا مرتان خبر امساک موصوف بمعروف صفت دونوں مبتدا علیکم اس کی خبر محذوف اور تسریح معطوف ہے امساک پر لایحل فعل ان تاخذوا بتاویل مفرد فاعل شیئًا مفعول مما اس کی صفت مقدم من تبعیض کے لئے اور ما بمعنے الذی آتیتمو فعل ہن مفعول اول آیا، مفعول ثانی محذوف الا ان یخافا ان اور فعل دونوں موضع نصب میں ہیں حال ہونے کی وجہ سے و التقدیر الا خائفین الا یقیما موضع نصب میں ہے یخافا سے۔

## تفسیر

پہلی آیت میں رجوع کرنے کا ذکر تھا اس آیت میں اس کو کھول دیا کہ کب تک خاوند کو رجوع پہنچتا ہے فرمایا دو طلاق تک پھر تیسری طلاق کے بعد بالکل علاقہ[1] منقطع ہوجاتا ہے مگر جاہلیت میں مرد کے رجوع کی کوئی حد مقرر نہ تھی تین بلکہ دس بیس طلاق دینے کے بعد بھی ایک عرصہ دراز تک مرد کا عورت پر دعویٰ رہتا تھا۔ اس میں عورت کو بڑی دقت پیش آتی تھی چنانچہ ایک عورت نے آکر حضرت عائشہ صدیقہ رضی سے یہی شکایت کی تب یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ دو طلاق تک رجوع کرنے کا اختیار ہے پھر اس کے بعد یا تو رجوع کرلے اور حسنِ معاشرت سے میاں بیوی بل کر رہیں ورنہ اچھی طرح سے چھوڑ دے یعنی پھر رجوع نہ کرے عدت گزر جانے کے بعد عورت جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے یا تیسری طلاق دے کر منقطع ہی کردے جو کچھ ہو خوش معاملگی سے ہو عورت کو دق نہ کرے نہ اس کے عیوب بیان کرتا پھرے نہ جو کچھ مہر اور زیور اور کپڑا وغیرہ اس کو بخش دیا ہے اس کو واپس لے مگر[2] ایک صورت میں اور وہ خلع ہے یعنی جب یہ معلوم ہو کہ اب میاں بیوی کی ہرگز نہ بنے گی اور بیوی اپنے آپ کو اس کے نکاح میں رکھنا نہیں چاہتی تو بیوی مہر یا جو کچھ لیا ہے اس کو سب یا قدرے دے کر طلاق لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ ان کے باہم ساتھ رہنے میں روز مرہ کی تکا فضیحتی اور خدا و رسول کی نافرمانی ہے۔

## فوائد

(۱) مدینہ طیبہ میں ایک عورت جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی تسکیلہ تھی اور اس کا خاوند ثابت بن قیس بن شماس بدشکل

---

[1] دو طلاق تک مرد کو زوجیت میں رکھنے کا اختیار رہتا ہے تیسری طلاق کے بعد اختیار نہیں۔ اس کا حکم بعد میں بیان ہوتا ہے ۔ [2] یعنی مہر میں یا جو معاوضے میں جو کچھ مرد نے دیا ہو وہ عورت کا مال ہوچکا طلاق کے سبب مرد کو جائز نہیں کہ اس میں سے کچھ واپس لے۔ صرف خلع کی صورت میں جائز ہے اور وہ یہ کہ قرائن سے معلوم ہوجائے کہ اب ان دونوں میں سلوک نہ ہوگا تب گی مرد کو دو طلاق کے بعد بھی زوجیت میں رکھنے کا اختیار ہے بشرطیکہ عدت نہ گزر گئی ہو ایسی حالت میں مرد کو عورت اس کے عطیہ میں سے کل یا جزو واپس دے کر پیچھا چھڑالے تو مضائقہ نہیں اس کو شرع میں خلع کہتے ہیں ۱۲ منہ

تھا جس قدر یہ اُس کو چاہتا تھا اُسی قدر اُس عورت کو اُس سے نفرت تھی اس لئے ہر روز باہم بدمزگی اور رنجش رہتی تھی آخر الامر جمیلہ نے آنحضرت علیہ السلام سے عرض کیا کہ یا حضرت ﷺ! میرا دل اُس سے از حد نفرت کرتا ہے اور خوف ہے کہ حقوق شوہر میں کمی کرنے سے مجھ سے مواخذہ ہو اس لئے آپ ﷺ مجھ کو اُس سے جدا کر دیجئے آپ ﷺ نے بہت کچھ فہمائش کی مگر جب دیکھا کہ باہم اتفاق مشکل ہے ثابت سے کہا کہ تو کیا چاہتا ہے ؛ اُس نے عرض کیا کہ بہتر مگر میں نے اُس کو باغ دیا ہے۔ یہ اُس کو واپس کر دے۔ جمیلہ نے کہا باغ کے ساتھ کچھ اور بھی لے کر مجھے چھوڑ دیجئے حضرت ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ صرف باغ لے کر چھوڑ دے سو اُس نے باغ واپس کر کے اُس کو چھوڑ دیا یہ اوّل خلع ہے جو اسلام میں واقع ہوا۔ سُنن ابی داؤد سے ثابت ہے کہ اُس عورت کا نام حفصہ بنتِ سہل تھا۔

(۲) ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلع جب درست ہے کہ جو مرد و عورت کو خوف ہو کہ ہم سے حقوقِ زوجیت ادا نہ ہو سکیں گے۔ چنانچہ زہری رح اور نخعی رح اور داؤد ظاہری رح کا یہی مذہب ہے۔ مگر جمہور مجتہدین حالتِ خوف اور غیر خوف دونوں میں درست کہتے ہیں بدلیل قولہ تعالےٰ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا کہ جو کچھ اپنی خوشی سے مہر میں سے وہ عورتیں تم کو دیدیں تو تم کو درست ہے پس جب بلا معاوضہ دینا درست تھا تو خلع کی صورت میں کہ اُس کے بدلہ میں آزادی حاصل ہوتی ہے بدرجہ اَولےٰ جائز ہے اور اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ میں استثنار متصل نہیں بلکہ منقطع جیسا کہ اس آیت میں وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۔
(ای لکن ان کان خطأً فدیۃ )

ف خوف اگر عورت کی جانب سے ہو کہ وہ سرکشی اور نافرمانی کرتی ہے تو اس صورت میں بالاتفاق مال لے کر چھوڑ دینا درست ہے اور اگر صرف خاوند کی طرف سے ہو کہ وہ عورت کو مارتا پیٹتا بُری طرح سے پیش آتا ہے اور تنگ کر کے اس کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اس سے طلاق لے اور مہر جو کچھ دیا ہے واپس دے سو یہ بالاتفاق حرام ہے جیسا کہ سورۂ نسار میں فرماتا ہے وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ ۔ اور اگر دونوں جانب سے خوف ہے تو بھی عند اللہ مرد کو یہ مال لینا درست نہیں گو بظاہر عدالتِ شریعت دِلوادے۔ اور اگر دونوں جانب سے نہیں تو یہ وہی صورت اختلافی ہے کہ جس میں زہری رح وغیرہ ایک طرف اور اکثر مجتہدین ایک طرف ہیں۔

(۳) فامساک بمعروف او تسریح باحسان کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ دو طلاق کے بعد رجوع کر لے یا رجوع نہ کرے عدت گزر جانے دے اور یہی تسریح باحسان ہے یعنی اچھی طرح سے چھوڑ دینا۔ بعض کہتے ہیں کہ تسریح سے مراد تیسری طلاق ہے کہ پھر بالکل ہی جھگڑا پاک ہو جاوے۔ چنانچہ اگلی آیت فَاِنْ طَلَّقَهَا میں اس کا بیان ہے۔

(۴) مرتان دو دفعہ کر کے طلاق دینا ہے۔ اثنان میں یہ بات نہیں بلکہ صرف دو طلاق، عام ہے کہ ایک بار دی گئیں یا دو بار۔ بطریقِ اولےٰ مرتان کا اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ گو حالتِ مجبوری میں طلاق بغیر چارہ نہیں مگر جہاں تک ہو سکے اس رشتہ کو قائم رکھے اس لئے ایک بار دو طلاق دینا شارع علیہ السلام نے مذموم قرار دیا ہے۔ یہ اس لئے کہ ایک طلاق کے بعد شاید مرد کا غصہ یا رنج جو باعثِ طلاق ہو جاتا رہے اور مہر و محبت اور خانہ داری کی مصلحت معلوم ہو جائے تو پھر مل سکتے ہیں۔ داؤد، ابن حزم وغیرہ ظاہری تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر دو یا تین طلاق ایک بار دیگا تو ایک ہی واقع ہو گی کیونکہ اس سے شارع علیہ السلام نے منع کیا ہے اور ممنوع کا وجود شرعًا معتبر نہیں مگر ائمہ اربعہ وجمہور اہلِ سُنّت وجماعت اس کے برخلاف ہیں وہ کہتے

ہیں ممنوع فعل کے وجود کا انکار کرنا محسوس کا انکار کرنا ہے۔ زنا چوری ہرچند ممنوع مگر جو ان کو عمل میں لائے گا اس پر زنا اور چوری کی ضرور سزا شرعاً واقع ہوگی۔ احادیث صحیحہ سے پایا گیا ہے کہ تین طلاق ایک بار دینے سے وہ تین ہی سمجھی گئیں اور حلالہ بغیر چارہ نہ ہوا اور لفظ فان طلقہا مرتان کے بعد اسی پر دلالت کر رہا ہے۔

(۵) خلع یعنی مال لے کر طلاق دینا کیا ہے؟ حضرت علیؓ و عثمانؓ و ابن مسعودؓ و حسن بصریؒ و شعبیؒ و نخعیؒ و عطاءؒ و ابن مسیبؒ و شریحؒ و مجاہدؒ و مکحولؒ و زہریؒ و سفیان ثوریؒ و امام ابوحنیفہؒ اور ایک قول امام شافعیؒ کا بھی یہی ہے کہ یہ طلاق بائن ہے اور اس کو طلاق علی المال کہیں گے اس میں پوری عدت لازم ہوگی مگر ابن عباسؓ اور طاؤسؒ اور عکرمہؒ اور امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ خلع فسخ ہے یعنی نکاح کو اُدھیڑ دینا اس میں ایک حیض تک عورت کو روکنا لازم ہے تاکہ حمل کا حال معلوم ہو جاوے پھر نکاح کرنے کا اختیار ہے۔ ۲۹ ع ۳ ۱۰ ۱۳

---

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ

پھر اگر اس نے اس کو (تیسری) طلاق بھی دے دی تو اب وہ عورت اس کو حلال نہ ہوگی

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا

جب تک کہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے گی۔ پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ

تو پہلے خاوند اور اس عورت پر باہم ملاپ کرنے میں کچھ بھی گناہ نہیں اگر وہ (یہ)

ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ

جانیں کہ ہم حقوقِ زوجیت ادا کر سکیں گے۔ اور یہ خدا تعالیٰ کے

حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۲۳۰)

احکام ہیں وہ ان کو سمجھنے والوں کے لئے بیان کرتا ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کرنے کو ہوں

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ

تو ان کو یا تو دستور کے موافق رکھ لو یا اچھی طرح

بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا

چھوڑ دو، اور ان کو ضرر پہنچانے کے لئے نہ روک رکھو

لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ

کہ ان پر زیادتی کرنے لگو اور جس نے ایسا کیا اس نے اپنی جان پر

ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ

ظلم کیا۔ اور خدا تعالیٰ کے احکام سے مسخراپن

هُزُوًا ؗ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو یاد کرو جو تم پر ہیں

وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ

اور یہ احسان بھی یاد کرو کہ اس نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی کہ جس

الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ

سے تم کو سمجھایا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور

اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۲۳۱) ع

جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو (اور) وہ اپنی عدت تمام کر چکیں تو

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ

اب ان کو اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو

اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ

جب کہ وہ باہم دستور کے موافق راضی ہو جاویں، تم میں سے

يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے

لہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس رفاعہ کی بیوی نے آکر عرض کیا کہ یا حضرتؐ! رفاعہ نے مجھ کو طلاق دی تھی پھر میں نے عبدالرحمن ابن زبیر سے نکاح کیا مگر وہ سست نکلا۔ آپ نے فرمایا تو یہ چاہتی ہے کہ پھر رفاعہ کے پاس جاوے۔ اُس نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا یہ نہیں ہوگا جب تک کہ تیرے مزے سے وہ اور تو اسکے مزے سے واقف نہ ہو لے یعنی باہم جماع نہ ہو لے۔

وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکُمْ اَزْکٰی لَکُمْ وَ

دن پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ سمجھانے کے لئے بڑی پاکیزگی اور بڑی صفائی کی

اَطْهَرُ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

بات ہے۔ اور (اس کی مصلحت) اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

## ترکیب

فان طلقھا شرط فلا تحل فعل ضمیر ہی راجع عورت کی طرف فاعل لہٗ متعلق لا تحل۔ من بعد متعلق فعل مذکور حتےٰ غایۃ لا تحل تنکح فعل ضمیر ہی فاعل زوجًا مفعول موصوف غیرہ صفت یہ تمام جملہ جواب شرط فان طلقھا ای الزوج الثانی جملہ شرط فلا جناح علیھما ای المرأۃ والزوج الاول ان یتراجعا فی محذوف جُملہ جواب شرط ان شرطیۃ ظنا فعل الزوجان فاعل ان یقیما الخ جملہ مفعول پھر یہ سب شرط اور فلا جناح دال بر جزا تک مبتدا حدود اللہ خبر موصوف یبینھا الخ جملہ صفت واذا طلقتم النساء شرط فامسکوھن الخ جواب ضرارًا مفعول لہٗ تمسکوھن۔ وما معطوف ہے نعمت اللہ پر ان ینکحن ای من ان ینکحن۔

## تفسیر

اس آیت میں طلاق کے متعلق پانچواں حکم بیان فرماتا ہے وہ یہ کہ اگر اُس نے تیسری طلاق بھی دیدی تو اب رجوع کرنیکا حق اوّل خاوند کو باقی نہ رہا بالکل اُس کے اختیار سے باہر ہوگئی۔ اب جو یہ شخص اُس عورت سے ملاپ کرنا چاہے تو اُس کو یہ اُس وقت حلال ہوگی کہ جب اور شخص سے نکاح کرکے اور وہ اس سے صحبت کرکے (جیسا کہ صحیحین میں حدیث[۱] زن رفاعہ سے ثابت ہے) طلاق دیوے۔ سو اب اگر ان کو یہ گمان ہو کہ ہم باہم سلوک و محبت سے گزران کریں گے اور حقوقِ زوجیت پر قائم رہیں گے تب رجوع کرنا یعنی بعد عدت کے پھر نکاح کرنا درست ہے۔ مگر یہ شخص جس سے کہ حلالہ کے لئے نکاح ہوا ہے شرط نہ کرے کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی صورت میں دونوں پر لعنت کی ہے بلکہ اس شخص کو اختیار ہے طلاق دے یا نہ دے۔ اس میں سرّ یہ ہے تاکہ خاوند اوّل تین طلاق دینے کی پوری سزا پاکر پھر کبھی ایسی لغو حرکت کا قصد نہ کرے۔

**واضح** ہو کہ دوٗ طلاق دینے کے بعد عورت کے تین حال ہیں (۱) یہ کہ مرد اُس سے رجوع کرے یعنی عدّت کے اندر ملاپ کرلے سو اُس کو فامساک بمعروف میں بیان فرمایا (۲) یہ کہ رجوع نہ کرے یہاں تک کہ عدّت تمام ہو جائے اور بالکل جُدائی ہو جائے اس کو تسریح باحسان میں ظاہر فرمایا (۳) یہ کہ تیسری اور طلاق دے کر بالکل انقطاع کردے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا فان طلقھا الخ۔ الطلاق مرتان کے بعد فان طلقھا متصل ہے اور ان دونوں آیتوں کے بیچ میں ولا یحل لکم الخ آیتِ خلع بطورِ جملۂ معترضہ آگئی ہے۔

اس کی شانِ نزول میں یوں منقول ہے کہ معقل بن یسار کی بہن کو اُس کے خاوند جمیل بن عبداللہ بن عاصم نے طلاق دی اور عدّت کے بعد پھر پشیمان ہوکر اس سے نکاح کی درخواست کی عورت نے منظور کرلیا۔ معقل بن یسار نے خفا ہوکر روک دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تب معقل نے کہا میں خدا تعالیٰ کے حکم پر راضی ہوں، رواہ الحاکم۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب عورت ایک مدّت ایک مرد کے پاس رہ کر معاشرت کرچکی ہو گو کسی سبب سے باہم طلاق کی نوبت پہنچ گئی ہو مگر باہم ایک تعلق باقی رہتا ہے اس لئے اوّل خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے کا ارشاد ہوا اور اس کی حکمت کو اشارتًا ذٰلکم ازکیٰ لکم واطھر میں بیان فرمایا۔ پھر واللہ یعلم وانتم لا تعلمون میں اور بھی توضیح کردی۔

مخالفینِ اسلام طلاق کے بارے میں بھی اعتراض کیا کرتے

[۱] حاشیہ ص۸۲ پر ملاحظہ کریں ۱۲

ہیں کہ شریعت نے ایسے مکروہ مسئلہ کو جائز رکھا کہ جو باہمی محبت اور تمدن کے برخلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ طلاق مکروہ چیز ہے اور اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خدا تعالیٰ کے نزدیک نہایت ناپسند ہے اور جو عورت بغیر کسی لاعلاج ضرورت کے طلاق لے گی اس پر جنت کی بُو بھی حرام ہوگی مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ میاں بیوی کو تمام عمر مل کر گزارنی پڑتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خود خصلت کا موافق آنا ضروری بات نہیں علاوہ اس کے سینکڑوں ایسی سخت ضرورتیں درپیش ہو جاتی ہیں کہ جن کا علاج بجز طلاق کے اور کچھ نہیں ہوتا اس لئے اس شریعت نے نہ یہود کی طرح افراط کو دخل دیا کہ خواہ مخواہ بھی ذرا سی بات پر طلاق دینے کی اجازت دی ہو بلکہ اول یوں فرمایا کہ عورتوں کی کج خلقی پر صبر کیا کرو اُن کے ساتھ نہایت سلوک و احسان کے ساتھ پیش آیا کرو اور عورتوں کو سمجھایا کہ تم پر مردوں کی اطاعت اور حفظ ناموس اور خیر خواہی ضروری ہے اس کے بعد اشد ضرورت کے لئے طلاق کی اجازت دی مگر اس کے ساتھ بھی یہ باتیں ملحوظ رکھیں تاکہ پھر ملاپ ہو جائے۔ اول یہ کہ طہر میں طلاق دے شاید حیض کے وقت کسی بات سے دل پر نفرت آگئی ہو۔ دوم ایک بار تین طلاق نہ دے شاید پھر بیچ میں ملاپ ہو جاوے اور غصہ فرو ہو کر سمجھ آجاوے۔ سوم عدت کے بعد بھی ملاپ کا راستہ رکھا۔ اور نہ عیسائیوں کی طرح تفریط کو کام فرمایا کہ عورت کیا ہوئی بلا ہے جان ہو گئی کچھ ہی کرے بغیر زنا کے اور سبب سے طلاق ہی نہ دے سکے جس کے بُرے نتائج مشاہدہ میں رات دن آتے رہتے ہیں ؂

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ

اور ماؤں کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو کامل دو برس تک دودھ پلائیں اور اس شخص

حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ

کی اولاد کے لئے جو (تین طلاق کے بعد بھی) اسی عورت سے پوری مدت تک

الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ

دودھ پلوانا چاہے۔ اور باپ پر دودھ پلانے والیوں کا کھانا

وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ

اور کپڑا دستور کے موافق لازم ہے۔ کسی کو تکلیف نہ دی جاوے

نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ

مگر اسی قدر کہ اس کی گنجائش ہو۔ نہ تو ماں ہی کو اس کے بچہ کی وجہ سے

بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَ

ضرر دیا جاوے اور نہ باپ ہی کو اس کی اولاد کی وجہ سے اور

عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا

اسی قدر اس کے وارث پر بھی ہے۔ پھر اگر دونوں اپنی

فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ

رضامندی اور مشورہ سے (اس مدت سے پہلے) دودھ بڑھانا چاہیں تو

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ

ان پر کچھ بھی گناہ نہیں اور اگر کسی اور سے اپنی اولاد کو

تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں

إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَ

بشرطیکہ جو کچھ تم نے دینا کیا ہے اس کو دستور کے موافق ادا کردو۔ اور

اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خدا تعالیٰ

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۳﴾

اس کو (خوب) دیکھ رہا ہے۔

## ترکیب

والوالدات مبتدا یرضعن الخ خبر اولادھن مفعول یرضعن حولین موصوف کاملین صفت یہ ظرف لمن اراد الخ ثابت کے متعلق ہو کر خبر ہے مبتدا محذوف کی ای ذالک لمن اراد۔ رزقھن معطوف علیہ وکسوتھن معطوف دونوں ذی الحال بالمعروف حال اور عامل اس میں معنی استقرار ہیں یہ سب

ؔ اسی بات کو حضرت مسیح علیہ السلام نے مذموم فرمایا ہے ۱۲ منہ

مبتدا علی المولود لہٗ موصول وصلہ خبر پھر یہ جملہ معطوف ہے اوّل جملۂ اسمیہ پر۔ لا تکلف فعل مجہول نفس مفعول مالم یسم فاعلہٗ الّا وسعہا مفعول ثانی لا تضار فعل مجہول اصل میں لا تضارر صیغۂ نہی اور ر کو متحرک التقاء ساکنین کی وجہ سے کیا اور فتح مجانست الف کی وجہ سے دیا اور بعض نے ر کو مرفوع بھی پڑھا ہے۔ والدۃ مفعول مالم یسم فاعلہٗ بولدہا بسبب ولدہا۔ ولا مولود لہٗ معطوف ہے والدۃ پر لا یضار مولود لہٗ بولدہٖ ؏

# تفسیر

یہ دسواں حکم رضاعت کا ہے۔ طلاق کے بعد میاں بیوی میں ایک قسم کی دشمنی اور نفرت پیدا ہو جایا کرتی ہے اور ایسی حالت میں بالخصوص جب کہ عورت کو کسی اور سے نکاح کرنا مدِنظر ہوتا ہے تو خواہ مخواہ بچہ سے بے التفاتی ہوتی ہے اور اس کے دودھ پلانے میں بھی تکرار کرتی ہے خصوصاً اس لئے بھی کہ پہلے شوہر کو بچہ کی پرورش میں دشواری ہو اور کبھی مرد یہ چاہا کرتا ہے کہ اس سے اپنا بچہ چھین کر کسی اور سے دودھ پلوائے اور اس بیچاری کو اس کے فراق سے تڑپائے۔ اس لئے اس کے بعد اس امر میں بھی بچہ پر رحم کھا کر فیصلہ کر دیا کہ بچہ کی مائیں کامل دو برس تک اپنے بچہ کو دودھ پلائیں اور ان کا باپ اس کے معاوضہ میں دستور کے موافق اُن کو روٹی کپڑا یا نقد تنخواہ دے حسب مقدور، نہ ماں کو کسی نوع بچہ کی وجہ سے تکلیف دی جائے کہ اس سے بچہ چھین لیا جاوے یا دستور سے کم اُس کو نان و نفقہ دیا جاوے اور نہ باپ کو تکلیف دی جاوے کہ اُس کے مقدور سے زیادہ اُس سے طلب کیا جاوے اور بچہ کو اُس کے پاس پھینک کر چلی جاوے اور جو باپ نہ ہو تو اُس کے بعد اس کے وارثوں پر بھی نان و نفقہ اسی طرح لازم ہے۔ اور جو باہمی مشورہ کر کے اور مصلحت سمجھ کر دو برس سے پیشتر دودھ بڑھانا[1] چاہیں تو کچھ مضائقہ نہیں اور جو کسی مصلحت سے یہ منظور ہو کہ اور عورت سے بچہ کو دودھ پلوائیں تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ مگر جو کچھ تنخواہ مقرر ہو جائے تو اس کو دیدینا چاہیے۔

# فوائد

(۱) بظاہر یہ حکم طلاق دی ہوئی عورت کے لئے ہے کہ اس قدر مدت دودھ پلائے اور اس کو روٹی کپڑا دیا جاوے الخ مگر حکم عام ہے بیوی کو بھی یہی حکم ہے اور اگر دودھ پلانے کی وجہ سے اس کو کچھ دیا جاوے تو اُس کو حقِ زوجیت مانع نہیں۔

(۲) حولین کاملین یعنی پورے دو برس کی مدت تک دودھ پلانا کوئی ضروری بات نہیں بلکہ اگر ضرورت پیش آوے تو اس سے پہلے بھی فطام ہو سکتا ہے یعنی دودھ بڑھ سکتا ہے جس کو فصال کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور دو برس کی مدت اس لئے مقرر ہوئی ہے کہ اگر اس سے پہلے باہمی مشورہ کے بغیر مرد یا عورت دودھ بڑھائے تو نہ بڑھا سکے اور یہ بھی ہے کہ جو احکام رضاعت کے متعلق ہیں کہ دودھ سے بھائی بہن ہو جاتے ہیں وہ اسی مدت کے اندر معتبر ہیں اس کے باہر نہیں پس ظاہر آیت سے امام شافعیؒ اور علقمہؒ اور شعبیؒ اور زہریؒ نے دو برس رضاعت کی مدت قرار دی ہے اور یہی رائے حضرت علیؓ اور ابنِ مسعودؓ اور ابن عباس رضوان اللہ علیہم کی ہے اور صاحبین کا بھی یہی مذہب ہے۔

**ف** یعنی طلاق کے بعد اگر کوئی مطلقہ کے بچے کو اسی سے پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے تو عورت کو انکار نہ کرنا چاہیے۔ کس لئے کہ بہ نسبت اور عورت کے اس کو بچہ پر جو اس کے پیٹ کا ہے نہایت شفقت ہوتی ہے۔ مگر بچہ کے باپ پر دستور کے موافق نہ بہت زیادہ نہ بہت کم دودھ پلانے والی کا خواہ یہ مطلقہ ہو یا کوئی اور ہو روٹی کپڑا یا اس کے اندازہ سے کوئی تنخواہ دینی ضروری ہے اور اگر باہمی مصلحت سے دو برس سے پہلے ہی دودھ بڑھا دینا چاہیں تو اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں اور اگر بچہ کا باپ مرجائے تو اس کے وارثوں پر یہ تنخواہ لازم ہوگی ۱۲ منہ

[1] دودھ بڑھانا یعنی بچہ کا دودھ چھڑانا ۱۲ منہ

امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ ڈھائی برس کی مدت ہے انکی دلیل یہ آیت ہے وحملہ وفصالہ ثلثون شہرا کہ حمل اور فصال کی مدت ڈھائی برس ہے اور اس آیت میں جو دو برس کامل مذکور ہیں تو صرف اُجرتِ رضاعت کے لئے۔ اور ائمہ اس آیت کا جواب دیتے ہیں کہ اس میں ہر ایک کی مستقل مدت نہیں بیان کی بلکہ دونوں کی مجموعی مدت جس سے حمل کی ادنیٰ مدت چھ مہینے اور رضاعت کی دو برس۔

(۳) عورت پر بچہ کا دودھ پلانا عموماً واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور یرضعن سے بھی یہی مراد ہے اور اس لئے دوسری جگہ اس کی تصریح آگئی ہے فان ارضعن لکم فاٰتوھن اجورھن یعنی اگر وہ تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو تم ان کو اُجرت دو وان تعاسرتم فسترضع لہ اخرٰی اور جو تنگ دستی ہو تو اور سے دودھ پلوالو۔ مگر بچے کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ اپنی ماں کا دودھ پیوے کس لئے کہ جو شفقت اس کو ہوگی وہ اور کو کب ہو سکتی ہے؟ اور نیز اس کا دودھ زیادہ تر موافق پڑتا ہے اور اسی لئے ماں کو بچہ پر رحم دلانے کے لئے اولادھن فرمایا کہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اور باپ کو شفقت دلانے کو مولود لہ کہا۔ اور جب بچہ سوائے ماں کے اور کا دودھ نہیں پیتا یا دایہ کو اور سے دودھ پلانے کی بالکل طاقت نہیں تب ماں کو ہی پلانا واجب ہے۔

(۴) اذا سلمتم ما اٰتیتم پلائی کی اُجرت اُسی وقت سپرد کرنی واجب نہیں بلکہ جو قرارداد ہو جائے اور جس طرح سے ہو جاوے مدت تمام ہونے کے بعد دی جائے لیکن اُسی وقت

دینے سے دل خوش ہو جاتا ہے اس لئے یہ لفظ آیا۔ سب کے بعد خداتعالیٰ نے ان حقوق کی رعایت رکھنے کے لئے ایک ایسا کلمہ ذکر کیا کہ جس سے ہر ایماندار کے دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے وہ یہ کہ اول فرمایا واتقوا اللہ اور اس کے بعد یہ فرمایا واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر حقیقت میں ان باہمی حقوق کی رعایت بغیر خدا ترسی کے ممکن نہیں عدالتِ دنیاوی اور حکام کہاں تک بندوبست کر سکتے ہیں اور اسی لئے جب تک دنیا میں خدا ترسی اور انبیاء علیہم السلام اور ان کے جانشینوں کے ذریعہ سے تنفیذ احکام ہوتی رہیں انتظام عالم بھی صداقت سے ہوتا رہا مگر جب صرف قانون حکومت رہ گیا تو بدمعاشی اور جعل سازی نے ظہور کیا۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ
اور جو تم میں سے مر جاویں اور وہ بیویاں چھوڑ مریں تو
اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ
ان بیویوں کو چار مہینے دس روز تک اپنے نفس کو روکنا
اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
چاہیے (یعنی عدت کرنا چاہیے) پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ
(اے وارثو!) تم پر اس کام میں جو وہ اپنے لئے دستور کے موافق کریں کچھ بھی
بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۲۳۴)
برائی نہیں (یعنی نکاح کرنے میں) اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے۔
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ
اور نہ تم پر اس بات میں کچھ گناہ ہے کہ تم ان عورتوں کو اشارتًا
خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ
نکاح کا پیغام بھیجو یا (اس کو) دل میں پوشیدہ رکھو۔
عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ
خدا جانتا ہے کہ تم کو ان عورتوں کا خیال پیدا ہوگا (سو اس کا مضائقہ نہیں) لیکن

---

لہ حمل سے مراد امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حمل شکمی نہیں بلکہ رضاعت کے ایام میں بچہ کا گود میں اٹھانا اور کبھی الگ کر دینا گویا حمل وفصال رضاعت ہے اگر حمل سے مراد حمل شکمی اور فصال سے مراد دودھ بڑھانا لیا جائے تو ہر واحد کی خبر ثلاثون شہرا ہوگی یعنی ڈھائی برس انتہاء مدت حمل کی ہے اور ڈھائی برس انتہاء رضاعت کی ہے یہ نہیں کہ دونوں کی مدت ڈھائی برس ہے کلام کی صاف دلالت اسی معنی پر ہے ۱۲ منہ

لَا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا

مخفی طور سے ان سے نکاح کا وعدہ نہ کرو ہاں اگر کوئی دستور کے موافق

قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۵ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ

بات کہو تو حرج نہیں۔ اور جب تک کہ (خدا کی طرف سے) میعاد (نوشتہ

النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَ

یعنی عدت) پوری نہ ہولے اس وقت تک نکاح کا قصد بھی نہ کرو۔ اور

اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ

یہ بھی جان رکھو کہ خدا تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو بھی

فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

جانتا ہے سو اس سے ڈرتے رہو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا

غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾

بُردبار (بھی) ہے۔

## ترکیب

والذین الخ مبتدا یتربصن خبر من خطبۃ النساء یہ جار مجرور موضع حال میں ہے بہ سے سرا مفعول بہ ہے کیونکہ یہ بمعنی نکاح ہے ای لا تواعدوھن نکاحا اور ممکن ہے کہ مفعول مطلق ہو ای مواعدۃ سرا وقیل التقدیر سے فی سر سو یہ ظرف ہے الا ان تقولوا استثناء مفرغ ہے مدلول نہی سے ای لا تواعدوھن مواعدۃ ما الا مواعدۃ معروفۃ۔

## تفسیر

پہلی آیتوں میں عدتِ طلاق مذکور تھی اس لئے عدتِ وفات کا بھی حکم بیان کر دیا یہ گیارہواں حکم ہے۔ فرماتا ہے کہ جو لوگ بیویاں چھوڑ مریں تو ان کی بیویوں کو چار مہینے دس روز تک چاہیے کہ نکاح نہ کریں، نہ جو چیزیں نکاح کے اسباب ہیں ان کو عمل میں لاویں زیب و زینت سرمہ کاجل وغیرہ اور نہ بغیر ضرورت اس گھر سے باہر جاویں یہ سب باتیں تربصن سے سمجھی جاتی ہیں اور خود نبی علیہ السلام نے تشریح کر دی ہے۔ اگر بیوہ کو حمل ہے تو اس صورت میں جب تک ہے عدت ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔ اور یہ عدۃ کے بعد جو کچھ وہ دستور کے موافق کریں خواہ نکاح ثانی کریں یا زیب و زینت تو ان کو منع نہ کرو اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔ عورتوں کو نکاح اور اس کے داعی سے روکا تو مردوں کو بھی منع کیا کہ عدت سے پہلے تم نہ ان کو صراحتاً نکاح کا پیغام دو اور نہ خفیۃً نکاح کا وعدہ کرو کیونکہ اس قسم کی تحریک اور لگاوٹ سے عورت کے دل میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے جس سے عدت میں فرق پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہے اور قیام عدۃ نکاح سابق کی عزت و حرمت کا ملحوظ رکھنا عورت کو بے وفائی اور بیگانوں کی آشنائی سے محفوظ رکھنا ہے جو تمدن کے لئے ضروری ہے۔ اس کا مضائقہ نہیں کہ اشارتاً اپنا ارادۂ نکاح ظاہر کر دیا جائے کہ میرا ارادہ نکاح کرنے کا ہے۔ ان سب باتوں کے بعد فرمایا کہ وہ تمہارے دلوں کی باتیں جانتا ہے اس سے ڈرتے رہا کرو۔

خِطبۃ بالکسر منگنی اور پیغام نکاح کو کہتے ہیں اور بالضم خُطبہ پڑھنا یعنی کوئی ترغیب و ترہیب کا مضمون بیان کرنا، جیسا کہ جمعہ اور عیدین اور دیگر اوقات میں ہوتا ہے۔ آگے ایک آیت ہے کہ جس میں عدۃ وفات برس روز کی ہے اس کا حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا۔ عدت عظمت نکاح اول کے لئے اور نیز حمل اور نسب کی تمیز کے لئے مقرر ہوئی ہے۔

۳۰ ع ۱۴

ف یعنی عدتِ وفات چار مہینے دس روز تک ہے خاوند کے مر جانے کے بعد، اتنے عرصے تک عورت نکاح نہ کرے اگر اس کے بعد دستور کے موافق کرے تو کچھ گناہ نہیں وارثوں کو اس سے ان کو منع نہ کرنا چاہیے۔ اور ایام عدت میں ان سے نکاح کا پیغام دینا یا وعدہ کرنا کہ ہم تم سے بعد عدت نکاح کریں گے ممنوع ہو کس لئے کہ عدت حرمتِ نکاح کے لئے قائم ہوتی ہے پیغام دینے یا مخفی طور سے پکی کر لینے میں اس احترام نکاح میں فرق آتا ہے گویا یہ عورت بیوفا اس کا مرنا چاہتی تھی۔ ہاں مرد کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ عدت کے بعد اس سے ہم نکاح کریں گے یا یہ کہلا بھیجنا کہ مجھے نکاح کی طرف رغبت ہے یعنی اشارتاً منشاء ظاہر کرنا بعض مصلحتوں کے سبب کچھ ممنوع نہیں ۱۲ منہ

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ
تم پر اس بات سے (بھی کوئی) گناہ نہیں کہ تم عورتوں کو ہاتھ لگانے
مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ
یا اُن کے لئے مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دیدو (ہاں اس صورت میں)
وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَ
اُن کو کچھ سامان دینا چاہیئے مقدور والا اپنی حیثیت سے اور
عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ
تنگدست اپنے مقدور کے موافق سے (جو کچھ بھی ہو) دستور کے موافق سامان دینا
حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۳۶﴾ وَإِنْ
نیک لوگوں پر (ایک لازمی حق) ہے۔ اور اگر تم نے
طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ
ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہے
وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ
اور اُن کے لئے مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو تم پر آدھا مہر
مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ
معین دینا لازم ہے مگر اس صورت میں کہ خود ہی عورتیں معاف کردیں یا وہ
الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ
شخص معاف کردے کہ جس کے اختیار میں نکاح باندھنا تھا۔ اور تمہارا معاف
تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا
کردینا پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے (یعنی بہتر ہے) اور آپس کی بڑائی
الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا
کو مت بھولو۔ کیونکر جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۷﴾
تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے۔

## ترکیب

مالم تمسوھن ما مصدریہ اور زمان اس کے ساتھ محذوف ہے تقدیرہ فی زمن ترک مسھن اور بعض کہتے ہیں ما شرطیہ ہے ای ان لم تمسوھن فریضۃ فعیلۃ بمعنے مفعولۃ مفعول بہ ہے ومتعوھن معطوف ہے محذوف پر تقدیرہ فطلقوھن ومتعوھن۔ علی الموسع خبر ہے مبتدا محذوف کی متعوھن علی الموسع پھر یہ جملہ موضع حال میں ہے فاعل سے اور ممکن ہے کہ مستانفہ ہو متاعا اسم مصدر ہے اور مصدر تمتیع ہے حقا مفعول مطلق ای حق ذلک حقا وقد فرضتم موضع حال میں ہے الا ان یعفون ان اور فعل موضع نصب میں ہے والتقدیر فعلیکم نصف ما فرضتم الا فی حال العفو ؛

## تفسیر

یہ بارہواں حکم ہے۔ واضح ہو کہ جن عورتوں کو طلاق دیجاتی ہے اُن کی چار قسمیں ہیں۔ قسم اوّل یہ کہ ان کا مہر بھی معین ہو اور پھر ان کو خلوت کرکے طلاق دی گئی ہو اُن کا حکم پہلی آیتوں میں بیان ہو چکا کہ ان کو پورا مہر دینا چاہیئے اور تنگ کرکے اُن سے کچھ واپس لینا نہ چاہیئے۔ اور ان کی عدۃ تین حیض ہے۔ قسم دوم وہ کہ اُن کے لئے مہر معین نہ ہو اور نہ ہنوز اُن سے خلوت ہوئی ہو بلکہ صرف نکاح کرکے طلاق دیدی ہو اُن کا حکم اس آیت میں لاجناح سے لے کر حقا علی المحسنین تک بیان ہے وہ یہ کہ اُن کے لئے مہر نہیں بلکہ دستور کے موافق متعہ یعنی خرچ دینا چاہیئے کم سے کم کپڑوں کا ایک جوڑا اور زیادہ سے زیادہ نصف مہر۔ قسم سوم وہ عورتیں ہیں کہ جن کا مہر تو معین ہو

ف ان آیات میں دو قسم کی طلاق کا حکم بیان فرماتا ہے کیونکہ عورت کو ہاتھ لگانے یعنی خلوت کرنے سے پہلے طلاق دیدی تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس کے لئے کچھ بھی مہر معین نہ ہوا تھا ایسی صورت میں متعہ دینا یعنی ضروری سامان حسب مقدور مرد پر لازم ہے جس کی کوئی تعداد بیان نہیں ہوئی مگر کم سے کم ایک جوڑا کپڑوں کا اور زیادہ سے زیادہ نصف مہر معین ہو چکا تھا تو نصف لازم ہے ہاں اگر عورت کم سن ہے تو اسکے ولی معاف کردیں یا مرد معاف کردینا بہتر ہے کیونکہ اس میں فریقین سے کوئی متمتع نہیں ہوا ہے آپس کی فضیلت عورت کے والی کا اختیار قائم رکھنا ہے کہ جو کچھ اس نے کر لیا ہے عورت منظور کرلے سرکشی نہ کرے ان دونوں صورتوں میں عورت پر عدۃ بھی لازم نہیں ہاتھ لگانے کے بعد طلاق دینے کا مسئلہ پہلی آیتوں میں بیان ہو چکا ہے کہ اگر مہر معین تھا تو کل اور اگر معین نہ ہوا تھا تو مہر مثل لازم ہے اور اس عورت کو عدۃ لازم ہے اور اسکے لئے ایک کے کہ تین طلاق دیجا سکتی ہیں ۱۲ منہ

مگر خلوت نہیں ہوئی ہو اور طلاق دی گئی ہو ان کا حکم
اس آیت میں ہے وان طلقتموہن من قبل ان تمسوہن الآیہ
وہ یہ کہ ان کو آدھا مہر دے۔ ان دونوں قسموں میں عورت
پر عدۃ لازم نہیں آتی جیسا کہ سورۂ احزاب میں فرماتا ہے
اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموہن من قبل ان تمسوہن فما لکم
علیہن من عدۃ تعتدونہا فمتعوہن الخ چوتھی قسم یہ کہ عورت
سے نکاح کرکے صحبت بھی کی ہو لیکن اس کا مہر معین نہ کیا
ہو پھر اس کو طلاق دیدے تو اس کا حکم اس آیت میں ہے
فما استمتعتم بہ منہن فاتوہن اجورہن کہ ان کو مہر مثل
دینا چاہیے یعنے جو مہر کہ اس عورت کے کنبہ کی عورتوں کا
ہے وہ ملے گا۔ متعہ اور متاع لغت میں اس چیز کو کہتے
ہیں کہ جس سے فائدہ حاصل ہو اور اسی لئے دنیا کو متاع
کہتے ہیں اس سے مراد یہاں خرچ ہے جس کی تعداد کچھ نہیں
ادنٰی مرتبہ عورت کے کپڑے، اور زیادہ مقدار نصف مہر اور
یہ واجب ہے۔ الذی بیدہ عقدۃ النکاح سے مراد حضرت
علی رضؓ اور سعید بن المسیبؒ اور بہت سے تابعینؒ اور امام
ابو حنیفہؒ کے نزدیک عورت کا میاں ہے کہ اس کے ہاتھ میں
نکاح ہے پس اگر یہ معاف کرے یعنی آدھا اور بھی دیدے تو
پورا ہو سکتا ہے اور امام شافعیؒ اور حسنؒ اور مجاہدؒ اور
علقمہؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ولی ہے یعنی عورت کا
سرپرست کس لئے کہ نکاح کرنا اس کے ہاتھ میں تھا پس یا
عورت معاف کردے یا اس کی اجازت سے ولی معاف کردے
تو نصف بھی ساقط ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ
نمازوں کی محافظت کیا کرو اور خاص کر　بیچ کی　نماز

الْوُسْطٰی ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾
کی، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے نیازمندی سے کھڑے ہوا کرو۔

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ
پھر اگر تم کو (دشمن کا) ڈر ہو تو پیادہ پڑھ لیا کرو یا سوار ہو کر جسطرح ہو سکے نماز ادا کرلیا کرو پھر

اٰمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ
تم امن پاؤ تو اللہ کو (اس طرح سے) یاد کیا کرو جسطرح اس نے تم کو (وہ طریقہ)

تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ
بتایا　جس کو تم نہیں جانتے تھے۔　اور جو تم میں مرنے کو ہوں

مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِیَّةً
اور بیویاں بھی چھوڑ مریں　تو ان کو اپنی بیویوں

لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَیْرَ
کے لئے سال بھر کے　گزارہ کے لئے　وصیت کرنی

اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ
چاہیے　گھر سے باہر کئے بغیر پھر اگر وہ خود نکل کھڑی ہوں تو تم پر

فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ
اس بات میں کہ جو وہ اپنے لئے دستور کے موافق کرلیں کچھ بھی گناہ نہیں

وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ
اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے،　اور طلاق دی ہوئی عورتوں

مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۴۱﴾
کے لئے خرچ دینا دستور کے موافق پرہیزگاروں پر لازم ہے۔

كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ
اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام یوں صاف صاف بیان کرتا ہے

ع ۷ ۱۵ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾
تاکہ تم سمجھو۔

## ترکیب

رجالاً حال ہے محذوف سے تقدیرہٗ فصلوا رجالاً، جمع راجل
کما علمکم کاف موضع نصب میں ہے ای ذکراً مثل ما علمکم
والذین یتوفون مبتدا خبر محذوف ای یوصون متاعاً
مصدر اس لئے کہ یوصون بمعنی یمتعون ای یمتعون متاعاً
غیر اخراج حال ہے وللمطلقات خبر متاع مبتدا حقاً
مفعول مطلق۔

۳۸

# تفسیر

پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے تقوے اور احسان کا ذکر کیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ آپس کی بزرگی کا لحاظ رکھو اس موقع پر بطور جملہ معترضہ خدا تعالیٰ اپنی بزرگی ملحوظ رکھنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ وہ سب سے بڑا ہے۔ خدا تعالیٰ کی بزرگی ملحوظ رکھنا نماز پر مداومت کرنا ہے اس لئے نمازوں کی محافظت کا ذکر کیا اس کے ضمن میں حالتِ خوف میں نماز ادا کرنے کا مسئلہ بھی ذکر فرمایا کہ نمازوں کی محافظت کرو یعنی نہایت خشوع و خضوع اور حضورِ قلب سے ادا کرو بالخصوص بیچ کی نماز کی محافظت کرو اور خدا تعالیٰ کے روبرو ادب سے کھڑے ہوا کرو، نماز میں باہم اشارہ اور کلام نہ کرو۔ اس آیت سے پہلے اہل کتاب کی طرح مسلمان بھی نماز میں اشارہ یا بات کر لیتے تھے اس کے بعد ممانعت ہوگئی (وہ جو بعض احادیث میں ہے کہ نماز میں صحابہؓ یا خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اشارہ کیا یا بات کی یا چلے سو یہ سب اس آیت سے پہلے کی باتیں ہیں) پھر فرماتا ہے کہ اگر تم کو دشمن کے مقابلہ میں خوف ہو کہ اگر ہم نماز پڑھیں تو ہم پر حملہ کر دے گا تو تم سوار یا پیدل جس حال میں ہو بلا لحاظ رکوع و سجود کے وبلا لحاظ جہت کعبہ کی طرف منہ کیوں نہ ہو نماز پڑھو اس کو نہ چھوڑو پھر جب امن ہو تو جس طرح تم کو خدا تعالیٰ نے نماز کی تعلیم کی ہے اس طرح پڑھو۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسے وقت نماز کی تاخیر کرے دوسرے وقت میں ادا کرے جیسا کہ صحابہؓ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ احزاب میں کیا تھا۔ الصلوٰۃ الوسطیٰ کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں بعض ظہر بعض نماز صبح کہتے ہیں مگر احادیث قویہ سے عصر کی نماز معلوم ہوتی ہے جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے کہ مشرکوں نے ہم کو صلوٰۃ وسطیٰ سے روک دیا خدا تعالیٰ ان کی قبر آگ سے بھرے، اور یہ واقعہ جنگِ احزاب میں نماز عصر کا ہے۔ صلوٰۃ خوف کہ جس کا ذکر سورۂ نساء میں ہے واذا کنت فیہم الآیہ۔ وہ اس فرجالا اور رکبانا سے غیر ہے۔

اس کے بعد پھر احکام عدت اور طلاق کو ذکر فرماتا ہے۔

والذین یتوفون منکم سے جمہور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ ابتدائے اسلام میں بیوہ عورت کی عدۃ ایک[1] برس تک تھی اور جب اس کے لئے میراث بھی نہ تھی تو خاوند کو حکم تھا کہ مرض الموت میں برس بھر کے خرچ اور مکان کی وصیت کر جائے۔ پھر یہ حکم اس آیت سے جو پہلے آئی ہے اربعۃ اشہر وعشرا منسوخ ہوگیا۔ دو باتیں تھیں ایک خرچ سال بھر کا دوسرے مکان سال بھر رہنے کے لئے۔ اب آیت میراث نے جب کہ بیوہ کا حق آٹھواں یا چوتھا حصہ مقرر کر دیا وصیت کرنا بھی جاتا رہا اور اسی[2] طرح مکان دینا بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ضروری نہ رہا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مکان دینا چاہیے۔ ابو مسلم اصفہانیؒ اور مجاہدؒ وغیرہما کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ جو شخص مرض الموت میں اپنی بیویوں کے لئے برس بھر کے خرچ اور مکان میں رہنے کی وصیت کر مرے اور عورت برس سے پہلے نکل کر (بشرطیکہ چار مہینے دس دن کی عدت پوری کر چکی ہو) برخلاف وصیتِ شوہر دستور کے موافق نکاح کر لے تو اس پر کچھ گناہ نہیں یعنی یہ وصیت لازم نہیں جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں لازم تھی۔

---

[1] سال بھر خاوند کے گھر میں رہے اور کسی سے نکاح نہ کرے مگر اس کو اختیار تھا چاہے خاوند کے گھر میں عدت گزارے خواہ نکل کر اور جگہ لیکن جب وہ گھر سے نکلتی تھی تو اس کو خرچ نہ ملتا تھا ہر گز منہ

[2] مطلقہ کیلئے مدۃ میں خواہ طلاق بائن ہو خواہ رجعی نفقہ اور مکان ملنا چاہیے جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہے وللمطلقات متاع بالمعروف اگر مطلقہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک اور حمل نہیں تو تین حیض تک۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ طلاق بائن میں نفقہ نہیں بدلیل حدیث فاطمہ بنتِ قیسؓ قالت طلقنی زوجی ثلٰثا فلم یفرض لی رسول اللہ صلعم سکنٰی والنفقۃ (اخرجہ الجماعۃ الا البخاری) مگر یہ استدلال صحیح نہیں کس لیے کہ اس حدیث کو خود حضرت عمرؓ نے رد کر دیا کہ ایک عورت کے کہنے سے ہم کیونکر کتاب اللہ اور سنتِ نبوی کو چھوڑ دیں کیا معلوم سچی ہو یا جھوٹی بھول گئی ہے یا یاد ہے (رواہ ابوداؤد و مسلم والترمذی والنسائی وغیرہم)

[3] حضرت علیؓ اور

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن
(اے نبیؐ) کیا آپؐ نے ان کو نہیں دیکھا کہ جو موت سے
دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ
ڈر کر باوجودیکہ وہ ہزاروں تھے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے،
فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ
پھر تو خدا تعالےٰ نے ان سے کہا کہ مر جاؤ پھر ان کو زندہ کر دیا۔
إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
بے شک خدا تعالےٰ لوگوں پر بڑا فضل کرتا ہے
وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۴۳﴾
لیکن بہت سے لوگ (اس کا) شکر نہیں کرتے؛

## ترکیب

الم استفہام تقریری کے لئے تر فعل اصل میں ترای مثل ترعی کے تھا مگر عرب مستقبل میں ہمزہ حذف کر دیتے ہیں جب ہمزہ حذف ہوئی تو الف منقلبہ اخیر میں باقی رہ گیا جو جزم کے وقت حذف ہو گیا ضمیر انت اس کا فاعل الی الذین متعلق ہے فعل سے۔ وہم الوف جملہ حال ہے فاعل خرجوا سے حذر الموت مفعول لہٗ خرجوا سے۔

## تفسیر

پیشتر خدا تعالےٰ نے جہاد کا حکم دیا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ مخالفوں سے خدا تعالیٰ کی جماعت بن کر جہاد کرنا باہمی اتفاق پر مبنی ہے اور زیادہ تر اتفاق میں خلل ڈالنے والی باتیں جو روزمرہ پیش آتی ہیں میاں بیوی کا جھگڑا اور میراث و وصیت کے متعلق امور ہیں اس لئے بیچ میں چند احکام ان جھگڑوں کے دفع کرنے والے ذکر فرما کر پھر جہاد کی ترغیب دلاتا ہے اور اس سے پیشتر بنی اسرائیل کے ایک واقعہ عبرت خیز کو یاد دلاتا ہے وہ یہ کہ ایک نبی کے عہد میں مخالفوں سے ڈر کر سینکڑوں ہزاروں بنی اسرائیل ملک چھوڑ کر بھاگ نکلے اور نبی کے برخلاف ہو گئے جنگ میں ثابت قدم نہ رہے آخر ان پر دشمن غالب آئے جس سے وہ سب مارے گئے پھر نبی کی دعا سے زندہ ہوئے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے کوئی حیلہ کرو وہ ٹلتی نہیں پھر نامردی اور بزدلی کرنا عبث ہے۔ دوم بزدلی اور بھی جان کو ہلاکت میں ڈالتی ہے آدمی جانتا ہے کہ میں بزدلی سے بچ جاؤں گا مگر اس سے دشمن کو اور بھی قتل کرنے میں جرأت ہوتی ہے۔ سوم اس سے خدا تعالےٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار مقصود ہے کہ وہ قادر مُردہ کو زندہ کر سکتا ہے حشر اجساد بھی اس کے نزدیک کوئی بات نہیں پھر جب مر کر دوبارہ جانا اور جزا و سزا پانا ہے تو کیوں خدائے قادر پر توکل کر کے مخالفوں سے جنگ نہیں کرتے اسباب ظاہرہ پر کیوں سہارا کرتے ہو۔

## متعلقات

(۱) قرآن مجید سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ واقعہ کس زمانہ میں اور کس نبی کے عہد میں گزرا ہے؟ اور گھر سے موت سے ڈر کر دشمن کی وجہ سے نکلے تھے یا دباؤ کی وجہ سے علماء مفسرین کے اس میں مختلف اقوال ہیں مگر صحیح اور قابل اعتماد یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت حزقیل علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل پر گزرا ہے اور حضرت ابن عباس رضؓ کا بھی یہی قول ہے اور کتاب حزقیل سینتیسویں ۳۷ فصل سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے بنی اسرائیل پر فلسطین کے لوگ غالب آگئے تھے اور کچھ عجب نہیں کہ ایسے موقع میں کسی نبی نے ان کو جنگ کرنے پر آمادہ کیا ہو اور وہ ڈر کر گھر بار چھوڑ کر بھاگ نکلے پھر قتل کئے گئے ہوں جس کو فقال لہم اللہ موتوا سے تعبیر

(بقیہ صفحہ ۹۲) ابن عباسؓ اور عائشہؓ اور مزنیؒ وغیرہم کا بھی یہی قول ہے ۱۲ منہ
ك حضرت عمرؓ اور عثمانؓ اور ابن مسعودؓ اور ام سلمہؓ اور امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے ۱۲ منہ

کیا ہے اور پھر وہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہوگئے ہوں جس کو کہ ثم احیاہم سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس بات کا ذکر کتاب حزقیل کے فصل مذکور میں صاف صاف مذکور ہے چنانچہ اس کے بعض فقرات یہ ہیں :- اور وادی میں جو ہڈیوں سے بھرپور تھی مجھے اتار دیا اور مجھے ان کے آس پاس چوگرد پھرایا اور وے وادی کے میدان میں بہت تھیں (دہم الوف) اور نہایت سوکھی تھیں اور اس نے مجھ سے کہا اے آدمی زاد کیا ہڈیاں جی سکتی ہیں؟ میں نے جواب میں کہا کہ اے خداوند یہوداہ تو ہی جانتا ہے پھر اس نے مجھ سے کہا کہ تو ان ہڈیوں کے اوپر نبوت کر اور ان سے کہہ اے سوکھی ہڈیو! تم خداوند کا کلام سنو خداوند یہوداہ ان ہڈیوں کو یوں فرماتا ہے کہ دیکھو میں تمہارے اندر روح داخل کروں گا اور تم جیو گی الخ۔ سو میں نے حکم کے بموجب نبوت کی اور جب میں نبوت کرتا تھا تو ایک شور ہوا الخ۔ اور ان مقتولوں پر پھونک کہ جی اٹھیں سو میں نے حکم کے بموجب نبوت کی اور ان میں روح آئی اور وہ جی اٹھے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے ایک نہایت بڑا لشکر۔

(۲) مخالفین اس مقام پر دو اعتراض کیا کرتے ہیں پہلا یہ کہ الم تر الی الذین خرجوا من دیارہم استفہام تقریری ہے جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے ان لوگوں کو دیکھا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ ان میں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں سیکڑوں برس کا زمانہ فاصل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رؤیت کے ساتھ جب الیٰ ملا دیتے ہیں تو اس سے اکثر رؤیتِ قلبی مراد لیا کرتے ہیں یعنی علم، سو آپ کو اس واقعہ کا علم یقینی تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ یہود میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک ایسا مشہور تھا کہ گویا آنکھوں کے سامنے تھا اور فصیح بلیغ ایسے واقعات کو بمنزلۂ محسوسات کے قرار دے کر کلام کیا کرتے ہیں سو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا بلکہ اس زمانہ کے سب لوگ اس واقعہ کو اور ان لوگوں کو دیکھ رہے تھے اور اسی لئے عبرت کے لئے اس واقعہ کا بیان کرنا مناسب حال ہوا۔

دوسرا یہ کہ مردہ کا زندہ کر دینا ناممکن بات ہے یہ باتیں بعید از قیاس ہیں الہامی کتابوں میں ایسی باتوں کا ہونا تعجب کی بات ہے اس کا جواب بہت سے مقامات میں ہم دے آئے ہیں اور دہریوں اور ملحدوں کو ساکت کر آئے ہیں کہ یہ چیزیں محالِ عقلی نہیں اور جو دعویٰ کرے تو دلیل پیش کرے اور جب ممکن ہیں تو ان کے وقوع میں بطور خرق عادت کیا تعجب ہے؟ بالخصوص مخبر صادق علیہ السلام نے خبر دی تو پھر کیا تردد ہے؟ رہا خلاف عادت ہونا سو اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور اسی لئے اس کو معجزہ کہتے ہیں۔ معتزلہ اور ان کے بھائی نیچری یہ جواب دیتے ہیں کہ موت سے نامردی اور بزدلاپن مراد ہے اور احیا کے لفظ سے ان کے دل میں قوت آنا اور لڑنے پر آمادہ ہو جانا مراد ہے چونکہ مدیانیوں کے ہاتھ سے بنی اسرائیل نے سخت شکست پائی تھی اور اپنا گھربار چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں بھاگ گئے تھے آخر جدعون نے ان کو جنگ پر آمادہ کیا اور اس ذلت سے رہائی دی پس خدا تعالیٰ مسلمانوں کو بتلاتا ہے کہ جو لوگ لڑائی میں موت کے ڈر سے بھاگ گئے تھے جو موت کے برابر تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمت و جرأت سے زندہ کیا۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی موت کے ڈر سے بزدلی اور نامردی جو موت کے برابر ہے نہ کرنی چاہیے۔ اور قصہ حزقیل فرضی اور غلط ہے ہمارے مفسروں نے غلطی سے آیت کو اس پر چسپاں کر دیا ہے۔ منہ ۲۷۲

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاعْلَمُوْٓا

اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے رہو اور جان رکھو کہ

اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا

اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے۔ کوئی ہے کہ

لہ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا خدا تعالیٰ کو دینا ہے (ماتی ۱۵ پر)

اَلَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا
جو اللہ تعالیٰ کو خوشدلی سے قرض دے تا کر خدا تعالیٰ

فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ؕ وَ
کئی گنا کرکے بہت بڑھا کر اس کو (واپس) دے اور

اللّٰہُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (٢٤٥)
خدا تعالیٰ ہی تنگی اور فراخی دیتا ہے اور تم اسی کی طرف چلے جا رہے ہو۔

## ترکیب

وقاتلوا معطوف ہے محذوف فاطیعوا وقاتلوا من استفہامیہ موضع رفع میں ہے بسبب مبتدا ہونے کے اور ذا اسکی خبر ہے اور الذی اس کی نعت یا بدل ہے یقرض جملہ الذی کا صلہ قرضًا مفعول مطلق حسنًا یہ اسم مصدر ہے اور وہ اقراض ہے فیضاعفہ معطوف ہے یقرض پر یا جملہ مستانفہ ہے اضعافًا جمع ضعف اور ضعف بضمہ عین مصدر نہیں کیونکہ مصدر اضعاف ہے یا مضاعفہ اس تقدیر پر یہ یضاعفہ کی ہٗ سے حال ہوسکتا ہے اور معنی مفعول ثانی بھی ہوسکتا ہے۔

## تفسیر

ان تمام مسائل کے بعد پھر خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے اور مال دینے کی تاکید شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی قوم قوم نہیں رہ سکتی تاوقتیکہ اس قوم میں اپنے ناموس اور مذہب محفوظ رکھنے کی قدرت نہ ہو خاص کر مذہب کہ جو تمام دنیا پر پھیلنے والا ہو جس کی توحید اور روشن احکام دنیا کے شریروں کے خلاف ہوں جس سے نہ صرف یہ احتمال بلکہ یقین ہو کہ اس مذہب کے لئے اس کے گھر اور ملک میں سخت سخت رکاوٹیں پیش آنی شروع ہوں گی بلکہ ہو گئیں پھر آگے چل کر تو کیا کچھ نہ ہوگا اس لئے حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو جو رکاوٹ پیش آئے اس کو تلوار کی دھاروں سے مٹادو مگر نیت نیک اور دلی اخلاص بھی ملحوظ رکھو صرف خونریزی اور بنی نوع کا قتل کرانا ہی مقصود نہیں بلکہ یہ جہاد ایسا ہے جیسا مریض کے لئے فصد و فاسد مادہ کا اخراج و قطع برید ایسے معاملات میں دلی اخلاص و نیک نیتی ضروری ہے اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ دشمنوں سے لڑائی اور ان پر چڑھائی بے ساز و سامان کے عادتاً مشکل ہے اس کے لئے روپیہ پیسہ بھی ضروری ہے اس لئے اپنے بندوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں مال صرف کرنے کی بھی کس عمدہ طور سے ترغیب دی ہے کہ کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے تاکہ اس کے بالعوض دنیا و آخرت میں خدا تعالیٰ اس کو دگنا تگنا بلکہ بے شمار عنایت فرمادے۔ اللہ تعالیٰ قرض مانگنے سے پاک ہے اس کو کوئی حاجت اور ضرورت نہیں وہ غنی اور حمید ہے اور اسی کے قبضہ میں آسمان و زمین کے خزانے ہیں وہی بندوں کو فراخ دستی اور تنگدستی دیا کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرنے کو بطور استعارہ کے قرض دینے سے تعبیر کیا اس بات کے جتلانے کے لئے کہ جس طرح غنی اور خوش معاملہ کو قرض دینا موجب اطمینان اور نتائج و منافع کا باعث ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیا رائیگاں نہیں جاتا وہ مع نفع چند در چند ملتا ہے ہم اس کے ضامن ہیں گویا وہ ہم کو دیتا ہے اور اس کے بعد یہ بھی سنا دیا کہ تنگ دستی و فراخ دستی سب ہمارے قبضہ میں ہے جو ہماری راہ میں صرف نہیں کرتے وہ اس

(بقیہ حاشیہ ) یہ خدا تعالیٰ قرض لینے سے پاک اور غنی ہے مگر دینے والے کی ترغیب اور اس کے اطمینان کے لئے کہ اس کا اجر کئی گنا ضرور ملے گا، اس دینے کو اللہ تعالیٰ کے قرض دینے سے بطور استعارہ کے تعبیر کیا کیونکہ جو کوئی غنی اور صادق الوعد کو دیتا ہے تو اصل اور فائدہ کے حاصل ہونے کا اطمینان ہوتا ہے، اس سے یہ سمجھنا کہ خدا تعالیٰ محتاج ہے اور بندوں سے قرض مانگتا ہے صریح بد فہمی ہے جس کا کوئی اب تک قائل نہیں ۱۲ منہ

بات پر گھمنڈ نہ کریں کہ ہماری دولت باقی رہے گی خداتعالےٰ ہزاروں مصیبتیں بھیج کر تنگ دست کر سکتا ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بلا نازل ہوگی کہ مخالفین غالب آکر تمام ملک و دولت چھین لیں گے۔ اور جو صرف کرتا ہے وہ تنگ دستی سے نہ ڈرے دنیا میں غنائم اور فتوحاتِ ملک اُن کے حصہ میں آدیں گے آخرت میں کہ جو سامنے کھڑی ہے جس کو الیہ ترجعون سے تعبیر کیا بیشمار نعمتیں ملیں گی جیسا کہ صحابہ رضؓ کو ملیں ؛

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ
(اے نبی ؐ!) کیا آپ نے بنی اسرائیل کے سرداروں کی طرف غور نہیں کیا کہ جو

مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ
کے بعد اپنے نبی (سموئیل) سے کہا کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر

ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
کر دیجئے کہ ہم (اس کے زیرِ حکم) اللہ تعالےٰ کی راہ میں لڑیں۔

قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ
نبی نے کہا کہ اگر تم پر جہاد فرض کیا جائے تو تم سے کچھ بعید

الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا
نہیں کہ تم نہ لڑو، وہ کہنے لگے کہ ہم سے

أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ
یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم

أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا
اپنے وطن اور بال بچوں سے بھی دور کئے گئے ہیں، پھر جب

كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا
اُن کو لڑائی کا حکم ہوا تو سوائے چند آدمیوں کے سب کے

قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ (۲۴۶)
سب پھر گئے۔ اور اللہ تعالےٰ ظالموں کو (خوب) جانتا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ
اور ان سے ان کے نبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے (تمہاری درخواست کے موافق) تمہارے لئے

لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ
طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا، کہنے لگے کہ اس کے لئے ہم پر کیونکر

لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ
بادشاہی ہو سکتی ہے حالانکہ ہم خود اس سے زیادہ بادشاہی

مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ
کے مستحق ہیں۔ اور اس کو تو کچھ مال میں بھی کوئی فراخ دستی نہیں دی گئی ہے۔

قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ
(نبی نے) کہا بیشک اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر سرداری کے لئے منتخب کیا ہے اور علم

بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ
اور صورت میں بھی اس کو فوقیت دی ہے، اور اللہ تعالےٰ

يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ
اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت دینے

عَلِيمٌ (۲۴۷)
والا جاننے والا ہے؛

## ترکیب

من بنی اسرائیل محذوف سے متعلق ہے کس لئے کہ یہ حال ہے ای کائناً من بنی اسرائیل من بعد متعلق ہے ثابت کے اذ بدل ہے من بعد سے کس لئے کہ دونوں زمانہ کے لئے ہیں۔ نقاتل جمہور اس کو جزم سے پڑھتے ہیں جواب امر قرار دے کر عسیتم فعل الا تقاتلوا اس کی خبر ان کتب الخ شرط جملہ معترضہ درمیان میں آگیا ما استفہام کے محلِ رفع میں ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے لنا اُس کی خبر اور واو ربط ماقبل کے لئے آیا ہے وقد اخرجنا جملہ موضعِ حال میں اور عامل اس میں نقاتل ہے وابنائنا معطوف ہے دیارنا پر تقدیرہٗ ومن بین ابنائنا۔

## تفسیر

ان آیات میں خداتعالےٰ بنی اسرائیل کا دوسرا قصہ سُناتا ہے کہ

لہ سعۃ کی اصل وسعۃ بفتح واو ہے اور حق اس کا کسرہ ہے لیکن چونکہ مستقبل میں حذف کیا گیا مصدر میں بھی حذف ہوا اور مستقبل میں اصل کسرہ تھا لیکن حرف حلق کی رعایت سے فتح دیا گیا اور ودعہ یدعہ مدۃ کے طور پر کسرہ تھا ۱۲ منہ

جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تخمیناً گیارہ سو برس پہلے گزرا ہے۔
اس قصہ میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد میں ثابت قدمی اور استقلال اور مصائب برداشت کرنے کی رغبت دلاتا ہے اور خالص ایمانداروں کا توکل پھر اس پر ان کی امدادِ غیبی کرنا سناتا ہے۔ اس قصہ میں چھ باتیں بیان ہوئی ہیں (۱) بنی اسرائیل کا اپنے نبی سے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کرنا پھر اس پر سموئیل علیہ السلام کا بنی اسرائیل پر ساؤل کو کہ جس کو طالوت[1] کہتے ہیں بادشاہ مقرر کرنا۔ (۲) بعض لوگوں کا طالوت کے افلاس اور ظاہری حال کی وجہ سے انکار کرنا کہ یہ بادشاہی کا مستحق نہیں اور پھر نبی علیہ السلام کا اس کی بادشاہی کی علامت صندوقِ شہادت کا کہ جس کو تابوت سکینہ کہتے ہیں دشمنوں کے ہاں سے خود بخود آجانا معین کرنا۔ (۳) طالوت کا لشکر عظیم لے کر فلسطیوں کے مقابلہ میں نکلنا اور آگے چل کر ان میں سے دریائے شورق پر بہادروں اور غیر بہادروں کا امتحان کرنا کہ جو اس کا پانی نہ پیئے وہ میرے ساتھ آئے اور جو سوائے چلو کے پیئے وہ حملۂ دشمن کی برداشت نہیں کریگا میرے ساتھ نہ آئے۔ پھر پیاس کے غلبہ میں بجز تخمیناً کئی سو آدمیوں کے ہزاروں بنی اسرائیل کا پانی پینا۔ (۴) طالوت کے لشکر کا جالوت کے مقابلہ میں جاکر خدا تعالیٰ سے دعا کرنا۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ
اور ان کے نبی نے ان سے کہا طالوت کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے
أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ
پاس وہ صندوق آجاوے گا کہ جس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین
مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ
اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں کہ جن کو موسیٰ اور ہارون
وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ
چھوڑ گئے ہیں اس کو فرشتے اٹھا لائیں گے، بیشک
فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝
اس میں تو تمہارے واسطے (پوری) نشانی ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ
پھر جب طالوت (سردار قرار پاکر) جنگ کے لئے لشکر لے کر چلا تو کہہ دیا کہ
إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ
بیشک اللہ تعالیٰ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کیا چاہتا ہے پھر جس نے اس (نہر) کا پانی
مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ
پی لیا تو وہ میرا نہیں، اور جو کوئی اس کو نہ چکھے تو
فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ
وہ میرا ہے ہاں اگر کسی نے اپنے ہاتھ سے چلو بھر کر پی لیا تو کچھ مضائقہ نہیں،
فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۚ فَلَمَّا
سو ان میں سے سوائے چند لوگوں کے سب نے پی لیا، پھر جب
جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ
طالوت اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اس (نہر) سے پار ہوئے تو
قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَ
لوگوں نے کہا کہ آج ہم کو جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت
جُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ
نہیں۔ لیکن جن کو یقین تھا کہ ضرور ہم کو اللہ تعالیٰ سے ملنا ہے
مُلَاقُو اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ
وہ بولے کہ (ایسا) بہت (دفعہ) ہوا ہے کہ تھوڑے سے لوگ بڑی جماعت
فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ
پر حکمِ اللہ تعالیٰ سے غالب آگئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تو صبر کرنے
الصَّابِرِينَ ۝٢٤٩ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَ
والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ

[1] طالوت اس کا لقب تھا ۱۲ منہ

ف طالوت کے ساتھ بنی اسرائیل کی ایک بہت بھیڑ بھاڑ دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلی۔ طالوت نے آگے جو پانی کا تار آنے والا تھا اس سے ان کے صبر و برداشت کی آزمائش کرنی چاہی کہ جو اس پیاس کی تاب نہ لائیگا وہ آبِ شمشیر کی کیونکر تاب لائیگا۔ اس پر بھی ہاتھ سے چلو بھر کر پینے کی اجازت دیدی تھی مگر جب وہ بھیڑ بھاڑ اس نہر پر پہنچی تو بجز چند لوگوں کے سب نے پانی پی لیا پھر جب یہ بھیڑ آئی اور ادھر وہ جالوت فلسطین کے بڑے قدآور بادشاہ (باقی صفحہ ۵۷۴)

٣٢
ع
١٧

جُنُوْدِہٖ ؕ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا

میں آئے تو دعا کرنے لگے کہ اے رب! ہم کو استقلال عطا کر

وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ

اور ہمارے پاؤں جمائے اور ہم کو کافروں کی قوم پر

الْکٰفِرِیْنَ ۲۵۰ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ

غالب کر۔ پھر انھوں نے ان کو (دشمنوں کو) اللہ کے

اللّٰهِ ۙ وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ

حکم سے شکست دی اور داؤدؑ نے جالوت کو مار ڈالا اور اللہ تعالے نے

الْمُلْکَ وَ الْحِکْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا یَشَآءُ ؕ

داؤدؑ کو بادشاہی اور حکمت عطا کی اور جو کچھ وہ چاہتا تھا اس کو سکھایا۔

وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ

اور اگر اللہ تعالے بعض لوگوں کے توسل سے بعض کو پست

بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰکِنَّ

نہ کرتا رہے تو ملک کا انتظام بگڑ جائے لیکن

اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۲۵۱ تِلْکَ

اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر فضل کرنے والا ہے۔ (اے نبی ص!) یہ

اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّکَ

اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو صحیح صحیح پڑھ کر سناتے ہیں، اور بیشک آپ

لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۲۵۲

بھی رسولوں میں سے ہیں۔

## ترکیب

اَن یاتیکم خبر اِنّ۔ التابوت اصل وزن اس کا فاعول ہے، فیہ سکینۃ۔ جملہ موضع حال میں ہے اور اسی طرح تحملہ الملائکۃ۔ من ربکم صفت ہے سکینۃ کی ولبقیۃ اصل اس کی بقیۃ ہے لام کلمہ ی ہے۔ الا من اغترف استثناء ہے جنس سے اور ممکن ہے کہ اوّل مَن سے ہو اور یہ محل نصب میں ہے غَرْفَۃ۔ غین کے فتح اور ضمہ دونوں سے جائز ہے یہ مصدر ہے، اور بعض کہتے ہیں بالفتح کے معنی ایک بار چلو بھرنا اور بالضم کے معنے چلو۔ الا قلیلا منصوب ہے کیونکہ استثناء ہے موجب سے لا کا اسم طاقۃ۔ اس کا عین کلمہ واو ہے لانہ من الطوق وہو القدرۃ۔ لنا اس کی خبر الیوم اور جالوت میں عامل معنی استقرار ہے۔ کم من فئۃ کم اس جگہ خبر ہے اور موضع اس کا رفع ہے بسبب مبتدا ہونے کے اور غلبت اس کی خبر اور مِن زائدہ ہے باذن اللہ موضع حال میں ہے، والتقدیر باذن اللہ لہم۔ ولولا دفع اللہ الناس دفع مصدر مبنی للفاعل مضاف ہے فاعل کی طرف اور الناس مفعول اور بعضہم بدل ہے الناس سے بدل بعض۔ ببعض مفعول ثانی ہے اس کی طرف فعل بواسطہ جر متعدی ہوا ہے۔ تلک آیات اللہ مبتدا نتلوہا علیک۔ خبر اور نتلو حال ہے۔

## تفسیر

(۵) لشکرِ طالوت کا لشکرِ جالوت پر فتح پانا اور حضرت داؤد علیہ السّلام کے ہاتھ جالوت فلسطی کا قتل ہونا (۶) داؤدؑ کو

(بقیہ حاشیہ ص۹۷) اور اس کے لشکر کے مقابلہ میں آئے تو ڈر گئے اور کہنے لگے کہ ہم میں ان سے مقابلہ کی کیا طاقت ہے لیکن ان چند صبر کرنے والوں نے ڈھارس بندھائی کہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ فتح و شکست ہے، قلت و کثرت پر موقوف نہیں بارہا خدا تعالیٰ کے حکم سے چند لوگوں نے بڑے لشکروں کو شکست دیدی ہے پھر یہی جماعت مقابلہ میں سامنے آئی اور خدا تعالیٰ سے صبر و استقلال اور نصرت کی دعا کی اور ان سپاہیوں میں داؤد علیہ السّلام بھی تھے انکے ہاتھ سے جالوت مارا گیا بنی اسرائیل میں ان کی شہرت ہوگئی اور طالوت نے ان سے اپنی بیٹی بیاہ دی اور طالوت کے بعد یہی بنی اسرائیل کے بادشاہ ہوتے اور

خدا تعالیٰ نے ان کو الہام اور نبوت عطا کی حکمت کے اسرار تعلیم فرمائے یہ تمام قصہ بنی اسرائیل کا مسلمانوں کو جہاد پر قائم رہنے کے لئے سنا کر جہاد کی حکمت بھی ظاہر فرماتا ہے کہ انتظام عالم ہی خدا تعالیٰ نے اس پر مربوط کیا ہے کہ وہ بعض کی شوکت بعض سے برباد کرا دیتا ہے ظالم قوموں کو دوسری قوموں سے غارت نہ کرے تو انتظام عالم درہم برہم ہو جائے ۱۲ منہ

بادشاہی اور علم و حکمت عطا کرنا۔ یہ باتیں توراۃ کی اوّل کتاب سموئیل میں نہایت مشرحاً مذکور ہیں لیکن مجملاً بیان اُن کا یہ ہے:

حضرت سموئیل علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل میں کوئی بادشاہ نہ ہوتا تھا بلکہ کاہن یعنی امام یا اُس کے نائب قاضیوں کے طور پر فیصلہ کیا کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام جو وقتاً فوقتاً اُن میں پیدا ہوتے تھے وہ شریعت موسیٰؑ اور توراۃ کے موافق فتوای دیا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل آس پاس کی مشرک قوموں کی طرح جب بُت پرستی اور زناکاری کرنی شروع کرتے تھے تو قہر خدا اُن پر نازل ہوتا تھا جس سے وہ ان قوموں سے شکست کھا کر اُن کی رعیّت ہو جاتے تھے اور طرح طرح کی ذلّت و پریشانی اُٹھاتے تھے پھر جب توبہ کرتے تو خدا تعالےٰ ان پر اپنا فضل کرتا تھا۔ چنانچہ جب عبدون سردارِ اسرائیلی تین سو بہتّر سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مر گیا تو بنی اسرائیل نے پھر بُت پرستی اور بے دینی اختیار کی جس سے اُن پر فلسطین[1] کے لوگ غالب آگئے اور چالیس برس تک ان کی حکومت رہی۔ پھر شمسون کے عہد میں خلاصی ملی۔ شمسون بیس برس تک سلطنت کرتا رہا آخر اس پر پھر اہلِ فلسطین غالب آگئے اور اُس کو پکڑ کرلے گئے اور بنی اسرائیل کا بڑا ابتر حال ہو گیا۔ پھر تخمیناً چار سو بیالیس برس بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل میں ایک شخص عیلی نام کاہن ہوا اُس کے عہد میں کوہستان افرائیم میں القانہ ایک شخص ہر سال سیلا میں قربانی اور سجدہ کرنے آتا تھا اُس کی دو بیویاں تھیں ایک کا نام فننہ دوسری کا نام حننہ۔ مگر حننہ کے اولاد نہ ہوتی تھی اس لئے وہ غمگین رہتی تھی ایک بار اُس نے جب ہیکل میں قربانی کرنے آئی تھی تو رو کر خدا تعالیٰ سے دعا مانگی کہ مجھ کو فرزند عطا کرے تو میں اُس کو تیرے لئے نذر گزرانوں گی۔ سو خدا تعالیٰ نے اُس کی مراد دی اُس کے پیٹ سے ایک لڑکا پیدا ہوا اُس کا نام سموئیلؑ رکھا جس کے معنے عبرانی میں خدا تعالےٰ سے مانگا ہوا یا "اللہ دیا" ہوتے ہیں۔

جب سموئیلؑ کا دودھ بڑھ چکا تو اُس کی ماں اور باپ اُس کو اپنے شہر رامہ سے سیلا میں خداوند کے گھر لائے اور وہ لڑکا بہت ہی چھوٹا تھا تب اُنھوں نے ایک جوان بیل کو ذبح کیا اور لڑکے کو عیلی کے پاس لائے اور وہ عیلی کاہن کے آگے خداوند کی خدمت کرتا رہا۔ عیلی کے بیٹے بدچلن تھے جس سے عموماً بنی اسرائیل ناراض تھے اور سموئیلؑ خداوند اور آدمیوں کے آگے مقبول ہوتا چلا۔ اس عرصہ میں سموئیل نے عیلی کے بیٹوں کی بابت رات کو خواب دیکھا کہ جس میں خدا تعالیٰ نے عیلی کے خاندان برباد کرنے کی خبر سموئیل کو دی۔ صبح کو یہ خبر عیلی اور بنی اسرائیل نے سُنی اور سموئیلؑ کی تمام بنی اسرائیل میں نبوت اور بزرگی تسلیم ہونے لگی۔ پھر بنی اسرائیل فلسطیوں سے لڑنے نکلے اور ابن عزر کے پاس خیمے لگائے۔ اور فلسطیوں نے افیق میں اپنے خیمے قائم کئے اور باہم صف بندیاں ہو کر مقابلہ شروع ہوا تو بنی اسرائیل نے شکست کھائی اور قریب چار ہزار آدمی کے مارے گئے۔ پھر لشکرگاہ میں بنی اسرائیل نے آکر یہ تجویز کی کہ آؤ ہم خدا تعالےٰ کے عہد کا صندوق سیلا سے اپنے پاس لا دیں کہ اُسکی برکت سے فتح پاویں اور جب وہ صندوق لشکرگاہ میں آپہنچا اور اس کے ساتھ عیلی کے دونوں بیٹے فینحاس اور حفنی بھی آئے تو بنی اسرائیل نے اس زور سے للکارا کہ زمین لرز گئی جب فلسطیوں کو حال معلوم ہوا تو آپس میں عہد کیا کہ مردانگی اور مضبوطی سے جنگ کریں گے۔ سو فلسطی لڑے اور بنی اسرائیل نے شکست کھائی اور تیس ہزار بنی اسرائیل مارے گئے اور وہ خداوند کے صندوق کو بھی لوٹ کر لے گئے اور عیلی کے دونوں بیٹے بھی مارے گئے۔ تب بنی بنیامین میں کا ایک شخص کپڑے پھاڑ کر سر پر خاک اڑاتا ہوا اُسی روز سیلا میں پہنچا اور عیلی کرسی پر بیٹھا ہوا انتظار کر رہا تھا اور اس کا دل صندوق شہادت

---

[1] فلسطین ملک شام کا وہ ٹکڑا ہے کہ جو مغرب اور جنوب کی طرف۔ بحر روم سے ملا ہوا ہے جیسا کہ ہم نے نقشہ میں دکھایا ہے۔ یہاں کے لوگ مشرک اور بُت پرست تھے یہ لوگ ہمیشہ بنی اسرائیل سے جنگ و جدال کیا کرتے تھے کبھی غالب کبھی مغلوب ہو جاتے تھے۔ آخر حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے عہد میں بالکل مغلوب ہو گئے تھے ۱۲ منہ

کے لئے کانپ رہا تھا اور جوں ہی اس شخص نے شہر میں پہنچ کر خبر دی تو سارا شہر چلّایا اور عیلی نے جو شور کی آواز سنی تو کہا یہ شور کیا ہے؟ سو اس شخص نے عیلی سے سب ماجرا کہا اور جوں ہی اُس نے یہ خبر سُنی کُرسی پر سے پچھاڑ کھا کر گر گیا اور اُس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا کہ وہ بوڑھا تھا یہ چالیس برس بنی اسرائیل کا قاضی رہا (اول کتاب سموئیل باب ۴)۔

یہ وہ واقعہ ہے کہ جس میں تابوت سکینہ- بنی اسرائیل کے ہاتھ سے جاتا رہا اور فلسطی لوگ اس کو اپنے ملک میں لے گئے اس وقت بنی اسرائیل میں سموئیل علیہ السّلام بزرگ مانے جاتے تھے ان کی نصیحت سے بنی اسرائیل نے بُت پرستی اور بد فعلی ترک کی اور اس حادثہ کے تخمیناً بائیس برس بعد بمقام مِصفاہ سموئیلؑ نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے فلسطیوں کے مقابلہ پر آمادہ کیا آخر الامر بنی اسرائیل نے فتح پائی اور عقرون سے لے کر جات تک جس قدر بستیاں اُن کے قبضہ میں آگئی تھیں پھر بنی اسرائیل کے قبضہ میں آئیں (باب ۷) پھر جب سموئیلؑ بوڑھے ہوگئے تو لوگوں نے رامہ میں جمع ہو کر سموئیلؑ سے کہا دیکھ تُو بوڑھا ہوا اور تیرے بیٹے یوائیل اور ابیاہ تیری راہ پر نہیں چلتے بلکہ نفع کی پیروی کرتے اور رشوت لیتے اور عدالت میں طرفداری کرتے ہیں اب تُو کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر جو ہم پر حکومت کیا کرے اور ہمارے آگے آگے چلے اور ہمارے لئے لڑائی کرے (۸ باب) تب سموئیلؑ نے مِصفاہ میں خداوند کے حضور لوگوں کو بلایا اور کہا خداوند اسرائیل کا ایسا فرماتا ہے کہ میں اسرائیل کو مصر سے نکال لایا اب تم نے بادشاہ کی درخواست کی سو ایک ایک فرقہ کر کے ہزار ہزار سب کے سب خداوند کے آگے حاضر ہو جاؤ اور جب سب حاضر ہوئے تو قرعہ بنیامین کے فرقہ کے نام پر پڑا پھر ان میں سے مطری کے گھرانے کا نام نکلا اور قیس کے بیٹے ساؤل کا نام نکلا جو خوب جوان تھا اور بنی اسرائیل میں اس سے

خوب صورت کوئی شخص نہ تھا یہ ساری قوم میں کاندھے سے لے کر اُوپر تک ہر ایک سے اونچا اور شہر جبعہ کا رہنے والا تھا مگر بنی بلعال نے اُس کی تحقیر کی کہ یہ کس طرح ہم کو بچائیگا. سموئیلؑ نے کہا کہ اس کی سلطنت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوقِ شہادت آجاوے گا۔ پس ساؤل کی بادشاہت قائم ہو گئی اور سموئیلؑ کی صلاح سے فلسطیوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں اور فلسطی روز بروز دبتے چلے گئے۔ اور وہ صندوق جو لوٹ کر لے گئے تھے جہاں اس کو رکھا وہیں ان پر بیماری وغیرہ سخت بلائیں نازل ہوئیں اور یہ بھی سمجھے کہ بنی اسرائیل کی لڑائی ہم سے جب تک کہ یہ صندوق ہمارے ہاں رہے گا موقوف نہ ہوگی اس لئے انھوں نے اس کو ایک گاڑی میں رکھا اور اس کے ساتھ ایک صندوقچہ میں کچھ سونے کی تصویریں بھی بند کر کے رکھدیں اور اس گاڑی کو بیت شمس کی طرف جو کہ بنی اسرائیل کا شہر اُن کی حد سے ملتا تھا چھوڑ دیا اس گاڑی کو فرشتے ہانک کر بیت شمس میں ایک شخص یشوع کے کھیت میں لے آئے ان لوگوں نے بڑی خوشی کی اور صندوق کو گاڑی سے اُتار لیا اور پھر قریہ یعاریم کے لوگوں کو کہلا بھیجا وہ آکر اُس کو اپنے ہاں لے گئے۔ اس کے واپس آنے سے بنی اسرائیل میں نہایت خوشی پیدا ہوئی۔ اس عرصہ میں کئی باتوں میں ساؤل یعنی طالوت نے سموئیل علیہ السّلام کی نافرمانی کی جس سے وہ ناخوش ہوئے جس پر خدا تعالےٰ نے سموئیلؑ کو کہا کہ تو کب تک ساؤل کی بابت غم کھاتا رہے گا تُو بیتِ لحم میں جا اور یسّیٰ کے بیٹوں کو بلا اُن میں سے جس کو میں بتلاؤں اُس کو منتخب کر۔ چنانچہ سموئیلؑ وہاں گئے اور یسّیٰ کے بیٹوں کو بلایا کسی کو بھی پسند نہ کیا پھر پوچھا کہ تیرے یہی لڑکے ہیں۔ اُس نے کہا سب سے چھوٹا ایک اور ہے اور وہ بھیڑ بکریاں چراتا ہے۔ سموئیلؑ نے کہلا بھیجا مُلا بھیج۔ سو اُس نے بلایا وہ سرخ رنگ اور خوش چشم اور دیکھنے میں اچھا تھا تب سموئیلؑ نے تیل لے کر داؤدؑ پر مَلا

اور پھر سموئیل علیہ السلام رامہ چلے گئے اس کے بعد پھر فلسطیوں نے جنگ کے ارادہ سے اپنی فوجیں جمع کیں اور یہوداہ کے شہر شوکہ میں فراہم ہوئے اور شوکہ اور عزیقہ کے درمیان افسدمیم میں خیمہ زن ہوئے ان کے مقابلہ میں طالوت نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے ایلہ کے قریب خیمے لگائے (یہ وہ لڑائی ہے کہ جو قرآن مجید کی ان آیات میں بیان ہوئی ہے) ان دونوں لشکروں کے درمیان دریائے شورقی واقع تھا فلسطی اس کے جنوبی طرف میں تھے اور بنی اسرائیل شمالی طرف میں۔

چونکہ متواتر فتوحات سے بنی اسرائیل کا حوصلہ بڑھ گیا تھا اس لئے بنی اسرائیل کے عام و خواص بہادر غیر بہادر سب نکل کھڑے ہوئے تھے اور تجربہ کاروں کے نزدیک عام بھیڑ بھاڑ لڑائی میں اکثر شکست کا باعث ہو جایا کرتی ہے اس خیال سے طالوت نے دریا پر پہنچ کر جب لشکر میں گرمی اور تشنگی تھی انتخاب کرنا چاہا اور ان سے پیشتر مدیانیوں کے مقابلہ میں جدعون اسی طرح کا انتخاب کر چکا تھا اور حکم دیا کہ جو اس کا پانی پی لے میرے ساتھ نہ آئے مگر چلو بھر کے زبان تر کر لینے کا کچھ مضائقہ نہیں۔ سو اس عام بھیڑ میں سے انہیں دل چلوں اور بہادروں نے نہ پیا کہ جو اپنے جوش اور حمیت سے جنگ میں شریک ہوئے تھے ورنہ سب نے پی لیا۔ پھر جب ان بہادروں کا فلسطیوں سے آمنا سامنا ہوا تو ان میں سے ایک شخص جالوت نام جو بڑا قد آور تھا اور پیتل کی زرہ پہنے ہوئے اور سر پر پیتل کا بڑا بھاری خود دھرے ہوئے تھا سب سے پہلے صف میں سے نکل کر اپنا مقابل مانگنے لگا۔ بنی اسرائیل میں سے کسی کی جرأت اس کے مقابلہ کے لئے نہ ہوئی۔ داؤدؑ سے بادشاہ نے بڑے انعام و اکرام کا وعدہ کیا تو داؤد علیہ السلام اس کے مقابلہ کو چلے اور اپنا لٹھ ہاتھ میں لیا اور پانچ پتھر چکنے چکنے اپنے واسطے چن لئے اور جھولے میں ڈالے اور فلاخن لے کر اس کی طرف قدم بڑھائے جالوت نے داؤدؑ کو حقیر جان کر کہا کیا میں کتا ہوں جو تو لٹھ لے کر مجھ پر آیا ہے۔ داؤد علیہ السلام نے کہا تو تلوار ڈھال برچھا لے کر میرے پاس آیا ہے میں رب الافواج کے نام سے تیری طرف آیا ہوں جالوت نے حملہ کیا۔ داؤد علیہ السلام نے پھرتی کر کے ایک پتھر فلاخن میں دھر کر جالوت کے ماتھے پر ایسا مارا کہ وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور اسی کی تلوار سے اس کا سر کاٹ لیا۔ یہ حال دیکھ کر فلسطی بھاگ نکلے اور ہزاروں مارے گئے۔ تب داؤد علیہ السلام اس کا سر لے کر یروشلم میں آئے جس سے بنی اسرائیل میں ان کی دھوم ہو گئی اور طالوت نے اپنی چھوٹی بیٹی میکل کا داؤد علیہ السلام سے بیاہ کر دیا مگر دل میں رشک اور حسد پیدا ہو گیا۔ داؤد علیہ السلام کے قتل کی بہت سی تدبیریں کیں مگر کوئی پیش نہ چلی۔ آخر الامر طالوت اور اس کے بیٹے ایک عرصہ کے بعد فلسطیوں کی لڑائی میں مارے گئے اور بنی اسرائیل کی تمام سلطنت داؤد علیہ السلام کو ملی (کتاب اول سموئیل)۔ عیسائی مورخ ان آیات پر دو اعتراض کیا کرتے ہیں۔ (۱) یہ کہ تابوت سکینہ طالوت کے بادشاہ مقرر ہونے سے پہلے آ گیا تھا جیسا کہ کتاب سموئیل سے ثابت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب سموئیل میں خود تعارض ہے اس کے ۱۵ باب ۲۹ ورس میں ہے "یعنی خدا وہ انسان نہیں ہے کہ پچھتاوے"۔ پھر اسی باب کے ۳۵ ورس میں ہے " اور خدا ند بھی پچھتایا کہ اس نے ساؤل کو بنی اسرائیل کا بادشاہ کیا"۔ پھر اسی کتاب کے ۱۶ باب ورس ۲۱ میں ہے کہ "داؤدؑ کو ساؤل نے اپنے پاس بلایا اور وہ آیا اور اس نے پیار کیا اور اپنا اسلحہ بردار کیا" جس سے معلوم ہوا کہ ساؤل داؤدؑ اور ان کے باپ سے خوب واقف تھا۔ پھر ۱۷ باب ۳۱ ورس سے ۳۹ تک یہ ثابت ہے کہ "ساؤل داؤدؑ سے واقف نہ تھا" اس وجہ سے خود عیسائی مورخ یہ کہتے ہیں کہ قصہ الٹ پلٹ ہو گیا

بلکہ بعض اس باب کو الحاقی کہتے ہیں۔ علاوہ اس کے یہ بھی تحقیق نہیں کہ یہ کتاب کس کی تصنیف ہے۔ کوئی خود سموئیل کی کہتا ہے کوئی ناتن نبی کی کوئی یرمیاہ کی۔ پھر جب اس کے لکھنے والے مختلف لوگ ہوں تو الٹ پلٹ ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں۔ جس سے یہ یقین ہو سکتا ہے کہ جس طرح قرآن میں بیان ہے وہی صحیح ہے۔

دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ کتاب سموئیل میں لشکر کا پانی سے آزمایا جانا نہیں پایا جاتا اور نہ بوقت مقابلہ دعا کرنا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب سموئیل میں نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ باتیں واقع نہیں ہوئیں۔ کوئی عیسائی کہہ سکتا ہے کہ تمام باتیں کتاب سموئیل میں مندرج ہوگئی ہیں!

تابوتِ سکینہ کہ جس کو خداوند کا صندوق کہتے ہیں اس میں کچھ من اور وہ لوحیں کہ جو موسیٰؑ کو کوہ طور پر ملی تھیں اور ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے بعض کپڑے اور عصا رکھا ہوا تھا۔

# مقدّمہ

# تاریخ ابن خلدون اردو

مترجم :- مولانا سعد حسن خاں یوسفی (فاضل الٰہیات)

تاریخ وہ علم ہے جسے تمام اقوام نہایت ذوق و شوق کے ساتھ حاصل کرتی ہیں، اس کی افادیت کی بنا پر عوام و خواص سب انتہائی رغبت و دلبستگی کا اظہار کرتے ہیں تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ بدلتے ہوئے حالاتِ زمانہ نے مخلوقاتِ عالم کو کس طرح پیہم انقلابات میں مبتلا کیا، کس طرح اقوام نے عروج حاصل کیا، پھر کن اسباب کے تحت اقوام و ملل زوال کی نذر ہوئیں۔

مفکر و مورخِ اسلام، علّامہ ابن خلدون کا شمار ان ابنائے روزگار میں ہے جن کی تالیفات نے براعظم افریقہ، ایشیا اور یورپ کو نورِ علم سے منور کیا ان کی علمیت اور تاریخی بصیرت کے تمام مورخین معترف ہیں۔

علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے اس مشہور و معروف مقدمہ میں فلسفہ تاریخ، تمدن اور عوارض تمدن پر مکمل و جامع بحث کی ہے، اور وہ نادر نکات بیان کئے ہیں جو تاریخ کے طالب علم کی معلومات میں بیش بہا اضافہ کا باعث ہیں۔

یہ مقدمہ علامہ ابن خلدون کے تبحر علمی اور وسعت نظر کا عدیم النظیر شاہکار ہے، اور فن تاریخ سے شیفتگی رکھنے والوں کے لئے معلومات کا سرچشمہ ہے۔

متعلقہ ممالک کے نقشے اور اہم تصاویر اس ایڈیشن کی امتیازی خصوصیات ہیں۔

میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ کراچی

بارھویں صدی ہجری کی لاجواب و نادر روزگار تالیف

# ہدیہ مجیدیہ

ترجمہ

# تحفۂ اثنا عشریہ

مؤلفہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ابن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ۔ مولانا محمد عبدالمجید خاںؒ

پیدائش و تاریخِ مذہب شیعہ۔ ان کی مختلف شاخیں۔ ان کے اسلاف علماء اور کتب کا بیان۔ الوہیت، نبوت، امامت اور معاد کے بارے میں ان کے عقائد۔ ان کے مخفی مسائل فقہیہ۔ صحابہ کرام، ازواج مطہرات اور اہلِ بیت کے حق میں ان کے اقوال و افعال اور مطاعن۔ مکائدِ شیعہ کی تفصیل۔ ان کے اوہام، تعصبات اور ہفوات کا بیان۔ تولا اور تبرا کی حقیقت۔ یہ سب باتیں مذہبِ شیعہ کی معتبر کتب سے نقل کی گئی ہیں۔

نیز ان تمام امور کا احاطہ، کمال تہذیب کے ساتھ ان پر سیر حاصل بحث بےشمار غلط فہمیوں کا ازالہ اور مدلل جوابات اس عجیب و غریب پیرایہ میں قلمزد کیئے گئے ہیں جو فی الحقیقت شاہ صاحب ہی کا حق تھا۔

---

اس تالیف سے ہزارہا بندگانِ خدا کے شکوک مٹ گئے اور عقائد درست ہو گئے۔

یہ کتاب متلاشیانِ حق کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

ہدایت واصلاح کے باب میں بےنظیر کتاب

# تلبیسِ ابلیس اردو

تالیف : علامہ ابن جوزیؒ (المتوفی ۵۹۷ھ) ترجمہ : مولانا ابو محمد عبدالحق اعظم گڈھی

شریعتِ اسلام جس قدر عظیم الشان امر ہے اس پر عمل کرنے کے موانع بھی اتنے ہی زبردست ہیں۔ چنانچہ صاف نظر آرہے ہیں۔ یعنی نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسے۔

ابلیس کے فتنوں، اس کی قبیح بیہودگیوں اور چھپی چالوں خدا کی پناہ! یہ اپنے کام سے کبھی غافل نہیں رہا۔ لیکن جس قدر زمانۂ نبوت سے قرب رہا اسی قدر اس کو اپنے کام میں ناکامی ہوتی رہی۔ اور جس قدر زمانۂ نبوت سے بُعد ہوتا گیا اس کی کامیابی ترقی کرتی رہی۔ اور اس کے راستے پر چلنے کے لئے لوگ بکثرت آمادہ ہوتے گئے۔

نوبت بایں جا رسید کہ آج مکائدِ شیطانی کا بازار کھلا ہوا ہے اور قدم قدم پر شیطانی جال بچھا ہوا ہے۔

لہٰذا اس شاہراہ پر چلنے والوں کے لئے نفسانی اور شیطانی ہتھکنڈوں سے واقف رہنا بیحد ضروری ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ نے اپنی اس تالیف میں مکائدِ شیطانی کے تمام فریبوں کی خوب تشریح کر دی ہے۔ اور دکھلایا ہے کہ شیطان نے کس کس طرح سے اس اُمت کو دھوکہ دیا ہے۔ اور کن کن راہوں سے اس کے عقائد، اعمال اور اخلاق میں رخنہ اندازی کی ہے۔

نیز علماء، محدثین، فقہاء، واعظین، ادباء، شعراء، سلاطین و حکام، عباد و زہاد، صوفیہ اور عوام کی علیحدہ علیحدہ کمزوریاں، غلط رسوم و عادات، مغالطے اور بے اعتدالیاں اصلاحی انداز میں بیان کی ہیں۔ اور مسلمانوں کے ہر طبقہ اور ہر جماعت کو سنت و شریعت کے معیار سے دیکھا ہے۔

قرآنی علوم و معارف کا بے بہا خزینہ

# الاتقان

## فی علوم القرآن

(اردو)

دو جلدوں میں مکمل

روپے

قرآن فہمی کیلئے بنیادی کتاب

جس کو علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے صدہا کتب کے علمی جواہرات و مفید نادر معلومات سے مزین کیا، اس میں قرآن مجید کے اسی انواع علوم کا تذکرہ ہے، یہ کتاب اپنی افادیت اور جامعیت کی وجہ سے ہر دور میں مقبول رہی ہے،

ترجمہ مولانا عبدالحلیم انصاری، مولانا محمد عبدالحلیم چشتی

میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ کراچی